تِلکَ القُریٰ نَقُصُّ عَلَیکَ مِن اَنبَائِهَا

یہ چند بستیاں ہیں جن کے حالات ہم تم کو سناتے ہیں

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبر دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

واقعاتِ مملکتِ بیجاپور

سنہ ۱۳۳۲ھ

این تاریخ ہمایون "مشتمل است بر احوال خاندان شاہان بیجاپور"

سنہ ۱۳۳۲ھ

سنہ ۱۳۲۳ فصلی

مشتمل بر سہ حصص

حصۂ اول جس میں سات فوٹو ہیں

گر اکسیر سرور و سوز سازند — زخاکِ پاکِ بیجاپور سازند

مصنفہ

خاکسار بشیر الدین احمد (دہلوی) اوّل تعلقہ دار (کلکٹر)

ضلع رایچور ابقاہ اللہ عزّوجلّ بالعافیۃ والسرور

ممالک محروسۂ سرکار عالی نظام

خلد اللہ ملکہ

طبع اول — جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں — سنہ ۱۹۱۵ع — ۵۰۰ جلد

بمطبع مفید عام اگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صوفی طبع شد

نذر

اس کتاب کے لیئے اس سے بڑھکر کوئی عزت نہیں ہوسکتی کہ

حضور اقدس اعلیٰ حضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ آصف جاہ سابع جی سی اس - آئی شاہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ

اپنے نام نامی پر اس کا ڈیڈیکیشن منظور فرمائیں - یہ افتخار جو مرحمت شاہانہ سے میری تالیف کو حاصل ہوا کہ اس ناچیز نذر کو خلعت قبول سے مشرف فرمایا میرے لیئے ہمیشہ ہمیشہ سرمایۂ ناز رہے گا - میری محنت شاقہ کا صلہ پیش گاہ خداوندی کی اس ذرہ نوازی سے میری توقع اور حوصلہ سے بدرجہا زاید مل گیا و گفتی بہ فخر آ

غبار راہ گشتم - سرمہ گشتم - توتیا گشتم
بہ چندیں رنگ گشتم تا بہ چشمت آشنا گشتم

میں نہایت ادب کے ساتھ "واقعات مملکت بیجاپور" کو حضور پر نور کے اسم گرامی سے معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس نام کی بدولت یہ کتاب بھی مقبول خاطر انام ہوگی -

گزرانیدۂ نمک خوار جاں نثار
فدوی البشیر الدین احمد تعلقہ دار

بشیر الدین احمد مصنف کتاب ہذا

U. RAY & SONS, CALCUTTA.

فہرست مضامین حصۂ اوّل واقعات مملکت بیجاپور

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴
	سنہ ۱۰۰۷ھ ۱۵۹۸ع شاہزادۂ دانیال کا ملک دکن مین آنا اور اُس کے بعد اکبر پادشاہ کا بہ نفس نفیس تشریف لانا - قلعۂ اسیر گڈہ کا فتح کرنا اور ابراہیم عادل شاہ سے پیش کش طلب کرنا سنہ ۱۰۰۹ھ ۱۶۰۰ع - ابراہیم عادل شاہ کی صاحبزادی سلطان بیگم کی شادی شہزادۂ دانیال سے ٹھیرنا اور شہزادۂ دانیال کا اُسی سال سنہ ۱۰۱۳ھ مین انتقال کرنا اور سنہ ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ع مین اکبر پادشاہ کا انتقال - فاطمہ سلطان دختر ابراہیم عادل شاہ کی شادی سید شاہ حبیب اللہ حسینی سے سنہ ۱۰۱۴ھ احمد نگر مین امرا کی کھٹا چھنی ملک عنبر کا خانخاناں کو پسپا کرنا سنہ ۱۰۱۰ھ - جہانگیر بادشاہ کا عزم دکن ماں کے مانع ہونے پر فسخ عزیمت اور دوبارہ خان خاناں کو روانہ کرنا - ملک عنبر کا عادل شاہ سے مدد لینا - عادل شاہ کا قلعۂ قندہار دے دینا - اور عنبر کے ایک لڑکے کی شادی بیجاپور کے ایک امیر سے - شاہزادۂ پرویز اور مان سنگہ کا دکن مین آنا سنہ ۱۰۱۰ھ - مغلوں کے لشکر کی شکست اور قلعۂ احمد نگر پر دکھنیوں کا قبضہ - مرتضیٰ نظام شاہ اور ملک عنبر کی نا چاقی اور ابراہیم عادل شاہ کے سمجھانے بجھانے سے مل جانا سنہ ۱۰۱۹ھ - خان اعظم کی دکن پر چڑہائی اس کے بعد عبد اللہ خاں حاکم گجرات کا محاصرۂ قلعۂ دولت آباد مین شکست پانا سنہ ۱۰۲۰ھ - شہزادۂ خرم کا ملک دکن کو فتح کرنا سنہ ۱۰۲۴ھ - ابراہیم عادل شاہ کا قلعۂ بیدر پر قبضہ کرنا سنہ ۱۰۲۹ھ سلطان خسرو کی وفات سنہ ۱۰۳۰ھ قلعۂ کرنول کی فتح سنہ ۱۰۳۱ھ - ملک عنبر کا بیجاپور کو لوٹنا اور نورس پور کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا سنہ ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ع اور		

تصاویر

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست — محمد چشم بر راہِ ثنا نیست

خدا مدح آفرینِ مصطفےٰ بس — محمد حامدِ حمدِ خدا بس

اَللّٰھُمَّ[1] مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

ادنیٰ کرے اعلیٰ کو تو ادنیٰ کو وہ اعلیٰ — ہر امر پہ قادر ہے خداوند تعالیٰ

مقبول کرے یا نہ کرے مرضی ہے اُس کی — تو عبد ہے معبود کو تسلیم بجا لا

رزاق ہے پہنچاتا ہے مخلوق کو روزی — دے ہاتھ سے اپنے وہ ترے منہ میں نوالا

ہر ایک کو ہر چیز دی رتبے کی موافق — درویش کو کمبل دیا منعم کو دوشالہ

زنار برہمن کو دیا شیخ کو تسبیح — مسجد دی مسلمانوں کو ہندو کو شوالا

رشتہ ہے وہی ایک اگر ذات کو دیکھو — پڑھیے تو ہے تسبیح جو جپیے تو ہے مالا

[1] اے خدا (سارے ملک کے مالک تو (ہی) جس کو چاہے سلطنت دے اور تو (ہی) جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو (ہی) جسے چاہے عزت دے اور تو (ہی) جسے چاہے ذلت دے (ہر طرح کی خیر) و خوبی تیرے ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

محتاج کو دے تاج کرے شاہ کو محتاج — شاہنشہ کونین ہے اللہ تعالیٰ
دے ملک وہ چاہے جسے لے جس سے وہ چاہے — ہے قبضۂ قدرت میں دو عالم کا قبالا
مردے کو کرے زندہ کرے زندے کو مردہ — احکام میں کون اُس کے ہے دم مارنے والا

حمد

"حمد و ثنا ہو تیری" کون و مکان والے — "پروردگار عالم" دونوں جہان والے
"اے رحم کرنے والے" اے عز و شان والے — جھکتے ہیں تیرے در پر سب آن بان والے
بے شک "رحیم تو ہے" رحمت نشان والے

"روز جزا کے مالک" خالق ہمارا تو ہے — سجدہ ہیں تجھ کو کرتے تیری ہی جستجو ہے
"امداد تجھ سے چاہیں" سب کا سہارا تو ہے — تیری ہی بارگاہ میں - یہ میری آرزو ہے
"رستہ دکھا دے سیدھا" او آسمان والے

"وہ راستہ" دکھا تو پروردگار عالم — جس پر چلا کئے ہیں پرہیزگار عالم
"دی جن کو تو نے نعمت" اے کردگار عالم — اور نام جن کا اب تک ہے یادگار عالم
تیری نظر میں ٹھہرے جو عز و شان والے

"غصہ ہے جن پہ تیرا" اے قادر یگانا — "یا بھٹکے راہ حق سے" یا خالقِ زمانا
عاجز حبیب کو تو ان کی "نہ" رہ چلانا — کر رحم اتنا اس پر- او قادرِ توانا
"مقبول یہ دعا ہو" اے آسمان والے

نعت

اے قلم تحریر کیا وصفِ پیمبر کر دیا — گویا اس مطلع کو رشک مہر انور کر دیا
میں تو اس قابل نہ تھا پر تو نے ای پروردگار — مجھ کو مداح شفیع روز محشر کر دیا
ای شہ امیؐ لقب وہ مرتبہ تم کو ملا — سارے نبیوں کا تمھیں خالق نے افسر کر دیا
اُس کی قدرت ہے کہ دی اس نے گدائی شاہ کو — اور گدا کو دم میں شاہِ ہفت کشور کر دیا

بھید قدرت کا نہیں ملتا ہے اس کی انتہا
جس نے پیدا آگ کے اندر سمندر کر دیا

عرضِ حال

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ[1]

فطرتاً ہی مجھ کو شوق دید آثارِ کہن
قدرتاً ہی مجھ کو ذوق علم اسرار کہن

یادگارِ شوکت ماضی جہاں پاتا ہوں میں
جس طرح بنتا ہے اُس کو دیکھنے جاتا ہوں میں

خواہ مسجد خواہ منبر یا کہ ہو شاہی مکاں
نقش کہنہ میں ہیں ان کے سیکڑوں جلوے نہاں

مجھ کو اُجڑی بستیوں سے خاص دلچسپی سی ہے
اور باشندوں سے اُن کے خاص ہمدردی سی ہے

جب کسی ایسی جگہ پر میرا ہوتا ہے گزر
ہوتی ہے طاری عجب ایک بےخودی سی قلب پر

جب کوئی شاہی عمارت دیکھنے جاتا ہوں میں
ایک عجب عالم میں اپنے آپ کو پاتا ہوں میں

اِس جگہ کچھ علیش کچھ عشرت کے ساماں دفن ہیں
اِس جگہ پر کچھ مرادیں اور کچھ ارماں دفن ہیں

اس جگہ پر ہے مزارِ شوکت و شانِ غرور
اس جگہ مدفون ہیں اسبابِ امکانِ غرور

اس جگہ ہے بےکسی اور نامرادی سو رہی
قبر ہے یاں شوخیٔ چشم فسوں پرداز کی

دب رہے ہیں کچھ جواہر غیر سفتہ اِس جگہ
دفن ہیں کچھ غنچہ ہائے ناشگفتہ اِس جگہ

تربتیں ہیں کچھ جنون فتنہ ساماں کی یہاں
چاک داماں کی یہاں چاک گریباں کی یہاں

ساقیٔ توبہ شکن ہے اس جگہ آرام میں
شاہدِ نازک بدن ہے اس جگہ آرام میں

ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اپنی اپنی داستاں
لو سنو۔ افسانہ ہائے ریزہ ہائے استخواں

اس طرح کہتا ہے ایک ہڈی کا ٹکڑا باربار
عالم فانی کا ہے مجھ میں تماشہ آشکار

چار سو عالم میں شہرہ تھا شجاعت کا مری
شان و شوکت کا مری اور جاہ و حشمت کا مری

---

[1] (اس میں) شک نہیں کہ عقل والوں کے لئے ان لوگوں کے حالات میں (بڑی) عبرت ہے۔

کتنے گھر ابتر کیے تھے میں نے اپنے ہاتھ سے — کتنے تن بے سر کیے تھے میں نے اپنے ہاتھ سے
میرے تیشے کی دمک سے مہر کی تابندگی — میرے خنجر کی چمک سے برق کو شرمندگی
زندگی میں مل سکی کافی نہ جب راحت مجھے — قبر کی تعمیر- بعد از مرگ سونے کے لیے
حیف اب باقی نہیں اس قبر کا بھی کچھ نشاں — ڈھیر ہے مٹی کا اک اور بے کسی ہے نوحہ خواں

سرگزشت عالم فانی سنانے کے لیے
ہم ہیں باقی ٹھوکریں دنیا کی کھانے کے لیے

دوسرا ٹکڑا یہ کہتا ہے نہ پوچھو میرا حال — میں وہ ہوں تھی جس کے قبضے میں عنانِ ملک و مال
رشک فردوس بریں تھے میرے ایوان و مکاں — گلشن و بستاں تھے میرے غیرت باغ جناں
ختم تھی مجھ پر عدالت اور رعایا پروری — زیب دیتی تھی مجھے فرماں دہی و شاہنشہی
ربع مسکوں کے سبیل رزق کا میں تھا کفیل — ذات تھی میری غریبوں خستہ حالوں کی کفیل
جس طرح مردود تھے ظالم میرے دربار سے — داد پاتے تھے یونہیں مظلوم اس سرکار سے
تھا ہر اک دل دادہ کشتہ جس نگاہ ناز کا — اک کرشمہ تھا مری چشم فسوں پرداز کا

اب نہ وہ حسن و جوانی ہے نہ وہ شاہانہ شاں
تذکرے اپنے لیے عبرت ہیں زیبِ داستاں

ہم سے پوچھے کوئی ایسے اجڑے- ایوانوں کا حال — ان کے بانی کون تھے اور کیا ہوا ان کا مآل
ذرہ ذرہ میں یہاں کے نطق کی تفسیر ہے — ریزہ ریزہ میں یہاں کے جوہر تقریر ہے
سنگریزے کام کرتے ہیں زبانوں کا یہاں — ہو رہا ہے ہر طرف ایام پیشیں کا بیاں
ہر قدم پر پاؤں کے نیچے جب آتی ہے زمیں — داستان حالتِ ماضی سناتی ہے زمیں
ہیں غرض یہ بستیاں صفحاتِ تاریخ قدیم — ان کو ویرانہ نہ سمجھو ہیں یہاں قومیں مقیم
میں سمجھتا ہوں کہ اک افسانہ کہتا ہے کوئی — بھول کر بھی گر انھیں ویرانہ کہتا ہے کوئی

کوئی جامِ عبرت آموزی کا متوالا تو ہو
صاف آتی ہیں نظر ہاں دیکھنے والا تو ہو

سنہ ۱۹۱۱ء میں خاکسار نے "تاریخ بیجانگر" لکھی جو راجگان بیجانگر کی زمان سلطنت کے کارنامے
سنہ ۱۳۳۶ء سے لے کر سنہ ۱۵۶۲ء تک تھے۔ ملک دکن میں اس سلطنت کا دور دورہ تخمیناً ڈھائی صدی
تک برابر رہا۔ باوجودیکہ ایک بہت بڑے حصۂ جنوبی ہندپران کی حکومت تھی اور ایسی عظمت
و جبروت کی سلطنت کی کہ لاکھوں کی تعداد میں تو ان کے پاس لشکر تھا اور بے شمار دولت تھی
اور ابھی ساڑھے تین سو برس پہلے ملک ہندوستان میں ان کا ڈنکا بجتا تھا لیکن آج
کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا کہ وہ کون تھے اور کس کونے کھنڈرے میں پڑے ہیں۔ اُن کے
دارالسلطنت کی حیثیت آج ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں سے بھی بدتر ہی بلکہ یہہ کہا
جائے تو کچھہ بیجا نہیں کہ جس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور آج "ہمپی کے کھنڈروں کے"
نام سے وہ زبان زد خاص و عام ہی۔ بیجانگر کی سلطنت کا مشہور وزیر رام راج تھا۔ جب
چیونٹی کی موت آتی ہی تو اُس کے پر نکل آتے ہیں رام راج کو ایسا عروج ہوگیا تھا کہ وہ مسلمان
بادشاہوں کو خاطر تلے نہ لاتا تھا بلکہ اُن کا ہنسی ٹھٹّا اڑاتا تھا چنانچہ احمد نگر سے واپس آتے
ہوئے راجہ کی فوج بیہودہ غرور اور متکبرانہ کوتاہ اندیشی سے علی عادل شاہ کے امرا سے
مسخرہ پن کرنے لگی لیکن مسلمانوں نے مصلحتِ وقت دیکھ کر طرح دی۔

راجگانِ بیجانگر کا پہلے یہہ قاعدہ تھا کہ وہ مسلمان بادشاہوں کے ایلچیوں کو بڑی تعظیم سے
دربار میں بٹھاتے تھے لیکن رام راج نے اول تو دربار میں بلانا ہی چھوڑ دیا اور اگر بلاتا بھی تو بیٹھنے
کی اجازت نہ دیتا۔ کبھی سوار ہوتا تو دور تک انھیں اپنی رکاب میں گھوڑے کے ساتھ چلاتا اور
بہت دیر کے بعد سوار ہونے کی اجازت دیتا۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ مسلمان بڑے غیرت مند
اور اپنی عزت کے خواہاں ہوتے ہیں وہ کسی وقت اپنی شرافت کے خیال کو فراموش نہیں کرتے
وہ اپنے مال کا زیان اور جان کا نقصان گوارا کرتے ہیں پر ذلت سے جینے سے موت کو
ترجیح دیتے ہیں۔ مسلمان رام راج کے بُرے برتاؤ کی تاب نہ لاسکے اور بگڑ بیٹھے۔ یہہ غرور
خود رام راج کے لئے وبال جان ہوا اور تمام مسلمان بادشاہ برافروختہ ہوگئے۔ اسی زمانے
میں پون کنٹی نام ایک ویسائی نے پورکل کے قلعہ میں جو عادل شاہ کی زیر حکومت اور رام راج کی

سرحد پر تھا بغاوت کی اِس وبیائی کا مکان قلعہ کے اندر تھا۔ اُس نے شادی کے بہانے سے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی مہمانی کی اِس حیلے سے بہت سے آدمی قلعہ میں بلائے اور قلعہ کے محافظوں کو ملا کر تھانہ دار کو قتل کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ عادل شاہ پیچ و تاب کھا کر خاموش رہ گیا اکیلا کر کیا سکتا تھا۔ علی عادل شاہ نے بمصداق مرتا کیا نہ کرتا رام راج کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن کشور خاں اور بوتراب خاں شیرازی نے عرض کی کہ رام راج کی صولت اور سطوت کا تن تنہا مقابلہ کرنا تو ناممکن ہے۔ بارہ کرور سے بیس کرور ہن سالانہ تو اُس کے خزانے میں داخل ہوتے ہیں اور بے انتہا زمرد اور الماس کی اس کے ملک میں کانیں ہیں فوج میں تین چار لاکھ سوار اور نو دس لاکھ پیادے رہتے ہیں اور رعایا ہم قوم ہیں۔ دریائے کشنا سے لے کر راس کماری تک وہی مالک ہے۔ سات بندرگاہیں اور متعدد قلعے اُس کے قبضہ میں ہیں ؎ ع دو دل یک شود بشکند کوہ را۔ حسین نظام شاہ کو ملا لینا ضرور ہے۔ بادشاہ نے کشور خاں کو اختیار دیا کہ حسب اقتضائے وقت جو تدابیر مناسب ہوں کی جائیں

کشور خاں نے پہلے ابراہیم قطب شاہ کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ ابراہیم پہلے ہی سے بھرا بیٹھا تھا اُس نے فوراً اپنے وزیر مصطفیٰ خاں کو علی عادل شاہ سے بات پکی کرنے کو بھیج دیا اور کہہ دیا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو بسم اللہ میں ہر طرح تیار ہوں تم وہیں سے حسین نظام شاہ کے پاس احمد نگر چلے جانا۔ اور وہاں بھی پختہ دیز کر لینا مصطفیٰ خاں جب عادل شاہ کے حضور میں باریاب ہوا تو اُسے رام راج سے ایسا پُر دل دیکھا کہ وہ لڑائی پر تُلا ہوا تھا یہاں سب ٹھیک ٹھاک کر کے سیدھا احمد نگر پونہچا اور کہا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ تمام ملک دکن پر سلاطین بہمنیہ کی حکومت تھی اُس وقت سلطنت بیجا نگر کسی شمار قطار میں نہ تھی اب اِس ملک میں کئی بادشاہ ہو گئے برخلاف اس کے بیجا نگر میں وہی ایک راجہ ہے اور اُس کے مقبوضات پہلے سے بہت زیادہ ہو گئے اور قوت روز افزوں ہے اس لئے نہایت ضرور ہے کہ آپ سب اِن آپس کی نااتفاقیوں کو تہ کریں ورنہ اس زبردست دشمن کے چنگل سے بچنا بالکل محال ہے حسین نظام شاہ بھی اس خیال سے کہ علی عادل شاہ صرف رام راج کے بھڑانے پر کودتا ہے اگر رام راج کی قوت توڑ دی جائے تو علی عادل شاہ کو گرا لینا کون سی بڑی

بات ہے فوراً متفق ہوگیا۔ لیکن رام راج کو نیچا دکھانا کچھ آسان کام نہ تھا یہ کسی ایک کے بس کا
نہ تھا اس لئے مصطفیٰ خاں حکیم قاسم بیگ اور قاضی ملا عنایت علی کی صلاح سے یہ تجویز
ٹھیرائی کہ حسین نظام شاہ کی بہن چاند بی بی علی عادل شاہ کو منسوب کر کے پرگنہ شولاپور جو مابہ النزاع
ہے جہیز میں دے دیا جائے اور علی عادل شاہ اپنی بہن ہدیہ سلطان شاہزادہ مرتضیٰ
ابن حسین نظام شاہ کو دے تاکہ فریقین میں رشتۂ اتحاد مستحکم ہو جائے اور تینوں بادشاہ
مل کر رام راج پر ٹوٹ پڑیں حسین نظام شاہ اس بات پر راضی ہوگیا مصطفیٰ خاں اور ملا صاحب
دونوں بیجاپور آئے اور علی عادل شاہ کو بھی راضی کر لیا اور بڑی دھوم دھام سے دُھری دُھری
شادیاں رچیں اور دونوں دُلہنیں ایک ہی تاریخ میں اپنے اپنے دولھاؤں کے ہاں پونہچ
گئیں اور شولاپور عادل شاہ کو مل گیا۔ علی برید بھی ان تینوں بادشاہوں کا شریک ہوگیا۔
یہ واقعہ ۹۷۱ھ کا ہے۔ غرض رام راج سے چھیڑ شروع ہوئی۔ علی عادل شاہ نے اپنا ایلچی
رام راج کے پاس بھیجا اور قلعہ جات رائچور۔ مدگل۔ اتنیگری۔ ماکری کی واپسی کی خواہش کی
رام راج اس پیغام کے سنتے ہی غصے سے پھٹ پڑا اور ایلچی سے کہا کہ اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو ابھی
تیرا سر اُڑا دیتا اور اُسی وقت سب مسلمان بادشاہوں کے ایلچیوں اور وکلاء کو جو وہاں
مقیم تھے بے عزتی سے نکلوا دیا اُن لوگوں کا واپس ہونا تھا کہ حسین نظام شاہ۔ علی برید شاہ۔
ابراہیم قطب شاہ تینوں اپنے اپنے لشکر لے بیجاپور پونہچے۔ حسین نظام شاہ کے رنج کے
باعث صرف برہان عماد شاہ اس لڑائی میں شریک نہ ہوا۔ چاروں بادشاہ بیجاپور پر ملے
اور از سر نو مشورت کے بعد ۲۰۔ جمادی الاول م ۹۷۲ھ ۱۵۶۵ء کو دریائے کشنا کے کنارے
تالی کوٹہ پونہچے جو عادل شاہ کی عملداری میں تھا۔ رام راج کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے ذرا
بھی پروا نہ کی اور اپنے چھوٹے بھائی تیم راج کو پانسو ہاتھی تیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل
دے کر دریائے کشنا کے گھاٹوں کو روکنے کے لئے روانہ کیا اور پھر وینکٹا دری اپنے منجھلے بھائی
کو اُس سے المضاعف لشکر دے کر مدد کے لئے بھیج دیا ان لوگوں نے آکر گھاٹ روک لئے
پھر خود رام راج بھی تمام اطراف کے راجاؤں اور کرناٹک کے بڑے بڑے زمینداروں کو لے کر
آن پونہچا مسلمان کسی نہ کسی طرح دریا کے پار تو ہوگئے مگر رام راج کی فوج اس وقت

ایک لاکھ سوار اور نو لاکھ پیادے تھے جس میں بکثرت توپچی اور تیر انداز تھے اس لئے مسلمانوں کو ڈر تھا کہ اگر خدا نخواستہ ہم ہارے تو پھر دکن میں ہمارا تخم باقی نہ رہے گا۔ مسلمان چاہتے تھے کہ اگر رام راج اب بھی وہ قلعے جو اُس نے چھین لئے ہیں واپس کر دے اور آیندہ ہمارے معاملات میں دخل نہ دینے کا وعدہ کرے تو ہم پلٹ جائیں لیکن رام راج کی نگاہ میں مسلمانوں کی رتی برابر وقعت نہ تھی وہ ان کا مار لینا منہ کا نوالہ سمجھتا تھا اور اُسے پورا بھروسہ تھا کہ انھیں آن واحد میں چٹکی سے مسل دوں گا۔ اس واسطے اُس نے اس بات پر کان نہ دھرا اور جنگ چھڑ گئی مسلمانوں اور ہنود کے لشکر کی صف آرائی حسب ذیل بالمقابلہ تھی :-

میمنہ - علی عادل شاہ - ونکٹادری پچیس ہزار سوار دو لاکھ پیادے - پانچ سو ہاتھی -

میسرہ - علی برید شاہ وابراہیم قطب شاہ - تیمراج بیس ہزار سوار دو لاکھ پیادے - پانچ سو ہاتھی

قلب - حسین نظام شاہ - رام راج پینتیس ہزار سوار خاصہ دو ہزار سوار امدادی راجگان پانچ لاکھ پیادے ایک ہزار توپ دو ہزار ہاتھی -

رام راج نے حکم دیا کہ علی عادل شاہ اور ابراہیم قطب شاہ کو زندہ گرفتار کر کے لائیں اور انھیں مادام الحیوٰۃ آہنی پنجروں میں بند رکھا جائے اور حسین نظام شاہ کا سر کاٹ کر لائیں حسین نظام شاہ کے ساتھ دو سو بڑی توپیں تھیں اور دو سو ضرب زن یعنی چھوٹی توپیں اور دو سو زنبور تھے جو بڑی بھاری بندوقیں ہوتی ہیں اور اونٹوں پر سوار لئے رہتے ہیں۔ رام راج سنگاسن میں سوار تھا مصاحبین نے کہا کہ اس وقت آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں پالکی میں بیٹھنے کا موقع نہیں ہے مگر اُس نے چین بجبیں ہو کر کہا کہ یہ مُسلے کیا میرے مقابلے پر آ سکتے ہیں کوئی دم میں دیکھنا کہ نوک دم بھاگیں گے۔ رام راج اطلس سرخ اور زربفت کی شامیانہ میں اُتر کر کرسی مرصع پر چار زانو ہو بیٹھا اور ہن اور جواہرات کے ڈھیر اپنے دونوں جانب لگا دئے اور ڈبالوں میں بھر بھر کر دینے لگا اور اپنی فوج کا خوب دل بڑھایا۔ رومی خاں نے ملک میداں میں پیسے بھر کے جو ایک فیر کی تو پانچ چھ ہزار ہندو کتنے ہی ہاتھی اور گھوڑوں کا ستھراؤ ہو گیا۔ رام راج کی عمر اسّی سال سے متجاوز تھی یہ حال دیکھ کر جھٹ سنگاسن میں سوار ہو گیا اس معرکہ میں کہاروں کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ ایک نظام شاہی فیل بان نے جو جواہرات سے جگمگاتی ہوئی پالکی دیکھی تو منہ میں پانی

پھر آیا ہاتھی کو اُس رُخ پر دبایا - دیکھا تو پالکی میں رام راج تھا ؎

آب در کوزۂ و ما تشنہ دہاں می گردیم — یار در خانۂ و ما گرد جہاں می گردیم

ہاتھی کی سونڈ سے اُسے اوپر کھینچ لیا اور رومی خاں کے پاس لایا اور رومی خاں حسین نظام شاہ کے پاس لے گیا اُس نے فوراً اس کا سر قلم کروا دیا - اس دن ایک لاکھ ہندو قتل ہوئے اور میدان جنگ کشتوں سے پٹ گیا - مسلمانوں کی فتح ہوئی اور آناگندی تک مسلمانوں نے بھگوڑے لشکر کا پیچھا کیا - تغال خاں جو برہان عادل شاہ کا وزیر تھا احمد نگر کو خالی پاکر رام راج کی اشتعالک سے لوٹ رہا تھا اس لئے نظام شاہ نے رام راج کے سر میں بھُس بھروا کر اُس کے پاس بھجوا دیا - بیس دن تک مسلمان اپنے مجروحوں کی مرہم پٹی کرتے رہے بعد بیجانگر کی طرف چلے یہ شہر اس وقت نہایت آباد تھا - کوسوں تک اُس کی آبادی پھیلی ہوئی تھی - دکن میں اور کوئی شہر اتنا بڑا نہ تھا - صدہا مندر اور بت خانے اُس میں تھے جنھیں مسلمانوں نے لوٹ لاٹ کر توڑ پھوڑ دیا اور بازاروں اور دکانوں کو لوٹا اور مکانات کو کھود کھود کر دفینے نکالے اور کوڑا جمع کر کے مکانوں میں بھروا کر تمام شہر کو آگ لگا دی چنانچہ اب تک بھی وٹھل سوامی کے دیول کی دیواریں دھوئیں سے کالی ہیں - الغرض شہر بیجانگر کو ایسا تباہ کیا کہ پھر کبھی آباد نہ ہوا اور اب سوائی کھنڈروں کے کچھ باقی نہیں ہے - تاریخوں کی رو سے شہر بیجانگر کی بنا ۱۳۴۶ء م ۷۴۷ھ میں ہوئی - یہ شہر دریائے تنگ بھدرا کے دست راست یا جنوبی کنارے پر واقع ہے اور اطراف میں پہاڑیاں ہیں جن میں سے بعض ایک ایک ہزار فٹ بلند ہیں جو قلعہ بندی کے لیے قدرتی فصیلیں ہیں -

اس شہر کا محیط ساٹھ میل کا ہونا نکولو کونٹی نے پندرھویں عیسوی صدی کے شروع میں لکھا ہے شہر کے وسط میں یا سب سے اندرونی قلعہ میں راجہ کے محلات اور ٹکسال اور سنیا پتی کے مکانات ایک بلند پہاڑی پر تھے جن کے اب صرف کھنڈر باقی ہیں - اب جا جو کر صرف ایک فیل خانہ اور کنسرٹ ہال (تماشہ گاہ) درست حالت میں باقی ہیں -

اس شہر کی سات فصیلیں تھیں جن کا ذکر عبد الرزاق نے کیا ہے - ہاس پیٹ جو ان کھنڈروں سے سات میل ہے اب بھی اس شہر کا آٹھواں دروازہ کہلاتا ہے - بیجانگر کی جس قدر سرسبزی اور خوش حالی میں ترقی ہوئی اُسی قدر اُس کی قوت و شوکت میں بھی افزائش ہوئی - شاہان بہمنی

کے عہد میں گو کہ بار ہا لڑائیاں ہوا کیں مگر طرفین سے کسی نے بہت ہی کم ایسا ہوا ہی کہ تنگ بھدرا یا کشنا سے آگے قدم بڑھایا ہو - لڑائیاں ہمیشہ اِن ہی دو دریاؤں کے بیچ میں ہوا کرتی ہیں جو ملک دوآبہ کہلاتا ہی - جب سلطنت بہمنی تباہ ہو گئی اور اُس کے جانشین مسلمان بادشاہوں میں روز بروز لڑائی اور جھگڑے رہنے لگے تو بیجانگر کو بہت جلد اچھی قوت حاصل ہو گئی اور دوابہ کا ملک درحقیقت بیجانگر کا ملک ہو گیا اور گو کہ قلعہ جات رائچور اور مدگل کو بیجاپور کے بادشاہ بار بار لیتے رہے مگر اُن پر اُن کا مدت تک قبضہ نہیں رہتا تھا - آخر کار رام راج نے حملے شروع کئے - ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی تو اُسے ایک فریق اپنی طرف بلاتا اور کبھی دوسرا اور کبھی دونوں اُسے روپیہ دیتے اور مدد مانگتے تھے - ہندو راجاؤں کو صرف اتنی ہی طاقت نہ تھی کہ باوجود مسلمانوں کی بڑی بہادری اور قواعد دانی کے اُن کے مقابلے میں وہ اپنی حفاظت کریں بلکہ اُس سے بھی وہ کچھ بڑھ گئے تھے اور یہ حالت اُن کی کچھ عرصہ تک قایم رہی تھی اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہی کہ ان میں بگڑ کر پھر بن جانے کی بڑی طاقت تھی - اُن کے ملک کی آبادی بہت بڑی تھی جب کبھی اُن کو شکست ہوتی تو وہ میدان میں اور نئی بھیڑ بھاڑ اکٹھی کر لاتے تھے اور صرف اس کثرت ہی کے باعث وہ مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا کرتے تھے -

تالیکوٹہ کی لڑائی کے بعد جنوبی ہند کی ہندو حکومت بالکل تباہ ہو گئی اور اس قدیمی خاندان کے پس ماندہ پہلے تو پین کنڈہ پھر چندر گری کو ضلع ارکاٹ شمالی میں چلے گئے جہاں اُن کا دارالحکومت دو سو برس سے زائد قایم رہا مگر اس خاندان کی اس شاخ میں بہت ہی تھوڑا سا ملک باقی رہ گیا جتنے راجہ پہلے مطیع تھے وہ سب رام راج کی شکست کے بعد خود مختار بن گئے - میسور - مدوری اور تانجور میں جدا جدا ریاستیں قایم ہو گئیں اور بیجانگر کے گرد و نواح میں چھوٹے چھوٹے سردار اور زمینداروں نے ملک کو آپس میں بانٹ لیا - مسلمانوں کے لئے بھی بیجانگر کی تباہی کچھ مفید نہ ہوئی - اس کے بعد مسلمان بادشاہوں کے باہمی رشک و حسد سے کسی ایک کو بھی اپنے ملک بڑھانے کا حوصلہ نہ ہوا یہ سچ کہ کچھ عرصہ کے بعد گولکنڈہ اور بیجاپور دونوں نے بیجانگر کی عمل داری کے ایک بہت بڑے حصے پر قبضہ کر لیا مگر اس کامل بربادی کے بعد جس قدر توقع کی جا سکتی تھی اُتنی وسعت

مسلمانوں کے مقبوضات میں نہ ہوئی۔ بیجانگر کی زبردست حکومت کے پڑوس میں ہونے سے
رقابت کا بازار گرم تھا اور مسلمان بادشاہ ہر وقت چوکنا رہتے تھے جب یہ کھٹکا جاتا رہا تو وہ
خودسست پڑگئے اور اپنی تمام طاقت باہمی لڑائیوں میں صرف کرنے لگے کہ جس کی وجہ
سے تھوڑے ہی دنوں بعد دکن کی سب چھوٹی موٹی سلطنتیں بادشاہ دہلی کی بہ آسانی شکار ہوگئیں
اس میں شک نہیں کہ رام راج ایک بڑا لائق مدبّر۔ صاحب الرائے اور مستقل مزاج پولیٹیشن تھا
کہ اُس نے راجگان بیجانگر کا راج چھین لیا اور خود راجہ بن گیا۔ اگر جنگ تالی کوٹہ میں رام راج
کو کامیابی ہوتی تو ضرور مسلمانوں کی حکومت کو وہ خاک میں ملا دیتا۔ رام راج کو جو آخر زمانے
میں غرور ہو جانے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمان بادشاہوں پر بالکل چھا گیا تھا اور اسی تکبر کی
بدولت وہ مسلمان بادشاہوں کو بالکل خاطر تلے نہ لاتا تھا اور ایک پشۂ ضعیف سمجھتا تھا
یہ ظاہر ہے کہ جب ہی تو اُس نے باوجود اس سن کہولت کے اسّی برس کی عمر میں تالیکوٹے کی
جنگ میں فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی جو اس امر کی بیّن دلیل ہو کہ وہ غایت درجہ کا جفاکش
اور غیر معمولی قویٰ کا آدمی تھا۔ بیجانگر کی خاندان کی اولاد آناگندی میں (جو بیجانگر کے پُرانے
اور اُجڑے ہوئے شہر کے پاس بستا ہی) سرکار عالی نظام کے علاقہ میں اب تک موجود ہے۔
یہ مقام سمستان آناگندی کے نام سے مشہور ہی اور اس وقت "سری منت سری رنگا دیو
رائلو رنیتی"، اس سمستان کے راجہ اور ہماری گورنمنٹ کے بڑے جاگیردار ہیں جن کو متعدد
مواضع جاگیر ہیں اور علاقۂ انگریزی سے بھی پانسو روپیہ ماہانہ پنشن پاتے ہیں۔ بیجانگر اور بیجاپور
میں جس طرح تجنیس خطی ہی اُسی طرح اِن دونوں کا چولی دامن کا ساتھ بھی رہا ہی۔ آئے دن
ان میں کٹا چھنی رہی۔ بیجانگر کی تاریخ مکمل نہیں کہی جاسکتی جب تک کہ بیجاپور کی تاریخ لکھی نہ جائے
کیوں کہ خاندان عادل شاہیہ کی سلطنت بھی قریب قریب دو سو سال تک رہی جس میں نو بادشاہ
گزرے۔ اِن کا کارنامے ایک جداگانہ کتاب چاہتے ہیں۔

مذہبی ہادیوں کی زبانی سحر انگیز تقریروں کے بعد جو کسی قوم کے مردہ دلوں میں جوش پیدا
کرلے اور ہمت بڑھانے کا اگر کوئی عمدہ ذریعہ ہی تو وہ تاریخ ہی اور تاریخ بھی کون سی اُن کے
آبا و اجداد کی۔ اس لئے میں نے راجگانِ بیجانگر اور عادل شاہیہ دونوں خاندانوں کی

تاریخ لکھ کر اس سٹ کو مکمل کردیا۔ کسی مقام کی تاریخ لکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مصنف خود بھی اُس مقام کو اچھی طرح دیکھ بھال لے ورنہ سنی سنائی باتوں پر لکھنا چنداں قابل وثوق نہیں ہے ع۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ بیجاپور کی عمارات کی شہرت ہر کس و ناکس سے ایک عرصہ سے سنا کرتا تھا۔ دل میں شوق تھا کہ جاؤں اور دیکھوں مگر دنیا کا کارخانہ بتلا رہا ہے کہ انسان خود کچھ بھی نہیں کرسکتا وہ چاہتا ہے اور نہیں ہوتا اور جو نہیں چاہتا وہ زبردستی اُس کے سر منڈھا جاتا ہے۔ ورنہ ستانی بہ ستم می رسد۔ ہم کسی بات کا ارادہ کرتے ہیں اور ناکامیاب رہتے ہیں[۵۱] عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ اور جب وقت آجاتا ہے تو وہی مشکل کام آسان ہوجاتا ہے۔

مشکل ز توجہ تو آساں　　　آساں ز تغافل تو مشکل

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انسان باایں کرّوفر خود دست و پاشکستہ ہے اس کی کنجی کسی دوسرے کے دستِ قدرت میں ہے[۵۲] فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کوئی اور ہی ہے۔ وہ جس کل چاہتا ہے ہم کو اٹھاتا بٹھاتا ہے اور ہم دوسرے کے ارادے اور حکم کے تابع فرمان ہیں۔ ہر بات کے لئے ایک وقت مقرر ہے[۵۳] کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا وہ اپنے وقت مقرر پر ہو کر رہے گا۔

ہست دریں دائرہ بے قال و قیل　　　ایں ہمہ بر ہستی صانع دلیل

الغرض برسوں کی آرزو پوری ہوئی ۲۴ مارچ ۱۹۱۰ء کو سرزمین بیجاپور پر قدم رکھا۔ چار دن رہے سوائے پھرنے اور مقامات کی سیر کے کھانے پینے کی بھی سدہ نہ تھی اس اُجڑے ہوئے دیار کے چپے چپے کو نہایت غور اور نظر تعمق سے دیکھا۔ جتنے کتبات تھے اُن کو لکھا جو دقیق تھے اُن کو حل کیا۔ کتبات کے سُلجھانے میں میرے دوست مولوی محمد کمال الدین صاحب سوم تعلقدار کو بڑا کمال ہے وہ بال کی کھال نکال لیتے ہیں باپ سے بڑھ کر اُن کے فرزند رشید میاں سراج الدین سلمہ اللہ تعالیٰ ہے ع۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ تاریخ کے گرویدہ اور شائق تھے وہ نوٹ کرتے جاتے تھے۔ ہمارے ساتھ شمس الدین صاحب بانگی بطور گئیڈ کے تھے جن کا ذکر ہنری کوزنز صاحب نے

---

[۵۱] ارادوں کے پورا نہ ہونے سے میں نے اپنے رب کو پہچانا [۵۲] جو چاہتا ہے کرگزرتا ہے [۵۳] ہر بات کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔

بھی اپنی کتاب میں کیا ہی یہ صاحب بیجاپور کی زندہ تاریخ ہیں اور بیجاپور میوزیم کے مہتمم بھی ہیں۔ ان سے ہم کو ہر ہر مقام کے تاریخی حالات سمجھنے میں بے انتہا مدد ملی۔ علی الصباح مسافر نیگلے سے نکلتے تھے اور بعد مغرب واپس آتے تھے رات کو جب بستر پر پڑتے تھے تو تھک کر چور ہو جاتے تھے۔ بھلا چار دن میں کیا دیکھ سکتے تھے یہ مقام ایسا ہی کہ چار ہفتے بھی یہاں ٹھیریں تو کچھ زیادہ نہیں۔ ان مقامات کو دیکھ کر شاہاں سلف کی عظمت و جبروت کا سکہ دل پر بیٹھ جاتا ہی اور بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہی کہ شاہاں ہند یادشاہی نمی کنند خدائی میکنند۔ آج اس سلطنت کو مٹے (۲۲۸) برس کا زمانہ ہوا۔ شہر بیجاپور بارہا لوٹا کھسوٹا گیا۔ قحط۔ طاعون (پلیگ) نے اس کو جڑ پیڑ سے ہلا دیا۔ زمانہ کی نا قدر دانی اور کس مپرسی کے ہاتھ سے بنی بنائی چیزیں بگڑ گئیں۔ غرض اس اُجڑے ہوئے شہر کو بسانے والا تو کوئی بھی نہ تھا ہاں اُجاڑنے والے سب تھے باایں ہمہ بمقابلۂ زمانہ ماسبق کے ایک شمہ جو باقی رہ گیا ہے وہ بھی مصداق اس کا ہی کہ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اگرچہ شہر بیجاپور اب جادھر دیکھو ویران ہی اور بجز چند عمارات۔ کے جن کو برٹش گورنمنٹ نے سنبھال لیا ہی جہاں دیکھو سوائے ویرانے اور کھنڈروں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ ناگ پھنی نے اپنی حکومت چوطرف پھیلا رکھی ہی جدھر دیکھو ٹوٹے پھوٹے مکان اور منتشر اور پراگندہ پتھروں کے سوائے کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر اس ویرانہ پر بھی ہزار آبادیاں صدقے کی تھیں ؎

اگر فردوس بر روے زمین ست ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست

اللہ تعالیٰ فرماتا ہی ۱؎ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً مسلمان بادشاہ اور ہندو راجہ آپس میں لڑ بھڑ کر کٹ مرے۔ خود تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی تباہ کیا۔ رہے نام اللہ کا اب تو یہ حالت زار ہی ۲؎ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ

۱؎ بادشاہ جب کسی شہر کو بزور فتح کر کے اُس میں داخل ہوا کرتے ہیں۔ تو (اُن کا دستور ہی کہ) اُس کو خراب اور وہاں کے لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں ۲؎ غرض کتنی بستیاں کہ ہم نے اُن کو ہلاک کر مارا اور وہ نافرمان تھیں پس اب وہ (ایسی اُجڑی پڑی ہیں۔ کہ اُن کی دیواریں) اپنی چھتوں پر گری ہیں اور کتنے (کنوئیں) بے کار پڑے ہیں اور (کتنے پکے) پکے محل ویران پڑے ہیں پس اے اہل بصیرت عبرت پکڑو ۱۲۔

سلطان محمدؒ جنت آشیانی کا گول گنبد (جسے بولی گنبد بھی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اُس میں ایک نہایت حیرت خیز طریقے سے آواز گونجتی ہے اور آہستہ سے آہستہ بات دُہرائی جاتی ہے) سربفلک کھڑا ہے - اتنا وسیع اور عالی شان گنبد آج ہندوستان میں تو یقیناً نہیں ہے اور روے زمین پر بھی سوائے سینٹ پال کے گرجا کے جو لندن میں ہے کوئی اس کا جواب نہیں - ابراہیم روضہ کو دیکھئے کیسی نفاست سے بنایا گیا ہے کہ ساری صنّاعی کا اِس پر خاتمہ ہو گیا ہے - ایک ایک پتھر وہاں کا سونے میں تولنے کے قابل ہے یہ وہ عمارت ہے جس پر ایک لاکھ اُنسٹھ ہزار ہن خرچ ہوا اور اس طرح کی بیسوں عمارتیں اور محلات اور پُر فضا باغات تھے جو زمیں کے برابر ہو گئے - پانی جس کی آج بیجا پور میں تراہ تراہ پڑی ہوئی ہے اس افراط سے تھا کہ شہر میں ہر جگہ ریل پیل تھی اُس وقت کے بنائے ہوئے خزانے - نل - حوض چشموں نہروں کے نشانات جا بجا اب تک موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبِ شیریں کی کس قدر بہتات تھی مگر بنا بنایا سارا کھیل بگڑ گیا اب کون تھا جو لاکھوں روپیہ لگا کر درست کرتا برٹش گورنمنٹ نے بڑی مشکل سے اب جا بجا آہنی نل دوڑا دئے ہیں جس سے خدا خدا کر کے وہ تکلیف ایک حد تک رفع ہو گئی - اِن عمارات کے بانیوں کا کہیں پتہ نہیں - نہ اُن کے وافر و معمور خزانے ہیں نہ اُن کے سکّہ کا کہیں پتہ ہے - آج اُن کی آل اولاد ڈھونڈھنے سے بھی نہیں مل سکتی - دنیا کا یہی قاعدہ ہے [1] وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ سچی اور اصلی اور ابدی بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی [2] لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ - جس وقت ہم سلطان محمد اور سلطان ابراہیم کی قبروں پر کھڑے ہوتے ہیں تو عالم بےخودی طاری ہو جاتا ہے اتنے اتنے بڑے اولوالعزم بادشاہوں خاک میں مل گئے تو بتلائیے کہ ماوشما کس شمار قطار میں ہیں! ۵

گفتی کہ کجا رفتند ایں تاجوراں اینک — زیشاں شکمِ خاک ست آبستنِ جاویداں

---

[1] اور یہ اتفاقاتِ وقت ہیں جو ہمارے حکم سے نوبت بہ نوبت (سب) لوگوں کو پیش آتے رہتے ہیں -

[2] - آج کس کی حکومت ہے (تو سب مارے ہیبت کے خاموش رہیں گے اور خود بارگاہ خداوندی سے ندا ہوگی کہ حکومت) اکیلے اللہ ہی کی ہے جو بڑا زبردست ہے -

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

کل سوئے گورِ غریباں جو ہوا میرا گزر | ہو گیا پیش نظر عالمِ ہو کا منظر
اپنی رو داد سناتے تھے لحد کے کتبے | ایک افسانۂ عبرت تھے وہ خاموش کھنڈر

جن کے پرچم تھے فتحمندی و نصرت کی دلیل | جن کی شمشیر سے اقبال کے جھڑتے تھے شرر
جن کی سطوت سے دلیروں کے تھے پتّے پانی | جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے شیروں کے جگر
جن کے قبضہ میں بر و بحر کی سلطانی تھی | جن کی چوکھٹ پہ جبیں رکھتے تھے کسریٰ قیصر
ناز تھا جن پہ جہاں گیری و فتّاحی کو | جن کی آواز پہ جھکتے تھے سلاطین کے سر
جن کی عظمت کا جہاں بھر میں بجا تھا ڈنکا | جن کا سکّہ تھا رواں دہر میں کشور کشور
تھے جڑے تاج میں اور تخت میں جن کے الماس | اور سر چتر کھلے رہتے تھے زریں چھتر
جن کے ایوان تھے سر تا بفلک رفعت میں | زیب و زینت میں دلہن سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر
ماند تھی محفل جم بزم طرب سے جن کے | شمع محفل تھے جہاں اہل خرد اہل نظر
جن کے دروازے سے دولت کا نشاں ملتا تھا | کسی گنتی میں نہ تھے سیم و زر و لعل و گہر
مستمندوں کے لئے وقف تھی جن کی دولت | ایک توجہ میں سنور جاتے تھے بگڑے ہوئے گھر
فکر تھی جن کی رسا جن کا ارادہ تھا صمیم | تھی ظفر اُن سے قریں اور نصیبا یاور

جن کی یہ آن تھی یہ شان تھی یہ شوکت تھی | جن کی تمکین سے تھی بزم جہاں زیر و زبر
حیف صد حیف وہ تھے گورِ غریباں کے مکیں | دفن تھے خاک میں اور خاک تھی اُن کے اوپر
اُن کے قبروں پہ جو گنبد تھے شکستہ تھے بہت | اینٹ مٹی سے تو چونے سے جدا تھا پتھر
بوم تھے گنبدِ شاہی کے نگہبانوں میں | بے کسی مرثیہ خواں تھی لحدِ شاہاں پر

یہ سماں دیکھ مرا درد سے جی بھر آیا | اور وہیں بیٹھ گیا خاک پہ میں تیورا کر

سلہ جتنی مخلوقات (روئے) زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والی ہے (صرف) تمھارے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی عظمت والی اور بزرگ (ذات) ہے۔

"وقت" سے میں نے کہا پھر کہ یہ سارے کرتوت — ذاتِ والا ہی کے ہیں جو مجھے آتے ہیں نظر
آپ کے دستِ تصرف نے بسایا ہے یہ شہر — آپ ہی کی ہے عنایت جو یہ آباد ہیں گھر
آپ کا سایہ بھی اک چھاؤں ہے ڈھلتی پھرتی — بات کی بات میں پھر جاتی ہے حضرت کی نظر
ازرہِ لطف کچھ اس رمز سے کیجے آگاہ — آپ کی طینتِ منحوس میں کیوں ہے یہ اثر

"وقت" نے کچھ نہ دیا میرے سوالوں کا جواب — اس کے نزدیک تھیں باتیں مری سب لچر
ایک پرواز میں چلنپت وہ ہوا نظروں سے — اور میں رہ گیا ششدر کفِ حسرت مل کر

اس سے کچھ اور بڑھی جب مری بے تابیٔ دل — اتفاقاً رخِ شہرت پہ پڑی جا کے نظر
میں نے "شہرت" سے کہا پھر کہ ترا دنیا میں — نام رٹتا ہے بصد شوق ہر ایک فردِ بشر
زندگی بخش ہے ہر سانس ترا مردوں کو — روح پرور ہے تری ایک توجہ کی نظر
ہے تری راہِ طلب سب سے الگ سب سے جدا — تجھ کو پاتے ہیں ترے نام پہ سر کٹوا کر
تجھ سے سلجھے گا مرا عقدۂ مالاینحل — تجھ سے طے ہوگی میری منزلِ دشوار گزر

کیا یہ سب تیرے فدائی ہیں جو یاں سوتے ہیں — چین کی نیند نہیں کچھ جنھیں دنیا کی خبر
یہ غلط ہے تو بتا اصل حقیقت کیا ہے — کس کے ہاتھوں ہوئے یہ شیر فگن زیر و زبر

بن پڑا اس کا نہ "شہرت" سے بھی افسوں جواب — شرم سے رنج سے چپ ہو گئی سب کچھ سن کر
دفعتہً شدتِ اندوہ سے کھینچی اک آہ — "وقت" کی طرح سے لی وقت کی اس نے بھی ڈگر

پھر وہی گنبدِ ویراں تھے وہی میں تنہا — پھر وہی میرا جنوں پھر وہی وحشت کا اثر

محو تھا میں اسی دھن میں کہ یہ دیکھا میں نے — مسکراتی ہوئی پھرتی ہے "فنا" قبروں پر

جس کے تیور سے ٹپکتا ہی غرور و نخوت　　　قدم اُٹھتا ہی بڑے ناز سے بل کھا کھا کر

سامنے آکے کہا اُس سے بھی میں نے کہ "فنا"　　　تو ہی بتلا مجھے اس حال کی شاید ہو خبر
کس نے اِس شہر خموشاں کی بنا ڈالی ہی　　　خاک پر کس نے بکھیرے ہیں یہ اعلیٰ گوہر

سُن کے یہ بات "فنا" مجھ سے ہوئی یوں گویا　　　کیا ہوا پڑ گئے کیوں تیری سمجھ پر پتھر
کس میں قدرت ہی کرے گلشن عالم تاراج　　　کس کی طاقت ہی کرے نظم جہاں زیر و زبر
کس کی ہستی ہی جو کہلائے خداوند جہاں　　　ہاں مگر ایک "خداوند" "خدائے اکبر"
اُس کو زیبا ہی شہنشاہی کونین کہ وہ　　　ایسا بے مثل ہی جس کا نہیں کوئی ہمسر
اُس کی توحید کے گاتے ہیں ترانے شب و روز　　　فرش سے عرش تلک حور و ملک جن و بشر
ذرہ ذرہ سے عیاں شان خدائے یکتا　　　قطرہ قطرہ پہ رواں حکم خدائے برتر
جس کو چاہے اُسے دنیا میں سرافراز کرے　　　جس کو چاہے اُسے ذلت سے کرے خوار و بتر
جس کو چاہے اُسے دے سلطنت و تاج و سریر　　　جس کو چاہے وہ کرے خاک نشیں خاک بسر
ہی بقا ایک اُسی ذات مقدس کو فقط　　　اور سب کے لئے ہی منزل فانی کا سفر
تاج والے ہی رہیں گے نہ یہاں باج گزار　　　چل سکے گی نہ حکومت نہ یہاں زور نہ زر
اُس کی قدرت کا یہ ادنی سا کرشمہ ہی کہ میں　　　تاج شاہی پہ لگاتی ہوں ہمیشہ ٹھوکر
خود "فنا" ہوں مگر اوروں کو فنا کرتی ہوں　　　مجھ سے چھوٹے گا نہ دنیا میں کوئی فرد بشر
کاہ سے کوہ تلک جزو سے لے کر کل تک　　　سب پہ چلتا ہی عمل میرا یہ فرمان قدر
میں نے ہی "شہر خموشاں کی بنا ڈالی ہی"　　　میرے ہی زیر اثر تو ہیں یہ سب گنبد و در

بیجاپور کے مشہور اور معزز اصحاب سے خاکسار کو ملنے کی عزت حاصل ہوئی اُن سے بہت سی لیکار آمد باتیں معلوم ہوئیں جتنی کتابیں مطبوعہ تھیں وہ تو بہ آسانی مل گئیں مگر مشکل تھی تو قلمی بے بہا ذخیرہ کی تھی وہ بھی احباب صادق اور ہمدردان قوم کی توجہ سے دستیاب ہو گیا - میں نے نہ صرف بیجاپور دیکھا بلکہ حسن اتفاق سے یہ تعلق ملازمت برسوں اِن تاریخی مقامات پر

رہا ہوں اور دورے میں ہر ہر جگہ کو اچھی طرح دیکھا ہی اور اُن مقامات میں سے جن کا تذکرہ اس تاریخ میں جابجا آیا ہی - میرے چشم دید یہ ہیں :-

بیجاپور - اورنگ آباد - دولت آباد - خلد آباد - احمد نگر - شولا پور - گولکنڈہ - گلبرگہ - بیدر - اودگیر - نلدرگ - پرینڈہ - اوسہ - دہارور - ادھونی - بلھاری - کرنول - رائچور - ضلع رائچور میں - ملیاباد - گبوڑ - الپور (عالم پور) پر اگٹور - مدگل - کنک گیری - بیجانگر - آناگندی - ہوس پیٹ -

اگرچہ اِن بادشاہوں کا اب صفحۂ دنیا پر پتہ نہیں ہی اور موت نے اُن کو خاک میں ملادیا مگر پھر بھی اُن کے کارنامے اَنْ مٹ ہیں - اُن کی سلطنت کے حالات زباں زد خلایق ہیں

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

اور تا قیام دنیا ان کا نام موت کے تباہ کُن ہاتھوں کے مٹائے بھی نہ مٹ سکے گا - آیندہ آنے والی نسلیں اُن کی سلطنت کے اِن واقعات کو پڑھیں گی اور ہمیشہ ہمیشہ اپنے اسلاف کی اولوالعزمی پر فخر کریں گی ؎

جو نامور تھے فقط اُن کا نام باقی ہی نہ جم جہاں میں باقی نہ جام باقی ہی

میں نے اس کتاب کی تدوین میں کتب ذیل سے امداد لی ہی جن کے قابل مصنفین کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہی -

تاریخ فرشتہ -

بساتین السلاطین - جس کو مرزا ابراہیم زبیری نے ایک قدیم فارسی نسخہ سے جو سید اسمعیل عرف شاہزادہ صاحب خطیب سے ملا تھا نقل کر کے حیدرآباد میں چھپوائی ہی -

تحفۃ الملوک - مصنفہ مولینا رفیع الدین شیرازی ۱۰۱۷ھ قلمی -

تاریخ سلطان تیمور گورگانی مصنفہ ابو محمد نور اللہ ابن قاضی سید علی محمد الحسینی متوطن امتیاز گڑھ عرف ادھونی صوبۂ دارالظفر بیجاپور ۱۲۶۲ھ قلمی -

تاریخ دکن جلد سوم حصہ اول سلسلۂ آصفیہ مولوی شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی ۱۸۹۷ء

(۶) تاریخ رشید الدین خانی سنہ ۱۲۸۲ھ

(۷) روضۃ الاقطاب المعروف بہ مظہر آصفی مصنفہ رونق علی صاحب صدر مدرس خلد آباد سنہ ۱۳۳۶ھ

(۸) محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن مصنفہ مولوی عبد الجبار خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ اعزہ حیدر آباد سنہ ۱۳۲۸ھ۔

(۹) گنجینۂ سروری المعروف بہ گنج تاریخ مصنفہ غلام محمد سرور لاہوری مطبع نول کشور سنہ ۱۳۰۷ھ م ۱۸۸۹ع

(۱۰) تاریخ بیجانگر مصنفہ احقر

(۱۱) تاریخ قندہار مصنفہ مولوی امیر حمزہ صاحب سنہ ۱۹۰۳ع

(۱۲) گزیٹیر ممالک محروسہ سرکار عالی مرتبۂ جناب مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب۔

(۱۳) گزیٹیر ضلع رائچور مرتبۂ نواب لیاقت جنگ بہادر سابق اول تعلقہ دار ضلع رائچور سنہ ۱۳۱۲ف۔

(۱۴) گزیٹیر ضلع گلبرگہ شریف مرتبۂ نواب فرامرز جنگ بہادر سابق اول تعلقہ دار سنہ ۱۳۲۲ھ۔

(۱۵) آثار السلف بابتہ عمارات گلبرگہ مرتبۂ نواب صاحب موصوف۔

(۱۶) تذکرہ اولیاے رائچور مرتبۂ سید روشن علی صاحب سنہ ۱۳۱۴ھ۔

(۱۷) روضۃ الاولیاے بیجاپور ایضاً ایضاً

(۱۸) ارمغان سلطانی المعروف بہ سیر گلبرگہ مرتبۂ مولوی محمد سلطان صاحب سنہ ۱۹۰۲ع۔

(۱۹) تاریخ بیدر مرتبہ مولوی محمد سلطان صاحب (۲۰) مختار الاخبار (تاریخ بیدر) مرتبہ مولوی سید اسد اللہ صاحب عرف میر نواب اول تعلقہ دار

(۲۱) وقایع ورنگل۔ ایضاً سنہ ۱۳۲۶ھ (۲۲) مرآت الاشباہ مرتبۂ جناب حکیم احسن اللہ خاں صاحب دہلوی سنہ ۱۲۹۴ھ

(۲۳) ارژنگ بیجاپور (قلمی)

(۲۴) قلمی نسخہ کتبات کا مرتبۂ مسٹر احمدی ڈسٹرکٹ انجنیر بیجاپور۔

(۲۵) روشن تاریخ ادھونی مرتبۂ میر یاور علی صاحب سنہ ۱۹۱۰ع - وغیرہ - وغیرہ -

(انگریزی کتابیں)

(۱) فارگاٹن امپائر (۲) سکیچ آف ڈائی نسٹیز آف سدرن انڈیا سنہ ۱۸۸۳ع ہر دو مصنفۂ رابرٹ سیول۔

(۳) نورٹوپی فارگاٹن امپائر (سورج نارائن راؤ) سنہ ۱۹۰۵ع۔

گیزیٹر بیجاپور (ہنری کوزنس) ۱۹۰۵ء۔
گیزیٹر بیدر (نواب فرامرزجنگ بہادر) ۱۸۹۴ء۔
تاریخ ہند (مارسڈن) آکسفرڈ سٹوڈنٹس ہسٹری آف انڈیا (و نسنٹ سمتھ) ۱۹۱۱ء۔
حیدر علی و ٹیپو سلطان (بیورنگ) ۱۸۹۳ء۔ ہسٹری آف انڈیا (ٹامسن) ۱۹۱۲ء۔
نوبل کوئین۔ کرنل میڈوز ٹیلر۔ انڈین ہسٹری (ڈیوڈ سنکلیر) ۱۹۱۲ء۔
ہسٹری آف مائی لیف ایضاً۔ ہسٹری آف انڈیا (سری ہملوٹا دیوی) ۱۹۱۱ء وغیرہ وغیرہ)

میں نے بہت سی کتابیں تاریخ کی دیکھ ڈالیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں تو کسی کتاب میں کتبوں کا پتہ نہیں ہے حالانکہ یہ ایک بہت ضروری امر تھا۔ کتبوں کا پڑھنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ اول تو خط ثلث اور طغریٰ کی پیچیدگیاں چکر میں ڈال دیتی ہیں پھر بیشتر بعض جگہ بلند مقامات پر نصب ہیں نگاہ کام نہیں کرتی اور بہت سی جگہ امتداد زمانے سے حروف مٹ گئے ہیں بہرحال میں نے بہت کوشش اور دنوں کی محنت سے ایک حد تک ان تمام کتبوں کو پڑھ لیا اور اس کتاب میں ان کو درج کر دیا۔

اس کتاب کی تدوین میں دفاتر اضلاع رائچور و گلبرگہ و عثمان آباد کی امثلہ گزیٹیر اور مقامی تحصیلداروں صاحبوں سے بھی امداد لی گئی ہے۔

تاریخ کی اتنی مبسوط کتاب لکھنا کچھ آسان کام نہ تھا قریب قریب ایک برس کی لگاتار محنت کا یہ نتیجہ ہے۔ بیجاپور کے کتبوں کے متعلق مسٹر احمدی ڈسٹرکٹ انجنیر بیجاپور کی قلمی کتاب حسن اتفاق سے مل گئی لیکن پھر بھی میں نے ہر ہر مقام پر جا کر مقابلہ کیا اور جہاں کہیں اختلاف نکلا درست کر لیا۔ گلبرگہ کے بیشتر کتبے نواب فرامرزجنگ بہادر کے رسالہ آثار السلف سے نقل کئے گئے ہیں۔ رائچور کا کوئی کتبہ کسی کتاب میں موجود نہ تھا حالانکہ یہاں بھی بہت سارے کتبے ہیں۔ نواب فرامرزجنگ بہادر یہاں کے چند کتبے بھی ضبط تحریر میں لائے مگر افسوس ہے کہ وہ زیادہ تر غلط تھے۔ کم سواد منشیوں نے اُن کی نقل غلط سلط کی جو عربی نہیں جانتے تھے اور بہت سے کتبے چھوڑ بھی دیئے۔ میں نے تمامی کتبوں کو خود جا کر دیکھا۔ سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھا۔ چربے اتار کئی کئی دن تک اُن کے حل میں مصروف رہا جس کا نتیجہ یہ بیش بہا ذخیرہ ہے۔ مولوی فقیر احمد صاحب ایک ذی استعداد بزرگ ہیں اُن کو کتبوں کے پڑھنے میں اچھا ملکہ ہے اُن سے مجھے

بے انتہا مدد ملی اگر وہ میرے ساتھ ساتھ نہ پھرتے اور زحمت شاقہ نہ اُٹھاتے تو اکیلے میرے
بس کا یہ کام نہ تھا۔ اِن کے خاص شکریہ کے بعد بھی ان کی امداد کے احسان سے عہدہ برآ نہیں
ہو سکتا۔ زین الدین صاحب محاسب لوکل فنڈ خاص بیجاپور کے باشندے ہیں وہ دو مرتبہ
میری خاطر سے بیجاپور گئے۔ کئی قلمی کتابیں لائے بہت سا بہترین مواد اُنھوں نے مجھے دیا اور تشنہ
معاملات پر بہت کچھ روشنی ڈالی۔ زین الدین صاحب کی کوشش سے میرے کل شکوک رفع ہو گئے
اور اُن کی امداد کا میں تہ دل سے ممنون ہوں۔ کتاب کی تسوید اور تبییض دونوں منشی حنیف الدین
اہل کار ضلع اور ونکٹ راؤ صاحب وکیل کا حصہ ہے۔ ادھر مسودہ ہوا نہیں کہ اُنھوں نے صاف
کردیا۔ پس یہ دونوں صاحب میرے پورے مددگار تھے اور میں جس طرح اپنی اور تصنیفات میں ان کی
امداد کا معترف رہا ہوں اس مرتبہ بھی شکر گزاری کے ساتھ اُن کا ذکر کرتا ہوں۔

میں نے بیجاپور اور رائچور کے تمام مشہور مقامات اور بعض بعض کتبوں کے فوٹو بھی لے لئے
ہیں۔ رائچور۔ مدگل کے قلعے کے نقشے بھی بنوائے ہیں۔ بیجاپور کے شہر کا ایک بہت پرانا نقشہ
زین الدین صاحب نے مجھے بڑی تلاش سے لاکر دیا ہے۔ میرا دل یہی چاہتا ہے کہ ان سب کے
بلاک بنوا کر چھپواؤں مگر ڈر ہے تو اس بات کا کہ کتاب کی قیمت بڑھ جائے گی اور ایسے شائقین
کم ہیں جو دس پانچ روپیہ کتاب پر خرچ کرنا پسند کریں نتیجہ یہ ہوگا کہ کتاب اینڈرا رہ جائے گی۔
اگر میں مشہور مقامات کے فوٹو نہ دوں تو یہ کتاب قالب بے جان رہے گی غرض دونوں طرف میرے
لئے مشکل کا سامنا ہے۔ اس لئے میں نے صرف ضروری اور مشہور مقامات کے فوٹو اس میں دیئے
ہیں باقی کو بادل ناخواستہ نظر انداز کیا۔

میں نے اس کتاب میں جیسی کچھ عرق ریزی کی ہے وہ ناظرین کو اس کتاب کے ملاحظہ سے
معلوم ہو جائے گا۔ مجھے اس کتاب سے کوئی مالی منفعت حاصل کرنا مقصود نہیں ہے
اپنی طبیعت سے ناچار ہوں مجھے ہمیشہ سے کتب سیر اور تاریخ سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ اسلاف
کے کارناموں کو میں نہایت گراں بہا دستور العمل سمجھتا ہوں اور واقعی اُن کی سرگزشت بھی کچھ
عجیب مرقعۂ عبرت ہوتی ہے۔ اس تاریخ میں بیجاپور اور رائچور ہی زیادہ معرکہ کے مقام رہے ہیں
رائچور کے ضلع میں بار بار میرا آنا میں سمجھتا ہوں کہ اسی غرض سے تھا کہ میں یہاں کے حالات

لکھوں اور اسلاف کی یادگار کو از سر نو زندہ کروں - میرا ایقان قلب یہہ ہی کہ سلاطین اور بزرگان دیں ہی کا یہ تصرف ہی کہ جب جب میں رائچور پر آیا بہ افضال آلہی میرا مرتبہ بڑھتا ہی گیا ؎
خاکساری سے ملا ہی خاص یہ عز و شرف مرتبہ افزوں ہوا تو قیمت دونی ہو گئی
خدا کا شکر ہی کہ یہہ ناچیز خدمت میرے ہاتھ سے انجام پائی - میں اپنی کم مائگی کا معترف ہوں لیکن اپنی بساط بھر میں نے اس کتاب کو دلچسپ اور دلکش بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا - وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ تاریخ بیجانگر چھپتے ہی ٹھکانے لگ گئی اب ایک نسخہ بھی اُس کا باقی نہیں - یہ کتاب اُس سے بدرجہا بہتر ہی میں اُمید کرتا ہوں کہ اس کی بھی قدر ضرور ہو گی اور اگر ناظرین نے اسے پسند کیا اور جس کے ہاتھ میں کتاب گئی وہ اِسے پڑھ کر خوش ہو گیا تو میں نے اپنی محنت کا صلہ پایا ؎ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

جان میں جان ہی جب تک تو کر ایسا کوئی کام
خاک میں خاک جو مل جائے تو کچھ یاد رہے

المذنب المفتقر الی اللّٰہ الصمد
بشیر الدین احمد

مقام رائچور دکن
اگست ۱۹۱۴ء

؎ مجھ کو توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہی اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہی اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصل تاریخ ۱۳۳۲ھ
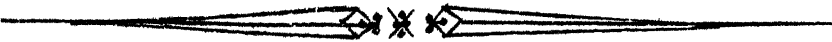
حصہ اوّل

تمہید

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال ۔۔۔ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

خاندان عادل شاہی کے ابتدائی حالات ۸۵۱ھ ۱۴۴۷ء

۸۵۱ھ میں سلطان مراد بادشاہ ٹرکی کی وفات کے بعد اُس کا فرزند اکبر سلطان محمد حسب وصیت تخت نشین ہوا اُس زمانے میں اُس ملک میں یہہ رواج تھا کہ بادشاہ وقت کی وفات پر تمامی اولاد نرینہ شاہی کو بہ استثناے ولی عہد کے تہ تیغ کر دیتے تھے۔ سلطان محمد کا ایک چھوٹا بھائی یوسف تھا

ملہ ایک وقت تھا کہ یوسفؑ نے اپنے باپ (یعقوبؑ سے) کہا کہ ابّا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں) دیکھا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ یہہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں (یعقوبؑ نے) کہا بیٹا کہیں اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے نہ کہہ بیٹھنا کہ (وہ سن پائیں گے تو) تجھ کو (کسی نہ کسی آفت میں) پھنسانے کی تدبیر کرنے لگیں گے اس میں شک نہیں کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے اور اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور سب (یوسف کی تعظیم کے لئے) اُن کے آگے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے (اپنا خواب یاد کرکے اپنے والد سے) عرض کیا کہ ابّا جان وہ جو میں نے پہلے خواب دیکھا تھا یہہ اُس کی تعبیر ہے میرے پروردگار نے (آج) اُس (خواب) کو سچ کر دکھایا۔

جو بہ اعتبار حسن و جمال کے یوسف ثانی تھا - سلطان محمد اپنے چھوٹے بھائی کو بے حد چاہتا
تھا اور کبھی اپنے سے جدا نہ کرتا تھا لیکن امرائے سلطنت نے خلوت میں سلطان محمد کو منع کیا کہ
اس طرح اپنے بھائی سے جو دعوی دار سلطنت ہی محبت رکھنا گویا آستین میں سانپ پالنا ہی اور
یہ بات نہایت نا مناسب ہی - سلطان محمد اپنے چھوٹے بھائی کو بہت عزیز رکھتا تھا اور نہیں
چاہتا تھا کہ اُس کا چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے ہاتھ سے مارا جاوے لیکن مشیران سلطنت نے
نشیب و فراز سمجھایا اور ایسا دباؤ ڈالا کہ محمد بالکل مجبور ہو گیا اور کہا کہ اس امر میں دو بڑی مشکلات
ہیں اول تو قتل ناحق دوسرے یہہ کہ اس صدمے سے میری ماں کا کلیجہ پھٹ جائے گا اس لیے جب
تم لوگ مجھے مجبور کرتے ہو تو بہتر یہی ہی کہ تم ہی اس قضیۂ نامرضیہ کو میری والدہ کے سامنے پیش
کرو میں کہاں سے پتھر کا کلیجہ لاؤں ہی یہ بات اپنے برادر بیجان کے واسطے اور کسی کے سامنے
بھی نہیں خاص اپنی والدہ ماجدہ کے سامنے منہ سے نکالوں - چنانچہ امرائے سلطنت یوسف کی
کی ضعیف والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادھر اُدھر کی باتیں کرکے اپنے مطلب پر آئے
یوسف کی ماں اس گفتگو کو سن کر کلیجہ تھام کر بیٹھ گئی بھلا ایسی کون سی ماں ہوگی جو آگے وے کے اپنے
جگر گوشہ کو بلا قصور و خطا کے ذبح کروا دے لیکن وہ عورت نہایت فریسہ تھی تاڑ گئی کہ میں لاکھ بھی انکار
کروں مگر جب کہ یہ سب اُس غریب کی جان لینے پر تُلے ہوئے ہیں تو بھلا کب ٹلنے والے ہیں جو اُن کے
منہ سے نکلا ہی بیچ کھیت کر کے رہیں گے - یہہ سن کر تھوڑی دیر غوطہ میں گئی اور کچھ دل میں سوچ کر کہا کہ
اچھا جو تم سب کی صلاح ہو وہی میری بھی ہی ع صلاح ما ہمہ آنست کاں صلاح شماست
مگر مجھے جستہ جان کو کم سے کم آج ایک شب کی مہلت تو دو کہ میں اپنے بچے کو چھاتی سے لگا کر ذرا
اپنا کلیجہ تو ٹھنڈا کر لوں کل صبح تو تمھارے حوالے کر ہی دوں گی پھر تمھارا دل چاہے سو کرو یا میں خود
اپنی چھاتی پر پتھر رکھ کر رات کو ہی اُس کا کام تمام کر دوں گی - اِن لوگوں نے جب دیکھا کہ کام بن گیا
تو ایک رات کی مہلت کون سی بڑی بات تھی راضی ہو کر چلتے ہوئے - یوسف کی ماں نے نہایت
فرزانگی سے دل میں سوچا کہ بترس از بلائے کہ شب در میاں - قضائے کردگار حسن اتفاق سے
ساوہ کا ایک تاجر خواجہ عماد الدین گرجستانی قسطنطنیہ سے مال و اسباب تجارت لونڈی و غلام
ترکی سے کر بیجاپور میں ٹھیرا ہوا تھا - یوسف کی ماں جو بڑی دانش مند اور مستقل مزاج تھی وہ عورتوں

کی طرح گھبرا نہیں گئی نہ جزع فزع کی بلکہ بہت سوچ سمجھ کر یہ تدبیر نکالی کہ اس تاجر کے پاس ایک لڑکا
ہوبہو یوسف کی شکل وشمائل اور اسی سن وسال کا تھا اُس نے راتوں رات تاجر کو بلا اُس لڑکے کو
خرید لیا بعد جھٹ اپنے بچے کو تاجر کو دے دیا اور بہت کچھ زر وجواہر دے کر اپنے بچے کی نگہداشت
اور پرورش کی تاکید اکید کردی اور کہہ دیا کہ تم راتوں رات چھپاتے شہر سے اپنے وطن کو فوراً چلے جاؤ
یوسف کی ماں نے غلام نو خرید کو اپنے گھر میں اس طرح داخل کر لیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی
نہ ہوئی - آدھی رات کے وقت اس بے چارے کو زہر دے کر مار ڈالا - زہر کے سبب سے غلام
کا سارا رنگ ایسا نیلا پڑ گیا کہ چہرہ تمیز نہ ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ گلا دبا کر مار ڈالا بہر حال کچھ
بھی ہوا اُس غریب کا کام تمام ہو گیا - آدھی رات کے بعد محل میں رونا پٹینا پڑ گیا کہ شاہزادہ یوسف
کا یکایک انتقال ہو گیا صبح سویرے سارے لوگ جمع ہوئے - شاہانہ تزک واحتشام سے مراسم
تجہیز وتکفین ادا ہوئے - سوداگر کو نعمت غیر مترقبہ ہاتھ لگی راتوں رات نکل کھڑا ہوا کب نکل گیا
کسی کو خبر بھی نہ ہوئی ساوہ پہنچ کر دونوں رہنے سہنے لگے شاہزادے کی عمر اس وقت صرف
سات برس کی تھی - سوداگر کو یوسف کی بے انتہا محبت ہو گئی اور وہ اُس کو علو مرتبت کے
موافق تعلیم وتربیت کرنے لگا - ایک سال بعد یوسف کی ماں نے یوسف کی دایہ کو مع اور
چند لوگوں کے ساوہ بھیج دیا دایہ تو وہیں رہ گئی باقی لوگ خبر خیریت لے کر واپس چلے آئے اور
اس طرح ہر سال قسطنطنیہ سے قاصد وپیغام بر شاہزادے کی خیر خبر لینے کو آیا جایا کرتے تھے
لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ اتنی بڑی بات دبی رہتی شدہ شدہ یہ خبر پھوٹی کہ شہر ساوہ میں فلاں
تاجر کے ہاں کوئی شاہزادہ چھپا ہوا ہے - حاکم ساوہ جو ایک طماع شخص تھا اس خبر کے سنتے ہی
اُس کے منہ میں پانی بھر آیا طرح طرح سے سوداگر کو ستانے اور دبانے لگا - عماد الدین نے جب
دیکھا کہ یہ راز طشت از بام ہوا چاہتا ہے اور یہاں دشمنوں میں رہنا سخت خطرناک ہے مرتا کیا نہ
کرتا ساوہ کو چھوڑ چھاڑ ایک دوسرے قصبہ قم میں چلا گیا - قضائے کردگار ع دشمن اگر
تو یست نگہبان قوی ترست - تھوڑے عرصے کے بعد حاکم ساوہ نے داعی اجل کو لبیک کہا
دشمن صفحۂ دنیا سے مٹ گیا - جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے عماد الدین نے پھر ساوہ کو لوٹنا
چاہا کہ میدان خالی تھا لیکن یوسف کے خواب میں حضرت خواجہ خضرؑ نے آکر بشارت دی کہ ای

یوسف ساوہ کو کہاں جاتا ہے۔ ہندوستان جنت نشان کی طرف جا کہ تیرا شجر مراد وہیں بار آور ہوگا اور وہاں تھوڑی سی تکلیف اُٹھانے کے بعد بہ افضال آلہی راحت ہی راحت ملے گی اور آگے چل کر تاج شاہی تیرے زیب سر ہوگا۔" یوسف نے عماد الدین سے تو اس خواب کا کچھ ذکر نہیں کیا کہ خواب کی باتوں کا کیا بھروسہ لیکن عماد الدین سے اس نے ہندوستان چلنے پر ایسا اصرار کیا کہ اُسے ماننا ہی پڑا اور ۸۶۴ھ (۶۰-۱۴۵۹ع) میں ہندوستان کا رخ کیا اور سیدھے بندر دابل کو پہونچے اور وہاں کئی برس حالت کس مپرسی میں پڑے رہے۔ ایک دن یوسف سیر و شکار کے لئے لب دریا نکل گیا تشنگی غالب ہوئی کیا دیکھتا ہے کہ وہی بزرگ جن کو پہلے خواب میں دیکھا تھا ایک جام آب شیرین لیے ہوئے تشریف لائے اور کہا کہ "لے پی لے" اور پھر فرمایا کہ "جو خواب تو نے پہلے دیکھا تھا وہ رویاے صادقہ ہے کچھ اندیشہ نہ کر اور خدا کی ذات سے فضل و کرم کے اُمیدوار رہ۔ دیر آید درست آید"۔ یوسف پانی پینے لگا کہ اتنے میں وہ بزرگ نظروں سے غائب ہو گئے

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں گشت از نظر   یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

یوسف اس مژدۂ جاں بخش سے مارے خوشی کے جامہ میں نہ سمایا اور خواجہ عماد الدین یوسف کو لے کر جانب بیدر روانہ ہوا۔ ان دنوں بیدر میں ملک التجار خواجہ علاء الدین محمود گیلانی جو آگے چل کر خواجہ جہاں اور خواجہ گاواں کے نام سے مشہور ہوا سلطنت بہمنیہ کا وزیر اعظم تھا۔ خواجہ عماد الدین اور خواجہ علاء الدین دونوں ہم وطن تھے اور ان کے آپس میں بڑی گاڑھی دوستی تھی اس رابطۂ سابقہ کے لحاظ سے بیدر میں بھی گہری تعلقات پیدا ہو گئے۔ ایک دن خواجہ جہاں نے یوسف کو جو نہایت وجیہہ اور حسین اور خوش سیرت اور نیکو خصلت تھا دیکھا اور اس کی نوجوانی اور لیاقت کا گہرا نقش اُس کے دل پر ہوا اور خواجہ جہاں نے کہا کہ اس لڑکے کو تم نے بیکار کیوں بٹھا رکھا ہے بہتر یہہ ہے کہ اسے بادشاہی چیلوں کے جرگے میں شریک کرا دو کہ موقع اچھا ہے یہہ اپنی وجاہت ظاہری اور جوہر ذاتی سے بہت جلد ترقی کرے گا اور تھوڑے ہی دنوں میں دیکھنا کہ کہاں پونچتا ہے۔ علاء الدین نے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا لیکن پھر راضی ہو گیا چنانچہ یوسف سلطان محمد بہمنی کے چیلہ ہاے خاص بادشاہی میں شامل ہو گیا۔ خواجہ جہاں

اسے مثل اپنے فرزند کے چاہنے لگا کہ وہ بڑا مردم شناس تھا ؂

بالائے سرش ز ہوشمندی　　　　می تافت ستارۂ بلندی

چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں اپنی ذاتی وجاہت اور قابلیت کی بدولت امرائے عظام اور سرلشکراں کرام میں داخل ہو گیا اور اپنے بخت رسا اور تقدیر کی مساعدت سے کچھ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ یوسف عادل خاں اور پھر مجلس رفیع اور آگے چل کر ملک الشرق کے خطابات سے سرفراز ہوا اور سنہ ۸۶۹ھ میں بیجاپور کی طرف بغرض فرماں روائی روانہ ہوا۔

یوسف کی نسبت ایک دوسری روایت رفیع الدین شیرازی سے منقول ہے کہ سنہ ۹۶۸ھ میں وہ بغرض تجارت ولایت سے قیصۂ گوگی ملک دکن میں کہ جہاں یوسف عادل شاہ کا مقبرہ ہے (جو اب تعلقۂ شاہ پور ضلع گلبرگہ میں ہے) مقبرے پر سو حفاظ اور لنگر اور خدام مقرر تھے اُن حفاظ میں حافظ شمس الدین خضری نامی ایک شخص جن کی عمر نوے برس سے متجاوز تھی تھے۔ یہ شخص بڑا سیاح اور یوسف عادل شاہ کا ملازم قدیم تھا اور اس وجہ سے مقبرہ کے حفاظ میں شریک تھا وہ یوسف عادل شاہ کی داستان یوں بیان کرتا تھا کہ وہ حسن بیگ کی سلطنت کے زمانے میں دیار بکر میں تھا کہ اُنھیں دنوں امرائے جہاں شاہی کی مخالفت کی خبر مشہور ہوئی کہ آپس میں لڑ بھڑ کر کٹ مر رہے ہیں حسن بیگ نے موقع پا کر اُدھر کا رُخ کیا اور تبریز کو پونچا ہی تھا کہ جہاں شاہ کا انتقال ہو گیا۔ حسن بیگ تمام مملکت آذر بائیجان۔ خراساں عراقین۔ فارس و کرمان پر مستولی ہو گیا اور اپنی طرف سے حکام کو ہر ہر صوبے میں مقرر کیا اسی طرح اپنے بھانجے احمد بیگ کو ساوہ کا گورنر مقرر کیا۔ احمد بیگ نے ساوہ میں ایک لڑکی سے شادی کر لی جس سے اولاد بھی ہوئی۔ احمد بیگ کے انتقال کے بعد اُس کا بڑا لڑکا محمود بیگ ساوہ کا گورنر مقرر ہوا لیکن ایک ہنگامہ میں مارا گیا اُس کا مارا جانا تھا کہ اُس کے اہل و عیال تتر بتر ہو گئے۔ محمود بیگ کا بڑا لڑکا یوسف بیگ عالم صغر سنی میں اصفہان میں تھا وہاں بھی لوگوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا تو شیراز آیا اور پانچ سال تک وہاں رہا اس عرصے میں سن رشد کو پونچا لیکن دشمن ہاتھ دھو کے پیچھے پڑے تھے وہاں سے بھی بھاگا اور ہندوستان آیا اور لاڑ کی مسجد میں تھا کہ ایک بزرگ نورانی چہرہ خواب میں آئے اور چند روٹیاں گرما گرم یوسف کے ہاتھ میں دیں اور فرمایا کہ "جا تیری روٹی ملک دکن میں اُتری ہے" ہدایت غیبی کے موافق یوسف بندر جرون میں پونچا

دیکھا کہ وہاں ایک تاجر خواجہ زین العابدین سمنانی نامی سلطان محمود بہمنی کی طرف سے آیا ہوا مال و اسباب فروخت کر رہا ہی اور بندر کی مشہور چیزیں گھوڑے اور ترکی غلام لے کر کشتی میں بار کر کے جانے والا ہی کہ اس اثناء میں یہ بھی جا پونہچا چوں کہ یوسف نہایت شکیل اور خوب صورت جوان تھا اور بہت قوی ہیکل تھا خواجہ زین العابدین نے اُسے بخوشی اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا اور اس طرح بیدر پونہچ کر چندے مقام کیا لیکن تقدیر کی ابھی گردش تھی کوئی صورت فلاح کی نظر نہ آئی ناچار وطن کی طرف معاودت کی اور اُسی لاڑ کی مسجد میں ٹھیرا ہوا تھا کہ پھر وہی بزرگ خواب میں آئے اور فرمایا کہ "ہم نے تجھے ملک دکن کو بھجوایا تھا تو کیوں بے صبری کر کے واپس چلا آیا پھر وہیں جا تیری تقدیر وہیں چمکے گی۔ بہرحال کشش دآب و دانہ پھر دکن میں لائی اور بیدر میں وہی فروکش ہوا جہاں کے پہلے تھا۔ اِن دونوں بیانوں میں پہلا ہی بیان زیادہ تر ین صدق معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیجاپور میں تمامی شاہی عمارتوں پر ہلال کی علامت موجود ہی جو خاص کر سلاطین ترک کا نشان ہی۔ ایران و فارس سے کوئی تعلق پایا نہیں جاتا۔

یوسف کی بہادری اور شہ زوری کی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں چنانچہ ایک معرکہ میں اُس کا اور دہلی کے ایک مشہور اور نام آور پہلوان کا مقابلہ بیدر میں سلطان محمد بہمنی کے سامنے ہوا جس میں میدان یوسف کے ہی ہاتھ رہا۔ یوسف اسم با مسمیٰ تھا ؎

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ ۔۔۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

وہ نہایت شکیل سڈول اور خوب رو جوان تھا اس کے علاوہ نہایت فراخ دل۔ عالی حوصلہ اور جری بھی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بلدۂ بیدر میں وہ ایک نامور اور مشہور ہر دل عزیز شخص تھا اور دربار شاہی میں اُس کی عزت اور توقیر روز افزوں تھی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب اور مناصب جلیلہ سے وہ سرفراز ہوتا چلا گیا۔ دن دونی رات چوگنی ترقی تھی۔ یہ تو دنیا کا قاعدہ ہی کہ جب کسی کے زمانہ موافق ہوتا ہی اور وہ شخص عروج اور ترقی کے مدارج پر ہوتا ہی تو بغض وحسد کی وجہ سے بہت سے لوگ دشمن ہو جاتے ہیں اور مخالفین ہر طرح درپے آزار ہو جاتے ہیں۔ انہیں دنوں میں جب کہ یوسف کا نیرّ اقبال چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا ملک تلنگانہ میں بغاوت ہوئی اور یار لوگوں نے بادشاہ سے جڑ دی کہ اِس مہم عظیم کے سر کرنے کے لئے یوسف سے بہتر کوئی شخص

ملنا ناممکن ہی - وہاں دیر کیا تھی بادشاہ نے یوسف کو حکم دیا۔ یوسف کب ٹلنے والا تھا فوراً ایک جرّار لشکر لے کر یلغار پونہچا - اُس زمانے میں نہ ریل تھی نہ تار نہ جلد جلد خبر آنے کا کوئی ذریعہ تھا۔ یوسف کو جاکر ایک عرصہ ہوگیا مگر کچھ خبر نہ ملی بادشاہ بھی یوسف کے سکوت سے متردد تھا کہ آخر ہوا کیا جو اُلٹ کر خبر تک نہ دی کیا زمین پھٹ گئی اور وہ سما گیا یا آسمان اُسے نگل گیا۔ مصاحبین کو ریشہ دوانی کا اچھا موقعہ ملا اُنھوں نے عرض کی کہ جہاں پناہ! یہہ خموشی بھید سے خالی نہیں۔ دال میں ضرور کچھ کالا ہی - اِن ہی حضرات نے بادشاہ کے کان بھرے کہ خداوند عالم اُس نے تو ملک تلنگانہ جب ہی فتح کرلیا اور چین سے اُس ملک کا خود مختار مالک بن بیٹھا ہی اور رنگ رلیاں منا رہا ہی - لیکن اصل بات یہ تھی کہ دشمنوں نے یہ چالاکی کی کہ یوسف کا کوئی معروضہ بادشاہ تک پونہچنے ہی نہ دیا جو آیا راستہ میں ہی سے اُڑا لیا - اِن سب دشمنوں میں یوسف کا بھی صرف ایک سچا خیر خواہ حسین آقا نامی تھا اُس نے دل کڑا کر کے عرض کی کہ یوسف تو ایسا نمک حرام نہیں ضرور اس میں کچھ نہ کچھ بھید ہی ع خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔ بہتر یہہ ہی کہ بڑے آقا کو روانہ کیا جائے تاکہ وہ جاکر چشم دید حالات آکر پیش گاہ خسروی میں عرض کریں - بڑے آقا یوسف کی تلاش میں گئے مگر اُن کو خدا جانے کیا معرکہ پیش آیا کہ اُنھوں نے بھی کچھ دنوں تک خبر نہ دی ع ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد۔ اب کیا تھا مخالفین کو اور زور ہوا اور بادشاہ کے دل میں خوب اُلٹی سیدھی جمانے لگے - بادشاہ نے جب دیکھا کہ معاملہ بے ڈھنگا ہی حسین آقا کو حکم دیا کہ تم خود جاکر یوسف کو لے آؤ بڑے آقا کو یوسف نے وہیں چھوڑا اور خود مع حسین آقا کے واپس آیا - یوسف کے آنے کی خبر سنکر بادشاہ نے بہ نفس نفیس تھوڑی دور خود پیش قدمی فرمائی اور جب معلوم ہوا کہ یوسف نے کیا کچھ جان پر کھیل کر سرکش و باغی اقوام تلنگانہ کی سرکوبی کی اور مطیع کیا تو بادشاہ ایسا خوش ہوا کہ یوسف کو مواضع سنجن - گوڑہ - گانچی - کاسیتر - مع بنگلارہ کی جاگیر مرحمت فرمائی - بڑے آقا کو خطاب "دوسبحان قلی" سے سرفراز ہوئے اور اضلاع ملک کرناٹک میں رہنے کا حکم ہوا - اس سرفرازی پر تھوڑے دن گزرنے نہ پائے تھے کہ یوسف کو عادل خاں کا خطاب دے کر ضلع بیجاپور کا گورنر مقرر کیا - سلطان محمد کی سلطنت کا آخری وقت سلاطین خاندان بہمنیہ کے زوال کا زمانہ

تھا اور اُس کی وفات پر فسادات اور خانہ جنگیاں سلطنت بیدر میں شروع ہوگئیں۔ جب یوسف نے یہہ حال سنا کہ ہر شخص خود مختار ہوگیا تو اُس نے بھی ایک جرّار لشکر ترک اور مغلوں کا جمع کیا اور جب اپنی جگہ قدم جما لئے تو بہ تدریج دار السلطنت بیدر سے قطع تعلق کرتا گیا اور آخر کار ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء میں اُس نے بہ مصداق [1] اَلسَّیْفُ لِمَنْ ضَرَبَ وَ الْمُلْکُ لِمَنْ غَلَبَ کھلے خزانے اپنی خود مختار بادشاہت کا اعلان کیا اور مساجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا شروع کیا اور عادل خاں کو عادل شاہ سے بدل دیا۔ اس بادشاہ کو ساوی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اُس نے ساوہ میں نشو و نما پائی تھی اور بعض سوائی بھی کہتے ہیں کہ سوا کے معنی اُردو میں ایک اور اُس کے اوپر پاؤ کے ہیں چوں کہ یوسف امرائے محمد شاہی میں سب سے شوکت اور ملکیت میں بڑھا ہوا تھا اور سب میں ممتاز اور سربرآوردہ تھا اور ملک و جاگیرات بھی اُس کے قبضے میں سب سے زاید تھے اور اس طرح اپنے اقران و امثال میں ہر اعتبار سے سوایا تھا۔

[1] تلوار اُس کی جو مارے اور ملک اُس کا جو زبردست ہو۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔

پہلا باب

یوسف عادل شاہ سادی ۸۹۵ھ ۱۴۸۹ء تا ۹۱۵ھ ۱۵۱۰ء

دکن از ارم رونما خواستست — کہ از عدل عادلشہ آراستست
زعدلش چناں گشت آہو دلیر — کہ چوں مردمک رفت در چشم شیر
زہے عدل پرورشہ بیہمال — کہ گرگم کند بچہ خود غزال
کند در بن ناخن شیر نی — اگر بگزرد از نیستاں تش پلی
درخشندہ خورشید عدلش چناں — کہ شد آب زنجیر نوشیرواں
پناہ جہاں گشت ایں تاج و تخت — زروے زمیں فتنہ بربست رخت
اگر حاجت افتد بخواب گراں — تواں یافت در دیدۂ پاسباں

قاسم برید۔ تیم راج وغیرہ کا یوسف عادل شاہ سے مقابلہ

تخت نشینی کے بعد یوسف عادل شاہ کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ قاسم برید نے سلطان محمود کو ایسا بے اختیار محض کر رکھا تھا کہ در حقیقت خود ہی سلطنت بہمنیہ کا بادشاہ تھا۔ جب اُس کو یوسف کے بادشاہ ہو جانے کی خبر ملی تو بہت پیچ و تاب کھایا اور آتش حسد بھڑکنے لگی۔ بیجانگر کا راجہ بھی بیدر کے بادشاہ کی طرح تیم راج کی مٹھی میں تھا۔ قاسم برید نے اُسے اُبھارا اور ملک دوآبہ رائچور اور مدگل دینے کی طمع دلائی اور اسی طرح بہادر گیلانی کو جو بندر گوآ اور تمام ملک کوکن پر مستولی تھا سلطنت عادل شاہی پر یورش کرنے کے لئے برانگیختہ کیا اندھا کیا چاہے دو آنکھیں تیم راج ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے تنگبھدرا کے پار اُتر آیا اور تمام ملک کو تباہ اور برباد کرتا ہوا قلعہ رائچور اور مدگل پر قابض ہو گیا اور یہ دونوں مقامات مسلمانوں کے قبضے سے نکل کر راجۂ بیجانگر کے تحت حکومت چلے گئے۔ بہادر گیلانی قلعۂ

جام کھنڈی کو دبا بیٹھا - بادشاہ کو جب خبر ہوئی تو اُس نے قلعہ رائچور اور مدگل سے دست بردار ہو کر حکمت عملی سے تیم راج سے صلح کر لی اور اس طرح سر دست یہ بلا ٹلی - قلعہ جام کھنڈی پر تو قبضہ نہ ہو سکا مگر بہادر گیلانی کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا اور قاسم برید جس نے یہ سارا شر و فساد برپا کیا تھا اُس کی گوش مالی کو آٹھ ہزار سوار کہ جس میں اکثر مغل اور ترک تھے لے کر بیدر کی طرف چلا - قاسم برید نے جب خبر پائی تو ملک احمد نظام شاہ بحری سے نہایت عجز و الحاح سے مدد چاہی - احمد نظام شاہ مع خواجہ جہاں دکن حاکم قلعہ پرینڈہ کے بیدر کی طرف چلا - قاسم برید سلطان محمود شاہ بہمنی کو ساتھ لے کر شہر سے نکلا اور احمد نظام شاہ اور خواجہ جہاں نے بیدر سے پانچ کوس آگے بڑھ کر یوسف عادل شاہ سے مقابلہ کیا اور بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں بریدی لشکر کو ہزیمت فاش ہوئی - یوسف شاہ نے اس فتح کے بعد احمد نظام شاہ کی خبر لینے کا ارادہ کیا - غضنفر بیگ برادر رضاعی یوسف عادل شاہ نے عرض کی کہ اس میں احمد نظام شاہ کا کیا قصور ہے وہ خود تھوڑی آیا تھا یہ ساری کرتوت تو قاسم برید کی تھی ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست - اس طرح آپس میں لڑنے سے سوائے نقصان طرفین کے کچھ فائدہ نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ آپس میں صلح کر لی جائے پس دونوں طرف سے لوگوں نے بیچ میں پڑھ کر مصالحت کرا دی اور یوسف عادل شاہ بیجاپور واپس آیا -

یوسف عادل شاہ اور رائے بیجانگر کی جنگ
رائچور پر ۸۹۸ھ / ۱۴۹۳ء

یوسف عادل شاہ کے دل میں رائچور اور مدگل کا نکل جانا ایک خار تھا جو کھٹک رہا تھا رائے بیجانگر سے انتقام لینے کی غرض سے ۸۹۸ھ / ۱۴۹۳ء میں رائچور کی طرف روانہ ہوا راستے میں دس روز تک سیر و شکار و جشن ہائے شاہی مناتا ہوا منزل بہ منزل چلا جاتا تھا ؎

شکار افگن و سرخوش و شاد کام ہمی کرد منزل بہ منزل خرام

اسی طرح کوچ در کوچ ساحل رود کرشنا پر پہنچ کر ایک بڑا بھاری کیمپ آراستہ کیا ؎

جہان پر سراپردہ و بارگاہ گزشتہ سر خرگہ از اوج ماہ
زبس خیمہ و خرگہ و سائبان زمیں گرد از آسمان رو نشان

جشن طرب اور اکل شرب اور گلعذاران سیم اندام و شمشاد قدان سبز فام کی صحبت میں عیش اڑانے لگا

نازک بدناں سرو قامت | در شوخی دلبری قیامت
ہر یک رقمے بہ خوش نگاری | سرو سمن و گل بہاری

غرض رات دن یہی مشغلہ رہا ؎

خوش آں شہ کہ ایں بزم عشرت نہاد | جہاں را مے و ساغر از دل بداد
گل و لالہ را تا بود در رنگ | زماں را شتاب و زمیں را درنگ
رخش باد تابندہ چوں آفتاب | ز تاج کی و تخت افراسیاب
مدام از مے لعل فرماندہی | ہمیناد کس جام خسروتہی

اوستاد حسین قزوینی جو قانون بجانے میں بے نظیر تھا اُس نے یہہ شعر گایا ؎

بوے پیراہن یوسف ز جہاں گم شدہ بود | عاقبت سر ز گریباں تو بیروں آورد

بادشاہ کو اس کا ساز اور گانا از حد پسند آیا اور چھ ہزار ہن انعام عطا کیا اِسی طرح کئی دن عید رات شب برات میں گزرے کہ بادشاہ کا مزاج تپ و لرزہ اور کھانسی سے ناساز ہوا اور برابر دو مہینے تک برآمد نہیں ہوا کام سلطنت کا غضنفر بیگ آغا کرتا تھا یہاں تک کہ بادشاہ کے مرنے کی خبر پھیل گئی تیمراج کی مراد برآئی۔ ۸۹۸ھ میں بیس ہزار سوار و پیادہ اور بیس ہزار زنجیر فیل لے کر رائچور آن پونہچا۔ اس خبر سے لشکر عادل شاہی میں ایک ہلچل مچ گئی بیمار بادشاہ کی صحت عاجل کے لئے مضطربانہ دعائیں مانگیں خدا کا شکر ہے کہ دعا قبول ہوئی اور بادشاہ کا مزاج رو بہ اصلاح ہوا۔ بادشاہ نے اپنی صحت کے شکریہ میں بیس ہزار ہن علما اور فضلا اور سادات مدینہ و کربلا و نجف اشرف کو جو لشکر میں موجود تھے تقسیم کئے اور بیس ہزار ہن عبداللہ ہروی کو دئے جو کہ یوسف عادل شاہ کے ساتھ ولایت سے آیا تھا اور حکم دیا کہ ساوہ میں جاکر ایک مسجد بنوائی جائے اور ایک بڑا مینار بناکر شہر میں آب رسانی کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ اب وہ مسجد "مسجد غریباں" کے نام سے موجود ہی۔ جب تیمراج کے آنے کی خبر گوش مبارک میں پونہچی تو بادشاہ نے اپنی فوج کا داخلہ دیکھا ؎

شہنشاہ دیں دار صاحب قراں | خدیو فلک قدر گیتی ستاں
بفرمود تا برنشیند سپاہ | درآید بآئیں سوے عرضگاہ

بہ آراستہ یکسر اسپ و سوار — ہمہ با سلاح انچہ آید بکار

آٹھ ہزار سوار دو اسپہ دسہ اسپہ اور چالیس ہاتھی ملاحظہ سے گزرے۔ دریا پار ہوکر آگے بڑھ کے لشکر کا میدان دیکھ بھال کر خندق کھدوائی اور اپنا لشکر ہندؤں کی فوج سے تھوڑے فاصلہ پر ڈال دیا اور بارہ روز تک چپ چاپ وہیں پڑے رہے آخر کار بماہ رجب ہفتہ کے دن ۹۵۸ھ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اور اوائل جنگ میں عادل شاہ کے فوج کے پانسو بہادر کام آئے اور جو بچے اُن کے قدم اُکھڑ گئے اور بدنظمی پھیل گئی۔ اس وقت بادشاہ اور غضنفر آقا سوار ہوکر ایک طرف کھڑے تھے بادشاہ نے کہا نقارہ بجاؤ نقارہ کی آواز سنتے ہی پہلے میرزا جہانگیر قمی پانسو سوار لے کر حاضر ہوا اور اسی کے ساتھ داؤد خاں سات سو نفر جوانان عجمی اور راجپوت لایا۔ بادشاہ تردد ہی میں تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے کہ یکایک سویچک بہادر اوذبک سلاحدار آن پونچا اور عرض کی کہ میں دشمنوں کے نرغے میں گھر گیا تھا چنانچہ میرے ہتیار اور گھوڑا بھی اُنھوں نے چھین لیا میں حیران و پریشان چاروں طرف دوڑ رہا تھا کہ حسن اتفاق سے ایک سوار گھوڑے پر سے گر پڑا میں جھٹ اُس کے گھوڑے پر سوار ہوکر اقدام مبارک میں حاضر ہوا۔ دشمنوں کا یہ حال ہی کہ اُنھوں نے اپنی جگہہ سمجھ لیا ہی کہ فتح ہوگئی اور فوج کھسوٹ اور لوٹ مار میں لگے ہوئے ہیں ادھر سے بالکل غافل ہیں یہ موقع بہت اچھا ہی اگر ہم اس وقت اُن پر جا پڑیں تو کچھ عجب نہیں کہ میدان ہمارے ہاتھ رہے۔ بادشاہ کو یہ صلاح پسند آئی اور اسی وقت تین ہزار پانسو چنندہ مرد کارزار کے ساتھ دشمن پر جھپک پڑا ؎

رواں شد سوئے لشکر کینہ خواہ — بہ نیروئے اقبال و عون اله

بادشاہی فوج ایسی اچانک آن گری کہ ہیمراج کی فوج کو سنبھلنے نہ دیا تاہم وہ سات آٹھ ہزار سوار اور بہت سے پیدل اور تین سو ہاتھی لے کر مقابلہ کو آیا۔ یوسف کی فوج نے قلب لشکر پر اس زور کا حملہ کیا کہ چھکے چھوڑا دیئے ؎

بر چرخ بر دبا دفنا خاک معرکہ — برآب دادہ آب حیات آتش سناں

پیکاں چو چشم در حرم دل گرفت جا — حربہ چو عقل قید سر ساختہ مکاں

گہ تیر ہمچو غمزۂ دلدار دل ربائے | گہ نیزہ ہمچو قامت جاناں رواں ستاں
برکشتگان معرکہ برسم تعزیت | چشم زرہ چو دیدۂ عشاق جاں فشاں

مسلمانوں کی کھلی فتح ہوئی ہندو چالیس ہاتھی ہزار گھوڑے اور تیس لاکھ ہن اور بہت سے جواہرات اور مال و متاع چھوڑ کر بھاگے ۵

چہ پرتو ست کہ اقبال در جہاں افگند | چہ غلغل ست کہ دولت بر آسماں افگند
چہ منت ست کہ در گردن زمین و زماں | طلوع مراتب شاہنشہ جہاں افگند

ہیم راج نوجوان راجہ بیجانگر کو لے کر بھاگا لیکن بیچارے راے زادے کو تیر کا ایسا کاری زخم لگا تھا کہ راستہ ہی میں ختم ہو گیا۔ ہیم راج نے میدان خالی پایا اور خود مالک بن بیٹھا لیکن بعض امرا اور روسا نے اس غاصبانہ کارروائی کی مخالفت کی اور باہمی جنگ و جدال ہونے لگا مثل مشہور ہے کہ دو کی لڑائی تیسرے کی بھلائی کچھ عرصے تک یوسف عادل شاہ کو ان مخصموں سے نجات ملی۔ اس طرح ملک دوآبہ قلعہ رائچور اور مدگل پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

ترویج مذہب شیعہ اور اُس پر عام ناراضی اور مذہبی جنگ

اب جو تھوڑے دنوں سکون رہا اور دشمنوں سے مہلت ملی تو بادشاہ اندرونی انتظام مملکت کی طرف متوجہ ہوا اور چونکہ اُس کا مذہب شیعہ تھا جس کی تعلیم اُس نے ملک فارس میں پائی تھی اُس نے اُس کی ترویج میں کوشش کی لیکن دکن کے تمام باشندے امرا و اعیان سب سنی المذہب تھے اس وجہ سے اُنھوں نے شیعہ عقائد کی ترویج میں بڑی مخالفت کی اور چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی لیکن یوسف عادل شاہ نے سنہ ۹[illegible]ھ میں بروز جمعہ مسجد قلعہ ارک میں نقیب خاں مشہدی سے اذان دلوائی اور کلمۂ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللہ پڑھوایا اور خطیب نے منبر پر چڑھ کر اسامی صحابہ کبار ساقط کر کے ائمہ اثنا عشر علیہ السلام کے نام کا خطبہ پڑھا عین الملک اور دوسرے امراے عظام دلاور خاں حبشی اور محمد سیستانی وغیرہ نہایت مکدر ہوئے اور بلا اداے نماز کے مسجد سے چلے گئے اور چوطرف خطوط دوڑائے جس پر سلطان محمود بہمنی اور امیر برید نے بہ شراکت احمد نظام شاہ احمد نگر و قطب شاہ گولکنڈہ چاروں نے مل کر ایک مذہبی جنگ بہ حمایت عقیدۂ سنت و الجماعت شروع کی اور ایک بہت بڑی فوج لے کر

بیجاپور آن پونچے۔ بے چارہ یوسف شاہ اکیلا تھا اِن چاروں کی مجتمعہ قوت کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا ناچار ملک خاندیس کی طرف نکل گیا اور اپنے دوست عماد الملک کے پاس چلا گیا عماد الملک نے یوسف شاہ کو بڑی لعن طعن کی اور کہا کہ یہہ کیا خبط سوار ہوا تھا کہ بیٹھے بٹھائے تم نے امامیہ مذہب کی ترویج میں اپنی تمام سنّی رعایا سے بُرائی مول لی اور یہاں تک زیادتی کی کہ جبراً اہل تشیّع کے عقائد کی ترویج دی اب مناسب یہہ ہے کہ تم اپنی اِس ناشائستہ حرکت سے توبہ کرو اور ساتھ ہی ساتھ عماد الملک نے محمود شاہ بہمنی کو بھی لکھدیا کہ یوسف شاہ نے مذہب تشیّع کی ترویج کا خیال بالکل چھوڑ دیا ہے اب کبھی ایسا نہ ہوگا آپ اپنا لشکر بیجاپور سے واپس لے جائیے۔ محمود شاہ نے ایسا ہی کیا اور یوسف شاہ دار السلطنت میں امن و امان سے داخل ہوا لیکن اُسے کچھ ایسا غلو تھا کہ باوجود وعدے وعید کے پھر بھی وہ شعیت کو فروغ دینے سے باز نہ رہا۔

یوسف عادل شاہ کی بیماری اور موت ۹۱۶ھ ۱۵۱۰ء۔

۹۱۵ھ مطابق یکم مارچ سنہ ۱۵۱۰ء میں جو یوسف عادل شاہ کی سلطنت کا آخری زمانہ تھا خبر ملی کہ عیسائیوں نے بندر گوآ پر حملہ کیا اور قلعہ دار کو غافل پاکر بہت سے مسلمانوں کو مار ڈالا جوں ہی یہہ خبر عادل شاہ کو پہونچی وہ تین ہزار منتخب فوج مغلوں اور دکھنیوں کی لے کر یلغار صرف پانچ دن میں گوآ پونچ گیا اور قلعہ کو فتح کرکے بہت سے پرتگالیوں کو تہ تیغ کیا کچھ تھوڑے سے بچ کر جہازوں میں بیٹھ کر سمندر کی راہ سے بھاگ گئے۔ بائیس سال دو ماہ مسلسل نہایت عزم و استقلال سے سلطنت کرنے کے بعد بادشاہ مرض سوء القنیہ[۱] میں مبتلا ہوا۔ چوں کہ مرض روز بروز اشتداد پر تھا اُس نے سمجھ لیا تھا کہ اب چند روز کی ہوا کھا رہا ہے بادشاہ نے اپنے بیٹے اسمعیل کو طلب کیا اور اُس کو ولی عہد مقرر کرکے اپنے سامنے ہی تخت نشین کرکے مسند نشینی کی رسوم بھی ادا کرا دیں اور ملک کے کاروبار سے دست کش ہو گیا۔ اسمعیل شاہ کمسن اور نابالغ تھا۔ یوسف شاہ نے امور سلطنت کمال خاں دکھنی وزیر اعظم کے تفویض کئے اور وصیت کی کہ مجھے قصبہ گوگی میں جو یوسف شاہ کو سرکار بیدر سے جاگیر عطا ہوا تھا پائیں مزار

[۱] یہہ مرض مقدمہ ہے استسقاء کا ۱۲

حضرت شاہ چندہ حسینی دفن کرنا - یوسف شاہ کے انتقال کے متعلق مختلف روایات ہیں کوئی سنہ ۹۱۳ھ کہتا ہے تو کوئی سنہ ۹۱۶ھ اور کوئی سنہ ۹۲۵ھ لیکن تاریخ فرشتہ میں سنہ وفات سنہ ۹۱۶ھ ۱۵۱۰ء درج ہے اور یہی صحیح بھی ہے - تاریخ وفات "بگفتا نماندہ شہنشاہ عادل" ۹۱۶ھ اور "جا در بہشت" سنہ ۹۱۶ھ ہے وقت انتقال سن شریف پچھتر سال کا تھا -

یوسف عادل شاہ کی بیوی پونجی خاتون اور اولاد کے حالات

یوسف عادل شاہ کا گزر اتفاق سے حوالی پرگنہ اندا پور پر ہوا خبر ملی کہ مکٹ راؤ مرہٹہ اور اُس کا بھائی جو محمود شاہ بہمنی کے امراء بھے لشکر کے آنے کی خبر سن کر رعایا سمیت بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے ہیں یوسف شاہ نے فوراً دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیدل اُن کی گرفتاری کو بھیجے لیکن اُن دونوں نے اطاعت قبول نہ کی اور مقابلے پر تل گئے لڑائی ہوئی جس میں اُن کا مال و اسباب لوٹا گیا عیال و اطفال قید کر لئے گئے من جملہ عورتوں کے مکٹ راؤ کی بہن جو نہایت زیرک اور عاقلہ اور بہت حسینہ اور جمیلہ تھی اور جس کی عمر سولھا سال کی تھی وہ بھی پکڑی گئی - بادشاہ نے اُسے مسلمان کر کے نکاح کر لیا اور پونجی خاتون نام رکھا اُس کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے ایک شہزادہ اسمٰعیل اور تین لڑکیاں ایک مریم سلطان منکوحہ برہان نظام شاہ دوسری خدیجہ سلطان زوجہ شیخ علاؤ الدین عماد الملک براری تیسری بی بی ستی جس کی شادی احمد شاہ پسر سلطان محمود بہمنی سے سنہ ۹۰۳ھ میں بحالت صغر سنی بمقام گلبرگہ ہوئی تھی -

یوسف عادل شاہ کے اشعار یوسف عادل شاہ شاعر بھی تھا اور ذیل کے اشعار اُسی کے ہیں -

غزل

تا بارِ غمِ عشق کشد قافلۂ ما ... گلہا شگفد ہر طرف از مرحلۂ ما

باآں کہ بجاں با تو نکردیم بخیلی ... پیش از دگراں بہر چہ کردی گلۂ ما

تبخالہ بلب آمد و بر بارۂ عشقت ... رفتیم کہ شد ہادی رہ آبلۂ ما

ما مسئلہ فقہ ندانیم چہ یوسف ... آسان شدہ از عشق تہاں مسئلۂ ما

دیگر

گر وارسی بدردِ دل ناتوانِ من
کز می برد برگ کساں رشکِ جانِ من

درد دل خود ار نکنم کار مشکل ست
ظاہر کہ می کند بتو درد نہانِ من

آن کہ صدر اہتم بجفا آزمودۂ
تیغے کشیدۂ زپی امتحانِ من

اے گل رسیدہ است بگوش تو قصہ ام
بلبل نخواند وقت سحر داستانِ من

گویا کہ بلبلانِ چمن نقل کردہ اند
حرفے زبے وفائی گل از زبانِ من

یوسف بزاریِ دل من گوش کس نکرد
کو بخت آں کہ گوش کند نکتہ دانِ من

ایضاً

مراز بادہ جامے فراغ یعنی چہ
سبو سبو و خم و خم ایاغ یعنی چہ

رباعی

دوشینہ بر آستاں یار از سر درد
می مالیدم سر و دو دست و دو رخِ زرد

بر حلقۂ در دست زدم گفت چرا
بیہودہ بود کوفتن آہن سرد

ولہ

ای آمدہ دیدن رخت وقت صبوح
آثار ہزار گونہ اسباب فتوح

انوار نکوئی از رخت می تابد
زاں روست کہ رویت شدہ آئینۂ روح

ولہ

آں کس کہ علم بہ نیکنامی افراشت
در مزرع دہر تخم نیکوئی کاشت

نیکو ناماں زندہ جاویدانند
مرد آں کہ بمرد و نام نیکو بگذاشت

یوسف عادل شاہ کا کیرکٹر یوسف عادل شاہ بڑا جہاں دیدہ اور تجربہ کار روزگار تھا سخاوت و حلم میں شہرۂ آفاق تھا۔ شجیع اور معدلت گستر اور عدل پرور تھا۔ خط نستعلیق خوب لکھتا تھا۔ علم عروض میں واقفیت تامہ رکھتا تھا۔ فن موسیقی کا بڑا شوقین اور خود ماہر کامل تھا۔ طنبور اور عود خوب بجاتا تھا۔ علما و فضلا اور اہل فن کا بڑا قدردان تھا۔ ایران و توران عربستان اور روم دور دراز مقامات سے ذی علم اور شجیع لوگوں کو لکھ لکھ کر بلاتا تھا۔ اور اس طرح قابل لوگوں کا مجمع

اُس کے گرد رہتا تھا۔ ہمیشہ اُس کی مجالس میں قدما کے اشعار پڑھے جاتے تھے اور بعض اوقات خود بھی اشعار کہتا تھا۔ گو عیش و عشرت کا دلدادہ تھا مگر امور سلطنت اور ملک گیری سے ایک منٹ غافل نہ تھا۔ عدل امانت و دیانت کی داد دیتا تھا جس کی وجہ سے تمام عہدہ دار اس طرف متوجہ تھے۔ صورت شکل میں نہایت وجیہ اور خوب صورت اور قوی ہیکل تھا۔ باوجود پیری اور ریش سفید کے لوگ دور دور سے اُس کے حسن و جمال اور رُخ زیبا کو دیکھنے آتے تھے اور جب سواری برآمد ہوتی تھی تو راستہ پر لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے تھے۔

رباعی

ای رہزن کاروان زہد و پرہیز — بدعت نہ دوستی خصم آمیز
در کوے تو از ہجوم نظارگیاں — نی جاے ستادنست و نی راہ گریز

یوسف عادل شاہ کے عہد کی تعمیرات

قلعہ بیجاپور جسے ارک کہتے ہیں ۹۱۸ھ (۱۵۱۲-۱۳ء) میں یوسف عادل شاہ ہی نے بنوایا تھا اور کہا جاتا ہے اور اس سال کے لحاظ سے یوسف عادل شاہ ۱۵۱۰ء کے بعد شاید ۹۲۵ھ تک زندہ رہنا پایا جاتا ہے جو مطابق ۲۰-۱۵۱۹ء کے ہوتا ہے۔ قلعہ کی دیواروں پر ایک کتبہ بڑے سفید سنگی تختہ پر کندہ ہے جس میں سنہ ہجری ۹۲۰ھ یعنی ۱۵-۱۵۱۴ء کسی عمارت کی جو اس زمانہ میں بنائی گئی تھی تاریخ درج ہے لیکن کتبہ بخط طغری مالیقرئ نہیں ہے دوسرے کتبے اس قرب و جوار میں ابراہیم اول کے عہد کے ہیں۔ دکھنی عیدگاہ جو علی عادل شاہ کے زمانے میں اندرون حصار آگئی (جو اوپری برج کے قریب ہے جسے کثرت استعمال سے سب اُپلی برج کہتے ہیں) یوسف شاہ کے وقت کی بنی ہوئی کہی جاتی ہے لیکن اُس پر جو کتبہ ہے وہ صاف بتلا رہا ہے کہ ملک خواجہ کے عہد میں ۹۴۵ھ میں بزمانِ سلطنت ابراہیم بنی ہے۔ ممکن ہے کہ دوبارہ ترمیم ہو کر یہ کتبہ لگا دیا گیا ہو۔ ایک بہت مختصر اور کہنہ مسجد جو بالعموم یوسف کی پرانی جامع مسجد کے نام سے مشہور ہے اور جو مہتر محل سے تھوڑی دور جانب مشرق سڑک سے ذرا ہٹ کر واقع ہے اُس کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد سلطان محمد شاہ ابن سلطان محمد بہمنی کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی اور اُس کے اخراجات تعمیر بزمانہ

احسن خان نائب غلیبت عادل خانی ۹۱۸ھ م ۱۳-۱۵۱۲ء ہوئے ہیں - اس کتبے میں کہیں فرکر عادل شاہیوں کا نہیں ہے - اگر یوسف شاہ کا انتقال ۱۵۱۰ء میں ہوا تو یہہ مسجد اسمعیل شاہ کے کم سنی کے زمانے میں بنی ہوگی جب کہ کمال خاں باغی قاسم برید سے سازش کر رہا تھا اور یہہ وہ زمانہ تھا کہ سلاطین بہمنیہ کا دباو مملکت بیجاپور پر اُس کے وزیر کے سبب سے تھا - تورہ کے پاس ایک نہر بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہے جو بٹ باولی سے نکال کر قلعے میں لائی گئی ہے جو اتنی بڑی ہے کہ ایک قد آور آدمی مع اسلحہ کے اُس میں سے گزر سکتا ہے لیکن امتداد زمانہ سے اب ٹوٹ پھوٹ کر کچھ باقی نہیں رہا -

گلبرگہ میں بھی شیخ محمد سراج جنیدی کا روضہ اور مینار اسی کے بنائے ہوئے ہیں -

یوسف کے پیشتر بیجاپور کوئی مشہور مقام نہ تھا سب سے قدیم اور معتبر وہ کتبہ ہے جو داخلی دروازہ قلعہ پر ایک سنگین تختی اور ستونوں پر بزبان کنڑی ہے - یہ ستون ٹوٹے پھوٹے پتھر بچا کھچا حصہ اُن مندروں کا ہے جو کہ قدیم زمانے میں اس مقام پر یا قرب وجوار میں موجود تھے - مسلمانوں نے بھی غالباً ان مندروں کو شکستہ حالت ہی میں پایا ہوگا - جب تو اِن کے ستون اور کڑیاں اور مال مسالہ قلعہ کے دروازوں نشست گاہ حیوانان اور مساجد میں لگا دئے گئے اسی طرح مسلمانوں نے گجرات وغیرہ دوسرے ممالک میں بھی اپنی عہد حکومت میں کیا - چنانچہ یہہ کہنہ مسجد بھی جو قلعہ کے دروازے سے سو گز کے فاصلے پر ہے تمام وکمال دیولوں کے پتھروں سے بنی ہوئی ہے اور برآمدہ تو بالکل مندر کا منڈپ جیسے کا ویسا اُٹھا کر رکھ دیا ہے - اس مسجد سے ملا ہوا جو مندر ہوگا وہ ضرور گرا دیا گیا ہوگا - بڑا کتبہ جو اچھی طرح کندہ کیا ہوا ہے اور جو اندرونی دروازہ قلعہ کے بائیں طرف پائیں میں ہے وہ مغربی چالوکیا خاندان کے راجہ بھوونیکا ملایا سومیسورا کے زمانے کا ہے جس میں سکے ۹۹۶ (۵-۱۰۷۴ء) منقوش ہے - اس کتبے سے واضح ہے کہ بیجاپور اُس زمانے میں ٹرڈے واڑی نامی ضلع میں شامل تھا جو مقام اب بھی اُسی کے نام سے دریائے بھیما کے جنوبی کنارے پر واقع ہے اور بیجاپور سے شمال رُخ پر بہ فاصلہ ۲۶ میل واقع ہے - اُس کے زمانے کے راجہ کا نام ٹنڈا نایک لکھا یا تھا - اس پتھر پر سری سوایم بھو سدھیشور دیوتا کے نام کا مندر بمقام دیجاپایا پورا تعمیر کرنے اور تین سو متّر زمین بہ مقام

موضع بجن ہلّی انعام دینا درج ہے۔ موضع بجن ہلّی پرگنہ کنورؔ میں شامل تھا۔ مسٹر فلیٹ کا خیال ہے کہ
یہہ مقامات حال کے نقشہ کے کنور اور بسنل ہیں جو علی الترتیب شہر بیجاپور سے ۱۷ اور ۱۸ میل ہیں
اس کتبے کی آخری چند سطریں بعد میں بعہد وکرماجیت ششم کے مستزاد کی گئی ہیں۔ اس کی
رو سے شہر بیجاپور گیارھویں صدی عیسوی میں مغربی چلوکیا خاندان کے مقبوضات میں تھا اور
بعض اُن زمان مابعد کے کتبوں سے جو پھاٹک کے کھمبوں پر کندہ ہیں واضح ہے کہ بقیہ نصف
بارھویں صدی اور اوائل تیرھویں صدی میں بیجاپور یادو خاندان میں چلا گیا۔ قریب سنہ ۱۳۱۰ء ملک
کافور سپہ سالار سلطان علاءالدین کے حملے کے زمانہ میں بیجاپور مسلمانوں کے قبضے میں آگیا چنانچہ
ایک کتبہ اسی مسجد کی گچی پر جو مندر توڑ کر بنائی گئی ہے موجود ہے کہ ملک کریم الدین نے بالائی حصہ
اس مسجد کا سنہ ۷۲۱ھ (سنہ ۱۳۲۰ء) میں تعمیر کیا اور اب اس مسجد کا نام مسجد رانگلان ہے اور
اس کے ستون سوم پر یہہ کتبہ ہے۔

"ملک ملوک الشرق کریم الدولہ۔ والدین دام نیک ریباسوتھار (بڑھئی) ایں مسجد
را بست چہار نین زین در زیر بھورا انعام باد"

یہہ کریم الدین ملک کافور کا لڑکا تھا اور بیجاپور میں بطور گورنر رہتا تھا۔ خاندان چلوکیا کے کتبے
سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے اس شہر کا نام ویجایا پورا تھا جس کے معنی بلدۃ الظفر کے ہیں وجہ
تسمیہ اس کی غالباً یہہ ہے کہ اُس زمانے میں کچھ فتوحات حاصل ہوئی تھیں اور جب سے اب
تک سوائے تھوڑے فصل کے یہی نام مسلمانوں کے عہد تک رہا ہے یعنی بیجاپور۔ درمیان
میں تھوڑے دنوں تک ابراہیم ثانی کے زمانے میں سنہ ۱۶۰۶ء میں اس کا نام ودّیا پور رہا اور سلطان محمد
نے محمد پور رکھ دیا۔ ابراہیم روضہ کے پاس ایک دیوار پر ایک کتبہ بخط ناگری موجود ہے جو بعہد
سلطان محمد نصب ہوا اُس میں بیجاپور کا نام ودّیا پور درج ہے یعنی "بلدۃ العلم" ممکن ہے کہ مصنف
کتبہ نے بطور احترام یہہ نام اختراع کیا ہو۔

یوسف عادل شاہ کی افواج اور دیگر حالات۔ فوج کی تعداد بارہ ہزار احشام اور چودہ ہزار ہاتھی تھے
چند مشہور عمارات کی تاریخیں واقفیت عامہ کے لحاظ
سے یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) بنائے قلعہ پریندہ ضلع عثمان آباد ریاست حیدرآباد دکن باہتمام خواجہ جہاں ۸۹۱ھ
(۲)۔ قلعہ بلگاؤں باہتمام اسد خاں لاری ۸۹۱ھ۔
(۳) قلعہ کھرج " ۸۹۳ھ۔
(۴) قلعہ شولاپور بحکم ماصاحبہ باہتمام خواجہ جہاں ۸۸۸ھ۔
(۵) قلعہ احمدنگر باہتمام احمد نظام شاہ بحری ۸۷۸ھ۔
(۶) قلعہ بیدر باہتمام احمد شاہ بہمنی ۸۰۳ھ۔
(۷) قلعہ بیجاپور باہتمام یوسف عادل شاہ ۹۱۹ھ۔
(۸) بنائے موضع فتح پور " ۹۱۹ھ۔
(۹) فرح محل " ۹۲۱ھ۔
(۱۰) مسجد نزدیک انند محل تیار کردہ خواجہ جہاں ۸۹۴ھ۔
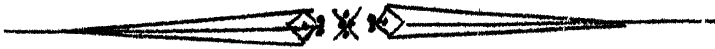
دوسرا باب

اسمعیل عادل شاہ

سنہ ۱۵۱۰ء تا ۱۵۳۴ء

بائین رستم فریدوں و جم — بالوان شاہنشہی زد علم
برآمد سر سروراں بر سریر — کہ بر آسماں آفتاب منیر
برسم کیاں تاج و تخت مہی — برآراست یا کاخ شاہنشہی

اسمعیل عادل شاہ کی تخت نشینی اور کمال خان کی ریجنسی

اسمعیل عادل شاہ کی عمر تخت نشینی کے وقت بارہ تیرہ سال کی تھی اور جیسا ہم لکھ چکے ہیں کمال خاں دکھنی کو ریجنٹ بنایا گیا کمال خاں کو داراب جردی بھی کہتے ہیں یہ شخص قدیم نمک پروردہ اور تجربہ کار و خیر خواہ اس خاندان کا تھا - کمال خاں نہایت دل سوزی اور خیر خواہی سے کام کرنے لگا اور اطراف کے روساء امیر برید و نظام شاہ قطب شاہ عماد شاہ سے بھی صفائی کر لی کسی قسم کا خرخشہ باقی نہ رہا اور تھوڑے ہی دلوں میں سلطنت عادل شاہیہ کو اپنے حُسن انتظام سے مراتب اعلیٰ پر پہونچا دیا - کمال خاں سنی تھا لیکن یوسف شاہ کے عہد میں بہ مقتضا سے اطاعت و فرماں برداری چار و نا چار سکوت کرنا پڑتا تھا مگر دل سے سخت کارہ تھا اب کہ خود مختاری کلی میسر آ گیا اُس نے اپنے عقیدے کی طرف اہتمام سے ترویج دی - چوں کہ بندر گوآ بوجہ عیسائیوں کے دست برد کے ہمیشہ معرض خطر میں رہتا تھا انھیں جب موقع ملتا تھا چھین جھپٹ کر لیتے تھے کمال خاں نے کمال دور اندیشی کی کہ عیسائیوں سے صلح کر لی اور قلعہ گوآ دوا گما اُن کو اس شرط پر دے دیا کہ پرگنات اور قریات متصلہ پر کسی قسم کی دست اندازی نہ کریں اور جب سے اب تک بندر گوآ پر پرتگالیوں ہی کا تسلط ہی - بادشاہ تو کم سن تھا کمال خاں ہی سارے نظم و نسق کا مالک و مختار تھا اُس نے آگے چل کر ایسے پاؤں جمائے کہ کل شاہی اختیارات پر بہ تدریج حاوی

ہو گیا اور در اصل خود بادشاہت کرنے لگا اور تمامی زر خیز جاگیرات مستحقین سے چھین چھین کر اپنے متوسلین کو دے دیں اور اس طرح اپنے عزیز و قریب اور دوستوں کو بڑی بڑی جلیلہ خدمات پر مامور کر دیا۔ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا اور کسی طرف سے اندیشہ نہ رہا تو طمع دنیا نے اُسے ایسا اندھا کر دیا کہ در پردہ خفیہ طور پر امیر برید سے اسمٰعیل شاہ کے معزول یا مکحول کرنے کی سازش کرنے لگا اور یہاں تک بر سر پرخاش ہوا کہ بیچارے اسمٰعیل شاہ کو مع خاتونوں کے محل میں مقید کر سخت پہرہ بندی کر کے کمال خاں نے شہر شولاپور پر چڑھائی کر دی اور تین مہینے کے محاصرہ کے بعد فتح کر لیا اُدھر علی برید نے اپنے بادشاہ کو نظر بند کیا اور گلبرگہ وغیرہ پر لشکر کشی کر کے چند مقامات کو فتح کر بیدر واپس چلا گیا۔ شولاپور سے واپس آنے کے بعد کمال خاں کی بلند پروازی کا کیا پوچھنا تھا اب کچھ کھٹکا نہ تھا اُس نے اپنے بادشاہ وقت ہونے کے اعلان کرنے کا مصمم ارادہ کر کے منجّموں کو بلوا کر کہا کہ کوئی ساعت نیک تخت نشینی کی مقرر کریں منجموں کو کیا کسی کو بھی یہ بات منظور نہ تھی مجبوراً ٹالنے کے لئے کہا کہ ابھی پندرہ دن نحس اور آپ پر بہت بھاری ہیں چند سے تامل کیجئے سولھویں دن مع الخیر جو کچھ کریں گے راست آئے گا اور کمال خاں کو جتلا دیا کہ اس عرصہ میں آپ بہت ہوشیار رہیں خدا جانے کیا آفت آنے والی ہے۔ کمال خاں ایسا ڈر گیا کہ جھٹ اپنے بیٹے صفدر خاں کو کاروبار سلطنت سپرد کر کے خود قلعہ ارک کے اندر ایک مستحکم محل میں تن تنہا جا بیٹھا کہ کسی طرح یہ پندھرواڑا بخیر و خوبی کٹ جائے۔ لیکن تقدیر کے سامنے کہیں تدبیر چل سکتی ہے ایک محل میں نہیں ہزار پردوں میں چھپو۔ ہوتا وہی ہے جو مقدر میں ہوتا ہے ؎

گر بگیری چو سکندر ہمہ دوراں را ۔۔۔ ور بہ جن و ملک و انس دہی فرماں را

گر بہ کیواں ببری کنگرہ ایواں را ۔۔۔ ور نشانی بدر خویش دو صد درباں را

آں چناں مرگ بیاید کہ تو حیراں باشی

پونجی خاتون کی سازش سے کمال خاں کا قتل اور ایک بھاری جدال و قتال کے بعد اسمٰعیل عادل شاہ کا خود مختار بادشاہ ہونا۔

اسمٰعیل شاہ کی ماں پونجی خاتون بے خبر نہ تھی اُسے کمال خاں کی چالاکیوں اور جال پھیلانے کی اچھی طرح خبر تھی۔ پونجی خاتون نے اپنی عزیز دل شاد

آقا کو جو اسمعیل عادل شاہ کی چچی تھی ہم راز بنا اپنے ایک بھروسے کے نمک پروردہ اور جاں نثار غلام اسمعیل نامی کو گانٹھا اُسے بلا کر حقوق نعمت کی یاد دلائی اور کہا کہ آخر سب کو ایک دن مرنا ہے لیکن کیا اچھی وہ موت ہے کہ تو اپنے حق نمک سے ادا ہو اور اپنے مالک پر اپنی جان نثار کرے کہ اس میں دنیا اور دین دونوں کی بھلائی ہے اگر تو اس نمک حرام دشمن کا کام تمام کردے تو دو حال سے خالی نہیں اگر تو بچ گیا تو تیری قدر و منزلت بے حد و شمار کی جائے گی اور اگر کام آیا تو عاقبت میں سرخ رو ہوگا اور دنیا میں تیرا نام رہ جائے گا۔ غلام نے کمر ہمت چست کی اور اپنے مالک پر جان نثار کرنے کو بالکل آمادہ ہوگیا اور کہا کہ اگر اس تن نحیف سے کوئی خدمت اپنے مالک کی ہوجائے اور گو کہ میری جان بھی جائے مگر میں حاضر ہوں کہ حق نمک سے ادا ہوں۔ پونجی خاتون نے کہا کہ کمال خاں تک تیرا پونہچنا بہت مشکل ہے کہ وہ امن و امان کی جگہ جا بیٹھا ہے کہ جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا لیکن خیر میں کسی نہ کسی تدبیر سے تجھے وہاں پونہچا دوں گی پھر آگے تیری ہمت اور مردانگی رہی۔ پونجی خاتون نے کیا تدبیر کی کہ کمال خاں نے جو ایک دایہ کو محلات کی خیر خیریت لانے کے لئے متعین کیا تھا اُسے ہموار کرلیا اور اُس کے ذریعہ سے کمال خاں کو کہلوایا کہ کاکا[1] مکہ معظمہ کو جارہا ہے اور اُس کی آرزو یہ ہے کہ جانے سے پہلے حضرت کی زیارت سے مشرف ہو۔ نہیں معلوم کہ اتنے دور دراز سفر سے زندہ پھرے یا نہ پھرے اس واسطے آپ کے قدم مبارک دیکھنا چاہتا ہے آپ اُسے پان کا بیڑہ دے کر رخصت کردیں۔ کمال خاں نے جب سنا کہ پونجی خاتون نے کاکا کو بھجوایا ہے تو وہ اُس کے دام میں آگیا اور کاکا کو اجازت باریابی کی دی۔ کاکا حاضر خدمت ہوا۔ کمال خاں نے جیسا کہ امرا کا قاعدہ ہوتا ہے۔ فرط نوازش سے ہاتھ بڑھا کر پان کا بیڑا کاکا کو دیا۔ کاکا بیڑا لینے کو آگے وار جھکا اور کمال پھرتی سے اپنے کمر سے خنجر نکال چشم زدن میں کمال خاں کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ ضرب ایسی کاری تھی کہ معاً انتڑیاں نکل پڑیں اور کمال خاں وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ کمال خاں کا شور و فغاں سن کر حوالی موالی اُسی وقت دوڑ پڑے اور بات کرتے کاکا کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ کمال خاں کی بیوی بڑی عقیلہ اور دانش مند تھی دوسرا کوئی ہوتا تو چھکے چھوٹ جاتے۔ کمال خاں کی خبر سن کر وہ بے محابا زنان خانہ سے باہر تو نکل آئی مگر پھر سنبھل گئی اور نہایت استقلال سے اپنے بیٹے صفدر خاں کو روکا کہ وہ بھی باپ کے

[1] اسمعیل غلام کا عرف ہے۔ ۱۲

پاس چلاتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس واقعہ سے سب کو مطلع کرے لیکن اُس کی ماں نے کہا کہ ارے
نادان رونے پیٹنے اور چلانے سے کیا ہوتا ہی پہلے تو ان موذیوں کا بندوبست تو کر۔ فوج کو اپنے
باپ کے جانب سے حکم دے کہ اسمعیل اور اُس کی ماں کو فوراً قید کرلیں۔ اب اُدھر کا حال سنئے
کہ کاکا کو جاکر بہت دیر ہوگئی اس سے پونجی خاتون اور بھی پریشان ہوگئی کہ خدا جانے کیا اُفتاد
پڑی جو اتنی دیر لگی ضرور دال میں کچھ کالا ہی شاید وار خالی گیا اُس نے اپنے بیٹے اسمعیل کو دم
دلاسا دیا کہ تو کیوں گھبراتا ہی دیکھ تو خدا کیا کرتا ہی ذرا دم تو لے۔ پونجی خاتوں نے اپنے محل کے
تمام لوگوں کو بلا کر پکّا کیا کہ خبردار جو تم ڈگمگاے تم کو اپنے بادشاہ کی طرف داری دم آخر تک
کرنی چاہیئے جہاں اُس کا پسینہ گرے تم کو چاہیئے کہ اپنا خوں بہاؤ نمک حلالی کے یہی معنی
ہیں کہ اپنے بادشاہ کی سلامتی چاہو اور اپنی جان نثاری اور وفاداری میں ثابت قدم رہو
جس میں دین دنیا دونوں کا فائدہ ہی اور لوگوں کو بہت کچھ سرفرازی انعام واکرام وعطاے
جاگیرات وغیرہ کا وعدے دے کر سب کو مضبوط کیا۔ لیکن پھر بھی بعض نمک حرام کچّے دل
کے کمال خاں کے غضب کے ڈر سے کانپ گئے اِدھر سے ٹوٹ کر جھٹ صفدر خاں سے
جا ملے کہ خدا جانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے ہم مفت میں اپنی جان کیوں گنوائیں۔ صفدر خاں
نے فوراً فوج کو جمع کرلیا کہ دراصل وہی بادشاہ تھا۔ اسمعیل بے چارہ کس شمار قطار میں تھا۔
جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ فوج کو جمع کر بادشاہ کے محل پر چڑھائی کردی پہلا اور دوسرا
دروازہ توڑ کر جبراً اندر گھسا۔ محل پر بھی چوطرف فوج چڑھی ہوئی تھی چاروں طرف سے
صفدر خاں کی فوج پر تیر اور تفنگ کا مینہ برسنے لگا اور پونجی خاتوں اور دل شاد آغا
بھی بہ نفس نفیس مردانے لباس میں مسلح ہوکر باہر نکل آئیں ہاتھ میں تلوار اور سینے پر ڈھال
لگی ہوئی تھی اور اپنی فوج کی ہمت اور جرأت بڑھانے لگیں کہ بہادروں بازی جانے نہ پائے
جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہی۔ اس نمک حرام کو گھسنے نہ دینا یہی وقت تم
لوگوں کی بہادری اور نام آوری حاصل کرنے کا ہی۔ حق نمک ادا کرو۔ صفدر خاں اور محل
کی فوجوں کا تو مقابلہ ہو ہی رہا تھا مگر یہہ خبر سن کر شہر کے دوسرے امراے جان نثار معہ
اپنے حوالی موالی کے مدد کو آن پونہچے اور رسے ڈال ڈال کر محل کی دیواروں پر چڑھ گئے اور

سب نے مالک کے ساتھ اپنی جان کھپا دی - کمال خاں کی فوج کو اس بات کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی کہ کمال خاں زندہ ہے چنانچہ یہ بڑی چالاکی کی گئی کہ محل کے محاذی کھڑکی میں کمال خاں کے مردے کو ٹیکا لگا کر بٹھا دیا کہ زخمی تو ہوا ہے مگر اب تک زندہ ہے - کمال خاں کی طرف دار فوج کے پاس بندوقیں تھیں اور محل والے بیچارے نہتّے اُن کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے اور ضرور کمال خاں ہی کی فوج کامیاب ہوتی مگر مشیت ایزدی اس کے خلاف تھی ایک واقعہ کچھ ایسا برمحل ہو گیا کہ آن واحد میں بازی پلٹ گئی - زنانہ محل کی خاص طور پر محافظت کی جا رہی تھی اور تمامی محصورین کی فوج اُسی طرف اُمڈی ہوئی تھی اور جان توڑ کر مقابلہ کر رہے تھے اور تیر برسا رہے تھے لیکن پھر بھی صفدر خاں دلیری کے جوہر دکھاتا ہوا گھس ہی پڑا - اس وقت گھمسان لڑائی ہو رہی تھی اور قریب تھا کہ صفدر خاں بازی لے جائے کہ صفدر خاں کی پیشانی پر ایک تیر ایسا لگا کہ وہ لڑکھڑا کر فصیل کو ٹیکا دے کر بیٹھ گیا محصورین کو عمدہ موقع ملا اور ایک بڑا پتھر فصیل پر سے ایسا لڑھکایا کہ صفدر خاں چکنا چور ہو گیا - بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل ہی نے خود پتھر لڑھکایا لیکن یقیناً یہ کام کسی اور کا تھا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ اسمٰعیل جیسا کمسن لڑکا ایسے خطرے کے مقام پر غیر محفوظ طور پر فصیل پر کھڑا رہتا - صفدر خاں کا مرنا تھا کہ لشکر میں للّہ طرح گئی اور سب کے ساتھ سر پر پاؤں رکھ ایسے بھاگے کہ توبہ بھلی محل کی فوج نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور کھدیڑتے ہوئے کمال خاں کے محل تک جا پہنچے جب کہیں وہاں جا کر اُن کو معلوم ہوا کہ کمال خاں تو مر گیا - جوں ہی اسمٰعیل دوبارہ با اختیار ہوا اُس نے اپنے جاں نثاروں کو جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر دھر کر اپنے بادشاہ کا ساتھ دیا تھا سرفراز کیا خصوصاً خسرو آقا لاری کو جو سب سے بڑا خیر خواہ تھا اسد خاں لاری کا خطاب اور بلگاؤں (بلگام) جاگیر دی - بادشاہ نے دکھنیوں اور حبشیوں کو ایک دم نکال باہر کیا اور اُن کی جگہ مغلوں کو بھرتی کیا - مغل بڑے جری اور قادر تیر انداز اور نیزہ باز تھے جن کے وجود سے سلطنت کو بڑا استحکام ہوا - اسمٰعیل شاہ اپنے باپ کے مذہب شیعی کا مقلد تھا اور بمصداق اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم حکما لوگ شیعہ بنائے گئے -

قاسم برید اور دوسرے بادشاہوں کی چڑھائی بیجاپور پر ۹۲۰ھ

جب اسمٰعیل شاہ ٹھکانے سے بیٹھ گیا اور اپنی چھوٹی سی سلطنت کو ٹھیک ٹھاک کر چکا تب اُس نے اپنے ہم عصر اور ہمسایہ حکومتوں کی طرف رخ کیا اور اپنی محدود و مختصر سلطنت کو وسعت دینے کا خیال کیا اُس نے سب سے پہلے قاسم برید کی خبر لی اور اُس کے مقبوضات پر چڑھائی کی اور جو ملک اُس نے دبالیا تھا واپس لے لیا۔ قاسم برید نے اس معاملے سے پیچ و تاب کھایا لیکن اکیلا کیا تاب لاسکتا تھا اُس نے برہان نظام شاہ احمد نگر سلطان قلی قطب شاہ علاء الدین عماد الملک سے مدد طلب کی۔ ان سب نے مل کر بیجاپور کی سلطنت پر چڑھائی کی اور تمام ملک میں لوٹ مار کرتے ہوئے بلا کسی مزاحمت کے شہر بیجاپور دارالسلطنت سے تین کوس ورے تک جا پہنچے۔ اسمٰعیل شاہ نے جب دیکھا یہ لوگ سر پر چڑھ آئے تو بارہ ہزار سواروں سے ان کا مقابلہ کیا اور بیخ و بن سے اُن سب کو اکھاڑ پھینکا۔ امیر برید تو شکست کھا کر نکل بھاگا لیکن سلطان محمود جو اس جنگ میں گھوڑے سے جدا ہو کر مجروح ہو گیا تھا وہ مع اپنے بیٹے احمد شاہ کے گرفتار ہو گیا ان دونوں کو بادشاہ عزت و احترام سے شہر میں لایا اور اُن کے زخموں کی مرہم پٹی کرائی اور بے انتہا مراعات سے پیش آکر پیش قرار تحفے اور تحائف بھی دئے۔

گلبرگہ میں بی بی ستی کی شادی شاہزادہ احمد شاہ ولد محمود شاہ بہمنی سے

جب کہ سلطان محمود کو صحت کلی ہو گئی تو اُس نے عادل شاہ کی ہمشیرہ بی بی ستی کی جو پہلے ہی ۹۲۳ھ میں بحالت شیر خواری شاہزادہ احمد شاہ سے منسوب ہو چکی تھی رخصت کی درخواست کی جس کو عادل شاہ نے بالراس والعین منظور کیا کہ اس رشتہ داری کی بدولت آئے دن کا پاپ کٹا اور ہمیشہ کا لڑائی جھگڑا مٹا اور دونوں طرف شادی کی طیاریاں ہونے لگیں اور شہر گلبرگہ میں یہ تقریب ہمایوں ادا ہوئی اور دو ماہ تک برابر جشن شاہانہ ہوتے رہے اس تقریب سے فارغ ہوتے ہی سلطان محمود کو بہت کچھ پیش کش اور نذرانہ اور نقدی و سامان دے کر پانچ ہزار سواران مغل کا بدرقہ اعزازی ہمراہ رکاب کر کے دارالخلافت بیدر کو روانہ کر دیا۔ اسمٰعیل عادل شاہ نے جو بے نظیر سلوک اپنے محروسین کے ساتھ کیا اس سے تمام لوگ بے انتہا مسرور اور خوش ہوئے۔

رایان بیجانگر اور اسمعیل عادل شاہ کی ایک عظیم الشان لڑائی رائچور پر ۱۵۲۰ء

رائچور پر جو لڑائی ہوئی اُس کے واقعات نیونز نے بہت شرح و بسط سے لکھے ہیں۔ اسی کا خلاصہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں۔ کشن دیورائے نے عادل شاہ سے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔ اُس نے ٹھان لیا تھا کہ جس طرح بن پڑے قلعہ رائچور کو فتح کر کے چھوڑوں گا کیوں کہ یہی مقام ہنود اور مسلمانوں کی سلطنت میں ہمیشہ مابہ النزاع رہا ہی اسی ارادے سے وہ بہت بڑا لشکر جمع کر کے بیجانگر سے بہ ماہ فروری یا مارچ جب کہ بارش کا موسم نہیں ہوتا شمالی و مشرقی جانب روانہ ہوا اُس زمانے میں گرمی پڑ رہی تھی اور ریگڑ[۵۱] کی زمینیں جو رستے میں واقع تھیں سب خشک تھیں اس وجہ سے افواج توپوں اور ساماں حرب کے لئے طی مسافت میں آسانی تھی۔ ہمراہیان لشکر اور فوج ملا کر دس لاکھ آدمی تھے خالص فوج سات لاکھ چھتیس[۳۶] ہزار اور پانسو پچاس ہاتھی تھے۔ راجہ فوج کو گیارہ حصوں پر تقسیم کر کے روانہ ہوا اور باقی فوج رائچور پونہچتے پونہچتے رستے میں آن ملی۔ راجہ نے قلعہ رائچور کے مشرقی جانب فوج ڈال دی اور محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد خبر ملی کہ عادل شاہ بیجاپور سے ایک لاکھ چالیس ہزار سوار اور پیدل لے کر جنوبی ساحل رود کرشنا پر آن پونہچا ہی۔ دریا پر پونہچ کر بادشاہ نے اپنی فوج کو چند دن آرام دیا اور پھر عبور کر کے رائچور سے نو میل پرے اور دریا سے (۵) میل آگے بڑھ کر ٹھیر گیا اور وہاں اپنے کیمپ کے اطراف میں ایک خندق کھدوائی[۵۲]۔ ۱۹ مئی سنہ ۱۵۲۰ء روز شنبہ کو جنگ شروع ہوگئی۔ کشن دیورائے نے اپنی ساری فوج کو آگے بڑھا کر حملہ کیا۔ یہہ حملہ اس زور و شور کا تھا کہ مسلمان ایسے بے بس ہوئے کہ پیچھے ہٹ کر خندق میں پناہ گزیں ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے لشکر کو ایک وسیع میدان میں دور تک پھیلا دیا تھا اور سمجھا تھا کہ راجہ کی فوج ہی پھیلی پڑی ہوگی بادشاہ کو معلوم تھا کہ قلب لشکر کم زور ہی اس لئے توپوں سے جو پہلے ہی سے اکھٹی کر رکھی تھیں گولہ باری شروع کر دی۔ ہندوؤں کا

[۵۱] - کالی زمین کو ریگڑ کہتے ہیں [۵۲] آرڈ سینینس نقشہ میں رائچور سے (۱۳) میل کے فاصلے پر بجانب شمال مشرق دریا کے کنارے کنارے اس خندق کی علامتیں بتلائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہاں لشکر ٹھیرا ہوگا کیمپ کا خط دریا کے طول کے متوازی واقع ہی۔ باقی مغربی۔ جنوبی اور مشرقی رخ قریب ایک ایک میل کے لمبے ہیں یہ مقام رود ہائے بھیما اور کرشنا کے سنگم سے ذرا ہی نیچے ہی اور اسٹیشن ریلوے کرشنا سے دو میل جانب مغرب ہی ۱۲۔

لشکر ایک ہی جگہہ اکھٹّا تھا توپوں کی مار سے ایسا ستھراؤ ہوا کہ ہنود کا لشکر تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اِن کے ہٹتے ہی مسلمانوں کے لشکر نے دھاوا کیا۔ پیچھے ہٹنا ہی تھا کہ لشکر میں ایک بھاگڑ پڑ گئی ڈیڑھ میل تک ہندوؤں کا لشکر آگے آگے بھاگ رہا تھا اور مسلمانوں کی فوج اُن کا پیچھا کئے ہوئے بڑھی چلی جارہی تھی۔ راجہ خود دوسرے حصّے کی کمان پر تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اُس کو بالکل نا امیدی ہو گئی اُس نے اپنی فوج کو ہمّت دلائی اپنی امرا کو اکھٹّا کیا اور چوں کہ راجہ بڑا بہادر اور مستقل مزاج تھا اُس نے جواں مردی سے موت کا سامنا کرنے کا مصمم ارادہ کر راجہ خود گھوڑے پر سوار ہو گیا اور باقی ماندہ فوج کو اکھٹّا کر کے بڑھایا اور اس زور کا حملہ کیا اور قتل عام شروع کیا کہ مسلمانوں کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ایسا دبایا کہ ہٹتے ہٹتے دریا کے پیٹے میں پہونچ گئے۔ اِس مقام پر ایک خوفناک قتل عام ہوا اور مسلمانوں کا سارا لشکر بھاگ نکلا اور ہندوؤں کی ایسی فتح ہوئی کہ راجہ نے دریا کے پار پہونچ کر شاہی کیمپ کو گھیر لیا۔ بادشاہ اسد خاں کی امداد سے ایک ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اِدھر تو مسلمانوں کا لشکر پسپا ہو کر دریا کے پیٹے میں آگیا اُدھر صلابت خاں جو شاہی فوج کا ایک سردار تھا اُس نے ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ اُس کے پاس پانسو پرتگالی بطور باڈی گارڈ کے تھے ان کو لے کر وہ ہندوؤں کی فوج میں جو بڑھتی چلی جا رہی تھی جا گھسا اور بہت کچھ کرشمے اپنی بہادری کے دکھلائے کہ جس کی یادگار ہمیشہ قایم رہے گی۔ صلابت خاں بڑھتے بڑھتے راجہ کے خیمہ گاہ کے پاس پہونچ گیا اور قریب تھا کہ راجہ تک پہونچ جائے۔ سوء اتفاق سے صلابت خاں کا گھوڑا مارا گیا مگر وہ اُسی وقت دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا لیکن اس چھوٹے سے لشکر کو ہندوؤں کی فوج نے گھیر کر نیست و نابود کر دیا۔

صلابت خان دوبارہ گھوڑے پر سے گرا اور پکڑ لیا گیا۔ اس لڑائی میں لوٹ کا مال بے حد ملا اور ہندوؤں کو ایسی فتح ہوئی کہ سالہا سال تک مسلمانوں کے دلوں میں راجہ کشن دیورائے اور اُس کی بہادر فوج کی دہشت بیٹھی رہی اور سلطان کو ایسا دہلا کا بیٹھا کہ پھر کشن دیورای کی زندگی بھر بیجانگر کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہ پڑی کشن رای اپنی اس فتح یابی سے پھول گیا اور فوراً رائچور پہونچا اور تھوڑے ہی عرصے میں بہ سرکردگی کرسٹو واوڈی فگرئیدیرہ لگا یوں

کی مدد سے قلعہ کو فتح کرلیا - پرتگالیوں نے توڑے دار بندوقوں سے چن چن کر قلعے والوں کو مارا اور قلعے کے حصار کے پتھروں کو گرادیا - قلعہ کا گورنر قتل ہوجانے سے مسلمان گھبرا گئے اور اطاعت قبول کرلی -

جنگ کی صحیح تاریخ اگرچہ تیونسنر نے جنگ رائچور ماہ مئی ۱۵۲۲ء کی چاند رات کو ہونا لکھا ہی لیکن سال میں اُس سے غلطی ہوئی ہی صحیح سال ۱۵۲۰ء ہی - وقایع نگار نے لکھا ہی کہ کشن رای جمعہ کے دن جنگ شروع کرنے والا تھا لیکن چوں کہ وہ دن منحوس تھا اس لیے حسب مشورت اپنے صلاح کاروں کے ہفتہ کے دن جنگ شروع ہوئی اور وہی ماہ ہلالی کا غرہ تھا قبل اس کے کہ ہم ماہ و تاریخ سے بحث کریں پہلے ہم کو لڑائی کا صحیح صحیح سال معلوم کرنا چاہیے - سیاح پینز نے بیان کیا ہی کہ اس کی موجودگی میں بیجانگر میں دو بڑے تہوار ہوئے جن کو اُس نے خود دیکھا ہی اور اُن میں کرسٹو واوڈی نگار ٹیڈ بھی موجود تھا - اُس نے اِن تہواروں کی تاریخ بالکل صاف لکھی ہی اس میں تہوار مہانومی نو دن کا تھا اور دوسرا تہوار نئے سال کا شروع دن تھا - پینز نے لکھا ہے کہ مہانومی ۱۲ ستمبر کو شروع ہوئی اور دوسرا[۵۲] تہوار ۱۲ - اکتوبر کو ہوا - پینز نے رائچور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہی کہ وہ شہر راجہ بیجانگر کے قبضے میں تھا اور اس پر بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور راجہ نے رائچور کو عادل شاہ سے لے لیا اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وقائع نگار اِن تہواروں میں جو رائچور کی فتح کے بعد ہوئے ہیں موجود تھا - مہانومی کا تہوار اس ملک میں آسوین کی پہلی کو ہوتا ہی اور سال اُس زمانے میں کاتک کی پہلی کو شروع ہوا اور دونوں تہوار اوائل ماہ نومیں ہونا بیان کیے جاتے ہیں - حساب سے معلوم ہوتا ہی کہ کشن رای کے عہد میں پہلی آسوین اور پہلی کارتک ۱۲ ستمبر اور ۱۲ اکتوبر کے مطابق پڑی - ہم نے کشن رای کی سلطنت کے زمانے کا حساب کیا تو سوائے ۱۵۲۰ء کے اور کوئی سال اس سے مطابقت نہیں رکھتا -

۱۵۲۱ء میں مہانومی ۲ ستمبر کو اور سال تو پہلی اکتوبر کو ہوا ہی اور ۱۵۲۲ء میں یہ تہوار ۲۰ ستمبر اور

---

[۵۲] - یہ تہوار ۱۲ ستمبر کو شروع ہوتا ہی اور نو دن تک رہتا ہی - وقائع پینز صفحہ ۲۶۳ "شروع ماہ اکتوبر میں اس مہینے کے گیارہ دن گزر جانے کے بعد اِن لوگوں کا سال شروع ہوتا ہی اور یہی سال نو کا دن ہوتا ہی - ہندو اس مہینے کے نئے چاند کے دن سال شروع کرتے ہیں اور ان کے مہینوں کا حساب چاند سے چاند کو ہوتا ہی" وقائع پینز ۲۸۱ - ۱۲ -

۲۰ اکتوبر کو ہوئے ہیں اِس سے ظاہر ہی کہ پیز ۱۵۲۰ء کے تہواروں میں موجود تھا اور اِس لئے
جنگ رائچور کا اُسی سال میں ماہ ستمبر کے پیشتر ہونا ضروری امر ہی - واقعۂ ذیل سے اور زیادہ
توضیح ہمارے خیال کی ہوتی ہی - راجۂ بیجانگر نے اِن تہواروں کے دیکھنے کے لئے کرسٹوواؤ
کو بلوایا تھا اور بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا - راجہ نے اپنے پاس ایک بلند چبوترے پر اُس کو
اور اُس کے ہمراہیوں کو بٹھلایا کہ تماشا اچھی طرح دکھلائی دے - کرسٹوواؤ نے چوں کہ محاصرۂ
رائچور میں راجہ کی بے انتہا مدد کی تھی اور اِسی کی امداد سے جلد کامیابی ہوگئی ورنہ یہہ لڑائی مہینوں
طول کھینچتی اِس وجہ سے راجہ اُس کا از حد ممنون تھا اور انھیں تعلقات[۵۱] سے اُسے مدعو بھی کیا تھا -
اب دیکھنا چاہیے کہ دوسرے پرتگالی مورخین نے رائچور کی لڑائی کا کس سال میں ہونا لکھا ہی اور وہ نیونز
کے بیان سے مطابق ہی یا نہیں - اِس سوال کا تصفیہ اُس تاریخ پر منحصر ہی جب کہ پرتگالیوں نے
بندر گوآ کے محاذی برّاعظم سالسٹ پانڈا اور بارڈس کے خطّوں پر قبضہ کیا تھا - یہہ یقینی بات ہی
کہ خشکی کے مقامات پر پرتگالیوں کا قبضہ کشن رای کے اشارے سے فتح رائچور کے چند دنوں
بعد اُس زمانے میں ہوا جب کہ سیکویرا گورنر جنرل بحر احمر کی طرف چلا گیا تھا اور ڈی ملو گوآ کا گورنر
تھا - سیکویرا بحر احمر کو ۱۳ فروری ۱۵۲۰ء میں روانہ ہوا اور ۹ - فروری ۱۵۲۱ء کو واپس آیا - کپتان
ہیڈ سیاح ۱۵۲۹ء میں ہندوستان میں تھا اور اِس لئے اُس کا بیان زیادہ تر اعتبار کے
قابل ہی - وہ لکھتا ہی کہ سیکویرا بحر احمر کو گیا ہوا تھا اُس کے غیاب میں راجۂ بیجانگر اور عادل شاہ
سے لڑائی ہوئی جس میں بادشاہ شکست پاکر بھاگا اور ہندوؤں نے رائچور اور دوسرے
مقامات فتح کر لئے - اِس وجہ سے گوآ کے قریب خشکی میں متعدد تھانہ داریاں عدم نگرانی کی
حالت میں پڑی تھیں - راجۂ بیجانگر کی سلطنت خود وسیع تھی اُس کو اِن کی پروا نہ تھی وہ
صرف یہ چاہتا تھا کہ گوآ میں جو گھوڑے درآمد کئے جاتے ہیں وہ سب اُسی کو ملیں اور عادل شاہ
کو ایک بھی نہ دیا جائے - اُس نے ڈی ملو کو کہلا بھیجا کہ عادل شاہ سے اُس نے بلگاؤں اور
اُس کے ساتھ سمندر تک کا علاقہ چھین لیا ہی جس میں متعدد تھانہ داریاں واقع ہیں جن کا محاصل

---

[۵۱] - اُس زمانے میں سلطنت کے چھوٹے چھوٹے حصّے تھانہ داریوں پر منقسم تھے - جیسے فی زمانا تعلقات اور پرگنہ جات ہیں - ۱۲ -

پانچ لاکھ طلائی پرڈاؤ (ایک سکہ ہی) سے زیادہ ہی - ہم وہ بادشاہ پرتگال کو صرف اس شرط پر دیتے ہیں
کہ تمام گھوڑے جو گوآ میں آتے ہیں ہم کو دئے جائیں - اس بنا پر دس دن کے اندر ان تھانہ داریوں
پر مع جزیرہ سالسٹ کے پرتگالیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سیاح کوریا جو ہندوستان میں ۱۵۱۳ء یا ۱۵۱۴ء میں
آیا تھا بیان کرتا ہی کہ سیکویرا گوآ سے بحر احمر کو جنوری ۱۵۲۰ء میں گیا اور اُس زمانے میں بیجانگر اور بیجاپور
کے درمیان لڑائی چھڑی ہوئی تھی جس کے ختم کے بعد راجہ بیجانگر نے ڈی ملو کو (جو گورنر جنرل کے
چلے جانے سے گورنری کے عہدے پر مامور تھا) مقامات خشکی محاذی گوآ کے متعلق پیغام بھیجا تھا
کوریا نے صاف طور پر اس واقعہ کا سال نہیں بتلایا لیکن اُس کے وقایع جو ۱۸۶۰ء میں چھپے ہیں
اُن پر ۱۵۲۱ء لکھا ہی - لیکن یہ سال صریح غلط ہی کیوں کہ مئی ۱۵۲۱ء میں سیکویرا کہیں نہیں گیا
تھا اس لئے یہ سال غلط ہی - مئی ۱۵۲۲ء میں سیکویرا گورنر جنرل ہی نہ تھا بلکہ مینزس تھا جس نے
ولیسرائے کی خدمت کا جائزہ سیکویرا سے ۲۲ جنوری ۱۵۲۳ء کو لیا ہی اُسی دن سیکویرا پرتگال
کو روانہ ہوا - بیروس نے سیکویرا کی روانگی ۱۳ فروری ۱۵۲۰ء کو لکھی ہی اور یہ کہ اُس کے غیاب
میں ڈی ملو گوآ کا گورنر تھا - ڈی ملو نے برّ اعظم گوآ پر جنگ رائچور کے بعد قبضہ کیا، اور اُس زمانے
میں سیکویرا بحر احمر میں تھا - اُس نے جنگ رائچور کے حالات کو نیونز ہی سے نقل کیا ہی اس لئے
اُس سے بحث فضول ہی - البتہ بیروس نے بطور خود کچھ واقعات بتلائے ہیں ان میں ٹھیک
ٹھیک زمانہ بھی بتلایا ہی - "رائچور کی جنگ کے بعد عادل شاہ اور راجہ کی ناچاقی لامحالہ بڑھ گئی
تھی اور اسی وجہ سے ڈی ملو نے برّ اعظم پر قبضہ کرلیا" دو کی لڑائی میں تیسرے کا فائدہ - سیکویرا
ان دنوں بحر احمر میں تھا - بیروس لکھتا ہی کہ سیکویرا نے بحر احمر سے واپس آتے ہی پہلے ملک
کا انتظام کیا خصوصاً برّ اعظم کا جس پر ڈی ملو نے قبضہ کرلیا تھا - اس کے بعد وہ کوچین چلا
گیا اور وہاں سے ڈیو گیا جہاں وہ ۹ فروری ۱۵۲۱ء کو پہنچا - اور ایک دوسری جگہ بھی
بیروس نے لکھا ہی کہ سیکویرا کے غیاب میں ڈی ملو نے برّ اعظم پر قبضہ کیا - فاریا ایک
فرانسیسی مورّخ نے جس کی کتاب ان واقعات کے ایک صدی بعد چھپی تھی لکھا ہی کہ سیکویرا
فروری ۱۵۲۰ء سے فروری ۱۵۲۱ء تک گوآ سے غیر حاضر تھا اس زمانے میں راجہ بیجانگر نے
پینتیس ہزار سوار سات لاکھ تینتیس ہزار پیدل اور پانسو چھیاسی ہاتھیوں کا لشکر میدان اور

پہاڑوں میں پھیلا دیا۔ ہر ہاتھی پر عماری میں چار چار آدمی سوار ہوتے تھے۔ بارہ ہزار تو صرف سقّے تھے۔ اور سامان اس قدر کثرت سے تھا کہ بیس ہزار سے زیادہ تو صرف طوائف ہی تھیں۔ ڈمی سوزا نے لکھا ہے کہ جب عادل شاہ کو شکست ہوئی تو کشن رای نے اس شرط پر صلح کرنی منظور کی کہ عادل شاہ آکر اُس کے قدم بوس ہو۔ اِن دونوں کے جھگڑوں میں پرتگالیوں کو اچھا موقع ملا اور اُنھوں نے مختلف بری مقامات پر قبضہ کرلیا۔ یہی حال اسوریو اور نفیٹا سیّاحوں نے بھی لکھا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جنگ رائچور ۲۷ ۹۲۷ھ م ۱۲ دسمبر ۱۵۲۰ء لغایت یکم دسمبر ۱۵۲۱ء میں ہوئی۔ فرشتہ نے بھی وہی واقعات لکھے ہیں جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ دوسرے مورخین نے تو یہ لکھا ہے کہ رائچور مسلمانوں کے قبضے میں تھا لیکن فرشتہ لڑائی چھیڑنے کا سبب یہ لکھتا ہے کہ عادل شاہ نے یہ لڑائی مدگل اور رائچور راجہ بیجانگر کے قبضے سے نکالنے کے واسطے کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامات اُس زمانے میں ہندوؤں کے قبضے میں تھے لیکن یہ روایت اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ فرشتہ نے سالہا سال کے بعد اِن واقعات کو لکھا ہے۔ جنگ رائچور کی صحیح تاریخ میں نیو نیز کو مغالطہ ہوا ہے کیوں کہ وہ منجّم نہ تھا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ نیو نیز نے جو سال جنگ رائچور کا بیاں کیا ہے اُس میں دو برس کی غلطی ہوئی ہے اور صحیح تاریخ میں بھی اختلاف ہے۔ ماہِ مئی میں غرہ کو ہفتے کے دن جنگ کا ہونا پایا جاتا ہے۔ کشن رای تو جمعہ کے روز طیّار تھا لیکن وہ دن منحوس ہونے سے ہفتہ قرار پایا، ۱ مئی ۱۵۲۰ء کو جمادی الاخریٰ کا غرہ پنجشنبہ کی صبح ہونا بیان کیا ہے لیکن حقیقت میں ہفتے کے دن ہوا ہے۔ اس حساب سے صحیح تاریخ اِس جنگ کی ۱۹ مئی ۱۵۲۰ء قرار پاتی ہے۔

تعداد افواج جنگِ رائچور

فوج کی تعداد حسب بیان نیو نیز سات لاکھ تین ہزار پیدل بتیس ۳۲ ہزار چھ سو سوار پانسو اکیاون ہاتھی تھے۔ ہمراہیان لشکر سوداگر اور بہت سے آدمی جو رائچور کے قریب پہنچتے پہنچتے مل گئے اِس کے سوا تھے۔ یہ تعداد ایسی خطیر ہے کہ ہم کو اس کی صداقت میں پس وپیش ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اس بارے میں اپنی رائے قایم کرے اتنا کہنا البتہ ضرور ہے کہ اُس زمانے میں بادشاہاں اور راجگان ہند کا دستور تھا کہ ہمیشہ بہت بڑی فوج رکھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ کشن رای کی طاقت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ بہت بڑا لشکر فراہم

کرسکتا تھا چنانچہ پینیر لکھتا ہے کہ وقت ضرورت وہ بیس لاکھ فوج جمع کرسکتا تھا لیکن یہ دوسری بات ہے کہ رائچور کی لڑائی میں فی الحقیقت کتنی فوج تھی۔ اُس زمانے کی حکومت کا طرز اور تھا تمام مملکت صوبوں میں منقسم تھی ہر صوبے دار کا فرض تھا کہ وہ ایک مقررہ تعداد فوج کی موجود رکھے"۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لڑائی اہم تھی اور راجہ نے اپنی تمام قوت اس میں صرف کردی ہوگی اس بات کا ثبوت کہ بادشاہان و راجگان ہند اتنی بڑی فوج رکھتے تھے مختلف ذرائع سے ہوتا ہے۔ ہیروس لکھتا ہے کہ راجہ بیجانگر کا تموّل بے انتہا تھا۔ اسکاٹ صاحب نے اپنی "تاریخ دکن" کی جلد دوم میں اورنگ زیب کے زمانے کے بندیلہ سردار دلپت رائے کے روزنامچے ۱۶۹۰ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ راجہ بیجانگر کی فوج کی تعداد تیس ہزار سوار اور دس لاکھ پیدل اور دولت بے شمار تھی۔ کانٹی جو ہندوستان میں اس لڑائی سے ایک صدی پیشتر آیا تھا لکھتا ہے کہ بیجانگر کا لشکر دس لاکھ سے اوپر تھا۔ عبدالرزاق نے ۱۴۴۲ء میں لکھا ہے کہ یہاں کی لشکر کی تعداد گیارہ لاکھ اور ایک ہزار ہاتھی تھے۔ نکیٹین نے اس کے بیس برس بعد لکھا ہے کہ گلبرگہ سے جو فوج ہندوؤں پر چڑھ کر آئی تھی اُس کی تعداد نو لاکھ پیدل ایک لاکھ نوّے ہزار سوار اور پانسو پچھتر ہاتھی تھے علاوہ اُمرا کی فوج کے بادشاہ کی وہ فوج جو ہر وقت جنگ کے لئے طیار رہتی تھی تین لاکھ تھی۔ بادشاہ جب کبھی شکار کو نکلتا تھا تو اُس کے ساتھ دس ہزار سوار پانچ لاکھ پیدل اور دو سو ہاتھی رہتے تھے۔ صرف ملک التجار کے پاس دو لاکھ فوج تھی۔ پچھلے زمانہ میں سکندر اعظم نے جو ۳۲۷ء قبل مسیح تھا مگدھ کے لشکر کی تعداد یونانیوں نے چھ لاکھ پیدل تیس ہزار سوار اور نو ہزار ہاتھی لکھی ہے۔ لارڈ اجرٹن نے لکھا ہے کہ ۱۱۹۲ء میں ہندوؤں کی جو فوج شمالی ہند میں مسلمان حملہ کرنے والوں کے مقابلے کے لئے اکٹھی کی گئی تھی کم سے کم اس کی تعداد تین لاکھ سوار تین ہزار ہاتھی اور ایک بڑی تعداد پیدلوں کی تھی۔ ۱۵۵۹ء میں ایک مغل ایلچی کی پیشوائی کو پچاس ہزار سوار بھیجے گئے اور دو لاکھ پیدل فوج اُس کے ملاحظہ میں آئی تھی۔ فرشتہ کی روایت کے حوالے سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ۱۳۴۷ء میں محمد تغلق بادشاہ دہلی نے تین لاکھ ستر ہزار فوج فارس پر چڑھائی کرنے کے لئے جمع کی تھی اور جب کبھی بادشاہ کا ارادہ کسی ملک کو تاخت و تاراج کرنے کا ہوتا تھا تو اس آسانی سے فوراً لشکر اکٹھا ہوجاتا تھا گویا کہ کہیں شکار کو جارہے ہیں لشکر جمع کرنے کے بعد

بادشاہ اُس علاقے میں پونہچ کر تمام باشندوں کا قتل عام کر دیتا تھا - یہ وجہ تھی کہ جب کبھی شکار کو بھی نکلتے تھے تو اس قدر جم غفیر لشکر کا ساتھ رہتا تھا - شہاب الدین نے بیان کیا ہی کہ محمد تغلق کے لشکر میں نو لاکھ سوار تھے اور نیونز نے لکھا ہی کہ بادشاہ نے جب بالا گھاٹ پر چڑھائی کی تو اُس کے ساتھ آٹھ لاکھ سوار تھے - سترھویں صدی میں فاریا سوزا نے لکھا ہی کہ بہادر بادشاہ کھمبایت کے پاس ۱۵۳۴ھ میں ایک لاکھ سوار چار لاکھ پندرہ ہزار پیدل اور چھ سو ہاتھی تھے - حال کے زمانے میں بھی ۱۷۶۲ء میں مرہٹوں کے پاس ایک لاکھ سواروں کا لشکر تھا - نیونز نے بیجانگر کے حالات میں لکھا ہی کہ یہ سلطنت دو سو حصوں میں امرار پر منقسم تھی اُن میں سے گیارہ فرمانرواؤں کو لشکر رکھنا لازمی تھا اور اُن کی افواج کی تعداد اُنیس ہزار سوار ایک لاکھ اکہتّر ہزار سات سو پیدل اور چھ سو تیس ہاتھی تھے - کیسٹن ہیڈا (جو کشن رای کی سلطنت کے اختتام سے تھوڑے ہی دن پہلے ہندوستان میں آیا تھا) بھی اِن باتوں کی تصدیق کرتا ہی کہ سلطنت بیجانگر میں پیدلوں کی تعداد بے شمار تھی ملک بہت وسیع اور آبادی گنجان تھی راجہ دس لاکھ سے بیس لاکھ تک فوج اکھٹی کر سکتا تھا - راجہ اپنے ذاتی صرفہ سے ایک لاکھ سوار اور چار ہزار ہاتھی رکھتا تھا - اِن تمام روایات پر غور کرنے کے بعد اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہی کہ راجہ بیجانگر کے پاس کثیر التعداد فوج تھی اور بوقت ضرورت وہ اس سے بھی زیادہ اکھٹی کر سکتا تھا غالبًا اتنی بڑی فوج سب کی سب باقاعدہ یا مسلح نہ ہوگی بلکہ اس میں عام دیہاتی بھی شریک ہوں گے اس باقیات الصالحات کی یادگار اب بھی حیدر آباد دکن دارالسلطنت سرکار عالی نظام میں ہر سال محرم میں لنگر[1] کے دن دیکھی جا سکتی ہی جہاں باقاعدہ اور بے قاعدہ فوج کی ایک بہت

[1] ہر سال ۵ محرم کو بلدۂ حیدر آباد میں اعلیٰ حضرت حضور نظام دام اقبالہم کا لنگر نکلا کرتا ہی اُس کی مختصر کیفیت لکھی جاتی ہی - ۱۵۹۲ء میں سلطان قلی قطب شاہ کا صاحب زادہ شہزادہ عبداللہ حیدر آباد سے گول کنڈہ گیا - شہزادے کے ساتھ بہت سے امرا اور ہمراہیان تھے - شہر کے دروازے سے نکل کر ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ شہزادہ جس ہاتھی پر سوار تھا وہ بدل گیا اور لوگوں پر حملہ کرنے لگا - امرا اور دوسرے لوگ جان بچا کر بھاگے اور ہاتھی ایک دم جنگل کی طرف چلا اور آناً فاناً شہزادہ اور ہاتھی دونوں نظر سے غائب ہو گئے - جب یہ خبر وحشت اثر محلات میں پونہچی تو ایک کہرام مچ گیا - شہزادے کی والدہ از حد پریشان ہوئیں اور اُنھوں نے اُسی وقت منّت مانی کہ اگر شہزادہ

بڑی تعداد سرِ راہ گزرتی ہے - سوار پیدل عرب - روہیل - حبشی - راٹھور - سکھ اور مختلف اقوام کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶ - صحیح سلامت واپس آجائے گا تو میں ایک سونے کی زنجیر (اتنی موٹی کہ جس سے ہاتھی کو باندھتے ہیں اور اُس کو لنگر کہتے ہیں) چڑھاؤں گی - بہ فضلِ الٰہی شہزادہ اُسی ہاتھی پر سوار بہ خیریت تمام آگیا - بیگم صاحب نے اُسی وقت تمام شہر کے سناروں کو جمع کرایا اور اپنی منّت کی زنجیر جو اُنی اور جوں کہ اللہ تعالیٰ نے شہزادے کو ایسی بڑی مصیبت سے بال بال بچالیا تھا جلوس کے ساتھ درگاہِ حسینی علم پر جاکر چڑھا دی - اس کے بعد وہ زنجیر ٹکڑے ٹکڑے کر کے غربا میں تقسیم کردی گئی - اُس وقت سے اب تک یہی طریقہ جاری ہے اور ہر سال رئیس وقت کی سلامتی کے لئے لنگر نکالا جاتا ہے - یہ تقریب اب ایک قسم کی شاہی دعوت ہوگئی ہے جس میں من جانب مدار المہام بہادر سرکارِ عالی رزیڈنٹ صاحب بہادر اور تمامی صاحبان انگریز حیدرآباد و فوجی سرداران (مع لیڈیاں) حیدرآباد - سکندرآباد - بلارم - اسوال ونڑ گھیڑی مدعو کئے جاتے ہیں اور ریاست کے بڑے بڑے یوروپین اور ہندوستانی عہدے دار بھی شریک ہوتے ہیں - اِن سب کو ایک بڑا بھاری بریکفسٹ اور رفرشمنٹ دیا جاتا ہے - یہ سب مہمان مدار المہام سرکارِ عالی کی بارہ دری میں جمع ہوتے ہیں اس دن عام تعطیل ہوتی ہے اور تمامی باشندگان شہر عورت و مرد مثل عید کے لباسِ فاخرہ پہن کر نکلتے ہیں - دکانوں اور بالاخانوں پر آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں صرف ایک ایک دکان - کوٹھے اور بنگلوں کے لئے جو سرِ راہ واقع ہیں - پچاس پچاس اور سو سو روپے کرایہ پر تماشہ دیکھنے کو دئے جاتے ہیں - آدمیوں کی وہ کثرت ہوتی ہے کہ الامان - تل دھرنے کو جگہ نہیں رہتی کھوے سے کھوا اچھلتا ہے - سویرے سے لوگ اپنی اپنی جگہ سنبھال لیتے ہیں ورنہ دو بجے کے بعد تو پھر رستہ بھی نہیں مل سکتا - دن ڈھلے فوج نکلنی شروع ہوتی ہے اور سب مدار المہام سرکارِ عالی کے ملاحظہ سے آہستہ آہستہ گزرتی ہے جس کا سلسلہ مغرب تک تمام ہوتا ہے سب سے اول کوتوال شہر ہاتھی پر عماری میں سوار ہو کر اپنی جمعیت پولیس و روہیل و سواران و پیدل لے کر نکلتا ہے - اُس کے بعد اطراف بلدہ کی پولیس ہوتی ہے پھر مختلف علاقوں کی پیدل اور سوار جمعیت بے قاعدہ و باقاعدہ سواران مسدودزمی و قائم خانی - عرب - روہیل - سندھی - بلوچ - راٹھور - سکھ - جمعیتِ لین - جمعیت سیسرم و رسالہ جوش باڈی گارڈ اعلیٰ حضرت - افواج باقاعدہ گولکنڈہ بریگیڈ سوار و پیدل - امپیریل سروس ٹروپس جمعیتِ صرفِ خاص و علاقہ پائیگاہ - امیر کبیر سر خورشید جاہ بہادر و نواب سر آسمان جاہ بہادر و نواب سر وقار الامرا بہادر و پیشکاری و ساندنی سوار - بائیسکل سوار - خچروں - گھوڑوں - اور بیلوں کے توپ خانے - افواج علاقہ

لوگ بہت سے ملازم ہیں ہر ہر علاقے کی فوج اپنے اپنے جمعداروں اور سرکردوں کے ساتھ آتی ہی - پائگاہ اور جاگیرات کی افواج اِس کے علاوہ ہیں - جن کے سررشتہ اور آورد جدا جدا ہیں یہی طریقہ افواج فراہم کرنے کا پہلے بھی جاری تھا -

جنگ رایچور کا حال تاریخ فرشتہ سے

تاریخ مذکور میں جو حال رایچور کی لڑائی کا لکھا ہی وہ نہایت دلچسپ ہی - کیوں کہ مسلمانوں کے طرف سے جنگ کا شروع ہونا لکھا ہی جب سلطان اسمٰعیل عادل شاہ کو راجۂ بیجانگر کی طیّاریوں کی خبر مل گئی تو وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مدگل اور رایچور کو رای بیجانگر کے قبضے سے لینے کے لئے سات ہزار سوار لے کر بڑھا اور دریاے کرشنا کے کنارے پر مقیم ہوا اور وہاں پونہچتے پونہچتے دوسرے بہت سے امرا کی افواج بھی آن ملیں - کل تعداد فوج کی کم سے کم پچاس ہزار سوار چھے لاکھ پیدل سے متجاوز تھی - بادشاہ ابھی چند روز توقف کرتا کیوں کہ دریا کی سب کشتیاں راجہ کے علاقے میں تھیں لیکن اب جب کہ بادشاہ آن پونہچا تھا اور اُس کے خیام لگ چکے تھے تو تامل کرنا یا واپس چلا جانا بڑی سبکی کی بات تھی اس لئے کشتیوں کی تیاری شروع کر دی گئی - بادشاہ کے پونہچنے کے چند دنوں بعد بادشاہ اپنے خیمے میں آرام فرما رہا تھا کہ اُس نے قنات کے باہر اپنے ندیموں میں سے ایک شخص کو یہہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ۵

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷ - نواب غالب جنگ بہادر - عوض علاقہ نواب سلطان نواز جنگ بہادر و برق جنگ بہادر و مسلّم جنگ بہادر وغیرہ - اس کے بعد اعلیٰ حضرت کی سواری کے خاصے کے گھوڑے جو نہایت عمدگی سے سجے ہوئے ہوتے ہیں جن پر مغرّق زین پوش زرد بانات کے رہتے ہیں اور انواع و اقسام کے طلائی و نقرئی سازو سامان اور زیورات سے آراستہ ہوتے ہیں - جب ایک علاقے کی جمعیت ختم ہوجاتی ہی تو دوسرے علاقے کا جمعدار یا افسر یا سرکردہ ہاتھی یا گھوڑے پر جیسا اُس کا مرتبہ ہو سوار ہو کر آتا ہی اور ہر ہر علاقے کے نشانات جدا جدا ہیں - بان چھوٹتے جاتے ہیں - بینڈ بجتے جاتے ہیں - میسرم جمعیت کا بینڈ بہت مشہور اور دلکش ہی وہ لوگ القوزہ اور مشک نما ایک باجہ بین اور پونگی کی طرح کا بجاتے ہیں جسے Bagpipe کہتے ہیں - تمام فوج چوک سے شمس الامرا کا بازار - نخاص - پیشکار صاحب کی ڈیوڑھی پر سے گزر کر چومحلہ مبارک کے سامنے اعلیٰ حضرت کے ملاحظہ کے بعد چار مینار سے پر جا کر متفرق ہوجاتی ہی یہہ سلسلہ برابر چھ سات گھنٹے جاری رہتا ہی اور اِس کا بیس پچیس ہزار فوج سے کم کا

خیز در کاسۂ زر آب طربناک انداز   پیشتر ازاں دم کہ شود کاسہ سر خاک انداز

بادشاہ اس شعر کے سنتے ہی جوش میں آگیا اور اپنے مصاحبین کو بلا کر ایک جشن میں مصروف ہوا جب بہت دیر تک محفل رقص وسرود اور بادہ نوشی کی برپا رہی تو بادشاہ نے بحالت سرشاری ارکانِ دولت سے پوچھا کہ ٹوکروں[۱] کے طیار ہو جانے میں کیا دیر ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ تین سو ٹوکرے طیار ہو چکے ہیں باقی چند روز میں طیار ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے ارادہ کیا کہ دریا کے پار ہو کر حملہ کریں۔ شراب کے نشے میں بادشاہ نے دریا سے فوراً عبور کرنے کی دل میں ٹھان لی اور ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پونہچا لیکن کسی کو کانوں کان بادشاہ کے ارادے کی خبر نہ ہوئی لوگ سمجھے کہ بادشاہ سیر و تفریح کو برآمد ہوا ہے لیکن یکایک حکم دیا کہ فوراً لوگ ہاتھیوں پر سوار ہو جائیں اور گھوڑوں کو ٹوکروں میں جو طیار ہیں پار کریں۔ امرائے بادشاہ کی بے سوچے سمجھے جلد بازی کی حرکت سے پس وپیش کیا اور عرض ومعروض کی لیکن بادشاہ نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنا ہاتھی ایک دم آب تہ میں ڈال دیا۔ لوگ حیران ہو گئے کہ بادشاہ نے یہ کیا کیا۔ بادشاہ دیکھتے دیکھتے پار ہو گیا پھر کیا تھا جان نثاران سلطنت بھی چالیس ہاتھیوں پر سوار ہو کر آناً فاناً پار ہو گئے اور ٹوکروں پر جتنی فوج اور گھوڑے چڑھ سکتے تھے وہ پھیروں میں اُتار دئے۔ چوں کہ بادشاہ کو جنگ کرنے پر اصرار تھا مغل ایک دل ہو کر تازی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور صفحہ جدال آراستہ کرنے لگے۔ سب ملا کر اسلام کا لشکر صرف دس ہزار تھا ادھر طیاری ہو رہی تھی کہ سامنے ہندوؤں کی فوج جس میں اسّی ہزار سوار اور دو لاکھ پیدل سے کم نہ تھے آن پونہچی اب بادشاہ کی سلامتی کے لالے پڑ گئے موقع بہت ٹیڑھا تھا لیکن بادشاہ کو اصرار تھا کہ لڑائی ہو پر ہو ناچار بادشاہ کے بہادروں نے ایک جان ہو کر کچھ ایسی دلیری اور بہادری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸ - اندازہ نہیں کیا جاتا اس پر سے پہلے زمانے کی شان وشوکت اور کثرت افواج کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہیں کی فوج ایسی ہے کہ جو قدیم زمانے کے لباس ہتیاروں اور وضع قطع کا ایک نمونہ ہے ۱۲

[۱] دکن میں اب تک بجائے کشتیوں کے بڑے بڑے ٹوکرے ڈالے جاتے ہیں جو چھاؤ کے ہوتے ہیں اور اُن پر چمڑا منڈھا ہوا ہوتا ہے یہ ٹوکرے کشتیوں کا کام دیتے ہیں مگر خطرناک ضرور ہیں۔ ذرا سی ٹکر۔ یا وچ پیچ میں اِن کا ڈوب جانا کوئی بات نہیں ۱۲

سے مقابلہ کیا کہ دشمن کے ایک ہزار آدمی قتل کرڈالے جس میں ہنگت سپہ سالار فوج بیجانگر
مارا گیا لیکن آخر کہاں تک تاب مقاومت نہ لاسکے گولہ باری بندوقوں کی بوچھاڑ۔ تیر اور
ہوائی بانوں نے گھبرا دیا۔ بادشاہ کے لشکر میں بھی پندرہ سو آدمی مارے گئے اور لشکر آدھیا گیا جو
بچے تھے وہ جان بچا کر بھاگے اور دریا میں بے محابا گھوڑے ڈال دیئے۔ بادشاہ کے ساتھ
ہاتھی پر خواصی میں ترسوں بہادر اور ابراہیم بیگ تھے اُنھوں نے بھی ہاتھی دریا میں ڈال دیا مگر
دریا اس قدر طغیانی پر تھا کہ سوائے بادشاہ کے ہاتھی اور سات سواروں کے سب کے سب ڈوب
گئے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ بادشاہ کی مستعجلانہ حرکت کا یہ خمیازہ تھا کہ ساری فوج غارت ہوئی
بادشاہ کی جان جو بچ گئی وہ بھی غنیمت۔ بادشاہ کو سخت ندامت ہوئی اُس نے قسم کھائی کہ
جب تک اس شکست کا انتقام نہ لے لوں گا شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا لیکن اب پچتانے سے
کیا ہو سکتا تھا۔ بادشاہ نے پھر کمر ہمت باندھی اور دوبارا فوج کی تیاری میں مصروف ہوا مرزا
جہانگیر تو اس لڑائی میں مارا گیا تھا بادشاہ نے اسد خاں لاری سے مشورہ کیا کہ بحالت موجودہ کونسا
طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو کامیابی ہو۔ اسد خاں نے عرض کیا کہ چوں کہ ہماری فوج کا بے انتہا
نقصان ہوا ہے اور لشکر میں دل شکستگی پھیل گئی ہے فی الحال بیجاپور پلٹ چلنا ہی ٹھیک ہے۔
بادشاہ نے بھی اس رائے کو مان لیا اور واپس چلا گیا۔ اسد خاں کو بادشاہ نے سپہ سالاری
کی معزز خدمت اور بہت سی جاگیریں عطا کیں اور اُسے اپنا بڑا مشیر و صلاح کار مقرر کیا۔

واقعات کا مقابلہ نیونز اور فرشتہ دونوں کے حالات کو مقابلہ کرنے سے اس امر میں کوئی
شک نہیں رہتا کہ دونوں ایک ہی واقعہ کو بیان کرتے ہیں۔ اِس لڑائی کی ابتدا کس کی طرف
سے ہوئی اس بارے میں مختلف بیانات ہیں۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ دریا کے کنارے پہنچ گیا تو اُس نے دیکھا کہ دوسرے
کنارے پر ہندوؤں کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ چند دن توقف کرکے بادشاہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ
دریا پار اُتر گیا لیکن شکست کھا کر واپس آیا۔

نیونز لکھتا ہے کہ کشن رائے کو جب بادشاہ کے دریائے کرشنا تک آجانے کی خبر ملی تو وہ
رائچور میں تھا جو دریا سے (۱۲) میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ سنتے ہی وہاں سے چل پڑا اور

دریا ابھی (۹) میل باقی تھا کہ وہاں لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کا لشکر پسپا ہوا تاہم دونوں بیانوں
کو اجمالاً دیکھا جائے تو بہت سی باتوں میں متفق ہیں جس سے یہ نتیجہ بآسانی نکلتا ہے کہ ان تینوں
کس کی روایت صحیح اور قابل اعتبار ہے لیکن جب اس بات کو مدنظر رکھا جاوے کہ نیونز نے تو
لڑائی کے پندرہ برس بعد واقعات قلمبند کئے ہیں اور لڑائی میں پرتگالی بھی جو موجود تھے اور ممکن
ہے کہ نیونز نے ان میں سے بعض لوگوں کی زبان سے لڑائی کے واقعات سنے ہوں تو ان
وجوہ سے بہ مقابلہ فرشتہ کے نیونز کے بیان پر زیادہ بھروسا کیا جا سکتا ہے کیوں کہ فرشتہ نے
اس واقعے کے ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے اور پھر اُس میں باتیں خلاف قیاس بھی ہیں۔ نیونز
نے ایسے واقعات لکھے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے ضرور یہ خیال ہوتا ہے کہ یا تو وہ خود جنگ
میں موجود تھا اور چشم دید حالات لکھ رہا ہے یا کم سے کم اُس نے ایسے لوگوں سے سُن کر لکھا ہے جو
وہاں موجود تھے۔ چنانچہ نیونز نے قلعۂ رائچور اور لشکر کے حالات میں لکھا ہے کہ لشکر میں اس کثرت
سے سامان تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف ملتی تھی۔ لشکر میں صناع اور ہر قسم کے پیشہ ور
اور دستکار اس طرح اطمینان سے اپنا اپنا کام کرتے تھے جیسے کوئی اپنے شہر میں بیٹھ کر کرتا ہے
حتیٰ کہ جوہریوں کی دکانیں بھی تھیں جن میں ہر قسم کے جواہرات فروخت کے لئے موجود تھے۔ یہ
حالات دیکھ کر اوپری آدمی کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اُس لشکر کا کیمپ تھا جو جنگ پر
جا رہا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک آباد اور خوش حال شہر بسا ہوا ہے۔ تاشوں۔ باجوں۔
نرسنگوں اور لوگوں کا ایسا شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی لوگ اشاروں سے
باتیں کرتے تھے۔ اس بلا کے شور و غل سے چڑیاں گھبرا کر آدمیوں کے سروں پر گر گر پڑتی تھیں۔
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب آسمان پھٹ پڑے گا۔ یہ ایسے واقعات ہیں جو دیکھنے والا ہی لکھ سکتا
ہے۔ راجہ بیجانگر نے جب رائچور کو فتح کیا تو راجہ نے سٹو واؤ کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور کہا کہ دیکھو
ایک خیر خواہ متنفس سے بھی کیسے کیسے بڑے بڑے کام ہو سکتے ہیں اور جب قلعے والوں نے
شکست کھائی اور کرشن دیورائے فتح پا کر شہر میں داخل ہوا اُس کے واقعات لکھے ہیں اور جنگ ختم
ہو جانے کے بعد بادشاہ کے ایلچی سے راجہ کی ملاقات کی کیفیت لکھی ہے۔ دوسرا وقائع نگار
ڈومنگو پینز کرسٹو واؤ کے ساتھ اس جنگ کے چند مہینے بعد بیجانگر میں موجود تھا اگرچہ وہ رائچور

کی لڑائی میں خود نہ تھا لیکن سوائے نیونز کے اور دوسرے وقائع نگاروں نے رائچور کی لڑائی کا حال سرسری طور پر لکھا ہے اور پرتگالی مورخین نے اس لڑائی کو دکیوں کہ اُن سے متعلق نہ تھی) اہم نہیں سمجھا اور اس واسطے مجملاً ذکر کیا ہے۔

استحکام مملکت پر جنگ رائچور کا اثر۔

رائچور کے لڑائی سے اسمعیل عادل شاہ کی طاقت اور شہرت کو ایسا بٹہ لگا کہ اُس نے اس طرف رُخ نہ کیا اور دوسرے مسلمان بادشاہوں سے اپنے تعلقات بڑہانے لگا۔ اس فتح کے بعد سے دکن کے سب مسلمان بادشاہ چوکنّا ہو گئے اور اس کے سوائے علاج نہ تھا کہ سب نے مل کر سلطنت بیجا نگر کو آخر تباہ کر دیا۔ ہندوؤں پر اس لڑائی کا یہہ اثر ہوا کہ وہ بہت مغرور اور خود پسند ہو گئے گویا ایندھن میں کسی نے آگ لگا دی اور اپنی ہمسر سلطنتوں کو ستانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر جلد اتنی بڑی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

رُباعی

جس سر پے غرور آج ہے یاں تاجوری کا — کل اُس پے یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت — اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

اس لڑائی کا اثر پرتگالیوں پر بھی ہوا۔ پرتگالیوں کی حکومت کا دارومدار ہندوؤں کی سلطنت پر تھا اس لئے کہ بادشاہ پرتگال کے تعلقات ہمیشہ سے مسلمانوں سے اچھے نہ تھے ہندوؤں ہی سے اِن کو مدد ملتی تھی اور اُنھیں سے اِن کی سوداگری چمکی ہوئی تھی۔ پرتگالی مورخین نے اِن واقعات سے گریز کیا ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ بحری تجارت کا دارومدار اُس سلطنت کی فارغ البالی پر منحصر تھا کہ جہاں اُن کے مال کی کھپت تھی جب بیجا نگر کی سلطنت عروج پر تھی اور وہاں عیش و آرام کے سامان بہم تھے اور دولت اُمڈی پڑتی تھی اور بے انتہا افواج تھیں اور سوداگری بھی پنپ رہی تھی برخلاف اس کے جب سلطنت کا زوال ہوا اور شہر ویران ہو کر اُجڑ گیا تو اُن کے مال کو کون پوچھتا تھا لامحالہ اِن کی تجارت بھی بیٹھ گئی اِن وجوہ سے پرتگالیوں کو رائچور کی جیسی اہم لڑائی اور عظیم الشان واقعہ کو اس بے پروائی سے چھوڑ دینا ضرور تعجب کی بات ہے۔

ہمشیرہ اسمٰعیل عادل شاہ مریم سلطان کی شادی برہان نظام شاہ سے سنہ ۹۳۰ھ

بیجانگر کے راماراج کی نوک جھوک اور شرارتیں روز بروز حد سے متجاوز ہوتی چلی جا رہی تھیں آخر کب تک کوئی طرح دیتا۔ اسد خاں نے جو اب سپہ سالار ہو گیا تھا کوشش کی کہ برہان نظام شاہ احمد نگر اور اسمٰعیل شاہ کے باہمی قرابت قریبہ ہوجائے یعنی مریم سلطان ہمشیرہ اسمٰعیل عادل شاہ کی شادی برہان نظام شاہ سے ہو جائے تاکہ اس فتنہ پرداز کی بخوبی سرکوبی کی جا سکے۔ اس مسئلہ کو طے کرنے کے لئے اسد خاں نے سلطنت کے ایک تجربہ کار معتمد سید احمد ہروی کو تحفہ تحائف شاہانہ دے کر احمد نگر روانہ کیا چنانچہ سید احمد بوساطت شاہ طاہر کے برہان نظام شاہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور یہ قرار پایا کہ دونوں بادشاہ ذی جاہ اپنے اپنے مستقر سے برآمد ہو کر قلعہ شولاپور میں جو فی مابین ان دونوں کے محل نزاع تھا اور بالمشافہ ملاقات میں اس امر کو طے کر لیں۔ حسبہ دونوں بادشاہوں کا قلعہ شولاپور میں قران السعدین ہوا اور ایک مہینے تک شادی کے جشن رہے اور وقت تعیین کابین مریم سلطان علاوہ جواہرات اور نقدیات کے قلعہ شولاپور مع پانچ پیٹ کے جہیز میں دے دیا گیا اور دونوں بادشاہوں نے دوستی و اتحاد میں منسلک ہو کر اپنی اپنی دارالخلافت کو مراجعت فرمائی۔

برہان نظام شاہ اور اسمٰعیل عادل شاہ کی پہلی لڑائی شولاپور پر سنہ ۹۳۱ھ

اسمٰعیل شاہ کی بہن مریم سلطانہ کی شادی نظام شاہ سے ہو کر قلعہ شولاپور جہیز میں دینے کا وعدہ ہو چکا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے اسمٰعیل شاہ اپنے اس اقرار کو پورا نہ کر سکا جس پر برہان نظام شاہ نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر شولاپور خوشی سے نہ دیں گے تو ہم چڑھائی کر کے لے لیں گے اور اس ارادے کی تکمیل کے لئے عماد الملک سے امداد لے کر جنگ چھیڑ دی۔ اسمٰعیل شاہ بارہ ہزار سوار اور انبوہ کثیر فوج کا لے کر مقابلے کو چلا اور دونوں طرف کی فوجیں کسی طرح چالیس ہزار سے کم نہ تھیں ان میں ایک مہیب جنگ ہوئی جس میں پہلے عماد الملک کو شکست ہوئی اور برار کو بھاگا نظام شاہ نے ہرچند پاؤں جمانے چاہے مگر اکیلا رہ گیا تھا کیا کر سکتا تھا ناچار پسپا ہونا پڑا اور تمام فوج تتر بتر ہو کر بھاگی۔ اسد خاں نے ان کا تعاقب پرینڈہ کے قلعہ کے دروازے

تک گیا اس لڑائی میں اسمٰعیل شاہ نے چالیس ہاتھی مال غنیمت میں پائے جس میں سے دس ہاتھی
اسد خاں اور باقی دوسرے امراء کو سرفراز کئے۔

برہان نظام شاہ اور اسمٰعیل عادل شاہ کی دوبارہ لڑائی ۹۳۲ھ

برہان نظام شاہ کو اس شکست کا نہ صرف سخت ملال تھا بلکہ شرمندگی بھی تھی اس لئے دوسرے ہی سال امیر برید کے ساتھ پھر اسمٰعیل عادل شاہ پر چڑھائی کی اور بڑی سخت لڑائی کے بعد پھر احمد نگر کی فوج کو شکست فاش ہوئی چنانچہ خواجہ جہاں دکھنی کو مع بیس زنجیر فیل اور دیگر مال غنیمت کے اسد خاں نے قید کر لیا۔ بادشاہ مع الخیر دار السلطنت میں واپس آیا اور سوائے ایک ہاتھی کے جس کا نام [illegible] تھا اور ہمیشہ نظام شاہ کی سواری کا مخصوص تھا اپنے خاصہ کے واسطے رکھ کر باقی ہاتھی اسد خاں کو مرحمت فرما دیئے۔

اسمٰعیل عادل شاہ کی بہن خدیجہ سلطان کی شادی عماد الملک سے ۹۳۴ھ

اسد خاں نہایت پختہ کار آدمی تھا اس نے دیکھا کہ عماد الملک ہمیشہ نظام شاہ کا ساتھ دے کر ہمارے ملک کی تباہی میں ان دونوں کا شریک رہتا ہے [illegible] اس کو [illegible] چاہیئے چنانچہ اسد خاں نے حکمت عملی سے دونوں بادشاہوں میں ایسا [illegible] دیا کہ عماد الملک بہ دل وجان عادل شاہ کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا اور یہاں تک گھل مل گئے کہ اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنی بہن خدیجہ سلطان کی شادی عماد الملک سے کر دی۔

امیر برید کا روبراہ نہ ہونا اور یوسف عادل شاہ کا اُس کے ایک شجاع سے مقابلہ

اسد خاں کی ہمیشہ یہ خواہش تھی کہ کسی طرح فرماں روائے بیدر امیر برید سے بھی معاملہ صاف ہو جائے لیکن جب کبھی کچھ تدبیر کی ہمیشہ اُلٹی پڑی اور امیر برید نے نیکی کا بدلہ بدی ہی دیا چنانچہ ایک لڑائی میں امیر برید کی [illegible] امیر [illegible] سے جو اُن کی فوج کا ایک مشہور دلاور تھا میدان جنگ میں آکر اسمٰعیل عادل شاہ کو [illegible] دیا بادشاہ کی رگ حمیت جوش میں آئی اور اگرچہ اسد خاں اور دیگر اعیان مانع ہوئے مگر ایک نہ سنی اور خود اسپ صبا رفتار پر سوار ہو کر مقابلہ پر اُتر آیا اور بہت دیر تک مقابلہ کے بعد بادشاہ نے اُسے گرا کر شربت اجل پلایا اور بعد فتح و ظفر لشکر ظفر پیکر میں واپس آیا تو سیکڑوں صدقے اُتارے

گئے اور غربا اور مساکین میں خیرات تقسیم ہوئی اور اسد خاں نے رکاب کو بوسہ دے کر مبارکباد عرض کی۔

اسمٰعیل عادل شاہ کا محاصرۂ قلعۂ بیدر اور امیر برید کی شکست کے بعد قابض ہونا ۹۳۶ھ ۱۵۲۹ء۔

امیر برید جوں جوں پس پا ہوتا تھا اور زیادہ بھیجر کر آتا تھا اُس نے پھر قطب شاہ اور رایان بیجانگر سے سازش کر کے چو طرف ایسا فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا کہ اسمٰعیل شاہ نے دس ہزار فوج لیکر علاقہ بیدر پر چڑھائی کی اور لڑتا بھڑتا دارالسلطنت بیدر تک جا پونچا اور جاتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسمٰعیل شاہ نے اپنے نصف فوج اسد خاں کو دے دی کہ وہ قطب شاہ کو جو امیر برید کی مدد کو آرہا تھا راستہ میں روک دے چنانچہ اسد خاں نے ایسا ہی کیا اور قطب شاہ کے لشکر کو پس پا کر کے بادشاہ کی فوج کے ساتھ آن ملا اور محاصرہ قلعہ بیدر میں شریک ہو گیا امیر برید جب محاصرہ سے تنگ آگیا تو اُس نے عماد الملک کو مصالحت کرا دینے کے لئے بلوا بھیجا۔ عماد الملک آکر عادل شاہ کے لشکر سے تین کوس کے فاصلہ پر ٹھیرا اور عادل شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مقصود اصلی اس ملاقات کا جناب کی قدمبوسی تھی اور نیز شفاعت تقصیرات امیر برید کہ آپ بمراحم خسروانہ اُس کی خطاؤں پر پردۂ عفو ڈال دیں از خورداں خطا و از بزرگاں عطا۔ عادل شاہ نے کہا کہ امیر برید کی شرارتیں اور گستاخیاں حد سے بڑھ گئی ہیں میں خون سے گھونٹ پی رہا ہوں جب تک اُس سے اپنا بدلہ نہ لے لوں گا مجھے چین نہ پڑے گا۔ عماد الملک نے جب بادشاہ کو اس درجے پُر دل پایا تو وہ بھی خاموش رہ گیا۔ امیر برید کو جب خبر ملی کہ عماد الملک کی بھی کچھ نہ چلی تو گھبرا کر عماد الملک کے ڈیرے میں خود آیا اور بہت کچھ عاجزی اور لجاجت کی کہ کسی نہ کسی طرح ہماری جان بخشی کرا دیجئے کہ اس محاصرے سے سب لوگ تنگ آگئے ہیں گلو خلاصی ہو۔ عماد الملک نے کہا کہ یہ بات تو بدون قلعہ کے حوالہ کر دینے کے ممکن نہیں ہے امیر برید دل شکستہ ہو کر وہاں سے اُٹھ آیا اور قلعہ کے باہر اپنے کیمپ میں جا کر عیش و طرب میں مصروف ہو گیا۔ اگرچہ امیر برید کا سن اسّی سے متجاوز تھا مگر پھر بھی شراب خواری اور عیاشی سے باز نہ آتا تھا اور اسد خاں برابر گشت لگایا کرتا تھا ایک رات اُسے جاسوسوں نے خبر دی کہ امیر برید شراب کے نشے میں بالکل مدہوش ہو کر

پڑ گیا ہے اور سوائے دو مشعلچیوں کے سب اچت ہیں - اسد خاں سنتے ہی چند سواروں کو ساتھ لے اُس کے کیمپ کی طرف پہونچ کر پاپیادہ ہو گیا اور تبدیل لباس کر کے بریدہ کے کیمپ میں جا گھسا اور اپنے ساتھ پانچ چھ جانباز آدمیوں کو لے کر اُس کی خوابگاہ میں جا پہونچا - اندر خیمہ میں گھس کر کیا دیکھتا ہے کہ سب کے سب مدہوش اور بے خبر پڑے ہیں صرف دو مشعلچی ادھ کچری نیند میں جھونکے کھا رہے ہیں - اسد خاں نے اشارہ کیا اُس کے ہمراہیوں نے اس چستی سے اُن دونوں کے سر تلوار سے اُڑا دیئے کہ صدائے برنخاست - آگے بڑھ کر دیکھا تو امیر بریدہ پلنگ پر پڑا ہوا تھا اُس کو شال اُڑھا جھٹ اُس کا مرصع پلنگ چار آدمیوں نے آہستہ سے اُٹھا لیا - جب کیمپ کے باہر آ گئے تو جو لوگ پلنگ اُٹھائے ہوئے تھے کلمۂ شہادت پڑھنے لگے گویا مردے کو لئے چلے ہیں اور جب اپنے کیمپ کے پاس پہونچ گئے تو پکار پکار کر کلمہ پڑھنے لگے - کچھ پلنگ کے جھکولوں سے اور زیادہ تر ان لوگوں کے شور و غل اور دوڑنے اور رات کی ٹھنڈی ہوا سے امیر بریدہ نیم بیدار ہوا اور سمجھا کہ شاید جنات اُس کا پلنگ اُڑائے لئے جا رہے ہیں وہ جھٹ اُٹھ بیٹھا اور لاحول پڑھنے لگا - اسد خاں نے کہا کہ میں شیطان تھوڑی ہوں جو تمھاری لاحول سے بھاگ جاؤں شاباش ہے تیری غفلت پر کہ یوں تو غنیم کا لشکر تیری چھاتی پر بیٹھا ہوا ہے اور تجھے اصلا پروا نہیں اور باایں سن و سال تو فسق و فجور میں مبتلا ہے تیری حالت پر سخت افسوس ہے - اسد خاں کی آواز سنتے ہی بریدہ کا دم ہی تو نکل گیا اور سمجھ گیا کہ دشمن کے پھندے میں بُری طرح پھنسا ہوں - اسد خاں سے عاجزی کرنے لگا کہ خدا کے واسطے میری جان بچاؤ - اسد خاں نے کہا کہ میں اپنی طرف سے تو کوشش کروں گا آگے جو تمھاری تقدیر اور اسی حیثیت سے اسمٰعیل شاہ کے سامنے لے جا کر ساری حقیقت دہرائی - بادشاہ نے اُس وقت ایک دو باتیں بریدہ سے کہیں اور کہا کہ خیر اس وقت تو اسے لے جاؤ صبح دربار کے وقت حاضر کرنا صبح کو امیر بریدہ کی مشکیں کس کے سر دربار لا کے تخت شاہی کے سامنے کھڑا کر دیا - بادشاہ اس سے سخت متنفر اور بر دل تھا دو گھڑی تک عمداً ادہر متوجہ ہی نہیں ہوا اور امیر بریدہ اُسی طرح بندھا کھڑا رہا بادشاہ نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں اور دیر تک اسی طرح پابرہنہ دھوپ میں کھڑا رکھا بادشاہ کی جب نگاہ پڑی تو دیکھتے ہی حکم دیا کہ فوراً اس کی گردن اُڑا دو

حکم کی دیر تھی کہ جلاد شمشیر بدست سر پر آن پہنچا - اسد خاں اٹول دست بستہ نہایت عجز و الحاح
سے سفارش کرنے لگا اور امیر برید بیچارا ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا اور عرض کی کہ بندہ سراسر خطا وار اور اس میں
شک نہیں کہ اپنے کردار ناسزا کی بدولت گردن زدنی ہی لیکن اگر یہ قصور دشمن کشی سے خطا بخشی
فرمائی جائے تو فدوی قلعہ بیدر مع خزائن اور دفائن کے ابھی سپرد کر دیتا ہی - دوبارہ اسد خاں نے
سفارش کی کہ بلاشبہ یہ حکم العفو زکوۃ الظفر جہاں پناہ نے منظور فرما کر وہ حجت ولایت کو پوچھا امیر برید نے اپنے
بیٹوں کو قلعہ میں کہلا بھیجا کہ فوراً قلعہ سے باہر ہو جاؤ اور قلعہ سپرد کر دو - برید کے بیٹوں نے
جواب دیا کہ اس بڈھے نے ایک تو اپنی شامت اعمال سے دشمنوں کے پنجے میں جان پھنسائی
اس پر طرہ یہ کہ اپنی جان کی لالچ میں ہم سب کو بھی ذلیل کر کے ہماری ناموس برباد کرنا چاہتا ہی
علی برید جو بڑا بیٹا تھا اُس نے سب کے سامنے یہی صاف جواب دیا اور دوسروں نے باپ کو کہلا بھیجا
کہ آخر ایک دن مرنا ہی ایسی جلدی کیا ہی ذرا تو تامل کیجئے دیکھئے تو عالم تقدیر سے کیا ہوتا ہی
اور ایک دوسرے معتمد کو پیچھے سے پھر بھجوایا کہ جا کر دیکھو کہ وہاں کیا معاملہ پیش آتا ہی اگر واقعی معاملہ
ایسا نازک ہی کہ بدون تفویض قلعہ کے ہمارے باپ کی جان بچ نہیں سکتی تو خیر ع جو کچھ خدا دکھائے
سو ناچار دیکھنا - عادل شاہ نے جب سنا کہ اس کے بیٹے متمردی کرتے ہیں اور قلعہ کی حوالگی میں
تامل کر رہے ہیں فوراً خاصہ کا ہاتھی طلب کر حکم دیا کہ امیر برید کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے
قلعہ کے دروازے کے سامنے لے جاؤ اور ہاتھی کے پاؤں سے روند ڈالو - اس حکم کی خبر پاتے
ہی امیر کے بیٹوں نے اسد خاں کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم بشرط امان جان و حفظ آبرو اپنی
اور عورتوں کے قلعہ کی حوالگی پر آمادہ ہیں - بادشاہ نے حکم دیا کہ اچھا سب عورتیں اپنے اپنے
پہننے کے کپڑے اور جو زیورات کہ اُن کے جسم پر ہیں لے کر فوراً قلعہ کے باہر ہو جائیں - جب قلعہ
خالی ہو گیا تو اُسی وقت عادل شاہ قلعہ میں داخل ہوا اور دوگانہ شکرانہ کی پڑھ کر تخت شاہی پر
جلوس کیا - عماد الملک کو بلا کر تمام خزانے نقدیات اور جواہرات اور ظروف طلا و نقرہ سب
دکھائے اور کہا کہ جو تمہارا دل چاہے شوق سے لو اور خود ایک عنبر چہ مرصع اٹھا لیا - بادشاہ
نے اسد خاں کو حکم دیا کہ تین لاکھ ہن ملازمان عماد الملک کے سپرد کر دئے جائیں اور ایک لاکھ
ہن شاہزادگان ملو خاں الو خاں ابراہیم خاں اور عبد اللہ خاں میں تقسیم کر دو اور ایک لاکھ

ہن تم بھی لو اور ایک لاکھ ہن مکۂ معظمہ اور مدینۂ منوّرہ و زیارتِ ائمہ مقدسہ علیہ السلام و
مزارات مطہرہ کو روانہ کریں اور باقی علماء و فضلاء و مساکین و مستحقین و صلحا و شعرائے بیجاپور
میں تقسیم کر دو اور بادشاہ نے خود سوائے اُس عنبرچہ کے کچھ نہ لیا۔ عماد الملک نے پھر امیر برید
کی عفو تقصیر کی استدعا کی بادشاہ نے قصور معاف کر دیا اور جس طرح پہلے عنایت رکھتا تھا
اب بھی اُسے امرائے سلطنت میں شامل کر لیا اور قلعۂ بیدر کو حسب تجویز اسد خاں کے
مصطفیٰ خاں شیرازی کے سپرد کر کے چندے بعیش و نشاط بیدر میں رہا۔

قلعۂ رائچور اور مدگل پر اسمعیل عادل شاہ کا قابض ہونا۔

اِن ہی دنوں تیمراج مر گیا تھا اور سلطنت بیجانگر میں خود اختلاف پڑ رہا تھا اسمعیل عادل شاہ نے اس موقعہ کو
غنیمت جانا کشنا کے پار اُتر کر اچانک مدگل پہونچا۔ قلعہ والوں نے جب دیکھا کہ کسی طرف
سے مدد آنے کی توقع نہیں تو چپ چاپ قلعہ حوالہ کر دیا اور وہاں سے آکر قلعۂ رائچور کو بھی
اسی طرح بلا غل و غش فتح کر لیا بعد اِس کے اسمعیل عادل شاہ نے ایک بڑی مجلس طرب و نشاط
کی آراستہ کی اُس مجلس میں عماد الملک بھی موجود تھا بادشاہ نے اُس دن اسد خاں کو بیٹھنے کا
حکم دیا اور تین جام شراب کے خود اپنے ہاتھ سے دیئے۔ عماد الملک اور اسد خاں نے
بادشاہ کو خوش پا کر التماس کی کہ اگر امیر برید کو بھی اس مجلس میں شرکت کی عزت دی جائے
تو بندگان عالی کی مزید نوازش ہوگی۔ عادل شاہ نے قبول فرمایا امیر برید حاضر ہوا اور اپنی جگہ پر
بیٹھا بادشاہ نے اُسے دیکھ کر فرمایا [ف] رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ عماد الملک اور اسد خاں کہ ذی علم تھے سمجھ
گئے اِس لطیفے سے مسکرائے امیر برید اگرچہ سمجھا نہیں مگر اِن دونوں کو متبسم دیکھ کر نہایت پشیمان
اور خجل ہو کر سر جھکا لیا اور سوچ میں گیا اور آخر کار اس تذلیل پر آب دیدہ ہو گیا۔ بادشاہ اس
سے متاثر ہوا اور اُس کی استمالت کے لئے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بیجاپور پہونچ کر بلدۂ بیدر
تم کو بخش دوں گا امیر برید نے فی البدیہہ بیت پڑھی ۵

برین مژدہ گر جاں فشانم رواست — کہ ایں مژدہ آسائش جان ماست

ف۔ اصحاب کہف میں کا چوتھا اُن کا کُتا ہے۔ امیر برید بھی اس مجلس میں چوتھا شخص تھا۔ بادشاہ نے طعناً یا مذاقاً اُسے کُتا بنا دیا۔ ۱۲

عادل شاہ نے یہ بیت سُن کر کہاع مارا بدیں گیاہ ضعیف ایں گماں نبود۔

القصہ ایک مہینے تک اسی طرح جشن ہوتا رہا پھر عماد الملک تو برار چلا گیا اور بادشاہ بیجاپور واپس آیا اور حسب وعدہ خود امیر برید کو خلعت خاصہ اور ہاتھی گھوڑا اور جواہر دے کر رخصت کیا اور قندہار اور کلیان بطور پیش کش سرکار میں رکھ کر بیدر اور ملک توابع بیدر امیر برید کو بخش دیا ؎

ازیں احساں جہانے پُر سرود است　　　که سلطانِ دکن با وی نمود است

اسمٰعیل عادل شاہ اور نظام شاہ کی جنگِ عظیم ملدرگ پر ۹۳۸ھ

نظام شاہ بادشاہ بڑا غیور تھا اُس کو اُن ناکامیابوں کا سخت قلق تھا جو عادل شاہ کے ہاتھ سے پیاپی پونچی تھیں پچیس ہزار سوار اور توپ خانہ کے ساتھ سلطنت بیجاپور پر چڑھائی کی۔ امیر برید کب ماننے والا تھا قلعہ بیدر ملتے ہی اُس کے نخنے پھر بگڑ گئے اور پھر اپنی پرانی روش بدکرداری پر آگیا اور نظام شاہ سے جا ملا ؎

نکند از درندگی توبہ　　　گرگ تا نشکنند دندانش
کی کند مار ترک زخم زدن　　　تا نکوبند سر بسندانش

عادل شاہ صرف دو ہزار سوار تاجپوش کے ساتھ لے کر مقابلہ کو بڑھا اور ایسی عظیم الشان جنگ ہوئی کہ پہلی لڑائیاں اُس کے مقابلے میں بازیچہ اطفال تھیں۔ اسد خاں نے لشکر کو صف بستہ کیا اور اس لڑائی میں نظام شاہ کا ایک امیر اعظم خورشید خاں مارا گیا۔ نظام شاہ پریشاں ہو کر بیک بینی دو گوش احمد نگر بھاگا اور تمام توپ خانہ اور ہاتھی اور دوسرا مال و اسباب سب اسمٰعیل شاہ کو ملا سوا الگ۔ اِس کے بعد پھر کوئی لڑائی اِن بادشاہوں میں نہیں ہوئی آپس میں مل گئے اور یہ طے پایا کہ اسمٰعیل شاہ تو قطب شاہ کا ملک لے لے اور نظام شاہ عماد الملک کا اور اِس کے بعد دونوں مصالحت سے رہیں۔

قلعہ کویل کنڈہ کا محاصرہ اس کے بعد چند سال تک کچھ لڑائی بھڑائی نہیں ہوئی امن چین رہا لیکن ملک تلنگانہ میں بہت سے قلعہ جات ہنود نے دبائے تھے اُن کی سرکوبی کو امیر برید کی سرکردگی میں ملک تلنگانہ پر چڑھائی کی اور قلعہ کویل کنڈہ کا جو ایک مشہور قلعہ ملک

تلنگان کا ہی محاصرہ کیا اور طرفین سے لڑائی ہوتی رہی - اسد خاں کی بہادری سے قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے لیکن قضائے کردگار، تلنگانہ کی آب و ہوا سے بادشاہ کا مزاج ناساز ہو گیا

اسمٰعیل عادل شاہ کی وفات ۹۴۱ھ - ۱۵۳۴ء

اور باوجود علاج کے روز بروز طبیعت بگڑتی ہی گئی آخر کار قصد واپسی کا کیا راستہ کی صعوبت سفر سے اور ضعیف و نحیف ہوا - حوالی ساگر میں پہونچے تھے کہ چہار شنبہ کے دن ۱۶ صفر ۹۴۱ھ کو انتقال کیا - اسد خاں نے اس سانحہ کو مخفی رکھ کر نعش کو برقعہ دار پالکی میں قصبہ گوگی کو روانہ کیا جہاں اپنے پدر بزرگوار کے جوار میں مدفون ہوا -

عمارات اور افواج

بیجاپور سے چند میل فاصلہ پر ۹۲۶ھ م ۱۵۲۰ء میں شہر پور اسی بادشاہ نے بسایا تھا - چمپا محل کی تعمیر ۹۲۱ھ ۱۵۱۵ء میں اسی کے عہد معدلت میں ہوئی جس کا کچھ حصہ اب بھی گرا پڑا باقی ہے - تعداد لشکر سوار و احشام ملا کر ایک لاکھ چالیس ہزار تھی اور ہاتھی ایک سو سولہ تھے -

اسمٰعیل عادل شاہ کا کیرکٹر

اسمٰعیل عادل شاہ نہایت منصف متحمل و بردبار کشادہ دل اور نہایت مخیر و فیاض تھا - نرم دل اور رحیم ایسا تھا کہ اکثر بڑے بڑے پولٹیکل قیدیوں کی سزا بھی معاف کر دیتا تھا - لگائی بجھائی اور چغل خوری سے سخت متنفر تھا - کبھی غصہ میں آکر بھی سخت سست نہیں کہتا تھا - کبھی زبان سے فحش لفظ نہ نکلا - مزاج میں ظرافت بہت تھی تیر کے ساتھ پورا اور ٹھیک کانٹے کی تول انصاف کرنے کا بیشک بہادر صف بھی تھا - بادشاہ کو فن نقاشی رنگ سازی - تیر سازی میں دستگاہ کامل تھی اور کارچوب کا کام بہت عمدہ آتا تھا خصوصاً زین پوش - علم موسیقی اور فن شاعری میں جواب نہ رکھتا تھا وفائی تخلص کرتا تھا اور اپنے زمانہ کا فرد فرید تھا - ذی علم اشخاص - بڑے بڑے علماء کے ساتھ نہایت فراخ حوصلگی اور سیر چشمی سے سلوک کرتا تھا - خوش گوئی اور مذاق کی کان تھا جس کا اظہار مجالس خاص اور مصاحبین خاص میں کرتا تھا - ساری فوج اس پر جان نثار تھی کیوں کہ خود بھی ایک بے نظیر اور نہایت بہادر مرد میدان جنگ تھا -[۱]

---

[۱] ناظرین کہیں یہ نہ سمجھیں کہ اسمٰعیل شاہ کی نسبت یہ میری رائے ہے یا کسی مسلمان مورخ نے مبالغہ آمیزی کی ہے نہیں یہ رائے

اسمعیل عادل شاہ کلام

دل خوباں زقید مہر آزادست پنداری ٭ مدار دلبری بر جور بیدادست پنداری

مرا صد محنت از عشق تو بر دل می رسد ہر دم ٭ دل ویران عاشق محنت آبادست پنداری

زعشق قامتت سرو سہی را ماند پا در گل ٭ دلش صد پارہ وز بار دل آزادست پنداری

ز ہجرت آتشے دارم بہ دل کز مہر تسکینش ٭ نصیحت ہائے سر وزاہداں بادست پنداری

دل ریش وفائیم آن چناں خود کردہ با تیرش ٭ کہ پیکانش بجائے مرہم افتادست پنداری

ولہ

شب ہجر جز گریہ کارے ندارم ٭ بجز دیدۂ اشک بارے ندارم

شبے نگزرد کز فراق تو چوں شمع ٭ پر از اشک حسرت کنارے ندارم

من و عشق و رندی و کوئے ملامت ٭ براہ سلامت گزارے ندارم

ازاں با غمش خو گرفتم وفائی ٭ کہ غیر از غمش غمگسارے ندارم

ولہ

دل بزلفش حکایتے دارد ٭ از شب غم شکایتے دارد

تا کی آزار اہل دل طلبی ٭ بے وفائی نہایتے دارد

خون دل میخورم زغصہ کہ یار ٭ با رقیباں عنایتے دارد

دل سختش ز آہ من شد نرم ٭ آہ عاشق سرایتے دارد

ای وفائی مناں از ستمش ٭ کہ ستم نیز غایتے دارد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰ - لفظاً بلفظ کرنل ٹوڈ وز ٹیلر کی تاریخ ہند کے صفحے ۲۰۶ پر لکھی ہوئی ہی - ہم نے صرف ترجمہ کر دیا ہی - مگر دل ہمارا ابھی خوش ہوا کہ مسلمانوں میں بھی ایسے بادشاہ ہو گزرے ہیں کہ جن کی نسبت سیکڑوں برس بعد بھی غیر اقوام کے مورخین کی بہتر سے بہتر رائے ہو ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا - ۱۲ -

تیسرا باب

ملّو عادل شاہ ۱۵۳۴ء

چو دہر افگند افسری از سرے	نہد آسماں بر سر دیگرے

اسمٰعیل شاہ کی وصیت تھی کہ اُس کا وارث جائز فرزند اکبر ملّو جانشین کیا جاے اور اس وصیت کی تعمیل اسد خاں کے ذمے کی چنانچہ بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کی پوری تعمیل کی گئی لیکن چوں کہ ملّو خاں کے اطوار ٹھیک نہ تھے خود کنارہ کش ہو کر بلگاؤں چلا گیا۔ ملّو نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی بد اطواری اور نفرت انگیز حرکات سے تھوڑے ہی دنوں میں سب کو بے زار کر دیا اور ناچار اس کی دادی پونجی خاتون نے اسد خاں کے پاس اپنی ایک محرم کو بھجوایا اور اس بارے میں مشورہ طلب کیا کہ ملّو خاں کو بوجہ نااہلی معزول کر کے ابراہیم شاہ کو تخت پر بٹھلایا جاے۔ اسد خاں نے جواب لکھا کہ میں اسی ڈر سے بیجاپور چھوڑ کر یہاں آن پڑا ہوں آپ کی راے قرین صواب ہے اور یوسف ترک کو جو امراے تاج پوشی سے تھا لکھا کہ حسب ارشاد بلقیس الزماں پونجی خاتون کے کاربند ہو۔ یوسف ترک نے فوراً ملّو خاں کو گرفتار کر کے معزول کر دیا۔ ملّو خاں صرف چھ مہینے اور چند روز ہی سلطنت کرنے پایا تھا کہ نہ صرف تخت چھوڑنا پڑا بلکہ اُس کو اور اُس کے برادر عیاق الّو خاں دونوں کو مکحول بھی کیا گیا اور اُس کا چھوٹا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا۔
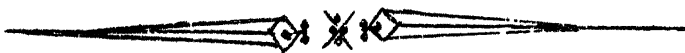
چوتھا باب

ابراہیم اول الملقب بہ عادل شاہ

سنہ ۱۵۳۴-۵۷ء

رباعی

فلہٗ جلالٌ لیس فوق جلالہٖ — الا جلالُ اللہِ جلّ جلالہٗ
ولہٗ نوالٌ لیس فوق نوالہٖ — الا نوالُ اللہِ عمّ نوالہٗ

ملّو جیسے بدروش کی جگہ ابراہیم کی تخت نشینی سے تمام سلطنت میں امن و امان ہوگیا طوفان بے تمیزی کی گھٹا سے مطلع صاف ہوگیا لوگوں کی جان میں جان آئی۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ چندہی دنوں میں تمام رعایا و برایا اپنے بادشاہ کی فدائی ہوگئی۔ وہ اپنے باپ کی طرح بہادر اور ایک جری سپاہی تھا۔ اس بادشاہ کے تمام زمان سلطنت میں کثرت سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ مستعد اور ہر وقت طیار رہتا تھا اور کبھی راتوں کو بھی چین سے آرام نہ کرتا تھا ہمیشہ متفکر اور بے چین تھا اور اُسے ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ باہر سے کوں غنیم کس وقت آن چڑھتا ہے اور سچ ہے وہ انگریزی مثل کہ "جو سر تاج زیب سر کرتا ہے وہ کبھی چین سے نہیں سوتا" فارس کا بادشاہ طہماسپ ہمیشہ کہا کرتا تھا اور سچ کہتا تھا کہ دو ہی بادشاہ ایسے ہیں کہ جن کا کوئی ہمسر بہادری اور شجاعت میں نہیں ہے اور وہ نہیں ہیں مگر افراسیاب ترک اور ابراہیم عادل شاہ دکھنی۔ ابراہیم نے تخت پر بیٹھتے ہی ملک کے نظم و نسق میں اہم تغیرات کیے اور ایک تازہ روح پھونک دی۔ مالی انتظامات میں بیش بہا اور مفید اصلاحیں کیں۔ سب سے پہلے اہل تسنن کے مذہب کو جو دم توڑ رہا تھا زندہ کیا اور اُن سب لوگوں کو موقوف کر دیا جو محض خوگیری کی بھرتی کی طرح اس کے والد اور دادا نے محض اہل تشیع کی پرورش اور اُن کی

تعداد بڑھانے کو چو طرف سے سمیٹ لئے تھے۔ اُس نے پھر دکھنیوں اور حبشیوں اور دوسرے اقوام کو بھرتی کر لیا اور سرکاری ملازمت میں اہل ہنود کا عنصر بہت غالب رکھا۔ دفتری زبان فارسی نکال کر مرہٹی کا رواج دیا۔

بیجانگر کی سلطنت کا مجملی حال راجگان بیجانگر کی مشہور سلطنت سات آٹھ سو سال کے پہلے سے قایم تھی جو بلحاظ وسعت سلطنت وتمول کے علی وجہ الکمال تھی کہ مسلمانوں کا عروج ہوا اور ملک دکن میں بہمنی سلطنت کے قیام کے ساتھ دونوں میں لڑائیاں ہونے لگیں نتیجہ یہ ہوا کہ رایان بیجانگر نے مسلمانوں کے بہت سے مقبوضات دبا لیئے چنانچہ سلطان احمد ولی البہمنی بیدری کے زمانے میں سیورای نامی راجۂ بیجانگر تھا جو ۸۴۰ھ میں تخت بیجانگر میں بیٹھا تھا۔ اس راجہ نے برابر اٹھائیس برس تک نصفت اور معدلت سے سلطنت کی اُس کی وفات کے بعد اور چھ راجہ ہوئے ساتواں راجہ اچت رای تھا جو بڑا عدل گستر اور رعیت پرور تھا اس کے مزاج میں تعصب مذہبی بالکل نہ تھا بعض امرا دولت اسلام بادشاہان وقت سے کبیدہ خاطر ہو کر وہاں پناہ گزیں ہوئے۔ راجہ نے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی اور ہر طرح آسایش دی اور ایک جگہ اُن کے مکانات بنانے کے واسطے علیحدہ دی اور حکم دیا کہ بہ جمعیت خاطر رہیں اور آزادانہ طور پر اپنے مذہب کے مراسم ادا کریں کسی قسم کی مزاحمت ہنود کی طرف سے نہ ہوگی اسی طرح ایک مدت گزری کہ وہ بھی مرگیا۔

رام راج کا عروج ہیم راج وزیر اعظم ایک بڑا امیر کبیر ارکان دولت سے تھا مہام سلطنت اُسی کے ہاتھ میں تھی جو سیورای راجہ بیجانگر کے دونوں لڑکوں کے انتقال کے بعد سے حقیقی حکمران ہو گیا تھا اور یوں پہلے سے بھی وہ دخیل کار تھا اور اس طرح اُس نے پوری چالیس سال حکومت کی۔ سیورای کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا جانشین ہوا جس نے عالم جوانی ہی میں انتقال کیا اس کا ایک چھوٹا بھائی اور تھا وہ بھی جوانی ہی میں مرگیا جب سیورائے کے تیسرے لڑکے کو جس کی عمر صرف تین مہینے کی تھی برائے نام راجہ مقرر کیا لیکن سب کاروبار ہیم راج ہی کے ہاتھ میں رہا۔ جب یہ صغر سن بچہ حد رشد اور سن تمیز کو پونچا تو ہیم راج نے اُسے زہر دے کر مروا ڈالا اور خود خاندان کا مالک بن گیا اِس چالیس برس کے عرصہ میں تمام رعایا

برابر اُسی کی مطیع و منقاد رہی جب ہیم راج مر گیا اُس کا بیٹا رام راج حاکم الوقت ہوا۔ یہ شخص ہیم راج سے بھی زیادہ خود غرض اور نمک حرام تھا اور اپنی خود مختاری سے راجہ کو بے دخل کر رکھا تھا اُس نے اپنی تقویت بڑھانے کو سیورای راجہ بیجانگر کی لڑکی سے شادی بھی کر لی تھی۔ ایک تو کریلا کڑوا اوپر سے نیم چڑھا اب فرعون بے سامان ہو گیا اور اُس نے یہ کوشش کی کہ بہ نہج خود ہی راجہ بن جائے اور سلطنت کو اپنے خاندان میں منتقل کرے لیکن امرا و ارکان سلطنت نے سختی سے اِس بلند پروازی کی مخالفت کی اور مجبور کیا کہ ایک کم سن بچے کو جو آل میں تھا راجہ تسلیم کیا جائے چنانچہ اسی بچے کو (جس کے نام کا پتہ نہیں چلتا) راجہ بنایا اور اِس کم سن راجہ کی پرورش اُس کے ماموں بھوج ترمل کے سپرد کر دی۔

بھوج ترمل کا زمانہ بھوج ترمل اگرچہ پورا دیوانہ نہ تھا مگر فاتر العقل ضرور تھا پانچ چھ سال کے عرصے میں رام راج نے اپنی چال بازی سے بہت سے امرا کو جو اُس کے مخالف تھے مروا ڈالا اور اپنے ایک غلام کو مراتب اعلیٰ پر پہنچا کر اُس سے قول و قرار لے کر بیجانگر کو اُس کے سپرد کر کے خود بلیار پر چڑھائی کی اور بیجانگر کے جنوب میں ایک بڑے زمیندار پر حملہ آور ہوا جس نے چھ مہینے مقابلہ کیا اور آخر کار رام راج کی فوج کو پس پا کیا۔ رام راج نے اپنے غلام کو (جو اُس وقت بیجانگر میں حکومت کر رہا تھا) پانچ لاکھ ہن بھیجنے کو لکھا۔ غلام نے جو خزانہ کھولا تو بے انتہا دولت دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اُس کی رال ٹپک پڑی اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح اِس خزانے کو خود ہضم کرے اُس نے کم سن راجہ کو جو برائے نام تھا آزاد کر کے بھوج ترمل کو اپنی طرف کر لیا اور خود وزیر بن کر لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ بہت سے خراج گزار جو رام راج سے بیزار تھے وہ خبر پاتے ہی بیجانگر کو دوڑے آئے اور اپنی جائز راجہ کی اطاعت قبول کی اور تھوڑے ہی دنوں میں بیس ہزار سوار اور ایک بہت بڑی تعداد پیدلوں کی شہر میں جمع ہو گئی۔ بھوج ترمل نے اُس غلام کو اس حیلے سے قتل کروا ڈالا کہ اُس نے رام راج کے مقابلہ میں بغاوت کی کہ ایسا شخص کبھی اعتبار کے قابل نہیں ہی اور خود مقتدر بن گیا۔ یہ خبر پاتے ہی رام راج یلغار دار السلطنت میں پہنچا لیکن موقع ایسا بے ڈھنگا تھا کہ کچھ چل نہ سکی۔ جب رام راج نے دیکھا کہ اکثر امرا اُس کے

خلاف ہو گئے ہیں تو اُس نے راجہ سے جو جائز طور پر مستحق تھا مصالحت کرلی اس کے بعد رام راج اپنے علاقے پر جو اُسے راجہ نے حسب شرائط صلح نامہ دے دیا تھا واپس چلا گیا۔

ابراہیم عادل شاہ کا بیجانگر میں حسب الطلب بھوج ترمل آنا ۹۴۲ھ ۱۵۳۶ء

بھوج ترمل کے دل میں سلطنت کا خبط سمایا دیوانہ تو پہلے ہی سے تھا اس ظالم نے بیچارے کم سن راجہ کو جو اُس کا حقیقی بھانجہ تھا گلہ گھونٹ کر مار ڈالا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ امراء نے بھی اُس کی اطاعت قبول کرلی کیوں کہ وہ راجہ ہی کے خاندان سے تھا اور رام راج سے بدرجہا بہتر تھا۔ لیکن بمصداق گر بدولت برسی مست نہ گردی مرد ی۔ بھوج ترمل نے دیوانہ بکار خویش ہشیار ایسے ہاتھ پاؤں نکالے اور لوگوں پر دست تظلم دراز کیا کہ لوگ تاب نہ لاسکے پکار اُٹھے اور بغاوت کی اور ناچار پھر رام راج کو بلوایا۔ بھوج ترمل اب بڑی مشکل میں پھنسا نہ پائے رفتن نہ روے ماندن۔ اس نے ایک ایلچی چرب زبان اور کاردان کو چھ لاکھ ہن اور دوسرے بیش قیمت ہدایا اور تحائف دے کر ابراہیم عادل شاہ کو دعوت دی اور کہلا بھیجا کہ آپ یہاں تشریف لاکر میری امداد کیجئے کہ میں وارث جایز تخت وتاج کا ہوتے ہوئے اس نمک حرام رام راج نے میرا ملک چھین لیا اور مجھے معزول کردیا آپ کی دستگیری سے اگر میں اپنے جایز حقوق پاؤں اور آپ مجھے تخت پر قابض کرادیں تو سرحد ہر منزل پر ایک ایک لاکھ ہن نذر کرنے کے سوا بعد کامیابی زر خطیر نذرانہ پیش کروں گا اور مدت العمر آپ کا گردیدۂ احسان رہنے کے علاوہ تابعدار فرماں بردار بھی رہوں گا۔ ابراہیم عادل شاہ کو سونے کی چڑیا ہاتھ آئی بہت خوش ہوا اور اسد خاں سے مشورت کرکے اس استدعا کو قبول کرلیا اور فوراً لشکر کثیر فراہم کرکے چل کھڑا ہوا اور منزل بہ منزل ٹھیرتا ہوا ۹۴۲ھ ۱۵۳۶ء میں بیجانگر جا پونہچا۔ بھوج ترمل بادشاہ کی پیشوائی کرکے شہر میں لایا اور بادشاہ کو راجہ کی مسند پر بٹھایا اور سات دن تک جشن مناتا رہا اس حرکت سے سارے ہنود بد دل ہو گئے اُنھوں نے پھر رام راج سے مدد چاہی رام راج نے بھوج ترمل کو ایک معذرت نامہ لکھا کہ عادل شاہ کو اپنی دار الریاست میں طلب فرمانے سے خداوند نعمت کا کیا مقصود ہے اگر فدوی سے کوئی سوء ادبی یا خطا ہوئی ہے اُس کی تنبیہ اور

تادیب مرکوز خاطر عاطر ہے تو خانہ زاد خود اپنی تقصیر کا معترف اور عذر خواہ ہی غیر کے ہاتھوں کیوں سزا دلواتے ہیں حضور خود ہی سزا دیں اب میں آپ سے پوری طرح عہد کرتا ہوں کہ بار دیگر کبھی سرتابی نہ کروں گا اور ہمیشہ آپ کا فرماں بردار اور اطاعت شعار رہوں گا لیکن مسلمانوں کا لشکر ہمارے ملک میں آنا کسی حال سے مناسب نہیں ہی حضور والا پر مخفی نہیں ہی کہ یہہ ملیچھ ہم لوگوں کے کیسے جانی دشمن ہیں ذرا اُن کو موقعہ ملے گا تو ہمارے ملک کو لوٹ کر تباہ کر دیں گے پھر بادشاہ بہمنی دانت لگائے بیٹھا ہی اُس کی یورش کے واسطے دروازہ کھل جائے گا۔ یہہ مسلمان ہمارے معابد اور بت خانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے ہمارے معابد کی توہین کر کے مسمار کر دیں گے واجب التعظیم دیوتاؤں کی مٹی پلید کریں گے اور اپنی مسجدیں بنالیں گے۔ ہماری ناموس کو مٹا دیں گے اور ہزارہا زن و فرزند اور رعایا کو قید کر کے لے جائیں گے۔ ہماری عورتوں اور بیٹیوں کو خراب کریں گے اور جب ملک اس طرح لوٹا جائے گا اور برباد ہوگا اور رعایا یوں تباہ ہوگی تو پھر امن سلطنت کے قیام اور آبادی ملک کی امید رکھنا فضول محض ہی۔ آپ کی اس حرکت کا انجام کار یہی ہوتا نظر آتا ہے اب بھی کچھ نہیں گیا ہی اپنی اس حرکت سے باز آئیے اور ملک پر رحم کیجیے۔ بھوج ترمل رام راج کی چکنی چپڑی باتوں میں آگیا اور سمجھا کہ میری اطاعت تو رام راج نے قبول کر ہی لی ہی بادشاہ کے آنے کی جو غرض تھی وہ بلا مشقت حاصل ہو گئی بہتر یہہ ہی کہ اب واپس کر دیا جائے۔ بھوج ترمل نے ایک معذرت نامے کے ساتھ چوالیس لاکھ ہن اور بروایت دیگر اسّی لاکھ ہُن کا نذرانہ مع دیگر تحفہ تحائف بیش قیمت پیش کر کے بادشاہ سے عرض کی کہ آپ کو جو تکلیف یہاں تک قدم رنجہ فرمانے میں ہوئی اُس کا یہہ نذرانہ ہی اب آپ واپس تشریف لے جائیے۔ بادشاہ اپنے دل میں بہت خوش ہوا ہلدی لگی نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا نقد چوالیس لاکھ ہن بلا لڑے بھڑے اور کشت و خوں کے مل گئے اب موقع پس و پیش کا کیا تھا ہنسی خوشی بیجاپور چلا گیا۔ ابراہیم شاہ ابھی دریا سے کستنا پار نہ ہوا تھا کہ رام راج اور دوسرے سازشی ایک دم بدل گئے اور سب نے بیجانگر پر یورش کی کہ بھوج ترمل سے ہم اپنے کم سن راجہ کے قتل کا بدلہ لیں گے۔ بھوج ترمل نے جب یہہ سنا تو اُس کے ہاتھ کے طوطے اُڑ گئے اور سمجھا کہ کی کرائی محنت سب اکارت گئی

ایک دم سے بساط ہی اُلٹ گئی - حالت ہراس میں دیوانہ وار محل میں گھس کر دروازے بند کر لئے اور جی میں سونچا کہ تو کو نہ مو کو اسے جو ٹھے میں جھونکو اُس نے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور دمیں کٹوا دیں تاکہ کسی کام کے ہی نہ رہیں - تمام بیش بہا جواہرات اور موتیوں کو جو مدتوں سے جمع کئے گئے تھے بڑی بڑی چکیوں میں پسوا کر آٹا کر دیا اور زمین پر پھیلوا دیا تب اُس نے محل کے ایک ستون میں ایک تلوار کا پھل گاڑ دیا اور زور سے اُس پر جا کر ایسا گرا کہ تلوار پیٹھ کے پار ہو گئی اِدہر اُس کا خاتمہ ہوا اُدھر شہر کے دروازے دشمنوں نے کھولے - اب رام راج کے لئے میدان خالی تھا روکنے والا کون تھا اس طرح رام راج بیجانگر کا راجہ بن گیا -

ابراہیم شاہ نے آتے ہی تمام روپیہ جو ملا تھا شہر بیجاپور کے قلعہ اور فصیلوں کی کی درستی اور استحکام میں لگانا شروع کیا جس کی تصدیق کتبوں سے ہوتی ہی جو فصیلوں پر موجود ہیں - جنوبی دروازے کے اندر وار ایک کتبہ ہی جس پر ۹۴۵ھ ۱۵۳۸ء درج ہی ۔ بادشاہ کی تخت نشینی کے چوتھے یا پانچویں سال اُس نے ایک برج موسوم بہ آلہی برج بنوایا - اسی بادشاہ نے قلعہ کی دُہری فصیل اور خندقیں جو یوسف شاہ اور اسمعیل شاہ کے عہد میں پختہ اور مضبوط نہ تھیں نہایت استحکام سے سنگ بست بنوائیں -

اسد خاں کا ونکٹا دری کو ادھونی پر شکست دینا ۱۵۳۵ء

ابراہیم شاہ نے جب سنا کہ بھوج ترمل مر گیا اور رام راج تخت پر بیٹھ گیا تو اُس نے کہا کہ بیجانگر کے مقبوضات پر رام راج کو کیا حق ہی سچ پوچھو تو وہ اور ہم برابر - اس سونے کی چڑیا کو کیوں چھوڑا - بادشاہ نے اسد خاں کو ایک جرار لشکر دے کر قلعہ ادھونی دیکھنے کو بھیجا - رام راج نے اسد خاں کے مقابلے کے لئے اپنے بھائی ونکٹا دری کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی فوج بھیجی - اسد خاں نے جب بیجانگر کی فوج کی آمد سنی تو قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور دونوں میں بڑی بھاری جنگ ہوئی - اسد خاں نے دیکھا کہ بیجانگر کی فوج اُس کے لشکر سے بہت بڑھی ہوئی ہی تو پیچھے ہٹ کر چودہ میل پر جا کر دم لیا مگر وہاں تک بھی ہندوؤں نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا - ونکٹا دری نے بھی مسلمانوں کے کیمپ سے

وومیل ورے اپنے ڈیرے ایک مقام محفوظ پر ڈال دیئے۔ اسد خاں کو یہ موقع اچھا ملا ابھی صبح نہ ہونے پائی تھی کہ اُس نے چار ہزار سواران جبّہ پوش لے کر ہندوؤں کے کیمپ پر شبخوں مارا جب ذرا دن چڑھا تو ونکٹادری نے پھر اپنی فوج کو جو تتّر بتّر ہو گئی تھی اکھٹا کر کے حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن دیکھا تو اسد خاں کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ونکٹادری کو اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانی بھی فرض تھی اس واسطے وہ لڑائی کا ارادہ چھوڑ کر چند میل پیچھے ہٹ کر ٹھیر گیا اور اس سے اپنے بڑے بھائی رام راج کو شکست کی خبر دی اور جلد امداد بھیجنے کو لکھا۔ رام راج نے فوراً تازہ دم فوج اور خزانہ بھجوا یا اور بظاہر تو یہ کہلا بھیجا کہ خوب لڑو اور مقابلہ کرو لیکن اندرونی طور پر ونکٹادری کو یہ لکھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہو کہ ابراہیم عادل شاہ نے بطور خود دھوبی پر چڑھائی نہیں کی بلکہ مجھے شبہ ہو کہ ہمارے زمینداروں نے در پردہ سازش کر کے بیجاپور کے لشکر کو بلوایا ہو اور خود تمھارے ساتھ کے بہت سے امرار اُس سے ملے ہوئے ہیں اس لئے مصلحت وقت یہی ہو کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے تاکہ تمھارے بال بچے کسی طرح اسد خاں کے پنجے سے نجات پائیں۔ بادشاہ کو اسد خاں کی سازش کی بھنک پہونچ گئی تھی اس ڈر سے اسد خاں نے بیجانگر کی فوج میں تلاطم عظیم ڈال دیا اور قتل عام شروع کر دیا ؎

همه شیر مرداں کار آزمائے دلیر و عدو بند و کشور کشائے

ونکٹادری کو اپنی فوج پر ایسا بھروسہ تھا کہ وہ بالکل مطمئن تھا اور اُسے مسلمانوں کی طرف سے حملہ ہونے کا گمان بھی نہ تھا اسد خاں ایک دم اُن کے خیموں تک پہونچ گیا اُس وقت تک اُن کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور نہ بھاگنے کا موقع ملا ؎

نباید غنودن چناں بے خبر کہ ناگاہ سیلے در آید بسر

بجائے نہ خسپید عقابے اسیر کہ آبے تواں ہست اورا بزیر

بیجانگر کی فوج تاب مقاومت نہ لاسکی اور چیں بول گئی اور ونکٹادری کو ایسی بے سروسامانی سے بھاگتے بنی کہ بال بچے خزانہ ہاتھی گھوڑے وغیرہ سب مال و اسباب چھوڑ چھاڑ صرف اپنی جان بچا کر بہ یک بینی دو گوش بھاگا اسد خاں نے سب مال و دولت سمیٹ اُن کے بال بچوں

کو قید کرلیا ابراہیم شاہ اس شاندار کامیابی سے ایسا خوش ہوا کہ اسد خاں کے مدارج میں ترقی کی بہت کچھ بیش قیمت تحائف سے سرفراز کیا اور نہ صرف اس کی لڑکی کو اپنے عقد میں لاکر عزت افزائی کی بلکہ زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھ کو اسد خاں کی دختر سے کوئی لڑکا ہوگا تو وہی میرے تخت و تاج کا وارث ہوگا۔

اسد خاں کے حالات اسد خاں ترک تھا۔ اس کا اصلی نام خسرو تھا۔ اسمٰعیل عادل شاہ کے زمانے میں ۱۵۱۱ھ میں جب کہ شہر بیجاپور کا محاصرہ کیا گیا تھا اس کے بچانے میں اس نے بڑا نام پیدا کیا یہہ محاصرہ خصوصاً بادشاہ کی خالہ دل شاد آغا کی بے نظیر بہادری کے سبب سے مشہور ہے۔ خسرو کو اس کے صلے میں اسد خاں کا خطاب اور بلگاؤں جاگیر ملی۔ اسد خاں دانش مندی اور فراست میں مشہور تھا چالیس سال تک وہ تمامی امرا و مشاہیر دکن کا ملجا و ماوا رہا۔ وہ بڑی شان و شوکت اور تزک احتشام سے رہتا تھا اس کی ٹکر کا اور کوئی امیر نہ تھا ہر شخص اس کا ادب و تعظیم کرتا تھا۔ راجگان بیجانگر اور دوسرے ممالک کے فرماں روا اس کی خداداد قابلیت کے معترف تھے اور اکثر اس سے مراسلت رکھتے تھے اور بیش قیمت تحائف بھی بھیجتے رہتے تھے۔ ڈہائی سو تو صرف اس کے خانگی نوکر تھے سب سے بڑے قد آور ساٹھ اور ڈیڑھ سو معمولی قد و قامت کے ہاتھی اس کے پاس تھے۔ اس کے اصطبل میں عربی اور ایرانی چار سو اور اس کے علاوہ اس ملک کی نسل کے بہت سے عمدہ عمدہ گھوڑے تھے۔ یہہ بڑھتے بڑھتے سپہ سالار اور وزیر اعظم کے اعلیٰ مراتب پر پونہچ گیا تھا۔ چوں کہ وہ بڑا مدبر اور فرس تھا اور اس کی چال بہت گہری تھی اس لئے ہمیشہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا تھا۔ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص مقرب بارگاہ سلطانی ہوجاتا ہے سو دوست سو دشمن پیدا ہوجاتے ہیں اور بہت سے لوگ آتش رشک و حسد سے جل بھن کر اس کے گرانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور طرح طرح کے جوڑ توڑ چلتے ہیں کہ کسی طرح وہ نظروں سے گرجاے یہی حال اسد خاں کا تھا۔ اسد خاں کے دشمنوں نے یہہ جتادی کہ وہ نظام شاہ سے بوجہ ہم مذہبی دریردہ ملا ہوا ہے اور عنقریب خود اپنی جاگیر بلگاؤں پر قبضہ کرا دینے والا ہے۔ ابراہیم شاہ چکمے میں آگیا اور نہ سمجھا کہ ایسا شخص جس نے مدة العمر جاں نثاری اور ہوا خواہی کی ہو کیوں کر ایسا کرے گا فوراً تیور بدل گئے

اسد خاں نے جب یہ لیل و نہار دیکھا تو سپہ سالاری سے دست کش ہو کر اپنی جاگیر بلگاؤں میں جا بیٹھا۔

برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کی پہلی لڑائی بیجاپور ۹۴۳ھ ۱۵۳۶ء

بادشاہ اور سپہ سالار فوج کے درمیان ایسی ناچاقی ہونا نظام شاہ کے لئے بیجاپور پر چڑھائی کرنے کے لئے ایک اچھا بہانہ ہاتھ لگا اور اُس نے خواجہ جہان دکھنی اور علی برید کو بلا کر علاقہ جات بیجاپور پر لوٹ مار شروع کر دی۔ قلعہ شولاپور آن واحد میں لے لیا اور بلگاؤں کا رُخ اس اُمید پر کیا کہ بادشاہ اور اسد خاں کے تو چل ہی گئی ہے اسد خاں کبیدہ خاطر بیٹھا ہی ہوا ہے بددل ہو کر دشمن برابر جاتے ہی قلعہ ہمارے حوالے کر دے گا۔ اسد خاں کو بادشاہ کی ناراضگی سے بالکل مایوسی ہو گئی تھی اور اپنی زندگی کے دن افسردگی میں تیر کر رہا تھا مصلحتہً چھ ہزار سوار جرّار لے کر نظام شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ نظام شاہ کو اسد خاں کے شریک ہو جانے سے ازبس تقویت ہو گئی اور بشوخی تمام ملک میں لوٹ مار کرتا ہوا بیجاپور کی طرف بڑھا۔ ابراہیم عادل شاہ نے دیکھا کہ میں اکیلا اِن دونوں کا مقابلہ کیا کر سکتا ہوں بیجاپور چھوڑ کر گلبرگہ چلا گیا۔ نظام شاہ نے بلا وسوسہ بیجاپور کا محاصرہ کر لیا۔ اسد خاں حد درجہ کا خیر خواہ اور نمک حلال تھا اور اُس کی سرشت میں اپنے مالک کی وفاداری تھی نہایت سوچ میں پڑ گیا اور ایک معتبر شخص کو عماد الملک کے پاس بھیجا اور لکھا غمازی اور فتنہ انگیزی کی بدولت بدخواہان سلطنت نے میرے مالک کو مجھ سے رنجیدہ کر دیا ہے اور باوجود بے قصور محض ہونے کے میری پیشانی پر کلنگ کا ٹیکہ لگ گیا ہے اور اب بھی لوگ میرا پیچھا نہیں چھوڑتے بادشاہ کو برہم کرتے رہتے ہیں آپ سے توقع ہے کہ اس وقت آپ تشریف لائیں اور عادل شاہ کی امداد فرمائیں اور اس غلام پر جو دھبہ بے وجہ لگایا گیا ہے اُسے بھی عفو تقصیر سے محو کرا دیں تو بڑی بندہ نوازی ہو گی۔ عماد الملک فوراً گلبرگہ پونہچا ادھر اسد خاں نظام شاہ کا ساتھ چھوڑ کر اُس سے جا ملا اور عماد الملک کے ذریعہ سے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر اپنا سارا دکھڑا رو دیا کہ اس اس طرح دشمنوں نے حضرت کو اِس نمک خوار قدیم سے بدظن کر دیا تب بادشاہ کو بہت انفعال ہوا اور خاطر اقدس پر سے کدورت کا غبار دور ہو گیا اور نہایت نوازش سے اسد خاں کو سامنے بلا کر

بغل گیر ہوا اور سرفراز فرمایا۔ اسد خاں کے آجانے سے بادشاہ کو بہت قوت ہوگئی اور عماد الملک کی مدد سے نظام شاہ کا مقابلہ کیا دو تین مقابلوں کے بعد نظام شاہ میں طاقت مقاومت نہ رہی اور بیدر کی طرف بھاگا لیکن عادل شاہ اور عماد الملک نے اُس کا پیچھا احمد نگر تک بھی نہ چھوڑا آخر کار نظام شاہ دولت آباد کو بھاگا اور شولاپور کا قلعہ اور دوسرے مقامات جو قبضہ سے نکل گئے تھے سب واپس لے کر ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کو واپس آیا۔

برہان نظام شاہ۔ رام راج۔ قلی قطب شاہ امیر برید کی متفقہ دوسری لڑائی قلعۂ شولاپور مقبوضۂ ابراہیم عادل شاہ پر ۔ ۹۵۰ھ ۔ ۱۵۴۶ء

کم بخت قلعۂ شولاپور ہی سلاطین احمد نگر و بیجاپور کے مابین ہمیشہ سے مابہ النزاع رہا۔ قلعۂ شولاپور دونوں سلطنتوں کی سرحد پر واقع تھا اور ہر بادشاہ یہی چاہتا تھا کہ ایسے موقع کا مضبوط قلعہ ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ نظام شاہ کے ہاتھ سے آیا اور آیا قلعہ پھر نکل جانا اُسے بہت ہی شاق اور ایسا ناگوار گزرا کہ اُس نے دانہ پانی چھوڑ دیا اور دل میں ٹھان لی کہ جس طرح بھی بنے اُسے لے کر چھوڑونگا لیکن اکیلا کیا کرسکتا تھا اس نے پھر رام راج سے سلسلہ جنبانی کی اور جو مصالحت اُس میں اور بادشاہ بیجاپور میں چلی آرہی تھی اُس میں کھنڈت ڈالدی اور جمشید قلی قطب شاہ کو اپنے ساتھ شامل کرکے بہ اتفاق خواجہ جہاں دکھنی اور علی برید کے پھر جنگ شروع کی اور قلعۂ شولاپور کا محاصرہ کرلیا۔ جمشید نے شمال و مشرق سے بیجاپور پر چڑھائی کی اور رام راج کا بھائی ونکٹادری جنوب مشرق کی طرف سے رائچور اور مدگل کو لوٹتا تباہ کرتا بڑھا چلا آرہا تھا۔ دو طرفہ حملوں سے ابراہیم شاہ پریشان کیا گھبرا گیا اور گھبرانے کی بات بھی تھی بادشاہ نے ناچار اس اہم مشکل میں اسد خاں سے مشورہ کیا۔ اسد خاں نے بہت صائب رائے دی کہ ہمارا اصل دشمن تو برہان نظام شاہ ہے وہی ان سب کو چڑھا کر لایا ہے پہلے اُس کا انتظام کرنا چاہیئے پھر دوسروں سے بھگت لینا تو آسان کام ہے۔ نظام شاہ کے ہموار کرنے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ جس بات پر نزاع ہے وہ مٹادی جائے یعنی قلعۂ شولاپور کون سا بڑا معاملہ ہے دے کر صلح کرلی جائے۔ رام راج بھی ایک بہت جلیل القدر راجہ ہے اُسے بھی تحفہ تحائف سے ہموار کیا جاسکتا ہے زر بر سر فولاد نہی نرم شود اور پھر رام راج

خود جیونٹیوں بھرا کباب ہے اُسے اپنے آپس کی خانہ جنگیوں سے اتنی فرصت کہاں ہے جو ادھر ہی کا ہو رہے یوں دونوں کو سنبھال لینے کے بعد پھر قطب شاہ اکیلا رہ جاتا ہے اُس سے میں خود سمجھ لوں گا بادشاہ کو اسد خاں کی رائے بہت پسند آئی برہان نظام شاہ کو قلعہ شولا پور دے کر ٹالا اندھا کیا چاہے دو آنکھیں وہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا رہا رام راج اُس کے پاس بیجانگر کو ایک ایلچی معہ تحفہ تحائف کے بھیج کر صلح کر لی۔ اب صرف قطب شاہ اکیلا رہ گیا اس کا مار لینا کون سا بڑا کام تھا اسد خاں لاری نے اُس کو ایسا پس پا کیا کہ ملک تلنگانہ تک بھگایا اور گولکنڈہ تک اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اسد خاں نے پہلے تو قلعہ کاکنی کا محاصرہ کیا اور فتح کر کے اُس کا نشان صفحہ دنیا سے مٹا دیا قطب شاہ معاملہ بے طور دیکھ تلنگانہ کی طرف نکل گیا اسد خاں تعاقب کرتا چلا گیا اور کئی دفعہ قطب شاہیوں کی فوج کو شکست دے کر قلعہ گولکنڈہ کے پاس تک پونہچ گیا۔ قلی قطب شاہ نے جب دیکھا کہ یہہ تو بلا کی طرح چمٹ گیا ہے کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتا اور ہماری دارالسلطنت میں آگھسا اس کا یہہ زور شور ہے تو دل مضبوط کر کے پھر فوج جمع کی اور چار و ناچار آمادہ جنگ ہو گیا اور دونوں میں بہت سخت لڑائی ہوئی مگر اب کی بار بھی جمشید ہی کو شکست ہوئی ؎

سعادت بہ بخشائش داور است	نہ در چنگ بازوے زور آور است
کلید ظفر چوں نیفتد بدست	بیازو در فتح نتوان شکست

کہتے ہیں کہ جس دن جمشید قطب شاہ اور اسد خاں لاری کا مقابلہ ہوا تو دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا کہ ہمارے مقابل کون ہے۔ قضا را اسد خاں کی ایک تلوار جمشید قطب شاہ کے چہرے پر ایسی کاری پڑی کہ توبہ قبول نہ ہوئی اور عمر بھر اس زخم کی وجہ سے چہرے کی سخت بد نمائی کے علاوہ کھانے پینے کی بڑی تکلیف رہی الغرض اسد خاں لاری نے معرکہ جیت لیا اور مظفر و منصور بیجاپور واپس آیا۔

برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کی تیسری لڑائی رود بھیما کے کنارے
پر ۹۵۱ھ ۱۵۴۴ع

احمد نگر اور بیجاپور کی قدیم دشمنی کب ٹھنڈی ہونے والی تھی نظام شاہ نے پھر رام راج کے اغوا سے بیجاپور پر دھاوا کر دیا۔ دریاے بھیما پر ہی

مٹ بھیڑ ہوئی عبور کے تمام راستے مسدود تھے اور مدتوں ابراہیم عادل شاہ پار نہ اُتر سکا آخرکار بنہایت جرأت سے ابراہیم عادل شاہ پار اُترا اور معمولی سی دو تین جھڑپیں ہوئیں چوتھی مرتبہ صبح سے شام تک بڑی سخت خوں ریز جنگ ہوئی اور طرفین کے ہزار ہا آدمی مارے گئے آخرکار ابراہیم عادل شاہ خود میدان جنگ میں آیا اور تین ترکش تیروں کے خالی کئے - ایسی گھمسان لڑائی ہوئی کہ باید و شاید نتیجہ یہہ ہوا کہ لوگ بیزار ہو گئے - کئی کئی بار احمد نگر کی فوج پس پا ہوئی مگر یہہ آخری حملہ اس زور کا ہوا کہ احمد نگر کا لشکر تاب نہ لا سکا رہا سہا بل بوتہ بھی اُن کا نکل گیا اور رسوا سے بھاگنے کے کچھ نہ سدھری - بیجاپور والوں کو بے انتہا غنیمت کا مال ملا - (۱۳۵) زنجیر فیل اور (۱۲۰) توپیں - انواع و اقسام کے مال و اسباب کے علاوہ ماہی مراتب بھی جو سب شکست یافتہ لشکر چھوڑ کر بھاگا تھا دستیاب ہوئے - ابراہیم عادل شاہ اپنی کامیابی پر بنہایت مسرور ہو کر بیجاپور واپس آیا - اس فتح غیبی سے بادشاہ کے مزاج میں نخوت اور تکبر بہت ہو گیا تھا اور ایک دن بحالت نشہ - برہان نظام شاہ کے ایلچیوں کو سخت سست کہہ بیٹھا اور خود برہان نظام شاہ کی نسبت بھی الفاظ ناشائستہ کہا کرتا تھا آخرالامر غصہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر مقربان خاص کو مروا ڈالتا تھا -

ابراہیم عادل شاہ کی معزولی کی سازش اور اُس کا افشا ۹۵۲ھ ۱۵۴۸ء

ابراہیم عادل شاہ فطرتاً بڑا بہادر اور جری تھا اکثر لڑائیوں میں اپنی ذات سے حصہ لیتا تھا اور دست بدست میدان جنگ میں لڑتا تھا اور بالطبع بڑا غصیلا اور تیز مزاج تھا ذرا ذرا سی بات پر سخت سے سخت سزا دینے کا عادی تھا - حلم و مروت و عفو تقصیر کا مادہ اُس میں باقی نہ تھا - بات بات پر قید اور قتل - درگزر کسی سے کرتا نہ تھا لوگ ان ناجائز سختیوں کی برداشت کی تاب نہ لا سکے اور بادشاہ کی معزولی اور شاہزادہ عبداللہ کو تخت پر بٹھانے کی خفیہ سازش کرنے لگے لیکن ابھی پوری طرح کچھ بندوبست بھی نہ ہونے پایا تھا کہ بادشاہ کے جاسوسوں نے خبر دے دی پھر کیا تھا بادشاہ نے ایک دم ایک سو دس امراء کی گردنیں اُڑوا دیں جس میں ہندو مسلمان دونوں ہی تھے اسی میں ضمناً اسد خاں بھی آٹے کے ساتھ گھن کی طرح پس گیا وہ بھی معتوب ہو کر بلگام کو بھیج دیا گیا اور اُس کے متعلقین کو بیجاپور میں قید کر دیا - غرض جس کی نسبت ذرا بھی شبہ ہوا بس

اُس کا خاتمہ کر دیا۔

شاہزادۂ عبداللہ کا بیجاپور سے فرار ہو کر گوآ میں پناہ لینا ۹۵۲ھ ۱۵۴۸ء

شاہزادہ عبداللہ اِن ہی لوگوں کے برتے پر کودتا تھا جب اُس نے دیکھا کہ قتل عام شروع ہوا اور اُس کے ممد و معاون ایک ایک کر کے تہ تیغ کئے گئے تو ایسا نہ ہو کہ میں بھی دھر لیا جاؤں ناچار بیک بینی و دوگوش بھاگا اور گوے میں جا کر دم لیا اور عیسائیوں کی پناہ میں جا چھپا۔ پرتگالیوں نے اُسے سر آنکھوں پر لیا لیکن ابراہیم عادل شاہ نے ڈی سوزا گورنر پرتگال کو لکھا تم عبداللہ کو کسی ایسے مقام پر بھجوا دو جہاں سے وہ بیجاپور کی سلطنت کے امن میں خلل نہ ڈال سکے تو ہم تم کو کچھ ملک دے دیں گے۔ ڈی سوزا نے یہ بات منظور کی اور اسی کے صلے میں جزائر سالسٹ اور بارڈس پرتگالیوں کو مل گئے علاوہ اِس کے اسد خاں کا بے شمار جمع کیا ہوا خزانہ بھی جو بلگاؤں میں تھا گورنر کو بطور ذاتی تحفے کے دیا گیا گورنر گوآ سارا خزانہ ڈکار گیا جب شاہزادہ عبداللہ کو چند روز کے لئے کنانور لے گیا لیکن پھر گوآ واپس لے آیا اور جب دوسرے سال ڈی کاسٹر گورنر مقرر ہوا تو اُس نے عبداللہ کی تحویل سے بالکل انکار کر دیا۔

ابراہیم عادل شاہ اور گورنر گوآ کا صلح نامہ ۱۵۴۷ء

اس چال بازی سے بادشاہ بیجاپور کو ایک بڑی بھاری مشکل پڑ گئی۔ فروری ۱۵۴۷ء میں ابراہیم عادل شاہ نے پرتگالیوں سے ایک صلح نامہ جس میں من جملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ دکن یا علاقہ نظام شاہ یا رایان بیجانگر کا کوئی شخص شاہزادہ عبداللہ یا اُس کے خاندان سے اُس وقت تک کوئی تعلق یا معاملت نہ رکھے جب تک کہ ہمارا ایلچی جو ہم بادشاہ پرتگال کے پاس بھیجنے والے ہیں کچھ جواب لے کر واپس نہ آجائے لیکن پرتگالیوں نے اِس صلح نامے پر کچھ بھی عمل نہ کیا تب ابراہیم عادل شاہ نے ۱۵۴۷ء میں جزائر سالسٹ اور برڈاس پر فوج کشی کی لیکن پرتگالیوں کے ہاتھ سے شکست پائی۔

برہان نظام شاہ بحری اور رام راج کی لڑائی ابراہیم عادل شاہ سے ۹۵۹ھ ۱۵۵۱ء

برہان نظام شاہ نے اس زمانے میں رام راج کے پاس کچھ تحائف بھجوائے تھے۔ ابراہیم عادل شاہ نے جب یہ خبر سنی تو برافروختہ ہو کر

بیجاپور میں جو ایلچی بیجانگر کے تھے اُن کی ایسی تذلیل کی کہ وہاں سے بھاگ کر بھاگے۔ رام راج کو اپنے ایلچیوں کے ساتھ بدسلوکی سخت ناگوار ہوئی اُس نے نظام شاہ کو بھڑکا کر ابراہیم عادل شاہ پر چڑھائی کرا دی اور قلعۂ کلیانی پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ بیجاپور نے اس کے معاوضہ میں قلعہ پینڈہ دبا لیا۔ برہان نظام شاہ اور رام راج دونوں ایک ہو گئے اور ۱۵۵۱ء میں رائچور کے قریب ملے اور رائچور اور مدگل لینے کا ارادہ کر لیا اس منصوبے سے کہ بعد میں شولاپور بھی لے لیں گے چنانچہ ایک عرصہ تک محاصرہ کرنے کے بعد قلعۂ رائچور فتح کر لیا اہالی قلعۂ مدگل کو جب رائچور فتح ہو جانے کی خبر ملی تو اُنھوں نے قلعۂ مدگل کی کنجیاں خود بخود رام راج کے پاس بھیج دیں اور اس طرح یہ دونوں مقام ہندوؤں کے قبضے میں آ گئے اور رام راج بیجانگر واپس چلا گیا اور اپنے چھوٹے بھائی وینکٹادری کے ساتھ ایک بڑا لشکر برہان نظام شاہ کی امداد کو دیا اور دونوں نے مل کر قلعۂ بیجاپور پر ایسی سخت گولہ باری کی کہ مسمار کر دیا اور فتح کر لیا۔ ۱۵۵۳ء میں برہان نظام شاہ کا انتقال ہو گیا اور حسین نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ دونوں مسلمان بادشاہوں میں اس وقت تو مصالحت ہو گئی لیکن حسد اور سازش کا بازار گرم تھا یہ اتحاد تھوڑے ہی دنوں بعد ٹوٹ گیا۔ اسی زمانے میں خواجہ جہاں دکھنی کی سلسلہ جنبانی سے جو برہان نظام شاہ کے خوف سے بھاگ کر بیجاپور آ گیا تھا ابراہیم عادل شاہ کو پھر قلعۂ شولاپور کے لینے کی فکر ہوئی اس حصول مدعا کے لئے رام راج سے دوستی گانٹھ لی۔ سیف عین الملک سپہ سالار برہان نظام شاہ کو مواعید دل فریب دے کر برار سے بلوا کر اسد خاں لاری کی جگہ مقرر کیا اور خطاب سیف الدولہ القاہرہ عضد السلطنۃ الباہرہ امیر الامرا السیف عین الملک" کا دیا۔

اب قلعۂ شولاپور چھڑانے کے لئے ابراہیم عادل شاہ اور حسین نظام شاہ میں ایک سخت لڑائی شولاپور پر ہوئی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ابراہیم عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی لڑائی شولاپور پر ۹۵۹ھ - ۱۵۵۲ء

حسین نظام شاہ بحری نے لشکر خاصہ اور ہاتھی جس کا نام مست تھا سے کر عین الملک پر حملہ کیا جس میں بہت سے لوگ طرفین کے مارے گئے اور قریب تھا کہ نظام شاہ کی فوج پسپا ہو کہ ناگاہ بعض امرائے نظام شاہی مانند رستم خاں دکنی و جہانگیر خاں حبشی و غضنفر خاں شیرازی کے جو میسرہ

ابراہیم عادل شاہ سے جنگ کرکے شکست پا چکے تھے اُنھوں نے جب نظام شاہ کا جھنڈا اپنی مقررہ جگہ پر نہ دیکھا تو گھبرا کر اپنے بادشاہ کی مدد کو آن پہنچے جب عین الملک نے دیکھا کہ نظام شاہی فوج تو آگئی مگر ہماری طرف سے کسی نے خبر بھی نہ لی اب ضرور شکست ہو جائے گی تو عین الملک اپنی عادت کے موافق گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور میدان جنگ میں پا بپیادہ کھڑا ہو گیا اُس کی عادت تھی کہ جب دیکھتا تھا کہ اب خیر نہیں ہے تو فوراً گھوڑے سے اُتر کر پا بپیادہ ہو جاتا تھا کہ لوگ سمجھ جائیں کہ معاملہ نازک ہے اب یا جان جائے یا فتح ہو۔ ایک کوتاہ نظر نے جا کر بادشاہ سے آگ لگا دی کہ ہم نے دیکھا کہ عین معرکہ جنگ میں عین الملک گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور حسین نظام شاہ کو جو اُس کا قدیم دوست ہے اُس سے پان کا بیڑا لیا اس غرض سے کہ آپ کو پکڑ کے اُس کے حوالے کردے۔ ابراہیم عادل شاہ نے نہ تحقیقات کی نہ دریافت کیا یہ سنتے ہی گھبرا کر بیجاپور بھاگ گیا۔ عین الملک لڑائی میں مصروف تھا اور قریب تھا کہ فتح کرے اتنے میں بادشاہ کے یکایک چلے جانے کی خبر مشہور ہوئی مجبوراً عین الملک نے بھی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ عین الملک کے بھانجے صلابت خاں کو اس جنگ میں کئی سخت زخم لگے تھے جس کی وجہ سے وہ گھوڑے پر سے گر پڑا تھا اُس کی مرہم پٹی کرکے عین الملک ویسے ہی بادشاہ کے پیچھے دوڑا کہ بادشاہ کو بیجاپور جانے سے منع کرے لیکن جوں ہی بادشاہ نے عین الملک کے علم کا نشان دیکھا وہ سمجھا کہ مجھے پکڑنے آرہا ہے پھر ایسا بھاگا کہ بیجاپور جا کر دم لیا۔ عین الملک بعد میں بیجاپور پہنچا اور ایک معتمد کے ذریعہ سے عرض کرایا کہ میں اپنا مال و اسباب سب چھوڑ کر تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر صرف ایک قمچی کے ساتھ حاضر ہوا ہوں میرے پاس خیمہ و خواب گاہ نہیں ہے اگر خزانہ عامرہ سے تھوڑی سی رقم خانہ زاد کو سرفراز ہو جائے تو عین پرورش ہے۔ بادشاہ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ شکست صرف عین الملک کے سبب سے ہوئی ہے جواب دیا کہ "ہم کو تمھارے جیسے بے اعتدال نوکر کی ضرورت نہیں ہے جہاں جا ہو چلے جاؤ" عین الملک نے کچھ قصور نہیں کیا تھا یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا پھر کہلا بھیجا کہ میں حضرت کا سچا اور مخلص جاں نثار خدمت گزار ہوں قریب چھ سو عزیز و قریب اور دوسرے ہم قوم اس لڑائی میں مارے گئے ہیں اور مال و اسباب سب لٹ گیا ہے ایسی حالت میں میں کہاں

جا سکتا ہوں۔ ؎

جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

ایسی حالت میں آپ مالک ہیں درِ دولت سے ٹل نہیں سکتا" اس پیغام سے جو سراسر نمک حلالی کا تھا بادشاہ کو عین الملک کی متمرّدی کا مظنہ ہوا اور غصے ہو کر حکم دیا کہ "جو شخص یہ پیغام لایا ہے اُسے طمانچہ مار کر نکال دو"

عین الملک کی بغاوت اور ابراہیم عادل شاہ سے لڑائیاں

جب عین الملک مایوس ہو گیا تو اُس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا اُنھوں نے کہا کہ اب اس وقت تو کوئی موقع پھر عرض معروض کرنے کا باقی نہیں رہا۔ عین الملک نے خیال کیا کہ مصلحت یہی ہے کہ اس وقت یہاں سے ٹل کریں اپنی جاگیر "مان" کو چلا جاؤں اور وہاں سے قسط فصل خریف وصول کر کے اپنا سامان کروں اور جدھر مُنہ اُٹھے چلا جاؤں۔ بادشاہ نے جب عین الملک کے چلے جانے کی خبر سنی تو پانچ ہزار سواروں کا لشکر ایک امیر کے ساتھ بھیج دیا اور حکم دیا کہ عین الملک کو ہماری مملکت سے نکال دو۔ صلابت خاں نے بلا اجازت عین الملک لشکر کا مقابلہ کیا اور شکست دی اور قسط ربیع کے وصول کے لئے اور ٹھیر کر اطراف و جوانب کے مقامات مرج وکلّیر وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ نے دوبارہ دس ہزار فوج بہ سرکردگی دلاور خاں حبشی بھجوائی اور نواح کلبرگہ میں عین الملک اور صلابت خاں نے اپنی فوج آراستہ کر کے مقابلہ کیا اس میں دلاور خاں کے سر اور چہرے پر بھاری زخم آئے اور شکست پا کر بھاگا چار کوس تک عین الملک کی فوج نے اُس کا تعاقب کیا اور اس قدر مال اور اسباب اور ہاتھی گھوڑے اور اونٹ ملے کہ عین الملک کو اور تقویت ہو گئی اور اُس نے زیادہ فوج اور توپ خانہ بھی جمع کر لیا تیسری بار ابراہیم عادل شاہ خود پچیس ہزار سوار اور توپ خانے لے کر "مان" پر جا پونچا عین الملک نے پہلے ہی بہت سی فوج جمع کر لی تھی۔ تین دن تک برابر اپنی فوج کو روز درست کرتا تھا اور میدان جنگ میں آنے کا غلغلہ اُٹھا دیتا تھا مگر آیا ایک دن بھی نہیں۔ ابراہیم عادل شاہ کی فوج اس کے انتظار میں دن دن بھر گھوڑوں پر مسلّح سوار رہتی تھی اور شام کو ویسے ہی پلٹ جاتی تھی۔ چوتھے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ عین الملک نے اپنے لشکر کی صف بندی کی اور ہر چند

قراولوں نے کہا کہ عین الملک آیا ہی چاہتا ہی مگر کسی نے نہ سنا اور سمجھے کہ وہ تو ہر روز اسی طرح جُل دیا کرتا ہی آتا ہی نہ آوتا ہی ناحق ہم کو حیران کرتا ہی - اسی خیال سے کسی نے نہ ہتیار لگائے نہ گھوڑوں پر سوار ہوئے کہ ناگاہ عین الملک کا لشکر میدانِ جنگ میں آن ہی پونچا - بادشاہی لشکر بے خبر پڑا تھا کوئی ٹلیّا نہ تھا ناچار بادشاہ خود عین الملک کے مقابلے کو گیا - عین الملک دو بدو بادشاہ سے لڑنے سے ہچکچایا اور سب نے صلاح دی کہ چتر شاہی سے لڑنا مناسب نہیں ہی - مرتضیٰ خاں انجو ایک سیّد پُرغرور تھا جس کا عین الملک بہت معتقد تھا اُس نے کہا کہ "چتر تھوڑا ہی جنگ کرتا ہی اب ملاحظہ کس بات کا ہی" عین الملک اسے فال نیک سمجھا اور پانچ ہزار سوار لے کر اپنے گھوڑے کو تیز کیا اور جہاں کہ شاہی چتر تھا اُسی حصے پر جا پڑا - خاصہ شاہی کی فوج اُس کے حملے کی تاب نہ لاکر بھاگی بادشاہ بھی بھاگا اور بیجاپور کے قلعے میں جاکر چھپ گیا - چتر و فیل شاہی اور توپ خانہ اور تمام اثاثہ شاہی عین الملک کے ہاتھ لگا اور عین الملک نے بیجاپور سے دو کوس کے فاصلے پر موضع تورَوہ میں اپنا لشکر ڈال دیا اور قلعے کی رسد بند کر دی اب عادل شاہ کو سوائے راجہ بیجانگر سے مدد طلب کرنے کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی - بادشاہ نے راجہ کے پاس سات لاکھ ہن بھیج کر استمداد چاہی -

عین الملک اور ونکٹادری کی لڑائی

رام راج نے (جو درحقیقت سیاہ و سفید کا مالک تھا کیوں کہ راجہ کو تو اُس نے برائے نمود بٹھلا کر رکھا تھا) اپنے بھائی ونکٹادری کو غنیم کی مدافعت کے لئے ایک بڑا بھاری لشکر دے کر بیجاپور[۵] روانہ کیا - عین الملک نے اسد خاں کی چال اختیار کی اور چاہا کہ ہندوؤں پر یکایک حملہ کر کے گھبرا دے لیکن ونکٹادری کو اس بات کی خبر لگ گئی تھی اُس نے اپنی فوج کو چوکنّا کر دیا اور بڑی بڑی لمبی مشعلیں بنوائیں اور حکم دیا کہ جونہی دشمن کے اس طرف بڑھنے کی خبر پونچے ایک دم ان سب کو روشن کر دیا جاوے اور جہاں تک ممکن ہو ان کو بلند کیا جاوے تاکہ ہماری فوج کو دشمن کی فوج اچھی طرح

[۵] سنہ ۱۵۵۸ء سنیا ربولیس کو حال میں بہ مقام لسبن سرکاری محافظ خانے میں جو ملاری ٹی ٹومبو میں ہی ایک تاریخی کاغذ دستیاب ہوا ہی جس میں لکھا ہی کہ راجہ بیجانگر نے ابراہیم عادل شاہ کو عین الملک اور شہزادے عبداللہ کے مقابلے کے لئے سات لاکھ پرڈاس (سکّہ) لے کر امداد دی تھی ۱۲-

نظر آئے۔ ایک رات عین الملک اپنے ساتھ صلابت خاں کو لے کر دو ہزار فوج کے ساتھ ہندوؤں کے کیمپ میں جا گھسا اور کسی نے اُس کی مزاحمت نہ کی۔ اشارہ پاتے ہی ایک دم مشعلیں روشن کر دی گئیں اور ونکٹادری جو اپنی فوج کے ساتھ ہر طرح سے طیار بیٹھا تھا مسلمانوں کے لشکر سے مقابلہ کرنے لگا۔ چوں کہ مسلمان بے روک ٹوک گھس پڑے تھے وہ سمجھے کہ اب میدان مار لیا لیکن انجام یہ ہوا کہ پانسو آدمی مسلمانوں کے مارے گئے عین الملک اور صلابت خاں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگے لیکن اندھیرے میں راستہ بھول کر جنگل میں بھٹک گئے۔ فوج میں سے جو لوگ بھاگ کر آگئے تھے اُنھوں نے سمجھا کہ یہ لوگ مارے گئے اور اس خبر سے ایک ہل چل پڑ گئی اور ساری فوج منتشر ہو کر جدھر سینگ سمائے بھاگ گئی۔

عین الملک اور صلابت خان کا حسین نظام شاہ کے پاس جانا اور مارا جانا ۱۵۶۴ء

عین الملک اور صلابت خاں معہ دو سو سواروں کے صبح ہوتے ہوتے اپنے کیمپ میں پونچے تو دیکھا کہ وہاں ایک چڑیا بھی نہ تھی۔ یہ دونوں گھبرا کر وہاں کے رستے سے حسین نظام شاہ کی سلطنت میں پناہ لینے کو بھاگے لیکن حسین نظام شاہ نے دھوکے سے ان دونوں کو مروا ڈالا۔ شاہزادہ عبداللہ ابھی تک گواہی کے علاقے میں

سلطنہ ۔ اب عین الملک کا ٹھکانا مملکت عادل شاہی میں کہاں باقی تھا ناچار حسین نظام شاہ کی طرف رخ کیا۔ نظام شاہ عین الملک سے دل میں کدورت رکھتا تھا مگر بہ ظاہر اس کے آنے کی خوشیاں منا رہا تھا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ دیکھو اب ہمارا طالع بھی چمکا کہ عین الملک نے پھر اس طرف رخ کیا آخر اُسے حقوق سابقہ کا خیال آیا اور پھر اُس کی خواہش ہے کہ ہماری سلک امرا میں شریک ہو۔ نظام شاہ نے فوراً حکیم قاسم بیگ کو (جو محرم اسرار شاہی تھا اور اُس سے بڑا اور کوئی اِس سلطنت میں رئیس نہ تھا) عین الملک کے استقبال کو بھجوایا اور لکھوا بھیجا کہ "ہماری دلی محبت تم کو ہماری طرف کھینچ لائی ہے۔ صرف تقدیری بات تھی کہ تم چند روز کے لئے ہم سے جدا رہے لیکن اب ہمیں اُن باتوں کا خیال بھی نہیں ہے۔ ہماری عنایات و اشفاق کو تم اپنے اندازے سے زیادہ سمجھو اور بہ اطمینان تمام ہمارے حضور میں حاضر ہو جاؤ کہ بعطائے قدیمی مناصب و جاگیرات تم کو اقران و امثال میں معزز و ممتاز کیا جائے۔ تمھارے اطمینان کے لئے ہم نے قول نامہ اور زنگیر (بالکسر چیزے مانندِ انگشتری باشد کہ از شاخ

سلطنت بیجاپور کے خواب دیکھ رہا تھا اُس نے بیجاپور کی خانہ جنگیاں دیکھ کر گوآ کے جدید وائسرائے پڈرو ڈی میسکرن ہاس (Pedro de Mascarenhes) کو طمع دلائی کہ اگر تمھاری کوشش سے میں بیجاپور کا بادشاہ ہو جاؤں گا تو تمھارے ساتھ بہت کچھ سلوک کروں گا۔ ان لمبے چوڑے وعدوں سے وائسرائے کی رال ٹپک پڑی۔ وائسرائے نے کیا کام کیا کہ ۱۵۵۵ء میں عبداللہ کو پونڈا میں ہی تخت پر بٹھلا کر اُس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لیکن اسی سال وائسرائے مذکور مر گیا۔ فرنسسکو برٹیو (Francisc. Barreto)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰ – حیوان و استخوان وغیرہ سازند بہ قوت تیراندازی درقہ را شگافتند – از برہان) رومال خاصے میں لپیٹ کر بھیج دیا ہی چاہیئے کہ حکیم قاسم بیگ کے ساتھ جو ہمارا محرم بزم اختصاص و مصاحب مجلس خاص ہی چلے آؤ اور دیر نہ لگاؤ" عین الملک نے دو شرطوں سے پیغام شاہی قبول کیا – اول یہ کہ بادشاہ خود قلعۂ احمدنگر سے میرے استقبال کو آئے دوسری یہ کہ ملاقات کے دن قاسم بیگ میرے لشکر میں بطور یرغمال رہے – قاسم بیگ نے دونوں باتیں قبول کر لیں عین الملک دو ہزار سواروں کے ساتھ احمدنگر کی طرف روانہ ہوا اور دو کوس ادھر ٹھیر گیا – قاسم بیگ نے کہا کہ اب مجھے اجازت دیجیے کہ میں احمدنگر جا کر بادشاہ سے آپ کی ملاقات کا بندوبست کر کے پھر واپس آ کر آپ کے لشکر میں بطور رہن ٹھیر جاؤں تب آپ بادشاہ کی ملاقات کو شوق سے تشریف لے جائیں – قاسم بیگ کو اپنے بادشاہ کی مجلس کا حال بخوبی معلوم تھا کہ وہاں کی بات کا کچھ ٹھکانا نہیں گھڑی کچھ گھڑی کچھ سیدھا اپنے گھر گیا اور بھلاوین کا تیل اپنے سر اور چہرے پر مل لیا اور بیماری کا بہانہ کر کے پڑ گیا – بادشاہ نے اپنے چند معتبرین کے ساتھ اطعمۂ شربت و تحفہ عین الملک کے پاس بھجوائے اور جو وقت ملاقات کے لیئے ٹھیرایا تھا وہ بھی کہلا بھیجا اور یہ کہ قاسم بیگ بیمار ہو گیا ہے اس وجہ سے وہ نہیں آ سکتا اُس کے انتظار کی کچھ ضرورت نہیں ہے تم جلد چلے آؤ میں بھی تمھارے استقبال کو سوار ہوتا ہوں – عین الملک نے اپنے معتمدوں کے ذریعے سے قاسم بیگ کو دیکھوایا اُس کو دیکھنے تو واقعی سارا منہ سوجا ہوا تھا اور اُن لوگوں نے یہ بھی آن کر کہا کہ بادشاہ پیشوائی کے لیئے سوار ہو چکا ہے – عین الملک کے غلام قبول خاں نے بہت منع کیا اور عرض کیا کہ قاسم بیگ نے بیماری کا بہانہ کیا ہی اور مجھے اس میں کھٹکا ہی عین الملک بہت سٹپٹایا مگر اب پلٹ کیسے سکتا تھا صلابت خاں اور چند لوگوں کو ساتھ لے بادل ناخواستہ روانہ ہوا – جب قریب نبکاپور کے پہنچا تو دیکھا کہ بادشاہ ایک گھوڑے پر سوار کھلے میدان میں کھڑا ہی اور

بطور گورنر اُس کا جانشین مقرر ہوا اُس نے عبداللہ کی طرف سے ملک کا محاصل وصول کرنا شروع کیا لیکن ابراہیم عادل شاہ کا ایک سردار سات ہزار فوج لے کر مالغ و مزاحم ہوا اور مقابلے کو آن موجود ہوا اور کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ابراہیم عادل شاہ بھی بے کار نہیں بیٹھا تھا اُس نے سداسیو راجہ بیجانگر سے اور پندرہ ہزار فوج کی مدد لی اور شہزادہ عبداللہ کو جس نے ہل چل مچا دی تھی تخت سے اُتار کر گرفتار کر لیا اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ کئی حملے پرتگالیوں پر بھی کئے۔ ۱۵۵۶ء کے سارے جاڑے کے موسم میں یہ لڑائیاں جاری رہیں لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا۔ سالِ مابعد میں بیجاپور سے تازہ دم فوج مدد کو آن پہونچی اور جزائر سالسٹ اور بارڈس پر حملہ کیا لیکن بہ مقام پانڈا شکست کھائی اور اس کے بعد چند روز کے لئے جنگ موقوف رہی۔

ابراہیم عادل شاہ کا اسد خاں لاری کے پاس بلگاؤں جانا ۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء

اسد خاں لاری اپنی جاگیر بلگاؤں میں چلا گیا تھا اُس کا جانا تھا کہ دشمنوں نے بساط اُلٹ دی اور بادشاہ کو اپنے پُرانے معتمد اور خیر خواہِ ملک کی نسبت پھر بدگمانی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱ - دونوں طرف ہاتھیوں کی لمبی قطاریں جمی ہوئی ہیں۔ چند لوگ بادشاہ کی طرف سے آگے آکر جہانگیر خاں اور عین الملک کو اُن قطاروں کے اندر سوار شدہ لے آئے پیچھے سے اور چند لوگ آکر کہنے لگے کہ بلحاظ آداب شاہی مناسب یہ ہے کہ آپ پیدل ہوئیں عین الملک سمجھا تھا کہ بہ حالت سواری ہی ملاقات ہو جائے گی لیکن یہ لوگ اصرار کرنے لگے۔ عین الملک کو بہت شاق گزرا لیکن اُس وقت کچھ بن نہ پڑا ناچار دونوں اُتر گئے اور آگے بڑھ کر بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دینا چاہتے تھے لیکن وہاں تک پونہچنے بھی نہ پائے تھے کہ حکم ہوا کہ دونوں ہمارے ہاتھیوں پر سوار ہو جاؤ۔ ہاتھیوں پر سوار ہوتے ہی نظام شاہ نے سمجھا کہ اب کیا تھا شکار قابو میں آگیا خدا جانے بادشاہ نے فیلبانوں سے کیا کہہ رکھا تھا کہ جب قریب نبکاپور کے پونہچے کہ ہاتھی بانوں نے دونوں کے گلے گھونٹ کر اُن کا کام تمام کر دیا اور دونوں کی نعشیں ہاتھیوں پر سے نیچے گرا دیں۔ نظام شاہ نے اَن جان ہو کر کہا کہ او ہو ڈر کے مارے دونوں کا دم نکل گیا اور اِن دونوں کو وہیں نبکاپور میں دفن کر دیا۔ لیکن بیجاپور سے دو میل کے فاصلے پر جانب مشرق موضع عینہ پور میں عین الملک کا بہت بلند اور عالی شان مقبرہ اب تک موجود ہے اس کی کُرسی بہت بلند ہے اور قبہ بے حد سڈول اور خوب صورت ہے مقبرے کے اندر نہایت خوش خط کلام مجید کی آیتیں بخط طغریٰ گچ میں منقش ہیں جو جا بجا سے جھڑ بھی گئی ہیں۔

پیدا کرادی۔ بادشاہ نے دار السلطنت بیجاپور میں جتنے اسد خاں کے وابستہ لوگ اور ملازمین تھے سب کو قید
کردیا۔ چند روز کے بعد اسد خاں نے ایک معروضہ حسب ذیل لکھ کر مع نو راس اسپ تازی
و نو زنجیر فیل کوہ پیکر اور چند نفیس تحائف بادشاہ کی خدمت میں گزرانا۔

سلیماں سریرا سکندر مسند فریدوں حشمتا۔

چہ شد چہ شد کہ بہ نیساں رسیدۂ از من — چہ کردہ ام چہ شنیدی چہ دیدۂ از من
اگر گناہے کردہ ام اینک سر و تیغ و کفن — ورنہ بے موجب نشاید دوست آزردن بمن

ہرچند ازیں معنی کہ ارباب غرض بر دامن ایں فدوی درگاہ چہ الزام بستہ اند خبر ندارم۔ چوں گرگ یوسف
بے گناہ و ہم در ہمہ حال افسوس و تاسف بر مآل و حال ولی نعمت می نمایم ؎

بیک ماہ بہ تحفہ و پیشکش — بیایم بدان بارگاہ شاد و خوش
بیایم بہ بندم بخدمت کمر — نہم چوں قلم بر خط شاہ سر

ابراہیم عادل شاہ نے اسد خاں لاری کا قصور معاف فرمایا اور فوراً اس کے اہل و عیال کو
قید سے چھوڑ کر بلگاؤں روانہ کردیا۔ ان ہی دنوں اسد خاں کی طبیعت ناساز ہوگئی اور روز بروز
حالت ردی ہوتی گئی اس کو اپنی موت کا یقین ہوگیا پھر ایک دوسرا عریضہ بہ اظہار آرزوے
قدم بوسی و ادراک شرف حضوری لکھا جس میں یہ بیت تھی ؎

چو سرو ناز قدم رنجہ کن بدیں گلزار — چو باد صبح گزر کن بدیں حدیقۂ انس

بادشاہ نے جب حال پر ملال اسد خاں کا پڑھا فرط محبت سے اس کے آنسو نکل پڑے اور
اور اسی وقت بلگاؤں کا قصد کیا اور دو دو منزل ایک ایک دن میں طے کر کے جوں ہی بلگاؤں
کے قریب پونچا تو اسد خاں کی وفات کا حال سن کر از بس ملول و غمگین ہوا اور بہ حسرت تمام و
تاسف مالا کلام شب کے وقت بلگاؤں پونچا اور اسد خاں کے گھر والوں خصوصاً اس کے
بیٹوں سے اظہار تعزیت فرما کر سب کو انواع و اقسام خلعتوں سے سرفراز فرمایا۔ اسد خاں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲ – مقبرے کے اندر قبریں بھی ہیں اس مقبرے کے بائیں طرف ایک خوب صورت سی مسجد
بھی ہے عین الملک ۹۵۳ھ م ۱۵۵۶ء میں دنیا سے رخصت ہوا بقول فرشتہ بنکاپور میں دفن ہے۔ ممکن ہے کہ مقبرہ
اس نے اپنی زندگی میں بنوایا ہو لیکن اس میں مدفون نہ ہو – ۱۲ –

جملہ جواہرات میں سے صرف تین سو ہاتھی اور چار سو گھوڑے داخل سرکار کرلئے باقی اثاثہ اور نقدیات واجناس سب اوس کے فرزندوں کو دے دلا کر واپس آیا۔ اسد خاں کی عمر سو سال سے متجاوز تھی اور برابر بینتالیس سال بادشاہ کی خدمت میں رہا اور نہایت راست بازی خیر خواہی اور نیک نامی سے اپنی زندگی بسر کر کے ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء میں اس دار فانی سے دار جاودانی کو کوچ کیا اور بلگاؤں ہی میں اُس مقبرے میں آسودہ ہے جو اُس نے پہلے سے بنوا رکھا تھا۔ اب بھی اُس کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے اللھم اغفر لہ۔ کہتے ہیں کہ سو بکرے اور دو سو مرغ خاصہ کے لئے روزانہ کٹتے تھے۔

اسد خاں کے کچھ اور حالات اسد خاں لاری ایسا مدبر اور پالٹیشن تھا کہ دراصل اُس کے کارنامے اس قابل ہیں کہ ہم اُس کی لیف جداگانہ لکھیں مگر بخوف طوالت علی سبیل الاختصار ذکر کرتے ہیں کہ وہ امراے عظام دو زمانہ کرام میں نیک مختصر اور فرخ سیر حمیدہ خصائل اور پسندیدہ شمائل تھا شجاعت اور سخاوت میں نظیر نہ رکھتا تھا۔ تدابیر ملکی اُس کے بے مثل اور مشکل ترین معاملات کی عقدہ کشائی ناخن تدبیر سے عمدہ ترین پیرایہ میں کرتا تھا۔ تیر اقبال اُس کا ایسے عروج کمال پر تھا کہ کبھی اُس کی تدبیر اُلٹی نہ پڑی۔ کامیابی اور ظفر اُس کے قدموں سے لگی پڑی تھی۔ جو کام کرتا تھا کیسا بھی مشکل ہو اُس کی خوش اقبالی اور نیک نیتی سے راست آتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب تک اُس کا مزار مبارک مثل اولیاے کرام کے زیارت گاہ خاص و عام ہے مجاورین موجود ہیں اعراس وفاتحہ خوانی عود وگل نذر و نیاز سب ہی کچھ برابر ہوتا ہے۔ مسلمان اور ہنود دونوں یکساں اُس کے معتقد ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرٌ ؁

یک دن عنایت تو ای بندہ نواز   بہتر ز ہزار سالہ تسبیح و نماز

اس میں شک نہیں کہ تاریخ بیجاپور میں اسد خاں کا نام نامی زریں حروف سے لکھا ہوا ہے۔ اس کے کارنامے مٹ نہیں سکتے۔ اس سے بڑھ کر دوسرا یا اقتدار اور کوئی عہدہ دار نہ تھا اور نیک نامی کا سہرا ہمیشہ اُس کے سر رہا حسن عقیدت اور عام درجہ مقبولیت اس درجے بڑھ گیا تھا اُس کی وفات کے بعد لوگ اُسے ولی ماننے لگے۔

ابراہیم عادل شاہ کا کیرکٹر اگرچہ ابراہیم عادل شاہ کی طبیعت غیور اور تند خو تھی اور وہ ذرا سی بات میں بھڑک اُٹھتا تھا اور ذرا سے قصور پر بڑی سزا دے دیتا تھا اور عفو و درگزر کا مادہ اُس میں نہ تھا مگر فوج کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اور فوجی لوگوں سے بہ حسن سلوک و ملینت پیش آتا تھا اور رعیت و سپاہ پروری میں بے مثل تھا اس کے علاوہ علماء و فضلاء کی بہت بڑی جگہہ اُس کے دل میں تھی اور علم دوست ہونے کی وجہ سے ایسے لوگوں کی تعظیم و تکریم کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ بادشاہ عیش پسند بھی تھا بیشتر حرم محترم میں رہ کر عیش و نشاط میں مصروف رہتا تھا۔

ابراہیم عادل شاہ کی اولاد بادشاہ کے چار فرزند ارجمند۔ اسمعیل۔ علی۔ طہماسب اور احمد تھے اور دو صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک تانی بی بی کی شادی علی بریدسے ہوئی تھی اور دوسری ہدیہ سلطان کی شادی مرتضی نظام شاہ بحری سے ہوئی چاروں صاحبزادے اپنے باپ سے تربیت پاتے تھے۔ بڑے لڑکے اسمعیل کی طرف توجہ زیادہ تھی اور اُسی کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ بعض وقت بطور امتحان کسی مہم کے متعلق اِن کی رائے بھی دریافت کرتا تھا لیکن جب دیکھتا تو یہی معلوم ہوتا کہ اسمعیل کی طبیعت مٹھی تھی اور علی کی نہایت رسا۔ یہ بات بادشاہ کی مرضی کے خلاف تھی اور علی کی جودت طبع اور رائے صائب دیکھ کر بعض وقت تعریضاً کہا بھی کرتا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تو ہی ولی عہد ہوگا اور اس بےچارے کو جسے خدا داد لیاقت تھی ہمیشہ بُری نگاہ سے دیکھتا تھا اور جب بادشاہ نے دیکھ لیا کہ علی کے سامنے اسمعیل کا چراغ نہیں جل سکتا اور ناحق ہر بات میں اسمعیل کو ذلت ہوتی ہے تو علی کو جب کہ وہ صرف سات سال کی عمر کا تھا قلعہ مبارک باد عرف مرتضی باد میں لے جا کر قید کر دیا کہ نہ وہ رہے گا نہ یہ راز طشت از بام ہوگا۔

ابراہیم عادل شاہ کی بیماری اور موت ۹۶۵ھ ۱۵۵۷ع ابراہیم عادل شاہ آخر حصہ عمر میں مختلف مزمن امراض تپ و دوران سر و ضیق النفس و بواسیر میں مبتلا ہوگیا اور پورے دو سال فرش پر رہا۔ کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ ع ۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔ جب بادشاہ مرض سے تنگ آگیا تو جھلا کر اُس نے اپنے

معالجوں کی ناکامی پر اُن کو سخت سخت سزائیں دیں بعض کو مروا دیا بعض کو جلا وطن کر دیا۔ عطاروں نے ڈر کے مارے دواؤں کی دکانیں بند کر دیں اور یہاں تک اس کی ہیبت دلوں میں بیٹھ گئی کہ ڈر کے مارے کوئی نہ پھٹکتا تھا اسی طرح گھل گھل کر سنہ ۹۶۵ھ ۱۵۵۷ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔ تاریخ وفات "شاہ خوباں ہے"۔ نعش کو جنازہ بڑے تزک واحتشام سے پونہچایا گیا اور احاطۂ شیخ جنید حیدری میں اپنے آباؤ اجداد کے پاس مدفون ہے۔ زمان سلطنت ۲۴ سال ہے۔

ابراہیم عادل شاہ کے وقت کی عمارات وکیفیت لشکر و خزانہ۔

بادشاہ نے سنہ ۹۳۳ھ ۱۵۲۶ء میں ابراہیم پور آباد کیا اور وہاں اسی سال ایک عالی شان مسجد بنوائی۔ سنہ ۹۳۵ھ میں سوطھا کھمی محل تعمیر کیا۔ سنہ ۹۴۷ھ ۱۵۴۰ء میں فصیلوں کی شکست وریخت اور مستحکم تعمیر کی۔ سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء ایک مسجد (غالب مسجد) کے نام سے بنوائی جس میں ۱۳۰۳ طاقچہ صرف روشنی کے لئے تھے۔ قلعہ رائچور کی فصیل سنہ ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء میں بنوائی۔ سنہ ۹۵۵ھ ۱۵۴۸ء میں ایک جامع مسجد متصل درگاہ حضرت جعفر سقاف کے بنوائی جو اب تک موجود ہے۔ جمعیت ولشکر کی تعداد تیس ہزار سوار دو لاکھ تیس ہزار احشام اور ساڑھے چار سو ہاتھی تھی۔ وقت وفات کے خزانہ عامرہ میں ایک کروڑ پچاس لاکھ ہن نقد موجود تھے لیکن علی عادل شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی تھوڑے ہی دنوں میں تمام خزانے کو اہل سپاہ اور مستحقین اور علماء و فضلاء اور ارباب حاجات پر مثل ابر نیساں کے برسا دیا اور یہ مصرعہ اُن ہی باپ بیٹوں کی شان میں ہے ع پدر کامگار و پسر کام بخش۔

پانچواں باب

علی عادل شاہ اول ۱۵۵۷ء تا ۱۵۸۰ء

کشیدے بادشاہ ہفت اورنگ   گہے در بزم عشرت جام گل رنگ
نشستے گاہ بر تخت عدالت   پئے تادیب ارباب شقاوت
بنائے عدل را آباد کردے   دل غم دیدگاں را شاد کردے

شاہزادگی کے حالات شاہزادہ علی کو اُس کے باپ نے قلعہ مرج میں قید کر رکھا تھا اُس کی نظر بندی کے اسباب مختلف بیان کئے جاتے ہیں جتنے منہ اُتنی باتیں ہم یہاں اُس روایت کو نقل کرتے ہیں جو میر ابراہیم اسد خانی نے لکھی ہے اور وہ زیادہ قریں قیاس ہے اور وہ یہہ ہے کہ علی طہماسپ نے جو اسد خاں کا نواسہ تھا نہ صرف عمر میں بڑا تھا بلکہ نہایت ذی فہم و شعور بھی تھا اور ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ اسد خاں کی حسن خدمات کے جلدو میں ابراہیم عادل شاہ نے اسد خاں کے نواسے کو ولی عہد کرنے کی وصیت فرمادی تھی بعد اس کے شاہزادہ علی سے بادشاہ کچھ اور اسباب سے بھی کشیدہ خاطر ہوگیا اور قہر اور غضب کو ایسا جوش ہوا کہ اُس کے مروا دینے پر طیار ہوگیا۔ ارکان و اعیان کو جب بادشاہ کے اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو وہ مانع ہوئے اور عرض کی کہ یہہ امر آپ کی شان کے خلاف ہے اگر آپ کو اُس کا دور کرنا ہی مقصود ہے تو بہتر طریقہ یہہ ہے کہ شاہزادے کو اسد خاں کے سپرد کر دیجئے البتہ اُسے اپنے نواسے کی خاطر بیشتر مد نظر ہوگی وہ خود جو مناسب ہوگا کرے گا اس صورت میں لفظ سنگ دلی اور بے رحمی کا ذات اقدس پر نہ آئے گا بادشاہ نے اس صلاح کو پسند کیا اور طوق گلے میں وزنجیر طلائی پاؤں میں ڈال قلعہ مرج میں اسد خاں کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ طہماسپ کو میں نے اپنا تخت نشین نامزد کر دیا ہے لیکن علی کا وجود اس میں مخل ہے اس واسطے میں نے اُسے تمھارے پاس بھیج دیا ہے جس طرح تم مناسب سمجھو اس کا کام تمام کر دو یا ناقص کر کے زندہ رہنے دو تمھیں اختیار ہے۔ اسد خاں کے بیٹے کمال کشور خاں

نے جو بادشاہ کا مصاحب تھا اور نہایت عقلمند تھا اپنے باپ کو یہ سارا قصہ لکھ بھیجا کہ بادشاہ
نے غصے سے شہزادہ علی کو آپ کے پاس بھیج دیا ہی اور اُس کے قتل کا حکم بھی دے دیا ہی آپ کہ
خود نشیب و فراز زمانے سے اچھی طرح واقف ہیں غور فرمائیں کہ جو حکم حالت غضب میں دیا گیا
ہی اُس پر عمل کرنا سراسر احتیاط کے خلاف ہی - اسد خاں نے بادشاہ کا حکم دیکھ کر شاہزادے کو
صرف نظر بند کر دیا - اسد خاں بڑا صاحب فراست اور ذی علم تھا طہماسپ کے طالع کو اصطرلاب
سے دیکھا تو طالع اُس کا نہایت بُرا پایا البتہ یہ معلوم ہوا کہ اُس کی اولاد میں خوش اقبال
لوگ ہوں گے اور جب شاہزادہ علی کا زائچہ دیکھا تو اُس کے طالع ایسے قوی اور فیروزمند
پائے کہ دنگ رہ گیا - اسد خاں نے جب یہ حالت دیکھی تو شاہزادہ علی کی کمال توقیر اور
تعظیم کرنے لگا اور اُسے خفیہ ایک مقام پر رکھ کر اُس کی تعلیم و تربیت باحسن الوجوہ کرنے
لگا اور بادشاہ کی تعمیل حکم اور تسلّی کے لئے ہرن کی دو آنکھیں نکال کر اور ایک چھنگلی کسی
لڑکے کی کاٹ کر بھیج دی اور لکھا کہ شاہزادے کو میں نے نابینا کرا دیا اور انگلی کاٹ کر ناقص
کر دیا ہی - اس کے بعد جب ابراہیم عادل شاہ نے انتقال کیا حیدر خاں حوالدار شاہی جنازہ
کو طیار کر کے گوگی کو روانہ کر رہا تھا اور شاہزادہ طہماسپ کو مع اُس کے بھائیوں کے نظر بند رکھا
لیکن بعض امرائے سلطنت نے حیدر خاں سے کہا کہ فوراً ایک شاہزادہ کو قید سے نکال کر
تخت پر بٹھاؤ کہ کسی قسم کا موقع مفسدوں کو نہ ملے حیدر خاں نے کہا کہ یہ کام ہمارا
تمھارا نہیں ہی بلکہ مدار المہام کا ہی اور اسد خاں مدار المہام کو فوراً اطلاع دی - اسد خاں
نے بلا توقف اُسی دن شاہزادہ والا تبار علی کو قید سے نکال کر چتر شاہی فرق مبارک پر
لگایا اور بادشاہت کی نذر پیش کی اور دوسرے دن جلوس شاہی کے ساتھ مرج سے
دار السلطنت بیجاپور کی طرف روانہ ہوا تمام لوگ اس خبر کو سن کر استقبال کو پہنچے اور
نذریں اور تحائف پیش کئے اور بیرون شہر تور وہ میں خیام و سراپردہ شاہی برپا ہوئے اور
فوراً حکم دیا کہ اور جو شہزادے شہر میں ہیں اُن کی آنکھیں نکال کر حضور اقدس میں فوراً حاضر کرو
تاکہ بدل جمعی تمام حضور والا زیب افزائے تاج اور زینت بخش تخت ہوں طہماسپ کو مع
اُس کے دونوں بھائیوں کے حضوری میں حاضر کیا گیا بادشاہ نے اُن سب کو کسی نہ کسی طرح

ناقص کروادیا اور بعد اس کے خود شہر میں آکر تخت پر جلوس فرمایا۔

دوسری روایت محمد قاسم فرشتہ اور رفیع الدین شیرازی لکھتے ہیں کہ شاہزادہ علی زمانِ طفولیت میں نہایت ذہین اور شوخ طبع تھا اور جوں جوں ذی شعور ہوتا گیا لیاقت خداداد کی بدولت ترقی کرتا گیا لیکن چونکہ خواجہ عنایت اللہ شیرازی اُس کا اتالیق تھا اُس کا میلان طبعی مذہب تشیع کی طرف تھا۔ ایک دن ابراہیم عادل شاہ محل میں بیٹھا ہوا بیگمات سے کچھ ذکر مذہب کا کر رہا تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ خدا نے مجھے توفیق نیک عطا کی۔ اپنے باپ دادا کے عقائد سے منحرف ہو کر دین قویم اور صراط مستقیم مذہب سنت والجماعت پر قایم ہوا اور روافض کا قلع قمع کر دیا۔ شاہزادہ علی بھی اُس مجلس میں حاضر تھا شوخی طبع سے ضبط نہ کر سکا گستاخانہ لہجے میں عرض کی کہ اگر باپ دادا کا مذہب چھوڑنا ہی روشِ محمود اور طریق مسعود ہے تو ضرور ہوا کہ حضرت کے فرزند بھی ایسا ہی کریں۔ بادشاہ اُس کے زبان ملانے سے بہت ناراض ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تیرا مذہب کیا ہے۔ جواب دیا کہ بالفعل تو جو آپ کا مذہب ہے وہی میرا ہے آیندہ کا علم خدا کو ہے۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ ضرور کٹر شیعہ ہے اور اس کے اُستاد کی صحبت کا اثر اس کے دل پر جم گیا ہے۔ بادشاہ نے اس کا سلام بند کر دیا اور چند روز تک سامنے آنے کا روادار نہ ہوا اور اُس کے اُستاد کو قید کر دیا اور فتح اللہ شیرازی کو اتالیق مقرر کیا مگر قدرت خدا کی کہ وہ بھی در اصل شیعہ تھا اور تقیہ کر کے اپنے کو سنی المذہب ظاہر کیا تھا۔ شاہزادے کی اور اُس کی خوب پٹ گئی۔ اسی زمانے میں بادشاہ کے مزاج کے چڑچڑے پن اور بے حد سختی سے چند لوگ خلاف ہو گئے تھے اور برہان نظام شاہ کے اغوا سے ان لوگوں نے در پردہ اس امر کی کوشش کی کہ بادشاہ کو معزول کر کے اُس کے بھائی شاہزادہ عبد اللہ کو تخت نشین کر دیا جائے ابھی یہ معجون پختہ نہ ہونے پائی تھی کہ افشائے راز ہو گیا اور بادشاہ نے فوراً ان سازشیوں کو قتل کروا دیا اور بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہزادہ علی کا دوسرا اُستاد فتح اللہ شیرازی بھی شیعہ ہے اُس نے شاہزادے کے عقائد میں اور رنگ چڑھا دیا ہے اور خود شاہزادہ بھی اس سازش میں شریک ہے یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا اور شاہزادہ اور ملا صاحب دونوں کو قلعہ مرج میں قید کر دیا اور سکندر خاں قلعہ دار اور کامل خاں تھانہ دار برادر زادۂ اسمٰعیل عادل شاہ کو لکھ بھیجا کہ شاہزادے کی اچھی طرح نگرانی کی جائے

اور کوئی رافضی اس کے پاس بھٹکنے نہ پائے لیکن یہہ عجیب اتفاق ہوا کہ یہ دونوں بھی باطن میں شیعہ تھے اُنھوں نے اور خوب پٹّی پڑھائی - جب بادشاہ امراض متنوعہ میں مبتلا ہوگیا اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اب یہ جاں بر نہ ہوگا مرض الموت میں گرفتار ہے تو شہزادے نے بحالت قید ہی اذان اور نماز شیعہ طریقہ پر علی الاعلان شروع کرادی - بیماری کی حالت میں بادشاہ کی سمع مبارک تک یہ خبر پہنچی سانپ کی طرح بل کھانے لگا اور چاہتا تھا کہ اپنی حین حیات طہماسپ کو تخت پر بٹھلا دے اور علی کو قتل کروادے یا زہر دے کر اُس کا کام تمام کرے لیکن لوگوں نے کہا کہ طہماسپ اِس بلا سے کب خالی ہے تو بادشاہ نہایت غمگین ہوا اور کہا کہ میں جیتی مکھی کیسے نگلوں اور خود دیدہ و دانستہ اپنی سلطنت کو ایک رافضی کے ہاتھ میں کیسے دوں شہزادہ طہماسپ کو بھی قید کردیا اور اُمور سلطنت کو خدا پر چھوڑ دیا - بادشاہ کا مرض روز بروز ترقی کرتا گیا شہر والوں نے طہماسپ کو جانشین مقرر کرنے کا ارادہ کرلیا خواجہ کمال لاری جو آگے چل کر کشور خاں کے خطاب سے مشہور ہوا ہوکری وغیرہ پرگنہ جات کا گورنر تھا اُس نے جب سے بادشاہ کی بیماری کا حال سنا ارسال بھیجنا موقوف کردیا اور وہیں رقم جمع رکھتا تھا کہ نہیں معلوم کہ یہہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے اور اِن لوگوں کی صلاح شاہزادہ علی کے تخت پر بٹھانے کی تھی چنانچہ سکندر خاں قلعہ دار مرج کو پیغام بھیجا کہ بادشاہ صبح شام کی ہوا کھا رہا ہے مناسب یہہ ہے کہ تم شاہزادہ علی کو تخت نشین کرنے کی فکر کرو اور وہیں چتر شاہی اُس کے سر پر لگاؤ - سکندر خاں نے ایسا ہی کیا اور اطراف واکناف کے معدودے چند لوگوں کو جمع کرکے درگاہ حضرت شمس الدین قدس سرہٗ میں جو مشاہیر اولیائے دکن میں سے ہیں مجلس شوریٰ کرکے اپنا ارادہ مستحکم کرلیا اور دوسرے دن شہزادے کو درگاہ شریف میں لاکر مزار مبارک کے سرہانے کھڑا کرکے شمشیر خلافت اُس کی کمر میں باندھ چتر شاہی سر پر بلند کیا اور تمام خلایق نے جمع ہوکر مبارکباد عرض کی اور نذریں پیش کیں دوسرے دن قلعہ مرج سے نکل کر بیرون قلعہ مقام کیا - کشور خاں نے جو اس مدت میں خزانہ جمع کیا تھا بے تامل لاکر شاہزادے کے قدموں پر رکھدیا - شاہزادہ علی نے تمام خزانہ لوگوں کو تقسیم کردیا اور اِسی اثناء میں ابراہیم عادل شاہ کی وفات کی خبر سنتے ہی شاہزادہ علی بیجاپور روانہ ہوا اور کشور باغ میں جو شہر سے ایک کوس کے فاصلے پر ہے فروکش ہوا اور ایک مرد

پختہ و سنجیدہ کار کو شہر میں بھیجا کہ صحیح خبر لائے۔ بیجاپور کی دار السلطنت کا حاکم جنید خاں نامی ایک ہندی تھا جو بڑا خیر خواہ سلطنت تھا بادشاہ کے مرتے ہی اُس نے شہر کے دروازے بند کرا دیئے تھے اور آنے جانے والوں کی روک تھام کر دی تھی اور نیز اُن شہزادوں کو جو شہر میں موجود تھے نظر بند کر دیا تھا۔ ہر چند لوگوں نے باصرار کہا کہ اِن شاہزادوں میں سے کسی ایک کو تخت پر بٹھا دیا جائے تو جنید خاں نے کہا کہ عام طور پر یہہ شہرت ہی کہ بعض اُمرا نے شاہزادۂ علی کو تخت پر بٹھلا دیا ہی اگر ہم یہاں کسی دوسرے کو بٹھلا دیں تو خواہ مخواہ کا فتنہ و فساد کھڑا ہو جاوے گا لہذا شاہزادۂ علی کے آنے تک صبر کرو اُن کے آنے کے بعد جو تم سب لوگوں کی رائے ہوگی میں بھی حاضر ہوں غرض اسی طرح اس یورش کو ٹال دیا۔ اب جب کہ شاہزادۂ علی کا قاصد شہر میں آیا تو امرا و اعیان کی ایک مجلس مقرر کی گئی اور سب میں بحث و مباحثہ ہونے لگا ہر شخص اپنی اپنی رائے کے موافق کہتا تھا۔ جنید خاں یکایک مجلس کے درمیان سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بہ آواز بلند کہنے لگا کہ چوں کہ تمامی چھوٹے بڑے لوگوں نے شاہزادۂ علی کو تخت پر بٹھلا دیا ہی اور سب اس امر پر دل و جان سے راضی ہیں الحمد للہ کہ بہت اچھا ہوا میں بھی سب کے ساتھ ہوں وَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِیْنَ کہہ کر لشکر شاہی کی طرف رُخ کرکے سجدۂ بندگی کیا اور ایک عریضہ اِس مضمون کا بادشاہ ذی جاہ کی خدمت میں لکھا کہ ؎

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست   کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

پھر کیا دیر تھی سارا شہر اُدھر ہی اُمنڈ پڑا اعیان و ارکان سادات و قضات غرض ہر کہ و مہ جا پہنچا اور نذریں گزرنے لگیں اور سرفرازیاں ہونے لگیں۔ شاہزادۂ علی نے جنید خاں سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ دو بادشاہ در اقلیمے نمی گنجند اور قلعہ میں تو اِس وقت تین شہزادے موجود ہیں ایسی حالت میں میرا قلعہ میں جانا قرین عقل نہیں ہی لہذا تینوں شہزادوں کو ما بدولت کے روبرو حاضر کرو کہ میں اُن کی آنکھیں نکلوا ڈالوں۔ جنید خاں خود یہہ کام کرنا پسند نہ کرتا تھا عرض کی کہ آپ اپنے کسی معتمد کو بھیجوائیے وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ بادشاہ نے اعتماد خاں محلدار کو بھیجا اور اُس نے حکم شاہی کی تعمیل کی اُسی وقت بادشاہ جلوس کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا داد و دہش عطائے مناصب و خطابات کا بازار گرم ہوا

بادشاہ کا مذہبی توغل اور سلطنت کے ابتدائی حالات

پہلے ہی دن اذان میں کلمہ علیاً ولی اللہ زیادہ کرنے کا حکم دیا اور خطبہ میں سے خلفائے کرام کے اسامی مبارک خارج کر کے ائمہ اطہار کے نام داخل کئے اور تمامی احکام وقواعد اپنے باپ چچا کے منسوخ کر کے مذہب شیعہ کے مطابق فوری طور سے عمل شروع کر دیا اور پایۂ ثبوت میں ایران و توران و کرمان و خراسان سے قریب تین ہزار تبرائی کے جمع کئے جو [illegible] بازار اور سواری اور دربار میں علی رؤس الاشہاد تبرا کہتے تھے۔ اُن دنوں صرف ایک جامع مسجد میں سنیوں کی طرح کی نماز ہوتی تھی وہ بھی اختیار خاں گجراتی کے زور سے جو امرائے معتبر میں سے تھا اور بڑا پکا سنی تھا اور پھر اس احتیاط سے کہ دروازہ مسجد کا بند کر لیا جاتا اور مسجد کی چھت پر بہیر و تفنگ کے لوگ بیٹھ جاتے تھے جب کہیں خطبہ پڑھ سکتے تھے ورنہ صحابۂ کرام کا نام زبان سے نکالنا محال تھا۔ سنیوں کے حق میں یہ بلائے ناگہانی نازل ہوئی اور لیکایک طبقۂ [illegible] جانے سے ایسے برہم ہو گئے کہ جہاد پر تل گئے اور قریب تھا کہ ایک مذہبی جنگ برپا ہو جائے۔

لیکن باوجود اس تعصب کے بادشاہ بڑا منصف مزاج۔ سیر چشم سخی اور فیاض اور نیک دل اور رحیم خلائق کا دوست دار اور علماء و فضلاء سے حسن سلوک سے پیش آتا تھا اور پوری داد رسی مظلوموں کی کرتا تھا لوگوں کو اُس کی صفات حسنہ نے ٹھنڈا کر دیا۔ وہ اس قدر سخی تھا کہ اُس نے در خزانہ کو داد و دہش خیرات و مبرات کے واسطے کھول دیا اور دل کھول کر لوگوں سے سلوک کیا۔ اصل بات یہ تھی کہ ابراہیم عادل شاہ کے وقت میں اُس کے ڈر سے تمام شیعوں نے تقیہ کر لیا تھا علی عادل شاہ کے تخت پر بیٹھتے ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے اس وجہ سے ایک دم شورش ہو گئی مگر پھر بھی بادشاہ نے اپنی کریم النفسی اور عدل گستری سے آہستہ [illegible] رعایا نے بھی سمجھا کہ

آں را کہ بحق تست ہر دم کرمے — عذرش بنہ ار کند بہ عمرے ستمے

عادل شاہ کے صفات حسنہ

بادشاہ خود ذی علم تھا چند کتب متداولہ کلام و منطق و حکمت و صرف و نحو کی اُستادوں سے پڑھی تھیں اور مسائل شرعیہ سے واقف تھا خط ثلث و نسخ خو

رفاہ عام خوب رکھتا تھا صوفی مشرب درویش نہاد تھا اور بالکل سیدھا سادا تھا اسطرح بناؤ سنگھار
یا آراستگی کا شوق نہ تھا۔ اس شاہ عالی ہمت نے تمام خزانہ ایک کروڑ پچاس لاکھ ہن کا
تھوڑے ہی دنوں میں تمام غربا و فقرا میں بانٹ دیا۔ عقیدت کی یہ حالت تھی کہ ہندو ہو یا
مسلمان جہاں کسی بزرگ کا حال سنا اس کے ساتھ سلوک کرتا تھا اور بعض اوقات خود بھی
چلا جاتا تھا۔ دنیا اس کی نظروں میں ہیچ تھی۔ بذلہ سنج لطیفہ گو ایسا تھا کہ گھنٹوں مجالس میں بیٹھ کر
ادھر ادھر کی گپ شپ اڑایا کرتا تھا جب مجلس برخاست ہوتی کہتا کہ تم نے دیکھا کہ میں نے
کیسا زمانہ بسر کیا بہرحال یہ وقت بہ نسبت اس کے اچھا گزرا کہ میں دنیا کے جھمیلوں میں پھنس کر
لوگوں کی مال و دولت کی چھین جھپٹ میں گزارتا اچھا اب تھوڑی دیر آرام لینا چاہئے اگر حیات
مستعار باقی ہے تو پھر کبھی اپنی کہوں گا اور تمہاری سنوں گا۔ جب بادشاہ کی آزاد مشربی اور
لاابالی مزاج کی کیفیت اطراف و جوانب میں پھیلی تو لوگوں نے اسے مجنون سمجھ کر لشکر کشی کا
ارادہ کیا۔ عادل شاہ بالکل بے تکلفانہ بیجانگر چلا گیا اور رام راج سے بالمشافہ مراسم دوستی و
یک جہتی مستحکم کر کے دشمنوں کے استیصال کی طرف متوجہ ہوا۔

علی عادل شاہ بیجانگر میں بغرض تعزیت سنہ ۹۶۵ھ۔

علی عادل شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی سلطنت بیجانگر اور رام راج سے اتحاد و یگانگت کے استحکام
کے لئے کشور خاں اور شاہ ابوتراب شیرازی کو بیجانگر بھجوایا اور محمد حسین صدیقی اصفہانی کو اسی
غرض سے حسین نظام شاہ کے پاس احمدنگر بھیجا۔ رام راج نے بھی دوستی کا دم بھرا اور ایلچیوں
کی بے انتہا خاطر تواضع کی اور خود رام راج نے بھی اپنے ایک معتمد علیہ کو تخت نشینی کی مبارکباد
کے لئے بیجاپور بھجوایا جو فائز المرام ہو کر واپس آیا لیکن حسین نظام شاہ نے ایلچی سے بے رخی
اور بے اعتنائی کی اور خبر تک نہ لی نہ خود جلوس کی مبارکباد بھیجی بلکہ رام راج سے ربط و ضبط
کی خبر سن کر رنجیدہ اور مکدر ہو گیا۔ علی عادل شاہ نے بھی ٹھان لی کہ جہاں تک ممکن ہو گا میں
سلطنت بیجانگر سے روابط اتحاد قایم رکھوں گا۔ علی عادل شاہ کا دلی مقصد یہ تھا کہ سلطنت
عادل شاہیہ کو جو بڑے بھاری نقصانات اس کے والد کے عہد میں پونہچے ہیں ان کی روک
تھام آیندہ کے لئے کسی عمدہ طریقے پر ہو۔ انہیں خیالات سے علی عادل شاہ نے بیجانگر

نود جانے کا عزم مصمم کر لیا کہ اسی اثناء میں رام راج کے ایک صغر سن لڑکے کے مرجانے
کی خبر ملی جس سے وہ بے انتہا مانوس تھا۔ کشور خاں کی صلاح سے صرف سو سوار۔ بے ماتم
پرسی کے لیے راہی بیجا نگر ہوا۔ رام راج نے بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر اپنے لشکر کو آراستہ
پیراستہ کرکے استقبال کے لئے بھجوایا اور طیاریاں اور تکلفات جو ایسے ذی شان مہمان
کی تعظیم و ضیافت کے لئے ضرور تھے کرنے لگا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

رام راج نے لشکر کو حکم دیا کہ رود کرشنا کے پار ہوتے ہی منزل بہ منزل بادشاہ ذی جاہ کی
مدارات اور ضیافت کا معقول انتظام کیا جائے چنانچہ اسی طرح ہوا اور بیجا نگر پہنچے۔
رام راج نے شہر کو بہت آراستہ کیا۔ بازار اور مکانوں کے در و دیوار اور راستہ اور کوچے
تمام اقمشہ قیمتی اور شیشہ آلات اور اسباب زیب و زینت سے سجائے گئے اور شہر کو دلہن
بنا دیا۔ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ایک مقام وسیع و خوش منظر میں کیمپ تیار کرکے
دل بادل ڈیرے اور سراپردے زربفت اور مخمل کے نصب کئے جن میں رنگارنگ کے
بیش قیمت فرش فروش کئے گئے تھے اور رام راج خود مع اپنے بھائیوں اور امرا کے باساز و
سامان پانچ چھ کوس تک پیشوائی گیا اور بڑے جلوس و احترام سے شہر میں لایا۔ پہلی مجلس
شاہانہ اہتمام سے رام راج کے محل میں ہوئی۔ عادل شاہ نے پہلے مراسم تعزیت ادا کیے
اور ماتمی لباس اتروا کر خلعت خاصہ رام راج کے زیب تن کیا اور پھر اشتیاق و تمنائے
ملاقات اور دوستی کی باتیں ہونے لگیں۔ رام راج نے بھی اپنا دلی شوق اور تمنائے ملاقات
ظاہر کی۔ اس کے بعد بادشاہ نے تحفے اور ہدایا جو شایان شاہی تھے راجہ کے واسطے
پیش کیے جس میں اٹھارہ لاکھ ہن اور چند جواہر گراں بہا اور لآلی شاہوار اور چند زنجیر فیل
کوہ تمثال اور چند راس گھوڑے پری پرواز باساز و یراق جن میں بعضے ایسے آراستہ
تھے کہ اُن کے زین اور لگام جواہرات موتیوں اور یاقوت سے مرصع تھے اور چند اقمشہ
بیش قیمت مصری، رومی و دیبائے چینی وغیرہ دیگر اجناس ایسے تھے کہ لوگ دیکھ کر دنگ
رہ گئے۔ ان تحائف میں صرف ایک الماس اٹھارہ مثقال کا تھا کہ جس کی قیمت کا اندازہ

جوہریاں ماہران فن بھی نہ کر سکتے تھے - رام راج نے سب تحائف کو بسر چشم قبول کیا اور خود نے بھی مہماں نوازی اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا - رام راج نے عرض کی کہ میری والدہ معظمہ جناب کے دیدار فیض آثار کی ازبس مشتاق ہیں - رام راج کی خاص رانی جو راجہ اچیت رای کی نسل سے تھی اور راجہ اچیت رای نے عادل شاہ کو اپنا بیٹا کہا تھا اس اعتبار سے اُس کی بیٹیاں آپ کی بہنیں ہیں جو سب آپ کے دیدار کی بے انتہا متمنی ہیں آپ قدم رنجہ فرما کر ان سب کے دلوں کو سرور اور آنکھوں کو نور بخشیں چنانچہ عادل شاہ دربار عام سے حرم سرا میں گیا رانی مع اپنی بیٹیوں اور مصاحبوں کے پیشوائی کو آئی اور ایک طبق طلائی جس میں بیش قیمت جوہرات بھرے ہوئے تھے پادشاہ کے فرق مبارک پر سے نچھاور کیا بعد ازاں بکمال شفقت مادری ایک نہایت پُر تکلف زرنگار مسند پر جو پہلے سے آراستہ کی گئی تھی بٹھلایا اور بعد فراغ پرسی کے خلعت ہاے فاخرہ جو جواہرات اور مروارید سے مرصع تھے مع طبق ہاے زریں جو لعل و یاقوت و جواہرات سے بھرے ہوے تھے پیش کر کے رخصت کیا یہاں تمامی ہمراہیاں متردد تھے کہ خدا جانے کیا معاملہ پیش آتا ہی بادشاہ کے مع الخیر واپس آنے پر بہت کچھ خیرات اور صدقہ دیا گیا جب تک پادشاہ بیجانگر میں رہا تمامی امراء قدم بوسی کو آتے تھے اور سب کو خلعت فاخرہ اس کثرت سے دیے گئے کہ سارا خزانہ لٹا دیا - بالآخر رام راج سے عہد و پیمان دوستی اور وقت ضرورت کمک کا وعدہ لے کر واپس ہوا لیکن واپسی کے وقت رام راج اپنی سرحد تک پونچانے نہیں آیا بلکہ امراے شہر اور اپنے بھائیوں کو بغرض ہمرکابی بھیجا یہ بات پادشاہ کو ذرا ناگوار ہوئی لیکن مصلحت وقت دیکھ کر غصے کو پی گیا اور حرف شکایت زبان پر نہ لایا مگر دل میں بل پڑ گیا اُدھر رام راج کا دماغ فلک ہفتم پر تھا عادل شاہ کے آنے سے اور زیادہ مغرور ہوگیا کہ یہ مسلمان تو ہمارے جانی دشمن ہیں کچھ تو ان پر ایسی ہی آن بنی جو یہاں تک خوشامد کو آئے -

علی عادل شاہ اور حسین نظام شاہ کی پہلی لڑائی میں علاقہ احمد نگر کی تباہی

سنہ ۹۶۶ھ - ۵۸-۱۵۵۹ء

احمد نگر میں برہان نظام شاہ کا جانشین حسین نظام شاہ ہوا تھا اُس نے حسب دستور قدیم جو سلاطین ہم عصر میں مرعی تھا بادشاہ کی تخت نشینی کی مبارکباد

کا رقعہ نہ بھیجا۔ علی عادل شاہ کو یہ بات بہت ناگوار خاطر ہوئی طرّہ بر آں تفاول خاں پیشوائے عماد شاہ کی مدد سے تعلقات عادل شاہیہ میں مداخلت شروع کی اور لوٹ مار کرنے لگا علی عادل شاہ نے بیجانگر سے بیجاپور کو واپس آکر حسین نظام شاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ یہ سب پر ظاہر ہے کہ قلعہ جات شولاپور و کلیانی ہمارے خانداں کے ہیں لیکن ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں اختلال کلّی ہو جانے سے نظام شاہیوں کے تصرف میں آگیا اگر آپ کو ہماری دوستی اور یاری منظور ہے تو ہر دو قلعہ جات ہم کو واپس دے دیجئے اور اگر کسی وجہ سے دونوں قلعوں کا دینا متعذر ہے تو خیر ایک ہی قلعہ کلیانی کا چھوڑ دیجئے اور مثل گزشتہ دوستی کو قایم رکھیئے۔ شاہ حسین انجو جو نظام شاہ کا ہم مجلس تھا اُس نے ہرچند کوشش کی کہ قلعہ کلیانی واپس دے کر رفع نزاع ہو جائے لیکن کچھ اثر نہ ہوا اور روز بروز آتش فساد بڑھتی ہی گئی آخر کار علی عادل شاہ نے اور ایک ایلچی سید علی نامی کو بھجوایا اور نامہ لکھا کہ ایسے سنگین معاملات میں تغافل شیوۂ شاہان عاقل کا نہیں ہے اگر عواقب امور پر خیال فرماکر دونوں قلعے واپس دے دیں تو رسم دوستی و اتحاد قایم رہے گا ورنہ یہ یقین جانئے کہ ہمارے فوج کشی سے آپ کے رعایا برایا کی خرابی اور فتنۂ عظیم برپا ہوگا ؂

چناں کار خود را بہ حکمت رواج	بدہ تا نہ باشد بجنگ احتیاج
بہ حکمت تواں کارہا ساختن	کہ بر کوہ نتواں فرس تاختن
بسے مصلحت ہاست در خسروی	کہ گردد ازاں دین و دولت قوی

حسین نظام شاہ بحری اس پیغام سے برآشفتہ ہو کر سخت سست کہنے لگا کہ اُن الفاظ کا دہرانا بھی نامناسب ہے اسی بات پر لڑائی شروع ہو گئی فرشتہ نے لکھا ہے کہ ۹۶۷ھ مطابق ۱۵۵۹-۶۰ء میں علی عادل شاہ اور رام راج دونوں نے مل کر نظام شاہ کی ملک کو نصفا نصف تقسیم کرلیا اور ایسا تاراج کیا کہ ایک طرف پرینڈہ سے لے کر جُنیر تک اور دوسری جانب احمد نگر سے دولت آباد تک آبادی کا نشان باقی نہ چھوڑا بیجانگر کے لوگ تو مدّتوں سے بھرے بیٹھے تھے اُن کا دانت مسلمانوں کی سلطنت پر تھا ایسا موقع پھر کہاں ملتا تھا غرض خوب جلے پھپولے پھوڑے اور کوئی ظلم نہ تھا جو اُنھوں نے نہ کیا ہو۔ مسلمانوں کی عزت ریزی اور توہین کی مسجدوں کو ڈھا دیا

اور قرآن شریفوں کو جلا دیا! ہندوؤں کے اس ظلم و ستم نے تمام مسلمانوں کے دلوں میں جوش پیدا کر دیا نظام شاہ نے بہ مشورت حکیم قاسم بیگ و شاہ جعفر برادر شاہ طاہر و شاہ حسین انجو قلعۂ کلیانی عادل شاہ کے سپرد کیا اور علی عادل شاہ اور رام راج اپنے اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ بیجانگر کی فوج کو اچھا موقع ملا مقصود تو حسین نظام شاہ کا مقابلہ تھا مگر عساکر بیجانگر نے علی عادل شاہ کی فوج سے بھی پرخاش شروع کر دی ہر مقام پر ان دونوں لشکروں میں خود کٹا چھنی ہونے لگی۔ بیجانگر والے اس قدر زیادتی پر تلے ہوئے تھے کہ عادل شاہ کے لشکر کے عمدہ عمدہ مقامات خود دبا لیتے تھے اور ان بے چاروں کو سوائے اس کے کچھ بن نہ پڑتی تھی کہ جہاں سینگ سمائے ٹھیر جائیں۔ علی عادل شاہ بہ مصلحت وقت ان باتوں سے چشم پوشی کر جاتا تھا مگر دل میں اس کے گرہ پڑ گئی۔ ہندوؤں کے اس طرز عمل سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور ہندوؤں کے ہاتھ سے احمد نگر کی تباہی کا حال سن کر نہ صرف بادشاہ گولکنڈہ برہم ہوا اور انتقام لینے پر طیار ہوا بلکہ بادشاہ بیجاپور کے کل باج گزار بیجانگر سے بدلہ لینے کو کمر بستہ ہو گئے اور سلطنت بیجانگر کی تباہی اور بربادی کا یہی بڑا بھاری سبب ہوا۔

رام راج کی مدد سے پھر احمد نگر پر لڑائی اور شہر کی تباہی
۹۶۷ھ ۱۵۶۰ء

ملک کے اندرونی حالات میں آہستہ آہستہ تغیر و تبدل ہوتا چلا جا رہا تھا اگرچہ علی عادل شاہ اور رام راج دونوں نے حسین نظام شاہ کی سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا تھا لیکن پھر اسی شرط پر صلح ہو گئی کہ قلعۂ کلیانی بیجاپور کو واپس[۵] دے دیا جائے۔ حسین نظام شاہ اس وقت تو خاموش رہ گیا مگر موقع اور وقت کا منتظر تھا کہ ذرا مہلت ملے تو از سر نو فوج اکٹھی کروں اور پھر تازہ دم ہو کر علی عادل شاہ کی خوب خبر لوں اور

[۵] - بادشاہان احمد نگر کے حالات میں تاریخ فرشتہ نے اس واقعے کی نسبت ایک دلچسپ بات لکھی ہے کہ نظام شاہ کی خواہش تھی کہ بیجانگر سے صلح ہو جائے رام راج نے بھی چند شرائط سے اسے منظور کر لیا ان میں سے ایک شرط تو یہ تھی کہ قلعۂ کلیانی بیجاپور کو واپس دے دیا جائے اور دوسری شرط یہ تھی کہ نظام شاہ جا کر رام راج سے ملاقات کرے اور اس سے پان کا بیڑا لے۔ حسین نظام شاہ بے چارہ ایسا مجبور تھا کہ اسے کچھ بن نہ پڑی اور ان

جوں ہی رام راج اور عادل شاہ نے پیٹھ موڑی آتے برس حسین نظام شاہ اور ابراہیم قطب شاہ دونوں نے مل کر پھر علی عادل شاہ پر چڑھائی کی اس مرتبہ بھی علی عادل شاہ نے رام راج سے مدد طلب کی رام راج بھلا کب چوکنے والا تھا وہ تو مسلمان بادشاہوں کو لڑا کر تماشہ دیکھنا چاہتا تھا دو کی لڑائی میں تیسرے کی بھلائی دو لاکھ احشام اور پچاس ہزار سوار لے کر آن ہی پونہچا ؎

زلشکر جہاں آں چناں گشت پر کہ از تنگی بحر بشکست در

زبسیاری لشکر بے ہراس زعالم برافتاد رسم قیاس

دونوں لشکر کلیانی پر ملے لیکن قطب شاہ سے عادل شاہ نے اپنی بیٹی جمال بی بی کا عقد کرکے اُسے ہموار کرلیا اب صرف حسین نظام شاہ رہ گیا وہ اکیلا کیا کرسکتا تھا بے چارہ مجبوراً سب سامان ہاتھی گھوڑے وغیرہ میدان جنگ میں چھوڑنے کے علاوہ نشان سبز جو عطیہ شاہانِ گجرات کا تھا اور جس پر شاہانِ گجرات کو بڑا فخر و ناز تھا چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور اُسی تاریخ سے عادل شاہیوں نے اپنے زرد نشان کو چھوڑ سبز نشان اختیار کیا۔

حسین نظام شاہ بدقتِ تمام احمد نگر پلٹا اُس کا پلٹنا ہی تھا کہ دارالسلطنت میں پونہچ کر اُس کی خبر لی۔ علی عادل شاہ۔ قطب شاہ۔ رام راج تینوں نے مل کر احمد نگر کا محاصرہ کرلیا اور ملک میں چہار طرف فوج پھیلا کر خوب لوٹ مار کی بالخصوص بیجانگر کے ہندوؤں نے تو اودھم دھا دھم مچا دی عمارات کو جلا دیا اور ڈھا کر زمین کے برابر کردیا مسجدوں کے اندر اپنے گھوڑے باندھے اور مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہوں میں اپنی پوجا پاٹ کرنے لگے ؎

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷۔ سخت شرائط کو منظور کرنے کے سوا مفر نہ تھا ناچار رام راج کے قیام گاہ پر گیا مگر رام راج اُس کی پیشوائی تک کو نہ آیا۔ جب بادشاہ ڈیرے میں داخل ہو گیا تب البتہ رام راج تعظیماً کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا بادشاہ دل میں جلا ہوا تو تھا ہی اُس نے وہیں سیلابچی آفتابہ منگا کر ہاتھ دھو ڈالے جس سے صاف ظاہر تھا کہ رام راج کے چھونے سے ہاتھ ناپاک ہو گئے۔ رام راج کو بادشاہ کی یہ حرکت از حد ناگوار ہوئی اور کہنے لگا کیا کروں مہمان کی خاطر ہے ورنہ ابھی مزہ چکھا دیتا اور اُس نے بھی وہیں پانی منگا کر اپنے ہاتھ دھوئے اس کے بعد بادشاہ نے قلعہ کی کنجیاں رام راج کو دے دیں ۱۲۔

ہمہ شہر و بازار احمد نگر　　شد از صدمۂ قہر زیر و زبر
ہمہ کشتہ شد طعمۂ چار پائے　　نماند اندراں مرز چیزے بجائے

قلعہ کا محاصرہ بڑی شد و مد سے جاری رہا محصورین بھی بڑی ہمت و استقلال سے مقابلہ کرتے رہے اُن کو یہ اُمید لگی ہوئی تھی کہ برسات کے آتے ہی غنیم خود محاصرہ اُٹھانے گا۔ جب بارش شروع ہوئی تو طغیانی اور نمی اور سامان رسد کے کم پڑ جانے سے غنیم کے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی نظام شاہ نے بھی محصورین سے خفیہ مراسلت رکھی اور اُن کو در پردہ غلہ پونہچاتا رہا بالآخر محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور دشمن متفرق ہو کر واپس ہوئے اور سیدھا شولاپور پونہچے مگر قلعہ کا محاصرہ اس خیال سے نہ کیا کہ ایسا نہ ہو رام راج خود قبضہ کرے لیکن اتنا کیا کہ نلدرگ کے قلعہ کو جو زمانہ قدیم میں راجہ نل کا بنایا ہوا تھا اور بالکل گر پڑ گیا تھا اُسے گرا کر از سر نو چونے اور پتھر سے پختہ بنوایا اور اچھی طرح مستحکم کر کے شاہ درگ نام رکھا اور اپنی کافی فوج قلعہ کی حفاظت کو چھوڑ کر بیجاپور واپس آیا۔ رام راج بھی بیجانگر کو چلا گیا اور جاتے جاتے تعلقات بیجاپور سے بہت سے لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا کر لے گیا اور بعض بعض مواضع اپنے متعلقین کے سپرد کر دئے اور اپنے بھائی وینکٹادری کو لشکر دے کر کشنا کے کنارے پر ٹھیرا دیا۔ پادشاہ احمد نگر سے واپس آ کر کشور بلخ میں ٹھیرا اور ایک نئے شہر کی بنا میں مصروف ہوا جس کا نام اُس نے شاہ پور رکھا۔ چند ہی دنوں میں وہ ایسا وسیع شہر ہو گیا کہ ابراہیم ثانی کے عہد میں اُس کی مردم شماری نو لاکھ تک پونہچ گئی تھی۔ احمد نگر کی اس لڑائی کے بعد رام راج نے بھی دیکھ لیا کہ مسلمان بادشاہوں میں کچھ دم نہیں رہا اِس وجہ سے اسلامی ایلچیوں کی بے قدری کرنے لگا جب کبھی ایلچی اُس کے دربار میں حاضر ہوتے تو اُن کو بیٹھنے تک کی اجازت نہ دیتا تھا بڑی حقارت اور تکبر سے اُن سے پیش آتا تھا اور اپنی جلو میں اُن کو پیدل چلاتا تھا اور بدون اُس کے حکم کے اُن کی مجال نہ تھی کہ سوار ہو سکیں۔ اِس مہم کے بعد ہندو نلدرگ کو واپس آئے اور اُس کے لشکر کے عہدہ داروں اور سپاہیوں نے عموماً مسلمانوں سے گستاخی چھیڑ چھاڑ اور حقارت کی گفتگو شروع کر دی اور رام راج نے چلتے وقت سلطنت قطب شاہ اور عادل شاہ پر بڑے شوق کی نگاہ ڈالی اور دونوں ملکوں کی سرحد پر اپنی فوج بھیج دی۔ دونوں بادشاہوں نے مجبوراً کچھ علاقہ جات ہندوؤں کو دے کر یہ

بلاٹالی - قلعہ کونڈ کنڈہ - گنتور اور پانگل ہندوؤں کو مل گیا اور یہہ ہندوؤں کی آخری فتح تھی۔[۵۱]

بیجانگر کے مقابلے کے لئے شاہان اسلام کا ایکا۔

رام راج ہمیشہ مسلمانوں کا ملک دباتا چلا جاتا تھا آخر کار عادل شاہ نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جہاں تک ممکن ہو۔ اُس کو اِس بے باکی کی سزا دی جاوے اور تمام مسلمان بادشاہ مل کر اُس کی طاقت کو گھٹائیں اس مشورے کے لئے بادشاہ نے اپنے دوستوں اور معتبر صلاح کاروں کی مجلس شوریٰ مقرر کی ہے

خدیو جہاں گیر لشکر شکن پئے مشورت ساخت یک انجمن

ز درج سخن بر سر بخرداں بدست و زباں شد جواہر فشاں

سخن را نہ زاندازۂ کار خویش ز فیروزی خویش و پیکار خویش

بعض امرا نے عرض کی کہ راجۂ بیجانگر بہت دولت مند اور طاقت ور ہی اور اُس کے ملک کی آمدنی اس قدر بڑھی ہوئی ہی کہ علاوہ ایک وسیع ملک کے سات بندرگاہوں سے تو اُس کو خراج آتا ہی اور لشکر بھی اُس کا بے انتہا ہی ان وجوہ سے تن تنہا کسی بادشاہ کا مقابلہ کرنا ناممکن تب اِن لوگوں نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ دکن کے سب بادشاہ مل کر اُس سے جنگ کریں۔

علی عادل شاہ نے اِس رائے سے بالکل اتفاق کیا اور ایک ایلچی کو خفیہ طور پر ابراہیم قطب شاہ کے پاس بھیجا - ابراہیم قطب شاہ نے اِس بات کو منظور کر لیا اور علی عادل شاہ اور بادشاہ احمد نگر کے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دینے کا بھی وعدہ کیا اور ایک ایلچی سید مصطفیٰ خاں اردستانی کو احمد نگر روانہ کیا حسین نظام شاہ کو اُس کی خبر پہلے ہی لگ گئی تھی اُس نے ایلچی کو تخلیئے میں بلایا - ایلچی نے تمام واقعات اور بادشاہ کے مافی الضمیر کا اظہار کیا - ایلچی نے عرض کیا کہ "بہ زمانہ سلطنت بہمنیہ تمام ملک ایک ہی بادشاہ کے تحت حکومت تھا اور اُن کا اور راے بیجانگر کا لشکر بھی برابر سرا بر تھا لیکن اب مسلمانوں کی قوت تقسیم ہو گئی ہی اس وقت یہہ امر بہت ضروری ہی کہ سب بادشاہ آپس میں مل جائیں اور مستحکم دوستی اور اتحاد قایم کریں تب ممکن ہی کہ ہم راے بیجانگر کے آئے دن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں جس نے کرناٹک کے تمام راجاؤں کو

۵۱ ضلع ناگر کرنول (محبوب نگر) کی ایک تحصیل تھی جو انتظام ضلع بندی حدود میں شکست ہو گیا - ۱۲ -

اپنا مطیع کر لیا ہی۔ یہی ایک صورت ہی جس سے اُس کی طاقت گھٹ سکتی ہی اور تب ہی ممالک اسلامیہ اُس کے دست برد سے نجات پا سکتے ہیں۔ مختلف سلطنتوں کی رعایا جو بادشاہوں کے ہاتھ ہیں اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہی اُن کو ہندوؤں کے چنگل سے چھڑانا ہمارا فرض ہی تاکہ مسجدیں اور دوسرے مقامات آیندہ کفار کی مداخلت سے محفوظ رہیں۔

نظام شاہیہ اور عادل شاہیہ خاندانوں میں آمنے سامنے کی شادیاں

ان باتوں نے بادشاہ کے دل پر گہرا اثر کیا اور حسب مشورت حکیم قاسم بیگ تبریزی و ملا عنایت اللہ قاینی جو احمد نگر کے رؤسا تھے یہ بات ٹھیری کہ حسین نظام شاہ اپنی بیٹی چاند بی بی سلطانہ کی شادی علی عادل شاہ سے کر دے اور شولاپور اُس کے جہیز میں دے دے اور حسین نظام شاہ کا بیٹا مرتضیٰ عادل شاہ کی ہمشیرہ ہدیہ سلطانہ سے شادی کرے اس طرح دونوں سلطنتوں میں اتحاد اور یگانگت قایم ہو کر متفقہ کوشش سے سلطنت بیجانگر کو تباہ کرنے کا اچھا موقع ملے گا چنانچہ ملّا عنایت اللہ اور مصطفیٰ خاں اردستانی بیجاپور آئے اور بات پکّی کر کے واپس چلے گئے۔ ایک تاریخ طرفین سے مقرر ہوئی اور شہر و بازار بیجاپور احمد نگر انواع و اقسام کے تکلفات و آرایش سے آراستہ کئے گئے اور دونوں مقامات پر جشن دل کشا ہو کر شادیاں ہو گئیں ؎

فرو ریخت چوں قطرہ از ابر بہار — زر و گوہر و لولوء شاہوار
زبس گوہر و زر کہ افشاندہ شد — زبر چیدنش دست ہا ماندہ شد

دونوں شہروں میں جب مہمانی اور میزبانی ختم ہو گئی تو چاند بی بی بیت الشرف بیجاپور میں تشریف لا کر قران السعدین ہوا اور ہدیہ سلطانہ نے اپنے نور موفور السرور سے احمد نگر کو منور کیا گویا زہرہ و مشتری کا قران ہوا۔ اس طرح بہ حسن و خوبی یہ دونوں شادیاں ختم ہوئیں بعد ازاں دونوں بادشاہوں نے جنگ کی طیّاریاں بھی شروع کر دیں۔

تالی کوٹہ پر لشکر کشی

علی عادل شاہ نے جنگ شروع کرنے کے لئے یہ حجّت نکالی کہ رام راج کے پاس ایک ایلچی بھیجا اور لکھّا کہ مقامات قلعۂ مدگل و رایچور وغیرہ جو اُنھوں نے مسلمانوں سے چھین لئے ہیں وہ واپس دے دیں۔ علی عادل شاہ جو سوچے بیٹھا تھا وہی ہوا

کہ رام راج نے سید ہا اُلٹا کچھ بھی جواب نہ دیا۔ ایلچی کو ذلیل کر کے دربار سے نکلوا دیا اِس پر دونوں بادشاہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے اور جلد جلد طیاریاں ہونے لگیں۔ ابراہیم قطب شاہ بھی ان میں مل گیا اور چاروں بادشاہ یعنی خود علی عادل شاہ۔ ابراہیم قطب شاہ۔ حسین نظام شاہ بحری۔ اور علی برید میدان جنگ میں اپنی اپنی فوج لے کر جمع ہوئے ۵

سران سپہ رایت افراختند	روا رو بہ عالم در انداختند
زلشکر کہ عرضش بہ فرسنگ بود	بیاباں بہ تخمیسہ مر تنگ بود
ہمہ روے صحرا شدہ نوبہار	ز رنگیں علم ہائے گوہر نگار

۲۰ جمادی الاولی ۹۷۲ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۵۶۴ء یوم دوشنبہ کو یہ سب بادشاہ جنگ پر روانہ ہوئے۔ ملک دکن کے وسیع میدانوں پر سے اِن کا گزر ہوا۔ کھیتوں میں جو فصل کھڑی ہوئی تھی وہ سواروں کے ہزاروں گھوڑے روندتے اور چرتے گئے۔ چلتے چلتے کرشنا ندی کے قریب قصبہ تالی کوٹہ پر پہونچے یہ ایسا مقام ہے کہ جو اس عظیم الشان لڑائی کے سبب سے تواریخ جنوبی ہند میں ہمیشہ مشہور رہے گا۔ دریاے ڈون و کرشنا کا جہاں سنگم ہوا ہے

---

۵ فی الحقیقت اس مقام پر لڑائی نہیں ہوئی بلکہ دریا کے جنوب میں کئی میل ہٹ کر ہوئی۔ تالی کوٹہ کرشنا سے (۲۵) میل شمال میں واقع ہے۔ یہ لڑائی رام راج کے کیمپ میں ہوئی جو دریا کے جنوب میں دس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس لڑائی کا ٹھیک مقام کون سا تھا معلوم نہیں ہوتا لیکن غالب ہے کہ یہ مقام مدگل ہوگا جہاں کہ ایک مشہور قلعہ ہے اور جو دریاے کرشنا کے شمال اور دریاے تنگ بھدرا کے جنوب میں واقع ہے۔ مسلمانوں کا لشکر موضع انگلگی کے پاس سے اُترا جہاں کہ دریا نے خم کھایا ہے اور پایاب ہے یہ لڑائی موضع بایا پور اور بھوگا پور کے درمیانی میدان میں ہونی پائی جاتی ہے۔ یہ مقام اُس سڑک پر واقع ہے جو انگلگی سے مُدگل جاتی ہے۔ انگلگی کرشنا ندی کے پار سرکار انگریزی کا علاقہ ہے اور بایا پور۔ بھوگا پور اور مدگل ہر سہ مقامات سرکار عالی نظام کے علاقے میں ہیں۔ بایا پور سے مدگل تخمیناً (۶) میل کا فاصلہ ہے اور چٹ میدان ہے خاکسار کو موقعی دریافت سے معلوم ہوا کہ جہاں سے مسلمانوں کا لشکر اُترا وہ مقام ایچن پور تھا جو انگلگی کے محاذی دریا کے دوسرے کنارے پر ہے۔ اِس موضع کا اصلی نام ایچل پور تھا۔ ایچل کنڑی میں املی کو کہتے ہیں اِس گاؤں کے سامنے مسجد کے روبرو ایک املی کا بڑا درخت تھا جو اَب گر گیا ہے۔ کثرتِ استعمال سے ایچن پور ہو گیا اور اب اسلام پور کے نام سے مشہور ہے۔ اس نام سے ظاہر ہے کہ بادشاہانِ اسلام نے یہ نام رکھا ہوگا۔ اس جگہ دریا میں

اُس سے (۱۶) میل چڑھ کر تالی کوٹہ ہی اور جہاں اب ریل کرشنا پر سے گزرتی ہی وہاں سے (۱۸/۲) میل غرب میں واقع ہی۔ یہ موسم فوجوں کی نقل و حرکت کے لئے بہت ہی موزوں تھا کہ مطلع صاف تھا اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس مقام پر عادل شاہ نے جو اِس ملک کا بادشاہ تھا دوسرے بادشاہوں کی مہماں نوازی شاہی طریقے پر کی بہت دنوں تک لشکر پڑے رہے اُن کے عبور و مرور اور کمسریٹ کا سامان ہوتا رہا۔ جاسوس بھی بھیجے گئے تھے کہ کون سا موقع عمدہ ہی جہاں سے دریا پار ہوں۔ بیجانگر والے تو اپنے گھمنڈ میں مطمئن تھے وہ جانتے تھے کہ بارہا مسلمانوں نے بیجانگر پر حملہ کیا ہی مگر ایک دفعہ بھی کامیاب نہ ہوئے اور برابر دو صدیوں سے یہی سلسلہ چلا آرہا ہی۔ ہر شخص معمولی طور پر اپنے کاروبار میں مصروف تھا کسی کو لڑائی کا کھٹکا نہ تھا۔ بیلوں کے ٹانڈے سامان تجارت بے فکری سے ملک میں لاتے اور لے جاتے تھے مگر اُنھیں خبر نہ تھی کہ اُن کے سروں پر بال کے سہارے تلوار لٹک رہی ہی۔ سدا سیو رائے نام راجہ تھا وہ اپنی زندگی کے دن عیش و آرام میں بسر کر رہا تھا جو کچھ تھا رام راج ہی تھا۔ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت کی خبریں پاتا تھا مگر اُس کے طنطنے میں ذرا فرق نہ آیا وہی اطمینان خاطر تھا اور وہی بے پروائی اپنے سامنے کسی کی حقیقت سمجھتا ہی نہ تھا۔ بادشاہوں کے ایلچیوں کو دھتکار دیتا تھا اور سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی دشمنی سے ہمارا بال بیکا نہ ہوگا تاہم وہ ضروری احتیاطوں اور پیش بندی سے غافل بھی نہ تھا اُس نے پہلا کام تو یہ کیا کہ اپنے بھائی ترمل راج کو بیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیدل اور پانسو ہاتھی دے کر سرحد پر بھیج کر کرشنا کے تمام گھاٹوں کو روک دیا اِس کے بعد اپنے بھائی ونکٹادری کو ایک بڑی بھاری فوج کے ساتھ روانہ کیا اور سب سے آخر خود بیجانگر باقی ماندہ فوج لے کر چلا اور اپنی پوری طاقت فراہمی لشکر میں صرف کر کے جہاں لڑائی ہونے والی تھی وہاں جا پہنچا۔

گرائید عزیمت آشوبناک   شتابندہ چوں اژدہا بر ہلاک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲ - پانی بہت کم رہتا ہی اور یہی مقام لشکر اُترنے کے لئے موزوں ہی چنانچہ ۱۸۰۹ء میں بنگلور سے بھنسی جاتے ہوئے بیسویں گارڈن ہارس کیلوری کی تین ہزار فوج و ہمراہیاں اسی مقام سے ندی پار ہوئے تھے اور ہمیشہ فوج اب بھی اسی مقام سے دریا پار ہوتی ہی ۱۲

بیجانگر کیا تھا کہ مخالف ملکوں سے فوج کیا گیا تھا اُس میں کرناٹک اور تلنگے سرحدی مقامات سے لئے گئے تھے۔ میسوری اور ملیباری عرب وسطی حصہ ملک سے اور تامل جنوبی اضلاع سے اکٹھے کئے گئے تھے۔ ہر ملک کی فوج اپنے اپنے سرداروں کے تحت میں تھی۔ فوج میں عہدے سپہ سالاروں کے قایم کرکے لشکر اُن کے تفویض کر دیا تھا۔ کوٹو نے لکھا ہی کہ اس موقع پر چھ لاکھ پیادے اور ایک لاکھ سوار جمع تھے لیکن مسلمانوں کے پاس اس کی آدھی فوج بھی نہ تھی۔ بیجانگر کی فوج کس درجہ آراستہ و مسلح تھی اُس کا حال پیز نے اس لڑائی سے (۴۵) برس پیشتر لکھا ہی جب کہ اُس نے بچشم خود ایک بہت بڑی جنگی قواعد کے وقت دیکھا تھا وہ اُس کے وقائع میں ملاحظہ طلب ہی۔ پیز نے جس فوج کو دیکھا تھا وہ باقاعدہ تھی اس کے علاوہ لڑائی کے وقت اور نئی فوج بھرتی کر لی جاتی تھی جس میں زیادہ پابندی لباس کی نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض دھوتی کے سوائے کچھ نہ پہنتے تھے اور اُن کے پاس برچھے یا خنجر کے سوائے کچھ ہتیار بھی نہ ہوتے تھے۔ جو اس زمانے کے پیادوں کا لباس ہی۔ یہ لگ ہندوستان میں کپڑوں کو رنگ لیتے تھے جو اس زمانے کے خاکی فوجی لباس سے زیادہ سرخی مائل ہوتا تھا اس میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ کسی کو زخم لگا تو خون کا دھبہ کم نمایاں ہوتا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں برچھے اور بعض کے پاس تلواریں۔ جنبیہ اور خنجر رہا کرتے تھے۔ مسلمانوں کا لشکر کہیں دور اُترا تھا۔ جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ دشمنوں نے دریا کے سب گھاٹ روک لئے ہیں کہ گزر وہم کا بھی نہیں ہو سکتا گنجائش فوج آنے کی کہاں۔ شاہان اسلام نے یہ حالت

۵۱ کوٹو نے لکھا ہی کہ رام راج کو مسلمانوں کے لشکر کے بڑھنے کی خبر ہی نہ تھی اور جب تک لشکر اُس کے علاقے میں داخل نہیں ہو گیا اُسے کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ ایک دن یہ شب کو کھانا کھا رہا تھا کہ اُسے خبر ملی لیکن یہ بات بالکل خلاف قیاس ہی کہ رام راج جیسا بے دار مغز ایسا غافل رہا ہو ۱۲-

۵۲ ترور ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں جس کے زرد پھول ہوتے ہیں اس ملک میں کثرت سے اُس کی جھاڑی ہی اور چمڑے کے رنگنے میں بہت کام آتا ہی اس کی چھال سے کپڑا جو رنگا جاتا ہی اُس کا رنگ کتھے چونے کے گہرے رنگ کا ہوتا ہی اور پختہ ہوتا ہی ۱۲-

دیکھ کر جاسوسوں کو دوڑایا کہ یہاں سے تین چار منزل ہٹ کر ندی سے اُترنے کا مقام دریافت کرکے خبر لائیں تاکہ وہیں سے ہم لشکر کو اُتاریں۔ جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ دو تین جگہ گھاٹ اُترنے کے قابل تو ہیں اور پانی بھی کم ہے سامان کی گاڑیاں وغیرہ بھی گزر سکتی ہیں لیکن اُن سب مقامات کو دشمنوں نے روک رکھا ہے اور دیواریں کھینچ کر اُن پر آتش بازی رکھ دی ہے وہاں سے گزرنا ممکن ہے۔ اس کے بعد سب بادشاہوں نے مشورت کی اور باتفاق رائے یہ بات قرار پائی کہ اس موقع پر چال چلنی چاہیے بمصداق اَلحَربُ خُدعَةٌ[۱] ہم کو ایک ایسے مقام پر جو یہاں سے دو تین منزل کے فاصلے پر ہو چلنا چاہیے وہاں سے اُترنے کا سامان کریں۔ دشمن دھوکا کھا کر اُس طرف جھک پڑے گا تب ہم واپس آکر اسی مقام سے اُتر جائیں گے حسب مشورہ لشکر اسلام برابر دو تین منزل کوچ کرکے اُس مقام پر پہونچ گیا اور کشتی اور ٹوکرے وغیرہ سامان عبور کی طیاری کرنے لگے۔ ہندوؤں نے دریا کے جنوب میں تمامی مقامات کی ناکہ بندی کرکے گھاٹوں پر توپیں لگا دی تھیں اور برابر ہر پل کی نقل و حرکت کی خبر رکھتے تھے جب اُنھیں معلوم ہو گیا کہ مسلمان فلاں گھاٹ سے اُترنے والے ہیں اپنے مقامات خالی چھوڑ کر ٹھیک اُس مقام کے محاذی جہاں سے مسلمان پار اُترنے کا سامان کر رہے تھے روکنے کے لیے جا پہونچے۔ مسلمان تو یہ چاہتے ہی تھے تھوڑی سی منتخب شاہی فوج تین دن کی منزل شبا شب یلغار طے کرکے غروب آفتاب تک اُس گھاٹ پر پلٹ آئی جہاں سے پہلے اُترنا مقصود تھا۔ رام راج کا لشکر پیچھے رہ گیا اور ابھی پونچنے بھی نہ پایا تھا کہ مسلمانوں کی یہ تھوڑی سی فوج ندی کے پار ہو گئی اس کے بعد پھر کیا تھا باقی لشکر بھی بتدریج اُتر گیا۔ یہ مسلمانوں کی چالاکی اور ایک بڑا داؤ تھا۔ تین دن تک تو مسلمانوں کے لشکر خاموش پڑے رہے۔ چوتھے دن علی الصباح رام راج کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ رام راج یہ خبر پاکر گھبرایا اور تمام شب فوج کی طیاری کرتا رہا اور سوائے اس کے مفر نہ تھا کہ جنگ کے لیے آمادہ ہو جائے۔ جس گھاٹ سے مسلمانوں کا لشکر اُترا تھا وہاں سے ہندوؤں کے لشکر کا صرف (۱۰) میل کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ ونکٹادری اور تِرمل دونوں اپنے بھائی

---

[۱] لڑائی تو صرف ایک چھل دینا ہے۔

رام راج کے پاس پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

جنگ تالی کوٹہ اور مسلمانوں کی فتح کامل ۹۷۲ھ ۱۵۶۵ع

دوسرے روز ۲۳ جنوری ۱۵۶۵ء کو بروز سہ شنبہ دونوں طرف طیاریاں ہوکر لڑائی شروع ہوگئی۔ تاریخ فرشتہ میں بیجانگر کی افواج کی تعداد نو لاکھ پیدل (۹۰۰۰۰۰) ہزار سوار۔ دو ہزار زنجیر فیل اور متفرق امدادی فوج پندرہ ہزار درج ہی۔ فرشتہ نے مختلف مقامات پر فوج کی تعداد مختلف تبلائی ہی اس سے اس تعداد کے بالکل ٹھیک ہونے میں شک ہی تاہم یہ تو یقینی بات ہی کہ فوج کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ شاہان اسلام نے علم دوازدہ امام کے برپا کیے اور صفیں لشکر کی آراستہ کیں میمنہ پر خود علی عادل شاہ موجود تھا۔ لشکر کے قلب میں حسین نظام شاہ اور میسرہ پر ابراہیم قطب شاہ و علی برید بادشاہان گول کنڈہ و بیدر تھے۔ احمد نگر اور گول کنڈہ کی افواج ملبان میں پھیل گئیں اور توپ خانے کو بیچ میں لے لیا جنگی ہاتھیوں کو جابجا حسب دستور و قاعدہ کھڑا کر دیا طبل سکندری و قرنا ہائے اور نگی و طبل و ڈنکہ وغیرہ زور زور سے کوٹنے کہ آسمان و زمین ہل گئے ۵

زغرّیدن کوس قلب تہی ... درآمد بسر موئے را فربہی

زبس تیز آواز نی نا سے زر ... بگوش صدف سفتہ می شد گہر

زمین گفتی از یک دگر می درید ... سرافیل صور قیامت دمید

دوسری جانب سے رای بیجانگر کی افواج نے بھی افسران فوج کو بلا کر استمالت کی اور فوج میں ہتھیار تقسیم کئے اور لشکر کی آراستگی شروع کی۔ میسرہ ترمل راج کے سپرد کیا گیا جو عین علی عادل شاہ کے مقابلے میں تھا اور میمنہ ونکٹادری کو بہ مقابل علی برید و قطب شاہ کے دیا اور قلب لشکر میں خود رام راج بہ مقابلہ حسین نظام شاہ کے رہا۔ دو ہزار زنجیر فیل اور ایک ہزار توپوں کو جابجا حسب قاعدہ ترتیب دے دی نظام شاہ کے لشکر کے سامنے تین قطاروں میں چھ سو توپیں لگی ہوئی تھیں سب سے آگے بڑی بڑی بھاری توپیں تھیں۔ دوسری قطار میں اس سے چھوٹی اور سب سے پچھلی قطار

---

۵ اس لڑائی کی تاریخ فرشتہ نے ۲۰ جمادی الثانیہ ۹۷۲ھ روز جمعہ لکھی ہی لیکن جنتری کے حساب سے اس تاریخ کو منگل کا دن پڑتا ہی نہ کہ جمعے کا ۱۲

میں سب سے چھوٹی۔ نظام شاہ کے سامنے دو ہزار تیر اندازوں کا پرا جمع ہوا تھا اور ایسی زور شور سے تیر اندازی ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کا لشکر اُن کی آڑ میں بالکل محفوظ تھا جب ہندوؤں کی فوج بالکل نزدیک آ گئی تو تیر انداز ہٹ گئے اور گولہ باری اس شد و مد سے ہوئی کہ غنیم کا بے انتہا نقصان ہوا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ رام راج کی عمر اس وقت (۸۰) سال کی تھی تھا تو وہ بڈھا لیکن ہمت جوانوں سے زیادہ تھی اُس نے سنگاسن (پالکی) میں سوار ہو کر میدان جنگ میں جانے کا ارادہ کیا۔ ہر چند مقرّبان نے التماس کی کہ حضور گھوڑے پر سوار ہوں مگر غایتِ عُجب و غرور سے قبول نہ کیا۔ ایسے موقع پر پالکی میں سوار ہونا ازبس خطرناک تھا کیوں کہ اگر پسپا ہونا پڑے تو بھاگنا ناممکن تھا۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا لیکن اُس نے ایک نہ مانی اور جو کہا تھا وہی کیا اور جواب دیا کہ یہ جنگ ہے یا بچوں کا کھیل ہے مجھے گھوڑے پر سوار ہونے کی کچھ ضرورت نہیں میری فوج ایسی بہادر ہے کہ دشمن کی فوج اُن کے مقابلے میں طفل مکتب ہے ہماری صورت دیکھتے ہی اُن کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور بھاگتے ہی نظر آئیں گے۔ رام راج کو اپنی طاقت کا ایسا گھمنڈ تھا کہ اُس کو اپنی فتح کا یقین کامل تھا رام راج نے اپنے آدمیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ حسین نظام شاہ کا سر کاٹ کر لائیں اور علی عادل شاہ اور ابراہیم قطب شاہ بادشاہان بیجاپور و گولکنڈہ کو زندہ پکڑ کر لائیں تاکہ میں اُن کو اُن کی بقیہ عمر تک لوہے کے پنجروں میں قید کر کے رکھوں۔ اب لڑائی گھمسان ہو گئی ہندوؤں نے بھی گولہ باری اور بان پھینکنے شروع کئے مسلمانوں کے لشکر کا دایاں اور بایاں حصّہ دست بدست تیر و تبر و نیزہ و تلوار سے لڑنے لگا ؎

بجنبش در آمد دو لشکر چو کوہ | کزیں جنبش آمد زمیں را ستوہ
بر آمد ز قلب دو لشکر خروش | رسیدہ آسماں را قیامت بگوش
بہ جنبش در آمد دو دریائے خوں | شد از موج آتش زمیں لالہ گوں
زمیں گو بساطے بُد آراستہ | غبارے شد از جائے برخاستہ
زبس تیر باراں کہ آمد بہ جوش | فگند ابرِ بارانی خود بدوش
ز مرغانِ چوبینِ فولاد دم | شدہ راہ بر ماہ و خورشید گم

ز منقار پولاد پرّاں خدنگ — گره بسته خوں در دل خاره سنگ

کمان کج و ابروی ترکان تیر — ز پستان جوشن بر آورده شیر

چو هندوی بازی گر تیغ تیز — سر انگشت زناں تیغ هندوی تیز

ہندو لڑائی کی وجہ سے بہت نقصان اٹھا کر منتشر ہو گئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو کہ
رام راج کو جوش آیا اور اپنی فوج کو ہمت دلانے کے لیے پالکی سے اتر کر ایک زرنگار اور مرصع
تخت پر جس کے اوپر قرمزی مخمل کا زرّیں شامیانہ تھا اور موتی کی جھالر لگی ہوئی تھی بیٹھا اور
اپنے پاس روپیوں اور زر و جواہر کے ڈھیر لگا دیے اور ترازو میں تول تول کر اپنے لشکریوں میں
تقسیم کیے اور کہا کہ جو کوئی لشکر اسلام کو مغلوب کر کے فتح حاصل کرے گا اُسے طبق ہائے
طلائی اور بے شمار جواہر دیے جائیں گے۔ پھر کیا تھا ہندوؤں کی فوج میں تازہ روح [illegible]
سب بہادران لشکر ہنود مع ترمل راج اور ونکٹادری اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور
ہندوؤں نے دوسرا دھاوا ان توپوں پر کیا جن کی حفاظت [illegible] رام کا خیال یہ تھا کہ اب مسلمانوں
کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔ لشکر اسلام میں تہلکہ عظیم برپا ہوا اس قدر کہ میمنہ و میسرہ لشکر کا پس پا
ہونے لگا فتح سے مایوسی ہو گئی۔ نظام شاہ نے یہ حالت دیکھ کر ایک معتبر امیر کو بھیج کر قطب شاہ
اور برید کو اپنے قریب بلوا لیا اور پھر ہمت کر کے اپنی پہلی جگہ پر آ کر جم گیا اور کہا کہ غلبہ کفار کا زیادہ
ہی قریب ہے کہ لشکر اسلام شکست کھا جائے۔ ارادہ شہادت کا مستحکم کر لیا اور فراشان بارگاہ کو حکم
دیا کہ رن کھم گاڑ دیں کہ کوئی شخص اس جگہ سے پس پا نہ ہو۔ نظام شاہ کے ساتھ ہمیشہ محلات
رہتے تھے جب لڑائی کی حالت دگرگوں نظر آئی تو اس نے ہر ہر سواری کے ساتھ ایک ایک
خواجہ سرا کو تلواریں دے کر متعین کیا اور حکم دیا کہ اگر ہماری صورت نوع دیگر ہو جائے تو ان سب
کو فوراً مار ڈالنا۔ جب رام راج نے یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ مسلمان ہاتھ دھو کر بے طور پیچھے پڑے ہیں
ان کا ٹلنا محال ہے۔ تاہم اپنی جمعیت کو ہمیشہ سرفرازی و بخشش کی وعدے دلا کر ثابت قدم رکھا۔
علی عادل شاہ سیدھی طرف ترمل راج کے مقابلے میں تھا۔ ادھر آتش جنگ ایسی مشتعل تھی کہ ترمل راج
تاب نہ لا سکا۔ عادل شاہ کی فوج دبائی چلی آتی تھی یہاں تک پس پا کیا کہ ہٹتے ہٹتے رام راج
کے لشکر میں پہنچ گئے۔ رام راج گھبرایا کہ ایسا نہ ہو گرفتار ہو جاؤں گا آگے سے فوج نظام شاہ

اور قطب شاہ کی اور پیچھے سے علی عادل شاہ میدان تنگ کیے ہوئے تھا ناچار اپنی موت دیکھ کر
لڑنے پر آمادہ ہوا۔ نظام شاہ کو خبر نہ تھی کہ اُدھر کیا ہو رہا ہے۔ علی عادل شاہ کے لشکر کی جگہ خالی
دیکھ کر اندیشہ ناک ہوا کہ خیر نہیں ہے ذرا معلوم کیا بات پیش آئے اُسی وقت رومی خاں داروغہ
توپ خانہ کو بلا کر نظام شاہ نے حکم دیا کہ ہاں دیر کیا ہے بالکل میدان میں خوردہ (پیسے) بھر کر
مارو۔ بالکل نزدیک سے ایسی گولہ باری ہوئی کہ جس طرح درختوں کے پتے گرتے ہیں آدمی
چھیجنے لگے۔ پانچ ہزار ہندو ایک دم توپ خانے کے سامنے مردہ پڑ گئے۔ اس بھاری نقصان
سے ہندوؤں کے دلوں میں ایک سنسنی پھیل گئی اور جو جہاں تھا گھبرا گیا اسی اثنا میں مسلمانوں
کے پانچ ہزار سوار ہندوؤں کے لشکر میں مارتے کاٹتے گھس گئے اور جہاں رام راج بیٹھا تھا
ٹھیک اسی جگہ جا پہنچے۔

رام راج کا قتل

رام راج تخت سے اُتر کر پالکی میں گھسا ہی تھا کہ نظام شاہ کے لشکر
کا غلام علی نامی ہاتھی ہندوؤں کے لشکر پر جا گھسا۔ توپ کی دہشت اور ہاتھی کے حملے سے
ہر ایک گروہ متفرق ہو گیا کسی نے اپنے سرداروں تک کی پروانہ کی کہار بھی گھبرا گئے اور پالکی
پھینک دی۔ فیل بان نے جو پالکی مرصع دیکھی تو لالچ آیا اور ہاتھی اُسی طرف بڑھایا۔
رام راج کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو جاتا کہ مسلمانوں کی فوج نے اُسے نرغے
میں کر لیا ایک برہمن دلپت راؤ نامی جو اُس کا مقرب تھا رام راج کے ساتھ شرط رفاقت
بجا لایا اور رام راج کو اپنی آڑ میں لے لیا اور مہاوت سے کہنے لگا کہ مہاراج کو کچھ آفت نہ پہنچائیو
اور اگر تم مہاراج کی سواری کے لیے ایک گھوڑا لاؤ تو تمہارے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا
جائے گا اور اس کے معاوضے میں مہاراج تجھے بڑا بھاری امیر بنا دیں گے اور مالا مال
کر دیں گے۔ فیل بان نے مہاراج کا نام سنتے ہی ہاتھی کو اشارہ کیا اُس نے رام راج کو سونڈ میں
اُدھر اُٹھا لیا۔ فیل بان کو گوہر مراد ہاتھ آیا ع یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ فوراً ہاتھی کو
بجلی کی طرح دوڑا کر اپنے لشکر میں جا داخل ہوا اور رام راج کو رومی خاں داروغہ توپ خانہ کے پاس
لے گیا اُس نے رام راج کو حسین نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کے حضور میں زندہ پہنچا دیا۔
نظام شاہ خلاف اُمید ایسی کامیابی دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا اور رام راج کو روبرو بٹھا کر

پوچھا کہ "مہاراج کیا حال ہے؟" رام راج نے کچھ جواب نہ دیا ہاتھ سے اشارہ اپنی پیشانی کی طرف کیا یعنی تقدیر! حکیم قاسم بیگ تبریزی نے جو مقربان نظام شاہ سے تھا نہایت مضطرباً بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ کونسا وقت ہے کہ آپ باتیں کر رہے ہیں جلد اس کا خاتمہ کیجیے علی عادل شاہ اس کی فرزندی کا دم مارتا ہے اگر اُسے خبر ملے گی تو آپ کے ہاتھ سے چھین لے گا پھر خدا جانے کیا معاملہ پیش آئے۔ بادشاہ نے سمجھا کہ حکیم ٹھیک کہتا ہے اور اُسی وقت[۱۵] رام راج کا سر تن سے جدا کروا کر ایک بلند نیزے پر چڑھوا دیا اور ہنود کے لشکر کے سامنے کھڑا کرایا[۵]

سرِ کشتہ را چوں ز نزدیکِ شاہ	بہ بردند بر نیزہ تا رزم گاہ
ہزبرانِ لشکر پسِ آں دلیر	ہماں حملہ کردند چوں نرّہ شیر
بہ ہندو غریو اندر افتاد باک	فگندند یکسر تن اندر بہ خاک
کلاہ و کمر ہا بسیا نداختند	خروشیدن موئے پرداختند
فگندند بجوق و کوسِ نبرد	گریزاں بہ رفتند پر از خون و گرد

سر کا نیزے پر چڑھانا تھا کہ بیجانگر کے لشکر میں کھلبلی اور بھاگڑ پڑ گئی لوگوں کے رہے سہے حواس جاتے رہے سمجھے کہ مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور جو مردانگی اور بہادری معرکہ جنگ میں دکھلا رہے تھے اپنی اپنی جان بچا کر بھاگے جس کو دیکھو بھاگتا ہی نظر آیا۔ بھگوڑی فوج کے پیچھے مسلمانوں کا لشکر لگا اور بارہ کوس تک تعاقب کیا۔ یہ بارہ کوس کا میدان زر و جواہر اور ہاتھی۔ گھوڑوں۔ اور زخمیوں سے فرش زمیں تھا اور لشکر میں منادی کرا دی گئی تھی کہ سوائے ہاتھی۔ گھوڑے۔ توپ۔ عَلَم۔ نشان اور نقاروں کے باقی سب چیزیں زر و جواہر وغیرہ کی لوٹ لشکریوں کو معاف ہے۔ لوٹ کا یہ حال تھا کہ لشکرِ اسلام کا ہر سپاہی زیورات و جواہرات و مال و متاع و خیمہ و ہتھیار اور لونڈی

---

[۱۵] اس واقعے کی تاریخ "فتح دین مرگ لعین ہے" سنہ ۹۷۲ھ مورخ فرشتہ کے والد غلام علی استرآبادی نے اس کی تاریخ بطور تعمیہ اس مصرعے سے نکالی ہے ع "بے نہایت خوب واقع گشت قتل رام راج"، "قتل رام راج" سے حرف نہایت یعنی آخری حرف کہ جیم ہے اس کے (۳) عدد خارج کر دیے جائیں تو وہی تاریخ سنہ ۹۷۲ھ نکلتی ہے۔

غلاموں سے مالا مال ہوگیا ؎

سر پرو سرا پردۂ تاج و تخت | نہ چنداں کہ آں بر تواند سخت
جواہر نہ چنداں کہ آں را و بیر | درآرد بہ انگشت یا در ضمیر
بلوریں طبقہا و خواں ہائے لعل | ظرائف کشاں را بہ زر سودہ نعل
ہماں تازی اسپاں بازین زر | غلامان موزون زریں کمر
لوازم ملوکانہ بیش از شمار | شتر بار زرینہ بیش از ہزار
دگر جنس ہائے کہ باشد غریب | در و مخزن و خانہ یابد نصیب
سلاح و سباب را اقتباسے نبود | پذیرندہ را ار دشناسے نبود
غنی گشت لشکر ز بس خواستہ | ہمراسر سپہ گشت آراستہ

ہزار توپ اور بے انتہا بیش قیمت اسباب سرکار بادشاہان اسلام میں داخل ہوا۔ آنا گندی تک کہ دس کوس کا فاصلہ ہے تمام زمین مردوں اور زخمیوں سے پٹی پڑی تھی۔ منشیان تیز قلم بارہ دن تک شمار مقتولین اور زخمیوں کا کرتے رہے اور ایسا قتل عام ہوا کہ کرشنا ندی جو میدان کارزار کے پاس تھی اس کا پانی خون سے لال ہوگیا۔ اس معرکے میں کم سے کم ایک لاکھ ہندو وں کا قتل کیا جانا معتبر روایات سے ثابت ہے مسلمانوں کی کامل فتح ہوئی تو بادشاہان اسلام نے سر عاجزی زمین خاکساری پر جھکایا اور شکرانہ درگاہ ایزدی میں ادا کیا ؎

سر بادشاہان گردن فراز | بدرگاہ او بر زمین نیاز

ہندو بیجانگر بھاگے لیکن کچھ ایسے گھبرا گئے تھے کہ شہر کے اطراف میں جو پہاڑ تھے ان کی بھی آڑ نہ پکڑی اور نہ بیجانگر کی فصیلوں اور مورچوں سے روک تھام کی بلکہ شہر کو کھلا چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا لشکر بالکل برباد ہوگیا۔ اس فتح کی خوش خبری کی اطلاع اطراف و اکناف میں فوراً بھیجی گئی ؎

بہ پرداخت منشی صاحب ہنر | یسے نامہ در باب فتح و ظفر
برانگیخت یکران کلک دبیر | زمیدان کافور گرد عبیر
رقم زد بسے داستان شریف | بخط لطیف و ادائے ظریف

کوٹو نے لکھا ہے کہ حسین نظام شاہ نے اپنے ہاتھ سے رام راج کا یہ کہتے ہوئے سر کاٹا[۵۱] کہ "میں نے تجھ سے اپنا بدلا لے لیا اب خدا جو چاہے سو کرے" عادل شاہ نے جب رام راج کے قتل کی خبر سنی تو بہت افسوس کیا۔

بیجانگر کا ہولناک سماں اس ہولناک واقعے کی اطلاع بھاگی ہوئی فوج کے پہونچنے کے پیشتر ہی بیجانگر میں معلوم ہو گئی تھی۔ باشندگان بیجانگر خالی الذہن بے خوف و خطر اطمینان سے اپنے کاروبار میں مصروف تھے اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ اس تھوڑے سے عرصہ میں کایا پلٹ ہو گئی کیوں کہ اُن کو اس بات کا اطمینان تھا کہ راجہ ٹڈی دل لشکر لے کر گیا ہے اور اُن لوگوں کو اپنی بہادری کے برتے پر کامیابی کا پورا بھروسا تھا۔ لیکن دفعتاً معاملہ دگرگوں ہو گیا راجہ کی فوج کو شکست ہوئی امرا اور راجہ سا قتل کیے گئے باقی ماندہ فوج واپس آرہی ہے لیکن ابھی ان لوگوں کو تفصیلی واقعات معلوم نہ تھے کیوں کہ پچھلے مواقعہ پر اکثر غنیم کو پس پا کر کے

۵۱۔ کرنل برگز نے ترجمۂ تاریخ فرشتہ میں ایک نوٹ دیا ہے کہ اس واقعے سے تعجب خیز مثال اُس خصومت قلبی کی ملتی ہے جو مسلمانوں کو ہندوؤں سے تھی اور یہ کہ اُس زمانے کے لوگوں کے خیالات کیسے تھے کہ ہم نے بیجاپور میں رام راج کا سر پتھر میں تراشا دیکھا ہے جو آج تک موجود ہے اور جو قلعہ بیجاپور کی موہری میں لگا یا گیا ہے اور ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ رام راج کے اصلی سر کو ہر سال تیل اور عبیر لگا کر مسلمانان احمد نگر کو اس لڑائی کی سالگرہ کے دن ڈہائی سو سال تک دکھلایا جاتا رہا۔ یہ سر اب تک اُسی جلاد کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے۔ یہ تحریر کرنل صاحب کی ۱۸۲۹ء کی ہے۔ ممکن ہے کہ اُس وقت ایسا ہو لیکن ہم نے تو احمد نگر یا بیجاپور میں یہ واقعہ سنا نہیں قلعۂ بیجاپور میں متعدد موہریاں ہیں اور اُن کو گئو مکھ وغیرہ کے شکل میں بنایا ہے لیکن ہم نے کہیں نہیں سُنا کہ رام راج کا سر بنا کر اُس میں سے بدرروں نکالی گئی ہو اور نہ اب اس لڑائی کی کوئی سالگرہ ہوتی ہے نہ رام راج کا سر مسلمانوں کو اس کی یادگار میں بتلایا جاتا ہے البتہ یہ روایت بیجاپور میں زبان زد خاص و عام ہے کہ لڑائی کے بعد رام راج کا سر قلعے کے صدر دروازے پر چند دن لٹکا رہا جب وہ سڑ گیا تو پتھر کا سر بنا کر بطور دائمی یادگار کے قلعے کے صدر دروازے پر لٹکا یا گیا تھا سنہ ۱۶۸۶ء میں کھرڈے کی لڑائی کے بعد جب بیجاپور پر پیشواؤں کا قبضہ ہو گیا تو انھوں نے پتھر کے سر کو اُتار کر تاج باولی میں پھینک دیا چند سال پیشتر باولی کی کیچڑ نکالتے وقت وہی سر ملا تھا جو اُٹھا کر بیجاپور کے عجائب خانہ میں رکھ دیا گیا ہے اور اب تک موجود ہے ۱۲۔

واپس آجایا کرتے تھے یا یہ کہ کچھ تحائف دے دلا کر صلح کر لیتے تھے اِن وجوہ سے جنگ میں جو کچھ بھی ہوا ہو شہر پر کسی آفت کے آنے کا اندیشہ نہ تھا اور یہ لوگ ابھی تک خواب خرگوش میں تھے اور سمجھتے تھے کہ شہر کو کچھ کھٹکا نہیں ہے لیکن جب جنگ سے بھاگی ہوئی فوج واپس آنے لگی اور اُن میں راجہ کے خاندان کے سربرآوردہ لوگ سراسیمگی کی حالت میں واپس آئے اور آتے ہی جھٹ پٹ اِن لوگوں نے اپنا مال واسباب جو کچھ محلات میں مل سکا سمیٹنا شروع کیا جب تو شہر میں ایسی کھلبلی پڑی کہ توبہ ہی بھلی۔

راجہ کے علاقے داروں کی بھاگڑ راجہ کے علاقے داروں نے ساڑھے پانسو ہاتھیوں پر زر و جواہرات جن کا اندازہ دس کروڑ کی مالیت کے تھا لادلیا اور ریاست کے ماہی مراتب اور راجہ کا مرصع تخت لے کر شہر سے نکلے جس کی حفاظت کے لئے اِن کے ہمراہ چند بچے کھچے سواروں کا بدرقہ تھا۔ ترمل راج (جو اپنے بھائیوں کے مارے جانے کے بعد ریجنٹ یعنی نایب السلطنت ہوگیا تھا) راجہ سدا سیو کو (جو اُس کے پاس مقید تھا) اور اُس کے خانداں کے لوگ اور ملازمین وغیرہ کو لے کر جانب جنوب قلعہ پن کنڈہ کو بھاگ گیا

مسلمانوں کے شہر بیجانگر کو تاخت و تاراج کرنے کا افسوس ناک سین ۱۵۶۵ء جب راجہ اور اُس کے لوگ شہر چھوڑ کر بھاگے تو شہر میں ایک اودھم مچ گئی اور ہر شخص کو آیندہ آنے والی مصیبت کا اندازہ ہوگیا۔ یہ جنگ کا ہے کو تھی بلکہ ایک طوفان عظیم کی رو تھی کہ جو اُس کے سامنے آگیا اُس کو بہا لے گئی۔ سب اُمیدوں کا خاتمہ ہوگیا شہر کے باشندے جو لاکھوں ہی تھے بے یار و مددگار رہ گئے سوائے چند کے اِن بیچاروں کو بھاگنے کا موقع بھی نہ ملا کیوں کہ باربرداری کی بیل گاڑیاں سب کی سب فوج کے ساتھ چلی گئی تھیں جو اب تک واپس نہیں آئی تھیں۔ ایسی حالت میں سوائے اس کے بن نہ پڑی کہ خزانوں کو تو گاڑ دیا اور بڈھے اور عورتوں اور بچوں کے سوائے جوانوں نے ہتھیار سنبھال لئے اور اُس آنے والی مصیبت کے منتظر ہو کر بیٹھ گئے۔ دوسرے دن بیجانگر کے اطراف کی جنگلی اقوام اور لٹیروں نے آکر شہر کو لوٹنا شروع کیا۔ بنجاروں[۵۹]

---

[۵۹] - اقوام خانہ بدوش ۱۲

لمباڑوں - کروڑوں اور اسی قسم کے لٹیروں کے گروہ بد نصیب باشندگان شہر پر آن پڑے اور مال و اسباب - دکانوں اور بازاروں کو لوٹ کھسوٹ کر ساری دولت لے گئے کوٹو نے لکھا ہو کہ ایک دن میں اِن لوگوں نے اوپر تلے چھ حملے کئے - فتح یاب مسلمان زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے دس دن تک میدانِ جنگ میں ٹھیرے رہے اور چند سے آرام لیا اس کے بعد بیجانگر کا رُخ کیا اور اُس دن سے لگاتار پانچ مہینے تک لوٹ مار کا بازار گرم رہا - لوگوں نے اپنا اپنا مال زمین میں گاڑ دیا تھا اور بچا کھچا باؤلیوں میں ڈال دیا تھا لشکریوں نے مکان کھودنے اور جلانے شروع کئے - ایک روز نظام شاہ بطور سیر سوار ہو کر نکلا دیکھا کہ ایک جگہ چند لشکریانِ علی عادل شاہ ایک طبق مروارید و جواہر سے بھرا ہوا لئے ہوئے تقسیم پر لڑ رہے ہیں - نظام شاہ کی فوج نے چاہا کہ ہم بھی حصہ لیں دونوں کی آپس میں لڑائی ہونے لگی دونوں طرف کے آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے یہ حالت دیکھ کر نظام شاہ نے ارکان دولت سے کہا کہ آپس میں لڑنے جھگڑنے سے کیا فائدہ بہتر یہ ہو کہ شہر کو جلا دو تاکہ یہ قصہ فساد موقوف ہو - چنانچہ حکم شاہی کے موافق شہر کی تمام بڑی بڑی عمارتوں کو اور شہر کے اطراف میں بیس کوس تک قصبات کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا - الغرض دشمن بے رحمی سے برابر لوٹ مار کرتے رہے جو ملا اُسے قتل کیا - مندروں اور محلات کو مسمار کر دیا خصوصًا راجہ کے محلات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اُن کی دست برد سے چند بڑے سنگ بست مندر اور کہیں کہیں چار دیواریاں باقی رہ گئیں - جہاں ایک زمانے میں چہل پہل تھی اور سر بہ فلک عمارتیں کھڑی تھیں اب وہاں صرف کھنڈر اور ملبوں کے ٹیلے دکھلائی دیتے تھے - مسلمانوں نے تمام بت توڑ ڈالے اور نرسنہواں کے بڑے بُت کے بھی دونوں بازو اُڑا دئے مختصر یہ کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ سے بچ نہ سکی اُن [۵۱]

۵۱ - اس آتش زنی کا نتیجہ ہو کہ وٹھل سوامی کے مشہور دیول کی تمام دیواریں جلانے سے کالی پڑ گئی ہیں بلکہ چھت تک لپٹ گئی ہو اور خزانے کی تلاش میں جا بجا زمین کو کھود کر گڑھے ڈال دئے ہیں - کسی دیول میں بت کا پتہ نہیں ہو سب اُکھاڑ کر پھینک دئے ۔ ۵۲ یہ مکان "مہانومی ڈبہ" یعنی تخت فتح و ظفر کہلاتا تھا اس مقام پر بڑے تہواروں میں راجہ تخت پر جلوس کرتا تھا اور فوج کا داخلہ بھی یہیں ہوتا تھا اب بھی یہ عالی شان عمارت جو کچھ بچ رہی ہو قابل دید ہو ۱۲ -

لوگوں نے اُس بڑے منڈپ کو جو ایک بلند چبوترے پر واقع تھا جہاں سے راجہ بڑے بڑے
تہواروں میں تماشا دیکھتا تھا توڑ کر زمین کے برابر کر دیا اور تمام نقش و نگار کے پتھروں کو اُکھیڑ کر پھینک
دیا۔ ان لوگوں نے آراستہ اور شاندار وٹھل سوامی کے دیول میں جو دریا کے کنارے
واقع ہے بڑے بڑے انبار آگ کے لگا دیئے اور بے نظیر اور قابل دید پتھر کی صناعی کو برباد
کر دیا۔ الغرض آگ اور تلوار۔ درانتی اور کلہاڑیوں سے ہر روز شہر کی تباہی اور بربادی
کرتے رہے۔

شہر بیجانگر کے اطراف میں سرنگیں اور چور رستے۔

شہر بیجانگر کے اطراف میں بڑے بڑے پہاڑ اور سرنگیں اور چور
اور عمیق غار ہیں جو اندر ہی اندر تین تین چار چار کوس تک چلے
گئے ہیں یہ رستے کہیں کشادہ کہیں کہیں تنگ اکثر جگہ اندھیرا
ہے اور بعض جگہ آفتاب کی روشنی بھی دکھلائی دیتی ہے۔ اکثر باشندگان بیجانگر ان مقامات
پر جاکر چھپ گئے تھے اور رات کے وقت خفیہ طور پر شہر میں آکر سامان خورونوش خرید لے
جاتے تھے۔ جب لشکریوں کو اس بات کی خبر ہو گئی تو اِن لوگوں کو بھی پکڑنے لگے اور بے کچھ
لئے نہ چھوڑتے تھے چنانچہ رفیع الدین شیرازی اس واقعے میں موجود تھا وہ لکھتا ہے کہ ہم نے
ایک دن تین چار لوگوں کو پکڑ لیا اُن سے بہت کچھ پوچھا لیکن اُنھوں نے اپنا حال کچھ بیان
نہیں کیا۔ جب بہت ایذا پہنچائی گئی تو کہنے لگے کہ ہم لوگ فلاں پہاڑی کے غار میں چھپے ہوئے
ہیں ہمارے بال بچے اور مال و اسباب بھی وہیں ہیں ہماری جان کا امن دے کر ہمارے
ساتھ آؤ تو ہم تم لوگوں کو بہت سا روپیہ دیں گے۔ حرص بُری چیز ہوتی ہے ہم میں سے کئی
لوگ اُن کے ساتھ ہو لئے۔ ہم نے اُن میں سے دو آدمی کے ہاتھ رسی سے باندھ کر اُن کو
آگے کر دیا ہم پیچھے پیچھے ہو لئے جب تھوڑی دور سرنگ میں چلے جابجا متفرق سرنگیں
نظر آنے لگیں ہم کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں واپسی کے وقت رستہ بھول نہ جائیں
اور مُفت میں جان جائے اس لئے جاتے وقت اپنے رستے پر کوئلے سے نشان کرتے گئے
دو تین مشعلیں ہمارے ساتھ تھیں سرنگ میں بالکل اندھیرا تھا بعض بعض سوراخوں میں سے
روشنی کی جھلک نظر آجاتی تھی۔ اسی طرح قریب آدھ کوس کے اُس غار پُرخطر میں گئے ہوں گے

کہ ایک جگہ ایسی تنگ آئی کہ تین چار گز بہت مشکل سے بیٹھ کر گئے اُن دونوں شخصوں کو موقع ملا رسّی چھوڑ کر اندھیرے میں بھاگ گئے۔ سُرنگ میں بہت سے لوگوں کی آواز دُور سے آتی تھی لیکن اندھیر اگھُپ تھا کچھ دکھلائی نہیں دیتا تھا ہم لوگ ڈر گئے اور اندر جائیں تو شاید ہم کو پکڑ نہ لیں تھوڑے مال کی طمع پر اپنی جان عزیز کھونا مناسب نہیں ناچار وہاں سے انھیں کوئیلوں کے نشانات پر پلٹے اور اپنی جان سلامت لے کر واپس آگئے۔

ایسی تباہی بربادی اور ویرانی خصوصاً اس طرح دفعتہً واقع ہونے کی مثال تمام دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی کہ آج جو شہر شان دار تھا اور جو دولت سے پھٹا پڑتا تھا اور جہاں کے باشندے نہایت مرفہ الحال تھے وہ کل اِس بے رحمی سے پکڑے گئے لوٹے گئے اور برباد کیے گئے ایسے شہر میں جو نمونہ بہشت تھا اور جہاں دن عید اور رات شب برات تھی خون کے ندّی نالے بہہ گئے۔ یہ ایسے واقعات ہیں کہ قلم سے اُن کا بیان کرنا ناممکن ہے صرف تصور ہی سے دل کانپ جاتا ہے۔

سیزر فریڈرک کے چشم دید حالات ۱۵۶۷ء

سیزر فریڈرک ایک اٹلی کے سیّاح نے جو اِس شہر کی تباہی کے دو سال بعد ۱۵۶۷ء میں وہاں گیا تھا لکھا ہے کہ "شہر کو لوٹنے کے بعد مسلمان اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ ترمل راج نے پھر شہر کے آباد کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی اگرچہ چند لوگ دلاسا اور طمانیت دینے سے پھر اپنے مکانوں میں آکر رہنے سہنے لگے مگر وہ بات کہاں شہر بیجانگر میں اب بھی کچھ مکانات باقی ہیں لیکن خالی اور ویران ہیں اور اُن میں سوائے بوریجوں اور جنگلی جانوروں کے کوئی نہیں رہتا۔" اتنا بڑا آباد اور متموّل شہر لُٹا گیا تو ظاہر ہے کہ بے انتہا دولت لٹی ہوگی۔ کوٹو نے لکھا ہے کہ لوٹ میں علاوہ خزائن اور جواہرات کے ایک ہیرا انڈے کے برابر تھا جس کو عادل شاہ نے اپنے گھوڑے کی کلغی میں لگایا تھا۔ بیجانگر جیسے بڑے اور شان دار شہر کا یہ انجام ہوا جو آٹھ آٹھ آنسو بہانے کے قابل ہے اور جب کوئی اُن کھنڈروں میں جاتا ہے تو اُس کو سوائے حسرت اور افسوس اور سخت عبرت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ہیچ خارے نیست کز خونِ شکاری سُرخ نیست
آفتے بود آں شکار افگن کہ از صحرا گزشت

یہہ شہر پھر کبھی نہ پنپا اور اسی طرح اُجاڑا اور ویران اب تک پڑا ہی۔ اس زمانے میں بھی بڑی بڑی اور مستحکم عمارات کے کچھ حصّے باقی ہیں۔ اب آبادی کا نام نہیں ہی یہ زراعت بھی اطراف کے دیہات کے لوگ کرتے ہیں۔ اس شہر میں جو خام مکانات بکثرت تھے وہ نیست و نابود ہوگئے اُن کی مٹّی کے ڈھیر موجود ہیں۔ لیکن قدیم ذرائع آبپاشی یعنی نہریں اچھی حالت میں ہیں اور اُن کی آبپاشی سے اب بھی بہت سے باغ اور کھیت سرسبز ہیں اور اُنھیں کی بدولت چاول اور نیشکر کی کثرت سے کاشت ہوتی ہی۔ شہر بیجانگر کا پتہ اب صفحۂ دنیا پر باقی نہیں ہی اُس جگہ صرف چند جھونپڑوں کا جھرمٹ ہی جس میں کاشتکار لوگ رہتے ہیں اور اُس کی حیثیت ایک چھوٹے سے چھوٹے گاؤں سے بھی بدتر ہی۔ یہہ لوگ یہاں گھِسے ہوئے تھے اُدھر عماد الملک نے نظام شاہ کے علاقہ میں، ودھم مچا رکھی تھی خوب لوٹ مار کر رہا تھا نظام شاہ نے رام راج کا سر عماد الملک کے پاس تہدیداً بھیج دیا۔ علی عادل شاہ نے رایچور اور مدگل دونوں پر قبضہ کرلیا اب کیا تھا اس فتح کے بعد ہی اور یہاں نظم ونسق بٹھا اپنے گورنروں کے سپرد کرکے مراجعت فرمائے بیجاپور رہوا۔

حصار شہر و جامع مسجد اور نہر آب بیجاپور کی تعمیر ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ء

علی عادل شاہ بیجاپور سے بے شمار مال و دولت گھسیٹ لایا تھا اُس کو کار تعمیر قلعہ اور دیگر عمارات میں صرف کیا۔ شہر کا حصار باہتمام کشور خاں پختہ و سنگ بست تیار کرایا اور اطراف و جوانب سے تمام کاریگروں کو بہ کثرت طلب کرکے جمع کیا اور فصیل کے ایک ایک قطعہ کی تعمیر ایک ایک امیر کے ذمہ کردی بریں ہمہ حصار کی تعمیر میں برابر ڈہائی برس لگے۔ اس کا دور چھ فرسنگ عرض اٹھارہ گز اور بلندی آٹھ گز ہی۔ برج ایک سو بیس اور چھ ہزار کنگرے اور ستّر کھڑکیاں اور چھ دروازے ہیں جن میں سے مغربی دروازے کا نام مکّہ دروازہ رکھا اور باقی دروازوں کے مختلف نام بہ اعتبار مواضع ملحقہ کے رکھے اور حصار کے گرد ایسی عریض اور عمیق خندق بنوائی کہ جس کا پانی کبھی خشک نہ ہوتا تھا۔ جب حصار ۹۷۳ھ میں مکمل ہوگیا تو امرا اور وزرا

اور متمولوں اور مالداروں نے اپنے مکانات اور محلات اندرون حصار بنائے۔ قلعہ کو پیشتر ابراہیم عادل شاہ نے بنایا تھا جس میں دو حصار اور دو خندقیں ہیں اس کے اندر بہت بڑے بڑے باغ موسوم بہ باغ دوازدہ امام علوی باغ۔ علی باغ ہوا۔ اور تمام شہر میں ہر امیر نے خانہ باغ لگائے کہ جن میں ہمہ اقسام کے میوہ جات موجود تھے۔ کشور خاں حسب الحکم شاہی ایک نہر دو فرسنگ سے شہر میں لایا اور قلعہ کے قریب ایک بڑا حوض جسے کارنجہ کہتے ہیں بنا کر اس میں پہونچایا جس سے تمام شہر سیراب ہوتا تھا اور سارا شہر بیجاپور سرسبز و شاداب اور گلگشت بنا ہوا تھا علاوہ اس کے شہر کے قریب شاہ پور بھی ایک نیا شہر آباد ہو گیا تھا جو تجارت کی منڈی تھا جہاں تمام تر تجار رہتے تھے اور لاکھوں روپیہ کا بیوپار ہوتا تھا جب شاہ پور آباد ہوا تو بیجاپور سے ایک فرسنگ کا فاصلہ تھا بعد میں آبادی بڑھتے بڑھتے شہر سے لگ گئی تھی۔ علاوہ اس کے ایک مسجد جامع بھی کشور خاں نے نہایت وسیع اور پر رونق بنوائی۔

علی عادل شاہ کی چڑھائی ملک کرناٹک پر

علی عادل شاہ کی بے چین طبیعت چپ بیٹھنے والی نہ تھی بیجانگر کی بے نظیر فتح نے آیندہ کی ہمت کو اضعافاً مضاعفہ بڑھا دیا اور اپنے بڑے دشمن رام راج کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کے بعد اس نے بالکنڈہ[۱] اور ترل کا رخ کیا اور اس جنوبی حصہ ملک کی مہم پر کشور خاں کو بیس ہزار سوار دے کر بھیجا۔

حسین نظام شاہ۔ قطب شاہ اور عماد شاہ تینوں کی چڑھائی بیجاپور پر

قطب شاہ نے جب دیکھا کہ علی عادل شاہ جدھر دیکھو ادھر ہاتھ ڈال دیتا ہے اور اس کے مقبوضات روز بروز بلا روک ٹوک وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں اگر اس کی روک تھام نہ کی جائے تو ممکن ہے کہ آگے چل کر پھر اس کی مقاومت کی کوئی تاب نہ لا سکے اور ممکن ہے کہ ہمارے ملک کو بھی دبا بیٹھے ؎

سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل چو پر شد نشاید گزشتن بہ پیل

[۱] - بالکنڈہ ضلع نظام آباد میں قدیم بستی ہے جو حیدرآباد گوداوری ویلی ریلوے کے ووج پلی اسٹیشن سے قریب ہے اور سر وقار الامرا بہادر کی جاگیر ہے۔ ترل بھی وہیں قریب ضلع عادل آباد کی ایک تحصیل ہے۔

قطب شاہ نے اوچ نیچ بتلا کر نظام شاہ کو ہموار کرلیا اور دونوں نے مل کر صلاح کی کہ یہ موقع بیجاپور پر حملہ آور ہونے کا بہت اچھا ہے میدان خالی ہے سارا لشکر بالکنڈہ کی طرف جھکا پڑا ہے۔ ایک دم ہم ٹوٹ پڑیں تو ضرور عادل شاہ کو نیچا دکھائیں گے اور سارا اُس کا گھمنڈ ملیا میٹ ہو جائے گا۔ صلاح کی دیر تھی کہ فوراً دونوں نے بشرکت امیر تفاول خاں مدار المہام عماد شاہ شہر بیجاپور پر چڑھائی کر ہی دی۔ بادشاہ نے جب سنا کہ تینوں مل کر لشکر کشی کر رہے ہیں تو خود فوراً دولت آباد سے چل کر قلعہ نلدرگ پر پونہچ مقابلہ کے لئے میدان میں آگیا۔ اِن لوگوں کو جب بادشاہ کے نلدرگ آجانے کی خبر ملی تو راستہ کترا کر بیجاپور پونہچ گئے اور شاہ پور کے حوض کے پاس جا کر پڑے اس خیال سے کہ شہر بالکل خالی ہے فوج تو ملک کرناٹک میں گئی ہوئی ہے جو باقی تھی وہ بادشاہ کے ساتھ نلدرگ میں ہے اور حصار شہر بھی ابھی مکمل نہ ہوا تھا یہ موقع شہر پر قبضہ کر لینے کا سہل ترین ہے۔ بادشاہ بڑا مستقل مزاج تھا اُس نے جب یہ خبر سُنی تو کچھ بھی ہراس خاطر نہ ہوا نہ خود نلدرگ سے آگے بڑھا صرف شہر کی حفاظت کے لئے لشکر البتہ بھجوا دیا۔ یہاں شہر کے امراء نے بھی کافی بندوبست کر لیا تھا برجوں پر فوج چڑھا دی تھی اور دروازوں پر کافی انتظام رکھا تھا کہ دشمن شہر میں گھسنے نہ پائے کہ چھ ہزار سوار نیزہ بردار اندرون شہر موجود تھے۔ غنیم آنے کے تیسرے دن اپنا لشکر لے کر شہر پر چڑھا اور شہر کے اندر گھُسنے کا قصد کیا۔ شہر پناہ کے قریب آتے ہی ایک توپ برج پر سے سر کی گئی جس سے ایک ہاتھی اور دو گھوڑے غنیم کے ضایع ہوئے۔ دشمن پیچھے ہٹ کر چکر کاٹ کر سارواڑ وڈی کی طرف جھکے اُس دروازے پر جو امراء تھے اُنھوں نے بھی پسپا کیا پھر دشمن نے منگلی دروازے کی طرف سے آنے کا قصد کیا وہاں بھی سپاہیوں نے خوب مقابلہ کیا۔ ایک ہندی سردار فوج کا جس کا نام ہندیا تھا جس کے پاس دو ہزار مادیان پری پیکر کا بے نظیر لشکر تھا جس میں سے کوئی مادیان تین سو ہون سے کم قیمت کی نہ تھی خود تین سو سوار لے کر مقابلہ پر کھڑا ہوگیا اِن سے جنگ ہوتی پڑی تھی۔ مگر برابر غنیم کے گھوڑے اور ہاتھی جو ملے یہ لوگ پکڑ لاتے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے کہ غنیم تمازت آفتاب اور تشنگی سے جاں بلب ہوگئے اور انسان اور حیوان دونوں قریب المرگ ہوگئے

کہ دشمن نے اللہ پور کے حوض کی طرف رخ کیا کہ کسی طرح پانی مل جائے۔ کامل خاں اور
نصیر الملک اور میر محمد مقرب خاں جو اللہ پور دروازے کے حوالدار تھے اُنھوں نے اُدھر
جانے سے روکا اور غنیم کی فوج سے برابر مقابلہ ہوتا چلا جاتا تھا اور لوگ قتل ہوتے جاتے
تھے کہ ناگاہ مشرق کی طرف دور سے بہت سی گرد اُڑتی ہوئی نظر آئی جب قریب آئی تو
معلوم ہوا کہ لشکر ہے۔ مگر تردد ہوا کہ خدا جانے ہماری فوج ہے یا غنیم کی جب بالکل ہی نزدیک
آگئے تو معلوم ہوا کہ کشور خاں بیس ہزار سواروں کے ساتھ کرناٹک کی مہم سے واپس آن
پونہچا ہے۔ اب کیا تھا عادل شاہ کی فوج کے دم میں دم آگیا ڈیڑھ سو ہاتھی اور چار پانچ ہزار
گھوڑے اور بہت سا اسباب کشور خاں کے ہاتھ لگا اور آن واحد میں غنیم کی فوج کو تتر بتر
کردیا۔ دفعتہً بساط اُلٹ گئی قطب شاہ اور نظام شاہ کی سٹی بھول گئی کہ یا الٰہی کرنے کیا
گئے تھے اور ہوا کیا۔ اس ناگہانی آفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ عادل شاہی فوج نے بہت سے لوگ
گرفتار کرلئے مولانا عنایت اللہ مدار المہام اور مولینا جمال الدین خزانہ دار نظام شاہ بھی
گرفتار ہوئے لیکن کامل خاں نے جو خادم قدیم نظام شاہ کا تھا سب قیدیوں کو نظام شاہ
کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ حق نمک میں ادا کرکے عرض کرتا ہوں کہ بہتر یہی ہے کہ آپ
فوراً پلٹ جائیں دیر کا محل نہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ گھر جائے اور پھر جا بھی نہ سکیں۔ اگر
کشور خاں کے ہاتھ یہ لوگ لگتے تو وہ کبھی رعایت نہ کرتا الغرض غنیم کا لشکر بھاگا اور کشور خاں نے
اُن کا تعاقب کیا راستے میں جو اونٹ گھوڑا وغیرہ ملا پکڑ لیا اور اس طرح کھدیڑتے ہوئے اپنی
سرحد سے باہر نکال دیا اور کشور خاں مع شاہ ابوالحسن کے پادشاہ کے حضور میں نذر لگ
پونہچا پادشاہ نے اس فتح یابی پر کشور خاں کو سرفراز فرمایا اور پادشاہ بخیر و خوبی داخل
دار السلطنت ہوا۔

مرتضیٰ نظام شاہ اور تمراج کی چڑھائی عادل شاہ پر

حسین نظام شاہ کا انتقال ہو گیا تھا اور مرتضیٰ نظام شاہ
تخت نشین ہو چکا تھا۔ عادل شاہ نے فرصت پاکر
تمراج ولد رام راج پر بجانب آنا گندی چڑھائی کی ونکٹادری کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے
مرتضیٰ نظام شاہ اور اسکی والدہ خونزہ ہمایوں کو لکھا کہ اس مملکت کو حسین نظام شاہ نے مجھے

دے دیا ہے مگر علی عادل شاہ براہ طمع اب مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے یہ وقت ہو کہ آپ میری دستگیری کریں اور اس بلائے ناگہانی سے نجات دلائیں - مرتضیٰ نظام شاہ اور تہراج نے بیجاپور پر چڑھائی کردی - عادل شاہ ناچار آناگندی سے واپس آیا - اگرچہ مخالفین کو شکست پر شکست ہوتی تھی مگر بار بار وہ سمٹ سمٹ کر یورش کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح عادل شاہ کو نیچا دکھائیں - عادل شاہ نے کشور خاں کو مع چند امرا کے ان کے استیصال کے واسطے مقرر فرمایا - کشور خاں نے قلعہ احسن آباد میں بیٹھ کر لڑنا شروع کیا اور روزانہ لڑائی ہوتی تھی اور دونوں طرف کی جماعت کثیر ماری جاتی تھی ایک روز غنیم نے ایکا کر کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا بعض امرا جو کشور خاں سے عناد رکھتے تھے اُنھوں نے طرح دی - کشور خاں خود لڑائی میں تھا مگر اکیلے ان دونوں کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا ہر چند کشور خاں نے حکم دیا کہ قلعہ سے توپیں سر کریں اور تفنگ چلائیں لیکن وہ لوگ بھی ملے ہوئے تھے تعمیل نہ کی سارے دن لڑائی ہوتی رہی آخر کار رات ہو جانے سے دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ چلے گئے - کشور خاں نے اُسی وقت قلعہ دار کو پکڑ کر مار ڈالا - عادل شاہ کو جب ان مشکلات کی خبر پہنچی خود یلغار پہنچا غنیم نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ خود آگیا تو سب کی ہمتیں پست ہوگئیں مرتضیٰ نظام شاہ احمد نگر چلا گیا اُس کے جانے کے بعد عادل شاہ بیجاپور کو واپس آیا -

مرتضیٰ نظام شاہ اور علی عادل شاہ کی چڑھائی برار پر ۹۷۴ھ -

خونزہ ہمایوں کے التماس پر علی عادل شاہ نے مرتضیٰ نظام شاہ کو ساتھ لے کر برار پر چڑھائی کردی - اور جا بجا لوٹ مار کر کے ملک کی بربادی کی اور موسم برسات میں بیجاپور واپس آگیا وہاں کے قلعہ کو سنگ بست بنوایا جو تین سال میں بنا -

کشور خاں کا قلعہ جات ماہ درگ عرف دہارور و شاہ نور کی تعمیر ۹۷۵ھ -

خونزہ ہمایوں کی حکومت اور ان کے برادروں کی بے اعتدالی سے سلطنت نظام شاہیہ تباہ و برباد ہونے سے علی عادل شاہ کے منہ میں پانی بھر آیا - چنانچہ کشور خاں کو اسد خاں لاری کا علم جس پر شیر و شرزہ کی شکل بنی ہوئی تھی اور منصب سے سرفراز کر کے بیس ہزار سواروں کی فوج دے کر روانہ کیا - کشور خاں نے بعض

پرگنوں کو تا حد قصبہ کیج[۵۱] قبضہ کرلیا اور امرائے نظام شاہی نے اُسی قصبے میں شکست دی
اور وہیں قلعہ دہارور کی تعمیر کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ناظرین پر سپہ سالار کشور خاں کی مردی
اور مردانگی اور اُس کی متعدد فتوحات کچھ مخفی نہیں ہیں جس کی وجہ سے آئے دن سرفرازیاں
ہوتی رہتی تھیں اور بادشاہ کے دل میں اُس کی بہت جگہ تھی اور سب امرا میں سربرآوردہ
اور ممتاز تھا ایسا شخص لامحالہ محسود خلایق ہوتا ہے اور اُس کے ہزاروں دشمن ہو جاتے ہیں
اور طرح طرح کے زور اُس کے اُکھیڑنے میں لگاتے ہیں۔ کشور خاں ان ریشہ دوانیوں
سے بے خبر نہ تھا وہ جانتا تھا کہ میں سب کی آنکھوں میں کھٹکتا ہوں اُس نے اس صحبت
سے کنارہ کشی کا مصمم ارادہ کرلیا اور اس غرض سے چاہتا تھا کہ بادشاہ کی خدمت گزاری
کہیں الگ رہ کر بجالائے اُس نے علی عادل شاہ سے عرض کیا کہ نلدرگ سے دس فرسخ
کے فاصلے پر نظام شاہ کی سلطنت کی سرحد پر قدیم زمانے میں ایک بہت بڑا قلعہ ماہ درگ
نام کا تھا جو اب امتداد زمانے سے زمین کے برابر ہو گیا اگر ارشاد خداوندی ہو تو خانہ زاد
از سر نو اُس کی بنا کرتا ہے کہ اُس کی آڑ میں ہم بہت سے مقامات نظام شاہ کے لے
سکیں گے۔ بعض لوگوں نے کشور خاں کی تائید کی اور بعضوں نے مخالفت۔ عادل شاہ
نے کہا کہ اچھا قرآن شریف میں فال دیکھو۔ مولینا عنایت اللہ منصور شیرازی المخاطب
بہ افضل خاں حاضر تھے بادشاہ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم فال دیکھو۔ فال
میں آیت قتال نکلی۔ افضل خاں نے کہا اس ارادے سے باز رہنا چاہیے کہ نتیجہ بجز قتال کے
کچھ نہ ہوگا۔ کشور خاں اس کام سے ہٹنا نہیں چاہتا اُس نے تاویل کی کہ اس سے شرک کا
واہمہ ہوتا ہے قتال کا تعلق ہم سے نہیں ہے بلکہ دشمن کی طرف روئے سخن ہے۔ حاضرین نے
کہا کہ خدا تو منع کرتا ہے اور کشور خاں کو اپنی بات کی پچ ہے عادل شاہ نے کہا کہ کشور خاں جانے
اور کلام اللہ جانے۔ کشور خاں چلا اور اُس کا ساتھ بہت سے امرا نے دیا ہر امیر کو ایک
ایک برج دے کر قلعہ کی تعمیر شروع کی لیکن انکس خاں زہر کے سے گھونٹ پی رہا تھا جو برج
اُس کے سپرد تھا اُس میں اُس نے ایک چور راستہ رکھ دیا غرض تھوڑے دنوں میں قلعہ بن کر

---

۵۱ کیج تحصیل ہومن آباد ضلع بیدڑ میں ہے۔ دہارور سے تین کوس کا فصل ہے۔

طیار ہو گیا جو اب قلعہ دہارور کے نام سے مشہور ہے قلعہ کی طیاری کے بعد توپ تفنگ اور منجنیق وغیرہ آلات حرب کو حسب قاعدہ جا بجا چڑھا دیا اور نظام شاہ کے علاقہ سے چالیس ہزار کھنڈی[۱] غلہ لوٹ کر بھر دیا اور اسی زمانے میں قلعہ شاہ نور کی بھی تعمیر ہوئی۔

قلعۂ دہارور پر مرتضیٰ نظام شاہ اور عادل شاہ کی لڑائی اور کشور خاں کا مارا جانا

نظام شاہ کو پہلے ہی سے عادل شاہ سے عداوت قلبی تھی کشور خاں کی اس کارروائی سے اور عناد بڑھ گیا وہ بھی اس کی توڑ پر لشکر جمع کرنے لگا اور چند دنوں بعد تین بادشاہ مل کر ایک جرار لشکر لے کر قلعہ کی طرف متوجہ ہوئے کشور خاں نے مکرر سہ کرر عادل شاہ کو عرایض لکھے کہ امراے سلطنت کو حکم دیا جاے کہ فوراً اپنے اپنے لشکر لے کر فدوی کی مدد کو آن پہنچیں اور خود بدولت بھی اگر قدم رنجہ فرما کر یہاں سے تین چار منزل اُس طرف دریا کے کنارے خیام اور سراپردے نصب فرمائیں تو حضرت کے اقدام مبارک کی برکت سے غنیم کو شکست ہوگی۔ امرا نے پادشاہ کے حکم کی تعمیل تو کی لیکن جیسا چاہیے امداد نہ دی کیوں کہ عین الملک اور نور خاں اور شاہ ابوالحسن اور بہت سے دوسرے امرا کشور خاں کے مخالف تھے اور کشور خاں کی نیک نامی کے خواہاں نہ تھے شاہ ابوالحسن تو در پردہ نظام شاہی کا متوسل تھا اُس نے پادشاہ کو آنے نہ دیا اور امرا سے یہ کہا کہ بھلا دہارور جانے سے کیا فائدہ آخر اس میں تمھارا بھی صرفہ ہے اور بہ صورت فتح نیک نامی کشور خاں کی ہوگی ہم کو کیا ملے گا رہی سہی وقعت بھی ہماری جاتی رہے گی اب بھی اُس کا طوطی بول رہا ہے جب تو خدا جانے کیا رنگ لاے بہتر یہ ہوگا کہ ہم خود نظام شاہ کے ملک پر چڑھائی کر دیں وہ اُدھر گتھ جائے گا دہارور پر چڑھائی کی اُسے مہلت ہی نہ ملے گی چنانچہ امرا اور لشکر نے احمد نگر کی راہ لی۔ نظام شاہ نے جب ان کی چڑھائی اور لوٹ مار کا حال سنا تو وہ امراے عادل شاہی کی نا اتفاقی کو تاڑ گیا کہ کچھ تو دہارور پر گئے ہیں اور کچھ ادھر آئے ہیں اُس نے علاقہ جات میں ان کی غارت گری کی کچھ پروا نہ کی اور قلعۂ دہارور کی طرف متوجہ ہوا اور جنگ شروع ہو گئی۔ کئی روز تک لڑائی رہی ایک دن غنیم کے لشکر نے ارادہ

[۱] بیس من کی ایک کھنڈی ہوتی ہے۔ ۱۲

کیا کہ جس طرح بن پڑے کشور خاں کو لینا چاہیئے اس کا بڑا استحکام ہی کوئی وار اس کا خالی نہیں جاتا
کشور خاں خود قلعہ کے دروازے کے سامنے ڈٹ گیا اور جب یہ حملہ کرتے تھے تو سیکڑوں
ہی کٹتے تھے اور سیکڑوں ہی مجروح ہوتے تھے کوئی سبیل قلعہ میں گھسنے کی بن نہ پڑتی تھی۔ انکس خاں
اور آہنگ خاں دونوں نے چور راستہ جانوروں کی آمد و شد کے بہانے سے رکھے تھے۔
ان میں سے دشمن کی فوج قلعہ میں گھس پڑی اور محافظوں نے بھی چشم پوشی کی نتیجہ یہ ہوا
کہ نظام شاہ کی ساری فوج بلا دغدغہ ان چور راستوں سے اندر گھس گئی۔ کشور خاں تو لڑائی
میں مصروف تھا جب اسے خبر ملی تو ہاتھ کے طوطے اڑ گئے تن بہ تقدیر خود پا پیادہ ہو گیا اور
جوہر مردانگی دکھانے لگا اس کی شمشیر قاہرہ نے صفیں کی صفیں اعدا کی صاف کر دیں قضائے
کردگار جانب مخالف سے کشور خاں کے ایک تیر زیر ناف ایسا کاری لگا کہ فوراً زمین پر
غش کھا کر گر پڑا اس کا گرنا تھا کہ لشکر منتشر ہو گیا اور غنیم کشور خاں کا سر کاٹ کر مرتضیٰ نظام
شاہ کے پاس لے گئے نظام شاہ نے حکم دیا کہ کھال کھینچ کر بھس بھر دو اور لشکر میں گشت
کراؤ۔ کہتے ہیں کہ جس دن یہ سانحہ ہوش ربا ہوا کشور خاں زرہ پہن کر میدان جنگ میں جانے
کو طیار تھا اور سوار ہو رہا تھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں دیوان حافظ تھا فال دیکھی تو شروع
صفحہ پر یہ شعر نکلا ؎

کسیکہ تاج مرصع صباح در سر داشت | نماز شام در انخشت زیر سر دیدیم

اس مضمون سے سخت ملول ہوا لیکن کرتا کیا جنگ میں گیا اور جو تقدیر میں تھا وہ ہوا۔ نظام شاہ
خوشی خوشی قلعہ میں آیا اور اپنے امرا کو جامہ اور خلعت دیئے۔ کشور خاں کا ایک حبشی غلام
یاقوت نامی تھا حکم دیا کہ اس کو کشور خاں کا سر دے دو غلام نے عرض کی سب کو خلعت
ملے اور نوازشات شاہی سے سرفراز ہوئے کشور خاں کو بھی خلعت مرحمت ہونا چاہیئے۔
بادشاہ نے کہا کہ تو کشور خاں کی کھال چاہتا ہے اچھا یہ بھی لے اور تن سے سر کو ملا کر کشور خاں

سلا۔ خان بہادر عبدالکریم خاں صاحب کمشنر کروڑگیری (کسٹمز) ممالک محروسہ سرکار عالی نظام کشور خاں ہی کی
اولاد میں سے ہیں آپ اپنے جد امجد کا مقبرہ وغیرہ از سر نو تعمیر کرانے کی کوشش فرما رہے ہیں اور آپ کی حسن توجہ
سے خان مغفور کا عرس بھی بڑی دھوم سے ہونے لگا ہے اور ایصال ثواب کے لئے آپ نے حفاظ بھی مقرر کر دیئے ہیں

کہ جنازے کو بیجاپور لے جانے کی اجازت دی اور وہاں شہر کے اندر اپنے بنائے ہوئے باغ میں دفن ہوا۔ امرائے سلطنت بیجاپور جو نمک حرامی سے جان بچا کر بھاگ گئے تھے نظام شاہ نے اُن کا تعاقب کیا اور جو ملا اُسے تہ تیغ کیا چنانچہ عین الملک مارا گیا اور نور خاں قید کر لیا گیا جس وقت اس افسوس ناک شکست اور ساتھ ہی اس کے کشور خاں کے قتل کی خبر پادشاہ کو سمع مبارک تک پہنچی پادشاہ از حد متاسف ہوا اور بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلا کہ آخر کلام مجید کی فال نے کام تمام کیا اور اسی وقت پھر لشکر کشی کا ارادہ کیا مگر جب معلوم ہوا کہ وہ سب اپنی دار السلطنت احمد نگر کو چلے گئے تو مجبوراً چندے انتقام لینے کو ملتوی کرنا پڑا۔

تسخیر قلعۂ ادھونی کشور خاں کے قتل کے بعد شاہ ابو الحسن ولد شاہ طاہر کی صلاح سے (جو کشور خاں کے بعد منصب جلیلہ جملۃ الملکی پر مامور ہو گیا تھا اور پھر وکیل السلطنت ہو گیا) انکس خاں کو آٹھ ہزار سوار اور پیادہ اور توپ خانہ دے کر قلعۂ ادھونی کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ اس قلعہ کو آج تک کسی مسلمان پادشاہ نے فتح نہیں کیا تھا۔ یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر بڑا وسیع اور رفیع بنا ہوا ہے اور از بس مستحکم ہے جس میں بہت سی عمارات اور شیریں چشمے ہیں جو بیجانگر کا راجہ ہوتا گیا اس قلعہ کو مضبوط کرتا گیا۔ اس وقت یہاں کا قلعہ دار رام راج کے علاقہ کا ایک امیر اکبر تھا رام راج کے قتل کے بعد یہی قابض ہو گیا اور کسی کو نہیں مانتا تھا۔ انکس خاں سے کئی لڑائیاں ہوئیں آخر کار محاصرے نے جب مدت طول کھینچی اور ذخیرہ رسد کا صرف ہو گیا تو مجبور ہو کر قلعہ حوالہ کر دیا ادھونی کے مشہور قلعہ کے قبضہ کے ساتھ ہی اطراف و جوانب کے قلعہ جات بھی عادل شاہیوں کے قبض و تصرف میں آ گئے۔

مرتضیٰ نظام شاہ اور علی عادل شاہ کا ملاپ اگرچہ پہلے بھی کئی دفعہ سلاطین عادل شاہیہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴۔ شکر ہے کہ کشور خاں کے خاندان میں ایک ایسا ذی مرتبت شخص پیدا ہوا جس نے دادا کے نام کو روشن کیا اور جو محض اپنے آقا کی خیر خواہی اور سخت دیانت داری و راست بازی کی بدولت صرف اپنے قوت بازو سے آج مورد الطاف و عنایات شاہانہ ہے۔ اللہم زدفزد۔ ۱۲

اور نظام شاہیہ میں باہمی میل جول ہو چکا تھا لیکن دیر پا نہ تھا ادھر سے ادھر لڑا کرتے تھے
اِن آئے دن کی لڑائیوں سے دونوں کے ملک تباہ و تاراج ہوتے تھے۔ اِس مرتبہ شاہ ابو الحسن
اور خواجہ میرک دبیر اصفہانی المخاطب بہ چنگیز خان جو نظام شاہ کا مدار المہام تھا ان
دونوں نے سعی بلیغ کی اور دونوں کے دلوں کو کدورت اور نفاق سے پاک کر کے ملا دیا اور یہ طے
پایا کہ نظام شاہ ملک بیدر اور براڑ لے لے اور عادل شاہ اُسی کے برابر بیجانگر کی سلطنت
میں سے قبضہ کرے دونوں کا ملک وسیع ہو جاتا ہے پھر لڑائی جھگڑا نہ ہو اس معاہدے
کے بعد دونوں بادشاہ دار الحکومت کو واپس گئے۔

مرتضیٰ نظام شاہ کا ملک براڑ کو فتح کرنا اور عادل شاہ کا علاقہ بیجانگر نلگنڈہ وغیرہ پر یورش کر کے واپس آنا۔

نظام شاہ نے اِس معاہدے کی بنا پر لشکر فراہم کر کے براڑ پر چڑھائی کی۔ براڑ میں تفاول خاں کے بیٹے نے اپنے بادشاہ کو قید کر رکھا تھا اور ایک اودھم مچا رکھی تھی لوگ جان سے بیزار تھے
نظام شاہ کے جاتے ہی ٹوٹ کر ادھر آن ملے اور بلا جنگ وجدال کے آن واحد میں
نظام شاہ تمام ملک براڑ پر مسلط ہو گیا۔ اب ادھر کی سنئے کہ علی عادل شاہ بیجانگر کی طرف
بڑھا راستہ میں جو مقامات ملے اُن کو لیتا ہوا نلگنڈہ[1] پونچا اور محاصرہ کر لیا۔ اقوام ہنود جو
بارے گیر یا نایک واڑی کے نام سے مشہور تھے عادل شاہیوں کے لشکر میں ملازم تھے
اور اُن کی طرف لڑتے تھے بعد رام راج کے قتل کے خود سر ہو گئے تھے اور ان کی جماعت از بس
قوی ہو گئی تھی حتی کہ پندرہ ہزار سوار مسلح اِن کے پاس تھے یہ لوگ ایک قسم کے لٹیرے
تھے جہاں زور چل گیا قابض ہو گئے اسی طرح نلگنڈہ پر قابض ہو گئے تھے۔ باہر سے رسد آنی
اُنھوں نے بند کر دی اور قلعہ کے لوگوں کو خود غلہ وغیرہ پونچاتے رہے عادل شاہ نے
اُس وقت اُن سے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے گلبرگہ کی طرف واپس ہوا اور
سیر کرتا ہوا بیجاپور پونچ گیا۔

[1] سرکار عالی نظام کی مملکت کا ایک ضلع ہے۔ یہ بستی دو بڑے بڑے پہاڑوں کے درمیان آباد ہے۔
حیدر آباد سے سیدھی سڑک نلگنڈہ کو گئی ہے اور بھون گیر اسٹیشن نظام سٹیٹ ریلوے بجواڑہ سکشن سے بھی جاتے ہیں۔

علی عادل شاہ کی چڑھائی گوا پر ۱۵۱۰ء

یوسف شاہ۔ اسمٰعیل شاہ اور ابراہیم عادل شاہ اول بیجاپور کے زمانِ سلطنت میں افواج عادل شاہی کو علاوہ دیگر دشمنوں کے ساحل بحر پر ایک نئی طاقت سے مقابلہ کرنا پڑا۔ بندر گوا اور اس کے [illegible] پہلے بہمنیہ کے قبضہ میں تھے لیکن اُن سے بغاوت کرکے یوسف عادل شاہ [illegible] تھے لیکن ۱۴۹۸ء میں واسکوڈاگاما نے دیکھا تو ساحل مشرقی ہند پر ایک [illegible] تھا جس سے واسکوڈاگاما [illegible] اور اُس سے [illegible] سیودی کو گرفتار کرلیا۔ ۱۵۱۰ء میں آلفونزو البوکرک ایک بیڑا جہازوں کا [illegible] بندر گوا کے مقابلے پر پہنچ گیا اور اگرچہ افواج بیجاپور نے روک تھام کی مگر پرتگالیوں نے قبضہ کرلیا اور دراصل گوا میں گھس آئے۔ اِس واقعے کے تین مہینے بعد بیجاپور سے ایک بہت بڑا لشکر آن پہنچا اور اُس نے آتے ہی پرتگالیوں کو نکال دیا جو مجبوراً اپنے جہازوں پر چلے گئے لیکن قبل از ختم سال ۱۵۱۰ء پھر دوبارہ یورپ سے تازہ دم فوج بہت سے جہازے کر گوا کے محاذی آپہنچے اور بڑی خوں ریز لڑائی کے بعد افواج بیجاپور کو بندر گوا سے نکال باہر کیا لیکن مسلمان ایسے چمچڑ تھے کہ جہاں اُن کے سینگ سمائے وہیں رہ پڑے ادھر ایک حصہ شہر سے نکالا تو دوسرے

۱۵۔ بندر گوا مدراس سے ۵۸۰ میل ہے۔ گوا سے ساٹھ میل پانجم ہے جو پرتگالیوں کا دارالسلطنت ہے۔ گوے کی قدیم بستی یہاں سے دس میل ہے۔ پانجم بہت عمدہ قابل دید مقام ہے جہاں خوش نما باغات ہیں۔ گوے میں قدیم زمانے کے گرجے ہیں جن میں سے سینٹ کے ای ٹاڈو اور بام جیزز کے دو گرجے اب بھی اچھی حالت میں ہیں۔ یا بام جیزز کے گرجا میں سینٹ فرینسس زیویر کا مزار ہے جو گوا نیوں کا بڑا مقدس پادری تھا۔ جس نے ۱۵۵۲ء میں وفات پائی اور جس کی نعش یہاں لاکر ایک نقرئی تابوت میں رکھی گئی ہے۔ جس کی زیارت کے لئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ بندر گوا کا منظر۔ جہازوں کی کثرت۔ باغات کی بہتات۔ یہ سب چیزیں قابل دید ہیں۔ گوا میں مال تجارت بہت کثرت سے آتا ہے اور بہت بڑی منڈی ہے ”کیسل راک“ یہاں سے ساڑھے تین میل ہے۔ یہ مقام مغربی گھاٹ کی چوٹی پر ہے اور سطح سمندر سے ۱۹۰۷ فٹ بلند ہے۔ یہاں سرکار انگریزی کا کسٹم ہاوس اور نمک کا محکمہ ہے کیسل راک سے کالم (جو بائیں گھاٹ میں ہے) تک کا منظر اور آبشار دودھ ساگر قابل دید ہے۔ اِن مقامات کے برابر سمندر کے کنارے کنارے ریل دوڑتی ہے۔

حصے میں جا چھپے۔ البوکرک نے اپنی فوج کو اذن عام دے دیا اور مرد عورت حتیٰ کہ بچوں تک کو جو جہاں ملا تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ تاریخ ہند میں ایسے سفاکانہ اور ظالمانہ قتل عام کی کوئی نظیر نہ ملے گی۔ جو جو مظالم پرتگالیوں نے ان کے ساتھ کئے اُن کے سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سچ مچ خون کی ندیاں بہا دیں۔ البوکرک نے شہر کی محافظت کا بندوبست کر کے قلعہ اور مورچوں کو جہاں جہاں ضرورت تھی ازسرنو مستحکم کیا اور اپنی جگہہ خوب بندوبست کر لیا۔ ۱۵۷۰ء[۱] میں دکن کے سب بادشاہوں نے مل کر پرتگالیوں کے نکالے جانے کی جان توڑ کوشش کی۔ علی عادل شاہ نے ایک لاکھ فوج اور دو ہزار ایک سو چالیس ہاتھی لا کر شہر کا محاصرہ کر لیا اور کامل دس مہینے تک شہر کو گھیرے رہے مگر کوئی صورت فتح کی نظر نہ آئی ناچار ہار کر واپس جانا پڑا۔

پادریوں کی جماعت کے ہولناک مظالم اور قتل عام

ایک تو بیجانگر کی تباہی نے گوا کی تجارت کو بٹھا دیا اور دوسرا سبب یہ ہوا کہ پادریوں نے باشندوں کے مذہبی معاملات میں مزاحمت شروع کی اور ایک دم اُن کو ادائے فرائض مذہبی سے جابرانہ طریقے سے روک دیا۔ مسجدوں اور دیولوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ لوگوں کو بہت سخت پکڑا اور پریشان کیا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے سب کو پکڑ پکڑ کر قید کر ڈالا اس پر بھی وہ لوگ اپنے مذہب پر قایم رہے تو اُن کو جان سے مروا ڈالا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ یہاں رہنا تو موت کے مُنہ میں رہنا ہے تو اکثر جلاوطن ہو گئے'' ۱۵۶۵ء میں ملک دکن ہند کی ملکی حالت

[۱] - فریزر نامی سیاح نے ۱۶۷۵ء میں گوا کے ہولناک مظالم کا چشم دید حال لکھا ہے کہ میں ایک دن صبح کو اُس مقام پر گیا جہاں کہ پادریوں کا دارالقضا بنا ہوا تھا دارالقضا کیا تھا مقتل تھا۔ بازار کے بیچوں بیچ ایک بڑا بہت بھاری اونچا انجن سولی کی طرح کا کھڑا کیا گیا تھا جس کو ایک چرخ لگا ہوا تھا انجن پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اس کو سٹراپیڈو Strappado کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سزا پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ ایک بڑا شہتیر بلندی پر لگا ہوا ہے اُس پر کھینچ کر انسان کو چڑھا دیتے تھے اور وہاں سے اُسے گرا دیتے تھے جس کے صدمے سے اُس کی ہڈیاں چورا چورا ہو جاتی تھیں۔ وہیں قریب میں ادیپہ وار کو ایک جزیرہ تھا۔ جہاں پادری کے فتوے کے موافق لوگوں کو زندہ آگ میں ڈال کر جلا دیتے تھے جن کے لئے یہ سزا تجویز کی جاتی تھی اُن کو

یہ تھی کہ اگرچہ دکن کے شاہان اسلام ہندوؤں پر پوری فتح پا چکے تھے لیکن پھر بھی ان میں آپس میں پھوٹ چلی جاتی تھی اور گو ہر ایک کا ملک جدا جدا تھا تاہم ایک دوسرے کا جانی دشمن تھا بیجانگر کی بڑی سلطنت تو تباہ ہونے کے بعد وہاں کے لوگوں نے پین کنڈہ میں پناہ لی تھی۔ سدا سیو راجہ اب تک بھی ترمل راج کی قید میں تھا۔ تین بھائیوں میں سے صرف ترمل راج بچ گیا تھا اور وہی ٹوٹی پھوٹی حکومت کرتا تھا امرا سب کے سب ناراض اور بد دل تھے ہر شخص اُس کے جوے سے نکلنا چاہتا تھا۔ ساحل سمندر پر پرتگالیوں کی تجارت دم توڑ رہی تھی۔ تالی کوٹہ کی لڑائی کے بعد کے واقعات کو تاریخ فرشتہ میں حسب ذیل لکھا ہے "تالی کوٹہ کی لڑائی کے چند دن بعد بادشاہ رام راج کے ملک کی طرف بڑھے اور آناگندی[۵] تک پونہچ گئے لیکن اُن کی فوجیں بیجانگر میں جو دریا کے اُس پار سے جا داخل ہوئیں اُنھوں نے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸ - دار القضا سے بھجنے اور شیطان کا خوفناک لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلاّد کے حوالے کر دیتے تھے۔ بازار میں سوائے سور کے گوشت کے اور کسی قسم کا گوشت کاٹنے کی ممانعت تھی جو ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے ایک غضب کا سامنا تھا۔ ایک اور سیاح لنس کوٹن Linschoten ۱۵۵۳ء سے ۱۵۸۹ء تک ہندوستان میں رہا ہے وہ بھی پادریوں کی انکوئی زیشن کے مظالم باشندگان کے قید کرنے اور تکلیف دہی کی تائید کرتا ہے۔ مخفی مبادکہ عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرماتے ہیں Inquisition پادریوں کی اُس مقدس جماعت کا نام ہے جو برگشتہ اور مرتد لوگوں کے افعال اور مذہبی الزامات کی تحقیقات اور سزا دہی کے واسطے مقرر کی جاتی ہے۔ ۱۲-

۵ - مدگل - تاورگیرہ - کنک گیری مقامات پر سے ہوتے ہوئے آناگندی پونہچے جو (۵۵) میل کا فاصلہ ہے یہ سب مقامات ریاست سرکار نظام ضلع رائچور میں ہیں کنک گیری میں ایک بہت بڑا دیول ہے - یہ دیول بہت عالیشان اور خوشنما بنا ہوا ہے اور سمستان کپلی حیدر کے تفویض ہے - اور ہر سال پھاگن کے مہینے میں ایک بہت بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے - یہاں کا لکڑی کا رتھ بہت عظیم الشان اور قابل دید ہے جس میں نقش نگار اور تصویروں کی بڑی صناعی کی گئی ہے جو حال میں بارہ برس میں طیار ہوا اور اُس کی لاگت قریب دس ہزار روپیے کے بیٹھی ہے۔ ہزاروں آدمی موٹے موٹے رسّے لگا کر کھینچتے ہیں اور پیچھے سے بڑی بڑی بلیّوں سے پہیوں کو ڈھکیلتے ہیں رتھ پر پوجاری سنگھے کر بیٹھتے ہیں اور دیو پر مورچھل جھلتے رہتے ہیں دس پندرہ ہزار آدمیوں کا

جاتے ہی شہر کو لوٹ ڈالا جو دریائے تنگ بھدرا کے اُس کنارے پر ہے اور عمارتوں کو
مسمار کیا اور ہر طرح کا ظلم برپا کیا جب یہ لوگ شہر اور مضافات کو لوٹ مار کر تاراج کر چکے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹ - مجمع ہوتا ہے۔ اس دیول میں اب تک پوجاری مقرر ہیں اور معاش بھی جاگیر
سرکار عالی نظام جاری ہے۔ اس دیول کے اندر بڑے بڑے پتھروں پر سنسکرت میں کتبے موجود ہیں جن میں اس دیول
کی تاریخ اور عطیات و انعامات کی کیفیت کندہ ہے۔ اس دیول کے برآمدے میں بڑے بڑے پتھر کے ستون گھوڑوں
کی شکل کے بنا کر لگائے ہیں اور ان پر عورتوں کی مورتیں بٹھائی ہیں چھت پر ہزارہا تصویریں بتوں کی پتھر میں تراشی
ہیں اور بے انتہا محنت اور صرفے سے یہ کام پورا کیا گیا ہے اس موضع میں ایک عجیب و غریب باؤلی بھی ہے جو
بہت بڑی اور نہایت عمدہ سنگ بست بنائی گئی ہے۔ اس باؤلی کے اطراف میں بہ طور برآمدہ کے دالانوں کے مکانات
بنائے گئے ہیں کہ جن میں سیکڑوں آدمی ٹھیر سکتے ہیں اس باؤلی کا نام "لکھا" باؤلی ہے اور قابل دید ہے۔ نام سے
معلوم ہوتا ہے کہ لاکھ روپیے کے صرفے سے بنی ہے اس کے علاوہ اس موضع میں ایک بہت بڑا سنگ بست
حوض ہے کہ جس کا عمق ہاتھی سے زیادہ ہے اور اُس کے بیچ میں ایک برجی بنی ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کشتی
میں سوار ہو کر اس حوض کی سیر کرتے تھے اور اس برجی کے اندر بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔" تتان آناگندی کی
مختصر تاریخ یہ ہے کہ تمراج پسر رام راج نے وقت شکست بیجاپور علی عادل شاہ کے پاس پناہ لی تھی۔ اُس نے
معروضہ کیا کہ ونکٹادری رام راج کا جانشین بن گیا ہے اور وہ رفتہ رفتہ قوت حاصل کرنا چاہتا ہے اور ریاست
کے تمام امرا و رؤسا اُسی کے ساتھ ہیں اور میں تن تنہا رہ گیا ہوں لہٰذا میری التماس ہے کہ بادشاہ جہاں پناہ
مجھے ملازم رکھ کر قلعہ آناگندی عنایت فرمائیں۔ بادشاہ اُسے اپنا بیٹا کہہ چکا تھا اُسے طلب فرمایا اور تسلی
دی اور اُسی روز چتر و اثاثہ سلطنت کہ لازمہ راجگان بیجانگر ہے اُس کو دے کر حکومت آناگندی پر روانہ فرمایا
آناگندی بیجانگر سے قریب تنگ بھدرا کی دوسری طرف ایک بڑا قصبہ اب بھی موجود ہے اور حصار مستحکم ہے
بیجانگر سے بھی پہلے کا یہ شہر ہے۔ علی عادل شاہ نے بعد خرابی بیجانگر اس قصبے کو دوبارہ آباد کیا۔ چند دنوں میں وہاں
اچھی آبادی ہو گئی۔ بھٹکے بھٹکائے لوگ کثرت سے آکر جمع ہو گئے۔ اسی سلسلے و خاندان کے راجہ یہاں اب تک
قایم ہیں انگریزی علاقے میں تین گاؤں ان کو جاگیر تھے وہ تو حال میں ضبط ہو گئے اب ۲۴ سنہ ء سے پانسو روپے
کی پنشن ملتی ہے اور سرکار نظام سے البتہ اکیس مواضع تخمیناً چالیس ہزار روپیہ سالانہ محاصل کے اب تک جاگیر ہیں۔
نواب سر سالار جنگ مرحوم نے دس ہزار روپیہ سالانہ پیشکش ان پر لگا دیا تھا مگر وہ بھی آج تک اُنھوں نے

ونکٹادری نے (جو لڑائی میں سے جان ۵ بچا کر ایک دور دراز مقام پر قلعے میں پناہ گزیں تھا) نہایت عاجزی سے بادشاہوں کی خدمت میں صلح کے لئے عرض معروض کرائی اور جتنے مقامات کہ رام راج نے مسلمانوں سے لے لئے تھے ایک ایک کر کے سب واپس دے دیئے۔ فتحیاب مسلمانوں کو اور کیا چاہیئے تھا بیجانگر کی تو وہ اینٹ سے اینٹ بجا ہی چکے تھے اب اُس میں کیا دھرا تھا جو اُسے لیتے اِس پر رضامند ہو گئے اور رائچور پہنچ کر سب ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور اپنی اپنی دارالخلافت کو روانہ ہوئے راجہ بیجانگر کبھی اس جنگ کی آفت سے پنپ نہ سکا۔ شہر میں تو پہلے ہی دن کے وقت اُلّو بولتا تھا آدمی کا پتہ نہ تھا رہا ملک اُس پر جو جہاں کا زمیندار یا قلعے دار تھا دبا بیٹھا اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ راجہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ ۱۵۶۸ء میں ترمل راج نے سداسیو راجہ کو بھی مار ڈالا اور خود تخت پر قابض ہو گیا۔ فی الحقیقت راجہ سداسیو برائے نام ہی تھا جو کچھ کیا دھرا اِن تینوں بھائیوں ہی نے کیا لیکن ترمل راج کو پھر بھی صبر نہ آیا اور سلطنت کی طمع میں ایسا سرشار تھا کہ سداسیو کی جان لے کر ہی چھوڑا۔ گو ترمل راج کا ہی راج تھا لیکن پھر بھی برائے بیت سداسیو کا نام چلتا تھا چنانچہ ویلور میں چار مقامات پر راجہ ہی کے نام کے سنگی کتبے موجود ہیں جن کی تاریخ مطابق ۵ فروری ۱۵۶۷ء درج ہے۔

قلعۂ تورگل کی فتح ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء علی عادل شاہ نے پھر جنگ کی طیاریاں کیں قلعۂ تورگل کے لوگوں نے سر اُٹھا رکھا تھا اور بغاوت کی۔ یہ قلعہ رام راج کے علاقہ داروں میں سے ونکٹی ویسائی کے قبضے میں تھا۔ پانچ ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کئے لشکر پڑا رہا جس سے قلعہ کے محصورین سخت تنگ آ گئے۔ اسی اثناء میں ایک بڑی بھاری توپ کے پھٹ جانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۰۔ برابر نہیں دیا نہ سرکار سے مطالبہ میں کوئی تشدد ہوا اب بہ سہولت اقساط میں ادا کر رہے ہیں۔ اب یہی راجہ ہیں جو والی سمستان اناگندی ہیں اور یہی بیجانگر کے راجہ کے خاندان کی عظمت و ثروت کی یادگار ہیں دونوں سرکاروں میں اِن کا بہت اعزاز و اکرام ہوتا ہے ۱۲

۵ دوسری روایت یہ ہے کہ ونکٹادری تالی کوٹہ کی لڑائی میں مارا گیا اور تین بھائیوں میں سے صرف ایک ترمل راج ہی بچا اور یہی صحیح ہے فرشتہ نے غالباً سُنی سنائی بات لکھ دی ہے اور سہواً ترمل راج کی جگہ ونکٹادری کا نام لکھا گیا ہے ۱۲۔

سے قلعہ والوں میں از سرِ نو دم آگیا۔ علی عادل شاہ نے توپ کے پھٹنے کا الزام شاہ ابوالحسن کے سر دھرا کہ اُس کی سازش اور غفلت سے اتنی بڑی توپ ضائع ہوئی اور اس قصور میں اُسے معزول کر دیا اور کمال الدین حسین جس نے ولایت سے آکر قطب شاہیوں کے ہاں معزز عہدہ پایا اور خطاب مصطفیٰ خاں اردستانی سے سرفراز ہوا اور وہاں چند دن نیک نامی سے بسر کر کے قتل رام راج کے بعد اجازت لے کر بیجاپور کی سلطنت میں آگیا تھا اور ملازم ہوا تھا امیر جملہ اور وکیل السلطنت مقرر کر کے تمام امور سلطنت اُس کے سپرد کر دیئے مصطفیٰ خاں نے کرناٹک کے تمام سرکشوں اور متمردوں کو بہ حکمت عملی مطیع و منقاد بنا لیا۔ مصطفیٰ خاں نے بہت کوشش کی اور دو مہینے تک قلعہ کو محاصرہ کئے پڑا رہا محصورین کو اس شرط سے امان دی گئی کہ ونکٹی ویسائی اور اُس کے بھائی بندوں کو قلعہ حوالے کر دیا جائے بشرطیکہ وہ خود قلعہ سے مع اموال و اہل و عیال کے باہر نکل جائیں۔ مصطفیٰ خاں نے ونکٹی اور اُس کے قرابت داروں کو سب کو تکلیف دے دے کے مروا دیا اور قلعہ تورگل کا قبضہ کر لیا۔

قلعہ دہارور کی فتح ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء قلعہ دہارور جس کا ذکر ہم پہلے لکھ آئے ہیں ضلع بیڑ صوبہ اورنگ آباد میں ہے جو رام راج کے ایک علاقہ دار کے قبضہ میں تھا جو ونکٹا دری کی مدد سے بہت قوت و شوکت پکڑ گیا تھا۔ چھ ماہ کے محاصرے کے بعد وہ بھی مصطفیٰ خاں کی سعی سے فتح ہو گیا اور سات مہینے تک بادشاہ اسی قلعہ میں مقیم رہا جب اُس نے اطراف کے مقامات کو باغیوں سے پاک کر لیا تو بنکاپور کی طرف رخ کیا۔

قلعہ بنکاپور کی فتح ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء رام راج کا متوسل سردار ملپ وزیر عرف ونکیا نایک قلعہ جات بنکاپور۔ حیرہ اور چندر کوٹی وغیرہ پر قابض تھا جوں ہی اُس نے بادشاہ کے آنے کی خبر سُنی قلعہ کے اندر جا بیٹھا اور اپنے بیٹے کو ایک ہزار سوار اور دس ہزار پیادے دے کر تمام جنگل و کوہستان میں پھیلا دیا کہ لشکر اسلام میں باہر سے غلہ آنے نہ دیں اور جہاں تک ممکن ہو ان سے لوٹ مار کریں اور ونکٹا دری برادر رام راج کو ایک عریضہ لکھ کر بلگاؤں کو بھیجا کہ میں حضرت ولی نعمت کی مخالفت سے پشیمان اور نادم اور اپنی تقصیر کا معترف ہوں اب میں مصیبت میں

گرفتار ہوں لشکر اسلام نے مجھ پر یورش کی ہے مگر اکیلا اُن کی تاب مقاومت کب لا سکتا ہوں
یہ وقت ایسا ہی کہ آپ میرے قصورات کو معاف فرما کر بہ نفس نفیس میری امداد کو تشریف
لائیں تو میری عزت بچتی ہے ورنہ کہیں کا بھی نہ رہوں گا اور میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی آپ سے
انحراف نہ کروں گا اور مدۃ العمر گرویدہ احسان رہوں گا اور سال بسال بے عذر اخراج رقم خطیر
دیتا رہوں گا - ونکٹادری نے جواب دیا کہ تو رام راج کا بڑا دشمن تھا تیری ہی تحریک اور کوشش کی
بدولت چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑک گئی حتیٰ کہ مسلمانوں نے چاروں طرف سے
گھیر لیا اور آنا گندی اور چندر گیری جو مجھے دیا تھا اُسی کی سنبھال ہی مجھے مشکل ہو رہی ہے مدد کیا
کر سکتا ہوں اگر دیکھو کہ زر نقد اور جواہر دینے سے یہ بلا ٹلتی ہے تو ہرگز دریغ نہ کرو اور اگر باہم
صلح نہ ہو سکے تو خیر مرتا کیا نہ کرتا اپنی اطراف کے راجوں کو ایسا ملا لو کہ وہ تیرے بیٹے کی امداد پر
آمادہ ہو جائیں اور وقت بوقت چاروں طرف سے لوٹ مار اور آتش زنی شروع کر دیں اور
رات بے رات گشت لگائیں اکا دکا جو ملے اُس کا کام کٹار سے تمام کریں اور میں نے بھی تمہارے
ہمسایہ راجوں کو تمہاری امداد کے لئے خطوط لکھ دیئے ہیں کہ اس میں اُن کا بھی فائدہ ہے - اگر
لشکر اسلام نے تم کو قلعہ سے نکال دیا تو پھر کسی کی خیر نہیں سب کو ایک ایک کرکے فتح کر لیں گے
چوں کہ ونکٹادری خود نہیں آیا اور محض جواب پر اکتفا کیا بلّب وزیر کو نا امیدی ہو گئی
لیکن پھر بھی اُس نے ونکٹادری کے صلاح پر عمل کیا اور غلہ اور رسد کی آمد چاروں طرف
سے بند کر دی اور ہر روز لشکر میں شور و غل مچتا تھا کہ چوروں نے آج گھس کر فلاں شخص کو
مار ڈالا - کرناٹک کے پیادے تھوڑے سے فائدے کے لئے اپنی جان کی پروا نہ کرتے تھے
اور اپنے بدن پر تیل مل کر جہاں راستہ ملتا تھا گھس آتے تھے اور جو سامنے آیا انسان ہو یا
حیوان اُس کا کام کر دیتے تھے اور چلتے پھرتے نظر آتے تھے - لشکر والے ہر چند کوشش
اُن کی گرفتاری کی کرتے تھے مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی - اس نواح میں عام شہرت تھی کہ
یہاں کے لوگوں کو ایسا جادو آتا ہے کہ مرگھٹ کی راکھ لا کر جہاں چھڑک دی سوئے ہوئے لوگ
ہوشیار نہیں ہو سکتے تھے اور اگر کوئی ہوشیار بھی ہو گیا تو وہ مبہوت رہتا تھا اور بات نہ کر سکتا تھا
القصہ چند دن یہی حالت رہی اور قریب تھا کہ لشکر واپس جائے کہ مصطفیٰ خاں نے ہمت

بندہائی ان قزاقوں اور قحط کا یوں معقول انتظام کیا کہ چند امرائے ہنود کو جو ابراہیم عادل شاہ اور علی عادل شاہ کے زمانے میں اسی لشکر میں ملازم تھے اور جن کے پاس چھ ہزار سوار تھے ہنود کی فوج کے مقابلے کے واسطے مقرر کر دیا اور آٹھ ہزار پیادوں کو اطراف کیمپ کے ایک گز ہٹا کر بٹھا دیا اور سختی سے حکم دیا کہ سب تمام شب ہوشیار رہیں اگر کسی شخص کو لشکر کے باہر نکلتے دیکھیں فوراً اُسے قتل کر دیں اس ڈر سے لشکریوں سے تو کوئی باہر جا ہی نہیں سکتا تھا اگر کبھی پیادوں پر ٹبرکی ڈال کر اُن کو غافل کر کے چور اندر گھس بھی آئے تو لشکر میں غل شور پڑ جاتا تھا اور بھاگنے لگتے تھے اور بھاگے کہ مارے گئے اس تدبیر سے چوروں کا تو انسداد قرار واقعی ہو گیا اور اسی طرح رسد بھی آنے لگی اور برابر ایک سال تک لشکر اسلام اور ہنود کے لڑائیاں ہوتی رہیں اور ہزارہا آدمی مارے گئے۔ لشکر اسلام نے قلعہ کو گھیر رکھا تھا اور روزانہ جنگ ہوتی رہتی تھی قلعہ والے بھی آلاتِ آتش بازی کا استعمال کر کے نہایت استقلال سے مقابلہ کرتے تھے۔ انھیں دنوں میں بلّب وزیر کے بیٹے نے انتقال کیا اُس کا مرنا تھا کہ قلعہ والوں کا دل چھوٹ گیا اور پورے تیرہ مہینے محاصرے کو ہونے آئے اور رسد بھی چک گئی اور آئے دن کی لڑائی کے واسطے کون اپنی جان دے رفتہ رفتہ سب راجاؤں نے کنارہ کشی کی ناچار محصوروں نے مصالحت چاہی بادشاہ نے حکم دیا فوراً قلعہ خالی کر دیا جائے۔ بلّب وزیر اور سب لوگ قلعہ چھوڑ کر جس کے جدھر سینگ سمائے ملک کرناٹک میں چلے گئے۔ علی عادل شاہ نے قلعہ پر قبضہ کرتے ہی ایک عالی شان مندر کو ڈھا کر بطریق مذہب امامیہ اذان دلوائی اور اُس جگہ اپنے ہاتھ سے ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا اور اس فتح کی خوشی میں مصطفیٰ خاں کے مراتب اور بڑھے اور وہ خلعت جو سوائے اسد خاں لاری اور کشور خاں کے کسی اور کو نہ ملا تھا سرفراز ہوا اور اس کے بعد ملک کوکن کے بہت سے قلعے اُسی نواح کے فتح کیے۔ تین سال کے بعد بالم کنڈہ پر چڑھائی کی رای بیجانگر خوف زدہ ہو کر بین کنڈہ سے چندر گیری بھاگ گیا اس لڑائی میں عادل شاہ کو کامیابی نہیں ہوئی کیوں کہ بادشاہ گولکنڈہ ہندوؤں کی مدد پر تھا۔ ۱۵۷۰ء میں ابراہیم قطب بادشاہ گولکنڈہ نے اپنے معاہدے کے خلاف دین کنڈہ اور کنڈہ دیڑ ۔ بکاچر کوٹ اور کھم[۵۱] پر چڑھائی کی اور وہ تمام مقامات جو ردو کرشنا کے جنوب میں تھے

[۵۱] حیدرآباد سے (۱۶۰) میل بجواڑہ لین پر واقع ہے۔

فتح کرلئے۔

شاہزادہ ابراہیم کی رسم گل پوشی ۹۸۷ھ ۱۵۷۹ء

علی عادل شاہ کا کوئی فرزند نہ تھا اُس نے اپنے بھتیجے ابراہیم بن شاہ طہماسپ کو ۹۸۷ھ ۱۵۷۹ء میں اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اسی سال حسب سنت حضرت ابراہیم خلیل شاہزادے کی ختنہ کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔ جس رات شاہزادہ گھوڑی چڑھا اُس کو حسب دستور ملک دکن دولھا بنا کر لباس پر تکلف میں شب گشت نکالا۔ علاوہ ہر قسم کی آرائش کے ٹوکروں میں آتشبازی تھی شاہ بازار میں دو طرفہ آتش بازی کے جھاڑ لگائے گئے تھے۔ ٹوکروں میں اتفاقاً کوئی گل پڑ جانے سے آگ لگ گئی جس سے سات سو تماشائی جل گئے لیکن خدا کی قدرت دیکھئے کہ زندگی باقی تھی جو شاہزادہ بال بال بچ گیا۔

علی عادل شاہ کی وفات ۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء

علی عادل شاہ کی بہن تانی بی بی سلطانہ جو علی برید کی بیوی تھی لاولد فوت ہوئی اور تمام مال و اسباب اور دھن دولت برید کے ہاں رہ گیا۔ شرع کے مطابق علی برید کو جہیز واپس کرنا لازم تھا چنانچہ علی عادل شاہ کے مطالبے پر علی برید نے سوائے جواہرات کے سب واپس کردیا۔ کمال خاں نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ سے اور علی برید سے روابط قدیم ہیں اگر ارشاد ہو تو میں اپنی طرف سے کسی کو بھیجوں۔ بادشاہ نے کہا کہ ہاں حق تو ہمارا ضرور ہے۔ علی آقا سرخیل بیدر گیا اور چار مہینے کے بعد کچھ حصہ جواہرات کا مع دو غلاموں کے جو تانی بی بی کے پروردہ تھے ساتھ لایا۔ بادشاہ نے ان دونوں غلاموں میں سے ایک کو جو زیادہ ہوشیار تھا شب میں خلوت میں خفیہ حالات جواہرات اور متروکات کے پوچھنے کو بلوایا اُس وقت دو تین خدمتگار بادشاہ کے پاس حاضر تھے غلام نے آتے ہی بادشاہ کے سینے پر ایک ایسا خنجر مارا کہ پیٹھ کے پار ہوگیا بادشاہ مجروح ہو کر محل سے اُٹھا اور صحن تک پہنچا تھا کہ گر پڑا۔ رفیع الدین شیرازی محلات کا حوالدار اور خان سالار اور خزانہ دار تھا اُس کی نشست بھی موجود تھا اور افضل خاں اُسی وقت اُٹھ کر اپنے گھر گیا تھا قلعہ کے دروازے ہی تک پہنچا تھا کہ شور و فغاں برپا ہوا۔ رفیع الدین نے اندر آکر دیکھا تو بادشاہ خون میں لت پت پڑا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ افضل خاں بھی سنتے ہی راستے سے واپس آیا

آتے ہی بی بی پر ہاتھ رکھا دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا سر پر خاک اڑانے لگا پھر ان دونوں نے
بادشاہ کو اٹھا کر محل میں لٹا دیا اور باہر آئے۔ قاتل نے اندر گھس کر حجرے کا دروازہ بند کر لیا
دوسرے دن اُس کو اور اُس کے ساتھ دوسرے خواجہ سرا کو بھی قتل کیا۔ رات ہی سارے
شہر میں کھلبلی مچ گئی اور ساری خلقت امنڈ آئی مگر قلعہ کے دروازے بند تھے اندر کوئی گھس
نہ سکا صبح سویرے نماز کے وقت امرا نے افضل خاں کو کہلا بھیجا کہ تمام رات ہم بے قرار پڑے
رہے اب تو دروازہ کھولئے اور آخر آپ کا ارادہ کیا ہے اور کس کو تخت پر بٹھلانا چاہتے ہیں
افضل خاں نے کہلا بھیجا کہ جو تم سب کی صلاح ہو وہی میری بھی ہے۔ سب نے صلاح مشورہ کر کے
مرتضیٰ خاں انجو کو دروازے کے پاس بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ ہم سب نے کمال الدین فتح اللہ کو
وکیل کیا اور اس امر پر متفق ہیں کہ شہزادہ ابراہیم کو جو بادشاہ کا بھتیجا اور وارث ہے اور
جسے بادشاہ نے اپنے حین حیات ولی عہد مقرر فرمایا ہے تخت پر بٹھایا جائے اور آپ
بدستور وکیل السلطنت رہیں رہے دوسرے مناصب اُن پر حسب مناسب جس کو
چاہیں آپ مقرر کریں۔ افضل خاں نے کہا کہ مجھ سے اب اتنی بڑی خدمت کی سرانجام دہی
ناممکن ہے آپ کسی دوسرے کا انتخاب کریں۔ مرتضیٰ خاں نے کہا کہ اچھا آپ باہر نکل کر بات
چیت تو کریں۔ افضل خاں نے کہا دروازے پر خلائق کا بڑا ہجوم ہے ایسا نہ ہو کہ میں دروازہ
کھولوں اور کوئی ہنگامہ ہو جائے بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی طرف سے تین چار آدمی منتخب
کر کے لے آیئے۔ حسبِ کمال الدین فتح اللہ کمال خاں۔ مرتضیٰ خاں۔ منجن خاں پسر خورد
کشور خاں جو کامل خاں کا داماد تھا اندر آگئے اور سب کی صلاح سے شہزادہ ابراہیم کو محل
مبارک سے لا کر تخت پر بٹھلا دیا اور سبز زر نگار چتر شاہی جو لازمہ سلطنت عادل شاہیہ تھا
لگایا گیا۔ پھر امرا نے نذریں گزرانیں اور عامہ خلائق نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس کے بعد
امرا علما و فضلا نے بادشاہ کی تجہیز و تکفین کے بعد بادشاہ کی والدہ کے روضہ میں جو
شہر بیجاپور کے جنوب و مشرق کے کونے میں واقع ہے بروز شنبہ ۲۴ ماہ صفر ۹۸۸ھ دفن کیا
اور دبیر سلطان محمد عادل شاہ نے قبر پر چوکھنڈی تعمیر کرائی جو علی روضہ کے نام سے مشہور
ہے۔ رفیع الدین شیرازی ناقل ہیں کہ عام شہرت یہ تھی کہ کامل خاں کی سازش سے بادشاہ

مارا گیا - جس کی وجہ یہہ تھی کہ کامل خاں جب سے منصب کار ملکی پر سرفراز ہوا تھا ایسا خود رائے
ہوگیا تھا کہ کسی کی سنتا نہ تھا - کمال خاں کی جاگیر قلعہ گلبرگہ پر ایک سید کارپرداز مقرر تھا اُس سے
اور کامل خاں کے لوگوں سے کچھ جھگڑا ہوگیا اُنھوں نے خود غرضی سے بیچارے سید کو بیڑی ڈال کر
قید کر دیا - اس بات کی شکایت بادشاہ کی سمع مبارک تک پہنچی - بادشاہ نے متواتر
چار دفعہ فرمایا کہ سیدوں کو اس طرح تکلیف دینا کچھ اچھی بات نہیں بہتر ہی کہ اُس غریب کو چھوڑ دو
لیکن کامل خاں نے کچھہ نہ سنا اور جب جب بادشاہ نے کہا ٹال دیا - ایک دن بادشاہ کی سواری
برآمد ہوئی تھی - کامل خاں خواصی میں تھا - ناگاہ اُس سید کا باپ روتا پیٹتا بادشاہ کے
سامنے آگیا اور واویلا کرنے لگا کہ کامل خاں نے میرے لڑکے کو خواہ مخواہ ایک مدت سے
قید رکھا ہی اور کسی طرح نہیں چھوڑتا - بادشاہ بڈھے کی فریاد سن کر بہت برآشفتہ ہوا اور کامل خاں
کو ایک ایسی لات رسید کی کہ فیل نشین جو بادشاہ کے پیچھے کھڑا تھا اُس پر جا کرا اوندھے منہ گرا -
خیر بات گئی گذری ہوئی - بادشاہ نے آگے چل کر اس تذلیل کی بہت کچھ تلافی کر دی مگر کمال خاں
کا سینہ پُر کینہ کدورت سے پاک نہ ہوا اور اسی خصوصیت سے اُس نے بادشاہ کو مروا دیا - لیکن
تاریخ فرشتہ میں وجہ قتل کی کچھ اور ہی لکھی ہی کہ بادشاہ باوجودیکہ تمام اوصاف حمیدہ وخصائل
پسندیدہ سے متصف تھا لیکن عیاش بہت تھا اور خوب صورت لڑکوں کی طرف زیادہ مائل
تھا - بادشاہ نے علی برید کو کہلا بھیجا کہ "میں سنتا ہوں کہ تمھارے پاس دو خواجہ سرا صاحب
حسن و جمال ہیں اُن کو بہت جلد ہمارے پاس بھیج دو" ملک برید نے چند دن عذر معذرت
میں ٹال دئے لیکن آخر کار مرتضی نظام شاہ نے چڑھائی کر دی اور عادل شاہ نے بھی ہزار سوار مدد
کے لئے بھیج دئے مشکل یہہ تھی کہ امیر برید خود ان خواجہ سراؤں کو بہت چاہتا تھا مگر اب جب کہ
جنگ و جدل کی نوبت پہنچی ناچار بیدر سے اِن دونوں کو بھجوا دیا - خواجہ سراؤں کو جس کام
کے لئے بلایا تھا وہ تاڑ گئے اِن دونوں میں جو بڑا تھا وہ ایک چھری پاجامے میں چھپا کر لے
گیا اور منتظر وقت جب بادشاہ اور وہ خلوت میں گئے تو اُس نے بادشاہ کے پیٹ
میں بھونک دی ؎

دریغا کہ آن شاہ عالی نژاد   کہ در عدل مثلش بہ گیتی نزاد

به تیغ ستم نقد جان برفشاند | از و غیر افسانه چیزے نماند
بجز خاک خوباں دریں دشت نیست | بجز خون شاہان دریں طشت نیست
جہاں باہمہ زینت و زیب او | نیرزد بدیں رنج آسیب او
چنیں ست آئیں گردندہ دہر | کہ بخشد بہ رغبت ستاند بہ قہر

یہ حادثۂ عظمیٰ اور واقعۂ کبریٰ شب پنجشنبہ ۲۳ صفر ۹۸۸ھ میں ہوا ملا محمد رضائی مشہدی نے حسب ذیل تاریخ لکھی ہی۔

آہ کہ دست اجل در چمن عدل وداد | نخل فتوت بکند شاخ مروت برید
بر فلک خسروی گشت ازیں ماجرا | مہر کرم مختفی ماہ سخا ناپدید
خسرو عادل لقب شاہ علی نام آنکہ | ظلم بدوران او کس نشنید و نہ دید
وقت وداع جہاں تا نزود تلخ کام | از کف ساقی دہر جام شہادت چشید
منشی دوران غیب از پی تاریخ آں | بر سر دفتر نوشت شاہ جہاں شد شہید ۹۸۸

دوسرا مادہ تاریخ "ظلم دید" ہی۔ مدت سلطنت ۲۳ سال اور سن شریف سینتالیس سال تھا۔ رفیع الدین شیرازی نے جو اس دربار میں ایک مقتدر عہدے پر مامور تھا اس واقعہ کا بطور چشم دید ۲۴ صفر ۹۸۸ھ یوم دوشنبہ مطابق ۱۱ اپریل ۱۵۸۰ھ میں ہونا لکھا ہی ؎

گویند بجشر گفتگو خواہد بود | واں یار عزیز تند خو خواہد بود
از خیر محض جز نکوئی ناید | خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود

ان دونوں روایتوں میں کون سی بات صحیح ہی اس کا علم تو خدا کو ہی ہی لیکن رفیع الدین شیرازی اور محمد قاسم فرشتہ استرآبادی دونوں کے اقوال میں آسمان و زمین کا فرق ہی مگر مصداق صاحب البیت ادریٰ بما فی البیت۔ فتح الدین شیرازی رام راج کی لڑائی سے پانچ سال پیشتر اس دربار میں ملازم ہوا تھا اور عمدہ خدمات سے سرفراز ہوا اور مراتب اعلیٰ پر پونہچا اور اکیس برس بادشاہ کی ملازمت میں رہا اور بیشتر اُسے شرف حضوری حاصل تھا وہ اپنا چشم دید واقعہ لکھتا ہی رہا محمد قاسم فرشتہ وہ اس واقعہ کے برسوں بعد اس دربار میں آیا اور سنی سنائی بات اُس نے لکھدی۔ بیس شنیدہ کی بود مانند دیدہ۔ اب ناظرین خود انصاف کرلیں۔

علی عادل شاہ کا کیرکٹر اور مختصر ذاتی حالات

رفیع الدین شیرازی جو خدمات خان سالاری و حوالداری و خزانہ داری محلات مختلف خدمات پر برابر اکیس سال تک معزز و ممتاز رہا اور ہمیشہ حاضر باشی اور ہم کلامی شاہ کا فخر رکھتا تھا راوی ہے کہ چار دانگ عالم میں بادشاہ کی سخاوت اور داد و دہش کا شہرہ تھا۔ علماء و فضلاء و شعراء و صلحاء اور دوسرے مستحقین فارس و عراق و آذربائیجان و عربستان و سائر ممالک کے جوق جوق آتے تھے اور اس چشمۂ فیض سے سیراب ہو کر چلے جاتے تھے ؎

ہر کجا چشمہ بود شیریں　　مردم و مرغ و مور گرد آیند

صرف اہل شیراز سے ہی مختلف اوقات میں دس ہزار لوگ آکر مالا مال ہو کر چلے گئے۔ ایک فقیر نے آکر ایک نسخہ کلام مجید کا نذر گزرانا اس کو خزانۂ عامرہ میں لائے اور ایک بڑا صندوق جس میں ظروف طلائی و نقرئی تھے اس کے سامنے کھول دیا اس میں بعض برتن پانچ پانچ ہزار ہن کے تھے اور بعض دو دو ہزار کے اور حکم دیا کہ جو پسند ہو لے تو فقیر نے ایک ظرف پنج ہزاری اٹھا لیا ایک شاگرد پیشہ جس کا نام کان نیلچی تھا پیشگاہ خداوندی میں حاضر ہوا اور اپنی شادی کے واسطے خواہان امداد ہوا اسی وقت اسی ہزار ہن کی ارسال آئی تھی حکم دیا کہ جتنا اٹھا سکتے ہو اس میں سے اٹھا لو اس نے سولہ بدرے اٹھائے جو ایک ایک ہزار ہن کے تھے لیکن وزن زیادہ تھا لے جا نہ سکا کچھ سر پر رکھے کچھ کندھے پر کچھ دامن میں باندھ لئے اور بہ مشکل روانہ ہوا تو کچھ تھلیاں گر گئیں کچھ بوجہ سے پھٹ گئیں اور ہن بکھر گئے جیسے وہ سمیٹنے لگا آس پاس جو لوگ کھڑے تھے وہ بھی چننے لگے تین چار ہزار ہن ان لوگوں کے بھی پلے پڑ گئے اس طرح کے بیسوں قصے ہیں اگر لکھے جائیں تو ایک دفتر ہو جائے اور ہر روز سلام کے واسطے جو لوگ حاضر ہو کر اپنی خدمات سے متعلق عرض و معروض کرتے تھے تو سب کو علی قدر مراتب انعام و اکرام ملتا تھا الغرض جس قدر روپیہ زر و جواہر اور اقمشہ خزانے میں جمع ہوتے تھے چند ہی روز میں وہ اس طرح داد و دہش میں صرف ہو جاتے تھے اور ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ بادشاہ کی عنایت مجھی پر زیادہ ہے۔ بعض وقت گفتگو میں اگر کوئی بات کاٹ کر دخل در معقولات دیتا تھا تو پادشاہ فرماتا کہ پہلے تم میری بات تو پوری سن لو پھر جو اعتراض ہو شوق سے کرو اور رحم و شفقت نرم دلی رقیق القلبی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ حکم

فرماتے تھے کہ باورچی خانے میں کوئی جانور ذبح نہ کیا جائے کیا ضرور ہے کہ تھوڑا ...
اتنی بہت سی جانیں ذبح کی جائیں جس طرح ساری دنیا بازار سے گوشت خرید...
باورچی خانے کے واسطے بھی لیا جائے اور خاص حکم تھا کہ خاصہ کا کھانا مٹی کے برتن میں پیش
کیا جائے باقی لوگوں کے واسطے رسم و قاعدہ کے موافق تحفہ ... کے برتنوں میں چنا جائے
تو مضائقہ نہیں - اسی طرح کھانے پینے اور لباس میں مطلق تکلف نہ کرتا تھا بالکل ...
سادگی تھی اکثر اوقات ... زمین پر بیٹھ جاتا تھا

ای ذوق تکلف میں ہی تکلیف سراسر
آرام سے ہیں وہ جو تکلف نہیں کرتے

ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی کشادہ دلی اور تواضع سے ملتا تھا - کھانے کو جو کچھ اور جیسا کچھ
مل جاتا تھا کھا لیتا تھا کبھی بد ذائقگی کی شکایت زبان پر نہ لاتا تھا اگر کبھی کسی مصاحب نے
بے مزگی یا نمک زیادہ ہونے کو کہا بھی تو ہنس کر کہتا تھا کہ خدائے تعالی نے طرح بہ طرح کے
کھانے نصیب کیے ہیں شکر نعمت بجا لانا چاہیے تاکہ اور زیادہ نعمت دے ع شکر نعمت
ہائے تو چندان کہ نعمت ہائے تو - اعتراض کرنا ناک بھوؤں چڑھانا کفران نعمت میں داخل
ہے چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک دن چند ککڑیاں ایک کشتی میں لگا کر پیش کی گئیں -
رفیع الدین نے ان کو چھیل کر بیج نکال کر چار چار ٹکڑے کر کے سامنے رکھ دیے پادشاہ نے
نہایت رغبت سے پانچ چھ قاشیں ذوق و شوق سے کھائیں اور ایک ککڑی میں سے تین
ٹکڑے تو آپ کھائے اور ایک رفیع الدین کو دے کر کہا کہ تم بھی چکھو اس نے جو ہیں زبان پر
رکھا ایسا کڑوا تھا جیسے کہ نیم سارا منہ کڑوا زہر ہو گیا - رفیع الدین حیرت میں تھا کہ ایک
ٹکڑے نے اس کے حواس پریشان کر دیے تو پادشاہ سے کیوں کر کھائے گئے کہ منہ تک
نہ بنایا - اس سے معلوم ہوا کہ پادشاہ سلامت کا صرف یہ منشا تھا کہ رفیع الدین کو ... اس
طرح تنبیہ کی جائے کہ حاضرین میں سے کسی اور کو اس کی خبر تک نہ ہو اور رفیع الدین کو ہدایت
ہو جائے کہ وہ پھر کبھی ایسی حماقت نہ کرے کہ بے دیکھے بھالے دسترخوان شاہی پر کوئی
ایسی ویسی چیز لگا دے -
نقل ہے کہ ایک دن خاصہ کے وقت حسب معمول دسترخوان چنا گیا پادشاہ محل میں تھا

رفیع الدین اطلاع کرنے گیا دیکھا کہ خزانہ و شربت خانہ کے کچھ خدمت گار بیٹھے غریبا مئو کھانا
کھا رہے تھے بادشاہ کا گزر جو اُدھر سے ہوا بہت گھبرا کر سب کھانا چھوڑ کھڑے ہو گئے بادشاہ
سلامت نے انھیں کہا نہیں نہیں بیٹھو اور خود بھی اُن کے ساتھ بیٹھ کر شریک طعام ہو گیا۔ کھانا
صرف جوار کی روٹی کچھ معمولی سالن اور چٹنی تھی۔ بادشاہ نے رفیع الدین کو آتے دیکھ
ہنس کر کہا کہ "بے منت شما شکم خود را پُر کردیم" ۵

زتار شوکت سلطاں نہ گشت چیزے کم — زالتفات بہ مہماں سرائے دہقانے
کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید — کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

اسی طرح لباس میں بہت سادگی مد نظر تھی۔ حاضر باش ملازم سفید لباس پہنتے تھے مخملی ٹوپی
اور کندھے پر ایک چادر ڈال کر سینہ پر اُس کے پلّے چھوڑ دیتے تھے پاؤں میں کفش پائی چرمی
اور ہاتھ میں ایک چھڑی رہتی تھی۔ فرش فروش میں بھی تکلف مطلق نہ تھا اگرچہ کئی عمدہ محلات
سجے سجائے تھے مگر اپنی نشست کے واسطے ایک پرانا غالیچہ ہی بچھوا رکھا تھا لیکن جب کبھی
دوسرے ممالک کے ایلچی آتے تھے اور دربار ہوتا تھا تو البتہ تکلّف کیا جاتا تھا اور مسند زر نگار اور
مخمل اور زربفت کے قالین بچھائے جاتے تھے اور انواع و اقسام کی آراستگی کی جاتی تھی اور ہر طرح کا
ادب اور تواضع اور مراسم شاہی ملحوظ رہتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک دن خاصہ سے فارغ ہو کر حکیم الملک پر ٹیکا لگا کر بادشاہ سلامت بیٹھے
ہوئے تھے فتح الدین سامنے دست بستہ کھڑا تھا بادشاہ نے دامن پکڑ کر کھینچا اور فرمایا کہ بیٹھ
جاؤ کہو کیا خبریں ہیں دنیا مجھے کیا کہتی ہے اور اُن کی میری نسبت کیا رائے ہے؟ فتح الدین بادشاہ
کی عنایت بے غایت سے خدمتِ اقدس میں گستاخ بھی تھا دلیرانہ عرض کی کہ پیر و مرشد کو ابھی
تک جیسا کہ چاہیے لوگوں نے نہیں پہچانا۔ اُس کا یہ جواب پسند خاطر عاطر ہوا اور مسکرا کر مجھے
چھاتی سے لگا لیا اور کہا کہ اس بات کو ذرا تفصیل سے کہو نا۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت کی
ذات مستجمع الصفات ہے عوام اس کو کیا جان سکتے ہیں۔ جہاں پناہ جب خدمت گاروں میں
تشریف فرما ہوتے ہیں انھیں کے مذاق کی باتیں کرنے لگتے ہیں اور بعض وقت اولیاء اللہ کی
طرح بطور الہام غیب کی باتیں زبان فیض ترجمان سے ایسی ارشاد فرمانے لگتے ہیں کہ لوگ

محو حیرت رہ جاتے ہیں اور جب علماء سے گفتگو فرماتے ہیں تو آپ کا مذاق و تبحر علمی ظاہر ہوتا ہے
اور علماء سے ایسی بے تکلف باتیں کرتے ہیں کہ جیسے کوئی بڑا ذی علم مباحثہ کرتا ہے وہ آپ کی
تقریر سن کر از بس محظوظ ہوتے ہیں۔ جب کوئی پولٹیکل معاملہ چھڑ جاتا ہے یا کسی ایلچی سے
گفتگو ہوتی ہے تو سکندر اور ارسطو کی دانش مندی گرد ہو جاتی ہے تکلم الناس علیٰ قدر عقولہم
پس جو شخص ایسی جامعیت کا خود ہو وہ حضرت کو کما حقہ پہچان سکتا ہے ما دشما کس قطار
میں ہیں۔ بادشاہ کا مذاق علمی بہت بڑھا ہوا تھا۔ اسی شوق کی وجہ سے ایک بہت بڑا کتب خانہ
جمع کیا تھا۔ قریب ساٹھ کاتب۔ خوش نویس اور مذہب و مجدول و مجلد و نقاش ملازم تھے
منتخب کتب جو بادشاہ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں اُن کے چار صندوق سفر و حضر میں ہمیشہ
ساتھ رہتے تھے۔ اتفاقاً سفر میں ایک روز منزل پر دیر سے پونہچے اور موسلا دھار مینہ برس
رہا تھا جس کے سبب سے لشکر متفرق ہو گیا تھا۔ بادشاہ جب اپنے خیمہ میں بیٹھا تو کتابوں
کے صندقوں کی یاد ہوئی دریافت سے معلوم ہوا کہ خزانہ عامرہ کے ساتھ دوسرے کسی موضع
میں راستہ بھول کر چلے گئے ہیں۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا اور کہا کہ بارہا میں نے تاکید کی
ہے کہ کتابوں کے صندوق ساتھ رکھا کرو مگر تم لوگوں کو مطلق اثر نہیں ہوتا۔ اُسی وقت ایک
امیر کو بھیجا کہ جاؤ ابھی صندوق لے کر آؤ اور جب تک صندوق آنہ لیئے بے چین رہا۔
نقل ہے کہ اکثر سہ پہر کے وقت بادشاہ نیم برشت انڈے کھایا کرتا تھا۔ فتح الدین روزانہ
بیس انڈے اُبلے ہوئے رومال میں باندھ کر بادشاہ کے حضور میں لے جایا کرتا تھا جس میں سے
کبھی گیارہ کبھی بارہ کی صرف زردی تناول فرماتے تھے۔ ایک دن حسب معمول انڈے اُبال
کرلے گیا تو سوائے دو کے سارے گندے نکلے دو ہی بادشاہ نے کھائیے پھر دوبارہ اور بیس
انڈے اُبال کر لے گیا سو را تفاق سے اُس میں بھی ایک ہی اچھا نکلا باقی کل گندے ایک
انڈا کھا کر بادشاہ نے کہا کہ شاید میری تقدیر کا رزق اُٹھ گیا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ اواخر عمر
میں اکثر اپنی موت کا ذکر فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دن دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ارشاد
فرمایا کہ بائیس برس سے میں اپنے پروردگار سے مانگتا تھا مگر میری دعا مقبول بارگاہ
خداوندی نہ ہوئی کُلّ اَمرٍ مَرْهُوْنٍ بِاَوْقَاتِهَا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ اب مجھے

بشارت ہوئی کہ ہم نے تیری دعا قبول کی - فتح الدین کو بہت خوشی ہوئی اُس نے پوچھا کہ آزردہ کیا بات ہی بادشاہ نے نہایت بشاشت اور شگفتگی سے فرمایا کہ شہادت ہی - فتح الدین اپنے سوال سے بہت پچھتایا اور نہایت رنجیدہ ہوا - بادشاہ نے کہا کہ تم بڑے بیوقوف ہو جس چیز کی میں سالہا سال سے آرزو رکھتا تھا خدا نے مجھے میری منہ مانگی مراد دی تم کیوں آزردہ ہوتے ہو -

نقل ہی کہ ایک دن ایک خادم نے آکر کان میں کچھ عرض کیا - بادشاہ نے فتح الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عورتوں کے واسطے لباس چاہتے ہیں دلوا دو - فتح الدین نے عرض کی کہ کس قسم کا لباس دیا جائے فرمایا سفید لباس دلواؤ مالک دکن میں رواج ہی کہ بیواؤں کو لباس سفید ہی پہنایا جاتا ہی - محلات سے تقاضا ہونے لگا فتح الدین نے خادم سے کہا سفید لباس دینے کا حکم ہوا ہی خادم سر پیٹنے لگا کہ خدا جانے حضرت کو کیا ہوا ہی جو ایسی بدشگون باتیں زبان سے نکالتے وہم نہیں آتا - پھر فتح الدین نے بادشاہ سے عرض کی کہ عورتیں سفید لباس کے لئے انکار کرتی ہیں اور منحوس سمجھتی ہیں فرمایا کہ "ما گفتیم و رفتیم تو ہرچہ صلاح بدانی بدہ"

نقل - پرکوٹے میں دو خندقوں کے درمیاں بادشاہ نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس کا نام طالب مسجد رکھا - ایک دن بادشاہ حوالی مسجد میں کھڑا ہوا تھا فتح الدین سے کہا کہ ہمارے جد امجد اسمعیل عادل شاہ کی یادگار ایک تلوار خزانے میں رکھی ہی لاؤ وہ فوراً جاکر لایا تلوار کو نیام سے نکال کر تھوڑی دیر ملاحظہ فرمایا اور کہا کہ آج میں نے کمر سے تلوار کھول دی اب پھر نہ باندھوں گا اس تلوار کو تم لے جاکر مسجد کی محراب میں لٹکا دو چنانچہ مدتوں لٹکی رہی -

نقل - انہیں دنوں میں بادشاہ بیٹھا ہوا افضل خاں سے باتیں کر رہا تھا خان موصوف سے کہا کہ چار ہزار ہن مولنا مصطفی خاں کو دے دو کہ شیراز جاکر روضۂ امیر سید احمد بن حضرت امام موسیٰ کاظم کی تعمیر کرائیں اور وہاں کے خدام کو تقسیم کر دیں - فتح الدین کو تعجب ہوا کہ اُس کی موجودگی میں خزانہ دار کو حکم نہ دے کر خاں صاحب کو کیوں ارشاد ہوا شاید خزانے میں روپیہ نہ ہونے کے خیال سے کہا ہو - بادشاہ نے اُس کا عندیہ معلوم کر کے فرمایا کہ تم کچھ فکر نہ کرو ان شاء اللہ میری حیات تک خزانہ وفا کرے گا - مرنے سے تین چار مہینے پہلے اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے اور اکثر فرماتے تھے کہ میں اب چند روز کا مہمان ہوں اور بہت جلد جانے والا ہوں - کبھی چند راکر

فتح الدین پوچھ بیٹھا کہ کہاں تشریف لے جائیں گے بادشاہ تسلی کے لئے کبھی فرماتے مکہ معظمہ کبھی مدینہ منورہ۔ بعض وقت کہتے کہ مجھے ایک ایسا عمل آتا ہی کہ چودھویں رات کو اگر کوئی شخص اُس عمل کو پڑھے اور چاند پر نگاہ جما کر آنکھ بند کر کے اپنے سائے کو دیکھے اگر حیات باقی ہو تو پورا سایہ نظر آئیگا ورنہ تن بے سر دکھلائی دیگا۔ ان دنوں میں نے اپنے تن کو بے سر دیکھا ہی۔

عمارات۔ اس بادشاہ کے زمانۂ سلطنت میں بہت سے کام مفید رعایا و برایا ہوئے منجملہ عمارات ذیل کی تعمیر بقید سال بتلائی جاتی ہی۔

عمارت	سال
بنائے قلعہ شاہ درگ المعروف بہ نلدرگ بہ اہتمام میر نعمت اللہ	سنہ ۹۶۶ھ ۱۵۵۸ع
بنائے فصیل قصبہ شاہپور متصل بیجاپور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	سنہ ۹۶۷ھ ۱۵۵۹ع
نہر آب رسانی بہ اہتمام کشور خاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	(ایضاً)
بنائے شاہ برج و ماہ برج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	(ایضاً)
بنائے پریا محل ۔ ۔	سنہ ۹۶۸ھ ۱۵۶۰ع
بنائے گگن محل ۔ ۔ ۔	سنہ ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ع
بنائے فصیل شہر بیجاپور ۔	سنہ ۹۷۳ھ ۱۵۶۵ع
بنائے باغ دوازدہ امام ۔ ۔	سنہ ۹۷۴ھ ۱۵۶۶ع
بنائے قلعہ دہارور از کشور خاں ۔	سنہ ۹۷۵ھ ۱۵۶۷ع
بنائے باغ نورنگ ۔ ۔ ۔	سنہ ۹۷۶ھ ۱۵۶۸ع
بنائے طاہر خانی برج در رائچور ۔ ۔	سنہ ۹۷۸ھ ۱۵۷ع
بنائے قلعہ منگلاپور و شاہ پور ۔ ۔	سنہ ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ع
بنائے مسجد جامع ۔ ۔	سنہ ۹۸۵ھ

چاند باؤلی - آنند محل - اپنا ذاتی مقبرہ -

قلعہ رائچور کے ایک برج پر بھی ایک کتبہ اسی بادشاہ کے زمانے کا ہی جس پر کندہ ہی کہ طاہر خاں نے سنہ ۹ھ ۱۵ع میں اس کی تعمیر کی اس میں بادشاہ کا پورا لقب ابو المظفر علی عادل شاہ کندہ ہی۔

افضل خاں شیرازی کے واقعات افضل خاں کا باپ شیراز کا عامل تھا جو نہایت مرد

سنجیدہ اور کارروان تھا۔ شیراز کے تمام حکام اور اکابر اُس سے امورِ عظام میں مشورت لیتے تھے
افضل خاں ابھی آٹھ سال ہی کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا مگر اُس کو دلی شوق تحصیل علم کا تھا
اور نہایت محنت اور کوشش سے اکتساب علم کیا اور علامۂ عصر میر فتح اللہ شیرازی سے دو برس
تک تلمذ رہا اس قلیل مدت میں وہ فارغ التحصیل ہو گیا اور اوائل میں سرِ راہ و رہ نوردی۔ بتلاش
معاش اُس نے ہندوستان کا رُخ کیا اور علی عادل شاہ کے عہد میں بیجاپور پہنچا اور یہاں پہنچ کر
درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا چند طلباء اُس کے ساتھ آئے تھے اور بہت سے یہاں جمع
ہو گئے۔ شدہ شدہ اس کے علم و فضل کی خبر پادشاہ کی سمع مبارک تک پہنچی بادشاہ نے
یاد فرمایا اور دیکھ کر پسند کیا اور اپنے مصاحبوں میں رکھ لیا اور یہاں تک اُس کا دخل ہوا کہ
تمام امور ملکی اور مالی اُسی کی رائے پر طے ہوتے تھے۔ افضل خاں کے مدارج روز بروز بڑھنے لگے
یہاں تک کہ میر جملہ اور وکیل السلطنۃ ہو گیا اِس نے چن چن کر لائق اور تجربہ کار لوگوں کو جمع
کیا تھا اور ملک کے نظم و نسق کو ہر طرح سے درست کر دیا اور اپنے حسن خلق اور عمدہ مدارات
سے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا لیکن کوئی بڑی خدمت بجز لائق اور قابل شخص کے کبھی بھول کر
بھی کسی اور کو نہ دیتا تھا۔ شاہ ابوالحسن کو اُس کے بھائی نے بوجہ تمردی اور خودسری کے قید کر
رکھا تھا۔ مصطفیٰ خاں اور کامل خاں دونوں وزیر تھے اور مزے اور چین کرتے تھے ابوالحسن
کی مصیبت کا اُنھیں کچھ بھی خیال نہ تھا رفیع الدین شیرازی جو افضل خاں کا چچازاد بھائی تھا
خان سالار اور خزانہ دار اور حوالدار محلات پر مامور تھا اور اس طرح بادشاہ کی مجلس میں مثل شاہ
کمال الدین فتح اللہ شیرازی جو کامل نفیس اور سید الاطباء تھا جو معقولات و منقولات میں
یگانۂ عصر تھا اور میر عزیز الدین فضل اللہ یزدی و میران سرفرازی ملا الٰہی اصفہانی و میر مرشد قلی
یہ سب بڑے بڑے مرتبے کے لوگ تھے اِن کے علاوہ خاص ملک دکن کے بھی ذی علم لوگ
مامور خدمت ہائے جلیلہ تھے اور اکثر بادشاہ کے سامنے مجلس درس اور مباحثہ کی ہوا کرتی
تھی۔ غرض افضل خاں کی بدولت علماء و فضلاء اور عقلاء کا ایک بے نظیر مجمع موجود تھا۔ اِن
لوگوں کے جمع ہونے کے پیشتر افضل خاں کے علم و فضل سے کون واقف تھا جب اتنے اتنے
بڑے فخرِ زماں جمع ہو گئے تب افضل خاں کا علم و فضل چمکا اور اُس کی قابلیت معلوم ہوئی

خصوصاً جب سے کہ بادشاہ نے شاہ کمال الدین کو شیراز سے بلوا بھیجا اور صرف اُس کے لانے میں چالیس ہزار ہن خرچ ہو گئے تھے اُس کے آنے کے بعد علمی بحث و مباحثوں کی اور گرم بازاری ہوئی تب معلوم ہوا کہ افضل خاں کا پایۂ علم کس مرتبے کا ہے۔ یہ مجلس جس میں دو سو علماء و فضلاء تھے بادشاہ کی زندگی تک قایم رہی وظیفہ خواروں اور انعام داروں کی کوئی گنتی ہی نہ تھی۔ افضل خاں جب خدمت جلیلۂ وکیل السلطنت سے سرفراز ہوا تو اُس نے تین سو برہمن اور سات سو جاسوس تمام قلمرو کی خبر لانے کے لئے مقرر کئے اور پل پل کی خبریں آیا کرتی تھیں۔ بادشاہ خود کہا کرتا تھا کہ جس دن سے افضل خاں نے ملکی کام اپنے ہاتھ میں لیا اُس دن سے میری آنکھیں کھلیں اور سلطنت اور حکمرانی کا لطف حاصل ہوا۔

حالات مصطفیٰ خاں اردستانی اِس کا اصلی نام کمال الدین حسین تھا جو اردستان کا باشندہ تھا بتلاش روزگار ملک ہندوستان میں آیا آدمی نہایت معقول اور سنجیدہ تھا۔ ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں گولکنڈہ پہنچا قطب شاہ نے اُس کے علم و فضل کو دیکھ کر بہت مہربانی کرنے لگا اور بہ تاریخ اُسے خدمت جلیلۂ مدار المہام سے سرفراز کیا۔ مصطفیٰ خاں نے اپنی بیدار مغزی سے مملکت کا وہ انتظام کیا اور اپنا ایسا سکّہ بٹھایا کہ اُس کا طوطی بولنے لگا۔ قطب شاہ برائے بیت رہ گیا۔ مصطفیٰ خاں کی بات بادشاہ بھی بلحاظ مصلحت وقت سنتا تھا۔ قطب شاہ ایک نہایت مدبّر اور زبردست بادشاہ تھا اگرچہ سلطنت مختصر تھی مگر اُس سے وہ چند سلطنت رکھنے والوں کو وہ بات نصیب نہ تھی جو یہاں تھی۔ اگر سنگین دستر گ معاملہ پیش آجاتا تھا تو بادشاہ نہایت آسانی اور سلاست سے اُسے سلجھا دیتا تھا مصطفیٰ خاں کو بادشاہ سے ایک قسم کی رقابت پیدا ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ خاں وکیل سلطنت رہا اُس نے بہت سا سامان اور جمعیت جمع کر لی تھی جس کی وجہ سے اُس کو غرور پیدا ہو گیا اور لوگ اُس کے غیر معمولی عروج سے جلنے لگے اور جوڑ توڑ چل کر بادشاہ کو اُس سے بدظن کر دیا بادشاہ نے مصطفیٰ خاں کے معزول کرنے اور اُس کے مال و اسباب کے ضبط کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مصطفیٰ خاں کے کان میں بھی اس سازش کی بھنک پہنچ گئی وہ خود چاہتا تھا کہ کسی طرح اس مخمصے سے نکل جاؤں۔ اور کہیں اور چلا جاؤں۔

لیکن کوئی صورت گلو خلاصی کی نہ تھی۔ حسن اتفاق سے رامراج سے مقابلہ کا
سنگین مرحلہ پیش ہوا کہ سب مسلمان بادشاہ آپس میں اتفاق کر کے اس کو زیر کریں اور
مصطفیٰ خاں نے قطب شاہ کو بھی آمادہ کیا۔ قطب شاہ نے مصطفیٰ خاں کو نظام شاہ کے
پاس ایلچی بنا کر بھیجا کہ پہلے سے طے ہو کر کے۔ مصطفیٰ خاں جب جانے پر طیار ہوا تو بادشاہ کے
حضور میں آ کر عرض کی کہ خانہ زاد اب رخصت ہوتا ہے حضور نے مجھ کو ہمیشہ بڑی سرفرازی فرما کر
اس رتبت پر پہنچایا اب فدوی کی یہ آرزو ہے کہ بعد ان امور کے باحسن الوجوہ طے کرنے کے
مجھے حج کعبۃ اللہ و زیارت ائمہ طاہرین کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تاکہ وہاں بیٹھا ہوا
آپ کے حق میں دعائے خیر کرتا رہوں۔ بادشاہ نے درخواست قبول کی اور مصطفیٰ خاں
نے قطب شاہ سے سب معاملات طے کر لئے اور شاہان اسلام کی مجتمعہ قوت سے جو رام راج
کو تالیکوٹہ کے عظیم الشان لڑائی میں ناقابل تلافی نقصان پہنچا جس کی بدولت سلطنت
بیجانگر صفحہ دنیا سے مٹ گئی اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس کے بعد مصطفیٰ خاں نے
کشور خاں کے ذریعہ سے عادل شاہ کے پاس اور مولینا عنایت اللہ کی وساطت سے نظام شاہ
کے پاس سفارش کرائی ادھر قطب شاہ کو اس کا وعدہ یاد دلایا اور بحیلہ حج کے خواستگار
اجازت ہوا۔ قطب شاہ نے کہا کہ اچھا ذرا ٹھیرو مستقر پر پہنچ کر اجازت دی جائے گی۔
مصطفیٰ خاں جانتا تھا کہ مستقر پر پہنچ کر اجازت ملنا محال ہے مصطفیٰ خاں اپنی بات پر اڑ گیا
اور کشور خاں اور مولینا عنایت اللہ دونوں نے بھی بہ اصرار بادشاہ سے عرض معروض
کی۔ بادشاہ نے با دل ناخواستہ اجازت دے دی لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ مصطفیٰ خاں
کے اہل و عیال مال و متاع سب گولکنڈہ میں تھا پھر ان دونوں نے بادشاہ کو مجبور کیا بادشاہ
ٹالنے لگا جب اصرار حد سے گزرا تو قطب شاہ نے سوچا کہ بد دل نوکر دشمن برابر اگر اجازت
نہ دوں تو عادل شاہ اور نظام شاہ سے ناحق کی برائی مول لوں آخرکار نہایت آزردگی خاطر
سے پروانگی دی۔ مصطفیٰ خاں سیدھا گلبرگہ پہنچا اور وہاں ٹھیر کر اپنے بال بچوں کو مع مال و اسباب
گولکنڈہ سے بلوا لیا۔ مشہور ہے کہ اسی ہزار ہن کا مال و اسباب تھا اور بیس ہزار ہن کے جواہرات
اور بارہ ہزار ہن نقد۔ بادشاہ کو مصطفیٰ خاں کی یہ حرکت کہ اس نے بیجاپور سے تعلق پیدا کیا

بہت ناگوار ہوئی اُس کا محل توڑ دا کر زمین کے برابر کر دیا نام و نشان باقی نہ رکھا صرف ایک
باورچی خانہ رہ گیا تھا جو پادشاہ کے باورچی خانے سے کم نہ تھا الغرض مصطفیٰ خاں بیجاپور پہونچا
پونہچا اور علی عادل شاہ کے دربار میں داخل ہو گیا - پادشاہ نے ایک نہایت عالی شان قلعہ جاگیر میں
کو دیا اور بائیس ہزار سوار سرفراز ہوئے مدتوں زمرہ امرائے عظام میں رہا - کشور خاں کی وفات
کے بعد مدار المہام ہو گیا اور کل کاروبار سلطنت کا مالک مختار ہو گیا حتیٰ کہ پادشاہ نے
اپنی مہر کی انگشتری جو ہمیشہ ہاتھ میں پہنے رہتا تھا وہ بھی مصطفیٰ خاں کے سپرد کر دی اور جس
مہم پر جاتا تھا مصطفیٰ خاں ساتھ رہتا تھا مصطفیٰ خاں نے اپنی فراست اور کیاست سے
بہت سا ملک فتح کر لیا اور ہمیشہ ہم عصر سلاطین سے نام و پیام رکھتا تھا اور تحفہ تحائف بھیجا
کرتا تھا اور وہاں سے بھی اس کو تحفے آتے رہتے تھے مصطفیٰ خاں کے زمانے میں بہت سا
حصہ بیجانگر کا حکومت عادل شاہیہ میں شامل ہو گیا اور سلطنت ایسی عروج و کمال پر پونہچی
کہ فی زمانہ کوئی اور پادشاہ ملک دکن میں اُن کی ٹکر کا نظر نہ آتا تھا لیکن افسوس ہے کہ
مصطفیٰ خاں کے مزاج میں از حد غرور اور تکبر آ گیا تھا اور ذرا ذرا سے قصوروں پر سخت تریں سزا
دیتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ اس کے شفا خانے کے حکیم کے ہاں ایک رتی موسیائی کم ہو گئی تھی
بعد چند روز کے معلوم ہوا کہ فراشوں اور باورچیوں نے اڑا کر آپس میں تقسیم کر لی تھی بائیس آدمی
اس سرقہ میں ملوث پائے گئے ان کو ایسا پٹوایا کہ سب کے سب مر گئے اور ایسا منضبط اور
قایم المزاج تھا کہ سات سال کے قریب ملک دکن میں حکومت کی لیکن اس کے باورچی خانے
میں چینی کا ایک برتن بھی نہ ٹوٹا جب کسی نے توڑا فوراً اُس سے بھروا لیا - علی عادل شاہ
کی وفات کے سات مہینے بعد کشور خاں کے بیٹے نے کہ اُس کا نام بھی کشور خاں کو چک
تھا اپنی چار ماہہ حکومت میں مصطفیٰ خاں کو بندھوا کر قید میں قتل کر ڈالا اور سارا مال و متاع اُس کا
برباد کر دیا

بڑا ہیرا

جس زمانے میں کہ بھوج ترمل نے چھ لاکھ ہن بھیج کر ابراہیم عادل شاہ کو
بیجانگر بلوایا تھا پھر رام راج کے ہموار ہو جانے سے پادشاہ کو اسی لاکھ ہن اور ایک بڑا ہیرا

نذر دے کر واپس کر دیا تھا۔ پھر جب علی عادل شاہ رام راج کی ملاقات کو بیجانگر گیا تھا تو دوسری تحائف کے ساتھ اُس نے یہ ہیرا بھی رام راج کو دے دیا تھا۔ یہ ہیرا وزن میں پندرہ مثقال اور اکیس درہم کا مربع ہتھیلی کے برابر تھا اِس کے بیچوں بیچ ایک سیاہ رنگ کا تل تھا جو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ ہیرا جب کشن رائے بیجانگر کے پاس آیا تو چند ہی روز میں وہ عالم شباب میں یکایک مرگیا اور آگے چل کر اُس کے خاندان سے سلطنت بھی منتزع ہو گئی۔ یہی ہیرا جب ابراہیم عادل شاہ کے پاس آیا تو آتے ہی وہ ایسا بیمار پڑا کہ تھوڑے ہی دنوں میں رخصت ہو گیا اور جب علی عادل شاہ نے رام راج کو دیا تو چار پانچ سال کے بعد ہی جو نتیجہ ہوا وہ تالیکوٹہ کی لڑائی سے ظاہر ہے۔ ایک مدت کے بعد خبر ملی کہ کوئی شخص بندر گوا میں اُسی ہیرے کو فروخت کر رہا ہے اور قیمت ساٹھ ہزار ہن لگائی ہے لیکن پرتگالیوں نے اتنی بڑی مالیت کا الماس لینے میں پس و پیش کیا۔ علی عادل شاہ نے الماس لینے کے لئے اپنی خواہش ظاہر کی اور بیجاپور سے ایک عورت اصیلہ بی کو بھجوایا جو بڑی کٹنی تھی کہ کسی طرح مالک الماس کو بیجاپور لائے ابھی وہ آنے نہ پایا تھا کہ انکس خان کے لوگوں کو معلوم ہو گیا اُنھوں نے ایک روز آدھی رات کو اُس بیچارے کو بستر پر قتل کر دیا اور ہیرے کو لے کر گوے سے چل دئے۔ آگے چل کر ان لوگوں میں بھی آپس میں پھوٹ پڑ گئی اور کئی لوگ مارے گئے۔ اصیلہ ان لوگوں کے پیچھے لگی اور پتہ لگا کہ الماس ظفرآباد میں ہے۔ وہاں سے اُس شخص کو جس کے قبضے میں الماس تھا بڑا دھوکا دے کر بیجاپور لائی۔ عادل شاہ نے اُس ہیرے کو خرید لیا۔ چند روز رکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ہیرا ایسا منحوس ہے جس کے پاس رہا اُس کو تباہ کر ڈالا۔ اسی وجہ سے عادل شاہ نے اس ہیرے کو بذریعۂ شاہ طہماسپ روضۂ حضرت امام ثامن علی موسیٰ رضا پر نذر چڑھا دیا اس ہیرے کے پہنچنے کے چند روز بعد شاہ طہماسپ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا اسمعیل شاہ خراسان کے تخت پر بیٹھا۔ ایک سال پانچ مہینے کے بعد وہ بھی چل بسا اس کے بعد سلطان محمد اور اُس کے بھائیوں نے ایران سے چار صندوق مرصع مرقد منور امام ہمام کے لئے بھجوائے اُن میں سے ایک پر یہ ہیرا جڑ دیا گیا۔ ابھی اُس صندوق کو

مرقد مبارک پر رکھ کر تین سال نہیں ہوئے تھے کہ عبداللہ خاں اوزبک نے جو توران کا بادشاہ تھا خراسان
پر چڑھائی کی اور تمام ولایت فتح کر کے شہر مشہد میں پہنچا کر جہاں حضرت امام رضا کا مزار ہے اور شہر میں قتل عام
شروع کردیا۔ خاص اسی دن روضہ مبارک کے چاروں طرف سادات اور علماء اور متقی لوگ پناہ لینے
کے لئے روضہ مبارک میں آ بیٹھے تھے ان کو بے دریغ قتل کر ڈالا اور اس قدر خونریزی ہوئی کہ
آستانہ مبارک سے خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ سب مال و اسباب جواہرات جو جمع کیا تھا سب
لوٹ لیا اور اس کے ساتھ یہ الماس بھی عبداللہ خاں کے ہاتھ لگا یہاں اس ہیرے نے
اپنی نحوست یہ دکھائی کہ چند ہی دنوں بعد عبداللہ خاں بھی مر گیا۔

عبداللہ خاں کے بعد اس کا بیٹا عبدالمومن خاں تخت نشین ہوا۔ اس ہیرے کی نحوست
سے وہ بھی تھوڑے ہی دنوں بعد مر گیا۔ اس کے بعد یہ ہیرا کسی شخص کے ہاتھ لگا جس نے
اس کو سلطان محمد بادشاہ روم کے پاس پہنچا دیا جو عین عالم شباب میں راہی ملک عدم ہوا
اور جب تک روم میں رہا ہمیشہ ایران سے جنگ رہی جس میں سلطنت روم ہمیشہ مغلوب رہی
اور مدتوں اس کی نحوست کے آثار باقی رہے۔

قدم نامبارک و مسعود   گر بدریا رود برآرد دود

چھٹا باب

ابراہیم عادل شاہ ثانی بن طہماسپ الملقب بہ جگت گرو

۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ
۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۷ء

دراں قسمت کہ بخشش ہا نمودند	دوا براہیم را زینت فروزند
یکے دولت سرائے دیں بیاراست	یکے شد کار ملک از عدل او راست
ازو گشت آتش شورندہ ریحاں	وزیں نار ستم شد نور احساں
ازاں شد خانۂ در مکہ پر نور	وزیں ملک سلیماں گشت معمور
شکست آں یک بتِ آذر بچستی	وزیں یک دینِ احمد را درستی

ابراہیم عادل شاہ کی تخت نشینی

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ علی عادل شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے بھائی طہماسپ کی آنکھیں نکلوا کر نظر بند کر رکھا تھا۔ طہماسپ کے دو بیٹے تھے ایک ابراہیم دوسرا اسمٰعیل۔ علی عادل شاہ کو اپنے دونوں بھتیجوں سے محبت تھی اور اُن کی نگہداشت اور پرورش نہایت عمدگی سے کرتا تھا کہ شہید ہوا۔ بادشاہ کی اِس طرح کی موت سے لوگوں کے دل دہل گئے اور تمام شہر میں کہرام مچ گیا اور تمام امرائے شہر سراسیمہ ہو گئے اور اپنی پریشانی کا اظہار کرنے لگے اور جدھر دیکھو دس دس پانچ پانچ کی ٹکڑیاں مشورہ کر رہی تھیں اور اب بحث یہ تھی کہ جانشین کون ہو۔ سب نے مل کر اس معاملے میں افضل خاں سے امداد چاہی۔ افضل خاں نے فوراً ایک مجلس شوریٰ امراء و اراکین سلطنت کی منعقد کی اور سب نے بالاتفاق

فیصلہ کیا کہ بادشاہ مرحوم کے بھتیجے ابراہیم کو جو وارث احق تھا تخت نشین ہونا چاہیئے چنانچہ اسی طرح بلا جواز درنگ شاہزادہ ابراہیم کو تخت شاہی پر بٹھا چتر شاہی فرق مبارک پر بلند کیا حاضرین دربار نے نذریں گزرانیں ؎

آں مژدہ کہ اقبال ہمی داد وفا شد وان کام کہ ایام ہمی خواست بر آمد

ابراہیم عادل شاہ ثانی لقب ہوا - یہ بادشاہ جگت گرو کے نام سے مشہور ہے اور بعض جگت گیر بھی کہتے ہیں جس کے معنی وہی ہیں جو عالم گیر کے ہیں - تخت نشینی کے وقت بادشاہ کا سن شریف صرف نو سال کا تھا - بشرے سے نہایت ذی فہم اور ذہین سنجیدہ اور متین معلوم دیتا تھا - جلوس کے پہلے ہی دن صبح سویرے سے سہ پہر تک دربار ہوتا رہا جب برخاست ہوا اور محل میں جانے لگا تو ایک مصاحب نے عرض کی کہ آج اتنی دیر تک آپ جلوس فرما رہے ہر آئینہ مزاج والا کسل مند ہوگا فرمایا کہ نہیں جو اہم ذمہ داری خداوند تعالیٰ نے مجھے سپرد فرمائی ہے بھلا اُس میں اب آرام کی گنجایش کہاں ہے ؎

شاہ را بہ بود از طاعت صد سالہ زہد قدر یک ساعت عمرے کہ در و داد کند

کامل خاں کا عروج اور قتل

بادشاہ بوجہ کم سنی کے تمام مہام سلطنت کا بار اکیلا کیونکر اُٹھا سکتا تھا کامل خاں پہلے ہی سے ایک سر برآوردہ رئیس اور امرا سے مقتدر سے تھا - اب وہ پورا ریجنٹ ہوگیا اور قلعہ بھی اُس نے اپنے ایک متوسل کے سپرد کردیا - پہلے تو اُس نے بادشاہ کی تعلیم و تربیت چاند بی بی سلطان زوجۂ علی عادل شاہ کے سپرد کردی اور امرا و اعیان سلطنت سے نہایت فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے پیش آنے لگا اور ہر روز سوائے چہار شنبہ اور جمعہ کے بادشاہ کو دربار میں لاکر امور سلطنت طے پاتے تھے اسی طرح خیر و خوبی سے دو مہینے گزر گئے لیکن جوں جوں پاؤں جمتے گئے اور عروج بڑھتا گیا زیادہ تر خود مختار ہوگیا اور بادشاہ کو بالائے طاق بٹھا کر سارے نظم و نسق مملکت کا مالک بن بیٹھا - خزانۂ عامرہ بالکل اپنے دست قدرت میں کرلیا جو چاہا اُٹھایا جس کو چاہا دیا لیا پوچھ کون سکتا تھا نوبت بہ ایں جا رسید کہ رفتہ رفتہ اپنا سارا گھر بھر لیا اس کے ساتھ ہی دماغ فلک ہفتم پر پہونچ گیا کسی سے سیدھے منھ بات نہ کرتا تھا بادشاہ کی کچھ ہستی اُس کے سامنے نہ تھی ؎ ع -

بوئے زنسیم بادہ بس ست مستاں را

چپکے چپکے زر و جواہر کے صنادیق پر متصرف ہوتا چلا گیا - رفیع الدین حوالہ دار کہ خیر خواہ ملک تھا اُس نے زر و جواہر کی فہرست ٹانکنی شروع کی - کامل خاں نے اُسے ڈانٹا کہ تو کون ہے جو اس طرح دیکھ ریکھ کرتا ہے میں جانوں میرا کام - سب سے پہلے حرم محترم اور محلات کی خبر لی اُن کے مقررہ وثایق میں کانٹ چھانٹ کی اور اسی طرح منشیوں وغیرہ کی تنخواہیں بھی روک دیں تھی کہ ملکہ چاند بی بی سے بھی پرخاش کرنے اور کھلم کھلا مخالفت کرنے لگا - چاند بی بی کو کامل خاں کی بلند پروازی اور خود سرانہ حرکات سخت ناگوار ہوئیں اُس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو اُس کو نکالنا چاہیے - ملکہ کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے جن کا ناطقہ کامل خاں نے بند کر رکھا تھا - ملکہ نے حاجی کشور خان کو جو کمال خاں کا فرزند اور ایک نامی گرامی ارکان دولت میں سے تھا کہلا بھیجا کہ تو کیا عورتوں کی طرح چوڑیاں پہنے بیٹھا ہے کیا تجھے غیرت وحمیت نہیں کہ کامل خاں نے ایسی اودھم مچا رکھی ہے اور اُس کے ساتھ ہی ساڑی چولی اور چرخہ بھیج دیا کہ بہتر یہ ہے کہ تو ساڑی چولی پہن کر چرخہ کاتا کر - کشور خاں کو بڑی غیرت آئی اور اس طعن کی تاب نہ لا سکا - چاند بی بی کا پیغام کیا تھا گویا جلتے تو ے پر چھینٹا یا کسی نے کلیجے میں بھالا مارا اُسی دن سے آب و خور حرام کر لیا - صلاح و مشورت کر کے بہت سے لوگوں کو ہموار کر لیا - کامل خاں کو جب اس سازش کی خبر لگی تو اُس نے مطلق پروانہ کی اور کہا کہ میں ان گیدڑ بھبکیوں سے کیا ڈرتا ہوں اور جب کبھی سنا کہ آج فلاں جگہ اتنے لوگ جمع ہوئے اور یہ صلاح ہو رہی ہے تو اُسے ایسا دولت کا نشہ چڑھا ہوا تھا کہ اُس کے کان پر جوں بھی نہ چلتی تھی ۔ افضل خاں نے بھی بہت کچھ اونچ نیچ سمجھایا کہ تم کو ایسا نہ چاہیے مگر ع

میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے

الغرض جب سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو کشور خاں ایک دن چند منچلے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کامل خاں کی تلاش میں چلا دیکھا تو کامل خاں سبز محل میں بیٹھا ہوا دربار کر رہا تھا جب اُس نے دیکھا کہ ٹھٹ کا ٹھٹ خلقت کا گھسا چلا آ رہا ہے تو گھبرا کر شاہی عمارات کے پیچھے چھپتا چھپتا قلعہ کے دروازے تک پہنچا دیکھا تو دروازہ بند تھا فوراً خندق میں جو دریا جو پانی سے بھری ہوئی تھی اور پیر کر نکل گیا اور باغ دوازدہ امام میں جو خندق سے لگا ہوا ہے جا پہنچا

کسی نے اُسے پہچانا بھی نہیں وہاں سے جھپٹ کر فصیل شہر کے پاس پونہچا جو بارہ گز بلند تھی اور دستار اور کمربند اور شال کو بٹ کر رسّی کی طرح بنا فصیل کے کنگرے سے مضبوط باندھ اُتر گیا اور اپنے مکان میں جو قلعے کے باہر تھا جا پونہچا اور بھاگنے کی طیاری کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک قلعہ ہی میں کامل خاں کو پوشیدہ مقامات میں ڈھونڈتے پھرے کہ دروازہ قلعہ کا بند ہی ہیں کہیں دبک گیا ہوگا مگر جب معلوم ہوا کہ خندق کود کر شہر پناہ سے اُتر کر اپنے گھر کی طرف چل دیا ہی پھر دیر کیا تھی ساری خلقت محل کی طرف جُھک پڑی۔ یہ خبر پاتے ہی کامل خاں کے ہاتھ جلدی میں جو کچھ زر و جواہر لگا لے احمد نگر کی طرف چل نکلا جب یہ لوگ پونہچے تو معلوم ہوا کہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی ہی۔ کشور خاں نے کامل خاں کے پیچھے فوراً سواروں کو دوڑایا کہ دیکھو جانے نہ پائے۔ کامل خاں ابھی دو کوس بھی جانے نہ پایا تھا کہ دشمنوں کے نرغے میں گھر گیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ اس طرح بلا میں گِھر گیا تو اُس نے بھی مقابلہ کیا اور خوب جان توڑ کر لڑا اور بہتوں کو مارا کہ ایک مشہور بہادر شیر بچہ نامی نے کامل خاں کو گھوڑے سے گرایا کامل خاں نے ایک ایسی تلوار ماری کہ شیر بچہ کا کام تمام ہو گیا آخر اکیلا کر کیا سکتا تھا اور لوگوں نے یہہ بھی خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے فوج آکر کامل خاں کو چھڑا لے سب نے مل کر کامل خاں کا سر کاٹ لیا اور سارا مال و اسباب ضبط ہو گیا بہت سا کشور خاں نے تصرف کر لیا۔ کامل خاں نے صرف دو مہینے بارہ دن حکومت کی تھی کہ بہ مصداق ہر کمالے را زوالے اس قدر جلد اس نوبت کو پونہچا ع قضائے آسمانست ایں و دیگر گوں نہ خواہد شد۔

کامل خاں کی جگہ افضل خاں کا نامزد ہونا

کامل خاں کے قتل کے بعد کشور خاں۔ مرتضیٰ خاں۔ انجو۔ شاہ قاسم۔ غالب خاں۔ معتبر خاں و دیگر امرا و معززین شہر سب آپس میں مل کر مشورہ کرنے لگے کہ کامل خاں کی جگہ کس کو مقرر کیا جاوے۔ باتوں ہی باتوں میں معاملہ طول کھنچا اور تلوار چل گئی محل شاہی میں بھی یہ معاملہ در پیش تھا کئی آدمی مارے گئے ؎

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی — آپ سے تم تم سے تو ہونے لگی
چاہیے پیغام بر دونوں طرف — لطف کیا جب دو بدو ہونے لگی

کشور خاں افضل خاں کے تقرر پر نہایت زور دے رہا تھا جو خود اس مجلس سے الگ تھلگ تھا لیکن ابھی کچھ فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس خود بخود افضل خاں کو کامل خاں کا جانشین بنا دیا جس سے درپردہ تمام حکومت کشور خاں ہی کے ہاتھ میں رہی کہ وہ دونوں ایک جان دو قالب تھے۔

مرتضیٰ نظام شاہ اور قطب شاہ وورایان بیجانگر کی لوٹ مار سرحد بیجاپور پر

مرتضیٰ نظام شاہ اور قطب شاہ اور رایانِ بیجانگر تاک لگائے ہوئے بیٹھے تھے امراء کی اس قسم کی خانہ جنگیوں کی خبر سن کر اُن کو میدان خالی ملا بمصداق خانۂ خالی را دیو می گیرد چوطرف لشکر کشی کرکے لوٹ مار کرنے لگے۔ کشور خاں نے افضل خاں کو ان دشمنوں کے مقابلے اور مدافعت پر جانے کے لئے آمادہ کیا کہ سوائے افضل خاں کے اور کوئی ان مہمات کو سر نہ کرسکتا تھا۔ افضل خاں لشکر آراستہ کرکے پہلے قطب شاہ کے مقابلے کو پہنچا امرائے عادل شاہی مثل عین الملک آنکس خاں و امرائے حبشی اخلاص خاں حمید خاں دلاور خاں بھی بعد میں پہنچ گئے اور بڑی بھاری لڑائی کے بعد عادل شاہ کو فتح حاصل ہوئی بعد میں مرتضیٰ نظام شاہ کی طرف رُخ کیا کہ اُس کے علاقہ کا سر نوبت بہزاد الملک پندرہ ہزار سوار لے کر چڑھ آیا جو بہت کچھ جنگ و جدل کے بعد پسپا ہوا آخر کار بہت سے لوگوں نے جاکر قلعۂ دہارور میں پناہ لی۔ افضل خاں نے اُن کے پیچھا کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ وہیں خبر ملی کہ کشور خاں بیجاپور میں گُل کھلا رہا ہے اور انواع و اقسام کے فتنہ و فساد برپا کر رہا ہے اور جس جگہ دیکھو اپنے متوسلوں کو بھر دیا ہے کہ اسی اثنا میں متواتر ان دو فتحوں کی خبر لے پہنچنے سے اور بھی کو دنے لگا سب نے صلاح کی کہ یہاں سے واپس چل کر چند دنوں قلعۂ شاہ درگ میں ستائیں اتنے میں سب امراء وہاں اکٹھے ہوکر صلاح مشورہ آئندہ کے کاروبار کے متعلق کریں گے کہ کشور خاں کا حکم پہنچا کہ نظام شاہ کے لشکر سے جو ہاتھی غنیمت میں ملے ہیں وہ فوراً بھیج دیئے جائیں سب امرا نے صلاح کی کہ کشور خاں کو کیا اختیار ہے کہ ہم سے ہاتھی چھینتا ہے اُنھوں نے چاند بی بی سلطانہ کو معروضہ لکھا کہ مصطفیٰ خاں کو صوبۂ بنکاپور سے بُلا کر حسب سابق وکیل سلطنت مقرر کیا جائے کہ کشور خاں سے ہمارا ناک میں دم ہے اس سے صحبت براری

ناممکن ہے۔ چاندبی بی نے بھی اس درخواست کو منظور کیا اور مصطفیٰ خاں کو بلا بھیجا۔

مصطفیٰ خاں اردستانی پر کشور خاں کی چڑھائی اور قتل

کشور خاں کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی کہ سب امراء اس کی اکھاڑ پچھاڑ پر تلے ہوئے ہیں تو اس نے چند امراء کے ساتھ ایک مختصر سی فوج بہ سرکردگی امین خاں مصطفیٰ خاں کی سرکوبی کو بھیج دی۔ مصطفیٰ خاں بے چارہ مبتلائے رنج و آلام جہاں سر چھپانے کی جگہ ملی ہندوؤں کے پاس کے قلعہ میں چلا گیا۔ بنکاپور کے قلعہ کا دروازہ اِس ڈر سے کھول نہ سکتے تھے کہ کہیں کشور خاں گھس نہ آئے مصطفیٰ خاں کو قلعہ میں لے لینے کے لئے فصیل پر سے ایک رسّی لٹکا دی تھی مصطفیٰ خاں اس کے سہارے سے چڑھ رہا تھا کہ خبر پاتے ہی کشور خاں کا لشکر پہنچ گیا اور آدھی دور چڑھا تھا کہ پاؤں پکڑ کر گھسیٹ لئے اور قلعۂ بنکاپور میں قید کر دیا اور آخر کار قتل کر دیا۔ روایت ہے کہ بنکاپور میں ایک مشہور منجم تھا اور ہمیشہ اُس کی پیشین گوئی صحیح پڑتی تھی۔ چنانچہ قلعہ بنکاپور مسلمانوں کے قبضے میں آنے سے پیشتر اُس نے کہہ دیا تھا کہ بیس سال کے بعد مصطفیٰ خاں اس قلعہ کو فتح کرے گا اور ہندوؤں کے قبضے سے نکل جائے گا اور ایسا ہی ہوا یہ خبر مصطفیٰ خاں نے سن کر اُس منجم کو بلوایا اور نہایت تلطف و مہربانی سے کہا کہ ہمارا زائچہ تو دیکھو نجومی نے زائچہ دیکھ کر افسردگی سے اپنا سر جھکا لیا مصطفیٰ خاں نے کہا کہ جو کچھ نکلا ہے سچ سچ بتادو منجم نے کہا کہ فلاں سال میں بیجاپور کا ایک امیر آپ کی جان کا دشمن ہو جائے گا اور اسی قلعہ میں آپ مارے جائیں گے آپ کا قاتل بھی تھوڑے ہی دنوں میں بیجاپور سے ملک تلنگانہ کو بھاگ جائے گا۔ اور وہیں مارا جائے گا۔ یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی مصطفیٰ خاں یہیں مارا گیا۔ اور کشور خاں آگے جاکر تھوڑے ہی دنوں بعد گول کنڈہ میں قتل کیا گیا۔

چاند بی بی قید میں

چاند بی بی نے جب کشور خاں کی اس نالائق حرکت کا حال سنا کہ اس نے ہمارے حکم سے سرتابی کی تو بہت بگڑی اور کھلے الفاظ میں کشور خاں کو دغابازی کا ملزم قرار دیا۔ لیکن کشور خاں کا پلہ بہت بھاری تھا اور جب کہ اُس نے اپنے حریف مصطفیٰ خاں کو مروا ڈالا تھا تو میداں خالی تھا کسی کو اُس کے مقابلے پر

آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کشور خاں چاند بی بی کے درپے ہو گیا۔ چاند بی بی کو درحقیقت امور سلطنت
میں بڑا دخل تھا اور ہونا بھی چاہیئے تھا اور اس وجہ سے وہ چاہتی تھی کہ صغر سن بادشاہ کی تعلیم
و تربیت سب کچھ میں کروں اور وہ میرے پاس رہے اور کشور خاں کی مشاورت سے کاروبار سلطنت
کا چلتا رہے لیکن کشور خاں کسی کا رتی برابر دخل روا نہ رکھتا تھا۔ مصطفیٰ خاں کے قتل کے بعد
کشور خاں سے چاند بی بی سخت بدظن ہو گئی اور نکالنے کی کوشش کرنے لگی اور چاہتی تھی کہ اُسے
نکال کر بادشاہ کو اپنی زیر پرورش اُسی طرح رکھے اور اُسی طرح کاروبار سلطنت کا چلائے جیسے کہ
خونزہ ہمایوں اہلیہ حسین نظام شاہ اپنے بیٹے مرتضیٰ نظام شاہ کی صغر سنی میں چھ سال تک حکمران
رہی اور اسی طرح میں بھی ابراہیم کی صغر سنی تک مختار کل رہوں۔ کشور خاں نے جب دیکھا کہ یہ
ڈھنگ اچھا نہیں اور آگے چل کر میں بالکل بے اختیار رہ جاؤں گا اس سے بہتر یہی کہ علاج واقعہ
پیش از وقوع چاند بی بی کو ابھی قید کیوں نہ کر دیا جائے نہ وہ رہے گی نہ یہ شورش بپا ہوگی۔ کشور خاں
نے چاند بی بی کو محل خالی کر دینے کے لئے بہ اصرار کہلا بھیجا لیکن ملکہ نے انکار کیا تب خواجہ سراؤں
کو جبراً گھر سے باہر نکالنے کو بھیجا گیا لیکن اُن کی کیا مجال تھی کہ ایسی سوء ادبی کرتے۔ آخر کار کشور خاں
نے اپنے خاص خاص خواجہ سراؤں اور عورتوں کو بھیج کر نہایت ذلت اور رسوائی سے ملکہ کو
گھسٹوا کر پالکی میں بٹھلا ایک دم ستارے[ا] کو روانہ کر دیا۔ ملکہ کی لونڈیاں باندیاں سب سر و پا برہنہ
بیلوں پر سوار سر بازار روتی پیٹتی بے پردہ چلی جا رہی تھیں۔ عامۂ خلائق شہر نے جب یہ حال بے حرمتی
محلات شاہی کا دیکھا تو ایک کہرام مچ گیا اور یہ دن علی عادل شاہ کے قتل کے دن سے کسی طرح

[ا] ناسک بمبئی سے ۱۰۷ میل ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے شہر (۵) میل ہے۔ مغربی حصۂ ہند میں ناسک کا وہی رتبہ
ہے جو بنارس (کاشی) کا شمالی ہند میں۔ وہاں گنگا بہتی ہے۔ یہاں گوداوری۔ اہل ہنود گوداوری کو گنگا سے کم
نہیں سمجھتے اور اُن کا عقیدہ ہے کہ دونوں کا مبدا ایک ہی ہے۔ گنگا زمین کے اوپر بہتی ہے اور گوداوری زمین کے
اندر اندر یہاں آن پونہچی ہے مگر نکلی دونوں ایک ہی جگہ سے ہیں۔ گوداوری میں اشنان کرنے سے ہر قسم کا پاپ دھل
جاتا ہے۔ رام کو گوتم رشی نے اس سرچشمۂ آب حیات اور باعث نجات کا پتہ دیا تھا۔ جلاوطنی کے زمانے میں
رام مدتوں یہیں رہا ہے۔ دریا کے دونوں کناروں پر آبادی ہے۔ صدہا مندر، شوالے۔ دھرم سالے اور
خوش نما گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ یوں تو ہمیشہ زائرین کا مجمع رہتا ہے مگر خاص کر ہر بارھویں سال بہت بڑا ازدحام خلائق کا

مصیبت اور جزع و فزع نہ کرنا ہمیشہ کا

غضب کا سامنا ہی آج وہ گھر سے نکلتا ہی
دل مضطر تڑپتا ہی کلیجہ کوئی ملتا ہی

چوطرف سے کشورخاں پر علی الاعلان اظہار ناراضگی اور نفرین کی جارہی تھی کہ یہ شخص یزید ملعون ہی کہ جو فرزندزادۂ رسول مقبول یعنی مصطفیٰ خاں کے قتل کا باعث ہوا اور اب بادشاہ کی والدۂ محترمہ کے ساتھ یہ شرمناک سلوک کیا قریب تھا کہ لوگ کشورخاں کے مکاں کو گھیر لیں اور اُس کی تِکا بوٹی کر ڈالیں لیکن ع رسیدہ بود بلاے ولے بخیر گذشت - مگر نتیجہ کار بد کا کار بد ہی چند ہی روز نہ گزرنے پائے تھے کہ کشورخاں نے بھی بمصداق کہ کرو کہ نیا فت اپنے کئے کی سزا خوب چکھا جو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ کشورخاں کی بیباکی اور شوخی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی ایک دن کا ذکر ہی کہ بادشاہ خزانۂ عامرہ میں آیا تھا ایک صندوق کھول کر کچھ جواہرات حضرت بڑی صاحبہ والدہ سلطان ابراہیم کے واسطے بھیجنے کا حکم دیا۔ کشورخاں نے طبق میں لگا کر بادشاہ کے ساتھ محل میں بھیج دیئے۔ بڑی صاحبہ نے جو دیکھا تو معمولی تھے۔ بیگم صاحب کو بہت ناگوار ہوا اور جو خوان لایا تھا اُس پر بہت خفا ہوئیں کہ یہ چیزیں کیا ہمارے لایق ہیں کشورخاں کو بھیجتے شرم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷ ... ہوتا ہی یہاں کا دیول پنچاوتی جو پانچ بڑ کے درختوں کے سایہ میں بنا ہوا ہی بہت مشہور ہے - وجہ تسمیہ ناسک کی یہ ہی کہ لچھمن نے شرپنکھا کی ناک یہیں کاٹی تھی اس کے علاوہ سیتا اور بالا رام کے دو مندر بہت خوب صورت سر آوردہ اور قابل دید ہیں - پنچاوتی کے دیول میں ایک رام کنڈ بھی ہی جس میں رام نفیس نفیس اشنان کرتے تھے - ناسک بلحاظ خوش آب و ہوا کے ایک مشہور مقام ہی جو (۲۹۰۰) فٹ سطح سمندر سے بلند ہی - ناسک سمندر سے صرف ساٹھ میل دور ہی اور سمندر کی فرح بخش ہوا کے جھونکے یہاں بھی محسوس ہوتے ہیں - ترکاریاں اور میوہ جات خصوصاً انگور کثرت سے ہوتے ہیں - تانبے اور پیتل ظروف کی بڑی بھاری نکاسی ناسک سے ہوتی ہی - ناسک سے ۶ میل پر گوداوری کے کنارے گنگاپور میں بھی چند مندر ہیں اور یہاں ایک قابل دید آبشار بھی ہی - ناسک سے (۲۰) میل دریاے گوداوری کے منبع پر ترمباک مقام بہت متبرک خیال کیا جاتا ہی ناسک سے (۵) میل بمبئی کی سڑک پر غار ہاے لنیا بھی دیکھنے کے قابل ہیں - ڈاکٹر بیچی فیسن کا دار الصحت (سینی ٹیریم) عورتوں اور بچوں کے لئے اسٹیشن کے قریب بنا ہوا ہی جس میں سولہ چھوٹے چھوٹے مکانات ہیں یوروپینوں کے لئے (۶) ہندوؤں کے (۴) پارسیوں کے (۲) دیگر اقوام کے لئے (۳) شہر سے ڈیڑھ میل سہارن پور

نہ آئی کیا بیگار ٹالی ہے۔ جب بڑی صاحبہ کا کہ سن کر دل ٹھنڈا ہو گیا تو بادشاہ نے اپنی والدہ کی خدمت میں دست بستہ عرض کی کہ اگر سلطنت ہماری ہے تو سب کچھ ہمارا ہی ہے اور اگر سر سے سلطنت ہی ہماری نہیں ہے تو یہ بھی ہمارے لئے غنیمت ہے۔ از خرس موے بس است۔ آپ کیوں آزردہ خاطر ہوتی ہیں۔ بادشاہ کا یہ قول خصوصاً اس کم سنی میں بہت قابل قدر ہے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ تم مجلس میں خاموش بیٹھے رہتے ہو کسی سے بات نہیں کرتے یہ کیا معاملہ ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اُس مجلس میں مجھ سے بات کرنے کے قابل ہے ہی کون۔ وہاں سوا ے چند خدمتگاروں کے اور کون ہوتا ہے ہاں میری جوڑ کا کوئی ہو تو میں مخاطب ہوں۔ علاوہ بریں شوکت و عظمتِ شاہی کے لئے رعب داب اور وقار و تمکین ضروری ہے خصوصاً میرے لئے کہ میں کم سن ہوں اس لئے بھی میں خاموش رہتا ہوں۔

کشور خاں کا بیجاپور سے احمد نگر فرار ہونا اور وہاں سے ملک قطب شاہ میں پناہ لینا اور مارا جانا۔

افضل خاں کو دشمن کے مقابلے میں دو مرتبہ کامیابی ہو چکی تھی اب تیسری مرتبہ بھی چاہتا تھا کہ جو لوگ بھاگ کر قلعہ دہارور میں جا چھپے ہیں اُن کی خبر لے اور امراء کو بار بار اس مہم پر چلنے پر آمادہ کرتا تھا مگر وہ کشور خاں کے ڈر سے حامی نہ بھرتے تھے اور بظاہر عذر کرتے تھے کہ بعض بعض امراء اس وقت باہر گئے ہوئے ہیں وہ آجائیں تو سب اکٹھے ہو کر مہم پر چلیں گے۔ چند روز کے بعد امراء مع اپنی جمعیت کے آگئے اور اُنھوں نے آکر چاند بی بی سلطانہ کے افسوس ناک واقعہ کا حال سن کر نہایت پیچ و تاب کھایا اور سب مرنے مارنے پر تل گئے۔ کشور خاں کا بھائی مغل خاں منصب سرخیلی رکھتا تھا اور بیٹا کمال خاں سر نوبتی تھا دونوں امراء اس مجلس میں مع جمعیت موجود تھے سارے امراء ان دونوں پر پل پڑے اور پکڑ کر قلعہ شاہ درگ میں قید کر دیا۔ اخلاص خاں نے دولت خاں اور دوسرے امراء کو اپنے ساتھ لے کر کشور خاں کی خبر لینے کی غرض سے بیجاپور کا قصد کیا۔ کشور خاں کو جب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸۔ مقام پادریوں کی عمارات پولیس ٹرینگ سکول اور ہندوؤں کی ایک سیٹی ٹریم۔ سٹیشن کے قریب انجنیرا نامی پہاڑی ایک تفریح گاہ اور صحت بخش ٹھنڈا مقام ہے جہاں گرمیوں کے موسم میں بہت سے لوگ جا کر رہتے ہیں۔ ۱۲

خبر ملی تو اُس کو اپنے بھائی اور بیٹے کے لالے پڑ گئے اور اُن کے چھوڑانے کی فکر میں پڑ گیا کشور خاں کے مصاحبوں نے کہا کہ گو کہ لشکریوں نے آپ کے بھائی اور بیٹے کو قید کر لیا ہی لیکن اتنا بڑا کام بلا مشورے افضل خاں کے ہونا ناممکن ہی پس مناسب یہ ہی کہ آپ بھی اُس کے بھائی رفیع الدین کو جو یہاں موجود ہی قید کر لیں اس دباؤ میں آکر وہ آپ کے بھائی اور بیٹے کو چھوڑ دے گا لیکن دوسرے صائب الرائے ارباب نے اِس کی مخالفت کی اور کہا کہ ہرگز ایسا نہ کرنا ورنہ قیامت ہی ٹوٹ پڑے گی۔ افضل خاں لاؤ لشکر لئے ہوئے سرحد پر پڑا ہی ہوا ہی جوں ہی اپنے بھائی کی خبر سنے گا یلغار آن دھمکے گا اور آپ میں اُس کے مقابلے کی طاقت نہیں امیر امرا سب آپ سے بددل اور اُس کے کلمہ گو ہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے اس سے بہتر تدبیر یہ ہی کہ رفیع الدین کو بلا کر نہایت خاطر تواضع سے پیش آ کر اُسے ہموار کر لیجئے اور اُس کی وساطت سے محبوسین کی رستگاری کی تدبیر کیجئے۔ کشور خاں نے ایسا ہی کیا اور رفیع الدین سے قول و قرار ہو گیا لیکن ابھی اس وعدے کی کوئی عملی صورت اختیار نہ کی تھی کہ یہ خبر طشت از بام ہو گئی اور میدانِ جنگ میں پونہچی تو اخلاص خاں بے تاب ہو گیا اور وہیں سے ایک بڑی فوج لے کر بیجاپور یلغار پونہچا کشور خاں نے دیکھا کہ اُس کے پاس بھلا اتنی فوج کہاں جو اخلاص خاں سے کلہ بہ کلہ لڑ سکے تو اپنا سب مال و متاع سمیٹ کر سیدھے احمد نگر کی راہ لی۔ احمد نگر میں بھی اس کے پاؤں نہ جمے۔ جب اس کی نمک حرامی کا حال کھُلا تو اُنھوں نے بھی اسے دھکّے دے کر نکالا۔ احمد نگر سے بھاگ کر قطب شاہ کے علاقہ میں سر چھپایا۔ قضارا مصطفیٰ خاں کے ایک ملازم نے اِن ذات شریف کو پہچان کر وہیں اس کو تہ تیغ کر کے اپنے مالک کی جان عزیز کا انتقام لیا۔ کشور خاں کا عروج اور زوال سب چار مہینے کے اندر اندر ہو گیا اور بمصداق چاہ کن را چاہ در پیش جیسا اُس نے مصطفیٰ خاں کے ساتھ سلوک کیا تھا خود اُس کے سامنے آیا۔

اخلاص خاں کا عروج اور کشور خاں کے اہل و عیال سے شرمناک بدسلوکی

اخلاص خاں اور دوسرے امرائے حبشی اور دکنی کو جب کشور خاں کے فرار ہو جانے کی خبر ملی تو سب کے سب بلا روک ٹوک ابراہیم عادل شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے سب کو علیٰ قدر مراتب مناصب اور خلعتیں سے سرفراز ہوئے۔ اخلاص خاں کو

اب منصب وکالت ملا اور کل امور ملکی و مالی تفویض ہوئے۔ اخلاص خاں نے بادشاہ سے
عرض کیا کہ کشور خاں کے متوسلین متفرق قلعوں اور تعلقات پر مامور ہیں اگر اجازت ہو
تو میں اُن کو ہٹا کر دوسرے لائق شخصوں کو مقرر کروں۔ بادشاہ نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ جو
کچھ انتظام جدید کیا جائے میر رفیع الدین برادر افضل خاں کی صلاح مشورے سے کیا جائے اور
اُسی دن علیا حضرت چاند بی بی سلطانہ کے نام فرمان سعادت عنوان صادر ہوا اور ملکہ موصوفہ
ستارے سے بیجاپور رونق افروز ہوئیں دریافت سے معلوم ہوا کہ کشور خاں جاتے جاتے شاہی
مہر بھی لے کر چل دیا اب کاروبار سلطنت کا کیوں کر چلے رفیع الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ شہید
کی ایک انگشتری عقیق یمنی کی جس پر "اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب" کندہ ہے اور جس کو بادشاہ
ہمیشہ پہنے رہتا تھا اور بعض بعض وقت فرامین پر ثبت بھی کرتا تھا خزانے میں موجود ہے جو بادشاہ کے
خون میں لتھڑی ہوئی تھی کچھ دنوں اِسی سے کام چلایا گیا اس کے بعد کشور خاں گولکنڈہ میں مصطفیٰ خاں
کے ایک ہوا خواہ کے ہاتھ سے مارا گیا تب کشور خاں کا ایک غلام مہر شاہی بیجاپور میں واپس لایا۔
اخلاص خاں روزانہ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتا تھا اور کاروبار سلطنت چلاتا تھا اس نے
چن چن کر کشور خاں کے متوسلین کو معزول کیا اور اپنے علاقے کے لوگوں کو مامور کیا۔

اخلاص خاں نہایت غیور تند مزاج اور بدخواہ اور کینہ توز شخص تھا ہمیشہ کشور خاں کے
لواحقین کی اکھیڑ پچھاڑ میں لگا رہتا تھا چنانچہ یاقوت نامی کشور خاں کے حبشی معتمد کو جو بادشاہ کی
خدمت میں حاضر باش تھا ٹکڑے ٹکڑے کروا ڈالا اور ایک ایک ٹکڑا اس کا شہر کے ہر دروازے پر
لٹکوا دیا اور اس طرح کشور خاں کے تمامی متوسلین کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا اور نہ صرف اسی
پر اکتفا کیا بلکہ مزید برآں کشور خاں کے زن و فرزند نوکروں چاکروں کی سخت بے عزتی کی اُن سب کو
قلعہ سے برسر دربار گھسٹوا بلوایا اور حکم دیا کہ چوں کہ کشور خاں نے خادمان اور کنیزان شاہی کو دوسرے لوگوں
کو بخش دیا تھا میں بھی اس کے تمام لواحقین کو جوڑے چماروں کو دوں گا اور سختی سے اس حکم کی تعمیل
کرانی چاہتا تھا۔ دربار میں ایسا کون شخص تھا اور کس کی ہمت تھی کہ اخلاص خاں کو اس ارادے
سے باز رکھ سکتا لیکن رفیع الدین نے دل کڑا کر کے کہا کہ کشور خاں نے تو بہ نظر ثواب صرف اسی حد
تک کیا تھا کہ لونڈیوں باندیوں کو شریف آدمیوں کو اِس غرض سے دے دیا تھا کہ وہ نکاح کریں

لیکن پھر بھی وہ سخت بدنام ہوا اور اسی کا یہ انجام ہوا کہ دربدر مارا مارا پھرتا ہی لیکن آپ کشور خاں
کی معزز خواتین اور حرم کو چوڑے چماروں کو دینا چاہتے ہیں جو کہ نہایت ذی عزت اور مخدرات
عصمت ہیں تو آپ سمجھ لیں کہ آپ کی بدنامی کس درجے بڑھ کر ہوگی - اخلاص خاں نے کہا کہ
کشور خاں سخت نمک حرام تھا وہ اسی توہین کا مستوجب ہی - رفیع الدین نے کہا کہ اگر کچھ قصور تھا تو
کشور خاں کا تھا ان بے چاری عورتوں اور بال بچوں نے کیا کیا جو اس طرح اُن کی مٹی پلید کی جا رہی
ہی بہتر یہ ہی کہ خدا سے ڈرو اور ان بے کسوں کی شرم و ناموس کی حفاظت کرو - خیر اُس وقت تو
اخلاص خاں خاموش ہو گیا لیکن حکم دیا کہ کل نماز صبح کے پیشتر اِن لوگوں کو ایسے وقت حاضر کیا
جائے کہ دیوان عام میں اور کوئی لوگ نہ ہوں تاکہ میں اپنا قصد پورا کر لوں - رفیع الدین کو بھی اس کا
پتہ لگ گیا تمام رات وہ بے چین رہا اور ابھی صبح نہیں ہوئے پائی تھی کہ اخلاص خاں کے آنے
سے پہلے قلعہ میں پونہچ گیا - دیواں خانے میں جب اخلاص خاں پونہچا تو دیکھا کہ رفیع الدین پہلے
ہی سے بیٹھا ہوا ہی - اس کو دیکھتے ہی اخلاص خاں آگ بگولا ہو گیا اور مُنہ پھیر لیا اور اپنے خدام
کو حکم دیا کہ کشور خاں کے محلات کو حاضر کیا جائے تاکہ ہم چوڑے چماروں کے سپرد کر دیں - رفیع الدین
بیچ میں آیا اور نہایت جرأت سے کہا کہ حاشا و کلا آپ کی یہ حرکت مجھ کو کیا کسی کو بھی پسند نہیں
اور نہ آپ کے شایاں ہی - اس کے کیا معنی کہ آپ ایک معزز امیر گھرانے کی عورتوں کو بے قصور
اور بلا وجہ یوں مجمع عام میں رسوا کریں کیا آپ کو خدا کا خوف نہیں ہی لیکن اخلاص خاں نے اس بات
پر کان تک نہ دھرا اور جو منہ میں آیا بکتا جھکتا رہا - رفیع الدین کے ایک دوست نے اُس سے
کہا کہ خواہ مخواہ آپ کیوں بُرے بنتے ہیں آپ کو کیا مطلب جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا - رفیع الدین
نے کہا کہ اِس وقت دربار شاہی میں کوئی شخص ایسا نہیں ہی جو ان مظلوموں کے حق میں ایک
کلمۂ خیر بھی کہہ سکے اور امر معروف و نہی منکر ہر سمجھ دار شخص کا فرض ہی اور یہ ممکن نہیں ہی کہ میری موجودگی
میں اس طرح کا شرمناک سلوک پردہ دار اور معزز عورتوں کے ساتھ کیا جائے - الغرض رفیع الدین کے
اڑ جانے سے یہ مصیبت ٹل گئی اور مخدرات عصمت اپنے اپنے محل کو واپس بھیج دی گئیں البتہ لونڈیاں
باندیاں تقسیم کر لی گئیں جن میں سے چند بادشاہ کی والدہ کی خدمت میں دی گئیں اور جو معمر و
مسن تھیں آزاد کر دی گئیں - اُسی وقت کشور خاں کے چھوٹے بیٹے منجن خان کو حاضر کیا گیا اُس

بے چارہ کی آنکھیں نکلوانے کا حکم دیا تھا مگر رفیع الدین کے اصرار سے اُس کی جان بخشی ہوگئی۔ انہیں دنوں عبدالمومن مغل زادہ کہ جس کو کشور خاں نے امین خاں کا خطاب دیا تھا اور جو بنکاپور کی مہم پر گیا ہوا تھا اُس کا ایک خط اپنے آقا کشور خاں کے نام پہنچا وہ خط اخلاص خاں کے ہاتھ پڑ گیا۔ اُس میں لکھا تھا کہ بنکاپور کی مہم سے میں فارغ ہوگیا اور اب بلگاؤں[۱] جاتا ہوں وہاں سے نپالہ ہوتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اخلاص خاں نے خط پڑھ کر کہا کہ امین خاں کو اِن قلعوں سے کیا تعلق اور کشور خاں اُس کو بھیجنے والا کون تھا۔ رفیع الدین نے کہا کہ اس کا سبب تو مجھے معلوم نہیں کہ کشور خاں نے امین خاں کو کس غرض سے بھیجا تھا لیکن اس خط کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ امین خاں ایک مشہور بہادر ہے اُس نے بنکاپور میں مصطفیٰ خاں کو قتل کیا اب غالباً بلگاؤں شاہ ابوالحسن اور اُس کے بھائی رفیع الدین حسین کو جو وہاں مقید ہیں قتل کرنے جاتا ہوگا اور اُسی طرف سے نپالے کو جانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرتضیٰ خاں انجو اور اُس کا بھائی شاہ قاسم دونوں مقید ہیں اُن کا بھی خاتمہ کرنا مقصود ہوگا۔ حاضرین دربار نے رفیع الدین کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اب امین خاں کا حال سنئے کہ جب برنبائے حکم کشور خاں وہ مصطفیٰ خاں کو قتل کرکے واپس آرہا تھا تو راستے میں اُس کو مصطفیٰ خاں کا ایک لشکر ملا اور لشکریوں کو جب مصطفیٰ خاں کے قتل کا حال معلوم ہوا تو خداوند خاں حبشی جو اُسی فوج کا سرلشکر تھا اُس نے مصطفیٰ خاں مظلوم کا انتقام یوں لیا کہ امین خاں کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے اور اُس کا گوشت چیل کوؤں میں بکھیر دیا۔ اخلاص خاں کو جب امین خاں کے اس طرح مارے جانے کی خبر پہنچی تو اُس نے شاہ ابوالحسن ورفیع الدین پسران شاہ طاہر اور سید مرتضیٰ خاں انجو اور اُس کے بھائی شاہ قاسم کو بلگاؤں اور نپالہ سے دارالسلطنتہ بیجاپور میں بُلا لیا۔

---

[۱] مدراس ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ پونے سے ۲۴۵ میل۔ ڈہائی ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند ہونے سے آب وہوا بہت خوش گوار اور معتدل ہے۔ یہاں کے قلعے کے اطراف ایک عمیق خندق ہے ۱۸۱۸ء میں انگریزوں نے قلعہ فتح کیا۔ یلّما دیوی کی دو بڑی بھاری جاترا اپریل اور نومبر میں ہوتی ہیں جن میں تخمیناً چالیس ہزار آدمی جمع ہوتے ہیں۔ نومبر کی جاترا یلّما کی وفات کی اور اپریل کی اُس کے دوبارہ زندہ ہوجانے کی ہوتی ہے۔ نومبر کی جاترا بڑے مندر سے پاؤ میل ہٹ کر ایک چھوٹی سی دیول میں ہوتی ہے۔ اس جاترا میں لوگ یلّما کی وفات پر سخت ماتم کرتے ہیں اور سوگ میں عورتیں اپنی چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں۔ بلگاؤں بمبئی پریزیڈنسی کے جنوبی ڈویژن کے کمشنر کا مستقر ہے اور یورپین اور نیٹو دونوں قسم کی فوج یہاں رہتی ہے۔

قطب شاہ اور نظام شاہ کی چڑھائی اور افضل خاں کی واپسی

اس وقت بیجاپور میں عجیب طوائف الملوکی تھی جس کو دیکھ اپنی روٹی پر دال گھسیٹتا تھا والیان) احمد نگر ہمیشہ اسی ادھیڑ بن میں لگے رہتے تھے اور کبھی نچلے نہ بیٹھتے تھے ان خانہ جنگیوں کو دیکھ کر نظام شاہ کے مُنہ میں پانی بھر آیا قطب شاہ کو ساتھ لے بیجاپور پر چڑھائی کر دی - افضل خاں قطب شاہ اور نظام شاہ کے مقابلے کے لیئے گیا ہوا تھا نو دس روز کی جنگ کے بعد دو مرتبہ اُن کو مغلوب کیا ہنوز معاملے کی یکسوئی نہ ہونے پائی تھی کہ لشکر تتر بتر ہو گیا کچھ مصطفیٰ خاں کے مہم پر بجانب بنکا پور چلا گیا تھا اور رہا سہا کشور خاں نے اپنی تقویت و استحکام کے لیے بیجاپور میں بلا لیا اس طرح افضل خاں کے پاس معدودے چند لوگ رہ گئے نتیجہ یہ ہوا کہ افضل خاں کے ہاتھ پاؤں بندہ گئے اور اس مہم کو ادھر چھوڑ کر بیجاپور واپس چلا آیا - اس زمانے میں بیجاپور میں خود امراء کے آپس میں لڑائی بھڑائی ہو رہی تھی ایک دوسرے کا جانی دشمن تھا خون ریزی بھی ہوتی چلی جاتی تھی جس کا قابو چل گیا دوسرے کو قید بھی کر لیتا تھا ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ میں ہی معزز اور ممتاز عہدہ وکالت پر مستولی ہو جاؤں اور صرف اسی کے واسطے جسے دیکھو آپس میں کٹا مرتا تھا - ابھی تک پیشوائی کی خدمت کسی کے سپرد نہ ہوئی تھی فرقۂ غلاماں اپنے میں سے کسی کو مقرر کرنا چاہتے تھے اور دکنی اور دوسرے امراء عین الملک کے ممد و معاون تھے اور شاہ ابوالحسن اور مرتضیٰ انجو خود مسلط ہونا چاہتے تھے لیکن ان سب میں عین الملک کا پلّہ بھاری تھا اور ایک بڑی جماعت اُس کے ساتھ تھی - ایک دن عین الملک نے قابو پا کر اخلاص خاں - وحید خاں - دلاور خاں حبشی - سہراب خاں ترکی جو امرائے عظام میں سے تھے ان چاروں کو بیڑیاں ڈال کر مقید کر لیا یہ لوگ بڑے مہرے بساط سلطنت کے تھے ان کے ساتھ ہزاروں کی جمعیت تھی اور ان کی جڑیں گڑ گئی تھیں ان کو قید کرنے سے عین الملک کے لیئے راستہ صاف ہو گیا -

مقصود خاں کا امرائے حبوش کو عین الملک کی قید سے چھوڑانا

لشکر عادل شاہی کو نظام شاہیوں نے تتر بتر کر ہی دیا تھا اور اس پر جب اُن کو ان خانہ جنگیوں کی خبر ملی کہ یہ لوگ آپس میں کٹے مرتے ہیں ان کو اپنے تن بدن کا ہوش

نہیں اور غنیم کی طرف سے بالکل بے خبر ہیں تو شہزادہ الملک سر لشکر نظام شاہ نے اپنی فوج کو جمع کر کے محمد قلی قطب شاہ کی امداد سے بیجاپور کے لشکر کا جو افضل خاں کے ساتھ واپس آرہا تھا تعاقب کیا۔ اور امراء و لشکریاں بیجاپور کے نزدیک پہونچ کر بیرون حصار شہر فروکش ہو گئے اُن کو یہہ اصلا خبر نہ تھی کہ ہمارے پیچھے غنیم لگا ہوا ہی جب انہوں نے آن دبایا تو لامحالہ قلعہ میں متحصن ہونے کی ضرورت پڑی لیکن اتنی بڑی فوج کو ایک دم قلعہ میں جگہ ملنی مشکل تھی۔ امراء و لشکریوں کے لئے مکانات تلاش کرنے کے لئے افضل خاں خود قلعہ میں گیا اور اس کے پیچھے عین الملک اور آنکس خاں بھی اُن چاروں امراء کو جن کو عین الملک نے قید کرایا تھا پالکیوں میں بٹھلا کر لا رہے تھے کہ اُسی وقت غلاموں کی ایک جماعت نے جو بہت مقتدر اور سر برآوردہ تھے دستور خاں قلعہ دار کو جو عین الملک کا ہمراز تھا قید کر کے قلعہ کا دروازہ بند کر لڑنے بھڑنے پر طیار ہو گئے۔ ان غلاموں میں سے مقصود خاں نامی ایک شخص مع اور چند غلاموں کے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر قلعہ سے نکل اللہ پور دروازے کے قریب پہونچا تھا کہ اُدھر سے عین الملک کو اور پالکیاں آتی ہوئی ملیں مقصود خاں نے فوراً اُن چاروں امراء کو عین الملک سے چھین لیا اور اُن کی بیڑیاں نکلوا گھوڑوں پر سوار کرا کے قلعہ میں لے آیا۔ عین الملک نے جب یہہ حالت دیکھی تو وہ سمجھ گیا کہ ان سب غلاموں کی ملی بھگت ہی جو اس طرح ان کو چھوڑا لے گئے ایسی حالت میں میرا ان لوگوں میں ٹھیرنا کچھ ٹھیک نہیں عین الملک نے باقی امراء وغیرہ کو جو رہ گئے تھے خوب سمجھا دیا کہ اخلاص خاں کا ساتھ نہ دیں اور خود وہیں سے پلٹا اور کسی دوسری طرف نکل گیا۔

افضل خاں قید میں شہر میں چو طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور ایک عام بلوہ تھا لوگوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ ایسے وقت افضل خاں کا سب سے الگ تھلگ قلعہ میں جا بیٹھنا خالی از علت نہیں مناسب یہہ ہوگا کہ اس فتنہ و فساد کے فرو ہونے تک افضل خاں کو نظر بند کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ وہ بلوائیوں سے مل جائے اور کوئی خطرناک صورت پیدا ہو جائے بادشاہ کو اندرونی حالات اور ان لوگوں کی افترا پردازیوں کی کچھ خبر نہ تھی کہا کہ اچھا مناسب ہی یہ کہتے ہی امام الملک محلدار وہاں سے اُٹھ سیدھا افضل خاں کے پاس پہونچا اور کہا کہ بادشاہ

کے ہاں آپ کی یاد ہوئی ہے۔ افضل خاں حضوری میں جانے کے لئے اپنے محل سے نکلا کہ اُسے پکڑ کر ان لوگوں نے قید کر دیا اس واقعہ سے شہر میں اور بھی زیادہ تلاطم برپا ہو گیا۔

امرائے حبوش کی معزولی اور ابوالحسن کی وکالت

کمسن بادشاہ نے جب دیکھا کہ چاروں طرف ہنگامہ ظلم برپا ہے تو گھبرا کر چاند بی بی سلطانہ کے پاس بغرض صلاح و مشورہ گیا۔ چاند بی بی بڑی عاقلہ تھی وہ جانتی کہ اصلی سبب اس بلوے کا صرف غلاموں کا برسرِ حکومت ہونا ہے امراء اور دکھنی لوگ غلامان حبوش کی حکومت پسند نہیں کرتے فوراً ملکہ نے امرائے حبشی کو خلوت میں طلب کیا اُن کو اونچ نیچ ایسے عمدہ پیرایہ سے سمجھائی کہ اخلاص خاں حمید خاں۔ دلاور خاں تینوں حبشی سرداروں نے باوجودیکہ وہ جاہل اور خود رائی ہوتے ہیں مگر ملکہ کا حکم بلا تعذر بسر و چشم قبول کیا اور خود مہام سلطنت سے بہ طیب خاطر و مصلحتِ وقت دست کش ہو گئے اور چاند بی بی نے شاہ ابوالحسن کو خلعت وکالت سے سرفراز فرمایا۔

افضل خاں کا قتل اور رفیع الدین شیرازی کا مقید ہونا ۹۸۸ھ

بلوائیوں کی پارٹی افضل خاں کے قید کرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ افضل خاں جس پایہ کا شخص تھا ظاہر کہ ملک کا کل نظم و نسق اُس کے دست قدرت میں تھا سوائے ان چند نالائقوں کے تمام امرا اُس کے تابع فرماں تھے حبشی امراء کو کھٹکا تھا کہ اگر وہ چھوٹ گیا تو ہمارا نام و نشان باقی نہ رکھے گا اس لئے اُنھوں نے کیا اُلٹی سیدھی پٹی پڑھائی کہ افضل خاں کے قتل اور اُس کے بھائی رفیع الدین کے قید کرنے کا حکم قضا شیم حاصل کر (رفیع الدین) کو طلب کیا۔ گڑ بڑ تو چلی ہی تھی بُرے وقت کا کون ساتھی ہوتا ہے رفیع الدین کے حوالی موالی ڈر کے مارے پہلے ہی کھسک گئے تھے بیچارہ رفیع الدین تن تنہا باورچی خانے میں تن بہ تقدیر بیٹھا ہوا خود منتظر تھا کہ گھڑی ساعت میں اُس کی تقدیر کا فیصلہ ہوا چاہتا ہے کہ یکایک قاصد پہونچا ہے کہ بادشاہ سلامت نے یاد فرمایا ہے۔ رفیع الدین اپنی جان مٹھی میں لے کر چلا۔ بادشاہ اس وقت قلعہ کے دروازے کے برج پر برآمد تھا۔ رفیع الدین کا ساتھ دینے والا اس وقت سوائے خدائے عزوجل کے کون تھا اُس کی مشکیں کس کر بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ یہ وہی رفیع الدین تھا جو حضوری

مصاحب اور خزانہ اور مطبخ کا منتظم اور بادشاہ کی ناک کا بال تھا۔ بادشاہ نے اپنے پرانے رفیق کو اس عبرت ناک حیثیت سے دیکھا تو نہایت ہی کبیدہ خاطر ہوا اور بے اختیار کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مجلس میں اُس وقت جو لوگ حاضر تھے سب رفیع الدین کے خون کے پیاسے تھے کلمۃ الخیر کہنے والا کون تھا۔ بادشاہ کے بشرے سے تاڑ گئے کہ اُس کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی ہی فوراً رفیع الدین کو ہٹا کر قید خانے میں بھیج دیا کہ نہ سامنے رہے گا نہ بادشاہ کو جوش آئے گا۔ جیل میں آکر کیا دیکھتا ہی کہ افضل خاں کے گلے میں ایک بھاری طوق آہنی اور موٹی موٹی بیڑیاں اور ہتکڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھ کر عالم سکتہ میں رہ گیا کہ یا الہ العالمین یہ تیری قدرت کے کرشمات ہیں۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ کل کی بات ہی کہ افضل خاں کا ڈنکا بجتا تھا اور افضل خاں کا حکم چاروں طرف رواں تھا آج وہ ڈاکوؤں اور چوروں کی طرح قید خانے میں جکڑا ہوا ہی۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ رفیع الدین یہ حالت دیکھ کر کانپ گیا جب اُس کے بھائی کا یہ حال تھا تو وہ بے چارہ کس شمار و قطار میں تھا لوہا بیڑیاں لیے ہوئے اُس کے لئے بھی موجود ہی تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک شخص آیا اور افضل خاں کو چلنے کا اشارہ کیا افضل خاں رَضِیْنَا بِرِضَاءِ اللّٰہِ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہو گیا اور جیل سے باہر جاتے ہی اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جا بجا سر بازار پھنکوا دیے گئے۔ جو کوئی راہ گذر دیکھتا تھا زار و قطار روتا تھا۔ برابر ایک دن اور ایک رات افضل خاں کی نعش بازار میں ٹھوکریں کھاتی پڑی رہی۔ گور و کفن کون کرتا۔ بے گناہ مظلوم کی نعش پر دو آنسو کون بہاتا اس کے سارے عزیز و قریب مقید تھے اور جو بچ رہتے تھے وہ ڈر کے مارے آنہ سکتے تھے۔ دوسرے دن شاہ فتح اللہ شیرازی کے شاگرد نعش کو بازار میں سے اُٹھا کر لے گئے اور تجہیز و تکفین کی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اس واقعے کی تاریخ بہ عمل لتعمیہ "مظلوم بیدل" ہی۔[۱] افضل خاں کے قتل کے بعد رفیع الدین کے تہ تیغ کرنے کا بھی حکم حاصل کر لیا لیکن زندگی کے دن باقی تھے لوگوں کی سعی سفارش سے بچ گیا اور اپنے قدیمی عہدوں پر تیس سال تک ابراہیم عادل شاہ ثانی کی خدمت میں رہا اور

---

[۱] مظلوم بیدل = ۱۰۶۲ مظلوم کا دل "ل" ہی = ۳۰ "بیدل" کا دل "ی" ہی = ۱۰ "دل" ۴۴ کے عدد خارج جملہ ۴۴ کا تخرجہ ہی۔ ۱۰۶۲ - ۴۷ = ۱۰۱۵ھ۔

آخری عمر میں پندرہ سولہ سال تک دارالسلطنت بیجاپور کا حاکم بھی رہا۔

شاہ ابوالحسن کا بہ اتفاق امرائے حبوش چندے امور سلطنت کو انجام دینا اور آخر کار قید ہونا

مقصود خاں کی بدولت عین الملک سے نجات ملی اور اس طرح پھر حبشیوں کی کمان چڑھ گئی اخلاص خاں کا طوطی بولنے لگا۔ دلاور خاں سر نوبتی ہو گیا اور حمید خاں بھی بڑے پایہ کا امیر اور مہام سلطنت میں دخیل تھا۔ یہ تینوں حبشی شاہ ابوالحسن کے صلاح و مشورہ سے سلطنت کا کاروبار چلانے لگے۔ دارالسلطنت میں اس وقت صرف تین ہزار سوار رہ گئے تھے لیکن بایں ہمہ غنیم اندر نہ گھس سکا اور باہر ہی لوٹ مار کرتا رہا۔ آئے دن کی لڑائی میں اخلاص خاں مجروح ہوا اور اس کا ایک ہاتھ بے کار ہو گیا۔ حاجی کشور خاں جو بیجاپور سے بھاگ کر احمد نگر سے گولکنڈہ چلا گیا تھا اس نے قطب شاہ سے مل کر نواح بیجاپور میں فتنہ انگیزی اور غارت گری شروع کر دی کہ اسی عرصہ میں موسم بارش سر پر آگیا۔ کھلے میدان میں دشمن ٹھیر نہیں سکتا تھا اور بے کار پڑے رہنے سے کچھ فائدہ بھی نہ تھا ناچار محاصرہ اٹھا دیا اور اپنے اپنے ملک کو چلے گئے۔ اخلاص خاں۔ حمید خاں اور دلاور خاں ہر سہ امرائے حبوش مل جل کر کام کرتے تھے اور ترکی غلاموں اور دوسرے امرا کو مضافات کے مختلف قلعوں اور قلب مقامات میں بھیج کر ان کا زور توڑ دیا خود مطلق العنان ہو گئے۔ مقصود خاں جس نے ان کو قید سے چھوڑایا تھا وہ خود حبشی تھا چندے اس کی خوب چلی مگر آخر کار اس سے بھی لوگ بدظن ہو گئے۔ ابوالحسن نے تھوڑے دنوں تو ان حبشی امرا کی صلاح مشورے سے کام کیا مگر ہر وقت ان کے پنجے سے چھوٹنے کی فکر میں تھا۔ حبشیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو ابوالحسن کو قلعہ میں قید کر دیا اور بلا روک ٹوک خود کاروبار سلطنت چلانے لگے ان میں دلاور خاں بڑا تجربہ کار اور سنجیدہ تھا حمید خاں سیدھا سادا نیک دل آدمی تھا اور اخلاص خاں بڑا چلتا پرزہ تھا۔ دو سال کے قریب تک ان تینوں نے سلطنت بیجاپور پر پوری حکومت کی۔

قطب شاہ اور عادل شاہ کی لڑائی

قطب شاہ بھلا کب چین سے بیٹھنے والا تھا۔ پھر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور میر زنبیل استر آبادی کو جو آگے چل کر مصطفیٰ خاں کے لقب سے

مشہور ہوا فوج دے کر عادل شاہی سلطنت پر چڑھائی کردی اس نے سرحد پر پہونچ مار شروع کی۔
تینوں حبشیوں نے ملک کو تقویت دینے کے لیے عین الملک اور آنکس خاں اور دوسرے امرا
جو بددل ہوکر چلے گئے تھے سب کو فہمائش اور استمالت کرکے بلوا بھیجا جب سب آگئے اور ان کی طرف
سے ایک نوع کی جمعیت خاطر ہوگئی تو اخلاص خاں کی صلاح سے دلاور خاں کو سرلشکر بناکر قطب شاہ
کے مقابلے کے لیے بھیج دیا۔ دلاور خاں نے دیکھا کہ لشکر غنیم کا دو پہاڑوں کے درمیان اطراف
چوبی حصار گھیر کر پڑا ہوا ہے۔ موسم بارش سر پر آگیا تھا چھ مہینے تک برابر آمنے سامنے دونوں لشکر
پڑے رہے آخر برسات شروع ہوگئی۔ دلاور خاں نے روزانہ ہلّوں سے غنیم کا ناک میں دم کردیا
ادھر برسات نے ستایا ناچار راتوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ دلاور خاں نے گولکنڈہ تک ان کا
تعاقب کیا اور علاوہ مال و اسباب زر و جواہر اور گھوڑوں کے ایک سو بیس ہاتھی ملے۔ حمید خاں
اور دلاور خاں کے آدمیوں میں ایک ہاتھی پر جھگڑا ہو پڑا جس نے بہت طول کھینچا۔ دلاور خاں
نے اس فتح کی اطلاع بادشاہ کے حضور میں گزرانی۔ اخلاص خاں دار السلطنت میں اپنی
فوج لیے ہوئے موجود تھا دلاور خاں کی بے نظیر کامیابی کا حال سن کر جل بھن گیا غصے سے دانت
پیسنے لگا اور چاہتا تھا کہ کھلم کھلا مخالفت نہ ہو مگر کوئی صورت ایسی ہو کہ دلاور خاں شہر میں آنے
نہ پائے ورنہ وہ منہ چڑھ جائے گا بہتر یہ ہے کہ میں اکیلا ہی سیاہ و سفید کا مالک بنا رہوں
اور یہ بھی چاہتا تھا کہ حیدر خاں قلعہ دار کو جو دلاور خاں کا عزیز تھا معزول کرکے کسی اپنے
لگّے کے آدمی کو مامور کرے۔ بادشاہ کے حضور میں خدا جانے کیا جوڑ چلا کہ ایک فرمان دلاور خاں
کے نام فوراً بھجوا دیا کہ تم تا حکم ثانی وہیں رہو اور مال غنیمت مع ہاتھیوں کے تمام و کمال فوراً
بھیج دو۔ دلاور خاں خلاف توقع پیش گاہ خداوندی سے ایسا فرمان صادر ہونے سے بہت
پریشان خاطر ہوا اور فوراً تاڑ گیا کہ اس میں اخلاص خاں کی چال بازی ہے بھلا وہ میرا آنا
کیسے گوارا کرے گا۔ دلاور خاں نے اپنے ہمراہیوں سے مشورت کی اور بیجاپور کی طرف
یلغار روانہ ہوا اور دُہری دُہری منزلیں کرکے نواح بیجاپور میں جب پہونچا وہاں اس کو ایک
چوبدار ملا جس نے کہا کہ بادشاہ سلامت کا ارشاد ہوا ہے کہ آج کا دن تمھارے لیے نحس ہے
باہر ٹھیر جاؤ کل شہر میں آنا۔ دلاور خاں نے کہا کہ حضور پرنور کی جوتیاں جب آنکھوں سے

لگاؤں گا میری ساری کلفت دور ہو جائے گی اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہو سکتی ہے اور گھوڑے
کو خیر کر کے آگے بڑھا جب یہ خبر شہر میں پہنچی تو ناچار بادشاہ خود استقبال کو تشریف لائے اور
دلاور خاں کو بہ عزّت و احترام شہر میں لائے۔ اخلاص خاں سے تو بارھویں چاند تھا ہی پہلی ملاقات
میں ضبط نہ کر سکا اور نوک جھوک ہونے لگی۔ اخلاص خاں حمید خاں سے دو بدو کہہ رہا تھا کہ تم
نے ناجائز طور پر ہاتھی دبا لیا۔ حمید خاں نے کلہ بکلہ جواب دیا کہ کیا ہوا اگر میں نے ایک ہاتھی لے لیا
تم اپنے گریبان میں تو منہ ڈالو تم نے سارا ملک ہی دبا لیا۔

دلاور خاں اور حمید خاں کے اتفاق سے اخلاص خاں کا اندھا اور قید کیا جانا

دلاور خاں اور حمید خاں دونوں ایک جان دو قالب ہو گئے اور متفقاً اخلاص خاں کے گرانے کی کوشش کرنے لگے اور جب تک کہ نصفا نصف
ممالکت کی تقسیم نہ کر دے اُس کا قلعہ میں آنا بند کر دیا۔ اخلاص خاں نے دیکھا کہ یہ لوگ
سیدھی طرح راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں لات کے بھوت بات سے کب ماننے والے ہیں
اُس نے برجوں پر کی توپیں اُتار کر قلعہ کے سامنے لگا فوج لا کر ڈال دی تمام راستے روک کر محاصرہ
کر لیا۔ دلاور خاں اور حمید خاں نے بھی اخلاص خاں کے مکان کی طرف توپیں لگا دیں اور
روزانہ دونوں طرف سے گولہ باری ہونے لگی اور ناحق غریب بے گناہ راستہ چلنے والے لوگ
مارے جاتے تھے۔ ایک دن مولینا دوست محمد خاں استرآبادی کسی سوداگر کی دوکان پر بیٹھے
ہوئے تھے کہ یکایک اخلاص خاں کی طرف سے ایک گولا آن کر گرا جس سے اُن کے چھ
آدمی پاش پاش ہو گئے۔ اسی طرح روزانہ بازار میں دس پانچ آدمی ہلاک ہو جاتے تھے۔ دوسرے
امراء ارکان سلطنت صدر جہاں شیخ سالم۔ مولینا دوست محمد خاں۔ رفیع الدین شیرازی
نے جو اس جھگڑے سے الگ تھلگ تھے جب روز کی یہ خانہ جنگی دیکھی تو بیچ میں پڑے اور
بہت کوشش کی کہ یہ نزاع مٹ جائے اور ناحق و ناروا جو لوگ مارے جا رہے ہیں
محفوظ رہیں مگر اخلاص خاں ایک بدخو اور بڑا آدمی تھا وہ کسی کی سننے والا نہ تھا ع

میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے

دلاور خاں اور حمید خاں دونوں نے بہت کچھ منت سماجت کی کہ ہم تینوں بھائی بھائی ہیں

اور اس گورمنٹ کے نمک خوار ہیں آپس میں ملک کی علی السویہ تقسیم کرلیں اور آپ چوں کہ بڑے ہیں علاوہ آپ کے حصّے کے ہم ایک لاکھ ہن اور آپ کی نذر کرتے ہیں اس قضیہ کو طے کیجیے مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور برابر دو مہینے تک کشت و خون ہوتا رہا - دلاور خاں ایک نہایت سمجھ دار اور مدبر آدمی تھا جب اوس نے دیکھا کہ ؎

باسیہ دل چہ شود گفتن وعظ نرود میخ آہنی در سنگ

تو اُس نے اخلاص خاں کے لشکر میں پھوٹ ڈال دی اور چوں کہ سراسر زیادتی اخلاص خاں کی تھی بادشاہ کی طرف سے بھی اخلاص خاں کے ہمراہیوں کو حکم دیا گیا کہ اس جنگ و جدل سے باز آئیں - لوگ روز کی لڑائی سے تنگ آ گئے تھے رفتہ رفتہ کھسکنے لگے اور اکثروں نے اخلاص خاں کا ساتھ چھوڑ دیا - آخر کار سارا لشکر شہر سے باہر نکل پڑا - عین الملک اور انکس خاں بھی جو اخلاص خاں کے ساتھ تھے وہ بھی ٹوٹ کر دلاور خاں سے آن ملے اور سب نے مل کر رات کو اخلاص خاں کے محل کو گھیر لیا - رہے سہے لوگ بھی اخلاص خاں کو چھوڑ کر الگ ہو گئے اور اخلاص خاں بیک بینی و دو گوش رہ گیا - اخلاص خاں جب بالکل مجبور ہو گیا تو ناچار نرم پڑ گیا اور خدا خدا کر کے راستے پر آیا - رات کے وقت خفیہ اخلاص خاں مع اپنے بیٹوں کے حمید خاں کی خوابگاہ میں گیا حمید خاں نے دلاور خاں کے ڈر سے اخلاص خاں کو منہ نہ لگایا صرف اتنا کہہ دیا کہ آپ کچھ تشویش نہ کریں آپ کی جان کو کچھ دھوکا نہیں ہے لیکن اتنا ہے کہ اگر آپ مکہ معظمہ چلے جائیں تو اچھا ہے ورنہ نہیں معلوم کیا معاملہ پیش آئے - دلاور خاں نے شہر کے دروازوں پر حکم دے رکھا تھا کہ اخلاص خاں کو شہر سے نکلنے نہ دیں اس وجہ سے وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا - دلاور خاں کی سواری جلوس کے ساتھ نکلی اور اخلاص خاں کے مکان کے سامنے سے گزر کر دربار شاہی میں گئی کہ وہاں خبر ملی کہ اخلاص خاں حمید خاں کے مکان پر آ کر بیٹھ گیا ہے - دلاور خاں نے بادشاہ کی جانب سے ایک محل دار کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ اب تمھارے واسطے یہی بہتر ہے کہ بسم اللہ کر کے قصد مکہ شریف کا فرمائیے ہم نے تمھاری جان بخشی کی اور بخوشی اجازت دی - اخلاص خاں نے دیکھا کہ ساری خدائی اُس کے خلاف ہو گئی ہے میں بتیس ۳۲ دانتوں کے بیچ میں ایک زبان ہوں کس کس کا مقابلہ

کروں گا بہتر یہی ہے کہ یہاں سے منہ کالا کروں ع

پائے مرا لنگ نیست ملک خدا تنگ نیست

مجبوراً بیجاپور کو خیرباد کہا اور بعزم سفر حرمین شریفین بیجاپور سے نکلا ؎

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں — خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

احمد خاں خزانہ دار فوج احتشام کے ساتھ اخلاص خاں کو پہنچانے گیا۔ جب مصطفیٰ آباد (مرج)[1] کو پہنچے تو احمد خاں نے کہا کہ حکم قضا شیم یہ ہے کہ بالفعل آپ چند روز یہیں ٹھہریں جب تک کہ دریا کے سفر کا موسم آجائے اور سمندر میں سکون ہو۔ اس طرح اخلاص خاں کو مع زن و فرزند قلعہ مرج میں نظر بند کر دیا اور تھوڑے دنوں بعد اس کی آنکھیں بھی نکلوا ڈالیں۔ جب تک کہ دلاور خاں کا دور دورہ رہا اخلاص خاں قید میں رہا لیکن دلاور خاں کے چلے جانے کے بعد ابراہیم عادل شاہ نے اخلاص خاں کے حال زار پر ترس کھا کر بیجاپور بلا لیا اور اس کی بسر اوقات کے لئے ایک جاگیر عطا فرمائی جو دم آخر تک بحال رہی۔ ایسی افسوس ناک حالت میں اخلاص خاں اپنی زندگی کے دن پورے کرتا رہا بالآخر ۱۵۹۱ء میں دنیا کے سارے غم و آلام سے نجات پائی ؎

قفس تن میں نہ گھبرائیو اے طائر روح — جو گرفتار ہے اک روز رہا ہوتا ہے

دلاور خاں کی سازش سے حمید خاں کا قید ہونا۔

ابھی یہ جھگڑا فرو نہ ہونے پایا تھا کہ دلاور خاں اور حمید خاں کی چل گئی۔ اخلاص خاں کے معزول ہونے کے بعد یہی دونوں پیش پیش تھے اور دونوں مل کر امورات سلطنت کو سرانجام دیتے تھے۔ حمید خاں سر نوبتی کی خدمت کا خواہش مند تھا اور لوگوں کو اس کے رسوخ سے توقع تھی کہ اسی کی سرفرازی ہوگی۔ وہ ایک نہایت سنجیدہ آدمی تھا جھگڑے بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہتا تھا وہ چپکا بیٹھا تماشہ دیکھتا رہا کہ دیکھو ہوتا کیا ہے۔ لیکن دلاور خاں بازی لے گیا اور اس کے بیٹے کمال خاں کو خلعت سر نوبتی کا مرحمت ہوا جس سے حمید خاں کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ جان گیا کہ دلاور خاں کا پلہ بھاری ہو گیا اس وجہ سے دونوں میں کشیدگی بڑھ گئی۔ دلاور خاں نے بادشاہ کی جانب سے

[1] مدراس ریلوے پونا بنگلور میسور سیکشن۔ یہ ایک چھوٹا سا سٹیشن ہے جو دریائے کشنا کے قریب ہے اور کولہاپور اور سانگلی سٹیٹ ریلوے کا جنکشن ہے۔

حمید خاں کو کہلا بھیجا کہ جہاں پناہ کا حکم ہوا ہے کہ تم گھر سے باہر نہ نکلو اور تمام اسباب و دولت ہاتھی گھوڑے سلاح خانہ سرکار میں داخل کرو۔ یہ حکم سنتے ہی حمید خاں نے اپنا مال و اسباب لے کر شہر سے نکل جانے کا قصد کیا مگر دیکھا تو پہلے ہی سے شہر کے دروازوں پر ناکہ بندی کر دی گئی تھی جس سے عجب کشمکش میں پھنس گیا نہ جائے رفتن و نہ پائے ماندن۔ ناچار تقدیر پر شاکر ہو کر گھر میں حکم قضا شیم کے صادر ہونے کا منتظر بیٹھا رہا۔ برابر ڈھائی دن تک حمید خاں کا مال و اسباب ڈھو ڈھو کر محل سلطانی میں داخل کیا گیا اور سارا اثاثہ جواہر کثرت سے تھا کہ کسی دوسرے امیر کے پاس اس کا چوتھائی بھی نہ تھا سب داخل سرکار ہو گیا اور تمام جاگیرات اور مناصب ضبط ہو گئے۔ حمید خاں بے چارہ بیک بینی و دو گوش رہ گیا آخر کار ایک قلعہ میں قید کر دیا گیا اور دلاور خاں کے چشم میں جو خار کھٹکتا تھا نکل گیا۔

دلاور خاں کے حالات شاہ ابو الحسن کا مکحول کیا جانا اور پھر قتل

ایمان کی بات یہ ہے کہ دلاور خاں تھا بھی بہت بڑا عقیل و فہیم اور اول درجہ کا مدبر۔ انتظام مملکت نہایت حزم و احتیاط اور خوبی اور دانش مندی سے چلا رہا تھا۔ اُسے اسّی سال کا تجربہ تھا۔ ساری عمر اُس کی بادشاہوں ہی کی صحبت میں گزری تھی اور جو کام کرتا تھا وہ خوش تقدیری اور حسن تدبیر سے راست آتا تھا۔ تمامی امراء سے اُس کے تعلقات اچھے تھے اور بڑے بڑے گھرانوں سے رشتہ داری کے تعلقات بھی مستحکم ہو گئے تھے اور اپنے عزیز و اقربا کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کر کے مطمئن ہو گیا تھا۔ اپنے سارے بیٹوں کو امارت کے مراتب اعلیٰ پر پہنچا دیا تھا۔ اس کا ایک لڑکا محمد خاں نامی بادشاہ کا ہم سبق تھا اور دوسرا بیٹا کمال خاں بخشی تھا اور بادشاہ کے ساتھ چوگان بازی میں شریک رہتا تھا۔ تیسرا لڑکا حیرت خاں بادشاہ کا مصاحب اور حاضر باش دربار تھا چوتھا عبد القادر بیجاپور کا قلعہ دار تھا۔ ہر ہر بیٹے کے پاس دو دو ہزار اور خود بدولت کے پاس چھ ہزار نفیس گھوڑے تھے۔ بلبل خاں بھی ایک متبنی فرزند زمرۂ امراء میں تھا۔ علی عادل شاہ کے زمانے میں پانچ چھ ہزار آدمی ملازم سپاہیان۔ امراء۔ سوداگراں وغیرہ عراق۔ خراساں۔ روم و شام اکٹھے ہو گئے تھے۔ بہ تدریج ان سب کو نکال باہر کیا معدودے چند گرے پڑے باقی رہ گئے اور صرف سو مغل وہ بھی ضعیف اور ساٹھ

چینی ملازم رکھے وہ بھی اپنے آوروے کے بھر دیئے۔ حضوری میں جتنے لوگ حاضر باش تھے وہ سب اسی کے علاقے کے غلام یا متوسل تھے حتیٰ کہ خدمت گار اور محلات کی لونڈیاں باندیاں سب اسی کے علاقے کی تھیں اور دروازے کے سرپردہ دار بھی اسی کے تھے۔ غرض کہ ایسا سکہ بٹھایا کہ اس کے حکم کے سوا پرندہ پر نہ مار سکتا تھا۔ شاہ ابوالحسن جو اخلاص خاں کے حکم سے ایک قلعہ میں مقید تھا اُس کی بھی آنکھیں نکلوا دیں اور تھوڑے دنوں بعد زیادہ وہم بڑھا تو اُسے جان سے بھی مروا دیا۔ ابوالحسن کے چار بیٹے تھے اُن کے ساتھ دلاور خاں نے کوئی بدسلوکی نہیں کی بلکہ اول سب کو دو دو ہزار فوج کا کمانڈنگ کر دیا۔ تھوڑا بہت رسوخ چاند بی بی کا تھا جو معاملات ملکی میں دخل دیا کرتی تھی اُس کی بھی اُس نے بخوبی روک تھام کر دی بادشاہ دلاور خاں کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی کی طرح تھا جس ناچ چاہتا تھا نچاتا تھا۔ دلاور خاں سے بادشاہ کا خود دم سلب ہوتا تھا۔ اس طرح دلاور خاں کا ستارہ اقبال آٹھ برس چمکتا رہا۔ یہ شخص کٹا حنفی سنّی تھا اس نے مذہب تشیع کی جڑ اکھاڑ دی۔ دلاور خاں خود بڑا ذی علم تھا اکثر اُس کے ہاں علمی و فقہی مجالس ہوا کرتی تھیں اور ہمیشہ احادیث اور تفاسیر کا شغلہ رہتا تھا اس نے اپنے بیٹوں کو بھی اچھی تعلیم دلائی تھی۔

سلطنت بیجاپور کو علی التواتر احمد نگر اور گولکنڈہ ہی سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اس آئے دن کے کھوج مٹا دینے کے لئے دلاور خاں نے بڑی پیش بندی

دلاور خاں کی سعی سے ابراہیم عادل شاہ کی شادی ابراہیم قطب شاہ کی بیٹی سے اور ابراہیم عادل شاہ کی بہن کی شادی مرتضیٰ نظام شاہ کے بیٹے سے ۹۹۶ھ۔

سے ابراہیم عادل شاہ کی شادی ملکہ جہاں عرف چاند سلطان دختر ابراہیم قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ سے اور ابراہیم عادل شاہ کی بہن خدیجہ سلطان کی شادی مرتضیٰ نظام شاہ والی احمد نگر کے بیٹے سے کرا دی یہ مصداق رتی بھر رشتہ اور گاڑی بھر دوستی دونوں برابر ہیں۔ اس طرح آپس میں رابطہ خلّت و وداد مستحکم و شدید ہو گیا۔ ان شادیوں کے کر و فر اور جلوس کا کیا پوچھنا تھا چالیس روز تک برابر جشن شاہانہ رہا اور طرفین سے مصارف کا کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔

دلاور خاں کا سخت شورش سے بال بال بچ جانا

یہ مصداق ہر کمالے را زوالے دلاور خاں کا عروج اس درجے بڑھ گیا تھا کہ اُس نے بادشاہ کو ایک وجود معطل کر دیا تھا اور اس کا انجام ضرور یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اُس کا زوال ہو۔ دلاور خاں کو جب سب طرف سے اطمینان ہو گیا تو اُس کو یہ اُپج کی سوجھی کہ سرے سے یہ بادشاہ ہی نہ رہے اور ابراہیم عادل شاہ کو معزول کر کے اُس کے بھائی اسمعیل شاہ کو جو قلعہ مصطفیٰ آباد میں مقید تھا تخت پر بٹھانے کی کُھد بُدی پکنے لگی۔ یہ خبر شدہ شدہ بادشاہ اور چاند بی بی اُس کی والدہ کے کانوں تک اُڑتی پڑتی پونہچی اور پھر تو سارے شہر میں بجلی کی طرح کوند گئی اکثر امرا اور تمامی رعایا اس قدر اس صدائے بے ہنگام سے برافروختہ ہوئے کہ جدھر دیکھو اُدھر اسی کے سرگوشیاں ہوتی رہتی تھیں جس دن بادشاہ سلامت اور اُن کی والدہ ماجدہ نے یہ خبر سنی بادشاہ اس قدر غمگین اور آزردہ ہوا کہ اُس دن کھانا بھی نہیں کھایا اور تمام رات اُس کی پلک نہ جھپکی اور سارے محل میں اودھم مچ گئی۔ اہل خدمات اور ارباب قلم بالکل مجبور تھے اُن کے بس کی بات نہ تھی وہ کچھ نہ کر سکتے تھے لیکن اہل سیف اور خدمتگار وغیرہ ہمیشہ اکھٹے ہوتے ہیں اُن سے نہ رہا گیا۔ اور اپنی اپنی جگہ ہر گلی کوچے میں سب دلاور خاں سے انتقام لینے پر تُل گئے اور صرف بادشاہ کے اشارے کے منتظر تھے کہ ذرا اُدھر سے ہوں ہو جائے تو پھر دیکھو کہ ہم اس نمک حرام دلاور خاں کی تکا بوٹی کر ڈالتے ہیں۔ عامۂ رعایا میں ایک عام شورش برپا ہو گئی تھی۔ دلاور خاں کو جو نہ کرنا چاہیئے تھا وہ اپنے غرور و تکبر میں کر بیٹھا۔ محلات میں دلاور خاں کی مخبر عورتیں موجود تھیں اُنھوں نے صبح ہوتے ہی من و عن سارے حالات بادشاہ اور اُس کی والدہ کی پریشانی اور تمام شب بے چین رہنے کے بیان کیے ایک دن حسب معمول دلاور خاں دربار میں آیا اور بعد از سرانجام دہی مہمات بادشاہ کے حضور میں آداب بجا لانے کو حاضر ہوا اور عرض کی کہ بندے کو کسی خاص معاملے میں خلوت میں معروضہ کرنا ہی۔ بادشاہ نے خلوت میں جا کر دلاور خاں کو بلا لیا۔ اُس وقت پردے کے پاس رفیع الدین بھی موجود تھا (جس کو علاوہ اور خدمات کے جام دارخانہ اور کسوت خاص کی خدمات بھی سپرد تھیں اور یہی سبب اُس کے وہاں حاضر رہنے کا تھا)

اُس نے دلاور خاں اور بادشاہ کی جو گفتگو ہوئی من وعن سنی - دلاور خاں نے عرض کیا کہ رات
کو حضرت اور حضرت کی والدہ کی سمع مبارک تک نصیب دشمناں ایسی کیا خبر پہنچی تھی کہ تمام
شب استراحت نہ فرمائی - بادشاہ نے دل کڑا کر کے جو واقعات سُنے تھے اُس کے سامنے
دُہرائے - دلاور خاں نے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا کہ باوجودے کہ یہ خانہ زاد ہمیشہ جہاں پناہ کا
سچا خیر خواہ اور جاں نثار رہا ہے اور مجھ سے کبھی تا دم زیست ایسی نمک حرامی ممکن نہیں ہے
لیکن پھر بھی خاطر اقدس پر مجھ بدنصیب کی طرف سے اِس قدر بدگمانی ہے تو سوائے میری
نارسائی بخت کے اور کیا ہے اور روتا پیٹتا نکل کر سیدھے اپنے گھر کی راہ لی اور جاتے جاتے دربار
میں جو لوگ جمع تھے اُن سے بہ آواز بلند کہتا گیا کہ آئندہ سے آپ صاحبوں میں سے کوئی شخص
میرے مکان پر نہ آئے اور نہ کوئی قلعہ سے باہر جائے - میں روزانہ دربار میں حاضر ہوں گا جو کچھ
مجھ سے کہنا سننا ہو قلعہ ہی میں عرض معروض کر سکتے ہیں - خود اس کو اپنی جان کے لالے
پڑ گئے اور ڈر کے مارے اپنے گھر میں دبک گیا اور بلوائیوں کے ڈر سے پانچ دن تک گھر سے باہر
قدم نہ نکالا اور نہ کسی کو اپنے پاس آنے دیا - اگرچہ رومی خاں حاکم قلعہ پہلے دلاور خاں
ہی کا دبیر تھا - اُس کی ماں نے شاہ طہماسپ (والدہ ابراہیم عادل شاہ) کو دودھ پلایا تھا -
اسی سبب سے اُسے قلعہ کی حکومت سپرد تھی اور اُس کی بیٹی عبدالقادر سے جو دلاور خاں
کا بیٹا تھا منسوب تھی اور وہ ہر طرح دلاور خاں کا فرماں بردار تھا مگر کچھ ایسا خوف و ہراس طاری
تھا کہ اُس کا بھی بھروسہ نہ رہا اور ڈر کے مارے پانچ روز تک قلعہ میں بھی نہیں گیا کہ خدا جانے
کیا سانحہ پیش آئے نتیجہ یہ ہوا کہ سارے امرا اور عمال اپنے اپنے گھر بیٹھ گئے اور ایک طرح
کا جنرل[1] اسٹرائیک ہو گیا - رفیع الدین کہتا ہے کہ اُس کے سپرد توشہ خانہ شاہی تھا اور روزانہ
شاہی لباس کے لئے اُس کی حضوری ضرور تھی لیکن پھر بھی وہ محل شاہی میں نہ جا سکا
اور نہ بادشاہ کا لباس حسب معمول تبدیل کرایا - اگرچہ چاروں طرف سنسان تھا مگر اہل
سیف میں بے چینی اور اضطراب شدید پھیلا ہوا تھا اور منتظر تھے کہ بادشاہ کی طرف سے
اگر ایک ذرا سا بھی اشارہ ہو جائے تو پھر دیکھئے کہ آن واحد میں اس کی حویلی کی اینٹ سے اینٹ

[1] ایک دم کاروبار بند ہو جانا - ۱۲ -

بجا دیں اور اس مردود کا کام تمام کردیں - پانچویں روز دلاور خاں کے فرزند اور امیر حسین مستوالی الملک
جو دلاور خاں کا منہ بولا بیٹا تھا اور سید اسمعیل دبیر جس پر دلاور خاں کا کامل بھروسہ تھا - اور
رومی خاں سب مل کر دلاور خاں کے پاس گئے اور بہت کچھ سمجھایا لیکن اُس پر مطلق اثر نہ ہوا
اور ماش کے آٹے کی طرح اینٹھا ہی رہا ناچار یہ لوگ رنجیدہ خاطر ہو کر اٹھ آئے لیکن دلاور خاں
کے بڑے بیٹے محمد خاں نے جرأت کر کے باپ سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے کہ شہر میں کیا آفت
برپا ہے - دربار کا رنگ بدل گیا ہے ساری سپاہ آپ کے مقابلے کے لئے مسلح طیار ہے ذرا اشارے
کی دیر ہے کہ ہمارا گھر بار لوٹ کر نیست و نابود کردیں گے - ہمارے اہل و عیال کی عزت خاک میں
مل جائے گی اور چوڑے چماروں کے حوالے کئے جائیں گے - آپ عقل کے ناخن لیں اور اس تمردی
سے باز آئیں اور خدا کے واسطے اپنے آپ اور ہم سب کی حالت پر رحم کر کے کوئی ایسی معقول
تدبیر کیجئے کہ یہ فتنہ فرو ہو کہ چند روز بخیر و خوبی گزر جائیں ورنہ کل صبح ہی آپ دیکھ لیں گے کہ قیامت
برپا ہو جائے گی - دلاور خاں یہ حالات سن کر تین چار گھنٹے تک سوچ میں گیا - اُس کے بشرے
سے سخت پریشانی ظاہر تھی آخر کار مآل کار کو سوچ کر رومی خاں سے کہلا بھیجا کہ تم سب دوستوں
نے جو کہا مجھے منظور ہے کسی طرح اس بھڑکتی ہوئی آگ کو سرد کرو - رومی خاں کی مجال نہ تھی کہ خود
قلعہ میں جا سکتا قلعہ کے اندر قدم رکھتے ہوئے دم سلب ہوتا تھا آخر کار ایک بڑھیا کو علیا
حضرت چاند بی بی سلطانہ کی خدمت میں بھیج کر معروضہ کرایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ چند دنوں سے
کیسی کچھ مصیبت کا سامنا ہے سارے کاروبار معطل دربار سنسان پڑا ہے لوگ پریشان خاطر ہیں
آپ کچھ ایسی تدبیر فرمائیں کہ معاملے کی یکسوئی ہو جائے ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کو یہ خبر معلوم ہو اور
لینے کے دینے پڑ جائیں - آپ پر مخفی نہیں ہے کہ دلاور خاں نے بپاس عزت و آبرو مجبوراً کاروبار
سلطنت سے دست کشی اختیار کی ہے اور گھر میں بیٹھ گیا ہے جس کی وجہ سے تمام نظم و نسق درہم
برہم ہو گیا ہے اگر جہاں پناہ سلامت علی الصباح دلاور خاں کے کلبۂ احزان تک قدم رنجہ
فرمائیں اور اُس کی دل جوئی اور جاں بخشی فرما کر اپنے ہمراہ رکاب قائمۂ معلی میں لے آئیں اور دوبارہ
سرفراز فرمائیں تو بے کھٹکے یہ ہنگامہ دب دبا جاتا ہے اور کاروبار سلطنت کا جس خوش اسلوبی سے
اب تک چلتا تھا چلتا رہے گا - علیا حضرت نے رومی خاں کے معروضہ کو شرف قبولیت بخشا اور

اسی طرح دوسرے دن بادشاہ اسپ ترکی پر سوار ہوکر دلاور خاں کے محل سرا کے دروازے تک پہونچا تھا کہ دلاور خاں دوڑتا ہوا نکلا اور بادشاہ کے قدموں پر سر رکھ کر زار وقطار رونے لگا اور اپنی تقصیرات کی معافی چاہی اور بادشاہ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے شہر کے باہر دروازے تک آیا کہ اُدھر سے شاہی پالکی آرہی تھی بادشاہ پالکی میں سوار ہوا اور دلاور خاں کو اسپ ترکی پر بٹھلا کر قلعہ میں لایا اور خلعت فاخرہ دلاور خاں کے لئے حاضر کیا گیا۔ دلاور خاں نے دست بستہ معروضہ کیا کہ گوشت پوست سب سرکار کا ہی خانہ زاد ہمیشہ خلعتوں سے سرفراز ہوتا رہا حضرت کے جسم مبارک پر جو لباس ہے وہ میرے لئے لاکھوں خلعتوں سے بڑھ کر ہے اگر فدوی کو یہ سرفراز ہو جائے تو بڑی کرم بخشی ہے اور سارے شہر میں اس کی دھوم مچ جائے گی۔ بادشاہ اُسی وقت محل میں گیا اور لباس اُتار کر دلاور خاں کو بھیج دیا دلاور خاں نے وہیں لباس شاہی پہن لیا اور بخوشی تمام اپنے دولت خانے کو واپس آیا اور اُسی وقت سے مہام سلطنت حسب سابق انجام دینے لگا اور جو کچھ شر و فساد تھا سب فوراً ہی دب دبا گیا۔

دلاور خاں کا از سر نو فوج بھرتی کر کے اپنے پاؤں جمانا

دلاور خاں بڑا پولٹیکل تھا اُس نے دیکھا کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔ مگر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی آج نہیں تو کل پھر ہمیں کو ہمیں سیداں اگر یہی لیل و نہار ہے تو یہ بیل کبھی منڈھے چڑھنے والی نہیں ع

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

غافل رہنا شرط خرد مندی نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ ابھی سے اس امر کا معقول بندوبست کر لیا جائے کہ پھر ایسی بات ہی نہ ہو اور اپنی حالت کو قوی اور مضبوط کرنے کے لئے نئی فوج بھرتی کرنے لگا۔ پہلی جمعیت تھی سو تھی اور چھ ہزار منتخب سواروں کو جدید طور پر نوکر رکھا جن پر ہزار ہا روپیہ صرف کر کے اسلحہ و آلات اور لباس فاخرہ زربفت و مخمل سے خوب آراستہ کیا اور بادشاہ سے عرض کی کہ جان نثار نے آپ پر سر نثاری کے لئے ایک نئی فوج طیار کی ہے فوج کے ملاحظہ کے لئے بادشاہ شہر پناہ کے ایک برج پر جلوہ فرما ہوا اور تمام سوار احشام اور ہاتھی گھوڑے سر سے پیر تک آراستہ اور پیراستہ ہو کر مارچ پاسٹ[۵۱] ہوا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا اور دلاور خاں کی بہت

[۵۱] کسی افسر کے سامنے سے مثل بندی سے فوج کا گزرنا ۱۲

تعریف کی - دلاور خاں اور اُس کے فرزندوں کے لئے خلعت ہائے فاخرہ اور گھوڑے اور ہاتھی اور تلواریں اور خنجر اور مرصع انگوٹھیاں الماس و زمرد اور پکھراج کی سرفرازکیں اور خود دلاور خاں کو ایک نہایت خوب صورت گھوڑا زین اور لگام مرصع کا دیا - کل سرفرازی ایک دن میں دو لاکھ ہن کی ہوئی اور اسی طرح اسی ایک سال میں پانچ مرتبہ مختلف تقریبات میں لاکھوں روپیہ کی سرفرازیاں ہوئیں - اگرچہ دلاور خاں کو فوج کے اخراجات کے لئے پہلے ہی سے بہت سی جاگیریں تھیں مگر اس جدید فوج کے خرچ کو کفاف نہ کرتی تھیں لہذا اور سو مواضع کثیر المحاصل کی گزاشت کا حکم ہوا - دلاور خاں نے مجلسیاں اور امرا اور منصبداروں کے دیہات چھین لئے جس کی وجہ سے پانچ ہزار قدیم فوج تخفیف میں آگئی اور اسی مقدار میں دلاور خاں کی فوج بڑھ گئی الغرض روز بروز دلاور خاں کی قوت بڑھتی جاتی تھی اور بادشاہ دبتا چلا جاتا تھا اور یہی دلاور خاں کا اصلی منشا تھا -

برہان نظام شاہ کی امداد کے لئے ابراہیم عادل الشاہ کی چڑھائی

علی عادل شاہ کے زمانے میں برہان نظام شاہ اور اُس کے بھائی مرتضی نظام شاہ سے کچھ سوء مزاجی ہوگئی تھی اور برہان نظام شاہ ناراض ہوکر بیجاپور چلا آیا تھا - عادل شاہ نے اُس کی بڑی خاطر مدارات کی اور چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُسے احمد نگر کے تخت پر بٹھلا دے مگر افسوس کہ اُس کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ آرزو دل کی دل ہی میں رہی - برہان نظام شاہ ابراہیم عادل شاہ کی سلطنت کے اوائل زمانے میں مایوس ہوکر اکبر شاہ بادشاہ کے پاس ہندوستان چلا گیا اور وہاں سے اُن امرا کو جو بیجاپور میں اس کے دوست تھے اپنی پریشانی اور سرگردانی کے حالات لکھتا رہتا تھا - اِدھر حمائل خاں مہدوی اور دوسرے امرا نے اسمٰعیل شاہ پسر برہان شاہ کو جو بارہ سال کی عمر کا تھا قید سے نکال کر تخت پر بٹھلا دیا - یہہ بات کسی امیر نے دلاور خاں کے کان پر ڈال دی دلاور خاں چاہتا ہی تھا کہ اگر ممکن ہو تو نظام شاہیوں کو اپنا ممنون احسان بناؤں اُس نے وعدہ کرلیا کہ میں برہان شاہ کی مدد کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں لیکن بہتر ہوگا کہ اکبر بادشاہ کا ایک فرمان میرے نام اور دوسرا راجے علیخاں فرماں روائے خاندیس اور دوسرے امرائے سرحدی کے نام امداد کا حاصل کریں تو ہم کو اور زور ہوجائے گا اور میں ابراہیم عادل شاہ

کو لے کر آپ کی کمک کو احمد نگر پونہچ کر آپ کو کامیاب کرا دوں گا - برہان شاہ نے یہ جواب پاتے ہی فرامین حاصل کئے اور دکن کی طرف چلا جب برہان پور پونہچا تو راجے علی خاں نے استقبال کیا اور بڑی عزت و احترام سے شہر میں لا کر تخت پر بٹھلایا اور فوج جمع کرنے لگا - دلاور خاں کو جب برہان شاہ کے خاندیس پونہچ جانے کی خبر ملی تو ابراہیم عادل شاہ کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مملکت نظام شاہیہ کی طرف بڑھا جب سواری مبارک شاہ درگ پر پونہچی تو آب و ہوا بہت پسند آئی اور چند دن وہیں اقامت فرمائی - دلاور خاں کو اس مہم میں بھی اپنے استحکام کی فکر تھی اور چاہتا تھا کہ کسی طرح شہر بیجاپور اور قلعہ کی حکومت پر کوئی اپنا آدمی رکھے اور نیز چاند بی بی کو جو ہر وقت پادشاہ کی نفس ناطقہ تھی اُسے کسی طرح پادشاہ کی نظروں سے اُتار دے - دلاور خاں نے چند بدمعاشوں کو اشتعال دیا کہ شہر میں خوب چوریاں کریں کہ کسی طرح رومی خاں کی جو نائب غیبت تھا بدنامی ہو - جب شہر میں آئے دن کثرت سے چوریاں ہونے لگیں تو متواتر شکایتیں پونہچیں اور لشکری لوگ اپنے مال و متاع کی طرف سے پریشاں خاطر ہو گئے - شدہ شدہ پادشاہ کے کانوں تک شور و غوغا پونہچا - دلاور خاں کو اچھا موقع ملا - رومی خاں جس کے سپرد شہر کا انتظام تھا اُس کی ناقابلیت اور عدم توجہی کی شکایت کی اور کہا کہ اگر حکم ہو تو میں کسی ایسے لایق شخص کو چن کر مقرر کروں جو شہر اور قلعہ دونوں کا معقول انتظام کر سکے - پادشاہ نے کہا کہ رومی خاں ہمارا قدیم اور معتبر ملازم ہے میں اُس کو علیحدہ کرنا پسند نہیں کرتا البتہ میں اُسے بہت ہوشیاری سے کام کرنے اور اس بدنظمی کے رفع کرنے کی سخت تاکید کروں گا - دلاور خاں کا داؤں نہ چلا سمجھا کہ یہ نتیجہ پادشاہ کی ماں کی صلاح ہو گئی جو پادشاہ نے میری بات ٹالی اور رومی خاں کی پاس داری کی تو دلاور خاں نے ایک چال اور چلی کہ اپنے بال بچوں کو بیجاپور سے بلوا لیا - جب پادشاہ نے آگے بڑھنے کا حکم دیا تو دلاور خاں نے علیا حضرت سے عرض کی کہ اب لشکر دشمن کے مقابلے کے لئے جاتا ہی خدا جانے وہاں کیا معاملہ پیش آئے میں اپنے زنانے کو یہیں چھوڑے جاتا ہوں بال بچوں کو لے کر کہاں پھروں گا - خانہ زاد کی گزارش یہ ہی کہ آپ بھی قلعہ ہی میں ہماری واپسی تک رونق بخش رہیں تو بہت مناسب ہی تاکہ زحمت سفر سے محفوظ رہیں - چاند بی بی دلاور خاں کی چال بازی سمجھ گئی کہ مجھے اپنے لخت جگر سے اِس بہانے سے جدا کرنا چاہتا ہی جواب دیا کہ میں

ہرگز بادشاہ کو اکیلا نہ چھوڑوں گی کیا میری جان اُس سے زیادہ عزیز ہی جو اُس پر گزرے گی مجھ پر گزرے گی - دلاور خاں کی یہاں بھی نہ چلی ناچار اپنے زنانے کو قلعہ شاہ درگ میں چھوڑ کر لشکر کے ساتھ غنیم کے مقابلے کو روانہ ہوا -

اسمٰعیل نظام شاہ اور عادل شاہ کی جنگ

جمال خاں حبشی زادہ جس نے اسمٰعیل شاہ پسر برہان کو تخت پر بٹھلا کر خود وکیل السلطنت اور پیشوا بن گیا تھا - اسمٰعیل شاہ کو لے کر ابراہیم عادل شاہ اور برہان شاہ کے مقابلے پر احمد نگر سے نکلا اور طرفین سے جنگ شروع ہو گئی ادھر اور اُدھر دونوں جانب کثرت سے لوگ مارے جاتے تھے ایک دن بڑی سخت لڑائی صبح سے شام تک تمام دن ہوتی رہی رات ہو جانے سے دوسرے دن پر اُٹھا رکھی گئی - دوسرے دن پھر گھمسان لڑائی ہوئی آخر کار عادل شاہ کی فوج میں جو سات آٹھ ہزار ہندو جری سوار تھے لشکر کے تعاقب میں چوطرف پھیل گئے اور لوٹ مار کر کے چالیس ہاتھی اور دو ہزار گھوڑے پکڑ لئے جمال خاں اس پُر آشوب وقت میں اسمٰعیل نظام شاہ کو لے کر پہاڑوں میں ایک طرف چھپ گیا تھا اُسے جب معلوم ہوا کہ تمام ہندو سوار ہمارے لشکر کے پیچھے نکل گئے ہیں باقی لشکر عادل شاہیوں کا مال غنیمت سمیٹنے میں لگا ہوا ہی اور دلاور خاں تنہا رہ گیا ہی معدودے چند لوگ اُس کے ساتھ ہیں تو کمیں گاہ سے نکلا راستے میں اس کو عین الملک اور انکس خاں ملے جو دلاور خاں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے خدمت سپہ سرداری سے محروم کر دئے گئے تھے بوجہ ناخوشی کے معرکہ جنگ سے الگ تھلگ رہے لیکن جب اُنھوں نے بادشاہ کی فتح یابی کی خبر سنی تو مبارکباد کے لئے جا رہے تھے کہ راستے میں جمال خاں کی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی - یہ بیچارے جنگ کے لئے تیار نہ تھے شکست پائی اور پچاس ساٹھ ہاتھی اور مال و اسباب چھوڑ کر بھاگے - جمال خاں کو بلا جد و جہد منہ مانگی مراد ملی اور تازہ دم ہو گیا - دلاور خاں نے جب یہہ حال سنا اور دیکھا کہ اُس کے پاس کچھ لشکر باقی نہیں رہا کہ جمال خاں سے مقابلہ کر سکتا مجبوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب کیفیت عرض کی اور صلاح دی کہ اب یہاں سے چلنا چاہئے - راتوں رات نہایت پریشانی اور سرگردانی سے (۱۸) کوس کی منزل طے کر کے دوپہر کے وقت بادشاہ قلعہ شاہ درگ میں پہنچا وہاں پہنچ کر دیکھا تو کل سامان جنگ و جدال گولی باروت اور مال و متاع جو قلعہ کی حفاظت

کے لیے چھوڑ گئے تھے سب لٹ چکا تھا اس لیے بہ مجبوری چند دن وہیں ٹھیرے رہے اور مستقر بیجاپور سے کل سامان از سر نو فراہم کرنا پڑا۔

اسمٰعیل نظام شاہ کی طرف سے جمال خاں کی لڑائی برہان نظام شاہ سے بمقام برہان پور اور اول الذکر کی شکست اور جمال خاں کا تیر سے ہلاک ہونا

جمال خاں پیشوا سے اسمٰعیل شاہ کو جب خبر ملی کہ عادل شاہ اس طرح دل شکستہ ہو کر شاہ درگ چلا گیا تو فوراً ملیغار احمد نگر پہنچ کر جھٹ پٹ پوری طیاری کر کے چاہتا تھا کہ عادل شاہ کی مدد پہنچنے کے اول ہی برہان نظام شاہ پر چڑھائی کر کے اُس کا کام تمام کر دے اور اسی ارادے سے اسمٰعیل شاہ کو ساتھ لیے برہان پور کی طرف بڑھا۔ ادھر برہان نظام شاہ نے راجہ علی خاں اور دوسرے امرائے برار کو بہت کچھ بڑھاوے چڑھاوے دے کر ہموار کر لیا تھا۔ دلاور خاں کو جب معلوم ہوا کہ جمال خاں نے برار پر چڑھائی کر دی ہے تو بلا طلب محض جمال خاں کو شکست دینے کے لیے دس ہزار سوار کمان دار شاہ درگ ہی سے بھیج دیے لیکن جمال خاں کو جوں ہی بیجاپور کی امداد کی فوج کی روانگی کی خبر ملی تو وہ ڈبل ڈبل منزلیں کر کے عادل شاہی فوج کے آنے کے پانچ چھ روز پہلے ہی نظام شاہ کے لشکر پر جا پڑا وہاں جا کر اُس نے دیکھا کہ سارے امرائے برار برہان شاہ کے ساتھ ہیں اور عادل شاہ کی فوج بھی اُمڈی چلی آ رہی ہے تو اُس نے سمجھ لیا کہ اب میری خیر نہیں لیکن پھر بھی پوری جواں مردی سے لڑا اور نظام شاہی فوج کے چھکے چھوڑا دیے اور قریب تھا کہ برہان شاہ کے لشکر کی قلع قمع ہو جائے کہ عین وقت پر دلاور خاں کا لشکر پہنچ گیا۔ جمال خاں نرغے میں گھر گیا اکیلا کیا کر سکتا تھا۔ یکایک جمال خاں کو ایسا کاری تیر لگا کہ جس سے وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ دشمنوں نے جمال خاں اور اُس کے داماد خداوند خاں کے سر کاٹ کر برہان نظام شاہ کے گھوڑے کے قدموں میں ڈال دیے اور اسمٰعیل نظام شاہ کو گھوڑے سمیت گھسیٹ کر لائے۔ برہان نظام شاہ آخر باپ ہی تھا محبت پدری جوش زن ہوئی بیٹے کو گلے لگا لیا۔ راجہ علی خاں کو اس جنگ میں بہت سے ہاتھی اور ہزاروں گھوڑے اور مال و اسباب ملا علاوہ اس کے برہان نظام شاہ نے اور تحفہ تحائف دے کر رخصت کیا اور دونوں باپ بیٹے ہنسی خوشی احمد نگر روانہ ہوئے۔ برہان نظام شاہ تخت نشین ہو گیا اور اسمٰعیل شاہ کو فوراً قلعہ لوہارگڈھ میں جہاں اُس کا

بھائی ابراہیم نظام شاہ پہلے سے نظر بند تھا قید کر دیا۔

بادشاہ کے عتاب سے دلاور خاں کا بیجاپور سے بھاگنا ۹۹۸ھ

دلاور خاں نے خواہ مخواہ جمال خاں کی مدد کے لئے بطور خود لشکر اُٹھا کر بھیج دیا اور مفت کی جنگ اپنے سر مول لی جس میں سخت مالی نقصان کے علاوہ چالیس ہاتھی اور پانچ ہزار گھوڑوں کا نقصان خطیر ہوا۔ دلاور خاں نے ہر طرف سے بادشاہ کو جکڑ رکھا تھا جدھر دیکھو اُسی کے لوگ گھیرے رہتے تھے۔ اور اس قدر سخت نگرانی تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ بادشاہ سے کچھ عرض معروض کر سکے۔ بادشاہ دلاور خاں کی خود مختارانہ کارروائی سے سخت تنگ آگیا تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ خدا وہ کون سا دن لائے گا کہ اس کے پنجے سے گلو خلاصی ہو۔ برہان پور کی شکست فاش سے دلاور خاں کے مُنہ کا پانی اُتر گیا لوگ اُس پر آوازے توازے کسنے لگے اور ہر طرف سے اظہار ناراضگی ہونے لگا۔ آخر کار بادشاہ کی والدہ نے دو اپنے خاص الخاص لوگوں کو قصبۂ طور پر عین الملک کنعانی اور آنکس خاں اور علی خاں امراء کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ دلاور خاں کی خیرہ سری خود مختاری اور سرتابی سے سخت بے زار آگیا ہے اُس نے ناک میں دم کر رکھا ہے تم لوگ ما بدولت کے پشتینی نمک خوار اور خیر خواہ ہو۔ تمھارے آبا و اجداد نے ہمارے خاندان کے ساتھ جاں نثاری کی ہے ہم کو توقع ہے کہ تم اس وقت حق نمک ادا کرو اور اس ملعون کی گوشمالی میں مدد دو تو موجب ہماری خوشنودی کا ہوگا۔ عین الملک نے بادشاہ کا فرمان سر آنکھوں پر رکھا اور دست بستہ عرض کی کہ حضرت کے لئے ہماری جان حاضر ہے یہ گوشت پوست سب سرکار کا ہے زہے سعادت ہماری کہ ہم غلاموں سے سرکار کی خدمت ادا ہو۔ اگر خداوند نعمت غریب خانے تک قدم رنجہ فرمائیں تو ملاحظہ فرمالیں گے کہ اس نمک حرام کی کیسی گت بناتا ہوں۔ چنانچہ ۱۵ رجب المرجب کی شب میں بادشاہ نے بوقت سحر آنے کا وعدہ فرمایا اور ہر سہ امراء نے خبر نزول اجلال سن کر وقت مقررہ پر سے پیشتر اپنی اپنی فوجوں کو طیار کر لیا اور چشم براہ بیٹھ گئے عادل شاہ حسب قرارداد سحر کے وقت حرم سرا سے برآمد ہوا اور کسی سے کچھ نہ کہا کہ کہاں جاتا ہے صرف اپنے ایک غلام کفش دار خاں کو گھوڑے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ غلام نے جلودار سے گھوڑے طلب کئے۔ جلودار نمک حرام نے صاف انکار کر دیا کہ بلا اجازت دلاور خاں کے اصطبل سے

گھوڑے نہیں آسکتے۔ کفش دار خاں جلودار کا ایسا بیہودہ جواب سن کر ایسا غصے میں آیا اور جلودار کے ایسا ایک طمانچہ رسید کیا کہ وہ کھڑے قد سے گر پڑا۔ دوسرے جلودار نے جو یہ دیکھا تو جھٹ گھوڑے حاضر کر دیئے۔ پادشاہ مع غلاموں کے سوار ہو کر نکلا۔ الیاس خاں جس کی شب میں نشست تھی پادشاہ کو پہچان کر آگے دوڑا اور پوچھا تو پادشاہ نے کہا یہ وقت بات کرنے کا نہیں ہے جہاں میں جاتا ہوں تو بھی مع اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہولے۔ الیاس خاں مع خاصہ کے سو سواروں کے ہمراہ رکاب ہولیا۔ شہر کے باہر نکلتے ہی عین الملک آنکس خاں اور علی خاں قدم بوس ہوئے۔ محل میں اُسی وقت پادشاہ کی سواری کی خبر ہو گئی یہ سنتے ہی تمام لوگ خاصہ خیل۔ مجلسیاں اور سر نوبتیاں جن کی نشست شب میں تھی جن میں رفیع الدین شیرازی اور محمد قاسم فرشتہ بھی تھے مسلّح ہو کر دوڑے اور ایک دم تین ہزار آدمی پادشاہ کے ساتھ ہولئے اور جاتے جاتے راستے میں چند ہاتھی چھوڑتے گئے کہ اگر دلاور خاں آتا ہو تو اُسے ہاتھیوں سے روند دیں۔ دلاور خاں کے لوگوں نے بھی فوراً خبر دی وہ سنتے ہی آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا۔ دلاور خاں اور اُس کے بیٹے پانچ ہزار سوار اور ہاتھی لے کر صبح صادق کے وقت پادشاہ کی طرف چلے اس خیال سے کہ ہمیں دیکھ کر لوگ ڈر جائیں گے اور پادشاہ کو چھوڑ کر اِدھر آن ملیں گے۔ جب لشکر شاہی ایک تیر کے فاصلے پر رہ گیا تو دلاور خاں کی صورت دیکھ کر ہاتھی والوں کا دم نکل گیا اور اُن کی مجال نہ ہوئی کہ روک سکیں۔ الغرض دلاور خاں دندناتا پادشاہ تک پہنچ گیا اور نہایت غصے اور غضبناک لہجے میں پادشاہ سے مخاطب ہوا کہ اتنی رات کو گھر سے نکل کر آپ کہاں چلے اس طرح آپ کا جانا بالکل نامناسب ہے بہتر ہے کہ ابھی پلٹ چلیئے یہ سنتے ہی پادشاہ غصے سے نیلا پیلا ہو گیا۔ کچھ بھی کہو کیسا ہی دباؤ ہو مگر تھا تو آخر پادشاہ ہی۔ خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا اور دلاور خاں کو کچھ جواب نہ دیا۔ اس بیہودہ کے کیا مُنہ لگتا وہیں پھر کر ایک مصاحب کی طرف مخاطب ہو کر حکم قضا نشیم زبان مبارک سے فرمایا کہ ہاں دیکھتے کیا ہو اس مردود کی زبان گدّی سے کھینچ لو۔ پادشاہ کی زبان ہلنے کی دیر تھی کہ خاص خیل میں کا ایک شخص ادب نامی اپنے اسپ برق دم کو چمکا کر مثل صاعقہ جھپٹا اور ایک ایسی تلوار ماری کہ دلاور خاں نیچے گر پڑا۔ تلوار لگی مگر کاری نہ لگی۔ دلاور خاں زخمی تو ہوا مگر مرا نہیں۔ ایک فیل بان اپنا ہاتھی بیچ میں لے آیا۔ اتنی مہلت ملتے ہی شاہ احمد صفوی جو

دلاور خاں کا داماد تھا اپنا گھوڑا لے آیا دلاور خاں اُس پر سوار ہو کر نوک دم بھاگا اگر ٹھیرتا تو لوگ اُس کے ٹکڑے اُڑا دیتے۔ بادشاہ کے غضب سے ساری فوج میں سنسنی پھیل گئی۔ دلاور خاں مع اپنے دونوں بیٹوں محمد خاں اور حیرت خاں کے سیدھا بیدر چلا گیا لیکن وہاں بھی سینگ نہ سمائے تو احمد نگر پونچا۔ لوگ کہتے ہیں کہ احمد نگر میں اس کی آؤ بھگت ہوئی اور کوئی خدمت امارت بھی ملی اور بادشاہ کا مصاحب خاص ہو گیا۔ کمال خاں جو دلاور خاں کا تیسرا لڑکا بھاگا تو وہ بھی تھا مگر اجل اُسے گھیر لائی دوسرے دن پھر بیجاپور آ گیا اور جوں ہی لوگوں کو اُس کی واپسی کی خبر ملی کہ اُسے قتل کر ڈالا۔

برہان نظام شاہ کی لشکر کشی بیجاپور پر دلاور خاں کا دوبارہ آنا اور مکحول کر کے قید کیا جانا اور آخر کار مر جانا

دلاور خاں کی معزولی کے بعد بادشاہ نے سلطنت کی باگ اپنے ید قدرت میں لی اور مہمات اہم دست گس خود انجام دینے لگا۔ بادشاہ نے بہت کچھ عزل و نصب کیا۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بڑی بڑی خدمات پر دانت لگائے بیٹھا تھا۔ جو لوگ نظروں سے گر گئے وہ ریشہ دوانیاں کرنے لگے سب سے بڑا مُہرا دلاور خاں تھا۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے وہ ہمیشہ برہان نظام شاہ کو اُبھارتا رہتا تھا اور تعجب ہی کہ برہان نظام شاہ اس قدر جلد اُن تمام احسانات کو بھول گیا جو ابراہیم عادل شاہ نے کئے تھے اور سچ پوچھئے تو اسی کی بدولت کھوئی ہوئی سلطنت ملی ؎

کس نیاموخت علم تیر از من　　　　که مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

برہان نظام شاہ نے مملکت عادل شاہ پر لشکر کشی کی ادھر سے رومی خاں مقابلے پر گیا اور اُدھر سے دلاور خاں جس کے رگ و ریشہ میں عادل شاہیوں کا نمک پیوست تھا وہی میر عسا کر تھا۔ برہان نظام شاہ نے دریائے بھالوزہ کے کنارے ایک قلعہ بنانا شروع کر دیا۔ اور بہت سرعت سے تعمیر کا کام شروع ہو گیا لیکن عادل شاہ نے اس کی کچھ بھی پروانہ کی الغرض روزانہ چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اور دونوں طرف کے لوگ کام آتے تھے۔ دلاور خاں بیجاپور کی مطلق العنان حکومت کا مزہ چکھ چکا تھا اُس کے منہ سے رال ٹپک پڑی تھی اور دل سے چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح پھر وہیں چلا جاؤں اس لئے در پردہ عادل شاہ سے کہلا بھیجا

کہ اگر بندگان دولت خانہ زاد کی جان و مال کی امان بخشیں اور خطا معاف فرمائیں تو اب بھی غلام سر کے بل چل کر در اقدس پر حاضر ہوتا ہے - پادشاہ نے اِس درخواست کو منظور فرمایا اور عہد نامہ بھیج دیا لیکن بد دل نوکر دشمن برابر - دلاور خاں تاک میں لگا ہوا تھا کہ ذرا میرے پاؤں جم جائیں تو پھر دیکھیں کیسا چن چن کے بدلا لیتا ہوں اور بادشاہ کو ناک چنے چبواتا ہوں - یہ کھٹیڑے بکھیڑے بدلائی تھی پادشاہ بھی اپنی جگہ چوکنا تھا - دلاور خاں نے بہت اصرار سے برہان نظام شاہ سے اجازت لی اور مع اپنے فرزند محمد خاں کے بیجاپور آن پونہچا - یا یوں کہیے کہ گئی گوائی بلا پھر آئی - دلاور خاں جس روز آیا تمامی خلائق دو تین کوس تک پیشوائی کو گئی بڑے کروفر سے شہر میں لائی تمامی امرائے شہر مبارک باد کو ٹوٹ پڑے - بادشاہ نے جو اس قدر گرویدگی خلائق کی دیکھی تو سمجھ گیا کہ اگر دس پانچ دن بھی یہ شہر میں رہا تو ہموں آتش در کاسہ - مجھے معطل محض کر دے گا - اُسی دن پادشاہ دوازدہ امام کے روضے کی زیارت کو گیا تھا سہ پہر کے وقت جب واپس آنے لگا تو دلاور خاں مشرف بملازمت ہوا اور پادشاہ کی رکاب پکڑے ہوئے قلعہ تک آیا - پادشاہ نے محل میں نہ بلا کر وہیں دہلیز پر بیٹھنے کا حکم دیا اس سے دلاور خاں بہت گھبرایا کہ معاملہ بگڑ گیا میں نے ناحق ہی اس بلا میں پھر اپنی گردن پھنسائی - پادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی آنکھیں نکلوا ڈالی جائیں - دلاور خاں عجز و الحاح کرنے لگا کہ حضرت سلامت کو خلاف مواثیق و عہد ایسا کرنا زیبا نہیں ہے - پادشاہ نے کہا کہ میں نے جان و مال کی امان دی ہے نہ کہ اس سے زیادہ سو میں نہ تمہاری جان لیتا ہوں نہ مال رہا آنکھیں نکلوا دینا اس سے نہ ضرر جانی ہے نہ نقصان مال اور میں نے یہ عہد کیا تھا کہ میں تجھے نقصان نہ پونہچاؤں گا سو میں تیری آنکھیں خود تھوڑی نکال رہا ہوں دوسرے کی نقصان رسانی کا میں ذمہ دار نہیں جو آنکھیں نکالتا ہے وہ جانے اور تو جانے اس کے بعد معًا دلاور خاں کی آنکھیں نکال ڈالی گئیں اور قلعہ ھُلگنا میں قید کر دیا گیا اور اسی حالت میں دس سال زندہ رہ کر نوے سال کی عمر میں انتقال کیا -

برہان نظام شاہ اور عادل شاہ کی دوبارہ لڑائی کنار رود بھیما پر - برہان نظام شاہ جو قلعہ بنا رہا تھا - اُس کی تکمیل کرلی اور اُس میں بہت کچھ سامان جنگ اور

غلہ وغیرہ جمع کرلیا اور سواحل رود بھیما[۱] کے تمام مقامات پر قبضہ کرلیا۔ جب یہ خبر ابراہیم عادل شاہ کو پونہچی۔ رومی خاں اُدھر سے گیا۔ ادھر سے دلاور خاں دکھنی مع بارہ ہزار سواروں کے موجود تھا کئی دن تک جنگ ہوتی رہی آخر کار نور خاں مع چند امرا کے مارا گیا۔ عادل شاہ کی سپاہ کو ایک سو ساٹھ ہاتھی اور ہزار گھوڑے اور بہت کچھ اسلحہ اور مال و اسباب ملا اور فتح کامل ہوئی۔ برہان نظام شاہ کے لشکر میں رسد آنی چوطرف سے بند کردی گئی ناچار برہان نظام شاہ نے پیغام صلح دیا عادل شاہ نے بالکل لاپروائی کی اور ایک مہینے تک جواب ہی نہ دیا جب قطب شاہ اور راجہ علی خاں نے بہت کچھ منت سماجت کی تو عادل شاہ نے اس شرط سے مصالحت پر آمادگی ظاہر کی کہ جو قلعہ تم نے بنایا ہے وہ توڑ کر مسمار کردو۔ آخر الامر برہان نظام شاہ کو ایسا ہی کرنا پڑا جب کہیں جاکر صلح ہوئی اور پیچھا چھوٹا۔

برہان نظام شاہ کی اشتعالک سے اسمعیل عادل شاہ کا قید سے چھوٹنا اور ایک عام شورش برپا کرنا

برہان نظام شاہ کو ایسی شرمناک شکست ہوئی کہ وہ جب ہی سے یہ داغ اپنی پیشانی سے مٹانے اور انتقام لینے کی کوشش میں تھا۔ اُس نے خفیہ مراسلات اسمعیل شاہ برادر ابراہیم عادل شاہ سے شروع کی جو قلعہ مصطفیٰ آباد عرف بلگاؤں میں مقید تھا اور ہر طرح امداد کا وعدہ کیا۔ عین الملک اور آنکس خاں اُسی قریب میں جاگیر دار تھے ان سے بھی سلسلہ جنبانی شروع کی کہ یہ دونوں ابراہیم عادل شاہ سے کشیدہ خاطر ہوکر چلے گئے تھے کھڑے ہوئے۔ برہان نظام شاہ نے اِن کو آمادہ کیا کہ ابراہیم عادل شاہ کے بھائی اسمعیل شاہ کی طرف ہوکر اُسے تخت پر بٹھلادیں ان کو تو اتنا اشارہ بس تھا۔ خوے بد را بہانہ بسیار یہ لوگ بہ ظاہر تو ابراہیم عادل شاہ کا دم مارتے تھے مگر در پردہ اُس کی جڑ کاٹنے لگے اور رفتہ رفتہ بہت سے امرا کو اپنا ہم خیال کرلیا ایک سال تک یہ کھدبدی پکتی رہی۔ ساونت راو نانگواڑی نے جو اسمعیل شاہ کا لنگوٹیا یار تھا اُس نے اپنی ایک لڑکی بھی اسمعیل عادل شاہ کو دی اور اس طرح بہت رسوخ پیدا

[۱] بھیما اور بھیمر دونوں نام ہیں۔ یہ ندی کرشنا ریلوے اسٹیشن کے قریب دریاے کرشنا میں مل گئی ہے۔ جہاں ان دونوں ندیوں کے درمیان ایک بہت پرفضا اور خوش نما منظر کا ٹیلہ مثل جزیرے کے قدرتی طور پر بن گیا ہے۔ ۱۲۔

کر لیا اور اُس نے بہ کوشش تمام قلعہ کی فوج احشام کو ہموار کر لیا اور ایک دن قلعہ دار کو قید کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ عادل شاہ کو جب خبر ملی تو اُس نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے الیاس خاں کو بھیجا اُس نے آتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور ساتھ ہی بادشاہ نے عین الملک اور آنکس خاں کو بھی حکم لکھا کہ جلد الیاس خاں کی مدد کو پہنچ کر قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ بادشاہ کو ابھی تک ان کی دغابازی کی خبر نہ تھی۔ عین الملک اور الیاس خاں نے اپنی فوج بظاہر تو عادل شاہ کی امداد کو بھیجی مگر در پردہ برہان نظام شاہ کی مدد مقصود تھی۔ بجائے اِس کے کہ برہان نظام شاہ کا مقابلہ کرتے اُلٹی اور امداد کرنے لگے اور خفیہ طور پر رسد پہنچانے لگے اور بیجا پور کو بھی اپنے معتمدوں کو بھیج کر بہت سے امرا کو توڑ لیا۔ خورشید خاں جو ایک ترکی غلام تھا وہ اسمٰعیل شاہ کا بڑا طرف دار تھا اُسی کے ہاں مخالف پارٹی کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اُدھر برہان شاہ اور قطب شاہ دونوں مل کر سرحد پر آ گئے تھے۔ ابراہیم عادل شاہ سنتا سب کچھ تھا مگر اپنی مستقل مزاجی سے اُس نے کچھ پریشانی کا اظہار نہ کیا یہاں تک کہ بادشاہ کو خبر ملی کہ عین الملک نے اسمٰعیل کو قید سے چھوڑ دے کر قلعہ میں تخت پر بٹھا دیا اور بادشاہت کا اعلان بھی کر دیا۔ اس وقت تک پچیس ہزار لوگ اسمٰعیل کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ جب اس قدر شورش ہو گئی تو الیاس خاں بے چارہ بیک بینی و دو گوش کیا کر سکتا تھا محاصرہ چھوڑ کر بیجا پور واپس آ گیا اور سب حال عرض کیا۔ اودھر اسمٰعیل شاہ نے جنگ کی طیاریاں کر دیں۔ عادل شاہ کے مخبروں نے ایک خط دیونا یک ایک میر کے بیٹے کا پکڑ لیا جو اُس نے عین الملک کے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ میں نے سب ٹھیک ٹھاک کر لیا ہے رومی خاں کو ملا کر بہت سے لوگوں کو ہموار کر لیا ہے اب صرف تم لوگوں کے آنے کا انتظار ہے جس قدر جلد ممکن ہو اسمٰعیل شاہ کو لے کر حوالی شہر میں آ جاؤ میں شہر کے باہر تمھارے انتظار میں پڑا ہوا ہوں اور آتے ہی بادشاہ کو قید کر لو یا قتل کر ڈالو۔ غرض اس وقت زمین آسمان ابراہیم کا دشمن ہو رہا تھا اور اس قدر شر و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی کہ عام خیال تھا کہ اسمٰعیل کے آنے کی دیر ہے کہ یہ بساط ہفتے عشرے میں اُلٹ پلٹ ہو جائے گی۔ ابراہیم عادل شاہ نے اس نازک وقت میں ایک بہت عمدہ چال چلی کہ حمید خاں حبشی کو جسے دلاور خاں نے قید کر رکھا تھا قید سے رہائی دے کر حضوری میں طلب کیا اور منصب امارت اور خلعت وغیرہ سے سرفراز کر کے اس مہم پر بھیج دیا۔

حمید خاں کا دشمنوں کی سرکوبی کرنا۔عین الملک کا قتل۔اسمعیل عادل شاہ کا مکحول کیا جانا اور اُس کی وفات ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۴ء

۲۴ ربیع الاول ۱۰۰۴ھ یوم چہار شنبہ کو حمید خاں اسمعیل شاہ کی سرکوبی کو روانہ ہوا اور یہاں بیجاپور میں ۲۸ تاریخ ماہ مذکور کو ابراہیم عادل شاہ نے رومی خاں ۔ الیاس خاں ۔ عزیز خاں ۔ دیونایک اباجی پنڈت وغیرہ امرا کو جن کی سازش کی خبر پہنچ چکی تھی قید کر دیا۔ حمید خاں جب میدان کارزار کے قریب پہنچا تو اُس نے عین الملک کو کہلا بھیجا کہ اگرچہ میں بادشاہ کے حکم سے اتنا لاؤ لشکر لے کر آپ کے مقابلے پر آیا ہوں لیکن حقیقت میں آپ کے ساتھ ہوں میرا ارادہ ہرگز آپ سے مقابلہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ آپ کی مدد کو آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو اسمعیل عادل شاہ کو تخت پر بٹھلا دیا جائے اور جب میں آپ کے ساتھ ہوں تو پھر برہان نظام شاہ کی کمک کی کیا ضرورت ہے اور کیوں مفت میں اُن کا احسان لیا جائے ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است   رفتن بپایہ مردی ہمسایہ در بہشت

عین الملک دام تزویر میں آ گیا اور حمید خاں کو سچا سمجھ کر کہلا بھیجا کہ ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست   آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید

میں تو آپ کے قدوم میمنت لزوم کا منتظر ہی تھا۔ آپ کی امداد کے لئے چشم براہ تھا الحمد للہ کہ آپ کیا آئے گویا پردۂ غیب سے پیغام مقصد برآری اور فتح مندی کا آیا جس قدر جلد ممکن ہو تشریف لائیے کہ ہم آپ دونوں مل کر اس کار خیر کو باحسن الوجوہ انجام دیں۔ اُس وقت عین الملک کا کیمپ مواضع پینٹے کیری اور رای پاک کے درمیان تھا کہ حمید خاں کے آنے کی خبر پہنچی۔ مجلس آراستہ کی گئی اور عین الملک شاہزادہ اسمعیل عادل شاہ کو لے کر آن پہنچا۔ شاہزادہ اسمعیل کا سارا لشکر اپنے اپنے کام میں بلا دغدغہ مصروف تھا اُنھیں اصلا خبر نہ تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ حمید خاں نے آتے ہی گولہ باری شروع کر دی۔ سارے لشکر میں ہل چل مچ گئی۔ عین الملک کو ایسے نازک وقت میں سوائے اِس کے کچھ نہ سوجھی کہ جس طرح بھی بن پڑے شاہزادہ اسمعیل کو لے کر نکل جائے لیکن چاروں طرف کے راستے بند تھے جاتا تو کیسے۔ عین الملک گھوڑے پر سوار ہوا اور چاہتا تھا کہ نکل بھاگے کہ عادل شاہ کی ہاتھیوں کی فوج نے اُسے نرغے میں گھیر لیا اور ایک ہاتھی نے

عین الملک کے گھوڑے پر دھاوا کیا - عین الملک کی ران میں سخت زخم لگا اور گر پڑا چاہتا تھا کہ پھر گھوڑے پر سوار ہو مگر تاب و طاقت نے جواب دے دیا تب ہاتھی پر پکڑ کر بٹھلایا مگر بیٹھ نہ سکا گھبراہٹ کی حالت میں اپنے بیٹے غالب شاہ کو کہا کہ تو کیا دیکھ رہا ہے یہ وقت دیکھنے بھالنے کا نہیں ہے جھٹ پٹ حرم اور خزانہ شاہی کو لے کر نکل جا - غالب شاہ حرم اور خزانہ اور پچاس ہاتھی لے کر بلکنڈہ کی طرف بھاگ گیا اور آنکس خاں بھی اُسی کے ساتھ جان بچا کر اُسی طرف نکل گیا - باقی لوگ یا مارے گئے یا زخمی ہوئے جو بہ مشکل بچ گئے وہ جان لے کر بھاگے - عین الملک اور شاہزادہ اسمعیل دونوں عادل شاہی فوج کے ہاتھ آ گئے - اُسی وقت عین الملک کا سر کاٹ کر ابراہیم عادل شاہ کے حضور میں بھیجا گیا جو کئی دن تک بیجاپور کے قلعہ کے صدر دروازے پر لٹکتا رہا - شاہزادہ اسمعیل کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور سخت نگرانی میں رکھا جہاں وہ تکالیف کی برداشت نہ کر کے بیمار پڑ گیا اور تھوڑے دنوں بعد بیچارہ مر بھی گیا - اس واقعہ کی تاریخ برسم تعمیہ حسب ذیل ہے -

بحمد اللہ از رائے کیخسرو دہر — سر دشمناں شد بہ تدبیر پامال
قضا بہر تاریخ ببرید و آمد — سر جوز و غم را بہ شمشیر اقبال

برہان نظام شاہ احمد نگر سے ایک ہی منزل آگے بڑھا تھا کہ اُسے عین الملک کے قتل اور اسمعیل کی وفات کی خبر ملی وہیں سے شرمسار ہو کر پلٹ گیا - رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت حمید خاں فتح یاب ہو کر بڑی دھوم دھام سے بیجاپور واپس آیا اور بادشاہ نے اُس کی بے نظیر نمک حلالی اور فتح یابی پر بڑی قدر و منزلت کی اور بڑے اعزاز و سرفرازی کے ساتھ اُسے فخر باریابی حاصل ہوا -

ابراہیم نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کی لڑائی اور اول الذکر کا مارا جانا ۱۵۹۵ء

برہان نظام شاہ بوجہ مسلسل بیمار رہنے کے اپنی زندگی سے نا اُمید ہو گیا تھا اس لئے اُس نے اپنے بیٹے ابراہیم نظام شاہ جو قلعہ لماگر میں مقید تھا بلا کر ولی عہد مقرر کیا - ابراہیم نظام شاہ نے اپنے والد کی وفات کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اپنے باپ کی شکست کا بدلا ابراہیم عادل شاہ سے لیا اور چڑھائی کر دی - ابراہیم عادل شاہ

مع لشکر کے بڑھا اور قلعۂ شاہ درگ میں خود ٹھیر کر فوج بھیج دی - روزانہ آپس میں جنگ ہوتی تھی اور دونوں طرف کے لوگ مارے جاتے تھے مگر کسی کی فتح نہ ہوئی - ایک دن مقصود خاں شحنۂ فیلاں نے ساٹھ ستّر ہاتھی لے کر حملہ کیا جس میں بہت سے لوگ روندے گئے اسی معرکہ میں ایک جوان نہایت خوش رو مسلّح گھوڑے پر آیا - ہاتھی پر سے ایک تیر مقصود خاں نے تاک کر مارا جو اُس کے بازو پر لگا تیر کھا کر وہ پلٹ گیا مگر معلوم نہ ہوا کہ یہ جوان کون تھا لیکن اُس کے زخمی ہوتے ہی غنیم کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی اور قلعۂ پرینڈہ کو بھاگے آخر کار فتح عادل شاہیوں کی ہوئی - بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جوان خوش رو جسے تیر لگا تھا خود ابراہیم نظام شاہ تھا جو حوالی قلعۂ پرینڈہ تک پہونچ کر مر گیا - ابراہیم عادل شاہ کو اُس کی جواں مرگی پر بہت رنج ہوا ؎

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست   ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد

بادشاہ نے نہایت متاسف ہو کر حکم دیا کہ ابراہیم نظام شاہ کے لشکر کا کوئی تعاقب نہ کرے اور وہیں سے مظفر و منصور اپنی دارالسلطنت کو واپس ہوا -

ابراہیم عادل شاہ کا مظفر و منصور شہر بیجاپور میں رونق افروز ہونا شہر کی آراستگی اور بادشاہ کا مہام سلطنت کو بہ نفس نفیس انجام دینا ۹۶۳ھ

بعد فتح و ظفر کے بادشاہ قلعۂ شاہ درگ سے بیجاپور واپس آنے کے لئے روانہ ہوا - سلخ ذیحجہ کو لب دریا پر پہونچا جگہہ پسند آئی وہیں اُتر پڑا اور محرّم وہیں کرنے کا ارادہ کیا اور بیجاپور کو لکھ بھیجا کہ بعد عشرۂ شریف کے ہم بیجاپور آئیں گے چاہیئے کہ شہر کو بخوبی آراستہ و پیراستہ کیا جائے بادشاہ کے حکم کے موافق شہر سنوارا گیا اور ہر طرح کی طیاریاں اعلیٰ پیمانے پر کی گئیں - قلعہ کے دروازے سے الٰہ پور کے دروازے تک تمام بازار کی دکانیں آراستہ ہوئیں اور جابجا دیواروں پر گلکاریاں اور زربفت اور مخمل رومی و شامی کے پردے لٹکائے گئے سارا شہر دلہن بن گیا - سب سے زیادہ آراستگی قلعہ کے سامنے تھی جہاں تخت بچھائے گئے تھے اور انواع و اقسام کے تکلفات کئے گئے تھے اور ہر امیر اپنی اپنی جگہہ تکلفات میں سبقت لے گیا تھا - بازار میں ہر ہر مکان پر نہایت خوش رو اور حسین لوگ عراق و خراسان کے بٹھلائے گئے تھے جو بیوپار کرتے تھے - الٰہ پور دروازے سے (۳) میل تک دونوں جانب ٹٹیاں باندھ کر مخمل اور زربفت منڈھ دی گئی تھی اور

جہاں راستہ میں باغ تھے پھولوں اور فواکہ سے آراستہ تھے اور جتنے محلات سر راہ تھے سب میں
مجلس رقص و سرود تھی جن میں نہایت نامور اور مشہور گویّے اور نہایت حسین طوائف زیورات اور
لباس فاخرہ سے آراستہ ناچ گا رہی تھیں - غرض کسی قسم کی آراستگی اور آرائش نہ تھی جو نہایت خوش
سلیقگی سے نہ کی گئی ہو - چنانچہ ۱۴ محرم الحرام ۱۰۰۴ھ کو اعلیٰ حضرت بادشاہ ذی جاہ بہ سواری اسپ
بادبہاری خراماں خراماں دو طرفہ شہر کی آراستگی کو ملاحظہ فرماتے ہوئے رونق افروز شہر ہوئے اور اندر محل
میں جو اسی بادشاہ کا بنایا ہوا ہی داخل ہوا - یہ محل یوں بھی رشک ارم تھا اُس پر بھی بہت سجایا گیا - اِس
محل میں جو باغ تھا وہ نہایت تر و تازہ اور شاداب تھا انواع و اقسام کے میوہ دار درخت اس
میں تھے روشیں اس کی دلکش جا بجا نہریں دوڑتی ہوئیں اس کا پتہ پتہ سجایا گیا تھا - بادشاہ شہر کی
آراستگی سے ازبس محظوظ ہوا اور تمامی اُمراء کو سرفرازی اور خلعت مرحمت ہوئے اور بہت کچھ خیرات
کی گئی - مشائخ و فقرا مالامال کر دیئے گئے اور بادشاہ سلامت خود امور سلطنت کے سرانجام دہی
کی طرف متوجہ ہوا اور روزانہ دربار میں تشریف لاکر بادشاہوں وغیرہ کے اشفاق نامے ملاحظہ
فرماتا اور جوابات لکھواتا تھا - رعایا برایا کی عرائض اور داد فریاد نہایت غور سے سنتا اور وہیں حکم
احکام صادر فرماتا تھا - غرض جزو کل تمامی امور سلطنت کے بہ نفس نفیس انجام دیتا تھا اور ایسا
شہرہ عدل و انصاف کا بیٹھ گیا کہ تمام ملک امن چین میں تھا اور اسی اسلوب پر سلطنت کی
مشین بلا دغدغہ چلنے لگی -

چاند بی بی اور بہادر نظام شاہ سے امرائے نظام شاہی کا شر و فساد - ابراہیم عادل شاہ کا رفیع الدین شیرازی کو رفع فساد و مصالحت کے لئے بھیجنا اور اُس کا بے نیل مرام واپس آنا ۱۵۹۶ء -

ابراہیم نظام شاہ کے بعد امراء احمد نگر واپس چلے
گئے اور امرائے احمد نگر میں پھوٹ پڑ گئی - منجو خاں
وکیل الریاست قلعہ اور خزانہ دونوں دبا بیٹھا
اس بات پر امرائے دکھنی اور حبشیوں میں
چل گئی جس میں حبشی غالب رہے منجو خاں اکیلا
رہ گیا اور پریشان ہو کر اُسے سوائے اِس کے اور کچھ نہ سوجھی کہ شاہزادہ مراد فرزند اکبر بادشاہ جو
احمد نگر کے فتح کرنے کے لئے آتے آتے احمد آباد گجرات میں تھوڑے دنوں کے لئے ٹھیر گیا تھا
اُس کی خدمت میں لکھ مارا کہ آپ فوراً تشریف لاکر قلعۂ احمد نگر پر قبضہ فرمالیں - شہزادہ والا تبار

کے لیئے ملک دکن میں قیام کے واسطے اِس سے بہتر کیا موقع مل سکتا تھا یہ سنتے ہی شہزادے نے تین ہزار سوار لیکر حوالی احمد نگر میں پونہچ قلعہ کی حوالگی کا مطالبہ کیا - لیکن شہزادے کے آنے کے پہلے ہی منجو خاں نے حبشیوں کو مغلوب کر لیا تھا - اور امداد کی ضرورت باقی نہ رہی تھی بدیں وجہ قلعہ کی حوالگی سے انکار کرنا پڑا لیکن شاہزادہ مراد ایسی گیدڑ بھبکیوں میں کب آنے والا تھا فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا - چاند بی بی جو نہایت عقلمند شجیع اور دلیر تھی اُس نے اہتمام قلعہ کو لشکر مغل کے مقابلے پر کھڑا کیا - منجو خاں بھی فراہمی لشکر کی کوشش کرنے لگا مگر تمامی امراء اُس کے خلاف تھے کسی نے ایسے نازک وقت میں اُس کا ساتھ نہ دیا ایسے نازک وقت میں سوائے عادل شاہ کے اور کسی سے اُمید نہ تھی اُن سے طالب امداد ہوا چاند بی بی نے بھی عادل شاہ کو لکھا کہ ایسے وقت میں آپ ضرور ہماری سرپرستی کیجیے - چاند بی بی سلطانہ اپنی بھانجی خدیجہ خاتون کی شادی میں (جو مرتضیٰ نظام شاہ سے منسوب تھی) بیجاپور سے ایسی گھڑی کی احمد نگر آئی تھی کہ پھر پلٹ کر جانا نصیب نہ ہوا - ابراہیم عادل شاہ نے رفیع الدین شیرازی کو بھیج دیا کہ تم جا کر امرا کی جو آپس میں ناحق کٹے مرتے ہیں مصالحت کرا دو تاکہ سب مل کر غنیم کا مقابلہ کر سکیں - رفیع الدین شیرازی کے سپرد بہت سے کام تھے چنانچہ شہر بیجاپور کا گورنر بھی یہی تھا اور بادشاہ کے فرزند اکبر کا اتالیق بھی اور چالیس ہاتھی اور سات سو قطار اونٹ اور پندرہ سو گھوڑے بھی اسی کے سپرد تھے اور عاملوں اور حکام کی مکاتبت لوگوں کے عرائض کاغذات راز سب اس کے ہاتھ میں تھے اس نے بادشاہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو قایم مقام کیا اور پہلے شاہ درگ گیا کہ وہاں اعتقاد الدولہ سہیل خاں خواجہ سرا جو ایک بڑا امیر اور نہایت دلاور شخص تھا جس نے بڑے بڑے کام کیئے تھے لیکن دوسرے امرا کی شکایتوں سے بادشاہ کی نظروں سے گر جانے سے قلعہ میں بیٹھ گیا تھا - سہیل خاں ایک کوس تک پیشوائی کو آیا اور بہت عزت و احترام سے رفیع الدین کو لے گیا وہاں جا کر دیکھا تو بادشاہی ٹھاٹ تھا بڑے کروفر سے رہتا تھا تمام محل آراستہ تھا - رفیع الدین نے بادشاہ کا پیغام من وعن کہا اور جو سوء سہیل خاں کے دل میں تھا رفع کر دیا سہیل خاں نے بادشاہ کی خدمت میں معذرت نامہ لکھا اور بادشاہ نے بھی فرمان خوشنودی اور خلعت سے سرفراز فرمایا - اس کے

بعد رفیع الدین احمد نگر روانہ ہوا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ تمام انتظام درہم برہم ہے اور خلائق از حد خائف و پریشان - تمام دیہات ویران - آہنگ خاں حبشی مع دیگر امرا کے بیس ہزار فوج کے ساتھ قلعہ کے باہر پڑا ہوا ہے - ابراہیم نظام شاہ مقتول کہ ایک لڑکا بہادر نظام شاہ پانچ چھ سال کی عمر کا خیرآباد میں تھا چاند بی بی نے اُسے قلعہ میں بلالیا تھا اور تخت پر بٹھا دیا تھا - باغی امرار اس کے مخالف تھے اور قلعہ کو گھیر رکھا تھا اور چاروں طرف سے رسد بند کر دی تھی - رفیع الدین جب پہونچا تو آہنگ خاں نے اپنی تمام فوج کو آراستہ کر لیا مقصود اس سے صرف اپنی طاقت بتلانی تھی اور فی الواقع بہت کچھ فوج ان لوگوں کے پاس تھی اُس دن تو ان لوگوں کے اصرار سے رفیع الدین وہیں ٹھیر گیا دوسرے دن سید علی تاریخی جو ایک بہت بڑا امیر تھا مع ایک سرنوبتی کے چاند بی بی کی طرف سے آکر رفیع الدین کو قلعہ میں بلالے گیا وہاں بہادر شاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا قلعہ میں بھی بہت سے امراء حیران پریشان تھے جنھوں نے آہنگ خاں حبشی کی شکایات کا پل باندھ دیا - رفیع الدین نے نہایت حکمت عملی سے کچھ دھمکی کچھ نرمی سے امرائے مخالف کو رام کیا اور آپس میں مصالحت کی ٹھیرائی - چنانچہ پادشاہ ایک برج پر برآمد ہوا اور سب امرا نے آکر نذریں پیش کیں اور سب کو خلعت ملے اور تمام لشکر میں اطمینان و شادمانی پھیل گئی اور عادل شاہ کے حق میں سب نے دعائے خیر کی کہ اُس کی بدولت سارا فتنہ و فساد مٹ گیا - قلعہ کے لوگ باہر اور باہر کے اندر آنے جانے اور آپس میں اپنے عزیز واقارب سے ملنے جلنے لگے - پادشاہ کی طرف سے نئے نئے عامل مختلف مقامات پر مقرر ہوئے اور انتظام مملکت جیسا چاہیے چلنے لگا - ابھی نیا نیا معاملہ تھا چول برابر بیٹھنے نہ پائی تھی کہ پھر بعض فتنہ پردازوں نے جو کسی طرح امن چین نہ چاہتے تھے شر و فساد شروع کیا اور تین چار غلاموں کو قید کر کے بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ بھڑکا دیا ناچار قلعہ والے بھی مقابلے پر طیار ہو گئے اور بیس ہزار سواروں نے پھر قلعہ گھیر لیا - پادشاہ اگرچہ بہت کم سن تھا لیکن جب اس شورش کا حال سنا تو خود قلعہ کے برج پر برآمد ہوا اور اپنی فوج کو بلوائیوں کے منتشر کرنے میں ہمت دلاتا رہا - فریق مخالف کی طرف سے ایک چار چوبہ تیر ایسا آیا کہ پادشاہ سے صرف ایک بالشت ہٹ کر پڑا اور پادشاہ بال بال بچ گیا تیر اُس خواجہ سرا کے حلق کے پار ہو گیا جو بے چارہ پادشاہ کی خواصی میں کھڑا تھا وہ وہیں مر گیا اسی طرح دو تین اور امرار

تیروں سے زخمی ہوئے۔ آخرکار قلعہ پر سے گولہ باری شروع ہوئی بہت سے لوگ دشمنوں کے مارے گئے اور جو بچ رہے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح رفیع الدین کی ساری کی کرائی محنت رائگاں گئی۔ پھر دوبارہ رفیع الدین نے سب کو لعنت ملامت کی کہ ابھی کل کی بات ہی کہ تم سب نے قسما قسمی کی تھی اور عہد و مواثیق کئے تھے اور اس قدر جلد تم نے شورہ پشتی کی تمھیں شرم نہیں آتی کہ شاہزادہ مراد تمھاری بغل میں لشکر لئے بیٹھا ہے اُس کے مقابلے سے تو گئے گزرے اُلٹے آپس ہی میں کٹے مرتے ہو کچھ تمھیں عقل بھی ہی کہ اس کا انجام کیا ہونا ہی اور کیا یہی شیوہ نمک حلالی ہی تف ہی تمھاری حمیت اور غیرت پر عقل کے ناخن لو۔ اس طرح کی باتوں سے پھر وہ لوگ نرم پڑے اور صلح پر آمادہ ہوئے مگر چاند بی بی ہرگز راضی نہیں ہوئی اور کہا کہ آہنگ خاں میرے باپ کا زرخرید غلام ہی اُس نے باپ بیٹوں میں دشمنی ڈال دی۔ قید ہوا۔ میں نے اُس کو قید سے چھوڑایا اور اس مرتبۂ امارت پر پونہچایا۔ کیا میرے اِن احسانات کا یہی بدلہ ہی کہ میرے لہو کا پیاسا ہو گیا ہی اور ہم کو مار کر خود سلطنت کا طلبگار ہی۔ اس کے سوائے اُس نمک حرام کا اور کیا مقصود ہی جو اس طرح دو دفعہ ہم پر لشکر چڑھا کر لایا۔ ہماری ہی بلّی اور ہم ہی سے میاؤں ؎

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود   گرچہ با آدمی بزرگ شود

ایسے شخص کے قول و فعل پر میں کیسے اعتماد کروں جس کو ذرا ہم پر ترس نہ آیا اور ماہ رمضان المبارک میں قلعہ کا محاصرہ کر کے ہم پر آب و دانہ بند کر دیا اور ہم نے قلعہ کی باؤلی سے جس میں کھاری پانی ہی روزہ کھولا اور سڑا گلا اناج کھا کر دن کاٹے۔ اس آئے دن کی تکلیف سے تو ہم کو شاہزادہ مراد کی کنیزی منظور ہی مگر اس غلام کا احسان میں کبھی نہ لوں گی۔ چاند بی نے یہ سب حالات شاہزادہ مراد کو لکھ دیئے تھے اُس نے اپنے والد ماجد اکبر بادشاہ کو من و عن کیفیت بذریعہ عرض داشت لکھ بھیجی۔ اکبر بادشاہ نے اُس عرض داشت کو شاہزادہ سلیم کے سامنے ڈال دیا (جو آگے چل کر جہانگیر بادشاہ کے نام سے مشہور ہوا) اور کہا کہ دیکھو خداوند اکبر کی قدرت کہ جو کام لشکر سے نہیں ہو سکتا خود بخود ہو جاتا ہی۔ انہیں دنوں میں ایک دن بہادر شاہ کے محل کی کوئی عورت اوپر چڑھی تھی دیکھتی کیا ہی کہ فصیل کے تلے بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک ڈھیر روپیہ اور اشرفیوں کا سامنے دھرا ہی جسے آپس میں سب بانٹ رہے ہیں اُس نے چاند بی بی کو خبر دی۔

چاند بی بی نے جستجو کی تو معلوم ہوا کہ آہنگ خاں نے جمعیت احشام کو بہت کچھ روپیہ قلعہ کا دروازہ کھول دینے کے لئے دیا ہے۔ ان لوگوں کو بھی راز فاش ہو جانے کی خبر ملی اور آہنگ خاں کو کہلا بھیجا کہ چاند بی بی کو خبر ہو گئی ہے اب ہماری خیر نہیں بہتر یہ ہے کہ آپ اب پس و پیش نہ کریں جو ہونا تھا سو ہوا کل سویرے چلے آیئے ہم دروازہ قلعہ کا کھول دیں گے۔ حسب قرارداد آہنگ خاں آن پونہچا۔ دروازہ تو پوری طرح پتھروں سے ایسا چن دیا گیا تھا کہ کھل نہ سکا لیکن ایک کھڑکی کھول دی اور کہا کہ ادھر سے گھس آؤ۔ آہنگ خاں نے اپنے ایک غلام عنبر جلو کو کھڑکی میں سے گھسا دیا۔ چاند بی بی نے ہر چند چاہا کہ احشام کی جمعیت اب بھی اپنے اس ارادے سے باز آئے اُن کو نہایت منت سماجت سے بلوایا بھی مگر کوئی نہ آیا لڑنے مرنے پر طیار ہو گئے۔ بہت ہی کم لوگ چاند بی بی کی طلب پر حاضر ہوئے اور ان دونوں کے خوب لڑائی ہوئی اور تیر برسنے لگے پھر بھی چاند بی بی کے مٹھی بھر لوگوں نے ان بلوائیوں کو بھگا دیا اور قلعہ کی فصیل پر ملک میدان بر پا دی جس کا خطاب مسند عالی تھا دو سو حشم خاصہ کے ساتھ کھڑا ہوا باروت کے حقے کبھی آہنگ خاں کے لشکر پر پھینکتا تھا اور کبھی باغیوں پر عنبر بے طور پھنس گیا نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے آخر کار اُلٹے پاؤں پھرا۔ آہنگ خاں قلعہ کے دروازے کے پاس پونہچا اور قریب تھا کہ دروازہ توڑ کر اندر گھس آئے کہ اُس پر بھی باروت کا مینہ برسنے لگا کئی لوگ اُس کے مارے گئے اور وہ بھی پس پا ہوا۔ کچھ لوگ احشام کے نکل بھاگے اور جو بچ رہے وہ کچھ مارے گئے کچھ پکڑ کر قید کر دئے گئے۔ خلاصہ یہ کہ خداوند تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ع

تدبیر کند بندہ و تقدیر کند خندہ

رفیع الدین چودہ مہینے تک پڑا رہا اور تین چار مرتبہ اُس نے شورش ٹھنڈی کی مگر جب دیکھو ہموں آش در کاسہ۔ آخر کار بالکل عاجز آ گیا اسی اثنا میں سرحد پر سے خبر آئی کہ سلطان مراد کے امرا دیہات اور پرگنہ جات میں لوٹ مار کرتے ہوئے بڑھتے چلے آ رہے ہیں اور اُن کے پیچھے اور ایک لشکر جرار اس کی مدد کو بھی آ رہا ہے لامحالہ احمد نگر کو آتے ہی فتح کر لیں گے۔ رفیع الدین نے یہ سب حال بادشاہ کی خدمت میں لکھا اور منتظر صدور حکم کا رہا کہ وہاں سے فرمان صادر ہوا کہ اب تمھارا وہاں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا بالکل بے سود ہے فوراً چلے آؤ۔ چاند بی بی سے جب رفیع الدین نے

رخصت طلب کی تو چاند بی بی نے کہا کہ میں تمھاری از بس شکر گزار ہوں کہ تم نے اپنی طرف سے ہماری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور دو تین مرتبہ شر و فساد کو رفع دفع کرا دیا لیکن اب تم ہم کو کس پر چھوڑے جاتے ہو ہمارا یہاں ایسا کوئی خیر خواہ بیٹھا ہے جو ان موذیوں کے پنجے سے ہم کو چھوڑائے گا الغرض نہایت مجبوری اور آزردگی سے چاند بی بی نے رفیع الدین کو اجازت دی۔ رفیع الدین احمد نگر سے بیجاپور روانہ ہوا اُس کے ساتھ بہت سے امرا رمشایعت کو گئے اور اپنا درد دکھ کہتے رہے۔ قریب بیس ہزار امرا و فضلاء ورعایا کے اُسی وقت شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور رفیع الدین کے ساتھ ساتھ بیجاپور تک آئے وہاں سے جدھر جس کے سینگ سمائے چلے گئے۔ چاند بی بی بےچاری قلعہ میں محصور ہوگئی تھی نجات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کا ایک سہارا تھا وہ بھی نہ رہا تو بحالت مجبوری مغلوں سے مصالحت کرلی اور ملک برار اُن کے تفویض کردیا۔

شہر بیجاپور میں موئے مبارک کا ورود مسعود ۱۰۰۵ھ

غرہ محرم الحرام ۱۰۰۵ھ میں امیر محمد صالح ہمدانی چند موئے مبارک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر عازم بیجاپور ہوئے۔ بادشاہ کو جب یہ مژدہ جان بخش ملا تو سر کے بل چل کر زیارت سے مشرف ہوا اور اپنی دارالسلطنت میں یہ نعمت عظمیٰ آجانے سے بے حد مسرور ہوا[۵۱] مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا محمد صالح ہمدانی کو انعامات بے شمار دیئے گئے اور اسی سال بادشاہ نے محمد صالح ہمدانی سے خواہش کی کہ قلعہ میں اس تبرک کو لائیں چنانچہ سید موصوف بمصداق[۵۲] اِذَا دُعِیتُمْ فَاسْتَجِیبُوا قلعۂ ارک میں تشریف لائے۔ بادشاہ خود استقبال کو گیا اور بہت کچھ نقد و جواہرات اُن کی نذر کرکے اِس گنج شایگاں کو سر آنکھوں پہ رکھا۔ بعد ختم ماہ مبارک محرم الحرام کے حضرت موصوف نے قصد سفر حجاز کا فرمایا۔ اُس وقت پھر بارہ ہزار ہن نقد اور بہت سے تحفے اور ہدایا اور اقمشہ قیمتی نذر دیئے تب حضرت نے دو موئے مبارک جو چاندی کی نلی میں بند ہیں بادشاہ کو دیئے جن کی زیارت اب تک ایام متبرکہ

---

۵۱ - اللہ (اپنی) رحمت (کا لنگر) جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اُس کا بند کرنے والا نہیں ۱۲۔

۵۲ - جب کوئی بلائے تو (خوشی سے) چلا جانا چاہیئے۔ ۱۲۔

میں ہوتی ہے اور آثار محل میں موجود ہیں جس کا تفصیلی حال بضمن عمارات آئے گا۔

نورس پور کی بنا ۱۰۰۸ھ ۱۵۹۹ء

۱۰۰۸ھ ۱۵۹۹ء میں عادل شاہ نے بیجاپور سے دارالسلطنت کو چار میل کے فاصلہ سے بجانب مغرب ایک پرفضا مقام پر منتقل کرنا چاہی۔ اُس مقام پر ایک نئے شہر کی نبیاد ڈالی اور تمامی امراے سلطنت اور تجار کو حکم دیا کہ اپنے اپنے مکانات وہاں بنائیں۔ تعمیر محلات واکنہ شاہی وحصار شہر کا کام بالکلیہ شہنواز خاں کے سپرد کیا جو منصب شریف ”کارملکی“ پر سرفراز تھا کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہ تھا۔ شہنواز خاں نے ملکوں ملکوں سے مشہور کاریگر اور صناعوں کو جمع کرکے نہایت اہتمام سے کام تعمیر کا شروع کیا۔ روایت کی جاتی ہے کہ آٹھ ہزار کاریگر اور مزدور صرف بادشاہ کے محلات پر لگے ہوئے تھے دوسرے امرا اور ذی مقدرت لوگوں اور تاجروں کے ہاں جو کام کرتے تھے اُن کا تو کچھ شمار ہی نہ تھا۔ بادشاہ کا ارادہ یہ تھا کہ ایسا شہر بنے کہ جس کا جواب تمام ملک ہندوستان میں نہ ہو۔ خزانہ شاہی سے ہر طرح کی کمک اور امداد مالی اُن لوگوں کو دی گئی جو اس خطے پر اپنے اپنے مکانات بنانے چاہتے تھے اور جب خزانہ شاہی کا دروازہ ان لوگوں پر نہایت سیر چشمی اور فراغت سے کھل گیا تو پھر کیا دیکھنا تھا ہر شخص ایک دوسرے سے تعمیر امکنہ میں سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ شہر کی بنا نہایت عمدہ نقشہ پر بہت ہی مرغوب اور دلکش ڈالی گئی محلے اور پورے اور بازار فراخ و کشادہ سڑکیں۔ محلات عالی شان۔ دیوان خانے بالاخانے۔ دکانیں۔ باغ۔ باغیچہ۔ حوض۔ نہریں سب تھوڑے ہی عرصہ میں بن کر طیار ہو گئے جنگل میں منگل ہو گیا۔ بادشاہ کا ایک عظیم الشان محل نہایت تکلف اور اہتمام اور انواع و اقسام کی سنہری اور لاجوردی رنگ آمیزی کا کہ جس کے دیکھنے سے دل کا کنول کھل جاتا تھا اور انسان محو حیرت رہ جاتا تھا بنوایا اور ہر طرح کے اعلیٰ درجے کے سامان فرش فروش ہانڈی لنتر جھاڑ فانوس سے سجایا گیا۔ محل کے سامنے ایک وسیع میدان بطور صحن کے رکھا گیا علاوہ اس کے چاروں طرف مطبخ اور خدمت گاروں اور پہرے والوں اور نوبتیوں کے رہنے کے مکانات طویلے اصطبل سب ہی کچھ بنائے۔ محل شاہی کے عقب میں کئی زنانے محل مطلا اور لاجوردی محلات شاہی کے واسطے اسی خوبی اور آراستگی کے طیار کئے۔ دربار کے سامنے سے بیجاپور تک ایک نہایت چوڑی سڑک ڈالی جس کی دونوں جانب دو منزلہ دکانیں تھیں بیچ میں ایک نہایت

خوب صورت چوک تھی جس کا نام "مانک چوک" تھا جس کے چاروں طرف سے سڑکیں نکال کر مشین و مزین دکانیں بنائی تھیں - امرا ارکان دولت تاجروں اور متمولوں کے محلات کے علاوہ بے شمار مکانات بن گئے تھے - جابجا بڑے بڑے حوض تھے جن سے انسان و حیوان سیراب ہوتے تھے چاروں طرف آب شیریں کی نہریں دوڑتی تھیں جن میں انواع و اقسام کے فوارے لگے ہوئے تھے - شہنواز خاں نے خود اپنے لئے ایک نئی طرز کا عجیب خوش قطع محل بنایا تھا کہ جس کی خوبی کا حد و حصر نہ تھا - جس میں وسیع دالان بالاخانے اور متعدد حجرے تھے سب اپنی اپنی طرز پر نرالے - ہر ہر میں قابل دید صنعت نقاشی اور گلکاری اور طرح بہ طرح کی رنگ آمیزی طلائی اور لاجوردی - چاروں طرف چمن بندی جس میں نہایت خوش نما پھول کھلے ہوئے لال بجری کی سڑکیں سنگ مرمر کے حوض اور فوارے اُبلتے ہوئے - غرض ایسا محل بنایا کہ دیدہ شنیدہ جو دیکھتا تھا محو حیرت رہ جاتا تھا اور اس خطے کے بانی کی خوش سلیقگی پر عش عش کرتا تھا - اگرچہ اس شہر میں بھانت بھانت کے لوگ تھے کوئی رومی کوئی ترکی کوئی ایرانی کوئی تورانی کوئی عربستانی مگر سب اس شہر کو دیکھ کر بے اختیار صدائے احسنت بلند کرتے تھے اور بے اختیار کہہ اُٹھتے تھے کہ روئے زمین پر اس شہر مینو سواد کی نظیر نہیں ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین ست	ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست

جس دن اس شہر کی بنیاد رکھی گئی اس کا نام نورہ تھا یہیں کا ایک شخص ایک شیشہ شراب خوش گوار کا بادشاہ کے حضور میں لایا جس کے شغل سے بادشاہ بے حد مسرور ہوا اور ایک تازہ کیفیت مشاہدہ کی - علاوہ بے انتہا نفاست اور خوش ذائقگی کے اُس سے ذرا بھی خمار یا سرگرانی نہ ہوئی بلکہ تفریح بے اندازہ ہوئی - دماغ تمام معطر ہو گیا - بادشاہ نے پوچھا کہ شراب کہاں کی ہے - عرض کیا کہ اسی گاؤں کی کشید کی ہوئی ہے بادشاہ نے کہا "امروز مرا کیفے نو رسیدہ" اس کو تفاول نیک سمجھ کر اس شہر کا نام نورس پور رکھ دیا اور نورس[۵۱] کے لفظ کو لوگوں نے ایسا لیا کہ سکہ کا نام بھی نورس رکھ دیا اور تمام ملک میں سکہ نورس جاری ہو گیا - بادشاہ کا نام بھی نورس اور بادشاہ کی مہر پر بھی نورس کندہ کیا گیا - عادل شاہیوں کا جو زرد نشان ہے اُس کا نام بھی نشان نورس رکھا گیا - بادشاہ کا وہ محل جس میں

---

[۵۱] - اب بھی ساورن کو گنی اور نورس کہتے ہیں -

ہمیشہ رہتا تھا نورس محل کے نام سے نامزد ہوا۔ فن موسیقی میں ایک کتاب بھی نورس کے نام سے لکھی گئی۔ اور جب نویں تاریخ یوم جمعہ کو آن پڑتی تھی تو عید نورس منائی جاتی تھی۔ بمصداق اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِہِم۔ نورس کے لفظ کی ایسی قدر ہوئی کہ ظہوری نے اپنے دیباچہ کا نام بھی دیباچہ نورس رکھا اور محمد قاسم فرشتہ مورخ نے نورس نامہ لکھا۔ عبدالقادر جو ایک شاعر فصیح تھا وہ اپنا تخلص نورسی کرنے لگا۔

عید نورس

ابراہیم عادل شاہ بڑا رنگیلا پادشاہ تھا اُس نے ایک نئی عید نورس کی نکالی یعنی جس چاند میں نویں تاریخ جمعہ کو آن پڑتی عید منائی جاتی تھی اور تمامی بڑے بڑے امرا مجلس رقص وسرود میں شریک ہوتے تھے اور چوں کہ پادشاہ کو خود فن موسیقی کا بہت شوق تھا سب گاتے بجاتے تھے۔ اس دن دربار عام ہوتا تھا اور سارے شہر کے امرا اور شوقین جمع ہوتے تھے۔ شہر کے تمام نامی گرامی قوال۔ گویئے۔ کتھک۔ طوائف سب ہی آتے تھے۔ مشک وگلاب وعنبر انواع و اقسام کے عطریات اور خوشبوئیں لنڈھائی جاتی تھیں ہر قسم کے فواکہ نادر اور انواع واقسام کے لذیذ اور پرلطف کھانے پکتے تھے جن سے تمام لوگ دسترخوان شاہی سے بہرہ اندوز ہوتے تھے خدمتگار۔ شاگرد پیشہ اور فقرا اور مساکین اور عامہ خلائق کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا۔ جتنے امرا کو سرفرازیاں ہوتی تھیں نورس کی عید میں ہی ہوتی تھیں۔ پادشاہ خود بھی نہایت خوش آواز تھا اور گانے کا شیدائی تھا۔ بچپنے سے اُسے فن موسیقی کا شوق تھا جس کی وجہ سے اس فن کا اُستاد ہوگیا تھا۔ قریب چار ہزار گویوں کے دربار میں حاضر رہتے تھے جن میں سے بیشتر اپنے فن کی معراج الکمال پر پہونچے ہوئے اور مشہور زمانہ کے نامی اُستاد تھے۔

اِن کے تین فرقے تھے۔ حضوری۔ درباری اور شہری۔ حضوری وہ تھے جو اپنے فن میں اعلیٰ درجے کی دستگاہ رکھتے تھے ایسے لوگ رات دن حاضر باش رہتے تھے۔ درباری وہ تھے جو سراپردے کے باہر شاہانہ روز نشست رکھتے تھے۔ جو لوگ نورسپور میں رہتے تھے گانے بجانے کے شوقین تھے اور فن موسیقی کا اکتساب کرتے تھے۔ ان سب کے نام درج سیاہہ تھے اور سب کو ماہ بہ ماہ خزانہ عامرہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ بعض بڑے بڑے گویّوں کو بیش قرار جاگیریں تھیں غرض ہر شخص خوش حال و فارغ البال تھا اور دن عید اور رات شب برات تھی۔ نورس پور کی تعمیر کا تفصیلی حال بہ ضمن عمارات آئے گا۔

اس شہر کی طیاری میں لیکایک ڈھیل اس وجہ سے پڑگئی کہ نجومیوں نے پادشاہ سلامت سے عرض کی کہ اگر دارالسلطنت بیجاپور سے اٹھایا گیا تو یہ کچھ سازگار نہ ہوگا اور ضرور کوئی آفت عظیم نازل ہوگی - دوسری روایت اس کے خلاف ہی کہا جاتا ہی کہ شہر روز بروز زیادہ تر آباد ہوتا جاتا تھا اور عمارات اور عالی شان محلات کثرت سے بنتے جاتے تھے اس طرح ۱۰۲۴ھ ۱۶۲۴ع تک برابر ہر اعتبار سے شہر کی ترقی دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی کہ ملک عنبر ساٹھ ہزار فوج لے کر ٹوٹ پڑا اور شہر کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا - شہر کی فصیلوں اور مورچوں وغیرہ کی ابھی تکمیل نہ ہونے پائی تھی کہ یہ آفت نازل ہوئی - بادشاہ کو اپنی کی کرائی محنت اس طرح غارت ہو جانے کا سخت قلق ہوا اور دل کھٹا ہو جانے سے نیا دارالسلطنت بنانے کا خیال چھوڑ دیا -

شاہزادہ مراد کا انتقال ۱۰۰۸ھ ۱۵۹۹ع شاہزادہ دانیال کا ملک دکن میں آنا اور اس کے بعد اکبر پادشاہ کا بہ نفس نفیس تشریف لانا - قلعہ اسیر گڈہ کا فتح کرنا اور ابراہیم عادل شاہ سے پیش کش طلب کرنا ۱۰۰۹ھ ۱۶۰۰ع

اکبر بادشاہ نے شہزادہ مراد کو خان خاناں کے ساتھ بہت بڑا لشکر دے کر ملک دکن کے انتظام کے لئے متعین فرما دیا تھا - خانخاناں نے ہر چند چاہا کہ دکن کے لوگوں کو راستے پر لائے اور اس معاملے میں عادل شاہ سے بھی مدد چاہی لیکن کچھ بھی کامیابی نہ ہوئی اور نظام شاہ کا ملک بھی نہ لے سکے جس کے لئے خاص کر کے دکن میں آئے تھے - بلکہ وہ لوگ بدستور خود مختار رہے - اکبر پادشاہ کو ان ناکامیابیوں کی خبر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی تھی جس کے سبب سے وہ برآشفتہ تھا مزید برآں ۱۰۰۸ھ میں شاہزادہ مراد نے انتقال کیا - اکبر پادشاہ کو اپنے جوان بیٹے کی موت سے صدمہ عظیم ہوا - مگر اپنے دوسرے بیٹے شاہزادہ دانیال کو مع خانخاناں کے اور تازہ دم فوج دے کر اپنے سے پیشتر بھیج دیا اور خود بھی ۱۰۰۹ھ میں ملک دکن کی طرف روانہ ہوا اور قلعہ اسیر گڈہ[۱] کا جہاں خضر خاں پسر راجے علی خاں باغی ہو گیا

[۱] قلعہ اسیر گڈہ جی آئی پی کے ریلوے اسٹیشن چاندنی سے چھ میل ہی جو بمبئی سے ۳۲۲ میل پر ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہی - اس قلعہ کو آسا اہیر نے ۱۳۷۰ء میں بنایا تھا جس کے نام سے یہ موسوم ہی - یعنی آسا اہیر گڈہ جو کثرت استعمال سے اسیر گڈہ ہو گیا - یہ قلعہ ۱۴۰۰ء میں شاہزادگان خاندیس کے قبضہ میں تھا - پادشاہ اکبر نے برہان پور کے ساتھ ۱۶۰۰ء میں اسے بھی فتح کر لیا ۱۷۶۰ء میں باجی راؤ پیشوا کا قبضہ ہوا اور ۱۷۷۸ء میں مہاراجہ سیندھیا کا - ۱۸۰۳ء میں

تھا محاصرہ کر کے فتح کیا - ادھر شاہزادہ دانیال اور خانخاناں نے قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کر رکھا تھا -
ان ہی دنوں میں اکبر شاہ نے شریف سرمدی کو ابراہیم عادل شاہ کے پاس بیجا پور روانہ کیا اور پیشکش
کا سختی سے مطالبہ کیا - ابراہیم عادل شاہ نے غور کیا تو اپنے میں طاقت و مقاومت کی نہ پائی
لہذا پیشکش گزراننے پر باول ناخواستہ آمادہ ہو گیا اور دونوں پادشاہوں میں رشتہ اتحاد و
یگانگت مستحکم ہو جانے سے بات دب دبا گئی -

ابراہیم عادل شاہ کی صاحب زادی سلطان بیگم کی شادی شاہزادہ دانیال سے ٹھیرنا اور شاہزادہ دانیال کا اسی سال ۱۰۱۳ھ میں انتقال کرنا اور ۱۰۱۴ھ میں اکبر پادشاہ کا انتقال

شریف سرمدی کو بیجا پور بھیجنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اکبر پادشاہ نے سید جمال الدین حسین انجو کو جو مقربان بارگاہ سے تھا عادل شاہ کے پاس سلطان بیگم کی شادی شاہزادہ دانیال سے ٹھیرانے کے لئے بھیجا - ابراہیم عادل شاہ نے مصلحت اسی میں دیکھی
اور بخوشی منظور کر لیا - دونوں طرف سے طیاریاں شروع ہو گئیں مگر کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا
پانچ سال بات کی بات میں گزر گئے آخر کار یہ قرار پایا کہ شاہزادہ دانیال برہان پور سے احمد نگر
تشریف لا کر عقد کر لیں اور اسی غرض سے شاہزادی سلطان بیگم کو مع سامان و اسباب جہیز جس کا
اندازہ اسی پر سے کیا جا سکتا ہے کہ کس کی بیٹی اور کس کا بیٹا تھا بمعیت امرائے عظام کے اوائل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱ - جنرل ولزلی نے فتح کیا اور دوسرے سال حسب صلح نامہ سورج انجن گاؤں مہاراجہ سیندھیا
کے تفویض کر دیا - آپا صاحب معزول راجہ ناگپور کو اس قلعہ میں پناہ دینے کی وجہ سے دوبارہ انگریزوں نے
۱۸۱۹ء میں محاصرہ کر لیا جب سے اب تک یہ قلعہ برٹش گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے - برہان پور اور کھنڈوے کے بیچ میں
ریل پر سے دھنے ہاتھ کی طرف یہ قلعہ ایک بلند پہاڑ پر صاف دکھلائی دیتا ہے - یہ پہاڑ ۸۵۰ فٹ بلند ہے اور سطح سمندر
سے بارہ تیرہ سو فٹ مرتفع ہے - شہر اب ویران ہے - قلعہ کی فصیل کے اندر اسی ایکڑ زمین ہے - قلعہ میں داخل ہونے
کے صرف دو رستے ہیں باقی ہر طرف ۸۰ فٹ سے ۱۵۰ فٹ تک گہری خندق ہے - اس پہاڑ پر کثرت سے پانی
کے چشمے ہیں - پہاڑ کے دامن میں جو گاؤں ہے اس میں عمدہ انگور پیدا ہوتے ہیں اور ہمہ اقسام کا چھوٹا بڑا
شکار ملتا ہے ۱۲ -

سنہ ۱۰۱۳ھ میں احمد نگر روانہ کر دیا۔ شہزادہ دانیال نے جب خبر پائی کہ سارا بیجاپور احمد نگر پر امنڈ پڑا ہی تو متردد ہوا کہ اتنے بڑے لشکر کا آنا خالی از علت نہیں ایسا نہ ہو کہ در پردہ کچھ اور منصوبہ ہو۔ آخرکار خانخاناں نے اِس وسوسہ کو رفع کیا اور شہزادہ دانیال احمد نگر میں رونق بخش ہوا لیکن بزم شادی شہر پٹن میں قرار دی جو احمد نگر سے بیس کوس دریائے گوداوری پر واقع ہی۔ دلہن کو میر جمال الدین انجو اور میرزا ایرج فرزند خان خانخاناں کے ساتھ پٹن روانہ کر دیا اور حکم دیا کہ پٹن میں جشن شادی کے بعد برہانپور تک پونہچا کر بیجاپور واپس جائیں۔ امرا نے عرض کی کہ پادشاہ سلامت کا حکم صرف

ف۵۱۔ بمبئی سے ۲۵۷ میل براہ منماڑ ہی اور براہ ڈھونڈ ۱۸۱ میل۔ یہہ شہر ایک بہت بڑا سول اور ملیٹری سٹیشن ہی۔ ریلوے سٹیشن سے شہر تقریباً تین میل ہی اور چھاؤنی (۵) میل مسلمان بادشاہوں کا بنایا ہوا قلعہ موجود ہی جس کے اطراف ایک گہری خندق ہی جس پر ایک پل ایسا بنا ہوا ہی کہ جب چاہا کھینچ لیا اور جب چاہا لگا دیا۔ اب اس قلعہ میں توپ خانہ اور کتب خانہ ہی۔ شہر سے چھ میل ایک بلند پہاڑی پر صلابت خاں کا مقبرہ ہی جو اب بطور تفرح گاہ کے استعمال کیا جاتا ہی۔ ٹرنیسوال کی لڑائی کے بعد جو ۱۸۹۹ء میں ہوئی تھی بوئر قیدی یہیں رکھے گئے تھے جو آگے چل کر اطاعت قبول کرنے سے چھوڑ دیئے گئے جن کی یادگار میں دو کتبے بھی انگریزی اور ڈچ میں لگائے گئے ہیں۔

ف۵۲۔ ضلع اورنگ آباد میں ایک تحصیل ہی جہاں اہل ہنود کے بہت سے مندر ہیں اور بڑی پرانی بستی ہی بڑے بڑے عالی شان محل اب بھی موجود ہیں جن کا تعلق دیکھنے سے ہی۔ پٹن دریائے گوداوری پر واقع ہی۔ ۱۲

ف۵۳۔ بمبئی سے ۳۱۰ میل اور دہلی سے ۷۴۰ میل ہی۔ بمبئی پریزیڈنسی ختم ہو کر ممالک متوسط کا شروع ہی۔ شہر اسٹیشن ریلوے سے تین میل ہی۔ سنہ ۱۴۰۰ء میں ناصر خاں ملک خاندیس کے پہلے خود مختار شاہزادے نے جو تارک خاندان کا تھا اس شہر کو بسایا دو سو برس بعد شہنشاہ اکبر برہانپور فتح کر لیا۔ سنہ ۱۷۲۰ء میں نواب آصف جاہ نظام الملک قابض ہوئے اور یہیں رہنے لگے جن کا انتقال ۱۷۴۸ء میں ہوا۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں پیشواؤں کا قبضہ ہوا جنھوں نے ۱۷۷۸ء میں مہاراجہ سیندھیا کو دے دیا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے لشکر نے جو جنرل ولزلی (جو آگے چل کر ڈیوک آف ولنگٹن کے نام سے مشہور ہوا) کی کمانڈ میں تھا فتح کیا اور دوسرے ہی برس بروے صلح نامہ سوارج انجن گاؤں پھر مہاراجہ سیندھیا کو واپس دے دیا۔ پھر ۱۸۶۰ء میں شمول و خروج علاقہ جات کے سبب برہانپور انگریزوں کے قبضے میں آ گیا اُس وقت سے ممالک متوسط کے ضلع نماڑ میں شہر یک ہی۔ سنہ ۱۶۱۴ء میں جیمس اول بادشاہ انگلینڈ کا ایلچی سر ٹامس رو شہنشاہ اکبر کے دربار میں حاضر ہوا وہ شاہزادہ پرویز پسر بادشاہ جہاں گیر سے جو یہاں کا

احمد نگر تک متابعت کا ہے پس خلاف حکم شاہی ہم آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اور خواہان معافی ہیں۔ اس لئے یہیں سے پلٹ گئے۔ شاہزادہ مع اپنی ولمن کے پٹن پہنچا اور بہت بڑا شاہی جشن کر کے برہان پور کو روانہ ہوا۔ قضارا اسی سال اوائل ماہ ذی الحجہ میں شاہزادہ نے کثرت شراب خواری کی وجہ سے انتقال کیا۔ اکبر شاہ کو یہہ دوسرا داغ پہنچا ؎

ہر دم زمانہ داغ دگر گونہ می دہد یک داغ نیک نا شدہ داغ دگر دہد

اس دہرے صدمے سے کمر جھک گئی اور دوسرے ہی سال ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء میں دنیا سے رخصت ہوا تاریخ وفات اس مصرعہ میں ہے۔ ع

اسف کشید ملائک ز فوت اکبر شاہ

اکبر کی وفات کے بعد شاہزادہ سلیم ملقب بہ جہانگیر پادشاہ تخت نشین ہوا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۳ - گورنر تھا برہان پور میں آکر ملا۔ ٹیورنیر Tavinier سیاح ہندوستان میں دو مرتبہ ۱۶۴۱ء و ۱۶۵۸ء میں آیا وہ برہان پور کی نسبت لکھتا ہے کہ یہہ ایک بہت بڑا شہر ہے مگر ویران۔ اکثر مکانات چھپر کے نظر آتے ہیں البتہ کمخواب کی تجارت بہت کثرت سے ہے جو یہاں سے فارس۔ ترکی۔ مسکو یا۔ پولینڈ۔ عرب۔ مصر وغیرہ کو برآمد کی جاتی ہے۔ تمام شہر میں پانی کے نل دوڑتے تھے اور پانی کی افراط تھی۔ پانی کے نل لگانے میں بے نظیر انجینیر نگ دانش مندی پائی جاتی ہے۔ اب بھی آٹھ نہروں کا پتہ لگتا ہے۔ شہر میں دو نہایت بڑی اور خوب صورت مسجدیں ہیں جن کی جھلک اسٹیشن سے درختوں کے اوپر نظر آتی ہے۔ شہر کے اطراف ایک مستحکم سنگین فصیل ہے جو ڈیڑھ مربع میل رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ قلعہ اب ویران ہے اُس میں صرف ایک زنانہ ترکش حمام باقی ہے۔ جس کی گنبد نما لداؤ کی چھتیں جن میں سے پانی رستا تھا اور سنگ مرمر کا مصفیٰ اور مجلّا فرش دیکھنے کے قابل ہے۔ دریائے تاپتی اس کے نیچے ہی بہتا ہے۔ ایک وسیع چبوترے پر سے جو (۸۰) فٹ بلند ہے دریا کا نظارہ عجیب لطف دیتا ہے قلعہ اسیر گڈہ اس کے عقب میں ہے۔ برہان پور کی مصنوعات میں سنہری اور روپیلی تار کا کام اور پارچہ ہائے ریشمین و زردوزی اب بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔

نوابان برہان پور کی تفرج گاہ لال باغ ریلوے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ ماہ جنوری سے اپریل تک اور اگست سے اکتوبر تک بہت سے اعراس اور میلے ہوا کرتے ہیں جس میں حضرت شاہ بھکاری کا عرس بہت مرجع خلایق ہے اور قریب قریب دس ہزار زائرین کے جمع ہوتے ہیں۔ برہان پور کے متصل اب بھی دو مواضع حضور پرنور سرکار عالی نظام دام اقبالہم کے

فاطمہ سلطان دختر ابراہیم عادل شاہ کی شادی سید شاہ حبیب اللہ حسینی سے ۱۰۴۱ھ

مسماۃ فاطمہ سلطان المعروف بہ بادشاہ صاحبہ کی شادی سید حبیب اللہ حسینی بن شاہ یداللہ حسینی (جو حضرت سید محمد گیسو دراز المعروف بہ خواجہ بندہ نواز حسینی کی اولاد میں سے تھے) نہایت تزک و احتشام سے ۱۰۴۱ھ میں ہوئی۔ نکاح فاضل کامل نقی شاہ محمد بیگی جو سلطنت میں ایک بلند پایہ امیر تھے نے باندھا اور خطبہ نکاح خود حسب ذیل لکھا۔

بَعدَ التَّحمِيدِ وَالتَّمهِيدِ وَالخُطبَةِ وَكَانَ مَن رَغِبَت فِي هٰذَا الأَمرِ الخَطِيرِ السَّيِّدِ الحَسِبِ وَالنَّسبِ النَّسَّابِ العَاقِلِ البَالِغِ المُسَمّٰى شَاه حَبِيبُ اللهِ بِن شَاه يَدُ اللهِ مِن أَولَادِ السَّيِّدِ مُحَمَّدِ الشَّهِيرِ بِه گيسُودَرَازِ وَهُوَ فِي سَنَةِ سَبعَ عَشَرَ فَتَزَوَّجَ الحُرَّةَ المُخَدَّرَةَ البَالِغَةَ العَاقِلَةَ زُبدَةُ أَقرَانِهَا وَبِلقِيسُ زَمَانِهَا المُسَمَّاةِ فَاطِمَةَ سُلطَانِ المَشهُورَةُ بِبَادشَاه صَاحِبَه بِنتِ سُلطَانِ الأَعظَمِ وَالخَاقَانِ المُكَرَّمِ مَالِكِ الرِّقَابِ الأُمَمِ السُّلطَانِ ابنِ السُّلطَانِ اِبرَاهِيمَ عَادِل شَاه خَلَّدَ اللهُ مُلكَهُ وَأَجرَى السَّعَادَةَ فُلكَهُ وَكَانَ دَارُ السَّلطَنَةِ بِيجَافُورُ الشَّهِيرَةِ بِدِيَابُور فَزَوَّجَهَا بِدَارِ السَّعَادَةِ الشَّهِيرِ بِسَبزِ مَحَلِّ الكَائِنَةِ بِدَارِ السَّلطَنَةِ المَذكُورِ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ وَسَمَاعِ الشُّهُودِ الإِيجَابَ وَالقَبُولَ مَعًا مِنَ المُوجِبِ وَالقَابِلِ فِي مَجلِسِ العَقدِ بَعدَ مَا تَرَاضَوا عَلَى مَهرٍ قَدرُهُ أَربَعُ آلَاسٍ فَرَسٍ وَخَمسُمِائَةٍ مِن ذَهَبٍ وَأَلفُ كَندِي حَرِيرٍ وَأَلفُ رَأسِ جَمَلٍ وَأَلفُ كَندِي كَلَادِي فِضَّةٍ وَوَاحِدُ لَكِ دِينَارٍ وَوَاحِدُ فِيلٍ أَبيَضٍ وَخَمسُمِائَةِ عَبدٍ حَبَشِيٍّ وَخَمسُمِائَةِ عَبدٍ تُركِيٍّ وَخَمسُمِائَةِ عَبدٍ دَكهَنِيٍّ وَخَمسُمِائَةِ جَارِيَةٍ وَالَّذِي زَوَّجَهَا وَكِيلُ إِلَيهَا المُقرِّي إِلَيهِ وَهُوَ الفَاضِلُ الكَامِلُ الوَرِعُ الزَّاهِدُ المُسَمّٰى شَاه مُحَمَّدُ بنُ السَّيِّدِ نُورُ الدِّينِ السَّيِّدُ مُحَمَّدُ الشَّهِيرُ بِالمُلكِي المَجَالِسِ بِقَولِ مُخَاطِبًا بِوَكِيلِ الزَّوجِ المَذكُورِ المُسَمّٰى خَلِيلُ اللهِ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۴ — قبضے میں ہیں جو تحصیل کنٹر ضلع اورنگ آباد کے تحت اور ایک کارپرداز کی زیر نگرانی ہیں جو اس بات کی یادگار ہیں کہ کسی زمانہ میں یہ حصہ ملک بھی مملکت سرکار نظام میں شامل تھا۔ ۱۲

زَوَّجْتُ مُوَکِّلِی فَاطِمَةَ سُلْطَانَ الْمَدْعُوَّةَ بَادْشَاهْ صَاحِبْ بِنْتِ اِبْرَاهِیْم عَادِل شَاهْ
بِمُوَکِّلِكَ شَاہ حَبِیْبُ اللّٰہِ بِنْ شَاہ یَدُ اللّٰہِ وَقَبِلَ الْقَاضِی خَلِیْلُ اللّٰہِ وَکِیْلُ الزَّوْج
الْمَذْکُوْرِ وَقَبِلَ تَزْوِیْجَهَا شَاہ حَبِیْبُ اللّٰہِ بِنْ شَاہ یَدُ اللّٰہِ الْمُشَارُ اِلَیْہِ وَهُوَ حَاضِرٌ
فِی مَجْلِسِ الْعَقْدِ وَسَمِعَ الْاِیْجَابَ وَالْقُبُوْلَ حُضَّارُ الْمَجْلِسِ وَهُمْ اخلاص خان وشہنواز خان
وشجاعت خان ورومی خان وملا یوسف خان وکشفد ارخان حُضَارَۃِ الْمُخَدَّرَۃِ الْمَذْکُوْر
زَوْجَةُ کِتَابِ الْمَذْکُوْرِ بِالْمَهْرِ الْمَسْطُوْرِ فَلَهَا الْوُسْطُ مِنَ الْعَبِیْدِ وَالْجَوَارِیْ وَالْخَیْلِ وَالْجِمَالِ وَ
اَنْشَاءَ فِیْ مَنْهَا عَلٰی اَنْ لَّا تَزَوَّجَ عَلَیْهَا وَلَا یَتَسَرّٰی عَلَیْهَا فَاِنْ وَفِیْ یَدِ لِکِ وَ اِلَّا یُؤَدِّیْ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا۔ بَارَكَ
اللّٰہُ تَعَالٰی لَهَا وَجَمِیْعَ شَمْلِهَا وَرَزَقَ مِنْهَا کَثِیْرًا طَیِّبًا فَتَزَوَّجَ نِکَاحًا صَحِیْحًا سَرِیْعًا نَافِذًا لَا دَخْلَ فِیْہِ وَلَا
فَسَادَ وَزَوْجُهَا هٰذَا الْکُفُوْهَا وَلَیْسَ مِنْهَا سَبَبٌ یُّؤَدِّیْ اِلٰی نَقْضِ النِّکَاحِ اَوْ فَسَادِہٖ وَهِیَ اِمْرَأَتُہٗ
لِهٰذَا النِّکَاحِ الْمَوْصُوْفِ وَهٰذَا الصَّدَاقُ لَهَا وَعَلَیْہِ وَحُرِّرَ ذٰلِكَ فِیْ تَارِیْخِ اَرْبَعَ عَشَرَ وَاَلْفٍ
مِنَ الْهِجْرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِهَا اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَاَکْمَلُهَا۔

احمد نگر میں امرا کی کٹا چھنی ملک عنبر کا خانخاناں کو پسپا کرنا ۱۰۱۸ھ

سلطنت نظام شاہی کے امرا میں روز بروز مخالفت بڑھتی جاتی تھی اور اگرچہ کئی بڑے بڑے لوگ بیچ بچاؤ کرنے کو آئے لیکن نتیجہ کچھ نہ ہوا اور آئے دن کی جنگ و جدال سے ہزاروں آدمی مارے گئے خان خاناں جو رکن السلطنت ہند تھا اور ایک مدت سے ملک دکن میں رہ کر رعایا کو ہمیشہ ہموار کرتا رہتا تھا آخر کار قلعہ احمد نگر اور مضافات پر قابض ہو گیا باقی ملک وسیع امرائے نظام شاہیوں کے قبضے میں بدستور رہا۔ ملک عنبر حبشی جو خاندان نظام شاہیہ کا ایک غلام تھا اور بہت عقل مند اور بہادر تھا اُس نے ایک دوسرے حبشی غلام راجو منا نامی کی شرکت سے قلعۂ دولت آباد پر قبضہ کر لیا تھا وہ احمد نگر چلا آیا اور مرتضیٰ نظام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا اور خانخاناں یعنی مغلوں کی فوج سے سخت مقابلہ کیا اور اُن کو پسپا کیا۔ یہ خبر جہانگیر بادشاہ کو پہنچی تو خانخاناں کی کم ہمتی اور نالائقی سے سخت ناراض ہوا اور سمجھ گیا کہ اُس نے دکھنیوں سے سازش کر لی۔ خانخاناں کے دشمنوں کو اچھا موقع ملا اُنھوں نے اور بات پکی کر دی آخر کار بادشاہ نے خانخاناں کو واپس طلب کر لیا جو ۱۰۲۰ھ میں دہلی پہنچ گیا اور اس کے بعد خود بادشاہ خود

دکن کو روانہ ہوا۔

جہانگیر پادشاہ کا عزم دکن۔ ماں کے مانع ہونے پر فسخ عزیمت اور دوبارہ خانخاناں کو روانہ کرنا

جہانگیر کی والدہ نے جب سنا کہ پادشاہ دکن جارہا ہی تو محبت مادری کے جوش میں مانع ہوئی کہ رو بھائی تمھارے جوان مارے گئے ملک دکن کا سفر ہم کو سازگار نہیں ہی میں تمھیں ہرگز جانے نہ دوں گی اور رونے لگی کہ تم کو دکن جانے کی آپ کیا ضرورت ہی خداوند تعالیٰ نے سارے ملک ہندوستان کی پادشاہت دے رکھی ہی اب اس سے زیادہ اور کیا چاہیے خدا کا شکر کرو اور قانع رہو اور اگر ملک دکن کے فتح کرنے کا شوق ہی ہی تو خود جانے کی کیا ضرورت ہی خانخاناں کو کیوں نہیں بھیجتے وہ تمھارے باپ کے وقت کا قدیم نمک خوار وفادار ہی اُس سے ناحق خودغرضوں نے تم کو بدظن کر دیا ہی ورنہ درحقیقت خانخاناں اور اُس کے بیٹوں کے کارنامے اس قابل نہیں کہ چشم پوشی کی جاسکے کیا سندھ اور گجرات اور بعض حصص ملک دکن کا فتح کرنا کوئی منہ کا نوالا تھا پھر دیکھو اُنھوں نے جان لڑا دی اب بھی اگر اس مہم پر اُنھیں کو بھیج دو تو مجھے یقین کامل ہی کہ جہاں تمھارا پسینہ گرے گا وہ اپنا خون بہائیں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور کامیابی ہوگی۔ پادشاہ نے اپنی پیاری ماں کا کہنا ٹالنا مناسب نہ جانا اور ارادہ فسخ کرکے خانخاناں کو بلایا اور اُس کو بہت کچھ تسلی و تشفی دے کر دکن کی مہم پر جانے کا حکم دیا۔

ملک عنبر کا عادل شاہ سے مدد لینا عادل شاہ کا قلعہ قندہار دے دینا اور عنبر کے ایک لڑکے کی شادی بیجاپور کے ایک امیر سے

خانخاناں جب دہلی چلا گیا تھا تو ملک عنبر عادل شاہ کی طرف رجوع ہوا اور عرض کی کہ میں سلطنت نظام شاہی کا قدیم نمک خوار ہوں اور حضرت شاہی کا دست گرفتہ ہوں اور ان دونوں سلطنتوں کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہی پس بدون حضرت کی امداد و دستگیری کے ہماری گلو خلاصی ناممکن ہی اب خانخاناں دہلی گیا ہی ضرور وہاں سے بہت بڑا لشکر لے کر چڑھائی کرے گا میرے اکیلے کی کیا تاب و طاقت ہی کہ اُس کا مقابلہ کرسکوں لامحالہ حضور کی امداد کے سوا ہمارا ٹھکانا نہیں ہی۔ قلعۂ احمد نگر پر غنیم نے قبضہ کر ہی لیا ہی اب ہمارے لئے کوئی ٹھکانے

کی جگہ نہ رہی کہ جہاں ذخیرہ اور خزانہ رکھ سکیں اگر قلعۂ قندہار جو ابراہیم نظام شاہ کے بعد حضور کے قبضہ میں آگیا ہی ہم کو بخش دیا جاوے تو خاطر جمعی سے وہاں بیٹھ کر بہت کچھ بندوبست کر سکونگا علاوہ اس کے میں آپ کو بھی اپنا مالک سمجھتا ہوں اور اقدام مبارک سے جدا نہیں ہوں اور چاہتا ہوں کہ میرے تعلقات سلطنت بیجاپور سے قوی اور مستحکم ہو جائیں اور ہم چشموں میں خانہ زاد کی آبرو بڑھے تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ اگر حضور پر نور غلام زادہ کا عقد کسی خانہ زاد درگاہ کی لڑکی سے فرما دیں تو ہر آئینہ موجب عزّت افزائی و تقویت تعلقات ہی - ابراہیم عادل شاہ کو دل سے بقاے خاندان نظام شاہی مرکوز خاطر تھی تینوں درخواستوں کو بخوشی منظور کیا قندہار کا قلعہ واگذاشت کر دیا اور دس ہزار سواران منتخب کا لشکر دیا - اور تین لاکھ ہن سالانہ اس لشکر کی نعل بندی کے لیے علیحدہ مقرر کئے اور بیجاپور کے ایک غلام مخصوص بارگاہ یاقوت خاں کی لڑکی کا عقد عزیز الملک سدّی عنبر کے بڑے لڑکے سے ٹھیرا دیا - جب سب کچھ طیاری ہو چکی تو مولٰنا سیّد حبیب اللّٰہ کو جنیر جو تخت گاہ نظام شاہیاں تھا عزیز الملک کے لانے کے لئے بھیجا - صاحب موصوف عزیز الملک کو بیجاپور لے آکر اور بڑی دھوم دھام سے شادی ہو گئی اور مع الخیر جنیر کو وداع کر کے واپس گئے - جنیر میں سدّی عنبر نے بڑا جشن کیا اور تمامی امراے عادل شاہی کی آؤ بھگت کی اور بہت کچھ تحفہ تحائف دئے - اسی عرصہ میں خانخاناں دہلی سے برہان پور واپس آیا اور عادل شاہ اور سدی عنبر کو اپنے آنے کی اطلاع دی سدّی عنبر نے ظاہرداری برتی اور خود خان خاناں کی ملاقات کو گیا -

شاہ زادہ پرویز اور مان سنگھ کا دکن میں آنا ۱۰۱۷ھ

خانخاناں کے دکن میں پہونچ جانے کے چھ مہینے بعد ۱۰۱۷ھ میں جہانگیر نے اپنے منجھلے بیٹے شاہزادہ پرویز کو راجہ مان سنگھ کے ساتھ جو ایک بڑا رکن ریاست تھا ملک دکن کی مہم پر روانہ کیا جب یہ لوگ برہان پور پہنچے تو ملک عنبر نے بھی اپنا لشکر اُن کے مقابلہ کو بھیج دیا - مان سنگھ کو اپنی بہادری کا بڑا غرّہ تھا اُس نے کہا کہ دکھنی سوائے لوٹ مار اور قزّاقی کے باقاعدہ جنگ کیا جانیں اب ذرا میدان میں تو آئیں میں اُن کے ضلّے درست کر دوں گا اور ایسا سبق دوں گا جو مدت العمر یاد رہے - نظام شاہی فوج راجہ مان سنگھ کی تعلّی اور اُس کی بے شمار فوج دیکھ کر گھبرا گئی اور ابراہیم عادل شاہ

سے امداد طلب کی۔ عادل شاہ کی فوج چو طرف بٹی ہوئی تھی کچھ کرناٹک میں مفسدہ پردازوں کی سرکوبی کر رہی تھی کچھ ادھونی کے قلعہ کے محاصرے میں تھی اور کچھ پہلے ہی احمد نگر آ چکی تھی۔ بریں ہمہ چار ہزار سوار جرّار اور بھیجے لیکن احمد نگر کی مرہٹہ فوج جو تتر بتر ہو گئی تھی وہ بھی قریب دس ہزار کے سمٹ آئی۔ یہ مرہٹے لوٹ مار کے بڑے عادی تھے اُنھوں نے مغلیہ لشکر کے اطراف بارہ بارہ کوس تک زراعت کو تلف کر کے چٹیل میدان کر دیا کہیں گھانس کا تنکہ تک باقی نہ رہا اور خوب جان توڑ کر لڑتے اور مقابلہ کرتے تھے کہ دکھنیوں کا نام رکھ لیا اور مغلوں کے چھکے چھوڑا دیئے۔ ہزارہا آدمی دونوں طرف کے مارے گئے۔ راجہ مان سنگھ کا برادر نسبتی اور چند امرائے نامور بھی مارے گئے۔ الغرض روز بروز مشکلات بڑھتی جاتی تھیں اور پھر قحط کی مصیبت جدا۔ مویشی کو دانہ چارہ ندارد گھوڑے اونٹ سب بن موت کثرت سے مرنے لگے اور چاروں طرف اُن کی نعشیں سڑنے لگیں اور مرہٹے اپنے مزے میں تازہ دم تھے روز دھاوے مارتے اور لوٹ مار کرتے تھے آخر کار شاہزادے پرویز نے صلاح کی کہ یہاں سے اُٹھ کر ملک کے اندرونی حصے میں چلیں کہ وہاں غلہ تو ملے گا۔ خانخاناں کو اس ارادے کی خبر ملی تو اُس نے شاہزادے کو لکھا کہ ہرگز آگے بڑھنے کا قصد نہ فرمایئے کہ اس موسم گرما میں سب جگہ یہی حال ہے بہتر یہ ہے کہ برہان پور تشریف لایئے۔ چندے یہاں ستا کر پھر حسب اقتضائے وقت جیسا مناسب ہوگا کیا جائے گا۔

مغلوں کے لشکر کی شکست اور قلعۂ احمد نگر پر دکھنیوں کا قبضہ

امرائے دہلی نے خانخاناں کی صلاح کو نہ سنا اور اُسے خود غرض اور دکھنیوں کی پاس داری پر محمول کیا اور احمد نگر کی طرف چل نکلے۔ مرہٹوں کے لشکر نے چاروں طرف سے روک تھام کی۔ بہ ہزار مشکل لڑتے مرتے عادل آباد[۵۱] تک پہنچے آخر کار ایسی جگہ اُترے کہ جو بالکل کوہستان اور سنگلاخ تھا اور پہاڑوں کے بڑی بڑی گھاٹیاں تھیں۔ دکھنیوں نے ان کو گھیر لیا اور بہت سے لوگوں کو مار ڈالا۔ شاہزادہ پرویز گھبرا گیا اور پھر خانخاناں کو لکھا کہ تمھاری صلاح پر عمل نہ کرنے سے ہم پر یہ مصیبت پڑی ہے اب تم کسی تدبیر سے ہم کو اس بلا سے نکالو۔ خانخاناں نے فوراً امرائے دکن کے نام متعدد خطوط لکھے کہ اس لشکر میں جہانگیر بادشاہ کا صاحبزادہ ہے ایسا نہ ہو کہ

---

۵۱ مملکت نظام کا ایک ضلع ہے جو چاندہ کے ہم سرحد جی۔ آئی۔ پی ریلوے کی شاخ وردا الہجار شاہ کے متصل ہے۔

خدانخواستہ اُسے کوئی نقصان پونہچے تو دکھنیوں کے منہ کو کالک لگ جائے گی اور تمھارا جن بچہ کوٹھوں میں پلوا دیا جائے گا اس لئے مناسب یہ ہی کہ تم اُن کی راہ چھوڑ دو۔ امرائے نظام شاہی اور عادل شاہی نے کہا کہ دشمن تو بالکل عاجز آگئے ہیں اب ہم کو اُن کے مارنے کی کیا ضرورت وہ خود پانچ چھ روز میں اس مصیبت سے ہلاک ہوجائیں گے اس لئے مفت کرم داشتن خانخاناں کی نیک صلاح پر کاربند ہوئے اور یہ ہزار خرابی وجاں کاہی مغلوں کا لشکر نہایت خستہ اور تباہ حال ہوکر برہان پور پونہچا لیکن امرائے دہلی سب کا یہی خیال تھا کہ یہ ساری مصیبت ہم پر خانخاناں کے سبب سے آئی ہی اور ایک ایک کی دس دس لگا کر بادشاہ کو خبر دی بادشاہ پھر برہم ہوگیا۔ نظام شاہی اور عادل شاہی لشکر مغلوں کے لشکر کو برہان پور تک نکال کر پلٹا تو قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ کے لوگ اس آس پر دن کاٹ رہے تھے کہ اب شاہزادہ پرویز ہماری مدد کو آتا ہی مگر جب سنا کہ وہ برہان پور چلا گیا تو ان کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے اور سوائے قلعہ کو حوالہ کر دینے کے اور کوئی مفر نہ تھا اس کے بعد سب کے سب گرتے پڑتے برہان پور پونہچے اور اس طرح قلعہ احمد نگر پھر دکھنیوں کے ہاتھ آگیا۔

مرتضیٰ نظام شاہ اور ملک عنبر کی ناچاقی اور ابراہیم عادل شاہ کے سمجھانے بجھانے سے مل جانا ۱۰۱۹ھ

۱۰۱۹ھ میں نظام شاہ جنیر سے آکر دولت آباد میں رہ پڑا تھا اتفاقاً اُس زمانے میں ملک عنبر اور مرتضیٰ نظام شاہ کے ناچاقی ہوکر خصومت بڑھتی چلی جارہی تھی۔ پہلے بھی ۱۰۱۶ھ میں دونوں کے ان بن ہوگئی تھی تو ابراہیم عادل شاہ نے ملا دیا تھا اب بھی وہی بیچ میں پڑا اور کہا کہ تم دونوں ایک طباق میں کھاتے ہو اور دونوں کے دل ملکر رہا ایسا نہ ہو کہ تیسرا اُچک لے جائے اور بہت کچھ زجر و توبیخ کی اور اونچ نیچ سمجھا کر دونوں کو گلے ملوا دیا۔

خان اعظم کی دکن پر چڑھائی اس کے بعد عبداللہ خاں حاکم گجرات کا محاصرۂ قلعۂ دولت آباد میں شکست پانا ۱۰۲۰ھ

شاہزادہ پرویز کو جب شکست ہوئی تو ملک عنبر کے مقابلے کے لئے جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۲۰ھ میں خان اعظم کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا لشکر بھیجا اور عبداللہ خاں حاکم گجرات کو بھی اپنی فوج

لے کر دکن جانے کا حکم دیا چنانچہ دولت آباد کا محاصرہ کر لیا ملک عنبر نے مرتضیٰ نظام شاہ کو قلعہ میں چھوڑ کر موضع کھڑکی کے چٹیل میدان میں جو دولت آباد سے پانچ کوس پر ہے لشکر ڈال دیا۔ کھڑک دکھنی زبان میں سنگلاخ کو کہتے ہیں اسی وجہ سے اس موضع کا نام کھڑکی تھا۔ ملک عنبر کو بڑی بھاری لڑائی کے بعد فتح کامل نصیب ہوئی عبداللہ خاں شکست کھا کر گجرات واپس گیا۔ ملک عنبر نے اس جگہ کا نام فتح نگر رکھ دیا جسے آگے چل کر اورنگ زیب نے آباد کیا اور اورنگ آباد نام رکھا۔

شاہزادہ خرم کا ملک دکن کو فتح کرنا سنہ ۱۰۲۷ھ

شاہزادہ پرویز اور راجہ مان سنگھ دونوں مدتوں تک دکن میں رہے مگر فتح نہ کر سکے آخر کار پادشاہ نے اُن کو واپس بلا کر سنہ ۱۰۲۷ھ میں شہزادہ خرم کو جو آگے چل کر شاہ جہاں کے لقب سے پادشاہ ہوا دکن کی مہم سر کرنے کے لئے بھیجا۔ پہلے پہل تو ملک عنبر نے مقابلہ کیا مگر پھر آگے چل کر بمصلحت وقت سارا ملک نظام شاہی سوائے قلعہ دولت آباد کے صلح کر کے حوالہ کر دیا اس از غیبی فتح سے پادشاہ بے انتہا خوش ہوا۔ اور اس فتح کی خوشی میں شاہ جہاں کا خطاب سرفراز فرمایا اور ایک الماس جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی جو شاہ عباس پادشاہ خراسان نے جہانگیر پادشاہ کو بطور تحفہ دیا تھا وہ بھی سرفراز فرمایا۔

ابراہیم عادل شاہ کا قلعہ بیدر پر قبضہ کرنا ۱۰۲۹ھ سلطان خسرو کی وفات سنہ ۱۰۳۰ھ قلعہ کرنول کی فتح سنہ ۱۰۳۱ھ

۱۰۲۹ھ میں ابراہیم عادل شاہ نے بیدر پر لشکر کشی کی اور بریدیہ خاندان کے آخر امیر برید کو مع اُس کے فرزندوں کے قید کر کے بیجاپور لے آئے اور اسی سال سے قلعہ بیدر عادل شاہیوں کے قبضے میں آگیا۔ ملک عنبر کو فرصت ملی اُس نے جھرجھری لی اور جو ملک دفعتہً مغلوں کو دے دیا تھا پھر دبا بیٹھا۔ شاہ جہاں کو ملک نکل جانے کا سخت قلق ہوا اور شاہزادہ خرم عرف شاہ جہاں کو پھر دوبارہ دکن پر بھیجا اور اس کے ساتھ ہی جہانگیر کا بڑا لڑکا سلطان خسرو جو نظر بند تھا وہ بھی آیا اور یہاں آکر سنہ ۱۰۳۰ھ میں بمقام برہان پور مر گیا اور سنہ ۱۰۳۱ھ میں اُس فوج نے جو قلعہ

ملہ۔ منماڑ جنکشن سے (۷۱) اور حیدرآباد سے (۳۰۹) میل مستقر صوبہ داری ہے ۱۲

ادھونی پر متعین تھی قلعہ کرنول فتح کر لیا اور "ابراہیم بت شکن" اس فتح کی تاریخ ہے۔

ملک عنبر کا بیجاپور کو لوٹنا اور نورس پور کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ع اور ملک عنبر کی وفات ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ع

دیکھئے دنیا کی حالت یہی ملک عنبر عادل شاہ کی جوتیاں اٹھاتا تھا اور عادل شاہ کا بڑا دم مارتا تھا۔ گزشتہ واقعات اُن متواتر احسانات کو بتلا رہے ہیں جو ابراہیم عادل شاہ نے ملک عنبر کے ساتھ کئے اور ہر دفعہ اُس کو کمک دی اور عادل شاہ ہی کی بدولت ملک عنبر کامیاب و فائز المرام رہا۔ ملک عنبر کا دماغ فلک ہفتم پر تھا وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور اپنے جامے سے باہر ہو گیا تھا اور بات بات پر ابراہیم کے سر چڑھنے اور گستاخی کرنے لگا۔ ابراہیم عادل شاہ نے جب دیکھا کہ یہہ کسی طرح راہ راست پر نہیں آتا تو ۱۰۳۳ھ ۱۶۲۳ع ایک بڑا لشکر اُس کی سرکوبی کو بھیجا اور مقام بھنوری پر ایک عظیم الشان لڑائی ہوئی مگر افسوس کہ اُس میں عادل شاہ کو شکست ہوئی۔ ملک عنبر کا اب کیا پوچھنا تھا اور کھل کھیلا اور اگلے ہی برس ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۴ع میں ساٹھ ہزار سوار لے کر بیجاپور پر چڑھ آیا اور آتے آتے تمامی علاقہ جات میں لوٹ مار کر کے تباہ و ویران کر دیا اور اس طرح ملک کو برباد کرتے کرتے عین قلعہ بیجاپور کی فصیل تک پہنچ گیا۔ نورس پور جس کو بادشاہ نے کس شوق سے بنایا تھا اور ابھی کار تعمیر جاری ہی تھا شہر پناہ مکمل ہونے نہ پائی تھی کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بالکل مسمار کر دیا لیکن ملک عنبر اس مہم کے دوسرے ہی سال ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ع میں مرگیا اور اُس کی موت نے اُس کا پردہ ڈھک لیا اور اس وجہ سے ابراہیم عادل شاہ کو اُس کے سر چڑھ کر آنے کا بدلہ لینے کا موقعہ نہ ملا۔

ابراہیم عادل شاہ کی نسبت مذہبی بدگمانی ابراہیم عادل شاہ خود ذی علم سنی اور موحد تھا لیکن فن موسیقی کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ بس راگ کا دیوانہ تھا اور اکثر گویئے چوں کہ ہندو تھے اُن کی صحبت کا اثر اس کی طبیعت پر بھی پڑا تھا۔ اور سرسوتی جو علم کی دیوی جو طنبورہ ہاتھ میں لئے مور پر سوار رہتی ہے اُس کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ خوش گلوئی اور راگ داری کا شیفتہ و فریفتہ تھا اس وجہ سے دیوی کی طرف تھوڑا سا میلان ضرور تھا جس پر لوگوں نے حاشیہ چڑھا دیا کہ اکبر بادشاہ کی طرح یہہ بھی مذہب اسلام سے منحرف ہو گیا ہے ورنہ درحقیقت یہ بات نہ تھی صرف گانے کے شوق سے میل خاطر ہنود کی طرف ضرور تھا۔

شاہ صبغۃ اللہ صاحب کا مدینہ منورہ سے بیجاپور تشریف لانا ۱۰۲۰ھ

حضرت شاہ صبغۃ اللہ صاحب الحسینی جو حضرت شیخ الاسلام شاہ وجیہ الدین علوی الحسینی الاحمد آبادی کے خلیفہ ہیں اور ایک مدت سے ملازم حرم نبوی کے تھے آپ کو بشارت ملک دکن جانے کی ہوئی اور آپ ۱۰۲۰ھ میں رونق افروز بیجاپور ہوئے چند ہی دن میں حضرت کے گوش مبارک تک بھی پادشاہ کے ہنود کی طرف میلان کا غلغلہ پہنچا آپ نے امر معروف پہنچانے کی نیت سے پادشاہ سے کہا کہ تم اپنے اس عقیدے سے توبہ کرو پادشاہ نے کہا کہ نعوذ باللہ میرا کوئی عقیدہ مذہب اسلام کے خلاف نہیں ہے البتہ میں راگ کو از بس پسند کرتا ہوں اور اس طرف میرا دلی میلان ہے۔ حضرت نے فرمایا مضائقہ نہیں تم توبہ کرو خداوند تعالیٰ خود اس ولولہ شیطانی کو دور فرما دے گا چنانچہ پادشاہ نے توبہ کی اور اس سبب سے پادشاہ کے روضہ پر یہ آیت کلام مجید کی ثبت ہے ؎ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا۔ پادشاہ کی طرف سے یہ آیت ہی کھلا ہوا جواب ہے۔ صرف استقامت دین ہی کے لئے حضرت کو دکن جانے کا حکم ہوا تھا۔ آپ نے پادشاہ کو تین نصیحتیں فرمائیں ایک یہ کہ شراب کی سب دکانیں بند کر دی جائیں دوسرے فاحشہ عورتوں کا نکاح کرا دیا جائے اور تیسرے یہ کہ کسی شیعہ کو حاکم مقرر نہ کرے۔ ان تینوں باتوں کے عوض خدا سلطنت میں توقیر کرے گا اور اس کے معاوضہ میں اور تین ملک قبضہ میں آجائیں گے۔ اس کے بعد آپ نے قصد مراجعت فرمایا تو پادشاہ مانع ہوا اور چاہتا تھا کہ ایسے بزرگ کا رہنا بڑا موجب برکت ہے چندے ہیں رہیں لیکن آپ کے اصرار پر بعد زیارت آثار مبارک کے آپ کو چار لاکھ ہن دے کر رخصت کیا۔

ابراہیم عادل شاہ کا جگت گرو کے نام سے مشہور ہونا

ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو کے نام سے مشہور ہے پبلک نے اس کو یہ خطاب دیا تھا جگت کے معنی عالم اور گرو کے معنی استاد یعنی "استاد جہاں" "یا پیشوائے جہاں" اور ابراہیم عادل شاہ اول سے رفع التباس کے لئے بھی جگت گرو کا لقب استعمال کیا جاتا تھا۔ بعض جگت گیر بھی کہتے ہیں جیسے عالم گیر۔ یعنی دنیا کا فتح کرنے والا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

؎ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہماری ایک سرکار کے بندۂ فرماں بردار تھے ۔ ۱۲

بادشاہ کی بیماری اور وفات ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ع

هر آنکس را که عمر آید بپایان ٭ خورد از نوش دارو نیش ثعبان
شود هر تخم غم زدن وز دلش نه پرهیز ٭ تباشیر آتش تب را کند تیز
دماغش از گلاب آتش فروزد ٭ اگر صندل بر تن مالد بسوزد
چو خواهد جان وداع تن نماید ٭ ز حکمت هیچ کارے بر نیاید

بادشاہ کو بھگندر ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے حاذق حکیم بھی اس کے علاج سے عاری ثابت ہوئے۔ علاج سے جب کچھ فائدہ نہ ہوا تو بیجاپور میں ایک فرنچ ڈاکٹر فارنالوپ Farna Lup نامی تھا اُس کی یاد ہوئی مگر اس کے علاج سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ بدرجہا اور تکلیف بڑھ گئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا دوا دی تھی جو مرض میں اس قدر اشتداد ہو گیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ مجھے اس مرض کا تجربہ نہ تھا بطور آزمائش میں نے دوا دی۔ بادشاہ بڑا خلیق اور رحم دل تھا کہا کہ تم نے تو میرا کام تمام کر دیا۔ خیر۔ مگر میرے بعد تمہاری جان کی بھی خیر نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جب تک میرے دم میں دم ہے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ ورنہ میرے بعد یہ لوگ تم کو یقیناً مار ڈالیں گے اور اُس وقت تم سے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑے گی لیکن ڈاکٹر نے نہ سنا۔ بادشاہ نے ۱۱ محرم الحرام ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ع کو انتقال کیا تاریخ وفات یہ ہے "ابراہیم عادل شاہاں بادا دشد" ۱۰۳۷ھ۔

بادشاہ کا دم نکلنا تھا کہ لوگ ڈاکٹر پر ٹوٹ پڑے کہ اسی نے ہمارے بادشاہ کو مار ڈالا۔ خواص خاں نے ڈاکٹر کی ناک اور لب زیریں کاٹ لئے۔ فارنالوپ نے ناک اور ہونٹ جھٹکے سے اُٹھا لئے اور اس عمدگی سے ٹانکے دے کر جوڑ لئے کہ جوں کا توں چنگا ہو گیا یہ دیکھ کر لوگ ہکا بکا رہ گئے اور اس کے عمل جراحی کے آگے سب نے کان پکڑے اور لوگ پھر ڈاکٹر کی طرف رجوع ہونے لگے چنانچہ چند ہی دنوں میں پھر اُس کی پہلی سی شہرت اور قدر ہونے لگی۔

ابراہیم عادل شاہ کی اولاد بادشاہ کے چار فرزند اور دو لڑکیاں تھیں :-

(۱) درویش بادشاہ - از بطن ملکہ جہاں -
(۲) سلطان سلیمان از بطن کمال خاتون -
(۳) سلطان محمد از بطن تاج سلطانہ -

(۴) - کم سن شیر خوار بچہ از بطن سندر محل -

(۵) سلطان بیگم - (۶) فاطمہ سلطان عرف بادشاہ صاحبہ -

اخلاص خاں حبشی جو بڑے خاں کے نام سے مشہور تھا اور وزیر اعظم اور بادشاہ کے مزاج میں ایسا دخیل تھا کہ بلا اُس کی مشورت کے تنکہ ادھر کا اُدھر نہ ہو سکتا تھا اور دیانت الملک شیرازی جو شہنواز خاں کا داماد تھا منصب کار ملکی سے سرفراز تھا اور امین الملک آقا رضا شیرازی جو جہات مالی و ملکی کی خدمت سر خیلی رکھتا تھا اور جسے بادشاہ بہت چاہتا تھا اور "نواب خاں بھائی" پکارتا تھا اور بہت سے ارکان و اعیان سلطنت و برہمنان سب کے سب درویش بادشاہ کی طرف تھے لیکن بادشاہ اُسکی ماں سے کسی بات پر ناراض ہو گیا تھا اور اس وجہ سے درویش بادشاہ نظر سے گر گیا جب بادشاہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اُس نے مرزا محمد امین لاری کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ اخلاص خاں تو جو میں کہوں گا وہ کرے گا لیکن دیانت الملک وغیرہ میرے بعد درویش بادشاہ کو تخت پر بٹھلانا چاہتے ہیں میں تم سے بار ہا کہہ چکا ہوں کہ اگر ایسا ہو گا تو قطب شاہ کا سا حال ہو جائے گا کہ تمام پردیسی اور شیعہ بھر جائیں گے اور ملک برباد ہو جائے گا - میں کسی حالت میں اس بات پر راضی نہیں ہوں میری اولاد میں ہر اعتبار سے سلطان محمد لائق و فائق ہیں نے میرے بعد تم کو مختار کیا ہے تم سر مو میرے حکم کے خلاف نہ کرنا - میرزا محمد امین نے بادشاہ کے ارشاد کو بسر و چشم قبول کیا - لیکن عرض کی کہ میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں حضور انور میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک فرما دیں - ارشاد ہوا کہ جس پر تم کو بھروسہ ہو اُس کا نام لو - محمد امین نے دولت خاں کا نام لیا بادشاہ نے کہا کہ تم کو اختیار ہے مگر مجھے اُس پر بھروسہ نہیں کہ وہ کمینہ ہے جو دراصل مرہٹہ تھا جس کا نام اصلی دولیا تھا جس کو ہم ہی نے دولت خاں بنایا - ایک دفعہ بادشاہ شکار سے شب کے وقت واپس آیا تو دولت خاں نے فوج کے لئے دروازہ نہ کھولا اور کہا کہ جب تک بادشاہ کو میں نہ دیکھ لوں دروازہ نہ کھولوں گا - بادشاہ کے آتے ہی اُس نے دروازہ کھول دیا مگر یہ امر ناگوار خاطر عاطر ہوا اور اسی وقت دولت خاں کو خدمت حوالداری سے معزول کر کے قید کر دیا لیکن پھر محمد امین کی سفارش سے اُسے خدمت حوالداری پر بحال کر دیا اس خیال سے بادشاہ کو دولت خاں پر بھروسہ نہ تھا -

ابراہیم عادل شاہ کا کیرکٹر ابراہیم عادل شاہ نے ۴۹ سال سلطنت کی۔ پادشاہ صورت اور سیرت دونوں میں ممتاز تھا۔ نہایت شکیل۔ حد درجے کا رعیت پرور اپنی رعایا کی فلاح و بہبودی کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ علم کا بڑا قدر دان تھا۔ علماء و فضلاء اور ذی علم لوگوں کی بڑی جگہہ اُس کے دل میں تھی اکثر بزرگان دین اسی کی سلطنت میں بیجاپور آئے۔ شعراے نامور بھی اسی کے زمانے میں آئے۔ ملا ظہوری وغیرہ ہر فن کے صاحب کمال اور ہر ہنر کے اُستاد اور کامل اس کے وقت میں جمع تھے۔ محمد قاسم فرشتہ مشہور مورخ۔ میر رفیع الدین شیرازی جامع تذکرۃ الملوک بھی اسی کے دور میں تھے۔ بڑا منصف مزاج۔ شجیع اور رحم دل تھا۔ صنعت اور دست کاری کا بڑا قدر دان تھا خود پادشاہ کو خطاطی۔ نقاشی اور مصوری میں کمال تھا۔ خط ثلث اور نسخ اور نستعلیق وغیرہ بہت خوب لکھتا تھا اور اسی طرح فن موسیقی اور نغمہ پردازی میں ایسی دست گاہ رکھتا تھا کہ دور دور سے لوگ سمٹ آئے تھے۔ اس جانب اس قدر رجحان طبع تھا کہ ہندو گویوں کی توقیر بہت کچھ بڑھ گئی تھی جس سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اہل ہنود اور ان کے دیوتاؤں سے حسن عقیدت رکھتا ہے۔

ابراہیم عادل شاہ کے وقت کی عمارات وغیرہ سنہ ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں سات کھم کا محل بنوایا جو اب "سات منزلی" کے نام سے مشہور ہے۔ دل کشا محل۔ حیدر برج جو عوام میں اُپری برج مشہور ہے۔

سنہ ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء مسجد ملکہ جہاں۔

سنہ ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء انند محل۔

بنائے شہر نورس پور سنہ ۱۰۰۸ھ سے سنہ ۱۰۱۴ھ تک

سنہ ۱۰۰۹ھ سنگت محل عرف نورس محل۔

سنہ ۱۰۳۴ھ تباہی نورس پور۔

تعداد لشکر۔ سواراں باون ہزار۔ احشام ایک لاکھ۔ فیلان ۹۵۵۔ مطربان و مغنیان و سازندگان ۵۱۴۴ جن کے شاگرد وغیرہ ملا کر تین چار ہزار کی تعداد تھی۔

ساتواں باب

سلطان محمد عادل شاہ ۱۶۲۷-۵۵ء

کہ شاہا بقائے تو جاوید باد | لوائے تو برتر ز خورشید باد
سزد تخت گاہت قضائے سپہر | منور بہ انوار رخسار مہر
جہاں بہ کہ سیر مہ و خور مدام | موافق بہ حکمت شود صبح و شام
سزد گر ز ملک یمن تا ز چیں | سلاطین ایران و توراں زمیں
بہ خدمت ببندند پشت و کمر | نہ پیچد کس از طوق فرمانت سر

سلطان محمد عادل شاہ کی تخت نشینی ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء

ابراہیم عادل شاہ کی خبر مرگ کو مرزا محمد امین اور دولت خاں نے مخفی رکھ کر شہر کے دروازے بند کر دیئے صرف کھڑکیاں کاروبار کے لئے کھلی رکھیں۔ اخلاص خاں۔ دیانت الملک۔ آقا رضا متصدیان مہام کو بلا کر دیوان خانے میں بٹھلایا اور خواجہ سراؤں نے آکر بادشاہ کی طرف سے اخلاص خاں کو کہلا بھیجا کہ حضرت جہاں پناہ کا حکم ہی کہ سلطان محمد کو تخت پر بٹھلایا جائے۔ دیانت الملک نے کہا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہی کہ بڑے کو چھوڑ کر چھوٹے کو مالک تخت و تاج کیا جائے یہ تو وہی مثل ہوئی کہ سر کو چھوڑ کر گھٹنے پر سہرا باندھا جائے۔ دولت خاں بہت تیز مزاج تھا اُس نے دیانت الملک کو ڈانٹا کہ آپ سے کون پوچھ رہا ہی خواہ مخواہ دخل در معقولات دیتے ہو آپ خاموش رہیئے۔ دولت خاں نے اخلاص خاں سے پوچھا کہ آپ فرمایئے کہ آپ کی کیا رائے ہی۔ اخلاص خاں نے کہا کہ بڑی صاحبہ سے پوچھو میں بادشاہ کے بعد خود کنارہ کش ہونے والا ہوں۔ درویش بادشاہ اور سلطان محمد میں کچھ نہیں جانتا کہ دونوں میرے مالک ہیں میں کس کو ترجیح دوں جس کو بڑی صاحبہ فرمائیں اُسی کو تخت نشین کرو۔ دولت خاں اُٹھ کر بڑی صاحبہ کے

دربار میں گیا اور عرض کیا جواب ملا کہ جس کو بادشاہ نے کہا ہے اُسی کو بٹھلاؤ۔ پس مرزا محمد امین اور دولت خاں نے بتاریخ ۱۱ محرم الحرام سنہ ۱۰۳۵ھ ڈھائی بجے دن کے شاہزادہ سلطان محمد کو جس کی عمر پندرہ سال کی تھی تخت پر بٹھلا دیا اور اخلاص خاں کو رخصت کرکے دیانت الملک اور آقا رضا اور برہمنان وغیرہ کو محل میں قید کر دیا۔ بادشاہ کو تجہیز و تکفین کے بعد روضہ نور زہرہ پور میں جو اُس نے خود زہرہ سلطان کے واسطے بنوایا تھا دفن کیا اس کے بعد۔ درویش بادشاہ کو مکحول کر دیا سلیمان کی چھنگلی کاٹ دی اور چھوٹے بچے کو بھی ناقص کر دیا۔ دیانت الملک اور آقا رضا اور برہمنوں کو قید سے چھوڑ کر دوسرے دن دربار ہوا اور نذریں ہوئیں۔ تاریخ جلوس "وو کشورستان" ہے آقا رضا کو کار ملکی اور دیانت الملک کو سرخیلی کی خدمات سرفراز ہوئیں مرزا محمد امین لاری کو مصطفیٰ خاں اور دولت خاں کو خواص خاں کے خطابات سرفراز ہوئے۔

برہان نظام شاہ کی چڑھائی کیچ دہارور پر اور شکست ۱۰۳۵ھ

برہان نظام شاہ نے اپنے قدیم مقبوضات پر عمل دخل حاصل کرنے کے لئے سلطان محمد کے جلوس کے سال اول ہی میں کیچ دہارور پر چڑھائی کر دی۔ عادل شاہیوں کا لشکر اُن کے مقابلے پر پہونچا اور ایک خوں ریز لڑائی کے بعد نظام شاہ کو شکست دے کر وہیں آرام لینے کو چند روز ٹھیر گئے۔ نظام شاہیوں نے اِن کو غفلت دے کر سعادت خاں اور اعتبار خاں کو پکڑ لیا لیکن نظام شاہ نے اُن سے کچھ بدسلوکی نہیں کی بلکہ گھوڑے اور خلعت دے کر اجازت دی تب عادل شاہیوں کی فوج وہاں سے اُٹھ کر دریائے کرشنا کے کنارے آن پڑی۔

برہان نظام شاہ کی دوبارہ چڑھائی بیجاپور اور پھر شکست پانا

اس کے کچھ دنوں بعد حمید خاں کے اغوا سے نظام شاہ نے بیجاپور پر دوبارہ لشکر کشی کی اور لوٹتا مارتا شہر بیجاپور تک پہونچ گیا عادل شاہ نے نواب خان بابا۔ اخلاص خاں۔ اعتماد خاں سرنوبت اور دوسرے امراء کے ساتھ مقابلے کے لئے فوج بھیجی اور کدری کنور پر دونوں عساکر کی مٹھ بھیڑ ہوئی اور بڑی گھنگھور لڑائی کے بعد حمید خاں سر لشکر پسپا ہوا اور لشکر عادل شاہی فتح یاب ہو کر داخل بیجاپور رہا۔

کدم راؤ گورنر ہنکا پور کی بغاوت اور اُس کا قتل

اس کے بعد ہی کدم راؤ حاکم قلعہ ہنکا پور کی بغاوت کی خبر ملی کہ اُس نے گرد و نواح میں اودھم مچا رکھی ہے- عادل شاہ نے اُس کی سرکوبی کے لئے میر علی رضا کو بھیجا- علی رضا جوں ہی قلعہ ہنکا پور کے پاس پہنچا دیکھا تو کدم راؤ مقابلے کے لئے بالکل طیار بیٹھا تھا اور ایک سال تک برابر اُس سے جھڑپ ہوتی رہی اور آخر کار بہت سی لڑائیوں کے بعد کدم راؤ گرفتار کیا گیا اور قتل بھی کیا گیا اس کے بعد رضا علی بیجاپور واپس آیا-

امرائے نظام شاہی کی باہمی مخالفت زوال سلطنت اور برہان نظام شاہ کی وفات

حمید خاں جو وکیل السلطنت تھا اُس سے اور ملک عنبر کے بیٹے فتح خاں سے ناچاقی تھی جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ حمید خاں نے برہان نظام شاہ کو فتح خاں کی طرف سے خوب بھرا اور آخر کار اُسے ایک قلعہ میں قید کرا دیا یہہ حالت دیکھ کر دوسرے امرا کو اپنی اپنی پڑ گئی نہیں معلوم کہ ہماری کیا گت بنے سب نے یہاں سے بھاگ کر مغلوں کی پناہ میں جانے کا ارادہ کر لیا- برہان نظام شاہ کو بھی امرا کی بد دلی کا حال معلوم ہو گیا- اخلاص خاں اور حمید خاں سے بادشاہ نے کہا کہ جادو راؤ بھی بدل کر بیٹھا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ مغلوں سے جا ملے تو بڑی خرابی ہو جائے گی کہ وہ ہمارے کچے چٹھے سے واقف ہے- اخلاص خاں اور حمید خاں نے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ جادو راؤ کو قید کر کے اُس کے بیٹے اچلوجی کو کسی قلعہ کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا جائے بادشاہ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور فرہاد خاں اور صفدر خاں کو حکم دیا کہ موتی خاں ٹکسالہ کی مدد سے جادو راؤ کو قید کر لیا جائے چنانچہ جادو راؤ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ دربار سے اُٹھ کر خلوت خانے میں چلا گیا فرہاد خاں- صفدر خاں اور موتی خاں تینوں جادو راؤ اور اُس کے بیٹے اچلوجی پر جا گرے اور اُن کی تلواریں چھین لیں یہ دونوں بھی بہادر تھے مجلس کا رنگ بے رنگ دیکھ کر کٹاریں نکال کر مقابلے پر آمادہ ہو گئے- صفدر خاں کے ہاتھ سے جادو راؤ مارا گیا اور اچلوجی گرفتار ہو گیا- بھنوجی جادو جی کا بھائی تھا- قتلغ خاں کے حوض کے پاس اُترا ہوا تھا یہ خبر سنتے ہی بھاگا اور سیدھا مغلوں کی پناہ میں جا گھسا- شاہ جی بھونسلے جو جادو راؤ کا داماد تھا وہ قلعہ پرینڈہ کے حوالی میں تھا وہ بھی اس خبر کے سنتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا

اور لوٹتا مارتا پوٹنے[۵] پونہچ کر ایک شورش عظیم برپا کردی اور اطراف و اکناف کے ملک نظام شاہ اور عادل شاہ دونوں میں ہلکم مچا دی۔ خواص خاں کو جب اس لوٹ مار کی خبر پونہچی تو اُس نے بیجاپور سے مُراری پنڈت کو اس کے مقابلے کو بھیجا۔ شاہ جی نے جب دیکھا کہ اب خیر نہیں تو سنہ ۱۰۴۴ھ کو جو سہرنا ایک قلعہ جنیر کا تھا اُس کو ملا کر قلعہ میں جا بیٹھا۔ مراری پنڈت نے پونا اور اندا پور وغیرہ مقامات مقبوضہ شاہ جی کو خوب لوٹا اور جلا کر خاکستر کر دیا اور وہاں سے بھولیشور کے پہاڑ کی طرف چلا گیا جو پونے سے سوطا کوس ہے اور وہاں ایک قلعہ بنانا شروع کیا۔ آبا راو کو دو ہزار سوار دے کر

---

[۵] بمبئی سے ۱۹۱ میل ہے جی۔ آئی۔ پی اور سدرن مرہٹہ ریلوے کا جنکشن ہے۔ ملک دکن کا ایک بڑا شہر ہے جس کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور معتدل ہے خصوصاً ماہ جون سے ستمبر تک بہت اچھا موسم رہتا ہے۔ بارش کا اوسط (۲۹) انچہ ہے موسم میں بارش میں گورنر بمبئی پونے میں رہتے ہیں بمبئی پریزیڈنسی کی فوج کا مستقر ہے۔ آبادی ایک لاکھ نفوس کی ہے جس میں زیادہ تر ہنود ہیں۔ پونے کی شہرت ملک دکن میں زیادہ تر اس سبب سے ہے کہ مدتوں تک پیشواؤں کا دار السلطنت رہا ہے۔ یہاں کی مشہور مصنوعات مٹی اور گنٹے کی پتلیاں اور مورتیں ظروف مسی و برنجی پارچۂ ریشمی و زریں ہیں۔ یہ شہر مولا ندی کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ تھوڑی دور آگے چل کر مولا اور موٹھا دونوں ندیوں کا سنگم ہو گیا ہے۔ پاربتی کا دیول بہت مشہور ہے جو اسی نام کے پہاڑ پر شہر کے جنوب و مغربی گوشہ میں واقع ہے۔ یہ مقام قابل دید ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں ہیرا باغ ہے جو پیشواؤں کا تفرج گاہ تھا اور اب اس میں ٹون ہال ہے۔ پونے میں عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے بڑے بڑے گرجا ہیں۔ مشہور عمارات کونسل ہال۔ دکن کالج سیول انجنیرنگ کالج۔ یروڈا سنٹرل جیل۔ محکمہ فنانس۔ ڈیوڈ ساسون ہاسپٹل۔ ڈاک خانہ۔ گورنمنٹ ہوس اور بوٹینکل گارڈن پونے چار میل کے فاصلے پر گنیش کھنڈ میں ہے کھڑکی جہاں بہت بڑی فوجی چھاؤنی ہے پونے چار میل ہے جہاں بڑا بھاری کارخانہ باروت اور تیار رینا کا ہے جس کی ہیں تمام بمبئی پریزیڈنسی میں تقسیم کی جاتی ہے۔ مولا اور موٹھا پر ایک بہت بڑا بند باندھا گیا ہے جس کا آبشار بہت دلکش اور خوش نما ہے۔ یہ بہت خوش نما ہے اس مقام پر ایک نہایت نفیس باغ ہے غرض یہ مقام بلحاظ بے نظیر منظر کے قابل دید ہے۔ آب ساتی کا بڑا کارخانہ پونے سے دس میل کی کتر واسلے میں ہے جہاں سے نہ صرف سارے شہر اور چھاؤنی میں پانی پونہچتا ہے بلکہ اس سے بہت سی زراعت تری کی بھی ہوتی ہے۔ سنگڑھ اور پوربندھر کے مشہور قلعہ پونے سے دس اور بیس میل علی الترتیب ہیں یہ مقامات اب بطور صحت گاہ کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کوہ مہابلیشور سدرن مرہٹہ ریلوے کے واٹھر سٹیشن سے (۴۰) میل ہے۔ گرمیوں میں گورنر اسی پہاڑ پر رہتے ہیں۔ سطح سمندر سے ساڑھے چار ہزار فٹ بلند ہے۔ واٹھر ٹانگہ پر پانچ گھنٹے میں بہ آسانی پونہچ جاتے ہیں۔ پانچ گنی کا پہاڑ بھی واٹھر سے ۱۹ میل مہابلیشور کی سڑک پر ہے جہاں بارہ مہینے لوگ رہتے ہیں۔ یہاں یورپین لڑکوں کا سکول اور رومن کیتھولک کانونٹ بھی ہے۔

[۵۲] ضلع پونا کا ایک تعلقہ ہے۔

قلعہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور راجہ چندر راؤ اور باجی دلوے وغیرہ سرداروں کو فوج دے کر ملک کوکن کی طرف بندر دابل کو روانہ کیا اور خود بیجاپور کو چلا آیا۔ شاہ جی جو قلعہ جنیر میں سرہنا اس کی پناہ میں تھا اس کے رہنے سہنے کا ٹھکانا کہیں نہ تھا اس نے بھیم گڑھ میں ایک پرانے افتادہ قلعہ کو جو مدتوں سے ویران پڑا تھا از سر نو تعمیر کرایا اور شاہ گڑھ نام رکھا اور رفتہ رفتہ چھ ہزار سوار جمع کر کے ملک بالا گھاٹ میں جنیر سے سنگمنیر سے لے کر احمد نگر اور دولت آباد تک فتح کر لیا اور اپنے قدم خوب جما لئے۔ ادھر باجی دلوے نے دابل سے باٹ کر جہار کورے گاؤں نظام پور اور بہت سا سیر حاصل ملک دبا لیا۔ سدی مرجان نے جو برہان نظام شاہ کی طرف سے ملک کوکن کا گورنر تھا ان کا بہت کچھ مقابلہ کیا لیکن خود مارا گیا۔ یوں نظام شاہیوں کا بہت سا ملک نکل گیا اور عادل شاہیوں نے بندر چیول تک سارا ملک اپنے قبضے میں کر لیا۔ برہان نظام شاہ نے جب سدی مرجان کی شکست کی خبر سنی تو سدی سابا عنبر خانی کو اخلاص خاں کی فوج دے کر عادل شاہیوں کے مقابلے کو بھیجا۔ سدی سابا پونے اور جنیر کا گھاٹ اتر کر چیول کے بندر میں جہاں عادل شاہی فوج پڑی ہوئی تھی پہنچا اور دونوں کا مقابلہ کولا[ف۱] مقام پر ہوا اور بہت بڑی لڑائی ہوئی اس میں باجی دلوے مارا گیا اور باقی لوگ بھاگ گئے اس لڑائی میں نظام شاہ کو فتح ہوئی۔ سدی بابا نے پھر چیول وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا اور دو ہاتھی جو نظام شاہ کے ان کے پاس تھے وہ بھی واپس لے لئے اور کلیان[ف۲] میں مقام کیا۔ یاقوت خاں اور داجی رام نے برہان نظام شاہ کی خدمت

ف۱ اسٹیشن پورنگ پیٹ مدراس سے (۱۷۶) میل ہے۔ یہاں سے کولار کے معدن طلا کو ایک شاخ گئی ہے جس کا فصل (۸) میل ہے۔ تمام دنیا میں سب سے مشہور معدن طلا یہی ہے جس کا تعلق ریاست میسور سے ہے۔ اس معدن میں تیس ہزار آدمی (جن میں یورپین اور مکینیکل انجنیئر وغیرہ ماہر فن بھی ہیں) شبانہ روز کام کرتے ہیں۔ اس مقام پر سائنس کی بے انتہا قوت اور انواع و اقسام کے اختراعات اور زمانہ حال کی نو ایجاد کلیں دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ف۲ بمبئی سے (۳۴) میل جی۔ آئی۔ پی۔ ریل کی شمال و مشرقی اور جنوب و مشرقی لینوں کا جنکشن ہے۔ مئی کے مہینے میں یہاں مسلمانوں کا ایک بہت بھاری میلا "بندر میلا" ہوتا ہے۔ اینٹ اور کھپریل کی بھٹیاں یہاں کثرت سے ہیں۔ کلیان سے چار میل کے فاصلے پر امبرناتھ کا مشہور مندر ہے۔ اسٹیشن سے ملی ہوئی برکی بائی کی اسپتال زیر نگرانی گورنمنٹ ہے۔ کلیان ایک بہت پرانا بندر گاہ ہے۔

میں معروضہ لکھا کہ ایسے وقت میں مغلوں کی فوج ہمارے سر پر پڑی ہوئی ہے ملک میں اس طرح کے اندرونی فسادات بہت خطرناک ہیں۔ جادوجی اس سلطنت کا قدیم امیر ہے اُس سے بگاڑنا اور اُس کو دشمن بنانا بالکل خلاف مصلحت ہے جس کی وجہ سے سارے ملک میں شورش بپا ہو گئی ہے اب آپ کے پاس ایسا کون رہ گیا ہے جو مہام سلطنت کو انجام دے سکے اور مغلوں جیسے قوی دشمنوں سے مقابلہ کرسکے اس لئے ہم خیرخواہاں سلطنت کی صلاح یہ ہے کہ فتح خاں کو (جو صاحب شمشیر اور مدبر دونوں ہے اور جس کے باپ (سدی عنبر) نے ساری عمر آپ کی خیرخواہی اور نمک حلالی میں گزاردی ہے اور بڑی بڑی قابل قدر خدمات کی ہیں) قید سے آزاد فرماکر اُس کی کامل تشفی اور دلجوئی کی جائے اور اُس سے ایسے نازک وقت میں کام لیا جائے۔ بادشاہ نے امرائے دربار سے مشورہ کیا امراء نے کہا کہ فتح خاں ایسا کون سا بڑا سورما ہے اور پھر اُس کا دل کب صاف ہوسکتا ہے وہ نہایت خودرائے اور فتنہ انگیز ہے بگڑا نوکر دشمن برابر ایسا نہ ہو کہ وہ برسر اقتدار ہوتے ہی کھل کھیلے اور کی کرائی محنت سب اکارت جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں ایسا کبھی نہ ہوگا میں اُس سے اچھی طرح پکّی کرلوں گا اور قرآن پر قسم کھلواؤں گا۔ امراء نے کہا کہ بہت خوب جو حضرت کی مرضی مبارک ہو ہم بھی راضی ہیں ہم تو صرف ملک و دولت کی بہتری کے خواہاں ہیں۔ الغرض بادشاہ نے اخلاص خاں۔ فرہاد خاں اور صفدر خاں کو بھیج کر قلعہ سے طلب کیا۔ فتح خاں پالکی میں بیٹھ کر نکلا لوگوں نے پردہ ڈال دیا فتح خاں نے کہا کہ پردہ کیوں ڈالتے ہو اور پردہ اُلٹ دیا تمام لوگ فرحاں و شاداں سلام کرتے تھے اور جو دیکھتا تھا باچھیں کھل جاتی تھیں اور کہتا تھا کہ عنبر کا چراغ ہے۔ فتح خاں خیرات بکھیرتا ہوا دربار میں پونہچا بادشاہ نے بہت عزت و توقیر سے لیا اور قول و قرار واثق دے کر خلعت سرفراز کیا اور کہا کہ اپنے باپ کی طرح بادشاہ و ملک کی خیرخواہی میں سر مو فرق نہ کرنا۔ فتح خاں کی اقامت کے لئے صلابت خاں کا محل ملا اور ملک کا نظم و نسق چندروز بہت عمدگی سے چلتا رہا کہ یکایک برہان نظام شاہ کو جنون ہوگیا فتح خاں نے بہت کچھ علاج معالجہ کیا بادشاہ کو محل شاہی سے اپنے محل میں لے آیا اور خود دوسری جگہ جا ٹھہرا دو مہینے تک برابر علاج ہوتا رہا آخرکار انتقال کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فتح خاں کی سازش سے ایسا ہوا واللہ اعلم بالصواب۔

زوال سلطنت نظام شاہی کے دوسرے اسباب۔ شاہ جہاں بادشاہ کے ایلچی کا بیجاپور آنا اور سلطنت نظامی شاہی کی نصفا نصف تقسیم کا معاہدہ ۱۰۳۶ھ

ناظرین سے مخفی نہ ہوگا کہ سلطان غفران پناہ ابراہیم عادل شاہ کا سلوک نظام شاہیوں سے پدرانہ رہا ہے اور جب جب ضرورت ہوئی ہر طرح کی مدد دی اور ان کی عزت کو بہ مصداق حق الجار مقدم علیٰ سبحٰ بڑھاتا ہی رہا لیکن نظام شاہیوں کی ناشکر جماعت نے نیکی کا بدلا بدی ہی دیا اور جب دیکھو سلطنت عادل شاہی پر ہی چڑھ چڑھ کر آتے تھے جس ہانڈی میں کھائیں اسی میں چھید کریں لیکن باایں ہمہ ابراہیم عادل شاہ کے دل میں ذرا ہراس نہ آیا اور مغلوں کے حملے میں اگر وہ مدد نہ کرتا تو کبھی کے یہ خاک میں مل چکے ہوتے مگر ابراہیم عادل شاہ کی پالیسی یہ تھی کہ نیکی کن و بدریا انداز۔ وزیر السلطنت خان خاناں بار ہا اکبر اور جہاں گیر سے ابراہیم کے متعلق کہا کرتا تھا کہ وہ ایسا زبردست شخص ہے کہ اگر کسی کم زور کی طرف ہو جائے تو کاہ کو کوہ بنا دے اور اگر دشمن کوہ ہو تو اس کے دبدبہ اور جبروت سے دم میں کاہ ہو جائے۔ الغرض ابراہیم کا دلی مقصد یہ تھا کہ Buffer State ہے یعنی سرحدی ملک ہے اس کی دولت و ثروت قائم رہے اسی وجہ سے سدی عنبر پر عنایت بے غایت تھی اور ابراہیم ہی کی پشتی لینے سے وہ کیا سے کیا ہو گیا لیکن بہ مصداق۔ ع

اصل بد از خطا خطا نہ کند

سدی عنبر اپنی اصالت پر گیا اور بھتوڑی کی جنگ میں اور علی الخصوص نورس پور کی تباہی میں جو حرکات گستاخانہ اور ناشائستہ سدی عنبر سے ظہور میں آئے ابراہیم کو از حد ناگوار ہوئیں ۔ ٥

آزار از جراحت بیگانگاں رسد ۔۔۔ مرہم منہ کہ زخم دل از آشنا رسید

ابراہیم عادل شاہ گو کوہ تمکنت تھا اور اس کے دل میں مادہ درگزر کا تھا مگر پھر بھی ۔ ع

دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ الْحَلِیْمِ بادشاہ نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب کی دفعہ نظام شاہیوں کا نام و نشان مٹا دوں گا لیکن من درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال - ابراہیم عادل شاہ کی حیات مستعار نے وفا نہ کی ورنہ وہ نورس پور جیسے بنے بنائے شہر کو اس بے دردی سے تباہ کرنے کا بدلہ گن گن کر لیتا

یہی وجہ تھی کہ مصطفیٰ خاں دانت پیس رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اگر بدیر نہ تو اندیشہ تمام کند اب ان کا
کھوج مٹا دوں وہ خود بھی نظام شاہیوں کا جانی دشمن تھا کہ سدی عنبر نے ملّا بابا کا سر کاٹ لیا تھا
جو مصطفیٰ خاں کا خسر تھا ان ہی دو وجوہ سے مصطفیٰ خاں کی دلی خواہش تھی کہ مغلوں کا ساتھ دے کر
نظام شاہیوں کی بیخ کنی کی جائے۔ اتفاقاً ۱۰۳۸ھ میں شیخ معین الدین شاہ جہاں بادشاہ کا
ایلچی دہلی سے تہنیت نامہ جلوس کا لے کر بیجاپور پہنچا۔ مصطفیٰ خاں نے یہ موقع غنیمت جان کر
ارادہ کیا کہ ان سے مل کر نظام شاہیوں کا قلع قمع کر دیں اور آدھا ملک ہم مغلوں کو دے کر بقیہ نصف
خود لے کر نورس پور کی ویرانی اور بربادی کا معاوضہ لے کر دل ٹھنڈا کریں۔ مصطفیٰ خاں نے
اس معاملہ اہم دسترگ میں خواص خاں سے مشورت کی۔ خواص خاں بڑا جہاں دیدہ شخص تھا
اُس نے صاف کہہ دیا کہ خدارا کہیں ایسا غضب نہ کرنا ورنہ اُلٹے لینے کے دینے پڑ جائیں گے
ایسا نہ ہو کہ نیکی برباد گنہ لازم مغل ہم ہی پر ہاتھ صاف کریں اور ہمارا دم مفت ہی نکل جائے
مگر اس کی صلاح مصطفیٰ خاں ماننے والا نہ تھا ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ بہت سے امرا خاندان
نظام شاہی کی بربادی کے خلاف تھے چنانچہ قاضی سعید جو رندولہ خاں کا وکیل اور ایک بڑے
پایہ کا امیر تھا اُس نے جرأت کر کے سخت اختلاف کیا اور عرض کی کہ بجائے اس کے کہ ہم
نظام شاہی سلطنت کے مٹانے کی کوشش کریں ہم کو اپنے مصالح کے لحاظ سے اُس خاندان
کی پرداخت اور تقویت کی کوشش کرنی چاہیے۔ علاقہ نظام شاہ ہمارے اور مغلوں کے
درمیان ایک بڑی حد فاصل ہے اگر وہ نہ رہے تو براہ راست ہم کو مغلوں سے سابقہ پڑے گا
اب تو بندر کی بلا طویلے کے سر نظام شاہی سب بلا جھیل لیتے ہیں اور جب یہ آڑ اٹھ گئی تو ہم کو
سخت مشکل کا سامنا ہوگا۔ اس معاملے میں مصطفیٰ خاں اور سعید خاں کے باہم سخت
جھگڑا ہو گیا۔ خواص خاں بے چارہ سخت مشکل میں پڑ گیا اور سمجھ گیا کہ چلے گی مصطفیٰ خاں
ہی کی ناچار اُس کے ہم زبان ہونا پڑا پھر دیر کیا تھی فوراً لشکر جمع کیا گیا اور رندولہ خاں کی
سرکردگی میں ایک بڑی فوج مغلوں کی مدد کو بھیجنا قرار پایا اور مغلوں اور عادل شاہیوں میں
عہد و پیمان واثق نظام شاہی سلطنت کی نصفا نصف تقسیم کا ٹھہر گیا۔ سلطان محمد نے
شیخ معین الدین ایلچی کو خلعت وغیرہ دے کر رخصت کیا لیکن امرا میں سخت ناچاقی ہوگئی اور

بیشتر امرائے مصطفیٰ خاں سے بدظن ہو گئے کہ ع

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

تھوڑے ہی دنوں میں مصطفیٰ خاں اور خواص خاں کے آپس میں سخت مخالفت اور دشمنی ہو گئی دہلی کے ایلچی کی واپسی کے چند روز بعد خبر ملی کہ مغلوں ہی کی طرف سے عہد شکنی ہوئی اور مغلوں کی فوج چڑھتی چلی آرہی ہے اور قلعہ کیسوا تک پہنچ گئی ہے۔ سلطان نے فوراً ملک مرجان کے پاس قاصد دوڑایا اور شیخ معینا (معین الدین) کو راستے میں سے پکڑوا کر قید کر دیا۔

بیجاپور پر شاہ جہاں کے لشکر کی چڑھائی اور مغلوں کی غیر معمولی شکست

شاہ جہاں کی طرف سے خواجہ ابوالحسن دیوان و بخشی پہلے ہی سے ملک دکن میں نظام شاہ کے ملک کی تسخیر کے لئے برہان پور میں مقیم تھا اُس نے ارادت خاں کو نظام شاہ کی طرف بھیجا اور نصرت خاں کو قندہار۔ نصرت خاں نے قلعۂ قندہار کا فتح کر لیا اور ارادت خاں نے قلعۂ پرینڈہ کا رُخ کیا لیکن وہاں کامیابی کی امید نہ ہونے سے قلعہ دہارور کو فتح کیا۔ اسی اثناء میں شاہ جہاں کو شیخ معین الدین کے قید ہو جانے کی خبر ملی۔ بادشاہ نے نور جہاں بیگم کے بھائی آصف خاں کو جو ایک بڑا امیر تھا مع دیگر امرائے عظام کے بیجاپور بھیجا۔ آصف خاں برہان پور آکر ابوالحسن اور ارادت خاں کو ساتھ لے لوٹتا مارتا گلبرگہ تک آیا اور وہاں سے سیدھا بیجاپور کے قلعہ کی فصیل تک پہنچا اور اپنا لشکر جرار رنگریزوں کے تالاب کے پائین میں ڈال دیا اور روزانہ چھوٹی موٹی لڑائیاں ہونے لگیں مگر ایک دن بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں سکندر علی خاں ایک نامور سردار دہلی کا مارا گیا اس کے بعد پانچ چھ دن تک مغل بیجاپور کا محاصرہ کئے پڑے رہے اور طرح طرح کے مظالم کرنے لگے امرائے دکن اُن کی شورہ پشتی کی تاب نہ لا سکے اُن کی رگِ حمیت جوش میں آئی اور دلاوری اور شجاعت کی خوب داد دی اور ایسی جان توڑ کر لڑے کہ مغلوں کو شکست ہوئی اور دکھنیوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ مراری پنڈت مغلوں کی فوج اپنی سرحد سے باہر کر کے قلعۂ پرینڈہ میں آن بیٹھا۔

توپ ملک میدان قلعۂ پرینڈہ سے بیجاپور پہنچی سنہ ۱۰۴۲ھ

برہان نظام شاہ کی طرف سے آقا رضوان پرینڈہ کا قلعہ دار تھا اُسی نے قلعہ مذکور عادل شاہیوں کے

سپرد کر دیا تھا۔ آصف خاں کے تعاقب کے بعد مراری پنڈت پرینڈہ کے قلعہ میں آگیا تھا۔ بادشاہ نے کہ توپ ملک میدان بیجاپور طلب کی۔ یہہ توپ اتنی بھاری تھی کہ آج سارے ہندوستان میں ایسی گراں ڈیل دوسری توپ نہیں مگر بادشاہ کا حکم قضا شیم سر آنکھوں پر تھا خدا جانے کیا کیا مشکلات پیش آئیں مگر بھجوا تو دی جو ۱۵ صفر ۱۰۴۱ھ کو اُس برج پر چڑھادی گئی جو مابین مکہ دروازہ اور شاہ پور دروازے کے ہے اس توپ کا تفصیلی بیان عمارات بیجاپور کے ضمیمہ میں آئے گا۔

حسین نظام شاہ کی تخت نشینی مہابت خاں کا قلعۂ دولت آباد کا محاصرہ کرنا

جب آصف خاں کی شکست کی خبر شاہ جہاں بادشاہ کو پہنچی تو بادشاہ کو سخت قلق ہوا۔ بادشاہ نے فوراً مہابت خان صوبہ دار لاہور کو طلب کیا اور خاندیس کا گورنر مقرر کرکے ملک دکن کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ مہابت خاں ایک بہت بڑا لشکر لے کر برہان پور پہنچا۔ اس کے پہلے ہی برہان نظام شاہ مر چکا تھا اور فتح خاں نے حسین نظام شاہ پسر برہان شاہ کو جو صرف سات سال کی عمر کا تھا تخت پر بٹھا دیا تھا اور مہام سلطنت خود انجام دیتا تھا سایاجی انند جو ملک عنبر کا بڑا معتمد تھا اور سیواجی پنڈت متصدی اور سکو رام مکاسہ نویس جو اراکین سلطنت تھے فتح خاں کی دار و گیر سے گھبرا کر شاہ جہاں کے دامن میں جا چھپے باقی لوگ جلا وطن ہو گئے اور جہاں سینگ سمائے چلے گئے اور تمام سلطنت میں زیادہ سے زیادہ ایک ہزار سوار اور چند امرا اپنی جان مٹھی میں لئے ہوئے باقی رہ گئے اور اس زمانے میں قحط بھی ایسا سخت پڑا کہ غلہ کا دانہ نہ رہا آدمی آدمی کا گوشت کھانے لگا۔ لیکن قلعۂ دولت آباد میں کچھ ذخیرہ غلہ کا جمع تھا فتح خاں نے ہر گھوڑے کے لئے سیر بھر دانہ مقرر کیا اور لوگوں کو بھی بہت تنگی ترشی سے غلہ دیا جاتا تھا اس طرح بمشکل ایک سال تک گزر ہوئی۔ مہابت خاں کو جب امراء کے منتشر ہو جانے اور اس قحط کی خبر ملی تو اُس نے اِن سب بکھرے ہوئے امراء کو جمع کیا اور چالیس ہزار سوار جمع کرکے رندولہ خاں کی سرکردگی میں عادل شاہ کی فوج پہنچنے کے اول ہی قصبہ دولت آباد میں جا پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور افواج عادل شاہی و نظام شاہی قلعہ کے باہر پڑی ہوئی تھیں روزانہ چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ فتح خاں مع حسین نظام شاہ کے قلعہ کے اندر مورچہ بندی کئے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ یاقوت خاں احمد نگر سے جا کر پہلے ہی مغلوں کی فوج میں ملازم ہو گیا تھا وہ

اس وقت فتح خاں کو درپردہ خبریں پونچاتا رہتا تھا۔ مہابت خاں کو اس سازش کی بھنک پونچ گئی اور یاقوت خاں پر بہت خفا ہوا۔ یاقوت خاں فوراً بدل گیا اور کھلے خزانے اپنے چار ہزار سوار لے کر دکھنی لشکر میں جا ملا فتح خاں کو یاقوت خاں کا ایسے نازک وقت میں آجانا بس غنیمت ہوا۔ ان لوگوں نے چاروں طرف سے لشکر مغلیہ میں رسد آنی بند کردی اور غلہ کا ایسا توڑا پڑگیا کہ ایک پائلی (تین سیر) اناج ایک ہن کو بدقت ملتا تھا۔ سارا لشکر بھوکوں مرنے لگا۔ مہابت خاں نے تنگ آکر محاصرہ اٹھا دیا اور دو منزل گیا تھا کہ دکھنیوں نے پیچھا کیا اور لڑائی پھر ہونے لگی۔ ایک معرکہ میں بائیس زخم کھا کر یاقوت خاں بے چارہ جاں بحق ہوا۔ یاقوت خاں کا مرنا مہابت خاں کے لئے فال نیک تھا وہیں سے پھر پلٹا اور دوبارہ دولت آباد پونچ کر از سر نو لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ فتح خاں سخت مصیبت میں گھر گیا ادھر تو قلعہ میں رسد نکھڑ گئی اُدھر غنیم از سر نو آمادہ جنگ وجدال ہوا ناچار سلطان محمد کی خدمت میں امداد کی درخواست کی کہ اگر اس وقت آپ امداد کریں تو میں مغلوں کو پس پا کر کے قلعہ دولت آباد آپ کے حوالے کردوں گا۔

نظام شاہیوں کی مدد کے لئے مراری پنڈت کا دولت آباد پونچنا۔

سلطان محمد پہلے ہی رندولہ خاں کی سرکردگی میں لشکر بھیج چکا تھا اب دوسرا لشکر مع کافی رسد جنس وغلہ کے جمع کرنے کے لئے خواص خاں کو تاکید بلیغ کی عرصہ قلیل میں ادھر اُدھر سے سب فوج سمیٹ کر یک جا کی گئی اور مراری پنڈت کے ساتھ فوراً دولت آباد روانہ کی گئی اور سخت تاکید کردی کہ یلغار پونچ کر تم فوج سابق وحال کے ساتھ فتح خاں کی مدد کرو اور قلعہ کو مغلوں کے لشکر سے چھوڑانے میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر کے اُن کو پس پا کرو ہرگز اس میں فرق نہ آنے پائے۔ مراری کے پونچنے سے پہلے لشکر کا جی چھوٹ گیا یہ لوگ مراری سے خوش نہ تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ فتح کا سہرا اس کے سر رہے اس لئے ان لوگوں نے ایک دم لڑائی بند کردی۔ فتح خاں نے ہر چند مراری سے منت سماجت کی کہلا بھیجا کہ بادشاہ نے تمھارے ساتھ رسد جو ہمارے لئے بھیجی ہے خدا کے لئے جلد بھیجو کہ یہاں ایک دانہ کھانے کو نہیں ہے اور لوگ الجوع الجوع پکار رہے ہیں اور جاں بلب ہیں مگر مراری اس کان سنتا تھا اور اس کان اُڑا دیتا تھا جب فتح خاں نے کئی بار بہ اصرار تقاضا کیا تو مراری پنڈت نے بہت استغنا سے جواب دیا کہ

کہ رسد کا تقاضا کیوں کر رہے ہو تم کو رسد سے کیا غرض تم قلعہ خالی کر دو کنجیاں میرے حوالے کر دو میں جانوں اور قلعہ اگر سیدھی طرح تم قلعہ میرے حوالے کر دو تو تمھاری خیر ہے ورنہ یاد رکھو کہ میں تمھارے ہاتھ پاؤں باندھ کر قلعہ کے برج پر سے خندق میں ایسا دھکا دوں گا کہ تمھاری ہڈی پسلیاں چورا چورا ہو جائیں گی۔ مراری پنڈت اوندھی مت کا آدمی تھا نہ اس نے خواص خاں کے کہنے پر عمل کیا نہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی خلاصہ یہ کہ سامان رسد فتح خاں کو نہ دینا تھا نہ دیا۔

مغلوں کا قلعہ دولت آباد کو فتح کر لینا

فتح خاں نے جب دیکھا کہ مراری پنڈت کا یہ حال ہی کہ وہ میری کچھ سنتا ہی نہیں اور بجائے امداد کے اُلٹی کاٹ کر رہا ہی اس سے بہتر یہی ہی کہ مغلوں ہی سے کیوں نہ مصالحت کر لی جائے۔ ملک قطب محمد گجراتی اور بھاسکر راؤ اپنے دونوں معتمدوں کو صلح کے لئے مہابت خاں کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ قلعہ دولت آباد کو میں شاہ جہاں بادشاہ کے سپرد کرنے کے لئے اِس شرط پر آمادہ ہوں کہ آپ بھی میری چند شرائط قبول فرمائیں۔ مہابت خاں نے جب معتمدین کی گفتگو سنی تو اُس کی باچھیں کھل گئیں فوراً حسب خواہش فتح خاں کے عہد نامہ جو معاہدات موثق اور قسم ہائے شرعیہ و مغلظہ سے مستحکم تھا لکھ دیا کہ میں تم کو اور حسین نظام شاہ دونوں کو نہایت عزت و احترام سے بادشاہ کی حضور میں پہنچا کر مورد عنایت شاہی کراؤں گا اور حسین نظام شاہ کی بادشاہت اور تمھاری وکالت اور وزارت بدستور برقرار رہے گی اور ہر طرح تمھارا بہی خواہ اور ممد و معاون رہوں گا اور نیز چالیس ہزار اشرفیاں قلعہ سپرد کرنے کی آپ کو دوں گا اور یہ عہد نامہ اپنے فرزند ارادت خاں کے ساتھ بھیجا اور ساتھ ہی اس کے بہت سامان رسد بھی بھیج دیا۔ فتح خاں کا جب ہر طرح اطمینان ہو گیا اور چالیس ہزار اشرفیاں بھی مل گئیں تو قلعہ مہابت خاں کے سپرد کر دیا اور پانچ ہزار سوار لے کر برہان پور روانہ ہوا اور خان زماں خاں کو فتح خاں کے پیچھے لگا دیا کہ وہ ایک دم نظر سے اوجھل نہ ہونے دیتا تھا گویا فتح خاں نظربند تھا اسی طرح منزل بہ منزل جعفر آباد و مالیگاؤں تک پہنچے۔ ایک مقام پر کیمپ میں حسب معمول خیام اور سراپردہ کھڑے کئے گئے تھے لیکن مہابت خاں نے سراپردے کے پیچھے چند راجپوتوں کو بٹھلا دیا اور فتح خاں کو بلوا بھیجا
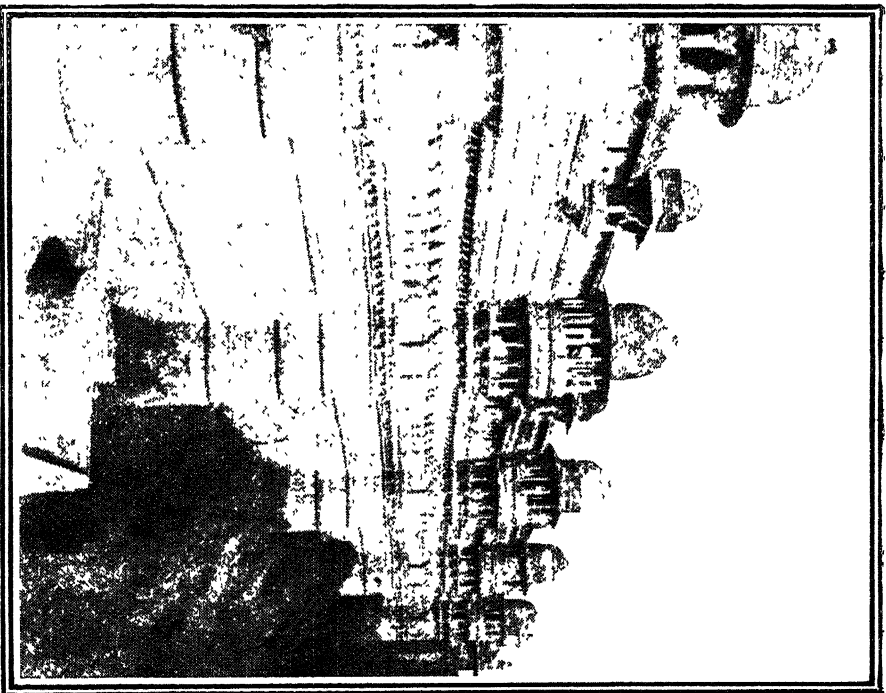
Man Singh's Palace, Gwalior.

مان سنگھ کا محل قلعۂ گوالیار
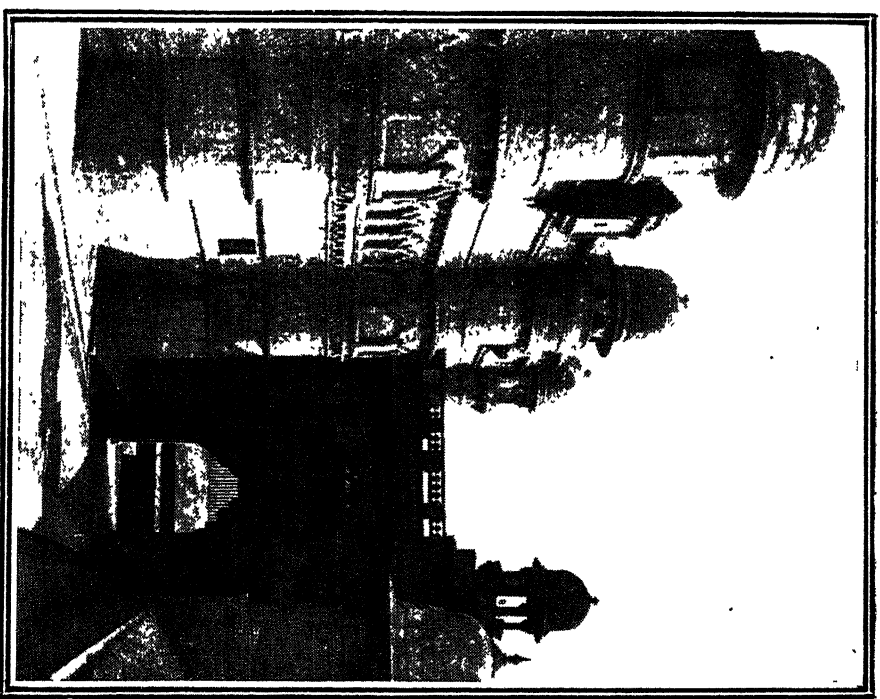
Elephant Gate, Gwalior Fort.

ہاتھی دروازہ قلعۂ گوالیار

فتح خاں کے آتے ہی ڈیرے کے پردے چھوڑ دیئے اور فتح خاں کو مع حسین نظام شاہ کے قید کر کے ماہی مراتب آفتاب گیری وغیرہ چھین کی۔ فتح خاں نے جب مہابت خاں کی یہ دغا بازی دیکھی تو بہ مصداق ہر کہ دست از جاں بشوید ہر چہ در دل آید بگوید مہابت خاں کو کھلی کھلی سنانے لگا لیکن اسی طرح بہ حالت قید اِن دونوں کو دہلی تک لے گیا۔ شاہ جہاں کو جب خبر فتح قلعہ دولت آباد معلوم ہوئی (جو بہت مشہور اور مستحکم قلعہ مشہور آفاق ہے) تو مہابت خاں کو بہت کچھ سرفراز کیا اور حسین نظام شاہ کو قلعہ گوالیار[۵] میں قید کر دیا اور اس کے بعد سے ہی نظام شاہی

[۵] بمبئی سے (۷۶۳) اور دلی سے (۱۹۵) میل ہے۔ گوالیار مہاراجہ سیندھیا کا دار الخلافہ ہے۔ گوالیار تین باتوں کے اعتبار سے دیکھنے کے قابل ہے (۱) جینیوں کی ایک قدیم پرستش گاہ ہونے کی وجہ سے۔ (۲) ہندوؤں کے عروج و کمال کے زمانہ (۱۴۸۶-۱۵۱۶ء) کے فن تعمیر محلات کی بہترین یادگار۔ (۳) بوجہ اس کے بے نظیر قلعہ اور رئیس کے جو آج باعتبار اپنی وسیع مملکت اور ذاتی روشن خیالی کے ہندوستاں کے بہترین فرماں رواؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں کے قلعہ کی تعریف ''تاج المآثر'' میں بالکل ٹھیک لکھی ہے کہ ''اس کی شان و شوکت اور ارتفاع عمارت و مورچہ جات کی وجہ سے ہوا بھی یہاں دبے پاؤں چلتی ہے اُس کی پرواز اس کی بلندی کے مقابلے میں ہیچ ہے اور جس کے مرتفع برجوں پر بادل کا سایہ بھی بمشکل سے پڑ سکتا ہے''۔ ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ ''بت پرست ہندوؤں نے بے نظیر ناقابل التسخیر قلعہ بنایا ہے''۔ اس قدیم قلعہ کے ساتھ بہت سے تاریخی واقعات متعلق ہیں کیوں کہ یہ قلعہ کیا بلحاظ اپنی ساخت اور کیا بلحاظ اپنے بے نظیر اور دل چسپ موقع و منظر کے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اِس قلعہ کے تاریخی واقعات جو ہم کو دستیاب ہوئے ہیں اگرچہ کچھ بہت پُرانے نہیں ہیں تاہم موقعی حالات کو دیکھ کر ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ یہ قلعہ صدہا سال پیشتر بھی ایک قابل قدر اور فخر چیز رہا ہے اور افواج و عساکر کے لئے ایک بہترین حصن حصین تھا۔

قلعہ ایک مرتفع پہاڑی پر جس کی بلندی تین سو فٹ ہے بنایا گیا ہے جو چاروں طرف سے الگ تھلگ ہے۔ قلعہ کا طول پونے دو میل اور ۲۸۰۰ فٹ عرض ہے۔ پہاڑ کے اوپر فصیل کی بلندی ۳۰ فٹ ہے۔ نیچے سے اوپر جانے کے لئے بڑی بڑی سیڑھیاں تراشی گئی ہیں۔ مشہور روایت یہ ہے کہ کچھ اقوام کا سردار سورج سین اس قلعہ کا بانی ہے جو مجذوم تھا۔ ایک دن شکار کھیلتے کھیلتے اپنے ہمراہیوں سے بھٹک کر اس جگہ گوپا گیری کے پہاڑ پر آن پہنچا جہاں اب قلعہ ہے۔ سورج سین کو شدت سے پیاس لگی اِدھر اُدھر پانی تلاش کیا کہیں نہ ملا ایک گوسائیں نے جس کا نام

خاندان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا - احمد نظام شاہی بحری سے لے کر حسین نظام شاہ تک ایک سو تئیس سال کی مدت میں اس سلسلے میں گیارہ بادشاہ ہوئے - اس کے بعد بھی شاہ جی بھونسلہ نے خواص خاں اور مراری کے اتفاق سے نظام شاہ کی اولاد میں سے مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کو قلعہ پیم گڑھ عرف شاہ گڑھ میں تخت پر بٹھلا کر دو تین سال تک کام چلایا لیکن خواص خاں اور مراری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۹ - گوالیا تھا تھوڑا سا پانی پلایا جس سے سورج سین کا مرض جذام کافور ہوگیا - اس واقعہ عظمیٰ کی یادگار میں سورج سین نے اُس تالاب کو جس کا پانی پیا تھا وسعت دے کر بنوایا اور قلعہ بھی تعمیر کیا اور گوسائیں کے نام پر قلعہ کا گوالیا وار نام رکھا گیا جو رفتہ رفتہ گوالیار کے نام سے مشہور ہوگیا - راجہ نے ایک نیا لقب سوہن پال کا لیا اور گوسائیں نے کہہ دیا کہ جب تک تیری نسل میں پال کا لقب رہے گا تیری حکومت قایم رہے گی چنانچہ (۸۳) راجہ اس خاندان کے حکمران رہے سلسلے کے نمبر (۸۴) کے راجہ نے تیج کرا کا لقب لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا - اس کے بعد سات راجہ پریہارا خاندان کے ہوئے جن سے ۱۲۳۲ء میں سلطان التمش نے ملک لے لیا اور اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ ۱۵۳۸ء میں تیموریہ خاندان کا تسلط بزمانہ راجہ بیر سنگھ کے ہوا - راجہ مان سنگھ اسی خاندان کا ایک بڑا نامور راجہ تھا جس کی عہد حکومت میں اس قلعہ کی بڑی رونق اور متعدد جدید تعمیرات ہوئیں چنانچہ اس کا قابل دید محل اب تک موجود ہے - یہ راجہ بڑا شوقین تھا اس کو عمارات بنانے کا بڑا مذاق تھا - مان سنگھ کی وفات کے بعد بابر نے قلعہ فتح کرلیا - آگے چل کر انگریزوں کے قبضے میں آگیا - ۱۸۵۷ء کے غدر میں مہاراجہ سیندھیا کے پاس جو ایک مرہٹہ رئیس تھا بڑی بھاری فوج تھی جس کے افسر انگریز تھے - مہاراجہ خود بڑا جری اور شجیع تھا اگر وہ باغیوں کا ساتھ دیتا تو یقیناً بڑی خوں ریزی ہوتی اور انگریزوں کو بڑی مشکل کا سامنا ہوتا - لیکن اوس کے وزیر باتدبیر نے راجہ کو عمدہ اور بہترین مشورت دی جس پر وہ کاربند ہوا تاہم کچھ انگریزی عہدہ دار مارے گئے پھر بھی مہاراج نے بہت سے انگریزوں اور اُن کے بال بچوں کو بچا لیا اور بہ حفاظت تمام آگرہ بھیج دیا ۱۸۵۸ء میں باغیوں کو جو بسر کردگی تانتیا ٹوپی کے تھے انگریزوں نے شکست دی وہ قلعہ گوالیار میں جا گھسے - مہاراجہ نے ہرچند اُن کا مقابلہ کیا مگر شکست پائی - میلیسن نے اس لڑائی کا حال لکھا ہے کہ "جب باغیوں کی فوج پہنچی تو مہاراجہ کی آٹھ توپوں نے گولہ باری شروع کی لیکن ابھی ان توپوں کا دھواں فرو نہ ہوا تھا کہ باغیوں کے دو ہزار سوار ایک دم آن پڑے اور توپیں چھین لیں - باغیوں نے تب باڈی گارڈ پر حملہ کیا انھوں نے مردانگی سے اپنا بچاؤ کیا مگر کدھر یہ اور کدھر وہ ان کی اُن کی تعداد میں زمین آسمان کا فرق تھا -

دونوں مارے گئے۔ ان کے بعد مصطفیٰ خاں نے کام سنبھالا وہ شاہ جہاں سے مل گیا اور
مرتضیٰ نظام شاہ کو شاہ جی سے لے کر شاہ جہاں کے حوالے کر دیا رہا سہا نام بھی اس خاندان کا
مٹ گیا۔ مصطفیٰ خاں کو نظام شاہیوں سے ملّا بابا کے قتل کی عداوت تھی۔ جس زمانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۰۔ مہاراجہ سیندھیا کو پسپا ہونا پڑا اور بہت تھوڑے بچے کھچے لوگوں کے
ساتھ بھاگا اور آگرہ پونہچنے تک دم نہ لیا۔ اس فتح کے بعد ناناصاحب گوالیار کا پیشوا بن گیا کہ انگریز آن گھسے
اور بڑی شدید جنگ کے بعد شہر گوالیار کو فتح کر لیا۔ اس معرکہ کے اواخر میں جھانسی کی رانی کو ایک سولجر نے
مار ڈالا اُسے خبر نہ تھی کہ یہ عورت کون تھی کیوں کہ رانی بھیس بدل کر آئی تھی۔ اب انگریزوں کے لئے قلعہ کا فتح
کرنا باقی رہا۔ لفٹننٹ روز اور والس دو سردار فوج لے کر قلعہ پر چڑھ گئے اِن کے ساتھ ایک لوہار بھی تھا
یہ دراتے گھسے اور یکے بعد دیگرے دروازے توڑتے ہوئے چھٹے یعنی آخری دروازے پر پونہچ گئے۔
تب گرد بڑ مچی قلعہ کے اندر کی فوج نکلی اور دوبدو کی لڑائی ہونے لگی اور طرفین کے بہت سے لوگ مارے گئے
آخر کار قلعہ والے بھاگے مگر افسوس کہ لفٹننٹ والس عین قلعہ کی فتح کے وقت مارا گیا اُس زمانے سے
۱۸۸۴ء تک قلعہ انگریزوں کے قبضہ میں رہا ۱۸۸۵ء میں سرکار انگریزی نے جھانسی لے کر قلعہ پھر مہاراجہ
سیندھیا کے سپرد کر دیا۔ قلعہ کے مشرق میں گوالیار کا وسیع اور پُرانا شہر واقع ہے۔ پہلے دروازے میں
داخل ہوتے ہی اُس سے ملی ہوئی حضرت محمد غوث کی درگاہ ہے جو اکبر بادشاہ کے اوائل زمانہ سلطنت
میں بنی تھی۔ اس کے بعد اونچی سڑک پر چڑھتے چلے جاؤ تو یکے بعد دیگرے پانچ دروازے ملتے ہیں۔ ہمارے
ایک ہاتھ کی جانب تو فصیل ہے اور دوسری طرف بہت بڑے بڑے پہاڑی گنبد ہیں جو عین سر پر
جھکے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ جوں جوں ہم بلندی پر چڑھتے جاتے ہیں نیچے کا حصہ صاف نظر آتا جاتا ہے
اور وہ میدان جس میں بڑی بڑی جنگیں ہوئی ہیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی مارے گئے ہیں ہماری آنکھوں
کے سامنے آجاتا ہے۔ موسم بارش میں تو چوطرف سبزہ نظر آتا ہے باقی خالی دنوں میں چٹیل میدان ہی میدان
دور تک دکھلائی دیتا ہے پہلا دروازہ موسوم بہ عالمگیری دروازہ ۱۶۶۰ء کا بنا ہوا ہے۔ بادل گڑھ دروازہ
بادل سنگھ کا بنایا ہوا بلحاظ نفاست تعمیر قابل دید ہے۔ تیسرا دروازہ بنسور دروازہ ہے جو ۱۴۴۵ء میں تعمیر
ہوا۔ ان کے بعد گنیش دروازہ اور لچھمن دروازہ ہیں اور آخری ہاتھی دروازہ خود مان سنگھ کا بنایا ہوا ہے
دوسرے دروازے کے اوپر دار مان سنگھ کی بیوی کا دو منزلہ محل ہے جو اب بالکل کھنڈر ہے۔ چوتھے اور

ہیں مہابت خاں دولت آباد سے برہان پور جارہا تھا اور بوجہ قحط کے اُس کا سارا لشکر تباہ حال تھا حتی کہ اپنے جانور اونٹ وغیرہ کاٹ کاٹ کر کھاتے تھے اور پاؤں میں طاقت چلنے کی نہ تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۱ - پانچویں دروازوں کے درمیان بہت سے پتھروں پر تصاویر نہایت نزاکت اور عمدگی سے کندہ ہیں اور قلعہ کی یہ صناعی بھی بہت مشہور ہی - یہیں اوپر دار کومان سنگھ کے مشہور محل کی دیواریں سر بفلک کھڑی ہیں - درحقیقت ایسے قلعہ کے واسطے ایسا ہی وسیع اور پر از شان و شوکت محل چاہیئے تھا جو افسوس کہ اب بالکل ویرانہ ہی - یہ محل ۱۵۱۶-۱۵۸۶ء کے مابین بنا ہے - اس کا طول و عرض بیرونی رخ سے ۳۰۰×۱۶۰ فٹ ہی اور مشرقی رخ سے اس محل کی بلندی سو فٹ ہی اور شمالی رخ کی چٹاں ۳۴۲ فٹ بلند ہی اور اسی طرف بڑی بڑی جنگی تراشی ہوئی مورتیں اور بت کھڑے ہوئے ہیں - محل کی چار دیواری میں پانچ کھلی ہوئی برجیاں مناسب فاصلے سے ہیں جن کو نہایت خوش نما فصیل سے ملا دیا گیا ہی جو نہایت سڈول اور خوش نما پتھروں کی بنائی گئی ہی - اگرچہ یہ محل بہت بڑا ہی اور بڑی عمارت کا خوش نما ہونا ذرا مشکل بات ہی لیکن بنانے والے نے کوئی دقیقہ اس کی آراستگی میں اُٹھا نہیں رکھا اور لکھوکھا روپیہ پانی کی طرح بہا دیا - اس کی تمام اینٹیں مینا کاری کی ہیں جو لاجوردی سبز اور سنہری رنگ کی بڑی جگمگا رہی ہیں اور اس ترکیب سے جوڑی گئی ہیں کہ ہاتھی - مور اور دوسرے انواع و اقسام کے چرند و پرند کی تصاویر دل کو بھاتی ہیں اور بے اختیار صناعوں کی داد زبان سے نکل جاتی ہی اسی وجہ سے اس محل کو عموماً رنگین محل کہتے ہیں - اس محل کے نیچے دُہرا تہ خانہ بھی ہی جو گرمیوں میں بہت ٹھنڈا رہتا ہی چھٹا اور آخری دروازہ پار ہونے کے بعد ہم قلعہ کی بلندی پر پہونچ کر جو نیچے دیکھتے ہیں تو قلعہ کی مضبوط فصیل بھاری بھاری مستحکم اور شان دار برج اور انواع و اقسام کی رنگ آمیزی سب پیش نظر ہوتی ہی اور انسان محو حیرت رہ جاتا ہی ۱۵۲۷ء میں شاہنشاہ بابر اس قلعہ میں آیا تھا لیکن کچھ پسند نہ آیا اور اُس نے ریمارک کیا کہ "یوں تو اہل ہند بڑے فریس ہیں مگر بکار آمد عمارات بنانے کا اُنھیں سلیقہ نہیں" قلعہ کے بعض بعض مقامات محفوظ ہیں جہاں ہر شخص نہیں جا سکتا اُن میں یا تو کوئی عہدہ دار رہتے ہیں یا یہ کہ جنگی سامان کا ذخیرہ ہی - گوالیار میں ہنود کے مندر کثرت سے ہیں جن میں ساس بہو کے دو مندر جینیوں کے بہت مشہور ہیں - ایک کتبہ سے جو برآمدے میں ہی معلوم ہوتا ہی ۱۰۹۳ء میں بنے ہیں - یہ مندر وشنو کے ہیں جو پدم ناتھ ترتھانکر اشٹشم کے نام پر بنائے گئے ہیں جو اب بالکل تباہ حالت میں ہیں اب صرف ایک سٹڈپ باقی ہی جو ۱۰۰×۶۳ فٹ طول و عرض میں ہی - برآمدہ سہ منزلہ ہی اور فی الجملہ درست حالت میں ہی مگر چھت اُس کی بھی شکستہ ہی - دونوں مندر اندر باہر تمام مورتوں اور مختلف تصاویر سے منقش ہیں - بڑے

وہ دو تین تین کوس چل کر پڑ جاتے تھے - مُراری اور دوسرے عادل شاہی اُمرا نے مغلوں کے لشکر کا تعاقب کیا اور ہاتھی گھوڑے اونٹ جو ملتے پکڑ لیتے اور جو ملتا مار ڈالتے - مہابت خاں اُمراے عادل شاہیوں کو خوشامد در آمد کچھ نقد و جنس دے دلا کر آرام کرتا تھا غرض ہزار خرابیوں سے گرتا پڑتا برہان پور پونچا اور مُراری اور رندولہ خاں اور شاہ جی اپنی سرحد سے انھیں نکال کر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲ - مندر کی بھاری چھت معلوم ہوتی ہے کہ جو چار بڑے ستونوں پر کھڑی تھی - مندر بارہ فٹ بلند چبوترے پر واقع ہے اور مندر کے کئی منزلہ ہونے کی علامتیں اب بھی برآمدوں کے ستونوں سے معلوم ہوتی ہیں - چھوٹا مندر ایک منزلہ ہے اور چاروں جانب سے کھلا ہوا ہے - اس کے ستون گول ہیں جن کا نیچے کا حصہ مثمن ہے اور مندروں کے اندر تمام دیواروں کی کڑیوں پر نقش و نگار اور تصاویر نہایت نفاست سے بنائی گئی ہیں - دوسرا مشہور مندر تیلی کا مندر ہے جس کو کسی تیلی نے گیارھویں صدی عیسوی میں بنایا تھا اب ۱۸۸۱ء میں برٹش گورنمنٹ نے اس کی دل کھول کر مرمت کی ہے - یہ عمارت ساٹھ فٹ مربع اور (۱۱۰) فٹ بلند ہے - اِس مندر کی چھت کی صناعی قابل دید ہے - دروازہ (۳۵) فٹ بلند ہے جس کی پیشانی پر عقاب کی تصویر ہے - پہلے یہ مندر وشنو کا تھا مگر پندرھویں صدی سے شیو کا ہو گیا ہے - اس قسم کی پرانی عمارات کی سنبھال بدون اڑواڑیں اور سہارے لگائے کے ہو نہیں سکتی اور جابجا اس طرح کھم لگانے سے لامحالہ مکان کی خوب صورتی میں فرق آ ہی جاتا ہے میجر کیتھ انجینر کے اہتمام سے اس کی ترمیم ہوئی ہے صاحب موصوف نے تمام گرے پڑے پتھر اور کھم سمیٹ کر مندر کے سامنے جمع کر دیے ہیں - سیاح کو چاہیے کہ جس راستہ سے قلعہ میں داخل ہوا ہے اُدھر سے نہ پلٹے بلکہ اروا ہی دیلی کے دوسرے راستے سے پلٹے تو راستے میں اُسے بہت سی بے نظیر بت تراشی اور قابل دید نقاشی جابجا پتھروں پر ملے گی -

گوالیار اور دریاے چنبل کے درمیان کثرت سے شکار ہے مگر وہ سب مہاراجہ کی شکارگاہ محفوظ ہے اور بدون اجازت کے شکار ممنوع ہے - اسٹیشن کے قریب گھوڑ دوڑ کا وسیع میدان ہے - یہاں مارچ اور نومبر کے مہینوں میں گھوڑ دوڑ ہوتی ہے -

کیشور کا بہت بڑا میلا آخری ماہ نومبر سے وسط دسمبر تک ہوتا ہے جس میں چاروں طرف سے کثرت سے تاجر آتے ہیں اور اسی میں گھوڑوں اور مویشی کا بھی بیوپار ہوتا ہے -

محل کے پائیں باغ میں عجائب خانہ بھی ہے - شہر گوالیار کے علاوہ گوالیار سے ملی ہوئی بستی لشکر کہلاتی ہے -

ستارے پونچے وہاں سے شاہ جی بیم گڑھ اور رندولہ خاں اور مراری بیجاپور کو چلے گئے۔ خواص خاں نے مُراری کی خبر لی کہ تیری ہی شرارت سے فتح خاں نے قلعہ دولت آباد مہابت خاں کے حوالے کردیا اور تیری ہی نالایقی سے سارا کام بگڑا اور اتنا لشکر اور اتنا بہت سا روپیہ برباد گیا۔ مراری کے پاس اِس کا کیا جواب تھا شرمساری اور ندامت سے سر جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔

سلطان محمد اور شاہ جہاں کی باہمی ناچاقی اور مخالفت مراری پنڈت کی شرارت سے دولت آباد جیسا مشہور قلعہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نظام شاہیوں اور عادل شاہیوں دونوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سلطان محمد اور شاہ جہاں کی اِس معاملہ پر ناچاقی ٹرہ گئی سلطان محمد نے دو سال سے خراج بھیجنا روک دیا دونوں طرف سے سخت تحریریں ہونے لگیں شاہ جہاں دباؤ ڈالتا تھا اور سلطان محمد کلّہ بہ کلّہ جواب دیتا تھا چنانچہ ذیل کی دو مراسلتیں نمونتہً درج کی جاتی ہیں۔

(۱) **نقل مکتوب شاہ جہاں** ۔ سپاس و ستائش مر اور سے را کہ بہ قدرت کاملہ خود از قطرہ آب در رحم نقش لبستہ از نابود بہ بود آورد ہ مارا بادشاہ جہاں گردانید پس ضرور افتاد کہ در اطراف واکناف گیتی خصوصاً در ملک بیجاپور و گلکنڈہ و بھاگ نگر (حیدرآباد) بلکہ لنکھا و پر لنکھا خطبہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۳ ۔ مرار کی چھاؤنی گوالیار کے قریب ہی ہے جو جھانسی جانے سے پہلے یوروپین فوج کی چھاؤنی تھی اب یہاں رزیڈنٹ اور دوسرے یوروپین عہدہ دار سسٹیٹ کے رہتے ہیں۔ مرار کا نام اُس ندی پر سے پڑا ہے جو اس نام کی اس جگہ ہے۔ قلعہ سے مرار تک دو میل کا فاصلہ ہے اور ایک نہایت اچھی سڑک جس کی دونوں جانب گھنے سایہ دار درخت ہیں دونوں مقامات کو ملاتی ہے یہ سڑک آگے چل کر شمال رخ آگرہ کو پھٹ جاتی ہے اور جنوب میں شہر گوالیار کو جہاں مہاراجہ صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ مرار میں فوج کے رہنے کی بہت ساری بارکیں گوالیار کے سنگ سرخ کی صرف زر کثیر سے بنائی گئی ہیں جو ہر طرح بلحاظ گنجائش و حفظان صحت کے پسندیدہ ہیں۔ بمبئی کی طرف سے جب ہم گوالیار کے قریب آتے ہیں تو ریل بہت سی سنگ سرخ کی پہاڑیوں میں سے گزرتی ہے۔ مہاراجہ کی لیسٹ ریلوے گوالیار سیپری۔ گوالیار بھنڈ۔ گوالیار شیو پور کلاں اسٹیشن سے دکھلائی دیتی ہے۔ مہاراجہ بہادر نے اپنے شوق سے یہ ننھی منی ریل بنوائی ہے بعض اوقات خود بہ نفس نفیس اس کے انجن کو بھی چلاتے ہیں۔ ۱۲

سکہ و درعہ شاہ جہانی اجرا نمایم شاہان کہ درآں دیار مانند ہُدہُد ہر یک پادشاہ می گویانند
النسب داولی آں ست کہ حبل الاطاعت در رقبۂ جاں خود انداختہ درآں شہر ہا خطبہ و
سکہ و درعہ شاہ جہانی نمایند وگرنہ از چنگل باز منقار قہر گوشت از پوست کشیدہ بہ غلیواز
جہاں یغما خواہیم نمود۔ ایں سخن را از گوش ہوش بشنوند بتغافلی خواب خرگوش نہ کنند کہ عقاب
در تجسس است بنابریں زبدۃ الامرائے وفاکیش خلاصۂ نوابان ادراک اندیش ہم جلیس
مجلس خاص مکرمت خاں را فرستادہ شد آنچہ بہبود خود دانند دران کوشند۔"
(۲) جواب سلطان محمد عادل شاہ منت ایزد را است کہ در جہاں تکبر و منی ہیچ کس رانگزاشت
بلکہ کنندۂ نخوت را با خاک برابر ساخت ؎

مرا در ارسد کبریا و منی ۔۔۔ کہ ملکش قدیم ست و ذاتش غنی

مراسلۂ کہ از دبیران خام طبع نگاشتہ ترسیل دادہ بودند ظاہر و باہر گردید و اظہر من الشمس است کہ ہُدہُد
را تاج شاہی و افسر پادشاہی از روز ازل دادہ اند چہ شد کہ مہتر سلیمان علیہ السلام چند روز باز را
سرفراز فرمودہ بودند باز را چہ یارا کہ چنگل زند و اساس قدیم را منہدم ساختہ بدعت نو نہد۔ خرگوش
ہر چند بہ خواب رود بوقت کار چناں دود کہ عقب گرفتہ را ہلاک می سازد و عقاب ہر چند در تجسس
است فاما از شوم طبعی بہ طمع گوشت خرگوش در مطرح قید می افتد ایں سخن را از بطون راہ بہ ظہور
نہ دہند بلکہ در خیال ہم نگزارند آنچہ پیشکش دادہ ام خواہم داد انشاء اللہ خیرا واقع است ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ۔۔۔ کہ گردن نہ پیچد از حکم تو ہیچ

مملکت نظام شاہیہ کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا

مملکت نظام شاہ کا اب کوئی سر دھرا نہ رہا۔ ملک میں ایک اودھم مچ گئی۔ ضلع دار قلعہ دار امرائے نظام شاہی جو جہاں
تھا جتنا قابو چلا ملک دبا بیٹھا۔ سدی ریحان نے شولا پور۔ شاہ جی نے بیم گرہ۔ سرنیواس راؤ
نے جنیر۔ سدی سابا اور آصف خاں نے ملک کوکن۔ سدی عنبر نے جزیرہ راجپوری
دوسرے قلعہ دار اور زمیندار جاگیر دار جو جہاں تھے ملک دبا بیٹھے اور اپنی اپنی جگہ پھیل پھیل کر
بیٹھ گئے اور اس طرح چو طرف طوائف الملوکی ہو گئی۔ سدی ریحان نے تھوڑی سی فوج کے
ساتھ مہابت خاں کو نیچا دکھا دیا تھا اُس نے چار پانچ ہزار سوار اپنے جمع کر لئے اور اُس کا

نام بہادری میں نکل گیا- خواص خاں سے اُس سے دوستی تھی- خواص خاں نے حافظ نصراللہ کو اُس کے پاس بھیج کر بادشاہ کی طرف سے پیغام دیا کہ تم سے بادشاہ بہت خوش ہے کہ تم نے مردانگی کا کام کیا اور تم کو سرفراز کرنا چاہتا ہے۔ سدی ریحان نے سدی فولاد- دولت خاں اور نعمت خاں کو بھجوایا- بادشاہ نے سدی ریحان کو کولا پور- خاناپور وغیرہ جاگیرات محاصلی ایک لاکھ ہن کی سرفراز کیں اور سرحدی ملک کی حفاظت اُس کے سپرد کی اور فولاد خاں اور نعمت خاں کو اپنے دربار میں رکھ لیا-

مرتضیٰ نظام شاہ کو برائے نام تخت پر بٹھلا کر شاہ جی بھوسلے کا اکثر حصہ ملک نظام شاہیہ پر تسلط

شاہ جی بھوسلے نے میدان خالی پاکر بھیم گڑھ پر قبضہ کر ہی لیا تھا اور جہاں جہاں موقع ملا بہت سا ملک دبا لیا- پونے سے بالاگھاٹ تک اور حوالی جنیر اور سنگمنیر اور ناسک غرض اس طرف کا سارا ملک شاہ جی ہی کے قبضے میں آگیا اور سات آٹھ سو سواروں کی فوج بھی جمع کر لی- ارادت خاں جو قلعہ دولت آباد میں تھا اُس نے بابوجی بھوسلے کے ذریعہ سے شاہ جی سے دوستی گانٹھ لی اور وعدہ کیا کہ میں تمھیں شاہ جہاں بادشاہ کے حضور میں پہنچا دوں گا اور سفارش لکھ کر امرائے شاہ جہانی میں اُسے شریک کرا کے گراں بہا خلعت بھی سرفراز فرمایا اور ہمیشہ اُس کی خاطر مدارات اس غرض سے کرتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو مملکت نظام شاہیہ پر قبضہ کرتا چلا جائے لیکن شاہ جی بڑا پولیٹیشن تھا ع

۵۱ - پونے سے ۱۸۹ میل ہے- اور سطح سمندر سے اٹھارہ سو فٹ بلند- یہ ایک ہندو سٹیٹ ہے- یہ مقام بہت قدیم مندروں کی وجہ سے ہمیشہ متبرک رہا ہے- مہا لکشمی کا ایک بہت بڑا دیول یہاں ہے جس کے متعدد حجرے اب تک زیر زمین دبے ہوئے ہیں- ۱۸۸۰ء میں ایک بلّوری صندوقچی مندر کے قلبے میں سے نکلی تھی جس کے ڈھکنے پر تیسری صدی قبل مسیح اسوکا کے زمانے کا کتبہ تھا- بہت سے چھوٹے چھوٹے مندر زیر زمیں ہیں جو برابر نکلتے چلے آتے ہیں- کوٹھا پور سے (۵) میل ایک پہاڑی پر چیتر ماس (مارچ) میں جنٹیبا (کدار سنگ) کی جاترا ہوتی ہے- مہاراجہ سیندھیا رکا ہی گروہ جو شیوکا اوتار سمجھا جاتا ہے- یہاں دوسرے مشہور مقامات یہ ہیں- (۱) پراونشل کالج جو ۱۸۸۰ء میں بنا- (۲) ایلبرٹ ایڈورڈ ہاسپٹل- (۳) مہاراجہ کا نیا محل- (۴) ٹٹون ہال- (۵) مدرسہ حرفت وصنعت (۶) رنکلا اور کلمبا تالاب- ۱۲

مردآخرہیں مبارک بندہ ایست

دربردہ مراری پنڈت کے ذریعے سے خواص خاں سے ساخت باخت رکھتا تھا اور کہلا بھیجا کہ
اگر نظام شاہ کے چونتیس قلعوں میں سے صرف ایک قلعہ دولت آباد نکل گیا تو کیا مضائقہ ہے
آپ کا ہاتھ میرے سر پر رہے تو میں پھر نظام شاہ کا جھنڈا گاڑ دوں گا۔ خواص خاں کا دلی منشا بھی یہی تھا
مگر مصطفیٰ خاں اس کے خلاف تھا۔ خواص خاں کو دولت آباد کے نکل جانے سے تلملی پڑ گئی تھی۔
بادشاہ سے عرض معروض کر کے مراری پنڈت کو کافی لشکر دے کر شاہ جی کی مدد کو بھیج دیا۔ شاہ جی
نے مرتضیٰ نظام شاہ کو جو قلعہ جودھن میں مقید تھا۔ (جُنیر سے آٹھ کوس ہے) اور نظام شاہی خاندان
کا ایک لڑکا گیارہ سال کی عمر کا تھا چھوڑا کر قلعہ بھیم گڑھ میں تخت پر بٹھلا دیا اور فتوحات کا دائرہ وسیع
کرنے کے لئے لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ سدی سابا سیف خاں ملک کوکن پر قابض ہو کر کلیاں میں
بیٹھا ہوا تھا مراری نے اُس کو لکھا کہ مرتضیٰ نظام شاہ کی اطاعت قبول کر لیکن سیف خاں راضی
نہ ہوا اور ملک کوکن کو خالی کر کے دو ہزار سوار لے کر مراری کے پاس چلا آیا۔ اس طرح کوکن کا
تمام ملک شاہ جی کے قبضے میں آ گیا۔ مراری نے شاہ جی کو مرتضیٰ نظام شاہ کی جگہ اصلی بادشاہ
بنا دیا اور مزید برآں عنبر خاں کو پانچ چھ ہزار سوار دے کر شاہ جی کی اور تقویت کر کے خود بیجا پور کو
واپس آیا۔ شاہ جی جب دریائے بھنورہ اور ایدرامنی کے سنگم پر پہنچا تو ادائے رسوم مذہبی اشنان
وغیرہ کی غرض سے ٹھیر گیا اور اپنے کو ساتوں دھاتوں میں تول کر خیرات کی۔ سیف خاں کوکن سے چلا آیا
تھا۔ شاہ جی سیف خاں سے بوجہ عدم قبول اطاعت ناراض تھا۔ جنگ میں کچھ ہاتھی پکڑے جانے
کا جھگڑا نکال کر کھیر مقام پر جو بابل سے چھ کوس ہے ایک سخت لڑائی ان دونوں میں ہوئی بہت سے
لوگ مارے گئے اور مجروح ہوئے۔ سدی عنبر آتش خانی کہ سیف خاں کا سپہ دار تھا مجروح ہو کر
شاہ جی کی قید میں آ گیا اور دو روز تک کھیر میں قید رہا۔ مراری نے اپنی فوج بھیج کر اُسے چھوڑایا
اور بیجا پور میں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا بادشاہ نے دو لاکھ ہن انعام دئے اور اُس کو ہرپن
ہلی کے نایک کی بغاوت فرو کرنے کو مامور کیا جو اس معرکہ میں گولی لگ کر مارا گیا۔ مراری کے بیجا پور
آ جانے کے بعد شاہ جی نے سرتیواس راو حاکم قلعہ جنیر کی لڑکی کی اپنے بڑے لڑکے سنبھا جی سے
خواستگاری کی لیکن دغا و فریب سے قید کر کے قلعہ جات جنیر جودھن۔ سونڈا۔ بھوکر۔ پرس ٹھیر

ماہول - فوج پر قبضہ کر لیا اور بہت سامال و متاع ہاتھ آیا اور اس طرح نظام شاہ کا پراگندہ لشکر پھر اکٹھا ہو کر بارہ ہزار سوار جمع ہو گئے - مہابت خاں نے جب شاہ جی کا عروج اور نئے سرے سے نظام شاہ کا ڈھکڑا ہونا سنا تو بہت پریشان ہو کر حسب الحکم شاہ جہاں کے شاہزادہ دارا شکوہ کو برہان پور سے لے کر قلعہ پرینڈہ کا محاصرہ کر لیا جس کا گورنر اس زمانے میں رندولہ خاں تھا اور ایک بڑی نقب لگائی - عادل شاہی فوج کے سردار رندولہ خاں - پیلیش جنگ خاں فرہاد خاں - انکس خاں وغیرہ قلعہ کے سامنے پڑے ہوئے تھے قلعہ والوں سے روزانہ لڑائی چلتی رہتی تھی - اس طرح چار مہینے تک برابر قتال و جدال جاری رہا جب معلوم ہوا کہ قلعہ کسی طرح فتح نہیں ہوتا اور نقب لگانا بے سود ہوا تو مہابت خاں نے بے زار ہو کر محاصرہ اٹھا لیا اور برہان پور واپس چلا گیا -

خواص خاں کا مصطفیٰ خاں کو قلعہ بلگاؤں میں قید کر دینا اور مصطفیٰ خاں کی بغاوت

اس زمانے میں خواص خاں کا طوطی بول رہا تھا مصطفیٰ خاں وزیر اعظم سے وہ کبیدہ خاطر تو پہلے ہی سے تھا موقع پاتے ہی اسے قلعہ بلگاؤں میں قید کر دیا - اب اس کے عروج کا کیا پوچھنا اور اس کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا تھا ابراہیم عادل شاہ نے وقت ولی عہدی سلطان محمد کے جو پیشین گوئی دولت خاں کی بے وفائی کی نسبت کی تھی وہ اب برسوں کے بعد صحیح ہوئی چنانچہ جب دیکھو وہ اپنے ہی استحکام کی تدابیر میں لگا رہتا تھا اس نے رفتہ رفتہ قدیم ملازموں کو نکال باہر کیا اور اپنے آوردوں کو جا بجا بھر دیا اور رعایا برایا پر من مانی حکومت اور طرح بہ طرح کے مظالم کرنے لگا - سلطان محمد شروع ہی سے اس سے ناراض تھا اب جب کہ اس نے مصطفیٰ خاں جیسے جلیل القدر رکن سلطنت کے ساتھ ایسی غدارانہ کارروائی کی تو بادشاہ اور بھی رنجیدہ خاطر ہوا - چنانچہ بادشاہ نے بواسطۂ ایک معتمد خاص کے رندولہ خاں کو اپنے دلی منشا سے آگاہ کیا دوسرے امرا تو اشارے کے منتظر تھے سب کے سب متفق ہو گئے انھوں نے ایک چھیڑ نکالی کہ مراری پنڈت کا طرز عمل اچھا نہیں ہے آپ اسے نکلوائیے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں - خواص خاں نے سختی سے جواب دیا کہ چہ خوب ایں رنگ دیگر شگفت آج آپ لوگ

مراری پنڈت سے ناراض ہو گئے اور اُسے بے قصور نکلوانا چاہتے ہیں کل کو آپ مجھ سے بلا وجہ ناراض ہو جائیں گے اور میرے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے۔ خواص خاں نے یہ جواب دیئے تو دے دیا مگر دل ہی دل میں پریشان ہوا اور بہ مصداق گربہ کشتن روز اول شیخ محی الدین اپنے دبیر کو شاہ جہاں بادشاہ کے حضور میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ یہ موقع بہت اچھا ہے اگر آپ کی طرف سے اس وقت لشکر کی امداد آجائے تو میں بلا غل و غش شہر بیجاپور آپ کے حوالے کر دوں گا۔ امرائے سلطنت کو بھی خواص خاں کی اس مفسدہ پردازی کی خبر مل گئی اور روز بروز عداوت بڑھنے لگی ناچار علی فرہاد خاں۔ حیرت خاں۔ علی خداوند خاں۔ محمد یاقوت۔ راگھو پنڈت۔ کھیلوجی بھوسلہ شرزہ راؤ کھاٹکہ وغیرہ بہت سے امرا جو سرحدات پر مامور تھے سب رندولہ خاں سے اتفاق کر کے گلبرگہ میں جمع ہوئے۔ امام خاں حوالدار نے کھلم کھلا خواص خاں سے سرتابی کی۔ خواص خاں کو امام خاں کی سرکوبی کا اچھا بہانہ ملا اُس نے مراری پنڈت کو لشکر دے کر آنکس خاں۔ چاند خاں۔ درویش محمد مصطفیٰ خاں نظام شاہی کو مع دس ہزار سواروں کے بیگیر (جو غالباً زمانہ حال کا یادگیر ہوگا) کی طرف امرائے باغی شدہ کے مقابلے کے لئے بھیج دیا۔ اُدھر رندولہ خاں جب پوری طرح طیار ہو چکا تو خواص خاں کی خبر لینے کو گلبرگہ سے نکلا اور بیجاپور کی راہ لی۔ کملاپور کے پاس ملک ریحان بھی شولاپور سے چل کر ایک جماعت کثیر کے ساتھ امرائے آن ملا۔ رندولہ خاں نے ملک ریحان اور راگھو پنڈت دونوں کو مقدمۃ الجیش قرار دے کر حکم دیا کہ بھونزہ ندی پور جا رہی ہے آگے بڑھ کر تم پار اُترو ہم سب بھی تمہارے پیچھے آتے ہیں۔ راگھو پنڈت بھاگیواڑی میں اور ملک ریحان ٹاکلی میں پہنچے اور ندی پار ہونے کا انتظام کرنے لگے۔ خواص خاں نے خفیہ طور پر ملک ریحان کو کہلا بھیجا کہ رندولہ خاں نے محض مراری پنڈت کی عداوت سے مفت کا فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے اور ناحق بدخواہ سلطنت ہو گیا ہے عنقریب اُس کا قلع قمع ہوا چاہتا ہے تم بادشاہ کے جاں نثار اور میرے خیر خواہ قدیم ہو ہرگز اُس کے کہنے میں نہ آؤ۔ ملک ریحان ٹاکلی سے پلٹ کر علاقہ شولاپور میں موضع مندروپ پہنچ کر ندی کے کنارے رک گیا۔ راگھو پنڈت دیون گاؤں کے مقدم کو ہموار کر کے پانچ چھ ہزار کی جمعیت لے کر بھونزہ ندی کے پار اُتر کر دیون گاؤں سے ایک کوس کے فاصلے پر ٹھیر گیا۔ مراری خواص خاں کے حکم کی تعمیل میں یادگیر پر ایک مہینے تک بے فائدہ پڑا رہا جب اُس نے سنا کہ راگھو پنڈت دیون گاؤں

میں اکیلا پڑا ہوا ہی اور رندولہ خاں کا لشکر اُس کے پاس اب تک نہیں پونچا اور بلا انتظار کسی قسم کی امداد کے جنگ شروع کردی - اوائل جنگ میں ہی مراری کی طرف کا ایک مشہور سردار عثمان شیر کوٹی مارا گیا اور راگھو پنڈت کی فتح ہوئی - مراری بھاگا سارا لشکر تتر بتر ہو گیا - مراری صرف پندرہ سواروں کے ساتھ قلعۂ شاہ نور پونچا وہاں اُس سے مصطفٰی خاں نظام شاہی آن ملا دونوں مل کر موضع بارکندی کو گئے وہاں کے مقدم کو قتل کیا وہاں سے دیو دوار پونچے وہاں سے ایک موضع جو رندولہ خاں کی جاگیر تھا لوٹا وہاں سے دریاے کشنا کے کنارے موضع جملگہ میں آکر چھ دن مقام کیا - ہرچند لوگوں نے سمجھایا کہ یہ لوٹ مار اچھی نہیں خواص خاں مزے میں بیٹھا ہوا تم کو کٹوا رہا ہی مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی دریاے کرشنا پار ہو کر املہ میں ٹھیرے - خواص خاں نے جب مراری کے بھاگ جانے اور امراء کے لشکر کی آمد کا حال سُنا تو شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے اور اندر بیٹھ گیا - رندولہ خاں نے ہرچند سمجھایا کہ فساد بڑھانے سے کیا فائدہ دروازے کھول دو مگر اُس نے نہ مانا -

بادشاہ کے اشارے سے خواص خاں کا قتل کیا جانا ۱۰۴۵ھ

سلطان محمد کو جب موقع ملا اُس نے سدی ریحان رقعہ رساں[۱] کو جو بادشاہ کا محرم راز تھا خلوت میں یاد فرما کر اشارہ کر دیا کہ یہ وقت غنیمت ہی خواص خاں کا کام تمام کر دیا جائے - سدی ریحان نے اپنے دوست کریم شرزہ محل دار اور کریم حسین خاں پسر میاں جی سر سلک کو پکے مواثیق کے بعد اس کام پر آمادہ کیا چنانچہ دونوں آخر الذکر اشخاص چہار شنبہ کے دن ۱۰۴۵ھ میں طیار ہو کر دربار میں آئے خواص خاں دربار سے اُٹھ کر اپنے گھر چلا تھا کہ کریم شرزہ نے ایک وار خنجر کا خواص خاں کے سینہ پُر کینہ پر لگایا لیکن خواص خاں گرا نہیں تب حسین خاں نے دوسری ضرب ماری لیکن جب بھی خواص خاں نکل بھاگا - سدی ریحان نے دیکھا کہ اگر یہ بچ گیا تو خدا جانے کیا کیا بلا لائے فوراً خندق میں سے نکل کر باہر نکلا اور خاصہ خیل کے چند لوگوں کو لے کر تعاقب کیا لیکن جب تک کہ سدی ریحان پونچے پونچے خواص خاں نے اپنے محل میں داخل ہو کر دروازے بند کر لئے کہ بادشاہ نے دوبارہ تاکیدی حکم بھیجا کہ خبردار جانے نہ پائے سدی ریحان دیوار توڑ کر گھر میں جا گھسا اور خواص خاں کا سر کاٹ لیا - حسین خاں جو خواص خاں کا بڑا دم بھرتا تھا ہاتھی پر سوار ہو کر خندق تک پونچا ہی تھا کہ اُسے بھی ٹھنڈا کر دیا - حسین خاں کا بھائی داؤد خاں البتہ بچ رہا کہ وہ ہمیشہ سے خواص خاں سے

[۱] رقعہ رساں اُس کو کہتے تھے جو خلوت میں بادشاہ کے حضور میں ارباب حاجات کے معروضے پیش کیا کرتا تھا ۱۲-

اٹک اور بادشاہ کی طرف تھا - رندولہ خاں اور دوسرے امراء شاہ پور دروازے کے حوض کے
پاس آن اترے اُن کے پاس خواص خاں اور مبارک خاں کے سر بھیج دیئے گئے - خدا کی شان
دیکھیے کہ یا تو بارش کی اس قدر کشش تھی کہ تمامی رعایا کی نگاہ آسمان کی طرف لگی ہوئی تھی یا اُسی
شب ایسا موسلادھار مینہ برسا کہ جل تھل بھر گیا اور لوگوں نے قحط اور اس ظالم دونوں کے ہاتھوں
سے نجات پائی - دوسرے دن بادشاہ نے دربار عام کیا اور بہت سے امراء کی سرفرازی ہوئی
اور ملک ریحان کو مندوپ میں خلعت بھیجا گیا اور اُسی دن سدی ریحان کو خطاب اخلاص خاں
اور منصب وزارت پر سرفراز ہوا اور کار ملکی کا منصب نواب خاں کو اور سرنوبتی کی خدمت احمد خاں
فرزند خداوند خاں کو سرفراز ہوئی - خواص خاں کا کانٹا نکل گیا اور سلطنت کا کاروبار بلا غل و غش
باحسن الوجوہ چلنے لگا - خواص خاں نے آٹھ سال خدمت پیشوائی اور مدار المہامی کی انجام
دی ۔ "ریحاں سرش برید" قتل کی تاریخ ہے

سدی ریحان کا حال سنہ ١ھ سدی ریحان جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے حبشی تھا -
اس کی سات سال کی عمر تھی جب اُس کو مع اُس کی ماں کے نورس پور میں فروخت کرنے لائے
تھے - ابراہیم عادل شاہ نے اُسے بچہ دیکھ کر خرید لیا اور شاہزادۂ سلطان محمد کے پاس بھیج
دیا اور اُس کی ماں کو علی خاں آثاری نے خرید لیا - چونکہ سدی ریحان شاہزادۂ محمد کا ہمسن
تھا ساتھ کھیلنے لگا اور شاہزادہ اُسے بہت چاہنے لگا ایک دن کا ذکر ہے کہ دونوں کھیل رہے
تھے بادشاہ دور سے دیکھ رہا تھا کہ شاہزادے نے ریحان کی ٹوپی اُتار کر حوض میں پھینک
دی - یہ لونڈا رونے لگا اور بادشاہ سے شکایت کی - بادشاہ نے ٹوپی دلوا دی اور کہا کہ
ان شاء اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ شاہزادہ تو بفضل خدا بادشاہ ہوگا اور یہی لونڈا اُس کا
معتمد علیہ اور مدار المہام ہوگا اور ایسا ہی ہوا -

مصطفیٰ خاں کا قید سے چھوٹنا سلطان محمد جب خود امور سلطنت انجام
دینے لگا تو اُس نے سید شاہ حسن فرخ آبادی کو قلعۂ بنکاپور بھیجا جہاں مصطفیٰ خاں قید تھا اُسے چھڑا کر
تین دن شاہ حسن بلگاؤں سے شہر بیجاپور میں بہ عزت و اکرام لایا اور بادشاہ نے کار ملکی کی خدمت سے سرفراز فرما کر
پہلے سے بھی زیادہ اُس کے مراتب و مناصب میں افزونی فرمائی -

مراری پنڈت کا انجام مراری پنڈت شکست پاکر پانچ سواروں کے ساتھ دہارواڑ[51] چلا گیا تھا وہاں لوگوں نے اُسے حصارِ شہر میں گھسنے نہ دیا لیکن دلپت راؤ اور سوریا راؤ وغیرہ نایک واڑیوں نے قلعہ سے باہر نکل کر ملاقات کی مراری نے ان کو قید کر لیا اور احشام کے چند لوگوں کو سزا بھی دی کہ شہر کے اندر انھوں ہی نے گھسنے نہ دیا تھا۔ مراری چار روز دہارواڑ میں تھا کہ خواص خاں کے مارے جانے کی خبر سنی۔ سنتے ہی اس کے ہوش و حواس پراں ہو گئے راتوں رات ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ہلیمال کے قلعہ میں پونہچا وہاں پونہچنے کی دیر تھی کہ عائد شہر نے اُسے قید کر کے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ بادشاہ کے سامنے بھی یہ اپنے پاجی پنے سے نہ چوکا اور گستاخانہ لہجے میں گفتگو کرنے لگا۔ بادشاہ نے اِس ہرزہ سرائی کی یہ سزا دی کہ فوراً اُس کی زبان گدّی سے کھنچوالی اور سارے شہر میں اُس کے ایک ایک عضو کو جدا کر کے گشت کرایا۔ خواص خاں کے قتل کے ایک مہینے کے بعد مراری پنڈت کا یہ واقعہ ہوا۔

شاہجہاں اور سلطان محمد کے درمیان صلح ۱۰۴۵ھ۔ شیخ محی الدین دبیر کو خواص خاں نے شاہجہاں کے حضور میں آگرہ روانہ کیا تھا۔ شاہجہاں پہلے ہی سے دکن جانے کا متمنی تھا فوراً طیار ہو گیا اور عجالتہً دولت آباد پونہچا۔ خواص خاں جن کی بدولت یہ سب فتنہ پردازی ہوئی تھی وہ تو چل بسے تھے۔ شاہجہاں حیران ہو گیا کہ اب کیا کرنا ہو گا۔ شاہجہاں نے اپنے لشکر کی دو تفریق کی ایک تو شاہ جی کے مقابلے پر بسر کردگی خان زماں بھیجا اور دوسرا بیجاپور کی طرف۔ بہر حال عادل شاہ سے نظام شاہ کے ملک کا تقاضا شروع کیا اور چاروں طرف ممالکت نظام شاہی میں اپنے سرداروں کو متعین کر دیا۔ سید خان جہاں کو پرینڈہ کی طرف رندولہ خاں کے مقابلے پر بھیج دیا اور خان دوران خاں کو بیدر[52] اور چنچولی پر بہ مقابلہ بہلول خاں۔ مکھیر[53] کی طرف عنبر خاں اور شاہ جی کو۔ اس طرح چو طرف اپنے آدمی پھیلا دئے اور جدھر دیکھو میدان کارزار گرم ہو گیا۔ امرائے عادل شاہیہ دہلی کے سرداروں کے مقابلے پر طیار ہو گئے۔ سلطان محمد بے چارہ

۵۱۔ بمبئی پریزیڈنسی کا ضلع ہے سطح سمندر سے ۲۴۲۰ فٹ بلند ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خوش گوار اور معتدل ہے شہر بڑا اور تجارت کی منڈی ہے۔ ۱۲

۵۲ ضلع گلبرگہ کی تحصیل ہے ۵۳۔ ضلع ناندیڑ کی تحصیل ہے۔

تنہا بادشاہ دہلی کا کیا مقابلہ کر سکتا قلعہ کے اندر جا بیٹھا اور بیجاپور کے اطراف واکناف میں بیس بیس میل تک تمام چارہ کٹوا دیا اور جتنا غلہ تھا سب تلف کروا دیا کیوں کہ شہر کے اندر لا نہیں سکتے تھے۔ نالایوں کا پانی نکلوا دیا اور سارے ملک کو ویران اور لق ودق میدان کر دیا۔ جہاں ایک تنکہ گھانس کا اور ایک دانہ اناج کا نہ رہا ہو تو پھر بتلائیے بادشاہ دہلی کا اتنا بڑا لشکر کیوں کر ٹھہر سکتا تھا۔ عساکر سلطانی کو جب قدم قدم پر دقتیں پیش آنے لگیں تو ناچار صلح پر آمادہ ہو گئے۔ شاہ جہاں نے گو بظاہر لڑائی چھیڑ دی تھی مگر ان مصائب اور تکالیف کے لحاظ سے دل سے یہی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح صلح ہو جائے تو اچھا ہے کہ یہ جھگڑا مٹے اور عادل شاہ کو ایسی بری آ بنی تھی کہ چاروں طرف ملک میں لوٹ مار ہو رہی تھی وہ بھی صلح کو بدرجہ اولیٰ پسند کرتا تھا۔ مصطفیٰ خاں رکن السلطنت عادل شاہی پہلے ہی سے مغلوں سے صلح کرنے کا کوشاں تھا۔ اُس نے شاہ داؤد ولد وفا خاں۔ شاہ ابوالحسن کو نہ۔ قاضی سعید کو دولت آباد بھیج دیا۔ رندولہ خاں صلح کے سخت خلاف تھا اور ہمیشہ کہتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو مغلوں سے ہمّت ہارنا مناسب نہیں لڑنا شیوہ مردانگی ہے دب کر صلح کرنا کیا معنی۔ سعید خاں نے کہلا بھیجا کہ اب وقت لڑائی کا ہرگز نہیں ہے ہم سب صلح پر آمادہ ہیں تم بھی چلے آؤ اور مصطفیٰ خاں کے ہم خیال ہو جاؤ۔ رندولہ خاں آیا۔ مصطفیٰ خاں نے رندولہ خاں کو اپنا مہمان کیا اور پندرہ دن تک برابر سمجھا بجھا کر صلح پر راضی کر لیا۔ الغرض صلح اس شرط پر ہوئی کہ رود کشنا کے اُس طرف کا تمام ملک شاہ جہاں کے قبضے میں رہے اور اِس طرف کے تمام ملک پر عادل شاہ بدستور قابض رہے۔ شاہ جہاں نے کہا اچھا عہد نامہ لوح طلا پر کندہ کیا جائے۔ چوں کہ عرصے سے لشکر پڑے پڑے تنگ آ گیا تھا۔ رسد کی بندش قحط سالی اور گرانی نے اور بھی پریشان کر رکھا تھا بادشاہ کو ازحد جلدی تھی کہ کہیں صلح ہو جائے کہیں جاؤں۔ طہماسپ نامی قاصد کو جو بڑا چلنے والا مشہور تھا بیجاپور اس قرار سے بھیجا کہ پانچ دن میں واپس آ جائے۔ طہماسپ دولت آباد سے بیجاپور برابر ڈھائی دن میں پونچا اور ویسے ہی اُلٹے پاؤں جواب لے کر پلٹا۔ شاہ جہاں نے اُس کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا خیمے وغیرہ روانہ کر کے خود پا بر رکاب بیٹھا تھا کہ پانچویں دن سات آٹھ بجے دن کے طہماسپ حسب وعدہ خود آ گیا اُس کے آتے ہی بادشاہ دہلی روانہ ہوا۔ عہد نامہ ماہ ذیحجہ ۱۰۴۵ھ میں ہوا اور حسب قرارداد

باہمی سلطان محمد نے بیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا قبول کیا اور قلعہ شولاپور۔ پرینڈہ
اور کچھ حصہ ملک احمد نگر جو مابین دریائے بھیما اور نیرا کے ہے اور تمام حصہ ملک کوکن عادل شاہ
کے پاس چھوڑ کر باقی سارا ملک دریائے کشنا کے اس جانب کا شاہ جہاں نے لیا اور یہ
بھی شرط ہوئی کہ شاہ جی کو کسی قسم کی مدد نہ دی جائے۔ خان فرمان خاں اگرچہ شاہ جی کے مقابلے
پر گیا تھا لیکن شاہ جی اس کے اکیلے کے بس کا نہ تھا لہذا سلطان محمد کی طرف سے رندولہ خاں مدد
کو دیا گیا اور ملک ریحان بہ معیت سیدی مرجان ایک ہزار چالیس سوار لے کر رندولہ خاں کی مدد
کو پہنچا۔ خان زماں اور رندولہ خاں نے دونوں نے قلعہ ماہولی پر پہنچ کر محاصرہ کیا اور شاہ جی کو
گھیر لیا۔ شاہ جی نے بہت کچھ کوشش مقابلے کی کی لیکن کوئی صورت بن نہ پڑی ناچار صلح کر لی۔
مرتضی نظام شاہ کو خان زماں کے سپرد کر دیا اور قلعہ ماہولی عادل شاہ کے حوالہ کیا۔ خان زماں خاں
نظام شاہ کو لے کر دولت آباد چلا گیا۔ شاہ جی جس نے سلطان محمد کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ رندولہ خاں
کے ساتھ بیجاپور چلا گیا اور وہاں پہنچتے لشکر عادل شاہی میں ایک بڑے عہدے پر مامور کر لیا گیا۔
اس کے بعد ۱۶۳۶ء سے تاوفات محمد شاہ جو ۱۶۵۶ء میں ہوئی بیجاپور کی مملکت میں اندرونی اور
بیرونی فسادات اور حملوں سے کامل سکون رہا۔ اور اس زمانے میں بادشاہ نے عظیم الشان اور
لاجواب مقبرے اور بہت سی دوسری عمارات کی طیاری میں مصروف رہا۔

قلعہ ابکیری پر سلطان محمد عادل شاہ کی چڑھائی

جب اس بڑے دغدغے سے بادشاہ کو نجات ملی تو بادشاہ نے ملک کرناٹک کی تسخیر کا ارادہ کیا
اس لڑائی کا رنگ مذہبی تھا چنانچہ بادشاہ نے مجاہد اور غازی کا لقب بھی لیا۔ سپہ سالار
رندولہ خاں اور ملک ریحان کی سرکردگی میں پہلے ابکیری پر چڑھائی ہوئی۔ ملک ریحان سدی عنبر کالہ
کو قلعہ شولاپور میں چھوڑ کر چار ہزار سوار لے کر رندولہ خاں سے جا ملا۔ ابکیری میں راجہ ایربھدرا
تھا وہ مسلمانوں کا ٹڈی دل لشکر دیکھ کر گھبرا گیا اور تیس لاکھ ہن دے کر صلح کر لی جس میں سولہ
لاکھ تو نقد دیا اور باقی چودہ لاکھ تین سال کی اقساط میں ادا کرنے کا معاہدہ ہوا۔ اور رندولہ خاں
بیجاپور واپس آکر نورس پور میں ٹھیر گیا۔

قلعہ شولاپور پر قبضہ

ملک ریحان ابکیری سے شولاپور[۵۴] چلا گیا اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

[۵۴] بمبئی سے ۲۸۳ میل ہے مستقر ضلع ہے۔ تجارت کی بہت بڑی منڈی اور گنجان بسا ہوا شہر ہے۔ سٹیشن عین وسط آبادی

بادشاہ نے ملک ریحان کو پانچ لاکھ ہُن اس صلہ میں انعام دیئے - اب حسن رومی خاں شولاپور کا قلعہ دار بدستور رہا -

قلعہ ابکیری کی فتح ۱۰۴۰ھ رندولہ خاں فتح قلعہ شولاپور کے بعد اپنی جاگیرات ہوکیری اندرائے پاک چلا گیا - راجہ بھدر رائے نے باوجود وعدہ کے دو سال تک قسط مقررہ نہ بھیجی تو پھر دوبارہ چڑھائی کرنی پڑی اور قلعہ کو راجہ کے قبضے سے لے لیا -

ملک کرناٹک پر چڑھائی اس کے چند دنوں بعد بادشاہ نے رندولہ خاں کو کرناٹک کی مہم پر بھیجا اور بہت سے امرا بھی ساتھ تھے جن میں ملک ریحان بھی تھا - سدّی عنبر سدھور میں دو ہزار سوار لے کر جا بیٹھا تھا - رندولہ خاں نے افضل خاں کو پانچ ہزار سوار دے کر سدّی عنبر کو قید کرنے کا حکم دیا - افضل خاں کے سدھور آنے کی خبر سنتے ہی سدّی عنبر نے جانا کہ اب خیر نہیں ہے خود اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال پالکی میں سوار ہو کر افضل خاں کے استقبال کو آگے بڑھا اور عرض کی کہ بادشاہ کا فرمان سر آنکھوں پر ہے - قبل ازیں ملک عنبر کے زمانے میں جب خیریت خاں اور عنبر خاں کا لاکوٹ قلعۂ دولت آباد میں قید ہوئے تھے ملک ریحان قلعہ دار تھا اور سلوک سے پیش آیا تھا اُسی تعارف سے ملک ریحان اور خیریت خاں دونوں نے بیچ میں پڑ کر رندولہ خاں سے قصور معاف کرا دیا اور اُس کی دولت اور جاگیر بدستور بحال رہی - اس کے بعد رندولہ خاں چوبیس ہزار سواروں کا لشکر لئے ہوئے عرصہ تک ملک کرناٹک کے مختلف مقامات اور قلعوں کو فتح کرتا رہا - مسلسل سفر اور مختلف مقامات کے پانی سے لشکری بہت سے بیمار ہو گئے بادشاہ نے اُن کو واپس بلا لیا اور تھوڑے دنوں بعد خان محمد اور ملک ریحان کو گنجی کوٹے کی فتح کو روانہ کیا -

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۴ - میں ہے - عادل شاہیوں کا بنایا ہوا - چار سو برس پیشتر کا قلعہ سٹیشن کے نزدیک ہے - اس کے اطراف ایک عمیق اور وسیع خندق ہے - یہاں پارچہ بافی کی کئی گھر بنیاں ہیں - روئی کا بیوپار کثرت سے ہوتا ہے - شہر سے تین میل کے فاصلے سے ایک بہت بڑا تالاب جس کو جھیل کہا جا سکتا ہے سات میل دور کا جو نہایت عمیق بھی ہے موسوم بہ "ایک رخ" یا "ہپرگہ تالاب" موجود ہے جس سے علاوہ آب رسانی شہر کے بہت سی زراعت تری بھی کی جاتی ہے -

ملک کرناٹک میں رائلوں سے لڑائی ۱۰۵۷ھ

ملک کرناٹک میں اس زمانے میں راجہ ایل کا بڑا زور شور تھا اور وہ کسی دوسرے کی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا۔ سلطان محمد نے جب اُس کا زور زورہ سنا تو ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے نواب مصطفیٰ خاں کو اُس کے مقابلے پر روانہ کیا۔ نواب مصطفیٰ خاں نے اپنے جانے سے پہلے شاہ جی بھونسلہ اور اسد خاں کو تھوڑی فوج دے کر آگے بھیج دیا تھا بعد خود چلا۔ شاہ جی اور اسد خاں جب قریب سرحد ملک رائلان کے پونچے تو اُن کے نامور سردار ایلوار اور کشنا اور دوسرے امرا مقابلے پر آ گئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ شاہ جی کی سواری کا ہاتھی اور بہت سا مال و اسباب لوٹ کر لے گئے اور غلبہ رائلوں کا رہا۔ مصطفےٰ خاں ابھی سات آٹھ منزل اِدھر ہی تھا کہ شاہ جی کی شکست کی خبر پونچی۔ مصطفیٰ خاں نے بھاری بھر کم سامان بنگلور کو روانہ کر دیا اور خود مع ہلکے پھلکے سامان کے رائلوں کی طرف متوجہ ہوا اور سلطان محمد کو اس شکست کی خبر دے کر امداد طلب کی۔ پادشاہ نے خان محمد اور ملک ریحان کو مدد دینے اور مہم پر جانے کا حکم دیا اور خان محمد کو لکھا کہ بالفعل گنجی کوٹہ کی مہم کو ملتوی رکھو یہ کام ضروری ہے پہلے اسے نبٹاؤ۔ ملک ریحان نے معروضہ لکھا کہ ہم کو جانے میں عذر نہیں مگر عرصہ سے لشکر اس مہم پر پڑا ہوا ہے اور بہت ہلکان ہو گیا ہے اور عرصہ سے حضرت کے قدم نہیں دیکھے پہلے وہاں آ کر پھر جہاں حکم ہو گا جانے کو طیار ہیں۔ اسی اثنا میں پادشاہ کو خبر ملی کہ رائل تازہ دم ہو کر بہت بڑی فوج کے ساتھ ماستی گھاٹ پر چڑہ آیا ہے۔ پادشاہ نے اس وجہ سے ملک ریحان کو عجالتًہ اپنی تصویر بھیج دی کہ یہ موقع یہاں آنے کا نہیں ہے ہماری تصویر دیکھ کر اطمینان خاطر حاصل کرو اور دانہ یہاں کھاؤ تو پانی وہاں پیو۔ ملک ریحان حکم پونچتے ہی خیریت خاں اور علی خداوند خاں وغیرہ سرداروں کو لے کر منزل بہ منزل کوچ مقام کرتا ہوا درمیان بنی کلور اور ماستی کے مصطفیٰ خاں سے جا ملا اور وہاں سے دونوں رائلوں کی جنگ پر روانہ ہوئے اور ایلور[۱] مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اور

---

[۱] مدراس ریلوے کی شمالی مشرقی لین کا اسٹیشن ہے جو ضلع گوداوری کا ایک بڑا قصبہ ہے۔ بلحاظ تاریخی حالات کے یہ مقام اس سبب سے مشہور ہے کہ ملک مشرقی سرکار کا قدیم دارالسلطنت تھا جس میں زمانہ حال کے اضلاع گنجام۔ وزیگاپاٹم۔ گوداوری۔ کسٹنا اور ایک حصہ نلور کا شامل تھا۔ قصبہ سے جانب شمال آٹھ میل

دونوں طرف سے بڑی بھاری لڑائی ہوئی کبھی ہندو غالب آتے تھے کبھی مسلمان کہ ناگاہ واملواڑ جو ایک بڑا مشہور بہادر تھا آن پونچا اور اسد خاں اور شاہ جی کی فوج پر گرا۔ اسد خاں زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ بابا علی لاری اور خواجہ حسین جنجی دونوں پاس کھڑے تھے بابا علی نے اپنا گھوڑا پیش کیا لیکن وہ اپنے ہی گھوڑے پر پھر سوار ہوا اُس کے سوار ہوتے ہی واملواڑ جھپٹا ملک ریحان نے دیکھا کہ معاملہ نازک ہی وہ پیچھے سے دوڑا لیکن جب تک واملواڑ مصطفیٰ خاں سے قریب پونچ گیا تھا۔ نواب تالاب کے بند پر کھڑا ہوا جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اسی وقت ملک ریحان کا علم واملواڑ کے پیچھے دکھلائی دیا۔ مصطفیٰ خاں نیچے اُترنا چاہتا تھا کہ تماجی صاحب نے کہا کہ اس وقت آپ کا یہاں سے ہٹنا مناسب نہیں ہی آپ ہٹے اور لشکر کے پاؤں اُکھڑے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ واملواڑ ہاتھی پر بیٹھا ہوا چاروں طرف نگاہ کرتا ہوا آتا ہوا نظر آیا کہ ملک ریحان بھی اُسی کے ساتھ آن پونچا۔ واملواڑ وہیں سے اُس کے مقابلے کو پلٹا۔ اور دونوں کی افواج گتھ گئیں۔ واملواڑ کی شکست ہوئی۔ مصطفیٰ خاں تالاب کے بند پر سے ملک ریحان کی دلیری اور شجاعت کا تماشا دیکھ رہا تھا کہ ہندوؤں کی فوج بھاگی اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا سارا میدان نعشوں سے پٹ گیا اور سامان و اسلحہ بے تعداد ہاتھ لگا دو ہاتھی خاصہ کے جس میں سے ایک کا نام رنجیت اور دوسرے کا واملواڑ تھا مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ مصطفیٰ خاں سے کسی نے کہہ دیا تھا کہ اسد خاں مارا گیا اور ملک ریحان گھر گیا کہ اتنے میں ملک ریحان چار سواروں کے ساتھ آ پونچا۔ مصطفیٰ خاں بہت خوش ہوا اور ملک ریحان کے بازو کو بوسہ دیا اور جو تلوار خود لگائے ہوئے تھا کھول کر ملک ریحان کے باندھ دی اور جس گھوڑے پر خود سوار تھا ملک ریحان کو اُس پر بٹھلایا اور کہا کہ آج صرف تمھاری ہی بہادری اور جرات اور استقلال کی بدولت ہم سب کی عزت بچی اور لشکر اسلام کی فتح ہوئی اور بہت کچھ اُس کی عزت اور توقیر کی۔

نواب مصطفیٰ خاں اور ملک ریحان کی ناچاقی۔ جب کسی شخص کو رسوخ حاصل ہوتا ہی دنیا کا قاعدہ ہی کہ حاسدین رخنہ اندازی شروع کرتے ہیں۔ مصطفیٰ خاں اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۶۔ کے فاصلے پر قلعہ کی پرانی عمارت نظر آتی ہی چلوکیا خاندان کی پرانی دارالسلطنت جو مقام ونگی میں تھی وہ دراصل بودھ قوم کی بنائی ہوئی تھی اُس کی ویرانی کے بعد یہ قلعہ بنا۔ ۱۲

ملک ریحان میں گاڑھی دوستی تھی خدا جانے حاسدوں نے کیا جوڑ چلا کہ اوپر جو ذکر آیا اس سرفرازی کے دوسرے ہی دن شب نویس کے کہنے پر اعتبار کر لیا کہ رائلوں پر فتح جو ہوئی وہ سب کیا دھرا اسدخاں کا تھا نہ کہ ملک ریحان کا۔ اس پر ملک ریحان کو کہلا بھیجا کہ ہاتھی جو کل تم لے گئے ہو فوراً واپس کرو۔ ملک ریحان نے کہلا بھیجا کہ اسدخاں کا اور میرا حال اظہر من الشمس ہے کسی پر مخفی نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف شب نویس کی بادھوائی باتوں پر کان دھرا ہے خیر آپ کو اختیار ہے لیکن میں ہاتھی ہرگز واپس نہ کروں گا اگر ایسا ہی ہے تو میں خود پادشاہ کے حضور میں داخل کر دوں گا اور آگے کو ہمارے آپ کے قطع تعلق ہے۔ آپ نے خود اپنے خاصہ کا ہاتھی گم کر دیا تھا اور بے یار و مددگار تھے اور قریب تھا کہ شکست ہو یہ خاکسار ہی کا جگر تھا کہ وقت پر پہنچ کر فتح حاصل کی۔ نواب اس جواب سے بہت منفعل ہوا لیکن اس وقت مصلحتہً خاموش رہ گیا بعد میں عذر معذرت بھی کی لیکن دلوں میں بل پڑ چکا تھا نہ نکلنا تھا نہ نکلا۔ بادشاہ کو جب اس جھگڑے کی خبر ملی تو اس نے نواب کو لکھا کہ جنگ اور فتح کا معاملہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ؎

زبان خلق کو نقارہ خدا کہئے — بجا کہے جسے عالم اُسے بجا کہئے

ملک ریحان نے جو قابل قدر کام کیا ہے وہ ہم کو معلوم ہے۔ ہاتھیوں کے ذرا سے معاملے پر ملک ریحان کی دل شکنی کرنا مناسب نہیں ہے وہ جب ہمارے حضور میں حاضر ہو گا خود بخود گزران دے گا۔ بہر حال اب تلافی مافات کیجئے اور جس طرح ممکن ہو ملک ریحان سے مل جائیے دلوں میں کدورت رہنا اچھا نہیں ہے۔ پادشاہ نے سارے امراء کے لئے خلعت اور تلواریں بھجوائیں اور سب سے بڑھ کر خلعت ملک ریحان کو بھیجا اور بہت کچھ حوصلہ افزا کلمات تحریر فرمائے ملک ریحان کی اس قدر خاطر تواضع نواب کو ناگوار ہوئی اور سب امراء جدھر کے اُدھر متفرق ہو گئے مصطفیٰ خاں قلعہ جنجی کی تسخیر کو چلا گیا اور ملک ریحان چیرکل کے قلعہ کو فتح کر کے سرا کو چلا گیا اور وہیں اپنی دونوں لڑکیوں کی شادی ننگا رخاں اور سید عبدالرحمن سے کر کے قلعہ جنجی کے محاصرہ میں جا کر مصطفیٰ خاں کا شریک ہو گیا۔

شاہ جی بھونسلے کا قید ہونا ملک کرناٹک میں بیجاپور کی طرف سے شاہ جی

بطور گورنر کے مقرر تھا۔ شاہ جی کا آبائی علاقہ وہاں سے قریب پونے میں تھا جہاں وہ اپنی نہایت عاقلہ و فرزانہ۔ عالی حوصلہ بیوی جی جی بائی اور اپنے لڑکے سیواجی کو چھوڑ آیا تھا۔ سیواجی نے ایک بےچین طبیعت پائی تھی اور نہایت اولوالعزم اور جری آدمی تھا۔ جب وہ جوان ہوگیا تو اُس کی خداداد قابلیت اور بلند نظری نے اُس کو مرہٹوں کی ایک جداگانہ سلطنت قایم کرنے کی ہمت دلائی اس غرض کی تکمیل کے لئے اُس نے چھانٹ چھانٹ کر بڑے بڑے نامور اور بہادر لوگوں کو جمع کیا اور رفتہ رفتہ اُس کی طاقت نے ایسی مضبوط جڑ پکڑی کہ گھاٹوں کے بہت سے قلعوں پروہ پادشاہ بیجاپور کے معتمد ہونے کی آڑ میں قابض ہوگیا اور اُس کی جرات ایسی بڑھ گئی کہ چندہی دنوں میں شاہی خزانے کو روک لیا۔ پادشاہ کو جب خبر ملی تو اُس نے سیواجی کی بغاوت کا اعلان کردیا اور اُس کے باپ شاہ جی کے گرفتار کرنے کا حکم دیا کیوں کہ عام خیال یہ تھا کہ سیواجی کی اتنی جرأت نہیں ہوسکتی جب تک کہ اُس کے باپ نے اُسے آنکھ نہ دی ہو۔ مصطفی خاں شاہ جی کے قید کرنے کی فکر کرنے لگا۔ ایک دن باباجی۔ ایشونت راؤ اور اسد خاں کو شاہ جی پر چڑھا دیا۔ شاہ جی اتفاق سے اُس شب میں تمام رات جلسہ میں جاگ کر صبح کو سو گیا تھا۔ جوں ہی اُسے اِن لوگوں کے چڑھ آنے کی خبر ملی گھبرا کر اٹھا اور ایک گھوڑے پر سوار ہوکر اکیلا نکل بھاگا۔ باباجی نے تعاقب کیا اور پکڑ لیا اور مصطفی خاں کے سامنے لایا مصطفی خاں نے اُسے قید کردیا شاہ جی کے ہمراہی کے تین ہزار سوار چوطرف بکھر کر لوٹ مار کرنے لگے۔ اِسی اثنا میں خیریت خاں مرگیا۔ نواب اور ملک ریحان کے درمیاں جو ناچاقی ہوگئی تھی وہ باوجود پادشاہ کی فہمایش کے بھی روز افزوں تھی دونوں ایک دوسرے کی کاٹ پر تلے ہوئے تھے۔ جب کبھی ملک ریحان ملاقات کو جاتا تھا تو بہت سنبھل کے جاتا تھا اب جو شاہ جی کے قید ہوجانے کی خبر سنی اور زیادہ پریشان ہوگیا کہ خدا جانے میری کیا گت بنتی ہے اس لئے احتیاطاً اور دو ہزار سوار بھرتی کرلئے۔ مصطفی خاں نے اعتراض کیا کہ تم نے دو ہزار کی نئی جمعیت کیوں بھرتی کی ہے۔ ملک ریحان نے جواب دیا کہ آپ کو تو بہت سی مہموں کا سامنا ہے جس کی وجہ سے جنگل جنگل پھر رہے ہیں اُدھر قلعہ جنجی کا محاصرہ آپ کے سر چڑھ ادھر آپ نے شاہ جی کو قید کرلیا ہے اور دشمنوں کا یہ حال ہے کہ ہر طرف سے زغمہ کئے ہوئے ہیں اگر خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہوجائے تو پادشاہ تو مجھ سے مواخذہ کرے گا آپ الگ رہ جائیں گے

اس لئے سلطنت اور خود آپ کی نگہبانی کے واسطے میں نے جدید سوار رکھے ہیں - ملک ریحان نے اپنے حسن سلوک سے دوسرے امراء کو اپنی طرف کر لیا تھا اس سبب سے اکیلے مصطفیٰ خاں کی کچھ چلتی نہ تھی - بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ مصطفیٰ خاں کا ارادہ ملک کرناٹک میں رد پڑنے کا ہے بادشاہ ان دونوں امراء کی باہمی رنجش سے نہایت کبیدہ خاطر تھا پھر دوبارہ مصطفیٰ خاں کو لکھا کہ ملک ریحان ایک اعلیٰ مرتبہ کا وزیر ہے اور بڑا صاحب جمعیت و سپاہ ہے اور ہمارا دلی خیر خواہ ہے اُس سے بگاڑ کرنے میں ملک کی تباہی ہے میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر لکھتا ہوں کہ تم دونوں آپس میں مل جاؤ - اور ملک ریحان کو لکھا کہ میں نے مصطفیٰ خاں کو بہت کچھ لکھ دیا ہے اب وہ تم سے پرخاش نہ کرے گا اگر اب بھی تم کو اُس پر بھروسہ نہیں ہے تو خیر تم اپنی احتیاط کر سکتے ہو لیکن ما بدولت کی طرف سے اطمینان کلی رکھو کہ میں تم سے بالکل راضی اور خوش ہوں اسی پر ایک دن مصطفیٰ خاں نے اچانک ملک ریحان کو بلا بھیجا کہ کچھ ضروری کام ہے ابھی آؤ - ملک ریحان چند لوگوں کے ساتھ خالی الذہن آ گیا کہ اشونت راؤ اور اسد خاں نے اُسے گھیر لینا چاہا لیکن ملک ریحان کے لشکر میں بھی یہ خبر پھیل گئی اور سب سمٹ آئے معاملہ رفت گزشت ہو گیا دستر خوان بچھایا گیا اور دونوں نے مل کر کھانا کھایا بعد کھانے کے مصطفیٰ خاں اپنے خیمہ سے نکل کر دور تک اکیلا ملک ریحان کو پہنچانے آیا اور بہت کچھ لّلو پتّو کی باتیں بنائیں -

نواب مصطفیٰ خاں کی وفات اور قلعہ جنجی کی فتح ۱۰۵۸ھ

جنجی[1] کے محاصرے میں مصطفیٰ خاں کو پورا ایک برس لگ گیا - اس اثناء میں مصطفیٰ خاں سخت بیمار پڑ گیا کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا آخر کار اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا - ملک ریحان نے مصطفیٰ خاں کی خطرناک حالت

[1] صوبۂ مدراس میں سب سے مشہور قلعہ گنجی کا ہے جسے جنجی بھی کہتے ہیں اور جو اسٹیشن ٹنڈی وانم سے (۱۲) اور مدراس سے (۹۷) میل ہے - لیکن بہت سے لوگوں نے اس قلعہ کا نام بھی نہ سنا ہو گا حالاں کہ بلحاظ اس کی مضبوط اور عالی شان عمارت اور شاندار فصیل اور برجوں کے اب بھی قابل دید ہے کیوں کہ گورنمنٹ کی طرف سے اس کی نگہداشت ہوتی رہتی ہے - اس مقام پر پہنچنے کا بہترین راستہ ریل کا ہے ریل سے اتر کر پانچ چھ گھنٹے میں گنجی پہنچ جاتے ہیں - راستہ میں بھی کئی عمدہ عمدہ مندر اور سنگ مرمر کی مورتیں ملتی ہیں - سڑک کا راستہ بھی ہے لیکن پل وغیرہ ناقص ہونے سے خراب ہے - قلعہ کا منظر دور سے کچھ سہانا نہیں ہے - پہاڑ پر بڑے بڑے گنبد دیکھ کر وحشت ہوتی ہے -

سے اطلاع دی اور لکھا کہ خان محمد کو یہاں بھیج دیا جائے - بادشاہ نے خان محمد کو جو نندی یال
میں سات ہزار سواروں کے ساتھ متعین تھا مصطفیٰ خاں کی جگہ فوراً پہنچ جانے کا حکم دیا اور
افضل خاں کو شاہ جی کے لشکر کو گرفتار کرنے کے لئے اور خواجہ سرا اعتبار خاں کو خیریت خاں متوفی
کے مال و اسباب ضبط کرنے کے لئے بھیج دیا - یہ لوگ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۰۵۰ھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰ - یہ قلعہ سولہویں صدی میں راجگان بیجانگر کا سب سے مضبوط اور نامور قلعہ تھا جن کا
دارالسلطنت ضلع بلھاری میں بمقام ہمپی تھا لیکن اس سے پیشتر کے حالات کہیں دستیاب نہیں ہوتے ۱۶۴۸ء
میں ڈچوں نے فرانسیسیوں کو پانڈی چری سے بے دخل کر دیا تھا لیکن چھ سال کے بعد پھر انھیں کا قبضہ ہو گیا
اس واقعہ کے چند سال پیشتر انگریز فورٹ سینٹ جارج بنا چکے تھے - بادشاہ بیجاپور کی جانب سے ۱۶۷۷ء میں
گنجی کا قلعہ دار اور حاکم محمد خاں تھا اس کی خواہش تھی کہ انگریز اس نواح میں اپنے کارخانے قائم کریں اس لئے
سے ۱۶۹۰ء میں مدراس کے برٹش عہدہ داروں نے اس قطعہ زمین کے خریدنے کی کارروائی کی جہاں پہلے
زمانہ کا ایک محصور قلعہ تھا اور اب فورٹ سینٹ ڈیوڈ ہے ۱۷۵۰ء میں فرانسیسیوں نے گنجی کے قلعے کو فتح کر لیا
دو سال کے بعد انگریزوں نے حملہ کیا مگر ناکامیاب رہے لیکن آگے چل کر ناکہ بندی کر لی اور آخر کار محصورین نے
قلعہ حوالہ کر دیا - اس کے بعد حیدر علی کے ملک کرناٹک پر حملہ (۱۷۸۰ء) کرنے تک کوئی تازہ واقعہ پیش
نہیں آیا - قلعہ کے دو عظیم الشان دروازے ہیں - (۱) پھلچری (پانڈی چری) دروازہ - (۲) آرکٹ
یا ویلور دروازہ - یہ دونوں دروازے قدیم ہیں لیکن اب تو فصیل توڑ کر سڑک ڈال دی گئی ہے - قلعہ کی تین طرف
پہاڑ ہیں جن کو فصیل اور برجوں سے محصور کر لیا ہے اور جابجا برجوں پر توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور بندوقوں کے
سر کرنے کے روزن بنے ہوئے ہیں - قلعہ کی بلندی پانسو سے چھ سو فٹ تک ہے فصیل کا عرض (۶۰) فٹ
اور خندق کا (۸۰) فٹ ہے - یہ پہاڑیاں کشناگری شمال میں - چندراین جنوب میں اور راجہ گری مغرب میں
ہیں - کشناگری سے فصیل اور برجوں اور وسیع خندق کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا ہے کہ بقیہ دونوں پہاڑیاں
بھی گھر گئی ہیں جس سے ایک مثلث نما محاط ہو گیا ہے جس کا دور قریب تین میل کے ہے - یہ قلعہ کا حصہ زیریں ہے
علاوہ اس کے تینوں مرتفع پہاڑیاں بجائے خود ایک ایک قلعہ ہیں - علاوہ اس فصیل کے جو اطراف
دوڑی ہوئی ہے - ہر پہاڑی کی جدا جدا حفاظت کی گئی ہے خصوصاً راجگری کی جس پر تہری فصیل یکے بعد دیگرے
ہے - قلعہ کا نظارہ اچھی طرح کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ شارع عام پر سے ہم فصیل پر چڑھ کر پھلچری دروازے

روز پنجشنبہ کو مصطفیٰ خاں نے انتقال کیا۔ مصطفیٰ خاں نے اپنے مرنے سے پہلے ہی
ملک ریحان کو بلا کر اعتبار خاں خواجہ سرا کے سامنے جو کچھ نقد و جنس سرکاری اور ہیرا بھی
سب حوالہ کر دی اور تاکید کی کہ خاں محمد کے آنے تک شاہ جی کی حراست اور محاصرۂ قلعہ جنجی
کا پورا اہتمام رکھیں۔ مصطفیٰ خاں کی وفات کے بعد ملک ریحان نے ایشونت راؤ اور
اسد خاں کی طمانیت خاطر کر کے نواب کے علاقہ کے لوگوں کو سارا اثاثہ تفویض کر دیا اور
ڈھائی ہزار ہن دے کر نعش کو بڑے تزک و احتشام سے بیجاپور روانہ کر دیا۔ اعتبار خاں نے
شاہ جی اور خیریت خاں کی جاگیر اور کارخانجات کو ضبط کر لیا اور مہر پادشاہی لے کر کام
چلانے لگا۔ خان محمد بھی حکم پہنچنے کے ساتھ ہی نندی ہال سے چل کر جنجی پہنچ گیا۔ ملک ریحان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۱ ۔ کا راستہ ہیں جس کے بلند برج پر سے سارا قلعہ کٹورے میں معلوم دیتا ہے ویسے ہی
چندراین کی طرف اور آگے بڑھ جائیں اور سیڑھیوں پر چڑھ کر دیکھیں تو راجہ گری سامنے ہی ہے سب سے نمایاں
ونکٹ رمنا کا مندر ہے اس سے آگے بڑھ کر کلیان محل۔ غلہ کا کوٹھا اور پھر قلعہ کے اندرونی حصہ میں داخل
ہونے کا راستہ ہے۔ ونکٹ رمنا کے دیول کے اندر بے شمار ستون اور بہت سے حجرے ہیں۔ قلعہ کا اندرونی
دروازہ تہری پردے کی دیواروں سے محفوظ ہے۔ دروازے کے اندر جانے کے بعد سیدھی جانب کلیان محل
ہے اور بائیں طرف نہایت خوب صورت زنانے حمام کی دلکش عمارت ہے اس سے اور آگے بڑھ کر ایک بہت
بڑا سنگ بست تالاب ہے جس کی ایک جانب پختہ گھاٹ بنا ہوا ہے یہاں بھی غلہ کا گودام ہے اور یہ تمام
حصہ قلعہ کا پوری طرح محفوظ و محصور ہے اور اسی طرح راجہ گری جو راجہ کے رہنے کا مقام تھا خاص طور پر مستحکم و محفوظ
بنایا گیا ہے۔ کشنا گری میں کوئی خاص چیز دیکھنے کی نہیں ہے مگر پہاڑوں کے گنڈوں میں جو چکر دار سیڑھیاں تراشی ہیں
وہ بجائے خود ایک عمدہ پناہ گاہ ہیں اس پہاڑی کی چوٹی پر بھی ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ کچھ گرا پڑا حصہ دربار ہال
کا باقی ہے۔ جس کی محرابیں اور کھڑکیاں اب تک موجود ہیں۔ اغلب ہے کہ یہ قلعہ راجگان بیجانگر کا بنایا ہوا ہے
اور پھر جس جس کا قبضہ رہا وہ اپنے حوصلہ اور ضرورت کے موافق ترمیم و تعمیر کرتا گیا۔ اس قلعہ کے استحکام
کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ذوالفقار خاں کو (جو اورنگ زیب کا گورنر تھا) پورے سات برس
اس کے سر کرنے میں لگے۔ ۱۲۔
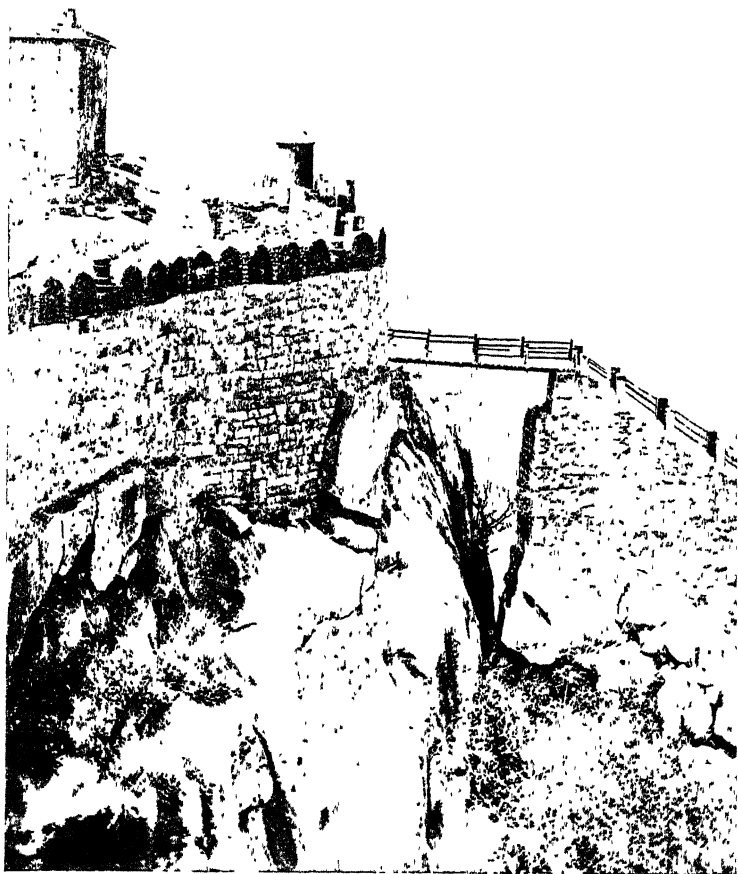
BRIDGE TO CITADEL, GINGEE. قلعۂ جدجی کا پل

By Permission of the G.T.M., S.I.Ry., Trichy.

HOE AND CO., MADRAS.

نے مصطفیٰ خاں کی وفات کے بعد بے سردار کے لشکر کی سنبھال اچھی طرح کی پچیس ہزار ہن فوج کی تنخواہ چڑھی ہوئی تھی وہ شاہی خزانہ سے دلوادی اور قلعہ کا محاصرہ اور سختی سے کرلیا۔ اِس طرف کے ملک کے کچھ حصہ پر قطب شاہیوں کا قبضہ بھی تھا جس پر امیر جملہ متعین تھا میر جملہ کنتھا مضافات ایلور میں ہے جو جنجی سے پانچ کوس تھا رہتا تھا۔ مصطفیٰ خاں کی زندگی میں اِن دونوں میں یہ طے پاچکا تھا کہ نواب قلعۂ جنجی میں رہیں اور میر جملہ گنجی کوٹے میں اور دونوں ایک دوسرے کی امداد کریں۔ مصطفیٰ خاں کی وفات کے بعد میر جملہ نے دیکھا کہ اُس کا لشکر منتشر ہوگیا۔ خیریت خاں کا مال و اسباب ضبط ہوگیا اور شاہ جی مقید ہے اب ملک ریحان اکیلے سے قلعۂ جنجی کا محاصرہ کیا سنبھلے گا آخر کار ناچار ہوکر محاصرہ اُٹھانا ہی پڑے گا تو میں ہی قلعۂ جنجی پر قبضہ کیوں نہ کرلوں لہٰذا کُھلّم کُھلّا ملک ریحان سے کہلا بھیجا کہ آپ کا یہاں ٹھیرنا ہمارے مقاصد کے مخل ہے قلعہ کے لوگ آپ کی پناہ دہی میں ہیں آیندہ اگر کچھ اُلٹ پلٹ ہوجاوے تو مجھ پر کچھ الزام نہیں ہے اگر مصطفیٰ خاں مرگیا تو میں تو زندہ ہوں اور میں بادشاہ (عادل شاہ) کے احکام کی تعمیل کو حاضر ہوں۔ ملک ریحاں نے دیکھا تو بے یار و مددگار تھا مجبوراً قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر مقام وسواتی میں جو ایلور سے سات کوس ہے جاکر ٹھیر گیا کہ اتنے میں خان محمد خان مع لشکر کے آن پہنچا اور پھر دونوں نے مل کر قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ راجہ روپ نایک کے آباو اجداد قلعۂ جنجی کی حکومت سات سو برس سے کررہے تھے اور آج تک کسی نے اُن کو چھیڑا نہ تھا اور قلعہ بہت مرفہ الحال اور آباد تھا لیکن روپ نایک خلاف راجگان سابق کے لہو و لعب اور عیش و عشرت میں پڑگیا اور کاروبار ریاست سے بالکل بے خبر ہوگیا بہت سے امراء اور راجگاں اُس کے خلاف ہوگئے چنانچہ جنجاوڑ کے راجہ نے سرتابی کی اور محاصرے کے وقت ذرا بھی مدد نہ دی آخر طوالت مدت محاصرہ اور بندش رسد سے عاجز آکر قلعۂ جنجی ۲ ذیحجہ ۱۰۵۸ھ میں عادل شاہ کے حوالہ کردیا گیا اور سوائے اُس دولت کے جو دوران محاصرے میں لوٹی گئی تھی جواہرات اور نقدیات ملاکر چار کروڑ ہن کی دولت ملی اور اس کے بعد بہت سے قلعہ جات ملک کرناٹک مقبوضۂ ہنود مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔

حضرت ہاشم علوی کا اپنی عمر میں سے دس سال بادشاہ کو بخش دینا

سکندر عادل شاہ کے مرشد شاہ نعیم اللہ گنج الاسرار میں لکھتے ہیں کہ ایک دن قطب الاقطاب حضرت سید شاہ ہاشم الحسینی العلوی شاہ پور کی جامع مسجد میں وعظ فرما رہے تھے کہ سلطان محمد کی طرف سے ایک خادم نے حاضر ہو کر معروضہ کیا کہ بادشاہ کا مزاج بالکل نا درست ہے اطباء علاج سے معذور ہیں مجھے حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ دعا فرمائیں آپ نے خادم سے کہا کہ ایک رومال لاؤ اور رومال پر کچھ دم فرما کر دیا کہ مقام ماؤف پر باندھو اللہ تعالیٰ فضل کرے گا لیکن عجب اتفاق ہوا کہ مرض میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی۔ گو بیجاپور میں بہت سے بزرگ تھے لیکن بادشاہ کو حضرت ہی سے زیادہ اعتقاد تھا اس لئے دوبارہ پھر التماس کرایا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ کے باپ ابراہیم عادل شاہ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ مجھے قید فرنگ سے چھڑایا جس کا معاوضہ ضرور ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بادشاہ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور جب تک جان کے بدلے جان نہ دی جائے کچھ ہو نہیں سکتا البتہ میری زندگی کے دس سال باقی ہیں وہ میں بخوشی بادشاہ کو بخشتا ہوں اور یہ کہتے ہی بادشاہ کی بیماری آپ کو لاحق ہو گئی۔ اور فریش ہو گئے۔ فرماتے تھے کہ عاشق صادق کو خود موت کی تمنا رہتی ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ[1] اس واقعہ کے تیسرے دن آپ نے رحلت فرمائی اور بادشاہ چنگا ہو گیا۔

حضرت کے محبوس ہو جانے کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ حج بیت اللہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو بندر گوا میں کشتیوں کا داخلہ ممنوع تھا آپ کو معلوم نہ تھا آپ کی کشتی چلی آئی گورنر گوا نے آپ کو مع جملہ سواران کشتی کے قید کر لیا۔ ادھر یہ واقعہ گزرا ادھر بیجاپور میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ سے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ہمارا ایک فرزند سید ہاشم قید فرنگ میں گھر گیا ہے اسے چھوڑا دے۔ بادشاہ نے امراء کے سامنے اس خواب کا ذکر کیا جو لوگ اس امر سے واقف تھے کہا کہ بندر گوا میں کچھ لوگ قید ہو گئے ہیں ممکن ہے ان میں کوئی سید صحیح النسب ہو۔ بادشاہ نے اسی وقت حاکم بندر گوا کو اشتیاق نامہ لکھا۔ گورنر نے فوراً

---

[1] موت ایک پل ہے جو دوست سے دوست کو ملا دیتا ہے ۱۲۔

جیل پر حکم رہائی سید ہاشم کا بھیج دیا وہاں پوچھا کہ اس نام کا کوئی شخص ہی تو حضرت خاموش ہو رہے اور دوسروں سے کہا کہ تم اپنا نام بتا کر نکل جاؤ چنانچہ جتنے آدمی اس نام کے تھے سب چھوڑ دئے گئے - لیکن دوسری مرتبہ پھر بشارت ہوئی کہ تو نے ہمارے کہنے پر اب تک عمل نہیں کیا اور ہمارے فرزند کو نہ چھوڑایا - پادشاہ بہت گھبرایا اور دوبارہ گورنر کو لکھا گورنر نے اور تیس شخص جو اپنا یہی نام بتلاتے تھے چھوڑا دیئے لیکن بارسوم پھر بشارت ہوئی تب پادشاہ سے لوگوں نے کہا کہ غالباً ایسا ہوگا کہ جن سید کی نسبت ارشاد ہوا ہی وہ اب تک رہا نہ ہوئے ہوں گے اور وہ نہ چاہتے ہوں گے کہ اکیلے رہا ہوں اُن کی آڑ میں دوسرے لوگ چھوٹ گئے ہیں اور شاید اُن بزرگ کا منشا یہ ہوگا کہ جتنے لوگ پکڑے گئے ہیں جب تک سب نہ چھوٹ لیں میں اکیلا رہا ہونا پسند نہیں کرتا تب پادشاہ نے سہ بارہ لکھا اور پادشاہ کے لکھنے پر جتنے قیدی گرفتار کئے گئے تھے سب کے سب چھوڑ دئے گئے -

سلطان محمد کے عہد کے علماء و شعرا

ملا ظہوری مشہور شاعر لکھتا ہی کہ ۱۰۵۱ھ میں نواب خان بابا نے بہ حکم شاہ ذی جاہ حکم فرمایا کہ تدوین تاریخ کا کام میرے سپرد کیا جاوے اور احوال سلاطین دکن جو رفیع الدین ابراہیم شیرازی قلم بند کر رہا تھا میں نے اُس کی تکمیل کی ابراہیم خان یہ شخص بڑا ذی علم اور چوٹی کا شاعر بے بدل تھا - سید نور اللہ بڑا بھاری منشی اور نثار تھا - حکیم آتشی بڑا مشہور اور حاذق حکیم تھا - مرزا مقیم - مرزا دولت شاہ یہ دونوں بھی شاعران بلند پایہ تھے -

سلطنت عادل شاہیہ کی توسیع بعہد سلطان محمد

اس پادشاہ کے عہد میں سلطنت عادل شاہیہ کی بڑی توسیع ہوئی - خاندان عادل شاہیہ میں یہی پہلا شخص ہی جسے شاہ کا خطاب ملا اور اسی کے عہد میں شرفائے مکہ و والیان کشور عرب اور شاہ صفی اور شاہ عباس ثانی نے اپنے اپنے ایلچی تحفے اور ہدایا کے ساتھ بھیجے - قطب شاہ اور تمام امراء و سر برآرائے دکن اور انگریزاور راجہ ملیبار اور کرناٹک اور تمامی امراء اور روسا نے چاروں طرف سے نذریں اور پیشکش اور باج و خراج دینا قبول کیا - جب پادشاہ نے تاج جہاں بیگم سے عقد کیا جو عبدالرحمن کی لڑکی اور پادشاہ کی ماموں زاد بہن تھیں تو کلامی صاحب قران ثانی اور

شاہ عباس ثانی اور جملہ بادشاہان اور راجگان نے اپنی اپنی طرف سے علاوہ تحف اور ہدایا کے ایلچی بھیجے ۔فتوحات بھی اس کے عہد میں بے شمار ہوئیں چنانچہ قلعۂ شولاپور جو بڑا مشہور اور مستحکم قلعہ تھا تھوڑی سی فوج سے اِسی نے فتح کیا۔ سدی ریحان قلعہ دار نے شکست پائی اور قلعہ سپرد کر کے خود اسی بادشاہ کے امرا میں داخل ہو گیا۔ نقل ہے کہ ایک شب ماہ میں بادشاہ عدالت محل کی چھت پر برآمد تھا اور خاص طور پر اہتمام کر کے تمام فرش سفید کیا گیا تھا۔ اور تمام امرا بھی لباس سفید میں حاضر تھے۔ اس سادگی میں عجیب لطف تھا محل بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور مجلس رقص و سرود و جشن شاہی کی برپا تھی۔ آدھی رات کے وقت بادشاہ نے کھڑے ہو کر شہر کی حالت دیکھی تو ہر طرف سے سوائے نای سور اور صدائے سرور اور آواز چنگ و رباب اور طنطنۂ شادی و نشاط کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ تھوڑی دیر کے لئے نیچے اُتر گیا اور دوگانہ شکریہ اور سجدۂ شکر درگاہ رب العزت میں ادا کیا کہ الحمد للہ والمنۃ کہ میرے زمانے میں رعایا فارغ البال رنج و الم سے آزاد ہے۔ کسی بادشاہ کے لئے اِس سے بڑھ کر کیا مسرت ہو سکتی ہے کہ اُس کی رعایا اُس کے سایۂ عاطفت میں امن چین کی زندگی بسر کرتی ہو۔ افضل خاں سراپردے کے پاس کھڑا تھا بادشاہ نے کہا کہ افضل خاں جی! شہر کیا کہتا ہے۔ افضل خاں آداب بجالایا اور عرض کی کہ سارا شہر اپنے پیارے بادشاہ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے اور دن عید اور رات شب برات ہے حضرت کے عدل و انصاف سے شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر خوش ہوا لیکن ساتھ ہی ذرا سوچ میں گیا اور تھوڑی دیر کے بعد افضل خاں سے دوبارہ مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ تو کہو کہ اگر شاہ جہاں سے ہم سے چھڑ جائے تو ہمارے ملک کا کیا حال ہوگا افضل خاں نے کہا جہاں پناہ یہ تو دنیا کا قاعدہ ہی ہے سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اور یہ پھلا پھولا چمن بگڑ جائے گا۔ بجائے سور و سرور کے نالہ ہائے واویلا بلند ہوں گے[1] اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔

سلطان محمد کے عہد میں شاہان مغلیہ کے ایلچی کا آنا۔ بادشاہ سے اور افضل خاں سے جو گفتگو

[1] ۔ بادشاہ جب کسی شہر کو (بزور فتح کر کے اُس) میں داخل ہوا کرتے ہیں تو (اُن کا دستور ہے کہ) اُس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں۔

ہوئی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک ہفتہ پیشتر بادشاہ دہلی کا فرمان عتاب آموز صادر
ہوا تھا جس میں تین اعتراض تھے۔

(۱) ہمیشہ سے عدالت گاہ اندرون قلعۂ ارک تھی خلاف عمل درآمد سابقہ بیرون
قلعۂ داد محل بنانے کی کیا وجہ ہے سلطان محمد نے ایک قصر عالی شان بیرون قلعہ بنایا تھا۔
جس کا نام داد محل رکھا جو اب آثار محل کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) پہلے بادشاہوں نے قلعہ میں ہی ایک وسیع میدان فوج کے ملاحظہ اور ہاتھیوں
کی جنگ کے واسطے رکھا تھا لیکن تم نے قلعہ کے باہر ایک دوسرا وسیع میدان محاذی
برج شرف جو اب اکٹ کے نام سے مشہور ہے بلا وجہ مقرر کیا۔

(۳) اپنے وزیر کو بطور خود خلاف عمل درآمد سابق بدون ہماری استرضاء کے "خان خاناں"
کا خطاب دیا۔ حالاں کہ بادشاہان مغلیہ سلاطین دکن کو اپنا مطیع اور باج گزار سمجھتے ہیں
اور سلاطین دکن میں سے کسی کو "شاہ" نہیں لکھتے لیکن ہم نے بادشاہ جہاں) نے
۸۵۰ھ میں خطاب شاہی سے مخاطب فرمایا۔ ان تین امور کے متعلق اعتراض ہوا تھا کہ خلاف عمل درآمد
سابق آپ نے جدت کی ہے اور یہ امور شاہاں خود مختار کے شایاں ہیں نہ کہ آپ کے لہٰذا ان کی فوراً
اصلاح کیجیے ورنہ جنگ کی طیاری کیجیے۔ بادشاہ نے مجلس شوریٰ منعقد کر کے مشورت کی سب نے
یہی کہا کہ دبنا ٹھیک نہیں ہم مقابلے کے لیے طیار ہیں اور جواب دیا گیا کہ بسم اللہ ہم بھی مقابلے کے
لیے حاضر ہیں اور چاہتے ہیں کہ شمشیر زہر آب دکنی اور تیغ فولاد ہندی کا مقابلہ ہو جائے اور ہم بالکل
طیار ہیں کہ کنارۂ رود نربدا آپ کی ہماری افواج کے جوہر جواں مردی کھل جائیں۔ یہی جواب لکھ کر ایلچی کو
رخصت کیا اور اسی رات کو بادشاہ عدالت محل پر چاندنی کی سیر کو برآمد ہوا اور اس بارے میں جو گفتگو
بادشاہ اور افضل خاں کے ہوئی ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ بادشاہ نے افضل خاں سے پوچھا کہ اب
تمھاری صلاح کیا ہے؟ - افضل خاں نے عرض کیا کہ اگرچہ بافضال الٰہی و باقبال سرکار ہم ہر طرح
بادشاہان مغلیہ کے مقابلے کی طاقت رکھتے ہیں اور ممکن ہے کہ ہم ان کو نربدا کے اس پار نہ اترنے
دیں لیکن اس میں ہزار ہا جانیں ضائع ہوں گی اور کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی۔
اور ملک تباہ ہوگا سو الگ - فدوی کی رائے میں اگر یہ نوبت ہی نہ آئے تو اولیٰ اور انسب ہے۔ بادشاہ

نے افضل خاں کی رای پسند کی اور ایلچی کو تین منزل سے واپس بلالیا اور جواب صلح آمیز اور مطیعانہ لکھا اور عدالت گاہ اور جنگ فیلاں دونوں موقوف کرکے پھر قلعہ کے اندر لے گیا اور خطاب خاں خاناں کے واسطے معذرت کی اور اس طرح بڑی خوں ریزی سے ملک کو بچایا یوں برابر بتیس۳۲ سال تک رعایا اس بادشاہ کے عہد میں میٹھی نیند آرام سے سوتی رہی - ناظرین پر مخفی نہ ہوگا کہ سلطنت عادل شاہیہ کا دور دورہ یوسف عادل شاہ کے زمانے سے لے کر سکندر عادل شاہ تک دوسو سال رہا لیکن بمصداق خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُہَا سلاطین عادل شاہیہ کی معراج الکمال کا زمانہ اگر پوچھیئے تو سلطان محمد اور اسکے والد امجد ابراہیم عادل شاہ کا تھا - دونوں کو ملالو تو صرف اسی برس ایسے گزرے کہ جس میں رعایا برایا مرفہ الحال افواج ولشکر ہمہ جہت آراستہ و پیراستہ تھا یوں کہیئے کہ یوسف کے وقت میں آفتاب سلطنت کا طلوع ہوا اور ان دو بادشاہوں کے زمانے میں نصف النہار تھا اور اس کے بعد زوال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ سکندر کے زمانے میں غروب ہوگیا -

شاہزادہ اورنگ زیب کا دکن میں آنا سنہ ۱۶۵۵ع

شاہزادہ اورنگ زیب پھر ملک دکن میں سنہ ۱۶۵۵ع میں آیا اور آتے ہی بادشاہان گولکنڈہ سے چھڑ گئی جس کی وجہ سے اورنگ زیب کو فوج کشی کرنی پڑی جس کے واقعات ہم نے اس وجہ سے نظر انداز کئے کہ ہماری اس تاریخ سے اُس کو تعلق نہیں ہے اُس کے لئے جداگانہ کتاب درکار ہے -

سلطان محمد عادل شاہ کی وفات سنہ ۱۰۶۷ھ - ۱۶۵۶ع

سلطان محمد عادل شاہ نے ۲۸ محرم سنہ ۱۰۶۷ھ روز شنبہ کو نو بجے دن کے انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے مشہور گول گنبد میں جسے بول گنبد بھی کہتے ہیں جو بہترین عمارات بیجاپور ہے مدفون ہوا - یہ گنبد نہایت عظیم الشان اور قابل دید ہے جس کا مفصل ذکر عمارات کے ذیل میں آئے گا - مدت سلطنت اکتیس سال ہے - گنبد میں وفات کے تاریخ کے کتبے جنوب رخ دروازے کے اندرونی جانب تین رواقوں میں جدا جدا لگے ہوئے ہیں یہ ہیں -

عاقبت محمد محمود شد — سنہ ۱۰۶۷ھ

سلطان محمد جنت آشیانی — سنہ ۱۰۶۷ھ

محمد شد دار السلام شد — سنہ ۱۰۶۷ھ

۱؎ - درمیانی روش سب سے اچھی ہوتی ہے ۱۲ -

سلطان محمد کا کیرکٹر | یہ بادشاہ بڑا رعایا پرور اور رحم دل تھا چنانچہ نقل ہی ایک دن

ایک معزز مہاجن مع چند اپنے رفقاء اور لوگوں کے کسی کام پر جارہا تھا اور دروازۂ آسد پور سے باہر نکلا - دروازے میں نایکواڑیوں کا مہتر بیٹھا ہوا تھا اُس کو مہاجن نے سلام کیا - اُس نے ویسے ہی بیٹھے بیٹھے دو اُنگلیاں ماتھے پر رکھ لیں ذرا تعظیم نہ دی - یہ بات مہاجن کو سخت ناگوار ہوئی کہ دیکھو اس کا غرور ہم رعایا ہے بادشاہ ہیں بادشاہ تو ہماری خاطر کرتا ہی اور اس نفرے نے ذرا پروانہ کی اب نایکواڑیوں کی نظر میں ہماری کیا وقعت رہے گی آج کو یہ کل کو ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی ہماری بے وقعتی کرنے لگیں گے اور رفتہ رفتہ بادشاہ بھی ہم کو حقارت سے دیکھے گا چلو اس شہر کو ہی خیرباد کہیں - مردن بعلّت بہ از زندگانی بذلّت - غرض سب کے سب جلاوطن ہوگئے اور رات کو اپنے اپنے گھروں میں نہ آئے - بادشاہ ذی جاہ کو جب یہ خبر ملی تو بہت متاثر ہوا اور فوراً سزاوار ان قہرناک کو نایکواڑیوں کی سزادہی کے لئے مقرر کیا اور اپنے خاص لوگوں کو مہاجنوں کی دلجوئی اور استمالت کے لئے بھجواکر بہ فہمائش تمام اُن کو واپس بلوایا - مہاجنوں نے اڑکی کہ اب ہم پھر اُس دروازے سے تو شہر میں کبھی نہ گھسیں گے جہاں ہماری اس طرح تذلیل ہوئی ہی - بادشاہ کو اس قدر رعایا کی خاطر عزیز تھی کہ اُن کی ہٹ کو قبول کیا اور فوراً میر معمار کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو فصیل توڑکر نئے دروازے سے ان سب کو شہر میں لاؤ چنانچہ راتوں رات دروازہ بن گیا اور یہی وہی دروازہ ہی جو "بادشاہ دروازے" کے نام مشہور ہی -

نقل ہی کہ ایک دن بادشاہ جہاں پناہ ایک بلند محل کے اوپر برآمد تھے اور آبادی کا نظارہ فرما رہے تھے - دیکھا کہ جو محلّے آباد ہیں وہاں سے کھانا پکانے کا دھواں اُٹھ رہا ہی لیکن دیانت پور کی طرف سے جسے بہمن پلی بھی کہتے ہیں اور مضافات شہر میں خاص برہمنوں کی آبادی ہی کہیں دھوئیں کا پتہ نہیں - مصاحبین سے اس کا سبب پوچھا عرض کی کہ یہ آبادی برہمنوں کی ہی وہ ایک ہی وقت پکاتے ہیں اور ایک ہی مرتبہ کھاتے ہیں - رحم دل بادشاہ نے خیال کیا کہ غالباً مفلسی اور تنگ دستی کی وجہ سے ان لوگوں کو دو وقت روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی اُسی وقت حکم دیا کہ ان لوگوں کی معاش دوچند کردی جاے کہ پیٹ بھر کے دو وقت کھائیں - بادشاہ کو یہ معلوم

نہ تھا کہ غریب ہوں یا امیر برہمنوں کی عادت ہی ایک وقت کھانے کی ہے۔ سمجھ جبین جانتے تھے
مگر مصلحتہً خاموش رہے اور اُسی دن سے جتنے برہمن تھے سب کی معاش دو چند ہوگئی۔

سلطان محمد شاہ کے وقت کی عمارات اور مشہور تاریخی واقعات

دولت خاں کو خواص خاں کا خطاب ملا۔ ۱۰۳۶ھ میں دولت پور المشہور بہ رسول پور
کی بنیاد پڑی۔ ۱۰۴۳ھ میں آقا رضوان سے قلعہ پرینڈہ کو فتح کیا۔ اسی سال ملک میدان
مشہور توپ کو پرینڈہ سے مراری پنڈت بیجاپور لایا۔ ۱۰۴۲ھ میں مراری پنڈت کے اہتمام
سے کملگی میں چوکھنڈی بنائی گئی۔ ۱۰۴۴ھ میں نواب مصطفیٰ خاں اور دولت خاں کے آپس
میں نفاق ہوکر جنگ ہوئی۔ اسی جنگ میں حضرت شاہ مرتضیٰ (فرزند حضرت شاہ ہاشم
چشتی العلوی و پدر شاہ برہان الدین قدس اللہ سرہٗ) مصطفیٰ خاں کے پاس بیٹھے تھے کہ تیر لگا
اور وفات پائی۔ اسی سال خواص خاں نے نواب کو دھوکا دے کر قلعہ بلگاؤں میں قید کر دیا۔
اسی سال خواص خاں مارا گیا اور نواب قید سے چھوٹا۔ شاہ جہاں دولت آباد کو آیا اور عادل شاہ
سے صلح ہوگئی ۱۰۴۶ھ میں شہزادہ علی عادل شاہ پیدا ہوا۔ ۱۰۴۸ھ میں نیلکورا اور سرا
دونوں فتح ہوئے۔ ۱۰۴۹ھ میں رندولہ خاں کے اہتمام سے بسوا پٹن فتح ہوا جس کی تاریخ
یہ ہے مصرع

کن رندولہ فتح از لطف دیّاں

۱۰۵۶ھ لگن محل جل گیا اسی سال داد محل نہایت مطلا مذہّب اور رنگ آمیز بنوایا گیا۔
جو اب آثار محل کے نام سے مشہور ہے۔ محرم ۱۰۵۸ھ میں شہنواز خاں کا انتقال ہوا۔ اسی سال
رجب کے مہینے میں شاہ جی کو قید کیا۔ ذی قعدہ میں نواب مصطفیٰ خاں کی وفات ہوئی ذیحجہ
میں قلعہ جنجی فتح ہوا ۱۰۶۱ھ شاہ جہاں کی طرف سے سلطان محمد کو محمد عادل شاہ کا خطاب
ملا ۱۰۶۳ھ خان محمد نے قلعہ پلکنڈہ فتح کیا۔ ۱۰۶۲ھ بیگم تالاب سے قلعہ کے اندر پانی لایا
گیا جس کا نام "و آب افضل ندا" ہے۔ اسی سال ایک بڑا زلزلہ آیا اور اسی سال ایلور فتح ہوا۔
تعداد لشکر سوار ساڑھے تین لاکھ۔ احشام دو لاکھ۔ ہاتھی ڈیڑھ ہزار۔ پیادگان
بے شمار۔

سلطنت بیجاپور کی وسعت اور آمدنی | چوں کہ اس ملک کی اصلی زبان کنٹری ہے اس واسطے کرناٹک کہلاتا ہے۔ یہاں کے اصل باشندے نہایت جری محنت کش ہیں۔ یہ ملک گویا دکن کا بڑا حصہ ہے جنوبی سرحد بیدر ہے۔ مشرقی حیدرآباد دکن۔ شمالی اور غربی تا بہ ساحل سمندر۔ یہ ملک تمامی اقالیم ہند میں بڑا زرخیز ہے چنانچہ زبان زد خاص و عام ہے کہ دکن میں ہن برستے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک سلطنت بیجانگر ہی کی آمدنی بیس کروڑ ہن تھی اور پھر اس کے سوائے اور بہت سے بڑے بڑے راجہ بھی تھے اُن کا شمار نہیں۔ اس ملک کا سکہ مروجہ ہُن۔ مُہر۔ پرتاب۔ دھرن۔ پگوڑا تھا۔ صرف عالمگیر کے وقت سے روپیہ چلا۔ سلسلہ عادل شاہیہ کا آغاز یوسف بیگ سادی سے ہوا اُس نے ہی قلعۂ ارک کی بنیاد ڈالی اور بیجاپور کو پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد ابراہیم عادل شاہ بن اسمٰعیل عادل شاہ نے قلعہ کی دونوں فصیلیں پختہ وسنگ بست از سر نو تعمیر کرائیں اس کے بعد اُس کے بیٹے علی عادل شاہ نے شہر کا حصار بنوایا۔ سرکار بیجاپور میں دوسو کیاسی محال یعنی پرگنہ تھے اور کل محاصل صوبۂ بیجاپور کا بروے دفتر آصف جاہی سات کروڑ چوراسی لاکھ اکسٹھ ہزار سترہ روپیہ ڈیڑھ آنہ تھا اور یہ تعداد عالمگیر کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف بندرگاہیں قبض و تصرف میں تھیں۔ بندر دابل۔ سات ہزار۔ بندر کیل سات ہزار۔ بندر جیول پندرہ ہزار بندر سنکر دس ہزار۔ بندر گوآ سینتیس ہزار پانسو جو آگے چل کر پرتگالیوں کے قبضے میں آگیا۔ اسلام بندر عرف راجہ پور چوبیس ہزار۔ بندر ساہتی دس ہزار۔ بندر کھاڑی پانچ ہزار بندر پھلچری (پانڈیچری) پانچ ہزار۔ بندر ساتولی تین ہزار پانسو۔ بندر محمد آباد عرف سدھو پانچ ہزار۔ بندر کیرا پانچ ہزار۔ مختلف مقامات سے حسب ذیل پیش کش آتا تھا جو پچھلے حساب کے علاوہ ہے اور جس کی میزان پانچ لاکھ اکسٹھ ہزار چھ سو انتالیس روپیہ اس تفصیل سے ہے:-

۱- زمینداران سرنگ پٹن | ۲- دوسرا زمیندار اسی نواح کا | ۳- زمیندار سوندہا
معہ ملک | یک کروڑ دو لاکھ | مع ملک
عہ لالہ معہ | سہ لکا سہ | لہ سالہ سہ
| | ۱۲ار

ہر طرح آراستہ اور پیراستہ ہو اور ہمیشہ اُن کی اصلاح حالت میں کوشاں اور اُن کی ضروریات کا قرار واقعی بندوبست کرے - وزیر صائب الرائے مدبر شائستہ اور نمک حلال جس پر کامل بھروسہ ہو مقرر کرے - فوج کی تقسیم دو حصوں پر ہو - (۱) وزراء - جماعت خاص امراء (۲) خاصہ خیل کہ جس میں اچھے اچھے لوگوں کی گنجایش ہو - پایۂ تخت اور قلعہ جات کا کافی انتظام کرکے ہمیشہ غنیم کی مدافعت پر مستعد رہے - جو زمیندار خودسر اور خودمختار ہوں اُن کا زور توڑ کر اُن کو تابع فرماں کرے اور جو بغاوت کرے اُس کا ملک چھین لے - جو نیا ملک فتح ہو وہاں کے لوگوں سے نرمی اور آشتی سے پیش آئے اُن کی معاش ہائے سابقہ تنخواہ و جاگیر و انعام و لومیہ بدستور جاری رکھے ورنہ یہی لوگ چوطرف پھیل کر فتنہ و فساد پھیلائیں گے اور ایک عام شکایت پیدا ہو جائے گی - اپنی قلمرو میں احکام اہل اسلام کے جاری کرے - غیر قوم کے لوگوں کو بڑی بڑی حکومتیں دینا خطرناک ہے - ملک مفتوحہ کے کسی وارث کو اُس جگہ نہ رہنے دے بلکہ کسی دوسری جگہ معقول وظیفہ دے کر رکھے اور اُس کی خاطر داری اور دلجوئی اس طرح کرے کہ بھول کر بھی اُس کو اپنی موجودہ حالت پر افسوس نہ ہو - بہت سے غلام حبشی ترکی - ہندی جمع کرکے اُن کو تعلیم دلائے اور حسب حوصلہ اُن کو خدمات دے اور اپنے گردوپیش حاضر باش رکھے اُن میں جو نالایق اور شریر ہوں فوراً اُن کو نکال دے - محض سنی سنائی باتوں پر بلا ثبوت کے مواخذہ نہ کرے - ثبوت ملے تو سزا دئے بغیر نہ چھوڑے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو - فریقین مقدمہ کی پوری تحقیقات کرے جو اُس میں جھوٹا ہو اُسے سخت سزا دے تاکہ جھوٹے استغاثوں کا سدّ باب ہو - قلعوں اور سرحدی مقامات پر سوائے معتبر اور اپنے بھروسہ کے آدمیوں کے دوسروں کو نہ رکھے اور ہر تین سال کو اُن کا تبادلہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کرتا رہے جس قلعہ کے تحت میں بہت سا ملک ہو وہاں ایک نائب غیبت بھی مقرر کرے - قاضی اور خطیب اور سب حاکموں کو انصاف رسانی اور دادرسی مظلومان اور رعایا سے بہترین سلوک کرنے اور احکام شرعیہ کے مطابق عمل رکھنے کی سخت تاکید کرے - ملک کی تقسیم صوبوں میں کی جائے اور بڑے بڑے مقامات کو محصور کیا جائے - رشوت ستانی کی تا بہ امکان روک تھام کی جائے دیانت داروں کی قدر کریں - تمام ملک میں یکساں اوزان ہوں نہ رتی بھر زیادہ نہ کم جس حصہ

ملک کے جو قدیم اوزان ہوں وہ قایم رہیں مگر یہ نہ ہو کہ لینے کے ایک وزن ہوں اور دینے کے دوسرے یا کسی کو ایک ماپ سے دیں اور کسی کو دوسرے سے ان میں یکسانیت ضرور ہے۔ نماز جمعہ اور خطبہ کا انتظام رکھیں۔ سب لوگوں کو جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کی تاکید کریں اگر جامع مسجد کافی نہ ہو تو البتہ دوسری مسجدوں میں لوگ جا سکتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے تہوار مثلاً ہولی دیوالی دسہرہ و دیگر رسوم میں معترض نہ ہوں۔ مقامات متبرکہ جامع مسجد۔ آثار مبارک۔ روضہ ہائے اولیائے کرام میں جہاں جہاں لنگر اور جو معاش جاری ہی بدستور بحال رکھیں مگر ادائے شرط خدمت کی نگرانی کریں کہ طعام و آش لنگر مستحقین اور مساکین و محتاجین کو ملے۔ کسی قسم کی ملونی لنگر میں نہ ہو جو طیار ہو اچھا ہو۔ صفائی رہے یہ نہیں کہ کتے "بلی" منہ نہ ڈالیں۔ غیر مستحقین کو ہرگز نہ دیں نہ ایک دانہ بیجا صرف ہو۔ آثار شریف میں دو مدرس ہمیشہ مقرر رہ کر حدیث شریف اور فقہ کی دینی تعلیم دیں۔ طالب العلموں کو صبح کو آش و نان بریانی اور مزعفر دی جاے۔ شام کو گیہوں کی روٹی اور کھچڑی اور متفرق خرچ کو ایک ہن ماہانہ۔ تمامی قسم کی کتب عربی و فارسی سرکار سے ملتی تھیں۔ ہر سال امتحان ہوتا تھا اور ہن انعام میں تقسیم ہوتے تھے۔ جامع مسجد میں دو ملا بچوں کو پڑھاتے تھے اور دو مدرسے عربی کے اور ایک فارسی کا تھا۔ طلباء جو مفلس اور غریب ہوتے تھے اُن کو صبح کو دو روٹیاں گیہوں کی اور کھچڑی اور شام کو بریانی مزعفر اور کچھ میٹھا دیا جاتا تھا اور ہر مہینے ایک ہن اور کتابیں مفت ملتی تھیں۔ سالانہ ماہ ذیحجہ میں امتحان ہو کر نقدی انعام ملتا تھا اور جو لائق نکلتا تھا اُسے معقول خدمت دی جاتی تھی۔ تمامی مسجدوں میں پیش امام موذن چراغ بتی کے لئے معاشیں جاری تھیں وار وغہ کے متعلق اہتمام جاروب کشی بوریہ جانماز شعل بتی وغیرہ کا تھا۔ رمضان شریف میں ختم کلام مجید ہوتے تھے۔ کوئی شخص جابے جا بلا اجازت مسجد نہ بنا سکتا تھا کہ مسجد ثواب کے واسطے بنواتے ہیں بے موقع مساجد بنانے سے بوجہ بے اہتمامی و بے حرمتی ہوتی ہو اور بجائے ثواب کے اُلٹا گناہ ہوتا ہی۔ اگر شخص ثواب مقصود ہی تو مسافر خانے۔ سرا۔ پُل اور کنوئیں جو چاہیے اور جہاں چاہیے بنا سکتا ہی۔ یوں تو تمام مساجد معمور تھیں مگر خاص کر رمضان شریف میں بڑا اہتمام ہوتا تھا اور سرکار سے حفاظ قاری و سامع مقرر ہو کر نماز تراویح ادا ہوتی تھی

اور اسی طرح بزرگانِ دین کے اعراس - قبروں کے خلاف وغیرہ کا بڑا اہتمام تھا - تکیہ داروں اور سبیل داروں کو بھی معاشیں تھیں - ہر جگہ لنگر خانے جاری تھے جس میں پختہ غذا ملتی تھی اور محتاج ہنود کو سیدھا آٹا اور چانول دیا جاتا تھا - ہندو مسافر کو فی کس سوا سیر آٹا اور آدھ سیر چانول اور پاؤ سیر دال ارہر یا مونگ کی اور چار چھٹانک گھی اور تین جیتل (پیسے) مسالے اور لکڑی وغیرہ کے واسطے ملتے تھے - مال غنیمت اور زکوۃ اور خمس وغیرہ سب جامع مسجد اور آثار محل میں جمع رہتا تھا اور حسب احکام شرع اُس کا مصرف ہوتا تھا - دو قاضی دو مفتی دو مشائخ دو صدر الصدور اور ایک خطیب مسجد جامع اور خطیب عید گاہ اور ایک امین اور ایک کوتوال ان کی کمیٹی مصارف بالا کی ذمہ دار تھی - مشائخ اور علماء کو وظائف اور یومیہ اور انعام حسب حیثیت مقرر تھے - سالانہ آثار محل میں ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو ایک ہزار ہن دوسری کو دو ہزار و قس علی ہذا - تا دوازدہم شریف جملہ اٹھتر ہزار ہن اور اسی طرح عشرۂ محرم میں پچپن ہزار ہُن اور علاوہ انعامات و وظائف کے چار مواضع مصارف کے لئے خدام کو جاگیر بھی تھے - چنانچہ سکندر شاہ کا فرمان اسی مضمون کا کاغذ مطلّا پر نہایت تکلف سے لکھا ہوا متولیؔ کے پاس اس وقت تک موجود ہے - قلعہ دار کے پاس پانسو سوار رہتے تھے تاکہ وقت ضرورت کام آئیں اس کے علاوہ پانچ ہزار برق انداز جنگی بھی مقرر تھے - توپ انداز - بان انداز - ہمیشہ معتبر ہوں - شہر میں جا بجا سواروں اور احشام کی نشست تھی - شہر کے دروازوں پر واقعہ نویس اور اخبار گو معتبر اور چند سوار رہا کرتے تھے جن کی نشست باری باری سے مقرر تھی اور احتیاط اس امر کی تھی کہ کوئی اجنبی شخص بلا اجازت نوّاب کے نہ شہر کے اندر آسکے نہ شہر سے باہر جاسکے اور نیز اس امر کی تحقیقات کے بدوں کوئی شہر میں نہ آنے پائے کہ کہاں سے آیا ہے کہاں جائے گا کتنے دن کہاں ٹھیرے گا کس کام کو آیا ہے - دار الضرب میں سکہ ہائے طلائی و نقرئی دسی وہن و نیم ہن دراہم ہُن روپیہ اٹھنی چونی ششش جیتل - سہ جیتل - دو جیتل - یک جیتل مسی موجود رہتے تھے جو وزن میں بالکل یکساں تھے اور زر و نقرہ خالص کے مسکوک ہوتے تھے عیار نہیں ملایا جاتا تھا اور بہت نگرانی رہتی تھی کہ کوئی کھوٹ نہ ملا دے - شہر میں باغات کثرت سے تھے اور بازاروں میں غلّے کے انبار کے انبار ہر طرف لگے رہتے تھے - چوڑے چوڑے کشادہ راستے اور سڑکیں تھیں - دربار شاہی سے دونوں

دروازوں تک بڑی بڑی سڑکیں تھیں جن کے دونوں طرف دکانیں تھیں جن کے سامنے سائبان یا چھپر ڈالنے کی اجازت نہ تھی کہ علاوہ بے رونقی کے راستے تنگ ہوجاتے ہیں۔ کوتوال شہر رات دن شہر کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ چوروں اُچکوں اور کیسہ بروں سب پر اُس کی نگاہ رہتی تھی۔ جہاں کہیں چھوٹی یا بڑی چوری ہوگئی اس کا سراغ عمدگی سے لگاکر سارقین کو حسب احکام شرع شریف سزا دی جاتی تھی۔ قیدیوں کو خوراک سرکار سے دی جاتی تھی۔ امرا و شاہزادگان کے ملازمین غلام وغیرہ کسی پر زیادتی نہ کرنے پائیں اگر احیاناً ایسا ہوجاتا تو پہلے اُن کے مالک کو اطلاع کر کے اُن لوگوں کو سزا دی جاتی تھی۔ پادشاہ نے داد محل اور سات محل پر ایک ایک گھنٹی لگاکر رسی باہر چھوڑ دی تھی کہ جس کسی کی داد و فریاد کو حکام نہ پونہچیں وہ گھنٹی ہلاکر پیشگاہ حضوری میں دادخواہ ہو اور سخت تاکید تھی کہ کوئی دادخواہوں کو نہ روکے۔ لیکن شرط یہ تھی کہ پہلے حاکم مجاز کے پاس اپنی فریاد لے جاے اگر وہاں دادرسی نہ ہو تو ہم تک پونہچے۔ داد فریاد کے لئے کوئی وقت مقرر نہ تھا صبح سے شام تک جس کسی کو ضرورت ہو بلاتامل جاکر گھنٹی ہلا دیتا تھا اور پادشاہ اُس کی داد کو پونہچتا تھا۔ شہر گلی کوچہ سب میں صفائی کا پورا انتظام تھا شارع عام پر کبھی کوڑا کرکٹ پڑا نہ رہتا تھا۔ راستہ کی دکانیں ہمیشہ آباد سجی سجائی اور درست حالت میں رکھی جاتی تھیں۔ کفار سے حسب ذیل جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ کافر مالدار سے جو بے کسب کے گزران کرتا ہو ایک تولہ چاندی ماہانہ کافر مالدار جو کسب کر کے جیتا ہو نصف تولہ چاندی۔ عام پیشہ ور لوگوں سے جن کو اپنے اہل وعیال کے مصارف سے کچھ بچ رہتا ہو پاؤ تولہ چاندی۔ ذیل کے لوگ اداے جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ عورتیں نابالغ بچے جو پندرہ برس سے کم ہوں۔ غلام۔ اندھے۔ بیمار جو سال بھر یا چھ مہینے سے علیل ہوں۔ وہ شخص جو قبل از اداے جزیہ مرگیا ہو۔ مفلوج۔ بڈھے۔ فقرا جن کے پاس کچھ مال نہ ہو۔ جو کافر مسلمان ہوجاے۔ ایسا شخص جو نصف سال متمول رہا ہو اور بقیہ نصف سال میں مفلس جزیہ متوسط وصول ہو۔ بھٹ اور جنگموں سے حسب حیثیت جزیہ بیت المال جمع ہوکر اُس کے مصارف حسب احکام شرعیہ ہوتے تھے۔ جاگیرات جو بہ معاوضہ جمعیت دی جائیں جمعیت کی تعداد دیکھ کر گھوڑوں پر داغ کردیں۔ خزانہ کو کبھی کبھی شمار کرلیں۔ ملازمین حاضر باش کی حاضری لی جاے اگر غیر حاضر ہوں پہلے تاکید کی جائے بعد تنخواہ وضع کی جائے۔ دیہات کی سالانہ جمعبندی کی جاے۔ پادشاہ کو

چاہیئے کہ صبح سے نو بجے تک علماء اور فضلاء اور شعراء کو باریابی دے اور ملک کے اخبار سنے اور حکم احکام نافذ فرمائے۔ دس سے بارہ تک دربار عام میں برآمد ہو اور امراے سلطنت اور سپاہ کا مجرئی سلام لے۔ بعد خلوت میں جاکر ضروری کام انجام دے اور آرام لے۔ تیسرے پہر سے شام تک جو ضروری کام ہو تنہا بیٹھ کر انجام دے اور رات اپنے اختیار میں ہو۔ اس پابندی سے روزانہ کام کرے کسی دن اوقات مقررہ میں ایک منٹ کا فرق نہ آئے۔ عیدین اور شب برات اور سالگرہ میں شہر آراستہ ہوتا تھا جشن کیا جاتا تھا لوگوں کی نذریں قبول ہوتی تھیں۔ نوروز بیرون شہر کسی عمدہ مقام پر جشن ہوتا تھا اور وہاں بازارات لگائے جاتے تھے اور بڑا بھاری جشن ہوتا تھا مشہور مشہور گوئیے اور طوائف حاضر دربار ہوتے تھے۔ ماہ ربیع الاول میں بارہ دن مجالس میلاد شریف ہوتی تھیں اور روزانہ بڑے اسکیل پر امرا و فضلاء و عمائدین اور غربا کی باری باری دعوتیں ہوتی تھیں۔ پادشاہ روزانہ سویرے ہی وادمحل میں برآمد ہوتا تھا۔ بازار میں ہر قسم کے پیشہ ور اور کاریگر کثرت سے تھے تل دھرنے کی جگہ باقی نہ تھی۔ تمام سڑکوں پر دو رویہ سایہ دار درخت تھے۔ جابجا بڑے بڑے حوض ستھرے پانی سے لبلب تھے۔ روزانہ سڑکوں پر چھڑکاؤ ہوتا تھا۔ جو شخص معمر و مسن ہوجاتا تھا تو اُس کی اولاد اُس کی جگہ مقرر کی جاتی تھی اگر لاولد ہو تو تادم زیست پوری ماہوار جاری رہتی تھی۔
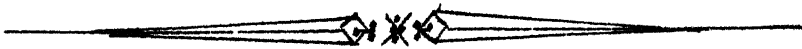
آٹھواں باب

علی عادل شاہ ثانی بن سلطان محمد عادل شاہ غازی

سنہ ۱۶۵۶ء تا سنہ ۱۶۷۲ء

گلِ امید شگفت و وزید باد مراد مراد خلق خدا آں چناں کہ باید داد
زدست فتنۂ دوراں جہاں بشد ایمن کہ پادشاہ جہاں پائے بہ سر بنہاد

علی عادل شاہ ثانی کا تولد اور شاہزادگی کے حالات سنہ ۱۰۴۸ھ

مخفی مباد کہ سلطان محمد عادل شاہ کی تمامی مرادات و مقاصد دلی بہ افضال الٰہی بدرجہ اتم حاصل تھیں اور جو صفات اور خصائل حسنہ (کرامت۔ سخاوت۔ شجاعت۔ نصفت و عدالت۔ دوربینی۔ مآل اندیشی۔ رعیت پروری۔ غربا نوازی۔ حق شناسی۔ خدا ترسی۔ پرہیزگاری۔ صفائی اعتقاد۔ نصرتِ دین و تقویت اسلام) جو ایک بہترین پادشاہ میں ہونے چاہئیں اللہ تعالیٰ نے کوٹ کوٹ کر اس ذات مستجمع الصفات میں بھر دی تھیں جس کی وجہ سے وہ پچھلے پادشاہوں سے بہت زیادہ کامیاب اور عزیز خلائق رہا مگر ایک اولاد کی تمنا باقی تھی جس کے لئے وہ شب و روز درگاہ رب العزت میں دست بدعا تھا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ دعا بھی مستجاب ہوئی اور ملک میں جو اس طرف سے مایوسی تھی مبدل بخوشی و شادمانی ہوگئی کہ ۱۶ ربیع الثانی سنہ ۱۰۴۸ھ کو شاہزادۂ بلند اقبال مشکوے معلی میں تولد ہوا۔ داد و دہش کا دروازہ خاص و عام پر کھل گیا۔ شاہزادۂ نومولود کی پرورش حاجی بڑی صاحبہ نے اپنے ذمے لی جو محمد قطب شاہ کی صاحبزادی اور حرم معلی سلطان محمد عادل شاہ کی تھیں۔ اندر محل میں شاہزادے کو لا کر وہ نہایت حزم و احتیاط اور شفقت مادرانہ سے پرورش کرنے لگیں۔ خواجہ آقا جو ایک نامور شاعر دربار کا تھا اُس نے شاہزادہ کے تولد میں ذیل کا قطعہ لکھ کر گزرانا جس کے صلے میں وہ مالا مال ہوگیا۔

شاہ عدالت پناہ خسرو شاہنشہاں | آں کہ پئے بندگیش قامت گردوں خمید
تو گل بستان عدل نخل شہنشاہ را | کرد عطا از کرم خالق عرش مجید
ہاتفے از نہ فلک از سر ذوق نشاط | مولد شہزادہ گفت کو کب شوکت رسید

جب شاہزادے کی عمر چار سال چار مہینے چار دن کی ہوئی حسب سنت نبوی ۲۰ شعبان روز جمعہ ۱۰۵۲ھ میں تقریب بسم اللہ خوانی کی نہایت دھوم دھام تزک و احتشام سے ہوئی اور نہایت اہتمام سے تعلیم شروع ہو گئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں نوشت و خواند و آداب سلطانی۔ ورزش پہلوانی۔ سواری اسپ۔ شمشیر و نیزہ بازی و تیر اندازی اور جمیع فنون سپہ گری جو بادشاہوں کو آنے چاہئیں سب میں دستگاہ کامل حاصل کی۔ جب سات سال کی عمر ہوئی تو شب جمعہ ماہ رجب ۱۰۵۵ھ میں رسم گل پوشی (ختنہ) ہوئی اور شہر میں بڑی کروفر اور زیب و زینت سے گشت کرایا گیا۔

تخت نشینی علی عادل شاہ ثانی سنہ ۱۰۶۷ھ

بعد وفات سلطان محمد عادل شاہ کے علیا حضرت حاجی بڑی صاحبہ اور وزیر مملکت خان محمد اور دیگر ارکان و امرائے سلطنت نے بالاتفاق بہ تاریخ ۲۹ محرم روز سہ شنبہ ۱۰۶۷ھ نو بجے دن کے شاہزادہ کو جوان بخت اور جواں سال کو انیسویں سال تخت سلطنت پر بٹھلایا۔ کسی شاعر نے مولانا ہلالی کے مصرعہ سے تاریخ جلوس اس قطعہ میں نکالی ہے ؎

بہر سال جلوس شاہ دکن | گفت ہاتف سحر بصوت جلی
نیست آخر دریں سخن حرفے | جانشیں محمد است علی

عبد النبی شاعر نے یہ مصرعہ تاریخی کہا ہے۔ مصرع۔

نوبت شاہی زدہ بعد محمد علی

ملا محمد قلی نے یہ قطعہ کہا ہے ؎

منت ایزد را کہ بر تخت خلافت جلوہ کرد | آفتابے کز طلوعش گشت عالم منجلی
در میان شہریاراں افتخار او را سزد | زاں کہ شد ہم چو علی ملک محمد را ولی
سال تاریخ جلوسش خواستم از عقل کل | گفت امیر المومنیں بعد از محمد شد علی

شعرا کو کافی صلہ ان قطعات پر سرفراز ہوا۔ اوائل زمان سلطنت میں محمد خاں المخاطب

یہ خاں خاناں وزیر مملکت تھا اُس کے قتل کے بعد ابراہیم خاں وزیر ہوا۔ جب وہ حضرت بڑی صاحبہ کے ساتھ حج کو چلا گیا تو اس کے بیٹے میاں عبدالمحمد کو خدمت وزارت اور مدارالمہامی ملی جو آخر عہد سلطان علی عادل شاہ تک مامور بہ کار رہا۔

شاہان مغلیہ اور شاہان عادل شاہیہ کے تعلقات

چوں کہ شاہنشاہ دہلی اور بیجاپور کے فیمابین عہد نامہ سالانہ خراج دینے کا پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے شاہ جہاں[۵] مملکت بیجاپور کو بالکل اپنا باج گزار اور تابع فرمان سمجھتا تھا اور اسی بنا پر اندرونی معاملات میں دخل دہی شروع کر دی۔ اکبر پادشاہ سے لے کر اب تک سب کا دانت ملک دکن پر رہا اور ہمیشہ

ف۵ ـ شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۶۲۷ـ۵۸ء تک سلطنت کی ہے۔ شب پنجشنبہ یکم ماہ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ میں بمقام لاہور پیدا ہوا۔ ۸ رجمادی الثانیہ ۱۰۳۷ھ کو اکبر آباد (آگرہ) میں تخت نشین ہوا۔ (۳۱) برس (۴) مہینے (۲۲) دن حکم رانی کرکے یکم فروری ۱۶۶۶ء کو اکبر آباد میں (۷۴) سال کی عمر میں رحلت کی اور تاج گنج میں مدفون ہوئے۔

جہانگیر بادشاہ کے دو بڑے صاحب زادے باپ کی حیات میں ہی وفات پا چکے تھے اس لئے شاہزادہ خرّم شاہ جہاں کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے بھائی شہریار کو قتل کروا دیا۔ اس کی حکومت میں سوائے ملک دکن کے ہر طرف امن و امان رہا۔ اس نے بادشاہ بیجاپور سے خراج وصول کیا اور احمدنگر کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ آگرہ کی بے نظیر موتی مسجد اور تاج گنج جو بادشاہ کی پیاری بیوی ممتاز محل کا مقبرہ ہے اسی کی بنائی ہوئی عمارتیں ہیں۔ تاج گنج کے روضہ کی تعمیر کے لئے دور دور سے کاریگر بلائے گئے اور لاکھوں روپیہ کے صرفہ سے ایک ایسی بے نظیر عمارت بنائی گئی جس کی نظیر آج صفحۂ دنیا پر نہیں ہے۔ اس کی تعمیر مسلسل بائیس برس تک ہوتی رہی جس پر بیس ہزار آدمی ہمیشہ لگے رہتے تھے۔ خدا جانے اُس زمانے میں دولت کیسی پھٹی پڑتی تھی کہ باوجود یکہ بے گنتی روپیہ اس پر صرف ہوا تب بھی خزانہ جوں کا توں معمور تھا اور طرفہ یہ کہ کسی سے ایک دمڑی ٹیکس نہیں کیا جاتا تھا۔ آگرہ چھوڑ کر دہلی کو اسی نے پائے تخت بنایا اور شاہ جہاں آباد نام رکھا۔ دہلی کی مشہور جامع مسجد اور دیوان خاص اور موتی مسجد لاہور کا مشہور باغ شالامار سب شاہ جہاں ہی کے بنوائے ہوئے ہیں۔

شاہ جہاں کے عہد میں سلطنت مغلیہ ہر اعتبار سے معراج الکمال پر تھی۔ امن عام، حسن انتظام اور قومی گورنمنٹ کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ مشہور تخت طاؤسی بھی اسی کا تھا۔ جون ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب نے اپنی بہن روشن آرا کی سازش سے اپنے باپ کو قلعہ میں قید کر دیا جہاں وہ اپنی بیٹی جہاں آرا کے ساتھ رہتا تھا اگرچہ شاہ جہاں

دکن پر حملے کرتے رہے یہاں تک کہ بہ تدریج کچھ ملک بھی دبالیا۔ پہلے خاندیس لیا پھر براڑ پھر ولایت نظام شاہیوں پر بار بار چڑھائی کی آخر کار شاہ جہاں اور سلطان محمد کا صلحنامہ ہو کر نصف ملک نظام شاہیوں کا مغلوں کو گیا اور بقیہ نصف ان کے پاس رہا لیکن سلطان محمد کا مرنا تھا کہ اورنگ زیب نے سارے معاہدوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اب جو شاہ جہاں نے سنا کہ بلا مائید دولت کی منظوری کے بدون علی عادل شاہ کو تخت پر بٹھلا دیا تو مداخلت کے لئے اچھا خاصہ بہانہ ہاتھ آیا شاہ جہاں نے سرے سے علی عادل شاہ کو سلطان محمد کا وارث جائز ہی تسلیم کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ سلطان محمد کو کوئی اولاد نرینہ تھی ہی نہیں۔ علی کو محمد شاہ کی بیگم نے جو بادشاہ گولکنڈہ کی بہن تھی متبنیٰ لیا تھا اور ظاہر ہے کہ متبنیٰ کا کوئی حق مذہب اسلام میں نہیں ہے۔ علی عادل شاہ گو کم سن تھا مگر جب اُس نے ان پا در ہوا اعتراضات کا سختی سے ترکی بترکی جواب دیا۔

اورنگ زیب کا قلعہ جات بیدر اور کلیانی کو فتح کرنا ۱۰۶۷ھ

اورنگ زیب کا دانت پہلے ہی سے بیجاپور پر تھا اور دل ہی دل میں میر جملہ کی صلاح سے منصوبہ گانٹھ رہا تھا کہ ذرا موقع ملے اور میں آن دباؤں۔ سب سے پہلے گولکنڈہ سے بیدر کا رخ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ عادل شاہ ابھی تو تخت پر بیٹھا تھا ہنوز پاؤں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰ - نظر بند تھا اور باہر کہیں نہیں جا سکتا تھا مگر ہر طرح کا آرام اُسے پہونچایا جاتا تھا اور کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی جولائی ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب نے سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی مگر باقاعدہ طور پر جشن تخت نشینی مئی ۱۶۵۹ء میں ہوا۔

تاریخیں سال تاریخ فوت شاہ جہاں "رضی اللہ" گفت افسر خاں

شاہ والا مالک اقلیم ہند | آں شہاب الدین شہ دور زماں
اہل دل رستم قوی دل گفتہ ام | سال تولیدش بقول صالحاں
رحلت آں بادشاہ اہل جاہ | شد عیاں مشکل کشا شاہ جہاں ۱۰۷۶ھ
باز گو سال وصال آں جناب | نور اہل دیں شہنشاہ جہاں ۱۰۷۶ھ

بھی نہ جمے تھے کہ یہ آفت آئی۔ افضل خاں اور ملک ریحان کو بیدر بھیجا۔ ملک مرجان قلعہ دار بیدر نے چھ سال تک مقابلہ کیا اور ہمیشہ خوں ریزی ہوتی رہی کبھی یہ غالب آتے تھے کبھی وہ آخر کار ۲۵ جمادی الثانی روز شنبہ ۱۰۶۷ھ کو اورنگ زیب نے قلعہ بیدر فتح کرلیا اور اس کے بعد ہی قلعہ کلیانی کا محاصرہ کیا اور تین مہینے کے بعد ۲۷ شوال کو اس پر بھی قابض ہوگیا۔

اورنگ زیب کی بیجاپور پر چڑھائی ۱۰۶۷ھ

فتح کے بعد اورنگ زیب نے بیجاپور پونچ کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ بیجاپور کی افواج جو بیدر وغیرہ مقامات پر مقابلے کو آئی تھیں ان کو اورنگ زیب نے حکمت عملی سے طمع دے دلا کر ملالیا اور اس وجہ سے وہ بلا روک ٹوک دار السلطنت تک آن پونچا۔ یہاں شہر کے اندر امرا میں ایسی کھچڑی پک رہی تھی کہ ایک کا ایک جانی دشمن اور خون کا پیاسا تھا اور آپس ہی میں کٹے مرتے تھے لیکن ان لوگوں نے جب دیکھا کہ اورنگ زیب سر پر آن پونچا اور شہر کا محاصرہ کرلیا تو چند دنوں کے واسطے ان باہمی جھگڑوں کو تہ کردیا اور سب کے سب ایک زبان اور ایک دل ہوکر افواج مغلیہ کے مقابلے پر تل گئے۔ اورنگ زیب کا دلی منشا یہ تھا کہ سلطنت بیجاپور کو صفحہ دنیا سے اسی طرح نیست ونابود کردے جیسے نظام شاہیوں کا کھوج مٹا چکا تھا۔ ایسی حالت میں اُس نے علی عادل شاہ کے پیغامات صلح پر کان نہ دھرا اور کہا کہ بجز اس کے کہ تم بلا کسی قسم کی شرائط کے ہماری اطاعت قبول کرو اور کوئی راستہ صلح کا نہیں ہے۔ روز بروز محاصرے کی شدت سے شہر کے لوگ پکار اُٹھے تھے۔ اُن کے دل ناامیدی سے بیٹھ گئے تھے کہ ایسے وقت میں شاہ جہاں کی سخت علالت کی خبر دہلی سے آئی۔ اورنگ زیب سنتے ہی محاصرہ چھوڑ چھاڑ عادل شاہ سے دوبارہ صلح کرکے یلغار دہلی پونچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شاہ جہاں کی آنکھ بند ہوجائے اور تخت دہلی کا اور کوئی مالک بن بیٹھے۔

خان محمد خان خاناں کا قتل ۱۰۶۸ھ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ خان خاناں مغلوں کے مقابلے پر بھیجا گیا تھا چنانچہ وہ سرحد پر پڑا ہوا تھا کہ ایک دن اُسے خبر ملی کہ مغلو نکلا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱- بہ تقدیر آن قادر ذو الجلال | چو رفت از جہاں آہ شاہ جہاں
رقم کرد سرور بتاریخ او | شہ اہل دیں شاہ شاہ جہاں ۱۰۷۶ھ

لشکر دو تین منزل کے فاصلے پر پہاڑوں میں پڑا ہوا ہے۔ خانخاناں فوراً گیا اور گھاٹی کو اس طرح روکا کہ
مغل کسی طرح باہر نہ نکل سکتے تھے۔ مغلوں کے لشکر کو بڑی مشکل آن پڑی۔ رسد بند ہو گئی۔
جان کے لالے پڑ گئے گویا ایک پنجرے میں پھنس گئے۔ ناچار اورنگ زیب نے خان خاناں
کو رقعہ لکھا کہ اس نازک وقت میں ہماری خاطر سے راستہ چھوڑ دیں تو ہم مدت العمر آپ کے ممنون
رہیں گے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ جب تک مدارالمہام رہیں گے مغلوں کی طرف سے کبھی
بیجاپور پر چڑھائی نہ ہوگی۔ کہتے ہیں کہ خان خاناں نماز عصر پڑھ کر مصلے پر بیٹھا ہوا تھا کہ اورنگ زیب
کا یہ رقعہ پہنچا دیکھتے ہی خان خاناں بول اٹھا کہ یہ رقعہ کیا ہے گویا میری موت کا پیغام ہے بہت
دیر سوچنے کے بعد جواب لکھ دیا کہ اچھا خیر آپ طیاری کر لیجئے اور اپنے لشکر سمیت راتوں
رات جھپٹ کر نکل جائیے اور اپنے لشکر کو بھی ایما کر دیا کہ کوئی مانع و مزاحم نہ ہو الغرض مغلوں کا لشکر
جان بچا کر نکل بھاگا۔ گویا پنجرے کی کھڑکی کھول کر شکار کو اڑا دیا۔ دوسرے امرا نے یہ خیال کیا
کہ شبخون مار کے نکل گئے ہیں سب دوڑے ہوئے خانخاناں کے پاس آئے کہ یہ کیا غضب
ہوا کہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی خیر اب بھی کچھ نہیں گیا فوراً تعاقب کر کے ان کو گرفتار کر لینا
ممکن ہے کیوں کہ پھر ایسا موقع ہم کو کہاں ملے گا لیکن خان خاناں نے کہا کہ اب کیا ہو سکتا ہے
بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو یہ بھی ہمارا سلوک ان کو مدتوں یاد رہے گا اور ہمارے منت کش رہیں گے
امرا نے جب خود خاں خاناں کی ڈھیل دیکھی تو وہ بھی ساکت رہے لیکن افضل خاں بگڑا اور
اس نے کہا کہ جیہ خوش اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ نے دیدہ و دانستہ ان کو چھوڑ دیا ہے یہ آپ نے
کیا غضب کیا کہیں ایسا موقع بار بار آ سکتا ہے۔ آل تیمور میں سے اگر کسی سے ہم کو گزند پہنچنے کا اندیشہ
ہے تو وہ یہی اورنگ زیب ہے اگر ہم اسے پکڑ لیں تو پھر کیا مجال ہے کہ کوئی ادھر دکن کا رخ بھی کر سکے۔
خاں خاناں نے کہا ہاں جی ہاں جو تم کہتے ہو وہ تو سب ٹھیک ہے مگر جانتے بھی ہو کہ وہ کون ہے مملکت
ہندوستان کا شاہزادہ ہے اس کو لطف و مدارا سے چھوڑ دینا اچھا ہے یا پکڑ کر قید کر لینا تم عقل کے
ناخن لو اگر ہم اسے قید کر لیں تو شاہ جہاں ہمارا جن بچہ کولھو میں پلوا دے گا۔ افضل خاں نے
گستاخانہ کہا کہ بس بس آپ کی مردانگی معلوم ہوئی ناؤ کس نے ڈبوئی خواجہ خضر نے ان کے لئے
تو میں اکیلا ہی بس ہوں۔ آسمان سر پر آن پڑے تو ہاتھ سے تھام لوں۔ ہمت مرداں مدد خدا

افضل خاں نے خان خاناں کو بہت ڈانٹا مگر بلا اُس کی رای کے یہ اکیلا خود کیا کر سکتا تھا اُسی وقت نقارہ کوچ کا بجایا اور بیجاپور کو چل دیا جس دن بیجاپور پونچا ہی دونوں ہاتھوں میں دوپٹے لے کر دربار شاہی میں حاضر ہوا - پادشاہ سے عرض کی گئی کہ افضل خاں بہت بدلا ہوا ہی اور دونوں ہاتھوں میں پٹے لے کر آیا ہی - پادشاہ نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں جس طرح وہ چاہتا ہی بے تامل آنے دو - افضل خاں نے آتے ہی دونوں پٹے زمین پر پٹک دئے اور کہا کہ آپ کے غلام کی کی کرائی ساری محنت برباد ہو گئی - پادشاہ نے جب تفصیلی واقعات سُنے تو خان خاناں پر بہت ناراض ہوا اور فوراً طلب کیا خان خاناں کی طلبی کا حکم پونہچتے ہی وہ سمجھ گیا کہ یہ خالی طلبی نہیں ہی بلکہ موت کا پیغام ہی - خان خاناں ڈھیل دیتا ہوا چلا دو دو تین تین دن مقام کرتا کراتا آخر کار جس دن مکہ دروازے سے شہر بیجاپور میں داخل ہوا دروازے سے لگے ہوئے دونوں طرف دو مغل خونخوار کھڑے ہوئے تھے جوں ہی خان خاناں کی پالکی داخل ہوئی کہ دونوں جانب سے دونوں مغلوں نے حربہ آبدار بھونک دیئے اور وہیں اُن کا ڈھیر کر دیا - قتل کی تاریخ "آہ خان محمد شہید" اور "دغا داد نذر" ہی - خان خاناں کی تدفین کے بعد خان خاناں نے اُسی رات ایک اپنے دوست کے خواب میں آکر کہا کہ دیکھو میری چھنگلی رہ گئی ہی دفن نہیں ہوئی صبح جا کر دیکھا تو واقعی مکہ دروازے کے پاس چھنگلی پڑی ہوئی تھی جسے اُٹھا کر دوبارہ دفن کیا - بیجاپور سے جو سالانہ پیشکش شاہان مغلیہ کو جاتا تھا اُس سال پادشاہ نے معاف کر دیا اور حکم دیا کہ خان خاناں کے مقبرہ کی طیاری میں صرف کیا جاے چنانچہ ایسا ہی ہوا -

سیواجی کی بغاوت[۱۵] ملک کوکن ایک زرخیز ملک ہی جو سمندر سے جا ملا ہی جس میں بہت سے بندر مثل دابل جیول - ہینگولہ - شامستی وغیرہ اور قلعہ جات مستحکم ہیں علاوہ اس کے بڑے بڑے

---

[۱۵] مرہٹے نہایت جفاکش اور جری قوم ہی جو مغربی گھاٹوں میں رہتے تھے جو اب بمبئی پریزیڈنسی میں ہی - ان کی جدا جدا ٹکڑیاں تھیں جو مختلف مقامات میں اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ رہا کرتی تھیں - ان کے سردار کسی نہ کسی قلعہ میں رہتے تھے جن کے پاس تھوڑے بہت گاؤں ہوتے تھے - یہ لوگ عموماً زراعت کرتے تھے اور جب زراعت سے فارغ ہو جاتے تھے تو بہت سے لوگ بادشاہان احمد نگر اور بیجاپور کی فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے - یہ لوگ ہمیشہ اچھی نسل کے میانہ قد کے یابوؤں پر سوار ہوتے تھے اور تلوار اور برچھے باندھتے

پہاڑ اور گھنے جنگل ہیں۔ اس ملک میں ناریل اور سیاہ مرچ وغیرہ کی کثرت سے پیداوار ہوتی ہے اور بیشتر اجناس کرانہ یہیں سے آتی ہیں۔ پہلے یہ ملک نظام شاہ کا تھا جب نظام شاہ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۴ — تھے بادشاہ احمد نگر کے لشکر میں ایک شخص مالوجی نامی تھا جس کے ایک چھوٹا سا لڑکا شاہ جی تھا (مالوجی کو ایک مقابر میں بزرگ سے بہت عقیدت تھی اس لئے اُس نے اپنے بیٹے کا نام شاہ جی رکھا) ایک دن مالوجی لوک جی جادھو راؤ ایک مرہٹہ سردار کے ہاں دعوت میں گیا۔ شام کے وقت لوک جی اپنی سالہ لڑکی جی جی بائی کو گھٹنے پر لیئے بیٹھا تھا اور دوسرے گھٹنے پر اُس نے شاہ جی کو بٹھا لیا اس طرح دونوں کو کھلا رہا تھا اور مذاقیہ طور پر بے اختیار اُس کے مُنہ سے نکلا کہ دیکھو اِن دونوں کا کیسا انمول جوڑا ہے اتنی بات کہہ کر وہ چور ہو گیا۔ شاہ جی کا باپ اُڑ گیا کہ لڑکی میری ہو چکی تم عام مجمع میں قول ہار چکے ہو۔ لوک جی یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور کہا کہ چہ خوش مجھ کو دیکھو کہ میں دلوگیری کے یادو راجاؤں کی نسل سے ہوں اور شاہ جی کا باپ تو معمولی مرہٹہ ہے میرا اُس کا کیا جوڑ با ایں ہمہ وہ بات سچ ہوئی کہ ہر شخص کا جوڑا عرش پر سے اُترتا ہے آگے چل کر شاہ جی کی شادی جی جی بائی سے ہو کر رہی اور ۱۶۲۷ء میں سیواجی پیدا ہوا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا اور مرہٹوں کی طاقت بڑھنے لگی۔ یہ لوگ جم کر لڑنے کے عادی نہ تھے بلکہ پوریوں کی طرح لٹیرے تھے۔ رسد روک دینا۔ چھوٹے موٹے فوج کے دستہ کو راستے میں لوٹ لینا گاؤں میں گھس پڑنا لوٹنا اور جلانا۔ آج یہاں کل وہاں۔ غرض چاروں طرف ان کی لوٹ مار آئے دن رہتی تھی۔ اِن کے پاس تازہ دم گھوڑے رہتے تھے آناً فاناً منزلوں نکل جاتے تھے مغلوں کا لشکر کسی طرح اِن کو پکڑ نہ سکتا تھا۔ جب سپاہی کو دیکھو اُس کا کھانا خورجی میں موجود۔ ضروری کپڑے بھی ساتھ نہ ان کو رسد کی ضرورت تھی نہ کسی اور سامان کی بیک بینی دوگوش چھڑے چھانٹ تھے۔ مغلوں کا لشکر بھاری بھرکم۔ سامان جنگ سے آراستہ اُن کی نقل وحرکت کچھ آسان کام نہ تھا۔ شاہی قیام گاہ ہی کا دور صرف تین میل کا ہوتا تھا اور سارے لشکر کو دیکھو تو ٹڈی دل جہاں تک نظر کام کرتی تھی سپاہیوں اور گھوڑوں سے پٹا پڑا تھا جن کی تعداد دس لاکھ تک پہنچتی تھی۔ امرا آرام طلب عیش ونشاط میں منہمک بھلا ان سے کب ہو سکتا تھا کہ مرہٹوں کی طرح چھلاوا بن جائیں کہ ابھی یہاں تھے ابھی دیکھو تو پچاس کوس کے فاصلے پر لوٹ رہے ہیں۔ مغلوں کے زوال کے ساتھ مرہٹوں کا عروج پورے سو برس رہا۔ ان کا ملک شمال میں سورت سے لے کر جنوب میں گوآ پرا اور مشرق میں ناگپور اور حیدر آباد سے مغرب میں بحیرہ عرب تک تھا

ملک کو شاہ جہاں اور عادل شاہ نے نصفا نصف بانٹ لیا تو ملک کوکن عادل شاہیوں کے حصے میں آگیا جس پر سلطان محمد نے ملّا احمد کو گورنر مقرر کیا مگر دو پرگنے پونے اور سوپہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۵ - ان کی قوم میں سیواجی ایک بڑا نامی گرامی سردار نکلا - سیواجی اُسی زمانے میں پیدا ہوا جب کہ شاہ جہاں تخت پر بیٹھا - یہہ ذات کا چھتری تھا - اس کے باپ شاہ جی کی جاگیرات احمد نگر کے علاقہ میں تھیں جس کا صدر مقام پونا تھا -

ملک دکن کے مسلمان بادشاہ مذہبی تعصب سے بالکل مبرّا تھے وہ نہ صرف اپنی ہندو رعایا کو انعامات جاگیرات مناصب فراخ دلی سے دیتے تھے بلکہ اہل سیف اور اہل قلم کے مراتب جلیلہ پر بھی ممتاز کرتے تھے۔ شاہ جہاں نے احمد نگر فتح کر لیا تھا اس وجہ سے شاہ جی کا تعلق بیجاپور سے ہو گیا تھا - بادشاہ بیجاپور نے شاہ جی کو ملک کرناٹک کی مہم سر کرنے کے لئے متعین کیا اور اس کے صلے میں تانجور میں ایک اور جاگیر دی اس وجہ سے شاہ جی کو پونا چھوڑنا پڑا - شاہ جی نے اپنے صغر سن بیٹے سیواجی کو اور اپنے سٹیٹ کو داداجی کونڈدیو برہمن کے سپرد کیا اور خود تانجور میں جا کر رہنے لگا - داداجی نے سیواجی کو بہترین تعلیم مذہبی اور فن سپاہ گری کی دلائی - سیواجی کا اعتقاد زیادہ تر بھوانی دیوی پر جم گیا - سیواجی کی ماں بھی اپنے بچے کے ساتھ ہی رہتی تھی اور چوں کہ وہ بڑی دانش مند تھی اور یہ ظاہر ہے کہ بچوں کی پہلی تعلیم گاہ ماں ہی کی گود ہوتی ہے وہ ہمیشہ اپنے بچے کو بڑے بڑے بہادروں کے نمایاں کارناموں کی کہانیاں سنایا کرتی تھی - مغل عرصہ دراز سے ملک دکن پر دانت لگائے بیٹھے ہوئے تھے - ہندو اس کے نتیجہ سے ناواقف نہ تھے کہ اگر ایسا ہوا تو اُن کی مذہبی آزادی میں بڑا فرق آ جائے گا - سیواجی کے کان لڑائی اور فتوحات کے قصے سن کر بھر گئے تھے جس کا گہرا نقش بچپنے سے اُس کے دل پر جم گیا تھا چوں کہ وہ بڑا اولوالعزم تھا ابھی وہ اُنیس ہی برس کا تھا کہ ۱۶۴۶ء میں اُس نے ایک چھوٹی سی فوج پیدل اور سواروں کی اکٹھی کر کے اطراف کے کئی قلعے فتح کر لئے اور خود بھی چند قلعوں کی تعمیر کی - سیواجی نے بیجاپور کے علاقہ کے دو قلعے تورنا اور پورندھر فتح کر لئے اور رائے گیر میں اپنے رہنے کے لئے ایک قلعہ بنایا - بادشاہ بیجاپور کا بہت سا خزانہ اس نے لوٹ لیا تھا - بادشاہ نے اس کے مقابلے کے لئے افضل خاں سپہ سالار کو مقرر کیا اُس نے وعدہ کیا کہ اس پہاڑی چوہے کو زندہ یا مردہ جس طرح بن پڑے گا پکڑ لاؤں گا - سیواجی ایسی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ باقاعدہ جنگ میں وہ کبھی سر بر ہو نہیں سکتا - سیواجی ایک پولیٹیکل چال چلا - افضل خاں کے آنے کی خبر

شاہ جی کو جاگیر دے دئے وہیں سیواجی رہا کرتا تھا اور جس کی وجہ سے سیواجی نے بالکلیہ اطاعت قبول کرلی - کرناٹک کی مہم پر شاہ جی بھی بھیجا گیا - شاہ جی کا بیٹا سیواجی پونے میں رہا - جب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۶ - سن کر اُس نے پیغام سلام صلح کا شروع کیا اور کہا کہ میری کیا طاقت ہے جو بادشاہ بیجاپور کا مقابلہ کرسکوں اور افضل خاں سے کہلا بھیجا کہ آپ قلعہ پرتاب گڑھ میں مجھ سے تنہا مل کر بات چیت کریں - افضل خاں دام میں آگیا ادھر سے افضل خاں پونہچا اُدھر سے سیواجی آتا ہوا نظر آیا - دیکھا تو نہتا تھا - لیکن سفید جامہ نیمہ کے اندر زرہ پہنے ہوا تھا اور تلوار بھی دبی ہوئی تھی اور بائیں ہاتھ پر پنجۂ فولادی "شیر پنجہ" چڑھا ہوا تھا - سیواجی آتے ہی افضل خاں کے قدم چومنے کو جھکا - افضل خاں اُسے اُٹھانے اور بغل گیر ہونے کی غرض سے جھکا - سیواجی کو موقعہ ملا اُس نے شیر پنجہ افضل خاں کے پیٹ میں بھونک دیا جس سے وہ وہیں ڈھیر ہوگیا ادھر افضل خاں کا کام تمام ہوا اُدھر سیواجی کی فوج جو اِدھر اُدھر چھپی ہوئی تھی عادل شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑی جن کو بھاگتے ہی بنی اور میدان سیواجی کے ہاتھ رہا - اب سیواجی کے واسطے میدان صاف تھا بے کھٹکے لوٹ مار کرنے لگا - عادل شاہیوں نے ناچار سیواجی سے صلح کرلی اور تمام دکن کا ملک پونے سے لے کر دریائے کشنا تک اُس کو چھوڑ دیا اور پھر اُس سے متعرض نہ ہوئے - سیواجی کی جرأت اب بہت بڑھ گئی اور اُس کی الوالعزمی کی کوئی حد نہ رہی اب اُس نے مغلوں کے مقبوضات پر یورش کرنے کا مصمم قصد کرلیا - اورنگ زیب سے اُسے سخت نفرت تھی اُس نے مسلمانوں کے تعصب کی مہیب شکل پیش کرکے تمام مرہٹوں کے دلوں میں تازہ روح پھونک دی - اورنگ زیب نے سیواجی کی روک تھام کے لیے اپنے چچا شایستہ خاں کو دکن بھیجا - ایک دن سیواجی چند چیدہ لوگوں کے ساتھ پونے میں اس طرح داخل ہوا جیسے کہ کوئی برات آتی ہے - کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی - رات ہوتے ہی یہ سارے کا سارا دھاڑا مغل کیمپ میں باورچی خانے کی طرف سے جا گھسا - شایستہ خاں بے خبر پڑا سو رہا تھا گڑبڑ سن کر سٹپٹا گیا اور بھاگنا چاہا کھڑکی میں سے رسی ڈال کر نیچے اُتر ہی رہا تھا کہ کسی نے ایسی تلوار ماری کہ شایستہ خاں کے ہاتھ کی دو اُنگلیاں اُڑ گئیں مگر جان بچ گئی تب سیواجی کے لوگ مشعلیں روشن کرکے باہر نکلے اور ڈراتے اپنے قلعہ رائگڑھ میں جو پونے کے قریب ہی جا داخل ہوئے - اورنگ زیب نے دو بارہ راجہ جے سنگھ کے ساتھ فوج بھیجی - جے سنگھ نے سیواجی کو کسی نہ کسی طرح قابو میں کرلیا - اور دہلی بھجوایا - لیکن جب سیواجی مع اپنے پنج سالہ لڑکے کے دہلی پونہچا تو بادشاہ نے سخت غلطی کی کہ اُس سے کشادہ پیشانی سے پیش نہ آیا اور دونوں کو نظربند

سلطان محمد سخت بیمار ہوا تو ملا محمد کو کوکن سے بلالیا۔ سیواجی نے میدان خالی پایا اور ایک اودھم مچادی۔ اُس کے ساتھ اُسی کی ذات والے اور بہت سے اشرار اُس سے جاملے اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷۔ کر دیا لیکن سیواجی بھلا کب پھنس سکتا تھا۔ ایک رات جب چاندنی چھٹکی ہوئی تھی سیواجی اور اُس کا بیٹا دونوں مٹھائی کے ٹوکروں میں بیٹھ کر نکل گئے اور سیدھے متھرا پونہچے۔ سیواجی سنیاسی کا بھیس بدل کر منزل بمنزل چلتا ہوا اپنے ملک میں آن پونہچا اور تازہ دم ہوکر دوبارہ سر اُٹھایا۔ جتنے قلعے اُس کے قبضے سے اِس اثناء میں نکل گئے تھے سب ایک ایک کرکے واپس لیئے۔ اورنگ زیب نے اب تیسری مرتبہ سیواجی کے مقابلے پر لشکر کشی کی لیکن کچھ بن نہ پڑا اور اورنگ زیب کی ایما سے مغلوں کے سپہ سالار نے صلح کرلی اور راجہ کا خطاب بھی دیا گیا۔ چند سالوں بعد بیجاپور اور گولکنڈہ بھی دب گئے اور اُسے چوتھ دینی قبول کی۔ جب کہ سیواجی چاروں طرف سے فتح یاب ہوا تو ۱۶۷۴ء میں اُس نے بمقام رائے گیر تاج شاہی زیب سر کیا اور اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ سیواجی کا انتظام ملک داری بتلا رہا ہے کہ وہ ایک بڑا دانش مند مدبّر تھا۔ سیواجی کی فوج معمولی نمائشی اور آخور کی بھرتی نہ تھی بلکہ معقول تنخواہ یاب باقاعدہ سواروں کا لشکر تھا۔ اُس کی بحری طاقت بھی کم نہ تھی اُس کے پاس ایک بیڑہ جہازوں کا تھا جس کے ذریعے سے وہ چار ہزار سپاہیوں کو لے جا سکتا تھا۔ سلطنت کا سب سے بڑا حکمراں حاکم وقت وہ خود تھا۔ اُس کے بعد وزیر تھا جو پیشوا کہلاتا تھا۔ راجہ کا پرائیویٹ سکرٹری "منتری" "سپہ سالار" "سیناپتی" تھا۔ خزانہ پر دو عہدہ دار تھے ایک فنانس کا وزیر دوسرا محاسب۔ پنڈت راؤ امور مذہبی کا اعلیٰ عہدہ دار تھا۔ عدالتی اعلیٰ عہدہ دار "نیایادیس" کہلاتا تھا۔ سب ملاکر آٹھ وزیر تھے جو "اشٹ پردھان" کہلاتے تھے۔ نظام دیہی۔ پٹیل مالی عہدہ دار کلکرنی یا پٹواری (متصدی حسابی) تھے۔ ان کے اوپر یکے بعد دیگرے دیسائی دار۔ تعلقہ دار اور صوبہ دار تھے۔ تصفیہ قضایا حسب احکام دھرم شاستر پنچایت کے ذریعے سے ہوا کرتا تھا۔ افسوس ہے کہ سیواجی کی عمر نے وفا نہ کی اس نے (۵۳) برس کی عمر میں ۱۶۸۰ء میں رائے گیر میں انتقال کیا۔ سیواجی میں درحقیقت بہت سی خوبیاں تھیں۔ مسلمان مورخین لکھتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کا بڑا پاس ادب اور مساجد کا احترام ہمیشہ مدّنظر رکھتا تھا۔ اُس کا سلوک عورتوں اور بچوں کی ضعیف صنف سے ہمیشہ قابل تعریف رہا ہے اُس کا نام ابدالآباد تک تاریخ ہند میں نمایاں رہے گا کہ یہ بانی مبانی مرہٹوں کی سلطنت کا تھا۔ سیواجی کی غیر معمولی ذہانت اور جرأت کے حالات سن کر دل میں ایک جوش آفرین کا موج زن ہوتا ہے۔ سیواجی سے پہلے مرہٹوں کا کوئی

قلعۂ جنجیؔ پر قبضہ کر لیا اور چاروں طرف غارت گری اور لوٹ مار سے ادھر کمپنیوں کا ادھر مغلوں کا دم ناک میں کر دیا۔ اُس کا دلی منشا یہ تھا کہ ملیچھ مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۸ - جتھا نہ تھا اور جو جہاں جیدہ چیدہ تھا وہ آپس میں ہی لڑا کرتے تھے سیواجی نے اُن کو مسلح کیا اور اُن میں مردانگی کی تازہ روح پھونکی اور ایسی قلب ماہیت کر دی کہ تمام ہندوستان مرہٹوں کے نام سے لرز جاتا تھا۔ ہندو مسلمانوں سے مغلوب تھے حتی کہ راجپوت بھی اِن کے دبیل تھے اُن کے دلوں میں سے بھی جوش مردانگی جاتا رہا تھا۔ سیواجی گوارا نہیں کر سکتا کہ اُس کی قوم مسلمانوں کی غلام بنی رہے۔ ایسی مردہ حالت میں سیواجی کا اُن کو اُبھارنا ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر تاریخ میں مل نہیں سکتی۔ سیواجی میں جہاں ساری خوبیاں تھیں ایک عیب بھی تھا کہ وہ بڑا چال باز اور عیار تھا (لیکن ہمارے خیال میں سیواجی کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ (لڑائی ایک چھل بٹے بازی کا نام ہے) یہی اس کا جواب ہے۔ اس کے علاوہ اُس کا سختی سے چوتھ وصول کرنا بھی اُس کے کیرکٹر پر ایک دھبہ ہے۔ جس مقام سے اُس کا لشکر گزرتا تھا جبراً چوتھ وصول کر کے اُس کو تباہ کر دیتا تھا۔ یہ طرز عمل دوسرے الفاظ میں لیٹروں کی حالت سے کچھ بہتر نہیں کہا جا سکتا۔ سیواجی کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سنبھاجی راجہ ہوا۔ لیکن افسوس ہے کہ اُس نے سیواجی کا نام ڈبو دیا۔ ایسے نامور باپ کا ایسا نااہل بیٹا! سنبھاجی اپنے وزیر کالوشاہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا۔ سوائے عیش و عشرت لہو و لعب کے اُسے خبر نہ تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اورنگ زیب نے سنبھاجی کو قید کر لیا اور بہت تکلیف دے دے کر ۱۶۸۹ء میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد سنبھاجی کا شیر خوار بچہ سیواجی خورد (جسے عموماً ساہو کہتے تھے) برائے نام راجہ ہوا اس نابالغ کی پرورش اُس کا چچا راجہ رام کرتا تھا تھوڑے ہی دنوں بعد اورنگ زیب نے ساہو اور اُس کی ماں دونوں کو قید کر لیا۔ ساہو کے چلے جانے کے بعد راجہ رام نے حکومت شروع کی۔ اس زمانے میں وہ ستارے میں رہتا تھا۔ اُس نے کھمبا راؤ دہابوری کو گجرات اور نیرا ساواجی بھونسلے کو برار میں چوتھ وصول کرنے کو بھیجا۔ یہی دونوں مورث اعلیٰ خاندان گائکواڑ کے ہیں جو اب بڑودہ میں حکمراں ہیں اور بھونسلے خاندان کی حکومت ناگپور میں ہے۔ راجہ رام کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا سیواجی سوم راجہ ہوا جس کی ریجنٹ اُس کی ماں تارابائی تھی یہ عورت بلا کی شیر دل تھی۔ اس نے مرہٹوں کی کمزور حالت کو پھر سنبھال دیا اور اس طرح جرأت

مرہٹوں کی مستقل سلطنت قائم کرے کہ عین ایسے نازک وقت میں سلطان محمد کا انتقال کیا ہوا سیواجی کی منہ مانگی مراد ملی - یہ خبر سنتے ہی ورا تہ ملک کوکن اور تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا اور کھلا باغی ہو گیا -

سیواجی کے ہاتھ سے افضل خاں کا قتل سنہ ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء

جب سیواجی کی تمردی حد سے بڑھ گئی تو یہ صلاح ٹھہری کہ افضل خاں کو اس کی گوشمالی کو بھیجا جائے کہ سوائے افضل خاں کے دوسرا کوئی اس کا ہم پلہ نہ تھا اور افضل خاں کے نام سے یہ بھی کان پکڑتا تھا خان محمد کی جگہ افضل خاں کو سپہ سالار مقرر کیا گیا - افضل خاں تمام فوج کو درست کر کے اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۹ - اور استقلال سے لوٹ مار شروع کر دی کہ شہنشاہ دہلی انگشت بدنداں رہ گیا - ایک مرتبہ بلا مبالغہ اُس نے بادشاہ کو اُس کے کیمپ میں گھیر کر اُس کی آنکھوں کے سامنے خزانۂ شاہی لوٹ لیا اور بادشاہ سے کچھ بن نہ پڑی - آخر کار اورنگ زیب نے زچ ہو کر ساہو کو قید سے چھوڑ دیا جو پھر ستارے میں حکومت کرنے لگا - تارا بائی اس بات سے راضی نہ ہوئی اور ساہو سے کشت و خون پر آمادہ ہو گئی لیکن ساہو کے ساتھ سب کوئی تھے اور تارا بائی بیچاری کا اکیلے رہ جانے سے کچھ چل نہ سکا - مرہٹوں کی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے ساہو ستارے میں رہنے لگا اور سیواجی سوم کولہاپور میں (۱۷۰۸ء)

سیواجی کے بعد مرہٹوں کی روح رواں نکل گئی - ساہو نے بالاجی وسوا ناتھ کو جو ایک باخبر آدمی تھا اپنا وزیر پیشوا مقرر کیا - سیواجی کا خاندان روز بروز گرتا چلا جاتا تھا اور پیشواؤں کی جڑ مضبوط پکڑتی جاتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ سیواجی کا خاندان معدوم ہو گیا اور پیشواؤں کا دور دورہ شروع ہوا - اگرچہ ساہو نے بیالیس برس سلطنت کی (۱۷۰۸-۱۷۴۸ء) لیکن برائے نام دراصل پیشواؤں ہی کی گورنمنٹ تھی جن میں کے تین پہلے پیشوا ان ذیل کے مشہور اور نامی گرامی ہو گزرے ہیں -

(۱) بالاجی وسوا ناتھ سنہ ۱۷۱۴-۱۷۲۰ء -

(۲) باجی راؤ - سنہ ۱۷۲۰-۱۷۴۰ء -

(۳) بالاجی راؤ سنہ ۱۷۴۰-۱۷۶۱ء -

عظیم الشان مہم پر روانہ ہوا - لیکن افضل خاں کے جاتے وقت نجومیوں نے پیشین گوئی
کی تھی کہ اس مہم میں افضل خاں کی جان کی خیر نہیں ہے - افضل خاں کو اس پیشین گوئی
کا کچھ ایسا یقین کامل ہو گیا کہ اُس نے اپنے جانے سے پیشتر ہی اپنی چونسٹھ بیویوں کو باؤلی
میں ڈبو کر ہلاک کر دیا چنانچہ تارہ وہ کی سڑک سے تھوڑی دور جانب شمالی اور شہر بیجاپور کے
باہر جانب مغرب میں سات قطاریں زنانی قبروں کی ایک ہی چبوترے پر بنی ہوئی ہیں اور
یہی افضل خاں کی سب بیویوں کا مدفن ہے اور وہیں ایک بڑی باؤلی بھی ہے جس میں ان سب کو
ڈبویا گیا تھا - اس مقام سے اور تھوڑی دور آگے شمال کی طرف خود افضل خاں کا مقبرہ ہے جو
اُس کی زندگی میں طیار ہوا تھا لیکن اُس میں وہ دفن نہ ہو سکا کیوں کہ اُس کی مٹی قلعہ جاؤلی
عرف پرتاپ گڑھ کی تھی - وہیں اس کو سپرد خاک کیا - اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع
کرتے ہیں - افضل خاں فوج لے کر قلعہ پرتاپ گڑھ کی طرف بڑھا جہاں سیواجی موجود تھا - افضل خاں
کے آنے کی خبر سن کر سیواجی نے دو چار آدمی بغرض معذرت افضل خاں کے پاس پہلے ہی
بھیج رکھے تھے انھوں نے کھلے الفاظ میں کہا کہ سیواجی آپ سے لڑنا نہیں چاہتا بلکہ آپ کا
ہر طرح مطیع و فرماں بردار ہے اور اپنے قصور کا معترف اور خواہان معافی ہے کچھ ایسی بات نہیں
بالمشافہ ملاقات میں بات کی بات میں یہ معاملہ بہ احسن الوجوہ طے ہو جائے گا - ان لوگوں نے
اپنی چکنی چپڑی باتوں سے افضل خاں کو آمادہ کر لیا کہ وہ اپنی فوج قلعہ کے نیچے جو ناہموار و غیر
مسطح ہے وہاں سے لے جائے اور ایک ایسی جگہ ملاقات کے لئے مقرر کی جو دامن کوہ
میں تھی اور آپس میں یہ طے ہوا کہ افضل خاں اور سیواجی دونوں صرف ایک ایک مسلح ہمراہی کے
ساتھ آئیں زیادہ بھیڑ بھاڑ کی ضرورت نہیں - یہاں تو یہ سبز باغ دکھلایا جا رہا تھا اور ادھر
چپکے چپکے سیواجی کی فوج نے بادشاہی فوج پر گھیرا ڈال دیا - الغرض ملاقات کے لئے جو جگہ
مقرر ہوئی تھی افضل خاں پہنچا ہی تھا کہ سیواجی بھی ادھر سے آگیا سیواجی معانقہ کو بڑھا اور
چشم زدن میں شیر پنجہ جو اس نے چھپا رکھا تھا افضل خاں کے پیٹ میں بھونک دیا - افضل خاں
نے پھر بھی بڑی ہمت اور جرأت سے وار کرنا چاہا لیکن سیواجی اور اُس کے مصاحب تانا جی ملو
سرا نے اُس پر پل پڑے اور وہیں ٹھنڈا کر دیا - ادھر افضل خاں تڑپ رہا تھا اُدھر اشارہ

کرتے ہی سیواجی کی ساری فوج جو دروں میں چھپی ہوئی تھی ٹوٹ پڑی اور بیجا پور کے سارے لشکر کی تکا بوٹی کر ڈالی صرف معدودے چند جان بچا کر بھاگے۔

سیواجی کے مقابلے پر جوہر صلابت خاں کا جانا اور اُس سے مل جانا

علی عادل شاہ نے جب اپنے جاں نثار افضل خاں کے مارے جانے کی خبر سنی تو بہت آزردہ ہوا اور فکر میں تھا کہ کس کو بھیجوں کہ اتنے میں سدّی جوہر جو محمد نگر عرف کرنول میں جا بیٹھا تھا اُس کا معروضہ بادشاہ کی خدمت میں آیا کہ خانہ زاد اپنی سرکشی کی سزا قرار واقعی پا چکا اور اب خواہاں عفو تقصیر ہے اگر حکم ہو تو اقدام مبارک میں حاضر ہو کر حق نمک ادا کرے رحم دل بادشاہ نے اُس کا قصور معاف فرما دیا اور اُسے ہی صلابت خاں کا خطاب دے کر اس مہم پر روانہ کیا وہاں پہنچتے ہی اتنا بڑا لشکر دیکھ کر سیواجی کے چھکے چھوٹ گئے نایک واڑیوں کی پناہ میں قلعۂ پنالہ میں جو ایک مشہور مستحکم پہاڑی قلعہ ہے جا بیٹھا جہاں پرندہ پر نہ مار سکتا تھا اور وہیں سے گولی باروت تیر تفنگ چلانے لگا۔ صلابت خاں کو بڑی مشکل کا سامنا پڑا۔ سیواجی کا یہ حال تھا کہ کہیں اُسے قرار نہ تھا آج اس قلعے میں ہے تو کل اُس میں آخر کار قلعۂ پنالہ میں وہ گھر گیا۔ سیواجی نے جب دیکھا کہ اب بری طرح پھنس گیا تو اپنا پُرانا جال ڈالا اور بہت لجاجت سے صلح کا پیغام دیا کہ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر میں از حد مسرور ہوا اور چاہتا تھا کہ آپ کی پیشوائی کو حاضر ہوں مگر کیا کروں کہ خوف و ہراس کی زنجیر پاؤں میں تھی۔ آپ کے سوائے میرا کون ہے اگر آپ براہ بزرگانہ میری خطا کو معاف فرمائیں اور جاں بخشی فرما کے اجازت حضوری دیں تو بندہ سر کے بل چل کر حاضر ہوتا ہے۔ صلابت خاں خود غلام تھا اَلْجِنْسُ يَمِيْلُ اِلَى الْجِنْسِ ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ‌ ‌ ‌ ‌ کبوتر با کبوتر باز با باز

پھسل گیا اور اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر نرم پڑ گیا اور بادشاہ کے کہنے کی مطلق پروا نہ کی کہ بھیجا تو مجھے بادشاہ نے اس کے نیست و نابود کرنے کو اور سخت تاکید بھی کر دی مگر میں یہ کیا کر رہا ہوں اور جواب کہلا بھیجا کہ اچھا تم پکا عہد وفاداری کا کرلو تو میں تمھارا پیچھا چھوڑ دوں گا اور تا بہ امکان تمھارا ساتھ دوں گا۔ سیواجی آ گیا اور صلابت خاں نے اُس کو بڑی قدر و

منزلت سے لیا اور بڑا جشن کیا اور دونوں شیر وشکر ہو گئے۔ سیواجی مل جل کر اُسی شب کو قلعہ میں واپس چلا گیا۔ مخبروں نے یہ خبر بادشاہ کو دی بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اور خود بہ نفس نفیس اس مہم پر چلا۔

سیواجی اور صلابت خاں کے مقابلے پر علی عادل شاہ کا جانا اور قلعۂ پنالہ کو فتح کرنا

علی عادل شاہ خود لشکر لے کر یلغار چلا اور منزل بہ منزل قلعۂ مرج کو پہنچا۔ سیواجی نے جو خبر سنی تو ساری چوکڑی بھول گیا اور ابھی بادشاہ مرج سے آگے نہ بڑھا تھا کہ سیواجی قلعۂ پنالہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور بلا کسی قسم کی زحمت کے بادشاہ کا قبضہ ہو گیا اُس زمانے کی دکھنی اُردو میں میاں نصرتی نے فتح قلعہ کی تاریخ میں یہ مصرعہ کہا ہے

"علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں"

ہر چند فوج کو سیواجی کے پیچھے دوڑایا مگر خدا جانے کس پہاڑ میں جا چھپا کہ کہیں اُس کا پتہ نہ لگا اور بادشاہ بیجاپور کو واپس آگیا۔

جوہر صلابت خاں کی بغاوت

علی عادل شاہ کو خبر ملی کہ ملناڈ زمیندار نے براہ سرکشی پیشکش داخل کرنے سے انکار کر دیا ہے اس غرض سے اُس پر چڑھائی کا عزم تھا کہ صلابت خاں کی بغاوت کی خبر آئی۔ بادشاہ کو بہت رنج ہوا کہ ہم نے اُس کا قصور معاف کر کے اسے مراتب علیا پر پہنچایا بریں ہم اس بد اصل نے پاؤں نکالے ع

اصل بد از خطا خطا نکند

جس وقت ابراہیم خاں اور ملا احمد بیجاپور واپس آرہے تھے تو صلابت خاں نے پانچ ہزار سواروں سے انھیں گھیر لینا چاہا اور ممکن تھا کہ وہیں صلابت خاں کو مزہ چکھا دیا جاتا لیکن بادشاہ کی اجازت نہ تھی طرح دے کر بیجاپور آگئے بادشاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو پیچ و تاب کھانے لگا لیکن ان لوگوں نے ٹھنڈا کیا اور صلاح دی کہ ہم اُسے سمجھا بجھا کر قدموں میں لا کر ڈال دیں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک خط نصیحت آمیز ایسے حرکات ناشایستہ سے باز آنے کا بہ صحابت ابراہیم خاں۔ ملا احمد اور شاہ ابوالحسن کے روانہ کیا۔ اِن تینوں صاحبوں نے جا کر صلابت خاں کو بہت کچھ لعنت ملامت کی کبھی نرم ہوئے کبھی گرم اور جہاں تک ممکن

تھا اُسے سمجھایا بجھایا اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر ؎

با سیہ دل چہ سود گفتن وعظ — چوں نوشت است سپنہ بر دیوار

بیجاپور جانے سے صاف انکار کر دیا تو جب اس نے بدرجۂ آخر اُسے تسلّی دلاسہ دے کر کہا کہ
خیر بیجاپور تک نہ چلو مگر پادشاہ سلامت رود کشنا پر بمقام حیپاگر رونق افروز ہونے والے ہیں
وہیں چل کر قدم بوسی سے مشرف ہو۔ بلحاظ دفع الوقتی اُس نے ہامی بھر لی اور یہ تینوں حضرات
بیجاپور واپس گئے اور جو گزرا تھا وہ پادشاہ کے گوش گزار کر دیا۔ چند دنوں کے بعد سیدی
مسعود جوہر خاں کا داماد اور شرزہ خاں دونوں صلابت خاں کی طرف سے پادشاہ کے حضور میں
حاضر ہو کر عذرخواہ ہوئے اور عرض کی کہ حضور کی ذرّہ نوازی اور بندہ پروری میں کچھ شک نہیں
له وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ خانہ زادوں کو ہر طرح اطمینان خاطر ہے
لیکن بعض مفتریوں نے اُس کے دل میں وہم ڈال دیا ہے اگر ایک دو سطریں امان جان کی سرفراز
ہو جائیں تو اُس کی جان میں جان آ جائے۔ پادشاہ نے یہ درخواست منظور کی اور دونوں خوش خوش
تحریر شاہی لے کر پہنچے جس سے جوہر صلابت خاں کے حواس ٹھکانے لگے اور بمقام حیپاگر
حاضر ہوا پادشاہ نے خلعت خاصہ سرفراز کیا اور منصب اور جاگیرات سب بحال کر دیں
پادشاہ نے نواب عبدالرحیم خاں بہلول کو مہم کرناٹک پر بھیجا اور اُس کے ساتھ جوہر صلابت خاں
کو بھی دیا۔ صلابت خاں دل سے صاف نہ تھا جبراً اُسے گھسیٹ کر لائے تھے اجازت
ملتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ پادشاہ سلامت چند روز دریائے کرشنا پر سیر و شکار
میں مصروف تھا کہ

قلعۂ تورگل پر علی عادل شاہ ثانی کا ورود

بعض مصاحبین نے معروضہ کیا کہ قلعۂ تورگل یہاں سے قریب دو منزل پر ہے اگر سواری مبارک وہاں رونق افروز
ہو تو قلعہ کا ملاحظہ بھی ہو جاتا ہے اور قلعہ دار کی تنبیہ بھی۔ پادشاہ نے حسب تورگل کا رُخ کیا۔ سیدی
یاقوت قلعہ دار پادشاہ کا پرورش یافتہ غلام تھا۔ چند حرکات ناشائستہ اُس سے سرزد ہو گئی
تھیں پادشاہ کی آمد کی خبر سن کر گھبرا گیا اور سمجھا کہ یہ تشریف آوری ضرور میرے ہی لئے ہے اور یہاں
آنے کے بعد جو حالات معلوم ہوں گے اُن سے پادشاہ اور زیادہ برہم ہو گا اور کسی صاحب

له - اور غصے کو روکتے اور لوگوں (کے قصور) سے درگزر کرتے ہیں [illegible]

نے یہ بھی اُڑادی کہ نواب بہلول خاں اس قلعہ کو لینا چاہتے ہیں اور اسی لئے پادشاہ آرہا ہے کہ تم کو بدر کرکے قلعہ اُس کے حوالے کرے - یاقوت جواب تک درپردہ شرارتیں کرتا تھا اب کھلا باغی ہوگیا اور پیش خانۂ پادشاہی پر گولہ باری شروع کردی - پادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً قلعہ کو مسمار کردیا جائے - امراء نے عرض کی کہ یہ تو بالکل آسانی سے ممکن ہے - لیکن اس میں دوسرے قلعہ داروں کی دل شکنی ہوگی اور اعتبار اُٹھ جائے گا اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم قلعہ کا محاصرہ کرلیں - محاصرہ کرتے ہی یاقوت نے پھر سلسلہ جنگ کا شروع کیا - پادشاہ کو خفیہ خبر لگی کہ یاقوت میں اتنا دم نہیں ہے جو ہمارا مقابلہ اس بے باکی سے کرسکے بلکہ ضرور جوہر بے وفا ہر پٹ ہلی میں بیٹھ کر درپردہ مدد دے رہا ہے - پادشاہ کو جوہر کی اس تمرّد پر سخت غصہ آیا کہ ہم تو بار بار اُس کے حرکات سے چشم پوشی کرتے جاتے ہیں اور وہ اُلٹا جب دیکھو ہماری مخالفت کرتا ہے اس دفعہ ضرور اس کا خاتمہ کردینے کے سوائے چارہ کار نہیں - اصل سے خطا نہیں اور کم اصل سے وفا نہیں مگر میاں عبد المحمد نے پادشاہ کے غصے کو دھیما کیا اور کہا کہ یہ شخص کبھی راہ راست پر نہ آئے گا ؎

درختے کہ تلخ ست اورا سرشت	گرش در نشانی بہ باغ بہشت
ور از جوئے خلدش دہنگام آب	بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بہ کار آورد	ہماں میوہ تلخ بار آورد

جب تک قلعہ تورگل اس سے چھین نہ لیا جائے گا یہ کبھی راہ راست پر آنے والا نہیں - پادشاہ نے قلعۂ تورگل کا محاصرہ اُٹھا دیا اور ہرپٹ ہلی کی طرف بڑھا - یہ سنتے ہی جوہر وہاں سے بھاگا - اور قلعہ دار مدگل کو جو پادشاہ کے سر راہ تھا بھڑکا دیا کہ خبردار ہمت نہ ہارنا دیکھو تورگل کے حبشی نے آخر قلعہ نہ دیا پادشاہ کے دانت کھٹے کرہی دئے - میں تمھاری مدد کو موجود ہوں لیکن مدگل کا قلعہ دار وفادار تھا وہ جوہر کے جُل میں نہ آیا - پادشاہ کے آتے ہی قلعہ کی کنجیاں خوشی سے حاضر کردیں - پادشاہ قلعہ میں داخل ہوا اور دو تین روز ٹھیرنے کے بعد خبر ملی کہ قلعۂ کھنبو[۵] میں جوہر حبشی آن کر جنگ کی طیاریاں کررہا ہے -

قلعہ کھنبو پر عادل شاہ اور جوہر کا مقابلہ اور جوہر کی شکست	پادشاہ سنتے ہی پونچا اور

[۵] قدیم نام کھنبو ہی جس کی وجہ تسمیہ کچھ معلوم نہیں دیتی - یہ مقام رایچور کے مغرب میں (۲۶) میل کے فاصلے پر ہے -

لشکر ظفر پیکر کو نواب بہلول خاں نے آراستہ کیا میمنہ پر ملا احمد اور شریف خاں میسرہ پر
محمد اخلاص خاں اور خواص خاں اور قلب لشکر پر خود پادشاہ اور ساقہ عزیز خاں اور دوسرے
امراء تھے اور بڑی بھاری اور خوں ریز لڑائی ہوئی جس میں ہزاروں آدمی مارے گئے عین میدان
جنگ میں گئے - ہاتھیوں کی روندن اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جوہر صلابت خاں گھوڑے
پر سے گرا اور ویسے ہی ایک سپاہی کے گھوڑے پر سوار ہو جان بچا کر نکل بھاگا اور قلعہ رائچور
میں جاکر دم لیا - اس طرح بال بال بچ گیا - دو تین دن قلعہ رائچور میں رہ کر دم لیا لیکن دہشت
کے مارے وہاں ٹھیر نہ سکا اور محمد نور کرنول میں جاکر قلعہ میں بیٹھ کر اپنا علاج معالجہ کرنے لگا
کہ اس دوا دوش اور میدان کارزار میں چور چور ہو گیا تھا اور بخار آنے لگا -

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵ - اس تعلقہ میں (۱۲) میل تک دریائے تنگ بھدرا رواں ہے اور گوشہ جنوب
و مشرق میں سرکار عالی نظام اور برٹش گورنمنٹ میں حد فاصل ہے - ۱۲۶۲ف مطابق ۱۲۶۹ھ میں یہ تعلقہ بروے
عہدنامہ ۱۸۵۲ء برٹش گورنمنٹ کے تفویض کیا گیا اور اسی سال سے عمل کمشنری جاری ہوا - اس وقت
اس تعلقہ کی دو تقسیمیں تھیں - مانوی اور کوتال - اسی زمانے میں لکھنوؔ سے بدل کر اس کا نام مانوی پڑا
(۳۰) برس تک مانوی اور کوتال جدا جدا رہے مگر ۱۲۶۶ف میں دونوں ضم ہو کر مانوی مستقر تحصیل ہوا - عمل
کمشنری (۷) سال رہا اس زمانے میں موضع باگل واڑ مستقر تحصیل تھا اس کے بعد مانوی مستقر ہوا ۱۲۷۰ف تا ۱۲۷۷ھ
عمل کمشنری برخاست اور ضلع رائچور سرکار عالی کو مسترد ہوا چھپے تھپتے تک بزمانہ تعلقداری
نصرت جنگ بہادر یہ تعلقہ صرف خاص میں رہا - ذیحجہ ۱۲۷۰ف میں علاقۂ دیوانی میں شریک ہوا -
مانوی میں ایک قدیم قلعہ بنا ہوا ہے جو اب بالکل شکستہ ہے مگر فصیل اور برج قائم ہیں - فصیل کا ارتفاع
(۲۲) فٹ ہے - قلعہ کا صدر دروازہ "جلبی دروازے" کے نام سے مشہور ہے اور (۱۲) کھڑکیاں تھیں
یہ دروازہ (۱۶) فٹ بلند اور ۶ فٹ - ۱/۲ - ۶ عریض ہے پہلے زیادہ تر آبادی قلعہ ہی میں تھی اب اندر ویرانہ ہے
اور اب صرف ایک قدیم مسجد اور حجرۂ آثار شریف اور وینکٹیش کا دیول باقی ہیں - ایک بزرگ پیر غیب کا
مزار بھی ہے جن کے حالات کچھ معلوم نہیں ہوتے اسی طرح قلعہ کے اندر جلبی دروازے سے ملا ہوا حضرت مستان
شاہ مجذوب کا مزار ہے جن کا حال بھی معلوم نہیں -

مسجد پر کتبۂ ذیل ہے :-

علی عادل شاہ کا قلعۂ رایچور کو فتح کرنا

بھنوسے پادشاہ قلعۂ رایچور پر پہونچا - وہاں کا قلعہ دار سدی
جوہر کا متوسل تھا غالباً سدی جوہر کچھ پیچھے پڑ گیا ہوگا پادشاہ
کے مقابلے کی طیاری کرنے لگا لیکن جمعیت احتشام پادشاہ کا نمک کھائی ہوئی تھی ایک دم قلعہ
سے منحرف ہوگئی اور قلعہ دار کو قید کرکے پادشاہ کے حضور میں قلعہ کی کنجیاں گزران دیں - پادشاہ
اُن کی فرماں برداری اور اطاعت سے بہت خوش ہوا اور آقا خسرو ایک کم سن شخص کو جو پادشاہ
کا معتمد علیہ تھا قلعہ دار مقرر کیا اور پھر جوہر کے تعاقب میں کنار دریاے تنگ بھدرا پر مقام کیا
اور موسیٰ خاں اور جھجّار اؤ وغیرہ کو دریا کے پار جوہر کی گرفتاری کو روانہ کیا -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۶ -

هو العلام

بحمد اللہ از حکم پروردگار | زبتخانہ شد مسجد دیں شعار
بہ عصر شہنشاہ کشور کشاے | شہ دیں پنہ خسرو تاجدار
جہاں ملک فیروز شہ بہمنی | بیک عزم در فتح کرد این حصار
پس از فتح شاہنشہ ایں قلعہ یافت | بسر سروراں صفدر روزگار
بنا ساز ایں سجدہ گاہ شریف | محمد ظہیر اچی دیں ملار
بہ قصد بنا داز ہجرت مصطفیٰ | بنا کرد چوں کعبہ ایں یادگار

سنہ ۷۹۰ھ

بالاے کوہ مانوی حضرت شاہ سبز علی صاحب قدس سرہ العزیز کا مزار ہے آپ بغداد شریف سے تشریف لائے
تھے - آپ کے ہمراہ چار فقرا تھے جن میں تین صاحبوں کا انتقال یہیں ہوا - تینوں کی قبریں حضرت کے مزار
کے متصل ہیں - حضرت کے پاس ایک طوطا تھا اُس کی بھی قبر ہے - پہاڑ کی چوٹی پر حضرت کا چلّا ہے جہاں
حضرت معتکف ہوتے تھے چلے کے پاس ہی ایک باؤلی ہے جو دودھ باؤلی کہلاتی ہے - اس کی خصوصیت
یہ ہے کہ یہاں بیٹھ کر تھوڑی دیر درود شریف پڑھا جائے تو باؤلی سے خوشبو آنے لگتی ہے - حضرت کی تاریخ وصال
"تالاب لبریز" ہے - یعنی آپ کو انتقال فرمائے پورے ساڑھے چھ سو برس ہوئے -
سنہ ۶۸۳ھ

اس پہاڑ کے دامن میں جانب مغرب حضرت تاج الدین علیہ الرحمتہ کا مزار ہے - مزار کے قریب ایک
درخت نیم کا ہے جس کی ایک ڈالی حضرت کے مزار مبارک پر سایہ فگن ہے - اس ڈالی کے پتے میٹھے ہیں اور
باقی کے کڑوے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ وہیں مزار پر بیٹھ کر پتہ چباؤ تو تلخی محسوس نہیں ہوتی اگر آبادی میں
لاکر کھاؤ تو وہی کڑواہٹ ہوتی ہے جو نیم کے پتے میں ہونی چاہیے ۱۲

دوسرے لشکر کا دوبارہ شاہی شکست پانا اور جوہر صلابت خاں کی وفات

سیدی مسعود جو جوہر کا داماد تھا اُس نے جب سنا کہ تھوڑی سی فوج دریائے تنگ بھدرا کے اس طرف آ گئی ہے تو اپنے غرور میں کچھ خاطر میں نہ لایا اور تین ہزار سوار لے کر مصطفیٰ خاں اور جہجار راؤ پر شبخون مارا لیکن بہت سے لوگ مارے گئے اور لشکر اوس کا پراگندہ ہو گیا ناچار سیدی مسعود بچا کھچا لشکر لے کر بھاگا۔ پہلی ہی شکست سے جوہر ایسا بدحواس ہو گیا تھا کہ بیمار پڑ گیا اب اس دوسری شکست کے سنتے ہی رہی سہی ہمت بھی جاتی رہی اور مرض میں زیادتی ہو کر مر گیا۔ جوہر کا بیٹا عبدالعزیز اور داماد سیدی مسعود دونوں بے [illegible] گھبرا کے [illegible] ہو کر [illegible] ان دونوں نے عبدالعزیز اور سیدی مسعود نے بہلول کو اپنی خطا معاف کرانے کے [illegible] عرضداشت لکھی [illegible] دونوں موقع مناسب کے متلاشی تھے ایک دن پادشاہ کا [illegible] بہت بشاش تھا بہت کچھ سمجھا [illegible] سفارش کی کہ جوہر نے جیسا کیا ویسا پایا مگر اس کے بیٹے اور داماد دونوں متوقع مراحم خسروانہ اور عفو تقصیر کے ہیں

شعر

[illegible]   چہ تاوان زن و طفل بیچارہ را

پادشاہ نے [illegible] دونوں سے درگذر کی اور حضوری دربار کی اجازت دی اور خلعت سرفراز کر کے [illegible] جاگیر [illegible] بحال کر کے پادشاہ بیجاپور کو واپس آیا۔ جوہر جس نے پادشاہ کو اس قدر دق کیا اصل میں وہ ملک عبدالوہاب [illegible] ملک ریحان ثانی کا غلام تھا۔ ملک عبدالوہاب کی وفات کے بعد جوہر نے ملک ریحان کو قید کر دیا اور کرنول میں رہنے لگا اور خود امیر بن بیٹھا۔ سیدی مسعود بھی ملک عبدالوہاب کا غلام تھا اُس سے اپنی بیٹی بیاہ دی سیدی جوہر کو آگے چل کر خطاب صلابت خاں کا ملا اور سیدی مسعود کو خانی کا۔

ملیبار[51] اور بدنور[52]

ملیبار کا زمیندار راجہ بھدر یا نایک ایک بہت بڑا رئیس تھا

---

۵۱ - ہندوستان کا مغربی کنارہ جو اب ساحل ملیبار کے نام سے مشہور ہے جس میں بندر ہناور - کنداپور - منگلور - کنانور - بے پور - کالی کوٹ وغیرہ مقامات شامل ہیں -

۵۲ یہ بھی ساحل ملیبار سے ملا ہوا ہے اب میسور کے علاقہ میں ہے اور عموماً نگر کے نام سے مشہور ہے یہ

لشکر لے کر روانہ ہوا اور قلعہ بنکاپور پر پونہچ کر ملک ناٹک سے نواب عبد الرحیم بہلول خاں کو طلب کو طلب فرمالیا - بہلول خاں مع شاہ جی بھونسلے کے کنار دریاے تنگ بھدرا حاضر ہوکر بادشاہ کے قدم بوس ہوا - بادشاہ نے بہلول خاں - شاہ جی - عبد المحمد - ملّا احمد - شرزہ خاں کو آگے روانہ کیا اور بعد خود بھی جا پونہچا - شرزہ خان بڑا بہادر اور نامور سردار تھا راستے میں لڑتا بھڑتا قلعوں کو فتح کرتا ہوا قلعہ سونڈہ تک پونہچا جو ایک بہت زرخیز ملک ہی اور فتح کرلیا - پادشاہ کو اس مقام کی آب وہوا پسند آئی چند دن مقام کیا لشکر نے دم لیا اور پھر بدنور کی طرف قدم بڑہایا - بھدرپانایک فوج شاہی کے آنے کی خبر سن کر بھاگا اور قلعہ کویل درگ میں پناہ لی لشکر اسلام نے قلعۂ بدنور بھی فتح کرلیا اور چند روز ٹھیرے رہے بعد قلعۂ کویل درگ پر پونہچے - بھدرپانایک نے دیکھا کہ ان لوگوں نے بُری طرح پیچھا لیا ہی ناچار نواب بہلول خاں کی خدمت میں اطاعت وفرماں برداری اور عفو تقصیرات کا معروضہ لکھا اور خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا - بہلول خاں نے بارگاہ خسروی میں سفارش کی جس پر سے قصور معاف ہوا اور اُس کا ملک اُسے سپرد کر دیا گیا اور خراج وغیرہ کی ادائی کا پکّا وعدہ لے کر غرۂ جمادی الاول ۱۰۷۴ھ میں مظفر ومنصور بیجاپور کو واپس رونق افروز ہوئے -

اسباب زوال سلطنت عادل شاہی وتسلط سلاطین مغلیہ

آل تیمور کو ہمیشہ سے ملک دکن کی تمنا تھی - خصوصاً اکبر[۵] بادشاہ اور اُس کی اولاد نے متواتر کوششیں ملک دکن کو مسخر کرنے کی کیں اور بہ تدریج ملک خاندیس اور براڑ پر قابض ہوگئے - ولایت نظام شاہی کو ملیا میٹ کردیا - اور بضفا النصف شاہ جہاں اور

---

۵ - ۱۴ شعبان ۹۴۹ھ شب شنبہ مطابق ۲۳ نومبر ۱۵۴۲ء کو لاہور کے مضافات امرکوٹ میں پیدا ہوا - ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو چودہ سال کی عمر میں بمقام عیدگاہ کلانو صوبۂ لاہور جلوس فرمایا ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء سلطنت کی -

تاریخ جلوس

از خطبۂ شاہ رفعت منبر شد — وز سکہ حال کار ہا چوں زر شد

بہ نشست بہ تخت سلطنت اکبر شاہ — تاریخ جلوس نصرت اکبر شد

(۵۱) برس - دو مہینے (۱۱) دن حکمرانی فرما کر ۱۳ جمادی الثانیہ ۱۰۱۴ھ / اکتوبر ۱۶۰۵ء یوم چہارشنبہ بمقام اکبر آباد (آگرہ)

اور سلطان محمد نے تقسیم کر لی جس کا صلح نامہ لوح طلا پر منقش کیا گیا اور کچھ دنوں طرفین سے اسی پر عمل درآمد رہا لیکن سیواجی بھونسلے کی آئے دن کی لوٹ مار اور تمرّدی نے ایک ہل چل مچا دی۔ اگرچہ اس کا باپ شاہ جی بھی بڑا لڑاکو تھا لیکن پھر بھی مرد جہاں دیدہ تھا فی الجملہ اُس کے مزاج میں سلامت روی تھی کبھی لڑتا تھا تو کبھی آن کر مل بھی جاتا تھا لیکن سیواجی کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا پہاڑی قلعوں میں بجلی کی طرح کودتا رہتا تھا آج یہاں تو کل وہاں اودھر عادل شاہیوں کے ملک کو لوٹتا تھا اُدھر مغلوں کو دونوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۰- میں وفات پائی۔

تاریخ وفات - فوت اکبر شہ از قضائے الہ گشت تاریخ فوت اکبر شاہ

یہ بادشاہ نہایت نامور اور دلیر اور عادل تھا۔ اس کے عہد میں سلطنت مغلیہ معراج الکمال پر پہونچی۔ اس نے ممالک ذیل فتح کئے مالوہ - کشمیر - گجرات - اڑیسہ - ٹھٹھہ - بھکر - قندھار - برہان پور - بنگالہ - خاندیس برار - احمد نگر - عمر شریف (۶۴) برس - (۱۱) مہینے (۸) روز تھی۔

تاریخ ولادت و وفات

آں جلال الدین اکبر بادشاہ سرورِ عالم شہ برنا و پیر
سال تولیدش چو جستم از خرد شد عیاں منصورِ حق اکبر کبیر
۹۴۹
حامی فیض آمدہ تولید او باز شاہنشاہ دیں اکبر کبیر
۹۴۹ ۹۴۹
میر دیں رستم بجواں ترحیل او فضل عدل آمد عیاں باز از ضمیر
۱۰۱۴ ۱۰۱۴

چو اکبر شہ اعظم ملک ہند ز دنیا بہ عقبیٰ شدہ جائے گیر
بہ تاریخ ترحیل آں شاہ دہر بجواں تاج اجلال مہر منیر
۱۰۱۴
چوں جلال الدین اکبر شاہ ہند رفت از دنیا بہ عقبیٰ جست راہ
زینت تاج و لوا اہل جلال گو وصال آں شہ عالم پناہ
۱۰۱۴
پس شہنشاہ کمل اکبر است ہم جلال تاج اکبر بادشاہ
۱۰۱۴ ۱۰۱۴

اُسی کی وجہ سے خاندان عادل شاہیہ اور سلطنت مغلیہ میں ان بن ہو گئی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ تمام ملک دکن مغلوں کے قبضے میں آ گیا اور سلاطین عادل شاہیہ کا نام صفحۂ دنیا سے مٹ گیا۔

سیواجی کا صلح نامہ عادل شاہ سے سنہ ۱۶۶۲ء

عادل شاہ ہوں سے [illegible] کے دن کے جھگڑوں سے [illegible] جب [illegible] ۱۶۶۲ء میں سیواجی سے صلح کر لی اور [illegible] عہدنامہ پر دستخط ہو گئے جس کی رو سے کوکن کا تمام ملک [illegible] سیواجی کو دینی پڑی۔ سیواجی کی چلبلی طبیعت بھلا اسے چپکا کب بیٹھنے دیتی [illegible] بیجاپور کی طرف اب وہ رخ نہ کر سکتا تھا کہ عہد نامہ سے اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے مجبور تھا اُس نے کہا خالی بے کار بیٹھنے سے کیا فائدہ [illegible] مغلوں کی خبر لیں [illegible] نہ یوں یہ مفت میں ملک دبائے بیٹھے ہیں۔ جہاں تک بن سکے ان سے [illegible] چھین لینا [illegible]

سیواجی کا شائستہ خاں کو قید کر لینا اور پھر اورنگ زیب کا راجہ جسونت سنگھ کو بھیجنا

جب تک کہ علی عادل شاہ [illegible] دن [illegible] میں [illegible] کر رہا تھا اور سارا لشکر [illegible] سیواجی کو میدان خالی ملا اور نکلا پہلا شکار اُسے شائستہ خاں ملا جو سپہ سالار شاہی تھا اور اورنگ زیب کے عہد میں دکن کا قلعہ دار تھا جو بڑھتے بڑھتے سیواجی کی سرحد پر آ گیا تھا۔ سیواجی اچانک اُن پر شبخون جا پڑا اور لشکر کا ستھراؤ کر دیا اور جتنا مال و اسباب تھا لوٹ لیا۔ شائستہ خاں بھی زخمی ہو کر سیواجی کی قید میں آ گیا۔ یہ خبر اورنگ زیب کو پہنچی [illegible] سن کر آگ بگولا ہو گیا اور فوراً راجہ جسونت سنگھ کو لشکر دے کر بھیجا کہ اس لٹیرے کا قلع قمع کیا جائے۔ جسونت سنگھ نے آتے ہی سیواجی کو ایک قلعہ میں گھیر لیا۔ سیواجی غضب کا من چلا آدمی تھا اُس نے کیا چالاکی کی کہ اپنی فوج میں سے چند قزاقوں کو سامنے کر دیا اور خود باقی لشکر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۱ - اکبر آں اہل دولت اکبر
شد ز دار الفنا بہ حسرت و آہ
سال تاریخ رحلتش سرور
گو شہنشاہ شاہ والا جاہ
۱۰۱۴

جانے کی اجازت دی۔

خواص خاں اور سیواجی کی لڑائی اور سیواجی کی شکست۔ خواص خاں کوچ مقام کرتا ہوا ندی کے گھاٹ پر پونہچا جو بہت دشوار گزار تھا اور دوسرے طرف ندی کے صرف کوہستان ہی کوہستان تھا لہذا خواص خاں نے اپنی فوج کو جھٹ پٹ پار اُتار دیا سیواجی کو دیر سے خبر ملی اور ایسے وقت ملی کہ مسلمانوں کا لشکر عبور کر چکا تھا اس خبر کے سنتے ہی کف حسرت و افسوس ملنے لگا۔ لیکن اپنے دل کو اس امر سے تسلّی دی کہ بجائے دو کے ایک سے مقابلہ رہا مغلوں کے لشکر کے آنے میں تو ابھی دیر ہے لاؤ پہلے ان کا تو لوا کر لوں دہلی کا لشکر جب آئے گا تب تک اُن کی خبر لینے کو بھی درست ہو جاؤں گا۔ سیواجی نے (جو مغلوں کے مقابلے کے لئے پہلے ہی سے طیاری کر چکا تھا) ایسا اچانک خواص خاں پر شب خوں مارا کہ وہ سدھ نہ پایا۔ خواص خاں کو خبر نہ تھی کہ آتے ہی یہہ معاملہ پیش آئیگا ابھی تو وہ سیواجی کی ٹوہ لے رہا تھا لیکن صحیح پتہ نہ ملا تھا کہ وہ اس وقت ہی کہاں کہ یکایک سیواجی کی فوج نے پہاڑیوں کے درمیان گھیرا ڈال دیا اور خواص خاں کا لشکر ایک تنگ مقام میں بے طور پھنس گیا اُن کو صفیں جمانے اور لشکر کو باہر نکالنے کی جگہہ نہ تھی یہہ لوگ لاکھ بہادر ہوں مگر ایسے قابب مقام پر کر کیا سکتے تھے۔ خواص خاں کی فوج گھبرا گئی لیکن خواص خاں نے بہت کچھ اُن کی ہمت بندھائی اور اُن کو دم دلاسہ دے کر مقابلہ کے لئے آمادہ کر ہی رہا تھا کہ یکایک گولے برسنے لگے اور عین وسط لشکر میں گر کر ستھراو کرنے لگے اور بہت سے لوگ مارے گئے چنانچہ سدّی درگاہ اور شیخ میراں جیسے نامور سردار کام آئے قریب تھا کہ خواص خاں کے لشکر کے پاؤں اُکھڑ جائیں کہ یکایک خواص خاں خود تلوار لے کر میدان جنگ میں کودا۔ اس کا پونہچنا تھا کہ لشکر میں جان پڑ گئی۔ سب نے سمٹ کر حملہ کیا اور مرہٹوں کے ہزارہا آدمی آن واحد میں دریائے خون میں لوٹنے لگے اور گھبرا کر سب چھوڑ چھاڑ بھاگے اور اس طرح خواص خاں کی کھلی فتح ہوئی۔

جے سنگہ اور سیواجی کی ملی بھگت۔ جے سنگہ ابھی راستہ میں ہی تھا کہ سیواجی کی اور خواص خاں کی مٹ بھیڑ ہوگئی جس میں سیواجی کو شکست ہوئی اور اُس کی

کمر ہمت ٹوٹ گئی سیواجی پورندر کے قلعہ میں جس کو اس نے ہر طرح مستحکم کر لیا تھا جا بیٹھا جے سنگھ وہیں پہنچا معلوم ہوا کہ قلعہ ایک کونے میں الگ تھلگ ہے کہیں باہر سے مدد نہیں پہنچ سکتی ایک دم محاصرہ کر لیا اور اگرچہ سیواجی اُس وقت قلعہ میں نہ تھا لیکن جو لوگ قلعہ میں تھے اُن کو گولہ باری سے تنگ کر دیا۔ سیواجی کو سلابت خاں نے ایسا جھکولا دیا تھا کہ وہ اب اتنے بڑے مقابلے سے پس و پیش کرتا تھا۔ سیواجی کا منہ نہ تھا کہ عادل شاہ سے عذر خواہی کرتا۔ مغل بھی اُس سے بھرے بیٹھے تھے اور اب تو اس کے گھر پر ہی چڑھ آئے تھے دیر سویر پورندر کا قلعہ لیں گے پر لیں گے اور نہ صرف قلعہ لے کر بس کریں گے بلکہ میری جان کے بھی ویری ہو جائیں گے اب کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیئے کہ بلا سے قلعہ جائے تو جائے مگر جان تو بچے۔ جان بچی لاکھوں پائے۔ سر سلامت رہے پگڑیاں بہت۔ یہ سوچ کر جے سنگھ سے صلح کا پیغام دیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج تک ملک دکن پر کئی حملے ہوئے مگر سب میں سوائے ناکامیابی کے کچھ ثمرہ نہ ملا اب اگر آپ میرے سر پر ہاتھ دھریں اور میری تقصیرات کو معاف فرمائیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سارے ملک دکن پر اورنگ زیب بادشاہ کا قبضہ کرا دینے کا میرا ذمہ ہے اور جتنے بڑے بڑے قلعے ملک دکن کے اس وقت میرے قبضے میں ہیں وہ تو میں ابھی آپ کو دیئے دیتا ہوں اور یہ کہہ قلعوں کی کنجیاں بھی جے سنگھ کے پاس بھیج دیں۔ جے سنگھ کو خوب سبز باغ دکھلایا۔ جے سنگھ سمجھا کہ واقعی ملک دکن اگر فتح ہوگا تو اسی کی مدد سے۔ ہوگا کہ اس سے بہتر ذی اثر اور مقامی حالات سے واقف کون ہے۔ سارے مرہٹے اس کے ساتھ ہیں کھٹیرے کھٹیرے بدلائی تھی دونوں گھل مل گئے اور سلطنت عادل شاہیہ کی بربادی کا بیڑا اٹھایا۔

جے سنگھ اور سیواجی کے یک دل ہو جانے کی خبر پا کر عادل شاہ کا قصد مصالحت

جب علی عادل شاہ کو معلوم ہوا کہ جے سنگھ اور سیواجی دونوں نے ہماری بربادی کا بیڑا اٹھا لیا ہے تو بادشاہ کو از حد فکر ہوئی کہ دشمن بغلی اور دشمن بیرونی دونوں ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں تو بڑی مشکل کا سامنا ہے۔ کسی اکیلے ایک کو تو میں بھی بہت تھا مگر سیواجی گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے اس کا ہم راز ہو جانا البتہ تشویش ناک ہے۔ عادل شاہ کا دلی منشا یہ تھا کہ جب ہماری اور بادشاہ دہلی کے صلح نامہ ہو چکا ہے تو بلا وجہ یہ لڑائی کیوں؟ پہلے ملا خرم

اور ملّا احمد دونوں کو عنایت نامے لکھے کہ تم دونوں جا کر جی سنگھ کو سمجھاؤ کہ ناحق کی خون ریزی کا وبال کیوں لیتے ہو - ان دونوں نے جا کر جی سنگھ کو بہت کچھ سمجھایا مگر اُس نے مطلق پروا نہ کی اُس کو اپنے اسّی ہزار سواروں کا غرور تھا وہ ایسی زبانی باتوں کو کیا ماننے والا تھا۔ ٹرّے پن کی باتیں کرنے لگا - ناچار ملّا خرم اور ملّا احمد نے عرضی بھیجی کہ لات کا بھوت باتوں سے نہیں مانتا اب سوائے اس کے علاج نہیں کہ اس سے جی توڑ کر لڑا جاوے - بادشاہ کو اور زیادہ فکر ہو گئی - عبدالمحمد کو خلوت میں طلب فرما کر عرضی دکھلائی اور کہا کہ کہو اب کیا کرنا چاہیے میں نے بہت کچھ لڑائی کو ٹالنا چاہا مگر اب میں کیا کروں - عبدالمحمد نے عرض کی کہ آخر الدواء الکیّ[۵۱] ہم کو ان سے دبنے کی کچھ ضرورت نہیں فوراً ان پر لشکر کشی کرنی چاہیے -

جی سنگھ کے مقابلے کے لئے عادل شاہ کی طیاری

علی عادل شاہ نے اپنے تمامی امراء اور جاگیرداروں اور قلعہ داروں کو چوطرف احکام بھیج دئے کہ فوراً اپنی اپنی جمعیت لے کر حاضر ہو جائیں - اور یہ بھی پیش بندی کی کہ مرزا یوسف نے بیجاپور کے اطراف دور دور چوپٹ میدان کر دیا - گھانس اور چارے کا نام نہ رکھا - پانی کا پتہ نہیں - شہر میں جتنے حوض تھے سب توڑوا دئے کنوؤں میں زہر ملوا دیا - اب فرمائیے کہ مغلوں کا ٹڈی دل لشکر بلا آب و دانہ کے کیسے ٹھیر سکتا تھا - خواص خاں نے قلعہ کی فصیلوں اور مورچوں کو از سر نو درست کر کے توپیں چڑھا دیں اور قلعہ میں کافی ذخیرہ گولی باروت کا مہیا کیا - غرض ہر طرح مغلوں کے مقابلے کے لئے طیار ہو بیٹھے -

سرفراز خاں سردار مغلیہ اور شرزہ خاں سردار عادل شاہیہ کی لڑائی قلعہ منگل بیڑے پر

وزراء و امرائے نامدار سلطنت ممالکت مدار عبدالمحمد نواب عبدالکریم خاں - نواب بہلول خاں - محمد اخلاص خاں - شرزہ خاں اور بہت سے زمیندار ناتکواڑی اور میواڑ بے شمار لشکر لے کر جی سنگھ کے مقابلے کو بڑھے - جی سنگھ کو سیواجی کا بڑا بھروسہ تھا جب یہ ساتھ تھا تو اُس کو کسی اور کی کیا پروا تھی اُنھوں نے بھی ممالکت عادل شاہیہ پر دست درازی اور لوٹ مار شروع کر دی اور جدھر قابو بن پڑا ملک دبا لیا

[۵۱] سب سے آخری علاج داغ دینا ہے ۱۲

جن میں ایک مقام منگل بیڑہ تھا - جہاں سرفراز خاں نے مع پانچ ہزار سواروں کے آن کر قلعہ پر قبضہ کرکے اپنے قدم جما لئے تھے - شرزہ خاں نے جب یہہ خبر سنی تو پونہچا اور کہا کہ یہہ خوش کیا پادشاہ کے مکان کو خالہ جی کا گھر سمجھا کہ آئے اور وہاں بیٹھے - غرض دکھنیوں اور دہلویوں میں بڑی کٹا چھنی ہوئی - سرفراز خاں مع اپنے بیٹے اور داماد کے مارا گیا اور شرزہ خاں نے قلعہ پر قبضہ کیا - اسی وقت عبد المجید اور اخلاص خاں کا حکم پونہچا کہ غنیم چڑہ آیا ہی دو تین دن میں جنگ برپا ہونے والی ہی تم فوراً چلے آؤ - شرزہ خاں راتوں رات چل کر یلغار پونہچا اور لشکر عادل شاہی میں جا ملا -

جے سنگھ اور اخلاص خاں کی لڑائی اور اخلاص خاں کی فتح -

راجہ جے سنگھ بہمہ جہت جنگ کے لئے طیار ہو گیا پہل اسی کی طرف سے ہوئی اور بڑی زور شور کی لڑائی ہوئی - راجہ جے سنگھ کے دانت کھٹے ہو گئے اور پیچھے ہٹنا پڑا - سپاہ عادل شاہی نے کہا چلو آج اتنا ہی بس ہی آیندہ دیکھا جائے گا لیکن راجہ جے سنگھ پھر تازہ دم ہو کر آیا - ہر چند لوگوں نے منع بھی کیا مگر اس نے ایک نہ مانی اور پھر بہت سخت لڑائی ہوئی دونوں طرف کے بہت سے لوگ مارے گئے - شمشیر زنی اور نیزہ بازی اور تیر اندازی کی کوئی حد نہ رہی میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے - خواص خاں پانچ ہزار سوار خاصۂ فیل کے لے کر خود میدان جنگ میں اترا اور اس قدر جی توڑ کر یہ لوگ لڑے کہ غنیم کو ناک چنے چبوا دئے آخر کار جے سنگھ کو شکست فاش ہوئی -

شرزہ خاں عادل شاہی اور صلابت مغلیہ کی جنگ اور اول الذکر کی فتح - -

جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ ہندوستان سے ایک بڑا بہادر و شجیع پانچ ہزار چیدہ سواروں کا لشکر لئے ہوئے بڑے کر و فر سے جھپٹا چلا آ رہا ہی اور صرف یہاں سے پانچ منزل رہ گیا ہی اگر وہ راجہ جے سنگھ سے آن ملا تو بس خیر نہیں بہتر یہ ہی کہ راستے ہی میں اسے روک لیں - سید الیاس المخاطب بہ شرزہ خاں اس مہم پر آگے بڑہا اور پانچ روز کی راہ دو دن میں طی کرکے پونہچا اور لڑائی شروع ہو گئی - اس لڑائی کا کیا دیکھنا تھا دونوں طرف کے بہادر مصروف کارزار تھے ان میں سے اکثر قادر تیر انداز تھے پہلے تو تیروں کا مینہ برسا اور ہزاروں ہی آدمی

مارے گئے تب صلابت خاں گھوڑے پر سے اُتر پڑا اور تیر و کمان ہاتھ میں لے کر اپنے جوہر دکھانے لگا اُس کے ساتھ ہی سارا لشکر پیادہ ہو گیا ادھر شرزہ خاں بھی گھوڑے پر سے کود پڑا اور طرفین سے تیر چلنے لگے۔ صلابت خاں نے دیکھا کہ تیر کمان سے اب کچھ کام نہیں چلتا تو تلوار نکال لی اور دست بدست تلوار چلنے لگی اس کے بعد خنجر و کٹار پر نوبت آئی آخر کار پنجہ کشی اور مکہ زنی ہونے لگی۔ شرزہ خاں اور صلابت خاں کے پنجہ گتھا لیکن شرزہ خاں بازی لے گیا۔ پھر کیا تھا مغلوں کا لشکر چین بول گیا اور بھاگا۔ شرزہ خاں کے ہاتھ بے شمار دولت مال و اسباب لگا اور بڑی معرکۃ الآرا فتح ہوئی جس سے جامے میں نہ سما سکا۔ دہلی میں جب صلابت خاں کی شکست کی خبر پہنچی تو ایک زلزلہ پڑ گیا۔

عادل شاہ کی امداد کے لئے عبد اللہ قطب شاہ کا لبسر کردگی نیک نام خاں لشکر بھیجنا

سلطان عبد اللہ قطب شاہ نے علی عادل شاہ کو اخلاص نامہ لکھا کہ ہمارے آپ کے درمیان بزرگوں کے وقت سے قدیم دوستی و اتحاد ہے میں نہایت افسوس سے سنتا ہوں کہ آپ پر مغلوں اور مرہٹوں نے مل کر چڑھائی کی ہے پھر ہمارا دکھ دکس دن کے لئے ہے اگر اجازت ہو تو میں بھی آپ کی رفاقت کے لئے جو کچھ لشکر میرے پاس ہے بھیجوں بادشاہ نے شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ ہمارے امراء اور ہمارا لشکر خود ایسا بہادر اور جاں نثار ہے کہ مجھے اُن کی وفاداری سے قوی امید ہے کہ فتح ہوگی اور کسی قسم کی امداد کی مجھے ضرورت نہیں لیکن آپ ہم جدا نہیں ہیں اتحاد دوستانہ اور یک جہتی کے لحاظ سے آپ نے پیش قدمی کی ہے تو بسم اللہ لشکر بھیج دیجئے۔ عبد اللہ قطب شاہ نے فوراً بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل بہ سر کردگی نیک نام خاں کے جو ایک مشہور بہادر تھا روانہ کئے۔ جب یہ لوگ قریب بیجاپور کے پہنچے تو بادشاہ نے عبد المحمد کو حکم دیا کہ جاؤ بہت عزت و احترام سے استقبال کر کے لاؤ۔ عبد المحمد نے اپنی تمام فوج آراستہ کی اور دونوں لشکر بیرون شہر ملاقی ہوئے۔ عبد المحمد نے نیک نام خاں اور دوسرے امراء کو خلعت ہائے فاخرہ دئے اور بڑے تزک و احتشام سے عساکر قطب شاہیہ کو شہر میں لایا۔ بادشاہ خود دونوں لشکروں کا تماشہ دیکھنے کے لئے علی برج پر برآمد تھا دونوں لشکر بطور مارچ پاسٹ کے بادشاہ ذی جاہ کے سامنے سے گزرے امراء مجرئی و آداب بجالائے

بادشاہ نے عبدالمحمد کو حکم دیا کہ نیک نام خاں کو دربار میں حاضر کیا جائے اور بہت کچھ خلعت
و انعامات دے کر سرفراز فرمایا۔

شرزہ خاں اور خواص خاں کا مقابلہ جے سنگھ سے سنہ ۱۰۷۴ھ

اب دونوں لشکر راجہ جے سنگھ کے مقابلے پر چلے دو لشکر کیا تھے گویا دو بحر ذخار تھے جنھوں نے غنیم کی کشتی طوفان
زدہ کو گرداب بلا میں گھیر لیا تھا۔ عادل شاہ کی طرف عبدالمحمد۔ خواص خاں۔ شرزہ خاں۔
بہلول خاں۔ راجہ ایکوجی وغیرہ نامی آور دلاور تھے جے سنگھ کے پاس بھی کچھ کم فوج نہ تھی
ایک لاکھ اسی ہزار مغل۔ افغان۔ قزلباش۔ راجپوت اور مرہٹے تھے یہاں تو یہ کچھ طیاریاں
ہو رہی تھیں ادھر اورنگ زیب مثل ماہی بے آب تڑپ رہا تھا جے سنگھ کو بار بار لکھتا تھا کہ تم
کیا کر رہے ہو تم نے اب تک کچھ بھی نہ کیا جب سنتا ہوں شکست کی ہی خبر سنتا ہوں کیا میں نے
تم کو اس بھروسے پر بھیجا تھا کیا تم کو خیال نہیں کہ ضَرْبُ الْغُلَامِ اِهَانَةُ الْمَوْلیٰ[1] تمھارے آثار
اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ مجھے کیا منہ دکھاؤ گے۔ الغرض شاہجی لشکر جرار لے کر سرحد
عادل شاہی پر آن پہنچا۔ ادھر بھی فوج کا میمنہ میسرہ تقسیم ہو گیا ایک طرف شرزہ خاں اور
خواص خاں اور دوسری جانب بہلول خاں اور دوسرے امرائے نامدار جب مغلوں کا لشکر
شہر بیجاپور کے نزدیک آگیا تو ان کو خبر ملی کہ قطب شاہیوں کا ایک بڑا لشکر بھی آن پہنچا ہے
دانہ چارہ کی قلت پانی کی کشاکش سے فوج جاں بلب تھی ان کے ہوش و حواس پہلے ہی
گم تھے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی تھی آنے کو تو مقابلے پر آگئے لیکن ہمت آگے بڑھنے کی نہ پڑی
گو کہ لشکر عادل شاہی سامنے آکر ڈٹ گیا تھا مگر ادھر سے کوئی میدان میں نہ آتا تھا کئی روز بالکل
خاموشی ہی خاموشی رہی شرزہ خاں اور خواص خاں نے کہا کہ یہ لوگ تو بالکل گھنی سادھ
گئے ہیں کسی نہ کسی طرح ان کو کھدیڑ کے میدان جنگ میں باہر لانا چاہیے دونوں سوار ہو کر
نکلے دیکھا تو پہاڑوں کی آڑ میں ان کا لشکر پڑا ہوا ہے جاسوسوں نے خبر دی کہ دانہ اور چارہ اور
پانی کی قلت سے بارہ ہزار سواروں کا لشکر پہلے ہی جے سنگھ نے واپس کر دیا ہے اور وہ ابھی یہاں سے
قریب ہی ہیں دور نہیں گئے ہیں کہ دونوں بہادر کچھ لشکر لے کر ان کے تعاقب کو پونا اور جنیر کی

---

[1] غلام کی مار عین آقا کی تذلیل ہے ۱۲

کی طرف چلے ناگاہ راستہ میں ایک گھاٹی میں اُن کا نشان دکھلائی دیا - دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا گو وے اور یاں چلنے لگے اُدھر سے بھی مقابلہ ہوا اور بڑا کشت و خون ہوا - سارا میدان نعشوں سے پٹ گیا - اب تلوار چلنے لگی ہزاروں سوار گھوڑوں پر سے گر گر زمین میں خاک و خون میں لوٹنے لگے - بعد دست بدست کی نوبت آئی مغلوں کا جب فیصلہ ہو گیا تو مرہٹوں اور راجپوتوں سے مقابلہ ہوا - جادو زادو اور کیسر سنگ مارے گئے - مغلوں کے لشکر تاب مقاومت نہ لا سکا اور بے طور بھاگا - علی عادل شاہ کو جب اس فتح کی خبر پونہچی سجدہ شکر بارگاہ ایزدی میں ادا کیا -

نواب بہلول خاں اور راجہ جے سنگہ کا مقابلہ شرزہ خاں کی مرگ مفاجات

جے سنگہ ناکامیاب ہوکر اپنی سرحد میں جا بیٹھا - عادل شاہی امرا مترددتھے کہ کس طور پر اسے میدان میں لائیں مگر اُس نے کروٹ نہ لی - لیکن اس مہلت میں لشکر عادل شاہی اور قطب شاہی دونوں نے جنگ کی طیاریاں اچھی طرح کیں - سید الیاس المخاطب بہ شرزہ خاں - خواص خاں ایک طرف اور بہلول خاں اور دوسرے امرا دوسری طرف - نیک نام خاں الگ بہلول خاں جو قلب لشکر میں تھا پہلے اُس نے غنیم سے مقابلہ کیا - اور فتح پائی - بعد شرزہ خاں اور خواص خاں میدان میں آیا مگر جے سنگہ کا لشکر نہ نکلا پر نہ نکلا آخر کار دونوں سردار گھوڑوں پر سوار برابر چلے آتے تھے راستے میں جہاں جھاڑی واڑی آجاتی تھی پھٹ جاتے تھے اتفاقاً ایک جگہ تنگ راستہ آگیا اور دونوں لشکر الگ الگ ہو گئے اور شرزہ خاں ایک طرف جا رہا تھا کہ اتفاقاً ایک چھوٹی سی ٹکڑی غنیم کی نظر پڑی - شرزہ خاں کا چھوٹا لڑکا اُن پر جا پڑا اور تلوار چلنے لگی لیکن غنیم کی ٹکڑی نے کم سن بچے کو گھیر لیا وہ وہاں سے چلّایا شرزہ خاں بیٹے کی چیخ پکار سنتے ہی بے قابو ہو گیا اور گھوڑے کو ڈپٹا کر پونہچا اور آناً فاناً میں اُن کو بھگا دیا اور اپنے کیمپ کو شاداں و فرحاں چلا آرہا تھا کہ ناگاہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور شرزہ خاں زمین پر آرہا اور گرتے ہی مرگیا - ہر شخص عالم تحیر میں رہ گیا - چیلے روز ہی بہانے موت - دنیا میں موت ہی ایک ایسی چیز ہی جس کے لیئے کوئی وقت مقرر نہیں ہی ؎

نہ زخم ظاہر و نے قاتلش ہویدا شد　　اجل چگونہ رسید از کجاش پیدا شد

خواص خاں نے جب شرزہ خاں کے دفعتہً انتقال کی خبر سنی تو ایک کہرام مچ گیا۔ اور سارے لشکر میں سنسنی پھیل گئی کہ ایسے وقت میں ایسے نامور بہادر کی موت ایک صدمۂ عظیم اور ناقابل تلافی نقصان تھا۔ شرزہ خاں کی تجہیز وتکفین کے بعد اُس کے دونوں لڑکے سید مخدوم اور سید حبیب جو مصداق لم تولد سرہ لابیہ تھے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ کو شرزہ خاں جیسے وفادار اور بہادر امیر کی وفات کا سخت صدمہ ہوا دونوں لڑکوں کو خطاب شرزہ خانی اور مناصب آبائی سرفراز ہوئے اور بادشاہ اُن کی پرورش باپ سے بہتر کرنے لگا۔

جی سنگہ کی عادل شاہیوں سے اخیر لڑائی سنہ ۱۰۷۷ھ

جی سنگہ اس قدر دل شکستہ ہو گیا کہ کبھی کا دہلی کو چلا گیا ہوتا مگر ڈر یہ تھا کہ کیا منہ لے کر جاؤں ناچار ایک کونے میں جا بیٹھا تھا۔ جی سنگہ کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ اُس کا بڑا حریف شرزہ خاں چل بسا جس سے جی سنگہ کے قالب مردہ میں جان تازہ آگئی اور مصمم ارادہ از سر نو جنگ کا کر لیا لیکن امراء نے مخالفت کی اور کہا کہ کس خواب خرگوش میں ہو ایک شرزہ خاں مر گیا تو کیا وہاں ایسے بیس موجود ہیں۔ اب تک جو ہماری ذلت ہوئی ہے کیا وہ کافی نہیں ہے ہم آگے قدم کس طرح بڑہا سکتے ہیں نہ چارہ ہے نہ پانی کیا وہاں جا کر جان دیں ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اُن لوگوں نے ہمارا پیچھا نہ کیا اور ہم یہاں ٹھکانے سے بیٹھے تو ہیں ورنہ خدا جانے کیا گت بنتی لیکن جی سنگہ نے نہ مانا اور چند لوگوں کو انعام واکرام دے کر اپنا ہم خیال کر لیا۔ ادھر عبد المحمد بھی اپنی فوج طیار کرنے لگا نصف لشکر بہلول خاں کے سپرد ہوا۔ اور نصف خواص خاں کے جی سنگہ کے لشکر کا پہلے بہلول خاں سے مقابلہ ہوا۔ جی سنگہ نے توپ خانہ لگا دیا اور ایسی گھمسان لڑائی ہوئی کہ ہزاروں آدمی طرفین کے مارے گئے۔ مغل۔ قزلباش۔ راجپوت مرہٹے ایسے لڑے تھے کہ کچھ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر مقابلہ بھی زبردست سے تھا ادھر بھی شجاعت اور دلیری کی کچھ کمی نہ تھی ایک ایک رستم دوراں تھا ہنوز کچھ تصفیہ نہ ہوا تھا کہ خواص خاں اپنی فوج لے کر پہنچا اور رہا سہا کام تمام کر دیا۔ مغلوں کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی۔ خواص خاں نے کہا کہ اس سے کیا فائدہ اصل کو ہی لو۔ جی سنگہ کے خیام گاہ کی طرف رخ کیا۔ جی سنگہ نے

ے باپ پوت پتا پر گہوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا یعنی جیسا باپ ہوتا ہے ویسا ہی بیٹا بھی ہوتا ہے۔ ۱۲

سیواجی سمجھ گیا کہ ہماری جان کی خیر نہیں ہے۔ سیواجی کا قید کر لینا کچھ آسان کام نہ تھا۔ اور قید سے نکل جانا سیواجی کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ کیسی نظربندی اور کہاں کی قید خدا جانے کہ کس بلا کا آدمی تھا اپنے بیٹے کو ساتھ لے تنہا دہلی سے بیک بینی دوگوش نکل کھڑا ہوا اور معمولی راستے سے کترا کر ٹیڑھی میڑھی راہ سے دکن پہنچ گیا۔ جیسی کچھ توقعات اورنگ زیب کو جے سنگھ سے تھیں وہ سب غلط نکلیں۔ پادشاہ نے دہلی کے ایک مشہور نامی گرامی امیر بہادر خاں کو کلتاش کو دکن کا صوبہ دار مقرر کر کے بھیجا اور جے سنگھ کو واپس طلب کر لیا۔ جے سنگھ شکست خوردہ سخت ندامت وانفعال سے کشاں کشاں دہلی آ رہا تھا کہ ادھر سے جاتا ہوا سیواجی رستے میں ملا۔ بہادر خاں دکن میں پہنچ کر اپنے قدم ابھی جمانے بھی نہ پایا تھا کہ سیواجی نے سرزمین دکن پر قدم دھرتے ہی ایک زلزلہ ڈال دیا۔ نہ صرف چند دنوں میں اپنے قلعوں کو پھر لے لیا بلکہ مغلوں کے مقبوضہ قلعوں کو بھی داب لیا۔

علی عادل شاہ کی اورنگ زیب اور سیواجی دونوں سے مصالحت

علی عادل شاہ اس آئے دن کی لڑائیوں ملک کی تباہی اور بربادی سے تنگ آ گیا ناچار اُس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ پادشاہ دہلی سے صلح کی جائے کہ کسی طرح جھگڑا تو مٹے۔ خراج کی رقم بروقت ادا نہ ہوسکی اور بقایا بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اسی عذر پر اورنگ زیب کو بار بار چڑھائی کرنے کا موقع ملتا تھا۔ پھر دوبارہ دونوں میں ایک صلح نامہ ہوا جس کی رو سے سلطنت بیجاپور کا بہت بڑا ملک جو شمال میں واقع تھا نکل گیا اور اُسی کے ساتھ قلعہ شولاپور بھی گیا۔ سیواجی سے بھی صلح ہو گئی۔ سیواجی سختی سے چوتھ کا مطالبہ کر رہا تھا مرتا کیا نہ کرتا تین لاکھ روپیہ دے کر اُس کی جابرانہ لوٹ مار کا سد باب کیا گیا۔

علی عادل شاہ کے ذاتی حالات

علی عادل شاہ پادشاہ دادگستر منصف مزاج رعیت پرور اور سپاہ نواز تھا۔ علماء۔ فضلاء اور اہل کمال کی بڑی قدر کرتا تھا۔ نصیب یاور تھا ہمیشہ مظفر و منصور رہتا تھا چنانچہ راجہ جے سنگھ جیسے مشہور جنرل کے مقابلے میں فتح یاب رہا۔ شجاعت اور سخاوت کی صفات حسنہ کا منبع تھا۔ نہایت خوش مزاج اور رنگین طبع تھا لطیفہ گو اور بذلہ سنج اور خوش گفتار تھا۔ شعر شاعری کا بھی مذاق سلیم رکھتا تھا۔ اس کے

زمانے میں چند سخن دان پارس بھی موجود تھے - دکھنی زبان میں اکثر کلام کہتا تھا - بمصداق
اَلنَّاسُ عَلیٰ دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ گھر گھر شاعری کا چرچا تھا - خاک بیجاپور سے بھی بہت سے شاعر
پیدا ہوئے ہیں - جن میں سے ایک ملا نصرتی ہیں جو ملک الشعراء کے بلند پایہ پر پہونچ گئے
تھے - گلشن عشق داستان تعشق منظہر کنور با مد مالتی اسی کی طبع رسا کی جودت کا نمونہ ہے
علی نامہ جو فتوحات زمان عہد علی عادل شاہ کا کارنامہ ہے وہ بھی اسی کا لکھا ہوا ہے اس کے
علاوہ قصائد اور ایک دیوان بھی ہے - اگرچہ اُس زمانے کی اُردو پر آج لوگ ہنستے ہیں لیکن
جو زبان جس وقت میں مروج تھی اُس کے لحاظ سے دیکھنا چاہیئے اور جو لوگ قدر شناس سخن
ہیں وہ ان کی معرکہ بندی - طرز بیان کے معترف ہوں گے - یہ شخص خاقانی مشہور شاعر زبان
فارسی کا ہم پلہ تھا - چہ شد کہ بعضے دشمناں حاسد خود فراموشاں عیب جوے ایں
عصر کہ در ضیق زنداں قشہ و صورت محبوس اند طعن رکاکت زبان و دناوت لغت برا و
ثابت کردہ نامقبول گردانیدہ اند و او خود بیشتر ازیں حال بے انصافی و ہنر پوشی
ایں قوم خبر دادہ و جواب تخطیۂ ایشاں باز گفتہ است در جاے کہ گفتہ است ؂

خریدار کون خوب سودے سے کام ۔۔۔ نہ دکاں کا دیکھنا سقف و بام
کو اچھے

ولہ

مضامین سوں جا بجا بات بول ۔۔۔ دکھایا سکت فیض کا حق کے کھول
سے ۔۔۔ طاقت

یکیک فن میں کی سحر کی بہت چھند ۔۔۔ خبیثاں کی جیباں کو کیتا ہوں بند
ایک ایک ۔۔۔ بات ۔۔۔ خبیثوں ۔۔۔ جیبوں ۔۔۔ کیا

کہا ہوں سخن مختصر بے گماں ۔۔۔ کہ یو شاہ نامہ دکن کا تو جان
یہ

حقیقت میں جو ہوویں کوتہ نظر ۔۔۔ زباں پر رکھیں عیب سٹ سب ہنر
سٹا

کہ ہر اک زباں حضرت غیب داں ۔۔۔ سکھایا سب آدم کو تھے سو نہاں

۵۷ ساری خدائی اپنے بادشاہ کی روش پر چلنے لگتی ہے حتیٰ کہ ع
ہر عیب کہ سلطاں بپسندد ہنر است

ہوے تس پہ جو نسل آدم کی اصل — کلاماں انھیں کے ہوئی فصل فصل
(کلام — ان کے — جدا جدا)

انوں میں جو تھے شہر کے اوستاد — گیا وہ زمانہ رہے شعر یاد
(ان)

سخن بن نزاکت کے نا دیکھ بھول — کہ خوش باس سوں قدر پاتا ہی پھول
(خوشبو سے)

نہ کہتا ہوں میں بے وقوفوں کی بات — نہ کم ہو مثالیں تو حاسد نے بات

وسے جو سخنداں ہیں صاحب تمیز — کہ یکجہ اس ہنر کو رکھیں نت عزیز
(پسندیدگی — ہمیشہ)

نظارے میں عارف نظر باز کوں — وسیں ہر طرف تیری قدرت کا موں
(کو — دکھلائی دے — منہ)

سکت تجھ ہی دریا کوئی ماٹی میں داب — یوں وہ پرنہ پایا کلکن[۱] کا حباب
سبھوں کا سبھ تھک رہا ہی بیاں — کہ یک پر جا بڑے میں بسایا جہاں
(بلبلے)

دیکھت ملکہ پو حضرت کے ات آب و تاب — لکھا اس نے چشمۂ آفتاب
مسیحا گئے گھر کا چراغ اس پچھان — پھر اس کا اسی پر رکھا بادبان
(اس کو پہچان)

نقل ہی کہ ایک دن بادشاہ محل خاص میں سیر کر رہا تھا فوارہ مثل درخت کے چھوٹ رہا تھا اور پانی کے قطرے موتی معلوم دیتے تھے بادشاہ نے یہہ مصرعہ ارشاد کیا ع -

---

[۱] - اس لفظ کے معنے سمجھ میں نہیں آتے - بعض اشعار ناموزوں بھی ہیں جس کو میں شاعر کی طرف منسوب نہیں کر سکتا بلکہ ناقل کی طرف کیوں کہ کتابت کی غلطی زیادہ ترقرین قیاس ہے - ۱۲ -

اُپرا سو یو فوارہ پانی پے کیا کھیل ہے
اُبھرا یہہ صاف

ملّا نصرتی نے فی البدیہہ کہا ع تجھ شہ اُپر اُڑا نے کا ایک مور چھل ہے۔ ملا نصرتی کے اشعار ذیل اسپ برق رفتار کی شان میں کہے ہیں ؎

اگر من میں چابک کا گزرے خیال	نہ ہو رخش کا نقش سنگ میں بحال
کرے طے زمیں تمام جانے میں جھال	وصل کا کی ہے سوں لک الف

ایک اور شاعر ہندی ہاشمی تھے۔ جن کو حضرت سید ہاشم قدس سرہ سے حسن عقیدت تھی اور اُن کے ہی فیض سے زبان شیریں اور کلام برجستہ کی برکت ملی تھی۔ اسی نے یوسف زلیخا کا قصہ اردو میں نظم کیا ہے اور دیوان بھی ہے۔ اگرچہ مادر زاد نابینا تھا مگر چشم بصیرت وا تھی۔ ایک روز بادشاہ محل میں برآمد تھا۔ ہاشمی کو بلوایا۔ ہاشمی نے جاتے ہی اشعار آبدار شکل و شمائل محلات اور رنگ و لباس کے ایسے برجستہ پڑھے کہ بیگمات نے سمجھا کہ یہہ اندھا نہیں ہے بلکہ ہم کو دیکھ رہا ہے اور بیگمات فوراً پردے میں ہٹ گئیں۔ یہ بات شعراء سے کچھ بعید نہیں کہ اُن کی قوت تخیل بہت قوی ہوتی ہے اور بعض وقت غیب کی باتیں بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکل جاتی ہیں اور پھر نابینا کی قوائے عقلی و ادراکی بہت زبردست ہوتی ہیں۔ بصارت گم کرنے سے دوسری قوی اس نقصان کا بدل ہو جاتا ہے۔ نابیناؤں کی قوائے سماعت و شامہ و ادراک ازبس قوی ہوتی ہیں چنانچہ حیدر آباد ہی میں حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا علاوہ ایک بڑے عالم و فاضل محدث و فقیہہ ہونے کے طبیب حاذق بھی ہیں اور اُن کا ملکہ اس درجے بڑھا ہوا ہے کہ بیشتر نبض دیکھ کر مریض کے من و عن حالات بیان کر دیتے ہیں اور نہ صرف یہہ بلکہ راقم کو خود تجربہ ہوا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد میں گیا میری نبض دیکھی اور میرا ہاتھ دیکھتے ہی صرف نبض سے مجھے پہچان لیا۔ جو ایک غیر معمولی ملکہ قوت ادراک کا ہے۔ ایک مشہور شاعر مرزا نامی تھے جو سوائے نعت و مراثی کے کبھی کسی دوسرے قسم کا شعر نہ کہتے تھے۔ ایک دن عادل شاہ نے ان کی یاد کی اور فرمائش کی کہ مدح پادشاہ میں کچھ کہیں آپ نے کہا زبان میری حمد و نعت کے لئے مخصوص ہو چکی ہے اب میرے حکم میں نہیں رہی۔ پادشاہ نے بہت اصرار کیا تو دو ایک مرثیہ پادشاہ کی طرف سے

گئے اور تخلص بادشاہ کا ڈال دیا۔ مرزا کی حالت یہ تھی کہ مجلس میں بیٹھے بیٹھے مرثیہ کہہ دیتے تھے اور وہیں پڑھ بھی دیتے تھے۔ لوگ ازبس اِن کے کلام کو پسند کرتے اور سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ مجالس میں اِن مرثیوں پر شور شیون و بکا برپا ہوتا تھا۔ ایک دن کسی مجلس میں میرزا کی زبان سے یہ مصرعہ بے اختیار نکلا ع

دلاں پھانکاں اناراں کر رکھو سینہ طبق میانے

لیکن مصرعۂ ثانی باوجود کوشش کے بھی بن نہ پڑا۔ اُسی دن عالم استغراق میں دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے مصرعۂ ثانی ارشاد فرمایا۔ ع

نبی آویں گے محشر کوں یو تحفہ کرے جانا ہے

مرزا عاشق صادق رسول مقبول و اہل بیت تھے آپ کی مقبولیت ہی کی وجہ تھی کہ آپ شب شہادت میں شہید ہوئے۔ کسی نابکار دشمن نے آپ کو جب آپ سحر کے وقت وضو کرنے گئے خنجر سے ہلاک کیا۔ بادشاہ نے حکم خاص دیا کہ تمام تعزیئے اور علم ابراہیم پور دروازے سے (جو آج فتح دروازے کے نام سے مشہور ہے) باہر جائیں اور اُسی کے ساتھ مرزا صاحب کی میت بھی رہے آپ حضرت مرتضیٰ قادری کی درگاہ میں مدفون ہوئے۔ علاوہ اِن شعراء کے ابوالمعانی۔ ملّا عبدالرزاق۔ رفعت۔ عبدالقادر۔ عبداللطیف۔ اولیں۔ عبدالغنی اور بہت سے شعرائے ہندی اور نیز اہل ایران اور عجم کے بھی کئی شاعر موجود تھے۔

علی عادل شاہ ثانی کی وفات ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء

علی عادل شاہ بہت عیاش تھا اِس لئے کچھ ادویۂ مقوی استعمال کرتا تھا جس کے سبب سے مزاج میں ایسی غیر معمولی حدّت ہو گئی تھی کہ کسی طرح پیاس نہ بجھتی تھی۔ بار بار ٹھنڈا پانی پیتا رہتا تھا۔ ۴ ربیع الاول کو مظفر خاں کے لئے جو بدنور کی مہم سے مظفر و منصور آرہا تھا بادشاہ خدیجہ پور تک استقبال کو گیا راستے میں سر دہوا لگی طبیعت کسل مند ہو گئی واپس آکر بے ہوش ہو گیا دوسرے دن ذرا ہوش آیا اور نصف جسم پر فالج گر کر بے حس و حرکت ہو گیا۔ عبدالمحمد اور خواص خاں خبر سن کر دوڑے آئے اور دفعتہً یہ حالت دیکھ کر نہایت مغموم ہوئے اور دیکھ بھال کر گھر چلے گئے۔ مظفر خاں مرزا علی۔ محب علی۔ دھرماجی پنڈت جو ملازم خاص خلوت سرا کے تھے حاضر باش رہے۔ دروازے

شہر کے بند کر دیئے گئے صرف چند کھڑکیاں کھلی رہیں حکیم شمس الدین خاں معالج تھے۔ تین چار دن
کے بعد پادشاہ کو ہوش آیا۔ اگرچہ طبیعت درست نہ تھی مگر عبدالمحمد اور خواص خاں آکر روزانہ حکم
احکام لے جاتے تھے اور بعض حضوری لوگ باریاب بھی ہوتے تھے۔ امراءمیں آپس میں کھلبلی
مچی ہوئی تھی دیانت راؤ عبدالمحمد سے ملا ہوا تھا اور مرزا یوسف خاں خواص خاں کا طرف دار تھا
اور دھرماجی پنڈت اپنی گھس پیٹھ کی فکر میں تھا۔ پادشاہ جانتا تھا کہ عبدالمحمد کے مقابلے میں
کوئی ایک شخص بھی نہ تھا متواتر بارہ سال پہلے وہ کاروبار سلطنت کا بلا شکایت کرتا تھا
سیواجی۔ بہلول خاں۔ عبدالکریم سب اُس کے پارٹی کے لوگ تھے۔ پادشاہ کو معلوم تھا
کہ وہ اس مرض سے جاں بر نہ ہوگا اُس نے عبدالمحمد سے کہا مغل اور سیواجی دونوں میرے
بغلی دشمن تاک میں لگے بیٹھے ہیں خدا جانے میری بعد کیا کچھ خرابی پڑے اس لئے مناسب
یہہ ہے کہ میری حیات ہی میں شاہزادہ کو تخت پر بٹھلا دو اور تم مہام سلطنت بدستور انجام
دیتے رہو لیکن عبدالمحمد کو یہ منظور نہ تھا وہ ٹالتا رہا جب پادشاہ نے بہت اصرار کیا تو
خواص خاں کو حکم دیا کہ شاہزادے کو تخت پر بٹھلا کر تم خود کام کرو اور قلعۂ شاہ ورگ۔ گلبرگہ
اور سگرے کر مغلوں کی روک تھام کا انتظام کرو۔ اور اسی طرح عبدالکریم خاں اور بہلول خاں
کو مرج اور پنالہ میں متعین کیا اور سیواجی کے پیچھے لگا دیا اور مظفر خاں کو بدلور دیا اور اپنے
واسطے یہ تجویز کی خواص خاں کو امور اہم میں صلاح مشورہ دیا کروں گا۔ پادشاہ کا مزاج
روز بروز بگڑنے لگا اور مرنے سے پیشتر برابر پندرہ دن سے پادشاہ بے ہوش رہا۔ مرزا
یوسف خاں نے پادشاہ کے پلنگ کی پٹی نہ چھوڑی۔ رات دن وہیں رہتا تھا خواص خاں
کام چلا رہا تھا کہ تیرھویں شعبان ۱۰۸۳ھ اتوار کے دن پانچ بجے صبح کے پادشاہ دنیا
سے رخصت ہوا۔ قاضی نوراللہ۔ شاہ ابراہیم۔ علی محب خاں۔ میر نعمت اللہ۔ ملک مسعود
ملک اکبر دبیر۔ میر علی رضا وغیرہ فضلاء نے تجہیز و تکفین کی اور شاہ پیٹھ کے اُسی مقبرے
میں جو پادشاہ بنوا رہا تھا اور ناتمام رہا دفن کیا جہاں پادشاہ کی بی بی اور خاندان شاہی
کے اور چند لوگوں کی قبریں بھی ہیں۔ عمر شریف پینتیس سال۔ مدت سلطنت سولھا برس
ساتھ مہینے تھی۔ قطعۂ تاریخ وفات یہہ ہے

پادشہ دیں پناہ خسرو عادل علی	تخت نشینِ جہاں گشت ز تخت جہاں
جان و دل مومناں ز آتش ہجرش بسوخت	در دہن مرد و زن شعلہ صفت شد زباں
سال وفاتش بگفت از سر الہام غیب	پادشہ دیں علی کرد وطن بر جناں

مشہور تاریخی واقعات و عمارات

حسینی محل اور مسجد سنہ ۱۰۶۶ھ - بنائے علی محل سنہ ۱۰۸۲ھ - فتح قلعۂ جنجی بہ سعی ملا احمد سنہ ۱۰۶۹ھ فتح قلعۂ پنالہ - قلعۂ پرینڈہ پر مغلوں کا قبضہ - والدہ پادشاہ حضرت بڑی صاحبہ کا سفر حجاز سنہ ۱۰۷۱ھ فتح قلعہ جات رائچور - ادھونی - کرنول - وفات سدی جوہر صلابت خاں - بنائے عرش محل سنہ ۱۰۷۲ھ - بنائے تین پیٹ - راجۂ ملیبار سے جنگ سنہ ۱۰۷۳ھ - تولد شاہزادۂ حسین و وفات عبدالرحیم بہلول خاں سنہ ۱۰۷۵ھ تولد شاہزادۂ سکندر و وفات اخلاص خاں سنہ ۱۰۸۰ھ - وفات ابراہیم خاں سنہ ۱۰۸۱ھ -

نواں باب

سلطان سکندر ۱۶۷۲ء تا ۱۶۸۶ء

زہے شہ سکندر ز فضل خدا | خداوند دیہیم و افسر شدہ
ہمائے ہمایوں بروز سعید | فرید جہاں سایہ گستر شدہ
براورنگ شاہی بخوبشمت شاہ | صدائے کرم از فلک بر شدہ
ہمیں گفت سال جلوسش اویس | جہاں گیر سلطاں سکندر شدہ

۱۰۸۳ھ

تخت نشینی ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء - خواص خاں نے شاہزادہ سکندر کو جس کی عمر کا پانچواں سال شروع تھا ۱۳ شعبان ۱۰۸۳ھ کو تخت پر بٹھلایا۔ شخصی سلطنتوں میں جب کبھی ملک کی بدنصیبی سے پادشاہ کم سن ہوا اور حکومت کی باگ ناتجربہ کار اور خود غرض لوگوں کے ہاتھ میں رہے تو سخت جھگڑے پڑجاتے ہیں۔ عبد المحمد جیسے دیرینہ تجربہ کار کا وزارت سے الگ ہوجانا ہی ایک بڑی بدبختی تھی۔ تاریخ بیجاپور میں یہ زمانہ نہایت پرخطر اور بڑا نازک تھا ادھر بادشاہ کم سن اُدھر ایک طرف اورنگ زیب کا دہا کا بیٹھا ہوا اور دوسری طرف سیواجی جیسا بغلی دشمن تاک میں لگا ہوا چوطرف ملک کو لوٹ مار سے تہ و بالا کر رہا تھا۔ سلطنت کا سارا کاروبار خواص خاں کے ہاتھ میں تھا جو اسی دغاباز خان محمد کا بیٹا تھا جو مکہ دروازہ پر مارا گیا۔ خواص خاں کا ریجنٹ ہونا تھا کہ سارے شہر میں ایک کھلبلی مچ گئی اور امرا اور ارا کین سلطنت کی باہمی خانہ جنگیوں نے سارے ملک میں تنزلزل ڈال دیا اور تھوڑا تھوڑا کر کے ملک ہاتھ سے نکلتا گیا۔ سیواجی کو اچھا موقع ملا اُس نے قلعہ پنالہ پر قبضہ کرلیا اور چاروں طرف یورش کرنے لگا۔

سیواجی سے پہلی لڑائی زمیران پر ۱۰۸۳ھ؁ ۱۶۷۲ء؁

خواص خاں نے سیواجی کے مقابلے کے لئے بہلول خاں کو روانہ کیا کہ پنالہ کے قریب جاکر مقابلہ کرے۔ بہلول خاں جب قریب پونہچا تو سیواجی دس ہزار سواروں کو لے کر مقابلے پر آیا اور زور شور سے لڑائی ہونے لگی دونوں طرف کے لوگ کثرت سے مارے گئے ادھر کے ملّا عثمان اور ملّا منصور دونوں قتل ہوئے لیکن غلبہ عادل شاہیوں کو رہا۔ سیواجی کا لشکر منتشر ہوگیا۔ بہلول خاں پلٹ کر تیکوٹہ آیا وہاں سے اور امداد لے کر پھر غنیم کی طرف بڑھا۔ سیواجی اپنے سرداروں سے سخت برہم ہوا کہ تمھاری غفلت سے مسلماں بازی لے گئے جب اُن کا بچا کھچا لشکر چلا تو تم تو بہت لوگ تھے کیوں اُن کا تعاقب نہیں کیا اس عرصہ میں سیواجی نے آن کر بہت مجروح اور نیم جانوں کو ایک ویران احاطے میں ڈال کر زندہ جلادیا۔

سیواجی کا مہاراجہ کا خطاب لینا اور صاحبان انگریز کو بمبئی فیکٹری بنانے کی اجازت دینا ۱۶۷۴ء؁

سیواجی کے قدم اب ہر طرح جم گئے تھے ایسی چھوٹی موٹی جھڑپ کی وہ پروا بھی نہ کرتا تھا۔ ۱۶۷۴ء؁ میں اس نے "مہاراجہ" کا خطاب لیا اور انگریزوں سے بمبئی کی فیکٹری (کارخانہ) کے متعلق اُس نے اپنے نام سے عہد نامہ کیا اور صاحبان انگریز نے بھی اُسے مہاراجہ تسلیم کیا۔

خواص خاں کا مغلوں سے از سر نو صلح کرنا

ناظرین پر مخفی نہیں ہے کہ بادشاہان مغلیہ مدت سے ملک دکن کی تسخیر کا بیڑا اُٹھائے ہوئے تھے کتنے سردار اور کتنے شاہزادے اسی میں مرکھپ گئے لیکن فضل خدا شامل حال تھا کہ ایسے زبردست غنیم سے بھی آج تک یہ ملکت سر سبز ہوتی چلی آئی اور بڑی بڑی معرکۃ الآرا لڑائیوں میں مغلوں کو نیچا دکھایا سکندر بادشاہ بالکل بچہ تھا وہ بے چارہ دنیا کی اونچ نیچ کو کیا جانے اُس کو دوست دشمن میں تمیز نہ تھی۔ پچھلے کار آزمودہ لوگ ایک ایک کر کے چھنٹ گئے تھے اُدھر مغلوں کے پاس ایک سے ایک بڑھ کر عقیل وفہیں موجود تھے جنھوں نے ساری عمر میدان جنگ میں کاٹی تھی اورنگ زیب نے مرزا راجہ جی سنگھ کو دکن سے بلا کر "خان جہاں" کا خطاب دے کر دوبارہ ملک دکن پر متعین کیا تھا اِن وجوہ سے سلطنت عادل شاہی ایسی نظروں سے گر گئی کہ بار بار

راجہ کے نام حکم آتا تھا کہ بلدۂ بیجاپور پر قبضہ کرو۔ اورنگ زیب کے بار بار کے تقاضوں سے مجبور ہو کر راجہ جے سنگھ دولت آباد سے چل کر بہادر گڑھ عرف پیڑگاؤں میں پہنچ گیا اور جنگ کی طیاریاں کرنے لگا اور بیجاپور کے پاس ہی نورس پور میں مع ملک برخوردار نامی مغلوں کے ایک مشہور سردار کے آکر بیٹھ گیا۔ بیجاپور کے لوگ گھبرا گئے اور خواص خاں نے سب کی صلاح سے حکیم شمس الدین کو جو اندھوں میں کانا راجہ تھا بیچ میں ڈالا کہ کسی طرح صلح کر لی جائے حکیم جی سے خواجہ محمد امین کشمیری سے دوستی تھی جو نواب بہادر خاں کا خانساماں اور معتمد علیہ تھا اسی کے ذریعے سے خواص خاں کے روابط نواب بہادر خاں سے بڑھ گئے۔ خواص خاں در پردہ مغلوں سے مل گیا اور شہر بیجاپور حوالہ کر دینے کا وعدہ کر لیا اور اس پر یہ طرہ مزید براں ہوا کہ علی عادل شاہ کی بہن شہربانو بیگم عرف بادشاہ بی کو اورنگ زیب کے صاحبزادے سے منسوب کرنے کا بھی قول قرار کر لیا مگر جے سنگھ نے خواص خاں کے ذمے سیواجی کے مستاصل کرنے کی بڑی تیغ لگا دی۔ اورنگ زیب نے سکندر کے ساتھ یہ بڑی رعایت کی کہ پیشکش سالانہ معاف کر دیا اور سکندر کو سلطان کا خطاب بھی دے دیا۔ جب یہ شرائط طے ہو گئے اور قول و قرار پکے ہو گئے تو بہادر خاں نے عالمگیر کے سب شرائط منظور کر دیئے اور اورنگ زیب نے خواص خاں کو خطاب نوازش خانی اور خلعت سے سرفراز کیا اور کچھ دنوں کے لئے یہ فساد دب گیا اور کاروبار مملکت کا درستی سے چلنے لگے۔

صلح میں کھنڈت حکیم شمس الدین کی سعی سے مصالحت تو ہو گئی لیکن لوگوں نے کہا کہ اس صلح کا سہرا حکیم جی کے سر رہے گا لہذا رخنہ اندازی شروع کی۔ حکیم جی کے بھائی میر باقر کو بھڑکایا اس نے خواص خاں کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر برہم کر دیا جس کے سبب سے خواص خاں نے حکیم شمس الدین میر باقر اور جعفر خاں تینوں کو معزول کر دیا اور شام راؤ کے ذریعہ سے بات چیت ہونے لگی۔ افغانوں نے اپنی تنخواہ کے لئے بلوہ مچا رکھا تھا خواص خاں نے شام راؤ کے ذریعہ سے بہادر خاں کو کہلا بھیجا۔ بہادر خاں نے دیکھا کہ خواص خاں عجیب متلون المزاج ہے کہ حکیم شمس الدین جیسے تجربہ کار شخص کو بلاوجہ ہٹا کر ایک معمولی برہمن کو اس اہم کام پر مقرر کیا۔ بہادر خاں ناراض ہو گیا اور شام راؤ کی جانب بالکل ملتفت نہ ہوا۔

سیواجی کا بہادر خاں کو دھوکا دینا ۱۰۸۶ھ

سیواجی نے پانچ محل کی تسخیر کے لئے لشکر بھیج دیا تھا اور خود پھونده کا محاصره کر لیا تھا۔ سیواجی کو تردد ہوا مبادا بہادر خاں کہیں ان فتوحات کی خبر پا کر ادھر نہ الٹ پڑے حکمت عملی سے اُس کے ہموار کرنے کی سلسلہ جنبانی کرنے لگا کہ اگر میرا قصور معاف کر دیا جاوے اور مجھے دکن کی مہم سپرد کی جاوے اور میرے لڑکے کا منصب برقرار رکھا جاوے تو جو قلعے میرے قبضے میں ہیں اور جو جے سنگھ کو میں دے چکا ہوں سب کے سب آپ کے تفویض کر دیتا ہوں بہادر خاں اس پیغام سے خوش ہو گیا اور دہلی کو لکھ کر فرمان خوشنودی منگا دیا اور بادشاہ بھی بہادر خاں کی کارگزاری سے خوش ہوا اور ظفر جنگ کوکلتاش کا خطاب سرفراز کیا اور بہادر خاں اور سعید خاں دو شخصوں کو بھیج دیا۔ سیواجی نچنت ہو گیا اور پھونده اور اُس طرف کے دیگر مقامات فتح کر لئے اور پندرہ بیس ہزار ہن کے مقدار میں رسد بھی جمع کر لی اور جب ہر طرح مطمئن ہو گیا تو سعید خاں کے سر چڑھ کر جا کر کہا کہ بہادر خاں کو میں کیا سمجھتا ہوں مجھے کیا ضرورت کہ اُس کے توسط سے صلح کروں اگر بہادر خاں کا ایسا خیال ہے تو خیال خام ہے۔ بہادر خاں نے جب سیواجی کی یہ ہرزہ درائی سنی تو حیران رہ گیا کہ یا بہ آن شورا شوری یا بہ ایں بے نمکی اور ڈرا کہ اگر بادشاہ کے کان تک یہ بات پہنچی تو بادشاہ سمجھے گا کہ میں نے اپنی طرف سے سعی و سفارش کی تھی اور دھوکا دیا پھر میرا کیا انجام ہوگا اب تدبیر صرف یہی ہے کہ خواص خاں کو ملا کر کسی طرح سیواجی کا زور توڑنا چاہیئے۔

نواب بہادر خاں اور خواص خاں کی ملاقات دریائے بھنورے کے کنارے ۱۰۸۶ھ

پہلے دن تو شام راؤ کو بہادر خاں نے دھتکار دیا تھا پھر دوبارہ بلوایا اور خواص خاں سے مصالحت کی بات چیت کرنے لگا۔ شام راؤ نے افغانوں کی تمردی اور سرکشی کی شکایت کی اور بہادر خاں کو آمادہ کیا خضر خاں جو بانی مبانی اس فساد کا ہے اُس کو جھڑک دیا جاوے اور ان کی پشتی نہ لی جائے اور ساتھ ہی اس کے خواص خاں کی لڑائی کی نسبت بھی بہادر خاں کے بیٹے سے ٹھیرا دی۔ یہ خبر سن کر خواص خاں کی جان میں جان آئی اور دریائے بھنورہ کے کنارے ملاقات کی ٹھیری۔ نواب بہادر خاں نے پہلے ہی اپنے آنے کی اطلاع کے لئے خواجہ محمد امین کو بھیجا اور خود پیڑ گاؤں سے چل کھڑا ہوا۔ خواجہ محمد امین کے آنے

سے پہلے ہی خواص خاں ۱۰ رجب ۱۰۸۶ھ منگل کے دن بیجاپور سے نکل چکا تھا - خواجہ امین راستہ میں خواص خاں سے ملا اور نواب بہادر خاں کا خط پونہچایا - ۹ شعبان کو دونوں کی ملاقات ہوئی اور ۲۰ کو خواص خاں بیجاپور واپس آگیا -

خواص خاں کا قلعۂ بنکاپور میں مقید اور قتل کیا جانا ۱۰۸۶ھ

نواب عبدالکریم بہلول خاں سپہ سالار بہت طاقت ور شخص تھا - خواص خاں سے اس سے پہلے ہی سے ان بن تھی بہلول خاں خواص خاں کی کاٹ پر تھا اب جب کہ بہادر خاں کی دوستی سے خواص خاں کا پلہ بھاری ہوگیا تو خواص خاں بہلول خاں کے درپے ہوگیا لیکن بہلول خاں بڑا گہرا آدمی تھا بظاہر اُس نے خواص خاں سے کچھ مخالفت نہیں کی تھی - خواص خاں کو دعوت کے لئے ۳ رمضان کو بلایا - خواص خاں خالی الذہن بہلول خاں کے مکان پر چلا گیا - بہلول خاں نے پہلے ہی سے پوشیدہ طور پر گھر میں فوج بٹھا رکھی تھی راستے میں بھی جا بجا ناکہ بندی کر دی تھی آتے ہی خواص خاں کو قید کرلیا اور ۴ رمضان کو بنکاپور کے قلعہ میں بھیج دیا اور خود مختار بن بیٹھا اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دی اور چن چن کر خواص خاں کے لوگوں کو نکالا - خضر خاں کو مدار المہام مقرر کیا - شہر میں گڑبڑ مچ گئی ہر شخص اپنی اپنی جگہہ خائف ہوگیا - خواص خاں نے صرف تین سال حکومت کی لیکن اُس کی کم زوری اور ناتجربہ کاری سے کبھی اُس کا عروج نہ ہوا وہ خود بے کار محض تھا جو کچھ کرتی دھرتی تھی اس کی بیوی حبیب سلطان کرتی تھی مگر آخر عورت ذات تھی ایسی حالت کب تک سنبھال سکتی تھی - خواص خاں کو عیاشی سے فرصت نہ تھی نوکر چاکر سب پہلے ہی فرنٹ ہوگئے تھے - اس بے خبری کا نتیجہ یہی ہوتا تھا جو ہوا - خضر خاں جو اب مدار المہام ہوگیا تھا بیجاپور سے نکل کر شاہ درگ پر آگیا اور وہاں کا عمدہ قلعہ دیکھ کر اپنے اہل وعیال کو وہیں چھوڑ کر بلگاؤں کی طرف روانہ ہوا - راستے میں سانکولہ اور کھیڑی کے درمیان شیخ منہاج چند دل جلے دکھنیوں کے ملا - دکھنیوں کو خواص خاں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کا بہت غم تھا - خواص خاں کے قید ہوجانے سے مغلوں نے سر اُٹھا رکھا تھا اور دکھنیوں کا پوچھنے والا کوئی نہ رہا تھا سب نے مل کر صلاح کی کہ کسی طرح خضر خاں کا کام تمام کر دیا جائے تو سارا ٹنٹا مٹ جاتا ہی - خضر خاں کو اس درپردہ کدورت کی خبر نہ تھی اُس نے خیال کیا کہ ان کی دلجوئی کی جائے

تو بہتر ہی فتح جنگ خاں کو بھیج کر شیخ منہاج اور اس کے ساتھیوں کو دعوت کے لئے بلا لیا شیخ منہاج چند آزمودہ کار دکھنیوں کو لے کر گیا خضر خاں پیشوائی کو آیا مصافحہ کو ہاتھ بڑھایا۔ شیخ منہاج نے دونوں ہاتھ ایک ہاتھ میں داب کر دوسرے ہاتھ سے خنجر اُس کے پیٹ میں بھونک دیا فوراً انتڑیاں نکل پڑیں اور دم کے دم میں خضر خاں کا کام تمام ہو گیا۔ وہیں تلوار چلی جس میں سو افغان مارے گئے۔ اگرچہ چھ ہزار افغان خضر خاں کے لشکر میں تھے مگر یہ حالت دیکھ کر سب بھاگے۔ عبدالمجید خاں جو خضر خاں کا سوار تھا فوراً سانڈنی پر سوار ہو کر بھاگا اور بہلول خاں کو اس واقعہ کی خبر دی۔ بہلول خاں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ لوگوں نے کہا کہ جزع و فزع سے کیا فائدہ آیندہ کی خبر لیجئے ایسا نہ ہو کہ دکھنی آگے بڑھ کر خواص خاں کو قید سے چھوڑا لیں تو پھر کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑے گی بہتر یہ ہی کہ جہاں تک جلد ممکن ہو خواص خاں کا کام تمام کیا جائے۔ بہلول خاں نے فوراً قلعہ دار بنکاپور کو حکم بھیجا۔ شیخ منہاج نے ۲ ذیقعدہ ۱۰۸۶ھ کو خواص خاں کو قتل کیا اور بیسویں تاریخ جنازہ بیجاپور پونہچا۔

امرا کی پھوٹ اور اُس کے نتائج

خواص خاں کے مارے جانے کے بعد عبدالکریم خاں عرف نواب بہلول خاں ریجنٹ ہو گیا اور جیسا کہ امرا کی عادت ہوتی ہی اپنے متوسلین کو بھرتی کرنے لگا اور بارہ ہزار افغان جمع کر لیے اور دکھنیوں کو کونے میں ڈال دیا۔ اُن کا کوئی پرسان حال ہی نہ رہا۔ سید مخدوم شرزہ خاں بھی بددل ہو گیا تھا ۱۲ محرم کو دونوں میں مٹ بھیڑ ہو گئی اور بہت سے لوگ افغان اور دکھنی مارے گئے۔ سید اشرف اور کارسا کنور اسی جنگ میں مارے گئے۔ شرزہ خاں نے جب دیکھا کہ یہاں اُسے کوئی پوچھتا ہی نہیں سارا لشکر بددل ہو کر نکلا چلا جا رہا ہی تو سدلاپور میں جا کر نواب بہادر خاں سے ملا اور پندرہ ہزار نقد انعام دیا اور تجویز کی بہلول خاں حکومت و مختاری بیجاپور سے سبکدوش کیا جائے اور دکھنیوں کے ہاتھ میں حکومت دے کر خود مثل دوسرے امرا کے رہے۔ بھلا بہلول خاں اس بات کو کب چلنے دیتا تھا اس پر نواب بہادر خاں اور نواب بہلول خاں میں ۸ ربیع الاول کو ایک بڑی جنگ ہوئی۔ نواب بہادر خاں نے قطب الدین خاں ایلمچ دہلی کے امیر اور اسلام خاں رومی کی سرکردگی میں لشکر بھیج کر شہر بیجاپور کا محاصرہ کر لیا۔ بہلول خاں بھی ان کی

مدافعت کو نکلا اور علی آباد پر بڑی بھاری جنگ ہوئی - ہزاروں آدمی طرفین کے مارے گئے اسلام خاں مع اپنے بیٹے کے ہاتھی پر سوار تھا - اتفاقاً ہاتھی بے قابو ہو کر بھاگا اور بہلول خاں کے لشکر میں دونوں کو مثل قضائے مبرم کھینچ لایا - بہلول خاں کے لشکریوں نے عماری کی کی رسیاں کاٹ کر نیچے گرا دیا اور دونوں کو قتل کر ڈالا - یہ اسلام خاں سلطان روم کی طرف سے برسوں بصرہ کا حاکم رہا - جب حوادث زمانہ سے ہندوستان آگیا تو عالمگیر نے اسے چھ ہزاری منصب دے کر بہادر خاں کی مدد کو ملک دکن میں بھیج دیا تھا - الغرض امرائے عادل شاہیہ میں ایسی ابتری اور بدنظمی پھیل گئی تھی کہ چاروں طرف فتنہ و فساد برپا ہو گیا اور مغلوں نے من مانے جا بجا اپنا قبضہ کر لیا - حسین خاں میانہ جو سرحد پر متعین تھا اُسے دغا سے مغلوں نے پکڑ کر قید کر لیا - بہادر خاں کو دکھنیوں سے کچھ ایسی مخالفت نہ تھی مگر وہ بہلول خاں کو ضرور معزول کرنا چاہتا تھا لیکن دلیر خاں جو دہلی کا ایک بڑا امیر تھا بہلول خاں کا طرفدار تھا اُس نے بہلول خاں سے سیواجی کی بیخ کنی کا وعدہ لے کر پادشاہ عالمگیر کو معروضہ لکھا کہ بہلول خاں خواہانِ عفو تقصیر ہے اُس کا قصور معاف فرمایا جائے تو سیواجی کا استیصال بھی بہ آسانی ممکن ہے پادشاہ نے اس سفارش کو منظور کیا لیکن بہلول خاں کو کسی طرح یہ بات منظور نہ تھی - اس حیص بیص میں ہی بہت سے مقامات مغلوں اور سیواجی کے قبضے میں چلے گئے اور قلعہ حسن آباد (۱۶ جمادی الاول ۱۰۸۶ھ) قلعہ شاہ درگ (۱۲ جمادی الآخری ۱۰۸۶ھ) جیسے دو بڑے بڑے قلعے بھی نکل گئے - ماہ رجب میں بہادر خان بادشاہ کی حسب الطلب دہلی روانہ ہوا اور اُس کے جاتے ہی ضلع داری پر بغرض تسخیر ملک دکن بہلول خاں مقرر ہوا -

سیواجی کا گنجی اور ویلور[۱] پر قبضہ ۱۶۷۶ء

۱۶۷۶ء میں سیواجی نے اپنا رُخ جنوبی ہندوستان کی طرف کیا اور لوٹ مار کرنے لگا اور قلعہ جات گنجی اور ویلور پر جن پر بیجاپور کی افواج متعین تھیں اپنا قبضہ کر لیا اور وہاں سے گولکنڈہ کی طرف بڑھا اور ابوالحسن قطب شاہ عرف تاناشاہ سے صلحنامہ کر لیا کہ ہم تم دونوں مل کر مملکت بیجاپور کے جنوبی حصے کو آدھوں آدھ بانٹ لیں گے - اس خبر کے سنتے ہی عبدالکریم خاں اور دلیر خاں دونوں نے مل کر گولکنڈہ پر

---

[۱] دیکھو ضمیمہ - ۱۲

چڑھائی کرنے کا منصوبہ گانٹھ لیا۔ لیکن مہادونا پنت وزیر قطب شاہی نے ان دونوں کو آگے بڑھنے نہ دیا اور شکست دی اور ان دونوں کو ناکام واپس آنا پڑا۔

فوج کی تنخواہ چڑھ جانے سے تبدیل وزارت

خزانے میں کافی روپیہ نہ ہونے سے لشکر کی تنخواہیں ایک عرصہ سے نہیں ملی تھیں ہر شخص پریشان تھا جس کی وجہ سے عام بددلی اور ناراضی پھیل گئی تھی اور ایک عام بدنظمی ہو رہی تھی۔ جب موجودہ لشکر ہی کی تنخواہیں چڑھ گئی تھیں تو ایسی حالت میں جدید فوج بھرتی کرنے کی کیا توقع کی جاسکتی تھی سوء اتفاق سے ایسے نازک اور پرخطر زمانے میں بہلول خاں ایسا سخت بیمار پڑا کہ اُس کی بچنے کی امید نہ رہی اور لامحالہ وزارت تبدیل کرنی پڑی۔

سدی مسعود خاں قلعہ دار ادھونی کا نائب السلطنت مقرر ہونا

سدی مسعود خاں قلعہ دار ادھونی جو جوہر صلابت خاں کا داماد اور قدیم نمک پروردہ خاندان عادل شاہی کا تھا اُس نے سیواجی اور مغلوں کی اس قدر شورش اور سکندر کا یوں بے یار و مددگار رہ جانا جب دیکھا تو بہت ہی دلگیر ہوا اور بہ صلاح سید مخدوم شرزہ خاں وغیرہ قطب شاہ ابوالحسن تاناشاہ سے امداد چاہی خاندان قطب شاہیہ خود عادل شاہیوں کا ہمیشہ سے ممنون احسان چلا آتا تھا۔ تاناشاہ نے کہا کہ جب تک مسعود خاں جیسا خیرخواہ قدیم وزیر نہ ہوگا اس گھرانے کی سنبھال مشکل ہے۔ تاناشاہ نے ایک خط لکھ کر بہلول خاں کو بلوایا۔ بہلول خاں بیجاپور میں جمشید خاں کو چھوڑ کر فوراً حیدرآباد پونچا۔ تاناشاہ نے بہت کچھ بہلول خاں کو سمجھایا کہ دیکھو یہ وقت آپس کے لڑائی جھگڑوں کا نہیں ہے کہ مغل سر پر چڑھے بیٹھے ہیں بہتر یہ ہے کہ بہ اتفاق و یک جہتی کام کیا جائے اگر خدانخواستہ مغل قابض ہوگئے تو تم سب کا کیا حشر ہوگا بہتر یہ ہے کہ سردست تم علیحدہ ہو کر زمام سلطنت مسعود خاں کے سپرد کردو مگر ہر طرح اُس کو امداد دیتے رہو۔ بہلول خاں نے تاناشاہ کے ارشاد کو بسر و چشم قبول کیا لیکن عذر یہ کیا کہ جمعیت کی چڑھی ہوئی تنخواہ کی ادائی کی کیا سبیل ہوگی خزانے میں تو پیسہ نہیں تاناشاہ نے خود چھ لاکھ ہن دینے کا وعدہ کیا جس میں اُس کی ذاتی غرض بھی مضمر تھی کہ بہلول خاں کے اور دلیر خاں کے بہت گاڑھی

دوستی بھی آگے چل کر ہمارے اور مغلوں کے معاملات بھی سلجھ جائیں گے ۔ تاناشاہ نے اپنے
وکیل السلطنت اکنّا پراور مادنّا کو جو بڑا زیرک اور تجربہ کار تھا اپنی طرف سے ساتھ کر دیا تاکہ دربار
میں حاضر رہ کر امور سترگ میں ہر طرح امداد دیتا رہے اور نیز سیواجی کی مداخلت کا انسداد
کرے چنانچہ اسی قسم کا معاہدہ قلم بند ہو کر فریقین کے دستخط اور مہریں ہو گئیں بہلول خاں
اور مسعود خاں دونوں روانہ ہوئے اور گلبرگہ مقام پر دلیر خاں سے بھی ملاقات ہو گئی ۔ اور
بہت سی باتیں خاطر خواہ طے ہو گئیں ۔

بہلول خاں کا انتقال اور مسعود خاں کا داخلہ بیجاپور میں ۱۰۸۸ھ

گلبرگہ سے چل کر ہیرا پور[۵۱] مقام ہوا کہ یکایک بہلول خاں کا مزاج نادرست ہوا اور باوجود علاج و معالجہ کے ۸ ذی قعدہ ۱۰۸۸ھ کو وہیں انتقال کیا مسعود خاں
دو تین دن وہاں اور ٹھہر کر اہل و عیال و فرزندان مرحوم کو ساتھ لے بیجاپور روانہ ہوا کہ راستے
میں جمشید خاں کا خط ملا کہ بہلول خاں کا تو انتقال ہو گیا ہے اور تم بیجاپور پر قبضہ کرنے کے لئے
آرہے ہو لیکن پہلے چھ لاکھ ہن داخل کرو بعد شہر میں قدم دھرو ورنہ یاد رہے کہ میں تم کو گھسنے
نہ دوں گا اور ناحق کی جنگ بپا ہو گی ۔ مسعود خاں بڑے شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب کیا کیا
جائے آخر کار قطب شاہ کو من و عن حالات لکھے اور اکنّا کو جمشید خاں کے پاس بھیجا تاکہ
جس طرح بھی ہو سکے اُس کی فہمائش کرے ۔ اکنّا نے جا کر افغانوں کی ادائی کا خود ذمہ لیا
کچھ اُن کو دیا اور کچھ ساہوکاروں کا حوالہ دیا اور بہ ہزار دقت و خرابی جمشید خاں کو راضی کیا ۔
جب تک یہہ معاملہ طے ہو مسعود خاں موضع تانباں میں جو بہی تھورہ[۵۲] ندی کے کنارے پر واقع ہے
پڑا رہا ۔ جب یہاں سے اطلاع پہنچی تو ۹ محرم ۱۰۸۹ھ یوم پنجشنبہ کو مسعود خاں بیجاپور میں داخل
ہوا لیکن تاناشاہ نے باوجود حتمی وعدہ کے بھی کچھ نہ دیا جس کے سبب سے مسعود خاں اور
تاناشاہ میں سخت برہمی پیدا ہو گئی ۔

۵۱ - یہہ موضع گلبرگہ سے صرف دو میل ہے جہاں اب محبوب شاہی ملز (پارچہ بافی کی دخانی گرنی ہے) اور جو
بمبئی جاتے ہوئے ریل پر سے سیدھے ہاتھ پر نظر آتی ہے ۱۲ -

۵۲ - یہہ ندی دودھنی اسٹیشن جی - آئی - پی - ریلوے کے پاس ہے ۱۲

جمعیت کی چڑھی ہوئی تنخواہ نہ ملنے سے بیجا پور میں شورش اور سخت بدامنی پھیلنا

روپیہ کا کام روپیہ ہی سے نکل سکتا ہے مسعود خاں اکیلا کر کیا سکتا تھا فوج کی یہ حالت تھی کہ بہت سے تو چلے گئے اور جہاں سینگ سمائے جا گھسے۔ مغلوں اور مرہٹوں کے ہاں جہاں معقول تنخواہیں ملتی تھیں بھرتی ہوگئے جو رہ گئے وہ طرح طرح کے مظالم کرنے لگے۔ کبھی مسعود خاں کو گھیر لیتے تھے تو کبھی جمشید خاں اور بہلول خاں کے لڑکوں کو دباتے اور سخت بے حرمتی کرتے تھے۔ بہلول خاں کے گھر بار کو لوٹ لیا یہاں تک کہ باورچی خانے کے ظروف تک اُٹھا لے گئے اور گھر کی ایک ایک اینٹ بکھیر دی اور جمشید خاں کے فرزند اور بہلول خاں کے بیٹوں اور متعلقین کو پکڑ کر بٹھا لیا اور روز پانی میں ڈبوتے اور گرم چٹانوں پر بٹھلاتے اور طرح طرح کی ناگفتہ بہ اذیتیں اور تکلیفیں دیتے تھے اور کچھ اسی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ ساہوکار اور سوداگر غرض جو چار پیسے رکھتا تھا من مانے اُسے پکڑ لیتے تھے اور مار پیٹ کر استحصال بالجبر کرتے تھے اور دن دہاڑے لوگوں کے گھروں میں گھس کر دنگا فساد اور لوٹ مار کرتے لوگ اِن کے ڈر سے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے انھوں نے خالی مکان بھی نہ چھوڑا خانہ خالی را دیو می گیرد ایسے مکانوں کو گرا کر اُن کا عملہ کوڑیوں کے مول بیچ ڈالتے تھے۔ ایک دن حکیم شمس الدین خاں جو ایک رئیس اور ذی وجاہت شخص تھے ملک برخوردار صاحب مغل کے گھر سے آرہے تھے کہ افغان اُن پر دوڑ پڑے اور پالکی میں سے اُن کو گھسیٹ کر اُتار لیا گچی دروازے تک اُن کو کشاں کشاں لائے۔ اُن کے داماد کو دیکھتے دیکھتے جان سے مار ڈالا اور اُن کے بیٹوں اور ہمراہیوں کو لے جا کر بہلول خاں کی حویلی میں قید کر دیا۔ مسعود خاں یہ شور و غوغا سُن کر شاہ پور برج پر آیا اور کہلا بھیجا کہ یہ کیا مظالم ہیں تمھاری سرکوبی کو لشکر بھیجتا ہوں افغانوں نے کہا کہ تم نے اگر لشکر بھیجا تو سب سے پہلے ہم حکیم صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو تہ تیغ کریں گے اور پھر ہم اپنے آپ کو ماریں گے۔ ملک برخوردار نے بھی بہت کچھ سعی و سفارش کی لیکن ان مردود وں پر کچھ اثر نہ ہوا ہر روز حکیم صاحب اُن کے فرزندوں اور دوسرے دامادوں کو ٹھنڈے پانی میں ڈبوتے تھے اور روپیہ طلب کرتے تھے۔ ایک دن افغانوں نے بہلول خاں کے بیٹے کو پکڑ لیا اور سخت پر کیلے گاڑ کر اُس پر بٹھلاتے تھے اور بے حد تکلیف دیتے تھے مسعود خاں ساہو دروازے پر

برآمد ہوا اور ملھاری پنڈت حسن خاں روہیلہ اور عبدالکریم داؤد زئی کو ان لوگوں سے بازپرس کرنے کے لئے بہلول خاں کی حویلی میں بھیجا۔ افغانوں نے اُلٹا ملھاری پنڈت کو مار پیٹ کر کے پکڑ لیا باقی دونوں حکمت عملی سے نکل بھاگے اور مسعود خاں کو اس حال کی خبر دی مسعود خاں نے ونکنّا اور شرزہ خاں کو لشکر دے کر بھیج دیا جنھوں نے بہلول خاں کی حویلی کا محاصرہ کر لیا اور ۲ ربیع الاول کے ۷ بجے دن سے ۳ ربیع الاول کے نو بجے دن تک خوب لڑائی ہوئی جس میں پندرہ سولہ افغان اور بائیس شخص اس طرف کے مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے سوا الگ تب کہیں افغان دبے اور صلح پر آمادہ ہوئے اور طے یہ پایا کہ افغانوں کا مطالبہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار ہن کا بروے حساب نکلتا ہے جس میں سے تیس ہزار ہن تو دلیر خاں دے چکا ہے باقی مسعود خاں دے کر روف خاں اور حکیم جی وغیرہ کو چھوڑا لیں لیکن ونکنّا اس پر راضی نہ ہوا شدہ شدہ فی صد چالیس ہن پر ٹھیری اُس کو بھی ونکنا نے نہ مانا بالآخر فی صد پچاس ہن پر تصفیہ ہوا اور محبوسین کو چھوڑا کر خضر خاں کی حویلی میں لا کر چھوڑ دیا۔ مسعود خاں کو اس زمانے میں سوائے اندرون شہر کے باہر کا کچھ اختیار نہ تھا بے چارہ مجبوراً شہر کے دروازے بند کئے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ بیجاپور کے لوگ افغانوں کے مظالم سے نالاں تھے ہی اور مسعود خاں سے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑتی تھی کہ ونکنّا سے مل ملا کر جینتو جمنّا نامی ایک برہمن نے تحصیل وصول کا ذمہ لیا اور برے درجے کے مظالم کرنے لگا اور لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پہلے حسن خاں پلنگ دار، نعمت اللہ و میر ابوالقاسم ولد خواجہ محمد بیدری اور دھرما جی پنڈت اور بھوانی بزاز کے فرزندوں کو پکڑ کر ایسے ناگفتہ مظالم کئے کہ الٰہی توبہ پھر شاہ پیٹ کے ایک تیلی کو جو بڑا مالدار تھا اور متولی کے نام سے مشہور تھا اُس پر بہت سا مطالبہ قایم کر دیا اور اسی طرح تمام تاجر مسلمان اور ہندو اور ذی اثر آدمیوں کی عزت ریزی کرنے لگا نوبت بایں جا رسید کہ بازار میں جس سفید پوش کو دیکھا دھر لیا اور اُس سے بے لئے چھوڑتے نہ تھے لوگوں کا گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا حکیم شمس الدین کو ایسی سخت تکلیف دی کہ بلا پچھتر ہزار ہن دینے کے کسی طرح جان نہ بچی۔ ایک شخص بازار سے کچھ آم خریدے جا رہا تھا اُسے پکڑ لیا کہ تیرے پاس اتنے دام کہاں سے آئے جو اتنے آم خریدے بے چارے کو

پچاس ہن لئے تک آگے بڑھنے نہ دیا ایک شخص ایک پلہ[۵] جوارے جارہا تھا اُسے پکڑ لیا کہ تیرے گھر میں تو دو سیر کا بھی خرچ نہیں تو نے اتنی جوار کیوں لی اور چھ ہن اُس سے جرمانہ لے کر چھوڑ دیا۔ چنانچہ جمنا کے لوگوں کا یہ ظلم اُدھر لشکریوں کا وہ اندھیر لوگ از حد بے زار ہوگئے اور اپنے جورو بچے لے کر نکل گئے اس طرح آدھا شہر ویران ہوگیا۔ سنہ ۱۱۰۷ھ میں ایک شخص کرناٹک سے بطور سیر کے بیجاپور آیا تھا وہ کہتا تھا کہ اُس کا دادا اس زمانہ شہر آشوب میں بیجاپور میں تھا جس کا کارخانہ زردوزی کا تھا اور اس طرح کے سات سو کارخانے صرف زردوزی کے شہر میں تھے۔ اُسی کا بیان تھا کہ اُن دنوں اس قدر ظلم لوگوں پر ہوتا تھا کہ جو کچھ تھا سب لٹ گیا نوبت بہ ایں جا رسید کہ ایک دن میں سات سات مرتبے ڈنڈ وصول کیا گیا اِن مظالم کی تاب نہ لا کر ناچار بہت سارے لوگ جلا وطن ہوگئے۔

مسعود خاں اور شرزہ خاں کی اَن بن اور مسعود خاں کے قتل کی سازش

بیجاپور کی تقدیر کی خوبی دیکھئے کہ ایک طرف سے نجات نہ ملی تھی کہ مسعود خاں اور سید مخدوم شرزہ خاں کے تناتنی ہوگئی اور مفسدوں نے آتش فساد کو اور بھڑکا دیا۔ شرزہ خاں کھلے خزانے مسعود خاں کے درپئے آزار ہوگیا اور فوج جمع کر کے دریائے بھی تھورا کے اُس طرف کے مُلک کو دبا بیٹھا سیواجی کو بھی مع چند امرائے شہر کے ہموار کر لیا اور بیجاپور پر چڑھ آیا اور چو طرف لوٹ مار شروع کر دی اور ونکنا اور مراری کو قید کرنے یا ممکن ہو تو مار ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ شرزہ خاں کا ایک مصاحب میٹھے شاہ تھا اس نے دونوں کو ملا دینے کی کوشش کی لیکن کچھ نیک نتیجہ نہ نکلا۔ ملک رائچور دوآبہ کے لوگ شرزہ خاں کے علاقہ کے تھے بگڑ کھڑے ہوئے اس طرح کئی بار بات دب دبا گئی لیکن پھر بگاڑ ہوگیا اور چاروں طرف فتنہ و فساد کھڑا ہوگیا مسعود خاں کی جان عجب غضب میں تھی ایک طرف کا کچھ فتنہ فرو ہوتا تھا تو دوسری طرف فساد کھڑا ہو جاتا تھا۔ عزیز عنبر خاں دو تین ہزار سوار جمع کر کے سر سنور میں اُٹھ کھڑا ہوا اور اطراف و جوانب کے ملک پر قابض ہوگیا۔ بلکہ مسعود خاں کے علاقہ جات میں بھی اودھم مچا دی۔ سیواجی نے الگ بلکی اور جاکھنڈی کے اطراف جبریہ تحصیل وصول شروع کر دی اور ادھونی پر جدا فوج کشی کر کے لوٹ ڈالا۔ غرض

[۵] - ایک سو بیس سیر کا ایک پلہ ہوتا ہے۔

سلطنت عادل شاہیہ کا کوئی خطہ امن میں نہ تھا۔ شہر بیجاپور میں چند برہمن جانو اننڈ اور دھرماجی جو تھے اُنھوں نے مسعود خاں اور ونکنا کے قتل کی سازش کی جس کی خبر ونکنا کو لگی اُس نے مسعود خاں کو مطلع کیا مسعود خاں نے فوراً اُن لوگوں کو قید کر دیا اور یہ فساد دب گیا۔

مسعود خاں کے بال بچوں کا آقا خسرو قلعہ دار رایچور کی قید میں گھر جانا اور پادشاہ بی بی کی سفارش سے رستگاری پانا

سدی نصرت الملک سند رمسعود خاں کے بال بچوں کو ادھونی سے لے کر بیجاپور کو آرہا تھا راستے میں جب رایچور پونہچا تو آقا خسرو قلعہ دار نے سدی نصرت کو مار کر سب کو گرفتار کر لیا۔ مسعود خاں اپنے بال بچوں کے اس طرح بے موقع پھنس جانے کی خبر سن کر سخت پریشان ہوا اور کوئی تدبیر اس مصیبت سے اُن کو نجات دلانے کی سمجھ میں نہ آتی تھی جب سب طرف سے ناامیدی ہوئی تو مسعود خاں مجبور ہو کر پادشاہ کی محل سرا میں سکندر پادشاہ کی بہن شہر بانو عرف پادشاہ بی بی کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا جو نہایت صاحب عقل و ہوش تھی اور بہت سے امورات اہم دسترگ میں رای صائب دیتی تھی۔ مسعود خاں نے عرض کی کہ غلام جب سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ پر مخفی نہیں ہے کہ ہمیشہ انواع و اقسام کے تردد اور مصائب میں ایسا پھنسا رہا کہ سر کھجانے کی فرصت نہ ملی بریں ہم جہاں تک ممکن تھا خیر خواہی اور نمک حلالی سے اپنے فرائض کو انجام دیتا رہا لیکن اب نوبت بایں جا رسید کہ آب و خور حرام ہو گیا دن کا چین اور رات کی نیند اُڑ گئی۔ نہ تو میرے پاس خزانہ ہی ہے کہ میں جمعیت کی تنخواہ دے کر اپنے گلے کی پھانسی نکال دوں گا نہ کوئی میرا یار و مددگار ہے کہ جن کے بل پر کچھ کام کر سکوں تن تنہا کیا کروں کیا نہ کروں عجب کشمکش میں ہوں مغلوں کا یہ حال ہے کہ ایک دم چین نہیں لینے دیتے جدھر دیکھو لوٹ مار سارے ملک میں زلزلہ ڈال دیا ہے اور تمامی امرا میں ایسا نفاق ڈالا ہے کہ ایک کے خون کا ایک پیاسا ہے میرے لئے ہر روز ایک تازہ بلا موجود ہے ؎

ہر بلائے کز آسماں آید — خانۂ انوری کجا باشد

سب نے مجھے نکّو بنا دیا ہے اور اس پر بھی صبر نہ آیا یہاں تک میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں کہ

میرے بال بچوں کو ادھونی سے آتے ہوئے قلعۂ رائچور میں بلا وجہ آقا خسرو نے قید کر دیا اور سدّی نصرت الملک کو قتل کر ڈالا - اب میری تذلیل میں کیا باقی رہا ہے بس میرے لئے مر جانے کی جگہ ہے اب ایسے نازک وقت میں بجز ذات والا کے میرے سر پر ہاتھ دھرنے والا کون ہے آپ کوئی تدبیر فرمائیں اور کسی اپنے معتمد خاص کو بھیج کر میرے اہل و عیال کو اس قید سے نجات دلا دیں تو خانہ زاد مدت العمر رہین منت رہے گا اور آپ کے حق میں لبقیۃ العمر دست بدعا رہ کر بہ اطمینان خاطر خدمت گزاری میں مصروف رہے گا - بادشاہ بی بی مسعود خاں کے مصائب کی داستان سن کر بہت متاثر ہوئی اور فوراً اپنی ایک نہایت معتبر اور سمجھ دار دایہ طاؤس ماما کو جو سب سے زیادہ عقل مند اور معاملہ فہم تھی ایک خط قلعہ دار رائچور کو دے کر بھیجا اور مردوں میں سے افضل خاں کے داماد سید عالم - سدّی یاقوت سرپردہ دار اور سید عیدروس کو اس کے ساتھ کر دیا اور ماما کو خوب سمجھا دیا کہ جس طرح بھی ہو سکے تو یہ کام کر اور اگر دیکھے کہ کسی طرح قلعہ دار راہ راست پر نہیں آتا تو بدرجہ آخر ہم اس پر بھی راضی ہیں کہ رائچور کا ملک سوائے رائچور خاص - لنگسگور[۱] - الپور[۲] (عالم پور) کے باقی سب اس کے سپرد کر دیا جائے مگر کسی نہ کسی طرح مسعود خاں کے اہل و عیال کو قید سے چھوڑانا ضرور ہے - علاوہ اس کے بادشاہ بی بی نے اُن حکام کو جو قرب و جوار میں تھے اور نیز شرزہ خاں اور سرفراز خاں کرنولی کو بھی خطوط لکھ دئے اور ایک خط قطب شاہ کو بھی لکھ دیا - ماما طاؤس رائچور پونچی اور اس کے پیچھے ہی شرزہ خاں کی طرف سے ملیٹھے شاہ اور قطب شاہ کی جانب سے انند راؤ اور سرفراز خاں دھرماجی پنڈت سرینواس راؤ بھی جا پونچے - غرض بہ ہزار مشکل اونچ نیچ سمجھا بجھا کر ان لوگوں نے مسعود خاں کے بال بچوں کو قید سے چھوڑوا کر بیجاپور روانہ کر دیا - طاؤس ماما خوشی خوشی آکر مراری باغ میں اُتری دوسرے دن مسعود خاں جلوس کے ساتھ اپنے بال بچوں کو قلعہ میں لایا - جب جان میں جان آئی -

---

[۱] - رائچور سے (۵۵) میل مستقر ڈویزن و تحصیل ہے -

[۲] - رائچور سے تیس کوس اسی ضلع کی ایک تحصیل ہے جس کا نام الپور تھا لیکن اب عالم پور ہو گیا ہے - یہ مقام کرنول سے نو میل ہے اور دریائے تنگ بھدرا پر واقع ہے - ۱۲

مسعود خاں کی سیواجی سے ساخت باخت اور مغلوں سے پھر لگاڑ

سیواجی کی لوٹ مار کی شورش روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی ساری خلقت اُس کے مظالم سے تنگ تھی مسعود خاں کی مشکلات کا حال ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں جن کے سبب سے مسعود خاں کا ناک میں دم تھا - جب مسعود خاں نے دیکھا کہ اب کچھ کرنے دھرتے بن نہیں پڑتی تو مجبوراً مغلوں کی طرف سے رخ موڑا اور سیواجی سے میل ملاپ کی فکریں کرنے لگا - دلیر خاں کو بھی اس بات کی خبر لگ گئی اُس نے بہت کچھ تتّو تھنبو کی اور سیواجی سے ملنے کی سخت مخالفت کی کہ دیکھو خبردار اس کا انجام بہت ہی بُرا ہوگا لیکن مسعود خاں نے ایک نہ سنی اور سیواجی کو لکھ بھیجا کہ ہم تم ایک ہی ملک کے ہیں مغلوں نے ناحق دست درازی کی ہے تم کو چاہیئے کہ میرا ساتھ دو اور میری مدد کرو اور جس طرح بن پڑے اِن آفاقیوں کو نکال باہر کرو - سیواجی کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور دونوں میں قسما قسمی ہوئی لیکن ساتھ ہی اِس کے دلیر خاں بگڑ بیٹھا جو اُب تک مصالحت باہمی کی بنا پر الگ تھلگ بیٹھا تھا اب جو دیکھا کہ مسعود خاں ہی کی طرف سے عہد شکنی ہوئی ہے تو وہ بھی بیجاپور پر ہاتھ ڈالنے کے لئے طیار ہو گیا بیجاپور کے لوگوں کا ناک میں دم تھا طلب تنخواہ نادارد اور اُس پر آئے دن کے مظالم ایک ایک کر کے سب دلیر خاں سے جا ملے - سنبھاجی کے اور اُس کے باپ سیواجی کے سخت مخالفت ہو گئی تھی سنبھاجی شرح نویس کی لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا جس سے سیواجی بہت ناراض تھا اور یہاں تک برافروختہ ہو گیا تھا کہ کسی طور سے یا تو اُسے قید کر لے یا مار ڈالے - وہ باپ کے ڈر سے بھاگ کر دلیر خاں سے مل جانے کو طیار ہوا - سیواجی کو خبر لگی اُس نے سنبھاجی کو پکڑ لانے کے لئے ایک لشکر دوڑایا اُدھر مسعود خاں نے جب سنا کہ سنبھاجی آ رہا ہے تو بہت خوش ہوا اور سنبھاجی کے لانے کے لئے اخلاص خاں کو تین چار ہزار سوار دے کر روانہ کیا - اخلاص خاں راستے میں سنبھاجی سے جا ملا اُس کے ساتھ صرف تین سو سوار تھے اخلاص خاں کا لشکر دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی سیواجی کا لشکر ناکامیاب واپس گیا - دلیر خاں سنبھاجی کی پیشوائی کو گیا اور بڑی آؤ بھگت سے اُسے لایا اور عالم گیر پادشاہ نے اُسے ایک ہاتھی تین گھوڑے اور خلعت شمشیر و کٹار و نقارہ اور فرمان منصب ہفت ہزاری سے سرفراز فرمایا -

بغرض امداد سیواجی کے لشکر کا بیجاپور پر آنا اور مسعود خاں سے بگڑ کر واپس چلا جانا

مسعود خاں بالکل تنہا تھا۔ شرزہ خاں کی مخالفت سے اور بھی بے بس تھا۔ اب دیکھا کہ مغلوں کے لشکر میں ٹوٹ کر سب لوگ مل گئے تو ناچار سیواجی سے خواہاں امداد ہوا اُس نے بیجاپور کی حفاظت کے لئے چھ سات ہزار سوار فوراً بھیج دیئے۔ مسعود خاں نے ان لوگوں کو موضع اٹھنگی میں اُترنے کا حکم دیا لیکن وہ لوگ شہر کے قریب خاناپور اور خسرپور میں خیمہ زن ہوئے اور کہلا بھیجا کہ ہم کو قلعہ کا ایک دروازہ اور ایک برج دے دو کہ ہم وہاں جاکر بہ اطمینان خاطر ٹھیر جائیں لیکن مسعود خاں ان کا اس قدر قریب آنا پسند نہ کرتا تھا اُدھر وہ لوگ مسعود خاں کی بدظنی سے کشیدہ تھے الغرض اور آگے بڑھ کر قلعے کے قریب زہرہ پور میں آن کر ٹک گئے اور قلعہ کے اندر آنے کا اصرار کرنے لگے کہ بار بار ہم کو پادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اور دروازوں پر آپ کے دربان مانع و مزاحم ہوتے ہیں ہم کو اِس قلعہ کے اندر کوئی جگہہ بتلاؤ۔ جب دیکھا کہ کسی طرح دال نہیں گلتی تو ایک دن سیواجی کے لشکریوں نے ایک ٹانڈے کی صورت بناکر غلہ فروخت کرنے کے بہانے سے اندر گھسنا چاہا مگر دروازے پر جب اُن کی گونیاں کھولی گئیں تو اُن میں ہتیار پوشیدہ نکلے اور راز کھل گیا وہیں سے سب باہر نکالے گئے اب تو سیواجی کے لشکر سے اور مسعود خاں سے کھلی مخالفت ہوگئی کہ ہم کو خود ہی تو مدد کو بلایا اور اب قلعہ میں گھسنے نہیں دیتا تو کیا ہم باہر پڑے پڑے مفت میں اپنی جان دیں اگر مغلوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم کدھر کے رہے۔ ناچار ان لوگوں نے دولت پور خسرو پور اور زہرہ پور کو لوٹ ڈالا اور شیخ احمد کے روضے تک پہنچ کر علی رضا خواص خانی کو مار ڈالا اور یاقوت حیرت خانی کو زخمی کیا اور بڑھتے بڑھتے ابراہیم روضہ تک آن پہنچے جو قلعہ سے ملا ہوا ہے۔ قلعہ سے بھی توپیں چل رہی تھیں ایک گولہ سیواجی کے سر لشکر پر گرا جس کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ جب سردار ہی نہ رہا تو لشکر کس کا سیواجی کا لشکر جیسا آیا تھا لوٹ مار کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

مسعود خاں کا پھر مغلوں سے مل جانا اور شرزہ خاں سے بگاڑ

مسعود خاں بالکل موم کی ناک تھا کبھی سیواجی کا دم بھرنے لگتا تھا کبھی دلیر خاں سے مل جاتا تھا

اس کی دورخی چال نے سلطنت عادل شاہیہ کو سخت نقصان پونہچایا۔ اب سیواجی سے کھٹک گئی تو پھر دلیر خاں کی طرف جھکا اور اُسی گلبرگہ کے صلحنامہ کی شرائط کی تجدید کی۔ دلیر خاں کی طرف سے تین چار سردار جو شرائط صلح مستحکم کرنے گئے تھے اُن کی پیشوائی کرکے مسعود خاں قلعہ میں لے گیا اور ایک ہفتہ تک ٹھیرایا۔ بادشاہ کے حضور میں بھی باریاب کرکے خلعت وغیرہ دے کر رخصت کیا اور ونکٹا اور چند دوسرے امرار کو مع لشکر ساتھ دیا تاکہ غنیم کی مدافعت کریں۔ یہ لوگ موضع تکوٹہ میں جا کر ٹھیرے وہاں خبر ملی کہ سیواجی سات آٹھ ہزار سوار لئے ہوئے سانگولہ میں اس ارادے سے پڑا ہوا ہی کہ مغل ہوں یا بیجاپوری جس کسی کا لشکر چلے آئے اُسی پر شب خون ماروں مسعود خاں نے شرزہ خاں کو عجالۃً طلب کیا کہ اپنی فوج لے کر ہماری مدد کو جلد پونہچو۔ شرزہ خاں شرزہ برج پر ٹھیرا ہوا تھا صاف جواب دے دیا کہ پندرہ ہزار ہن دینے کا وعدہ کرکے صرف چار ہزار دے کر ٹال گئے سپاہ کے پاس دمڑی خرچ کو نہیں دلیر خاں سے بھی لشکر کے نام سے رقم لے کر کھا گئے ایسی حالت میں میں کیسے آسکتا ہوں کچھ روپیہ بھیجو تو پہلے لشکر میں تقسیم کردوں جب قدم آگے بڑھاؤں۔ مسعود خاں نے کہلا بھیجا کہ سبحان اللہ کیا اچھا موقع آپ نے عذرات کا نکالا ہی میں نے جو کچھ کہا تھا سو کر بھی دیا جاگیرات اور محلات آپ کو دے چکا یہ عذرات آپ کے محض ٹالنے کے ہیں پھر شرزہ خاں نے کہا کہ تم تو ایمان نگلتے ہو اور میں خاموش بیٹھا تمہاری چال بازیاں خوب دیکھ رہا ہوں۔ پہلے تو قلعہ یادگیر مجھے دینے کا وعدہ کیا پھر پلٹ گئے اور میرے آدمیوں کو بہکا کر مجھ سے توڑ لیا ولاور خاں جھنڈے والے کو جو میرا آدمی تھا نوکر رکھ لیا خیر مضائقہ نہیں آیندہ دیکھا جائے گا۔ غرض شرزہ خاں کو نہ جانا تھا نہ گیا۔ ایک معاملہ ناچاقی کا اور پیش آیا کہ عبداللہ خاں قلعہ دار ویلور سے اور سیواجی سے بڑی جنگ رہی۔ سیواجی سات آٹھ مہینے تک قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا رہا آخرکار عبداللہ خاں سیواجی سے مل گیا اور پچاس ہزار ہن لے کر قلعہ اُس کے حوالے کردیا اور خود بیجاپور آکر زہرہ پور میں ٹھیر گیا۔ جن دنوں سیواجی کا لشکر بیجاپور کے باہر پڑا ہوا لوٹ مار کر رہا تھا مسعود خاں نے عبداللہ خاں کو قلعہ کے اندر بلا لیا تھا اور لعن طعن کر رہا تھا کہ تو نے پچاس ہزار ہن لے کر قلعہ سیواجی کو دے دیا بہتر یہ ہی کہ وہ رقم داخل کرو ورنہ تیری خیر نہیں۔ عبداللہ خاں

نے جب دیکھا کہ اب کسی طرح جان نہیں بچتی تو ہزار ہن شرزہ خاں کو دے جھٹ اُس کی پناہ میں چلا گیا اور باوجودیکہ مسعود خاں شرزہ خاں سے کہتا رہا کہ یہ پناہ دہی اچھی نہیں مگر شرزہ خاں نے کچھ پروا نہ کی اس بات پر اور زیادہ بگاڑ ہو گیا۔

سیواجی کے قلعۂ بھوپال گڑھ کو دلیر خاں کا مسمار کر ڈالنا

سیواجی نے ماجرا ندی کے کنارے پہاڑوں میں ایک نہایت مستحکم قلعہ بنا لیا تھا جس کا نام "بھوپال گڑھ" رکھا تھا اور اب جب کہ سیواجی کو مغلوں سے مقابلہ کرنا تھا تو ہر طرح قلعہ کی مضبوطی کر لی۔ رسد بھی خوب بھر لی اور فوج بھی بھرتی کی۔ دلیر خاں نے جو سیواجی کی طیاری کا حال سنا تو فوراً قلعہ پر دھاوا کیا اور بڑی بھاری لڑائی صبح سے دوپہر تک ہونے کے بعد آخر قلعہ کو فتح کر لیا اور سارا مال و متاع اپنے قبضہ میں کر کے سیواجی کے ساتھ سات سو آدمیوں کو قید کر لیا اور سب کا ایک ایک ہاتھ کٹوا کر ناکارہ کر دیا۔ سیواجی نہ تھا ورنہ اس آسانی سے قلعہ کبھی فتح نہ ہوتا اس نے سولہ ہزار سوار قلعہ کی حفاظت کے لئے بھیجے تھے ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ یہاں یہ معاملہ پیش آیا سیواجی کے سواروں نے چوطرف سے مغلوں کے لشکر کو گھیر لیا۔ اُن کو خبر ملی کہ ایرج خاں اور باجی راؤ قلعہ پرینڈہ سے مغلوں کے لئے رسد لئے چلے آرہے ہیں سیواجی کے لشکر نے ان کو روک لیا۔ دلیر خاں نے اخلاص خاں کو پندرہ سو سوار دے کر ایرج خاں کی مدد کو روانہ کیا اور قلعہ سے چھ کوس کے فاصلے پر دونوں کی مٹ بھیڑ ہوئی اور ایک ہزار آدمی سیواجی کے مارے گئے۔ دلیر خاں نے سرفراز خاں اور لطیف خاں کو اور لشکر دے کر مدد کو بھیجا آخرکار سیواجی کے لشکر کو شکست ہوئی اور بھاگنا پڑا۔ دلیر خاں نے کوس دو کوس تعاقب کیا پھر پلٹ کر بھوپال گڑھ آیا اور قلعہ کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا۔

دلیر خاں کا مسعود خاں کو دھمکی دینا

دلیر خاں نے مسعود خاں کو کہلا بھیجا کہ تم بڑے دوغلے آدمی ہو تمہارے قول فعل کا اعتبار نہیں ہے در اصل تمہارا منشا سیواجی کی طرف داری کا ہے اور ناحق ہم کو جُل دے رکھا ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ تم نے آج تک اپنی ایک شرط پوری نہ کی۔ اس پیغام کے دو تین دن بعد دلیر خاں خود بڑھا اور بیجاپور سے دس کوس ادھر موضع ہلسنگی میں قیام کیا۔ مسعود خاں دلیر خاں کے اچانک آجانے پر گھبرایا اور کہلا بھیجا کہ میں ہرگز اپنے قول قرار سے نہیں پلٹا ان شاء اللہ عن قریب اُن شرائط کو پورا کرتا ہوں

اور بادشاہ بی بی کو رخصت کرتا ہوں اور اپنے بیٹے کے ساتھ فوج بھی امداد کو بھیجتا ہوں جو
تعویق ہوئی وہ محض شرزہ خاں کی سرکشی سے ہوئی - اب ایسا ہرگز نہ ہوگا آپ بھونرہ ندی کے
اس طرف اپنا لشکر نہ لائیں کہ ملک تباہ ہوتا ہے - دلیر خاں فوراً واپس چلا گیا اور بھونرہ ندی کے
اُس طرف موضع ٹاکلی میں جا ٹھہرا -

دلیر خاں کا مسعود خاں اور شرزہ خاں کا بیچ بچاؤ کرنے کے بہانے سے بیجاپور کے لشکریوں اور امراء کو توڑ کر اپنی طرف کر لینا

مسعود خاں اور شرزہ خاں کی عداوت روز بروز
بڑھتی چلی جاتی تھی - شرزہ خاں تو اب کھلے
خزانے لڑنے مرنے پر طیار ہو گیا تھا اور بہلول پورہ
اور مہدی واڑے کے بازار میں ہر روز اپنی جمعیت
لئے کر طیار بیٹھا رہتا تھا - مسعود خاں میں خود کچھ دم نہ تھا دلیر خاں سے امداد چاہی - دلیر خاں
ایسے ہی موقع کا متلاشی تھا کہ اندرونی معاملات میں دخل دہی کا بہانہ ہاتھ آئے جھٹ
دو تین ہزار سوار شرزہ خاں کے مقابلے کے لئے بھیج دئے جو رنگریزوں کے حوض پر آکر ٹکے
اور ادھر ونکٹا دری لشکر لئے کر مکہ دروازے سے باہر نکل کر ابراہیم روضہ کے پاس جا پڑا اور
قلعہ کی توپوں کا رخ شرزہ خاں کی حویلی کی طرف کر دیا اور عام حکم دے دیا کہ لوٹ لو آج لوٹ
معاف ہے - شرزہ خاں خود اپنا لشکر لئے ہوئے شرزہ پور میں بیٹھا ہوا تھا لشکریوں نے شرزہ خاں
کے گھر پر یورش کر دی اور اُس کے ہمراہیوں میں سے جو ملا اُس کی ناک کاٹ لی اور خوب لوٹا
ونکٹا دری اور مغل دونوں منتظر تھے کہ شرزہ خاں سامنے آئے تو ہم دونوں اُسے گھیر لیں
لیکن ابھی اس کا موقع نہیں آیا - شرزہ خاں نے جب دیکھا کہ دلیر خاں اور ونکٹا دری دونوں کا
وار مجھ پر ہی تو دلیر خاں سے خواہش کی کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں آپ ہی میرے اور مسعود خاں
کے قضیہ کو چکا دیجئے - دلیر خاں کے وکیل عاشق محمد نے کہا کہ تم کو اگر دلیر خاں سے ملنا ہی ہے
تو بسم اللہ پہلے اپنے حرم اور لڑکوں کو ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم کو اطمینان ہو اور پھر شوق سے چلو
شرزہ خاں دلیر خاں کے قریب میں آ گیا اور آدھی رات کو اپنے حرم اور لڑکوں کو مغلوں کے
سپرد کر دیا - مسعود خاں کو اب مصالحت کے لئے جانا ہی پڑا اور مغلوں کے لشکر کے ساتھ
دھولگیر کو گیا - شرزہ خاں کے آنے کی خبر سن کر دلیر خاں خود پیشوائی کے لئے جا کر اُسے بھونرہ

ڈری کے اس طرف بڑے اعزاز و اکرام سے اپنے لشکر میں لایا۔ شرزہ خاں کے آتے ہی دلیر خاں نے اُس کے حرم اور لڑکوں کو مالاپور بھیج دیا اس بات سے شرزہ خاں کھٹکا کہ دال میں کچھ کالا ہے مگر اب کر کیا سکتا تھا۔ دلیر خاں سے کہلا بھیجا کہ میں تو آپ کے پاس محض اس غرض سے حاضر ہوا کہ آپ مسعود خاں سے میری صفائی کرا دیں گے اور آپ کی طمانیت کے لئے میں نے اپنے لڑکوں کو بھی بھیج دیا ایسی حالت میں آپ کو کسی قسم کا شر و فساد کرنا لازم نہیں ہے اور اگر آپ کا ارادہ کچھ اور ہے تو جھگڑے لڑائی سے کچھ فائدہ نہیں میں خود بیجاپور سے مکہ شریف چلا جاتا ہوں نہ میں رہوں گا نہ یہ جھگڑے بکھیڑے ہوں گے دلیر خاں کو جب شرزہ خاں کی ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو خود شرزہ خاں کے خیمہ میں چلا گیا اور چکنی چپڑی باتیں کر کے اُسے شیشہ میں اُتار لیا اور سید احمد عرف غالب خاں پسر شرزہ خاں کو شش ہزاری منصب دیا اور چند دن کے بعد شرزہ خاں کے حرم کو حسب الحکم شہزادۂ معظم کے اورنگ آباد بھجوا دیا۔ مسعود خاں کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دلیر خاں شرزہ خاں کی طرف ہو جائے تو میں کہیں کا بھی نہ رہوں گا۔ دلیر خاں کے خوش کرنے کو مسعود خاں نے چھ ہزار سوار درویش خاں اپنے لڑکے اور ونکٹا دری کے ساتھ دلیر خاں کے پاس دھولگیر میں بھیج دئے۔ دلیر خاں جیسا چال باز تھا اُس کی کرتوتوں سے ظاہر ہے دکھنی بھولے تھے جو اُس کی ہر بات کا یقین کر لیتے تھے۔ بیجاپور کا اتنا بڑا لشکر جب دلیر خاں کے پاس پونچ گیا تو اُس کے دیدے ہی بدل گئے۔ جب اُس نے دیکھا کہ بہت سے امرائے بیجاپور بھی میرے پاس آ گئے اور بیجاپور خالی رہ گیا تو اب اس سے بہتر اور کون سا موقع قلعہ پر قبضہ کرنے کا ہاتھ آئے گا اور دل ہی دل میں منصوبے گانٹھنے لگا۔ ابھی یہہ بات پختہ نہیں ہونے پائی تھی کہ دکھنیوں کو بھی بھنبنی مل گئی۔ ایک دن شرزہ خاں مع اپنے چند ہمراہیوں کے بغرض شکار باہر نکلا تھا کہ دلیر خاں نے اُس کے پیچھے اپنا بھی ایک گارڈ لگا دیا۔ شرزہ خاں کو اتنی تاب کہاں تھی شکار چھوڑ راستے ہی سے پلٹا جنگ کا نقارہ بجا دیا اور آمادۂ جنگ ہو گیا اور دلیر خاں سے کہلا بھیجا کہ آپ کو یہ کیا سوجھی تھی کہ میرے پیچھے اپنی چوکی لگا دی میں کیا چور چکار تھا یا بھاگ جاتا تھا ایسی بزدلی کے حرکات سے

کیا فائدہ اگر دل میں کچھ شوق ہے تو بسم اللہ اپنا تمام لشکر مغلوں اور دکھنیوں کا لے کر مردوں کی طرح میدان میں آئیے تاکہ ہماری آپ کی تلوار کے جوہر کھل جائیں اور آپ کے دل میں بھی کوئی ارمان نہ رہ جائے اور میں بھی آپ کو بتلادوں لڑنا کس کو کہتے ہیں اور بہادر کیسے ہوتے ہیں۔ دلیر خاں جب کبھی اپنی بات گرتی دیکھتا تھا فوراً نرم پڑ جاتا تھا شرزہ خاں کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر فوراً عذر معذرت کرنے لگا کہ میرا منشا یہ نہ تھا اور وہ نہ تھا ہم آپ تو ایک ہی ہیں اور سمجھ گیا کہ دکھنی اُس کی گہری چال سے باخبر ہو گئے ہیں اب موقع بے ڈھب ہے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

فوراً اپنی پالیسی کو نرم کر دیا اور خوشامد درآمد کرنے لگا۔ شرزہ خاں جب کبھی دلیر خاں کے پاس جاتا تو وہ بچھ جاتا اور اس قدر خاطر مدارات کرتا کہ شرزہ خاں کو لب کشائی کا موقع نہ دیتا اس طرح مسعود خاں کے مدارالمہام ونکٹادری کو روغن قاز مل کر اپنا گرویدہ کر لیا تھا جب کبھی خرچ کی تنگی سنتا تھا داد دہش میں دریغ نہ کرتا تھا قریب ایک لاکھ روپیہ کے تو اب تک دے چکا تھا اور یوں روزانہ ہزار روپیہ ونکٹادری کو دیا کرتا تھا سوا الگ ع

زر بر سر فولاد نہی نرم شود

روزانہ امرائے بیجاپور کی دعوتیں کرتا رہتا تھا۔ ہنود کے پاس فواکہ اور جنس بھیجتا رہتا تھا ونکٹادری کو تو ایسا گانٹھا کہ اپنا غلام بنالیا۔ اُس کے بیٹے کو پرگنہ بالاپور جاگیر دے دی۔ شرزہ خاں کی ایسی آؤبھگت تھی کہ جب وہ آتا دلیر خاں اپنی مسند چھوڑ کر اُس کے سامنے مؤدب بیٹھ جاتا اور کبھی بلا کھانے کھلائے کے جانے نہ دیتا اور دوسرے امراء کو تلواریں اور کٹاریاں اور مناصب دیتا اور نقدی امداد بھی دیتا۔ شرزہ خاں کو بھی ہزار روپیہ یومیہ کے علاوہ بہت کچھ دیتا رہتا تھا اور اس طرح سارے دکھنی دلیر خاں کے حسن سلوک سے رام ہو گئے تھے جو لوگ بیجاپور کی لوٹ مار سے گھبرا کر نکل کھڑے ہوتے تھے دلیر خاں کے پاس آکر امن میں آجاتے تھے اس طرح رفتہ رفتہ دلیر خاں نے سب کو سمیٹ لیا اور سب سے ایسا گھل مل گیا کہ جب دیکھو دلیر خاں کو بیجاپور کے لوگ صبح سے شام تک گھیرے رہتے تھے۔ بیجاپور میں

صرف حیرت خاں رہ گیا تھا اُسے بھی روزانہ مصارف کے لئے پرگنۂ بارسی[۱] پہلے ہی دے دیا تھا اور پنج ہزاری منصب دلانے کا وعدہ الگ تھا وہ بھی دلیر خاں کے دامن سے لگا ہوا تھا۔ اس طرح بیجاپور کے لوگوں میں سے دکھنی اور افغان اور مرہٹہ سب ملا کر دس ہزار لوگ دلیر خاں کے ہاں ملازم ہو گئے اور جو تین چار ہزار بھکڑ مسعود خاں کے پاس بیجاپور میں رہ گئے تھے اُن کا یہ حال تھا کہ مغلوں کی فوج میں بھرتی ہونے کے مزے سن سن کر روزانہ گھستے چلے آتے تھے معدودے چند جو ابھی نہیں آ سکے تھے وہ در پردہ دلیر خاں سے ملے ہوئے تھے اور قول قرار کر چکے تھے غرض اس طرح دلیر خاں نے بیجاپور کے سارے لوگوں کے دل اپنی مٹھی میں لے رکھے تھے اور وہاں صرف خالی میدان رہ گیا تھا۔

پادشاہ بی بی کی دہلی کی روانگی اور شاہزادۂ محمد اعظم سے ۱۰۹۰ھ میں نکاح

عادل شاہ سے جو وعدے اور شرائط ہوئی تھیں اُن کی تعمیل میں برسوں لگ گئے عالمگیر نے دلیر خاں پر پابندئ عہود کے لئے سختی کی۔ دلیر خاں پادشاہ بی بی کی شادی کے متعلق ونکٹا دری کو دباتا تھا آخر کار ونکٹا دری تقاضوں سے بے زار ہو گیا اور بیجاپور کو روانہ ہوا۔ دلیر خاں نے ملک زیرک خواجہ سرا اور ماما۔ اصیلوں اُڑدا بیگنیوں کا ایک جمِ غفیر اُس کے ساتھ کر دیا۔ ونکٹا دری نے مسعود خاں سے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہو رہا کیوں لگا رکھی ہے مسعود خاں خود دو مرتبہ بات پکی کر چکا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ بات اُس کے بس کی نہ تھی۔ پادشاہ بی بی کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی وہ خود عاقلہ بالغہ تھی اور بڑی صاحبِ عقل و ہوش امورات ملکی سے بخوبی واقف تھی سارے محل کے لوگ اُس کے تابع فرمان تھے مسعود خاں نے دبی زبان سے بہت کچھ کہا مگر پادشاہ بی بی کی کسی طرح مرضی نہ تھی۔ مسعود خاں نے اُن ماماؤں اور دایہ کو جو مقربان شاہزادی تھیں اور ماماطاؤس کو جو سب محلات کی عورتوں کی سرغنہ اور شاہزادی کی خاص دایہ تھی اور چند بیگمات تجربہ کار اور معاملہ فہم کو بیچ میں ڈالا اور نشیب و فراز سمجھایا کہ جو زبان سے نکل گیا ہے اور دو پادشاہوں میں طے پا چکا ہے بھلا کہیں وہ بات پلٹ سکتی ہے اس میں بڑا تجربہ ہو گا آپ کے بھائی کی سلطنت چھن جائے گی لوگ تباہ ہو جائیں گے۔ بے چاری شاہزادی نے جب دیکھا کہ میرے

[۱] ضلع شولاپور کا ایک تعلقہ ہے جو بارسی لیٹ ریلوے کا مشہور تجارت گاہ ہے۔ ۱۲

سبب سے خواہ مخواہ کشت وخوں ہوگا - اور بھائی کی عزت اور ملک دونوں معرض خطر میں ہیں تو اوس نے بڑا ایثار نفس کیا اور بادل ناخواستہ ایفائے وعدے پر اپنی رضامندی کا اظہار کردیا جوں جوں دیر ہوتی جاتی تھی دلیر خاں بھڑکتا جاتا تھا - مسعود خاں نے اس بہانے سے روانگی کے لئے خرچ درکار ہے بہت سا روپیہ بھی اینٹھ لیا - بالآخر بمشکل تمام ۱۲ جمادی الثانی سنہ ۱۰۹۰ھ کو پادشاہ بی بی محل سے برآمد ہوکر مکہ دروازے کے باہر مقیم ہوئیں اور ماما ئیں اصیلیں خواجہ سرا وغیرہ سب کو ساتھ لے کر ۵ تاریخ بہ ہمراہی ونکٹادری روانہ ہوکر ۲۰ کو دھول کھیڑ میں پونہچیں - دلیر خاں استقبال کو آیا اور بڑی دھوم دھام سے سواری کو لے گیا - ۲۲ کو بھیمورہ ندی پار ہوکر لشکر کے قیام گاہ پرٹاکلی پونہچے - دلیر خاں نے ہزار روپیہ پیش کش اور نذر گزرانی پھر باقی امراء نے نذریں پیش کیں اور بڑی بھاری شاہانہ دعوت ہوئی - نودن تک اسی طرح جشن شاہانہ رہا اور ۴ رجب کو دہلی کی طرف روانہ کیا - تمام قلعہ داروں ضلع داروں اور فوج داروں کے نام احکام جاری کئے کہ جن جن کی حدود میں سے پالکی مبارک کا گزر ہو شاہانہ استقبال کر کے نذریں پیش کریں اور ضیافت کا پورا اہتمام کر کے اپنی سرحد تک پابہ رکاب رہیں - جب سواری شاہ گڑھ کو پونہچی تو شاہزادہ سلطان معظم اورنگ آباد سے پیشوائی کے لئے آیا اور سات روز وہاں ٹھیر کر جشن شاہی کیا اور اسی طرح منزل بہ منزل ٹھہرتے ہوئے تین مہینے میں دہلی پونہچے - شاہزادہ محمد اعظم ابھی لتلیم پارہا تھا اور پادشاہ بھی مہمات میں مصروف تھا شادی میں چندے توقف ہوا تھوڑے ہی عرصے میں سب طیار کرلی گئی اور سامان جشن کا بہمہ جہت مہیا کر کے بڑی دھوم دہام سے شادی ہوگئی -

مسعود خاں اور دلیر خاں کے بگڑ جانا مسعود خاں کا ونکٹادری کو قید کرلینا دلیر خاں کی بیجاپور کے محاصرے کی طیاری

پادشاہ بی بی کا دلی پونہنچ جانا دلیر خاں کی ایک بڑی کارگزاری تھی اب دلیر خاں کو دوسری بات یہ سوجھی کہ ونکٹادری کو ملا کر کسی طرح مسعود خاں ادھونی واپس کیا جائے اور حکیم شمس الدین خاں کو تازمان بلوغ سلطان سکندر کے ریجنٹ مقرر کیا جائے اپنے اس ارادے میں کامیاب ہونے کے لئے تین ہزار سواران بندیلہ حکیم جی کی مدد کو دئے اور اخلاص خاں کو تین ہزار سوار دے کر

شہر بیجاپور میں بھیج کر بہلول خاں کی حویلی میں اتروا دیا اور دس بارہ ہزار کا لشکر جو خود جمع کر لیا تھا وہ سیواجی کے مقابلے کو طیار کیا۔ مسعود خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ونکٹادری اور حکیم جی دلیر خاں کے ہم زبان ہو گئے ہیں تو لوگوں نے مسعود خاں کو سمجھایا کہ تم ہرگز قلعہ نہ چھوڑنا اگر قلعہ چھوڑا تو یاد رکھو کہ سلطنت گئی۔ مسعود خاں نے ونکٹادری کو بلا بھیجا۔ ونکٹادری نے دلیر خاں سے یہ کہا کہ مجھے مسعود خاں نے بلا بھیجا ہے میں جاتا ہوں دو چار دن میں کسی نہ کسی طرح مسعود خاں کو قلعہ سے باہر لا کر حکیم جی کو ریجنٹ بنا دیتا ہوں اور اس حیلہ سے دلیر خاں سے بہت کچھ روپیہ اینٹھا۔ دلیر خاں دو چار دن تک ایفاے وعدہ کا منتظر رہا اور ہر طرح اپنی بخت وپز کر لی تھی مگر وہاں کچھ اور ہی گل کھلا مسعود خاں کی نیت میں پہلے ہی سے فساد تھا۔ ونکٹادری کے آتے ہی اس کو مع ہمراہیان چاکو پنڈت۔ ملھاری۔ بہلول خاں سر ہنواس راؤ وغیرہ کے قید کر لیا اور سید عبدالعزیز کو بھیج کر ان سب کا مال ومتاع بھی ضبط کر لیا اور اپنے لڑکے سید درویش کو جو دھول گڑھ میں تھا چپکے سے کہلا بھیجا وہ باپ کے حکم پر مع اپنے لشکر کے فوراً بیجاپور آن پونہچا۔ یہ سنتے ہی دلیر خاں ایک دم بیجاپور پر لشکر کشی کرنے کو مستعد ہو گیا اور بھنورہ ندی کے اتر کر دھول گڑھ میں آ پونہچا کہ بیجاپور سے مرزا برادر حکیم جی اور شیخ ایوب آئے اور مسعود خاں کی طرف سے دلیر خاں سے ونکٹادری کے قید کرنے کی عذر معذرت کرنے لگے۔ دلیر خاں نے کہا تم کو شرم نہیں آتی ہیں نے تم کو ونکٹادری کی حفاظت کو بھیجا تھا یا اس لئے کہ تم منہ دیکھتے رہو اور اُسے قید میں پھنسا دو لُتف ہے تم پر کہ تم میرے سامنے کس مُنہ سے آئے تم کو وہیں مر جانا تھا مسعود خاں اتنا بڑا کام کر تو بیٹھا مگر اپنی جگہہ کانپ رہا تھا چند لوگوں کو بیچ میں ڈال کر پھر دلیر خاں سے مل جانا چاہا اور حکیم جی کو واسطہ قرار دیا۔ حکیم جی نے کہا کہ تمھاری بات کا کیا بھروسہ پہلے بھی تم نے آثار شریف میں قسم کھائی اور پچیس ہزار ہن دینے کا پختہ وعدہ کیا اور پلٹ گئے مسعود خاں نے کہا میں نے کیا کیا جو کچھ کیا ونکٹادری نے کیا اور جیسا کیا اُس کی سزا بھی بھگت رہا ہے۔ الغرض حکیم جی کی بہت خوشامد کی اور وعدہ کیا کہ آپ ہی کل کاروبار کیجئے میں آپ کی تابعداری سے باہر نہیں اور آثار شریف میں جا کر دوبارہ قرآن شریف اُٹھا لیا حکیم جی نے بہت کچھ سعی وسفارش کی لیکن دلیر خاں نے ایک نہ سُنی کہ کئی بار دھوکا کھا چکا تھا

دلیر خاں کبھی کا بیجاپور کا محاصرہ کر لیتا لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ روپیہ ٹھر گیا لشکر کی تنخواہ بانٹنے کو پیسہ نہ تھا اور شاہزادہ معظم اس کی کاٹ پر تھا اُس نے قلعہ داران بیدر۔ پرینڈہ۔ شولاپور شہر سورت کو لکھ دیا تھا کہ دلیر خاں فضول خزانہ لٹا رہا ہے کام تو اُس نے کچھ بھی نہیں کیا آیندہ سے اُسے ایک حبہ نہ دیں اس مجبوری سے دلیر خاں آگے نہ بڑھ سکا ناچار شاہزادہ معظم کی خدمت میں معروضہ لکھا کہ اب خاطر خواہ کام بن گیا ہے اور پوری امید کامیابی کی ہے اس وقت اگر روپیہ کی امداد نہ ہو تو سارا کیا دھرا اکارت جائے گا۔ شاہزادے نے نہایت مجبوری سے ساٹھ ہزار اشرفیاں اور دو ہزار برقنداز امداد کو بھیج دیئے اور تاکید کر دی کہ جو کچھ کرنا دھرنا ہے اسی میں کر لو آیندہ کچھ نہ ملے گا۔

مسعود خاں کا قلعہ کو مستحکم کرنا اور سیواجی سے استمداد

دلیر خاں کو بر وقت روپیہ نہ ملنے سے بیجاپور کے محاصرے میں دیر لگی مسعود خاں کو اچھی خاصی مہلت مل گئی اُس نے قلعہ کی مرمت کرا کر ہر طرح ٹھیک کر لیا اور تورگل۔ ادھونی اور پام ناک کے قلعہ جات سے فوج طلب کر لی۔ سِدّو[1] (ایک مشہور امیر) کو سیواجی کے پاس بھیجا کہ دیر کیوں لگا رکھی ہے جلد پہنچو کہ اب موقع تاخیر کا نہیں ہے۔ سیواجی طیار ہی تھا اُس نے دس ہزار سوار بیجاپور کو بھیج دیئے اور دو ہزار لدّو بیل غلّے کے ولیاجی نیلکنٹھ کو دے کر بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ تم کچھ فکر نہ کرو میں خود آتا ہوں اور دلیر خاں کا سر کاٹ کر ہمیشہ کے لئے اس جھگڑے کو مٹا دوں گا۔ ولیاجی سیواجی کی طرف سے بادشاہ کے لئے تحفے تحائف اور مسعود خاں کے لئے خلعت بھی لایا اور عرض کی کہ پانچ ہزار سوار علینا پور اور پانچ ہزار بھوپال گڑھ پر پہنچ گئے ہیں اور منتظر حکم ہیں اور سیواجی خود بھی پیچھے سے آتا ہے۔ مسعود خاں نے بھی ولیاجی کو خلعت دیا اور مطمئن ہو کر طیاریاں کرنے لگا۔ حسن خاں روہیلہ جو عبدالکریم کا ملازم تھا یاقوت خاں اور حیرت خاں سب کو پھر بلا کر ہموار کر لیا اور اسدّی درویش کو صوبہ دار کر دیا۔ مسعود خاں کا ارادہ تھا کہ شرزہ خاں کی ٹکر کے لئے یاقوت خاں کو پیش پیش رکھوں۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اُدھر مغلوں کے سردار حیرت خاں اور میاں خاں دونوں منگل بیڑہ پر پہنچ کر سعید خاں سے

[1] یہ وہی راگو سدّو ہے جس کا کتبہ قلعۂ مدگل کے گگن محل پر ہے ۱۲

گھس گئے اور سعید خاں کو نکال باہر کیا۔ سعید خاں بے چارہ اکیلا اِن دونوں کا کیا مقابلہ کرسکتا تھا بھاگ کر بیجاپور آیا اور منگل بیڑے پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا اور اسی کے ساتھ مغلوں نے سالون گی اور کاسی گاؤں کو لوٹ ڈالا اور شرزہ خاں کے سوار املے پر چڑھ آئے۔ مسعود خاں نے سید شریف اور فرید خاں وغیرہ کو اس لوٹ مار کے فرو کرنے کو بھیجا اور سنبھاجی کھاٹکے کو بھی فوج دے کر دوسری طرف دوڑایا وہاں راستے میں سنبھاجی سے مقابلہ ہوپڑا دونوں طرف کے دس پندرہ ہزار آدمی مارے گئے۔ سبنھاجی تیر سے مجروح ہوا۔ انگلوج سے خبر ملی کہ وہاں بجاّجی چڑھ آیا ہے۔ بہادر خاں سانگولہ سے اُس کے مقابلے کو جھپٹا اور دونوں میں لڑائی ہوئی جس میں بجاّجی مارا گیا۔

بیجاپور پر دلیر خاں کی چڑھائی سیواجی کا عادل شاہیوں کی مدد کو پونچنا اور مغلوں کے مقبوضات میں لوٹ مار ۱۰۹۰ھ

۷ار شعبان ۱۰۹۰ھ پیر کے دن دلیر خاں خود شرزہ خاں کے خیمہ میں آیا اور بیجاپور پر چڑھائی کرنے کی مشورت کرنے لگا اُسی دن عالمگیر کی طرف سے شرزہ خاں کو خطاب رستم خانی اور خلعت بھی آیا۔ دلیر خاں ہولگیری میں بیٹھا ہوا گڑھی بنوا رہا تھا وہاں سے ۸ار شعبان کو کوچ کرکے ہنگی آیا اور بائیس دن وہاں رہ کر ایک گڑھی طیار کرائی۔ ۱۱ر رمضان کو برہمن پلی پونچا۔ ۱۲ر رمضان کو طلابہ پونچا یہاں بھی ایک وسیع گڑھی کی بنیاد ڈالی۔ ۱۶ر رمضان کو سید عالم اور یادگار علی دونوں بذریعہ اخلاص خاں کے حاضر ہوئے اور مسعود خاں کو ملالینے کا وعدہ کرکے بیجاپور گئے۔ ۵ر شوال کو سیواجی دس بارہ ہزار سوار لے کر سلگہ میں آن پونچا ۸ر شوال کو سیواجی کی فوج جو پہلے سے بیجاپور میں پڑی تھی سیواجی کی پیشوائی کو آئی۔ سیواجی نے خود پانچ ہزار سوار لے کر سلطان سکندر کی ملاقات کے لئے حاضر ہونے کی استجازت مسعود خاں سے کی۔ مسعود خاں نے صرف پانسو سواروں کے ساتھ آنے کی پروانگی دی لیکن موروجی پنڈت نے سیواجی کو قلعہ میں جانے سے منع کیا کہ جب ہم تمام عادل شاہی مملکت پر قابض ہیں تو ہم کو خواہ مخواہ قلعہ میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بھگوان جانے وہاں کیا معاملہ پیش آئے مسعود خاں کا کیا بھروسہ اگر وہ دغا کر بیٹھے تو کیا ہوگا۔ سیواجی اس

بات کو مان گیا اور مسعود خاں کو کہلا بھیجا کہ میں جب تک مغلوں کی مہم سر نہ کر لوں اور دلیر خاں کو نوک دم دہلی تک نہ بھگا دوں جب تک میرا حاضر ہونا بے سود ہے جب میرا مقصد حاصل ہو جائے گا تو بھگوان کی دیا سے سُرخ رو اور بامراد پادشاہ کے حضور میں حاضر ہوں گا۔

۱۰ شوال کو سیواجی نے اپنی فوج کے دو حصے کئے آٹھ نو ہزار خود لے کر موسلا اور اململے کی طرف گیا اور انند راؤ کو دس ہزار سوار دے کر سانگولہ کی طرف بھیجا اور مغلوں کے مقبوضات میں لوٹ مار کرنے لگا۔ دلیر خاں کو تو بیجاپور کی لو لگی ہوئی تھی سنی کی ان سنی کر دی کہ یہ تو ہر سال کا گھڑاگ ہے اگر ہم بیجاپور لے لیں تو پھر سیواجی کو ملک بدر کرنا کون سا مشکل کام ہے الغرض دلیر خاں بیجاپور کی سرحد سے نہ کھسکا۔ شاہزادۂ معظم ہمیشہ دلیر خاں کی کاٹ پر تھا اور بار بار اپنے باپ کو شکایت لکھتا تھا وہاں خان جہاں کوکلتاش جڑتا رہتا تھا لیکن ادھر سے ملک برخوردار اور حکیم شمس الدین برابر خبریں دیتے رہتے تھے کہ بیجاپور کا تمام کارخانہ ابتر ہے مسعود خاں لاشئے محض ہے اب کوئی دم میں بیجاپور لیا۔ لیکن جب عالمگیر کو خبر ملی کہ مسعود خاں نے ونکٹا دری کو قید کر لیا تو ایک دم بھڑک اٹھا اور سمجھ گیا کہ یہ سب ڈھونگ ہے اتنے میں مسعود خاں نے سیواجی کو بلوا لیا تب پھر شاہزادے نے عالمگیر کو لکھا کہ دلیر خاں سارا کام بگاڑ رہا ہے لکھو کھا روپیہ اُس نے خزانہ کا لٹا دیا اور رادھی کا فائدہ نہ ہوا چپہ بھر زمین فتح نہ کی۔ پادشاہ نے دلیر خاں کو بہت سختی سے لکھا اور ملک برخوردار اور حکیم جی کو حکم دیا کہ یہ دونوں فوراً ہمارے پاس حاضر ہوں یہ حکم آنا ہی تھا کہ دلیر خاں سے اور ان دونوں سے چل پڑی۔ دلیر خاں نے ملک برخوردار سے کہا کہ تو نے ہی مجھے جُل دیا اب تو تو صاف نکل گیا اور ساری بلا میرے سر ڈال دی ملک برخوردار نے کہا کہ چہ خوش نہ کریں آپ اور الزام مجھ پر۔ میں تو برابر کہے چلا جا رہا ہوں کہ مسعود خاں کے لئے ونکٹا دری اور بہت سے امرا کو آپ کے پاس لاتا ہوں آپ اُن کو قید کر لیں اور بیجاپور پر دھاوا بول دیں لیکن آپ کسی کی سنتے بھی ہیں آپ کی مت ہی اُلٹی ہے جب میرے کہے پر آپ نے عمل نہ کیا تو اب مجھ سے گلہ شکایت بے سود۔ پادشاہ کا حکم بھلا کب ٹل سکتا تھا ۱۱ رمضان کو حکیم جی دِلّی سدھارے ملک برخوردار حیلے حوالے کرنے لگا دلیر خاں نے اُسکو بھی پکڑ کر ۱ شوال کو بھجوا دیا۔ ۸ شوال کو خواجہ عبدالرزاق اور سید عالم مسعود خاں کی طرف سے

صلح کا پیغام لائے دلیر خاں نے کہا کہ پہلے مسعود خاں اپنے بیٹے کو ہمارے سپرد کرے اور ہمارا قرض ادا کرے اور سیواجی سے دوستی قطعاً توڑے جب بات سو بات سید عالم پھر مسعود خاں کے پاس گیا اور یہ سب معاملہ دہرایا۔ مسعود خاں کا دل نہ ٹھکا اور اُس نے اس بات کو وہیں دبا دیا جواب تک نہ دیا۔

دلیر خاں کا صلح سے نا اُمید ہو کر سلطنت بیجا پور کے مختلف مقامات کو لوٹنا اور تباہ کرنا۔

دلیر خاں جب انتظار کرتے کرتے تھک گیا اور اُدھر سے کوئی جواب نہ آیا تو سمجھ گیا کہ ہموں آتش در کاسہ یہ معاملہ راستی سے طے نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ جنگ کی طیاری شروع کی بڑی بڑی توپوں کو برہمن پلی میں چھوڑ کر ۲ شوال کو مکتا پور۔ ۲۲ کو جال گیری پونہچا۔ لیکن سیواجی کے خوف سے آگے نہ بڑھ سکا اور سنتا باجی جو نا یک واڑیوں کا سرکردہ تھا اور پہلے کئی قلعہ فتح کر چکا تھا اُس کے بھروسے پر یہ صلاح ٹھیری کہ مرج اور پنالہ کی طرف چلنا چاہیئے کہ سیواجی کو جب ہمارے اُدھر جانے کی خبر ملے گی تو لامحالہ بیجا پور چھوڑ کر اُدھر پلٹے گا۔ اور اسی ارادے سے جالگیری سے تکوٹہ گیا جو ایک بڑا آباد اور متمول قصبہ تھا۔ اِن بے چاروں کو دلیر خاں کے آنے کی کچھ خبر نہ تھی کہ اخلاص خاں ہراول لشکر پونہچا اور لوٹ مار شروع کر دی بہت سے ذی عزت ڈر کے مارے مع اپنے بال بچوں کے سرائے کے پاس ایک کنواں تھا۔ اُس میں گر کر جان دے دی۔ دلیر خاں نے اِس بستی کو ایسا تباہ کیا اور لوٹا کہ خدا کی پناہ آخر کار خواجہ عبد الرزاق نے اِن غریبوں کی حالت زار پر ترس کھا کر دلیر خاں سے سفارش کی اور پانسو آدمیوں کو چھوڑوا دیا۔ ۲۴ شوال کو ہولوار اور رٹیل سنگہ کو لوٹتے ہوئے اَتھنی پونہچے اور ۲۷ کو عینا پور آئے وہاں خبر ملی کہ سنبھاجی لشکر سے بھاگ کر بیجا پور جا چکا ہے یہ سنتے ہی بیجا پور کا راستہ لیا۔

سنبھاجی کا مغلوں کے لشکر سے بھاگ کر عادل شاہیوں سے جا ملنا

سنبھاجی یوں بھاگا کہ عالم گیر نے اُسے بلوایا تھا وہ ایک مرتبہ جا کر خوب مزہ چکھ چکا تھا اب کیا جاتا سیواجی آخر باپ تھا بیٹے کی پریشانی سن کر اُسے بلوایا سنبھا اپنی بیوی کو مردانہ لباس پہنا کر پانچ ہزار سوار سمیت اپنے باپ کے پاس سے

چل دیا ۲۴ شوال کو سیدھا بیجاپور پہنچا۔ مسعود خاں نے بہت خوشی سے سنبھاجی کو لیا۔ دلیرخاں
سنبھاجی کی آؤ بھگت سن کر سخت برہم ہوا اور فوراً خواجہ عبدالرزاق کو بھیجا کہ جاؤ مسعود خاں
سے کہو کہ یہ تم کیا کر رہے ہو الٹی اپنے پاؤں میں کلھاڑی مار رہے ہو ۵ ذی قعدہ کو عبدالرزاق
بیجاپور پہنچا۔ سنبھاجی نے جب عبدالرزاق کے آنے کی خبر سُنی تو سمجھ گیا کہ یہ جو آیا ہے تو پھر
کچھ گڑبڑ مچائے گا مصلحت اسی میں سمجھا کہ خود چل دے چنانچہ ۷ ذی قعدہ کو بلا اطلاع پنالہ
چلا گیا۔

دلیرخاں کی بیجاپور پر چڑھائی[1] اور شکست سنہ ۹۰ھ

دلیرخاں عینا پور سے پلٹ کر ساوٹگی۔ کالکھنڈ۔ ٹکی اوکھلی۔ ہنگولی وغیرہ دیہات کی زراعت اور باغات
تلف کرتا ہوا اور لوٹتا مارتا لوگوں کو قید کرتا ہوا ۱۸ ذی قعدہ کو علی آباد پہنچ کر خیمہ زن ہوا اور
وہاں سے توپ خانہ لے کر رسول پور اور مراری باغ پر آ کر گولہ باری کرنے لگا۔ ادھر قلعہ سے
بھی توپیں چلنے لگیں اور تمام دن گھمسان لڑائی رہی اور قلعہ کی بندوقوں کی باڑ سے بہت سے
لوگ مغلوں کے ضائع ہوئے اور اسی طرح روزانہ لڑائی ہوتی رہی دونوں طرف کے لوگ
مرنے لگے۔ ۱۷ ذی قعدہ کو مغل اور آگے بڑھ کر بیگم حوض کے پاس آ گئے۔ ۲۴ کو افضل خاں
کے محلات کے پاس روضہ باغ میں پہنچ کر افضل پور اور شاہ پور کو لوٹ لاٹ کر جلا دیا۔ ۲۹ کو
اللہ پور دروازے کے سامنے آ گئے اور بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں ہزاروں آدمی طرفین
کے مارے گئے لیکن فتح دکھنیوں ہی کی رہی ۹ ذی الحجہ کو پھر دلیرخاں ہٹ کر بیگم حوض پر آ گیا مگر
کوئی دن ایسا نہ تھا جو لڑائی نہ ہو اس زمانے میں بیجاپور میں خود فوج کی قلت تھی صرف
چند امراء اور پانچ ہزار فوج رہ گئی تھی وہ بھی بالکل تنگ حال۔ مسعود خاں کے ہزار سوار
خاصہ کے قلعہ کو سنبھالے ہوئے تھے۔ ادھونی سے جو دو ہزار کا لشکر آیا تھا وہ اور رام نایک
کی فوج برجوں اور خندق وغیرہ متفرق مقامات مثلہ دروازہ شاہ پور دروازہ ابراہیم پور
اور ابراہیم روضہ پر متعین تھی اور روز حسب حوصلہ مغلوں سے لڑ لیتے تھے سیواجی کے
طرف سے غلہ برابر چلا آتا تھا لیکن مغلوں کے لشکر میں رسد کا سخت توڑا تھا۔

---

[1] متعلقہ انڈی ضلع بیجاپور میں ہے۔ ہنگولی ضلع پربھنی میں حیدرآباد گوداوری ویلی ریلوے کا اسٹیشن ہے ۱۲۔

مسعود خاں کا صلح سے انکار کرنا

شاہزادہ معظم برابر دلیر خاں کو تاکید کرتا جاتا تھا کہ خدا کے واسطے بیجاپور چھوڑو اور اپنے ملک کی خبر لو کہ سیواجی نے تباہ کر دیا ہی لیکن دلیر خاں کے کان پر جوں نہ چلتی تھی وہ اسی فکر میں تھا کہ مسعود خاں سے صلح کر یوں تو ہٹوں اور مسعود خاں سیواجی کے بھروسے پر مگن تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ شاہزادہ معظم کے ہاں دلیر خاں کی کچھ وقعت باقی نہ رہی تھی پھر کیوں جھکتا۔

سیواجی کا بھونرہ ندی سے نربدا تک مغلوں کی سلطنت کو لوٹنا اور ہلکم مچا دینا عالم گیر کا دلیر خاں پر عتاب

سیواجی کا لشکر روز بروز بڑھتا جاتا تھا اب وہ پینتیس ہزار سوار لے کر سارے ملک میں پھیل گیا تھا سرحد بھنورہ سے نربدا تک لوٹ رہا تھا اور براڑ۔ خاندیس۔ ماہور۔ ایلکلانہ کو بھی لوٹ لاٹ کر خاک سیاہ کر دیا تھا اور کروڑ ہا روپیہ کی دولت سمیٹ لی تھی۔ عالم گیر کو سب خبریں پہنچتی رہتی تھیں اور شاہزادہ معظم نے الگ واویلا مچا رکھی تھی۔ خان جہاں نے عالم گیر کو باور کرا دیا تھا کہ دلیر خاں محض لوٹنے کی غرض سے بیجاپور پر اڑا ہوا ہی اور ناحق و ناروا لاکھوں روپیہ سرکاری خزانے کے اس نے اپنی ضدمیں برباد کر دیئے اور کسی کی سنتا نہیں۔ عالم گیر نے دلیر خاں کو لکھا کہ تو یہ کیا اُلٹی چال چل رہا ہی پہلے اپنے ملک میں امن قایم کرنا تھا جب بیجاپور کا قصد کرتے تو ایک بات تھی خیر اب بھی کچھ نہیں گیا فوراً بیجاپور کا محاصرہ چھوڑ کر اپنے ملک کا انتظام کرو ورنہ یاد رکھو کہ تمھاری خیر نہیں۔ شاہزادہ معظم نے بھی صوبہ داران۔ مہتمم خزانہ اور توپ خانے پر حکم بھیج دیا کہ ہرگز دلیر خاں کا حکم نہ مانو اور محمد منیف کو بھیج کر دلاور خاں کو کہلا بھیجا کہ مسعود خاں سے آکر صلح کرنی ہوگی تو میں کروں گا تم کون لہذا تم فوراً واپس آؤ۔

دلیر خاں کا بحکم پادشاہ بیجاپور کا محاصرہ چھوڑنا اور من مانے مختلف مقامات کو لوٹنا اور جلانا اور اسی حالت میں مرجانا ۱۰۹۱ھ

اب دلیر خاں کے ہاتھ پاؤں بندھ گئے ناچار غرہ محرم ۱۰۹۱ھ کو شرزہ خاں اور حسین خاں میانہ کو توپ خانہ دے کر ادھونی پر بھیج دیا جو مسعود خاں کی جاگیر تھی کہ شاید اس دباؤ سے مسعود خاں

صلح کرے مگر اُس سے نہ ماننا تھا نہ مانا ناچار، محرم کو بیگم حوض سے کوچ کر کے کا کھنڈگی کو گیا اور قریب دو مہینے کے وہاں خاموش بیٹھا رہا بعد زینا پور[۵۳] گیا وہاں کے ویسائی نے مقابلہ کیا اُس دن دلیر خاں کا ہاتھی زخمی ہوا اور ساٹھ ستر آدمی مارے گئے لیکن آخر میں پھر ہلا کیا تو چالیس پچاس آدمی ویسائی کے بھی مارے گئے اور وہ خود بھی مارا گیا پھر کیا تھا گاؤں کو لوٹ لیا دوسرے دن غرہ محرم کو بھی وہیں رہا۔ ۱۱ کو تانج گیری کو گیا۔ مسوتی[۵۵] کے مقدم نے دو ہزار ہن اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا کہ لوٹ مار نہ کریں لیکن دلیر خاں کے سر پر جن سوار نہ تھا نا منظور کیا۔ مقدم بے چارے کے پاس دس بیس مذکوری جو تھے اُن کو لے کر مقابلہ کرنے لگا مگر کیا تاب، لاسکتا تھا وہ سب کے سب مع مقدم[۵۴] کے مارے گئے دو تین ہزار مرد وزن عورت قید کر لیئے اور تین ہزار مویشی پکڑ کر تان گیری کو لے گئے۔ اخلاص خاں ہراول دریائے کشنا کی طرف دیہات پرگنہ مدگل کو لوٹ رہا تھا اُس نے خبر بھیجی کہ یہاں بہت سے لوگ جمع ہیں دلیر خاں خود اُدھر چلا اور گڑھی میں پونچا وہاں کے مقدم[۵۴] نے نو ہزار ہن کا وعدہ کر کے پانچ ہزار نقد دیئے اور چار ہزار دینے کا وعدہ کیا جس کے وصول کے لئے اخلاص خاں کو وہیں چھوڑ کر نالت[۵۵] واڑ کو آیا وہاں کے ویسائی[۵۵] سے بھی حسب معمول وصول کیا اور ایک دن مقام کیا دوسرے دن اخلاص خاں نقد سونا زیور بہت سا لے کر دلیر خاں سے نالت واڑ پر آن ملا۔ نالت واڑ کے ویسائی کے اشارے سے

[۵۳، ۱، ۲] یہ تینوں مقامات تعلقہ باگلکوٹ ضلع بیجاپور میں ہیں ۱۲۔

[۵۴] ہر گاؤں میں ایک پٹواری اور ایک ایک مالی اور پولیس پٹیل ہوتے ہیں اور یہی سرکار کی طرف سے گاؤں کا کل کاروبار کرتے ہیں۔ پٹواری گویا محاسب دیہی ہے اور پٹیل مالی موضع کی وصول و اصلاحات، اور دیگر امور مالی کا ذمہ دار ہے علیٰ ہذا پولیس پٹیل دیہی پولیس کا افسر ہے۔ پٹیل ہی کو مقدم گوڑا اور پٹواری کو کلکرنی بھی کہتے ہیں۔

[۵۵] ضلع بیجاپور تعلقہ مدّے بہال کا ایک بڑا موضع ہے جو دریائے کشنا سے چار میل ہے۔

[۵۶] - ایک ایک پرگنہ میں ایک ایک دیسکھ اور دیسپانڈ یہ بطور زمیندار کے رہا کرتے ہیں پچھلے زمانے میں اِن لوگوں کی کچھ خدمات مقرر تھیں اب محض معاش دار ہیں [۵۶] ویسائی اور ناڑگوڑا بھی مثل زمیندار کے ہوتے ہیں۔ نالت واڑ کا ویسائی اب بھی بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس نواح کا ایک معزز اور مشہور زمیندار ہے مجھ سے بھی ایک دفعہ ملاقات ہوئی تھی ۱۲۔

دلیر خاں کوڑ لیکل[۵۱] پونچا نالت واڑ کا ولیسائی جسے نصرت آباد کی دھمکی دینے کا وعدہ کیا تھا ساتھ ہی ساتھ تھا اور وہاں سے کوس بھر پالا[۵۲] ہے جہاں پیڈ نایک اپنا لشکر لئے پڑا ہوا تھا پونچا اور محاصرہ کر لیا اور پہاڑ پر جو مٹھ ہے پونچ کر چالیس پچاس پیادوں کو قتل کیا اور پالے کے دو ہزار آدمی قید کر کے سارا مال واسباب و مویشی لوٹ ڈالے اور اس قدر مال ملا کہ دوسرے دن بھی ٹھیر کر گڑھی کے حصار کو توڑ کر بستی کو جلا کر تالیکوٹہ کو روانہ ہوا اس کے آگے ہی عبد الکریم خاں داودزئی کا بیٹا نظام خاں ستر سوار لے کر شکار کے بہانے سے پونچ گیا تھا اُس کو دیکھ کر گاؤں کا مقدم بے چارہ حاضر ہو گیا مگر گڑھی میں کچھ جمعیت تھی۔ نظام خاں نے جاتے ہی توپ لگا دی۔ گڑھی میں سے تین سوار دلیر خاں کے پاس مصالحت کے لئے آئے اُن کو دلیر خاں نے فوراً گرفتار کر لیا اور گڑھی کو گھیر کر گرا دیا اور تمام مال واسباب لوٹ لیا اسی معرکہ میں عبد الکریم خاں کا بھتیجا بھی مارا گیا اور قریب ہزار آدمیوں کے قید کر لئے جن کو مقدموں نے ڈھائی ہزار ہن دے کر چھوڑا لیا۔ ایک دن دلیر خاں نے یہاں مقام کیا پھر بینائی پونچا اور پام نایک کو حکم دیا کہ ہم سے آکر ملو اُس نے اپنے بیٹے اور وکیل کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ میں تو نہیں آ سکتا البتہ دس ہزار ہُن نذر کرتا ہوں کہ آپ لوٹ مار نہ کریں۔ دلیر خاں نے محمد افضل دیوان گلبرگہ کو بھیجا کہ تو ہی کس گھمنڈ میں تین لاکھ ہن تجھ سے لئے تک میں کب چھوڑتا ہوں ورنہ جنگ کے لئے نکل اور میں بیجا پور جا رہا ہوں تیری جتنی فوج ہے وہ بھی ہمارے مدد کو دے ناچار اُس نے تین لاکھ ہن دیئے اور فوج بھیجنے کا بھی وعدہ کیا۔ وہاں سے مُرکی گیا وہاں کے سب لوگ پہلے ہی گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے سارے گاؤں کو جلا کر درشنا پور[۵۳] پونچا وہاں پام نایک کا بیٹا دو تین سو سوار لے کر حاضر ہو گیا۔ وہاں سے گوگی آیا سارا گاؤں خالی پڑا تھا لوگ بھاگ گئے لیکن صرف چند پیرزادے روضہ میں اور بعض گرے پڑے لوگ بستی میں باقی رہ گئے تھے اُن سے دلیر خاں کچھ متعرض نہ ہوا اپنے خیمے ڈال کچھ اپنے آدمی حفاظت کے لئے چھوڑ خود سگر چلا گیا۔

---

۵۱ تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ میں ہے ۱۲۔

۵۲۔ ضلع گلبرگہ تعلقہ شاہ پور میں ہے۔ ۱۲

۵۳۔ تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ میں ہے ۱۲

وہاں پونہچ کر تھوڑی فوج عبدالغفور کو دے کر سید محمد کے باغ کے پاس کھڑا کیا اور باقی فوج اخلاص خاں کے ساتھ ملگیری کے باغ کے پاس چھوڑ کر خود شاہ پور کے حوض کے نزدیک جا کر بندوقیں اور بان چلانے لگا۔ صبح چاشت کے وقت سے شام تک یہی حال رہا۔ عصر کے وقت پام نایک کے لوگوں سے عبدالغفور کی کچھ چل گئی عبدالغفور وہاں سے بھاگ کر حوض کے پاس آکر چھپا۔ غرض شام کو دلیر خاں گوگی واپس آیا اور ناراض ہو کر پام نایک کی فوج کو واپس کر دیا دوسرے دن سلخ محرم کو شاہ پور پونہچا دروازوں کو توپ کے گولوں سے توڑ کر قلعہ میں داخل ہونا چاہا مگر فیل بان روکے کھڑے ہوئے تھے راستہ نہ دیا۔ فتح معمور قلعہ کی چاوڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اخلاص خاں پیٹ (بازار) میں گھس گیا۔ پام نایک مخالف ہو گیا اور پہاڑوں پر چڑھا ہوا توپیں مار رہا تھا جس نے مغلوں کے بہت سے لوگوں کو تمام کیا۔ دلیر خاں کی طرف سے گیارہ وکیل آئے ہوئے تھے دو کو رکھ کر نو کو دار پر چڑھا دیا۔ صبح سے شام تک لڑائی رہی مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ دلیر خاں گوگی اور شیخا پور کے میدان میں تھا کہ بیڈروں[۱] کے لشکر نے آکر گھیر لیا اور ایسا لڑے کہ مغلوں کا ستھراؤ کر دیا اور سترہ سو آدمی ان کے اس دن مارے گئے۔ دلیر خاں شکست پا کر گوگی واپس آیا اور بخشی الملک سے کہا کہ خزانہ میں روپیہ نہیں ہے تو نہ ہو تیس ہزار ہن میں اپنی ذات سے دیتا ہوں لیکن کسی نہ کسی طرح ان بیڈروں سے بدلا لینا چاہیئے شاہزادہ معظم کی طرف احدی اور گرز بردار زینا پور میں آگئے تھے اور دلیر خاں کو ایسا تنگ کیا کہ اس کے ڈیروں کی رسیاں کاٹ دیں اور باورچی خانہ وغیرہ گرا دیا ناچار دلیر خاں کو ہٹنا پڑا مگر یہاں شاہ پور پر بھی وہی مسلط تھے اور دلیر خاں کو چین نہ لینے دیتے تھے۔ بخشی اور متصدیوں نے دلیر خاں کی رفاقت نہ دی اور کہا کہ ہم تو جاتے ہیں تمہارا دل چاہے تو اپنے خاصہ کی فوج لے کر پڑے رہو۔ ان لوگوں نے جب دیکھ لیا کہ دلیر خاں معزول ہو گیا تو ہر شخص اس سے بدل گیا کوئی اس کی سنتا نہ تھا۔ دلیر خاں کو سب نے بوکھلا دیا تھا اور طعن تشنیع کرنے لگے ناچار گوگی سے درشنا پور کو چلا گیا راستے میں جو گاؤں ملے سب کو جلاتا

---

[۱] ملک دکن ایک لڑنے بھڑنے والی جری قوم ہے (ان ہی کے نام سے بیڈر شورا پور مشہور ہے) جیسے بھیل اور گونڈ وغیرہ ۱۲۵ -

ہوا مُر کی پونچا وہاں اللہ سے پونہچ کر توپیں لگا دیں اور بہت سے لوگوں کو قید کر لیا - اللہ شرزہ خاں
کی جاگیر تھی اللہ کے ویسائی نے آٹھ ہزار ہن دے کر قیدیوں کو چھوڑایا دلیر خاں ایک دن وہاں
رہ کر سنڈگی پونہچا اُس بستی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا - وہاں سے سلہ کی گڑھی کو توڑ پھوڑ لوٹ کر
ہپرگہ پونہچا دو تین دن یہاں رہا اور دلیر ہمت؛ ور اخلاص خاں کو کرنہلی سے توپیں
اور سامان جو خود چھوڑ آیا تھا لانے کو بھیج کر آپ بہنال کو چلا گیا - دلیر ہمت اور اخلاص خاں
کرنہلی کی گڑھی کو برباد کر کے بستی کو لوٹ لاٹ کر سب اسباب لے آئے - سکندر عادل شاہ نے
جب سنا کہ پام نایک اور بیڈروں نے مغلوں کو ایسی بھاری شکست دی تو بہت خوش ہوا اور
پام نایک کو سبز چتر اور علم اور ماہی مراتب سرفراز کئے عالمگیر نے جب سنا کہ دلیر خاں کو بیڈروں
نے مار کر بھگا دیا تو بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "صد آفریں بر بیڈراں و ہزار نفریں
بر بہادراں" الغرض دلیر خاں نے قزاقی کا پیشہ اختیار کیا اور جہاں گیا لوٹ مار کے سوائے
اس کا اور کچھ کام نہ تھا - عالمگیر ہمیشہ اُس پر اپنی ناخوشی کا اظہار کرتا تھا شاہزادہ معظم جُدا
اُس کا دشمن تھا - جدھر دیکھو زمین آسمان مخالف تھا - آخر کار کب تک تاب لا سکتا تھا -
ایک تو اپنی ناکامی کا افسوس دوسرے عالمگیر کے مواخذہ کا خوف تیسرے چاروں طرف سے
نفریں و ملامت - گھُل گھُل کر بیمار ہو گیا اور گرتا پڑتا اورنگ آباد پونہچا اور وہاں مر گیا -

سیواجی کے مختصر حالات اور وفات سنہ ۱۰۹۱ھ / ۱۶۸۰ء

شاہ جی کے بیٹے سیواجی کے حالات جو ناظرین اب تک
پڑھ چکے ہیں وہ خود سیواجی کی نسبت رای قایم کرنے
کے لئے کافی مواد ہیں کہ وہ کس بلا کا آدمی تھا - وہ بڑا بہادر بڑا صاحب تدبیر تھا - مآل اندیشی -
دور بینی - بلند حوصلگی - مردانگی - جرأت - ہمت - استقلال سب باتیں اس میں کوٹ کوٹ کر
فطرت نے بھر دی تھیں - اگرچہ لوگ اُسے لٹیرا اور قزاق فریبی اور دھوکا باز کہتے ہیں لیکن
اُس کے کارنامے کچھ اور ہی کہتے ہیں - اُس زمانے میں بستیوں کو لوٹ لینا اور جلا دینا ایک
معمولی بات تھی پھر سیواجی ہی کی خصوصیت کیا تھی وہ بھی زمانہ کی روش پر چلتا تھا - رہا فریب
اور دھوکا سو معرکہ جنگ میں اس سے کون بچا ہے اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ مشہور ہے اور مہذب
پیرایہ میں اسی کو ڈپلومیسی کہتے ہیں - صد آفریں ہے اُس کی شجاعت پر کہ ایک معمولی اُٹھ بڑھ

آدمی نے مغلوں اور عادل شاہیوں جیسے اولوالعزم دو پادشاہوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا کبھی عادل شاہیوں کا ساتھ دے کر مغلوں کے ملک کو لوٹتا تھا اور کبھی مغلوں میں مل کر عادل شاہیوں کی خبر لیتا تھا۔ غرض جس طرف جھک جاتا تھا کوئی اُس کی مقاومت کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ پچیس برس برابر وہ تن تنہا مغلوں اور عادل شاہیوں سے لڑتا رہا آخرکار ۱۰۹۱ھ ۱۶۸۰ء میں یہ بے نظیر شخص بھی اُن بہت سے بہادروں میں جلد ملا۔ جہاں ؎

چو آہنگ مردن کند روح پاک　　چہ بر تخت مردن چہ بر روے خاک

اُس کا بیٹا سنبھاجی گو باپ کے برابر نہ ہو مگر پھر بھی باپ پوت پتا پر گھوڑا۔ بہت نہیں تو تھوڑا ہی تھوڑا دس سال تک اپنے باپ کی داغ بیل پر چلتا رہا اور آخرکار ۱۱۰۱ھ ۱۶۸۹ء میں وہ بھی اپنے باپ سے جا ملا۔

شاہزادۂ معظم کا سکندر عادل شاہ کو نشان اور خلعت بھیجنا مسعود خاں اور شرزہ خاں کا ملاپ ۱۰۹۱ھ

شہزادۂ معظم نے ۷ ربیع الاول کو ایک نشان سکندر عادل شاہ کے لئے بھیجا جسے پادشاہ اور مسعود خاں دونوں شاہ پور استقبال جا کر لائے۔ پھر ۱۱ کو محمد حنیف دوسرا خلعت لایا جو شاہ پور دروازے کے حوض پر جا کر لیا۔ ۲۲ کو مولود کی تقریب تھی پادشاہ مسعود خاں کے مکان ہی میں شب باش رہا۔ ۲۳ کو ایک ایک گھوڑا خلعت کا سکندر شاہ اور مسعود خاں کے واسطے آیا۔ ۲ ربیع الثانی کو ونکٹا دری کو قید سے رہا کر کے شرزہ خاں کی طرف جانے کے لئے زمرہ میں مقرر کیا۔

۲ جمادی الاول کو ونکٹا دری ادھونی کی طرف جانے کے لئے خسرو پور میں ٹھیرا۔ کلکوٹے مقام پر شرزہ خاں سے ملاقات ہوئی ونکٹا دری نے بہت کچھ کہہ سن کر شرزہ خاں کو مسعود خاں کی طرف سے صاف کر دیا۔ مگر کب جب کہ سب کچھ غارت ہو چکا۔

مسعود خاں کا مستعفی ہو کر ادھونی چلا جانا۔ آقا خسرو کی چند روزہ مدار المہامی اور آخرکار شرزہ خاں کا مدار المہام ہونا ۱۰۹۴ و ۱۰۹۵ھ

جب مسعود خاں نے ونکٹا دری کو قید سے چھوڑ دیا اور شرزہ خاں کے پاس بھیج دیا تو شرزہ خاں بھی مغلوں کا تعلق چھوڑ کر ادھونی سے بیجاپور چلا آیا۔ مسعود خاں جوگی مٹھ تک

پیشوائی جاکر شرزہ خاں کو بیجاپور لایا اُس وقت سکندر عادل شاہ زہرہ پور کے برنا پیر بڑھتا
وہیں شرزہ خاں باریاب ہوا اور خلعت سرفراز ہوا مسعود خاں دل سے سلطنت کا خیرخواہ
تھا۔ غمخوار اور دلسوز بھی تھا مگر تقدیر اُلٹی تھی جو کرتا تھا خلاف نتیجہ نکلتا تھا۔ اسی حالت اضطراب
میں پانچ چھ برس کاٹے مگر صورت فلاح کی نظر نہ آئی مجبور ہو کر مدارالمہامی سے مستعفی ہو کر ادھونی
چلے جانے ہی میں اپنی سلامتی دیکھی۔ سکندر اس بات پر کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ بہت جد و
کد کے بعد اس اقرار پر کہ ادھونی جاکر واپس آجاؤں گا ۱۷ رمضان ۱۰۹۴ھ کو اجازت ملی۔
۱۲ ربیع الثانی ۱۰۹۵ھ کو خلعت کار ملکی و مدارالمہامی مع چار راس اسپ و ایک زنجیر فیل سے
آقا خسرو کو سرفراز ہوا مگر اُس سے کچھ چلی نہیں اور ۱۲ ذیقعدہ کو مستعفی ہو گیا اُدھر بھی گیا پھر شرزہ خاں
مدارالمہام ہوا۔

مسعود خاں کے مختصر حالات

مسعود خاں حبشی ملک عبدالوہاب بن ملک ریحان کا غلام تھا۔ ملک عبدالوہاب کی وفات کے بعد سدّی جوہر جو خود
بھی اُسی کا غلام تھا ملک ریحان ثانی فرزند عبدالوہاب کو قید کرکے بمقام کرنول خود مختار بن بیٹھا
اور سدّی مسعود کو اپنی دامادی میں لیا اور تعلیم و تربیت کرنے لگا جب سدّی جوہر کو خطاب
صلابت خاں کا ملا اور وہ قلعہ پنالہ کا محاصرہ کرکے سیواجی سے لڑا اُسی معرکہ میں سدّی مسعود
کو خطاب خانی اور امارت ملی۔ سدّی جوہر کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سدّی عبدالعزیز
با اختیار ہوا تو مسعود خاں سے برسر خلاف ہوا اور اُس کے قید کرنے کی تدابیر کرنے لگا مسعود خاں
یہ خبر سنتے ہی کرنول سے بھاگا اور شیخ عنایت اللہ عادل آبادی قلعدار ادھونی کے پاس
پونہچا۔ شیخ عنایت اللہ نے مسعود خاں کی آؤ بھگت کی اور قلعہ میں جگہ دی۔ بعد چندے
مسعود خاں کچھ ایسا جادو چلا کہ عنایت اللہ کو مٹھی میں لے لیا اور عنایت اللہ نے اپنی
رضامندی سے مسعود خاں کو قلعہ دے دیا وہاں سے بڑھتے بڑھتے عادل شاہیوں کا وزیر
ہو گیا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ مسعود خاں بظاہر نہایت خلیق اور متواضع اور چرب
زبان آدمی تھا اور جدال و قتال و تعمیر و حفاظت قلعہ کا بھی کچھ تجربہ رکھتا تھا لیکن بڑا ناحق
نشناس اور سفلہ پرور دنی الحرکات تھا۔ وہمی ایسا تھا کہ کسی پر اعتماد نہ تھا حتی کہ اپنی بیوی

بچوں سے بھی بدظن تھا رعیت پروری اور سپاہ داری کیا چیز؟ اس کو معلوم نہ تھا۔ اس کے عہد میں کسی شریف یا اہل ہنر کی کبھی قدر نہ ہوئی۔ اہل سیدیت پر بھروسہ نہ تھا۔ جو منہ چڑھے تھے سب چھٹ بھیئے تھے۔ ایک تو عنبر تھا جو مسعود خاں کا غلام تھا اور جس کو ادھونی کا قلعہ سپرد کر کے یہ بیجاپور آیا تھا دوسرے ونکٹا دری جو یک چشم اور موضع گارل[۵۱] دنی کا پٹواری تھا۔ پہلے وہ فارسی نویس تھا جو بڑھتے بڑھتے مدار المہام ہو گیا تھا اور فی الجملہ دیانت داری اور راست بازی میں مسعود خاں کے سید ہا ہاتھ تھا۔ تیسرے سدی عالم جو بڑا خود غرض اور طامع تھا چوں کہ یہ مسعود خاں کا ہم زلف تھا پیش پیش تھا۔ چوتھے محمد جی سقہ جو اُن کا لنگوٹیا یار تھا اور آگے چل کر محمد خاں مشہور ہوا۔ ع

چوں غلہ ارزاں می شود امسال سید می شوم

پانچویں ہیرا جی بھلی بان جو بڑھتے بڑھتے جامہ دار ہو گیا تھا ناک کا بال تھا اِس کے ذریعہ سے لوگوں کے بہت سے کام نکلتے تھے۔ چھٹے بڑے ذات شریف لونو نڈاف ساکن سر گپہ[۵۲] جو اپنی چغل خوری اور لگائی بجھائی کی بدولت مقرب تھا۔ اس مردود نے ہزاروں ہی کے گلے کٹوائے اور سوائے بُرائی کرنے کے اس کا کچھ کام نہ تھا ؎

نیش عقرب نہ از پی کین ست | مقتضائے طبیعتش این ست

جس امیر کے ایسے مصاحب رہیں پھر اُس کا کیا پوچھنا ہے۔

اورنگ زیب کی پیش قدمی سیواجی کی موت نے اورنگ زیب کے لئے دکن کا راستہ کھول دیا۔ اورنگ زیب بڑا اولوالعزم پادشاہ تھا اُس کو سخت ندامت تھی کہ بار بار لشکر کشی کرنے اور باوجود بڑے نامور امراء کے بھیجنے کے بھی ملک دکن قابو میں نہ آیا۔ یہ ساری کم ہمتی اور بزدلی ہمارے امراء کی تھی ورنہ کیا معنی کہ یہ مہم سر نہ ہوئی اور اب جب تک ما بدولت بہ نفس نفیس اس مہم پر نہ جائیں کبھی یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں۔ چنانچہ حسب ذیل فرمان شہزادہ خاں کے نام زیب فرمایا اور اُسی کے ساتھ شہر بانو بیگم عرف پادشاہ بی بی نے

---

[۵۱] تعلقہ کراپخور میں ہے۔ مدراس ریلوے کے اسٹیشن منٹری سے (۱۴) میل مغرب کی طرف ہے۔

[۵۲] ضلع بلھاری میں ایک تعلقہ ہے جو بالکل دریائے تنگ بھدرا کے کنارے ہے۔ ۱۲

بھی ایک پروانہ بھیجا - جس کی نقول ہم بجنسہ ذیل میں کرتے ہیں -

نقل فرمان

سیادت وشجاعت پناہ شہامت وبسالت دستگاہ مورد مراحم بیکراں رستم دوراں بعنایات
بادشاہی مباہی بودہ بدانند کہ چوں دریں ایام فیروزی آغاز نصرت انجام وہمگی ہمت والا
مصروف تنبیہ رانا بود و لشکر ظفر اثر از اطراف وجوانب بملک او درآمدہ اورا درمیان
گرفتہ بودند اکثر بے خبر از راہ بغاوت وسفاہت باغوای نادولت خواہان تیرہ رای چشم از
علاج خویش پوشیدہ بہ تہیہ اسباب بغی وطغیان پرداخت ومصدر کردارہائے ناہنجار
شدہ آخرالامر گرفتار اعمال ناشایستہ وافعال قبیحہ خود گشت وطاقت مقاومت از حوصلہ
خود فراتر دیدہ فرار گردید چندیں از نوکران راجہ جسونت سنگھ متوفی ہمراہ گرفتہ بکمال خواری و
سراسیمگی دست ناکامی وادبار بیہودہ پولاے رانا میرفت وازیں جہت کہ اوبخانہ خرابی خود راضی
شدآن راندہ درگاہ جہاں پناہ را در سرزمین خویش جا نداد - قرین خیریت ورخت
عزیمت جانب دکن کردہ باسیر جہنمی نمک حرام خلق گشتہ وازانجا کہ فرزند برخوردار نامدار
عالی تبار غرۂ ناصیہ عظمت قرۂ باصرۂ خلافت فروغ دودمان ابہت وبختیاری چراغ خاندان
شوکت وتاجداری اختر برج حشمت گوہر درج سلطنت نہال بوستان جاہ وجلال بہار چمن
عز واقبال والانسبت سعادت قوام بادشاہ زادۂ جہاں وجہاں بانیان محمد اعظم مرۃً بعد
اُخریٰ برسر رانا رفت بمقتضاے دوربینی ومآل اندیشی طریق عجز وانکسارش بملاقات فرزند
اقبال مند آمدہ جمیع احکام پیشگاہ خلافت از جزیہ وجرمانہ قبول نمودہ تعہد نمود کہ باغی ونوکران
راجہ متوفی را در تعلقہ خود راہ ندہد تقصیرات اوبعفو وصفح مقرون گردید خاطر اولیاے دولت
ابدمدت ازیں طرف بالکل جمع شدہ آن نامدار کامگار با فوج گراں وتوپخانۂ فراواں براے
استیصال آن خسراں مآل دستوری یافت انشاءاللہ المستعان اوایل شعبان رایات
عالمیات نیز بآن سمت نہضت خواہد نمود حکم جہاں مطاع عالم مطیع شرف نفاذ می یابد کہ چوں
براے استخلاص وتسخیر قلاع وبقاع متعلقہ بیجاپور کہ بتصرف کافرحربی رفتہ وقابوے بہتر ازیں
دست بہم نخواہد داد خاطر خود را بہمہ جہت جمیع ومطمئن داشتہ باتفاق سیادت وثقاہت پناہ

شجاعت وشهامت دستگاه خلاصهٔ فدویان باخلاص زبده ودولتخواهان خاص عمده پیشیا قدمان هرکه رزم وپرخاش خان جهان بهادرظفرجنگ کوکلتاش شروع دریں کارنماید و کمر خدمت واجتهاد برمیان جاں بسته در تقدیم این خدمت دقیقه از دقایق دولتخواهی ودلسوزی مهمل وناعری نگذاشته این معنی موجب مجرای عظیم خودشناسید وفراخور فدویت وجاں فشانی میدانید مزید مراحم بادشاهانه باشد هفتم رجب سال بست وچهارم ازجلوس والا نوشته شد سنه ۱۰۹۳ھ۔

نقل پروانهٔ شهربانو بیگم عرف بادشاه بی

سیادت پناه وشجاعت دستگاه عمده مبارزان رستم نشان سید شرزه خان مشمول مراحم بوده بداند که شکر مراحم بے منتهای پیشگاه خلافت که بمحض تفضل شامل حال این بیکس غریب ازدار ودیار دور افتاده شده که سالها بگوید یکے ازهزارنمی تواند گفت ازیں وجه خاطر آں لیسالت رتبت جمع باشد۔ دریں ولا که رانا مخلوب عساکر گردوں مآثر گشته بقدام عجز و زاری آمده ملازمت بادشاهزاده جهاں وجهاں بانیاں نورناصیهٔ دولت ابداقتراں فروغ جبههٔ ملک وملت قرة العین خلافت ودولت محمد اعظم کرده جزیه وجرمانه وسائر احکام قدسی قبول نموده دریں طرف کارے نماند حکم جهاں مطاع صادر شد که بادشاهزادهٔ مذکور متوجه سمت دکن شوند وغیر همت والا مصمم شد که مرکب جهاں کشا نیز در اوائل بدالصوب نهضت فرماید تا بسزا دادن آن باغی را در ملک خود در کنار شقی نهاده آید باید که ایں وقت را که بادشاه روے زمین بنفس نفیس خود متوجه دفع کافر شده اند غنیمت دانسته ومراسم خدمت اولیا عظمت مغتنم انگاشته مراعات نمکخوارگی خانهٔ عادل شاهیه نموده ومراسم اخلاص که ازآں شهامت وعقیدت دستگاه توقع است بعمل آورده براے کارولی نعمت زادهٔ خود بهرطریق که ممکن ومقدور باشد برفاقت سیدی مسعود خاں ودیگر امراء وخواتین ازصمیم قلب بتقدیم رسانیده توجه بکوشند که کرناٹک ودیگر جاها که از دست رفته باز بتصرف دودمان عادل شاه درآید که ایں معنی پیش خلایق سبب ذکر جمیل ونزد خالق موجب اجر جزیل خواهد شد و

باعث خوشنودی خاطر بادشاہ جمجاہ کہ بادلی توجہ ذات مقدسش کشور ہا کشودہ می آید و وثوق بر اخلاص ایں خاندان بہم خواہد رسید و ماجرائے آن خواہد شد کہ التماس امداد و عنایات توانیم کرد و توہمات برطرف خواہد شد و بالتفات خدیو صورت و معنی باز بیجاپور قرین امن و رفاہ خواہد شد مجملاً بتقاضائے نعمت پروردگی آنست کہ دریں ہنگام کہ کار فرخود خواہد در ماند کوتاہی نورزیدہ جاہائے موروثی را بگیرند بہ تعلل و تغافل نگذارند و کوشش بفسوں و افسانہ باعث خسر الدنیا والآخرۃ و کافر فاجر نیداختہ بازی آنہا رانخورند و دامردی و مردانگی لبستانند کہ الوقت سیف و الفوت صیف دوازدہم رجب سنہ بیست و چہار جلوس سنہ ۱۰۹۳ھ)

عالمگیر کا سکندر کو ایک اور خرلیطہ بھیجنا اور سکندر کا جواب ۱۰۹۵ھ

سکندر کو جب خبر ملی کہ عالمگیر بادشاہ کی طرف سے ایک اور خرلیطہ آیا تو وہ شاہ پور کے حوض تک پیشوائی جا کر ۵ اجمادی الثانیہ ۱۰۹۵ھ کو لایا اس فرمان میں حسب ذیل احکام تھے جن کے محاذی ہم نے سکندر عادل شاہ کے جواب بھی لکھ دیئے ہیں۔

(۱) - ہماری فوج کو بلا کسی قسم کے پس و پیش کے کافی رسد بہم پونہچائی جائے۔

(۱) زر پیش کش اور دست گرداں جو زمان سابق ہیں دلیر خاں وغیرہ سے لیا گیا ہی معاف فرما دیا جائے۔

(۲) ہمارے لشکر کی آمد و رفت کے لئے کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو جو راستے مسدود ہیں کھول دئے جائیں۔

(۲) شرزہ خاں کو اگر میں آپ کے حکم کے موافق نکال دوں تو مجھے اندیشہ ہی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سنبھاجی سے مل جائے اور تازہ فتنہ و فساد برپا کرے اس لئے متوقع ہوں کہ اُس کے قصورات پر قلم عفو پھیر دیا جائے تاکہ اُس کی مدد سے میں لشکر درست کر کے غنیم کا مقابلہ کر سکوں۔

(۳) وقت ضرورت ہمارے لشکر کی امداد میں پہلوتہی نہ کی جائے۔

(۴) شاہزادگان بلند اقبال (محمد معظم و محمد اعظم) کی ہمراہی میں پانچ چھ ہزار کا لشکر دیا جائے۔

(۵) سنبھاجی سے رابطۂ اتحاد فوراً منقطع کیا جائے اور اُس کے قلع قمع میں کوشش کی جائے۔

(۶) شرزہ خاں کو فوراً اپنی ولایت سے نکال دو۔

(۳) شرزہ خاں کی جاگیرات منگل بیڑہ اور سانگولہ جس پر نواب عمدہ خاں نے قبضہ کر لیا ہے حسب دستور قدیم واگزاشت کی جائیں۔

(۴) حضور کے علاقہ کی افواج اور امرار میرے ملک میں آکر تھانہ بندی اور لوٹ مار نہ کریں۔

(۵) جو ملک میرا آپ نے لے لیا ہے مجھے واپس دیا جائے۔

(۶) آپ کا لشکر پونہ اور چاکنہ کی طرف سے غنیم پر یورش کرے اور میری فوج مرج اور لگدک کی طرف سے اُس کا مقابلہ کرے۔

(۷) مجھے جب ضرورت امداد کی پڑے آپ مدد دیں۔

(۸) میرا جو ملک سنبھاجی کے قبضہ میں ہے خواہ وہ آپ کے لشکر کے ذریعہ سے مفتوح ہو یا میرے۔ میرے قبضہ میں دیا جائے۔

(۹) اگر سنبھاجی مغلوب ہو کر خواہان صلح ہو تو پہلے میرا ملک اُس سے چھوڑا کر میرے قبضہ میں دے کر بعد صلح کی جائے۔

(۱۰) سنبھاجی کی مہم کے طے ہونے کے بعد میرے ملک پر کسی قسم کی چڑھائی نہ کی جائے۔

المرقوم ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۰۹۵ھ

اورنگ زیب کا بیجاپور فتح کرنا ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۶ء

اورنگ زیب نے شاہزادہ محمد اعظم کی شادی شاہزادی پادشاہ بی سے کر کے ۱۲ رجب ۱۰۹۲ھ کو فارغ ہو گیا اور ابھی جاہ بھی ختم نہ ہونے پائے تھے کہ ۲۵ ماہ مذکور کو شاہزادہ کو ملک دکن کی طرف روانہ کر دیا اور ۵ رمضان المبارک کو خود اجمیر شریف گیا اور وہیں وہ فرمان شرزہ خاں کے نام بھیجا جس کی ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ پادشاہ بی بی نے بھی ایک پروانہ اسی مضمون کا لکھ دیا کہ سنبھاجی نے شرارت اور فساد سے چوطرف ملک میں خرابی ڈال رکھی ہے اور رعایا تباہ ہو رہی ہے جس سے سلطنت بیجاپور خود متزلزل ہو گئی ہے لہذا شاہزادہ محمد اعظم کو اس کی گوش مالی کو پہلے بھیجا جاتا ہے اور عن قریب بادشاہ سلامت بھی تشریف لائیں گے چاہیئے کہ ہر طرح شاہی لشکر کی امداد کر کے سنبھاجی کا قلع قمع کیا جائے اور جو ملک اُس کے قبضے میں چلا گیا ہے فوراً چھوڑا لیا جائے۔ لیکن عالمگیر کو معلوم ہو گیا کہ لکھا پڑھی سے کچھ ہوتا ہوا تا نہیں وہاں کے امرا کو آپس کی لڑائی سے کب فرصت ہے جو غنیم کی خبر رکھیں اب سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ ایک بڑا لشکر لے کر بذات سے ملک دکن کی طرف متوجہ ہوں لہذا ایک ٹڈی دل لشکر لے کر ۱۲ ذیقعدہ ۱۰۹۴ھ ۱۶۸۳ء کو جانب اورنگ آباد روانہ ہوا۔ راہ میں چار مہینے تک برہان پور میں رونق افروز رہا اور وہاں سے اپنے دونوں بیٹوں شاہزادگان معظم و اعظم کو جدا جدا لشکر دے کر ملک دکن کے شمال و مغرب اُن قلعوں پر جو اَب تک سر نہیں ہوئے تھے فتح کرنے کو بھیج کر خود اورنگ آباد میں تشریف فرما ہوا۔ اورنگ آباد میں سات آٹھ مہینہ مقیم رہا اسی سال کے شروع میں مغلوں کے لشکر سے سنبھاجی نے سخت مقابلہ کیا جس میں بہت سے لوگ مارے گئے حسن علی خاں عالمگیر شاہی زخمی ہوا اور فتح سنبھاجی کی ہوئی۔ ۳ شوال کو شاہزادہ اعظم سنبھاجی کی خبر لینے کو ملک کوکن کی طرف چلا اور بہت سی مہمیں پیش آئیں۔ بندر گوا تک پونچا لیکن سنبھاجی نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ رسد وقت پر پونچنے نہ دیتا تھا بہت سے لوگ مارے گئے دانہ چارہ کی سخت وقت

ہونے لگی پلٹتے ہوئے قلعہ دہارواڑ فتح کر کے واپس آئے اور ۱۶۸۵ء میں قلعہ شولاپور کا محاصرہ
کر کے فتح کرنے کے بعد بیجاپور کی طرف رخ کیا۔ بیجاپور والوں کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہی کہ یوں
تو آپس ہی میں کٹے مرتے تھے مگر جب کوئی غنیم آجاتا تھا تو سب اپنی اپنی خانہ جنگیوں کو بند
کر کے ایک دل ہو کر دشمن کے مقابلے پر تل جاتے تھے اسی طرح اب بھی شرزہ خاں نے کچھ دنوں
تک مغلیہ فوج کو روکا اور مقابلہ کرتا رہا۔ اورنگ زیب سات آٹھ مہینے اورنگ آباد میں مقیم رہا
وہاں سے احمد نگر آیا اور احمد نگر سے غرہ رجب کو شولاپور۔ ختم سال کے قریب شاہزادہ اعظم
پھر آگے بڑھا اور اس مرتبہ لشکر بیجاپور پسپا ہوتے ہوتے شہر بیجاپور کے پاس آن لگا۔ اس
وقت بادشاہ اورنگ زیب شولاپور میں مقیم تھا جہاں سے برابر مغلیہ لشکر کو رسد پہنچتی رہتی تھی
مگر اکثر اوقات بیجاپور کی افواج جنھوں نے چوطرف ناکہ بندی کر رکھی تھی راستہ ہی میں لوٹ مار کر
رسد چھین لیتے تھے جب رسد ہی بروقت نہ پہونچ سکے تو لشکر کیا کر سکتا تھا اِس آئے دن کی
مصیبت سے مغلیہ لشکر نہایت درجہ حیران و پریشان ہو کر بھوکوں مرنے لگا اور قریب تھا
کہ تباہ ہو جائے کہ عین وقت پر بہت بڑی زبردست فوج کے ساتھ ایک وافر مقدار رسد
کی احمد نگر سے بیجاپور پہونچ گئی۔ اورنگ زیب بذات خود اس وقت قطب شاہیوں پر لشکر کشی
کی طیاری میں مصروف تھا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ وقت واحد میں دو طرف لشکر کشی کرنا
نا ممکن ہی کہ آدھا لشکر ادھر جائے اور آدھا بیجاپور کی طرف تو قطب شاہیوں سے صلح کر لی اور تمام
لشکر کو ایک جگہہ سمیٹ کر سب کا سب بیجاپور کی طرف روانہ کیا اور خود گیا۔ بیجاپور پونچ کر دیکھا تو شاہزادہ اعظم بیجاپور
کا محاصرہ کر چکا تھا اور خود بادشاہ کے ساتھ ایک عظیم الشان لشکر اور پونچ گیا اس طرح
تمام شہر کا پورا محاصرہ کر لیا گیا۔ بیجاپور والوں نے بھی شجاعت اور دلیری کے جوہر دکھلائے
اور اس بڑے بھاری لشکر کا نہایت جرأت و استقلال سے مقابلہ کیا۔ اگرچہ مغلیہ لشکر کے
توپ خانوں نے جابجا فصیل کو مسمار کر دیا تھا لیکن شاہنشاہ اورنگ زیب نے پیش قدمی
مناسب نہ سمجھی اور یہ جان کر خاموش بیٹھا رہا کہ وہ وقت بہت قریب ہی کہ بیجاپوری مجبوراً خود
بخود قلعہ حوالہ کر دیں گے اور اورنگ زیب کا یہ خیال نہایت دوراندیشی پر مبنی تھا جو آگے
چل کر بالکل صحیح ثابت ہوا۔ بے چارے قلعہ والوں نے گو بڑی مردانگی سے ہر قسم کی تکلیف

کو برداشت کیا مگر آخر کب تک۔ اس مدید محاصرے کی تاب نہ لا سکے اور آخر کار جب دیکھا کہ کسی طرح اس مصیبت سے چھٹکارے کی صورت نظر نہیں آتی تو سخت مجبور ہوکر ۲ ذیقعدہ کو شرزہ خاں خود میر شہاب الدین خاں المخاطب بہ غازی الدین خاں داروغۂ توپ خانے کے پاس گیا اور مصالحت کی بات چیت کرکے واپس ہوا اور سکندر پادشاہ سے قلعہ کے حوالہ کر دینے کی گفتگو طے کرکے ۳ ذیقعدہ کو پھر گیا اور غازی الدین خاں کے ذریعہ سے پادشاہ عالم پناہ عالم گیر کے حضور اقدس میں پیش ہوا۔ پادشاہ بہت خاطر تواضع سے ملا۔ ۴ ذیقعدہ ۱۰۹۷ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۶۸۶ء کو دس بجے دن کے سکندر پادشاہ قلعہ سے برآمد ہوا اور عالم گیر کے حضور میں جاکر مجری بجا لایا اور قلعہ کی کنجیاں سپرد کر دیں۔ عالم گیر بڑی کشادہ پیشانی اور بہت عزت و احترام سے ملا اور کلمات شفقت و تسلی آمیز ارشاد فرمائے اور وہیں اپنے خیمے کے پاس سکندر کا خیمہ لگا کر مع اہل و عیال کے اُتارا اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ سکندر کے مصارف کے لیے مقرر کیا اور شرزہ خاں کو منصب ہفت ہزاری دے کر رستم خاں کا خطاب دیا اس کے بعد شاہنشاہ اورنگ زیب بڑے جلوس کے ساتھ شہر بیجاپور میں داخل ہوا اور قلعہ میں دربار عام کیا جس میں تمامی امرا نے نذریں گزرانیں اور کہا جاتا ہے کہ اُس وقت سکندر عادل شاہ کو بھی نقرئی زنجیریں ڈال کر سر دربار حاضر لایا گیا تھا۔

سکندر عادل شاہ اور عالم گیر کے مابین اتمام حجت

بعد فتح بیجاپور کے چند شخصوں نے سکندر عادل شاہ کو صلاح دی کہ عالم گیر ایک دین دار اور متشرع پادشاہ ہے اتماماً للحجہ مناسب ہے کہ اُس سے اتنا تو پوچھا جائے کہ وہ کون سا حکم شرع شریف کا ہے کہ مسلمان کا ملک اس طرح ہزاروں آدمی مار کر چھین لینا روا ہے۔ چنانچہ ایک مولویوں کا ڈیپوٹیشن عالم گیر کے پاس گیا اور یوں معاملے کو پیش کیا کہ الحمد للہ کہ آپ عادل و منصف۔ دلیر و شجاع خلیق و شفیق۔ عالم باعمل۔ عابد۔ زاہد۔ پارسا۔ متقی۔ متدین اور متشرع ہیں کہ آپ کے عہد معدلت مہد میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ جبر و تعدی۔ ظلم و ستم کافور ہو گیا لیکن اس کا کیا سبب ہے کہ یہاں کا پادشاہ موحد مسلمان۔ کلمہ گو۔ مسجدوں میں اذان و نماز۔ مدارس میں تعلیم شعائر اسلام جاری۔ بریں ہمہ آپ نے مسلمانوں پر چڑھائی کر دی۔ ہزاروں بے گناہ

مارے گئے - حالاں کہ یہ امر شرعًا ممنوع و مکروہ ہے - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بلاد کفار پر تشریف فرما ہوتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ دیکھو اگر کہیں سے اذان کی آواز سنو تو ہرگز لوٹ مار نہ کرنا اور نہ مسلم کو کسی قسم کی ایذا دینا - ایسی صورت میں آپ جیسے پابند شرع مسلمان سے یہ امر جو ظہور پذیر ہوا بالکل بعید ہے - عالمگیر نے جواب دیا کہ جو کچھ تم کہتے ہو بالکل سچ ہے سمجھے تم سے یا تمھارے ملک یا تمھارے شہر سے کچھ سروکار نہیں نہ تم مسلمانوں سے کوئی لڑائی ہے بلکہ مجھے سنبھاجی کافر سے مقابلہ ہے جس کو تم نے اپنی بغل میں بٹھا رکھا ہے اور تمھاری پناہ دہی کی بدولت سارے ملک کو تا بہ دہلی لوٹ رہا ہے اور مسلمانوں کو اس کے پنجۂ ظلم سے نجات دلانا میرا فرض عین تھا - چوں کہ وہ تمھاری پناہ میں ہے تم سے میں مانگتا ہوں جس دن وہ میرے ہاتھ لگا اسی دن میں اپنا راستہ لوں گا اور تمھارا ملک تم کو مبارک رہے - علمائے بیجاپور عالمگیر کی زبان سے یہ جواب سن کر ساکت ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کر واپس چلے آئے -

سکندر عادل شاہ کا مختصر حال اور وفات سنہ ۱۱۱۱ھ

بیجاپور اورنگ زیب کے قبضے میں چلے جانے کے بعد سکندر عادل شاہ بطور ایک پنشن خوار کے زندگی کے دن کاٹنے لگا - ہم کو نوجوان سکندر کے حال پر سخت افسوس آتا ہے کچھ ایسی گھڑی کا پیدا ہوا کہ جب تک جیا ایک دن چین نصیب نہ ہوا پادشاہت کا کچھ لطف نہ ملا - صرف نام کا "سلطان" تھا ورنہ درحقیقت جب سے تخت پر پاؤں دھرا چاروں طرف جنگ و جدال ہی رہی - بیجاپور کے امرا کی باہمی ناچاقیوں نے ناک میں دم کر دیا - باہر کے حملوں کی کیا روک تھام کر سکتا تھا جب کہ گھر میں ہی یہ پھوٹ تھی - تخت پر بیٹھنے کے بعد برابر چودہ سال تک امرا اور وزرا نے اس کو مسلوب الاختیار رکھا اس کے بعد عالمگیر کی قید میں آ گیا اور چودہ سال اسی حال میں اور کاٹے اس طرح تینتیس سال کی عمر میں ۱۱۱۱ھ میں دنیا کے تمام جھگڑوں سے ابدی نجات پائی - تاریخ وفات یہ ہے -

رباعی

ز دنیا چوں سکندر کرد رحلت　　غریو از سینۂ غربت برآمد

معمّا طور گفتم سال رحلت　　　سکندر زیں کہن ظلمت برآمد[۵۱]

عالم گیر نے گو بیجاپور فتح کر لیا تھا مگر پھر بھی ہر طرف سے سرکشی اور بغاوت چلی جاتی تھی چنانچہ ایک چھوٹی سی گڑھی میں ایک شخص رہتا تھا۔ عالم گیر کے لشکر نے گڑھی کو گھیر لیا گڑھی والوں نے بھی گولیاں چلانی شروع کیں اور آسانی سے راہ راست پر نہ آئے عالم گیر کے سردار فوج نے گڑھی کے حاکم سے کہا کہ تو بھی عجب اونادھی سمجھ کا ہے۔ دار السلطنت گیا پادشاہ تمھارا قید ہو گیا اب باقی کیا رہا جس برتے پر تم کودتے ہو۔ قلعہ دار نے کہا کہ ہم سوائے اپنے پادشاہ کے کسی آئے گئے کو نہیں جانتے جب تک دم میں دم ہے وہی ہمارا پادشاہ ہے۔ جب یہ خبر عالم گیر تک پہنچی تو اُس نے سوچا کہ سکندر کے قید رکھنے سے کچھ فائدہ نہیں جب تک وہ زندہ رہے گا آئے دن یہی فساد برپا رہے گا کچھ ایسی تدبیر کرنی چاہیئے کہ سکندر دنیا ہی میں نہ رہے۔ کہتے ہیں کہ عالم گیر نے ایک خواجہ سرا کے ذریعہ سے سکندر کو ایک خربزہ زہر آلود بھیجا جس کو سکندر نے کھا لیا اور کھاتے ہی تڑپنے لگا۔ عالم گیر نے پھر خواجہ سرا کو بھجوایا اور پچھوایا کہ کہو اب تمھاری آخری آرزو کیا ہے؟ سکندر نے جواب دیا کہ آپ کے ظل عاطفت میں آجانے کے بعد اب سوائے اس کے کچھ آرزو نہ رہی کہ اِس جسم خاکی کو پیرومرشد کے قدموں میں دفن کر دیا جائے اُسی دن سکندر کا خاتمہ ہوا اور حضرت شاہ نعیم اللہ قدس سرہٗ کے مزار کے پائین میں دفن کیا گیا۔ آپ شاہ برہان کے خلیفہ تھے جو حضرت شاہ ہاشم علوی کے جانشین تھے سکندر کی قبر مٹی کی ہے جس پر کوئی عمارت نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ جس وقت سکندر کا جنازہ شہر میں لایا گیا شہر میں ایک کہرام تھا زن و مرد سب نوحہ کناں تھے ہزاروں عورتوں نے اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں۔ وہ دن بیجاپور والوں کے واسطے قیامت کا دن تھا۔ سکندر کا مرنا کیا تھا گویا صفحۂ دنیا سے سلطنت عادل شاہیہ کا نام ہمیشہ کے لئے مٹ گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[۵۲] اس خاندان کے پادشاہوں نے تقریباً دو سو سال تک نہایت اولوالعزمی اور نام آوری سے سلطنت کی

[۵۱] کہن = ۷۵۔ ظلمت = ۱۳۷۰ = ۱۴۴۵۔ اس میں سے سکندر کے اعداد ۳۳۴ خارج کرنے سے ۱۱۱۱ باقی رہتے ہیں اور یہی سکندر عادل شاہ کا سال وفات ہے ۱۲۔

[۵۲] ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور بے شک اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۱۲۔

من بعد یہ سلطنت شاہانہ مغلیہ دہلی میں ضم ہوگئی -

سکندر کی بیویاں اور اولاد — سکندر کی پہلی بیویاں کون تھیں ہم کو پتہ نہ چلا مگر اورنگ زیب نے بعد فتح بیجاپور ابوالحسن تاناشاہ کی ایک لڑکی سے سکندر کی شادی کردی تھی - جو لامحالہ ۱۰۹۷ھ کے بعد ہوئی - لیکن سکندر کو ۶ ذی قعدہ ۱۰۹۵ھ میں ایک شاہزادی اور اسی سال غرۂ ذیحجہ کو ایک شاہزادہ جس کا نام سلطان محمد رکھا گیا پیدا ہو چکا تھا - بعد ان بچوں کا کیا حشر ہوا تاریخ سے کچھ پتہ نہیں چلتا - جب باپ ہی مٹ گیا تو ان چلبلیوں کو کون پوچھتا ہے -

اورنگ زیب کا قلعۂ گولکنڈہ وغیرہ دیگر مقامات کو فتح کرنا - بلدہ بیجاپور کی فتح کے بعد اورنگ زیب ڈیڑھ مہینے تک وہیں رہا - ۲ ذیحجہ ۱۰۹۷ھ کو بیجاپور سے برآمد ہو کر ۲۸ کو شولاپور پہنچا - شولاپور میں ایک مہینا رہ کر ۲۹ محرم ۱۰۹۸ھ کو کلبرگہ پہنچا اور کلبرگہ سے بیدر ہوتا ہوا ۱۴ ربیع الاول کو گولکنڈہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور آٹھ مہینے سے کچھ اوپر میں قلعۂ گولکنڈہ ۴ ذی قعدہ ۱۰۹۸ھ کو فتح ہوا اور ابوالحسن تاناشاہ کو قید کرکے دولت آباد بھیج دیا[5] - ۲ صفر کو پام نایک سے قلعۂ سگر فتح کیا جو قوم کا بیڈر تھا اور بارہ ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادے رکھتا تھا اور قلعہ کا نام "نصرت گڑہ" رکھا - ۱۴ ربیع الاول کو بیدر پہنچا اور ۳ جمادی الثانیہ کو گلبرگہ اور ۲۲ کو پھر بیجاپور میں آگیا - شاہزادہ اعظم نے انہیں ایام میں بلگاؤں کا قلعہ فتح کر لیا تھا جس کا نام "اعظم نگر" رکھا گیا - ۱۸ شوال کو غازی الدین خاں نے قلعۂ ادھونی فتح کر لیا - مسعود خاں پہلے تو لڑا مگر آخر کار صلح کر لی اور قلعہ حوالے کردیا جس کے صلے میں اسے خطاب خانی اور منصب ہفت ہزاری سرفراز ہوا اور قلعۂ ادھونی کا نام "امتیاز گڑہ" رکھا -

---

۵ - اس واقعہ کی ایک بے نظیر تاریخ نعمت خان عالی نے کہی ہے -

بوالحسن داشت جا بہ چار محل — بدرش کرد ازاں مکاں تقدیر
چوں بدر رفت او بجائش نشست — شاہ اورنگ زیب عالمگیر

چار محل سے ابوالحسن کو بدر کیا یعنی نکالا ۲۸۲ - ۱۵۷ = ۱۲۵ باقی رہے - اس کی جگہ شاہ اورنگ عالمگیر (۲۸۲ ، ۱۵۷ ، ۹۷۳)
کو بٹھادیا یعنی جمع کردیا تو ۱۲۵ + ۹۷۳ = ۱۰۹۸ھ ہوئے -

بیجاپور میں سخت طاعون ۱۱۰۰ھ کہتے ہیں کہ جب مصیبت آتی ہے تو کبھی تنہا نہیں آتی - اہالیان بیجاپور کے لیے اورنگ زیب کی لڑائی ہی کیا کم تھی کہ ۱۱۰۰ھ محرم مہینے کے نصف آخری حصہ میں اس غضب کا طاعون شروع ہوا کہ ڈیڑھ لاکھ آدمی مرے جس میں بہت سے امرا بھی تھے بعض لوگ اندھے بہرے اور گونگے ہو کے بچ گئے - خود عالمگیر کی حرم محترم جو اورنگ آبادی محل کے نام سے مشہور تھیں طاعون میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوئیں جو نوباغ کے بیگم روضہ میں آسودہ ہیں - فاضل خاں محمد راج پسر راجہ جسونت سنگھ وغیرہ بڑے بڑے لوگ مرے - مرض کا وہ اشتداد تھا کہ الامان - خواص خاں کی بیوی کا جنازہ لے جاتے سولہ آدمی گر پڑے اور مر گئے - اموات کی وہ کثرت تھی کہ تجہیز و تکفین سے لوگ عاجز آ گئے تھے - صرف ایک دن میں اللہ پور دروازے سے سات سو ستتر مردے نکلے - اکثر مکان خالی ہو گئے - لوگ بھاگ گئے - حالت یہ تھی کہ رات کو گھر کے سارے لوگ سوئے کے سوئے رہ جاتے تھے صبح کو دروازہ کھولنے والا کوئی نہ رہتا تھا ہمسایوں کو اپنی اپنی پڑی تھی - دوسرے کی کیا خبر لیتے - وہ وقت خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے میدان حشر کا نمونہ تھا ہر شخص نفسی نفسی پکارتا تھا - جو لوگ بیمار پڑے تھے ان کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہ تھا - جو مر جاتے تھے ان کا دفنانے والا کوئی نہ تھا اس قیامت صغریٰ کی یہ تاریخ ہے ع

قیامت بود یا شور د با بود

اورنگ زیب کا پھر بیجاپور سے نکلنا سنبھاجی کی گرفتاری اور قتل ۱۱۰۰ھ ۱۶۸۹ع طاعون کی شورش روز بروز بڑھنے لگی - محلات شاہی میں سے کئی بیگمات اور بہت سی خواصین لونڈیاں باندیاں ملازمان بہت سے مرے - عالمگیر کا مقولہ تھا کہ موت سے بھاگ کر کہاں جائیں گے ایسی حالت میں شہر چھوڑ کر جانا منع ہے لیکن مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ شہر خالی کر دیا جائے چنانچہ غرہ ربیع الاول کو بادشاہ آکلوج کی طرف چلا گیا ہفتہ عشرہ کے بعد اموات میں کچھ تخفیف ہوئی لیکن سلسلہ برابر ایک برس تک جاری رہا - ہزاروں مکان اجڑ گئے بیسیوں محلے برباد ہو گئے - اندرون حصار جو قبریں اور مزارات اب نظر آتے ہیں وہ اسی زمانے کے ہیں - ۱۶ ربیع الاول کو بادشاہ کورگاؤں سے کوچ کر کے بیجاپور کی طرف آیا -

۱۰ جمادی الاول کو پھر کشنا کے کنارے موضع بدری میں دو مہینے مقام کیا - ۱۹ شعبان کو موضع گلا ؔکلا پونچے - اسی مہینے میں شیخ نظام دکھنی جو پہلے عادل شاہیوں کا اور پھر قطب شاہیوں کا ملازم تھا اور اب عالم گیر کا - عالم گیر نے اُسے مقرب خاں کا خطاب دے کر قلعۂ پنالہ کی فتح کے لئے بھیج دیا - سنبھاجی موضع راہیری تعلقہ کھلینہ سے سنگمیر میں باغ اور حویلی بنا کر مزے سے رہنے لگا تھا - قبل ازیں خان فیروز جنگ سنبھاجی کے قلع قمع کو بھیجا گیا تھا لیکن طاعون میں اندھا ہو گیا جس کے بعد محمد اعظم شاہزادہ اس مہم پر مقرر ہوا وہ سنبھاجی کی تلاش میں تھا مگر کہیں ٹھیک پتہ نہ چلتا تھا کہ شیخ نظام کو پتہ ملا اور وہ چار ہزار سوار لے کر یلغار پونچا اور ایک بڑی لڑائی کے بعد بہ ہزار مشکل سنبھاجی کو مع قبائل کے گرفتار کر کے ۵ جمادی الاول کو بادشاہ کے حضور میں اسی حال سے حاضر کیا عالم گیر نے اُسے قلعہ بہادر گڑھ میں قید کیا جو آخر کار ۲۹ جمادی الاول سنہ ۱۱۰۰ھ ۱۶۸۹ء کو موضع کورگاؤں (جس کا نام فتح آباد رکھا گیا تھا) قتل کیا گیا "وہ جہنمی رفت" تاریخ وفات ہے -

شیخ مقرب خاں کو اس صلے میں خطاب خان زماں فتح جنگ اور منصب ہفت ہزاری سے سرفراز ہوا اور اخلاص خاں اور شیخ میراں کے بیٹوں کو خان عالم اور منور خاں کے خطاب ملے

سنتاجی برادر سنبھاجی کا سر اُٹھانا اور بالآخر مارا جانا مع دیگر فتوح سنہ ۱۱۰۰ھ ۱۶۸۹ء تا سنہ ۱۱۰۷ھ ۱۶۹۶ء

اِس کے بعد سنبھاجی کے بھائی راما عرف سنتا نے سر اُٹھایا - اعتقاد خاں اُس کی سرکوبی کو مقرر ہوا اور قلعہ راہیری کا محاصرہ کیا لیکن سنتاجی ادھر جوگی کا بھیس بدل کر ملک ملیبار کی طرف نکل گیا اور ہاتھ نہ لگا - عبداللہ خاں صوبہ دار بیجاپور نے اُس کا پتہ اُٹھایا اور دریائے تنگ بھدرا کے کنارے رانی بدنور پر پونچ کر اُس کے ہمراہی قریب سو آدمی کے گرفتار کئے مگر سنتا وہاں سے بھی کھسک گیا اس میں اورنگ زیب کو عبداللہ خاں کی سازش معلوم ہوئی لہذا اُسے صوبہ داری سے معزول کر دیا اور اُس کی جگھ لشکر خاں صوبہ دار ہوا مگر وہ بھی چند مرہٹے قیدیوں کو بیجاپور سے بھگا دینے کے الزام میں معتوب ہوا - عبداللہ خاں نے دوبارہ کوشش کی اور ۵ محرم سنہ ۱۱۰۱ھ کو قلعہ راہیری کو فتح کیا اور سنتا کے متعلقین کو گرفتار کیا مگر سنتا جب بھی نہ ملا اور مع اپنے چند رفقا کے بیراگیوں کا

بھیس بدل کر نکل بھاگا۔ آخر کار ۷ محرم کو عبداللہ خاں بادشاہ کے حضور میں مع اشخاص گرفتار شدہ کے حاضر ہوا اس جلدو میں بادشاہ نے خطاب ذوالفقار خاں بہادر کا دیا۔ سنتا کے بیٹے سا ہو عمر (۹) سال کو منصب ہفت ہزاری اور نو ہزار سوار اور نوبت اور راجہ کا خطاب ملا اور سب کو وہیں ڈویروں میں نظر بند رکھا۔ ۶ صفر ۱۱۰۲ھ ۱۶۹۱ء کو روح اللہ خاں نے رائچور کا قلعہ فتح کیا اور "فیروز گڈھ" نام رکھا گیا اس کے بعد عالمگیر بیجاپور واپس آیا۔ یہ چوتھا پھیرا تھا۔ ۹ رمضان محمد کام بخش کو قلعہ جنجی کی فتح کو بھیجا اور یکم محرم ۱۱۰۳ھ ۱۶۹۲ء کو جملۃ الملک کو ملک کرناٹک کے انتظام کو بھیجا۔ اسی سال دہلی سے نواب بیگم والدہ شاہ عالم کے انتقال کی خبر آئی۔ عالمگیر مع زیب النسا بیگم کے تعزیت کے لئے شاہ عالم کے ڈیرے میں گیا اور ۴ ذی قعدہ کو شاہ عالم کو جو نظر بند رہتا حکم ہوا کہ نماز ظہر ہمارے ساتھ پڑھو اور قید سے آزاد کیا۔ بہادر شاہ مع اس کے دونوں بیٹوں کے برابر چھ سال سے خیمہ میں نظر بند تھا ایک حافظ قاری خوش الحان بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اس کی قرات سن کر بادشاہ کو بہادر شاہ کی قرات یاد آئی آپ آبدیدہ ہوئے اور فوراً سب کو رہا کر دیا۔

۲ شعبان ۱۱۰۳ھ کو پھر بیجاپور سے کوچ کر کے گلگلا[۵] عرف قطب آباد میں مقام فرمایا وہیں روح اللہ خاں نے وفات پائی بادشاہ خود ان کی عیادت کو گیا تھا۔ ۲۰ شوال کو شاہزادۂ معظم کو استسقا ہو گیا جو بہ مشکل رو بہ صحت ہوا۔ شفایابی کی تاریخ ع۔

شفائے شب دعائے پادشاہ بود

ہے۔ وہاں سے ۲۶ شعبان کو پانچویں مرتبہ بیجاپور کو سواری آئی۔ شاہزادہ اعظم بہادر گڈھ گیا اور شاہزادہ محمد معظم ۱۲ ذیحجہ ۱۱۰۶ھ کو ملتان گیا ۱۱۰۷ھ میں قلیچ خاں فیروز جنگ اپنے باپ سے ناراض ہو کر نکل کھڑا ہوا اور ہمت خاں پسر خان جہاں بہادر پر جو بیوا پٹن میں تھا جا پڑا جہاں بڑا بھاری کشت و خون ہوا۔ دسویں محرم ۱۱۰۸ھ میں رود بھیما کو اس قدر طغیانی ہوئی کہ تمام اطراف کے گاؤں اور ہزار ہا آدمی بہ گئے جو امیر تھے وہ بہ مشکل کشتیوں میں سوار ہو کر بچ گئے تیسرے دن دریا کی طغیانی کم ہوئی۔ ۲ شعبان ۱۱۰۸ھ

---

[۵] یہ مقام باگلکوٹ ضلع بیجاپور کے پاس ہے۔

میں ذو الفقار خاں نے قلعہ جنجی فتح کیا اور اس طرح تمام ملک [illegible]
کے اہل و عیال کو قید کر لینے سے چند روز [illegible]
پھر سنتا نے اپنے باپ اور بھائی کا [illegible] کیا [illegible]
پرکٹے وبا بیٹھا اور بہت سی فوج جمع کر کے [illegible]
میں سے کسی نہ کسی ایک میں چھپا رہتا تھا۔ اس وقت پادشاہ [illegible]
اور قاسم خاں تین شخصوں کو سنتا جی کی گرفتاری [illegible]
دوش کی مقابلے ہوئے مگر وہ ہاتھ نہ لگا۔ پادشاہ نے [illegible]
بہت سے عمل پڑھے گئے بہت سے چلے کھینچے گئے مگر کچھ نہ ہوا۔ پادشاہ سخت پریشان [illegible]
کہ ایک ذرا سا لٹیرا ہاتھ نہیں آتا کیسی شرم کی بات ہے۔ اس زمانے میں پادشاہ کے [illegible]
ایک ایسا بزرگ سید حسن خدا نواز ولد [illegible] مشہور [illegible]
نے ان کو کہلا بھیجا آپ نے فرمایا کہ [illegible]
رہی اگر پادشاہ کے حکم کی تعمیل میں کچھ [illegible]
تو میں حاضر ہوں مگر [illegible] آپ ان سب [illegible]
مجھ سے جو کچھ بن پڑے گا میں بھی کروں گا۔ پادشاہ نے کہا کہ وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں [illegible]
دیکھئے اس میں قباحت ہی کیا ہے آپ اپنا کام شروع کیجیے آج سے جو نتائج ظاہر [illegible]
وہ آپ ہی کی دعا کی برکت سے ہوں گے۔ آپ نے منظور فرمایا اور کچھ پڑھنے لگے۔ پادشاہ نے
پھر کہلا بھیجا کہ عملیات کے لئے عود و گل و بخورات وغیرہ جو سامان ارشاد ہو حاضر کیا جائے۔ آپ نے
فرمایا کہ آہ سوزان سحری و اشک غلطان جگری بس کافی ہے مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔
عالمگیر کو یہ جواب باصواب بہت پسند آیا چند ہی روز میں خدا کا کرنا ایسا ہے کہ چلہ پورا نہ ہونے
پایا تھا کہ ۲۹ ذی حجہ سنہ ۱۱۱۰ھ کہ خان فیروز جنگ کے آدمیوں کی سعی سے سنتا کا سر کٹ کر
سامنے آ گیا۔ پادشاہ نے اس دن سے آپ کو ”سید حسن خدا نواز سنتا کش“ کا لقب دیا
ذیل کے قلعہ جات اسی اثناء میں فتح ہوئے۔

قلعہ دیو گڑھ۔ خان فیروز جنگ نے فتح کیا اور اسلام گڑھ نام رکھا گیا۔

قلعہ ... گڑھ - چندروکشنا سے ایک کوس کے فاصلے پر ہے تربیت خاں نے ایک ہفتہ محاصرہ کرکے ۱۲ جمادی الآخر سنہ ۱۱۱۵ھ میں فتح کیا "کوہ شکست" تاریخ فتح ہے اور "کلید فتح" نام رکھا گیا۔

قلعہ ستارا - ۲۵ جمادی الثانی سے ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۱۱۱ھ چار ماہ اٹھارہ دن کے محاصرے کے بعد قلعہ ستارا کو شاہزادہ محمد اعظم نے فتح کیا اور قلعہ "اعظم تارہ" سے موسوم کیا۔ ہنگام محاصرے میں انواع و اقسام کے مصائب پیش آئے۔ ۵ ذی قعدہ کو ایک سرنگ اڑائی گئی جس سے ساری فصیل اڑ کر قلعہ کے اندر جا پڑی بہت سے آدمی جل کر اور دب کر مر گئے ایک دوسری سرنگ میں بھی بتی دی اس خیال سے کہ وہ بھی پہلی سرنگ کی طرح قلعہ کے اندر جا پڑے گی لیکن قضائے کردگار ساری دیوار کی دیوار باہر کے رخ گری اور دو ہزار آدمی مغلوں کے دب کر مر گئے۔ آخر کار راجہ ستارا جس کا نام سوبھا تھا عالم گیر کے حضور میں حاضر ہوا اور منصب پنج ہزاری سے سرفراز ہوا اس فتح کی تاریخ سید عبدالجلیل بلگرامی نے بہ صنعت نادر و لاجواب کہی ہے:-

چو شہ ابہام زیر خنصر آورد	بہ ورد اسم اعظم در شمارہ
قلاع کفر شد مفتوح فی الحال	ز تیغ او عدو شد پارہ پارہ
ز انگشتان شہ از مد ابہام	برابر چار زلف کردم نظارہ
یعینہ بود شکل سال ہجری	بی تاریخ تسخیر ستارہ
چنیں تاریخ گفتن اختراعیست	شد از عبدالجلیل این آشکارہ

۱۱۱۱ھ

قلعہ موگی - قلعہ موگی کا محاصرہ ۲۲ ذی قعدہ سنہ ۱۱۱۱ھ کو شروع ہوا عین موسم بارش میں محاصرہ ہونے سے ندی نالے چڑھے ہوئے تھے رسد بند ہو گئی اور قحط پڑ گیا ۳ محرم سنہ ۱۱۱۲ھ کو شاہزادہ محمد اعظم نے فتح کیا اور ابراہیم عادل شاہ کی رعایت سے "نورس تارہ" نام رکھا اس کی

فتح کی تاریخ "ہذا نصر اللہ خاں" ہے

قلعہ سپالہ۔ ۲ محرم ۱۱۱۳ھ کو فتح ہوا۔

قلعہ وردہان گڑھ۔ جو موضع کہان سے دو کوس ہے ۹ محرم ۱۱۱۳ھ کو محاصرہ کیا ۲۰ ربیع الثانی کو ایسا موسلا دھار پانی برسا کہ دروازہ باون گڑھ پر بادشاہ کے خیام تھے سب بہہ گئے۔ آخر کار ۱۶ جمادی الثانیہ کو فتح اللہ خاں نے فتح کیا جس کا اصلی نام محمد صادق تھا اسی پر سے "صادق گڑھ" نام رکھا گیا۔

قلعہ کھیلنا۔ ۱۶ رجب ۱۱۱۳ھ کو شاہزادہ بیدار بخت جے سنگھ اور منعم خاں نے محاصرہ کیا اور ۲۲ ذیحجہ کو فتح ہوا۔ "قلعہ کھیلنا" تاریخ ہے۔ بادشاہ نے قرآن مجید میں فال نکالی تو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا" نکلا اور اسی پر سے "سخر لنا" نام رکھا۔ یہ قلعہ بالاگھاٹ اور پایان گھاٹ کے پاس واقع ہے۔

اسی اثنا میں دہلی سے زینت النساء بیگم کے انتقال کی خبر آئی۔ ۷ محرم ۱۱۱۵ھ کو بادشاہ نے قلعہ کھیلنا سے کوچ کیا مگر بارش کی وجہ سے راستے بند تھے ندی نالے چڑھے ہوئے تھے۔ باربرداری کی بنڈیاں ملتی نہ تھیں غلہ اور دانہ چارہ کی دشواری عجیب مصیبت تھی بہت سے آدمی بھیگ کر بیمار پڑ گئے اور مر گئے۔ نوبت بایں جا رسید کہ ۲ ربیع الاول کو یعنی ایک مہینا سترہ دن میں صرف چودہ کوس کی منزل طے کر کے قلعہ پرنالہ کے پاس پہنچے جب کہیں آفتاب کی شکل دکھلائی دی۔ ۱۰ جمادی الاولی کو دریائے کشنا پر پہنچے اس کا پاٹ آسمان سے جا ملا تھا جنگلوں جنگلوں پانی ہی پانی نظر آتا تھا جل تھل بھر گیا تھا کہیں ٹھکانا نہ تھا بیس دن اس کنارے پڑے رہے اور بیس دن بعد دریا پار ہو کر اس کنارے بھی رکے رہے۔ ریگڑ کی زمین میں بیلوں کے پاؤں دھنستے تھے بنڈیاں چل نہ سکتی تھیں۔ اسعد نگر پہنچے وہاں سے بہادر گڑھ اور پھر قلعہ کھنڈالہ کی تسخیر کا ارادہ کیا ۱۸ شعبان کو وہاں

لہ شکر اس خدا کا جس نے ہمارے لیے (اس قلعہ کو) مسخر کر دیا ۱۲

پونچے اور ۱۷ ذیحجہ کو بعد فتح واپس ہوئے - ۲۵ ذیحجہ ۱۱۰۵ھ محی آباد (پونہ) میں ٹھیرے
۱۲ شوال ۱۱۰۵ھ کو فتح اللہ خاں نے قلعہ راج گڑھ فتح کیا اور "نبی شاہ گڑھ" نام رکھا -
۱۵ محرم ۱۱۱۶ھ کو فتح اللہ خاں کا انتقال ہوا اُس کی جگہ میر صدر الدین صدر بخشی مقرر ہوا جس نے
موضع کھیر میں ساڑھے سات مہینے رہ کر ۲۳ ذی قعدہ ۱۱۱۶ھ کو فتح کیا جس کا نام مسعود آباد
رکھا گیا - ۲ ذیحجہ ۱۱۱۶ھ کو تربیت خاں نے قلعہ کھنڈالہ فتح کیا جس کا نام "فتوح الغیب"
رکھا - جنیر کے اطراف کے قلعہ جات فتح کر کے کھیر سے واکن گیرہ کی طرف آئے جو دو دکشنا کے
کنارے واقع ہے جس پر مرنایک پام نایک کے بھتیجے کا قبضہ تھا - قلیچ خاں اور محمد امین پہلے
ہی سے وہاں متعین تھے مگر پیشکش برابر دیتا تھا لہذا خاموش رہے اب نصرت جنگ نے
پہنچ کر دسویں محرم ۱۱۱۷ھ کو فتح کر لیا اور "رحمٰن بخش" نام رکھا - واکن گیرہ سے تین کوس پر دیودر پر
وہاں پادشاہ کا مزاج ناساز ہو گیا جس سے بہت تشویش مگر جلد صحت ہو گئی - ۱۲ رجب
کو بہادر گڑھ کی طرف کوچ کر کے غرہ شعبان کو پونچے -

اورنگ زیب کی وفات ۱۱۱۸ھ ۱۲ شوال ۱۱۱۸ھ کو اورنگ زیب احمد نگر پونچا -
پادشاہ کا مزاج ناساز ہو گیا مگر پھر چند روز طبیعت ٹھیر گئی - اوائل ذی قعدہ میں پھر مرض کا اشتداد
ہوا اور پادشاہ بار بار یہی کہتا تھا "احمد نگر آخر سفر" - روز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ روز یکشنبہ ۱۱۱۸ھ
ایک بجے دن کے اکیاونویں سال جلوس میں پورے پچاس برس دو مہینے اٹھائیس دن سلطنت
کر کے احمد نگر میں عالمگیر[1] پادشاہ نے نوّے سال سترہ روز کی عمر میں انتقال کیا - وفات کی تاریخ

لہ ابو المظفر اورنگ زیب پادشاہ غازی ۱۱ ذی قعدہ ۱۰۲۸ھ میں بمقام گجرات پیدا ہوا - بہ تعلق
سپہ سالاری دکن شاہزادگی کی حالت میں برہان پور اور خاندیس میں بہت رہا ہی خوش رو اور وجیہ
ہوشیار و عقیل - شجاع - فن سپہ گری میں مشاق - مدبر اور بیدار مغز - محتاط - پابند مذہب - عالم باعمل
عامل حدیث - ہمیشہ تلاوت کلام مجید میں مصروف رہتا تھا - خود کلام مجید نہایت خوش قلم لکھتا تھا چنانچہ
خلد آباد میں پادشاہ کا قلمی نسخہ موجود ہے - مذہب اسلام کی ترویج و استحکام میں ہمیشہ سرگرم رہتا تھا - محتاط
اتنا بڑا کہ ٹوپیاں کاڑھ کاڑھ کر اپنا ذاتی خرچ چلاتا تھا - بیت المال سے لینے کا روادار نہ تھا - محنتی
جفاکش بہت تھا - مسلمان پادشاہوں میں ایسا اولوالعزم کوئی پادشاہ نہیں گزرا - چوں کہ مذہب کا

باپ دادا سے ناک چنے چبوا دیئے تھے لیکن ان دو غریب مسلمانوں کے ساتھ ذرا بھی اخوتِ اسلامی نہ برتی اور ان کو جڑ پیڑ سے ایسا اکھاڑ کر پھینکا کہ صفحۂ دنیا پر ان کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہا پھر بھی طمع ملک گیری باقی رہی اور اپنے وطن مالوف کو نہ گیا پر نہ گیا اور عزیز و اقارب کو نہ اپنی صورت دکھائی نہ اُن کا دیدار دیکھا بلکہ دو سرے قلعوں کے سر کرنے میں سرگرم رہا اور آخر یہیں پردیس میں جان دی - یہ حقیقت نفس الامری اس کو شکایت پر محمول نہ کیا جائے بلکہ جان لینا چاہیئے کہ اورنگ زیب سلاطین مغلیہ کی ناک تھا اور اپنے زہد و تقوی کے لحاظ سے درویش منش اور صاحب دل تھا - صرف ہم کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ طمع دنیاوی سے کوئی خالی نہیں - اب چاہے اسے اولوالعزمی کہو یا ہوس ملک گیری یا طمع جاہ مرتبت اور حرص کیا خوب کسی نے کہا ہی "بے عیب ذات خدا کی" وَلِلّٰهِ دَرُّ مَنْ قَالَ

قِيلَ اِنَّ الْاِلٰهَ ذُو وَلَدٍ   قِيلَ اِنَّ الرَّسُولَ قَدْ كَهَنَا
مَا نَجَى اللّٰهُ وَالرَّسُولُ مَعاً   مِنْ لِسَانِ الْوَرٰى فَكَيْفَ اَنَا

اورنگ زیب کا سوال اور اُس کی بیٹی زیب النساء کا برجستہ جواب

اورنگ زیب جب قطب شاہی اور عادل شاہی دونوں گھرانوں کا کھوج کھو چکا تو بہت ہی مسرور ہوا کہ پشتہا پشت سے ملک دکن پر دانت تھا اور خود بھی بار ہا اپنی سعی میں ناکام رہا تھا - اب خدا نے یہ دن دکھایا جس کی خوشی میں بڑا بھاری جشن کیا - امرا و ارکان سلطنت کو سرفرازیاں ہوئیں - داد دہش کا دروازہ کھل گیا سب امرا نے مبارک باد کی نذریں دیں لیکن زیب النساء بیگم نے جو بادشاہ کی صاحبزادی تھی نذر نہیں دی - بادشاہ نے پوچھوایا کہ آخر کیا سبب جو زیب النساء نے نذر نہ دی - تھی تو وہ عورت ذات مگر مردانہ وار جواب دیا کہ "کون سی خوشی کی بات تھی جو میں نذر دیتی - آپ نے ایسا کون سا بڑا کام کیا ہی جو سزاوار شاہنشہی ہو - حضرت پہلے شاہنشاہ تھے کہ آپ کے تابع فرمان کئی بادشاہ

ف اور کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہی کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا صاحب اولاد ہی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول کاہن تھے - لوگوں کی زبان نے خدا اور رسول دونوں کو نہ چھوڑا تو بھلا میں (بے چارہ) کس شمار قطار میں ہوں ۱۲ -

قتل ابوالحسن تاناشاہ اور سکندر عادل شاہ کے تھے وہ آپ کے مطیع ومنقاد اور باج گزار تھے۔ لقب شاہنشاہی آپ پر سجتا تھا اور اب دیکھیئے کہ آپ نے سب کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا اور اب صرف حضرت کی ذات مقدس تن تنہا رہ گئی پس مرتبت شاہنشہی سے گھٹ کر پادشاہ رہ گئے۔ ملک الملوک کے رتبہ سے اُتر کر ملک رہ گئے۔ پس یہ کون سی بات مبارک باد دینے کی ہے جہاں پناہ خود غور فرمائیں" پادشاہ یہ معقول جواب سن کر بہت متاثر ہوا اور کہا کہ فی الواقع زیب النساء جو کچھ کہتی ہے درست کہتی ہے ؎

چو رای زن از رای مرد اکمل است | تواں گفت زن را کہ او اکمل است

بیجاپور کیا تھا اور کیا ہو گیا ایک زمانہ وہ تھا کہ شہر بیجاپور اس قدر آباد تھا کہ تل دھرنے کو جگہ باقی نہ تھی۔ بازاروں میں کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ کچھ عجب چہل پہل تھی۔ امرا کی ڈیوڑھیاں سر بہ فلک کھڑی تھیں جن کے دروازوں پر ہاتھی جھومتے اور نوبتیں جھڑتی تھیں۔ رعایا خوشحال اور فارغ البال تھی۔ جابجا باغات جن میں آب شیریں کی نہریں دوڑتی تھیں۔ سارے شہر میں جابجا حوض اور فوارے چھوٹتے تھے آب وہوا خوش آیند۔ لکھپتی اور کروڑپتی تاجر تھے ہر قسم کے بے شمار پیشہ ور جمع تھے۔ غلہ کی ارزانی۔ علماء وفضلاء اور مشائخین کی کثرت۔ افواج مسلح کے جھنڈ کے جھنڈ غرض ایک زندہ شہر معلوم دیتا تھا جو ہر طرح سے مالا مال سرسبز وشاداب اور دولت سے پھٹا پڑتا تھا چنانچہ پچھلی کتب تواریخ میں یہ حالات دیکھ کر اب ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے جس طرح یہ شہر مینو سواد معراج الکمال پر پہنچا تھا ویسے ہی ورطۂ انحطاط میں گرا۔ ہر کمالے را زوالے۔ ڈیڑھ سو سال تک یہ شہر یوماً فیوماً ترقی کرتا گیا۔ اسباب زوال سکندر عادل شاہ آخری پادشاہ کا خورد سالی میں تخت نشین ہونا ایسی حالت میں کہ کوئی سلطنت کا چلانے والا نہ تھا اور جو تھے اُن میں آپس میں شکر رنجیاں اُن کو آپس کی لڑائی ہی سے کب فرصت تھی جو غنیم بیرونی کی طرف رُخ کرتے چنانچہ برابر چودہ سال یہی طوفان بے تمیزی برپا رہا جدھر دیکھو لوٹ مار کوئی شخص اپنے گھر میں چین سے بیٹھ نہ سکتا تھا۔ فوج کی تنخواہیں مہینوں کی چڑھ گئیں۔ جس کا جدھر منہ اٹھا نکل بھاگا۔ اس طرح بستی چھیجنے لگی۔ آبادی میں گھن لگ گیا۔ سنہ ۱۱ھ کے طاعون نے اور جھاڑو پھیر دی غضب خدا کا کہ گھر کے گھر بند ہوئے بازاروں میں ہو کا عالم تھا۔ گھر خالی

پڑے پڑے بھائیں بھائیں کرتے تھے ایک ایک دن میں سات سات سو مردے نکلے۔ جدھر دیکھو اُدھر سناٹا ہی سناٹا تھا۔ اس کے بعد ۱۱۳۰ھ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ الامان الامان۔ چھ برس مسلسل ۱۱۳۶ھ تک رہا۔ غرض چالیس پچاس برس تک لگاتار یہ شہر اجڑتا ہی رہا۔ قحط اس بلا کا تھا کہ لوگوں کے گھروں میں ایک دانہ غلہ کا نہ رہا جانوروں کا کیا ٹھکانا۔ آدمی درختوں کے پتے کھاتے تھے۔ کتے بلی تک نہ چھوڑے۔ پیٹ بری بلا ہے بعض اپنے بچے کاٹ کاٹ کر کھا گئے اور اس طرح لاکھوں آدمی ضائع ہوئے۔ ہزاروں آدمی بے گور و کفن پڑے ہوئے زاغ و زغن کی خوراک تھے تمام شہر میں عفونت پھیل گئی تھی۔ جدھر دیکھو سوائے مردوں کی ٹڈیوں اور کھوپریوں کے کچھ نظر نہ آتا تھا کوسوں تک میدان انسانی ہڈیوں سے پٹا پڑا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی ایک سفید تختہ ہڈیوں کا نظر آتا تھا۔ جہاں ہزاروں بیل غلہ کے روزانہ آتے تھے وہاں ایک دانہ نظر آتا تھا۔ ریل اُس زمانے میں تھی نہیں جو باہر سے غلہ آجاتا۔ برابر چھ برس تو یہ حال رہا ابھی یہ قحط ختم نہ ہوا تھا کہ دوسرا قحط ۱۱۷۱ھ میں پڑا یہ وہ زمانہ ہے کہ بیجاپور حیدرآباد کے صوبہ دار کے تحت تھا۔ پہلے قحط میں تو خیر کچھ بچا کھچا اناج کچھ دنوں کسی نہ کسی طرح مہنگا ہی سہی مگر مل گیا اب تو ذخیرے بھی ختم ہو چکے تھے اب کیا دھرا تھا رہے سہے لوگ اس قحط میں مر گئے۔ غرض میدان صاف ہو گیا اور ایسا صاف ہوا کہ پھر آج تک پنپنا نصیب نہ ہوا ہر چند عالم گیر نے کوشش کی کہ اس شہر کو پھر آباد کرے مگر کچھ نہ چلی۔ عالم گیر نے اس ملک میں آن کر کوئی سختی نہیں کی بلکہ تمامی امراء کے منصب اور جاگیریں بحال رکھیں بلکہ اور زیادہ کیں اور لشکر اور فوج بھی بدستور قایم رکھی۔ مشائخ اور فقراء اور اہل علم کی معاشیں اور وظائف اور یومیہ جوں کے توں برقرار رکھے چنانچہ اب بھی صدہا فرمان عالم گیر کے عطیات اہل معاش کے پاس موجود ہیں لیکن جف القلم بما ھو کائن خدا کی مرضی میں کس کو دخل جو گھن لگا تھا وہ اندر ہی اندر بڑھتا چلا۔ ۱۱۷۱ھ میں بیجاپور اورنگ زیب کے صوبہ دار کے تحت میں تھا جس کا مستقر حیدرآباد تھا۔ نواب آصف جاہ کی جب تک حکومت رہی شہر کی آبادی کی کوشش کی گئی اور جو عامل مقرر ہوتا تھا پہلا حکم اس کو یہی دیا جاتا تھا کہ شہر کو آباد کرو مگر بیجاپور کی ایسی کل بگڑی تھی کہ کسی کے سنوارے نہ سنوری۔

بیجاپور سرکار عالی نظام کے قبضہ میں ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء

۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء میں جب نظام الملک نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا تو بیجاپور سلطنت نظام مین داخل ہوگیا اور مرہٹوں سے صلح ہوگئی اور ساڑھ لاکھ روپیہ کے معاوضہ میں بیجاپور ۱۷۶۰ء میں پیشواؤں کے قبضہ میں دے دیا گیا۔ جس زمانے میں بیجاپور پیشواؤں کی حکومت میں رہا تو سوائے بربادی اور تباہی کے اور کچھ نہ ہوا۔ اِن کو سوائے اپنے ٹکے سیدھے کرنے کے اور کچھ کام نہ تھا اول ہی رعایا بے دم تھی مرتے کو مارے شاہ مدار اور اِن کو دھر کر نچوڑ لیا۔ مرہٹوں نے دیکھا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارات اور محلات میں بیش قیمت مال مسالا موجود ہے مکانوں کو توڑ پھوڑ کر زمین کے برابر کردیا اور مال مسالا جس کے ہاتھ لگا لے کر چلتا ہوا۔ محلات کا جو بینہ بالکل نکال لیا گیا۔ شہتیریں۔ دروازے اور کھڑکیاں نکال کر چھکڑوں پر لاد کر لے گئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان اُجڑی ہوئی عمارتوں کو آج دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ کس ارمان اور کس شوق سے کروڑوں روپیہ لگا کر یہ دلکش اور پرفضا عمارات طیار ہوئے تھے اور کس بے دردی سے آن واحد میں اُن کو یوں تباہ کیا تو ممکن نہیں ہے کہ ہمارا دل قابو میں رہ سکے اور ہم اُن پر ایک دو آنسو نہ بہائیں۔ ایک انسان وہ تھے جنھوں نے زمین پر نمونہ بہشت بنایا اور ایک انسان یہ تھے جنھوں نے اسے خاک میں ملایا اور لوٹا ٹایا ورنہ صدیاں گزرجاتیں کہ یہ یادگاریں اپنے اولوالعزم بانیوں کی دائمی یادگار صفحۂ دنیا پر قایم رہتیں۔ یہ وہی شہر تھا کہ جب عالم گیر کے قبضے میں آیا تو صرف قلعہ میں نو لاکھ چوراسی ہزار مکان تھے اور یہ اُس زمانے کی حالت ہے جب شہر اُجڑ چکا تھا ورنہ محمد عادل شاہ کے عہد میں صرف ایک شاہ پور محلے میں نو لاکھ مکان تھے خاص شہر بیجاپور اور دوسرے پورہ جات وغیرہ کا تو کچھ شمار نہ تھا۔ ادھر شہر پر یہ غضب نازل ہوا کہ جہاں نوبت جھڑتی تھی وہاں اُلّو بولتا تھا ادھر طاعون اور بار بار کے قحط نے شہر کو اور تباہ کردیا۔ بستی ہر طرح اُجڑنے لگی پہلے جو شہر نہایت درجہ آباد تھا اب وہ ویران ہونے لگا لوگ بیجاپور چھوڑ چھوڑ کر دوسرے مقامات میں جہاں اُن کے عزیز و اقارب رہتے تھے جا بسے اب اِس ویرانہ میں دھرا ہی کیا تھا جو وہ رہتے اور کن آنکھوں سے بیجاپور کی ایسی بڑی گت دیکھتے اور کس کا پتھر کا کلیجا تھا جو اس کی تاب لا سکتا۔ سب حیا جو کے بڑے بڑے لوگوں ہیں

سے معدودے چند کہیں نہ جا سکے اور جہاں سینگ سمائے رہ پڑے جن کی آل اولاد آج نان شبینہ کو محتاج ہے۔ ۱۸۱۸ء میں بیجاپور پر راجہ ستارا کا قبضہ ہوا اور اس کے بعد ۱۲۳۳ھ میں بیجاپور مملکت ستارا کے ساتھ برٹش گورمنٹ کے قبضہ میں آگیا۔ چند سال تک بیجاپور ستارے کے کلکٹر کے حدود ارضی میں رہا پھر شولاپور کے ضلع میں شامل ہوا اور ایسے نصیب پھوٹے کہ دارالسلطنت سے جا کر ضلع کلادگی کا ایک تعلقہ بن گیا۔ آگے چل کر کلادگی سے مستقر ضلع اٹھا دیا گیا اور بیجاپور مستقر ضلع بنا اور جب سے صوبہ بمبئی کا ایک ضلع ہے اور دوسرے ضلعوں کی طرح یہاں بھی کلکٹر جج اور دوسرے عہدہ داران ضلع رہتے ہیں۔

حصہ اول تمام ہوا

غلط نامۂ حصۂ اول واقعات مملکت بیجاپور

کتاب پڑھنے سے پہلے ذیل کی غلطیوں کو درست کرلینا چاہیئے خاص کر سنہ کی غلطی جس سے واقعۂ تاریخی پر اثر پڑتا ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	پر	پیہ
//	۸	دوشالہ	دوشالا
۴	۷	عناں	عنان
//	۱۴	لئے	پیئے
۷	۱۷	م سنہ ۹۷۲ھ	سنہ ۹۷۲ھ م
۹	۱۸	سنیا پتی	سینا پتی
//	۷	جو	×
۱۳	۶	میکند	میکنند
۱۴	۱۲	تل	نل
۱۵	۱۴	اُن	جن
//	۱۶	کمین	مکین
//	۱۷	کے	کی
//	۱۹	دیکھو	دیکھ
۱۶	۱۱	تجھے	تجھسے
۱۸	۹	زنداست	زندہ ست
۲۰	۴	یُورنک	یورنگ
//	۹	جگر	جگہہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰	۱۷	بلیشتر	بلشیتر
۲۲	۵	بھ	بھر
۲۴	۷	سے	لئے
//	۱۵	غوطہ	غوط
۲۷	۶	سنہ ۶۹۰ھ	سنہ ۸۹۰ھ
۲۸	۸	وہی	وہیں
//	۹	کے	کہ
//	//	ترین	قرین
۳۱	۲	سنہ ۱۵۱۵ء	سنہ ۱۵۱۰ء
//	۳	خواستنت	خواستست
۳۳	۱	شوخی	شوخی و
//	۲۳	نا	تا
۳۵	۷	تو	نو
//	۱۹	کبیار	کبار
۳۷	۳	سنہ ۹۲۵ھ	سنہ ۹۱۵ھ
۳۸	۳	آن	از آں
//	//	راہم	رہم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸	۱۸	گیزاشت	نگزاشت	۷۲	۹	بھیجوایا	بھجوایا
۳۹	۱۷	گا	گاہ	〃	۱۴	عیانی	علائی
۴۵	۱	رار	راز	〃	۱۲	ملیار	ملیبار
۴۶	۲	موزیوں	موذیوں	۷۶	〃	کاروان	کاروان
〃	۱۹	بہادروں	بہادرو	۷۹	۶	اس لئے	×
〃	آخر	چہرہ	چڑھ	۸۰	〃	سنہ ۱۵۱۱ھ	سنہ ۱۵۱۱ء
۴۷	۹	گھساں	گھمسان	〃	۱۰	تزک	تزک و
۵۱	۲۰	تو	نو	۸۵	۱۲	کاسٹمر	کاسٹرو
۵۲	۱۴	ہیڈ	ہیڈا	۸۹	۱۵	کر	×
۵۵	۱۵	سنہ ۱۳۲۰	سنہ ۱۳۲۰ء	۹۰	۱۹	بھجا	بھیجا
۵۶	۱۲	اگھٹی	اکھٹی	۹۲	۸	یارڈس	بارڈس
۵۷	۳	بہ	با	〃	〃	سنہ ۹۵۳ھ ۱۵۴۸ء	سنہ ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء
〃	۹	اسوال	الوال	۹۳	۹	بہ	با
۵۹	۱	ئُ	×	۹۴	۱۲	تیر	نیّر
۶۴	۱۴	ئل	رل	۹۵	۱۸	مبارک باد	مبارک آباد
〃	۱۸	کہ	×	〃	〃	مرتضی باد	مرتضی آباد
۶۵	۱۵	خون	خون کے	۹۹	۱۲	کٹر	کٹّا
۶۶	۱۰	جھکوں	جھکولوں	〃	۱۶	بادشا	بادشاہ
۶۷	۱۹	کی	×	۱۰۱	۱۵	منتظر	منظر
۷۱	۱	شاہ	شاہ کا	۱۱۶	۱۰	ملبان	لمبان
〃	۴	سرو	سرد	۱۲۲	۱۴	گو	کو
〃	۸	گز	کز	〃	۱۲	چچڑ	چچڑ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۹	۱۴	فرماتے ہیں	فرمتے میں
۱۴۰	۲۱	سنہ ۱۰۲۴ء	سنہ ۱۸۲۴ء
۱۴۴	۲۳	شیٹر	ویٹر
"	"	کاچرکوٹ	کاچرلہ کوٹ
"	آخر	بچواڑہ	بجواڑہ
۱۴۸	۱۷	آسمان وزمین	تھوڑا
۱۵۱	۱۹	مجھے	اُسے
۱۵۵	۱۷	طرابیس	طرابلس
۱۶۰	آخر	۱۹۹۹	دود
۱۶۱	۴	سنہ ۱۶۲۶ تا ۱۶۸۰ء	سنہ ۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۶ء
۱۶۷	۱۰	وقوع	وقوع باید کرد
۱۶۸	۵	مجرمہ	محترمہ
۱۶۹	۲۱	سیٹی ٹریم	سینی ٹریم ہر
۱۷۵	"	متحسن	متحصن
۱۷۸	۱۷	نیچے	پنیچے
۱۹۱	"	گھسان	گھمسان
۱۹۳	۳۰	پر	×
۲۰۱	۱۵	سنہ ۱۰۰۴ء	سنہ ۱۰۰۴ھ
۲۰۶	۱۴	نگا	لگا
۲۰۷	۱۵	ممسِکِ لِھا	مُمسِکَ لَھَا
۲۰۸	۲	کو	×
۲۰۹	۱۰	خط	خطہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۹	۱۵	جبس دن	جب
۲۱۰	۱۶	کے	×
۲۱۳	۱۷	اکبر	اکبر نے
۲۱۴	۱۰	Tavenier	Tavernier
۲۱۶	۸	مَرحَبَظ	مرحبہ
"	آخر	بعدخود	لبعد
۲۲۳	۱۴	توقیر	توفیر
۲۳۰	۵	پوٹنیکل	بوٹنیکل
"	۱۶	پونے	پونے سے
"	۲۰	پورندھ	پورندھر
۲۳۱	۵	جنیّر سے	جنیّر اور
۲۳۳	۲۱	اَلتحکیمُ	الحَلیمُ
۲۳۹	۲	چھین کی	چھین لی
"	۱۹	تھلاک	تھلاگ
۲۴۰	۱۷	اوس	اُس
۲۴۱	۸	لیے	آے
۲۴۴	۱۲	اورے	اورا
۲۴۵	۱۵	خیراً	خیرہٗ
۲۴۸	۱۳	پوچھتا	پوچھتا تھا
۲۵۲	۱۲	سنہ ۱۰۴۵ء	سنہ ۱۰۴۵ھ
۲۵۴	۱۸	سرگردگی	سرکردگی
"	"	ابگیری	ابکیری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۲	۳	سب	سب چیز نسبت				کے ساتھ نیکی
۲۶۹	۱۵	وہی	وہ				کرنے والوں کو
〃	۱۷	نحل	محل				دوست رکھتا ہے ۱۲
۲۷۰	۱	برہموں	برہمنوں	۲۹۶	۲	ساقہ	ساقہ پر
〃	۱۶	تگن	گگن	〃	۴	گئے	×
۲۷۲	۱	در	دار	〃	۷	نور	نگر
〃	۶	سوری	کوری	۲۹۷	۱۴	بہفضنزنناد	بہفصدنزناد
〃	〃	الہ	اسہ	۲۹۸	۱۱	جزاء	جزاء سیئۃ
〃	۹	رابود	رابہ بود	۲۹۹	۱	سونڈے	سونڈے پر
〃	〃	زاہد	زہد	۳۰۰	۱	ناٹک	کرناٹک
۲۷۳	۱۶	استعاثوں	استغاثوں	〃	۲	طلب کو	×
۲۷۴	۹	نہ ڈالیں	ڈالیں	۳۰۲	۱۳	سنہ ۱۲۶۵ھ	سنہ ۱۲۶۵ء
〃	۲۰	و	×	۳۰۴	۱۲	برستے	برسنے
۱۷۵	۱	خلاف	غلاف	۳۰۵	۲	ٹھلک	ٹھلگ
۲۸۰	۱۹	کیا	لیا	۳۰۷	۱۵	فیل	خیل
۲۸۲	۶	سنہ ۱۰۶۷ء	سنہ ۱۰۶۷ھ	〃	۱۸	صلابت	صلابت خاں
۲۸۵	۸	اُڑ	آڑ	۳۱۴	۲	دیئں	دیئن
۲۸۷	۱۳	الو	اولو	۳۱۵	۱	اُٹھیں	اُنکھیں
۲۹۱	۱۶	سے	×	〃	〃	ہوئی	ہوئے
۲۹۴	۱۱	میں	میں جان	〃	۷	کوئی	کوں
〃	۱۲	چھلکہ	چھلگہ	〃	۱۱	جھوٹ	چھوٹ
〃	آخر	ہیں	ہیں اور اللہ لوگوں	۳۱۶	۱۵	قوئی	قوی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۷	۱۷	سنہ ۱۰۸۳ع ۱۶۷۲ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ع
۳۱۸	۹	میری	میرے
〃	۱۵	کی	کی کہ
۳۱۹	۱	حیساں	حبشاں
۳۲۱	۱۸	ملک	مملکت
۳۲۳	۱۲	خیام	خیال
۳۳۱	۹	ھزار	ہزار
۳۳۵	۳	پگڑ	بگڑ
۳۳۷	۹	ساتھ	×
〃	۲۱	شرط	شرط بھی
۳۴۰	۳	بتلادوں	بتلادوں کہ
〃	۱۱	اس	اسی
۳۴۴	۱۸	کے	کی
۳۴۵	۳	سالون گی	سالو نگی
۳۴۷	۱۴	عورت	عورتوں نے
۳۵۰	۱۱	مقدم شہ	مقدم
〃	۱۲	تالث ۶ھ وارڑ	ثالث ۵ھ وارڑ
〃	〃	دیسائی	دیسائی
〃	۱۳	معمول	معمول زرنقد
〃	۲۱	۵ئ	×
۳۵۳	۷	الپسی	الیسی
۳۵۷	۲۲	اسخلاص	استخلاص
۳۵۸	۶	سنہ ۱۰۹۳ع	سنہ ۱۰۹۳ھ
〃	۸	میبازراں	مبازراں
〃	۱۵	وغیرہ	×
〃	۲۰	برقاقت	برفاقت
۳۵۹	۷	سہ بیت	سنہ نسبت
۳۶۱	۴	سے	×
۳۶۲	۱۵	آدبا	آدہا
۳۶۶	۲۲	بجائش	بجاباش
〃	آخر	۱۳۵	۱۲۵
۳۶۸	۴	سنگمر	سنگمنیر
〃	۱۶	اور	×
۳۶۹	۵	فیرور گڈہ	فیروز گڈہ
۳۷۶	۱	سے	نے
۳۷۷	۱۱	باغات	باغات تھے
۳۷۸	۱۵	بلکہ	×
۳۸۹	۱۹	ادھر	اُدھر
〃	۲۲	بڑی	بڑی

تمت

اعلان

ولہ

۱ حرز اطفال - ۲ نشاط عمر - ۳ عصاے پیری - یہ تینوں کتابیں لڑکوں جوانوں معمر لوگوں کے لئے تلقین معاشرت و تعلیم نیک کرداری و اخلاق کی بہترین رہ نما ہیں جو ڈاکٹر سمائل کی کتب انگریزی سے ماخوذ ہیں -

۴ حیات قیصرہ - ملکہ وکٹوریا آنجہانی کی مختصر سوانح عمری -

۵ تاریخ بیجانگر - جس میں راجگان بیجانگر و ہم عصر سلاطین بہمنیہ - بریدیہ - عادل شاہیہ قطب شاہیہ - نظام شاہیہ و گورنران پرتگال کے حیرت خیز کارنامے درج ہیں (با تصویر)

۶ خالق باری انگریزی اردو منظوم - جس میں بچوں کے لئے روزمرہ کے ۱۳۳۹ بکار آمد الفاظ درج ہیں

۷ اقبال دلہن - جس میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم - شادی بیاہ وغیرہ کی رسوم ترک شوہر کے تعلقات تعدد ازدواج کی خرابیاں - سوکنوں کا برتاؤ ایک نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں - ۱۲ عہ

۸ حسن معاشرت - جس میں پھوہڑ اور سلیقہ مند بیویوں کے حالات بالمقابلہ ایک نہایت دلچسپ نتیجہ خیز اور نصیحت آمیز پیرایہ میں دردانگیز طریقہ پر لکھے گئے ہیں - - - - عہ

۹ واقعات مملکت بیجاپور - - - - - کلدار سکہ عثمانیہ

قیمت ہر سہ حصص مکمل غیر مجلد - - - -

" " مجلد طلائی - - - -

محصول ڈاک مع خرچہ وی پی دونوں صورتوں میں - -

نمبر ۱ - ۴ - ۵ - ۶ کی کتابیں اب سٹاک میں نہیں رہیں ان کے لئے طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا باقی کتابیں ذیل کے پتہ پر مل سکتی ہیں -

بشیر الدین احمد اول تعلقدار ( ) ریاست حیدرآباد دکن

فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

کہو کہ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا کیسا انجام ہوا

زنقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

واقعات مملکت بیجاپور

سنہ ۱۳۳۲ھ

این تاریخ ہمایون مشتمل است بر احوال خاندان شاہان بیجاپور

سنہ ۱۳۳۲ھ — مشتمل برسہ حصص — سنہ ۱۳۲۴ فصلی

حصۂ دوم جس میں فوٹو ہیں

مصنفہ

خاکسار بشیر الدین احمد (دہلوی) اول تعلقہ دار (کلکٹر)

ضلع رائچور القاہ اللہ عزوجل بالعافیۃ والسرور

ممالک محروسۂ سرکار عالی نظام

خلد اللہ ملکہ

سنہ ۱۹۱۵ء

طبع اول — ۵۰۰ جلد

مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علیخان صوفی طبع شد

فہرست مضامین حصہ دوم واقعات مملکت بیجاپور

فہرست تصاویر حصۂ دوم واقعات مملکت بیجاپور

۱ زنجیری مسجد کے دو طرح کے فوٹو دئے گئے ہیں۔

۲ قلعۂ پرینڈہ کے لئے دیکھو حصۂ سوم صفحہ (۱۶۷)

۳ دیکھو حصۂ سوم۔

قلعۂ بیجاپور مع مضافات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(حصہ دوم)

مشتمل بر حالات عمارات مشہور و اولیائے مغفور بیجاپور

لِلّٰہِ مَلَکٌ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ[1]　　لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْا لِلْخَرَابِ

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　آثار پدید است صنادید عجم را

شہر بیجاپور کے عام حالات بلدۂ بیجاپور جو کسی زمانہ میں ملک دکن کا دار السلطنت تھا بمبئی سے ناک کی سیدھ جنوب و مشرق میں بہ فاصلہ (۲۴۰) میل واقع ہے۔ گریٹ انڈین پننسولا ریلوے کے ہُڈگی جنکشن سے جو شولاپور سے صرف دو اسٹیشن آگے ہے اور بمبئی سے (۲۹۲) میل کے فاصلہ پر واقع ہے، سدرن مرہٹہ ریلوے کی چھوٹی لین بدلنی پڑتی ہے اور یہاں سے بیجاپور (۵۹) میل ہے۔ اس طرح ریل کے راستہ سے (۳۵۱) میل کا فصل ہے۔ ہُڈگی سے بیجاپور تک صاف چٹیل پہاڑی میدان ہے۔ زراعت بالکل ہی کم ہے بجز بھیماندی کی وادی کے جہاں البتہ کچھ سبزی نظر آتی ہے۔ چالیس میل کے بعد ریل دو چھوٹے پہاڑوں کے سلسلہ میں سے گزرتی ہے وہاں سے نکلتے ہی بیجاپور دکھلائی دینے لگتا ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف دور فاصلہ پر ایک چھوٹی سی کالی کالی چوکون چیز دور اُفق میں الگ تھلگ کھڑی ہوئی بہ سمت جنوب نظر آتی ہے یہ وہ عظیم الشان گول گنبد ہے جو سلطان محمد نے بنایا تھا اور جو ملک دکن میں سب سے بڑی اور مشہور عمارت ہے۔ یہ گنبد شہر کے دونوں جانب سے میلوں سے دکھلائی دیتا ہے بلکہ باگل کوٹ[2] سے بھی جو بیجاپور سے (۵۶) میل جنوب میں واقع ہے نظر آتا ہے یہ کچھ عجیب نہیں بیدر کے مدرسہ کی مینار شکستہ (۲۴) میل کے فاصلہ سے نظر آتی ہے اور اسی طرح تلجاپور سے شولاپور دکھلائی دیتا ہے جو (۲۴) میل ہے اور قلعہ میدک پر سے بھی قلعہ بیدر

---

[1] دنیا میں ایک فرشتہ ہمیشہ منادی کرتا رہتا ہے کہ جو مرنے کے لیے پیدا ہوتا ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور مرے گا یا یوں سمجھو کہ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ قبر کا گڑھا بھی لامحالہ دیکھے گا اور اسی طرح عمارتیں کیسی بھی بناؤ مگر وہ بھی ایک نہ ایک دن خراب اور اُجاڑ ہوں گی یہ ہوں گی اور یہی معنی کل من علیہا فان کے ہیں ۱۲

[2] یہ مقام بیجاپور سے ہُڈگی گدگ سکشن سدرن مرہٹہ ریلوے پر واقع ہے ضلع بیجاپور کے سب ڈویژن کا مستقر گھاٹ پر بھاندی پر واقع ہے باگل کوٹ میں کثرت سے روئی کا بیوپار ہوتا ہے اور کئی بیج روئی صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کے پریس ہیں۔ علاوہ دیگر محکمہ جات کے سب جج کی کچہری بھی یہاں ہے ۱۲

صبح سویرے مطلع صاف ہو تو دھندلا دھندلا دکھلائی دیتا ہے جو پچیس کوس کا فاصلہ ہے اور یہ میرا مشاہدہ ہے۔ ریل جب نشیب یا گھاٹیوں میں اُترجاتی ہے تو گنبد نگاہ سے غائب ہو جاتا ہے اور جب بلندی پر آتی ہے تو پھر نظر آنے لگتا ہے پہلے داہنے ہاتھ کی طرف دکھلائی دیتا ہے اور ریل کے پھیر کی وجہ سے آگے چلکر بائیں ہاتھ کی طرف آجاتا ہے اور جوں جوں قریب آتے جاتے ہیں اُتنا ہی زیادہ صاف اور بڑا نظر آنے لگتا ہے۔ رفتہ رفتہ اور دوسری بڑی عمارتیں جامع مسجد۔ ساتمنزلی جوڑ گنبد حیدر برج وغیرہ بھی دکھلائی دینے لگتی ہیں اور شہر کے مغرب میں بیرون شہر ایک بلند مقام پر امین درگاہ کا سفید گنبد چمکنے لگتا ہے جس کے آس پاس موضع درگاہ پور کے مکانات بھی نظر آتے ہیں۔ گول گنبد کے نہایت مرتفع قبہ کے مشرق میں چھوٹی چھوٹی اُجڑی ہوئی عمارتیں بیرون فصیل متفرق طور پر جابجا واقع ہیں جن میں سب سے زیادہ نمایاں جہاں بیگم اور عین الملک کے مقابر ہیں جن کے گنبد انڈے کی طرح گول اور سڈول کیسے بھلے معلوم دیتے ہیں۔ جب شہر کے پاس پونہچ جاتے ہیں تو ساری بستی ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے شہر بیجاپور بسانے کے لئے ایسا مقام جو چوطرف سے کھلا ہوا ہے اور غنیم کا دخل بہ آسانی ہو سکتا ہے کیوں منتخب کیا گیا اور اس میں کیا مصالح مضمر تھے ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اس سرزمین پر کوئی قدرتی آڑ نہیں ہے نہ کوئی ایسا دلچسپ موقع ہے جہاں اتنا بڑا شہر بسایا جاسکے ہمارے خیال میں اس کی صرف ایک ہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یوسف عادل خاں جب اس شہر میں بطور گورنر کے پہلے پہل آیا جب بھی یہ ایک بڑا فوجی مقام روز بروز برسر ترقی تھا غالباً ان ہی وقتوں سے ایک مرتبہ نورس پور میں جو بیجاپور کے مغرب میں چند میل کے فاصلہ پر ہے دارالسلطنت منتقل کرنے کا مصمم ارادہ ہو گیا تھا اور ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اس غرض سے اس مقام پر عمارت محلات اور قلعہ بندی بھی شروع کر دی تھی لیکن اس زمانہ میں نجومیوں کا بڑا دور دورہ تھا ان کی بات پتھر کی لکیر ہو جاتی تھی ان لوگوں نے بہت کچھ ڈراوے دیئے ناچار اس طرف کا خیال چھوڑنا پڑا۔ بیجاپور کا تمام مشرقی میدان فصیل قلعہ تک اس طرح بلند ہے کہ سارا شہر ہتیلی میں معلوم دیتا ہے اگرچند توپ خانے ان پہاڑیوں پر لگا دیئے جائیں تو تھوڑی ہی دیر میں شہر کو مسمار کر سکتے ہیں اس لئے کہ توپ خانے والوں کو تو پہاڑیوں کے دامن کی آڑ پکڑنا یا مورچہ بندی کرلینا اور اس طرح زد سے بچ جانا بالکل آسان ہے بخلاف اس کے ان مقامات سے نہ صرف شہر کے سارے مکانات دکھلائی دیتے ہیں بلکہ طرفہ یہ کہ فصیل کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی دکھلائی دیتا ہے۔ بلحاظ ان حالات کے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جس زمانہ میں بعہد سلاطین بیدر بیجاپور صوبہ کا مستقر قرار دیا گیا تھا اُن دنوں توپیں میدان جنگ میں لانے کا رواج نہ تھا اور نئی نئی اختراع ہونے سے زیادہ کارآمد بھی نہ تھیں ان وجوہ سے شہر بیجاپور کو زیادہ خدشہ نہ تھا لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا توپوں کی ساخت میں اصلاح ہونے لگی چنانچہ جب اورنگ زیب توپ خانے لے کر چڑھا تو بیجاپور کو

فتح کرنے میں کچھ زیادہ دقت پیش نہیں آئی۔ بیجاپور کا راستہ بھی لٹیرے مرہٹوں کی بدولت نہایت غیر مامون تھا
اور اُس زمانہ میں شہر بالکل اُجڑا ہوا تھا۔ فصیل کے اندر بستی میں تو کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ بیجاپور کے اطراف کی زمین ایسی پتھریلی
اور ریتیلی ہے کہ اس میں ہمیشہ پیداوار کی قلت رہتی ہے خصوصاً شہر کے اطراف کے چٹیل بنجر میدانوں کو دیکھ کر ہم کو سخت
حیرت ہوتی ہے کہ بیجاپور جیسا عظیم الشان شہر جس میں لاکھوں آدمی رہتے تھے ان کی کس طرح سے بسر ہوتی ہوگی اور کیوں کر
اشیائے مایحتاج فراہم ہوتی ہوں گی۔ لیکن اس اشکال کے حل کے لئے کچھ زیادہ غور و خوض کی ضرورت نہیں ہے
بیجاپور سے چند میل کے فاصلہ پر جانب جنوب ڈھون[1] کی ندی موجود ہے جس کی وادی ایسی سرسبز اور شاداب ہے
کہ یہ مثل زبان زد خاص و عام ہو گئی ہے کہ اگر ڈھون کی فصل کا ہنگام اچھا ہو تو کھائے کھایا نہ جائے گا (یعنی اتنی بہتات
سے غلہ پیدا ہوتا ہے کہ کھائے کھایا نہیں جاتا) اور اگر سقامت فصل ہوئی تو پھر کھائیں گے کیا (یعنی زندگی کا
دارومدار ڈھون کی پیداوار پر موقوف ہے اگر فصل اچھی ہوئی تو مالا مال ہیں ورنہ کال ہی کال ہے دریائے ڈون
بیجاپور کے لئے سرمایۂ آب حیات تھا اس لئے علاوہ دریائے کرشنا اور بھیما دونوں ملک کو سیراب کرتے تھے اور منوں
غلہ بہ آسانی میسر آتا تھا۔ کرنل میڈوز ٹیلر کس خوبی سے بیجاپور کی ویرانی کا حال بیان کرتے ہیں کہ مسافر جوں ہی
شہر کے اندر داخل ہوتا ہے تو وہاں کی ویرانی اور تباہی دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے گو کہ یہ نظارہ نہایت الم ناک ہے
لیکن خوب صورت اور دل کش عمارتوں کا خوشنما مجموعہ پرانے پرانے گھنے اور سایہ دار املی اور پیپل کے درخت سفید
براق کھنڈر اور دور سے ان بڑی بڑی عمارتوں کا دل خوش کن نظارہ یہ ایک ایسا بے نظیر اور قابل دید منظر ہے
کہ جس نے دیکھا ہو وہی جان سکتا ہے اور ایک دفعہ دیکھنے کے بعد آنکھیں مدتوں اس کو ڈھونڈتی رہتی ہیں اور کبھی ایسے
حالات کو دل سے فراموش نہیں کر سکتے سارے ملک دکن میں خواہ وہ بیدر ہو یا گلبرگہ یا قلعۂ گولکنڈہ کہیں بھی ایسا لطف
ایسی شان و شوکت عمارات ایسے شوقین اور پُرسلیقہ دماغوں کا مادی ثبوت جس میں دل کھول کر بے شمار خزانہ بہا دیا
گیا ہو اس وقت بھی جو اس اُجڑے ہوئے بیجاپور میں دکھلائی دیتا ہے دوسری جگہ اُس کی کوئی نظیر ملنی ناممکن ہے۔ سیاح کئی کئی
دن ان ویرانوں میں پھرتے ہیں اور جوں جوں دیکھتے جاتے ہیں محو حیرت ہوتے جاتے ہیں اور کسی طرح دل نہیں
بھرتا کہ ہماری نگاہ سے یہ سین اوجھل ہو انسان کے دل میں محض اس بات سے عظمت اور پسندیدگی کا خیال نہیں

[1] ڈھون ندی کرشنا کی معاون ہے جو جلدرگ مقام پر کرشنا میں مل جاتی ہے۔ جلدرگ تعلقہ لنگسگور ضلع رائچور میں ایک قدیم قلعہ
ہے جو کرشنا کے دونوں پھاٹوں کے درمیان مرتفع میدان پر بنایا گیا ہے منظر اس کا قابل دید ہے اندر کے مکانات سب کے سب ٹوٹ ٹاٹ
گئے ہیں۔ مگر برج اور فصیل اب بھی موجود ہیں ۱۲

پیدا نہیں ہوتا کہ بیجاپور میں بڑی عالی شان قابل دید عمارتیں ہیں نہیں نہیں اس ویرانے میں بھی وہ نا قابل بیان لطف ہے جو ہزار آبادی پر صدقے کرنے کے قابل ہے۔ اِن کھنڈروں اور ویرانوں میں بے شمار دل حسیب مناظر ایسے ہیں شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ لاعَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ محلات عالی شان۔ محرابیں و رکھائیں مقابر و گنبد۔ حوض ہائے آب رسانی دروازہ ہاے بلند و پرشوکت۔ مینارے اور برجیاں سب کاٹے پتھر کے بنے ہوئے ہیں جن میں طرح طرح کی کاری گری اور ایسی عمدگی سے نقش و نگار تراش کر بنائے ہیں کہ پتھر کو موم کر دیا ہے۔ جس کی مثل آج اس ترقی کے زمانہ میں بھی بنانا نا ممکن ہے۔ ان بے نظیر عمارتوں کے گلے میں آج جنگلی بیلوں کے ہار پڑے ہیں ان کے سڈول گھڑے گھڑائے چکنے چمک دار اور شفاف پتھروں میں جا بجا پیپل اور بڑ کے درخت پھوٹ نکلے ہیں جنھوں نے اور بھی اِن کو کھنڈر دیا اور بیخ و بنیاد سے ہلا دیا ہے۔ لیکن جس چیز کو دیکھو اپنی جگہ لاجواب ہے بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ان صناعوں کے ہاتھ چوم لیں۔ یہ تمام اُجڑا ہوا دیار اس حالت میں بھی ہر ایک صناع کے لیئے بیش قیمت اور لازوال خزانہ ہے۔ قلعہ کے اندر کے حالات نہایت افسوس ناک اور نا قابل بیان ہیں۔ جدہر دیکھو سوائے بربادی اور تباہی اور مکانوں کے کھنڈر یا گرے گرائے بڑے بڑے ڈھیروں کے کچھ باقی نہیں ہے۔ ان ٹیلوں ہی میں جا بجا کچھ کچھ عمارات بچ رہی ہیں جو اب بھی دیکھنے کے قابل ہیں جتنے مکان لداؤ کے تھے وہ تو دست برد زمانہ سے اب بھی محفوظ ہیں لیکن جن میں چوبینہ کی چھتیں تھیں وہ زمانہ ہوا کہ ٹوٹ پھوٹ گئے اور لاعلاج طور پر تباہ ہو گئے۔ ان کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہے قلعہ کے اندر سیاحوں کے لیئے جن کو تاریخ کا شوق ہے اب بھی بہت سی تاریخی دل حسیب مقامات موجود ہیں۔ وہ جگہ اب تک موجود ہے جہاں جاں نثار دل شاد آغا اور یوسف عادل شاہ کی ملکہ پونجی خاتون نے بذات خود زرہ بکتر لگا کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ دغا باز کمال خاں کا مقابلہ کیا اور کم سن بادشاہ اسمٰعیل کی جان بچائی۔ وہ جگہ بھی موجود ہے جہاں کمال خاں کا بیٹا دیوار کے نیچے کھڑا ہوا تھا اور کم سن بادشاہ نے دیوار پر چڑھ کر خود اُس پر ایک پتھر تاک کر لڑھکا دیا جس سے اس کا کچلا ہو گیا۔ وہ کھڑکی موجود ہے جہاں کمال خاں کے مردے کو لوگوں کو زندہ باور کرانے اور محل شاہی پر وحشیانہ حملہ کرنے کی ہمت دلانے کے لیئے ٹیکا لگا کر بٹھا دیا تھا فصیل میں وہ جگہ بھی ہے جہاں سے دل شاد آغا نے رسّے پھینک کر وفادار اور جاں باز مغلوں کو اندر اُتار لیا تھا اور جنھوں نے اپنی نمک حلالی اور وفاداری سے ملکہ اور کم سن بادشاہ کی جانِ عزیز بچائی یہ مقامات ہر گائیڈ آپ کو بتلا سکتا ہے اور بلحاظ موقع و محل دل خود بخود اِن مقامات اور واقعات کی صحت اور تصدیق کرتا ہے۔ وہ کمرہ بھی موجود ہے جہاں سے

ط۱ نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا ۱۲

کشور خاں شریف اور نیک دل ملکہ چاند بی بی کو گھسیٹتا ہوا لے گیا اور قید کر کے ستارا بھجوا دیا ان غم زدہ مناظر کے سوا وہ دل چسپ مقام بھی قابل دید ہے جہاں زندہ دل بادشاہ محمود اپنی پری زاد معشوقہ رنبھا کے ساتھ عیش و عشرت کی گھڑیاں گزارتا تھا گو کہ راجۂ ستارا نے اس مقام کو بہت کچھ خراب کیا اور جا بجا تمام گل کاری اور نقاشیوں اور طلائی اور لاجوردی کام کو کھرچ ڈالا لیکن پھر بھی یہ کمرہ بلحاظ نفاست نقش و نگار اور بے نظیر رنگ آمیزی اور گل کاری اور تصاویر اور سنہری کام کے رشک ارم ہے اور اب بھی غور سے دیکھا جائے تو جا بجا رنگیلے بادشاہ اور اس کی پیاری رانی کی تصویریں مدھم اور مٹی مٹائی دکھلائی دیتی ہیں۔ یہ اور اس قسم کے سیکڑوں حیرت خیز فسانے اور اصلی واقعات جو ان عمارات شاہی میں گزرے ہیں وہ آج بھی لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور جس کسی کے دل میں درد اور شوق ہو تو اب بھی ان نامور لوگوں کی نسل مفقود نہیں ہے بچے کھچے بڈھے ٹھڈے اپنے بزرگوں کی پر درد رام کہانی دہرانے اور ہمارے زخمی دل پر نمک پاشی کرنے کو موجود ہیں ؎

جن کی عمارتیں بہ فلک سر کشیدہ تھیں　　نسلوں میں اُن کے رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخمل رومی کا فرش تھے　　اب اُن کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز　　نوبت یہ ہے کہ جوٹے پیٹ اُن کے توا نہیں
دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند　　پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں
باوا فقیر تھے کہ اُنھیں پوجتے تھے لوگ　　بیٹا فقیر ہے کہ کوئی پوچھتا نہیں

ہم عموماً دیکھتے ہیں کہ پچھلے زمانہ کی عظمت و جبروت اور عظیم الشان اور خوشنما یادگاروں کی داستانیں سننے کے لئے سب کے کان لگے رہتے ہیں اور ہر شخص ہمہ تن متوجہ ہو کر گوش دل سے سنتا ہے لیکن سخت تعجب ہے کہ اس آفت رسیدہ اُجڑے ہوئے شہر کی دردناک حالت کی کسی کے دل پر چوٹ نہیں اور جس قدر دل چسپ مناظر اور قابل دید یادگاریں یہاں کی چپے چپے زمین سے متعلق ہیں اُسی قدر اُن کی طرف سے بے اعتنائی اور سرد مہری دیکھی جا رہی ہے ؎

پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو بہا نہ ہو　　صد چاک ہو وہ دل جو الم آشنا نہ ہو

پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ان خوب صورت مگر اُجڑے ہوئے سر بہ فلک مقابر اور کھنڈروں پر جب سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو محلات۔ مساجد۔ زنانی محل سرائیں میدان کارزار کے برج اور مورچے فصیلیں اور خندقیں سب آنِ واحد

میں دھوپ کی تیز شعاعوں سے ایسی جگمگا اٹھتی ہیں کہ جس کا بیان زبان قلم سے ناممکن ہے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ کوئی زبردست معرکہ نگار شاعر اپنی پرزور طبیعت سے ان مٹنے والی داستانوں اور معرکۃ الآرا حالات کا خاکہ کھینچ کر ان کو حیات جاوید بخشے جو آیندہ آنے والی نسلوں کے لیئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے یاد کو تازہ کر سکے۔ ماوراء اس کے اس زمانے کے لوگوں کے لیئے ان عمارات کا نظارہ زمانہ گزشتہ کے لوگوں کی اعلیٰ درجہ کی ہنرمندی وصناعی کی قدردانی کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ کہ اگلے زمانہ میں بھی کیسے کیسے باکمال ہنرمند سلیقہ شعار اور سلیم المذاق لوگ ہو گزرے ہیں ان یادگاروں کے دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ ہنر اور تہذیب میں کسی طرح کم تھے بلکہ ان کے کام صفحۂ دنیا پر ایسی مستحکم یادگاریں اور کھلے ہوئے ثبوت ہیں کہ جن کی نقل اُتارنا بھی آج ایسے ترقی کے زمانے میں محالات سے ہے اُس زمانہ کے لوگ ضرور ہم سے اپنی خداداد قابلیت اعلیٰ درجہ کی ترقی اور تہذیب نمو اکر چھوڑیں گے جو اب یورپین اقوام کے لئے بھی باعث سرمایۂ ناز ہے" کرنل میڈوز ٹیلر کی اس تحریر کے بعد بیجاپور کی حالت میں تغیر عظیم واقع ہو گیا ہے اب افسوس ہے کہ وہ حالت بھی باقی نہیں روز بروز حالت بدلتی جارہی ہے اور اسی طرح بدلتی جائے گی اور جو لوگ دس پندرہ برس کے بعد پھر اس شہر کو دیکھیں گے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ وہ پہچان بھی نہ سکیں گے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا

زمانۂ حال کے ہاتھوں سے اس شہر کے حالات میں جو تبدیلیاں روز بروز ہو رہی ہیں اُس کی منطق کا فیصلہ ہم ناظرین کی عقل سلیم پر چھوڑتے ہیں جو لوگ رفاہ عام کے قائل ہیں وہ تو ان سب تبدیلیوں کو ترقی سے تعبیر کرکے نظر استحسان سے دیکھتے ہیں لیکن وہ لوگ انسان کی اس دست درازی کو جو محض خود غرضی اور نفع ذاتی پر مبنی ہے پسند نہ کریں گے۔ نئی روشنی کے لوگ اس میں شک نہیں کہ اس طرز عمل کو از بس پسند کریں گے کہ بیکار چیزوں کو زمانۂ حال کے بکار آمد بنایا جاتا ہے اور اس کے خلاف رائے قائم کرنے والوں کو محض دیوانہ سمجھیں گے لیکن دوسرا فریق دست تاسف ملتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ تہذیب وترقی زمانۂ حال کی آڑ میں تمامی قدیم اور تاریخی نشانیوں اور یادگاروں کو ناقابل تلافی طور پر ہماری نگاہوں سے دور کر دیا اور ہمارے دیکھتے دیکھتے اُن کو کیسا نیست و نابود کیا۔ پُرانے سفید چمکتے ہوئے واجب التعظیم گرے ہوئے مکانات اپنی اس خستہ حالی میں کیسے خوش نما لباس سے آراستہ تھے اور جنھیں خود نیچر کے دست قدرت نے صحرائی بیلوں کے ہاروں اور سہروں سے آراستہ کیا تھا اب دیکھو تو اُن کے یہ قدرتی لباس نوچے کھسوٹے جارہے ہیں اور اُن کا حسن جو اس سبزہ زار میں پوشیدہ تھا نہایت بدشکل ہیئت میں عریاں کیا جارہا ہے یا یہ کہ سرے سے قیدیوں کے ہاتھ سے اُن کو اس طرح صاف کیا جارہا ہے کہ نشان بھی باقی نہ رہے۔

رُکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگِ گلو باقی نگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی

لیکن خدا کی شان۔ اُس کو بیجاپور کی حالت زار پر رحم آگیا۔ شاہی بے زبان عمارتوں نے زبان حال سے اس ذوردانہ سلوک سے جو شور و فغان کیا وہ مقرون اجابت بارگاہ الٰہی ہوا اور کوری کے دن پھر پھرے۔ لارڈ کرزن کو خدا خوش رکھے۔ ان لڑکھڑائی ہوئی عمارتوں کی داد و فریاد اس بیدار مغز وایسرائے کے کانوں تک پونہچی کہ کہیں تو مسجد کچہری بنی ہوئی ہے کہیں مسافر بنگلہ کہیں محل شاہی جہاں جلوس شاہی ہوتے تھے اور آئے دن دربار عام عدل و انصاف ہوتا تھا اور مجالس جشن و طرب سے گونجتا تھا وہاں قیدیوں کی بیڑیوں کی جھنکار ہے۔ جہاں بادشاہاں گیتی ستاں اور معشوقان گل رخاں خرام ناز کرتی تھیں وہاں جرائم پیشہ ڈاکو چور قزاق اور خونی رہتے ہیں۔ گورنمنٹ نے آثار قدیمہ کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا لاکھوں روپیہ سالانہ پچھلے زمانے کی یادگاریں سنبھالنے میں لگانا منظور فرمایا۔ جو چیز جس غرض سے بنائی گئی تھی اُس کے لئے مخصوص کردی گئی اب مسجدوں میں کچہریاں نظر آتی ہیں نہ مسافر بنگلے نہ جوتیاں پہن کر اُن کی بے حرمتی کی جاتی ہے نہ اُن میں شراب اُڑتی ہے۔ نہ ریلوے کے آفس ہیں اللہ اللہ یہ حالت دیکھکر بانیان ان عمارات ہائے رشک ارم کے دلوں پر کیسا سانپ لوٹتا ہوگا اور ان کی روح پر فتوح پر کیسا صدمۂ عظیم ہوتا ہوگا مگر خدا کا شکر ہے کہ اُن کی مشت خاک سے بھی برٹش گورنمنٹ کے حق میں صدائے اَحسنتُ و آفریں بلند ہورہی ہے۔ ہندو اپنی جگہ اور مسلمان اپنی جگہ خوش ہیں۔ گورنمنٹ خود اس میں دلچسپی لے رہی ہے اور جتنی عمارات قدیم سلاطین زمن جو قابل فخر و یادگار ہیں اُن کی حفاظت اور داغ دوزی کی جارہی ہے اور اس طرح گرتی ہوئی عمارتوں کو تھام لیا اور اگرچہ جو کچھ زمانہ کے ہاتھ سے نقصان پونہچ چکا پونہچ چکا اب اُس کی تلافی کیا ہوسکتی ہے لیکن ہم سب اب دیکھ رہے ہیں کہ زمانہ کی دست برد اور انسان کے بے رحم ہاتھوں سے جو کچھ اب بچ کچھ رہا ہے وہ برٹش گورنمنٹ کی مادرانہ آغوش میں پرورش پا رہا ہے۔ قلعہ کی حالت جو تیس سال پیشتر تھی آج دیکھو تو بالکل بدلی ہوئی ہے البتہ شہر میں بعض بعض مقامات اپنی قدیم حالت پر قائم ہیں۔ بڑا حصہ شہر کا ویران ہے سوائے گری ہوئی دیواروں خالی میناروں اور کھنڈروں کے کچھ نظر نہیں آتا حالانکہ ایک ایک چپہ زمین کا آباد اور پر رونق اور عمدہ عمارات سے پٹا ہوا تھا۔ کھنڈروں اور گری ہوئی دیواروں کے ڈھیروں میں اب بھی اُس زمانے کی گلیوں اور راستوں کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں دیکھو ناگ پھنی اس کثرت سے پھیلی ہوئی ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے کہ گویا ساری بستی اسی کا قبض و تصرف ہے جس گرے ہوئے مکان کو دیکھو یا جس پرانے راستہ پر جاؤ وہاں موجود۔ بعض بعض جاے اس قدر گھنی ہے کہ مکانوں کو نہ صرف گھیر لیا ہے بلکہ ڈہانک بھی لیا ہے۔ مقامی عہدہ داروں کے لئے یہ ایک سخت مصیبت کا سامنا تھا۔ بہت کچھ کٹوائی اور میدان صاف کیا مگر جہاں پھینکا یا کھود کر دبادیا وہیں تھوڑے دنوں میں پھر نکل

آئی جب تک اسے خوب خشک کرکے اور گیاس کا تیل ڈال کر جلایا نہ جائے کبھی اس کی جڑ نہیں جاتی شہر کی فصیل کے اندر اس زمانے میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی یا اب بجائے اُس کے ہل چل رہا ہے اور کھیتی لہلہا رہی ہے۔ جدید آبادی شہر کے مغربی جانب جامع مسجد کے زیرین حصّے میں بس گئی ہے اور قدیم شہر میں اکاڈکا جھونپڑیوں کے سوا کچھ باقی نہیں۔

برج اور فصیلیں سارے شہر کے گرداگرد بہت بڑی فصیل ہے جس میں چھیانوے برج ہیں جن کے ساتھ برجوں کی گردش اور پردہ کی دیواریں بھی ہیں اور پانچ بڑے عظیم الشان دروازے ہیں جن کے دونوں طرف اسی شان و شوکت اور عظمت کے برج بنے ہوئے ہیں فصیل پختہ چونے اور گارے اور بڑے بڑے پتھروں کی بنی ہوئی ہے۔ دونوں جانب اندر اور باہر پتھر کی چنائی ہے اور درمیانی بڑے وسیع عرض میں مٹی بھر کر ٹھوس کر دی گئی ہے جس کے اوپر کشادہ راستے ایک برج سے دوسرے برج اور دروازوں تک موجود ہیں۔ ماسوا اس کے فصیل کے پیچھے بہت بھاری پشتہ اس سرے سے اُس سرے تک بنایا گیا ہے۔ برج بالکل یکساں فاصلوں پر بنائے گئے ہیں جو نصف دائرہ کی شکل میں ہیں بعض بعض جگہ کثیر الزاویہ ہیں مگر کہیں مربع شکل کے نہیں ہیں۔ ان سب پر توپیں چڑھی ہوئی تھیں جن کے چبوترے اب تک موجود ہیں یہ تمام برج نہایت عالی شان اور مستحکم اور دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ توپوں کے برجوں کے بیچوں بیچ ایک مدوّر سوراخ بنا ہوا ہے جن پر توپوں کی گاڑیاں چکر کھاتی تھیں اور اس سے کچھ فاصلہ پر توپ کے طول کے اندازے سے ایک دوسرے کے بالمقابل دو حلقہ دار نالیاں بنی ہوئی ہیں جس میں توپ کے پھرانے کے وقت اس کے پہیے گردش کرتے تھے۔ اسی کے پاس توپ کے عقب میں ایک نصف دائرہ کی دیوار توپ کے دھکے کو روکنے کے لئے بنائی گئی ہے جب توپ کو داغتے ہوں گے تو غالباً توپ کے کان اور اس دیوار کے درمیان بطور مضبوط پچڑ کے کچھ لگاتے ہوں گے جس سے توپ کے دھکا مارنے میں کمی ہوتی ہوگی اور دیوار اور چول دونوں اس کے صدمے سے محفوظ رہتی ہوں گی۔ ان برجوں پر گولہ اندازوں کے واسطے شہ دیر جو شہر پست کوئی جائے پناہ کی نہیں بنائی گئی تھی لیکن آگے چل کر بعض بعض برجوں پر توپ سے ذرا ہٹ کر ایک پست حلقہ گھیر دیا گیا ہے جس میں جا بجا توپ داغنے کے جھروکے رکھ دئے گئے ہیں جن میں سے اچھی طرح توپ داغی جا سکتی تھی۔ جہاں کہیں ایسی جگہ بنائی گئی ہے وہ بہت ہلکی اور کمزور بنائی گئی ہے جو معمولی بندوق کی گولی کی زد سے تو بچا سکتی ہو لیکن توپ کے گولے کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اگر کہیں توپ کا گولہ لگ جاتا تو فوراً ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ فرنگی برج کی ساخت دوسرے برجوں سے جداگانہ ہے اس پر کئی توپوں کے رکھنے کی جگہ بنی ہوئی ہے ہر جھروکہ کے سامنے ایک توپ رہتی تھی۔ توپوں کے لئے پختہ چبوترے علیحدہ علیحدہ بنے ہوئے ہیں اور اس ترکیب سے بنائے گئے ہیں

کہ جس رخ پر گولہ باری کی ضرورت ہو اُدھر ہی توپوں کا رخ پلٹ لے سکتے ہیں۔ فصیل کے گرد اگرد ایک بہت عمیق اور چوڑی خندق بنائی گئی ہے جس کے باہر جو پر راستے اب بھی موجود ہیں۔

شہر کے دروازے یوں تو بہت سے دروازے اور کھڑکیاں ہیں مگر بڑے بڑے دروازے پانچ ہیں جانب مغرب مکّہ دروازہ شمال و مغرب کے گوشہ پر شاہ پور دروازہ۔ شمال میں بہمنی دروازہ۔ مشرق میں الہ پور دروازہ اور جنوب و مشرق میں فتح دروازہ۔ ان سب دروازوں کی پوری حفاظت مورچوں اور زد روکنے کی دیوار دالان ڈیوڑھیوں سے کی گئی ہے۔ فتح دروازہ کا اصلی نام ہنگولی دروازہ تھا جو اسی کے نام کے قصبہ سے موسوم کیا گیا تھا اس دروازے میں سے ایک سڑک گزرتی تھی جو (۱۲) میل تک جاتی تھی لیکن جب اورنگ زیب نے بیجاپور فتح کیا تو وہ اسی دروازے سے شہر میں داخل ہوا اور اس کا نام فتح دروازہ رکھ دیا۔

مکّہ دروازے کو بعد میں پھر اندر وار سے مستحکم اور محصور کیا گیا ہے اور وہ بجائے خود ایک چھوٹی سی گڑھی کی حیثیت رکھتا ہے جو ہر طرح اندر اور باہر سے دشمنوں کے حملے سے محفوظ ہے۔ اس کے بعد پیشواؤں کے عہد میں اُن کی فوج اور محکمہ جات مالی کی حفاظت کے لئے اِس دروازے کی عمارات کی توسیع کی گئی۔ انگریزی عمل داری کے اوائل عہد میں کچہریاں اسی دروازے میں تھیں جو بعدہٗ قلعہ کی چند عمارات میں مناسب رد و بدل کر کے منتقل کی گئیں۔ اسی میں مدتوں مدرسہ رہا۔ یہ عالی شان عمارت اس قابل نہ تھی کہ بے کار چھوڑ دی جائے بلکہ اس کو اب بھی کسی مفید مصرف میں بہ آسانی لایا جا سکتا ہے۔ اس شہر کا سب سے بڑا دروازہ یہی ہے اور یہیں سے مشرق سے مغرب کو ایک بڑی سڑک جاتی ہے۔ یہ سڑک اب دروازے سے نکلتے ہی فصیل کی طرف پلٹا دی گئی ہے اور چار سو گز تک فصیل کے برابر ہی برابر بہ جانب شمال چلی گئی ہے آخر پر جا کر زہرہ پور دروازے میں مل گئی ہے۔

علاوہ ان پانچ دروازوں کے اور چھوٹے دروازے بھی ہیں جس میں سے زہرا پور دروازہ اور مکہ دروازے اور شاہ پور دروازے کے درمیان واقع ہے۔ شاہ پور دروازہ جو اب بند ہے ریلوے اسٹیشن کے پاس مشرق میں ہے۔ اسی طرح بہت سی کھڑکیاں ہیں جن میں سے خندق میں گزر کر باہر جانے کا راستہ ہے شہر پناہ کا کامل دور سوا چھ میل کا ہے اور اس کا اندرونی رقبہ تیرہ سو ایکڑ یا ڈھائی سو مربع میل ہے۔ قلعہ ارک کی فصیل کا دور ایک میل سے کچھ زیادہ ہے اور اس کی بناوٹ اُسی قسم کی ہے جیسی کہ شہر پناہ کی اب تک نصف فصیل قلعہ کی گرا کر زمین کے برابر کر دی گئی ہے لیکن نشانات موجودہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی تین دروازے تھے دو تو اب تک موجود ہیں ایک سمت جنوب میں اور دوسرا بجانب مغرب سات منزلی کے پاس تیسرا البتہ باقی نہیں ہے جو شمال کے رخ پر تھا۔ ان کے سوا ایک چھوٹا سا دروازہ مشرق

ہیں محاذی آثار محل کے ہے۔ آثار محل اور قلعہ دونوں کو ایک پل کے ذریعے سے ملایا گیا ہے۔ یہ پل اس زمانہ میں کام آتا تھا جب کہ آثار محل دیوان عام تھا۔

دروازوں اور برجوں کے کتبے شہر بیجاپور کے مختلف دروازوں پر جو کتبے اس وقت موجود ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

کتبہ دریچہ سار واڑدوی ۹۷۶ھ این عرابہ بدور شاہ علی عادل شاہ بست سنہ ستۃ وسبعین وتسعمائۃ۔

کتبہ بر پیشانی شاہ پور دروازہ ۹۷۸ھ فی ایام سلطنۃ سلطان العادل ظل اللہ ۹۷۸ھ ابو المظفر شاہ علی عادلشاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ۔ امر سعی خان اعظم ازخان جاری میر احمد ۹۷۸ھ

کتبہ بازوے دیوار روشن دروازہ ۹۹۳ھ این پنج دکان را وقف کردہ بولاد خاں در مصالح مسجد خود ہر کہ تغیر کند ملعون باد ۹۹۳ھ

کتبۂ علی پور دروازہ ۱۰۷۲ھ و ۱۰۸۸ھ (۱) درزمان بادشاہ سلیمان جاہ علی عادلشاہ غازی از سعی مقرب درگاہ منجملہ شاہ کارخست باہتمام رسید سنہ شہور اثنی سبعین والف ۱۰۷۲ھ

(۲) بدور سکندر بتوفیق اللہ ۱۰۸۸ھ

کتبات برج فتح دروازہ ۹۹۴ھ و ۱۰۷۳ھ (۱) اَنَا الوَاثِقُ بِعِنَایَتِ المَالِكِ المُلْكْ این بست شریف بغرشخان الملک الملک ۹۹۴ھ

کتبۂ بروج

کتبہ بر بالائے برج چہارم قلعۂ ارک ۹۲۸ھ یہ برج قلعہ میں بطرف شمال واقع ہے۔

سبب تحریر تاریخ این بود کہ کشتن راے خاکسار در تاریخ بست و چہارم ماہ ربیع الآخر سنہ ثمان و عشرین وتسعمائۃ ہجریہ بجہتہ محصارۂ حصار مذکور شدہ بود ازیمن عنایت الٰہی و برکت قدیم شریف اولیا کشتن ملعون درروز چہارم از محصارہ ہزیمت را غنیمت شمردہ الفرار نمودہ بناء لامر اعلیٰ حضرت مجلس رفیع بہ قصر منیع عادلخاں ابن عادلخاں غازی خلد دولتہ بلغر بالشن حاکمان تعین برج وحصار بنا نہادہ شد۔

کتبہ بر برج قلعۂ ارک یہ برج قلعہ میں شمال کی طرف ہے۔

یامر دولت شد این حصار وبرج ہا مستحکم کند بنا بر آں پہلوان میر علی طراز خانہ بداں این مقسم بریں کوتہ بنا نہاد عقب مسجد و

قلعۂ بیجاپور

چاہ ساخت تا ثواب آید۔

کڑک بجلی برج ۹۵۳ھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوالمظفر عادلشاہ معاملۂ حصار بیجاپور بنا کردہ اعتبار خاں گجراتی بندۂ عالی جاہ مترتب شدہ بہ تاریخ سلخ ماہ ربیع الاول ۹۵۳ھ

احمد برج ۱۰۵۳ھ متصل شاہ پور دروازہ۔

از بخشش عنایت اللہ ملک الٰہی۔ بہ توجہ میر احمد و عاطفت شاہنشاہی ہمیشہ فتح فیروزی سلطان محمد عادلشاہی یافت خطاب احمد برج بادشاہی بنا بر حکم اقدس بنا کردہ احمد خاں و خداوند خاں سر نوبت درگاہی ۱۰۵۳ھ
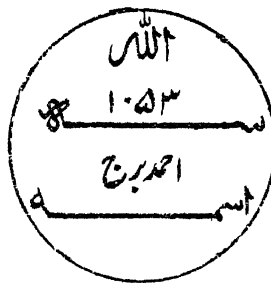
محمد برج ۱۰۵۳ھ یہ کتبہ شرزہ برج کے متصل بطرف خندق قبلہ رو ہی۔

محمد شاہ عالم شاہ دوراں ۔۔۔ امیر شاہ افضل خان ذیشاں
بنام شہ بنائے برج چوں کرد ۔۔۔ محمد برج نامش کرد سلطاں
چنیں اعظم بنائے ہمچو خیبر ۔۔۔ بنا سدّ سکندر شد ز خاقاں
محی الدیں چوں تاریخ برداشت سنہ ۱۰۵۳ھ ۔۔۔ بنائے عہد افضل شد نمایاں

لغمت برج ۱۰۶۶ھ

بعہد شاہ عادلشاہ غازی ۔۔۔ محمد شاہ شاہ داد گستر
بحکم خان خاناں خاں محمد ۔۔۔ کہ شد حکمش رواں بر ہفت کشور
ملک سندر کہ از دیوان اعلیٰ ۔۔۔ لقب نصرت شعارش شد مقرر
برائے دفع یاجوج مخالف ۔۔۔ فصیلے بست چوں سدِ سکندر

سنہ ۱۰۶۶ھ

برج ہلالی باغ ۱۰۷۲ھ درزمان بادشاہ سلیمان جاہ علی عادلشاہ غازی از سعی مقرب خاں درگاہ منجھلے شاہ کار تھوڑے باہتمام رسیدہ شہور سنہ اثنے سبعین والف ۱۰۷۲ھ

تابوت برج ۱۰۹۷ھ متصل علی پور دروازہ۔

لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار۔ بنابر حصار در عہد عادلشاہ شاہ جہان بناکردہ بندۂ درگاہ جگدیو ماہ من جمادی الاول ۱۰۹۷ھ

فرنگی برج ۹۸۴ھ یہ برج مکہ دروازے کے حصار کی سیدھی جانب ہیر باؤلی کے پاس ہے۔

بستہ

این برج فرنگی شاہے

کاتبہ قاضی محمد اسمعیل ۹۸۵ھ

بعز شخاں غلام علی عادلشاہے

سنہ ۹۸۴

ھجریہ

علی باغ برج یہ برج قلعہ کی جنوبی فصیل کی طرف ہے۔

لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار۔ این حصار پناہ جہاں درعہد پادشاہی علی عادلشاہ۔

سند برج یہ برج شاہ پور دروازے کی سیدھی جانب مغرب رخ پر ہے۔

چوں بحکم خان خانخاناں مفتخر صد کبار ۔۔۔ نائب دیوان اعلی سند نصرت شعار

بست سند برج گفتند از تعجب مرد ماں ۔۔۔ در محمد پور شدہ الوند دیگر آشکار

شاہ برج ۱۰۵۱ھ یہ برج اب گر گیا اس پر کا کتبہ عجائب خانہ بیجاپور میں رکھا ہوا ہے قطعۂ تاریخ جس کو بہت مشکل سے خاکسار نے بہ محنت شاقہ پڑھا بلحاظ کمال شاعری کے قابل قدر ہے۔

شمس حمل خسرو انجم سپاہ ۔۔۔ غازی سلطان محمد خصال

آن کہ ز تیغ اسد اللہیش ۔۔۔ عقرب دشمن شدہ جوزا مثال

تیر بروں نگزرد از قوس چرخ ۔۔۔ گر سر خصمش نکند پائمال

پاک خورد خرمن مہ گاؤ ثور ۔۔۔ پرورد از سنبلہ بد شگال

خانۂ کیواں کہ بود دلو و جدی | کشور او راشدہ دہقاں فعال
از نظر شاہ شد ایں شاہ برج | منطقۃ البرج سپہر کمال
شاہ براہیم کہ بانی او ست | ہست ارسطوے اقلیدس خیال
بہر دعا در دل نہ آسماں | از پئے ایں برج سعادت مآل
نقش حجر گشت دو بیتے کزاں | مصرعۂ چارم شدہ تاریخ سال
تا شرف صاحب میزاں بجوت | صاحب سرطاں مہ فرخندہ فال
برج مبارک بخداوند برج | برج شرف باد بری از وبال

وَکَانَ ذٰلِکَ فِی سَنَۃِ الْاِحْدٰی خَمْسِیْنَ بَعْدَ اَلْفٍ مِنْ ھِجْرَۃِ النَّبُوَّۃ ۱۰۵۱ھ

ذرائع آب رسانی

شہر بیجاپور میں آب رسانی کا انتظام اُسی طرح معقول اور عمدہ پیمانہ پر تھا جیسا کہ مسلمانوں کے دوسرے بڑے بڑے شہروں مثل اورنگ آباد وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے پانی وافر اور نہایت شیریں اور نفیس چھنا چھنایا ستھرا شہر میں آتا تھا۔ جس کے دو خزانے تھے ایک موضع تاروہ میں جو شہر سے چار میل بجانب مغرب ہے اور دوسرا بیگم تالاب جو جنوب میں واقع ہے یہ خزانے شہر پناہ کے باہر ہیں چوں کہ ذرایع آب پاشی بیروں شہر تھے دشمن بہ آسانی سلسلۂ آب رسانی کو منقطع کر سکتا تھا لیکن اس کی پیش بندی اس طرح کی گئی تھی کہ اندرون آبادی متعدد وسیع حوض اور بڑی بڑی باولیاں موجود تھیں اور وہ ان ہی ذرائع سے لبریز رہتی تھیں اور اس قدر پانی کی افراط تھی کہ اگر بیرونی سلسلہ کاٹ بھی دیا جائے تو بھی مہینوں تک بے فکری تھی۔ اُس زمانے کے لوگوں کو پانی کے حوضوں اور نالیوں کا بہت شوق تھا جدھر دیکھو اُدھر پانی دوڑتا رہتا تھا۔ ہر گھر میں حوض موجود تھے جس کی وجہ سے سبزی اور تر و تازگی اور خنکی رہتی تھی۔ محلّات میں پختہ گچ یا سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی نہریں دوڑتی تھیں چھتیں نہایت بلند اور پختہ اور بڑے بڑے آثار کی دیواریں گرمی اور تمازت آفتاب کی ان سے بڑی روک تھام ہوتی تھی اور ہر طرح پر یہ عشرت کدے رشک ارم تھے۔ محلّات کے علاوہ تہ خانوں تک میں حوض اور حمام موجود تھے جن میں فوّارے چھوٹتے تھے سات منزلی میں ہر منزل پر ایک ایک حوض مثمن یا اور کسی خوش نما طرز کا یا حمام بنایا گیا تھا چنانچہ اب بھی ساتویں منزل پر ایک حمام کی علامات موجود ہیں۔ ہر محل کی احاطہ میں عموماً ایک بڑا حوض بطور خزانہ کے رہتا تھا چنانچہ اب بھی فتح خان اور مصطفیٰ خاں کے شکستہ محلات میں حوض موجود ہیں مصطفیٰ خاں کے محل کا حوض قریب کی باؤلی سے بھرا جاتا تھا۔ لاؤ (موٹ) کے ذریعہ سے پانی کھینچ کر باؤلی کے اوپر ایک ذرا اونچے چھوٹے سے حوض میں بھرا جاتا تھا وہاں سے بذریعہ مٹی کے نلوں کے

جو چونے گچی سے جوڑے جاتے تھے جا بجا پونہچایا جاتا تھا۔ اِس طرح جب بڑا حوض لبریز ہو جاتا تھا تو اُس کا پانی مختلف اسمات میں پختہ نالیوں کے ذریعے سے خانہ باغ میں دوڑنے لگتا تھا اور آب رواں کو زیادہ پرلطف بنانے کے لئے نالیوں کو اس طرح ٹیڑھا میڑھا بناتے تھے کہ زور سے آتا ہوا پانی ٹکرا کر اچھلتا تھا اور اٹکھیلیاں کرتا ہوا نہایت خوش نما لہریں مارتا ہوا بھتا تھا۔ پانی کی سیدھی سادی لہروں کو چکردار اور خوش نما بنانے کا خاص سلیقہ یہاں کے لوگوں میں تھا اور پتھر اس خوبی سے تراشتے تھے کہ پانی کی لہریں خود بخود مختلف اشکال پیدا کرتی تھیں اور دل کو لبھاتی تھیں چنانچہ ایسے ٹوٹے پھوٹے ترشے ہوئے جالیوں کے ٹکڑے آنند محل میں اب بھی جا بجا پڑے ہوئے ہیں۔ اِن پتھروں کی یہ کیفیت تھی کہ ان میں طرح بہ طرح کی خوش نما جالیاں کاٹی جاتی تھیں جو بھول بھلیوں کی طرح کی ہوتی تھیں ایک سرے سے ان میں پانی داخل ہوتا تھا اور صدہا طرح کے پیچ و خم کھا کر لہراتا ہوا اور دس دس دفعہ پھیر پھیر کر چکر مارتا ہوا نکل کر دوسرے اسی قسم کے پتھر میں جا گھستا تھا اور اسی طرح وہاں بھی لطف انگیز اور حیرت خیز تماشہ نظر آتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ پانی کی یہ خوش فعلیاں۔ صناعوں کی کاری گری قابل دید تھی کیونکہ ان پتھروں میں نہایت خوبصورت نقش و نگار اور باریک باریک ایسی جالیاں کاٹی جاتی تھیں کہ پانی متفرق حصوں میں پھٹ جاتا تھا اور سانپ کی طرح لہریں مارتا ہوا مختلف اسمات میں ادھر اُدھر دوڑتا پھرتا تھا۔ پھر بعض نالیوں کی تہ میں بے شمار انواع و اقسام کی رنگین مچھلیاں ایسی تراشی گئی تھیں کہ جب اُن پر سے پانی گزرتا تھا تو عین بین زندہ مچھلیاں معلوم دیتی تھیں۔

مبارک محل ایک نہایت عجیب و غریب قابل دید مختصر سی عمارت مبارک خاں کا محل ہے جو جنوب مغربی گوشۂ شہر میں قریب جامع مسجد کے واقع ہے یہ محل صرف آب رسانی کی صناعی کے بتلانے کے واسطے بنایا گیا تھا۔ یہ مکان سہ منزلہ ہے۔ پہلی منزل مربع ہے۔ بیچ کی مثمن اور بالائی حصہ ایک مختصر سا ہے جس پر گنبد بنا ہوا ہے۔

اِس تمام عمارت میں جا بجا پانی نلوں کے ذریعے سے پونہچایا گیا ہے جو دیواروں کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ نیل بالیوں کی کرسیوں میں ایک قطار موروں کی بنائی گئی ہے جو اندر سے کھوکھلے ہیں اُن کے پیچھے نل لگائے گئے ہیں جن میں سے پانی آ کر موروں کی چونچوں سے نکلتا ہے دوسری منزل میں بھی ایک کارنس بنائی تھی جس میں دیوارگیریوں میں سے پانی جھرتا تھا اور گنبد کے قبہ میں بھی جا بجا سوراخ نظر آتے ہیں وہ نالیوں کے منہ ہیں اِن میں سے پانی بہتا تھا جب بڑا نل چھوڑا جاتا تھا تو ان سب منفذوں اور قبہ کی نالیوں سے پانی جاری ہو جاتا تھا اور ایک حوض میں گر کر جمع ہوتا تھا جس کے بیچوں بیچ میں یہ مکان بنا ہوا ہے۔ دوسری منزل میں ایک چھوٹا سا حوض تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا جس کا تعلق نیچے کی منزل سے تھا۔ اس چھوٹی سی عمارت کی چھت پر علاوہ مذکورہ بالا صنعتوں کے ایک بڑا اُتھلا حوض

بطور ذخیرہ کے بنا ہوا تھا اس کی تہ میں چھت سے ملی ہوئی ایک بہت بڑی مدوّر چٹان مثل چھلنی کے سوراخ دار ہے اِس سے پھوار پڑتی تھی جو نہانے میں عجب لطف اور فرحت دیتی تھی اس قسم کے اور بھی کئی حوض کنٹگی میں ہیں جو بیجاپور سے دس میل کے فاصلہ پر ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

(۱) تاروہ کی طرف سے ایک بہت بڑی زمین دوز سرنگ لگا کر شہر میں پانی لایا گیا ہے اِس سرنگ میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی جانب پختہ سرنگ بنائی گئی ہے اور دوسری طرف صرف کچی مورم کی دیوار چھوڑ دی گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ سطح زمین جس میں سرنگ لگائی گئی ہے پتھریلی چٹانوں یا مورم کی ہے جس کا ڈھلاؤ جنوب سے شمال کو ہے اس میں جو پانی بچ رہتا ہے وہ تو سرنگ ہی میں جمع ہوتا ہے اور دوسری جانب جو پختہ دیوار ہے اُس سے رُک جاتا ہے اور باہر نہیں نکل سکتا۔ اِس طرح شہر تک پونچتے پونچتے اس تحت الارض نالے میں علاوہ اُس پانی کے جو تالاب سے لیا جاتا ہے پجر کا پانی بھی کثرت سے مل کر ایک بہت بڑی نہر ہو جاتی ہے۔ اس پر جا بجا ہوا کے بمبے لگے ہوئے ہیں جن کے دیکھنے سے وہ راستہ جدھر سے یہ نہر کاٹ کر شہر میں لائی گئی ہے صاف معلوم دیتا ہے۔

شہر میں مشہور تالاب اور باؤلیوں میں تاج باؤلی ہے جو سب سے بڑی ہے شاہپور دروازے کے پاس چاند باؤلی ہے مبارک خان کی بڑی باؤلی جنوب و مشرق میں ہے۔ ماسا اور نیم کی باؤلیاں جنوب و مشرقی حصہ شہر میں ہیں اور جامع مسجد کی باؤلی جامع مسجد کے جنوب میں واقع ہے۔ اِن کے علاوہ اور بہت سی باؤلیاں تھیں جو سب ڈھ گئی ہیں اور بیٹھ جانے سے اُن میں پانی باقی نہیں رہا اور اب بیکار محض ہیں۔

(۲) بیگم تالاب سے جو شہر کے جنوب میں ہے پانی مٹّی کے نلوں کے ذریعہ سے لایا گیا ہے۔ یہ نل چھوٹے چھوٹے ہیں جن کے دونوں سروں پر قفلیاں بنا دی گئی ہیں ایک دوسرے پر چڑھ جاتی ہیں اور ایسی بیٹھ جاتی ہیں کہ یہاں سے وہاں تک ایک ہی نل ہو جاتا ہے اِن نلوں کو زمین کے اندر پختہ نالی میں دبا دیا ہے اور جا بجا لمبے لمبے ستون پانی کے زور کم کرنے کے لئے اوپر کھڑے کئے گئے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو نل پھٹ جائیں۔

عمارات بیجاپور

ملک دکن میں جس طرح جلد بیجاپور نے ترقی کی اور اس خطہ کا سب سے بڑا شہر بن گیا اُسی طرح جلد اُسی کی تباہی بھی ہوئی۔ اس شہر کو دو سو سال تک سلاطین عادل شاہیہ کے دار السلطنت رہنے کا فخر حاصل رہا اس کے بعد

۵۷ مسٹر احمدی جو بمبئی کے مشہور خاندان بدرالدین طیب جی کی نامور ممبر اور ولایت میں انجینیر تک کی اعلیٰ درجے کی تعلیم پا چکے تھے حسن اتفاق سے

زوال شروع ہوا اور آخرکار سلطنت مغلیہ دہلی میں شامل ہو کر اپنی خود مختارانہ حیثیت سے ایک صوبہ کی حالت پر اتر آیا۔

اب ہم سلاطین عادل شاہیہ کی فہرست مع زمان سلطنت کے ناظرین کی آگاہی کے واسطے درج کرتے ہیں جس کے ساتھ ساتھ اُن عمارات کی بھی توضیح کی گئی ہے جو جس کے عہد معدلت میں بنی ہیں۔

یوسف عادل شاہ سنہ ۱۴۸۹-۱۵۱۰ء قلعہ ارک کا پہلا حصار دکھنی عیدگاہ اور پرانی جامع مسجد جو حسن بیگ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔

اسمٰعیل عادل شاہ۔ سنہ ۱۵۱۰-۱۵۳۴ء چمپا محل سنہ ۱۵۲۱ء۔

ملّو عادل شاہ۔ سنہ ۱۵۳۴ء معزول کئے جانے کی وجہ سے کوئی کام تعمیر کا نہیں ہوا۔

ابراہیم عادل شاہ اول۔ سنہ ۱۵۳۴-۱۵۵۷ء مسجد واقع ابراہیم پور سنہ ۱۵۳۶ء۔
سوٹھا تھی محل سنہ ۱۵۳۸ء۔ قلعہ کے فصیلوں کی ترمیم و استحکام غالب مسجد پرانی جامع مسجد متصل درگاہ حضرت جعفر سقاف سنہ ۱۵۵۱ء۔

علی عادل شاہ اول سنہ ۱۵۵۷-۱۵۸۰ء اپنا ذاتی مقبرہ جو شہر کے جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ شہر پناہ اور قلعہ بندی سنہ ۱۵۶۵ء۔
گگن محل سنہ ۱۵۶۱ء۔ چاند بی باؤلی بڑی جامع مسجد کا آغاز کار تعمیر سنہ ۱۵۷۶ء شاہ درگ (نلدرگ) کی قلعہ بندی سنہ ۱۵۵۸ء اور قلعہ رائچور کی فصیل سنہ ۱۵۵۷ء

ابراہیم عادل شاہ ثانی۔ سنہ ۱۵۸۰-۱۶۲۶ء مقبرہ تاج سلطانہ جو ابراہیم روضہ کے نام سے مشہور ہے سنہ ۱۶۲۶ء
سات منزلی یا سات کھن کا محل سنہ ۱۵۸۳ء۔
حیدر برج سنہ ۱۵۸۳ء۔ مسجد ملکہ جہاں سنہ ۱۵۸۷ء۔ انند محل سنہ ۱۵۸۹ء سنگت محل عرف نورس محل و دیگر عمارات
نورس پور سنہ ۱۵۹۹ تا ۱۶۲۴ء تاج باؤلی سنہ ۱۶۲۰ء

محمد عادل شاہ سنہ ۱۶۲۶-۱۶۵۶ء اپنا ذاتی گنبد جو گول گنبد کے نام سے مشہور ہے بیگم تالاب اور ذرائع آب رسانی
سنہ ۱۶۵۱ء جامع مسجد کی محراب کی آراستگی۔ آثار محل۔

علی عادل شاہ ثانی۔ سنہ ۱۶۵۶ تا ۱۶۷۲ء قلعہ کے شمال میں اپنے مقبرے کی طیاری لنڈا جیسے یہاں کے لوگ لانڈے کہتے ہیں، قصاب کے برج کے پاس سے ترمیم و تعمیر شہر پناہ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵ - بیجاپور کے ڈسٹرکٹ انجینیر تھے۔ اُنھوں نے یہاں کی عمارات میں بے انتہا انٹرسٹ لیا۔ بہت سی گری پڑی عمارتوں کو درست کرایا۔ کئی مقامات کو جو بطور مسافر بنگلے اور کچہریوں کے استعمال کئے جاتے تھے خالی کرایا گو اب بھی کچہریاں وغیرہ بہت سے قدیم مکانوں میں ہیں مگر آخر ان عمارتوں کو کام میں نہ لایا جاتا تو بے کار رہتیں اور بے غوری کے سبب سے جلد گر جاتیں۔ خیر سرکاری تعلق سے اُن کی نگہداشت تو ہوتی رہتی ہے۔ مسٹر احمدی مرحوم نے بیجاپور کی عمارات کے اکثر کتبے اکٹھے کئے تھے جن کا ایک قلمی نسخہ بڑی دقت سے ہم کو مل گیا اور ہم کو اُس سے بے انتہا مدد ملی۔ بیجاپور کے لوگ مرحوم کی اس ہمدردی اور شاہی یادگاروں کی سنبھال کے بے انتہا مداح ہیں اُن کے قیام نے بیجاپور کی اُجاڑ بستی میں تازہ روح پھونک دی مگر کم بخت بے وقت موت نے ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مہلت نہ دی اور سارے کام ادھورے رہ گئے ۱۲

سکندر عادل شاہ ۱۶۷۲ء ۔ ۱۶۸۶ء کوئی کام تعمیر کا نہیں ہوا۔

تاریخ بیجاپور میں حقیقی زمانہ تعمیر کا علی عادل شاہ کی تخت نشینی کے بعد شروع ہوا ہے یہ بادشاہ بڑا قدردان علم و فنون اور صنائع کا تھا اور اس کے عہد میں اطراف واکناف سے بڑے بڑے جیّد اور نامور علماء و فضلاء دارالسلطنت بیجاپور میں جمع کئے گئے تھے۔ اس کے زمانے میں سب سے پہلا کام جامع مسجد کی تعمیر کا شروع ہوا۔ یہ جامع مسجد بالکل سیدھے سادے نقشہ پر تعمیر کی گئی ہے اس کی عالی شان عمارت نہایت دل کش ہے۔ اس کا حصۂ وسطی جس میں محرابیں بنی ہوئی ہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان محو حیرت ہو جاتا ہے۔ اس مسجد کا جواب تمام ملک دکن میں نہیں ہے اور شہر کی کوئی عمارت اس کی سڈول وضع متناسب قطع خراش و تراش کے اعلیٰ نمونۂ صناعی میں لگّا نہیں کھا سکتی۔

جب علی عادل شاہ مشہور جنگ تالیکوٹہ کے بعد بیجانگر کے دولتمند اور زرخیز شہر کو تاخت و تاراج کر کے دولت وغنیمت سے مالامال ہو کر واپس آیا تو اُس نے پہلے قلعہ کی حالت کو درست کیا مورچوں اور فصیلوں کی از سر نو درستی او تعمیر کرائی اور ہر طرح اُسے مکمل کر دیا اِس اہم کام کو بادشاہ نے اپنے ارکان واعیان سلطنت میں تقسیم کر دیا اور ایک دم سے چاروں طرف سے مدد لگ گئی اور کام شروع ہو گیا اسی وجہ سے مختلف مقامات پر مختلف طرز کی عمارات دکھلائی دیتی ہیں۔ ہر شخص نے جداگانہ طور پر اپنے اپنے مذاق کے موافق طیار کی ہیں عدالت محل اور سونا محل بھی اسی کے عہد میں بنے ہیں اور سب سے پہلے شہر بیجاپور کی آب رسانی کا اسی نیک دل بادشاہ نے آغاز کیا۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی بھی اپنے والد ماجد کے قدم بقدم تھا اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ اور اُس نے بھی شہر کی آراستگی اور ترقی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اس کے زمانہ میں بہت ہی پر تکلف عمارتیں بنیں[1]۔ ابراہیم روضہ کی بہترین۔ پر فضا اور دلکش عمارت اسی نے بنوائی جو آج بیجاپور کی عمارتوں کی نہیں نہیں بلکہ سارے ہندوستان کی عمارتوں کی ناک ہے۔ اِس کے بعد محمد عادل شاہ تخت نشین ہوا وہ اپنا ایسا بے نظیر گنبد صفحۂ دنیا پر چھوڑ گیا ہے جو گول گنبد کے نام سے مشہور ہے جو دنیا کی ایک عجائبات میں ہے اور گو وہ گنبد تمام دنیا میں سب سے بڑا نہ ہو مگر پھر بھی دنیا کے سب سے بڑے بڑے گنبدوں میں اس کا بھی شمار ہے اور یہ رفیع الشان عمارت دنیا کے لئے باعث فخر و ناز ہے۔

علی عادل شاہ ثانی کا جب دور دورہ ہوا تو اُس نے دل میں ٹھانی کہ میں سب سے بڑھ جاؤں اور اپنے مقبرہ کو ایسے

[1] مسٹر حیدری ہمارے ہر دل عزیز ہوم سکریٹری مسٹر احمدی مرحوم (اگزیکیوٹو انجینیر ضلع بیجاپور) سے جو صاحب موصوف کے ماموں تھے اور ولایت کے تعلیم یافتہ اور ایک نہایت مشہور انجینیر تھے ناقل تھے کہ اُن کا قول تھا کہ آگرہ کے تاج گنج سے یہ عمارت باعتبار انجینیرنگ شکل کے کسی طرح کم نہیں ہے۔ بلکہ صناعوں نے جو کاری گری اِس کی تعمیر میں دکھلائی ہے وہ تاج گنج میں بھی نہیں ہے البتہ تاج گنج کی رونق زیادہ تر سنگ مرمر سے بڑھ گئی ہے اور اس عمارت میں سنگ مرمر بہت تھوڑا ہے ۱۲

وسیع پیمانہ پر بنوانے کی بنیاد ڈالی اور تعمیر شروع کی کہ اگر وہ بن جاتا تو اُس کے ٹکّر کی کوئی عمارت بیجاپور میں نہ ہوتی
لیکن افسوس ہے کہ موت نے مہلت نہ دی اِس کام کا تھا کہ مزدور اور کاریگر منتشر ہو گئے اور کام بند ہو گیا اور گنبد
ادھورا رہ گیا مگر اب بھی جو نا تمام عمارت موجود ہے اسی سے دیکھنے والوں کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ اِس اولوالعزم بادشاہ کا کیسا
کچھ ارادہ تھا اور اگر موت مہلت دیتی تو وہ کیا کچھ کر دکھاتا۔ اِس مقبرے کی دیواریں بلند ہو چکی تھیں صرف گنبد بننا
باقی تھا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ گول گنبد اس کے سامنے ایسا ہی معلوم دیتا جیسے کہ ایک انڈا۔ اس کے ساتھ
ہی یوں سمجھیے کہ بیجاپور میں عمارات کی تعمیر کا دور ختم ہو گیا اور یوں سمجھیے کہ عمارات عظیم الشان بنانے کا سلسلۂ تعمیر
جامع مسجد سے ۱۵۳۷ء میں شروع ہو کر ۱۶۷۲ء میں علی عادل شاہ ثانی کی موت کے ساتھ ختم ہو گیا اور اِس طرح
ایک سو پینتیس ۱۳۵ برس تک مسلسل بے نظیر عمارات بنتی رہی ہیں۔

بیجاپور کی تمام عمارتوں میں جامع مسجد کی عمارت ایک خاص طرز کی ہے جو نہایت خوشنما سڈول پر شوکت اور ہر طرح سے
فنِ انجنیری میں کانٹے کی تول پوری اُترتی ہے۔ ہم تو اس کے نقشے کے طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معمولی نقشہ نہیں
ہے نہ مقامی کاریگروں کی صناعی ہے اِس کا نقشہ صاف پکار رہا ہے کہ کہیں اور سے لیا گیا ہے نیز معمار لوگ بھی مقامی
نہ تھے بلکہ ضرور باہر سے بلائے گئے ہوں گے جنہوں نے اصل عمارت کی بنا ڈالی اور اُن کے طرز کی پھر مقامی کاریگروں اور
اُن کی آل اولاد نے تقلید کی اور دوسری عمارتیں اسی ڈھنگ اور نمونہ پر بنائیں لیکن بیجاپور میں ہم کوئی بھی عمارت ایسی مکمل اور
متین نہیں دیکھتے جیسی کہ جامع مسجد ہے۔ جو سادگی اس میں ہے وہ آگے چل کر دوسری عمارات میں نمائشی نقش و نگار
اور تکلفات سے بدل گئی ہے۔ جتنے گنبد ہم بیجاپور میں دیکھتے ہیں سب کے اندر روشنی کی قلت ہے اور دھندلا نظر آتا ہے
جس سے عمارت کی شان و شوکت ماند پڑ گئی ہے کسی میں روشن دان یا تو یہ ان نہیں ہیں اور جہاں کہیں ہیں بھی وہ ایسے
پست ہیں کہ بالکل بے کار مثلاً ابراہیم روضہ میں۔ احمد آباد میں جو مقابر ہیں معمولی چھتوں پر گنبد ستونوں پر استادہ ہیں اس واسطے
روشنی اور ہوا دونوں کا گزر ہے یہاں کے بعض بعض عظیم الشان گنبدوں میں اس قدر اندھیرا ہے کہ اندر کچھ دکھلائی ہی نہیں
دیتا در حقیقت یہ گنبد نہیں ہیں بلکہ ایک قسم کے تہ خانے ہیں اگر دوہرے گنبد بنائے جاتے جیسا کہ ابراہیم روضہ میں ہیں تو یہ
خرابی رفع ہو جاتی۔ صرف ابراہیم روضہ ہی میں نئی طرز کا گنبد بنایا گیا ہے جو دو منزلہ ہے اور بغداد کے گنبدوں میں
عموماً یہی طرز پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بادشاہ اس سے ناواقف نہ تھے۔ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ
گنبدوں کی بیرونی آراستگی کا زیادہ خیال مدِ نظر رہتا تھا اندرونی نقص کی طرف توجہ نہیں کی جاتی تھی جہاں کہیں قبہ کا قطر
ارتفاع سے زیادہ ہے جیسا کہ ہر بہترین اور باقاعدہ بنے ہوئے گنبد میں ہے وہاں روشنی بخوبی آتی ہے اور چھت بخوبی نظر آتی ہے

جامع مسجد
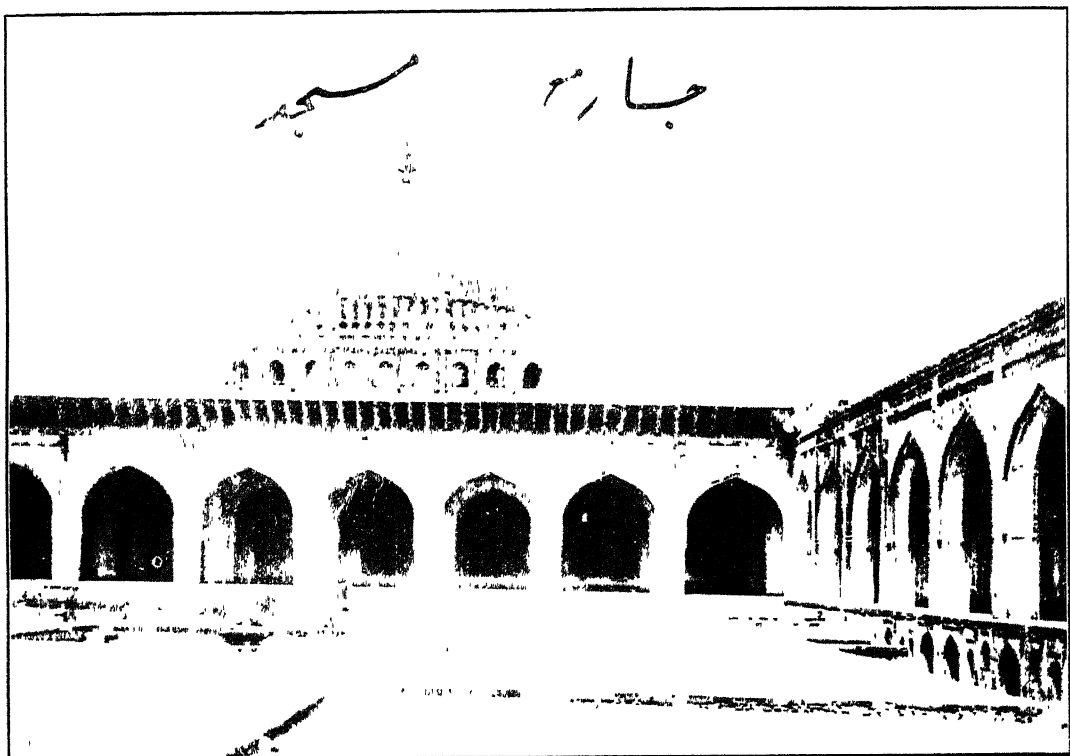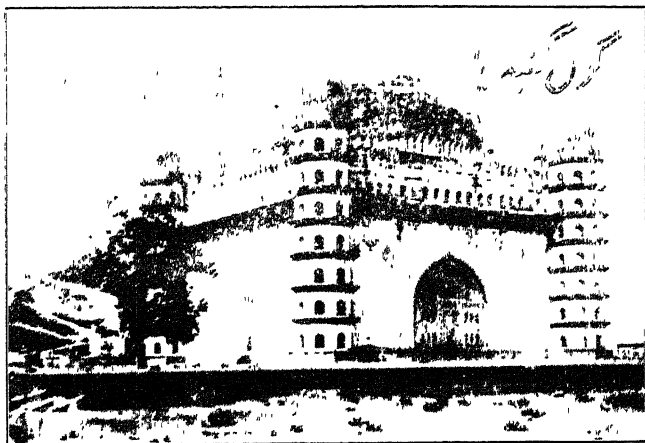
لیکن ایسی بیسوں نظیریں ہیں جہاں مقبرے کی بلندی قبہ کی قطر سے دوچند سہ چند ہے جس کی وجہ سے روشنی بالکل کم آتی ہے اور یہ گنبد نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے کوٹھے کہے جاسکتے ہیں۔

سب گنبدوں اور شاہی عمارات کے کلس پر ہلال لگایا گیا ہے جو مسلمانوں کا قومی نشان ہے اور عادل شاہیوں کا بھی یہی نشان تھا۔ کانین جتنی بنی ہوئی ہیں اکثر ڈھری ہیں اور بعض اکہری بھی ہیں جن پر گلکاری کی صناعی دکھلائی گئی ہے۔ مینار اور برجیاں تمام مساجد اور مقبروں میں ہیں یا اکثر دو دو ہیں جو محض زینت کے واسطے ہیں احمد آباد گجرات یا دہلی کی مسجد وں کے میناروں کی طرح نہیں ہیں جن میں اندر وار چکر دار زینہ رہتا ہے اور ہر کھن پر برآمدہ ہوتا ہے بلکہ اندر سے ٹھوس ہیں اور صرف ایک پلر (ستون) کی حیثیت رکھتی ہیں۔

گول گنبد ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء

بسا کاخیکہ محمودش بنا کرد | کہ از رفعت تفاخر بر سما کرد
نہ بینی زاں ہمہ یک خشت برجائے | بنائے عنصری ماندست برپائے

ایک دن شہر خموشاں میں ہوا میرا گزر | حسرت و عبرت کے ساماں چار سو آئے نظر
کھوپری بوسیدہ کہنہ اک پڑی تھی خاک پر | میں نے پوچھا اُس سے گزرا ماجرا با چشم تر
روکے بولی میں حسین ماہ پیکر تھا کبھی | گل عذار و لالہ رو رشک صنوبر تھا کبھی

سنبل پیچاں سے بہتر تھے مرے پر پیچ بال | رنگ و بُو میں لالہ و گل سے فزوں تھے میرے گال
مشک چین و عنبر سارا سے بڑھ کر خط و خال | ماہ کامل لوح پیشانی تو ابرو تا خن ہلال
شکل و صورت حسن رعنائی میں کامل فرد تھا | مرہم زخم جگر دار وے اہل درد تھا

ایک عالم حلقۂ زلف دوتا میں تھا اسیر | آستاں پر جبہ سا دن رات سلطان و وزیر
ترکش چشم فسوں پرداز میں جادو کے تیر | ماہ کامل کوئی کہتا تھا کوئی بدر منیر
سیکڑوں مرتے تھے اعجاز لب جاں بخش پر | سیکڑوں جیتے تھے میری شکل و صورت دیکھ کر

ابرو خم دار تھی محراب یا بانکی کماں | موے مژگاں سیہ تھے نوک پیکان و سناں
تھیں نشیلی سرمگیں آنکھیں کہ تیغ اصفہان | موتیوں سے دانت پر برق درخشاں کا گماں
لعل لب سے حسرت لعل بدخشانی خجل | عارض تاباں سے نور ماہ کنعانی خجل

قامت موزوں جواب سرو و شمشاد جہاں | شوخی رفتار سے ہنگامۂ محشر عیاں
ناز و انداز و ادا چھل بل پہ صدقے انس و جاں | حسن رعنائی پہ قربان جان پاک قدسیاں

وہ حسیں تھا صانع قدرت کو جس پہ ناز تھا
حسن و زیبائی میں یکتا شاہد طناز تھا

سر سے پا تک مثل شمع طور بُقعہ نور کا
نور کے سانچے میں تھا سارا بدن میرا ڈھلا

خامۂ قدرت نے کھینچا وہ پری نقشہ مرا
حسن و انداز و ادا و ناز میں بے مثل تھا

دیکھ کر صورت نہ اپنے ہوش میں مانی رہے
خامۂ بہزاد کو تا حشر حیرانی رہے

بن سنور کر جب کسی جانب گزر اپنا ہوا
زیر پا عشاق نے رستے میں دیں آنکھیں بچھا

کوئی صدقے چال پر گفتار پر کوئی فدا
طالبانِ دید کا تھا چارسو میلا لگا

سیکڑوں الجھے تھے دل گیسوے عنبر فام میں
طائرین قدس پھنس جاتے تھے میری دام میں

جب ہوئی دشمن زمیں اپنی مخالف آسماں
آئیں پیہم صرصر فوت و فنا کی آندھیاں

گلشن حسن و جوانی ہو گیا وقفِ خزاں
لشکرِ غم نے کیا پامال ملکِ جسم و جاں

زور و قوت مال و دولت سب اکارت ہو گیا
کیا پھلا پھولا چمن دم بھر میں غارت ہو گیا

گلشنِ جنت کو مرغِ جان روانہ ہو گیا
اڑ گیا بلبل تو ویراں آشیانہ ہو گیا

درہم و برہم وہ سارا کارخانہ ہو گیا
اپنے بیگانے بنے دشمن زمانہ ہو گیا

عیب کی صورت چھپایا لا کے کنج خاک میں
رہ گئے ارمان لاکھوں خاطر غمناک میں

تیرہ و تاریک پست و تنگ وہ ویراں مکاں
روشنی کا اور ہوا کا دخل ناممکن جہاں

سیکڑوں کیڑے مکوڑے سانپ و بچھو جانستاں
ہیبت و دہشت سے جن کے کانپ جائے جسم و جاں

تھی سراپا ظلمت و وحشت شبِ تاریک گور
حسرت و عبرت جو مونس تھی تو ہمدم مار و مور

فاتحہ پڑھنے کو بھولے سے نہ آیا پھر کوئی
مٹ گئی مرتے ہی اپنے سب وہ رسم و دوستی

ہو گیا چھوٹا فسانہ ذکر حسن و عاشقی
تیرگی چھائی مٹی وہ چار دن کی چاندنی

جز غم و اندوہ حسرت مونس و غم خوار کون
جز خدا کی ذات تھا اپنا رفیق و یار کون

زیست میں تھے سیکڑوں الفت جتانے کے لیئے
ظلم و ایذا ناز اور غمزے اٹھانے کے لیئے

کون لایا پھول تربت پر چڑھانے کے لیئے
ایک بھی آیا نہ دو آنسو بہانے کے لیئے

رشتۂ مہر و محبت ہائے توڑا موت نے
چلتی گاڑی میں دیا اٹکا یہ روڑا موت نے

چشم و ابرو گوش و بینی فرق و دندان و دہاں
صدر و ساعد دوش و بازو عارض و کام و زباں

پنڈلیاں نازک بھری رانیں وہ پتلی اُنگلیاں
عقل و ہوش و حلم و تمکیں ہمت و تاب و تواں
کھالیا کیڑوں نے سب بے کار اعضا ہو گئے
نور کی مورت سے اب مٹی کا پتلا ہو گئے

(کوثر خیرآبادی)

سب سے بڑی اور عظیم الشان قابل دید عمارت بیجاپور میں محمد عادل شاہ (جس کو محمود شاہ بھی کہتے تھے) کا عجیب و غریب گنبد ہے۔ اس بادشاہ کا زمانہ تعمیر عمارات کے واسطے اعلیٰ درجے کے کمال پر تھا چاروں طرف امن چین۔ رعایا خوش اور مرفہ الحال اور میٹھی نیند سوتی تھی۔ امارت دولت عیش و عشرت کے سب سامان علی وجہ الکمال تھے۔ سب سے پہلے اس بادشاہ نے جلدی کر کے اپنا ہی مقبرہ بنوانا شروع کیا تاکہ اپنی ہی زندگی میں پورا ہوا جائے اس معاملہ میں بادشاہوں میں باہمی منافست بھی ہر بادشاہ یہی چاہتا تھا کہ وہ اپنے زمانے کی بہترین یادگار چھوڑے پچھلے بادشاہوں سے سبقت لے جائے اور نیز ایسا کام کرے جس کی مثل آیندہ زمانے میں ہونا قریب قریب کے محال کے ہو اور اس طرح اپنی یادگار کا دوامی سکہ آیندہ آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑا جاے اور اس میں شک نہیں کہ سلطان محمود اپنے اس ارادے میں کامیاب ہوا اُس نے اپنا مقبرہ ایسا بنایا کہ نہ پہلے کسی بادشاہ نے بنایا تھا نہ بعد میں کوئی بنا سکا۔ اس کا باپ ابراہیم ثانی بھی اپنے بناے ہوے ایک ایسے خوبصورت اور عظیم الشان مقبرے میں مدفون ہوا تھا جس کی نظیر اُس زمانے میں تمامی ملک دکن میں موجود تھی۔ اس مقبرہ کی نفاست۔ کاری گری۔ صناعی۔ گل کاری۔ پھول پتیاں جالیوں کی تراش جا بجا طلائی اور لاجوردی کام۔ اس کے نازک چھریرے خوش نما منارے اُن کی موزونیت اور تناسب اور اس کے چاروں طرف بے نظیر پر تکلف اور سرسبز باغ کے لحاظ سے اس سے بہتر عمارت بنانا تو دوسری بات اس بات کا خیال بھی آنا سخت مشکل تھا۔ محمد عادل شاہ سخت کشمکش میں تھا کہ کس طرح کا مقبرہ بناؤں جو کسی نہ کسی بات میں ابراہیم روضہ پر تفوق لے جائے۔ جن لوگوں نے ابراہیم عادل شاہ کا مقبرہ بنایا تھا سچ یہ ہے کہ اُن کے ہاتھ چومنے کے قابل تھے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس سے بہتر اور کسی قسم کی عمارت بنانا بالکل ناممکن تھا اُن لوگوں نے کوئی بات اُٹھا نہ رکھی تھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ ابراہیم روضہ کی نازک جالیوں سے جن میں کلام مجید کی سورتیں کی سورتیں بخط طغریٰ و ثلث تراشی گئی ہیں جس کی دہلیزوں پر نہایت خوش خط اور بے نظیر متعدد کتبے موجود ہیں اور جن میں پوری کاریگری خطاطی اور صنعت کی دکھلائی گئی ہے کوئی بڑھ سکتا۔ محمد شاہ کو اس طرف سے تو بالکل مایوسی تھی ہاں ابراہیم روضہ سے جتنا بڑا مقبرہ چاہو بن سکتا تھا اور اسی بات میں سبقت لے جا سکتے تھے بس یہی بات ٹھیری کہ مقبرہ ایسا گراں ڈیل اور وسیع بنایا جاے کہ ابراہیم روضہ اُس کے سامنے دب جاے اور شہر کی کوئی عمارت بھی اُس کی

ہم سری نہ کرسکے مقبرہ ایسی بلند جگہ بنایا جائے کہ شہر کے ہر طرف کو سوسے نظر پڑے۔ ابراہیم روضہ اپنی جگہ عمارت بے نظیر ہے تو ہو مگر یہ گنبد اپنے ڈھنگ میں ایسا نادر الا ہو کہ نسلاً بعد نسل اس کے بانی کا نام نامی زبان زد خلایق رہے ہیئت کذائی اس عظیم الشان عمارت کی ہشت پہلو ہے جس کے اوپر ایک بہت بڑا گنبد ہے۔ جس کے چاروں طرف مثمن قبے ہیں جن کے اوپر چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ اس عمارت کے چاروں طرف ایک بھاری چھجہ ہے۔ دروازے اور جالی دار کھڑکیاں کوئی خاص صنعت کی نہیں ہیں۔ قبہ کا قطر عمارت کے عرض سے کم ہے۔ چاروں طرف گنبد کے ایک چکر دار زینہ ہے جس میں بھول بھلیاں بنی ہوئی ہیں۔ قبہ نصف دائرہ کی شکل کا ہے جس کا اندرونی عرض ۲۴ فٹ (۵) انچ ہے نیچے سے قبہ کا آثار دس فٹ ہے جو چوٹی پر پونہچ کر نو فٹ رہ جاتا ہے۔ اس طرح نیچے کے حصے سے اگر نایا جائے تو قبہ کا قطر (۱۴۴) فٹ ہوتا ہے۔ نیچے کا ہال (۱۳۵) فٹ (۵) انچ مربع ہے جس کی رو سے ۱۸۳۳۷ء۶۷ مربع فٹ سطحی رقبہ ہوتا ہے اگر اس میں سے ہم آگے بڑھی ہوئی کمانوں کا حصہ ۲۲۸۳۲ مربع فٹ وضع کردیں تو ۱۸۱۰۹ء۳۵ مربع فٹ ایسا رقبہ ہے جو بلا کسی قسم کے سہارے کے کھڑا ہے۔ تمام روئے زمین پر اتنا بڑا حصہ زمین کا مسقف نہیں ہے۔ روم میں سینٹ پیٹر کے گنبد کی تحتانی زمین کا رقبہ (۱۵۸۳۳) مربع فٹ ہے جو گول گنبد سے درجۂ دوم پر ٹھیرتا ہے۔ گول گنبد کا ارتفاع کرسی چھوڑ کر (۱۹۸ ½) فٹ ہے جس میں کلس شامل نہیں ہے اور کلس اگر ملا لیا جائے تو آٹھ فٹ اور بڑھانے ہوں گے جس سے کل بلندی (۲۰۶ ½) فٹ ہوگی۔ صحن گنبد سے قبہ کی اونچائی (۱۷۸) فٹ ہے۔ گیلری (برآمدے) سے سطح زمین (۱۰۹ ½) فٹ ہے۔ اتنے بڑے گنبد کا بنانا آسان کام نہ تھا وہ Pendentives (قینچی) کے اصول پر بنایا گیا ہے اور یہی طریقہ بیجاپور کے دوسرے گنبدوں کی تعمیر میں بھی اختیار کیا گیا ہے جو از بس مفید ہے اس طریقے پر جتنا بڑا گنبد چاہو بنا سکتے ہیں لیکن مال مسالا جو بیجاپور میں فراہم ہوسکتا تھا اُس کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس سے بڑا گنبد بنانے میں کسی بڑے حادثہ کے ہوجانے کا خطرہ ضرور تھا۔ اتنی بڑی بھاری عمارت کے لیئے جو جگہ پسند کی گئی ہے وہ نہایت ہی موزوں بلند ٹیلہ ہے جس پر مستحکم بنیاد مل گئی ہے جہاں بلا کسی قسم کے خدشہ کے اتنی بڑی عمارت کھڑی ہوئی ہے گنبد کے اندر وسط میں ایک اونچے چبوترے پر سلطان محمد۔ اُس کے چھوٹے محل عروس بی بی اور بادشاہ کے پوتے اور رانی رنبھا کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ بادشاہ کی خاص قبر پر ایک چوبی مجر اور کٹہرا بنایا گیا ہے۔ اصلی قبریں تہ خانے میں ہیں جس میں جانے کا راستہ مغربی جانب کے زینے سے ہے۔ اس عمارت میں سب سے زیادہ تعجب خیز چیز Whisperinggallery (سرگوشی کی بالانشین) ہے جو گنبد کے چاروں جانب ہے اور (۱۱) فٹ چوڑی ہے۔ اس گنبد کے اندر داخل

ہوتے ہی انسان اپنے قدموں کی گونج سن کر سناٹے ہیں رہ جاتا ہے اور جب گیلری میں پونہچتا ہے تو گونج اضعافاً
مضاعفہ ہوجاتی ہے۔ ایک آدمی کے قدموں کی آہٹ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک رجمنٹ کی رجمنٹ چلی آرہی
ہے اگر کوئی کھانسے یا کھنکارے یا ٹھٹا مارے تو آواز ٹکرا ٹکرا کر ایک کی بندرہ بیس بلکہ چالیس پچاس آوازیں ہوجاتی ہیں
آہستے آہستہ بات بھی اس طرف سے اُس طرف صاف سنائی دیتی ہے اور گنبد کے چاروں جانب پتھر کی بنچیں پڑی
ہوئی ہیں آمنے سامنے بیٹھ جائیے۔ بیچ میں خلا ہے اور آہستہ سے آہستہ بات بھی دیوار کو منہ لگا کر کی جاوے تو اپنے
بالمقابل بیٹھے ہوے آدمی کو صاف ایسی سُنائی دیتی ہے جیسے کہ ٹیلیفون میں بات کی جاتی ہے۔ ایک تالی بجاؤ تو تڑاتڑ
سیکڑوں تالیاں بج جاتی ہیں۔ یوں تو تھوڑی بہت گونج ہر گنبد میں ہوتی ہے مگر اس قسم کی گونج نہ کہیں دیکھی نہ سنی
آگرہ کے تاج گنج۔ دہلی میں ہمایوں اور صفدر جنگ کے مقبروں میں بھی آوازیں گونجتی ہیں بنچین میں کوئی مصرعہ یا شعر
پڑھو تو پورے کا پورا گونج میں دُہرجاتا ہے۔ سینٹ پال کے گرجا میں بھی آواز خوب گونجتی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ
اس میں کوئی خاص صنعت رکھی گئی ہے جو اس طرح آہستہ سے آہستہ آواز گونج اُٹھتی ہے لیکن یہ گنبد کچھ انوکھا نہیں ہی
بیجاپور میں جیسے اور گنبد ہیں یہ بھی ہے لیکن بات یہ ہے کہ معمولی گنبدوں میں صرف آواز گونجتی ہے اُن گنبدوں کا قطر اتنا
بڑا نہیں ہوتا اور نہ ایک سرے سے دوسرے کا فصل اتنا ہوتا ہے کہ آواز دُہری تہری ہوجاوے۔ اصولاً آواز پلٹنے
کے لیے بولنے والے اور آواز ٹکرانے کے مقابل کی جگہ میں (۶۵) فٹ سے زیادہ فاصلہ ہونا ضرور ہے تاکہ پہلی آواز مقابل
میں ٹکر کھا کر معدوم ہونے کے پیشتر اُلٹ کر قائل کے کان میں پھر پونہچ جاوے۔ اور اسی کا نام دُہری آواز یا گونجنا ہی۔
اگر درمیانی فاصلہ زیادہ حائل ہے تو آواز کی بازگشت زیادہ صاف ہوگی کیونکہ بوجہ زاید فصل کے مُنہ سے نکلی ہوئی آواز
اور بازگشت کی آوازیں فصل ہوجاتا ہے برخلاف اس کے اگر فاصلہ کم ہے تو بازگشت کی آواز صاف نہ ہوگی بلکہ مدھم
ہوگی کیونکہ پہلی آواز اور گونج دونوں گڈمڈ ہوکر دُہری آواز نہیں ہوتی بلکہ صرف گونج کر رہ جاتی ہے۔ گنبد کی چھت پر
چڑھنے کے بعد چاروں طرف بہت دور کا منظر اور سارا شہر اچھی طرح نظر آتا ہے۔ جنوب مغرب کے رُخ اطراف کی عمارات
میں سب سے بلند جامع مسجد نظر آتی ہے اُسی کی سیدھ میں اور آگے وار کو مصطفےٰ خان کی مسجد آثار محل اور اُس کا وسیع صحن
اور قلعہ کی بہت سی عمارات آنند محل وغیرہ دکھلائی دیتی ہیں۔ جانب مغرب ناک کی سیدھ علی عادل شاہ ثانی کا نامکمل مقبرہ
اور خالی کمانوں کی قطاریں ہیں اور ادہر ہی نہایت مرتفع حیدر برج اور اُس سے ملی ہوئی دکھنی درگاہ نظر آتی ہے۔
فصیل کے باہر ابراہیم روضہ کا گنبد اور منارے ہیں اور امین درگاہ کا سفید گنبد اور سراے (جیل) اور بیسیوں عمارتیں
دکھلائی دیتی ہیں۔ مشرق کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو تو جہاں بیگم کا ادھورا مقبرہ اور عین الملک کا گنبد صاف دکھلائی دیتا ہی

جنوبی دروازے کے اندرونی رُخ پر تین کتبے نہایت خوشخط منبت ایک ایک کمان میں علیحدہ علیحدہ نصب ہیں جن کے ہر فقرے سے سنہ ۱۰۶۷ھ ۱۶۵۶ء نکلتا ہے۔

(۱) عاقبت محمد محمود شد (۲) سلطان محمد جنت آشیانی (۳) محمد شہ دار السلام شد گنبد کے عقب میں یعنی شمال رو ایک عمارت بعد میں بنائی گئی ہے وہ سلطان محمد شاہ کی بیوی جہاں بیگم کے لیئے محل طیار کیا گیا تھا مگر نہ وہ مکمل ہونے پایا نہ اُس میں کوئی آن کر رہا۔ طرز تعمیر صاف بتلا رہا ہے کہ یہ محل گنبد بنانے کے بعد بنایا گیا ہے۔ گنبد کے جنوب میں صدر دروازہ ہے جس پر نقارخانہ تھا اور نوبت جھڑتی تھی نقارخانے کی منارین چھت تک پونہچ کر ادھوری رہ گئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت بھی پوری نہ ہونے پائی اب اس میں عجائب خانہ ہے جس میں شہر بیجاپور اور مضافات کی زمانۂ قدیم کی جو نادر چیزیں کتبے۔ مختلف قسم کے ہتیار۔ پرانے قالین چلمنیں سراپردے جھنڈے جھنڈیاں رنگین اور چینی کے کام کے ٹھیکرے غرض جو جو سامان دستیاب ہوسکا سلیقے سے سجائی گئی ہیں۔ جانب مغرب چبوترے کے سرے پر گنبد کے متعلق ایک نہایت سڈول مسجد بنی ہوئی ہے جو مدتوں تک مسافر بنگلہ کے کام میں لائی گئی اور مسافروں کی ضروریات کے موافق توڑ پھوڑ بھی کی گئی۔ اسی کو وضع الشئی فی غیر محلہ کہتے ہیں جب مسجد میں جوتے پہنے جاتے ہوں گے اور شرابیں اُڑتی ہوں گی اور ہمہ اقسام کے افعال قبیحہ ہوتے ہوں گے جو لا محالہ ایک مسافر خانے میں ہونے لازم ہیں تو مسلمانوں کے دلوں پر کیسی چھریاں چلتی ہوں گی لیکن خدا بھلا کرے لارڈ کرزن کا کہ اُس کی ذات مستجمع الصفات نے مذہبی توہین کا خیال کیا اور نہ صرف اس خانہ خدا کو واگزاشت کیا بلکہ متعدد مقامات میں جو مساجد اور معابد اس طرح بیجا طور پر دبا لیئے گئے تھے بلا لحاظ ضروریات سرکاری و مدت قبضہ ایک دم جس غرض سے تعمیر کئے تھے اسی مصرف میں لانے کا حکم دیا اور اس طرح تمام ہندوستان کے باشندوں کو گرویدۂ احسان بنا لیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

یہ مسجد نہایت خوش نما ہے اس کی کارنس پر بہت کچھ کام کیا گیا ہے لیکن افسوس ہے کہ کارنس بہت مرمت طلب ہے۔ اس کے منارے نہایت خوبصورت اور موزوں ہیں۔ منارے اتنے بڑے نہیں ہیں جو اُن میں چکر دار زینہ بن سکتا جیسا کہ عموماً احمد آباد اور دہلی وغیرہ کی مساجد میں ہے بجائے اس کے مسجد کی ایک جانب سے اوپر چڑھنے کا زینہ نکالا گیا ہے۔ ہر مقبرہ کے ساتھ مسجد اور حوض ضرور ہوتے ہیں۔ ایک حوض تو صدر دروازے کے سامنے ہی بنا ہوا ہے اور ایک صحن مسجد میں ہے یہ کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ گول گنبد کے باہر خالی گچ کا پلاسٹر کر کے کیوں چھوڑ دیا گیا حالاں کہ اتنی بڑی عمارت کو زیادہ دل چسپ بنانے کے لیئے ممکن تھا کہ پتھر میں نقش و نگار یا جالیاں کاٹ کر لگاتے یا اور کسی قسم کی رنگ آمیزی یا آراستگی کرتے یہ بات تو تھی ہی نہیں کہ اس قسم کے کاریگروں کی اُس زمانے میں کمی تھی کیوں کہ اس مقبرے کی مسجد کو

دیکھئے کہ اُس میں کیا کیا کچھ اظہار صنعت کیا گیا ہے اور جو اِس گنبد کی چھوٹی برجیوں کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ نقاش یہاں بھی تعمیر کے وقت لگے ہوے تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ فضول تکلف سے عمداً احتراز کیا گیا ہے اُن کے نصب العین صرف یہی تھا کہ ایک ایسی بھاری عمارت بنائی جاے جس کے سامنے ساری موجودہ عمارتیں ماندہ پڑ جائیں اتنی بڑی بھاری عمارت کا سڈول بنانا تھا بھی دقت طلب اِس سبب سے اِس گنبد میں نزاکت اور سڈول پنا نہیں ہے اور غیر معمولی جسامت کے سبب سے ذرا بھدا ہو گیا ہے۔

جامع مسجد ۹۸۵ھ

اے حرمت بُت خانہ و عز حرم از تو ۔۔۔ در دیر سزاوار ستایش صنم از تو

دراشک جگر گوں نہ اثر ماند نہ رنگے ۔۔۔ اے آہ کجائی گنہ از من کرم از تو

مونس اگر از دام تعلق شود آزاد ۔۔۔ در حلقۂ تجرید شود محترم از تو

یہ سب سے بڑی مسجد ہے جو شہر کے جنوب و مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ یہ مسجد اُس سڑک کے جنوبی جانب رُخ پر ہے جو اللہ پور سے قلعہ کو جاتی ہے۔ اِس کے ہر سہ جانب وسیع برآمدوں کو اگر شامل کر لیا جاے تو اِس سے بڑھ کر وسیع اور کوئی دوسری عمارت بیجاپور میں نہیں ہے۔ جس کا مجموعی رقبہ (۱۱۶۳۰۰) مربع فٹ ہوتا ہے۔ اِس کے فیل پاے نہایت مضبوط بھاری اور مستحکم ہیں طول میں تو بلند و وسیع اور کشادہ در ہیں اور عرض میں پانچ اِس طرح کُل پینتالیس ۴۵ فیل پائے ہو جاتے ہیں لیکن وسط مسجد میں چار فیل پاے نہ بنا کر ایک وسیع چوکون قطع چھوڑ دیا گیا ہے جس کا بوجھ اطراف کے بارہ کھموں پر ہے اور اِسی پر گنبد بنایا گیا ہے اور یہ عمارت بھی شکل گول گنبد کے قینچی کے اصول پر بنائی گئی ہے۔ بیجاپور میں متعدد گنبد ہیں مگر جیسا خوب صورت اور باقاعدہ گنبد اِس کا ہے کسی کا بھی نہیں ہے مگر اِس میں بھی یورپین صناع ذرا سا نقص نکالتے ہیں کہ چپٹا زیادہ ہے اگر چار پانچ فٹ اور بلند ہوتا تو یہ سقم نہ رہتا۔ عین الملک کا مقبرہ جو شہر کے مشرق میں ہے اُس کا قبہ اِن تمام نقائص سے پاک ہے اور اِس کے بعد خواص خاں کا مقبرہ جو جوڑ گنبدوں میں کا ایک ہے بالکل سڈول ہے۔ اندرونی حصہ مسجد کا سواے محراب کے نہایت سادہ ہے۔ اِس سادگی کا عجیب لطف ہے اور اِس سے اور زیادہ دل کی کشش ہوتی ہے اور اِس کی عظمت و شان نکل آئی ہے۔ ساری مسجد کے اندر ایسی عمدہ استرکاری کی گئی ہے کہ مُنہ دکھلائی دیتا ہے۔ عقب کی دیواروں میں بلندی پر پتھر کی صاف اور چکنی نفیس جالیاں بطور روشن دان کے لگائی گئی ہیں منبر کے پاس ایک عظیم الشان قابل دید محراب ہے جس پر ہمیشہ ایک دبیز پردہ پڑا رہتا ہے

اُس کے ہٹاتے ہی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام محراب اور اُس کے اندرونی طاق میں میناکاری لاجوردی اور سنہری منبت کام کیا گیا ہے اِس محراب میں چھوٹے چھوٹے طاق۔ گلدستے۔ پھول پتیاں۔ مقبرے مناریں۔ کتابیں اور طرح طرح کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ اِس محراب کے ناصیہ پر یہ رباعی کندہ ہے ؎

بر قصر عمر تکیہ مکن استوار نیست
در دار بے قرار کسے را قرار نیست

خوش منزلیست دنیا رونق بچشم ما
خوش دولت است عمر و بے پائدار نیست

مسجد کی تعمیر علی عادل شاہ اول کے عہد میں شروع ہوئی مگر محراب کی جو آراستگی کی گئی ہے وہ بعد کی ہے سلطان محمد کو نقاشی اور رنگ سازی کا بہت شوق تھا۔ اس محراب کی رنگائی سب اُس نے کرائی ہے چنانچہ آثار محل اور گگن محل کے پانی محل کی تمام رنگ سازی بھی اسی کے عہد میں ہوئی۔ سات منزلی جو رانی رنبھا کا محل تھا اُس کی تمامی رنگ سازی اور مذہب کرنا بھی اسی کے وقت میں ہوا۔ علی عادل شاہ اول اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں صرف نقش و نگار کے سوائے اور کوئی کسی قسم کی تصویر سازی مذہباً ممنوع سمجھی جاتی تھی لیکن سلطان محمد نے اِس قید کو اُٹھا دیا اور فراغت سے دیواروں پر جا بجا تصویریں بنوائیں۔ مسجد کی زمین پر بھی نہایت عمدہ گچ کی گئی ہے جس پر سیاہ حاشیہ دے کر جا نمازیں علیحدہ علیحدہ بنائی گئی ہیں۔ اِس طرح (۲۲۵۰) مصلے عین مسجد کر دالان میں ہیں اور اطراف کے برآمدوں میں ہزاروں آدمی اِس کے سوا نماز پڑھ سکتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ مصلے اور مشرقی بڑا دروازہ بادشاہ اورنگ زیب نے بنوایا ہے۔ علاوہ اُس رباعی کے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اس مسجد میں جا بجا بہت سے کتبے ہیں۔ کتبہ بالائے محراب از طرف شمال بطرف جنوب۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ۔[۱]

قریب منبر

وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ وَتِلْکَ حُجَّتُنَا اٰتَیْنٰہَا اِبْرٰہِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ وَہٰرُوْنَ وَزَکَرِیَّا وَیَحْیٰی وَاِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا وَکُلًّا

---

[۱] ابی قتادہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر جب تم سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو چاہیئے کہ بیٹھنے کے اول دو رکعت نماز پڑھ لے ۱۲

فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَىْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ تا آخر رکوع

برمحراب بالائے منبر

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ فَلَا يَفُوْتُ شَىْءٌ مِّنْ عِلْمِهٖ يَا اِلٰهَ الْاٰلِهَةِ الرَّفِيْعُ جَلَّ جَلَالُهٗ يَا اَللّٰهُ اِنَّ مَسْجِدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيَّرَهٗ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيْهِ زِيَادَةً كَثِيْرَةً وَبَنٰى جِدَارَهٗ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَجَعَلَ عَمَدَهٗ مِنْ حِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ بِالسَّاجِ الْمُسَقَّفَةِ قُلْ اَمَرَ رَبِّىْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۝ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۝ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۝ تَبٰرَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۔

طغرائے مشبک بالائے کمان محراب

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۚ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ

بازوے محراب بہ طرف جنوب

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ الْخَوْلَانِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِیْہِ حِیْنَ بَنٰی مَسْجِدَ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا قَالَ بُکَیْرٌ حَسِبْتُ اَنَّہٗ قَالَ یَبْتَغِیْ بِہٖ وَجْہَ اللّٰہِ لَہٗ مِثْلُہٗ فِی الْجَنَّۃِ کَذَا فِی الْبُخَارِیْ۔ کَتَبَہٗ سَیِّدُ شِہَابُ الدِّیْنِ۔
یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ فَلَا یَفُوْتُ شَیْءٌ یَا اِلٰہَ اِلَّا اِلٰہَ الرَّفِیْعُ جَلَّ جَلَالُہٗ۔

تعالی اللہ زہے قیوم دانا — توانائی دہ ہر ناتوانا

کتبہ بر محراب از شمال گرداگرد تا آخر جنوب

بندۂ درگاہ وغلام سلطان محمد محمود شاہ۔ خلد اللہ ظلالہٗ یاقوت۔ دابولی ۵

بر قصر عمر تکیہ مکن استوار نیست — در وار بے قرار کسے را قرار نیست

قَالَ مَثَلُ اُمَّتِیْ مِثْلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ۔ یَا مُحَمَّدُ۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ قَالَ النَّبِیُّ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَیْ شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْفَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ مَنْ غَضَبَہَا اَغْضَبَنِیْ۔ فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ مَالِہٖ اَبَا بَکْرٍ۔ قَالَ وَ اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَعَلِیٍّ وَمُحَمَّدٍ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَبَابُہَا عَلِیٌّ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَرَفِیْقِیْ فِی الْجَنَّۃِ عُثْمَانُ۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَبَا بَکْرٍ فِی الْجَنَّۃِ وَفِی الْجَنَّۃِ عُمَرُ وَ۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ عُثْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَفِی الْجَنَّۃِ عَلِیٌّ۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْجَنَّۃِ طَلْحَۃُ وَ

زُبَیْرُ فِی الْجَنَّۃِ۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فِی الْجَنَّۃِ وَسَعْدٌ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَسَعِیْدٌ فِی الْجَنَّۃِ وَاَبُوْ عُبَیْدَۃَ فِی الْجَنَّۃِ۔ ملک یاقوت دابولی مسجد را خاتم شد۔

کتبہ بر کمان دیگر

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُھُمْ مِثْلُ اَفْئِدَۃِ الطَّیْرِ۔ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ یَنْعَمُ وَلَا یَبْاَسُ وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُہٗ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُہٗ سُرَادِقُ النَّارِ مَسِیْرَۃُ اَرْبَعَۃِ جِدَارٍ کُلُّ جِدَارٍ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً۔ اِنَّ فِیْ جَھَنَّمَ لَوَادِیًا یُقَالُ لَہٗ ھَبْھَبُ یَسْکُنُہٗ کُلُّ جَبَّارٍ۔

کتبہ بر دوساق کمان

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ بنج بنج کرت نوشتہ لَوْ کَانَ لِاِبْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ لَا یَبْتَغِیْ ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ اِبْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ محمد۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِیْ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ یَا اللّٰہُ اِنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَ عَمَلُہٗ (یا محمد) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ

شہاب حسینی ـــــ

سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ الْاٰیۃ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسْاَلُ عَنْھَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَھْرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْہُ ذُرِّیَّۃً فَقَالَ خَلَقْتُ ھٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّۃِ وَبِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَھْرَہٗ فَاسْتَخْرَجَ

مِنۡہُ ذُرِّیَّتَہٗ فَقَالَ خَلَقۡتُ ھٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَھۡلِ النَّارِ یَعۡمَلُوۡنَ فَقَالَ رَجُلٌ فَفِیۡمَ الۡعَمَلُ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَنَّ اللّٰہَ اِذَا خَلَقَ الۡعَبۡدَ لِلۡجَنَّۃِ اِسۡتَعۡمَلَہٗ بِعَمَلِ اَھۡلِ الۡجَنَّۃِ حَتّٰی یَمُوۡتَ عَلٰی عَمَلٍ مِنۡ اَعۡمَالِ اَھۡلِ الۡجَنَّۃِ فَیُدۡخِلُہٗ بِالۡجَنَّۃِ وَاِذَا خَلَقَ الۡعَبۡدَ لِلنَّارِ اِسۡتَعۡمَلَہٗ بِعَمَلِ اَھۡلِ النَّارِ حَتّٰی یَمُوۡتَ عَلٰی عَمَلٍ مِنۡ اَعۡمَالِ اَھۡلِ النَّارِ فَیُدۡخِلُہٗ بِالنَّارِ۔

عَنۡ اَبِی الدَّرۡدَاءِ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوۡلُ اَبۡغُوۡنِیۡ فِیۡ ضُعَفَاءِکُمۡ فَاِنَّمَا تُرۡزَقُوۡنَ وَتُنۡصَرُوۡنَ بِضُعَفَاءِکُمۡ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ وَحُجِبَتِ الۡجَنَّۃُ بِالۡمَکَارِہِ۔ عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشۡعَثٍ مَدۡفُوۡعٍ بِالۡاَبۡوَابِ لَوۡ اَقۡسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ شِعَارُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ رَبِّ سَلِّمۡ سَلِّمۡ۔ مَوۡضِعُ سَوۡطٍ فِی الۡجَنَّۃِ خَیۡرٌ مِنَ الدُّنۡیَا وَمَا فِیۡھَا۔ اَحۡمَدُ۔ مُحَمَّدٌ۔ عَبۡدُ اللّٰہِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ۔ اَلرَّحِیۡمُ۔ اَلۡمُؤۡمِنُ اَلۡمُھَیۡمِنُ۔ اَلۡعَزِیۡزُ۔ اَلۡجَبَّارُ۔ اَلرَّافِعُ۔ اَلۡبَصِیۡرُ۔ اَلۡخَبِیۡرُ۔ اَلۡعَظِیۡمُ۔ اَلۡغَفُوۡرُ۔ اَلشَّکُوۡرُ۔ اَلۡعَلِیُّ۔ اَلۡحَبِیۡبُ۔ اَلۡوَاسِعُ۔ اَلۡحَکِیۡمُ۔ اَلشَّھِیۡدُ۔ اَلۡحَقُّ۔ اَلۡقَوِیُّ۔ اَلۡوَلِیُّ۔ اَلۡاَوَّلُ۔ اَلۡاٰخِرُ۔ اَلۡبَرُّ۔ اَلۡعَفُوُّ۔ اَلرَّءُوۡفُ۔ اَلۡمُقۡسِطُ۔ اَلۡجَامِعُ۔ اَلۡغَنِیُّ۔ اَلۡمَانِعُ۔ اَلنُّوۡرُ۔

خوش منزلیست دنیا رونق بچشم ما ‏‏ خوش دولتست عمر وبے پائدار نیست

این محراب درایام سلطان محمد عادل شاہ زینت یافت

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَا کَلِیۡمَ اللّٰہِ	اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَا خَلِیۡلَ اللّٰہِ
۔۔ یَا حَبِیۡبَ اللّٰہِ	۔۔ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ
۔۔ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ	۔۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ۲ بار
۔۔ ۔۔	۔۔ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ
۔۔ یَا حَبِیۡبَ اللّٰہِ	۔۔ یَا خَلِیۡلَ اللّٰہِ
۔۔ یَا کَلِیۡمَ اللّٰہِ	۔۔ یَا خَیۡرَ خَلۡقِ اللّٰہِ

آنڈو مسجد بیجاپور

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْلَ اللّٰہِ	اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا کَلِیْمَ اللّٰہِ	
یَا مَنْ اَحَبَّہُ اللّٰہِ "	یَا مَحَبَّۃَ اللّٰہِ "	"
یَا مَنْ اَرْسَلَہُ اللّٰہِ "	یَا صِفْوَۃَ اللّٰہِ "	"
یَا مَنْ اَرْشَدَہُ اللّٰہِ "	یَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ "	"

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (دوبار)

عَنْ اَبِی الْجَعْدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ ثَلٰثَ جُمَعٍ مُتَھَاوِنًا طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِہٖ۔ اِنَّ فِی الْجُمُعَۃِ سَاعَۃً لَا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ یَسْأَلُ اللّٰہُ فِیْھَا خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَاعَۃُ الْجُمُعَۃِ ھِیَ مَا بَیْنَ اَنْ یَّجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰی اَنْ تَقْضِیَ الصَّلٰوۃَ فَتْوٰی اَکْثَرٍ مِنْ کُتُبِ فِقْہِ حَنَفِی مُعْتَمَدٌ عَلَیْھَا۔ درین زمانہ اینست کہ نقش مسجد و آب طلا و ساج اِبْتِغَاءً لِوَجْہِ اللّٰہِ مکروہ نیست

بر کمان وسطی مسجد مذکور

اَللّٰہُ مُحَمَّدٌ نادعلی

ابوبکر و عمر و عثمان حیدر

کتبہ بر تکیہ مسجد

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ۔

کتبہ بر پیشانی دروازۂ اسفل مسجد بطرف شمال

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

کتبہ در کمان سنہری

سلطان محمد عادلشاہ در سنہ ۱۰۴۵ھ	بنائے مسجد علی عادل شاہ کلاں سنہ ۹۸۵ھ
باہتمام ملک یاقوت و ابولی کارا گیر بود	بہ اہتمام کشور خان علی عادل شاہ کلان

مہتر محل سنہ ۱۶۲۰ء جامع مسجد اور قلعہ کی درمیانی سڑک پر جنوبی سمت میں قلعہ سے قریب شہر بیجاپور کی سب سے خوبصورت اور دل کش مختصر عمارت مہتر محل کی ہے۔ اگرچہ یہ عمارت محل کے نام سے مشہور ہے مگر در حقیقت

وہ صرف مسجد کے اندرونی صحن کے داخل ہونے کا دروازہ ہے جس پر کمرے اور برآمدے بنے ہوئے ہیں جو محض ایک نشست گاہ تھی جہاں سے سارے شہر کا تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ اصلی عمارت مسجد ہے جو ایک نہایت عمدہ صاف ستھری عمارت ہے اگر مسجد کے سامنے ایسا عظیم الشان دروازہ نہ ہوتا تو پہلے مسجد ہی پر نظر پڑتی مگر اب اس کے سامنے مسجد گرد ہے۔ یہ دروازہ نہایت بلند اور عظیم الشان ہے جس کے اوپر کمرے اور برآمدے کھڑکیاں اور دونوں جانب دو پتلے پتلے مینار ہیں۔ اس عمارت کے دریچے قابل دید ہیں جن میں بے نظیر نقاشی اور کاریگری اور طرح طرح کے چھجے اور پھول تراشے ہوئے آویزاں ہیں اور جالیوں کی خراش تراش اور نقاشی نہایت نازک اور بالکل لاجواب ہے اس قسم کا کام لکڑی میں کیا جا سکتا ہے مگر پتھر جیسی سخت چیز میں ایسا کام کہیں دیکھنے میں نہیں آیا لیکن تعجب ہے کہ ایسا بے نظیر اور نازک کام اس قدر پائدار ہے کہ سوا تین سو برس سے جیسے کا ویسا اس کس مپرسی کی حالت میں بھی کھڑا ہے چھجے میں جو جھالر لگائی گئی ہے اگرچہ وہ جا بجا گر گئی ہے مگر جس قدر اب باقی ہے اُس سے بھی کاریگری اور عرق ریزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں سے جا بجا کے پتھر لوگوں نے اکھاڑ لیے ہیں۔ کیونکہ کوئی پوچھنے والا نہ تھا اور بہت سے لوگوں نے لے جا کر اپنے اپنے مکانوں میں لگا لیے ہیں کیونکہ سالہا سال تک شہر بیجاپور بالکل ویران اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا تھا۔ اس دروازے کی چھت کا کام غور سے دیکھنے کے قابل ہے اور اُسی طرز کا ہے جیسے کہ ابراہیم روضہ کا ہے۔ عظیم الشان چوبی پٹ اور اُس پر لوہے کا کام اور کیلوں کا جڑنا دیکھنے کے قابل ہے۔ جس قسم کا کام اس دروازے پر ہے اسی طرح کا شاہ کریم صاحب کی درگاہ کے دروازے پر بھی ہے جو جامع مسجد کے پاس ہے۔ مہتر محل کی عمارت صرف (۲۴) فٹ مربع ہے اور منارے ملا کر بلندی (۶۶) فٹ ہے۔ مہتر محل کی متصلہ مسجد کی عمارت اُس کے چھجے منڈیریاں گرد کی دیواریں سب باعتبار عمدگی ساخت کے خاص طور سے دیکھنے کے قابل ہیں جس سے اعلیٰ درجہ کی صناعی اور نزاکت معلوم دیتی ہے البتہ اس کی مناریں بہ مقابلہ مہتر محل کے دروازے کی مناروں کے کچھ بھنگم سی ہیں اور جیسی خوبصورت اور دل کش مسجد ہے ویسی مناریں نہیں ہیں۔ چھت سے لے کر آدھے حصہ تک تو ان پر کوئی کام ہے ہی نہیں بالکل سادی ہیں صرف معمولی سی بیل بنی ہوئی ہے۔ نہ ان پر کوئی برجی ہے بلکہ سرے پر گول کر دی گئی ہیں۔ اس مسجد کا طرز تعمیر بالکل ملکہ جہاں بیگم کی مسجد سے ملتا جلتا ہے جو زنجیری مسجد کے نام سے مشہور ہے اور ظن غالب ہے کہ ان دونوں عمارتوں کے کاریگر ایک ہی ہوں گے۔ زنجیری مسجد کی تعمیر ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں ۱۵۸۷ء میں ہوئی ہے۔ مہتر محل کی وجہ تسمیہ کے متعلق
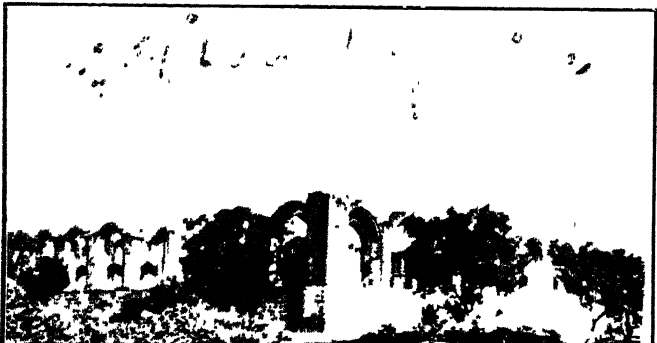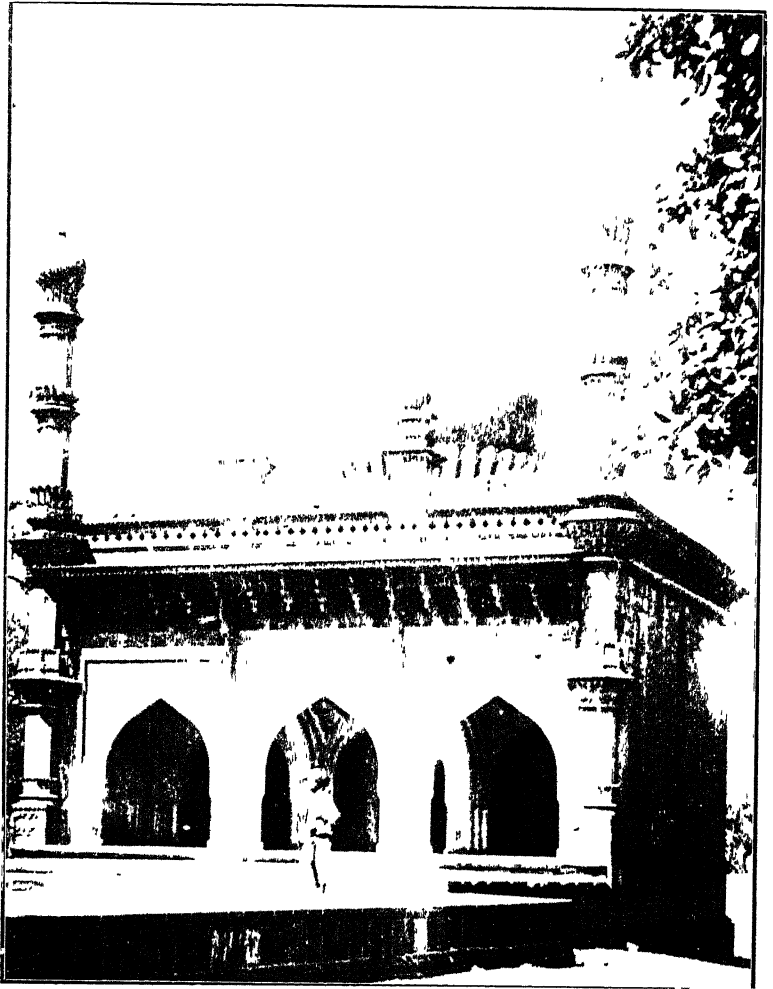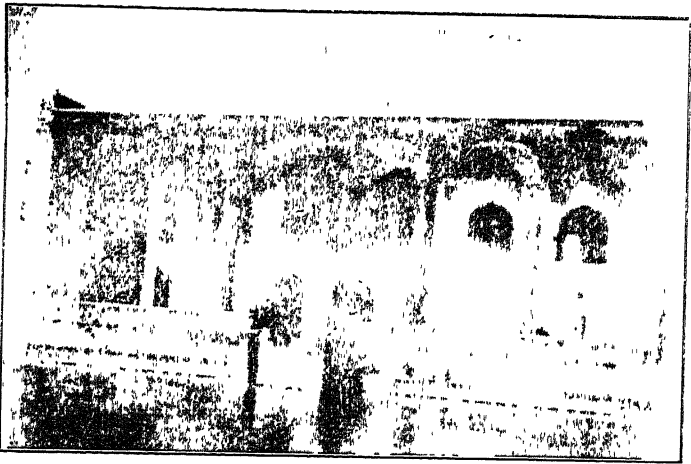
مختلف روایات ہیں بہت ممکن ہے کہ اِس عمارت کا اصلی نام یہہ نہ ہو بلکہ بعد میں اس نام سے مشہور ہو گیا ہو اور بوجہ اُس کی اعلیٰ درجہ کی عمارت کو مہتر محل کا لقب دیا گیا ہو جس کے معنے بہترین اور اعلیٰ کے ہیں اور یہہ بھی ممکن ہے کہ یہہ نام بنانے والے کا ہو مسجد تو پھاٹک کے سامنے دب ہی گئی ہے، رہا مکان وہ جس کسی کا تھا اُس کی ذاتی ملک ہو گا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جلسوں اور مجلسوں کے لیئے استعمال کیا جاتا تھا اس واسطے محل کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ایک روایت یہہ بھی ہے کہ یہہ ایک مہتر یعنی حلال خور کا بنایا ہوا ہے جس کو بادشاہ نے کسی وجہ سے مالامال کر دیا تھا اُس نے جب دیکھا کہ بے طلب دولت مل گئی تو اُس نے اُسے یوں ٹھکانے لگایا کہ ایک تفریح گاہ بنوائی جسے اپنے نام سے مشہور کیا لیکن ہم کو اہل اسلام کی حُسن عقیدت سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی مہتر کو مسجد جیسا متبرک مقام بنا دیا ہو جو ایک نیچ قوم ہے۔ لیکن اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ جس نے مسجد بنوائی ہے دروازہ بھی اُسی کا بنایا ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں یہہ توجیہ ہی من گھڑت ہے۔ لوگ یہہ بھی کہتے ہیں کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے زمانے میں ایک بزرگ مہتر گدا نامی تھے یہہ مسجد اور دروازہ دونوں اُن حضرت کے بنوائے ہوئے ہیں۔ اور یہی بات دل کو لگتی ہوئی ہے۔ وَالعِلمُ عِندَ اللّٰہِ۔ افسوس ہے کہ ایسی بے نظیر اور بہترین عمارت پر کہیں کوئی کتبہ یا سال تعمیر یا بانی کا نام درج نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس کے بانی کا صحیح نام معلوم نہیں ہو سکتا نہ یہہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس زمانے میں بنا لیکن پھاٹک اور مسجد دونوں کی تعمیر ایک ہی وقت میں ہونے کی دلیل ہمارے پاس یہہ ہے کہ ایک خاص قسم کا پتھر جو بیجاپور کی اور کسی عمارت میں نہیں لگایا گیا اور نہ بیجاپور میں ملتا ہے اس مسجد کی عقب کی دیوار اور پھاٹک دونوں میں یکساں لگا ہوا ہے انڈو مسجد کا ذکر آگے آئے گا اس کا اُس کا طرز عمارت ملتا جلتا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مہتر محل میں آراستگی نقاشی اور نزاکت زیادہ ہے۔ انڈو مسجد کا سال تعمیر سنہ ۱۶۰۸ء ہے اور آرائش محل کے سامنے کے منڈوے میں بھی بجنسہ اُسی قسم کا کام کیا ہوا ہے جیسا کہ مہتر محل میں ہے اور اس کی تعمیر کا سال سنہ ۱۶۶۹ء دو جگہ درج ہے مہتر محل اور اُس کی مسجد کے چونے پتھر کا کام اور انڈو مسجد کا بالکل ایک ہی قسم کا ہے اِس سے یہہ قیاس کرنا بے موقع نہ ہو گا کہ مہتر محل کی تعمیر ان دونوں عمارتوں کے درمیانی زمانے میں ہوئی ہو گی اور اس لحاظ سے مہتر محل کی تعمیر کا سال سنہ ۱۶۲۰ء قرار دیا جائے تو غالباً کچھ زیادہ بعید القیاس نہ ہو گا۔

آثار محل سنہ ۱۶۶۴ء

بادشاہ کشور دیں حضرت رسل کہ است — جملہ موجودات از نور وجودش آشکار
گر بخاک تیرہ اندازد نگاہ فیض بخش — ور بسنگ خارا گشاید لب اعجاز بار

سنگ خارا گردد از اعجاز او دُرّ ثمین   خاک تیرہ گردد از فیضش زر کامل عیار

یھہ مقدس و متبرک عمارت قلعہ کی مشرق جانب ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش شریف کے موے مبارک یہاں موجود ہیں جن کے اصلی ہونے کے متعدد اسناد ہیں چنانچہ حضرت شاہ صبغۃ الحسینی البھروچی المدنی نے جب زیارت فرمائی تو آپ نے اپنے دستخط خاص سے سند لکھ دی کہ فقیر کو اشارت و بشارت سے تحقیق ہوا ہے کہ یھہ موے شریف حضرت سرور عالم کی ریش مبارک کے ہیں اور یھہ سند متولی آثار شریف مبارک کے پاس موجود ہے - اِن موے مبارک کو ابراہیم عادل شاہ ثانی نے بہ صرف زر کثیر کمال خواہش و آرزو سے میر صالح ہمدانی سے حاصل کر کے اس عالی شان محل میں رکھا اور خدمت گزاری کے آداب انتہائی درجے کے بجا لاتا تھا خدام و حفاظ و مدرسین و طلبا و لنگر وغیرہ کے اخراجات کے لیئے ایک سرمایۂ کثیر مقرر کیا اور آثار اہل بیت پاک و ائمہ عظام سے چند تبرکات بھی بڑی کوشش سے حاصل کر کے اُسی مکان میں رکھے - ابراہیم عادل شاہ کے بیٹے محمد شاہ نے بھی معمولات مستمرہ جاری رکھے اور اِسی طرح سکندر عادل شاہ جو خاتم طبقۂ سلاطین بیجاپور تھا اُس کے عہد تک فرمان شاہی کی رو سے جو مطلا کاغذ پر کمال تکلف سے لکھا ہوا ہے یھہ مصارف جاری تھے یعنی ہر سال ماہ مبارک ربیع الاول میں پہلی تاریخ سے بارہویں تک تاریخ وار ایک ایک ہزار ہن بڑھا کر اٹھتر ہزار ہن خرچ ہوتے تھے اور اِسی طرح محرم شریف میں پچپن ہزار ہن صرف ہوتے تھے علاوہ اس کے خدام و ملازمین کے انعام و وظایف و جاگیر وقف کر دیئے تھے چنانچہ وہ فرمان سکندری بھی متولی کے پاس موجود ہے - جب تک سلطنت عادل شاہی کا قیام تھا یھہ معمولات جاری رہے - اب معمولی آداب و لوازم خدمات و مولود خوانی و ختم فاتحہ خوانی دیجنت طعام دوازدہم مبارک اور روشنی وغیرہ ضروری اخراجات چلتے ہیں اور زائرین کا گروہ کثیر دور دراز مقامات سے اکثر مشرف بزیارت ہوتا ہے - گیارہویں شب کو حجرۂ خاص کا دروازہ کھولا جاتا ہے خاص و عام صندوق مبارک کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں صندوق جس میں موے مبارک نُے کے اندر رکھا ہوا ہے کھولا نہیں جاتا - صحت اس موے مبارک کی جمہور کے نزدیک ایسی متیقن ہے کہ شک و شبہ کا محل نہیں - محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے کہ غرۂ محرم الحرام ۱۰۰۵ھ میں سیادت مرتبت رفیع المرتبت میر محمد صالح ہمدانی بیجاپور تشریف لاے آپ کے ساتھ چند موے مبارک تھے یھہ خبر سلطان ابراہیم عادل شاہ سن کر بہت خوش ہوا اور بہ نہایت تعظیم و تکریم سے اُن بزرگ سے ملاقات کر کے موے مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا اور میر محمد صالح کو بہت سا انعام و اکرام دیا - غرۂ محرم شریف میں بادشاہ مجالس عزاداری میں مشغول تھا میر محمد صالح کو

کہلا بھیجا کہ آپ کے جد کا ماتم کرتا ہوں اگر دارالامارہ کو تشریف لاکر ممتاز و منور کریں تو موجب خوشنودی ہو آپ
بہ مصداق اِذَا دُعِیْتُمْ فَاسْتَجِیْبُوْا مع موئے مبارک قلعہ میں تشریف لائے اور لوگ زیارت سے مستفید ہوئے
اِسی طرح ماہ محرم ختم ہو کر ماہ صفر شروع ہوا امیر صاحب نے قصد مراجعت وطن مالوف کا کیا بادشاہ نے
دو ہزار ہن اور بہترین پشمینے کے چند بستے اور دوسرے نفیس تحائف و ہدایا دے کر رخصت کیا۔ میر صاحب نہایت
رہین منت ہوئے اور دو موئے عنبر بوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بادشاہ کو عنایت کئے اب اُن موئے
مبارک کو نقرئی نَے میں رکھ کر بند کر دیا ہے شب جمعہ ایام متبرکہ میں زیارت کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صبغۃ اللہ الحسینی
المدنی البھروچی کے وقت ابراہیم عادل شاہ نے عرض کی کہ آثار معجز شعار حضرت رسالت پناہ کی زیارت کرکے
تشریف فرما ہوں جب آپ آثار محل میں بغرض زیارت تشریف لائے تو بادشاہ کے اشارہ پر خدام نے وہ روپہلی
بند نَے لاکر سامنے رکھی آپ نے فرمایا کہ کھولو تا دیکھ کر زیارت کروں عرض کی کہ نَے بند ہے اسے کھولتے نہیں
تب آپ نے شریف کو دست مبارک میں لے کر درود شریف پڑھنے لگے مولانا حبیب اللہ بھی اُس مسجد میں موجود
تھے فرماتے ہیں کہ مجھ کو بلا کر ارشاد ہوا کہ آثار شریف پر غور سے نظر کرو دفعۃً دیکھا کہ نَے مبارک میں سوراخ ہو کر
موئے مبارک نمودار ہوئے جو نہ بہت موٹے تھے نہ بہت باریک نہ بہت سیاہ نہ بہت سفید ایک اُنگل لمبے تھے۔
یہ معتبر لوگوں سے منقول ہے۔ شروع شروع آثار مقدس گگن محل میں رکھے گئے جس کی بنا ۹۶۹ھ میں بعہد
علی عادل شاہ کلاں ہوئی یہ محل بہت بلند اور عالی شان تھا سقف و ستون اور در و دیوار پر طلا کاری کی
گئی تھی جس میں زر خطیر صرف ہوا اور اُس میں ہر قسم کے بادشاہی جواہرات و تحائف وغیرہ رکھے تھے اتفاقاً سلطان محمد
عادل شاہ کے زمانہ میں گگن محل میں آگ لگ گئی ہر سمت سے شعلے بلند ہوئے اور در و دیوار سارا مکان جلنے لگا
بادشاہی خزانے اور توشک خانے کا حجرہ جس میں ہزاروں لاکھوں روپیہ کا مال و اسباب تھا جلنے لگا اور اسی محل کے
ایک حجرے میں موئے مبارک بھی تھے بالآخر بادشاہ کو خبر لگی بادشاہ بہ نفس نفیس فوراً آیا اُس وقت آگ
ایسی تیز تھی کہ آدمی نزدیک نہ جا سکتا تھا ہر شخص حیران و پریشان تھا کوئی سبیل آتش کے فرو کرنے کی بن نہ پڑتی تھی
اور مال و اسباب جلا چلا جا رہا تھا۔ بادشاہ نے مال و اسباب کی کچھ پروا نہ کی لیکن آثار شریف کے لئے اشک بار ہوا
اور پیچ و تاب کھانے لگا پیچھے پلٹ کر دیکھا ایک شخص علی خان نامی کھڑا تھا بادشاہ کے دیکھتے ہی وہ جوان مرد بلا خوف
خطر شعلہ ہائے آتش میں گھس گیا اور صندوق شریف سر پر اُٹھا کر بسلامت باہر نکل آیا اور اُس کو برکت آثار مبارک
ذرا آنچ نہ لگی اور وہ شعلہ زن آتش اُس پر حضرت ابراہیم کی مانند ٹھنڈی ہو گئی۔ محل تو جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔

مگر آثار مبارک کی سلامتی پر بادشاہ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور داد محل میں جسے عدالت محل بھی کہتے ہیں جو ۱۰۵۴ھ میں بعہد محمد عادل شاہ قلعہ ارک کے باہر بنایا گیا تھا موے مبارک کو رکھا اور علی خاں کو آثار مبارک کی حوالہ داری اور اُس مکان کی تولیت و خدمت سے سرفراز کیا گیا۔ اُس روز سے وہ علی خاں آثاری مشہور ہوگئے۔ سلطان محمد عادل شاہ نے اپنے وقت کے اولیاء اللہ سے التماس کی کہ بندہ ہمیشہ آثار شریف کی زیارت با سعادت سے بہرہ اندوز ہوتا ہے لیکن کمال تمنا اس بات کی ہے کہ ایک دفعہ شرف زیارت جمال آثار قدسی اسرار سے مشرف ہوں یہ مقصد بدون آپ بزرگوں کی امداد کے ناممکن الحصول ہے۔ آپ کی دستگیری ضرور ہے حضرت شاہ ہاشم حسینی العلوی اور حضرت شاہ مرتضیٰ قادری قدس سرہما نے فرمایا کہ اچھا ہم بارگاہ رسالت مآب میں عرض کرتے ہیں اگر تمھاری تقدیر یاور ہے تو کیا عجب ہے کہ شرف قبولیت ہو جاے۔ چنانچہ ایک دن یہ دونوں بزرگ حجرۂ شریف میں آے اور صندوق کھول کر تبرک مبارک کو باہر نکالا اور آپ حجرۂ خاص کے باہر آکے موقف عرض میں کھڑے ہو کر عرض کی بہ مصداق ع کہ مقبول رار دنیا شد سخن ٭ ان دونوں بزرگوں کی درخواست قبول ہوئی سلطان محمد عادل شاہ اور چند اکابر اولیاء اللہ محل مطلا میں جو حجرۂ خاص کے سامنے ہی کھڑے تھے اور چند خواص محل طلائی کی کھڑکی میں تھیں اور عیان و ارکان بڑے محل میں اور دوسرے سب لوگ حوض کے گرد اگرد اپنے اپنے مرتبہ کے موافق کھڑے تھے اور سب تسبیح و تحلیل و تمجید و سلام و صلوات میں مشغول تھے کہ دفعۃً حجرۂ مبارک سے مشک کی سی جان پرور خوشبو نکلی کہ جس سے دماغ معطر اور روح تازہ ہوگئی تھوڑی دیر میں حجرۂ منورہ سے ایک شعلۂ نور باہر آکے محل طلائی میں بھر گیا اور تمام حاضرین اور زائرین کو گھیر لیا اور اُس نور کی شعاع و تجلی سے ہر ایک کی آنکھیں تاب نظارہ نہ لاکر بند ہوگئیں اور ہر شخص پر حالت بے خودی مستولی ہوگئی سب کے سب سجدہ میں گر پڑے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ کا مضمون حسب حال تھا وہ حالت بے خودی ایک دو گھڑی رہی بادشاہ و گدا سب نے زیارت و اعجاز سے افتخار حاصل کیا۔ وہ خوشبو لوگوں کے کپڑوں میں کچھ ایسی بس گئی کہ تین چار شوب میں بھی نہ گئی۔ اس زمانے کے بعد سے پھر کبھی نہیں کھولی گئی نہ کبھی زیارت ہوئی البتہ صندوق کی زیارت کرائی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ دونوں موے مبارک دو جداگانہ نلوں میں تھے ایک بلورین نلے میں تھا دوسری نقرئی نلے میں جب عالمگیر نے بیجاپور کو فتح کیا تو سکندر عادل شاہ کو خیال ہوا کہ اب ہم مغلوب ہوگئے عالمگیر بادشاہ ہماری عزت و توقیر نہ کرے گا پس کیا تدبیر کرنی چاہیے ارکان سلطنت نے مشورہ دیا کہ صندوق آثار مبارک سر پر لے جائیے عالمگیر دین دار بادشاہ ہے خود اُس کی تعظیم کو کھڑا ہوگا سکندر نے خادم کو

بلا کر کہا کہ ہم صندوق آثار مبارک کا عالمگیر کو ہدیہ دینا چاہتے ہیں جلد لا تو خادم دیرینہ و تجربہ کار تھا بادشاہ کی حکم سے عدول
نہ کر سکتا تھا مگر دل میں سوچا کہ بوجہ کم سنی و نا تجربہ کاری اپنا سارا ملک تو دے چکے اب چاہتے ہیں کہ یہ جو ایک تبرک
رہ گیا ہے جس پر تمام عرب و عجم متفق ہیں اور جس کو ان ہی کے بزرگوں نے لکھوکھا روپیہ صرف کر کے کس آرزو اور تمنا سے
حاصل کیا ہے جو اس شہر کے لیئے باعث برکات دائمی ہے اُس کو بھی دیدینا چاہتے ہیں بلوری نے میں جو موے
مبارک تھا وہ زیادہ صحیح اور مشہور تھا خادم نے چالاکی کر کے بدل دیا یعنی بلوری نے کا چاندی کی نے میں رکھ دیا اور
چاندی کی نے کا نکال کر بلوری نے میں رکھ دیا۔ اور چاندی کی نے والا آثار محل میں رکھ کر بلوری نے کا لے گیا۔
سکندر نے مبارک سر پر لیکر چلا اخباریوں نے خبر دی عالمگیر نے حکم دیا کہ فوراً سکندر کے راستہ پر خیمہ و خرگاہ استادہ کریں اور
حفاظ اور ذاکرین اور تمامی عہدہ داران حاضر رہ کر سکندر سے نے مبارک لے کے اُن خیموں میں رکھیں اور عنبر و عود
اور اگر اور دوسری خوشبودار بخورات جلائیں اور تلاوت قرآن شریف اور درود و تسبیح میں مشغول رہیں۔ اُسی وقت
فراش و آبدار و عود سوز و امین و مشرف وغیرہ مقرر کئے گئے۔ جب سکندر پہنچا تو اُس سے نے لے کر خیمہ میں رکھ دی آخر
سکندر اپنی تعظیم سے مایوس ہو کر عالمگیر کے سامنے گیا۔ عالمگیر نے وہ موے مبارک دہلی بھیج دیا۔ اب جو موے مبارک
نقرئی نے میں آثار مبارک[1] میں موجود ہے اُس کی زیارت چند بار ہوئی ہے چنانچہ معمور خاں ناظم بیجاپور نے عالمگیر
کی اجازت سے حضرت سید شاہ مصطفٰی قادری کو جو ایک واسطہ سے سید السادات قطب الحقایق حضرت شاہ مرتضٰی

---

[1] موے مبارک اور جبہ مبارک ملک ہند میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ اُن سب کی اصلیت میں محل شک ضرور ہے۔
اِسی ضلع رایچور میں قصبہ مانوی عرف بھنو میں موے مبارک ہے جس کے لیئے موضع نسلاپور جاگیر اب تک جاری ہے۔
اور آثار محل بھی اندرون قلعہ شکستہ موجود ہے۔ صرف رایچور ہی میں حسب ذیل مقامات پر موے مبارک ہے۔ رایچور لنگسگور عالم پور
پراگٹور مدگل۔ جلدرگ۔ آناہسور۔ سالگندہ۔ اس کے علاوہ یہیں قرب و جوار میں گلبرگہ۔ بیدر نلنگہ۔ حیدر آباد۔ اورنگ آباد۔
خلد آباد۔ ورنگل۔ ادھونی۔ اور خدا جانے کہاں کہاں موے مبارک ہیں اور جس کو دیکھو صحیح السند ہونے کا دعوی دار ہے اسی طرح
حضرت علی کرم اللہ وجہ کے قلمی کلام مجید۔ جابجا ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ یہ سب صحیح ہوں لوگوں نے پیٹ پالنے کا ذریعہ بنالیا ہے لیکن
بیجاپور کے آثار مبارک فی الجملہ زیادہ قابل اعتبار ہیں کہ بادشاہان عادل شاہی نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے حاصل کئے ہیں
بلا سند و عتبار کامل کے اِس قدر زر خطیر کیوں کر صرف کیا جاسکتا تھا پھر اس کے علاوہ مسلمانوں کا عقیدہ حسن عقیدت اور ایمان
بالغیب پر مبنی ہے۔ جہاں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آے فرط عقیدت سے ہم کو سر جھکانا ہی زیبا ہے۔

لب چمٹ جاتے ہیں لیتا ہے محمد جو کوئی　　اور اس نام سے پڑھ کر کوئی میٹھا کیا ہے ۱۲

قادری کے خلیفہ ہوتے ہیں زیارت کرائی بعد اس کے ثناء اللہ خاں نے اپنی صوبہ داری میں حضرت شاہ ہاشم حسینی علوی کے پوتے حضرت شاہ مرتضی قادری کو زیارت کرائی اور آخر بار ۱۱۴۲ھ میں محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں قاضی سید عبد اللہ مقبل کو نواب آصف جاہ کا حکم ہوا کہ آثار محل کی موجودات دیکھیں ان لوگوں نے تمام مشائخین اور اکابرین شہر کو جمع کیا اور موئے مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے اُس وقت سے آج تک پھر کسی کو موئے مبارک کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔

نقل ہے کہ عالمگیر کے عہد میں کوئی سید صاحب خدمت صوبہ داری پر سرفراز ہوئے محل آثار شریف میں پنجشنبہ کے دن اور دیگر ایام متبرک میں زیارت کے لیئے ہجوم خلایق ہوتا تھا تو صوبہ دار صاحب نے بزعم حکومت فرمایا کہ ایک بال کی تو ایسی عزت و توقیر کرتے ہیں لیکن ہم کو دیکھو کہ خود آل رسول ہیں ہماری کچھ بھی تعظیم و توقیر کا لحاظ ان لوگوں کو نہیں ہے اس گستاخانہ کلمے کے زبان سے نکلنے کے ساتھ ہی حبس بول کی شکایت ہوئی اور تڑپ تڑپ کر چند ساعت میں مرگیا ؎

بدر گستاخی کسوف آفتاب　　　شد عزازیلے زجرأت ردّ باب

از ادب معصوم و پاک آمد فلک　　　وز ادب پر نور گشتہ ایں فلک

ہنری کوزنز صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بہت زمانہ گزرا کہ آثار محل میں ایک رات چور گھس پڑے تھے اور بہت کچھ مال و اسباب چوری گیا اور ممکن ہے کہ موئے مبارک بھی لے گئے ہوں لیکن ممکن تو سب کچھ ہے اور وہم کی دارو لقمان کے پاس بھی نہیں ہے جب صندوق مبارک موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُس میں موئے مبارک نہ ہو۔ یہ عمارت دو منزلہ ہے اور اس میں نہایت کشادہ مرتفع اور وسیع دالان اور بڑے بڑے کمرے ہیں۔

نیچے کا پیش دالان ساری عمارت کی لمبان چوڑان میں ہے اور علاوہ دالان کے دونوں جانب بڑے بڑے حجرے ہیں بیچ کا ہال (۸۱) فٹ طول اور (۲۷) فٹ چوڑا ہے بازو سے زینہ ہے جس پر سے گیلری میں آکر تمام نیچے کا دالان دکھلائی دیتا ہے اسی گیلری کے شمالی کمرے میں آثار مبارک ہیں۔ جنوبی رخ کے دو کمرے تو درتہ اس عمارت کے بہترین آراستہ کمرے ہیں گیلری کی چھت تمام مطلّا و مذہّب ہے اس واسطے وہ سنہری کمرے کے نام سے مشہور ہے اور سونے کی آب و تاب و چمک دمک اب تک ایسی ہے کہ گویا تازہ بنا ہوا ہے اس عمارت میں اُس زمانے کی قدیم نہایت بیش قیمت قالین اور دریاں بھی موجود ہیں جو کمروں کے ناپ کے برابر بنائی گئی ہیں جو اعراس وغیرہ میں بچھائی جاتی ہیں چھتیں بھی اس مکان کی بلحاظ نقش و نگار و رنگ آمیزی و طلائی کام کے نہایت

عجیب و غریب ہیں۔ تمام دروازوں کے دو دو پٹ ہیں جن میں زنجیر اور کنڈیاں لگی ہوئی ہیں اِن تمام چوبی کواڑوں پر پچے کاری کا بے نظیر کام کیا گیا ہے اور اقلیدس کی شکلیں اور بہت عمدہ طرح بہ طرح کے نقش و نگار کھودے گئے ہیں اور چوبی تختوں کی جگہ ہاتھی دانت کے تختے جمائے گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ لوگوں نے اِس قابل قدر صناعی کو از حد برباد کیا ہے اور جا بجا کھود اور کُھرچ کر خراب کر دیا ہے۔ اکثر ہاتھی دانت کے تختے تو نکال لے گئے ہیں جو باقی ہیں اُن کو بھی کھرچ کھرچ کر بدنما کر دیا ہے۔ جنوبی رُخ کا کمرہ خاص توجہ کے قابل ہے جس میں خاص طور کی رنگ کاری اور نقاشی اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی ہے اِس کی دیواروں پر انواع و اقسام کی نقش و نگار گلدستے پھول بیلیں مختلف پائدار رنگوں میں بنائی گئی ہیں۔ طاقچوں میں گلدستے ایسے بنائے گئے ہیں جو سچ مُچ کے پھول معلوم دیتے ہیں چھت اور اُس کی شہتیریں تک سب منقش ہیں بہت سا حصۂ طلائی کام کا دیواروں اور چھت پر اب بھی باقی ہے اور باوجود مرور زمانہ اور بے دردی کے آج بھی قابل دید ہے اور اپنا جواب نہیں رکھتا اور جگمگا رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص سونا چڑھایا گیا تھا ورنہ اب تک کبھی کا ماند پڑ جاتا۔ اِس سے ملا ہوا اندرو ار کا دوسرا کمرہ بھی نقش و نگار سے نہایت مزین ہے مگر اِس کے نقش و نگار جداگانہ طرز کے ہیں۔ اِس کی دیواروں پر نہایت خوبصورت تصاویر بنائی گئی ہیں جن کو جا بجا سے ایسا کھرچ کر خراب کر دیا ہے کہ اب نہیں معلوم ہو سکتا کہ کن واقعات کو یہ تصاویر بتلاتی تھیں لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تصویریں سامان عیش و طرب کی تھیں اور بہترین نمونہ ہندوستانی فن مصوری اور نقاشی کا ہیں۔ بعض جگہ معشوقان پری پیکر مینا و ساغر بھی موجود ہے۔ یہ نقاشی ممکن ہے کہ اُن یورپین صناعوں کی دست و قلم کی ہو جو سلطان محمد نے خاص اسی کام کے لئے بلوائے تھے۔ جن کو مقامی حالات یہاں کے لوگوں کی عادات طرز زندگی کی پوری واقفیت ہونے سے مغربی حصہ ملک کی تصاویر بنا کر ہندی لباس پہنا دیا ہے۔ عموماً تصاویر کا رکھنا مسلمانوں کے ہاں منع ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب بادشاہ اورنگ زیب نے ایک مقدس اسلامی عمارت میں اِن خلاف شرع تصاویر کو دیکھا تو بہت برہم ہو کر سب تصویروں کو کھرچوا کر بگڑوا دیا۔ دیواروں کے بالائی حصص پر اشجار آسمان اور بادلوں کے نقشے بنائے گئے ہیں۔ اسی کمرے میں دو بڑے بڑے صندوق بیش قیمت مغرق غلافوں چادروں اور کمخواب کے پردوں سے بھرے پڑے ہیں جو نہایت بے احتیاطی سے گڈمڈ کر کے صندوقوں میں ٹھونس دیئے گئے ہیں اور بے غوری کی وجہ سے بالکل خراب اور کرم خوردہ ہو گئی ہیں نہایت نفیس اور عمدہ ایرانی قالین دریاں بھی اُسی زمانہ کی ان وسیع دالوں کے ناپ کی موجود ہیں وہ بھی اسی کمرے میں رہتی ہیں اور اکثر بچھائی

جاتی ہیں خصوصاً عرس شریف میں اُن کی ایسی بُری گت ہوتی ہے کہ ہزاروں آدمی ننگے اور کیچڑ سے لتھڑے ہوئے پاؤں اُن پر رکھتے ہیں مشعلوں کا تیل علیحدہ گرتا ہے جن کے دھبوں اور چکنیوں نے ان قابل قدر چیزوں کو غارت کر دیا ہے مگر خیر اب تک ہیں اور بچھانے کے کام آتی ہیں ان کی احتیاط اس قدر ہے کہ ہم کو اس کی امید نہ رکھنی چاہیئے کہ اس فرش کے ضائع ہو جانے کے بعد اب کسی میں اتنی ہمت بھی باقی ہے کہ ویسا ہی قالین اور ایسی نفیس دریاں تو اب کہاں میسر آسکتی ہیں کوئی بندۂ خدا اگر ہے کہ کوئی دریاں ہی بچھوا سکے گا علاوہ ان کے پچھلے زمانے کے چینی کے برتن قدیم وضع کے بڑے بڑے شمعدان پنج شاخے بڑی بڑی تانبے کی دیگیں کڑاہیاں لگن وغیرہ ظروف مسی پرانی چینی کے گلدان اور بوتلیں بھی موجود ہیں جو اس زمانے کی دستکاری کی یادگار ہیں۔ دو منزلہ کے اوپر کھڑکیوں میں جو علم ہیئت اور اقلیدس کے نقشے اور شکلیں بنائی گئی ہیں وہ صاف طور پر نمایاں ہیں۔ اوپر کے دونوں کمروں میں جن کا ہم ذکر کر آئے ہیں کھڑکیوں میں لگے ہوئے زرد اور نیلے رنگ کے آئینے اب تک بھی بعض بعض موجود ہیں اور باقی سب جگہ کے ٹوٹ گئے ہیں ہوئیں لوگوں نے توڑ پھوڑ ڈالے یا اُکھیڑ لے گئے۔ مطلا بال کے سامنے کا کٹہرا نہایت صاف ستھرا اور خوب صورت بنا ہوا ہے۔ ان کمروں کی دیواروں پر خاص کر اس رنگ آمیزی کو دیکھنا ہے جو موج دریا کی طرح لہریں مارتی ہے اور جب ان میں جھاڑ فانوس ہانڈیوں اور لالٹینوں کی روشنی کی چمک ہوتی ہوگی تو اُن کے عکس سے عجب لطف آتا ہوگا اور عین آفتاب کی شفق کا سماں پیش نظر رہتا ہوگا۔ بالاخانے کی سیڑھیوں سے اُتر کر جب ہم نیچے آتے ہیں تو بائیں طرف زینہ کے نیچے ایک چوبی بند دروازہ نظر پڑتا ہے یہ کتب خانہ تھا اس سارے کمرے میں کتابیں رکھنے کی الماریاں چاروں طرف بنی ہوئی ہیں۔ ساری کتابیں اورنگ زیب چھکڑوں پر لدوا کر لے گیا۔ تبرکات کے کمرے کے نیچے ایک کمرہ ہے جس کے سامنے پردہ پڑا رہتا ہے اور چوبی چبوترہ بنا ہوا ہے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت کا نمونہ ہے جو ایک صندوق کے اندر بہ احتیاط محفوظ ہے۔ آثار محل کے عظیم الشان اور وسیع دالانوں کی خوشنمائی کو بڑا دھبہ اُن دو کمانوں سے لگ گیا ہے جو بعد میں اس عمارت میں چھت کی سنبھال کے لیئے بطور ٹیکے کے بنا دی گئی ہیں۔ بیرونی دالان میں چار بڑی بڑی شہتیر کے ستون بطور سہارے کے لگائے گئے ہیں چھت میں تمام تختہ بندی کا کام ہے جس پر اقلیدس کی اشکال کے نقش و نگار نہایت خوش نما صوفیانہ رنگ کاری سے بنائے گئے ہیں۔ عمارت کے محاذ میں ایک وسیع حوض ہے جو ہر وقت پانی سے لبالب رہتا ہے اس میں تاروہ کے تالاب سے پانی آتا ہے۔ اس تالاب کے تموج سے خوش نما منظر رہتا ہے اور اتنی بڑی عمارت کے لیئے ایک حوض کا ہونا بس غنیمت ہے۔ محمد عادل شاہ نے ۱۰۶۴ھ میں آثار محل کو بنوایا

جس کے حجرۂ سرانجام مبارک پر یہ کتبہ ہے۔

در آن کشور کہ آثار تو باشد	جہاں را چشم دیدار تو باشد
برائے عاصیاں فضل تو وافیست	اگر موئے ز لطف تست کافیست
مبارک منزلے خوش تر ز بستاں	بود خاکش شفائے دردمنداں
بود ایں کعبۂ ثانی جہاں را	خدا آساں نمودہ عاصیاں را
زہے جائے کہ عرشش ہم قریں است	ستونش ہر یکے چوں رکن دیں است
برآورد آفریں دست دعا را	کہ روز حشر می یابی جزا را
بود آثار ہستی تا جہاں را	خدا پائندہ دارد ایں مکاں را

در ۱۱۱۱ھ

بنا اس عمارت کی بغرض ایوان معدلت کے شروع کی گئی تھی اور پہلا نام اس کا داد محل تھا لیکن شاہ جہاں بادشاہ نے اعتراض کیا کہ قلعہ کے باہر داد محل کیسا اور ناچار بادشاہ کو چھوڑنا پڑا اس کے بعد اس عمارت کو تبرکات کے لیے مختص کر دیا گیا اور جو تبرکات میر محمد صالح ہمدانی مکہ معظمہ سے بیجاپور لائے تھے وہ یہاں رکھے گئے۔ قلعہ سے اس محل تک راستہ نکالنے کے لیے خندق پر ایک پل باندھا گیا ہے جس میں بڑے بڑے پل پائے مختلف قد و قامت کے لگائے گئے ہیں جس پر سے دونوں منزلوں پر آدمی پہنچ سکتا ہے۔ سڑک کے بیچوں بیچ میں جو اس پل پر سے گزرتی ہے فصیل کے اوپر ایک حوض بنا ہوا ہے جو غالباً اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ لوگ آثار محل میں داخل ہونے سے پہلے وضو کر لیں۔

جہاز محل آثار محل سے ملا ہوا جانب شمال جہاز محل کا ٹوٹا پھوٹا حصہ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس محل کی شکل جہاز سے مشابہ تھی اس واسطے اس نام سے موسوم کیا گیا مگر درحقیقت جہاز سے اس کو کوئی مناسبت نہیں ہے بلکہ دوسری روایت جو زبان زد خاص و عام ہے وہی صحیح معلوم دیتی ہے کہ اس محل میں بحری محکمہ قایم تھا اس واسطے جہاز محل کہلاتا تھا کیوں کہ ہم کو معلوم ہے کہ بادشاہ کے پاس بحری فوج اور جہازوں کا ایک معقول بیڑا تھا۔

اس وقت اس محل کی خالی چار دیواری کھڑی ہے۔ دروازے اور کھڑکیاں ہیں مگر پٹ ندارد غرض چوبینے کا نام نہیں ہے چھت تک ندارد ہے بالکل کھنڈر باقی رہ گیا ہے۔ دیواروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محل دو منزلہ تھا نیچے دالان در دالان تھے جن کے دونوں جانب بڑے بڑے کمرے تھے اور بیچ میں ایک بڑا اچھا ملک تھا۔

محل کے بیرونی جانب بیوتات وغیرہ ہیں اور اندر دروازے کو بالائی منزل پر چڑھنے کا زینہ بنا ہوا ہے۔ بالائی منزل میں بھی کمرے تھے جن میں بہت سے طاق بنے ہوئے ہیں نیچے کے حصے میں ایک بڑا بھاری دروازہ اب بھی موجود ہے جس میں سے آثار محل کا راستہ ہے جس کے بڑے بھاری بھرکم پٹ اب بھی موجود ہیں جو اپنی مستحکم چوکھٹ کے سہارے کھڑے ہیں اور جن کے پیچھے ایک بڑی بھاری شہتیر بلی بطور اڑونڈے کی لگی ہوئی ہے جس کے لئے دیوار میں دونوں طرف بڑے بڑے سوراخ بنائے گئے ہیں اور جو گول بیلنوں کے ذریعہ سے بہ آسانی گھسٹ آتی ہے۔

پانی محل آثار محل کے احاطے کے مشرقی جانب "پانی محل" کا کھنڈر موجود ہے جس کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا ہے۔

گنبد حافظ حسینی و شاہ حمزہ حسینی یہ چھوٹا سا گنبد ابوالفضل شاہ حمزہ حسینی کا آثار سیارک کے پاس ہے۔ آپ بیجاپور کے بڑے اولیاء اور قدیم اکابر و مشائخین سے تھے اور مرید و خلیفۂ خاص اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ حافظ حسینی کے ہیں۔ آپ نے جادہ ارشاد و ہدایت اور مسند کرامت و ولایت پر بیٹھ کر اپنی اوقات شریفہ شرع کے مطابق خلائق کی رہنمائی اور طالبین اور مسترشدین کی تلقین میں مصروف رکھی۔ آپ کے بلند مدارج اور کرامات تعریف کے محتاج نہیں۔ آپ نے ۹ شعبان المعظم کو وفات فرمائی سنہ معلوم نہیں ہوتا نقل ہے کہ آپ کو آپ کے پدر بزرگوار کے بازو دفن کیا تھا شب کو آپ کی قبر شریف والد امجد کی مزار سے ایک ہاتھ کے فاصلہ پر ہٹ گئی یہ فقط رعایت ادب تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان دونوں مزاروں پر ایک چھوٹا سا قبہ بنایا گیا ہے۔ آپ کی اولاد میں پوری برکت ہوئی چنانچہ اب بھی آپ کی اولاد حیدرآباد دکن و رائچور و موضع پوری پرگنہ سمستان خبت علاقۂ بلگاؤں وغیرہ میں موجود ہیں۔
آپ کے مقبرہ میں صلحا اور اہل علم اور دوسرے لوگ بہت سے مدفون ہیں اور متاخرین سے محمد ابراہیم خطیب عیدگاہ اور اُن کے والد شیخ احمد وہیں مدفون۔ حیدرآباد میں سید غوث صاحب حسینی منصبدار و منتظم علاقہ صرف خاص اور سید غلام دستگیر صاحب حسینی ساکن سوبہ ضلع پربھنی آپ ہی کی اولاد سے ہیں اور علاقۂ انگریزی موضع پوری میں صاحب حسینی صاحب اور موضع سیونگی میں سید عبدالقادر صاحب موجود ہیں۔ اس گنبد پر یہ کتبہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَہْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔

کتبہ بر مدرسہ مسجد ملک یاقوت ۱۰۵۸ھ یہ مسجد آثار محل کے متصل ہے۔ غالباً یاقوت محل جس میں اب مسافر بنگلہ ہے
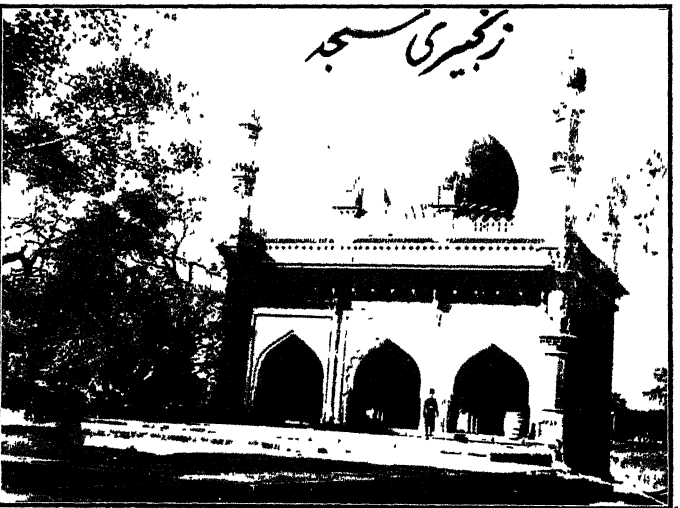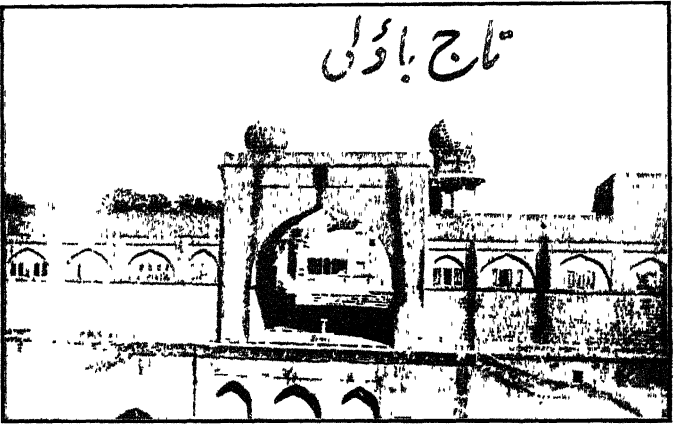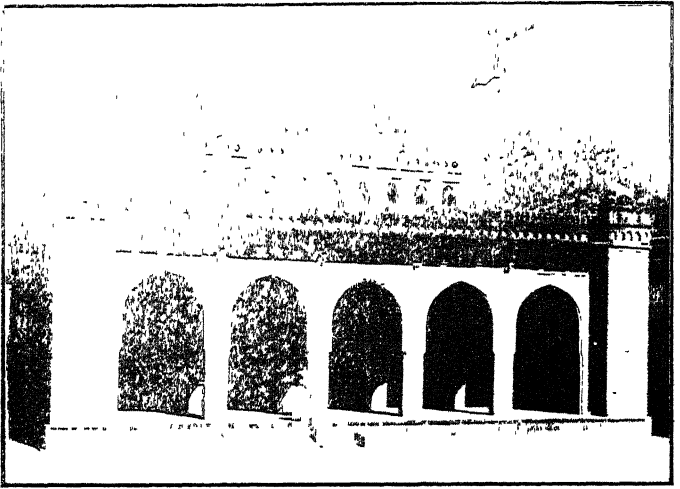
بیجاپور

وہ بھی اِن ہی کا بنایا ہوا ہے کتبۂ ذیل اب دستگیر کے جھنڈے میں لگا ہوا ہے۔

نگنجد در بیاں حمد خدائے خویش بے ہمتا　　کہ از نام محمد کردہ قایم عز اعظم رائے
نبی ہاشمی المرسل کز ذات اوست　　محمد شاہ غازی جاودان باشد جہان آرائے
زہے شاہنشہ غازی کہ در جنت شکوہ وے　　نماید مرتبہ صاحبقراں با پایہ او نائے
بود قدر ملک یاقوت از لفظش فزوں دایم　　کہ این مسجد از و دار و صفائے ثیرب و بطحائے

سنہ ۱۰۵۸ھ　　سنہ ۱۰۵۰ افصلی

چاند باولی سنہ ۹۷۹ء اس باولی کو علی عادل شاہ نے اپنی ملکہ چاند بی بی سلطان نظام شاہ کی دختر نیک اختر کی یادگار میں سنہ ۹۷۹ء میں بنوایا تھا جو شہر کے شمال مشرق کے گوشہ میں واقع ہے یہ باولی کاہے کو ہی اچھا خاصہ تالاب ہے شاہی دروازہ سے قریب ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر ہے۔ باولی پر متعدد خوش نما سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن پر ایک بڑی بھاری کمان ہے اس کی جنوب رُخ پر دالان وارد و صادر کی اقامت کے لیئے بنے ہوئے ہیں۔

مسجد چاند سلطان مسجد چاند سلطان چاند باولی کے پاس ہی چاند بی بی کی بنوائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے جس کی تینوں کمانوں پر سنگ مرمر یا ہاتھی دانت کے حروف کاٹ کر سنگوں پتھر پر بخط دلکش و طغرائے بے نظیر تعبیہ کیئے ہیں۔

اللہ امرا الٰی محمد شاہ　　الٰی اللہ محمد امرہ شاہ

مسجد محراب

یا کریم یا قدیم یا فتاح　　یا کریم یا قدیم یا فتاح

تاج باولی سنہ ۹۶۷ھ مکہ دروازہ کے پاس شہر کے مغربی حصہ میں یہ باولی ہے جو سارے شہر میں سب سے بڑی باولی ہے۔ اس کے شمالی جانب ایک بہت بڑی کمان (۳۵) فٹ عریض بطور دروازے کے بنائی گئی ہے اس کمان کے دونوں طرف دو منزلہ مکانات بنے ہوئے ہیں جس کے وسط میں ایک عمدہ گنبد ہے۔ مشرق اور مغرب میں مسلسل برآمدے مسافروں کے اُترنے کے واسطے بنے ہوئے ہیں۔ غرض باولی کے

تینوں جانب عمارات کا سلسلہ ہے بہت سی پختہ سیڑھیاں اُتر کر ہم کمان میں سے اُس چبوترے پر پونہچتے ہیں جو عین پانی کے اندر بنا ہوا ہے اور جس کے دونوں جانب پھر سیڑھیاں ہیں جو باؤلی کی تہ تک گئی ہیں۔ یہ باولی (۲۲۳) فٹ مربع ہے۔ باؤلی کے اندر وار جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں برآمدے کی طرح لمبے لمبے ہال بنے ہوئے ہیں جن میں باؤلی کی طرف چھوٹی سی دیوار بنا دی گئی ہے تاکہ کوئی گر نہ پڑے ان میں سے جنوبی حصہ میں ہنود کے بالادیو کا سندر واقع ہے جہاں بیسیوں قسم کے دیوں کی برنجی مورتیں رکھی ہوئی ہیں جن میں وشنو اور شیو کی مورتیں بھی ہیں جن کی خدمت ایک بیراگی کرتا ہے۔ باؤلی کے ہر طرف موٹیں لگی ہوئی ہیں جن سے پانی کھینچا جاتا تھا۔ چنانچہ جنوبی رُخ کی موٹ سے اب بھی باغ میں پانی دیا جاتا ہے اس باؤلی کی تعمیر کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ باولی مشہور انجنیر ملک صندل نے (جو ابراہیم روضہ کا مشہور انجنیر ہے) بطور یادگار تاج سلطانہ ملکۂ ابراہیم عادل شاہ ۹۶۷ھ ۱۶۲۰ء میں بنوائی تھی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سلطان محمد ملک صندل پر کسی وجہ سے سخت ناراض ہو گیا تھا بعد میں عفو قصور فرما کر ارشاد ہوا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ ملک صندل لاولد تھا اور کوئی ذریعہ اُس کے بقائے نام کا نہ تھا اُس نے معروضہ کیا کہ اُسے کسی ایسی تعمیر کی اجازت دی جائے جس سے اُس کا نام نسلاً بعد نسل چلتا رہے۔ بادشاہ نے اس درخواست کو شرف قبول بخشا اور جیب خاص سے ایک معتد بہ رقم بھی مرحمت فرمائی جس سے اُس نے یہ باولی بنوائی لیکن اگر ایسا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ملک صندل کے نام سے مشہور نہ ہوتی یا کم سے کم اُس کے نام کا کتبہ نہ لگایا جاتا اس لحاظ سے وجہ اول ہی درست معلوم ہوتی ہے کیوں کہ چاند بی بی کے نام سے شہر میں ایک باؤلی موجود تھی اغلب ہے کہ تاج سلطانہ نے بھی خواہش کی ہو کہ اُس کے نام سے بھی ایک ایسی باؤلی بنائی جائے جو چاند باولی سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ اور واقعی بہ مقابلہ چاند باؤلی کے یہ باولی ہر طرح تفوق لے گئی۔ ع نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول۔

ملک میدان توپ بیجاپور پر لارڈ کرزن لاٹ صاحب لنبے بر بیٹھے ھیں اُن کے بائیں طرف سر ڈبلیو لارنس ھیں
اور داھنی طرف مسٹر احمدی مرحوم ڈسٹرکٹ انجنیر بیجاپور عطیۂ مسٹر حیدری ہوم سکرٹری (حیدر آباد دکن)

بیوی باندی کی باؤلی سنہ ۹۸۹ھ

یھ باؤلی مکہ دروازہ کے عقب میں محمد شاہ پیٹ میں کورٹ کچہری کے پیچھے ہے جس پر یھ کتبہ ہے۔

اللهم صلی علی محمد ن المصطفی و صل علی علی المرتضی و الحسن الحسینی و

الحمد للہ و المنۃ کہ در ایام سلطنت و خلافت بادشاہ ممالک اسلام ماحی آثار الکفر و الظلام حامی الدین المبین ناصر عباد اللہ حافظ بلاد العد الموئید من عند اللہ ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین احسانہ و عدلہ توفیق یافت باہتمام این چاہ عذب المیاہ بانی این خیر جاری یاقوت عادل شاہی المخاطب المنصور خاں بلغہ اللہ تعالے ما تمناہ و وقف کرد سبیل اللہ بر مسافران و ساکنان دار السلطنت بیجاپور فی شہور سنہ ۹۸۹ھ تسع و ثمانین و تسعمائیہ

کتبہ دیگر بر باؤلی مذکور

حوض منصور خاں سبیل بود	منبع آں ز سلسبیل بود
حوض ہاے دگر کہ ساختہ اند	در صفائی بداں عدیل بود
روح افزاے چشمۂ شد طرح	کہ مزاجش چو زنجبیل بود
گشتہ تاریخ شہر از کوثر	چوں ہماں گوہرش عدیل بود

و کاتب المذنب ہدایت اللہ سنہ ۹۸۹ھ

توپ ملک میدان اور شرزہ برج سنہ ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء و سنہ ۱۰۵۹ھ ۱۶۵۸ء

فصیل شہر کے مغربی جانب سے بڑے برج پر جو مکہ اور شاہ پور دروازوں کے درمیان شرزہ برج کے نام سے مشہور ہے سب سے مشہور توپ ملک میدان چڑھی ہوئی ہے۔ جو لنڈے قصاب کی توپ کے بعد شہر بیجاپور میں سب سے بڑی توپ ہے۔ یھ توپ دوسرے بڑی توپوں سے باعتبار ساخت کے بالکل نرالی ہے۔ یھ توپ پچرسی ڈھلی

ہوئی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ لمبان میں تو کم ہے مگر جوف اس کا بہت بڑا ہے اور دیکھنے میں ٹھنگنی معلوم دیتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا نشانہ دور نہیں جا سکتا۔ اس کا دہانہ اژدہے کے سر کی شکل کا ہے جو جبڑا پھیلائے ہوئے ہے جس کے زبردست دانتوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے دو ہاتھی دہانے کے دائیں اور بائیں طرف بنے ہوئے ہیں۔ اس توپ پر حسب ذیل کتبہ ہیں۔

عمل محمد بن حسن رومی

ابو الغازی نظام شاہ خادم اہل بیت رسول اللہ

الله ولا سواه فی سنہ ۳ جلوس والا مطابق سنہ ۱۰۹۷ھ

شاہ عالمگیر غازی بادشاہ دین پناہ	آں کہ داد عدل داد و ملک شاہاں را گرفت
فتح بیجاپور کرد و بہر تاریخ ظفر	رو نمود اقبال گفتہ ملک میداں را گرفت

یہ توپ محمد حسن رومی نے سنہ ۹۵۶ھ ۹۴۹/۱۵۴۹ع میں بعہد ابو الغازی نظام شاہ بنوائی تھی۔ اور نگ زیب بادشاہ نے جب بیجاپور سنہ ۱۰۹۷ھ ۸۶-۱۶۸۵ع میں فتح کیا تو اشعار بالا کندہ کرا دیئے اس کا طول ۱۴ فٹ (۴) انچہ۔ دہانہ کا قطر ۲ فٹ (۴) انچہ اور کان کے پاس کا قطر ۲ فٹ (۲) انچہ ہے۔ دہانہ اور توپ کے آخری حصہ کی پیمائش سے معلوم ہوگا کہ دہانے کے پاس گولے کے علاوہ ہوا کے لیے قریب قریب ایک انچہ کی گنجایش چھوڑی گئی ہے جس وجہ سے قریب میں نشانہ نہیں لگ سکتا لیکن بریں ہم اس توپ کا نشانہ ٹھیک بیٹھنے کے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں جن میں سے سب سے بہتر یہ روایت ہے کہ شہر بیجاپور کے محاصرے کے زمانہ میں سکندر بادشاہ نے دیکھا کہ اورنگ زیب ابراہیم روضہ کے حوض پر بیٹھا ہوا وضو کر رہا ہے موقع اچھا تھا فوراً غلام داس گولنداز کو جو بڑا قادر نشانہ باز تھا حکم دیا کہ گرگولہ مارے۔ گولنداز کا دل نہ چاہا کہ شاہنشاہ کی جان اس طرح لے لیکن سکندر کو اطمینان دلانے کے لیئے اُس نے سشت ٹھیک لگائی اور ایسا تاک کر گولہ مارا کہ بادشاہ کے ہاتھ کا لوٹا گر گیا اور بادشاہ بال بال بچ گیا۔ اس مقام سے ابراہیم روضہ پورا نصف میل ہے اس توپ سے اتنی دور ایسا ٹھیک نشانہ بیٹھنا بالکل بعید القیاس ہے اور اس وجہ سے ہم اس روایت کو محض من گھڑت سمجھتے ہیں یہ توپ گولہ مارنے کے کام کی تھی ہی نہیں بلکہ تھیلوں میں پیسے ڈال کر توپ میں بھر کر دشمن کی دوبدو آئی ہوئی فوج پر چلاتے تھے جس کی مار سے وہ چھلنی ہو جاتی تھی اور یہ بات بالکل قرین قیاس بھی ہے چنانچہ مشہور جنگ تالیکوٹہ میں نظام شاہ کے توپ خانے سے یہی توپ راجہ بیجانگر کی فوج پر متواتر چلائی گئی

جس سے ایک ایک فیر میں صفوں کی صفوں کا ستھراؤ ہو گیا۔ ملک میدان دیعنی بادشاہ میدان جس کو بعض لوگ مُلک میدان بالضم بھی کہتے ہیں احمد نگر میں ڈھالی گئی تھی اور جس جگہ طیار کی گئی تھی وہ اب بھی موجود ہے۔ احمد نگر سے اس بھاری توپ کو لاکر قلعۂ پرینڈہ پر چڑہایا تھا جو اُس زمانے میں نظام شاہ کے قبضہ میں تھا۔ پرینڈہ شولاپور سے (۵۰) میل اور بیجاپور سے سو میل جانب شمال میں ہے اور جب ۱۶۳۲ء میں قلعۂ پرینڈہ کو محمد عادل شاہ نے آقا رضوان قلعہ دار سے فتح کر لیا تو بادشاہ نے اُس قلعہ کی فتح کی یادگار میں مرار راؤ کو حکم دیا کہ توپ بیجاپور پونچا دی جاوے بنا برعلیہ یہ گراں ڈیل توپ سو میل کا فاصلہ طے کر کے بیجاپور لائی گئی اور ۱۵ صفر ۱۰۴۲ھ کو شرزہ برج پر چڑہائی گئی جہاں اب تک موجود ہے۔ سرسری طور پر (۹) ہاتھ طول ہے اور وزن چھ کھنڈی ہے (ایک کھنڈی بیس من کی ہوتی ہے) انگریزی حساب سے سولہا سو سیر وزن ہوتا ہے جس کے چار سو من ہوئے اور یہی بلحاظ جسامت صحیح معلوم دیتا ہے۔ اس کا جوف اس قدر وسیع ہے کہ آدمی اُس کے اندر آلتی پالتی مار کے بیٹھ جاتا ہے بلکہ بیٹھ کر پگڑی بھی باندہ سکتا ہے۔ اس لاجواب توپ کی ۱۸۵۴ء میں مٹی پلید ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ستارے کے کمشنر صاحب نے حکم دیا تھا کہ تمام پرانا اور ناکارہ ذخیرہ جو بیجاپور میں جابجا منتشر پڑا ہوا ہے نیلام کر دیا جاوے جس میں ملک میدان بے چاری بھی دھرلی گئی اور تحصیلدار نے باتباع حکم ڈیڑھ سو روپیہ پر اسے نیلام تو کر دیا لیکن اس خیال سے کہ کل کلاں کو مبادا باز پرس ہو کہ اتنی بڑی توپ اتنی تھوڑی رقم پر کیسے چھوڑ دی گئی اسسٹنٹ کمشنر کو رپوٹ کی کہ اس سے زیادہ کوئی دام نہیں لگاتا مگر اس توپ کا نیلام اس وجہ سے قابل غور مکرر ہے کہ اطراف اکناف کے تمام لوگ اس کا بڑا احترام کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ایک پرانے زمانے کی قابل فخر یادگار جس میں صنعت کوٹ کوٹ کر بھری ہے یوں کوڑیوں کے مول ضایع کر دی جاوے تب خدا خدا کر کے یہ بلا ٹلی اور خدا کے فضل سے وہ توپ اب تک صحیح سلامت جوں کی توں موجود ہے اور جو شخص بیجاپور جاتا ہے اس عجیب وغریب چیز کو دیکھ کر محو حیرت رہ جاتا ہے درمیان میں پھر ایک دفعہ ارادہ ہوا تھا کہ اس توپ کو کلکتہ کے برٹش میوزیم میں بھیج دیا جاوے مگر یہ کام کچھ آسان نہ تھا اتنی بڑی بھاری توپ کو برج پر سے اُتارنا ہی سخت مشکل تھا چہ جائیکہ کلکتہ بھیجی جاوے لہذا اس خام خیال سے دست کش ہونا پڑا اور توپ نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی جنبش نہ کی۔ ہم کو حیرت ہے کہ اُس زمانے میں نہ جر ثقیل کے آلے تھے نہ بڑے بڑے کرین تو پھر اتنی بھاری توپ سیکڑوں کوس کچے راستوں ندی نالوں میں احمد نگر سے پرینڈہ اور پرینڈہ سے بیجاپور اور بیجاپور سے جنگ تالیکوٹہ میں ۱۵۶۵ء میں دریاے بھیما و کرشنا عبور کر کے کیوں کر گئی ہو گی اور پھر کس دقت سے بیجاپور واپس لائی گئی ہو گی۔ قلعۂ پرینڈہ کے

عالی شان برج پر اس کا چڑھانا اور اُتارنا اور نیز بیجاپور کے اُس برج پر جو سب سے بلند ہے چڑھانا اُتارنا اور پھر چڑھانا درحقیقت اُن ہی کی ہمت اور حوصلہ کا اقتضا تھا۔ دوسری توپوں کی طرح یہہ بھی چبوتری پر رکھی ہوئی ہے جس گاڑی پر توپ چڑھائی جاتی تھی اُس کا اب پتا نہیں ہے گل سڑ گئی ہوگی بیچ میں بنی چول ورده چا کاریاں بھی ہیں جن پر اُس گاڑی کے پہیئے چکر کھاتے تھے توپ کے پیچھے ایک مضبوط نصف دائرہ کی دیوار بھی بنی ہوئی ہے جو توپ کے تصادم کو روکتی تھی شرزہ برج جس پر شرزروں کی تصویر ہے بہت بڑا برج ہے یہہ برج اُس برج سے اوپر ہے جس پر کہ ملک میدان چڑھی ہوئی ہے اور غالباً ارادہ یہہ تھا کہ موجودہ برج سے بھی بڑا برج ملک میدان کے لیئے طیار کیا جائے لیکن شرزہ برج پر آج تک یہہ توپ چڑھائی نہیں گئی۔ نیچے کا برج معمولی طور پر توپ چڑھانے کے لیئے غالباً جلدی میں بنا لیا گیا ہے جو زیادہ مستحکم نہیں ہے لیکن شرزہ برج نہایت اہتمام اور بہت استحکام سے عمدہ سنگ بست بنایا گیا ہے اس برج پر یہہ کتبہ ہے۔

درزمان غازی وخسرو علی عادل لقب	آنکہ دار داز و داد مرتضی فتح مبیں
مستعد از جہد منجھلے شاہ در پنج ماہ شد	ایں چنیں برج قوی بنیاد چوں کوہ متیں
ہاتف از غیب از کمال خرمی تاریخ سال	بیبدل شد برج شرزہ گفت آں چرخ بریں

سنہ ۱۰۶۹ھ

اس سے معلوم ہوگا کہ اتنا بڑا اعظیم الشان برج علی عادل شاہ ثانی کے زمانے سنہ ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۸ء میں صرف پانچ مہینے کے قلیل عرصہ میں بنا۔ اِس برج پر چھوٹا سا کنواں بھی ہے جس میں کہتے ہیں کہ توپ داغنے کے بعد گولنداز کود جاتا تھا ورنہ توپ کی آواز سے کانوں کے پردے پھٹ جاتے لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب یہہ توپ چلتی تھی تو حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے تھے۔ ملک میدان کے جوڑ کی دو توپیں اور بھی ہیں ایک قلعۂ بیدر کے مشرقی برج پر اور دوسری قلعۂ دولت آباد کی بارہ دری کے اوپر بالا حصار پر لیکن ملک میدان سے دونوں کم تر ہیں عام خیال یہہ ہے کہ اس نام کی توپ صرف بیجاپور ہی میں ہے حالآں کہ قلعۂ پرینڈہ میں بھی دو جوڑواں توپیں ہیں جن میں سے ایک کا نام "ملک میدان" ہے اور دوسری کا "اژدہا پیکر" ان توپوں کا ذکر اپنی جگہ آئیگا۔ دوسری توپوں کی طرح یہہ توپ بھی گاڑی پر سے اُتار کر نیچے چبوترے پر رکھ دی گئی ہے اور گاڑی کا پتہ نہیں ٹوٹ پھوٹ گئی ہوگی۔ اب یہہ توپ دو بڑی شہتیروں پر رکھی ہوئی ہے غالباً اورنگ زیب نے جب بیجاپور فتح کیا تو توپ گاڑی پر سے اُتروا کر نیچے رکھوا دی اور گاڑی خود لے گیا تاکہ دوسری کسی کے کام نہ آسکے اور جب خود ضرورت

حیدر برج عرف اُپلی یا اُپری برج بیجاپور
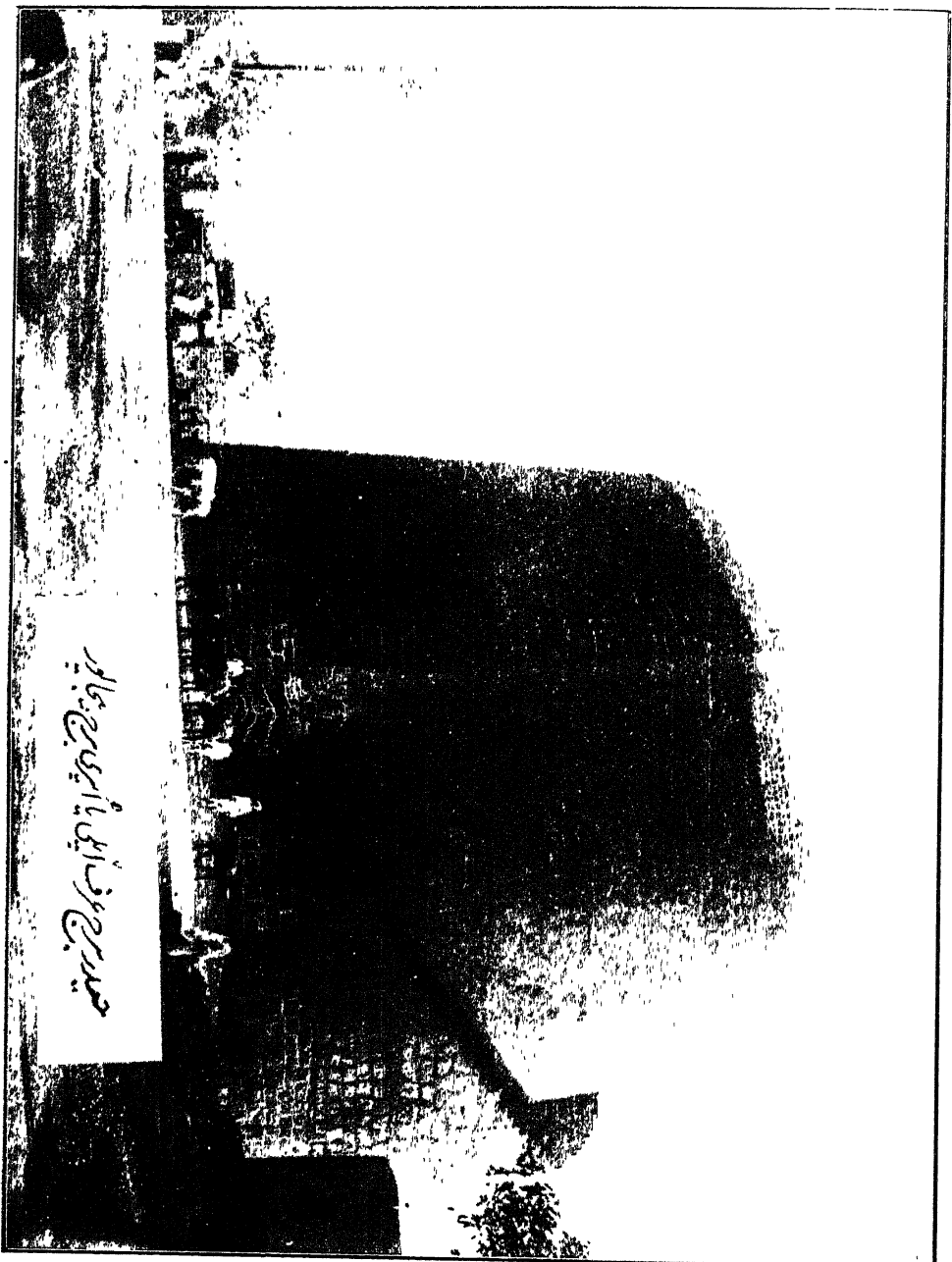
پڑے تو اُسی گاڑی کو لاکر کام نکال لیا جائے کیوں کہ بدون گاڑی کے توپ بیکار تھی۔ گاڑی وہاں موجود رکھنے میں یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غنیم توپ کو گاڑی پر چڑھا کر خندق میں ڈھکیل دے۔ فتح بیجاپور کے بعد کئی برس تک اورنگ زیب بیجاپور میں رہا اور ارادہ تھا کہ پھر واپس آکر بیجاپور کو اپنا دار السلطنت بنائے اگر ایسا ہوتا تو شاید پھر توپ کی گاڑی کی ضرورت پڑتی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سانچہ کی دو توپیں بنائی گئی تھیں دوسری کا نام کڑک بجلی تھا دونوں توپیں تالیکوٹہ کی لڑائی میں گئی تھیں مگر کڑک بجلی دریائے بھیما یا کشنا میں غرق ہوگئی۔

حیدر برج اور لم چھڑی توپ ۱۰۹۲ھ

شہر کے مغرب میں ملک میدان کے متصل اس نام کا برج ایک بلند ٹیلے پر بنا ہوا ہے یہ برج شہر بیجاپور کے تمام برجوں میں سب سے اونچا ہے اور میلوں سے نظر پڑتا ہے اسی کو اپلی پاڑ یا اُپڑی برج بھی کہتے ہیں اور بیضوی شکل کا ہے۔ جنوبی اور مشرقی دونوں جانب اوپر چڑھنے کے لیے چکردار سیڑھیاں ہیں۔ برج کی بائیں جانب یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

در عہد ابراہیم شاہ عادل شہ عالم پناہ	ماہ کہ در برج شرف چوں آفتاب جاں و راست
برج بنا شد از قضا چوں کرد حیدر خاں بنا	تاریخش آمد از سما بُرجے بنام حیدر راست ۱۰۹۲ھ
یارب بود شاہ جہاں پایاب او کامراں	برج اسد از آسماں تا جائے مہر انور است

حیدر خاں جس نے یہ برج بنوایا علی عادل شاہ اور ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں ایک مشہور جنرل تھا۔ جس نے بڑی کمان کے پاس مسجد حیدریہ بھی ۱۵۸۳ء میں تعمیر کرائی ہے اور یہ برج بھی اُسی سال بنوایا۔ اس برج کی تعمیر کا قصہ یوں ہے کہ حیدر خاں کسی مہم پر گیا ہوا تھا اُس کے غیاب میں علی عادل شاہ نے تمام امراء کو حکم دیا کہ ایک ایک برج سب بنائیں تاکہ شہر پناہ مکمل ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر حیدر خاں اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہا کہ وہ شہر میں تھا ہی نہیں کہیں باہر کسی مہم پر گیا ہوا تھا وہاں سے آکر اُس نے سُنا تو بادشاہ سے عرض کیا کہ خانہ زاد کو بھی ایک برج بنانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے بخوشی اُس کا معروضہ قبول فرمایا اور فرط نوازش سے فرمایا کہ اچھا تم اپنے نام کا ایک علحدہ برج بنالو جو ان سب برجوں سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہ برج سب سے الگ بنا ہوا ہے اور سب سے زبردست بڑا اور بلند ہے بیجاپور میں دو توپیں بہت لمبی تھیں جو کسی معمولی برج پر نہیں چڑھائی جاسکتی تھیں۔ ان توپوں کی لمبان اور چھوٹے دہانے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت دور کی مار کے لیئے طیار کی گئی تھیں اگر کسی پست برج پر چڑھا دیتے تو ان کی زد محدود ہو جاتی اور جو مقصد اتنی لمبی توپوں کے بنانے کا تھا مفقود ہو جاتا فصیل کے برج اتنے بلند نہ تھے قطع نظر اُن کے محاذی دور تک زمین بھی نیچی اونچی تھی مار کے لیئے صاف میدان

نہ تھا اس وجہ سے ایک نئے برج کے بنانے کا ارادہ کیا گیا جو سب سے زیادہ بلند ہو اور اُس کے لیئے شہر کے شمال و مغربی گوشہ میں ایک مرتفع جگہ نہایت موزوں ملی اور وہیں یہہ برج بنایا گیا۔ اس برج پر دو توپیں اب بھی چڑھی ہوئی ہیں اِن دونوں کے اُچھلنے کی روک کی دیواریں اور گاڑی کے پھرانے اور پلٹانے کی چاکاریاں بھی موجود ہیں۔ اِن دو توپوں میں کی ایک سب سے بڑی تیس فٹ آٹھ انچ لمبی ہے جس کی نال کا قطر ایک فٹ ہے۔ یہہ توپ آہنی کڑیوں سے بنائی گئی ہے جس کے گرد لوہے کی موٹی موٹی پٹیاں دے کر کس دیا گیا ہے بھٹی میں پٹیوں کو لال گرم کرکے بٹھا دیا ہے جب وہ ٹھنڈی ہوگئیں تو اُنھوں نے کس لیا توپ کے طول میں اس طرح کے پوری ڈیڑھ سو حلقے جمائے ہوئے ہیں۔ اس توپ کے گڈے پر مضبوطی کے لیئے دُہرے حلقے چڑہائے گئے ہیں اور دہانہ پر بھی چند زاید حلقے محض خوب صورتی اور لنگر نکالنے کے واسطے لگائے گئے ہیں۔ یہہ توپ لم چھڑی کے نام سے مشہور ہے۔ اتنی بھاری توپیں اتنی اونچی برج پر یا تو یوں چڑہائی گئی ہوں گی کہ ڈھلواں راستہ کرکے اوپر گھسیٹ لی ہوں یا یہہ کہ پہلے ہی لا کر چبوترے پر رکھ دی ہوں اور جوں جوں برج بنتا اور بلند ہوتا گیا اس کے ساتھ ساتھ توپیں بھی اوپر کو چڑھتی گئیں اس برج پر گولہ باری بھی ہوئی ہے چنانچہ مغربی جانب گولوں کے مار کے نشانات بھی ہیں اِس برج پر چڑھنے سے شہر کی عمارات دُور دُور تک دکھائی دیتی ہیں خصوصاً شاہ پور کے مضافات کا بہترین نظارہ ہوتا ہے۔

توپ دل بھندل سنہ ۱۰۹۲ھ یہہ توپ علی مدد برج پر چڑھی ہوئی ہے جو علی پور دروازے کے بائیں جانب ہے کتبہ ذیل سے واضح ہے کہ یہہ توپ مصطفیٰ آباد میں تھی اور بحکم بادشاہ ملک صندل نے اس کو بماہ جمادی الاخری سنہ ۱۰۹۲ھ بیجاپور بھجوایا۔

شد اصدار فرمان عالی نشاں
بصندل کہ غور داست از بندگاں

بماہ مبارک جمادی الآخر
روان شد بحضور سنہ ۱۰۹۲

دھان توپ

ز مصطفیٰ آباد [illegible]
[illegible] بیجاپور [illegible]

چو تاریخ از سال جوئی بکار
فزوں کن دریں فتح لشکر چہار ۱۰۹۲ھ
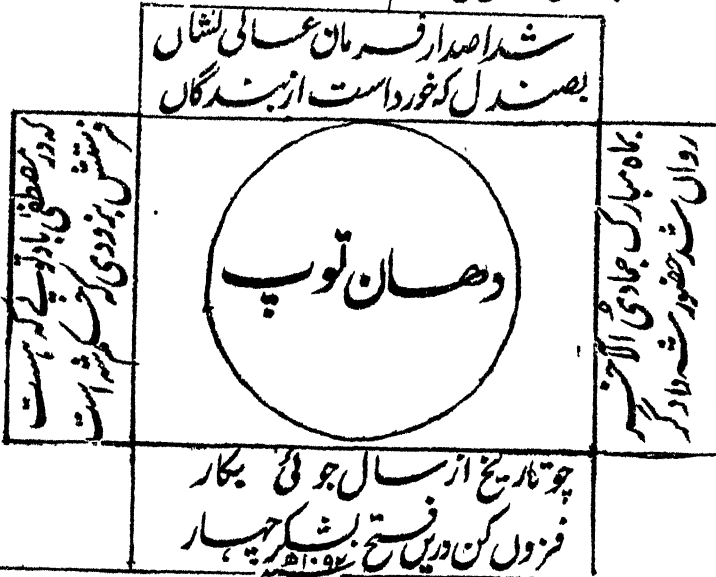
توپ دوازدہ امام ۹۸۵ھ یہہ توپ پہلے مکہ دروازہ پرتھی اب میوزیم بیجاپور کے میدان میں رکھی ہوئی ہے یہہ توپ بہت بڑی اور قابل دید ہے جس پر علاوہ اسمائے مبارک دوازدہ اماموں کے جو دہانہ پر کندہ ہیں سنہ ۹۸۵ھ بھی منقوش ہے۔

علی عادل شاہ ثانی کا ناتمام مقبرہ سنہ ۱۰۷۶ھ
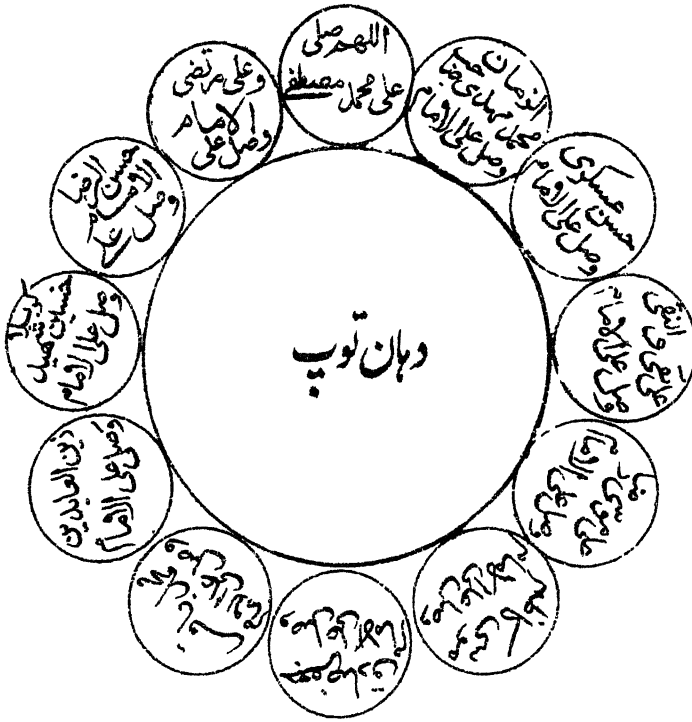
اتفاقاً قصر قیصر پر ہوا میرا گزر
دیکھا کا شامیانہ چترشاہی کی جگہ
سنگریزوں سے بھرے تھے طاق ہائے زرنگار
تھے پر پروانہ دود شمع ساں اڑتے ہوئے
ہر طرف ٹوٹے پڑے تھے ساز ہائے مطربان
بگڑے بگڑے آئینہ خانہ کے سب نقش و نگار
بے تکلف چرتے پھرتے تھے خران بے تمیز
ہائے جس گلشن میں مرغان سحر تھے نغمہ سنج

منتشر ٹوٹے پڑے تھی ہر طرف محراب و در
حسرتوں کا فرش جائے مسند لعل و گہر
تھے جہاں رکھے ہوئے گلدستۂ گل ہائے تر
دے رہے تھے مجلس برباد کی گویا خبر
جن کے نغمے پارہوں سینہ سے لے کرتا جگر
ٹکڑے ٹکڑے ساغرے پارہ پارہ جام زر
جس جگہ پہلے بہت مشکل تھا انسان کا گزر
بوم ویران کار کی آتی صدائے پرخطر

قصر سارا مسکن غول بیاباں ہو گیا　　یا کبھی تھا جلوہ گاہِ مہ وشان خوش نظر
منظرِ ایوان شاہی رشکِ صحرا بنا　　دیکھ کر جس کا تماشا دل ہوا وحشت اثر
دیکھ لی نیرنگیٔ عالم کی کچھ تو نے بہار　　الفت دنیاے فانی شوق اب ہرگز نہ کر
چشم عبرت بیں کشا و حالِ شاہاں را نگر　　تا چہ ساں از گردشِ گردونِ گرداں شد خراب
پردہ داری می کند بر قصرِ قیصر عنکبوت　　چغد نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب
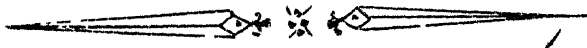
علی عادل شاہ ثانی کا نامکمل اور ادھورا مقبرہ قلعہ کے شمال میں گگن محل کے پاس ہے اس عمارت کی وسعت اور عظمت کا اندازہ اُس عظیم الشان اور وسیع بلند چبوترے سے ہو سکتا ہے جس پر یہ عمارت کھڑی ہے یہ چبوترہ (۲۱۵) فٹ مربع ہے اور گول گنبد کا چبوترا صرف (۱۵۸) فٹ مربع ہے۔ اس گنبد کا رو کار بشمول مناروں کے (۲۲۵) فٹ چوڑا ہے اور گول گنبد کا (۲۰۵) فٹ۔ اگر یہ مقبرہ بن جاتا تو یقیناً اور کوئی اتنا بڑا مسقف حصہ بیجاپور میں نہ ہوتا لیکن تمام سطح اراضی پر گنبد بنانا مرکوز خاطر نہ تھا بلکہ درمیانی حصہ (۷۹) فٹ مربع پر صدر گنبد بنانے کا ڈھنگ ڈالا تھا جیسا کہ بنیاد سے ظاہر ہے۔ ہم موجودہ دیواروں اور ستونوں سے اس گنبد کے عرض و طول کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ گنبد کا قطر (۵۵) فٹ سے زیادہ نہیں رکھا گیا تھا لیکن چاروں طرف دُہری گیلری رکھی گئی تھی جو جامع مسجد کے برآمدوں کی وضع کی ہے۔ طرز عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرے پر چھوٹے بڑے منار اور چھوٹی چھوٹی متعدد بُرجیاں ابراہیم روضہ کے نمونہ پر بننے والی تھیں۔ اس مقبرے کی تمام کمانیں بیجاپور کی عام کمانوں کے خلاف خالص گاتھک طرز کی ہیں جو سرے پر سکڑی ہوئی ہوتی ہیں جس قدر کام دیوار وغیرہ کا ہو چکا ہے جوں کا توں کھڑا ہے کسی حصہ پر استرکاری بھی نہ ہونے پائی وسط میں ایک بلند چبوترے پر علی عادل شاہ کی قبر ہے۔ جنوب مغرب کے کونے میں ایک چھوٹے سے چبوترے پر ایک زنانی قبر علی عادل شاہ کی ملکہ خورشید خانم کی ہے جو سکندر بادشاہ کی والدہ تھیں اس قبر پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کندہ ہے ان دو قبروں کے علاوہ اور تیرہ قبریں ہیں جن میں گیارہ زنانی ہیں۔ اس مقبرہ کی کرسی اس غضب کی بلند اور خوش وضع رکھی گئی ہے کہ اگر یہ عمارت بن جاتی تو اس بہترین موقع کے اعتبار سے اپنا جواب نہ رکھتی۔ اب جو جاتا ہے سوائے نامکمل کمانوں کے جو روز بروز گرتی چلی جا رہی ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ہاں بادشاہ کی اولوالعزمی کا اندازہ اس کھنڈر سے بھی ہو سکتا ہے۔
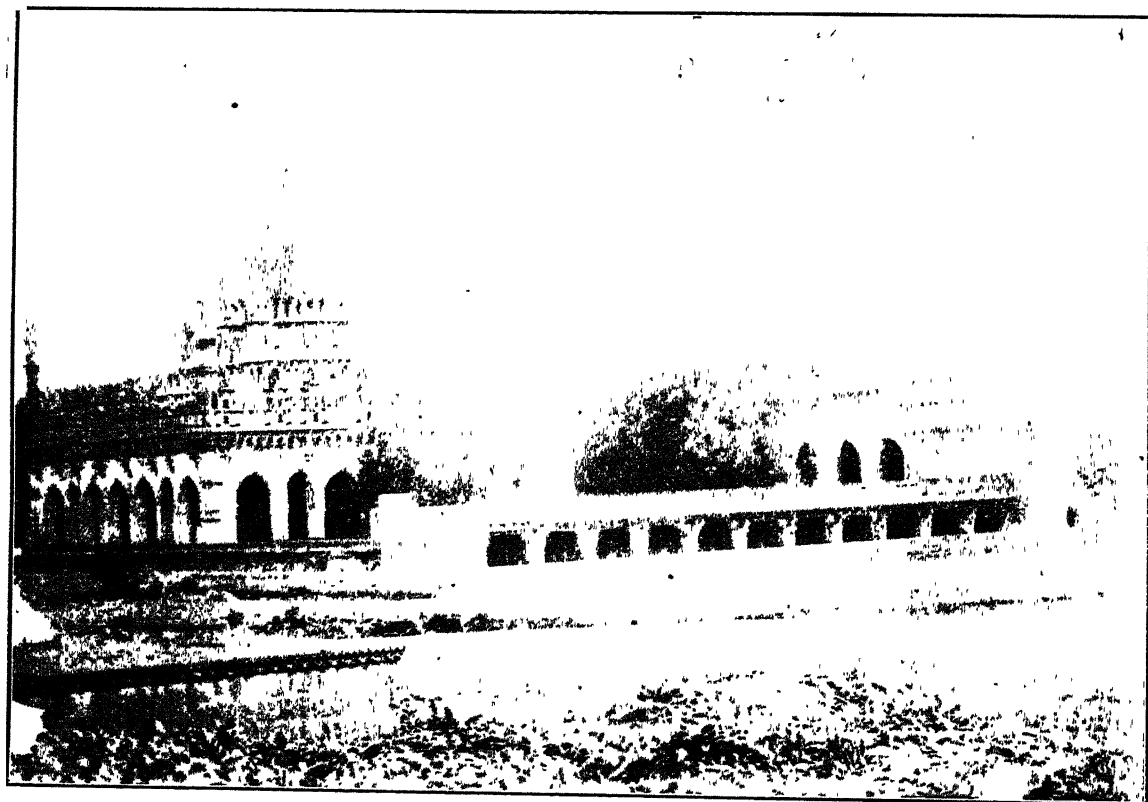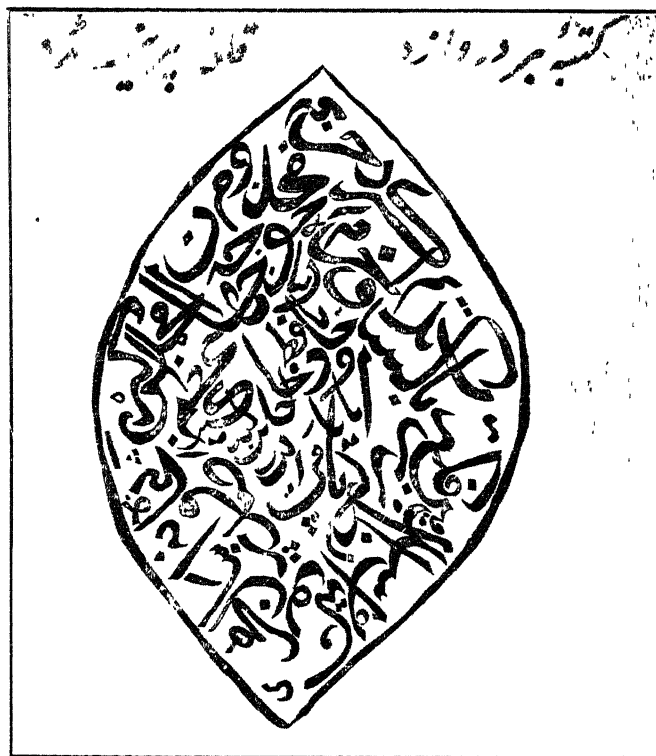
جو نامور تھے فقط اُن کا نام باقی ہے — نہ جمِ جہاں میں ہے باقی نہ جام باقی ہے

ابراہیم روضہ ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء

اے شہر بیجاپور تو - بیشک ہی فردوس بریں — نازاں ہی تیری دور میں ہندوستاں کی سرزمیں

ہر صفحہ ترا دل ربا - ہر نقش تیرا دل نشیں — تیری عماراتِ کہن - دیرینہ شوکت آفریں

تیرے خزانے میں نہاں ہیں کیسے کیسے مہ جبیں — اب تو ہی ان کو ڈھونڈ لا - ہم کو تو وہ ملتے نہیں

وہ روضۂ کیواں نشاں - نقش بہشت عنبریں — وہ نقش دور ماضیہ - سنگیں ترا حصن حصیں

وہ سنگ مرمر کی چمک - جیسے عذار حور عیں — دنیا میں ہے تو اس طرح - خاتم پہ ہو جیسے نگیں

اور وہ نگین بھی ضو فگن — جس میں تجلی موج زن

اے یادگار رفتگاں - اے روضۂ جنت نشاں — اے روضۂ گردوں حشم - اے جنتِ ہندوستاں

ہر گوشہ گوشہ تیرا ہے - آرام گاہ قدسیاں — ڈھالا ہے سانچے میں تجھے - اے مرقدِ خلد آشیاں

اے قبر تیری گود میں - سوتا ہے شاہ عزو شاں — تیرے مجحر کی بنا - جیسے فروغ کہکشاں

جیسے ستاروں کی چمک - یوں تیری پرچیں ساریاں — ہر کتبہ سے ہے جلوہ گر - طغرا نویس کن فکاں

افشاں رخ قدرت پہ ہی - یا ہی ملنبت کاریاں ؟ — وہ جالیاں ہیں دل ربا - یا چشمک حور جناں

آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں - ایسی تجلی کا مکاں — بس بس عزیز نکتہ رس - کب تک رہو گے دُر فشاں

ہے منحصر نظارہ پر - اس کی حقیقت کا بیاں

سرمایۂ صد ناز ہے - روضہ ہے یا اعجاز ہے

مکہ دروازے کے باہر شہر سے ملا ہوا مغربی حصے میں ابراہیم روضہ کی مختلف عمارات ہیں ایک بہت مرتفع چبوترے پر آمنے سامنے دو عظیم الشان عمارتیں ہیں جن کے درمیان ایک خوش قطع حوض مع فوارہ کے ہے - اس چبوترے کے تینوں جانب اب ایک تختہ زمین کا ہے جس پر گھانس اُگی ہوئی ہے جو کسی زمانہ میں بہترین شاہی باغ اور تفریح گاہ تھا - مشرقی رُخ پر ابراہیم عادل شاہ ثانی عرف جگت گیر اور اُس کی ملکہ تاج سلطانہ کا مقبرہ ہے جس کے تہ خانہ میں چھ قبریں شاہی خاندان کی مشرق سے مغرب کی طرف اس سلسلہ سے ہیں :- تاج سلطانہ[1] حرم محترم - حاجی بڑی صاحبہ[2] مادر بادشاہ - ابراہیم[3] جگت گیر - زہرہ[4] سلطانہ دختر بادشاہ - درویش[5] بادشاہ - سلطان[6] سلیمان - تہ خانہ (۳۹) فٹ

---

[1] حضرت شاہ مرتضیٰ قادری قدس سرہٗ آپ بیجاپور کے اکابر سادات و اولیائے کبار سے ہیں مولد شریف احمد آباد گجرات ہے - آپ پر

(۱۰) انچہ مربع ہے اور قبروں کا رُخ شمال او رجنوب ہے۔ اس مقبرہ کے چاروں طرف دروازے ہیں جن پر بطور روشن دان دونوں جانب کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں جن میں نہایت خوش نما طور پر کلام مجید کی آیتیں بخط طغرا بطور جالی کے تراشی گئی ہیں اور انھیں ہیں سے بخوبی روشنی اندر آتی ہے۔ بیجاپور کی ہر شاہی عمارت میں کچھ نہ کچھ خاص صنائع اور بدائع رکھی گئی ہیں۔ ابراہیم روضہ کے کاریگروں نے فن تعمیر کی ساری قابلیت اندرونی چھت کی تعمیر میں صرف کر دی ہے۔ جتنا عرض حجرے کا ہی بجنسہ وہی عرض کمان کا ہے یعنی (۳۹) فٹ (۱۰) انچہ غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ چھت میں پتھروں کی سلوں کی کلاسی ملا کر جما دیا ہے جس میں کسی قسم کی روک تھام نہیں ہے۔ بہ ظاہر دیکھنے میں دو پتھر کی کڑیاں آڑی پڑی ہیں لیکن یہ صرف بطور آرایش کے ڈالی گئی ہیں ان سے چھت کو کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس چھت کی ساخت بالکل فن انجنیری اور قواعد تعمیر کے خلاف ہے لیکن معمار جس نے اتنی بڑی جرأت کی وہ ضرور اس خدشہ سے واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ کس طرح اس کی روک تھام کی جا سکتی ہے اُس کو اپنے مال مصالحہ پر پورا بھروسہ تھا اور جب تک مال مصالحہ پر کامل بھروسہ نہ ہو کبھی کوئی عالی شان عمارت بن نہیں سکتی۔ اس زمانے کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۔ اکثر حالت جذب کی طاری رہتی تھی۔ نقل ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کی مٹی کی زیارت کے دن قبر کے پاس تکلفات فروش و مکلل غلاف۔ پھول کی چادریں۔ خوشبو وعطریات وبخور وانواع واقسام کی آرایش کا سامان تھا۔ اعیان و ارکان سلطنت و مشائخین و علما سب جمع تھے آپ بھی تشریف لائے۔ بیرونی ٹیم ٹام دیکھ کر مکاشفہ سے آپ نے حالت تنگی و تاریکی گور وغیرہ اصلی حالات معلوم کی اور بے ساختہ فرمانے لگے "اوپر جھک جھک اندر بھک بھک" یعنی باہر تو یہ کچھ آرایش و زیبایش اور اندر تو آگ لگی ہوئی ہے اس کے بعد آپ قبر پر چڑھ بیٹھے اور گھڑی بھر کے تصرف کے بعد فرمایا اوپر بھی جھک جھک اور اندر بھی جھک جھک۔ سبحان اللہ کیسی کرامت ہے کہ آن واحد میں نار کو گلزار بنا دیا۔ اس نقل کو متعلق مسٹر حیدری ایک عجیب وغریب روایت فرماتے تھے کہ بدرالدین طیب جی کے بڑے بھائی قمرالدین طیب جی جو بمبئی کے سب سے پہلے سالیسٹر تھے اور اُس زمانے میں ولایت گئے تھے جب کہ نہر سوئز نہ تھی آپ بہ تقریب سیاحت بیجاپور تشریف لے گئے اور ابراہیم روضہ کی مسجد میں فروکش تھے یہ روایت سن کر آپ نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اُس مجذوب نے بادشاہ کا دل دکھایا اُن کو یہ کہنا لازم نہ تھا۔ بات رفت گزشت ہوئی۔ رات کے وقت سوتے میں اُن کی چھاتی پر کوئی شخص سوار ہو کر گلا دبانے لگا اور اُس نے اپنا نام ابراہیم بتلایا اور کہا کہ تم نے ہمارے مرشد کی نسبت ایسے کلمات بے ادبی زبان سے کیوں نکالے۔ قمرالدین صاحب نے چیخ پکار شروع کی لوگ دوڑ پڑے اور اُن کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر ہوشیار کیا تب اُنھوں نے یہ سارا واقعہ بیان کیا چونکہ یہ واقعہ ایک معزز تعلیم یافتہ شخص سے مروی ہے لہذا زیادہ اعتبار کے قابل ہے اس سے ناظرین تصرفات بزرگان دین کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ باوجود صدہا سال گزر جانے کے اب تک بھی کیسا کچھ جلال ہے ۱۲

ماہرین فن تعمیر کا عام خیال ہے کہ بیجاپور کی عمارات کوئی بھی قاعدے میں پوری نہیں اُترتیں اور یہ بات واقعی ہی بھی۔ یورپ کے اصول انجینیرنگ کی محک امتحان پر اگر ہندوستان کی عمارات قدیمہ کو کسا جائے تو کسی طرح پوری نہ اُتریں گی لیکن عملی تجربہ بتلا رہا ہے کہ بیجاپور کی عمارات باوجود اس حالت کس مپرسی اور عدم نگہداشت کے بھی صد ہا سال سے سربفلک کھڑی ہیں اور ذرا بھی جنبش نہیں کی نہ زمانے کی تباہ کن ہاتھ کا اثر اُن پر پہونچا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اِن کے بنانے والے پورے ماہر فن تھے اور وہ خوب جانتے تھے کہ ایسی عمارتیں کس طرح بنائی جاتی ہیں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اُس زمانہ میں ٹھیکہ دار تھے نہ دلال جو آدھی سے زیادہ رقم ہڑپ کر جاتے اور کاریگروں کو ڈر بھی تھا کہ اگر ذرا سا بھی غبن ہو جائے گا تو توپ کے منہ سے باندھ کر اُڑا دیئے جائیں گے اور اُس زمانے میں خدا جانے کیا کیا مال مسالہ لگاتے تھے جو عمارت ٹس سے مس نہ کرتی تھی۔ شہر پناہ کے باہر بجانب جنوب ایک گنبد کھڑا ہے جس پر اورنگ زیب کے محاصرہ میں گولہ باری ہونے سے نصف حصہ قبہ کا بیچ میں سے شق ہو کر گر گیا ہے اور باقی نصف اُسی طرح بلا کسی قسم کے سہارے کے سوا دو سو برس سے ادھر[۱] کھڑا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس زمانے کی عمارتوں کے استحکام کی بڑی وجہ چونہ کی پکڑ اور مضبوطی تھی جس میں طرح طرح کے مسالے ملا کر خاص لوچ پیدا کیا جاتا تھا اور یہی بھید اس مقبرہ کی معلق چھت کا ہے جو مسالہ کی بندش میں جکڑی ہوئی بے سہارے کھڑی ہے۔ اسی طرح تاج باولی کہ شمال و مشرقی گوشہ کا گنبد آدھا گر پڑا ہے اس کی چھت میں بھی صرف پتھر کی سلیں بلا کسی قسم کے سہارے کی برابر جوڑ دی گئی ہیں اور اُن میں کچھ ایسا زبردست مسالہ دیا ہے کہ وہ سارے بوجھ کو سنبھالے ہوے ہیں۔ اسی طرح مقبرہ کے لمبے لمبے برآمدوں کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھئے تو گو کہ ساری چھتیں مستحکم و

[۱] ضلع بیدر کے موضع اشٹور میں ہمایوں کے مقبرہ پر اسی طرح بجلی میرے سامنے گری جسے تیس سال کا عرصہ ہوا اور گنبد کا نصف حصہ گر گیا باقی نصف حصہ قبہ کا بلا سہارے کھڑے کا کھڑا ہی ہے۔ بریدیہ کے گنبد کی ایک جانب کی دو دیواروں نے جگہ چھوڑ دی ہے جس کی وجہ سے ذرا سی جھری کھل گئی ہے میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان دونوں دیواروں کو کس کر ملانے کے لیئے نیچے سے اوپر تک تھوڑے تھوڑے فصل سے بڑی بڑی لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں دیواروں میں لگا کر اس طرح کس دیا ہے۔ علی ہذا بیدر کے مدرسہ کی مینار شکستہ کے بڑے بڑے ڈھیر صد ہا سال سے پڑے ہوے ہیں کوشش کی گئی تھی کہ اُن کو توڑ کر سڑک پر پھیلا دیا جائے تو کدالوں اور گدالوں کے منہ ٹوٹ ٹوٹ گئے مگر اینٹ چونے سے جدا نہ ہو سکی۔ بیدر کی قدیم عمارات میں یہ حالت پائداری اور استحکام کی ہے کہ کسی جگہ کیل نہیں گڑ سکتی ۱۲
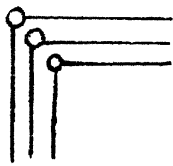
محفوظ ہیں لیکن پھر بھی ڈر ہی لگتا ہے کہ کہیں کوئی سل جو الگ الگ ہیں کھسک نہ جائے مگر ان سلوں کو بہت عمدگی سے وصل کر کے ایک جسم بنا دیا ہے اور سلوں کی دراڑیں نہ کھلنے کے لیئے ان پر آہنی چھلکے لگا دیئے ہیں جن کی پکڑ سے بال برابر بھی چھری نہیں کُھل سکتی۔

مشرقی اور مغربی دروازوں میں سے اوپر چڑھنے کے زینے ہیں۔ مقبرہ کا تمام بیرونی حصہ نقاشی گل کاری نفیس اور نہایت خوبصورت جالیوں سے جن میں کلام مجید کی آئتیں تراشی گئی ہیں آراستہ ہے جن کا حسن رنگ کرنے سے دوبالا ہوگیا ہے لیکن افسوس کہ رنگ ماند پڑ گیا اب بھی اگر اسے صاف کرا کے ذرا وارنش کر دی جائے تو بہت کچھ چمک سکتا ہے۔ دروازے ساگوان کے ہیں جن کے تختوں پر تمام آیات کھدی ہوئی ہیں ان کی اڑنڈوں پر بھی نقاشی کا کام ہی ستون زیادہ تر ہندوانی وضع کے ہیں۔ مقبرے کے اندرونی حجرے کی چھت میں اقلیدس کی اشکال اور طرح طرح کے نقش و نگار اور پیچیدہ بیلیں بنی ہوئی ہیں۔ باہر کے برآمدے میں جو کمانیں ہیں وہ اُس زمانہ کی ہیں جب کہ اس عمارت کی ایک دفعہ مرمت کی گئی تھی۔

صدر دروازے کے کتبہ سے معلوم ہوگا کہ یہ مقبرہ تاج سلطانہ ہی کے لیئے تعمیر کرایا گیا تھا لیکن اُس کے شوہر ابراہیم عادل شاہ نے پہلے ہی وفات پائی تو وہ اسی میں دفن کیا گیا۔ بعض پرانی کتب میں اس مقبرہ کو زہرہ سلطانہ کے نام سے بھی منسوب کیا ہے۔ مقبرہ اور اُس کے سامنے کی مسجد کا ایک ایک چپہ بے نظیر کاریگری صنائع نقاشی۔ نفاست۔ رنگ۔ خوش خط طغروں۔ آیات کلام مجید۔ اشعار آبدار۔ مناجاتوں سے مملو ہے۔ اس کے شاندار خوبصورت منارے اور برجیاں اس کی دہلیزیں اور چھجے اس کی منڈیریں سب منقوش ہیں۔ اس تمام عمارت میں سلیقہ اور اُستادی کی شان کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ مسجد کی کارنس کو ذرا غور سے دیکھئے تو ہمیں پچی پچی پتھر کی زنجیروں میں آویزے لٹکے ہوئے ہیں جو ایک ہی پتھر میں تراشے گئے ہیں۔ اسی قسم کا کام خلد آباد کی درگاہ میں جو غار ہاے ایلورہ[۵] اورنگ آباد

---

[۵] یہ مقام اورنگ آباد سے (۱۴) اور قلعہ دولت آباد سے (۷) میل ہے ایلورہ یا اروُلاؑن زمین دوز غاروں کو کہتے ہیں جو پہاڑوں کے اندر تراشے جاتے ہیں۔ یہاں کے غار بلحاظ اُن کی بے نظیر صناعی کے مشہور ہیں۔ دور دراز مقامات سے سیاح ان غاروں کو دیکھنے آتے ہیں۔ ان میں اہل ہنود جین اور بودھ مذہب کی بے شمار مورتیں اور تصویریں ہیں۔ یہ غار تین اقسام کے ہیں۔ بودھ کے (۱۲) برہمنوں کے (۱۷) اور جینیوں کے (۵)۔ سب سے ممتاز غار کیلاس کے نام سے مشہور ہے جس کی نسبت مسٹر فرگسن لکھتے ہیں کہ بلحاظ صنعت اور کاریگری اور کام کے ہندوستان بھر میں ایک بے نظیر مقام ہے جس کو دیکھ کر لوگ محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ یہ کہو سب سے زیادہ بڑی ہے۔ سامنے وار کو (۱۳۸) فٹ کی ہے اور اندر وار (۲۴۷ x ۱۵۰) فٹ طول و عرض ہے۔ یہ غار ایلچپور کے

کے اوپر آباد ہے موجود ہے اور لکشمیشور ضلع دہار واڑ کی کلاں مسجد میں بھی ہے جہاں کے لوگ اس قسم کی صناعی اب تک بھی بناتے ہیں۔ الغرض ابراہیم روضہ کو دیکھ کر انسان دیر تک محو حیرت و استعجاب رہ جاتا ہے۔ اور یقیناً شہر بیجاپور میں بہ اعتبار نقاشی اور نفاست کار کے ابراہیم روضہ سے بڑھ کر کوئی عمارت نہیں۔ خصوصاً اس کی خوب صورت اور نازک منارا ور برجیاں ایسی ہیں کہ دیدنہ شنید۔ مقبرہ کے شرقی رویہ دروازہ پر جو کتبہ ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت کو مشہور صناع ملک صندل نے بنایا ہے جس پر ڈیڑھ لاکھ نو سو ہن صرف ہوئے۔ ہُن کے ستر ہزار پونڈ بحساب پندرہ روپیہ فی پونڈ لکھے ہیں جس کے ساڑھے دس لاکھ روپیہ ہوتے ہیں۔ لیکن ڈیڑھ لاکھ ہُن پر نو سو ستر ادہیں اس حساب سے صحیح تعداد صرفہ کی دس لاکھ چھپن ہزار تین سو روپیہ ہوئی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۔ راجہ ایدو نے آٹھویں صدی میں بنوایا تھا اور اسی نے ایلورہ کی بستی اپنی صحت کے شکریہ میں آباد کی۔ یہاں ایک چشمہ ہے جس میں اشنان کرنے سے وہ چنگا ہو گیا تھا۔ یہ معبد سیو کا ہے لیکن وشنو کی اور پُران کی دوسری مورتیں بھی ہیں۔ یہ مندر پہاڑ کے اندر ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہے اس کا اندرونی صحن ۲۷۶ × ۱۵۴ فٹ ہے۔ اس کی تمام دیواریں مختلف دیوتاؤں کی مورتوں سے منقش ہیں اور مکانیت کے اعتبار سے متعدد کمرے ہیں لکشمی کی ایک بہت بھاری مورت ہے جس کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ہاتھی بے جوڑ کے جو ایک ہی پتھر کے ہیں کھڑے ہیں۔ اس مندر کا کھم (۴۹) فٹ بلند ہے۔ یہ غار بہت پرانے بعض تین ہزار برس پیشتر کے ہیں اور ہر غار میں جدا جدا صنعتیں ہیں۔ جن کا تفصیلی بیان فرگسن صاحب کی مبسوط کتاب میں ہے۔ ایک غار سُتار (بڑھئی) کی جھونپڑی کہلاتا ہے جس میں دیو کی بڑی بھاری مورت رکھی ہوئی ہے اور اس کی چھت نہایت نفیس جھونپڑی کی طرح کی بنائی گئی ہے جس میں پتھر کے بانس تراش کر لگائے گئے ہیں۔ ایک غار تین تال کہلاتا ہے جو سہ منزلہ ہے جس میں بڑے بڑے وسیع ہال ہیں۔ الغرض یہاں کی خوبیاں معرض تحریر میں نہیں آسکتیں اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ گو کہ یہ تمام غار پہاڑوں کے جوف میں تراشے گئے ہیں مگر بڑی صنعت یہ رکھی ہے کہ کہیں اندھیرا نہیں ہے۔ یہ مقام حیدر آباد سے (۳۱۴) میل ہے۔ اور منماڑ جنکشن سے (۶۳) دولت آباد کے سٹیشن سے جانا ہوتا ہے۔ دولت آباد کے سٹیشن پر ریسٹ ہوس اور خلد آباد میں نہایت وسیع اور بہت خوبی سے سجا سجایا ہوا بنگلہ ہے۔ تعلقہ دار ضلع کی اجازت بنگلہ خلد آباد کے لیئے مشروط ہے۔ ایلورہ روڈ کا سٹیشن بھی بنا دیا گیا ہے مگر وہ صرف اُن معزز اصحاب کے لیئے ہے جو سرکاری مہمان ہوں وہاں سواری نہیں ملتی مگر دولت آباد کے سٹیشن پر تانگے ملتے ہیں لیکن سب سے سہل طریقہ اورنگ آباد ہو کر جانے کا ہے۔ ۱۲

کتبے حسب ذیل ہیں۔

بر دروازۂ غرب رویہ

بر دروازۂ شمالی
الٰہی لا الٰہ سواک فارحم
علی من لا رحیم لہ سواک
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
چار بار
صلی اللہ علیہ وسلم
سہ بار
اللہ ربی محمد نبی یا رسول اللہ
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا ایہا الذین آمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا
شفاعۃ والکافرون ہم الظالمون۔ یا مصطفیٰ شیئاً للہ یا نور من نور اللہ۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ الکرسی تا ہو العلی العظیم۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو بار۔
یا اللہ محمود کل فعالہ دو بار۔ قال سبحانہ وتعالیٰ فقد آتینا آل ابراہیم الکتاب والحکمۃ
وآتیناہم ملکاً عظیماً یا مصطفیٰ شیئاً للہ یا نور من نور اللہ ۲ بار۔ اللہم صل علی محمد و

عَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ دو بار یَا مُصْطَفیٰ شَیْئاً لِلّٰہِ۔ نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ شش مرتبہ اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَائِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھاً وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ اَلصَّلوٰۃُ وَسَلَامٌ عَلَیْکَ یَا خَلِیْلَ اللّٰہِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَوَصّٰی بِھَا اِبْرَاھِیْمُ بَنِیْہِ وَیَعْقُوْبُ یَا بَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَاءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَائِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھاً وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔ اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاتَّخَذَ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا دو بار الحمد للّٰہ و رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْ اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ وَعَنِ الصَّحَابَۃِ اَجْمَعِیْنَ ۵

در عجب ماند آسماں از ارتفاع ایں بنا	سر برآورد از زمین گوید مگر چرخے جدا
روضۂ فردوس ازیں روضہ طراوت بردہ وام	ہر ستونش در لطافت سروے از باغ صفا
بہر تاریخش صلا دادہ ملک زاوج فلک	یادگار تاج سلطان ایں بناے دل فزا
فَاِنْ یَکُ یَا مُھَیْمِنُ قَدْ عَصَاکَ	فَلَمْ یَسْجُدْ لِمَعْبُوْدٍ سِوَاکَا
اِلٰھِیْ لَا اِلٰہَ سِوَاکَ فَارْحَمْ	عَلٰی مَنْ لَا رَحِیْمَ لَہٗ سِوَاکَا
تَجَاوَزْ عَنْ ضَعِیْفٍ قَدْ جَفَاکَا	فَجَاءَکَ تَائِبًا یَرْجُوْ عَطَاکَ

اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَلِیْلَ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَعَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ دو بار یَا مُصْطَفیٰ شَیْئاً لِلّٰہِ یَا نُوْرًا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ۔ چار بار یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ دو بار یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ وَّالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ یَا مُصْطَفیٰ شَیْئاً لِلّٰہِ یَا نُوْرًا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ۔ دو مرتبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اٰیَۃَ الْکُرْسِیْ تا ھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ یَا اَللّٰہُ الْمَحْمُوْدُ فِیْ کُلِّ مَکَانٍ دو مرتبہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔ دو بار یَا مُصْطَفیٰ

شَیْئًا لِلّٰہِ یا نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سات بار
اَللّٰہُ رَبِّیْ۔ مُحَمَّدٌ نَبِیِّیْ۔

بر دروازہ مشرق رویہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تا وَلَا الضَّآلِّیْنَ کَتَبَہٗ نَقِیُّ الدِّیْنِ الْحُسَیْنِیُّ اَللّٰہُ وَلَا سِوَاہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (دہ بار) کَتَبَہٗ نَقِیُّ الْحُسَیْنِیُّ یا مُصْطَفٰی شَیْئًا لِلّٰہِ یا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ دو بار قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یا مُصْطَفٰی شَیْئًا لِلّٰہِ نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ دو بار۔ اٰیۃ الکرسی تا ھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ یا مُصْطَفٰی شَیْئًا لِلّٰہِ نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ۔ دو بار قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۔ یا مُصْطَفٰی شَیْئًا لِلّٰہِ یا نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ۔ دو بار یا عَزِیْزُ ۲۱ بار بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الحمد تا وَلَا الضَّآلِّیْنَ کتبہ نَقِیُّ الدِّیْنِ حُسَیْنِیُّ اَللّٰہُ وَلَا سِوَاہُ صَلَوٰاتُ اللّٰہِ عَلٰی مُحَمَّدٍ شَفِیْعِ الْقِیَامِ۔ یا نَبِیُّ یا نَجِیُّ یا صَفِیُّ اللّٰہِ۔ تین بار یا نَبِیَّ اللّٰہِ تین بار قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ رَّحِیْمٌ یا نَبِیَّ اللّٰہِ۔ چار بار اَلْحَمْدُ تا وَلَا الضَّآلِّیْنَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ سالم کَتَبَہٗ نَقِیُّ الدِّیْنِ الْحُسَیْنِیُّ یا نَبِیَّ اللہ چار بار وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّۃِ اِبْرٰھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ یا نَبِیَّ اللّٰہِ تین بار یا عَزِیْزُ سولہ بار یا کَیَا فَارْحَمْ بُکَائِیْ۔ یا اَللّٰہُ حَیَائِیْ مِنْکَ اَکْثَرُ مِنْ خَطَائِیْ۔ فَخُذْ بِیَدِیْ فَاِنِّیْ مُسْتَجِیْرٌ بِعَفْوِکَ یا عَظِیْمُ یا رَجَائِیْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ تا آخر کَتَبَہٗ نَقِیُّ الدِّیْنِ الْحُسَیْنِیُّ۔ اَللّٰہُ وَلَا سِوَاہُ۔ صَلُّوْا عَلٰی مُحَمَّدٍ شَفِیْعِ الْقِیَامَۃِ یا نَبِیَّ اللّٰہِ یا نَجِیَّ اللّٰہِ یا صَفِیَّ اللّٰہِ یا صَفِیَّ اللّٰہِ (دو بار) اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یا خَلِیْلَ اللّٰہِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ یا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ

مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا وَاِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْلَ اللّٰهِ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ تا هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْلَ اللّٰهِ دوبار يَا عَزِيْزُ سوله بار۔ اَلْحَمْدُ تا آخر كَتَبَهٗ نَقِيُّ الدِّيْنِ الْحُسَيْنِيْ اَللّٰهُ وَلَا سِوَاهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (۵) مرتبہ كَتَبَهٗ نَقِيُّ الْحُسَيْنِيْ۔

جنوب رویہ پائین دروازۂ مقبرہ

وقتیکہ جان ستانی از خود مرا نرانی ؎ ہم سوے پس چو خوانی یارب ظلمت نفسی
من بندہ ام تو شاہی لبستان ہر انچہ خواہی کن فضل یا الٰہی یارب ظلمت نفسی
من خاکسار عاصی یارب ظلمت نفسی کردم بسے معاصی یارب ظلمت نفسی
تو بادشاہ مائی من جستہ داد خواہی مارا تو یک خدائی یارب ظلمت نفسی
ہم غافر الذنوبی ہم ساتر العیوبی ہم کاشف الکروبی یارب ظلمت نفسی

اَللّٰهُ بَاقِيْ وَالْكُلُّ فَانِيْ

ابراہیم عادل شاہ ابن عادل شاہ غفر اللّٰہ تعالیٰ (۵) بار كَتَبَهٗ نَقِيُّ الْحُسَيْنِيْ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَا خَلِيْلَ اللّٰهِ ۵

شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم ؎ اے اکرم الاکرمین بیامرز و مپرس
دارم دل غمگین بیامرز مپرس ۔ در بند گناہ رہین بیامرز مپرس
از کج روی نفس ستمگارہ و دوں صد واقعہ در کمین بیامرز مپرس
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْلَ اللّٰهِ۔ تاج سلطان جنت جاے چپاک سنہ ۱۰۴۳ھ

یا عزیز ۱۶ بار۔ فی التاریخ صبغ لسلمہ غاصفالافت ابراھیم سنہ ۱۰۳۹ھ

ملکا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی زوم من آں رہ کہ تو آں رہ نہ نمائی
تو زن و جفت نہ جوئی تو خور و خفت نخواہی احدا بے زن و جفتی ملکا کام روائی
لب و دنداں ثناے ہمہ توحید تو گویند نگر از آتش دوزخ بود آں روز رہائی
وَلَا سِوَاكَ ملک البر الخیر خلیل سمات العرش ۲ بار

از درد بے قرارم فریادرس الٰہی | کس نیست جز تو یارم فریادرس الٰہی
بیمار و ناتوانم فریادرس الٰہی | جز تو دوا نہ دانم فریادرس الٰہی

بگفت از ما صلوات بر ابراہیم ۱۰۳۷ھ

وَفَدْتُ عَلَى الْكَرِيمِ بِغَيْرِ زَادٍ | مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِيمِ
رَجَائِیْ اَنْ يُعَامِلَنِیْ بِلُطْفٍ | بِفَضْلٍ مِنْهُ وَالْكَرَمِ الْعَمِيمِ
فَحَمْلُ الزَّادِ وَاقْبَحُ كُلِّ شَيْءٍ | اِذَا كَانَ الْوُفُودُ عَلَى الْكَرِيمِ

بر پائیں مزار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَا عَزِيْزُ ۱۶ مرتبہ۔

چو سال رحلتش از پیر عقل جستم گفت | بود بگلشن فردوس جائے ابراہیم ۱۰۳۷ھ
زبیدہ حشمت و بلقیس رفعت | از و زیبا سریر و تاج و عفت
چو زیں منزل گہ خاکی غبرا | بدار الملک جنت کردہ رحلت
بپرسیدم ز پیر عقل تاریخ | بگفتا تاج سلطان اہل جنت ۱۰۴۳ھ
بنا فرمود روضہ تاج سلطاں | کہ خلد اندر صفاتش ماند حیراں
نمودہ خرچ آں یک نیم لک ہوں | دلے نہ صد و گر ضم گشتہ باآں
بحسن اہتمام ایں کار روضہ | ملک صندل رسانیدہ بپایاں
ملکا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی | اور اوپر کے تینوں شعر کندہ ہیں۔
از درد بے قرارم فریادرس الٰہی | کس نیست جز تو یارم فریادرس الٰہی
بیمار و ناتوانم فریادرس الٰہی | جز تو دوا ندانم فریادرس الٰہی
گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم | عاجز تریں مخواہ کہ اکنوں ہستم
بر من گنہ روے زمیں کرد ستم | لطف تو عمیم است کہ گیرد دستم
ہر چند ز طاعت تہی ام و پر ز گناہ | امید بلطف عام و فضلت بستم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَا عَزِيْزُ (۱۶ مرتبہ) سال تاریخ سلطان بزہرہ۔ چوں قصہ یافت یکداغ ۱۰۳۷ھ
وقتیکہ جاں ستانی از خودم ازانی الخ۔ ابراہیم عادل شاہ ابن عادل شاہ غفر اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ بَاقِیْ وَالْكُلُّ فَانِیْ۔

(۵) مرتبہ کتبہ نقی الحسینی۔

مغرب رویہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد تا آخر کتبہ نقی الحسینی اللہ باقی و الکل فانی۔ لاحول و لاقوۃ الا باللہ (۵) مرتبہ یا نبی اللہ (۴) مرتبہ۔ قال اللہ تعالیٰ قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد تا آخر قل ھو اللہ سالم کتبہ نقی الحسینی یا حافظ (۱۶) مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۲) مرتبہ اسئلک یا سید السادات یا مجیب الدعوات یا قاضی الحاجات یا منیر البرکات یا عالم السر الخفیات و یا ولی الحسنات اللہ باقی و الکل فانی صلوا علیٰ من تجلی بالنور التمام۔ الصلوۃ و السلام علیک یا نور عرش اللہ۔

" یا حبیب اللہ ۲ بار

" یا حجۃ اللہ ۲ بار

" یا صفوۃ اللہ ۲ بار

" یا نور عرش اللہ

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا مما رزقنا کم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ و لا خلۃ و لا شفاعۃ و الکافرون ھم الظالمون۔ الصلوۃ و السلام علیک یا خلیل اللہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم آیۃ الکرسی تا ھو العلی العظیم الصلوۃ و السلام علیک یا اھل اللہ یا حافظ (۱۶) مرتبہ ما کان ابراھیم یہودیاً و لا نصرانیاً و لکن کان حنیفاً مسلماً و ما کان من المشرکین۔ الٰھی عبدک العاصی آتاک الخ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم انی اسئلک یا سید السادات و یا مجیب الدعوات و یا قاضی الحاجات و منزل البرکات و یا عالم السر و الخفیات و یا ولی الحسنات۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ باقی و الکل فانی صلوا علیٰ من تجلی بنور التمام الصلوۃ و السلام علیک یا نور عرش اللہ الصلوۃ و السلام علیک یا حبیب اللہ۔

" حجۃ اللہ

" صفوۃ اللہ دو مرتبہ

یَا اَللّٰہُ یَا نَبِیُّ اللّٰہِ (۵) مرتبہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ (۴) مرتبہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ سالم۔ کتبہ نقی الدین الحسینی۔ یَا اَللّٰہُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ۔ (۴) مرتبہ یا حافظ ۱۶ مرتبہ۔ یَا اَللّٰہُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ (۴) مرتبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد تا آخر کتبہ نقی الدین الحسینی اللہ باقی و الکل فانی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ (۵) مرتبہ کتبہ نقی الحسینی

عدالت محل و سراج محل اس مکان میں اب کلکٹر صاحب رہتے ہیں جس میں بہت کچھ شکست و ریخت کرنے سے اصلی ہیئت بالکل بدل گئی ہے پرانی عمارت کیسی تھی اب اس کی تمیز نہیں کی جا سکتی کیونکہ بہت کچھ توڑ پھوڑ کر جدید عمارت بنائی گئی ہے سراج محل میں جس کے نیچے بہت سے تہ خانے تھے جو اب اس مکان کے اوٹ ہوز (بیوتات) ہیں۔

آرائش محل عدالت محل کی مشرقی جانب آرائش محل ہے اس کی بھی اصلی صورت باقی نہیں ہے۔ توڑ پھوڑ کر سول سرجن کا مسکن بنایا گیا ہے آرائش محل کے سامنے ایک برج پر کچھ حصہ ایک چھوٹے سے مکان کا باقی ہے جو صرف ایک چھوٹا سا باغ اور تفرج گاہ تھا جس کے نیچے خندق تھی غالباً یہاں بادشاہ بیٹھ کر فوج کا داخلہ ملاحظہ فرماتا تھا اور اسی میدان میں قواعد بھی ہوتی تھی۔ اُن نشانوں سے جو سامنے کے حصہ میں چوبی کام کے باقی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سراپردے لٹکائے جاتے تھے۔ پچھلے حصہ میں اینٹوں وغیرہ کے دیکھنے سے مطبخ کی علامات معلوم دیتی ہیں جس کے بیچ میں ایک اوکھلی بھی موجود ہے۔ دیواروں پر نہایت صاف نقش و نگار رکابیوں خربوزے تربوز اور دوسرے فواکہ اور مینا و ساغر بنے ہوئے ہیں۔ اس محل پر متعدد کتبے ہیں۔ ذیل کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس برج کا نام برج شرف تھا اور یہ مقام ایک قسم کا عشرت محل تھا جس کی صرف دہلیز باقی رہ گئی ہے۔
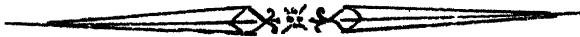
کتبہ بیرون برج آرائش محل

ابو المظفر علی عادل شاہ ثانی

حصۂ شکستہ

بنا کردہ امام این مکان وقت نقش که سر در الحمد در این بزم عشرت شهود

ابو المظفر علی عادلشاہ

بخط طغری

حصۂ شکستہ

بر آن شمس عدد در افزون کرد و گفت مبارک بود جای بزم عشرت

ابو المظفر علی عادلشاہ

بخط طغری

اس کتبہ میں بھی داہنی بائیں جانب سے دو مصرع ٹوٹ گئے ہیں۔ اس کے تعمیر کا سال سنہ ۱۶۶۹ء سے مطابق ہوتا ہے۔

سپہر کرم باقر دیں پناہ
کہ گم گشتہ یابد ازو شاہ راہ
شد از جعفر صادق نکتہ داں
ہمہ علم دینی بعالم عیاں
....

کزو مہر دیں یافت نور و ضیا
شہ کربلا سرور دیں حسین
نبی و ولی را بود نور عین
علی بن حسین است امام ہمام
....

محمد تقی شاہ دنیا و دیں
درش از شرف با فلک ہمقریں
علی نقی ہادی نامور
امام جہاں شاہ والا گہر
....

کہ او ہست سر چشمۂ ہفت و چار
بود فاطمہ نور چشم نبی
زہے زوجۂ شاہ مرداں علی
امام خلایق حسن مجتبیٰ
....

امیر دلیراں حسن عسکری
ازو اہل دیں را بود برتری

ایں ابیات حضرت
علی عادلشاہ غازیست

امام زماں شاہ صاحبقراں
بود مہدی ہادی انس جاں

کتبہ بندۂ درگاہ
نقی الحسینی سنہ ۱۰۸۱ھ

اس محل کی اب خالی چار دیواری کھڑی ہے اور اس کا بھی بالائی حصہ جابجا شکستہ ہو کر پتھر گر گئے ہیں۔

اس عمارت کا طرز بالکل مکہ مسجد کی تعمیر سے ملتا جلتا ہے۔ ان اشعار کا سلسلہ یوں ہی۔
محمد بود سرورِ انبیاء ❊ رسولِ امین حبیبِ خدا ❊ کہ او ہست سرچشمۂ ہفت چار ❊ بود فاطمہ نورِ چشم نبی ❊
زہے زوجۂ شاہ مرداں علی ❊ امام خلایق حسن مجتبیٰ ❊ کز و مہر دیں یافت نور و ضیاء ❊ شہ کربلا سرور دیں حسین ❊
نبی و ولی را بود نور عین ❊ علی بن حسین است امام ہمام ...... سپہر کرم باقر دین پناہ ❊ کہ گم گشتہ یابد از و شاہ را ❊
شد از جعفر صادق نکتہ دان ❊ ہمہ علم دینی بعالم عیاں ...... محمد تقی شاہ دنیا و دین ❊ ورش از شرف با فلک
ہم قرین ❊ علی نقی ہادی نامور ❊ امام جہاں شاہ والا گہر ❊ امیر دلیراں حسن عسکری ❊ از و اہل دیں را بود برتری
امام زماں شاہ صاحبقراں ❊ بود مہدی ہادی الانس و جاں۔ کتبہ بندۂ درگاہ نقی الحسینی ۱۰۸۱ھ
ایں ابیات حضرت علی عادل شاہ غازی ست

انند محل ۱۵۸۹ء یہ عمارت بھی حالت اصلی پر قائم نہیں محل نہایت کشادہ اور خوش نما ہے جس میں ایک بہت بڑا ہال ہے۔ اس مکان میں فرسٹ اسسٹنٹ کلکٹر رہتے ہیں۔ اس محل کی تعمیر ناتمام رہی تین کمان ہائے موجودہ کے دونوں اطراف اور کمانیں بنتے بنتے رہ گئیں۔ چونکہ اس کی اصلی عمارت میں بہت کچھ ردو بدل ہو کر جدید تعمیر کی گئی ہے لہذا پچھلی حالت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس محل کو ابراہیم عادل شاہ ثانی نے ۱۵۸۹ء میں تعمیر کرایا تھا اس سے ملا ہوا گگن محل ہے دونوں اپنی اپنی جگہ لاجواب ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ انند محل جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے بادشاہ کے رہنے کا محل تھا اور گگن محل دربار عام کے لیئے بنایا گیا تھا۔ ان محلوں کی پچھواڑی کچھ چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں جس میں ایک چھوٹی سی مگر نہایت خوبصورت مسجد بھی ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔

لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ در تاریخ غرۂ شعبان المعظم ۹۰۵ء چوں کہ محل بہت وسیع ہے علاوہ اسسٹنٹ صاحب کی سکونت کے ایک وسیع ہال میں لیبریری بھی رکھی گئی ہے جس میں ریفرشمنٹ بار بھی ہے۔

گگن محل ۱۵۶۱ء یہ محل اپنی بے نظیر عظیم الشان کمان کے واسطے مشہور ہے۔ علی عادل شاہ اول کے زمانہ میں ۱۵۶۱ء میں بنا تھا۔ اس محل کے بعض مقامات میں بادشاہ سلامت رونق افروز رہتے تھے اور بقیہ حصہ میں دربار عام ہوتا تھا۔ دربار عام کے وسیع ہال کے اوپر کے کمرے اقامت شاہی کے لیئے مخصوص تھے۔ اس ہال کے سامنے نہایت بلند چوبی ستون لگے ہوئے ہیں جو قابل دید ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کوئی عمدہ

گیلری محلات شاہی کے واسطے بنی ہوئی تھی جس کے سامنے چلمنیں اور پردے ڈال دئے جاتے تھے جہاں سے بیگمات دربار کا تماشہ دیکھ سکتی تھیں جو نیچے ہال میں منعقد ہوتا تھا۔ اِس میں دو زینے اب تک موجود ہیں۔ ایک دربار ہال میں سے جو بالائی منزل پر پہونچتا ہے اور دوسرا بالائی منزل سے مغربی جانب جو باورچی خانے وغیرہ کی عمارات ہیں اُن میں جاتا ہے۔ اب صرف یہ دالان باقی رہ گیا ہے اُس کے آس پاس کی ساری عمارتیں گر گئیں۔ بیجاپور سے بجانب مغرب چار میل کے فاصلے پر تاروہ میں سنگت محل اسی نمونہ کا موجود ہے۔ جو گگن محل سے ذرا چھوٹا ہے اُس کی چھت ابھی کچھ باقی ہے جس پر سے گگن محل کی چھتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ گگن محل کی تمام شہتیریں کڑیاں جو از بس قیمتی ہوں گی مرہٹے لوٹ کر لے گئے۔ گگن محل کے خصوصیات میں سے ایک عجیب و غریب نہایت وسیع کمان ہے جو ساٹھ فٹ (۹) انچہ چوڑی ہے یہ اِس غرض سے دربار ہال کے سامنے بنائی گئی تھی کہ بیچ میں ستون یا فیل پایوں سے مد نظر میں آڑ نہ ہو جائے اور بادشاہ سلامت اور درباری دربار ہال میں سے بلا کسی قسم کی رکاوٹ کے سامنے کی حالت جہاں عام مجمع اور فوج جمع ہوتی تھی بخوبی ملاحظہ فرما سکیں۔ انواع و اقسام کے جلسے اور تماشے بھی یہیں ہوتے تھے جہاں ایک جم غفیر اور ازدحام خلائق کا رہتا تھا۔ اس غرض کے لیئے اِس محل کے بنانے والوں نے ہال کے برابر چوڑی محراب بنائی لیکن افسوس ہے کہ اِس عریض محراب کی تعمیر کے وقت ہال کی بلندی کا خیال نہیں کیا گیا اس واسطے یہ محراب پست رہ گئی ہے۔ اس محل میں کیسے کیسے واقعات گزرے۔ کیسے کیسے دربار اور جلسے ہوے آج کون کہہ سکتا ہے کہ کیا کچھ چہل پہل رہی ہو گی۔ یہی وہ محل ہے جہاں بیجاپور کی فتح کے بعد اورنگزیب کے حضور میں سکندر عادل شاہ کو گرفتار کر کے لائے تھے جس نے اطاعت قبول کی۔

سات منزلی ۱۵۸۳ع گگن محل سے تھوڑی ہی دور جنوب مغرب کے گوشہ میں ایک بڑے بھاری احاطہ میں جس میں متعدد مکانات ہیں جن میں کا ایک بڑا مکان سات منزلی کے نام سے مشہور ہے جو سات منزل کا محل ہے اسی احاطہ میں حسینی محل اور Granery یعنی غلہ کا کوٹھا بھی ہے۔ ان سات منزلوں میں سے اب صرف پانچ منزلیں باقی ہیں دو منزلیں ٹوٹ پھوٹ گئیں اب بھی ۹۷ فٹ کی بلندی ہے پانچویں منزل سے چھٹی منزل پر چڑھنے کا زینہ اب بھی باقی ہے ۱۵۸۳ع میں ابراہیم عادل شاہ ثانی نے یہ سات کھن کا محل بنوایا تھا۔ اگر واقعی یہ محل تھا تو اِس کی موجودہ گنجائش رہائش کے لیئے بالکل ناکافی ہے ضرور اور مکانات بھی اِس سے ملے ہوے رہے ہوں گے چنانچہ اب بھی جنوب اور شمال دونوں طرف علامات دوسری عمارات کی موجود ہیں۔

اِس عمارت کی بے نظیر خصوصیت یہ ہے کہ متعدد حوض اور ہر جگہ اُسی قسم کے نل لگے ہوئے ہیں جیسے کہ مبارک خاں کے محل میں ہیں جو شہر کے جنوب اور مشرق میں ہے اور نیز گمٹگی کے منڈوے میں بھی اِسی نہج پر پانی پونچایا گیا ہے۔ اِس محل کے ہر منزل پر حوض موجود ہیں اور مبارک محل اور نیز گمٹگی کے منڈوے کی طرح یہاں بھی دیواروں پر تصاویر اور دوسرے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ اب تک بھی پہلی منزل کی جنوبی دیوار میں غور سے دیکھا جائے تو بادشاہ اور اُس کی پیاری رانی رنبھا کی تصاویر کی جھلک دکھلائی دیتی ہے۔ اس محل کے تمامی دیواروں پر سونے کا گھر اپانی چڑھا ہوا تھا جس کو راجہ ستارہ نے بہ طمع زر کھرچوا ڈالا۔ جس طرح گگن محل کا تمام چوبینہ غارت کر دیا وہی حال سات منزلی کا بھی ہے۔ اب تو یہ عمارت بھیانک ہو گئی ہے اِس میں رہ ہی کیا گیا ہے لیکن دیواروں اور دریچوں کے دیکھنے سے مشتے نمونہ از خروارے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اِس میں کس درجہ تک آراستگی ہوگی اور جب کبھی محل اپنی اصلی حالت پر ہوگا تو کیا کچھ ہوگا یہ عمارت صرف بطور تفرج گاہ کے بنائی گئی تھی کہ جب کبھی دل چاہا گھڑی دو گھڑی کے لئے آن بیٹھے اور اس کی بلندی پر سے سارے شہر بلکہ دور دور کا نظارہ کرتے رہے یہ محل درحقیقت بادشاہ کے لئے ایک دیدبان کا کام دیتا تھا اور اِس زمانے میں ایک ایسے مکان کی ازبس ضرورت تھی کیوں کہ آئے دن امرا اور وزرا سازشیں کر کے قلعہ کو ایسا اچانک گھیر لیتے تھے کہ بادشاہ کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی تھی اور یہاں بیٹھ کر سارا شہر ہتیلی میں تھا۔ سات منزلی ہی کے سامنے ایک چھوٹا سا لداؤ کا منڈوا ہے جو ایک وسیع حوض کے بیچوں بیچ بنا ہوا ہے۔ حوض تو اب پاٹ دیا گیا مگر یہ چھوٹا سا خوش نما منڈوا ہے جس کی نفاست تعمیر نقش و نگار اور خوب صورتی آرائش محل کے سامنے کے منڈوے سے ٹکر کھاتی ہے۔ اہل ہنود کا یہ خیال ہے کہ یہ منڈوا نہیں ہے بلکہ رتھ ہے جس کے پہئے زمین میں دھس گئے ہیں۔ لیکن میں نے بھی اِس عمارت کو دیکھا ہے رتھ تو کسی طرح یہ ہو نہیں سکتا بلکہ ایک قسم کی چھوٹی سی بارہ دری ہے جو حوض کے بیچوں بیچ محض تفریح کے لیئے بنائی گئی ہے اور اِس قسم کی عمارات متعدد جگہ موجود ہیں چنانچہ رائچور ہی میں خاص باؤلی کے بیچوں بیچ ایک مختصر سا مکان بنا ہوا تھا جو اب گر گرا گیا صرف چبوترہ رہ گیا ہے اور اسی طرح کنک گیری کی لکھا باؤلی کے پاس ایک بہت بڑا ہاتھی ڈباؤ حوض ہے جس میں اب مٹی اٹ کر گھانس اُگ آیا ہے اِس کے بیچوں بیچ میں ایک نہایت نفیس بُرجی بنی ہوئی ہے جس میں بیٹھ کر حوض کے (جو درحقیقت ایک تالاب کے برابر ہے) پانی کے صاف شفاف تختہ اور دل خوش کن لہروں کا نظارہ کیا جاتا تھا برجی میں آنے کا کوئی راستہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں سوار ہو کر برجی میں آ بیٹھتے ہوں گے۔

یہ حوض اتنا بڑا تو نہیں ہے مگر پھر بھی سیر کے واسطے بہترین موقع ہے۔ سات منزلی کی سب سے بالائی منزل
پر سے اب بھی سارا شہر اور اُس کے چاروں طرف دور دور تک دکھلائی دیتا ہے اور جب پوری سات
منزلیں ہوں گی تو اور زیادہ نظر پھیلتی ہوگی۔ سات منزلی کے اوپر کھڑے رہ کر شمال کی طرف سے دیکھیے سامنے
درختوں کے جھنڈ میں بخارا مسجد کے مینار دکھلائی دیتے ہیں جو پوسٹ آفس کے پاس ہے۔ داہنی طرف ذرا
آگے بڑھ کر دیکھیے تو علی عادل شاہ اول کے ناتمام روضہ کی محرابیں کھڑی ہوئی دکھلائی دیتی ہیں۔ نیچے وار
کو دیکھیے تو قلعہ کی خندق اور اُس سے آگے بڑھ کر ناک کی سیدھ بہمنی دروازے کے برج معلوم دیتے ہیں۔
سیدھی جانب یعنے مشرق کی طرف ملاحظہ فرمائیے تو قریب میں ہی گگن محل کی شکستہ دیواریں اور سامنے کی محراب
اور ٹینس کورٹ دیکھیے اور آگے نظر دوڑائیے تو عدالت محل ہے اُس سے ادھر وار کو گرجا کی وہ عمارت دکھلائی
دیتی ہے جو عدالت محل کے ایک حصہ میں بنالیا گیا ہے عدالت محل کی سیدھی جانب آرائش محل اور انند محل ہیں۔
اسی کے پیچھے بڑی وسیع محراب سے لگی ہوئی لیبریری ہے انند محل کی سیدھ میں وہ دور علی برج دکھلائی دے رہا
ہے جس پر ایک بڑی توپ چڑھی ہوئی ہے۔ انند محل کی سیدھی طرف عظیم الشان گول گنبد نظر آتا ہے اور وہیں
قریب میں نیچے وار کو درگاہ ہاشم پیر کا سفید قبہ چمک رہا ہے مشرق کی طرف آثار محل کے عقب میں نیچے وار کو قلعہ
کی چھوٹی چھوٹی اُجڑی ہوئی عمارتیں ہیں۔ اِن کے اوپر وار دور کالا کالا ٹیلا سا کیا نظر آرہا ہے۔ وہ عینا پور میں جہاں
بیگم کا مقبرہ ہے۔ اس کے آگے بڑھ کر داہنی جانب آثار محل کی سیدھ میں دو گنبد برابر نظر آتے ہیں پہلا ادھ چھوٹا
چنچ دڑی مسجد کا ہے جو قلعہ کی فصیل پر بنی ہوئی ہے اور دوسرا مصطفی خان کی مسجد کا گنبد ہے۔ وہیں اس کے
نیچے احاطہ سے اُبھرا ہوا مکہ مسجد کا عظیم الشان گنبد ہے جس کا دوسرا گنبد درختوں کی آڑ میں چھپ گیا ہے۔ اور
اس سے نیچے ادھر وار کو ہماری جانب دار الضرب کی اُجڑی ہوئی عمارت ہے اور آگے وار کو داہنی طرف قلعہ کے
جھروکے دار فصیل کے اوپر جامع مسجد کا قبہ اور دو منار نظر آتے ہیں۔ جنوب و مشرق میں ہم سے قریب دروازہ قلعہ
کے مورچے دکھلائی دیتے ہیں اور اُس کے نیچے ملک کریم الدین کی پرانی مسجد کی چھت کا درمیانی حصہ جو بقیہ حصہ
سے بلند ہے نظر آتا ہے اور زیادہ جنوب کی طرف اُفق سے ملی ہوئی ابراہیم پور کی مسجد ہے اور اُسی کی متصل مرتفع
دو منزلہ انڈو مسجد کا کمرگی گنبد اور منار اور برجیاں ہیں اور آگے بڑھ کر پرے کو چھوٹا چینی محل ہے جس میں سپرنٹنڈنٹ
صاحب رہتے ہیں اور اُس کے اوپر لنڈے قصاب کا بلند برج دکھلائی دیتا ہے جس پر بیجاپور شہر کی سب سے
بڑی توپ ہے اِن سب سے بچواس میں ہمارے پاؤں سے ملا ہوا چینی محل ہے جس میں اب سرکاری کچہریاں ہیں

ٹھیک جنوب میں شہر پناہ کی جھروکی دار فصیل کا ایک حصہ نظر آتا ہے اور زیادہ جنوب و مغرب کی طرف ابراہیم عادل شاہ کی پرانی جامع مسجد مع اوسکے شکستہ اینٹوں کے مناروں کی ہے اور اس کے اوپر وار درختوں کے جھنڈ میں علی عادل شاہ اول کا روضہ ہے۔ اس کے بعد بہت دور پر پیر شیخ حمید قادری کی درگاہ ہے جس کے نیچے کشور خاں کا ناتمام مقبرہ ہے اس مقبرے کی سیدھی جانب بیگم صاحبہ کے روضہ کا بڑا احاطہ ہے جس میں اورنگ زیب بادشاہ کی بیگم مدفون ہیں۔ اسی سلسلہ میں جوڑ گنبد ہیں جو ایک ہی ہیئت کے ہونے سے یہ نام پڑ گیا ہے۔ جوڑ گنبد کی سیدھی جانب حیدر خاں کی جو کھنڈی ہے۔ ہم سے سیدھے مغرب کی جانب ابراہیم روضہ کا گنبد اور منارے نظر آتے ہیں لیکن مسجد مقبرہ کی آڑ میں چھپ گئی ہے۔ اس کے اوپر وار موتی درگاہ کا سفید گنبد نظر آتا ہے۔ ہم سے قریب نیچے وار کو سیدھی جانب سڑک کے تقاطع پر جہاں بیگم کی مسجد ہے جس سے اور آگے بڑھ کر سرکاری ہسپتال کی لال چھت کو دیکھئے اس کی داہنی طرف اورنگ زیب کی عیدگاہ کی سفید سفید دیواریں نظر آتی ہیں جس میں اب پولیس لین ہے۔ شمال و مغرب کی جانب ذرا پاس دکھنی درگاہ ہے جس سے ملا ہوا نہایت بلند دو منزلہ حیدر برج ہے اور ان سب سے آگے بڑھ کر امین درگاہ کا سفید گنبد نظر آتا ہے۔ اس طرح ہماری نظر کا پورا حلقہ ایک طرف سے دوسری طرف ختم ہوتا ہے اور پوری طرح نظر کا چکر ختم ہو جاتا ہے۔

غلہ کا انبار خانہ اور چینی محل بہت بڑا احاطہ جس کے جنوب میں چینی محل اور شمال و مغرب کے کونے میں سات منزلی ہی اناج کی کوٹھے کے نام سے مشہور ہے لیکن عمارت کی وضع قطع کے لحاظ سے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ جگہ غلہ کا گودام ہو۔ چینی محل البتہ جب ہو گا تو ایک دلکش اور بے نظیر عمارت ہو گی جس کے گرے ہوئے چینی کے ٹکڑے اب بھی جا بجا پڑے ہوئے ہیں۔ گگن محل کی طرح اس میں بھی سامنے وار کو ایک بڑا وسیع ہال تھا جو (۱۲۸) فٹ لمبا اور (۲۹) فٹ چوڑا تھا جس کے اوپر مختلف وسعت کے کمرے تھے جن پر چڑھنے کا زینہ اب بھی موجود ہے۔ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ یہ عمارت کس غرض سے بنائی گئی تھی لیکن اب تو ضلع کی کلکٹری کی کچہریاں اس میں ہیں۔ چاروں طرف دالان ہیں اور بیچ میں صحن۔ ان دالانوں کو اب محافظ خانہ وغیرہ بنا لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان دالانوں میں جمعیت کے لوگ رہتے تھے اور یہیں وہ اپنے گھوڑے باندھا کرتے تھے جیسا کہ اب بھی امرا کی ڈیوڑھیوں کا دستور ہے۔ ان گھوڑوں کے لئے اس مکان میں کثرت سے دانہ ضرور رہتا تھا اور شاید یہی دیکھ کر لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ مکان غلہ کا کوٹھا ہے۔ اس مکان کے کھودنے سے وہ آہنی پردے کی اوٹ ملی جس پر بے نظیر جنگلہ بنا ہوا ہے جو اب گگن محل کے پاس

گر جائیں لگی ہوئی ہے۔

مکہ مسجد و درگاہ حضرت کھنڈایت یہ مسجد نہایت خوبصورت اور بہت خوشنما ہے جس کے اطراف چار دیواری کا احاطہ ہے۔ اس مسجد کے قدیم منارے جن پر اذان دی جاتی تھی جوں کے توں باقی ہیں۔ اس احاطہ کے مشرقی حصہ میں حضرت معبر کھنڈایت[۵] کی درگاہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت نے تیرہویں صدی عیسوی کے آخر میں یہاں ایک مسجد بنوائی تھی اور یہ منارے اسی وقت کی ہیں ملک کافور کے حملہ کے بعد جو چودھویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں کی طاقت کی بنا پڑی اور اُنھوں نے بہت سے مندروں کو توڑ کر مسجدیں بنالیں۔ اس سے پیشتر چیدہ چیدہ مسلمان تھے اگر کوئی مسجد بنا بھی لی تو وہ اپنے ذاتی صرفہ سے بنائی بڑی اُن ہی دیولوں کا مال مسالا نہیں لگایا اور اسی وجہ سے اِس مسجد کے منارے بھی معمولی چونہ پتھر کے بھینگم بنے ہوئے ہیں مسجد کے گرد اتنی بلند چار دیواری ہے کہ مسجد تو باہر سے نظر بھی نہیں آتی۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ مسجد کی حفاظت کے واسطے بنائی گئی ہے تو یہ خیال بھی غلط ہو جاتا ہے کیونکہ جنوبی رخ پر چار بڑی بڑی بلند کھلی کمانیں ہیں جن میں پٹ لگانے کے نشان تک نہیں یہ چاروں کمانیں مساوی فاصلہ پر بنائی گئی ہیں۔ جو برجوں سے آکر مل گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اِس جگہ کو محصور کرنا مقصود تھا۔ احاطہ کی شمالی دیوار کو غور سے دیکھا جائے تو اُس میں ایک قطار میں بہت بلندی پر چوکھونٹے سوراخ ہیں جس سے

---

[۵] حضرت معبر کھنڈایت قدس سرہٗ آپ کا اسم مبارک شیخ محمدؒ ہے آپ بیجاپور کے قدیم بزرگواروں میں سے ہیں آپ کی بزرگی زہد و تقویٰ اور کرامات تعریف و توصیف کی محتاج نہیں آپ ظاہری اور باطنی علوم و کمالات کے جامع تھے فقر و ریاضت و توکل و قناعت کے راستہ پر مردانہ وار قدم رکھتے تھے اور رات دن حق کی یاد میں مستغرق رہتے تھے آپ کی رہنمائی اور فیض تربیت سے بہت سے طالبان حق نے کمال ظاہری و باطنی حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ جس زمانے میں بیجاپور میں راٹلوں کی حکومت تھی آپ تشریف لائے اور ان سے جہاد کیا اور اپنے آہنی کھنڈے سے بہتوں کے سر اڑا دیئے اور جن کو خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی وہ حضرت کے دست مبارک پر کفر و ضلالت سے تائب ہوئے۔ آپ کے بہت سے ہمراہی اس معرکہ میں شہید ہوئے چنانچہ قلعۂ ارک میں گنج شہیداں ہے۔ آپ کا مرقد مبارک بھی قلعہ کے اندر ہی ہے۔ مزار شریف کے اوپر چوبی چھت ہے روضہ مبارک کے متصل ابراہیم عادل شاہ جگت گرو نے سنہ ۹۹۸ھ میں آنند محل بنوایا۔ آپ کے معبری مشہور نے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ممکن ہے کہ معبر آپ کی پیدائش کا مقام ہو چنانچہ معبر اور دھور دو مشہور بندر دریائے شور کے کنارے ہیں جو سلطان علاؤالدین خلجی بادشاہ دہلی کے زمانہ میں سنہ ۷۱۰ھ میں مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل لفظ "مہابلی" ہے یعنی بڑی طاقت والا۔ آپ کی قوت اور شجاعت ایسی تھی کہ

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ میں یہاں سائبان پڑا ہوا تھا۔ گورنر صاحب کی رائے ہے کہ یہ احاطہ زمانہ سابق میں ضرور ہاتھیوں کا اصطبل تھا۔ یہ اونچی دیوار صرف اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ ہاتھیوں کو جو اس کے نیچے باندھے جاتے تھے اس کے سایہ سے دھوپ کا بچاؤ ہو اور نیز دوسری متصلہ عمارت میں بدبو وغیرہ نہ جائے اور اسی واسطے اتنی اونچی کمانیں بنائی گئیں کہ ہاتھی اُس میں سے بآسانی آجاسکے اور یہ چاروں کمانیں صرف جنوبی رخ پر ایک طرف بنائی گئی ہیں جو محلات و دیگر امکنہ سے فاصلہ پر ہیں۔ اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اس احاطہ سے باہر جنوبی رُخ پر دیوار سے ملا ہوا ایک برج ہے جو بجن ہلی یا بگین ہلی برج کہلاتا ہے (یہ برج قدیم دیدبان موضع بجن ہلی کا تھا جو موضع بیجاپور کی آبادی سے پہلے اس مقام پر آباد ہونا کہا جاتا ہے) اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ برج غلے کا کوٹھا تھا۔ اُس زمانہ میں اس پر چھت بھی تھی جس کی علامات اب تک موجود ہیں اور باہر وار دیواروں پر پرنالوں کے نشان ہیں جن میں سے چھت کا پانی بہہ جاتا تھا۔ اسی طرح کے پرنالے سات منزلی کی مغربی دیواریں بھی موجود ہیں۔ اس احاطہ میں شمال رُخ ایک بڑا دروازہ ہے جس میں سیڑھیوں پر چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ محمد شاہ کے غلے کے کوٹھے میں بھی جو جامع مسجد کے پاس ہے اسی طرح کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جو چھت تک چلی گئی ہیں جہاں چھت پر چڑھ کر روشن دانوں میں سے کوٹھے کے اندر غلہ ڈال دیا جاتا تھا جو حسب ضرورت دروازہ کھول کر نکال کر صرف کیا جاتا تھا۔ یہ امر بعید القیاس نہیں ہے کہ مسجد ٹوٹ پھوٹ جانے کے بعد یہ بلند چار دیواری بنائی گئی اور ارادہ یہ تھا کہ پورا احاطہ گھیر کر رہا سہا حصہ مسجد کا صاف کر دیا جائے لیکن معلوم ہوتا ہے مسجد کو اس طرح مٹانے میں مسلمانوں نے مخالفت کی اور احاطہ مسجد کو دوسرے مصرف میں لانے میں بھی سد راہ ہوئے اِن وجوہ سے مسجد کی موجودہ حالت قائم رکھی گئی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سوا من لوہے کا قبضہ ہاتھ میں رکھتے تھے اس لئے آپ کو مہابلی کہتے تھے جو بگڑتے بگڑتے مہری ہو گیا۔ عرس شریف ۱۲ رجب المرجب کو ہوتا ہے۔ آپ کے روضہ میں آپ کے بہت سے علاقہ دار مدفون ہیں۔ حضرت موصوف کا تصرف اب تک جاری ہے۔ حال میں چالیس سال کا عرصہ ہوا کہ محمد حسن فرزند شیخ محمد بخشی بیجاپوری نے جب آپ کے روضہ کی تعمیر کر کے اطراف میں پتھر کی دیوار کا احاطہ کھچوایا تو پایہ کھودتے وقت مزار مبارک کے متصل کے املی کے درخت کی جڑ لگی جو مرقد معلی کے پائیں کی طرف مشرقی اور جنوبی سمت میں حائل تھی اُس کو کاٹتے ہی خون کا فوارہ جاری ہو گیا یہ عجب قصہ عام طور پر لوگوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ آپ کی اولاد میں عبداللہ صاحب و گیسو دراز صاحب سجادے موجود ہیں جو موضع رتنے پلی تعلقہ انڈی ضلع بیجاپور میں رہتے ہیں جو موضع آپ کے عود و گل کے لیئے شاہان بیجاپور نے جاگیر چھوڑا ہے ۱۲

اور اُسے ہاتھ نہیں لگایا اور اس حاطہ کی صرف مغربی حصہ میں ہاتھیوں کا اصطبل بناکر مسجد کو بھی درست کردیا جیسی کہ اب موجود ہے۔ پرانی مسجد کی دونوں برجیاں اُسی زمانہ میں احاطہ کے کونوں میں شامل کرلی گئیں اور اُن پر چڑھنے کا زینہ درست کردیا گیا۔ نئی مسجد کی نسبت کہا جاتا ہے کہ محلات کے واسطے بنائی گئی تھی کیوں کہ محاط ہونے کی وجہ سے پردہ کا کافی موقع ہے۔ مردانی مسجدوں میں ہمیشہ خطبہ پڑھنے کے لیئے ممبر ہوتا ہے مگر اس زنانی مسجد میں اس وجہ سے ممبر بھی نہیں بنایا گیا کہ مستورات خطبہ نہیں پڑھتیں۔

مسجد رائلاں ۷۱۶ھ ۱۳۲۰ھ اندرون قلعہ چینی محل کے قریب جنوب و مشرق میں جو مسجد ہے جو بیجاپور کی تمام مسجدوں سے قدیم ہے۔ یہ مسجد تمام ترسنگی شہتیر کڑیوں اور ستونوں سے بنائی گئی ہے جو ہندؤں کے مندروں سے لئے گئے ہیں۔ اس مسجد کا برآمدہ تو مندر کا باقی ماندہ حصہ جیسے کا ویسا موجود ہے جو در اصل منڈپ تھا جس کے ستون اور طاق جوں کے توں ہیں صرف چھت گرگئی ہے۔ مغربی بال کی طرف اصل مندر تھا جو بالکل نیست و نابود کر دیا گیا اور اسے نکال کر صحن میں جانے کا راستہ صاف کردیا ہے۔ اندرونی دروازہ جس میں جالی بنی ہوئی ہے مسلمانوں کا بنایا ہوا ہے۔ اس دروازہ اور دالان مسجد کے درمیان مندر کا ایک حجرہ تھا۔ دیواروں کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح مندر کو جابجا سے توڑ کر مسجد بنائی ہے۔ صحن کے مغربی حصہ میں مسجد ہے مختلف جگہوں سے مختلف شکلوں کے ستون چھوٹے بڑے لاکر اُن کو کرسی دے دے کر برابر کر کے اوپر سے سلوں کا پٹاؤ کردیا ہے۔ اس کے تیسرے ستون پر یہ کتبہ ہے۔

"ملک ملک الشرق کریم الدولہ والدین دام نیک ریہا سوتھار (بڑھئی) این مسجد را بست چہار زمین زمین در زیر بھور النعام باد۔"
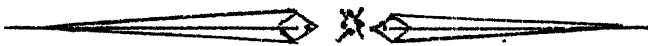
برمحراب مسجد مذکور کندہ است
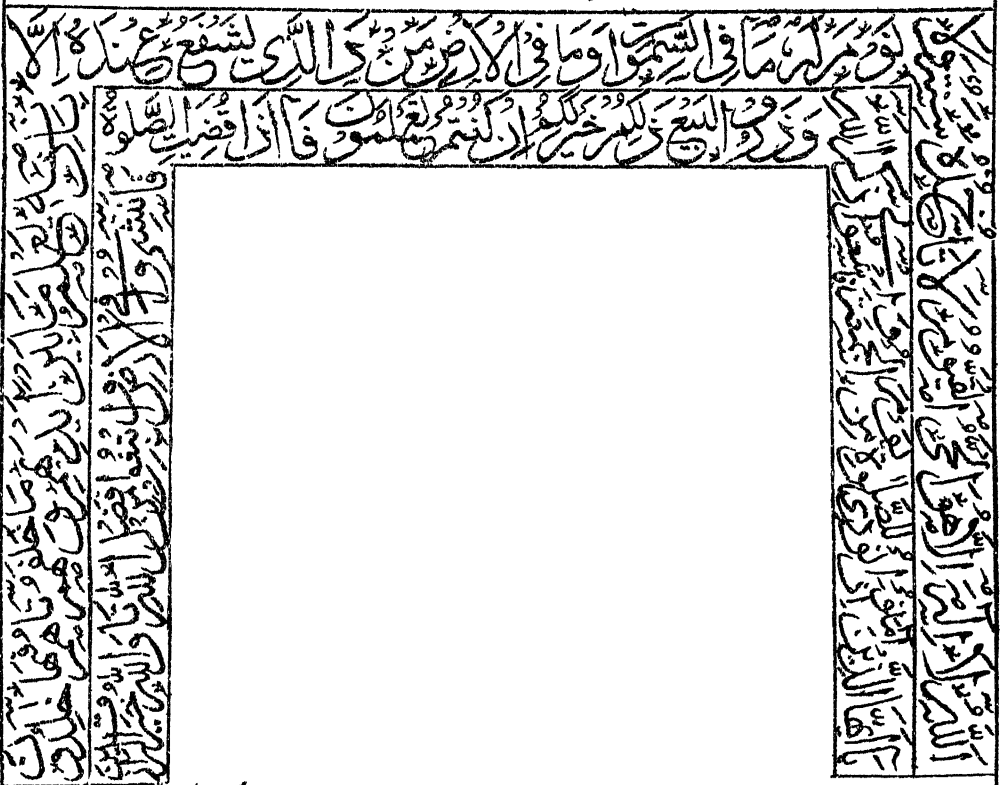
اس مسجد کا بالائی حصہ ملک کریم الدین نے ۷۱۶ھ ۱۳۱۶ء میں تعمیر کیا اور ریہا نامی بڑھئی ساکن شاہ درگ نے کام کیا کریم الدین ملک کافور کا فرزند تھا۔ (جو علاؤالدین خلجی کا جنرل تھا) جس نے ہندوستان پر متعدد حملے اہل ہنود پر کیے۔ مسجد کا وسطی حصہ نیچے چھوٹے ستون دے کر پیل پایوں پر بلند ہے جس سے اندرونی حصہ مسجد میں روشنی اور ہوا کا گزر اچھی طرح ہوتا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر احمد آباد اور گجرات کی مسجدوں کی طرح کی ہے اور بیجاپور میں بھی اپنی طرز کی ایک ہی مسجد ہے۔ اسی کے احاطہ میں گنج شہیداں بھی ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ ہندوؤں سے لڑ کر بہت سے مسلمان شہید ہوئے تھے جو یہاں مدفون ہیں۔ عدالت محل کے پاس بھی ایک پرانی مسجد ہے جو ہندوؤں کا مندر توڑ کر بنائی گئی ہے اس مسجد کی پشت اُس سڑک کی طرف ہے جو شمال سے جنوب کو قلعہ ارک میں جاتی ہے۔

قلعہ کا دروازہ ۹۵۱ھ ۱۵۴۴ء قلعہ کا بڑا مشرق کی طرف دروازہ صرف ایک ہی طرف باقی رہ گیا ہے جو جنوب میں واقع ہے جس کا رُخ مشرق کی طرف ہے اس دروازے میں داخل ہوتے وقت بیچ میں ایک بُرج آجانے سے

سڑک پھٹ کر دو طرف ہو گئی ہے۔ بُرج کی بائیں جانب یہ کتبہ ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ در کار کرد اختیار خاں گجراتی ۹۵۱ھ ۱۵۴۴ء

اس کے بعد جو دروازہ ہے اُس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

شاہ عالمگیر عادل شاہ

حافظ ناصر خالق خداوند

کریم

باب یقین است تاریخ ایں

روشن الحجر از صرف طاظ

بنی ہذالمکان بید اختیار خان

تجدہ عونا النوائب فی　　کل ہم وغم سینجلی بنبوتک

ناد علیا مظہر العجائب لک　　یا محمد وبولایتک یا علی یا علی یا علی

جس کی مسلسل عبارت یوں ہوتی ہے۔

ناد علیاً مظہر العجائب۔ تجدہ عونا لک فی النوائب۔ کل ہم وغم سینجلی بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی یا علی یا علی

اس دروازہ میں داخل ہو کر ہم اندرونی اور بیرونی دروازوں کے درمیانی میدان میں آ جاتے ہیں بیرونی دروازہ کی دونوں جانب جمعیت کے رہنے کے دالان بنے ہوئے ہیں۔

گگن برج ۹۴۵ھ ۱۵۳۸ء　اور اِن کے سامنے ہی نہایت بلند گگن برج ہے جسے کوزنز صاحب نے آلہی برج لکھا ہے جس کی بنا ابراہیم عادل شاہ اول کے عہد میں ۹۴۵ھ ۱۵۳۸ء ہوئی تھی جس پر جدا جدا دو کتبہ شمالی وہیں

کتبہ بر گگن برج دراول دروازۂ قلعۂ ارک برسنگ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

دایم نام عدالت مجلس رفیع عالی جاہ ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ایام دولتہ۔ این برج گگن بنا شد فی سنہ ۹۴۵ھ خمس اربعین وتسعمایۃ ھجریۃ۔
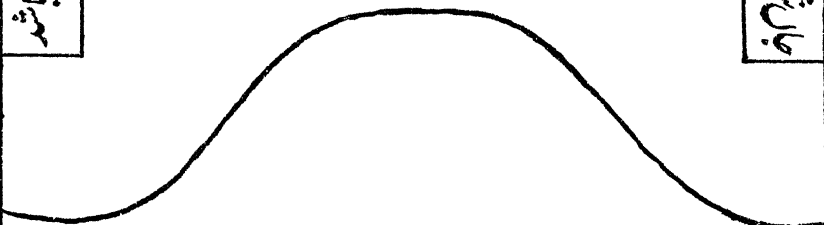
کتبہ بر سنگ دوم

نادِ علیاً مظہر العجائب۔ تجدہ عونا لک فی النوائب۔ کل ہم وغم سینجلی۔ بنوتک یا محمد بولایتک یا علی یا علی یا علی

نادِ علی کے علاوہ ذیل کی عبارت ہے۔

جہاں ہمیشہ بفرمان کلام عادلشاہ	مدام سکہ زدہ شد بنام عادلشاہ
سعادت وظفر و فتح و نصرت و اقبال	ہمیشہ بادبہ شادی غلام عادلشاہ

اب بھی ہمارے سامنے اندرونی دروازہ ٹوٹی پھوٹی حیثیت میں کھڑا ہے جس میں سوائے دونوں جانب کے دروں اور اوپر کی آڑی سنگین کڑی کے کچھ باقی نہیں ہے۔ اِس کی جنوبی دیوار میں نیچے وار کو ایک کنٹری کتبہ ہے جس کو میں پڑھ نہ سکا۔ دوسرے دروازے کی اندر پھر فوج کے رہنے کے ٹوٹے پھوٹے دالان ہیں جس کے ستون سارے کے سارے ہندوؤں کے مندروں کے ہیں ان میں سے اکثر پچیسی اور بارہ کنکرے کھیلنے کی لکیریں کھینچی ہوئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستون مدتوں تک ناکارہ پڑے ہوئے تھے لوگوں نے ان پر آڑھی ٹیڑھی لکیریں بنالیں اور بعد میں اِن مکانوں میں لگادیئے سو اگر یہ سمجھا جائے کہ مندروں کو توڑ کر لائے تھے تو اب بھی بہت سے مندر موجود ہیں جن میں عمدہ سے عمدہ یکساں تھم لگے ہوئے ہیں اُن کو چھوڑ کر اِن مختلف القامت ستونوں کو کیوں لیتے جس کے لیئے معماروں کو جا بجا جوڑ دے کر برابر کرنا پڑا۔ ان میں کے اکثر ستون ملک کریم الدین کی مسجد کے ستونوں کے بعد کے زمانے کے ہیں اور راجگان بیجانگر کی عہد کی معلوم دیتے ہیں چینی محل کے عقب میں ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ابوالمظفر علی عادل شاہ کے زمانہ میں قلعہ کی تعمیر ہوئی ہے۔ غالباً دروازوں اور خندق کے درمیان کوئی پل بھی ایسا ہوگا جو وقت ضرورت کھینچ لیا جاتا ہوگا مگر اِس کا اب کوئی نشان نہیں ہی۔

انڈو مسجد انڈو مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اُس کا چھوٹا سا گنبد ایسا خوشنما اور خوب صورت ہے کہ دور سے بالکل انڈا معلوم دیتا ہے۔ قلعہ سے سیدھی سڑک جو لنڈی قصاب کربج کو جاتی ہے مشرقی طرف بالکل لب سڑک گنج یا سعد کے پاس یہ دو منزلہ مسجد ہے اصل مسجد بالائی حصہ ہی اور نیچے کا حصہ ایک دالان ہے جو وارد و صادر کے لیئے بنایا گیا ہے۔ مسجد کے دروازے کی دہلیز پر جو کتبۂ ذیل ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار خاں نے جو ابراہیم عادل شاہ کا وزیر اعظم تھا ۱۶۰۸ء میں تعمیر کرائی ہے جس کا مقبرہ بیرون شہر ابراہیم روضہ کی پاس ہے۔

بیجاپور کی سب مسجدوں کی یہ ناک ہے اپنی خوب صورتی میں جواب نہیں رکھتی۔ اس کا فرش نہایت عمدگی سے مسطح وہموار بچھایا گیا ہے پتھروں کی کلاسی ایسی نزاکت سے ملائی گئی ہے کہ باوجود یکہ سوا تین سو برس ہوگئے مگر ذراسی جھری بھی نہ کھلی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کا سامنے کا رُخ بنتے بنتے ناتمام رہ گیا کہ بعض حصے ناقص رہ گئے ہیں اور کچھ کام ادھورا چھوڑ دیا گیا ہے۔ محراب کی آرایش بھی ناکمل رہ گئی ہی مسجد کی اندرونی دیواریں یان کی بیل کا نقشہ اُتارا گیا ہے۔ دالان کی چھت کے غرب رویہ حصہ پر مسجد ہے اور شرق رویہ حصہ بطور صحن کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا قبہ کمرکی ہے اور اسی طرح کے قبّے بیجاپور کی اور دو تین مسجدوں میں

بھی ہیں اور مناروں میں بھی اسی طرح کے کھب رکھے گئے ہیں مسجد کے چاروں کونوں سے چار منار یں بلند ہیں اور اس کے علاوہ اور چار برجیاں بھی ہیں ننھا منا سا سفید براق گنبد اور اُس کے اطراف چھوٹی چھوٹی مناروں اور برجیوں کا جھمکڑا دور سے بہت ہی بھلا معلوم دیتا ہے۔ مسجد کے بالائی حصے پر پردے کی جالی دار دیوار اُس کی کنگنی دیکھنے کے قابل ہے۔ جو کچھ نقش و نگار گلکاری اور آراستگی اس مسجد میں کی گئی ہے وہ ساری کی ساری بالائی حصہ ہی پر ختم ہے نیچے کا حصہ تو سیدھا سادا ہے جو بطور مسافر خانہ کے کام آتا ہوگا۔ انڈو مسجد کے سوا مضافات بیجاپور میں افضل خاں کے مقبرہ کے پاس بھی ایک دو منزلہ مسجد ہے جو شہر کے مغرب میں افضل پور سے کچھ آگے بڑھ کر ہے۔

لنڈے قصاب کی توپ اور نعمت برج

آنڈو مسجد سے سیدھی سڑک اس برج کو جاتی ہے شہر کی فصیل کے جنوبی رخ سے ملا ہوا یہ برج ہے جو فتح دروازہ سے کچھ آگے بڑھ کر سڑک کی بائیں سمت سے دوسرا برج ہے۔ اس برج میں کوئی خصوصیت نہیں ہے مگر اس پر جو بڑی توپ ہے وہ البتہ قابل دید ہے۔ یہ توپ (۲۱) فٹ (۷) انچ لمبی ہے اس کے گڈے کا دور (۴) فٹ (۴) انچ منہ کا دور (۴) فٹ (۵) انچ اور دہانہ ایک فٹ ۷½ انچ ہے تخمینی وزن (۴۷) ٹن ہے۔ اس کی ساخت بھی اُسی طریقہ کی ہے جیسی حیدر برج کی توپ کی نسبت ہم بیان کر آئے ہیں اس توپ کے پاس ہی ایک بہت بڑی دوسری ناتمام توپ کا سانچا پڑا ہوا ہے جس پر توپ بنتے بنتے رہ گئی اس برج سے تھوڑے فاصلہ پر کچھ خندقین کھدی ہوئی ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے جب شہر پناہ پر حملہ کیا تو ان مقامات پر اُس کی فوج تھی اس برج پر بہت سے نشانات گولہ باری کے ہیں ایک گولہ توپ کے دہانہ پر بھی لگ کر گڑھا پڑ گیا ہے۔ اس برج پر حسب ذیل کتبے ہیں۔

کتبہ بہ طرف جنوب شمال رویہ اندرون حصار

در زمان خسرو عادل بادشاہ سلیمان جاہ علی عادل شاہ غازی از سعی نیک خواہان حضرت شاہ کار تھٹ بہ اتمام رسیدہ شہور سنۃ ثلث وسبعین الف ۱۰۷۳ھ

جنوب رویہ

از شاہ دکن علی عادل شاہ   شد گوش ملک بہ گوش عدلش خالی

شد حکم بہ شاہ حضرت از درگاہش | تا برج بنا کند بہ فرخ فالی
از صدمہ توپ ملک ضبط نقرب | افتادہ خلال واز نہاں پائمالی
تاریخ بنائے آں بدیہہ گفتم | چوں سد سکندر شدہ برج عالی

طرف چپ مشرق رویہ

ایں عرابہ بدور شاہ علی عادل شاہ راست کرد۔ سنہ تسع وسبعین وتسعمائۃ بید شاہ سرجی ۹۷۹ھ

طرف راست شمال رویہ

بدوران محمد شاہ غازی | چو بست ایں برج نعمت خاں بہت
پئے تاریخ اتمامش خرد گفت | قوی بنیاد ومحکم برج نعمت

درگاہ حضرت شاہ کریم اللہ قادری ۱۱۴۴ھ ۱۷۳۱ء آپ بیجاپور کے مشہور بزرگوں سے ہیں اور قطب العرفاء حضرت شاہ شریف محمد شرف الحق قادری گجراتی قدس سرہ کے بھانجے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمد عادل شاہ کے زمانہ میں حضرت شاہ شریف محمد بیجاپور تشریف لائے تھے بادشاہ آپ کی تشریف آوری کو باعث برکات اور اپنے شہر کی رونق کا سبب سمجھ کر آپ کی اقامت کا خواہاں ہوا اور آپ کی سکونت کے لیئے فوراً ایک عمدہ حویلی طیار کرائی لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور اپنے وطن مالوف کو واپس تشریف لے گئے اور اپنے بھانجے اور خلیفہ حضرت شاہ کریم اللہ قادری کو بھجوایا۔ آپ ایک بہت بڑے بزرگ تھے بادشاہ او امراء آپ کی بہت توقیر و عزت کرتے تھے آپ کا وصال ۱۱۴۴ھ میں ہونا اُس تاریخ سے ظاہر ہے جو درگاہ پر کندہ ہے۔ مزار شریف جامع مسجد کے قریب مغربی جانب واقع ہے اور آپ کی فرزندان رشید شاہ اسرار اللہ اور شاہ ولی اللہ عرف شاہ برجی نامور بزرگوں میں سے تھے جو اپنے والد ماجد کے پاس آسودہ ہیں۔ اس درگاہ میں سید عبدالرحمٰن قادری کا مزار بھی ہے جو جامع مسجد کے صحن کے جنوب ومشرق کے کونے میں واقع ہے۔ ان دونوں درگاہوں کی چھتوں میں موتی کے چونے کی استرکاری کی گئی ہے جس کے سبب سے بہت چمک دمک ہے اور سید عبدالرحمٰن قادری کی درگاہ کی چھت میں بہت سے منبت نقش ونگار ہیں۔ شاہ کریم صاحب کی درگاہ کے دروازے پر بھی کتبہ ہے اور دروازوں کے پٹوں پر کچھ آہنی تختوں پر نقش ونگار بنائے گئے ہیں۔

طرفہ درگاہ مبارک استوار و مستقیم خوش زیارت گاہ شد بہر مرید ان لبس عظیم
آمد ایں تاریخ حسب حال اہل اعتقاد عالمے در سایۂ ایں گنبد شاہ کریم

سنہ ۱۱۴۴ھ م سنہ ۱۷۴۱ء

کتبہ اندرون گنبد درگاہ موصوف کہ سنگ برآوردہ در خانہ شیخ صاحب باگی نگہداشتہ شدہ است۔

محمد علی	بسم اللہ الرحمن الرحیم وفتح	اللہ
[illegible]	بسم اللہ الرحمن الرحیم ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ	[illegible]
حسن حسین	خیر حافظا وھو الرحمن الرحیم	فاطمہ

مسجد مصطفیٰ خاں المعروف بہ ایک حبیب کی مسجد اور محل

قلعہ سے پانسو قدم کے فاصلے پر مشرق کی طرف مصطفیٰ خاں کی مسجد اور محل ہے دونوں میں مسجد نہایت بلند اور مستحکم بنی ہوئی ہے جس کی تین کمانیں ہیں۔ بیچ کی کمانیں دونوں جانب کی کمانوں سے بہت چوڑی ہے مسجد کا چھجہ بہت زبردست اور مستحکم بنایا گیا ہے کسی قسم کی آرائش نہیں کی گئی۔ منارین بنتے بنتے رہ گئی ہیں۔ صرف اُن کے نیچے کا حصہ جس پر منار بلند کرنا مقصود تھا موجود ہے مسجد کے عقب میں مغرب کی طرف مصطفیٰ خاں کے محل کا کھنڈر ہے

جس کی عمارات منہدمہ محلات ـ صحن ـ پھاٹک ـ حوض اور باغ کے دیکھنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہی کہ کس قدر وسیع محل ہوگا ـ حوض کے اطراف باغ میں جابجا اب بھی نہروں کے نشانات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ پختہ نالیاں بناکر پانی دوڑایا جاتا تھا اور اِن نالیوں میں بھی فواروں اور پانی کے لہریں مارنے اور اٹکھیلیاں کرنے کا سامان تھا۔ مصطفیٰ خاں اردستانی پہلے قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کے ہاں ایلچی تھا جس نے سلاطین بیجاپور اور احمد نگر سے مشورت کرکے مشہور جنگ تالیکوٹہ میں سلطنت بیجاپور کی اینٹ سے اینٹ بجادی ـ اِس کے بعد مصطفیٰ خاں کا تعلق سلطنت بیجاپور سے ہوگیا جسکے مفصل حالات اور آخر میں قتل کئے جانے کی کیفیت تاریخ میں جداگانہ بیان کی گئی ہے اِس مسجد کو ایک چیپ کی مسجد اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی جنوب ومغربی کونے میں ایک ذراسی پتھر کی چیپ بھی لگی ہوئی ہے ـ

بڑی کمان مصطفیٰ خاں کے مسجد کے قریب ہی جنوب میں ایک بہت بڑی کمان اُس سڑک پر بنی ہوئی ہے جس پر سے گزر کر مسجد میں آتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ محل میں آنے کے لئے یہ عظیم الشان کمان بنائی گئی تھی ـ اب سوائے اِس کے کہ یہ بہت ہی بڑی غیر معمولی وسعت کی کمان ہے اور کوئی جدت کی بات اس میں نہیں پائی جاتی ـ

مسجد حیدری سنہ ۹۹۱ھ یہ مسجد نواب مصطفیٰ خان وزیر اعظم کی کمان کے پاس ہے اِس پر حسب ذیل کتبہ ہے

بَنَیٰ ھٰذَا الْمَسْجِدُ الْمُبَارَکُ فِیْ دَوْلَۃِ السُّلْطَانِ الْعَادِلِ اِبْرَاھِیْمَ عَادِلْشَاہ الْمُسَمّٰی بِالْحَیْدَرِیَّۃِ حَیْدَرْ خَانِ بْنِ حَیْدَرْ اَلسَّنَۃِ اَحَدٌ وَّ تِسْعِیْنَ وَ تِسْعَمِائَۃِ ـ

اِس کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر خان کی بنائی ہوئی ہے اور اسی مناسبت سے مسجد حیدری مشہور ہی ـ

علی شاہد پیر کی مسجد اور مقبرہ یہ چھوٹی سی خاص وضع کی مسجد ہے جو مہتر محل کے جنوب میں کھیتوں میں بنی ہوئی ہے اس کی تمام چھت لداؤ کی ہے ـ اسی طرح کی اور ایک چھوٹی سی مسجد اسی کے مغرب میں واقع ہے اِن دو مسجدوں کے سوائے اس طرز کی چھت بیجاپور کی اور کسی مسجد میں نہیں پائی جاتی اس مسجد کے اندر بھی نقاشی کا کام ہے ـ اِس مسجد کے دو پتلے پتلے خوب صورت منار ہیں ـ درمیانی محراب میں ایک چھوٹی کھڑکی بھی لگی ہوئی جس میں سے لوگ مسجد کے اندر آجاسکتے ہیں ـ اِس مسجد کی محراب پر چینی کے رنگین کتبات ہیں جن کی زمین نیلی اور حروف سفید اور اطراف زرد رنگ کا دوہرا حاشیہ ہے جس کے بیچ میں پھولوں کی نقش و نگار زرد اور سبز رنگ کے بنے ہوئے ہیں ـ اِس مسجد میں متعدد آیات کلام مجید کندہ ہیں ـ مگر سب جھڑ جھڑا کر

ناقص ہوگئے محراب پر بہت آرایش کا کام تھا وہ بھی سب گر گیا اس مسجد کے پاس ہی حضرت سید علی شاہد کا مقبرہ کس میرسی کی حالت میں پڑا ہے یہ مسجد بھی اِن ہی بزرگ کے نام سے موسوم ہے یہ بزرگ کفار کی لڑائی میں شہید ہوئے اور آپ کی یادگار میں یہ مسجد علی عادل شاہ اول نے بنوائی۔

ابراہیم کی جامع مسجد اِس کو پرانی جامع مسجد بھی کہتے ہیں اور بعض لوگ واتری کی مسجد بھی کہتے ہیں۔ یہ مسجد آنڈو مسجد سے قریب تین سو گز کے فاصلے پر جنوب و مغرب میں کھیتوں میں کھڑی ہے اس کی عمارت پرانے طرز کی ہے جس کے منارے چونے اور اینٹ سے بنے ہوئے ہیں اس کے منارے مسجد کے دو جانب ہی نہیں ہیں بلکہ وسط چھت پر بھی منارے ہیں۔ اس قسم کی ایک دوسری مسجد فتح دروازہ کے پاس اخلاص خاں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ اِس مسجد کو ابراہیم عادل شاہ اول نے ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء میں تعمیر کرایا تھا۔

مقبرۂ علی عادل شاہ کلاں اُکھڑ رہا ہے آسمان یہ سب سماں کچھ بھی نہیں ٹپیس دوں گا ایک گردش میں جہاں کچھ بھی نہیں

جس جگہہ تھا جم کا جلسہ اور خسرو کا محل　　چند قبروں کے سوا باقی وہاں کچھ بھی نہیں

تخت الور کا پتہ دیتے ہیں تختے گور کے　　نامیوں کا اس جہاں میں اب نشاں کچھ بھی نہیں

گونجتے تھے جن کی نوبت سے زمین و آسماں　　قبر میں سوتے پڑے ہیں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

ابراہیم کی جامع مسجد سے ڈہائی سو گز کے فاصلے سے جنوب و مغرب میں علی عادل شاہ اول کا روضہ ہی۔ یہ عمارت نہایت سیدھی سادی ہے۔ اِس عمارت کا نقشہ مثمن شکل کا ہے جس کے اطراف برآمدہ ہے۔ چھت لداؤ کی بہت عمدہ اور مستحکم ہے۔ اِس میں چار قبریں ہیں ایک مردانی ایک زنانی دو بچوں کی۔ اِس مقبرے میں جو کچھ نقش و نگار اور رنگ آمیزی کا کام تھا وہ سب مٹ مٹا گیا۔ مقبرہ کے شمالی دروازہ پر ذیل کا کتبہ ہے لیکن اِس میں نہ سال تعمیر ہے نہ بادشاہ کا نام۔ روایت اور عام شہرت کی بنا پر اس مقبرہ کو علی عادل شاہ اول سے منسوب کیا جاتا ہی۔

اس مقبرہ سے ملا ہوا جنوب ومشرق کی طرف ایک بلند کرسی کا مربع وسیع چبوترہ بنا ہوا ہے جس کی بیچوں بیچ

کھلے میدان میں ایک قبر نہایت شفاف ماشی سبزی مائل رنگ کے پتھر کے تعویذ کی بنی ہوئی ہے جو ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا ہے۔ پتھر صاف و شفاف چکنا اور ستھرا ہے کہ اب بھی نظر پھسلتی ہے۔ ایسی نفیس اور مجلا قبر اس قسم کے پتھر کی سارے شہر بیجاپور میں نہیں ہے البتہ میں نے گلبرگہ شریف میں سنگ سیاہ کی ایسی ہی ایک قبر جوڑ گنبد کے متصل چبوترے پر دیکھی ہے۔ چبوترے کی بندش اور صناعی نہایت مرغوب و دلکش ہے عام طور پر کسی کو معلوم نہیں کہ یہ قبر کن بزرگوار کی ہے خاکسار کو بہت تجسس کے بعد معلوم ہوا کہ ہدایت محی الدین خان صوبہ دار آصف جاہی کا مدفن ہے۔

مقبرۂ بڑے صاحب کتبہ بالائے مقبرہ پائین روضۂ علی عادل شاہ کلاں در لنگر بازار

بحکم حضرت علیا مناقب — بڑے صاحب کہ عالم را امان است
بآن سلطان محمد قطب شاہاں — سر شس از اختری بر آسماں است
مرتب گشت این پاکیزہ مرقد — کہ آسایش گہ ملک جہاں است

روضۂ پیر شیخ حمید و شیخ لطف اللہ قادری قدس سرہما مسجد و گمٹ باؤلی ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء یہ درگاہ مبارک علی عادل شاہ کے روضہ سے قریب چار سو قدم کے فاصلہ پر ہے جو سامنے ہی دکھلائی دیتی ہے اور شہر کے جنوب و مغرب میں واقع ہے یہاں دونوں بھائی شیخ حمید قادری اور شیخ لطف اللہ قادری آسودہ ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں تھے۔ روایت ہے کہ فاطمہ سلطانہ علی عادل شاہ اول کی بیگم صاحبہ نے یہ مقبرہ بنوا دیا تھا اور دونوں صاحبوں کا وصال ۱۶۰۲ء و ۱۶۱۲ء میں ہوا۔ شیخ حمید قادری آپ بیجاپور کے مشہور اولیاء اللہ سے ہیں آپ حافظ قرآن اور خوش لہجہ و الحان تھے اور اپنے وقت میں اہل باطن اور اہل فقر کے شب چراغ تھے وحید زمان اور فرید عصر تھے اور سنت نبوی کی پیروی مرتبۂ اعلیٰ تک پہونچی تھی۔

در طریق معرفت دانی کہ چیست — ترک کردن ہر دو عالم را بہ پشت پا زدن

ترک و تجرید اور قطع علایق میں مردانہ وار مضبوط قدم رکھ کر قناعت و توکل کے پابند اور طالبین تعلیم و ارشاد میں مشغول تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ وطن سندھ سے بیدر میں تشریف فرما ہوئے اور شیخ طریقت حضرت شیخ محمد گنج بخش و خلیفہ کامل حضرت شیخ مخدوم جی قادری قدس اللہ سرہما کے مرید ہو کے درجۂ کمال کو پونچے اور سند ہدایت خلایق پر متمکن ہوئے بعد چند روز کے ابراہیم عادل شاہ ثانی عرف جگت گیر کے دائل

زمانے میں بیجاپور تشریف لائے اور شہر کے تمام لوگ آپ کی صحبت با فیض سے مستفید ہوئے۔
ابراہیم عادل شاہ جس کے فضائل حمیدہ و اطوار پسندیدہ اور عدل و سخا و قدر دانی مشائخین و فقرا و جوہر شناس صلحا و اہل الدین مشہور تھا اُس نے حضرت کی آمد کی خبر سن کر استقبال کیا اور آستان بوس ہو کر بیجاپور کے شہر کے اندر لایا اور حضرت کی اقامت کے لیئے شاہی باغ جو نوباغ کے نام سے مشہور ہے مقرر کیا اور انعام کا پروانہ بھی پیش کیا۔ حضرت چلہ کش اور خلوت دوست و گوشہ پسند تھے اور خلق کی کثرت اور اغیار اجانب کی صحبت سے پرہیز کرتے تھے اِس وجہ سے باغ کی سند قبول نہ فرمائی لیکن ملکہ جہان فاطمہ سلطانہ عادل شاہ کلاں کی بیگم صاحب نے جو مسجد اور گنبد اور باؤلی للہ بنا کر وقف کی تھی جس باؤلی کو گمٹ باؤلی کہتے ہیں اور اِس مسجد کے قریب اپنے بچوں کے لیئے دو چھوٹے چھوٹے گنبد بھی بنائے تھے آپ الگ تھلگ رہنا پسند فرماتے تھے آپ نے اِسی مسجد کو منتخب فرمایا اور یہیں رہنے سہنے لگے اور فرمایا کہ یہی وقف کی ہوئی زمین اور مسجد اور گنبد فقیروں اور گوشہ نشینوں کے قیام کے لیئے بہتر ہیں۔
بادشاہ قدردان نے یہ سن کر کہا کہ زہے سعادت اُس زمین کی کہ جو منظور خاطر عاطر اقدس ہوئی اور اِس زمین اور مکانات موقوفہ کے سوائے فصیل قلعہ تک جو شاہی زمین تھی وہ بھی آپ کے خدام اور فقراء کی سکونت کے لیئے نذر دی۔ حضرت نے اس کو قبول کر کے فقیروں کے لیئے ایک چھپر ڈال لیا اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوئے اور اُن چھوٹے گنبدوں میں بہت سے چلّے اور خلوتیں کیں اور آخر عمر شریف تک وہی جگہہ آپ کی آرام گاہ تھی اور بعد وفات وہی خواب گاہ ہوئی جب ملاء اعلیٰ سے ہاتف غیبی نے پیغام پونچایا کہ۔

ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر   ندانمت کہ بدیں دامگہ چہ افتادست

بہ مجرد اِیں پیام وصال انجام کے ۲۲ ذیحجہ سنہ ۱۰۱۱ھ کو شہباز روح مقدس نے قفس عنصری سے نکل کے آشیانہ تقرب کا راستہ لیا آپ کی تاریخ وصال "شفیع قیامت" مشہور ہے مزار پاک آپ کا جہاں چھپر تھا وہیں ہے اور بعض "فیض سبحانی" بھی آپ کی تاریخ کہتے ہیں جس سے ۱۰۱۱ھ ۱۱۲۱ھ نکلتے ہیں۔
حضرت شیخ لطف اللہ قادری۔ آپ اِس شہر کے بڑے کامل اولیاء اور مشہور بزرگوں سے ہیں اور حضرت شیخ حمید قادری کے خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں۔ فقر و فنا تجرید و تفرید و ریاضات و مجاہدات و ترک دنیا و مخالفت نفس و ہوا و عزلت نشینی و وحدت گزینی میں اپنے مرشد کی متابعت و پیروی فرماتے تھے اور اُن سے دس سال تک ہدایت و ارشادات میں مشغول رہے اور آپ کی تربیت سے بہت کچھ لوگ مستفید ہو کر

آپ نے رحلت فرمائی۔ معتبر لوگوں سے منقول ہے کہ جس زمانہ میں قطب الاولیاء نائب رسول اللہ حضرت شاہ صبغۃ اللہ مدنی بھروچی قدس سرہٗ العزیز بیجاپور میں رونق افروز تھے حضرت کو طالب مستعد اور صاحب ریاضت وذوق دیکھکر باطنی توجہ اور کشش سے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ حضرت شیخ حمید کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت صبغۃ اللہ کی جناب میں عرض کروایا کہ جناب کے ہزارہا طالبان نامور و مریدان باخبر ہیں اس فقیر کے لیئے لطف اللہ صرف ایک اندھے کی لاٹھی تھی آپ نے اسی بھی گھسیٹ لیا آپ نے فرمایا کہ اچھا ہم نے شیخ لطف اللہ کو تم کو بخش دیا۔ جب حضرت شیخ حمید نے یہ سنا تو فرمایا کہ خیر حضرت نے تم کو ہمیں دے تو دیا مگر اپنا بنا کر دیا۔ نقل ہے کہ حضرت شیخ حمید نے حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ منورہ کا عزم بالجزم کر کے ایک روز حضرت شاہ صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مدعا عرض کیا اور کہا کہ آپ اس نیت سے فاتحہ پڑہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نہیں جا سکتے ہو مگر تمھاری سلامتی کی نیت سے فاتحہ پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد شیخ حمید اور شیخ لطف اللہ دونوں بندر دابل تک پونہچے مگر شیخ حمید کا کسی سبب سے جانا نہ ہو سکا اور شیخ لطف اللہ حج وزیارت سے مشرف ہو کر واپس تشریف لائے اب تک حضرت شیخ حمید بندر دابل ہی میں ہی مقیم رہے بعد دونوں صاحب مل کر بیجاپور واپس آئے۔ حضرت شیخ لطف اللہ کا وصال ۱۱ ربیع الآخر ۱۰۲۱ھ میں ہوا اور آپ شیخ حمید کے گنبد میں اُن کے پاس ہی آسودہ ہیں۔ اب آپ کی اولاد میں سے کوئی باقی نہیں نہ کچھ معاش ہے فاطمہ سلطانہ نے یہیں قریب میں ایک مسجد اور اُس کی سامنے باؤلی بھی بنوائی ہے جو گمٹ باؤلی کے نام سے زبان زد خلایق ہے۔ اس باؤلی پر ایک کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ء کی بنی ہوئی ہے۔ اس مقبرہ کے پاس مسجد ہے جس میں مدتوں ٹکر صاحب نامی ایک انگریز رہتا تھا جس کے نام سے اب یہ خانۂ خدا مشہور ہے۔ اس کی محراب پر یہ کتبہ ہے۔

کتبہ بر گمٹ باؤلی متصل روضۂ شیخ حمید کہ بر دیوار باؤلی متصل موٹ نصب است

قال اللہ تعالیٰ الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم در دور سلطان ابن السلطان حامی دین اللہ مجاہد فی سبیل اللہ ابو المظفر حضرت شاہ علی عادلشاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ایں بائیں (باؤلی) بنا کردہ فی سبیل اللہ فاطمہ سلطان بی بی و ملکہ جہان فی الدارین درجات عالیہ شہور سنہ ۹۶۹ھ تسعین ستین و تسعمائۃ بہ تاریخ ۲۰ ذیحجہ آب ایں بائیں وقف است کسے منع کند یا مانع آید خدا و رسول نیابد بروز شفاعت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وائمۃ الہدیٰ بے نصیب شود رحمت بر آں کس کہ باہتمام تمام خیر کند رحمۃ للمومنین کار بائیں و مسجد بنا حضور کمترین بندگان حقیر محمود سر آمد ابتدا تا انتہا گرفتہ و آوردہ مشقت کردہ۔

کتبہ بر دروازہ گنبد شیخ حمید قدس سرہ العزیز

ومن دخلہ کان آمناً

وادخلوا الباب سجداً وقولوا حطۃ نغفر لکم خطایاکم وسنزید المحسنین۔

مسجد کے محاذی دو اور مقبرے ایک ہی قطار میں ہیں جن کی چھت عمودی وضع کی ہونے سے لوگ

کہتے ہیں کہ کسی اہل تشیع بزرگوں کی ہیں۔ شہر بیجاپور کا جنوب و مغرب کا حصہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے پہلے بہت آباد تھا اور جتنی بڑی بڑی عمارتیں اور حوض وغیرہ ہیں سب اسی خطہ پر ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں محلات اور عمارات اور باغ وغیرہ کثرت سے اس جانب بنائے جاتے تھے۔

ملکہ جہاں بیگم کی مسجد عرف زنجیری مسجد قلعہ کی فصیل سے لگی ہوئی سات منزلی کے قریب درختوں کے جھنڈ میں یہ مسجد واقع ہے۔ یہ نہایت پیاری مختصر انمول مسجد ہے جس کا دالان اور چھجا خاص حسن سلیقہ سے بنایا گیا ہے۔ اس کے تین در ہیں جس کی وسطی کمان اور کارنس میں بے نظیر نقاشی کی گئی ہے اور ایسا کمال دکھلایا ہے کہ جس کی مثال دوسری جگہ ملنی محال ہے۔ چھت پر مناروں کے بیچ میں پردہ کی دیوار کی جالی نہایت خوب صورت ہے جس پر برجیاں اور چھتریاں بنائی گئی ہیں جن میں چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس مسجد کے چار منارہیں دو آگے دو پیچھے جو نہایت نازک اور موزوں ہیں درمیانی گنبد کے اندرونی حصہ میں نہایت عمدہ پھول پتیاں منقوش ہیں مسجد کے صحن میں ایک حوض ہے جو آب نو کھا پڑا ہے۔ اس مسجد کو ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنی صاحبزادی ملکہ جہاں بیگم کے لئے بنوایا تھا مگر کوئی کتبہ کہیں نہیں ہے۔

جوڑ گنبد یہ دو گنبد خان محمد اور عبد الرزاق قادری کے ہیں جو جوڑ گنبد کے نام سے اس وجہ سے مشہور ہیں کہ دونوں گنبدوں کی ایک وضع قطع ہے اور تراش خراش میں یکساں ہیں۔ جنوبی طرف کا مثمن گنبد خان محمد باغی (جس کو بادشاہ طعن سے خان خانم پکارتا تھا) اور اُس کے بیٹے خواص خاں[۱] کا ہے جو سکندر بادشاہ کا وزیر تھا۔ خان محمد فوج کا کمانڈر تھا اور نمک حرامی سے افواج مغلیہ سے مل گیا اور باوجودیکہ اُسی کا فی موقع دشمن کو تباہ کرنے کا تھا اور اُس کے ہاتھ کی بات تھی مگر اُس نے طرح دی۔ خان محمد کے ساتھ افضل خان بھی میدان جنگ میں تھا وہ محمد خاں کی نمک حرامی دیکھ کر بہت جز بز ہوا اور مجبور ہو کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر واقعات کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے فوراً خان محمد کو طلب کیا اور جوں ہی وہ مکہ دروازہ سے شہر میں داخل ہو رہا تھا کہ اُسے قتل کر دیا گیا۔ بعد فتح بیجاپور کے اورنگ زیب نے حکم دیا کہ بیجاپور کے ایک سال کے خراج کی رقم سے جو سالانہ بھیجا جاتا تھا خان محمد کا گنبد بنا دیا جاوے۔ محمد خاں کا فرزند خواص خاں جو سکندر کا وزیر تھا وہ بھی باپ کے قدم بقدم چلا اور باپ کی طرح نمک حرامی پر کمر بستہ ہو گیا اور بادشاہ کو جب اس کی بھنبنی پہنچی تو اُسے

---

[۱] یہ ایک خطاب ہے جو پہلے بعد دیگرے کئی امراء کو ملتا چلا آیا ہے ۱۲

قلعہ میں قید کر دیا اور آخر کار باپ کی طرح وہ بھی تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اُس کی نعش بیجاپور لائی گئی اور اپنے باپ کے پہلو بہ پہلو اسی گنبد میں دفنائی گئی۔ دوسرا بڑا مربع مقبرہ عبدالرزاق قادری کا ہے جو خواص خاں کے مرشد تھے اور قیاس چاہتا ہے کہ دونوں گنبد ایک ساتھ کے بنے ہوئے ہوں کرسی معمول سے زیادہ اس وجہ سے بلند ہے کہ دوسرے گنبدوں کی طرح زمین دوز تہ خانے میں اصلی قبریں نہیں ہیں بلکہ سطح زمین پر ہیں اور وہیں سے چبوترہ اُٹھا کر گنبد لئے گئے ہیں عبدالرزاق قادری کا گنبد بالکل سیدھا سادا اور تکلفات سے معرا ہے۔ خواص خاں کا مقبرہ ایک ایسا عمدہ وسیع ہال ہے کہ سارے بیجاپور میں اتنا بڑا ہال نہیں ہے مگر اس ہال میں کوئی قبر نہیں (قبر اندر ہے) جس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں ماندو بود کے لئے یہ جگہ استعمال کی جاتی تھی لیکن جب کہ یہ گنبد خود اورنگ زیب کے فرمان واجب الاذعان سے بنایا گیا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس میں جلسے ہوں یا سکونتی مکان بنتا ہی گمان غالب یہ ہے کہ اس قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا شمالی ہندوستان سے منگوایا گیا ہوگا لیکن کسی وجہ سے بروقت بیجاپور نہ پونہچ سکا اور جگہ خالی رہ گئی۔ اورنگ زیب کی بیگم کے مقبرہ کی بھی یہی حالت ہے کہ قبر بدار داب تک بھی آثار محل کے تہ خانہ میں سنگ مرمر کے تعویذ دھرے ہوے ہیں۔ خدا جانے وہ کن قبروں کے لئے بنائے گئے تھے۔ اِن گنبدوں کے متعلق ایک مسجد بھی ہے۔ اِن سب میں انجینیر کا مسکن اور محکمہ تھا لیکن مسلمانوں کی شور وفغان سے عبدالرزاق قادری کا گنبد اس دست برد سے بچ گیا کہ مسلمان اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ گول گنبد کی طرح صرف اِن ہی دونوں گنبدوں میں گیلریاں بنی ہوئی ہیں لیکن چونکہ وسعت کم ہے اِن میں وہ گونج نہیں جو کہ گول گنبد میں ہے۔

بخاری مسجد یہ مسجد خراد واڑی محلہ میں انگریزی ڈاک خانے کے قریب ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کلاں کی والدہ فاطمہ سلطان نے یہ مسجد مدرسہ اور باؤلی بنوائی تھی اِس کا نام بخاری مسجد کیوں پڑا کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ممکن ہے کہ بخارے کے کوئی بزرگ ہوں اُن کی یادگار میں بنائی گئی ہو۔ اِس مسجد کا کام بھی بلحاظ نقش و نگار کے بہت عمدہ ہے اس کے درمحرابیں اور چھجے پر نقاشی کا بہت سا کام ہے۔ اس مسجد کے متصل احاطہ میں مدرسہ اور باؤلی بھی ہے۔ دروازے کی دہلیز پر یہ کتبہ ہے۔

اَللّٰہُ مُحَمَّدُ وَرَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ وَعَنْ بَقِیَّۃِ الصَّحَابَۃِ اَجْمَعِیْنَ

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ

اَحَداً
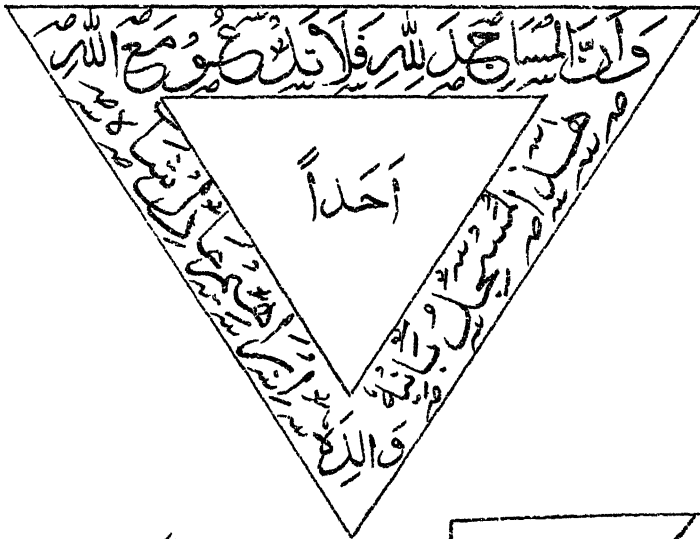
ملک صندل کی قبر مسجد اور مدرسہ بخاری مسجد کے قریب ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر شمال و مغرب میں ملک صندل کی قبر مسجد اور اُس کی ملحقہ عمارات واقع ہیں۔ یہ مقبرہ ملک صندل کا ہے جو شہر بیجاپور کا سب سے بڑا امیر عمارات (چیف انجنیئر) تھا اور جس کی بنائی ہوئی بہت سی عمارات اس وقت شہر میں اُس کے نام کی زندہ یادگاریں ہیں احاطہ کے اندر ایک چھوٹے سے منڈوے کے تلے ایک زنانی قبر ہے جس کو بعض ملک صندل کی والدہ کی کہتے ہیں اور بعض اُس کی بی بی کی۔ وہیں کھلے میدان میں اور قبروں کے ساتھ ایک قبر ہے جس پر غلاف پڑا رہتا ہے اور وہ ملک صندل کی کہلاتی ہے۔ صحن کے ایک کونے میں ایک معمولی طرز کی مسجد بنی ہوئی ہے۔ اِس احاطہ کے چوطرف جو عمارات دالان اور حجرے ہیں یا تو وہ مدرسہ ہوگا یا سرائے۔ مسجد کی محراب پر یہ کتبہ ہے۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

ٹمر کی گنبد اس مسجد کے شمال کی طرف تھوڑے ہی فاصلہ پر چھوٹا سا ایک گنبد ہے جو ٹمر کی گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اِس گنبد کی شکل انڈے کی سی ہے اور ٹمرک کی طرح کی نالیں اس میں ہیں۔ خدا جانے اس میں جو ایک قبر ہے وہ کس بزرگ کی ہے۔

پیر بالے صاحب کا چلہ سنہ ۱۰۴۹ھ یہیں مسجد کے پچھواڑے ایک چبوترے پر پیر بالے صاحب کے چلہ پر یہ کتبہ ہے۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا عَلِیُّ دو باغ دو چاور زمین

سطہ بیگہ کی طرح چاور بھی ایک سطحی ناپ ہے ۱۲

براے وقف مسجد است کسے طمع کند در لعنت خدا است سنۃ تسع و اربعین الف
۱۰۴۹ھ
زمرد مسجد اسی جگہ جنوب کی طرف دیکھو تو بالکل ننھّی مُنّی سی زمرد مسجد ہے۔ جو صرف بارہ فٹ مربع ہے۔ یہ عجیب و غریب مسجد نہایت سڈول ایسی بنائی گئی ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ بانی کا نام معلوم نہیں۔ اس پر حسب ذیل کتبے ہیں۔ (دو طرفہ طغرا ے بسم اللہ)
انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ فلا تدعوا مع اللہ احدا
انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ و الیوم الآخر و اقام الصلوٰۃ و اٰتی الزکوٰۃ و لم یخش الا اللہ فعسیٰ اولٰئک
اللھم صل علی محمد و آلہ و سلم
لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
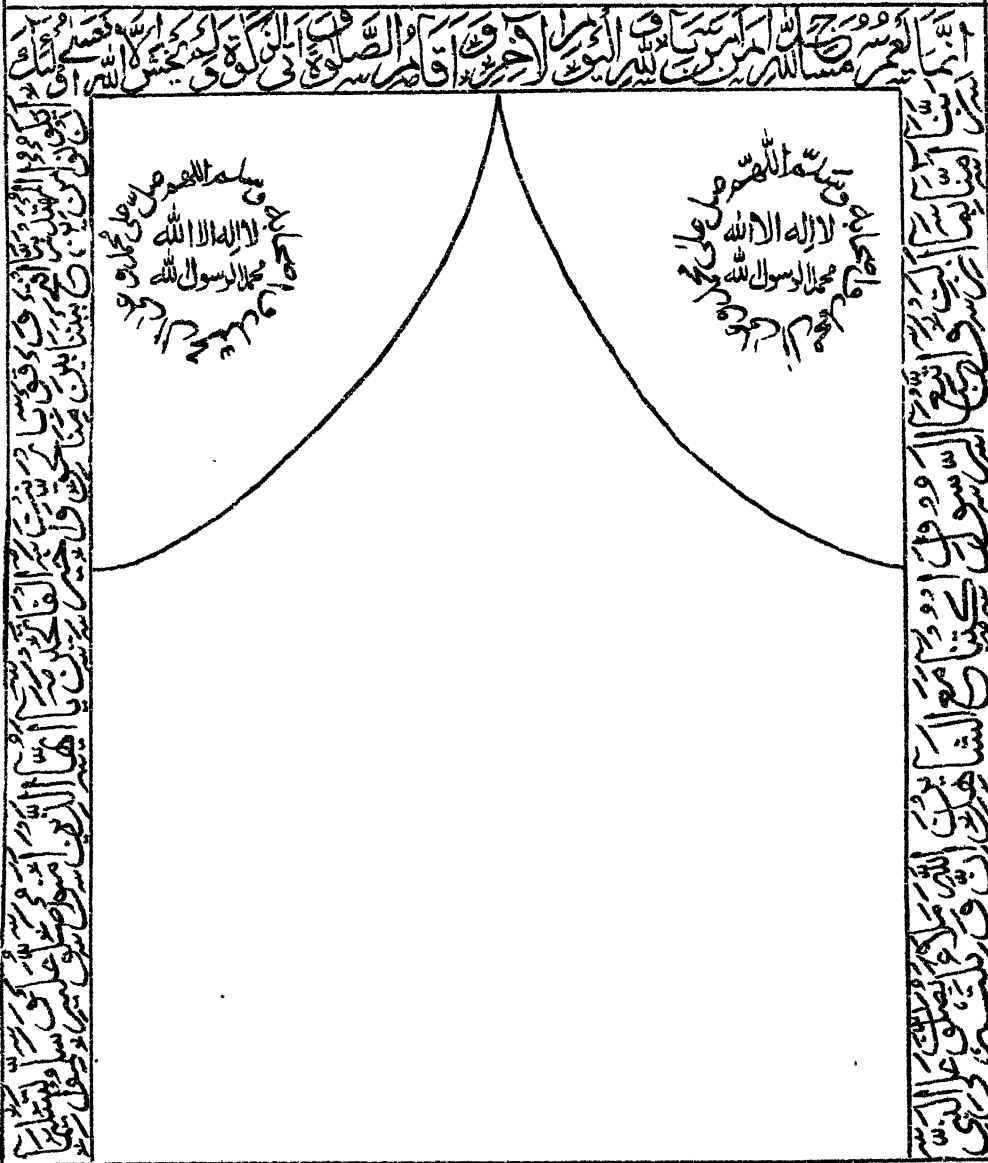
چنچ ڈڈی مسجد قلعہ کے جنوب مشرق میں ایک برج پر بنی ہوئی ہے اس پر سے آثار محل اور اطراف کی عمارات معلوم ہوتی ہیں۔ اس مسجد میں سوائے اس کے کوئی جدت نہیں کی دیواروں پر بہت کچھ رنگ آمیزی کا کام تھا جو اب مٹ مٹا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد برج پر زمان مابعد میں بنی ہے۔ بوجھ سنبھالنے کے لیئے برج کے اطراف کمانیں چنی گئی ہیں جن پر لکڑی کی بڑی بڑی بھاری شہتیریں دیکر مسجد کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ بنانے والے کا نام معلوم نہیں۔

خواجہ سنبل کی جامع مسجد قدیم سنہ ۹۱۸ھ یہ مسجد قاضی بیجاپور کے مکان کے پاس ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔
این مسجد در دور سلطان محمود شاہ بن محمد شاہ بہمنی بنا کردہ خواجہ سنبل نایب غیبت عادلخانی شہور سنہ ثمان وعشرہ وتسعمائۃ ہجریۃ۔ ۹۱۸ھ

مسجد شمس الدین واقع خانہ پور سنہ ۹۲۵ھ بُنِیَتْ هٰذَا الْمَسْجِدِ الْمُبَارِكِ الْمَيْمُوْنَةُ فِيْ عَهْدِ السُّلْطَانِ الْمُعَظَّمِ مَالِكِ الرِّقَابِ الْاُمَمِ اَبُوالْمُجَاهِدِ مُحَمَّدْ شَاهْ بِنْ تُغْلُقْ شَاهْ السُّلْطَانِ اَبَدَ اللهُ مُلْكَهٗ بِاَمْرِ الْمَلِكِ الْاَكْبَرِ الْعَالِمِ الْعَادِلِ شَمْسُ الدُّوْلَةِ وَالدِّيْنِ دَامَ دَوْلَتَهٗ وَعُمْرَهٗ فِيْ سَنَةِ الْخَمْسِ وَالْعِشْرِيْنَ وَتِسْعَمَائَةٍ وَكَتَبَهٗ مُحَمَّدْ فَيْصَلِيْ۔

کتبہ بر سنگ دروازہ مسجد متصل مکان قاضی صاحب سنہ ۹۴۳ھ قَالَ اللهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ قَدْ وَقَعَ بِنَاءُ هٰذِهِ الْمَسْجِدِ فِيْ دَوْلَتِهٖ بِاَمْرِ مَجْلِسِ رَفِيْعِ مَنْصَبْ وَمَنِيْعِ اِسْمِيْ خَلِيْلُ اللهِ اِبْرَاهِيْمُ عَادِلْخَانْ خَلَّدَ اللهُ دَوْلَتَهٗ۔

وقف شرعی نمودہ ملک امین الملک غازی یک خانہ سی شش دکان مرتب متصل دروازہ امین ہلی[۵۲] بہ مسجد سے کہ مقابل خانہ وہ دو کا نہانہ عمارہ خرچ مسجد بداں نمایند سبیل ہر کہ این عدول کند در لعنت اللہ تعالیٰ باشد۔

کتبہ حافظ نظام الدین سنہ ۹۴۳ھ

مسجد چابک سواران سنہ ۹۴۶ھ یہ مسجد ملک خواجہ ریحان کی بنائی ہوئی ہے مگر چابک سواروں کی

---

[۵۱] چنچ املی کا جھینساں۔ دڈی۔ کھڑکی۔ ممکن ہے کہ اس جگہ پہلے املی کا درخت ہو اور یہ کھڑکی اسی کے نام سے مشہور ہو ۱۲

[۵۲] اب اس موضع کا نام ہٹ نلی مشہور ہے جو بیجاپور کے جنوب میں دو کوس کے فاصلے پر ہی ۱۲

مسجد کے نام سے مشہور ہے اِس مسجد کے اکثر کتبہ بوجہ کہنگی کے جھڑ کر ناقص ہوگئے ہیں ٹڑ ہے نہیں جاتے اور چند روز میں یہ بھی باقی نہ رہیں گے اِس وقت جو کتبہ بدقت تمام پڑھے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

بالائے کمان وسطی ہر چہار جانب اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ بر کمان ہائے مین و یسار نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ

طرف جنوب و شمال۔ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ

یَا جَابِرَ كُلِّ كَسِيْرٍ یَا مُوْنِسَ كُلِّ غَرِیْبٍ۔ یَا مُوْنِسِیْ فِیْ وَحْدَتِیْ

اللّٰه

یَا صَاحِبِیْ فِیْ شِدَّتِیْ

اللّٰه

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

انا غلام الله خان عالی جاه ابراهیم عادل شاه خلد دولته بنا کرده ملک خواجه ریحان این نماز گاه فی سنته ۹۴۶ھ

مسجد صالح بیگ ۱۱۵۴ھ

یہ مسجد قیصر باغ میں ہے اس پر جو کتبۂ ذیل ہے اُس سے ملک صندل کی بنا کردہ معلوم ہوتی ہے لیکن زبان زد خاص عام صالح بیگ کی مسجد ہے معلوم نہیں ہوتا کہ اِس نام سے شہرت پانے کی کیا وجہ ہے۔

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً

ملک صندل چوں این مسجد بنا کرد خرد۔ قدس فیض تاریخ ادا کرد

مسجد خواص خان عرف مسجد نہ گنبداں

یہ مسجد قاسم علی کے باغ میں ہے اور اس کی محرابوں پر ۱۱۵۴ھ متعدد کتبے حسب ذیل ہیں۔

کتبہ بر کمان اول

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ وَلَمْ

یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَاجِّ وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا سُبْحَانُ یَا بُرْھَانُ یَا سُلْطَانُ یَا غُفْرَانُ۔

کتبہ برکمان وطی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ سورہ الحمد تا آخر و آمین۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا۔ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ھُوَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَکَفَّلَھَا زَکَرِیَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ آیۃ الکرسی تا ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ

نصرٌ مِنَ اللّٰہِ وَ فتحٌ قریبٌ۔ قُل کُلٌّ یعمل علٰی شاکلتہٖ۔ لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ مُحمّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ
اَشھَدُ اَن لّا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ وحدہٗ وَ لَا شَرِیکَ لہٗ وَ اَشھدُ اَنَّ مُحمّداً عبدہٗ و رسولہٗ۔
سُبحانَ رَبِّکَ رَبِّ العِزّۃِ عمّا یصفون وَ سلامٌ علی المُرسلین وَ الحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلمین۔
سُبحانَ اللّٰہِ وَ الحمدُ لِلّٰہِ وَ لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اکبر اللّٰہُ اکبر و لا حول و لا قوّۃ اِلّا باللّٰہِ
العلیِّ العظیمِ۔ سورۂ قُل ھُو اللّٰہُ۔ یا کافی یا کافی المُھمّاتِ۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی مُحمّدِ نِ المُصطفٰی وَ صَلِّ علی الامامِ علیِّ المُرتضیٰ وَ صَلِّ علی الامامِ حسنِ الرِّضا
وَ صَلِّ علی الامامِ حُسینِ شہیدِ کربلا و صَلِّ علی الامامِ زینُ العابدین وَ صَلِّ علی الامامِ
مُحمّد باقر و صَلِّ علی الامامِ جعفرِ صادق وَ صَلِّ علی الامامِ موسیٰ کاظم وَ صَلِّ علی
الامامِ بن موسیٰ الرِّضا و صَلِّ علی الامامِ مُحمّدِ التّقی و صَلِّ علی الامامِ مُحمّدِ النّقی وَ صَلِّ
علی الامامِ حسنِ العسکری وَ صَلِّ علی الامامِ مُحمّد مہدی صاحبِ الزّمان صلوات اللّٰہِ
علیھم اجمعین۔

کتبہ برکمان سوم

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَآ اُنزِلَ اِلَیہِ تا فَانصُرنا عَلَی القَومِ الکٰفِرِین

رنگین مسجد یہ مسجد بھی بہت پرانی تین کمان کی ہے جو شاہ پور پیٹ میں ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مسجد کا بانی کوئی شخص زبیری تھا۔ زبیر ابن العوام جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی چچی کے فرزند تھے اور علم و فضل میں متبحر تھے اُن کے خاندان میں سے کسی صاحب کی بنائی ہوئی ہے چنانچہ اسی سلسلہ کے ایک فاضل مورخ محمد ابراہیم زبیری وہ صاحب ہیں جنھوں نے بساتین السلاطین تاریخ بیجاپور زبان فارسی میں لکھی ہے۔ اس کی تمام استرکاری گرجانے سے کتبے باقی نہیں رہے۔ جو کچھ بچ رہا ہی اُس پر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد رنگین ہو گی جس کی وجہ سے یہ نام پڑا اور بہت کچھ گلکاری اور صنعت کا اظہار کیا گیا تھا۔ رنگ آمیزی اور کتابت طغریٰ دونوں بے نظیر تھے کہ اب اس کس مپرسی کی حالت میں بھی دیکھ کر انسان محو حیرت رہ جاتا ہے لیکن افسوس کہ زمانے کے ہاتھ سے سب فنا ہو رہا ہے

نوشتۂ خامۂ تقدیر بر جریدۂ دہر   خطے کہ فاعتبروا منہٗ یا اُولی الابصار

اب جو کتبات پڑھے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔

مسجد کی پیشانی پر

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا وَّاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا[1]۔

بطرف محراب جنوبی و شمالی بخط طغرائے کوفی

یَا فَتَّاحُ یَا قَدِیْمُ یَا کَرِیْمُ

محراب کے اندر جو کتبہ ہے وہ پتھر مار مار کے لوگوں نے جھڑا دیا ہے البتہ دونوں طرف سلطان جہاں اور کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بخط عربی صاف پڑھا جاتا ہے محراب کے دونوں طرف آدھی ادھر آدھی اُدھر پوری آیۃ الکرسی اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ سے تا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ تک منقوش ہے مگر وہ بھی جا بجا سے جھڑ گئی ہے۔ اِس کی بائیں جانب کمان کی دونوں طرف خط طغرٰی میں یہ لکھا ہوا ہے۔

یا صاحب کل غریب یا مونس کل وحید الکبیر

یا مونس فی وحدتی یا صاحبی فی غربتی یا ...

مسجد اختیار خان گجراتی یہ مسجد عادل شاہ کلان کے روضہ کے پاس ہے مگر کتبہ اِس کا عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ثواب کردن اختیار خاں گجراتی

چھوٹے آثار کی مسجد یہ مسجد دکھنی عیدگاہ کے مشرق میں کوئی ڈہائی سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے اس کی دیواریں دالان اور چھت سب پر نقش و نگار کا بے نظیر کام ہے۔ دوسری مسجدوں کی طرح

[1] یہ عبارت جھڑ گئی ہے۔

استر کاری میں اُبھرا ہوا کام نہیں ہے بلکہ نقش و نگار کھود دے گئے ہیں۔ اِس میں رنگ بھی کیا گیا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔

دکھنی عیدگاہ شہر پناہ کے اندر ایک بلند مقام پر ہے۔ یہ عمارت بالکل معمولی اور بھدّی پُرانے زمانہ کی بنی ہوئی ہے جس میں کوئی ندرت نہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بہت سیدھے سادے طرز پر بنائی گئی ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں بنی ہے صحیح نہیں باور کیا جا سکتا کیوں کہ اول تو اُس زمانے میں ایسی بھدی عمارت کا بنا قرینِ قیاس نہیں دوسرے یہ کہ جب چپہ چپہ زمین کا عمارات میں گھر گیا تھا تو اتنی بڑی جگہ عیدگاہ کے واسطے خالی کیسے رہ سکتی تھی لیکن کتبہ جو اس پر ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے ملک صندل نے بعہد ابراہیم عادل شاہ ثانی تعمیر کرائی ہے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کتبہ بعد میں لگا دیا ہوا ور عمارت پہلے کی ہو۔ کتبہ بوجہ مرورِ ایام شکستہ اور مندرس ہو گیا ہے بہ خط نسخ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہے نیچے ابراہیم عادل شاہ غازی خلد اللہ دولتہ۔ باقی پڑھا نہیں جاتا۔

مسجد و مقبرہ یاقوت کلکٹر صاحب کے بنگلہ سے جو سڑک نکل کر شارع عام پر ملتی ہے وہیں یہ مقبرہ اور مسجد قلعہ کے باہر شمال و مشرق میں واقع ہے۔ مسجد جس حالت پر اب کھڑی ہے وہ قدیم عمارت نہیں ہے بلکہ دیگر عمارات ملحقہ اطراف میں مستزاد کی گئی ہیں اور اس طرح مسجد اِن سب عمارات کے درمیان گھر گئی ہے۔ داہنی اور بائیں طرف دالان اور متعدد کمرے بنائے گئے ہیں جن میں دو منزلہ بھی ہیں۔ مسجد کے سامنے بھی تین محرابوں کا ایک دالان بعد میں بڑھایا گیا ہے جس میں چھوٹی چھوٹی محراب دار کھڑکیاں رکھی گئی ہیں۔ پرانی مسجد کے مقابلے میں مابعد کے مکانات زیادہ بہتر اور خوش نما بنائے گئے ہیں۔ اِس طرح مسجد کی قدیم دو مناروں کے علاوہ جدید منار اور برجیاں بھی بعد میں بڑھائی گئی ہیں۔ اصل مقبرہ ایک مربع عمارت ہے جس کے تین طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں اور دروازہ اِس کا جنوب رُخ ہے۔ جس کی دہلیز پر یہ کتبہ ہے۔

یک ذرہ عنایت الٰہی **ملک یاقوت جنتی** بہتر ز ہزار بادشاہی

یاقوت محل سڑک سے ہٹا ہوا قریب سو قدم کے فاصلے شمال و مغرب میں یاقوت محل ہے جس میں اب مسافر بنگلہ ہے اس میں اس قدر تغیر و تبدل و ترمیمات ہوئی ہیں کہ اصلی حالت کا اندازہ ناممکن ہے یہ محل ملک یاقوت کا بنایا ہوا ہے جس نے آثار محل کے قریب ایک مسجد بھی ۱۰۵۶ھ میں بنائی ہے۔

نواب مصطفیٰ خاں لاری کی سرائے ۱۰۵۰ھ

یاقوت محل سے امین درگاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں سڑک سے ملی ہوئی مصطفیٰ خاں کی سرائے ہے یہ سرائے نہایت وسیع اور بہت سے مسافروں کے اُترنے کے لیئے بڑے پیمانہ پر ۱۶۴۱ء میں بنائی گئی تھی۔ اب اس میں ضلع کا جیل ہے۔ اس سرائے کی دہلیز پر یہ کتبہ تھا جو اب درگاہ خواجہ امین میں رکھا ہوا ہے۔

بجہتہ رفاہ حال جمہور انام از خواص و عام این سرا کہ موسوم بسرائے محمد لسیت در زمان سعادت آوان پادشاہ دین پناہ ابوالظفر ابوالمنصور سلطان محمد عادل شاہ غازی العبد الباری محمد مصطفیٰ خاں لاری بنا نمود سنہ ۱۰۵۰ھ

وَكَانَ ذَالِكَ فِي سِنَةِ الْخَمْسِينَ بَعْدَ الْفِ مِنْ هِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ صہ

مقبرہ شاہ نواز خاں اور بارہ پاؤں کی مسجد

شاہ پور دروازے کے باہر جیل کی سڑک سے ملا ہوا شاہ نواز خاں وزیر کا نہایت عالی شان اور خوش نما گنبد ہے جس کے پاس ایک مسجد بھی ہے جو بارہ پاؤں کی مسجد اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ بارہ در ہیں۔ یہاں کوئی کتبہ نہیں۔

درگاہ حضرت خواجہ امین الدین علی شیر خدا قدس سرہ ۱۰۸۶ھ ۱۶۶۴ء

شاہ پور دروازے سے دو میل کے فاصلے پر ایک بلند ٹیکری پر یہ درگاہ مبارک ہے۔ اس کا سفید براق گنبد کوسوں دور سے چمکتا اور بہت بھلا معلوم دیتا ہے۔ درگاہ نہایت پر فضا مقام پر بنی ہوئی ہے۔ گنبد پر اور درگاہ کے دروازے پر بہت سی آیات کلام ربانی کندہ ہیں اور دیگر بزرگان کے مزارات بھی ہیں۔ حضرت کا وصال ۱۶۶۴ء میں ہوا اور ۱۶۷۵ء میں آپ کا گنبد مبارک افضل خاں وزیر نے بنوایا تھا۔ آپ اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ برہان الدین جانم قدس سرہ العزیز کی وفات کے بعد پیدا ہوئے آپ اولیائے کامل اور مجذوب واصل سے تھے اور اپنے چچا حضرت خواجہ عطاء اللہ قدس سرہٗ سے ارشاد و بیعت حاصل کر کے رات دن محویت و شہود و استغراق میں رہتے تھے۔ باوجود کمال
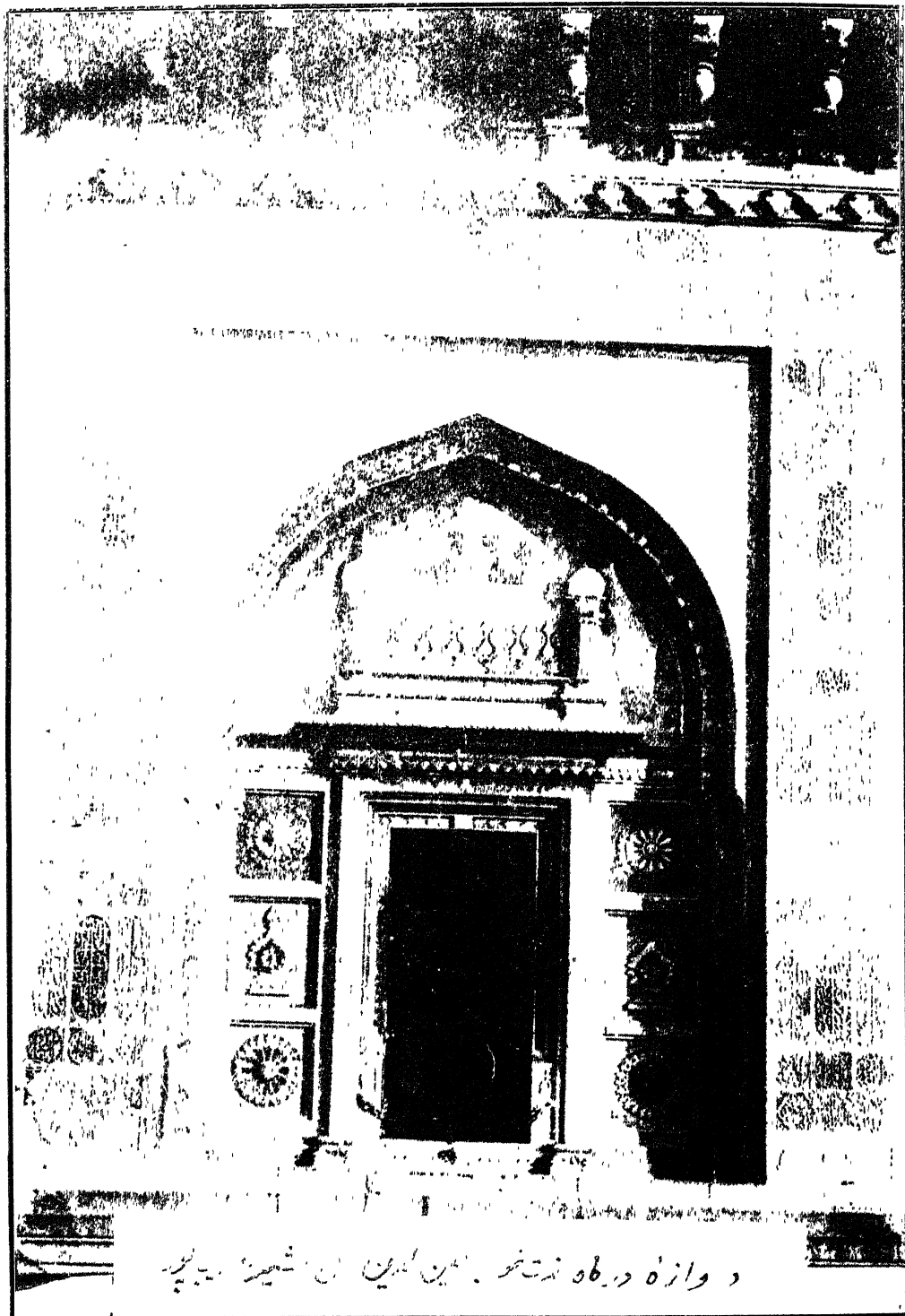
جذب کے آپ سے ارشاد تلقین نکات و معارف اسرار جاری تھے عروس عرفان میں لکھا ہے
کہ حضرت خواجہ امین الدین نے ابتداء میں اپنے والد بزرگوار کے گنبد میں ملازم رہ کر سلوک و
عرفان اور معرفت و وجدان حاصل کیا۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت گنبد کے اندر سے باہر تشریف لائے
اور خلیفہ اور مریدوں سے جو حاضر تھے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے عزیز و حق تعالیٰ کا وصل بغیر
بے خودی کے ممکن نہیں سبھوں نے جبین نیاز زمین پر رکھ کر عرض کی کہ حضرت بجا ارشاد فرماتے ہیں پھر
آپ اندر تشریف لے گئے ایک نیا مرید تھا اس ارشاد کے رموز و غوامض کو نہیں سمجھا ایک خلیفہ سے
جو اس کے مربی تھے پوچھا کہ جب خودی اُٹھ گئی تو وصال ہی کیا رہا اُنھوں نے فرمایا کہ یہ خودی مرنے
یا زہر کھانے سے نہیں جاتی بلکہ بعد مرنے کے بھی رہتی ہے یعنی جب علم و شعور اُٹھ گیا تو خودی جاتی رہی
نقل ہے کہ ایک روز کسی مرید نے آپ کی غیاب میں خطرات نفسانی کی شکایت کی اور عرض کیا کہ یہ
دل کے تصفیہ اور نفس کے تزکیہ اور یاد الٰہی میں خلل انداز ہوتے ہیں اور جمعیت خاطر کو توڑ دیتے ہیں
آپ توجہ فرمائیں تا کہ جمعیت خاطر نصیب ہو اور ان وساوس سے نجات پاؤں۔ حضرت نے فرمایا
کہ اچھا تیرے خطروں سے پوچھ کر جواب دوں گا بعد میں ارشاد ہوا کہ ہم نے تیری خطرات سے پوچھا وہ
کہتے ہیں کہ ہماری کیا تقصیر ہے ہم بن بلائے کسی کے پاس نہیں جاتے اور نہ کسی کے مخل اوقات ہوتے
ہیں وہ خود ہم کو کھینچ بلاتا ہے جیسا کہ کوئی ایک محبوب ظاہری کے ساتھ دل لگاتا ہے اور اُس کا طالب و
عاشق کہتا ہے تو ہم کو اس میدان میں دوڑاتا ہے کہ معشوق کے لیئے پھول چاہئیں اور کپڑے بھی ضرور
ہیں اور اچھی نفیس خوشبو اور میوہ جات بھی درکار ہیں پس اسی طرح شغل کے وقت خواہ نخواہ ہم کو خود حرکت
دیتے ہیں نقل ہے کہ آپ نے حالت جذب و بے خودی کے غلبہ کے باعث ارکان شرعی ادا نہیں فرماتے
تھے اور ترک وجود و دوام آگاہی و شہود کے سبب سے نماز چھوڑ دی تھی۔ سید السادات حضرت سید محمدؒ
بخاری قدس سرہ صاحب علی باغ نے (جو اُس وقت کے اکابرین میں سے تھے اور صاحب کشف و
عرفان اور جامع شریعت و طریقت تھے اور بادشاہ وقت و امراء کے نزدیک نہایت عزت و احترام
سے دیکھے جاتے تھے) جب یہ خبر سنی تو بہ باعث شرع و حمیت امر معروف آپ کے دامن گیر ہوئے پس چند
دوسرے بزرگوں اور مقتداؤں کے ساتھ حضرت کے پاس گئے اور فرمایا کہ بزرگان دین اور ائمہ طاہرین
باوجود اس قدر شہود و استغراق و محویت ایک لمحہ بھی اُن سے سنت تک نہ چھوٹتی تھی تمہارا نماز ترک کرنا

اہل طریقت کے حال کے نامناسب اور آداب شریعت کے شایاں نہیں چاہئے کہ پہلے ارکان واحکام شرع ادا کر کے سلوک و طریقت کے راستے پر مضبوطی سے قدم رکھو۔ حضرت نے اُسی وقت اپنے ایک خلیفہ کو حکم دیا کہ اچھا تالاب کے بیچ میں مصلّیٰ بچھاؤ چنانچہ شاہپور کے تالاب کے بیچوں بیچ مصلیٰ بچھایا گیا جو اُس وقت پانی سے لبریز تھا حضرت نے ویسے ہی دوگانہ نماز کا ادا فرمایا۔ آپ کی رحلت ۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۰۸۶ھ میں ہوئی تاریخ وصال "ختم ولی" ہے ۱۰۸۶ھ۔ آپ کی اولاد سے سید بادشاہ حسینی ابن سید اسداللہ حسینی سجادہ نشین ہیں اور دس ہزار روپیہ سالانہ کی معاش جاری ہے۔

قولنامہ سنہ ۱۰۶۷ھ ایں قولنامہ روبرو صدر دروازۂ درگاہ حضرت خواجہ امین الدین اعلیٰ شیر خدا قدس سرہ العزیز بر سنگے کندہ ایستادہ است۔

سلطان محمد بادشاہ غازی

در عہد سلطنت صاحبقران ثانی

تحریر فتہ

دُر عہد نصفت و معدلت نواب ہمایوں بنا بر التماس خان اقبال توامان سپہ سالار دوران سرآمد نوئیان ملک دکھن دین دار کفر شکن مہبط انوار الطاف الٰہی افضل خان محمد شاہی۔ گرعرض کند سپہر اعلیٰ فضل فضلا وفضل افضل۔ از ہر ملکے بجائے تسبیح آواز برآید افضل افضل۔ حکم فرمود کہ بعلت لاولدی اموال وامتعۂ جوہریان و جمیع اقوام ہنودان سکنۂ پیٹ شاہپور آئندہ مطابق سابق جمع خزانۂ عامرہ نہ نمودہ بروارث داران میت بدہند اگر وارث باشد جمیع جوہریان وغیرہ امروے تصدیق نمایند یادگار بر صفحۂ روزگار ثبت باشد ایں قولنامہ صحیح است بحکم فرمان عالم پناہ خان معز الیہ واموال قید معاف کردہ بتاریخ غرۂ محرم سنہ ۱۰۶۷ھ"

اس کے نیچے پندرہ سطریں خط بالبودھ میں منقوش ہیں جو غالباً اس قولنامہ کا ترجمہ ہے۔

روضۂ مولانا گنج العلم فتح دروازہ سنہ ۷۹۵ھ حضرت شیخ الشیوخ ابوالعون عین الدین گنج العلم جنیدی قدس سرہ العزیز بھی قدیم بزرگ اور جلیل القدر ولی اور علوم ظاہری و باطنی کے جامع الصفات شریعت کے سیدھے راستے اور مشایخین کے طریق پر قدم راسخ اور ہمت استوار رکھتے تھے۔ آپ پیشوا اور قطب

تھے۔ صاحب کرامت تھے۔ سلطان علاء الدین حسن گانگوی سلاطین بہمنیہ کا پہلا بادشاہ آپ کے زمانے میں تخت نشین ہوا اور پانچ بادشاہ آپ کے سامنے گزرے آپ بہت بڑے مصنف ہیں کہا جاتا ہے کہ ایک سو تیئیس ۱۲۳ کتابیں آپ کی تصنیف سے ہیں آپ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے استاد ہونے کی متواتر روایت ہے۔ قطب الشیوخ حضرت شاہ زین الحق دولت آبادی کے والد بزرگوار حضرت شیخ حسین قدس سرہ آپ کے شاگردوں سے ہیں آپ کے مرشد کامل میر علاء الدین حسینی جیوری ہیں جو دہلی کے اکابر اور قطب زمان تھے۔ آپ نے اپنی صغر سنی میں حضرت شیخ شمس الدین محمد لامعانی جو اپنے زمانے کے پیشوا و بزرگ کامل تھے اور قطب اولیاء غوث العرفا شیخ بہاء الدین ذکریا کو دیکھا اور فیض صحبت حاصل کیا ہے۔ اسد الاولیاء سید العارفین شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری احسن آبادی بھی حضرت کے ساتھ توجہ مربیانہ رکھتے تھے۔

آپ کا تولد شہر دہلی میں ۷۰۶ھ میں ہوا آپ گجرات وغیرہ طے کرتے اور علمی فوائد حاصل کرتے ہوئے دولت آباد پونچے یہ شہر اُس وقت سلطان محمد تغلق کا دار الخلافت تھا سلطان مذکور دہلی کو خالی کر کے تمام اکابر و شیوخ کو دولت آباد لایا تھا۔ غرض آپ نے بھی حضرت سید خوند میر علاء الدین حسینی جیوری سے بیعت و خلافت حاصل کی اور ۷۳۰ھ میں عین آباد دسگر تشریف لائے اور بعد ایک زمانۂ دراز کے یعنی ۷۶۰ھ میں بیجاپور تشریف لاکر مشغول فیض رسانی ہوئے۔ حضرت مولنا صبغۃ اللہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ آپ حضرت شیخ عین الدین کے حالات و کرامات اس طرح بیان فرماتے تھے کہ گمان ہوتا تھا کہ شاید آپ ساتھ رہے ہیں حالانکہ اُنھوں نے کبھی حضرت عین الدین کو دیکھا بھی نہ تھا۔ نقل ہے کہ ایک روز مولنا حبیب اللہ صبغۃ الٰہی حضرت کی زیارت اور آپ کے سجادے شیخ مصطفی کی ملاقات کے قصد سے تشریف لے گئے اول اُس مسجد میں گئے جہاں کہ حضرت اپنے حیات میں اکثر اوقات نماز تہجد پڑھا کرتے تھے دوگانہ تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد روضۂ مبارک میں جاکر فاتحہ پڑھ کر بہت دیر تک بیٹھے رہے اُس وقت آپ کے ہاتھ میں کتاب خاتمہ تھی کہا کہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ اپنے پیر و مرشد اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اور اللہ تعالی کے درمیان میں کچھ بھی فرق نہ کرے اور ایک جانئے اور چاہا کہ وہ مقام نکالیں پھر فرمایا کہ اِس وقت کہاں ملے گا حضرت شیخ عبد الفتاح حبیب الٰہی کے ہاتھ میں حضرت شیخ العالم قدس سرہٗ کی تصنیف سے ایک کتاب تھی جس کو اُنھوں نے کھولا تو یہ بیت نکلی ؎

تا تو نرسی بشیخ با حق نرسی زیرا کہ میانِ حق و شیخ نیست دوئی

مولنا حبیب اللہ اس شعر کو سنتے ہی وجد فرمانے لگے اور خوش وقت ہوکر ارشاد کیا کہ آج شیخ عین الدین کے باطن سے ہم کو یہہ فیض ہوا نقل ہے کہ شیخ مصطفی سجادۂ شیخ العالم حضرت شاہ صبغۃ اللہ کے جناب میں نہایت رسوخ اور اعتقاد رکھتے تھے ایک شب بارادت بیعت شاہ صاحب کے خدمت میں حاضر ہوے مگر فرط رعب سے اظہار مدعا نہ کرسکے اور زبان بند ہوگئی اُس وقت شاہ صاحب کے دست مبارک کے پشت پر ایک ستارا چمک رہا تھا اُنھوں نے پوچھا کہ یہہ کیا شے ہے شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم دیکھ لو اور پھر کچھ نہ کہا اُسی شب شیخ مصطفے نے حضرت شیخ العالم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر تو جا ہے تو ہمارا خرقہ اُتار دے پس شیخ مصطفی خائف ہوے اور اپنے اس ارادہ سے باز رہے اور کہتے تھے کہ اگرچہ میں شاہ صبغۃ اللہ صاحب کے طالبوں میں سے ہوں مگر درحقیقت حضرت شیخ العالم کا دست گرفتہ ہوں۔ نقل ہے کہ شیخ مصطفیٰ ایام صغر سنی میں قاضی عبد اللطیف سے جو عالم اور متقی تھے درس لیتے تھے ایک روز جانے میں دیر ہوئی تو قاضی صاحب نے بے پروائی کی اور سبق نہ پڑھایا شیخ مصطفیٰ آزردہ خاطر ہوکر واپس آگئے اُسی شب عبد اللطیف صاحب کے خواب میں حضرت شیخ العالم تشریف لاے اور ارشاد فرمایا کہ اے قاضی ہمارا فرزند تیرے پاس طلب علم کے لیئے آتا ہے اور تعجب ہے کہ تو بے پروائی کرتا ہے اور ہماری تعظیم و تکریم نہیں کرتا اور اسی طرح بار بار زجر کے ساتھ فرماتے رہے اُس روز سے قاضی صاحب کو آپ کے نسب کا حال معلوم ہوا اور پاس خاطر سے پیش آنے لگے۔ حضرت شیخ گنج العلم کا وصال ۲۷ جمادی الاخری ۹۵۰ھ میں ہوا۔ آپ کا مرقد پہلے آپ کے دختر نیک اختر مسماۃ خاتون عرف حضرت بی بی خوندما حافظہ کے روضہ میں تھا جو ولیہ کاملہ اور حافظہ قرآن شریف اور اپنے وقت کے رابعہ تھیں اور آپ بڑی صاحب کرامات تھیں لیکن بعد چند سال گزرنے کے حضرت گنج العلم کے حکم پر گنبد و مزار شریف قریب فتح دروازے کے بنایا گیا۔ اس کی وجہ یہہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت کی زیارت کے لیئے آیا اور آپ کے بازو میں حضرت بی بی خوندما کا مزار شریف دیکھ کر خیال کیا کہ شاید یہہ حضرت کی زوجۂ محترمہ کا مزار ہو لیس یہہ بات حضرت کو ناگوار ہوئی اُسی شب ایک خادم کے خواب میں تشریف فرما ہوکر ارشاد فرمایا کہ اب ہم یہاں سے نقل مقام کرتے ہیں اور وہ جگہ بتلائی جہاں اب مقبرہ ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ ہم کس طرح پہچانیں اور ہم کو کیوں کر یقین ہو کہ آپ یہاں سے نقل فرما کر اُس جگہ خوابگہ مقرر فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ فلاں شب اُس مقام پر پانچ گھڑے پانی کے بھروا کر چاروں کونوں پر چار او بیچ

ہیں ایک رکھ دو اور صبح کو دیکھو اگر وہ گھڑے پھولوں سے بھرے ہوئے ہوں تو جانو کہ ہم نے وہاں نقل مکان کیا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُسی مقام پر مرقد شریف طیار کیا گیا۔ پھر ایک زمانہ دراز کے بعد خواجہ جہاں محمود گاواں گیلانی جو وزیر شاہان بیدر تھا اور نہایت فضائل نیک رکھتا تھا اُس نے آپکا گنبد بنوادیا جہاں زائرین آتے ہیں اور برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ آستانہ والا کا فیض اب تک بھی جاری کہ جو لڑکا کند ذہن کم فہم اور کم حافظہ ہو اگر وہ چند دن آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ذکی اور ذہین ہو جاتا ہے اور حصول علم میں کامیاب ہوتا ہے۔ نقل ہے کہ اورنگزیب کے ہمراہیوں میں سے ایک ذی علم شخص سوار ہو کر کہیں جارہے تھے اتفاقاً حضرت کی درگاہ پر سے گزر ہوا پوچھا کہ یہ کس کی درگاہ ہے لوگوں نے کہا کہ حضرت مخدوم گنج العلم کی درگاہ معلّٰی ہے اُس نے ساتھ ہی اپنے شجرۂ علمی پر غرّہ کر کے طنزاً کہا کہ ہاں میزان اور اوزان پڑھ کر گنج العلم کہلانا سہل ہے یہ فقرہ اُس کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ اُس کا سینۂ گنجینۂ علم سے معرا ہو گیا تھوڑی دور جا کر احتساب نفس کیا تو اپنے آپ کو بالکل کورا پایا ویسے ہی دیوانہ وار واپس ہو کر حضرت کے مزار شریف کے سامنے اکر پڑ گیا اور نالہ و زاری کرنے لگا اور خواہان عفو تقصیر ہوا۔ یا گنج العلم یا گنج العلم پکارنے لگا تھوڑی دیر میں خطا معاف فرمائی اور پھر اپنی معرفت کے آثار پائے حضرت کثیر الاولاد تھے اور آپ کی اولاد میں بہت سے اولیاء و اتقیاء ہوئے چنانچہ آپ کی دختر فیض مظہر حضرت بی بی خوند ماں حافظہ رحمۃ اللہ علیہا جن کی کرامات مشہور ہیں اسی بلدہ میں حضرت کے روضہ کی مشرقی جانب دو تیر کے فاصلہ پر آسودہ ہیں۔ زمان سلاطین عادل شاہیہ میں درگاہ شریف کے لیئے بہت کچھ معاش تھی مگر اب کچھ بھی نہیں رہی حضرت شیخ مصطفیٰ جنیدی حبیب اللّٰہی بھی آپ کے پائین مبارک میں صف آخر دروازہ کے قریب مدفون ہیں آپ حضرت مخدوم کی اولاد میں سے ہیں اور آپ کے سجادہ تھے اور بڑے صاحب ورع و تقویٰ و صاحب کمال تھے آپ کو مولنا حبیب اللہ صبغۃ اللّٰہی سے فیض باطنی حاصل تھا۔ حضرت کو اسوۃ الکاملین قطب العارفین شاہ مرتضیٰ قادری سے سلسلۂ عمدیہ قادریہ کی خلافت بھی تھی۔ آپ کا وصال ۱۰۶۸ھ میں ہوا حضرت گنج العلم کی اب کوئی اولاد باقی نہیں ہے آپ کا سالانہ عرس سید رکن الدین عرف بیتھم میاں ساکن حیدر آباد اور اُن کے بھائی سید شمس الدین خطیب عیدگاہ بیجاپور کیا کرتے ہیں۔ آپ کے گنبد میں حسب ذیل کتبے ہیں۔

اندرون محراب غربی ( )

بالائے محراب غربی۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿الله﴾

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿علی﴾

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿محمد﴾

بر دروازۂ شمالی۔ تجلی جہاں دادہ پیرایہ است ﴿علی﴾ کہ روشن شود سایہ در سایہ است

بود چار دیوارت از چار سو ﴿الله﴾ ستادہ چہار آئینہ روبرو

بر محراب شرقی وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ۔

﴿الله﴾

بر محراب جنوبی رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿محمد﴾

گنبد حضرت مولٰنا حبیب اللہ صبغۃ اللّٰہی در زہرا پور ۱۰۴۱ھ

آپ علامۂ متبحر اور ولی مشتہر تھے۔ نہایت درجہ پابند شریعت تھے آپ نے جناب سرور عالم کو عالم خواب و یقظہ میں دیکھ کر بے حساب فیض حاصل کیا۔ آپ حضرت مرشد العرفا شاہ صبغۃ اللہ حسینی بھروچی مدنی قدس سرہ کے خلیفہ تھے نقل ہے کہ پانچ سال کی عمر میں آپ قرآن شریف پڑھتے تھے مگر یاد نہ ہونے سے آپ رونے لگتے تھے آپ کے والد ماجد ملا احمد بن خلیل اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب قرآن پڑھنے میں تھوڑی دقت ضرور ہے مگر بعد اس کے تمام علوم بہ آسانی آجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نقل ہے کہ مولٰنا نے ابتدائً ملا حسن نجفی سے جو مذہب امامیہ رکھتے تھے اور بڑے متقی اور مجتہد العصر تھے اور علم حکمت میں اپنے وقت کے بوعلی سینا تھے شرح ہدایہ پڑھنے کا قصد کیا ملا صاحب نے ان کی تیزی فہم اور ذہن کی رسائی اور طبع کی جولانی دیکھ کر کہا کہ شرح حکمۃ العین پڑھو اور شرح ہدایہ پر حاشیہ چڑھاؤ۔ چنانچہ شرح حکمۃ العین پڑھتے تھے اور ہدایہ پر حواشی لکھا کرتے تھے اور ملا صاحب آپ کے حاشیہ کو مسلم رکھتے تھے اور کسی مقام پر رد و انکار نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد علامۂ عصر ملا حبیب اللہ شہر اوستاد سے تلمذ کیا اور بعد حصول علم کے لئے ترک وطن کیا اور میاں قاضی محمد کلیانی جو بڑے صاحب کشف و کرامات سے جب کہ آپ کا سن شریف سترہ سال کا تھا اکتساب علم کیا اور بعد تکمیل علوم وطن مالوف بیجاپور کو تشریف لائے اور کچھ دنوں حضرت شاہ محمد مرزا عرف میراں صاحب بابا نگر سے جو بڑے بزرگ اور پرہیزگار تھے صحبت

رہی اُس وقت سے آپ کے دل میں شوق تھا کہ کسی ایسے شخص سے بیعت کرنی چاہئیے کہ ظاہر و باطن میں اُس سے بہتر کوئی شخص نہ ہو حصول مدعا کے لیئے آپ نے بلاد روم و شام و ملک عرب کے سفر کا عزم کیا اور مشورہ کے لیئے قصبۂ بابانگر میں میراں صاحب کے پاس گئے آپ نے فرمایا کہ جیسے شخص کی تلاش میں تم ہو ویسے کو اللہ تعالی قریب میں یہیں لاتا ہے بس اُن بزرگ کے ارشاد کے موافق دوسرے سال ۱۰۰۰ھ میں حضرت شاہ صبغۃ اللہ صاحب مدینۂ منورہ سے بیجاپور تشریف لائے اور علماء و مشائخین و عمائدین شہر سے آپ نے ملاقات فرمائی اور نوادرات شہر دریافت کیئے تو حاضرین مجلس میں سے بعضوں نے عرض کی اس شہر میں ملا حبیب اللہ ایک عجیب شخص ہے اُن کی فہم کی تیزی اور طبیعت کی رسائی مشہور خاص و عام ہے یہاں کے علماء کھتے ہیں کہ ہمارے امتحان کے لیئے ہمارے پاس پڑھنے آتے ہیں۔ اسی سبب سے اُنھوں نے ترک تحصیل علم کر دیا آپ نے فرمایا کہ اُن کو ہماری طرف سے سلام پونچا کے کہنا کہ یہاں آ کر ملاقات کر کے دیکھو اگر دل ٹھکے پڑھو ورنہ نہیں چنانچہ دوسرے دن مولنا حاضر ہوے۔ حضرت صبغۃ اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اُن کی تحقیق و تدقیق دیکھ کر حیران رہ گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ کے روبرو میرا علم کچھ چیز نہیں ہے غرض حضرت سے درس شروع کیا اور مدرسۂ شریفیہ میں جو پندرہ کتابوں کا سبق ہوتا تھا وہ بھی سماعت فرماتے تھے اور اُس کے بعد تمام شاگردوں سے بحث مباحثہ کرتے تھے۔ حضرت اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ جو شخص ان سے بحث میں پورا اُترے جانو کہ اُس نے سوچ سمجھ کر پڑھا اور جو ان سے مباحثہ کرنے میں ہچکچاتا ہے بس اُس کا پڑھنا طوطے کی طرح کا رٹنا ہے۔ مولنا شاہ حبیب اللہ صاحب نے متعدد کتب پر حواشی تحریر فرمائے ہیں آپ منبع علوم مختلفہ تھے اُس زمانے میں ایسا جامع الکمال کوئی شخص نہ تھا۔

نقل ہے کہ جب آپ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے تو آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

صبغۃ اللّٰھی شوار خواہی مراد		کو مصاحب را صحابی می کند

کرد خواھد کرد و کرد		جلوۂ حق بے حجابی می کند

نقل ہے کہ آپ کے مرید کرنے کے چند روز کے بعد حضرت نے مدینۂ منورہ کا قصد فرمایا اور آثار شریف کی زیارت کر کے پہلی منزل حوض شاہ پور کی حویلی میں کی دوسری منزل موضع تکوٹہ میں کی جو بیجاپور سے پانچ کوس ہے اِس مقام پر مولنا کو اذکار و اشغال وغیرہ کی تلقین فرمائی چنانچہ مولنا نے تاریخ تلقین میں

پھر بیت فرمائی ؎

تلقین شاہ چوں شدہ انجام دستگیر تاریخ ایں خوش است کہ تلقین گہ فقیر

ہر چند مولٰنا نے حضرت کی ہمراہی کا قصد کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ تم اسی شہر میں رہو تم سے کام ہے جس وقت میں بلاؤں فوراً مدینۂ منورہ چلے آنا نقل ہے کہ آپ کا سن شریف ترسٹھ سال کی قریب تھا تو اُس وقت مدینہ منورہ سے شاہ صبغۃ اللہ صاحب کے خلیفہ سید السعد بلخی کا خط یکم ذیقعدہ ۱۰۴۰ھ کو پونہچا کہ حضرت کا اشارا آپ کی طلبی کے بارے میں ہے کسی قسم کا عذر نہ کریں۔ ع

از دوست یک اشارہ وز ما بسر دویدن ؛ مولٰنا نے اپنے طلب کی بشارت پونہچتے ہی خوش ہو کر کتاب نفحات الانس میں فال دیکھی فال یہ نکلی ؎

ازیں زمانہ منم قاید صراط اللہ زحد خاور وتا آستانۂ اقصیٰ ؛

روندگان معارف مرا کجا ہستند کہ ہست منزل جانم بما وراء وری

اس فال سے مولٰنا خوش ہو کر خرچ راہ اور سامان سفر مبارک مدینۂ منورہ کا فراہم کرنے لگے کہ اس اثناء میں نواب آصف خان رکن سلطنت شاہ جہان بادشاہ دہلی ذایک بہت بڑا لشکر لاکر شہر بیجاپور کا محاصرہ کرلیا کہ تمام ادنیٰ سے اعلیٰ تک مغلوں کی قید و بند اور لوٹ کھسوٹ سے ترسان و لرزاں تھی اُسی زمانہ میں آپ کو تپ آنے لگی اور روز بروز بیماری کی زیادتی ہونے لگی اور آپ ایک مہینے کی قریب علیل رہے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ اور شاہ صاحب خلف رشید مغلوں کے لشکر کے آنے اور آپ کی علالت سے سخت متردد و متفکر تھے عرض کی کہ کیا کرنا چاہیئے آپ نے تشفی اور تسکین دی اور فرمایا کہ خاطر جمع رکھو سب خیر ہے مغلوں کے لشکر سے کچھ نقصان نہ پونہچے گا اور یہی بات بار بار فرماتے تھے مولف ملفوظات مولٰنا شیخ ابو الفتاح حبیب اللٰہی لکھتے ہیں کہ ان کلمات کے ادا کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت نے اس بلا کے دفع ہونے کے لیئے خود اس جہان سے سفر آخرت ہے اختیار کیا چنانچہ آپ شب دوشنبہ اول وقت مغرب ۹ رشعبان ۱۰۴۱ھ کو جوار رحمت حق میں پونہچے آپ کی وصیت کے موافق آپ کی والدہ ماجدہ و مریدہ بی بی نعیمہ کے مزار کے پاس زہرا پور میں مدفون ہوے اور اسی مہینے کی بارہویں تاریخ آصف خان اپنے آپ سے محاصرہ اُٹھا کر مایوسی اور نقصان کے ساتھ چلا گیا حضرت مولٰنا کے سبب سے اس بلا کا دفع ہونا بعض اہل کشف و باطن پر ظاہر ہوا اور

حضرت صبغۃ اللہ صاحب نے بھی جب آپ نے مدینۂ منورہ جانے کا قصد کیا تو ارشاد فرمایا تھا کہ تم یہیں رہو تم سے کچھ کام ہے اب معلوم ہوا کہ اُس میں یہی بھید تھا نقل ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے فرزند حضرت محمد صبغۃ اللہ عرف شاہ صاحب نے آپ کی نعش مدینۂ منورہ پونہچانے کا ارادہ کیا تو آپ نے خواب میں آکر فرمایا کہ مجھے یہاں سے لے جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے سفر حجاز کا جو خرچ تھا وہ تعمیر گنبد میں خرچ کیا گیا یہ گنبد بوجہ اپنی خوب صورتی کے موتی گنبد کے نام سے مشہور ہے اور اپنی قبر بھی آپ نے والد کے پاس بنوالی تھی آپ کی تاریخ رحلت قطب آخر الزمان ہے (۱۰۸۱ھ) آپ کا روضہ مشہور زیارت گاہ خلایق ہے اور آپ کا گنبد مبارک نہایت خوش نما اور دلکش ہے جسے دیکھ کر زائرین کے دل میں کشش پیدا ہوتی ہے نظیر علی خاں صوبہ دار جو نہایت نیک کردار اور منصف حاکم عہد عالمگیر کا تھا جس کے انصاف کی یاد اب تک لوگوں کے دلوں میں ہے وہ بھی اس روضہ کے احاطہ کی دیوار کے قریب اگنی کے کونے میں مدفون ہے آپ کے مقبرہ پر صرف یہ کتبہ ہے۔

حضرت جنگی شاہ کی چوکھنڈی اور مسجد سنہ ۱۱۳۲ھ

شاہ پور دروازے اور امین درگاہ سے ایک میل جنوب مغرب کی جانب واقع ہے افضل پور عرف ٹکی سب سے بلند ترین مقام پر پیٹ میں جنگی شاہ کا مقبرہ اور مسجد واقع ہے۔ آپ اہل کمال بزرگوں کے زمرہ میں سے تھے جادۂ مشیخت پر متمکن تھے خانوادہ طبقات کی خلافت اور اجازت رکھتے تھے آپ کا مادہ وصال یہ ہے

جست آدم سال مرشد ندا　　　　شاہ جنگی واصل مست خدا
سنہ ۱۱۳۲ھ

اور اس تکیہ کی ملحقہ مسجد پر یہ کتبہ ہے۔

یا اللہ

[illegible]	اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا سنہ ۱۰۸۳ھ	[illegible]

قولنامہ ۱۰۶۶ھ کتبہ ایں قولنامہ در افضل پور پایئں قبر چو کھنڈی چنگی شاہ موجود است۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَقَّ حَمْدِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْوَاحِدِ الصَّمَدِ الْمَعْبُوْدِ الْمَلِكِ الْمُهَیْمِنِ الْوُجُوْدِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا سُبْحَانَ اللّٰهِ بُکْرَةً وَّ اَصِیْلًا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یَا کَبِیْرُ اَنْتَ الَّذِیْ لَا تَهْتَدِی الْقَوْلُ لِوَصْفِ عَظْمَتِهٖ وَمِنْ بَعْدِهٖ نَعْتُ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَشَفِیْعُ یَوْمِ الدِّیْنِ اِمَامٌ هَاشِمِیٌّ وَرَسُوْلٌ قُرَیْشِیٌّ نَبِیٌّ حَرَمِیٌّ وَمَکِّیٌّ مَدَنِیٌّ وَاَبْطَحِیٌّ تِهَامِیٌّ اصله رُوْمِیٌّ وَفَرْعُهٗ رَازِیٌّ وَحَسَبُهٗ اِبْرَاهِیْمِیٌّ وَنَسَبُهٗ اِسْمَاعِیْلِیٌّ وَلِسَانُهٗ عَرَبِیٌّ وَشَخْصُهٗ عَلَوِیٌّ وَبُقْعَتُهٗ حِجَازِیٌّ وَنُوْرُهٗ قَمَرِیٌّ وَقَلْبُهٗ نُوْرًا فِیْ دَرِ نُطْقُهٗ مَرْضِیٌّ رَسُوْلُ الثَّقَلَیْنِ مُحَمَّدٌ مُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

معروض بر ضمائر انوار انبیا اقبال ارباب افضال و اکمال و اجلال واضع نمودہ کہ در زمان شاہنشاہ سلیمان جاہ سکندر سپاہ غضنفر جنگگاہ شیر و شرزہ بندہ ایں درگاہ عالم پناہ مظہر لطف اللہ ظل اللہ ابوالمظفر سلطان محمد عادلشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و سلطانتہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ۔ از کرم نیک نظر الٰہی محمد بندہ محمد شاہی پیٹ بنا کردہ عزت شجاعت دستگاہ مزاجدان کار آگاہ عمدۂ وزرائے عظام زبدۂ امرائے کرام نہنگ دریائے مردمی و مردانگی و گوہر کان فیروز مندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت و مبارز میدان شہامت شائستہ فراوان عاطفت و تحسین سزاوار ہزاران مرحمت و آفرین خان عالیشان اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار دوران گرعرض کند سپہر اعلیٰ افضل فضلا و فضل افضل۔ از ہر ملکے بجائے تسبیح آواز برآید افضل افضل۔ خلاصۂ نیک خواہاں ملک گیر کشورستان قاتل متمردان و کافران شکنندہ بتان او کشانیدہ ملیناروکرناٹکیان مدبر رامی کنندہ شدلیس گیرندہ قلعہ و حصاران فاضل افضل زمان فضیلت و شجاعت دستگاہی و افضل خان محمد شاہی در حفظ الٰہی بعد خدا

ہر آنکس کہ افضل شد اندر ازل شود افضل عصر در ہر عمل
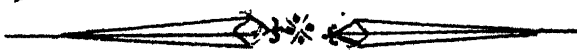
بر حکم فرمان عالم پناہ خان معزالیہ بر التماس رسید عنایت کرد قولنامہ سعادت نشانہ عنبریں شمامۂ عہد جاوداں نمود و قول و قرارے محکم فرمود کہ در پیٹ مذکور ساکن شود زرگران و کلروان و جوہریان و گوہران و فراوان

وجاٹیاں ولقالاں وکوٹیاں و بعضے اقوام خواص وعوام ومقیم ومسافر ومفلس وتجار اگر دریں جا کسے را
کہ لاولد میت شود خانہ واسباب ویاقوت والماس واملاک واقبال وشتران جمال ودواب وانبار واشجار و
اثمار داوند اجناس واغنام ودوام وغلام وکنیزک ایشان را معاف کردہ مرفوع القلم راندہ باید کہ غلامان دیوان باتفاق
قاضی ولبس سیستان وسلیستان وبحضور سائر اکابران واند ایشان مقسوم کردہ وماد روپدر وبرادر وخواہر وزوجان
بنات وعمات وخالات وباولاد واحفاد بیرزالے باوتعاقبہ بدہند کسے کہ دریں حرکت کند ورابرکت نہ شود اگر کسی
وارث نہ باشد لفقراں درماندگاں خیرات کنند ایں تولنامہ صحیح است بتاریخ اول ذیحجہ سنہ ۱۰۶۶ھ

اَللّٰهُمَّ احْفَظْ لِنَاظِرِهَا وَسَامِعِهَا مِنْ بَلِيَّاتِكَ بِفَضْلِكَ وَكَرَمِكَ ـ آمِین ـ

کاتب افضل خان حاجی سید اسحاق حقانی ابن علی الحسینی القادری پیر کل غفر اللّٰہ ذُنُوبَهٗ وَسَتَرَ اللّٰهُ
عُيُوبَهٗ مال لاولد وصد عالم پناہ کند افضل خان کاربنیاد محمد بدروگی گونڈا رافرمود میراث مقدم ودیکست
باولاد احفاد ذاتی شاے داد وحسن طور رسو بھوجل باورامیراث کلکرنی داد بیشتر کسے تغیر کند اور العنت شود

مسجد افضل خان سنہ ۱۰۶۴ھ جنگی شاہ کے تکیہ کے قریب بہ جانب مغرب افضل خان کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے جس پر یہ کتبے ہیں۔

اللہ محمد — اللہ — اللہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

افضل الذکر سنہ ۱۰۶۴ھ

محمد — محمد

اللہ شافی — قل ہو اللہ احد ... اللہ باقی — اللہ کافی

محمد نبی — محمد عربی

محل و مسجد و مقبرہ افضل خاں چنگی شاہ کے تکیہ سے نصف میل آگے بڑھ کر افضل خاں کا مقبرہ ہے۔ محل افضل کے حالات تاریخی حصے میں بوضاحت بیان کئے گئے ہیں۔ افضل خاں نے اپنے زمان حیات میں ہی مقبرہ اور مسجد بنوائی تھی۔ مسجد کی تعمیر ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۳ء میں ختم ہوئی جیسا محراب کے کتبہ سے ظاہر ہے اُردو کی تاریخوں میں مسجد کی تعمیر کی تاریخ ماہ ربیع الثانی ۱۰۸۳ھ درج ہے اور اسی کے پاس ایک دوسری مسجد بھی ہے جو محمد مسجد کے نام سے موسوم ہے جو ۱۰۶۴ھ میں تعمیر ہوئی مقبرہ کی تعمیر ہو ہی رہی تھی اور مکمل نہ ہوئے پائی تھی کہ افضل خان کو سیواجی کے مقابلے میں جانے کا حکم قضا شیم ہونچا منجموں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ مہم سازگار نہیں اس میں جان جوکھوں ہے۔ افضل خاں کو اس پیش گوئی پر یقین کامل تھا اپنا سب بندوبست کر کے ہی سال وفات بھی کندہ کرا دیا اور اپنے چونسٹھ محلات کو وہیں قریب کی باولی میں غرق کرا دیا اور اسی طرح گھر سے طیار ہو کر نکلا کہ ہمیشہ کو خیرباد کہی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا پرتاب گڈھ کے میدان میں سیواجی کے خنجر خونخوار سے جان شیریں کو اپنے مالک حقیقی کے سپرد کیا اور وہیں آسودہ ہوا بیجاپور میں نعش تک نہ آسکی اس لئے اُس کی قبر کا سردابہ جو ایک اونچا چبوترہ ہے خالی ہے لیکن اس گنبد میں اور دو زنانی قبریں خدا جانے کن کی ہیں قیاس چاہتا ہے کہ افضل خاں ہی کی بیویاں یا اور کوئی قرابت دار قریبہ ہوں گی۔ مقبرہ اور مسجد کے درمیان صرف حوض حد فاصل ہے۔ یہ مسجد آنڈو مسجد کی طرح دو منزلہ ہے ممکن ہے کہ بالائی حصہ مستورات کے لئے مخصوص ہو جیسا کہ احمد آباد کی مسجدوں میں زنانی اور مردانے حصے جدا جدا ہیں۔ مقبرہ اور مسجد کے جنوب میں افضل خاں کے محل کا صرف کھنڈر ہی کھنڈر باقی رہ گیا ہے۔ اس سے تھوڑی دور پر جنوب و مغرب کی طرف درختوں کی جھنڈ میں چبوترہ اور تالاب ہے اس چبوترہ پر گیارہ قطاریں زنانی قبروں کی ہیں جن کی کل تعداد ترسیٹھ ہے اور چونسٹھویں قبر خالی ہے۔ یہ سب قبریں برابر برابر یکساں فاصلے سے ایک ہی شکل و صورت کی بلا کسی قسم کے فرق کے بنائی گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روایت افضل خان کی نسبت مشہور ہے کہ اُس نے اپنی بیویوں کو غرق کرا کے ایک جگہ دفن کیا صحیح ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک بیوی جان بچا کر بھاگ نکلی اور اس طرح بچ گئی اور شاید اسی وجہ سے ایک قبر خالی رہ گئی ہے

مقبرہ اعتبار خاں ۱۰۵۴ھ بیجاپور سے آدھے میل پر زہراپور میں مولانا شاہ حبیب اللہ قدس سرہ کے گنبد کے بائیں طرف بجانب مغرب واقع ہے۔ جس پر یہ کتبہ ہے۔

شکر ایزد را سزد کو خالق است انس و جاں　　وافرید از بہر عالم روضۂ کون و مکاں

گلشن راز الٰہی احمد مرسل کہ اوست — کعبۂ مقصود عالم مرجع امن واماں
چار یارش نخل بند روضۂ دین اند و شرع — باکمال صدق و عدل شیر نر شیر ژیاں
سرو بستان سیادت نور چشم مصطفےٰ — حضرت غوث الصمد تاج سر نام آوران
شاہ ظل اللہ ابراہیم عادل آنکہ شد — در دیار جنت الماوی برضواں ہم قراں
روضۂ پاکش کہ صنعتہائے گوناگوں دروست — چوں بہشت روح پرور شد طراوش بخش جاں
نونہال ملک و دین سلطان محمد آں کہ اوست — در ریاض جود و بخشش ہمچو باراں درفشاں
یارب از لطف و کرم چتر شہی پائندہ دار — بر سر سلطان محمد غازی صاحبقراں
محرم اسرار شاہنشاہ خان اعتبار — رفت او را روضۂ تعمیر کردند در جہاں
لعمہ روضہ منور یا اخیر سال وے — از مسرت گفت ہاتف "جنت راحت بداں"
سنہ ۱۰۵۴ھ

یا فتّاحُ - آیۃ الکرسی تا وھو السمیع العلیم - کتبہ علی بن نقی

گنج سید حسن خدا النواز سنہ ۱۰۸۰ھ | کتبۂ ذیل سید حسن خدا النواز کے گنج میں تھا اب روضۂ شاہ عالم قادری تیر یاری میں رکھا ہوا ہے۔

قطب زمیں پیر زماں ذوالمنن — راہ بر خلق دیار دکن
ہر چہ بگویم بصفاتش کم است — آنکہ مسمی است بہ سید حسن
کرد بنا بہر خدا و رسول — خانقہ و مسجد و باغ و چمن
منبع آبے ہم ازاں مقبلے — ساختہ شد بیخودی و یاد من
خواست بداں چشمۂ آب حیات — قطعۂ تاریخ لطیف و حسن
ثبت نماید جہت یادگار — در جگر عشق عقیق یمن
پر ز خرد زرود خبر دار شد — دل بہ لطافت شود از لبن
در دل آں چشمہ نہاد و نمود — چشمۂ شیرین امام حسن

قائلہ سلمہ اللہ عنایت اللہ بیگ صدرا قمر رحمن قلی بیگ سنہ ۱۰۸۱ھ

سنگ دوم بر گنج سید حسن کہ در روضۂ مبارک نہادہ اند

بنا شد مشید و محکم اساس — خرد کرد تاریخ او التماس

ضمیرم بگفت از حساب جمل　　　　از و باد شاداب کشتِ عمل
بنا کرد باغے ام ھمام　　　　کہ رضواں بگلگشتش آید مدام
ہزار و صد و ہشت بود از رسول　　　　کہ شد ساختہ جائے رحمت نزول

۱۱۰۸ھ

سرنگ باؤلی اس جگہ سے ڈہائی سو قدم آگے بڑھ کر مشرق کے رُخ سرنگ باؤلی ہے جہاں سے شہر میں پانی پونہچایا جاتا تھا چنانچہ اب تک بھی ابراہیم روضے تک برابر پانی کے بمبے کھڑے ہوئے سرنگ کا راستہ بتلا رہے ہیں اور باؤلی کے اندر جھک کر دیکھو تو سرنگ کا دہانہ بھی دکھلائی دیتا ہے۔

نورس پور سنہ ۱۰۰۸ھ ۱۵۹۹ء میں ابراہیم عادل شاہ ثانی نے ایک ایسے نئے شہر کی بناڈالنے کا قصد کیا جو دیگر بلاد و امصار سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہو۔ دور دور مقامات سے بہترین صناع و کاریگر جمع کئے گئے اور شہر بسانے کا کام نواب شاہ نواز خاں کے تفویض کیا گیا۔ نہایت سرعت سے ایک دم کام شروع کر دیا گیا اور بیس ہزار مزدور روزانہ کام پر لگا دیئے گئے وزراء و امراء و ارا کین سلطنت سب کو پیشگاہ خداوندی سے ارشاد ہوا کہ سب اپنے اپنے محل بنوائیں اور اس طرح آپس میں مناقشت کا بازار گرم ہوا اور ہر شخص چاہتا تھا کہ اُس کا محل دوسروں سے بڑھ جائے۔ اس لئے ہر شخص نے محلات و عمارات وسیع مرتفع و خوش وضع بنائیں اور تا بہ امکان اُن میں ہر طرح کی زیب و زینت و آرائش و آراستگی و رنگ آمیزی اور طلائی کام کیا گیا لیکن منجموں نے یہاں بھی اڑنگا لگایا اور پیشین گوئی کی کہ اگر بیجاپور چھوڑ کر دوسری جگہ دارالسلطنت بنائی جائے گی تو سلطنت کی خیر نہیں اس ڈر سے بنا بنایا کام بگڑ گیا اور کی کرائی ساری محنت برباد ہوئی۔ اس کے علاوہ نورس پور کی تعمیر کی نسبت دوسری روایت بھی جو زیادہ تر قرین قیاس ہے یہ مشہور ہے کہ سنہ ۱۶۲۴ء میں جب ابراہیم عادل شاہ اور نظام شاہ کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی تو ملک عنبر نظام شاہ کی فوج لے کر بیجاپور چڑھ آیا۔ نورس پور کی شہر پناہ زیر تعمیر تھی ہنوز مکمل نہ ہوئی تھی کہ بادشاہ کو نورس پور کو ادھورا چھوڑ کر بیجاپور آنا پڑا۔ ملک عنبر کو اچھا موقع ملا خانۂ خالی را دیومی گیرد۔ بنے بنائے شہر کو مسمار کر کے تہ و بالا کر دیا اینٹ سے اینٹ بجادی نورس پور میں کون بیٹھا تھا جو اس کی روک تھام کرتا ملک عنبر دوسرے ہی سال دنیا سے رخصت ہو گیا ورنہ ابراہیم عادل شاہ اُس کی اس سفاکی کا خوب مزا چکھاتا۔ فی زمانہ نورس پور کی صرف فصیل جیسی ادھوری تھی ویسی ہی کھڑی ہے یعنی روکار تو ہے مگر مٹی کی بھرتی اور اندرونی بندش کا کام رہ گیا۔ ایسی فصیل بھی صرف آدھے شہر کے گرد ہے لیکن موقع کے دیکھنے سے اُس وسعت اور عظمت کا

اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس پیمانے پر اس شہر کو آباد کرنا مد نظر خاطر تھا اگر اس شہر کی تعمیر مکمل ہو جاتی تو بیجاپور سے ڈیوڑھا ضرور ہوتا۔ موضع تارورہ کے قریب وسط شہر میں ایک بڑے احاطے کے اندر نورس محل ـ سنگت محل ـ نوری محل کے کھنڈر کھڑے ہیں۔ اِس سے آگے بڑھ کر تغنی محل اور بہت سی مساجد ـ گنبد اور انواع و اقسام کی عمارات ٹوٹی پھوٹی حالت میں موجود ہیں ـ اس شہر کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب شہر کی بنا پڑ رہی تھی تو ایک شخص موضع تارورہ سے ایک سبوچہ شراب کا لایا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا ـ بادشاہ اُس کے ذائقہ اور خوشبو سے ایسا مسرور ہوا کہ ارشاد فرمایا کہ آج ہم کو عجیب شراب نورسیدہ ملی اور اس وجہ سے نورس پور نام رکھا گیا اور دوسری وجہ تسمیہ بھی اس سے ملتی جلتی ہے کہ نو بہ معنی نیا اور رس بمعنی عرق یعنی عرق تازہ کا شہر ـ لیکن ہمارے خیال میں شراب کی کہانی تو محض من گھڑت ہی نیا شہر بنوایا تھا لہذا نورس پور نام رکھ دیا یعنی جدید تعمیر شدہ شہر سیدھی سادی کھلی ہوئی بات میں تاویل کی ضرورت ہی کیا ـ بعض لوگ نوروز کے خیال سے اسے نوروز پور بھی کہتے ہیں مگر زیادہ مشہور و زبان زد خاص و عام نورس پور ہے ـ سنگت محل گگن محل کا ثانی ہے لیکن ذرا اُس سے چھوٹا ضرور ہے جس طرح اور ساری عمارتوں کو مسمار کیا گیا وہی حال اس کا بھی ہوا ـ سارا چوبینہ اُکھاڑ کرلے گئے اب تو صرف ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہی دیواریں رہ گئی ہیں جس کے اطراف کھیتوں میں ہل چلتے ہیں اور جا بجا ناگ پھنی کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں اور جدھر دیکھو ویرانہ ہی ویرانہ نظر آتا ہے ـ اُس زمانہ میں نورس پور سے بیجاپور تک ایک بہت بڑی سڑک بھی تھی جو اب ٹوٹ پھوٹ گئی اب یہ جگہ محمد شاہ کا بڑا بازار کہلاتی ہے ـ سنگت محل سے موتی مسجد تک تھوڑی دور تک اب بھی اس سڑک کا نشان موجود ہے ـ

ذرائع آب رسانی تارورہ آب رسانی کا بڑا ذخیرہ شہر کی فصیل کے جنوب میں قصبۂ تارورہ کے پاس ہی جہاں ایک بڑا بھاری اینیکٹ ایک نالہ میں باندھا گیا ہے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں رواں ہے ـ یہیں سے ایک چھوٹی سے پختہ سرنگ نکالی گئی ہے جس کا پتہ صرف تارورہ تک چلتا ہے مگر آگے نہیں ـ پھر سنگت محل سے شمال و مغرب کی جانب ایک میل تک ایک نل کا پتہ ملتا ہے جو جنوب و مشرق کی طرف پھر سرنگ باؤلی کی طرف پلٹ گیا ہے اور سرنگ باولی سے وہ بڑی سرنگ شروع ہوتی ہے جو بیجاپور تک جاتی ہے قصبۂ تارورہ کی جنوبی جانب سڑک کے بازو ایک بہت بڑا تالاب یا جھیل تھی جس میں سے ایک نہر سرنگ باولی کو جاتی تھی وہ بھی شکستہ ہی ـ

تالاب سلطان بیگم واقع محمد اپور سنہ ۱۰۴۳ھ محمد اپور مضافات بیجاپور میں بیگم تالاب پر حسب ذیل کتبہ ہے۔

شاہ سلطان محمد عادل

دولتخواہ خواصخان
تاریخ حوض سلطان بیگم جلیلہ
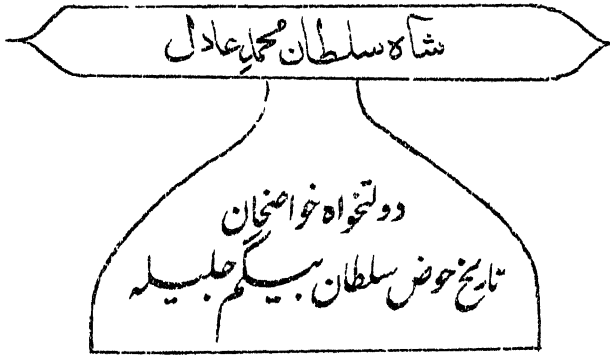
بر فلک تا کہ آفتاب بود — نصرت و بخت در رکاب بود

کشور اقبال فتحیاب بود

خان غازی خواصخاں راگفت — ساز کاریکہ آں صواب بود
آخر آن خان منبع الاحسان — ساخت حوضیکہ پر ز آب بود
دہ چہ حوضیکہ غیرت بحر است — بلکہ از ہفت بحر انتخاب بود
می زند موج بس ز نور و صفا — ہر حبابش چو ماہتاب بود
پیش او چشمہ سار آبحیات — خشک و بے آب چوں سراب بود
حوض کوثر بود مگر کہ مدام — آب او بہتر از گلاب بود
خضر السلام گفت تاریخش — حوض سلطان بیگم باآب بود

باز خرچ پنجاہ ہزار ہون سنہ ۱۰۴۳ھ

بیگم تالاب و کتبہ جات گنج باسعد سنہ ۱۰۶۱ع بیجاپور سے دو میل کے فاصلہ پر بہ جانب جنوب بیگم تالاب ہے جو محمد شاہ نے شہر کی آب رسانی کے واسطے بنوایا تھا۔ اس تالاب سے نل لگاکر بیجاپور میں پانی لانے کا کام افضل خاں کے سپرد تھا چنانچہ گنج باسعد پر لنگر بازار میں جو پانی کا خزانہ بنا ہوا ہے اور جو آنڈو مسجد اور آثار محل کے قریب ہے اُس پر تین سلیں پتھر کی نصب ہیں جن پر حسب ذیل عبارت

کندہ ہے جس سے ۱۰۶۵ھ میں اس کی طیاری معلوم دیتی ہے۔

کتبۂ سنگ اول

برائے صنعت پیرائے طراحان عجائب روزگار ونادرہ کاران نگارخانہ روزگار ہویدا باد کہ بامر جلیل القدر بادشاہ سلیمان بارگاہ آفتاب اوج سرفرازی سلطان محمد بادشاہ غازی خان اقبال تواماں سپہ سالار دوران سرآمد توائینان ملک دکن دیندار کفر شکن مہبط انوار والطاف الٰہی افضل خان محمد شاہی ؎

گر عرض کند سپہر اعلی		فضل فضلا و فضل افضل

از ہر ملکے بجائے تسبیح		آواز بر آید افضل افضل

ایں نقب آب کہ موسوم بہ محمد نداست از بہر آسودگی خلق خدا باہتمام تمام بظہور آوردہ تا تشنہ لبان ازیں آب سیراب دل و آسودہ خاطر گشتہ بدعاے دوام دولت سلطنت ابد پیوند بادشاہ گیتی پناہ رطب اللسان باشند سنہ ۱۰۶۲ھ

کتبۂ سنگ دوم وسطی

برائے صنعت پیرائے طراحان عجائب کارونادرہ کاران نگارخانۂ روزگار ہویدا باد کہ بامر جلیل القدر بادشاہ سلیمان بارگاہ آفتاب اوج سرفرازی سلطان محمد شاہ غازی عزت وشہامت دستگاہ مزاج دان کار آگاہ عمدۂ وزرائے عظام زبدۂ امرائے کرام نہنگ دریائے مردمی و مردانگی وگوہر کان فیروزمندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت ومبارز میدان شہامت شائستۂ فراوان عاطفت وتحسین سزاوار ہزاراں مرحمت وآفریں خان عالی شان۔

کتبۂ سنگ سوم

اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار دوران۔

گر عرض کند سپہر اعلی الخ ؀

خلاصۂ نیک خواہاں ملک گیر کشور شکن افضل خان محمد شاہی ایں نقب آب الخ سنہ ۱۰۶۲ھ

مقبرۂ حضرت سید جعفر سقاف سنہ ۱۰۵۷ھ	آپ کا مقبرہ نوباغ میں ہے جس پر لکڑی کی چھت ہے آپ اکابر سادات عرب اور ناموربزرگان بیجاپور سے ہیں نہایت متشرع اور پرہیزگار اور صاحب تقوی

ف یہی تینوں کتبے آثار شریف کے قریب جھتر گنج میں بھی لگے ہوئے ہیں ۱۲

اور تارک الدنیا تھے اور سلطان محمد عادل شاہ کے زمانے میں حضر موت سے بیجاپور تشریف لائے تھے
نقل ہے کہ آپ کے زمانے میں غنیم کے ایک عظیم الشان لشکر نے آکر شہر کا محاصرہ کر لیا اہالی شہر تنگ
آگئے سلطان محمد شاہ نے آپ کی خدمت میں دعا کرنے کے واسطے عرض کروائی آپ نے فرمایا کہ
اچھا ہم چلتے ہیں اور خود برج پر تشریف لا کر گولندازوں کو گولہ باری کا حکم دیا وہ لشکر جو عرصۂ دراز سے شہر کا
محاصرہ کئے پڑا تھا آناً فاناً میں منتشر ہو گیا بادشاہ اس فتح سے بہت خوش ہوا اور تھیلیاں اشرفیوں کی اور
چند دیہات کی اسناد لطور معاش گزرانیں آپ نے اسناد تو واپس فرمادیں اور اشرفیاں غریبوں کو تقسیم
کر دیں۔ آپ کی رحلت ۲۰ ذیقعد ۱۰۵۷ھ میں ہوئی ہے۔ آپ کے روضہ میں اور بہت سے بزرگانِ دین
آسودہ ہیں ایک حضرت سید حنیف سقاف اسی چبوترے پر محراب کے پاس مشرق کی طرف مدفون ہیں
اور اسی طرح اور بہت سے بزرگ مثل سید علوی بر دم وسید احمد بر دم حضرت کے روضہ کے صحن میں
جانب مشرق مدفون ہیں اور ایک دوسرے چبوترے پر حضرت سید مصطفیٰ بر دم مدفون ہیں۔

مسجد ابراہیم ۱۵۲۶ء شہر سے ایک میل کے فاصلے پر بجانب جنوب بیرون شہر پناہ ایک چھوٹا سا
قریہ ابراہیم پور ہے جسے ۱۵۲۶ء میں ابراہیم عادل شاہ اول نے بسایا تھا وہاں بادشاہ مذکور کی بنائی ہوئی
ایک مسجد کھڑی ہے۔

مقبرۂ عین الملک ۱۵۵۶ء بیجاپور کے مشرق میں دو میل کے فاصلے پر ایک چند جھونپڑیوں کے گاؤں عیناپور
میں عین الملک کا مقبرہ ہے جو ایک نہایت بلند چبوترے پر بنا ہوا ہے یہ مقبرہ بہت خوبصورت ہے پہلے اطراف
آبادی ہوگی اب تو چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں کہیں آبادی کا پتہ نہیں مقبرہ کے اندر تمام دیوارو
اور گنبد کی چھت میں آیاتِ کلام الٰہی منقوش ہیں۔ یہ مقبرہ عین الملک کا ہے جو ابراہیم عادل شاہ اول کا
وزیر تھا جو باغی ہو جانے سے ۱۵۵۶ء میں نواح بیجاپور میں قتل کیا گیا اس مقبرہ کے پاس ہی ایک نفیس مسجد
ہے جس پر آیات کلام الٰہی اور کلمے وغیرہ کے بے نظیر طغرے گچ میں منقوش ہیں جو جھڑتے چلے جا رہے ہیں اور
مسجد بھی شکستہ حالت میں ہے۔

مقبرۂ تاج جہاں بیگم عین الملک کے مقبرہ کے قریب ہی بستی سے ملا ہوا جہاں بیگم کا مقبرہ ہے جو بنتے بنتے
رہ گیا۔ دیواریں سر بفلک کھڑی ہیں گنبد ندارد۔ اگر بن جاتا تو گول گنبد کا جواب ہو جاتا موجودہ عمارت سے
معلوم ہوتا ہے کہ ہو بہو وہی نقشہ ہے اور اتنی ہی عمارت بنانی مقصود تھی۔ چاروں طرف کے برج اور کمانیں

ادھر کھڑی ہیں دالان ہیں مگر بن بٹے۔ گنبد اندرونی دیوار پر اُٹھایا جاتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گول گنبد کے جیسا بڑا گنبد اُٹھانا مقصود نہ تھا اور ان دیواروں اور بیرونی دیواروں کو پاٹ کر دالان اور حجرے بنائے جاتے۔ یہ مقبرہ تاج جہاں بیگم دختر سید عبدالرحمن محل سلطان محمد کا کہلاتا ہے جو غالباً بادشاہ کی چوتھی بیوی تھیں کیوں کہ تین بیویاں علاوہ رانی رنبھا کے تو گول گنبد میں ہی آسودہ ہیں کہیں اس کی صحت نہیں ہے کہ اس مقبرہ میں تاج جہاں بیگم مدفون بھی ہیں یا نہیں کیوں کہ کوئی قبر نظر نہیں آتی اور ناتمام مقبرے میں دفن ہونا قرین قیاس بھی نہیں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنی والدہ کے لیئے یہ مقبرہ بنوایا تھا واللہ اعلم بالصواب۔

تاج محل ۱۰۵۱ھ مقبرہ سے لگا ہوا ایک محل ہے جو تاج بیگم کا تھا۔ اس میں متعدد کمرے اور حجرے ہیں جو خستہ حالت میں ہے مگر جب درست ہوگا تو بہت پر تکلف ہوگا اب تو جابجا سے چھتیں بھی گر گئی ہیں مگر چار دیواری کھڑی ہے۔ عین الملک اور تاج بیگم کے مقبرے اور یہ محل تینوں موضع عیناپور میں واقع ہیں جو چند مکانوں کا قریہ ہے اس نام سے معلوم ہوتا ہے کہ عین الملک کا آباد کیا ہوا ہوگا۔ اس محل کے دالان کے بیچ کے در پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے جس سے اس محل کی تعمیر ۱۰۵۱ھ میں پائی جاتی ہے ؎

سایۂ لطف محمد شہ غازی زشرف جاوداں اوج پس تاج جہاں بیگم باد

ایں عمارت کہ جہاں نور یا دمی نازد از رہ سعی محبت ۱۰۵۱ھ شدہ محکم بنیاد

کمٹگی اب کمٹگی کی حیثیت صرف ایک چھوٹے سے گاؤں کی رہ گئی ہے جو بیجاپور سے دس میل کے فاصلہ پر ہپیرگہ کی سڑک پر ہے۔ کسی زمانہ میں کمٹگی دارالعیش والسرور بادشاہان و امرائے بیجاپور کا تھا چنانچہ اُس کے تالاب کے کنارے کنارے اب بھی محلوں کے کھنڈر دیواریں اور شہر کے دروازے گرے پڑے موجود ہیں۔ اب بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے منڈوے موجود ہیں جن کے اطراف تالاب اور حوض ہیں چنانچہ ایک مکان کی دیواروں پر اب بھی بہترین نقش و نگار موجود ہیں جو دو ڈھائی سو سال کے پیشتر کے معلوم ہوتے ہیں لوگوں کا خیال ہے کہ پولو کا کھیل انگریزوں کی ایجاد ہے مگر چوگان کا قدیم کھیل مشہور ہے یہاں کمٹگی میں ایک کمان پر ہو بہو اس کھیل کا نقشہ موجود ہے دو سوار ایک گنبد کو بیچ میں لیئے ہوئے ٹیڑھے سرے کی لکڑی سے لڑھکا رہے ہیں اور دو سوار اسی قسم کی چھڑیاں لیئے ہوئے اپنی باری کے انتظار میں بازو کھڑے ہیں۔ اس کے سامنے کی محراب پر شکار گاہ کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔

شیر یو ر بچہ اور ہرن کا شکار ہو رہا ہے۔ اِن دونوں کمانوں کے تحتانی حصے میں پرندوں کی خوبصورت تصویریں بنی ہوئی ہیں بعض آدمیوں کی بھی تصویریں ہیں جو اپنے لباس کی وجہ سے انگریز معلوم دیتے ہیں غالباً اُس وقت کے تاجران یا ایلچیوں کی شکلیں ہوں گی۔ ایک دوسری قدِ آدم دیوار پر ایک شخص کی تصویر ہے جو ستار بجا رہا ہے جیسے ایک ملکہ اور اُس کی ایک خادمہ بیٹھکر سن رہی ہیں۔ جو شخص ستار بجار رہا ہے اُس کی سر کی پوشش اور لٹکے ہوئے جامے سے کوئی ایرانی معلوم دیتا ہے جو عورتوں کی طرف خاص نگاہ سے گھور رہا ہے اور اُس کی منڈیا عجیب طرح سے ایک طرف کو جھکی ہوئی ہے۔ ایک جگہ اکھاڑہ کی بھی تصویر ہے بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اور ایک جوڑ پہلوانوں کا دنگل میں تو کر لڑ رہی ہے ایک دوسری دیوار پر دو شخصوں کی بیٹھی ہوئی تصویر ہے جو منہ پر شیر کا چہرہ لگائے ہوئے ہیں اور ڈھالوں سے مسلح ہیں اُن کے گھوڑے بھی طیار اُن کے پاس کھڑے ہوئے ہیں یہ لوگ ایک درخت کے تلے بیٹھے ہوئے ہیں اور درخت پر طرح بہ طرح کی چڑیاں بنی ہوئی ہیں افسوس ہے کہ نہ صرف تمادی ایام اور عدم خبر گیری سے بلکہ لوگوں کی ظالمانہ دست بردسے اکثر جگہ کا رنگ کھرچ کر تصویروں کو خراب کر دیا گیا ہے اور بعض جگہ دھوئیں سے رہی سہی تصویریں کالی پڑ گئی ہیں۔ کمٹگی غالباً امراے بیجاپور کی پلنگ کی جگہ تھی جہاں سیر اور تفریح اور شکار کو آیا کرتے تھے اِس وجہ سے بڑی جھیل کے کنارے جا بجا چھوٹے چھوٹے منڈوے بنائے گئے ہیں پرند کا شکار تو اب تک کثرت سے ملتا ہے اُس زمانہ میں جب شکار گاہ خاص ہوگا تو کیا پوچھنا ہے ہر قسم کا شکار ملتا ہوگا۔ دور دور تک آبادی اور اُجڑے ہوئے بازار کی علامات موجود ہیں ایک بہت چوڑی سڑک بھی ہے جس کی دونوں طرف لوگوں کے ٹھیرنے کے لئے دور تک دو طرفہ مسلسل دالان بنے ہوئے ہیں اس سے آگے بھی ایک وسیع سڑک ہے جو ایک بڑے پھاٹک میں سے گزر کر جھیل اور دوسرے مکانات کی طرف جاتی ہے امراء کی دلچسپی اور تفریح طبع کے لئے جا بجا چھوٹے چھوٹے حوض بنے ہوئے ہیں جن میں فوارے لگے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ پانی بہ کثرت موجود تھا اور نل دوڑائے گئے تھے۔ رنگین محل کے سامنے ایک مربع حوض اور دو منزلہ عمارت ہے جس میں جا بجا پانی کے نل دوڑے ہوئے ہیں جو بالائی منزل تک بھی پہنچے ہیں۔ اُس وقت کی حالت کا اس وقت اگر صرف تصور کیا جائے تو دل پھڑک جاتا ہے۔ ان سب نلوں کا منہ باہر کی طرف ہے جب سب نل چھوڑ دئے جاتے ہوں گے تو ایک آبشار رواں ہو جاتا ہوگا اور حوضوں میں چاروں طرف سے نلوں کے پانی کا گرنا اور فواروں میں سے پانی کا اُچھلنا ایک سما ہوتا ہوگا قابل دید۔ اِس مکان کے اندر کوٹھے پر بھی

پانی پونچایا گیا ہے چنانچہ چھت پر چونے گچی کا ایک پختہ حوض موجود ہے جس میں جھرنا لگا ہوا ہے اور جب پانی چھوڑا جاتا ہوگا تو چھت پر سے نیچے کے دالان میں اس طرح گرتا ہوگا جیسے کہ پھوار برس رہی ہے اس بہتے ہوے پانی کے لیئے نیچے بھی حوض بنا دیا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں تو یقیناً یہ جگہ فردوس بریں کا لطف دیتی ہوگی اس میں شک نہیں کہ اُس زمانے کے لوگوں نے نہ صرف بیشمار دولت ان صناعیوں میں خرچ کر کے اپنا ہنر اور سلیقہ دکھلایا اور ہمارے لیئے ایک بیش قیمت یادگار چھوڑ گئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا عیش و آرام بھی اگر تھا تو اُنھیں کے واسطے تھا۔ اِسی واسطے کسی ایرانی کا قول ہے کہ "بادشاہان ہند بادشاہی نمی کنند خدائی می کنند" اور ان عمارات کے دیکھنے کے بعد ہم کیا سب یہی کہتے ہیں کہ لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ۔

فرمان موسومۂ حجامان کتبۂ فرمان حجامان کہ برآوردہ در میوزیم (عجائب خانۂ بیجاپور) نگاہ داشتہ اند

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

فرمان ہمایون شرف صدور یافت بجانب نائب غیبت و تھاندار و کارکنان معاملۂ بیجاپور آں کہ محمد علی حجام بعرض نواب برسانید کہ در معاملۂ مذکور از حجامان کلمیوہ[۱] و براد و غیر قانون وغیرہ میگیرند حالانکہ تو قوم حجامان حقیر اند۔ در خراسان و شہر بیدر از کاریگران ہیچ نمیگرند بر حمت پادشاہان تمام معاف فرمودہ بہ النگ نوبت نطلبیدن امر فرمائید کہ تا از دولت شاہ عالمیان خدمت آستان کردہ بوطن خود آسودہ باشند بنابرین از راہ مرحمت پادشاہانہ کلمیوہ و براد و غیر قانون وغیرہ تمام معاف فرمودہ شدہ است از کاریگراں ہیچ نگرفتہ تمام معاف دانند بہ لنگ[۲] نوبت نطلبند بریمین امر جاری دارند ہر کس کہ منع آید تخلف و تغیر کند لعنت خدا و رسول براو باد۔

---

[۱] آں رامی گویند کہ حجامان ختنہ نمودہ چیزے می گیرند و براد بمعنے صدقہ [۲] مقطعہ را گویند۔ ۱۲

حصۂ دوم تمام ہوا

غلط نامہ حصّۂ دوم واقعات مملکت بیجاپور

التماس ہو کہ براہ کرم پڑھنے سے پہلے ہر صاحب مندرجہ ذیل غلطیوں کو درست کرلیں خاص کر سنہ کی غلطی جس سے واقعۂ تاریخی پر اثر پڑتا ہی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۴	لمآ	لکھا	۱۷	۳	انحراف	اطراف
״	۱۷	جو	جنو	۱۷	۷	میں	سے
״	۱۹	اوریہی	+	״	۹	تو	نو
۳	۱۶	دلن	دکن	״	۲۲	بھ	یہہ
۴	۳	سَمِعتُ	سَمِعَتْ	״	״	شکل	سکل
۶	۱۳	استحان	استحان	۱۸	۱۶	مانند	ماند
״	۲۱	سبزۂزار	سبزہ زار	۲۰	۱۸	خانہ	فسانہ
۷	۲	کوری	کوڑی	۲۱	۷	منافشت	منافست
۹	۶	لی	کی	״	۲۰	پڑھ	بڑھ
״	۹	رگھنا	رکھتا	۲۵	۱۳	نا	بنا
״	۱۷	اور	+	۲۶	۵	وبے	ولے
۱۰	۱۳	سنہ ۹۹۴ھ وسنہ ۱۰۷۳ھ	سنہ ۹۸۴ھ	״	۸	پالی	پانی
״	۱۸	مدکور	مذکور	״	״	گی	کی
۱۴	۱۳	اُچھلّا	اُچھلتا	״	۱۶	آلیٰ	آبیٰ
۱۵	۱۳	ڈبھہ	دھ	״	۲۱	اِسمٰعِیل	اِسمٰعِیل
۱۶	״	مسحد	مسجد	۲۷	۱۱	جُلَّ اسرہٗ	جِلَّ اسرہٗ
״	۱۹	گبری	گری	״	״	اَلمقتوشۃِ	اَلمنقوشۃِ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸	۲	اَلِ	اَلَ	۴۹	۸	اُڑھی	اُپری
"	۱۳	دالیولی	دالیولی	"	۱۲	یا	با
۲۸	۱۹	صُحُبَۃِ	صُحُبَۃَ	۵۰	۴	توپیں	توپوں
۲۹	۵	اَلدُّنیاَ	اَلدُّنیا	"	۱۴	توپ	توپ
۳۰	۱	یعمل	لِعَلَ	۵۱	۵	سنہ ۷۲-۱۶۵۶ھ	سنہ ۷۲-۱۶۵۶ع
"	۲	فَقِلیمَ	فَفِلیمَ	۵۳	۱۱	ساریاں	سازیاں
۳۶	۱۷	صَبِقا	صَعِقًا	۵۶	۱۶	ہمیں	
۳۹	۲	بچے	بچی	۵۸	۳	اِلٰھی	اِلٰھی +
					بائیں طرف		
"	۲۱	کبنخواب	کمخواب	۵۹	۷	اَتَّقُوا	اَنْفِقُوا +
۴۰	۱۸	دالوں	دالانوں	۶۰	۴	اَسْلَمَ	اَسْلِمْ
"	۲۱	محاظ	محاذ	"	۶	لَعُبُدُ	لَعُبُدُ
۴۱	۸	پائند	پائندہ	۶۲	۱۵	عمم	علم
۴۲	۴	بلّی	بُلّی	"	۲۰	من	من عجز
"	۱۶	خبت	جت	۶۴	۹	مِنْ	مَنْ
"	۱۸	مدفون	مدفون ہیں۔	"	۱۸	عَبْدِكَ	عَبْدُكَ
"	۱۹	برھتی	پڑھتی	"	۲۰	اَلْحَسَّنَاتِ	اَلْحَسَنَاتِ
"	"	یوری	پوری	۶۹	۳	جوبالائی	بالائی
"	۲۲	مُسْتَقِیماً	مُسْتَقِیماً	"	۱۹	girnery	granry
۴۳	۳	کرز	کرزنور	"	۲۱	سنہ ۵۸۳ھ	سنہ ۵۸۳ع
۴۴	۷	کھنچا	کھینچا	۷۰	۵	رینھا	رنبھا
۴۵	۲۰	سنہ ۱۹۵۶	سنہ ۹۵۶ھ	۷۲	۲	مناروں کی	مناروں کے
"	"	سنہ ۱۰۵۹ھ	سنہ ۱۰۶۹ھ	۷۴	۱	گورنر	گوزنر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۵	۶	سنہ ۷۱۶ھ ۱۳۲۰ھ	سنہ ۷۱۶ھ ۱۳۲۰ھ
۷۶	۵	خلیجی	خلجی
۸۰	۱۴	یڑا	ٹہرا
۸۴	۴	واترے	داترے
۸۷	۳	شناس	شناسی
″	″	تھا	تھی
″	۶	اغیار	اغیارو
۸۹	۴	اَنُ	+
″	۹	تِسعِینَ	تِسعٍ وَ
″	۱۵	قُولُوُ	قُولُوُا
۹۱	۵	گنبد	گنبد شروع
″	″	لئے	کئے
۹۲	۱	بِقیتِہٖ	بَقیتِہٖ
۹۴	۱۲	اَلشِیرِینَ	اَلعِشرِینَ
۹۵	۱۳	دِینَ	دِینِ
۹۶	۲	یَستَونَ	یَستَوُن
″	۲۰	الذِّینَ	الذِّینَ
۹۷	۷	زَرِینُ	زَرِینِ
۱۰۰	۱۳	علی	اعلی
۱۰۱	۱۷	نے	+
۱۰۲	۳	تالاپ	تالاب
۱۰۵	۱۳	قیض	فیض
۱۰۵	آخر	( )	(لِلّٰہ)
۱۰۶	۱	خراب	محراب
۱۰۹	۱۰	+	بانی ایں روضہ با احترام چوں شد خاکرا بہ وقت انتظام سال ہا ہست ستیش پے شدہ قبّہ مرتب آخر الکلام
″	۱۷	المُسَجَاجِدَ	اَلمَسَاجِدَ
۱۱۰	۲	اَنَّ	اِنَّ
″	۸	یُقعَتُہٗ	لِقُعَتُہٗ
″	۱۷	او	اون
۱۱۱	۱	لعصے	لعضے
″	۹	بد	بند
۱۱۴	۱۱	مناقشت	منافست
۱۱۶	۴	تاریخ	تاریخ
″	۸	منع	منبع
۱۱۷	۵	مہیط	مہبط
۱۱۹	آخر	کھینچا	کھنچا
۱۲۰	۳	تاجران	تاجروں
″	۱۲	پکنگ	پکنک

تمت

اعلان

وله

۱ حرز طفلاں - ۲ نشاط عمر ۸؍ - ۳ عصاے پیری ۸؍ - یہ تینوں کتابیں لڑکوں جوانوں معمر لوگوں کے لئے تلقین معاشرت و تعلیم نیک کرداری و اخلاق کی بہترین رہنما ہیں جو ڈاکٹر سمائل کی کتب انگریزی سے ماخوذ ہیں۔

۴ حیات قیصرہ - ملکہ وکٹوریا آں جہانی کی مختصر سوانح عمری۔

۵ تاریخ بیجانگر - جس میں راجگان بیجانگر و ہم عصر سلاطین بہمنیہ - بریدیہ - عادل شاہیہ قطب شاہیہ - نظام شاہیہ و گورنران پرتگال کے حیرت خیز کارنامے درج ہیں (بالتصویر)

۶ خالق باری انگریزی اردو منظوم جس میں بچوں کے لئے روزمرہ کے ۱۲۳۹ بکار آمد الفاظ درج ہیں

۷ اقبال دولہن جس میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم شادی بیاہ وغیرہ کی رسوم زن و شو کے تعلقات تعدد ازدواج کی خرابیاں - سوکنوں کا برتاؤ ایک نہایت دل چسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں ۱۲؍

۸ حسن معاشرت جس میں پھوہڑ اور سلیقہ مند بیویوں کے حالات بالمقابلہ ایک نہایت دل چسپ نتیجہ خیز اور نصیحت آمیز پیرایہ میں دردانگیز طریقہ پر لکھے گئے ہیں - ۸؍

واقعات مملکت بیجاپور - - - کلدار سکہ عثمانیہ ۸؍
قیمت ہر سہ حصص مکمل غیر مجلد - - -
" " مجلد طلائی - - -

محصول ڈاک مع خرچہ وی پی دونوں صورتوں میں

نمبر ۱ - ۴ - ۵ - ۶ کی کتابیں اب اسٹاک میں نہیں رہیں ان کے لئے طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑیگا باقی کتابیں ذیل کے پتہ پر مل سکتی ہیں:-

بشیر الدین احمد اوّل تعلقہ دار ( ) ریاست حیدرآباد دکن
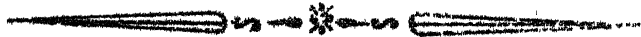
لقد کان فی قصصهم عبرة لأولی الالباب

(اس میں شک نہیں کہ عقل والوں کے لئے ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے)

جو نامور تھے فقط اُن کا نام باقی ہے — نہ جم جہان میں ہے باقی نہ جام باقی ہے

واقعات مملکت بیجاپور

سنہ ۱۳۳۲ھ

این تاریخ ہمایون مشتمل است بر احوال خاندان شاہان بیجاپور

سنہ ۱۳۲۴ فصلی — مشتمل بر سہ حصص — سنہ ۱۳۳۲ھ

حصہ سوم۔ جس میں فوٹو ہیں

مصنفہ

خاکسار بشیر الدین احمد (دہلوی) اول تعلقہ دار (کلکٹر)

ضلع رائچور ابقاہ اللہ عزوجل بالعافیۃ والسرور

ممالک محروسہ سرکار عالی نظام

خلد اللہ ملکہ

طبع اول — سنہ ۱۹۱۵ء — ۵۰۰ جلد

در مطبع مفید عام آگرہ باہتمام محمد قادر علیخان صاحب مہتمم طبع شد

فہرست مضامین حصۂ سوم واقعات مملکت بیجاپور

فہرست تصاویر حصۂ سوم واقعات مملکت بیجاپور

حصہ سوم واقعات مملکت بیجاپور
مشتمل بر حالات تاریخی و مقامی مقبوضات سلاطین عادل شاہی

پہلا ضمیمہ ادھونی[۱۵]

یہ ایک تاریخی مقام ہے جو رائچور سے ۴۳ میل اور دریائے تنگ بھدرا سے ۲۶ میل مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے کا ایک مشہور اسٹیشن ہے۔ مردم شماری ۱۶۱۴۰ء۳۰۔ روئی کے بیوپار کی بڑی منڈی ہے متعدد کاٹن پریس اور جننگ فیکٹریاں ہیں۔ ادھونی کی وسیع جاگیریں

[۱۵]۔ ادھونی کے حالات فراہم کرنے کے لئے میں زین الدین صاحب محاسب لوکل فنڈ کا ازبس شکرگزار ہوں کہ وہ خود ادھونی گئے مقامی حالات کے سوا تمام کتبے بھی نقل کر کے لائے۔ ۱۲ من المصنف۔

بلھاری بھی شامل تھی۔ ادھونی پہلے راجگان بیجانگر کی مملکت میں تھی۔ بعد جنگ تالی کوٹہ ۱۵۶۴ء سلاطین بیجاپور کا قبضہ ہوا۔ بعد زوال سلطنت مغلیہ امیر الامراء سید محمد شریف خاں بہادر شجاع الملک بسالت جنگ فرزند نجمی نواب میر نظام علی خاں بہادر مغفرت مکان کی جاگیر رہی۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں برٹش گورنمنٹ نے اُس ملک کے معاوضہ میں جو دریائے تنگ بھدرا کے شمال میں ہے لے لی۔ قدیم زمانے کے تاریخی حالات بہت اختصار سے لکھے جاتے ہیں۔ پلگنڈہ کا پہاڑ سات سو سال کے پیشتر بالکل گھنا جنگل اور درندے جانوروں کا مسکن تھا جنوب کی طرف ایک بلند پہاڑی میں ایک بڑی کھوہ ہے اس میں کبھی کبھار جوگی اور سنیاسی جو تارک الدنیا اور مرتاض ہوتے تھے آکر ٹک جاتے تھے۔ اس پہاڑ کے اطراف ایک عجیب جنگل ہے جس میں بہت سی قلب گھاٹیاں ہیں۔ شمالی کوہستان سہاجل کی طرف سے قدیم زمانے میں ایک سنیاسی کریا شکتی وڈیرہ نامی مع اپنے بھائی چاک (خورد) شکتی وڈیرہ کے آیا اور اس جگہ کو انسان کی دست برد سے خالی پاکر رہ پڑا۔ چھوٹے بھائی کے ساتھ اُس کا لڑکا سدا سیو بھی تھا۔ وہ نوجوان دنیا دار لڑکا تھا اُس نے اپنے چچا سے کہا کہ اس سنسان جنگل بیابان میں کیا دھرا ہے مجھے تو دولت اور ملک کی تمنا ہے۔ چچا نے کہا اچھا اور دور دور سے معمار اور بڑھئی جمع کرکے ایک حصار بنوانا شروع کیا۔ مزدوری کی تقسیم میں کرامات تھی کہ سدا سیو کے پاس ایک جادو کی لکڑی تھی کہ جہاں اُس سے ریت کے ٹیلے کو چھو دیا۔ بس چاندی سونا نکلنا شروع ہو جاتا تھا۔ اس طرح برابر تیرہ برس جنگل کے صاف کرنے زمین کے ہموار کرنے اور طیاری حصار میں لگے۔ دنیا کا کاروبار کریا نے اپنے بھتیجے کے سپرد کر دیا اور خود اس قلعہ اور اوپر جو پہاڑ ہے وہاں جا بیٹھا چنانچہ سنہ ۱۳۵۰ھ میں اس قلعے کا نام "شکتی گیری" تھا۔ آگے چل کر اور کئی پہاڑ اس میں شامل ہو گئے۔ آبادی بڑھ گئی اور پلگنڈہ نام پڑ گیا۔

سدا سیو (۲۹) سال تک اس خطہ پر حکمراں رہا۔ آخر کار دنیا سے گزر گیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا ملک ارجن وڈیر راجہ ہوا اُس نے پلگنڈہ سے دریائے کاویری تل گھاٹ تک قبضہ کر لیا اور راسی کے عہد میں مشرق کی طرف جو پہاڑ و المباڑی بارہ محل واقع ہے اس کو بھی گھیر لیا اور ملک ارجن گڑھ کے نام سے موسوم ہوا جنوب کی طرف ایک بستی ارجندرہ نام آباد کی

اور چندر گیری کا حصار کھینچا۔ یہ راجہ بھی (۲۲) سال سلطنت کر کے لاولد مر گیا۔ اس کے بعد اُس کا بھائی رام چندر راجہ ہوا۔ اُس کے زمانے میں شمالی ہندوستان سے ایک بڑا ذی علم اور متبرک برہمن وڈیاران نامی آیا اور ویر ہنیا دیوی کے مندر میں جو بہت قدیم ہی پرستش شروع کی۔ یہ بیچارہ مفلس گدا تھا دولت ملنے کی دعا کرتا تھا ایک دن خواب دیکھا کہ مجھے دولت نہیں مل سکتی مگر تیرے مرے بعد جب تو دوسری جون میں آئے گا تو البتہ تجھے جاہ وحشم حاصل ہوگا۔ یہ معلوم کر کے ہوس دنیا سے ہاتھ دھویا اور تارک الدنیا ہوگیا پھر دوبارہ خواب نظر آیا کہ ہاں تو اب اصلی حالت میں آیا اور دوسرا جنم لیا اب تو کامیاب ہوگا مانگ کیا مانگتا ہی۔ وڈیارن نے کہا کہ دنیا ہیچ ہے مجھے کچھ نہیں چاہیئے میرا دینے والا بھگوان ہی جب وقت آجائے گا خود بخود مل جائے گا۔ تجھکو ہی کچھ مانگنا ہی تو مجھ سے مانگ لے۔ خدا کو وڈیارن کی یہ بات پسند آئی اور سونے چاندی کا مینہ برسا۔ اِسی دولت سے اس برہمن نے آناگندی کی بنا ڈالی۔ برہمن بڑا جوتشی تھا ساعت دیکھ کر بنیاد ڈالنے کا ارادہ کیا اور کاریگروں سے کہا کہ جب میں سنکھ پھونکوں تم بنیاد کا پہلا پتھر اُسی وقت رکھنا۔ شیطان نے اس ساعت سے پہلے ہی سنکھ پھونک دیا معماروں نے بنیاد کا پتھر رکھ دیا۔ اُس کے بعد وڈیارن نے سنکھ پھونکا معلوم ہوا کہ پہلے سنکھ کی آواز پر بنیاد رکھی جاچکی۔ وڈیارن متحیر ہوگیا اور کہا کہ افسوس اگر اُس ساعت میں یہ کام ہوتا جو میں نے تجویز کی تھی تو یہ شہر ابد الآباد تک قایم رہتا اب صرف پانسو برس اس کی عمر ہی بعد ویران ہو جائے گا۔ غرض شہر آناگندی[۱] اور بیجانگر[۲] کی بنیاد پڑی جو پارہ کوس کے

---

[۱] آناگندی کا اصلی نام پہلے انگادی تھا جو انگادلیسر والی کے نام سے موسوم تھا جو اس بستی کا اصلی بنانے والا تھا رفتہ رفتہ انگادی سے آناگندی ہوگیا۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہی کہ یہاں راجگان بیجانگر کے بہت سے ہاتھی رہا کرتے تھے۔ آناکنڑی میں ہاتھی کو کہتے ہیں اور گنڈی گلی۔ یعنی ہاتھیوں کے رہنے کی جگہ ۱۲

[۲] وجایانگر۔ راجہ کا نام وجایا تھا اور نگر بہ معنی شہر۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہی وجایا بمعنی فتح۔ ہندوستانی اس کو بیجانگر کہتے ہیں۔ اس شہر کو وڈیانگر بھی کہتے تھے یعنی دار العلم اور تیسری وجہ یہ ہی کہ وڈیارن نے اس کی بنیاد ڈالی۔ ۱۲

گردیں تھے - وہاں ایک غریب چرواہا تھا جو ودیارن کو روز دودھ دیا کرتا تھا یہ شخص بہت اچھا آدمی تھا - ودیارن نے بعد چندے شہر مع تمام مال دولت کے اس کے سپرد کر دیا - یوگا راؔئل[ا۵] کا خطاب دیا اور خود بنارس چلا گیا - یہ چرواہا اٹھارہ سال حکومت کے بعد مر گیا - اس کے بعد اس کا بیٹا پرتاب رائل راجہ ہوا اُس نے ملک کرناٹک - بالاگھاٹ - تل گھاٹ پر اپنا قبضہ کر لیا اور بہت سی عمارات بنوائیں اور (۲۴) سال سلطنت کر کے مر گیا - اِس کے بعد اس کا بیٹا پڑاوڑ رائل مسند پر بیٹھا - اس نے الکاکہٹ بنایا اور وہاں کا ملّا کو حاکم کر دیا - (۲۵) سال کے بعد یہ بھی مر گیا - اس کے بعد اِس کے لڑکے اپاجی رائل کو ملک ملا مگر وہ نا اہل تھا صرف دو ہی برس سلطنت کرنے پایا تھا کہ بھیما نایک چھتری جو ویش راج کی اولاد میں تھا اور بیدر کا ایک بڑا سردار تھا - بیدر سے وہ لشکر لے کر کرنول میں آیا اور ریاست کرنے لگا اُس کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا سری رنگ رائل رئیس ہوا اور اُسی وقت لشکر کشی کر کے آپاجی رائل کو قید کر کے اِس ملک پر خود قابض ہو گیا -

سری رنگ رائل نے تین جگہہ پایہ تخت قایم کیا (۱) نجھی نگر عرف آناگندی (۲) پلگنڈہ (۳) چندر گری بعض لوگ کہتے ہیں کہ تیسرا پایہ تخت رای ویلور تھا جو پڑاوڑ رائل راجہ پلگنڈہ جگتی[۵۲]

[ا۵] - اصلی سنسکرت کا لفظ راجہ ہے - جسے رای سے بدل دیا ہے - رای کو کنڑی زبان میں رایا یا رائل یا رایلو کہتے ہیں - لیکن راجہ اور رایا اور رائل اور رایلو سب ایک ہی بات ہے - راجگان بیجانگر کو رایا اور رایلو کہتے تھے جیسے کشن دیو رایا چنانچہ حال راجہ آناگندی کا نام ہری منت سری رنگا دیو رایلو ہے - اور سمستان کا نام نرپتی -

[۵۲] - کاٹپڈی گڈور سکشن میٹر گیج مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے کا سٹیشن ہے جو کاٹپڈی جنکشن سے (۵۸) میل ہے - ریلوے سٹیشن سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں تلنگان کے راجگان چندر گیری نے ایک محل بنایا ہے جس کا نام راجہ محل ہے - یہ سارے کا سارا محل پتھر کا ہے لکڑی کا اس میں کہیں نام نہیں - اس کے پاس ہی ایک دوسرا مگر ذرا چھوٹا محل ہے جس کو رام محل کہتے ہیں - ان دونوں محلوں سے اوپر وار کو پہاڑ پر ایک قدیم قلعہ ہے جس کو نرسنگ راجہ بیجانگر نے بنایا تھا - لیکن اب یہ عمارتیں خراب و خستہ حالت میں ہیں تاہم راجہ محل کچھ درست کرا کے رسٹ ہوس کے کام میں لایا جاتا ہے ۱۶۳۹ء میں راجہ چندر گیری ہی نے سب سے پہلے مسٹر ڈے

بھوپت راج حاکم شلتکرام اور شام گڑھ اساش سے بنایا تھا۔ سری رنگ رایل نے اسے از سرنو آباد کیا۔ (۳۲) سال کی حکومت کے بعد اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بیٹے ہر ہر رایل نے (۲۹) سال حکومت کی اس راجہ نے اس پہاڑ پر جہاں سے کاویری ندی نکلتی ہے ایک بڑا دیول بنوایا تھا۔ یہ راجہ آناگندی ہی میں مرا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے رام چندر رایل نے (۲۸) سال سلطنت کی۔ پھر اس کا بیٹا ہری رایل ۷۵۶ھ میں مسند نشین ہوا۔ یہ وہی زمانہ ہے جب حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز گلبرگہ تشریف لائے۔ اس طرح برابر ساٹھ سال تک چھتریوں کا راج رہا۔ اسی زمانے میں سلاطین بہمنیہ کا عروج ہوا اور قلعہ جات اسیر گڑھ۔ جنیر۔ اودگیر۔ دیوگیر عرف دولت آباد۔ بیدر پر قبضہ ہوگیا۔ اہل ہنود کو مسلمانوں کے برسر عروج ہونے سے ڈر ہوا۔ ہری رایل کے بعد چوتھے راجہ پرتاب رایل کے زمانے میں مسلمانوں کے توڑ پر اس نے بھی فوج طیار کی۔ سلطان احمد شاہ ولی البہمنی نے پرتاب رایل سے مقابلہ کرکے شکست دی اور شہر گلبرگہ چھوڑ کر بیدر کو اپنا دارالسلطنت مقرر کیا۔ پرتاب رایل نے (۷۰) سال کی عمر میں لاولد انتقال کیا اور اس کا بھانجا دیو رایل راجہ ہوا۔ ہمایوں بادشاہ دہلی نے دکن پر حملہ کیا اور بڑے کشت وخون کے بعد ان کو مغلوب کیا مگر بعد میں صلح ہوگئی۔ یہ راجہ (۲۲) سال سلطنت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا دیر بھدر رایل اور پھر نرسنھ رایل متمکن ہوئے اور اپنے اپنے زمانے میں مقبوضات کو وسعت اور ملک کو ترقی دیتے رہے۔ نرسنھ رایل کو اولاد نہ تھی مدت کی آرزو کے بعد رانی اور خواص دونوں سے دو لڑکے ہوئے۔ ویر نرسنھوا رایل کشن رایل۔ رانی اپنی سوکن کے لڑکے سے جو دونوں میں زیادہ تر ہوشیار اور لایق تھا جلنے لگی۔ رانی کے پاس راجہ کی مہر رہا کرتی تھی رانی نے راجہ کی طرف سے حکم بھجوایا کہ فوراً کشن رایل کو قتل کرکے اس کی آنکھیں نکلوا کر ہمارے پاس بھیج دو۔ رامنا وزیر بڑا زیرک تھا سمجھ گیا کہ رانی نے کچھ چال چلی ہے بے قصور بچے کو میں کیوں کر جان سے ماروں اس خون ناحق کا وبال کون اٹھائے گا۔ کشن کو تو چھپا دیا اور ہرن کی آنکھیں نکلوا کر بھیج دیں۔ صبح کو جب یہ لڑکا اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۔ سپرنٹنڈنٹ ایسٹ انڈیا کمپنی فیکٹری فورٹ سینٹ جارج کو ایک ٹکڑا زمین کا دیا تھا جو سب سے پہلی زمین تھی جو انگریزوں کو ہندوستان میں ملی۔

باپ کے پاس نہیں گیا تو راجہ نے وجہ دریافت کی وزیر نے وہ رقعہ پیش کیا راجہ بہت ناراض ہوا اور قریب تھا کہ رانی کو مروا ڈالے مگر خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہا اور اس لڑکے کا ایسا غم کیا کہ پندرہ سال تک گوشہ نشین ہو گیا اور راج پاٹ رانی کے لڑکے کو دے دیا لیکن اہم امور سب اپنے قبضے میں رکھے برائے نام راجہ کر دیا۔ بارہ سال کے بعد یہ لڑکا مر گیا اس وقت راجہ کو بڑا صدمہ ہوا اور ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ افسوس کشن نہ ہوا۔ وزیر نے کہا کہ آپ جس کے سر پر دست شفقت رکھیں گے وہی کشن ہو جائے گا۔ راجہ نے سمجھا کہ شاید میرا لڑکا زندہ ہے۔ الغرض کشن اپنے باپ کے پاس آیا راجہ کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا۔ مدتوں کے بچھڑے ہوئے ملے۔ ماں کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔ بڈھے باپ کے مرنے پر کشن رائے تخت پر بیٹھا اور اپنے سوتیلے بھائی کو چندر گری کی حکومت دے دی۔ کشن رائے نے امرائے سلطنت کو بہت نقصان پہونچایا بہتوں کو معزول کر دیا ناچار ارکان سلطنت نے یوسف عادل شاہ سے مدد چاہی لیکن چوں کہ ان کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ کشن رائے کو اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا اس نے وکیل السلطنت سے بے اعتنائی کی جس کی وجہ سے ایک جنگ عظیم ہوئی جس میں راجہ کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد سلاطین مغلیہ کا دور دورہ رہا۔ ادھر راجہ نے ایک کثیر فوج تین چار لاکھ کی اور تین ہزار ہاتھی جمع کر لئے۔ راجہ نے جب انتقال کیا سوائے ایک لڑکی اور داماد کے کوئی نہ تھا لہذا اس کے بھائی اچیت رائے کو تخت پر بٹھلایا جو دو سال کے بعد مر گیا جس کی جگہ کشن رائے کا داماد رام راج متمکن ہوا۔ رام راج اور عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں سے جو معرکے ہوئے ہیں وہ اصل تاریخ میں موجود ہیں ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ رام راج نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر دیا تھا اس لئے علی عادل شاہ۔ ابراہیم قطب شاہ حسین نظام شاہ بحری علی برید چاروں بادشاہوں نے متفق ہو کر ۱۵۶۵ء میں جنگ تالیکوٹ میں رام راج کو قتل کیا اور اسی کے ساتھ شہر بیجانگر کو لوٹ کر تباہ کر دیا اور رایان بیجانگر کی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ اس مقام پر ہم صرف ان لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں جو خاص ادھونی میں ہوئیں

قلعۂ ادھونی پر سلطان علاء الدین کی چڑھائی ۱۳۴۷ء

سلطان علاء الدین حسن نے ملک کرناٹک پر ایک کامیاب حملہ کیا اور لشکر اسلام کو بہت کچھ لوٹ کا مال ملا لیکن

فرشتہ کے خیال میں مسلمانوں کو کامل فتح نصیب نہیں ہوئی تاہم سلطان مذکور نے جنوبی ساحل دریائے تنگ بھدرا تک اپنے مقبوضات کو وسعت دی اور قلعۂ ادھونی تک پونچ گیا۔

محمد شاہ بادشاہ اول نے ۱۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ م ۲۱ اپریل ۱۳۷۵ء کو انتقال کیا اور اُس کا بیٹا مجاہد شاہ جو ملک سیف الدین غوری کا نواسہ تھا اُنیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا مجاہد شاہ نے اپنی تخت نشینی کے چند روز بعد بکّا رای راجہ بیجانگر کو لکھا کہ چند قلعے اور اضلاع جو درمیان رود کرشنا اور تنگ بھدرا کے واقع ہیں وہ ہم تم دونوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ سے اکثر جھگڑے برپا ہوتے رہتے ہیں تم کو چاہیئے کہ آیندہ کے لئے اپنی حد دریائے تنگ بھدرا کو مقرر کرلو۔ سیف بندر رامیسور کے اُس طرف تمھارے علاقہ میں رہے اور اس طرف شرقاً و غرباً ہمارے قبضے میں علاوہ اس کے قلعۂ بنکاپور اور چند دوسرے قلعے اور دیگر مقامات کو ہمارے تفویض کرو تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ نزاع مٹ جائے۔ سلاطین دکن کا دانت ہمیشہ سے قلعۂ بنکاپور پر تھا کیوں کہ وہ بیجانگر اور سمندر کے شارع عام پر واقع تھا اُس کے قبضے سے ہندوؤں کی تجارت بالکل قابو میں آجاتی تھی۔ رای بیجانگر نے اُلٹا مطالبہ کیا کہ خود بادشاہ کو تمام ملک دوآبہ سے اپنا قبضہ اُٹھا لینا چاہیئے کیوں کہ ہمیشہ سے رائچور اور مدگل اور دیگر مقامات تا کنار رود کرشنا ہمارے رہے ہیں۔ بکّا رای نے اصلی حد فاصل سلطنت ہنود و اسلام کی دریائے کرشنا قرار دی اور یہ بھی لکھا کہ جو ہاتھی آپ کے والد ماجد امرائے کرناٹک سے چھین لے گئے ہیں وہ بھی واپس کر دیجیے۔

مجاہد شاہ بہمنی کی ادھونی پر لڑائی ۱۳۷۵ء

یہ جواب سن کر بادشاہ بہت خشم ناک ہوا اور جنگ کا اعلان کر دیا اور پایۂ تخت اور جمیع ممالک محروسہ ملک نائب سیف الدین غوری کو جو بادشاہ کا نانا تھا سپرد کر کے خود جنگ کے لئے آمادہ ہوا گلبرگہ میں جب لشکر دولت آباد۔ بیدر۔ برار کا جمع ہو گیا تو بادشاہ پانسو ہاتھی کو ہ پیکر اور خزانہ اپنے ہمراہ لے کر عازم سفر بیجانگر ہوا۔ کشنا اور تنگ بھدرا دریاؤں کو عبور کر کے قلعۂ ادھونی پر پہونچ گیا۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ رائے بیجانگر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے پرگنہ گنگاوتی[1] میں مقیم ہے تو اُس نے صفدر خاں سیستانی کو برار کا لشکر دے کر قلعہ کے محاصرے کے لئے بھیج دیا

[1] دریائے تنگ بھدرا سے (۵) میل کے فاصلے پر ایک بڑا قصبہ مستقر تحصیل (ضلع رائچور) ہے۔ ۱۲

اور دوسرا لشکر امیر الامرا بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں بیجانگر روانہ کیا اور خود سمت شمال و مغرب دریا کی جانب آہستہ آہستہ مقام کرتا ہوا بڑی پیش بندی سے روانہ ہوا۔ راجہ بیجانگر کے جنگل اور پہاڑوں میں چھپتا ہوا بندر رامیسر کو بھاگ گیا۔ راجہ کے بھاگنے کی وجہ تاریخ فرشتہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ مجاہد شاہ لشکر کے ساتھ کوچ مقام کرتا ہوا چلا آرہا تھا تو اُس کو ایک آدم خوار شیر کی خبر ملی جس نے اطراف واکناف میں ہل چل ڈال دی تھی۔ مجاہد شاہ صرف سات پیادے ساتھ لے کر پونچا اور تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ جو ٹھیک شیر کے دل میں جاکر گڑا گیا۔ یہ خبر سن کر ہندوؤں نے بدشگونی سمجھی اور ڈر گئے۔ ادھونی اور بیجانگر کے درمیان اِس زمانے میں شیر تو نہیں ہیں البتہ بور بچے کثرت سے ہیں لیکن ممکن ہے کہ اُس زمانے میں جنگل بھی ہو اور شیر بھی ہوں۔

سیول صاحب نے فرشتہ کی اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے کہ اتنی سی بات بکا کی پست ہمتی کے لئے کافی نہ تھی لیکن ہمارے خیال میں یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں ہے اکثر لوگ شگون لینے کے خوگر ہوتے ہیں خصوصاً اہل ہنود جو فال شگون اور مہورت کو بہت مانتے ہیں اور ایک ذرا سی بات اگر ہو جائے تو اُس کا بہت خیال کرتے ہیں۔ مجاہد شاہ نے ملیبار تک بکارا ے کا تعاقب کیا۔ راجہ دوسرا رستہ کاٹ کر بیجانگر آگیا اور ۷۷۵ھ/۱۳۷۵ء میں ایک جنگ عظیم ہوئی۔ مجاہد شاہ نے قریب ساٹھ ستر ہزار عورتوں اور بچوں کے قید کر لیا۔ چوں کہ بادشاہ کی فوج قلعۂ ادھونی کو محاصرہ کئے ہوئے پڑی تھی پھر اُدھر ہی چلا گیا وہاں نو مہینے تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ موسم گرمی کا آگیا تھا اور امید تھی کہ اب قلعہ فتح ہو جائے گا کیوں کہ محصورین کو پانی کی سخت تکلیف تھی لیکن غیر معمولی بارش سے یہ بات بھی جاتی رہی۔ پادشاہ کے لشکر میں آثار قحط نمایاں ہوئے سیف الدین غوری کو جب یہ خبر پونچی تو بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ لکھا کہ افواہ خاص و عام سے ادھونی کی تعریف بہت سنتا ہوں اگر فرمان خداوندی ہو تو فوج لے کر حاضر ہوں۔ بادشاہ نے اس درخواست کو منظور فرمالیا چنانچہ سیف الدین بہت جلد آن پونچا اور آتے ہی پادشاہ سے عرض کی کہ یہ ایسا قلعہ ہے کہ پندرہ قلعے اس کے اردگرد ہیں اور ایک بہت بڑے بلند اور وسیع پہاڑ پر واقع ہے جلد اس کا فتح ہونا مشکل ہے۔ شرط کشور کشائی یہ ہے کہ

اول قلعہ جات و مقامات مابین دوآبہ۔ بندرہ گوآ اور بلگاؤں سے بنکاپور تک فتح فرمالیجئے اُس کے بعد اس قلعہ کو لے لینا آسان ہی۔ بات معقول تھی پادشاہ کی سمجھ میں آگئی اور واپسی پر راضی ہوگیا۔ سیف الدین نے رای بیجانگر سے صلح کا پیغام چھیڑ دیا اور یوں پادشاہ گلبرگہ واپس ہوا اور اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔

اسد خاں کا رام راج کے بھائی ڈنکٹا دری کو دھونی پر شکست دینا ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء

راجہ سیورای کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا جانشین ہوا جس نے عالم جوانی ہی میں انتقال کیا اُس کا ایک چھوٹا بھائی اور تھا وہ بھی جوانی ہی میں مرگیا تب اُس لڑکے جس کی عمر صرف تین مہینے کی تھی برائے نام راجہ مقرر کیا گیا جب یہ بچہ سن رشتہ کو پونچا تو ہیم راج نے اُسے زہر دے کر مروا ڈالا اور خود مالک بن گیا۔ ہیم راج عرف سالوتما سیورائے کا وزیر تھا جس نے برابر چالیس سال تک خود مختارانہ وزارت کی۔ ہیم راج کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا رام راج حاکم الوقت ہوا جو سیورائے کا داماد بھی تھا۔ اُس نے سلطنت اپنے خاندان میں مستقلاً منتقل کر لینے کی کوشش کی لیکن اُمراء نے اختلاف کیا اور ایک چھوٹے سے بچے کو (جو آل ہی تھا اور جس کا نام کسی تاریخ میں درج نہیں ہی) برائے نام راجہ بنا دیا اور اُس کی پرورش اُس کے ماموں بھوج ترل کے سپرد کی جو دیوانہ تھا اور اسی وجہ سے اُسے "ترل یعنی دیوانہ ترل کہلاتا تھا رام راج کے اور بھوج ترل کے چل گئی۔ بھوج ترل نے ابراہیم عادل شاہ کو بیجاپور سے اپنی مدد کو بلوایا اُس کے آنے پر رام راج نے بھوج ترل سے معذرت کی۔ بھوج ترل نے چوالیس ہزار ہن ہرجانہ دے کر پادشاہ کو واپس کیا اُس کے جاتے ہی رام راج نے بھوج ترل کو سخت عاجز کیا۔ بھوج ترل محل میں جا بیٹھا اور دروازے بند کرلئے اور دل میں سوچا کہ تو کونہ مو کو اسے چھوٹے میں جھونکھو۔ تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کی آنکھیں نکلوا کر دمیں کٹوا کر بیکار کر دیا۔ تمام بیش بہا جواہرات اور موتیوں کو جو مدتوں میں جمع کئے گئے تھے بڑی بڑی چکیوں میں پسوا کر آٹا کر دیا اور صحن میں بچھوا دیا تب اُس نے محل کے ایک ستون میں ایک تلوار کا پھل گاڑ دیا اور زور سے اُس پر جا گرا ایسا گرا کہ تلوار پیٹھ کے پار ہو گئی اُدھر اُس کا مرنا تھا ادھر شہر کے دروازے دشمن کھول کر اندر گھس آئے۔ اب رام راج کے لئے میدان خالی تھا روکنے والا کون تھا وہ بیجانگر کا راجہ بن گیا

ابراہیم عادل شاہ کو جب خبر ملی کہ بھوج ترمل مر گیا۔ اور رام راج تخت پر بیٹھا تو اُس نے اسد خاں کو قلعۂ ادھونی کے فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ جو اس زمانے میں راجگان بیجانگر کے قبضے میں تھا رام راج نے اُس کے مقابلے کے لئے ایک بڑے لشکر کے ساتھ اپنے بھائی ونکٹادری کو روانہ کیا۔ اسد خاں نے جب بیجانگر کی فوج کی آمد سنی تو وہ قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر آگے بڑھا اور دونوں میں خوب جنگ ہوئی۔ اسد خاں نے دیکھا کہ بیجانگر کی فوج اس کے لشکر سے بہت بڑھی ہوئی ہے تو وہ پس پا ہوا (۱۴) میل پر جا کر دم لیا تھا مگر وہاں تک ہندوؤں کی فوج نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ونکٹادری اس غرض سے کہ اگلے دن مسلمانوں کو اچانک دڑ بڑا لوں گا اُن سے صرف دو میل ہی ہٹ کر ایک محفوظ مقام پر ٹھیر گیا۔ اسد خان کو یہ موقع اچھا ملا ابھی صبح نہ ہونے پائی تھی کہ اُس نے چار ہزار سواران جبہ پوش نے اچانک ہندوؤں کے کیمپ میں جا کر شبخون مارا

همه شیر مردان کار آزمائے　　دلیر و عدو بند کشور کشائے
بہ گاہ دغا ہر یکے صفدرے　　از ایشاں یکے در عدو لشکرے

ونکٹادری کو اپنی فوج پر ایسا بھروسہ تھا کہ وہ بالکل مطمئن تھا اور اُسے مسلمانوں کی طرف سے حملہ ہونے کا گمان بھی نہ تھا۔ اسد خاں ایک دم اُس کے خیموں تک پونہچ گیا اُس وقت تک اِن لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور نہ بھاگنے کا موقع ملا ؎

نیاید غنودن چناں بے خبر　　کہ ناگاہ سیلے در آید بسر
بہ جائے نہ خسپد عقابِ دلیر　　کہ آبے تواں بست او را بزیر

ونکٹادری اپنے بال بچے خزانہ ہاتھی گھوڑے وغیرہ سب سامان چھوڑ کر تن تنہا اپنی جان لے کر بھاگا۔ جب ذرا دن چڑھا تو ونکٹادری نے اپنی فوج کو جو تتر بتر ہو گئی تھی اکھٹا کر کے حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن دیکھا تو اسد خاں کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ونکٹادری کو اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانی بھی فرض تھی ان وجوہ سے وہ لڑائی کا ارادہ چھوڑ کر چند میل پیچھے ہٹ کر ٹھیر گیا اور وہیں سے رام راج کو شکست کی خبر دی اور جلد امداد بھیجنے کو لکھا رام راج نے فوراً فوج کی امداد اور خزانہ بھجوایا اور بہ ظاہر تو یہ کہلا بھیجا کہ خوب لڑو اور مقابلہ کرو لیکن اندرونی طور پر اپنے بھائی کو یہ لکھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ابراہیم عادل شاہ

نے بطور خود ادھونی پر چڑھائی نہیں کی بلکہ مجھے شبہ ہی کہ ہمارے زمینداروں نے در پردہ سازش کر کے بادشاہ کو جنگ کے لئے بلوایا ہی اور خود تمھارے ساتھ کے بہت سے امرا اُس سے ملے ہوئے ہیں اس لئے مصلحت وقت یہی ہی کہ اس وقت مسلمانوں سے صلح کر لی جاے تاکہ تمھارے بیوی بچّے بھی اسدخاں کے پنجے سے نجات پائیں۔ ونکٹادری اپنے بھائی کی مرضی کا تابع تھا اُس نے اسدخاں کو بلالیا اور اسدخاں کو بیچ میں ڈال کر بادشاہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا جو منظور ہوگیا اور سب امور طرفین سے خاطرخواہ طے ہوگئے اور اسدخاں بیجاپور واپس ہوا۔

ادھونی بعہد ہنود جس زمانے میں قلعۂ ادھونی راجگان بیجانگر کے قبضہ میں رہا اس کی حدود شمال میں دریاے تنگ بھدرا تک جو ۲۶ میل ہی اور مغرب میں ہگری ندی تک جو بلھاری کے پاس ہی۔ جنوب میں پہاڑی سلسلہ مشرق میں جنگل باندگ تک تھیں ادھونی چھتیس سال تک کشن رای راجہ بیجانگر کی چچی راج کنور کی جاگیر رہی اُس کے مرنے پر اُس کے لڑکے دھرم راج کو ملا اُس نے تیلی بنڈہ پہاڑ کے دامن میں آبادی کی بنیاد ڈالی دھرم راج نے (۱۴۱) برس ریاست کی اس کی لڑکی سیام کنور رام راج کے لڑکے سے منسوب ہوئی اور جہیز میں دامن کوہ ادھونی کی آبادی پھر جاگیر ملی جسے سیاہ ڈونگر کہتے ہیں اور جو محصور کیا گیا ہی۔ کنّم راج یہاں کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ حاکم ادھونی سے کنّم راج کی لڑائی ہوئی جس کے نشانات اب تک قلعہ کی دیواروں پر باقی ہیں۔

ادھونی بعہد مسلمانان ۹۷۲ھ / ۱۵۶۶ء میں علی عادل شاہ نے ملک حسین عرف ملک ریحان کو قلعۂ ادھونی کا صوبہ دار مقرر کیا جو نہایت نیک نامی سے (۲۹) برس رہا اور بہت اچھا انتظام رکھا جس کا مقبرہ اب تک اچھی حالت میں موجود ہی اور سرکار انگریزی نے بھی سالانہ عرس کے اخراجات کو جاری رکھا ہی اور خدام بھی مقرر ہیں۔ ۱۶۰۲ء میں نواب سدّی مسعود خاں صوبہ دار مقرر ہوا جو سدّی ریحان مرحوم کا آغوشی فرزند تھا اور علی عادل شاہ کا تربیت یافتہ غلام تھا۔ اس نے قلعہ کا حصار بنوایا اور برجوں کی تعمیر کی۔ امتیاز گڑھ جو قلعہ سے قریب ہی اور سُکّرواریپیٹ جسے جمعہ پیٹ بھی کہتے ہیں بنوایا۔ مسعود خاں بڑا مدبّر نیک دل اور رعایا پرور حاکم تھا۔ اس وقت تمام جنگل کٹ کر چاروں طرف آبادی اور زراعت

ہوگئی تھی جس کی آمدنی چھ لاکھ چھتر ہزار نو سو رائلی ہن تھی - آدھی رقم خرچ ہو کر آدھی سرکاری خزانہ میں داخل ہوتی تھی - چار ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل فوج میں تھے -

سدی مسعود خاں کی جامع مسجد ۱۰۷۷ھ

اگرچہ ادھونی میں چھوٹی چھوٹی کچی تین مسجدیں نوابوں کے زمانے کی شہباز خاں کی بنائی ہوئی تھیں مگر خستہ تھیں مسعود خاں نے جیب خاص سے ستتر ہزار روپیہ دے کر زمین خریدی اور ایک بے نظیر مسجد بنائی جس کی بہترین تاریخ یہ آیت کلام الٰہی ہے

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

۱۰۷۷ھ

یہ مسجد نہایت خوب صورت ہے مسجد میں ایک ہی پتھر سے تراشی ہوئی زنجیریں دیکھنے کے قابل ہیں - اس کی تعمیر میں دو لاکھ روپیہ صرف ہوا - دو سال نو مہینے میں طیار ہوئی "مسعود خاں بانی ایں مسجد بود" یہی تاریخ ختم تعمیر ہے -

سکندر عادل شاہ نے اس مسجد کے لئے ایک سنگ مرمر کی تختی بھجوائی تھی جس پر کتبہ ہے اور ایک ہزار اشرفی نذر گزرانی تھی - یہ تختی اب بھی اندرونی کمان میں لگی ہوئی ہے - بادشاہ کے اس عطیہ سے مسجد کا طلائی اور آرائشی کام کیا گیا - اس مسجد کے اطراف بازار بھی بنائے گئے ہیں اور ایک مختصر سی آبادی مسعود خاں نے اپنے کسی عزیز کے نام سے بسائی ہے مسجد میں ایک حوض بھی ہے - اس مسجد پر حسب ذیل کتبے ہیں :-

(شمال رو)

مسجد کے کتبے

بر پیشانی در زر دبان سقف مسجد کہ جانب راست ایں نوشتہ است

یَا مُجِیْبَ الدَّعَوَاتِ

یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

سیدھی جانب

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَالِصًا وَّمُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ بِلَا حِسَابٍ وَّلَا عَذَابٍ -

جانب چپ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِّلُوْا بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْفَوْتِ وَعَجِّلُوْا

بِالتَّوبَۃِ قَبلَ المَوتِ۔

(جنوب رو)

بر در سنگیں نردبان سقف مسجد کہ جانب چپ است ایں نوشتہ۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ وَادخُلُوا البَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّۃٌ نَّغفِر لَکُم خَطٰیٰکُم وَسَنَزِیدُ المُحسِنِینَ۔

سیدھی جانب قَالَ عَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَن بَنیٰ مَسجِدًا لِلّٰہِ تَعَالیٰ بَنَی اللّٰہُ تَعَالیٰ لَہٗ سَبعِینَ قَصرًا فِی الجَنَّۃِ یَومَ القِیٰمَۃِ۔

جانب چپ قَالَ عَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ المُؤمِنُ فِی المَسجِدِ کَالسَّمَکِ فِی المَاءِ وَالمُنَافِقُ فِی المَسجِدِ کَالطَّیرِ فِی القَفَسِ۔

پہلی کمان کی پیشانی پر یہ منقوش ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَضلُ الصَّلٰوۃِ الجَمَاعَۃِ عَلَی الصَّلٰوۃِ الاَحَدِ خَمسٌ عِشرُونَ۔

دوسری کمان پر قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ اِنَّمَا یَعمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَن اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الاٰخِرِ۔

تیسری کمان پر وَادخُلُوا البَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّۃٌ نَّغفِر لَکُم خَطٰیٰکُم وَسَنَزِیدُ المُحسِنِینَ۔

چوتھی کمان پر یَا بَنِیٓ اٰدَمَ خُذُوا زِینَتَکُم عِندَ کُلِّ مَسجِدٍ۔

پانچویں کمان پر قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُم فِی المَسجِدِ لَن یَجلِسَ حَتّٰی یُصَلِّیَ رَکعَتَینِ۔

کتبہ ہائے ذیل جامع مسجد ادھونی میں کمانوں کے اوپر سنگ سیاہ پر بخط نسخ کندہ ہیں۔

پہلا کتبہ

ماحی کفر حامی اسلام — مفتی شرع و قاضی احکام
سرفراز دو کون و خاص خدا — کرد اسلام را ز کفر جدا
عادل و باذل و امیر کبیر — عالم و عامل و نکو تدبیر
واہب مطلق از کرم بنواخت — متولی دین و دنیا ساخت

دوسرا کتبہ

دادہ توفیقِ نیک کاریہا — شرع ازو یافت استواریہا
خانِ مسعود قادری نامش — جز پرستش نہ روز و شب کامش
اسم مسعود رسم او محمود — خلق راضی ازو خدا خوشنود
نہ نہد سر بغیر سجدہ ہو — نہ نہد پا بغیر فرق عدو

تیسرا کتبہ

باغ و بیر و غدیر و ایں مسجد — بہ رضائے خدا بہ بست از جد
ایں چنیں جامعے کہ می افراخت — خانۂ خود میان جنت ساخت
نام خود زندۂ ابد کردہ — کین چنیں معبد صمد کردہ
یک بہ یک سال او بر آمد خوب — باتسا شرفہ سر بسر مرغوب

چوتھا کتبہ

احسن واز در و قوی محکم — اقدسے چوں مقدسہ خرم
یادگارے دریں جہاں کردہ — بلہٗ طاعتش گراں کردہ
نیست زیں علیش خواہش بنیاد — کہ تقبل اللہ ربنا منا
مخزنِ فانی جہاں پرداخت — منظر عالیے جناں افراخت

پانچواں کتبہ

سرنوشتِ ازل چو نیکش بود — بستہ ایں طرفہ معبدِ معبود
جان و دل اندرو تمامے بست — تا چنیں کعبہ در دعائے بست
دیو بشکست و ہم کلیسا را — تا بر آورد کعبۃ اللہ را
پیش رنگش کہ رشک ازژنگ است — مانی بے روح چوں بت سنگ است

چھٹا کتبہ

اوگر او زندہ ایں زماں بودے — کم اجیر مسعود خاں بودے
دیر باد ایں عمارت عالی — با نشیش بامراد و خوشحالی
ہر کہ تاریخ ایں عمارت خواست — سن از سر حروف خیز دراست

۵ل پڑھا نہیں جاتا ۔ ۱۲

سا تواں کتبہ

تاریخ مسجد بنا صارشہودا — وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا مَسْعُوْدًا

خانِ مسعود غازی صفدر — کرد از بہر ایزد اکبر سنہ ۱۰۷۹ھ

مسجد و چاہ را بناے بہم — شدہ بیتے حرام با زمزم

آٹھواں کتبہ

قَوْلِ اللّٰهِ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سنہ ھ — وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ سنہ ۱۰۷۸ھ

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ سنہ ۱۰۷۹ھ

مسعود خاں بانی این مسجد بودہ

سنہ ۱۰۷۹ھ

نواں کتبہ

یافت توفیق بستن این مسجد — گوی نیکی ازین جہاں بربود

نام خود بر جریدۂ عالم — ثبت کردہ بہ زندگی خلود

کرد ہاتف ندا ازین تاریخ — ہادی راہ راست با مسعود سنہ ۱۰۷۸ھ

دسواں کتبہ

در آید گر غریبے گرد آلود — درین مسجد کہ طاعت گاہِ معبود

پس از طاعت بہ بیند این مقامے — مقامے چوں مقامے ہمچو محمود

چناں جاے شد است این جاے اسلام — خدا راضی نبی زین کار خوشنود

گیارھواں کتبہ

بحیرت کو پرسد نام بانیش — چہ دارد نام نیکو نامنم زود

جوابش گو کہ در مصراع آخر — پدر مسعود مسعود است مسعود

بارھواں کتبہ

یا الٰہی تو بانئی این را — بہ دل اہل دل بہ کن مودود

کرد مسجد بنا بعزم درست — سعی او را قبول ساز بہ جود

تیرھواں کتبہ

حافظ شرع و حامی دین است | یا دد ایم چو نام خود مسعود
سال تاریخ این خرد گفتا | مسجد قادر لیست از مسعود

چودھواں کتبہ

خان رفیع المرتبت منبع شیریں زباں | ثانی بیت العتیق کردہ بہ دور زماں
از پی تاریخ آن گفت عطارد مرا | گو کہ بنائے بلند مسجد مسعود خاں
سنہ ۱۰۷۸ھ

پندرھواں کتبہ

حامی از خدا سالک راہ ھدا | کرد بنا مسجدے چونکہ زبہر خدا
چوں بہ گرفتم خبر از پی سال وسنش | داد جواب بدیہہ گشت مبارک بنا
۱۰۷۸ھ

اورنگ زیب نے سنہ ۱۰۸۶ھ میں سلطنت بیجاپور کو جس میں بہت بڑا حصہ ملک کرناٹک کا تھا شامل کر لیا اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کو بجائے سدّی مسعود خاں کے ادھونی کا صوبہ دار مقرر کر کے بھیجا۔ بہت بڑی جنگ ہوئی مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا لوگوں نے کہا کہ مسعود خاں کو مسجد از حد عزیز ہے قلعہ چھوڑ کر اگر مسجد کا رخ کرو تو وہ خواہ نخواہ قلعہ کا دروازہ کھول دے گا۔ دشمنوں نے مسجد پر توپیں لگا دیں اور خالی آوازیں چلانے لگے سدی مسعود خاں گھبرا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسجد کو ڈھا دیں۔ وہ مسجد کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا مسعود خاں نے جب سنا کہ مسجد پر توپیں چل رہی ہیں تو بے تاب ہو کر کہا کہ مسجد تو خدا کا گھر ہی ہے اس پر سے قلعہ ملک و مال اور اپنی جان کو صدقہ کرتا ہوں اور فوراً پالکی میں سوار ہو کر غازی الدین خاں کے خیمے میں پہنچ کر کہا کہ "جان و مال۔ خزانہ۔ عیال و اطفال۔ یہاں تک کہ میں خود اس مقدس مکان پر نثار ہوں۔ بسم اللہ قلعہ لے لیجئے" سرلشکر نے مسعود خاں کو مع مال و اسباب قید کر کے بیجاپور بھیج دیا جہاں وہ کڑھ کڑھ کر چند دنوں میں مر گیا۔ اس کے بعد ابراہیم خاں پنّی جو خضر خاں کا نواسہ اور داؤد خاں کا بھتیجا تھا صوبہ دار رہا۔ اس لئے نچنہ حصار ہوا کر ابراہیم پنّی نام رکھا۔ کچھ دنوں بعد عالمگیر کی طرف سے حویلی ادھونی اور محال موگا۔ غازی نگر نندیال وغیرہ غازی الدین خاں فیروز جنگ کی بیگم کی صحنک خوری کے واسطے دئے گئے اور

سنہ ۱۷۵۲ء تک اُن کے خاندان کے قبضے میں رہے بعدہٗ یہ ملک بسلسلہ سلسلہ حیدرآباد
کے نواب شریف خاں بہادر شجاع الملک بسالت جنگ فرزند پنجمی نواب میر نظام علیخاں
مغفرت مکاں کو دیا گیا جنہوں نے سنہ ۱۷۸۲ء میں انتقال کیا جن کا مقبرہ ابھی تک موجود ہے۔
جس کی کمان کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

ازیں غم آسماں را پشت خم شد　　جہاں را در وفاتش دیدہ نم شد
دوشنبہ بست و نہ از ماہ شوال　　شجاع الملک ہم قطب ارم شد

محمد شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بتاریخ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۷۶۳ء نظام الملک آصف جاہ حیدرآباد
دکن پر واپس ہوئے۔ سنہ ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۲ء میں نظام الملک بہادر نے ادھونی کو مع دیگر اضلاع کڑپا و کرنول
و بلھاری کے سرکار انگریزی کے سپرد کیا۔ بروئے عہد نامہ ۲۱ مئی سنہ ۱۸۵۳ء جو فیمابین دی آنریبل
ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر ملک دوآبہ رائچور باداے تنخواہ جمعیت
کنٹجنٹ کرنل لو صاحب بہادر رزیڈنٹ برٹش گورنمنٹ کے سپرد ہوا اور بروئے ضمیمہ عہد نامہ
فیمابین ہر مجسٹی کوئین وکٹوریا اور ہز ہائی نس نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ
بہادر مورخہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء بزمانۂ کرنل ڈیوڈسن بہادر رزیڈنٹ حیدرآباد ملک دوآبہ
سرکار عالی نظام کو مسترد ہوا جس میں ضلع رائچور اور لنگسگور شامل تھا۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں لنگسگور کنٹجنٹ
کی فوج کا مستقر قرار پایا اور چھاؤنی مقرر ہوئی سنہ ۱۸۸۴ء میں رائچور پر چھاؤنی منتقل ہوئی اور
سنہ ۱۹۰۳ء میں ملک امانی برار سرکار انگریزی کی تحویل میں دے دینے سے جمعیت کنٹجنٹ شکست
ہوگئی اور مثل دوسری چھاؤنیوں کے رائچور کی چھاؤنی بھی توڑ دی گئی سنہ ۱۹۰۵ء / ۱۳۱۵ف کی جدید
ضلع بندی میں ضلع لنگسگور شکست ہو کر اُس کے تعلقات اضلاع رائچور اور گلبرگہ میں ضم ہوگئے
ادھونی میں علاوہ مسجد کے اور مشہور مقامات کے کتبے حسب ذیل ہیں۔

رنمنڈل برج کا کتبہ
سنہ ۱۰۸۰ھ

ادھونی کے بالا حصار پر رنمنڈل کے پہاڑ پر سدی عنبر نے
جو برج تعمیر کیا تھا اُس کا تاریخی کتبہ برج کے منہدم ہو جانے
سے جامع مسجد ادھونی کے جانب شمال رکھا ہوا ہے سنگ سبز پر بخط ثلث کتبۂ ذیل
کندہ ہے

ہر کس کہ در گیتی از و کز یادگارے خوشتر است	زندہ بماند نام او تا دور چرخ اخضر است
مسجد بہ بند و یا سرا یا چاہ و حوض و سرورا	تا نفع باشد خلق را باغ و چمن ار در خور است
عنبر کہ می کرد ایں عمل برجے بہ بستہ بے بدل	نزدیک کوہ رنمنڈل ہیبت ارکل ہمسر است
اندرا دونی تا کہ ہست زیں گونہ برجے کس نبست	پشتِ تمام اعدا شکست تو پیش کہ اژدر پیکر است
زیں گونہ چرخش رام شد بدخواہ دشمن کام شد	مسعود خاں را نام شد کش طالع زور آور است
چو کس بہ پرسد مر ترا تاریخ آں گر طاہرا	بالفور بے چوں و چرا گو برج سدی عنبر است
سرِ حرف ہر مصراع بیں تاریخ ایں بے کبر و کیں	تاریخ از وہم برگزیں کیں نیز طرز دیگر است ۱۰۸۷ھ

ہ م ت ع ن ا ب ا ز م ج ب س ت

۱۰۷۸ھ

کمانوں کی باؤلی کا کتبہ ۱۰۷۵ھ

اندرون قلعہ پہلی فصیل طے کرنے کے بعد بانی جامع مسجد ادھونی و صوبہ دار سدی مسعود خاں کی تعمیر کردہ ایک باؤلی ہے جو کمانوں کی باؤلی سے مشہور ہے اس پر جانب شمال ایک محراب میں سنگ سفید پر بخط نستعلیق کتبۂ ذیل کندہ ہے۔

اللہ کافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ المہیمن — وجعلنا من الماء کل شئ حی

۱۰۷۵ھ

بنائے چاہ شد از خانِ مسعود	کہ نفعش حاصلِ شہری دو شتی
چو تاریخ بنائش جستم از فکر	بہ گفتا چشمہ چاہ بہشتی

۱۰۷۵ھ

بھڑ کل باؤلی کا کتبہ

اندرون قلعہ پہلی فصیل طے کرنے کے بعد سدی عنبر کی تعمیر کردہ باؤلی جو بھڑ کل باؤلی کے نام سے مشہور ہے اس پر جانب مشرق و مغرب دو کتبہ سنگ سیاہ پر بخط ثلث کندہ ہیں۔ کتبہ جانب مشرق یہ ہے

چاہ ایں عنبر مسعود یہ بست	کرد محنت ز دل عالم رفت

اس وقت تک بعض بعض عمارات پر برہان نظام شاہ کے کتبہ جات موجود ہیں۔

ایک عجیب روایت اودگیر کا ایک قدیم وطن دار رامنّا نامی راوی ہے کہ اُس کے آبا و اجداد کو ایک قطعہ زمین سلطان ہمایوں شاہ ظالم بہمنی بیدر نے اس صلہ میں انعام دیا تھا جو اَب تک بروے سند جاری و بحال ہے (مگر سندہ میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے) کہ قلعہ میں جب چاندنی برج کی بنا پڑی تو وہ کسی طرح اتمام کو نہیں پونچتا تھا اِدھر بنتا جاتا تھا اُدھر گرتا جاتا تھا ناچار رامنّا کے کسی بزرگ کو بل چڑھایا گیا اور وہ اس کے پایہ میں زندہ دفن کیا گیا۔ اکثر بڑی بڑی عمارات اور بڑے بڑے پلوں پر اُس زمانے میں بل چڑھانے کا دستور تھا اور کئی کئی جانیں بھینٹ چڑھائی جاتی تھیں جیسے اب بھی بکرے اور بھینسے ایسے مواقع پر قربان کئے جاتے ہیں تو رامنا کے خاندان کے کسی ممبر کا زندہ دفن کیا جانا کچھ بعید از قیاس نہیں اور پھر ہمایوں جیسے ظالم اور قاہر بادشاہ کے لئے جو زندہ شیر کے سامنے زندہ آدمیوں کو ڈال کر ٹکڑے اُڑوا دیتا تھا ایک تن ضعیف کو زندہ درگور کر دینا کون سی بڑی بات تھی۔

جغرافیہ قدیم جغرافیہ اودگیر کا نہیں مل سکا لیکن منعم خاں ہمدانی اورنگ آبادی کی ایک قدیم قلمی کتاب میں لکھا ہے کہ جب دکن شاہان تیموریہ کے قبضہ سے نکل کر نواب نظام علی خاں بہادر کے قبضے میں آیا تو اُس وقت اودگیر بہ حیثیت ایک پرگنہ کے سرکار ناندیڑ میں شامل تھا اور ناندیڑ صوبۂ بیدر کا ماتحت تھا۔ اب بیدر سے صوبہ داری اُٹھ کر بٹن چرد میں آگئی اور بیدر کی حیثیت صرف ایک ضلع کی رہ گئی اور اودگیر میں علاوہ تحصیل کے افسر ڈویژن بھی رہتا ہے چنانچہ راقم بھی وہاں رہ چکا ہے۔ زبان یہاں کی مرہٹی اور کنڑی ہے۔

بستی کی موجودہ حالت یہہ بستی بالکل نشیب میں واقع ہے اور جب تک بالکل قریب نہ آجائیں دکھلائی نہیں دیتی اور اسی وجہ سے آب و ہوا خوش گوار نہیں ہے۔ بستی کے چھ دروازے اس وقت تک موجود ہیں اور بچے کھچے قدیم نشانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی کے گرد فصیل بھی تھی لیکن اس وقت تو چاروں طرف تاگ بھنی نے ایسا گھیر لیا ہے کہ اُسی کا حصار ہو گیا ہے۔ بیدر سے آتے وقت سڑک پر دو مسافر بنگلے ڈون گوپرے اور مرگ میں

ہیں اور تیسرا ڈاک بنگلہ خود ادو گیر میں بیرون آبادی ایک بلند ٹیلے پر ہی جہاں مسلمانوں کا قبرستان اور شاہ محمد قادری کی درگاہ ہی - بستی میں کشادہ سڑکیں چوپڑ کی ہیں جن کے وسط میں بیدر کی طرح چوبارہ بنا ہوا ہی - یہہ چوبارہ قدیم عمارت ایک برج کی شکل کی ایک سنگین بلند چبوترے پر برج کی شکل کا بنا ہوا ہی جس کے اندر رہنے کی بھی جگہہ ہی اور پولیس کا تھانہ اسی میں رکھا گیا ہی - چوبارے کی بلندی (۱۰۰) فیٹ اور عرض (۲۵) فیٹ ہی - چوبارے سے یہہ چار راستے پھوٹتے ہیں -

(۱) چوبارے دیونی دروازے کو - (۲) چوبارے سے قلعے کے دروازے کو -

(۳) چوبارے سے تالاب دروازے کو جس کے باہر ایک وسیع تالاب ہی -

(۴) چوبارے سے نڑی ین دروازے کو -

سڑکیں کشادہ مگر پتھریلی اور ناہموار ہیں - اکثر قدیم عمارتیں بالکل شکستہ اور ویران ہیں - اور اکثر حصہ بستی کا غیر آباد اور اُجڑا ہوا ہی - علاوہ مذکورۂ بالا چار دروازوں کے دو اور ہیں - (۱) قندہاری دروازہ (۲) پیٹ دروازہ - قندہاری دروازے کی سیدھی جانب یہہ کتبہ ہی -

بحکم حضرت نواب مستطاب جہاں	بعہد عصر سزاوار ملک عالیشاں
بنا نمودہ حسن خاں یکے مغل از قوم	رواق تحفہ نمودہ در طی سال رواں
پس از رواق بنا کردہ سال تاریخش	بساط قصر تو لایق عبور شاہ شہاں

کتبۂ پیٹ دروازہ بتاریخ غرۂ شہر ربیع الاول ۱۱۰۲ھ یکہزار و یکصد و دو ہجری در قلعداری خان قاسم خاں باہتمام ابو المعالی احداث یافت سنہ ۱۱۰۲ھ

مکانات قلعہ بڑا محل[۱] - نقشی محل[۲] - فراش خانہ[۳] - باورچی خانہ[۴] - جامع مسجد[۵] پہلے باہر کے دروازے سے آخر اندر کے دروازے تک - کوٹھ[۶] - سلاح خانہ[۷] - رنگین محل[۸] - مندر[۹] اودی گیر سوامی - باغ نگینہ[۱۰] - عاشور خانہ -

مکانات شکستہ مکان بی بی صاحبہ یشمشادبی کا محل - کچہری نواب جہانگیر یار جنگ قلعہ دار - کچہری نواب سزاوار الملک - روشن محل - پنجہ خانہ جو باغ نگینہ میں واقع ہی -

باؤلیاں کل بستی میں (۱۵) باولیاں ہیں:-

(۱) نیچی باؤلی متصل درگاہ حضرت خواجہ صدرالدین پادشاہ قادری جس کی تین سیڑھیاں ہیں اور اسی وجہ سے یہ تین سیڑھی کی باؤلی بھی کہلاتی ہی اور پانی صرف دو گز نیچے ہی اور بارہ مہینے اسی لیول پر رہتا ہی۔

(۲) بھوت باؤلی جس کو دودھ باؤلی بھی کہتے ہیں کیوں کہ پانی اس کا بہت شیریں اور شفاف ہی

(۳) بیرسندھی باؤلی۔ (۴) حضرت چاند صاحب کی درگاہ کی باؤلی (۵) کنڈہ باغ کی باؤلی۔

(۶) راج محمد کی باؤلی۔ (۷) خطیب صاحب کی باؤلی۔ (۹) مکھن گلی کی باؤلی۔ (۱۰) دھرم سدین کی باؤلی۔ (۱۱) مومن گلی کی باؤلی۔ (۱۲) دسیکھ باغ کی باؤلی (۱۳) دھنیا پور باولی (۱۴) رستم باؤلی جو بالکل شکستہ ہی۔ (۱۵) ریگڑی باؤلی جو قریب بھوت باؤلی کے ہی اور بالکل شکستہ ہی۔

قلعہ اودگیر کی موجودہ حالت یہ قلعہ اب تک درست حالت میں ہی اور بستی کے جنوب رخ ایک گڑھے میں واقع ہی جس کے اطراف (۴۰) فٹ گہری اور (۲۰) فٹ چوڑی خندق ہی۔ فصیل (۳۰) فٹ بلند ہی جس کے چار مشہور برج ہیں اور پندرہ ایسے ہین جن کا کوئی خاص نام نہیں۔

(۱) جمنا برج۔ جس پر دو توپیں چڑھی ہوئی ہیں ایک پر کچھ کتبہ ہی مگر مرور زمانے سے پڑھا نہیں جاتا۔

(۲) مانگ برج۔ اس پر کوئی توپ نہیں ہی۔

(۳) گیتی برج۔ اس پر ایک توپ شیر بچہ نامی ہی اور دوسری معمولی۔

(۴) فتح برج۔ اس پر بھی ایک توپ چڑھی ہوئی ہی اور ایک توپ قلعہ کے اندرونی دروازے میں گاڑی پر رکھی ہوئی ہی۔ ایک ٹوٹی ہوئی توپ تحصیل کچہری میں بھی پڑی ہوئی ہی۔

یہ قلعہ گو کہ نشیب میں بنایا گیا ہی لیکن کچھ ایسے اونچے ٹیلے آگئے ہیں کہ قدرتی طور پر ان کے پشتوں سے برجوں اور فصیل کا استحکام ہوگیا ہی۔ خندق کی گہرائی ایسی مہیب ہی کہ فصیل کے کنگرے پر سے چڑھ کر دیکھو تو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور سر چکرانے لگتا ہی۔ قلعہ میں داخل ہوتے وقت پہلے ایک بہت بڑی سنگ بستہ کمان ملتی ہی جس سے گزرنے کے بعد (۵۰) قدم کے فاصلے پر قلعہ کا پہلا دروازہ ہی لیکن کمان اور قلعہ کے پہلے دروازے کے درمیان خندق حائل

ہے جس پر پل بندھا ہوا ہے - اس کمان کے مقابل کچھ مکانوں کی دیواریں کھڑی ہیں جن کی چھت بیٹھ گئی ہے اور ان مکانوں کے پیچھے ایک عاشور خانہ ہے - اس کمان کے مقابل کا حصہ نگینہ باغ کہلاتا ہے لیکن نہیں معلوم ہوتا کہ باغ کس کا بنایا ہوا تھا - قلعہ کی بیرونی دیواروں میں اکثر بڑے بڑے پتھروں پر ہاتھی وغیرہ کی مورتیں تراشی ہوئی ہیں - کہا جاتا ہے کہ یہہ سارے پتھر بھوانی کے دیول کو جو نہایت عالیشان عمارت تھی توڑ کر لائے گئے ہیں - قلعہ کا پہلا دروازہ جو خندق کے بعد ملتا ہے درست حالت میں ہے - اس کے پٹوں پر لوہے کی دبیز چادریں چڑھی ہوئی ہیں - اس دروازے سے لگی ہوئی چھ رواقیں ہیں جن میں اب بھی احشام کی جمعیت رہتی ہے - دوسرا دروازہ بھی پہلے دروازے کی طرح شاندار ہے لیکن دونوں جانب صرف دو کمانیں اور سامنے میدان ہے - تیسرا دروازہ ان دونوں دروازوں سے زیادہ بلند و مستحکم اور اندھیرا دروازہ کہلاتا ہے جس کی بلندی سو فیٹ ہے - اس کے دونوں طرف کمانیں ہیں جن پر پٹاؤ ہونے سے اندھیرا رہتا ہے - ایک چھوٹی سی توپ یہیں ایک کمان میں ایک گاڑی پر چڑھی ہوئی ہے - باقی کمانوں میں کچھ لوگ رہتے ہیں - ان تینوں دروازوں سے پار ہونے کے بعد ہم کو قلعہ کی اندرونی گری پڑی عمارات دکھلائی دیتی ہیں جن کے اب صرف چونے مٹی اور پتھر اور روڑوں کے ڈھیر باقی رہ گئے ہیں - معدودے چند ایسے مکانات دست برد زمانے سے بچ رہے ہیں جن کی پچی کھچی ہیئت معلوم دیتی ہے اور ایک آدھ کتبہ بھی نظر پڑ جاتا ہے -

اودی گیر سوامی کا مندر قلعہ کے پہلے دروازے سے تھوڑی دور آگے بڑھ کے سیدھی جانب ایک لمبی گلی ہے جو مندر کو جانے کا راستہ ہے - یہہ مندر (۶۰) فیٹ نیچے واقع ہے جس کے سامنے ایک چوکھونٹی اُترنے کی باؤلی ہے - پانی استعمال نہ ہونے سے خراب ہو گیا ہے اور خندق میں بہہ جاتا ہے - اب بھی مندر میں ایک گوسائیں رہتا ہے جس کو سرکار سے کچھ معاش مقرر ہے - یہ اُسی اودی گیر باوا کا مندر ہے جو آٹھ سو برس پہلے یہاں تھا اور اسی کے نام سے یہہ بستی آباد ہوئی -

دوم کچہری قلعہ کا اندھیرے دروازے کے بعد سیدھی طرف دالان پیش دالان جلو خانے کے طور پر چھ کمانیں فیل پایوں کی ہیں جن پر جہانگیر یار جنگ کی کچہری کا بنگلہ بنا ہوا ہے دوم تعلقہ دار

صاحب کی کچہری اسی گر سے پڑے مکان میں ہے۔

مکان سزاوار الملک سنہ ۹۸۴ھ

سزاوار الملک جہانگیر یار جنگ کے دادا تھے جن کا یہ مکان بنایا ہوا ہے جو "گیر وجہ" برج کے پیچھے ہے۔ اس مکان کا راستہ پہلے مکان کے اندر سے ہے اور ایک راستہ باہر بھی ہے۔ یہ مکان تین قطعات طے کرنے کے بعد ملتا ہے جس کا پہلا دروازہ ایک پتھر کی کمان ہے جو ۷ × ۴ ½ فیٹ طول و عرض میں ہے۔ اس کمان کے اوپر ایک ہشت پہلو حوض پتھر کا نہایت خوب صورتی سے تراشا ہوا ہے۔ کمان کی سیدھی طرف سبز پتھر پر نہایت عمدہ خط نستعلیق کا کتبہ شاہ جہاں کے وقت کا کندہ ہے اور کمان پر بھی کچھ لکھا ہوا ہے۔

پتھر کے چاروں کونوں پر یَا کَرِیْمُ یَا رَفِیْعُ یَا فَتَّاحُ یَا مُعِیْنُ

درعہد حضرت سلیمان الزمانی صاحبقران ثانی شاہ جہان بادشاہ غازی
خلد اللہ ملکہ و سلطانہ عمدۃ الملک خاندوراں بہادر نصرت جنگ بتاریخ ہفتم
شہر جمادی الاول ۱۰۴۶ھ فتح برج قلعہ اودگیر را لقب سرابیدہ مفتوح ساخت
و بتاریخ چہار دہم شہر مذکور سنہ الیہ حسب الحکم جہاں مطاع قلعہ مذبور حوالہ
کمترین خانہ زادان درگاہ معلّیٰ مغل خاں۔ زین خاں کو کہ شد آن برج را در شہر
ذوالقعدہ ۱۰۴۶ھ یا تمام رسانید باہتمام بابو خاں۔

کتبہ زین العابدین۔

کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان ۹۸۴ھ کا بنا ہوا ہے اور غالباً جب اِس قلعہ کو مرتضیٰ نظام شاہ والی احمد نگر نے فتح کیا تو ملک مرجان نے جو اُن کا ایک سردار تھا اس مکان کو بنایا ہے کمان پر کا کتبہ بتلاتا ہے کہ یہ مکان سزاوار الملک کا بنایا ہوا نہیں ہے لیکن اودگیر میں یہ مکان سزاوار الملک کے نام سے ہی زبان زد خلائق ہے۔ ممکن ہے کہ سزاوار الملک جو یہاں کے قلعہ دار تھے بعد میں اس مکان میں رہنے لگے ہوں اور اُن ہی کے نام سے شہرت پا گیا ہو۔ کمان کے بازو کا کتبہ درحقیقت فتح برج کا ہے نہ کہ اس مکان کا عجب نہیں کہ یہ کتبہ برج پر سے اُکھاڑ کر کمان پر لگا دیا گیا ہے۔

کتبہ کمان کی سیدھی جانب شاہ[۱] عالم مرتضی نظام شاہ سلطانی ؛ این عمارت شد زمرجان فرمان عالی ۔

کتبہ کمان کی بائیں جانب۔ این رواق زخانۂ زیر بیست ؛ از طفیل علی و آل علی ست

اس کمان کے سامنے ایک بنگلہ ہے جو اب تک بھی کچھ اچھی حالت میں ہے۔ یہیں ایک گرا پڑا مکان اور ہے۔ اس مکان میں وسیع صحن ہے جس میں ایک سنگ بستہ چبوترے پر ایک عالی شان عمارت ہے جس کا طول و عرض ۶۰ × ۴۰ فیٹ ہے اور جس کے چار درجے ہیں۔ دالان در دالان اوپر کا حصہ بالکل کھلا ہوا ہے جس میں فیل پائے کی سترہ کمانیں اور چھ حجرے ہیں جن کی چھت بالکل گرگئی ہے اور صرف دیواریں قایم ہیں۔ سامنے پھر ایک چبوترہ ہے جس کے نیچے ایک چھوٹا سا پتھر کا حوض ہے جو پانچ فیٹ مربع ہے۔ الغرض یہ مکان بالکل خراب و خستہ حالت میں ہے اس مکان کا حمام البتہ خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے۔

حمام خانہ سزاوار الملک اس مکان کے اندرونی حصہ میں جنوبی جانب ایک مستحکم دومنزلہ عمارت ہے جو صرف حمام کے لئے بنائی گئی تھی۔ پانی جو اس مکان پر چڑھایا گیا ہے وہ عجیب صنعت سے ہے کہ اس مکان کی چھت پر ۶ × ۴ فیٹ طول و عرض کا ایک پتھر کا ترشا ہوا حوض ہے جس میں دو نل لگے ہوئے ہیں اور پہلو میں اس حوض کے (۲۰) فیٹ گہرا خزانہ پانی کا بنایا گیا ہے جس میں دو طرف موٹ کے پتھر لگائے گئے ہیں۔ ایک موٹ کا رُخ خندق کی طرف ہے جہاں ایک کمان بنی ہوئی ہے جو گرنے کے قریب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خندق میں کوئی باؤلی تھی جس میں سے پانی اس خزانے میں آتا تھا اور یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ حمام میں اندھیری باؤلی کا پانی نل سے لایا جاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ نہایت نشیب کا پانی اس بلندی پر چڑھایا گیا ہے۔ اِن نلوں کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں کیسی کیسی صناعیاں کی جاتی تھیں اور فن تعمیر کے کیسے کیسے ماہر تھے۔

حاتم خاں قلعدار کا ایک قدیم مکان سنہ ۱۰۹۴ھ یہ مکان بالکل منہدم ہے اور سزاوار الملک کے مکان میں جانے سے پہلے داہنی جانب ملتا ہے۔ یہ مکان دومنزلہ تھا

[۱] یہ پادشاہ شاہ علی بن برہان شاہ کا بیٹا ہے جو شاہ جہاں کا ہم عصر تھا ۔ ۱۲

جس کے دونوں حصے گر گئے ہیں اب صرف چار دیواری کھڑی ہی جس پر قدیم گلکاری کے نشانات کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ مکان کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے ایسے خانے بنے ہوئے ہیں جیسے بنئے یا عطار الماریاں رکھتے ہیں اس پر لوگ قیاس دوڑاتے ہیں کہ یہ مکان قدیم کبوتر خانہ ہوگا۔ لیکن دیکھا جاے تو عالمگیر کے زمانے کا یہ مکان بنا ہوا ہی بھلا عالمگیر ایسی فضولیات کا کب روادار تھا۔ اس مکان پر حسب ذیل کتبہ ہی:۔

یافت در عہد شاہ عالمگیر	قلعہ داری قلعہ او دگیر
کمترین خانہ زاد حاتم خاں	کہ بُراز اعتقاد داشت ضمیر
در سنہ الف اربع وتسعین	کرد ایں قصر دلکشا تعمیر

سنہ ۱۰۹۴ھ

والد[۱] دوست بیگ قوم مغل شدہ طیار این خجستہ مکاں

ساختۂ مرشد قلی خاں بن دیانت خاں غرہ محرم الحرام سنہ ۱۰۹۴ھ

کتبہ میر محمد عارف

رنگین محل یہ مکان چاندنی برج کے پاس ہی اور چاندنی برج مکہ برج سے جانب جنوب واقع ہی۔ یہ مکان ایک بلند ٹیکرے پر بنا ہوا ہی اس میں تین کمرے لداؤ کے ہیں جن پر چھوٹی چھوٹی برجیاں بنی ہوئی ہیں جو اس قدر مختصر ہیں کہ آدمی بھی جھک کر جاتا ہی۔ اس مکان کا ایک بالائی درجہ بھی ہی جہاں کھڑے ہونے سے خندق کی سیر دکھلائی دیتی ہی اور دور دور تک نظر جاتی ہی۔ یہ مکان بھی بالکل شکستہ ہی۔ اس مکان کے پاس ایک چھوٹا سا برج ہی جس پر ایک چھوٹی سی توپ چڑھی ہوئی ہے۔ اس مکان کے سامنے ایک پرانی دیوار ہی جس میں چھ روشن دان ہیں۔ یہ مکان تحصیل کچہری سے بالکل ملا ہوا ہی۔

فراش خانہ رنگین محل سے لگا ہوا مکان فراش خانے کا ہی جس میں اب تحصیل کچہری ہی چوں کہ کچہری ہی مکان فی الجملہ درست ہی۔ اس مکان کا صدر دروازہ شرق رویہ ہی جس کے

[۱] یہ شعر مع عبارت لاحقہ اوپر کے تین شعروں سے بالکل علیحدہ مکان کے بیرونی حصے میں ایک پتھر پر کندہ ہی۔۱۲

اندر ایک وسیع صحن ہے جو مستطیل ہے۔

نواب جانی کا بڑا محل یہ مکان ایک وسیع (۵) فیٹ بلند چبوترے پر بنا ہوا ہے اور دوم کچہری کے عقب میں ہے جس کا صدر دروازہ بہت شان دار ہے اور صحن بھی وسیع ہے۔ اس مکان کے دو حصے ہیں اور نواب جانی قلعہ دار کا بنایا ہوا ہے۔

(۱) پہلا حصہ جنوب رویہ ہے۔ دالان در دالان اور ایک برآمدہ ہے۔ اس مکان کی وضع قطع مسجد کی سی ہے۔ ہر درجہ میں تین تین فیل پایہ کی کمانیں اور دونوں طرف دو دو حجرے اور سامنے برآمدہ ہے جس کے آگے ۱۲ × ۷ فیٹ کا ایک سنگ بست حوض ہے۔ یہ مکان بھی درست حالت میں ہے۔

(۲) دوسرا حصہ شمال رویہ اس مکان کے پہلے حصہ کا جواب ہے لیکن چھت گر پڑی ہے۔ اور بالکل کھنڈر ہے۔

اچھی بیگم کی کھاڑی دوسرے قلعہ کے متصل یہ سہ منزلہ[1] قطعہ ہے جو تفرج گاہ تھا۔ یہاں سے بھی خندق کا نظارہ ہوتا ہے اور مکان درست ہے۔

بڑے محل کے پاس کی بڑی باؤلی بڑے محل کے بیرونی دروازے سے ملی ہوئی ایک نہایت وسیع باؤلی ہے جس کا پانی موٹ کے ذریعہ سے بڑے محل کے حوض میں لایا جاتا تھا۔ باؤلی کے پاس نشیب میں ایک سنگ بست حوض بھی بطور خزانے کے ہے جس میں سے پانی بذریعہ نل کے محل میں پونچایا جاتا تھا۔

جامع مسجد اندرون قلعہ تحصیل کچہری کے پاس ہے جس کی تین کمانیں ہیں اور درست ہے۔ یہ مسجد بڑے محل کے محاذی ہے اور بڑی باؤلی کا پانی مصلیوں کے لئے آتا تھا۔

روشن محل جہانگیر یار جنگ قلعہ دار کا بنایا ہوا ہے جو جامع مسجد کے سامنے ہے۔ یہاں دو تین قدیم کوٹھے غلّے کے بھی ہیں جن میں صرف ایک ایک چھوٹی سی کھڑکی لگی ہوئی ہے مگر اندر بہت وسعت ہے۔ ان کوٹھوں کے پہلو میں ایک دروازہ ہے جس کے اندر روشن محل ہے۔ اس مکان کے دو حصے ہیں۔ جنوبی و شمالی رخ والا مکان روشن محل کہلاتا ہے۔ یہ محل (۵) فیٹ بلند چبوترے پر واقع ہے۔ اب چھت ندارد ہے خالی دیواریں کھڑی ہیں۔ دالان پیش دالان جس میں

[1] دو منزلہ مکان کو کہتے ہیں ۱۲۔

دس در نظر آتے ہیں اس مکان کی استرکاری نہایت چمک دار اور شفاف تھی۔ مکان کی دونوں جانب دو دروازے بہت خوب صورتی سے بنائے گئے ہیں۔ پیش دالان کے آگے ایک پانچ فیٹ مربع پختہ حوض ہے۔ یہ مکان کچھ بہت زیادہ پُرانا نہیں ہے لیکن پھر بھی گرا پڑا ہے۔ دوسرا حصہ اس مکان کا پہلے حصہ کے جواب میں ہے جس میں جہانگیر یار جنگ کی کچہری تھی۔ اس مکان کے دو درجے ہیں اور اطراف بنگلہ نما قطعات ہیں۔ پیش دالان کے داہنے بائیں جانب بھی دو بنگلے ہیں جن میں داخل ہونے کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ غرض کہ مکان گو چھوٹا ہے مگر بہت سڈول بنا ہوا ہے اس میں بھی گچ کا کام بڑی نقاشی سے کیا گیا ہے۔

دلاور النساء بیگم کا مکان یہ مکان روشن محل کے بیرونی دروازے کے مقابل ہے۔ یہ بھی جابجا سے گر پڑ گیا ہے۔ اس مکان میں ایک عورت مسماۃ چندا بو عمر (۸۰) سالہ رہا کرتی تھیں جو اپنے کو جہانگیر یار جنگ کی بہو اور نواب جانی کی زوجہ کہتی تھیں۔ میں نے جس وقت دیکھا یہ بیوی بالکل مجنون تھیں اور لوگوں کو پتھر مارتی تھیں ؎

حال دنیا را چو پرسیدم زنیک فرزانۂ　　گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانۂ
یا مثال تودہ برفیست در فصل بہار　　ہیچ عاقل در چنیں جائے نہ سازد خانۂ

شمشاد محل یہ محل شمشاد بیگم زوجۂ جہانگیر یار جنگ کا بنایا ہوا ہے۔ اس مکان میں جانے کا راستہ دلدار بیگم کے مکان میں سے ہے مگر پہلے راستہ دوسری طرف سے تھا جیسا کہ چنے ہوئے دروازے سے معلوم دیتا ہے۔ یہ مکان بھی کرسی دار چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ دالان در دالان اور دس در ہیں۔ دالانوں کی دونوں طرف ایک ایک حجرہ ہے اور جیسا کہ دوسرے مکانوں کی وضع قطع ہے اس میں بھی چبوترے پر حوض بنا ہوا ہے۔ مکان کی چھت گر پڑی ہے۔ مگر دیواریں قایم ہیں۔

علاوہ اُن مکانوں کے جن کا نام بنام ہم ذکر کر آئے ہیں جدھر دیکھو گرے پڑے مکانوں کے ڈھیر لگے پڑے ہیں ؎

رہنے والے ہیں یہ نادان کہ جانے والے　　خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

قلعہ کی توپوں اور برجوں کا حال اس قلعہ کے چھوٹے بڑے ملاکر (۱۹) برج ہیں جن میں

چار بڑے برج ان ناموں کے موسوم ہیں۔

(۱) گیتی برج - یہ برج بہت بڑا مستحکم اور شان دار ہی - جس پر ایک توپ شیر بچہ نامی (۷) فیٹ لمبی چڑھی ہوئی ہی جس کے دہانے کا قطر (۹) انچہ ہی - اسی برج پر تین چھوٹی چھوٹی جزائلیں بھی پڑی ہوئی ہیں - یہہ برج حمام خانہ سزاوار الملک کے عقب میں ہی۔

(۲) مگر دھچہ برج - یہہ برج بھی بہت بڑا اور سزاوار الملک کے مکان کے پیچھے ہی - اس پر ایک نہایت خوب صورت پچ رسی توپ چڑھی ہوئی ہی جس کا طول (۱۱) فیٹ (۹) انچ ہی - دہانے کا قطر (۶) انچ - اسی برج پر اور ایک چھوٹی توپ سات فیٹ لمبی (۴) انچ دہانے کے قطر کی ہی - یہ برج بالکل درست حالت میں سربفلک کھڑا ہوا ہی - وجہ تسمیہ یہ ہی کہ جو بڑی توپ اس پر ہی وہ مگر کے شکل کی ہی۔

(۳) چاندنی برج - یہ سب سے بڑا برج ہی جو کچہری تحصیل کے متصل اور سزاوار الملک کے مکان سے غربی جانب ہی اس پر ایک بڑی توپ دس فیٹ لمبی اور چھ انچ دہانے کے قطر کی ہی اور ایک دوسری توپ تھوڑے فاصلے سے ۶ ½ فیٹ طول - دہانہ کا قطر (۹) انچ ہی - اس پر کتبہ بخط عربی ہی - میں نے دیکھا نہیں اور جن صاحب نے دیکھا وہ افسوس ہے کہ پڑھ نہ سکے۔

(۴) فتح برج - اس کا دوسرا نام مانگ برج بھی ہی - اس پر بھی ایک معمولی توپ ہی - قلعہ کی فصیل بالکل درست ہی - برج بھی سب کے سب مستحکم ہیں - غرض بیرونی حالت قلعہ کی درست ہی مگر اندر کے مکانات بیشتر منہدم ہیں۔

جہانگیر یار جنگ کا حمام یہہ حمام مگر دھچ برج کے پاس ہی اس کی پشت خندق سے جا ملی ہی - اب یہ مکان ناگ پھنی کے تباہ کن قبضے میں ایسا گھرا ہوا ہی کہ کسی کا وہاں تک پہنچنا بھی دشوار ہی - عمارت کا طرز اور حالت بتلاتی ہی کہ بہت زمانے کا بنا ہوا ہی مگر جہانگیر یار جنگ کا زمانہ اتنا پرانا نہیں - اس لئے اصل بانی کا پتہ نہیں چلتا۔

اس حمام کی چھت چونا گچی کی ہی جس کا طول وعرض ۴۸ × ۳۰ فیٹ ہی اور سطح زمین سے بیس فیٹ بلند ہی - اس عمارت پر دو گنبد پختہ بنے ہوئے ہیں جن میں تین روشن دان بھی ہیں۔

نیچے کے برآمدے کی چھت بھی موجود ہی جو شل حوض کے نظر آتی ہی - اوپر کی چھت سے نچلی چھت پر اُترنے کے لئے تیرہ سیڑھیاں پتھر کی ہیں - دسویں سیڑھی کے پاس سیدھی طرف ایک سوراخ ہی جس میں جھانکو تو ایک حوض ۵ × ۴ فیٹ طول و عرض اور عمق نو فیٹ کا بنا ہوا دکھلائی دیتا ہی - اس میں دو نل بھی تھے جن کے نشان موجود ہیں - اس حوض میں اُس باؤلی سے پانی لایا جاتا تھا جو اس عمارت سے ملحق ہی - سیڑھیوں پر سے اُترنے کے بعد سیدھی جانب جنوبی رُخ پر بڑھو تو ایک دروازہ ملتا ہی جو اس مکان میں داخل ہونے کا راستہ ہی - حمام کا نیچے کا درجہ تین حصوں پر منقسم ہی - پہلے درجے میں آؤ تو ایک کمان ۸ × ۷ فیٹ طول و عرض کی ملتی ہی - جس کے بعد مکان شروع ہوتا ہی جو ۲۰ × ۱۰ فیٹ طول و عرض اور گیارہ فیٹ بلند ہی - اس قطعہ کے وسط میں ایک پتھر کا حوض ۹ × ۴ فیٹ طول و عرض کا ہی جو اُب بالکل مٹی سے بھرا ہوا ہی اسی وجہ سے عمق معلوم نہ ہو سکا - اس قطعہ میں ایک محراب ہی مگر کوئی روشن دان نہیں ہی پچھاں کی طرف ایک دروازہ ہی جس میں سے دوسرے قطعات میں جانے کا راستہ ہی - دروازے کے باہر ایک (۴۲) فیٹ لمبی گلی ملتی ہی جس کے آخری سرے پر پاخانہ بنا ہوا جو ۹ × ۷ فیٹ طول و عرض اور نو فیٹ بلند ہی - یہاں بھی ایک حوض بنا ہوا ہی اور اُس میں بھی نل لگا ہوا ہی - اوپر ایک روشن دان بھی ہی - اس گلی کو طی کرنے کے بعد پہلے قطعہ کے پیچھے وار کو دوسرا قطعہ ملتا ہی جس میں ایک حوض ۶ × ۴ فیٹ طول و عرض کا مٹی سے پٹا ہوا ہی - دو نل اس میں بھی لگے ہوئے ہیں - پہلا درجہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہی مگر یہ دوسرا حصہ البتہ نہایت مستحکم پتھر اور چونے سے بنا ہوا موجود ہی - تیسرا درجہ ۲۰ × ۹ فیٹ طول و عرض میں ہی جو ۱۱ فٹ بلند ہی - جس میں دو روشن دان اوپر وار کو ہیں اور پچھاں کے رُخ تین فیٹ کی مربع کھڑکی کھلی ہوئی ہی - اس قطعہ میں بھی ایک پختہ حوض ۶ × ۴ فیٹ طول و عرض کا ہی جس میں ایک نل لگا ہوا ہی - تیسرے درجے کے اندر اور ایک چھوٹا سا قطعہ ہی جس میں صرف ایک حوض ۱۲ × ۶ فیٹ طول و عرض اور نو فیٹ گہرا ہی - اس میں چھ نل دیواروں میں بڑی خوبی سے لگے ہوئے ہیں اور اس حوض میں جانے کے لئے ایک کھڑکی بھی لگا دی ہی - اوپر وسط میں ایک روشن دان ہی اور فرش زمین پر چار فیٹ مدوّر ایک سوراخ ہی جو غالباً آہنی توا پانی گرم کرنے کا تھا اور آب گرم

کا ذخیرہ معلوم دیتا ہی جہاں سے بذریعہ نلوں کے گرم پانی دوڑایا جاتا تھا - اس سارے مکان کی صناعی اور جا بجا مختلف بلندیوں پر پانی کا پھیلاؤ کچھ شک نہیں کہ فن انجنیری کی بہترین یادگار ہی - افسوس ہی کہ اس مکان پر جس میں روپیہ بکھیر دیا ہی آج کوئی کتبہ بھی نہیں - دنیا کو دیکھئے کہ کیسی مٹانے والی ہی - مکانوں کے بنانے والے ایک طرف آج ہم یہہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کون تھے - !

ایک نامعلوم گنبد قلعہ سے ایک میل بجانب جنوب بہت نشیب میں ایک گنبد کھڑا ہوا ہی جو کسی نواب کا کہلاتا ہی - اس میں ایک زنانی اور ایک مردانی قبر ہی - گنبد بالکل مضبوط اور پتھر کا بنا ہوا ہی - (۱۵) فیٹ بلند اور (۱۸) فیٹ مربع چوکھنڈی ہی جس پر قبہ ۱۵ فیٹ مدّور ہی - گنبد کے اطراف چار روشن دان ہیں اور پتھر کی تراشی ہوئی سوطھا کمانیں ہیں - اندر کا حصہ ۱۲ فیٹ مربع اور ۲۴ فیٹ اونچا ہی - قبریں ۴ × ۳ فیٹ طول و عرض میں ہیں - اس گنبد کے سامنے چبوترے پر بھی ایک قبر کسی بزرگ کی ہی - اس گنبد کے چاروں طرف نو نو در ہیں ؎

اک دن زمانہ مجھ کو مجسم نظر پڑا
پوچھا یہ میں نے اُس سے کہ ای بے وفا بتا

یہہ لوگ کون ہیں جو ترے دست ظلم سے
آزردہ ہو کے گوشۂ تربت میں سو رہے

تھا منہ جبین کوئی تو کوئی رستم زماں
ہر ایک کی زباں پہ ہیں جن کی کہانیاں

مرنے پہ بھی اماں نہ ملی تیرے ہاتھ سے
بھتوں کے تو نشان لحد بھی مٹا دئے

مٹنے پہ بھی نشان لحد باوقار ہی
عبرت ہی شامیانۂ چشم سوگوار ہی

مجھ کو بتا کہ کون ہیں اور کن وجوہ سے
ہو کر اُداس شہر خموشاں میں آ بسے

اُس نے کہا غرور کے بیچے میں چپ رہو
تحقیق چاہتے ہو تو خود آکے دیکھ لو

میں کیوں کہوں کہ کون تھے یہہ اور کہاں سے آئے
پیوند خاک ہو گئے اب تو جہاں سے آئے

بارہ دری اس میں کل بارہ کمانیں ہیں اور چاروں طرف چار دروازے ہیں اس میں بھی جا بجا دیواروں کے پتھر لگے ہوئے ہیں - اندر کا درجہ (۱۲) فیٹ اور باہر کا برآمدہ (۳۳) فیٹ مربع ہیں -

اس مکان کی بلندی (۱۸) فیٹ ہے۔ یہ تمام عمارت نہایت پختہ بنی ہوئی ہے مگر کوئی کتبہ نہیں ہے بارہ دری میں جانے کا اب کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ حمام خانے میں اُتر کر بدقت نشیب و فراز مقامات طے کر کے جائیں۔

درگاہ حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہ یہ درگاہ شریف اندرون آبادی قلعہ کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر ایک نشیب میں واقع ہے جہاں اکثر پانی جمع رہتا ہے۔ درگاہ کے اطراف ایک قبرستان ہے۔ درگاہ کا گنبد ۱۵ فیٹ بلند اور (۱۵) فیٹ مربع ہے دروازہ صرف ایک ہی ہے کچھ معاش بھی جاری ہے۔ کتبہ کسی قسم کا نہیں ہے بعض بعض قبروں پر البتہ کتبے ہیں جن سے درگاہ کی قدامت کا پتہ چلتا ہے۔

کتبۂ قبر عبداللہ بیگ جو املی کے درختوں میں درگاہ کے شمال میں اور بہت ساری قبروں میں واقع ہے

ہر کہ از دنیا گزشت از بہر دیں	خانۂ عقبا سے او مغفور باد
یارب آں مظلوم در روز جزا	باحسین ابن علی محشور باد
چوں شہادت یافتہ عبداللہ بیگ	گفت ہاتف "مرقدش پر نور" باد

۱۱۰۹ھ

ایک دوسری قبر کا کتبہ۔ یہ قبر بہت چھوٹی کسی بچے کی ہے اور حضرت ہی کے چبوترے پر واقع ہے جس پر یہ کتبہ ہے جس میں تاریخ صحیح نہیں نکلتی ؎

تاریخ وفات برآمد از دل جانی	مقبول بشد کمال ملتانی
تاریخ وفات ہفدہم ماہ ربیع الثانی	اخلاص برآں ۰۰۰۰ فاتحہ خوانی

حضرت کا زمانہ قریب آٹھ سو برس کے بتلایا جاتا ہے اور اس حساب سے اودی گیر باوا کے بعد آپ کی تشریف آوری قرار پاتی ہے۔ حضرت کے گنبد کے محاذی ایک مسجد بھی ہے۔ آپ کے گنبد پر ایک نیم کے درخت کا سایہ ہے جس قدر ٹہنیاں گنبد پر جھکی ہوئی ہیں اُن کا پتہ میٹھا ہے باقی کا معمولی تلخ۔ راقم نے بالذات اس کا تجربہ نہیں کیا لیکن موجودہ لوگ متواتر راوی و ناقل ہیں۔ واللہ اعلم عنداللہ

تین سیڑھی کی باوڑی یہ باوڑی بالکل اس درگاہ کے متصل ہے جس میں صرف تین سیڑھیاں ہیں اسی سبب سے تین سیڑھی کی باوڑی نام پڑ گیا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی مسجد ۲۴ فیٹ

بلند ہی۔ اس میں ایک گچ کا بنا ہوا حوض تین فیٹ مربع اور چار فیٹ گہرا ہی جس کے بازو دو چھوٹے چھوٹے ہشت پہلو حوض ہیں۔ صحن مسجد اور اندرون مسجد سب موٹی گچ ہی۔ باؤلی میں پانی بہت کم رہتا ہی یعنی صرف ڈیڑھ گز عمیق ہی اوپر سے تہ نظر آتی ہی باایں ہمہ ہر موسم میں پانی جتنے کا اوتنا رہتا ہی نہ کم نہ زیادہ۔ اس باؤلی میں بھی پتھر دیول کا لگا ہوا ہی۔ روایت ہی کہ یہہ باؤلی حضرت ہی کی بنوائی ہوئی ہی۔

جیتا جھرا لوہاروں کے محلے کی باؤلی جو سیٹری بن دروازے سے قریب دو سو قدم کے فصل سے ہی۔ اس باؤلی کا پانی اوپر ہی رہتا ہی لہذا لوگ کثرت سے لے جاتے ہیں۔ اس کا پانی بہہ کر درگاہ کے بازو سے مسجد کے نیچے ہو کر نکل جاتا ہی۔ دیکھنے کو معمولی باؤلی اور ذرا سا چشمہ ہی مگر آگے چل کر کئی ندیوں کا منبع قرار پاتا ہی۔ اوو گیر کی لیڈی ندی۔ کھڑکہ کی لونڈی۔ کلّور کی نہڑی۔ نلوّر کی کانڈی۔ سب اسی باؤلی کا بہا ہوا پانی ہی۔ یہ تو ہم نے بھی دیکھا ہی کہ اس باؤلی کا بہاؤ پانی اور تین سیڑھی کی باؤلی کا پانی دونوں ہمیشہ رواں رہتے ہیں۔ زندہ جھرہ ہی جس سے نشیب میں ایک چھوٹی سی جھیل بن گئی ہی۔

شکر باؤلی تالاب کے متصل اور درگاہ سے کوئی پاؤ میل پر اس نام کی ایک باؤلی ہی اس کا پانی نہایت شیریں ہی اسی وجہ سے شکر باؤلی کے نام سے مشہور ہی۔ ایک افتادہ مسجد بھی یہاں ہی جو شکر باؤلی کی مسجد کہلاتی ہی۔ یہاں ایک کسبی کی قبر ہی اور مشہور یوں ہی کہ یہہ مسجد اور باؤلی دونوں اُسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ زمین حضرت میر موسیٰ کی درگاہ کے متعلق ہی یہہ بھی ممکن ہی کہ باؤلی اور مسجد اُنھیں کی بنوائی ہوئی ہو۔

گنبد نما قبر درگاہ کے پاس ایک گنبد نما قبر بھی ہی جو چار فیٹ کے بلند چبوترے پر ہی گنبد کا اندرونی حصہ نو فیٹ اونچا ہی اور بیرونی طول و عرض ۲۷ × ۱۲ فیٹ ہی۔ اس عمارت کے آٹھ در ہیں جس کے سامنے ایک بہت پرانا املی کا درخت ہی مگر پتہ نہیں چلتا یہ مزار کن بزرگوار کا ہی۔

گنبد حضرت میر موسیٰ قادری باغ محمود سے مغرب رُخ ہی اور ایک سو فیٹ بلند ٹیلے پر بنا ہوا ہی جہاں اور بھی بہت سی قبریں ہیں۔ پہلا دروازہ درگاہ کا نو سیڑھیاں

چڑھ کر ملتا ہے جو (۱۵) فیٹ بلند ہے - سیڑھیاں شکستہ ہیں - ایک چھوٹی سی پتھر کی کمان بھی ہے جو چار فیٹ کی ہے اور تین سیڑھیاں ہیں یہ کمان ۱۲ فیٹ عریض ہے - اس کی دونوں جانب دو پختہ چبوترے ہیں جن پر دونوں طرف ۴×۶ فیٹ بلند و عریض چوڑی چوڑی دو کمانیں ہیں - چھوٹی کمان کے آگے سات سیڑھیاں ہیں اور آگے چل کر درگاہ پر پہنچنے کو پھر بارہ سیڑھیاں ملتی ہیں - درگاہ کا گنبد تیس فیٹ بلند ہے جو چھ فیٹ کے اونچے پکے اٹھارہ فیٹ مربع چبوترے پر بنا ہوا ہے - گنبد کے اندر ایک کالے پتھر کی قبر ہے جو بالکل سادی ہے نہ نقش و نگار ہیں نہ کتبہ - گنبد کے سامنے وہی تالاب ہے جو محمود باغ سے ملا ہوا ہے - حضرت میر موسیٰ قادری قلعہ دار بھی تھے -

مسجد متعلقہ درگاہ درگاہ کے احاطے میں ایک مسجد ۱۵×۱۴×۱۶ فیٹ طول و عرض و ارتفاع میں ہے جس کی تین سیڑھیاں ہیں -

ستیاپت دھرم سالہ یہ دھرم سالہ کوئی دو سو برس کا بنا ہوا ہے - دھرم سالہ کا دروازہ تو بلند ہے مگر اس میں ایک کھڑکی ۵×۴ فیٹ طول و عرض کی لگا کر تنگ کر دیا ہے - دھرم سالہ میں (۳۰) کمانیں ہیں - دروازے میں داخل ہوتے ہی ایک دیول ملتا ہے جس میں ہنومان کی مورت ہے - اس حجرے کی تین پیش کمانیں اور تین اندرونی محرابیں ہیں جس کی سیدھی جانب ایک کتے کی مورت ایک ہی پتھر میں تراشی ہوئی ہے اور سامنے دو فیٹ کا اونچا پختہ چبوترہ ہے جس پر مہادیو کا لنگ ہے اور ایک پرانا درخت نیم کا ہے - یہیں (۵) فیٹ کی دو پختہ نشست گاہیں بھی بنی ہوئی ہیں - یہ دیول چار فیٹ بلند اور (۵۰) فیٹ طویل پختہ چبوترے پر بنا ہوا ہے - تمام صحن میں پتھر کی سلیں بچھی ہوئی ہیں اور سو مسافر بہ آسانی ٹھیر سکتے ہیں - دھرم سالہ کے چار حصے ہیں -

(۱) جس کی پشت شمالی جانب ہے دیول اور اُس کے متعلقات ہیں -

(۲) جس کی پشت شرقی جانب ہے چار کھلی ہوئی کمانیں پتھر کے چار فٹ بلند چبوترے پر بنی ہوئی ہیں - کمانوں کی چوڑان چھ فیٹ کی ہے -

(۳) جس کی پشت جنوبی جانب ہے - پانچ کمانیں ہیں -

(۴) جس کی پشت غربی جانب ہے - آٹھ کمانیں ہیں - جن میں سے (۵) مسافروں کے

اُترنے کی ہیں اور تین باؤلی کے متعلق ہیں۔
دھرم سالہ کے متعلق ایک باؤلی (۲۵) فیٹ مربع ہے جو نہایت مستحکم سلوں سے بنائی گئی ہے اور سیڑھیاں بھی پتھر کی ہیں۔ ایک کمان باؤلی کے اوپر ہے اور دوسری نیچے۔ باؤلی کے اندر دس در ہیں اور ان پر بطور دو منزلہ اور سات کمانیں بنی ہوئی ہیں جو بند ہیں صرف ایک ایک چھوٹی سی کھڑکی لگا دی ہے۔ یہ کمانیں اندر سے چھ فیٹ مربع ہیں۔ غرض باؤلی کی تین طرف لوگوں کے اُترنے کی کافی جگہ ہے۔ پانی اس باؤلی کا شیریں اور باؤلی بہت گہری ہے۔ یہ دھرم سالہ بہت پختہ بنا ہوا ہے اور نہایت اچھا ہے۔ جو چار بیگھے زمین گھیرے ہوا ہے۔ باؤلی کی بائیں جانب دھرم سالے پر چڑھنے کے لئے نو سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ تالاب دروازے چوبارے کو جاتے ہوئے نشیب میں ایک اور باؤلی ملتی ہے جو ۱۰×۸ فیٹ طول و عرض کی ہے جس میں اُترنے کی سیڑھیاں ہیں۔ باؤلی کے دونوں جانب حوض بھی ہیں جن میں پانی بھرا رہتا ہے۔

سومناتھ کا دیول بستی کے شمالی غربی گوشہ میں تالاب دروازے کے باہر آبادی کے باہر بالکل گڑھے میں بنا ہوا ہے جہاں پہاڑوں کا پانی بہہ بہہ کر ایک جھیل ہوگئی ہے اس کے بہاؤ سے اودگیر کی لینڈی ندی نکلتی ہے۔ ہر پیر منگل کو یہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہے جس زمانے میں یہ مندر بنا جسے دوسو برس سے اوپر ہوئے دیول کے اطراف ایک بستی سومناتھ پور تھی جس کا حصار اب بھی موجود ہے جس سے دوسو مکانات کی آبادی معلوم دیتی ہے غالباً دیول پہلے بنا ہے اور دیول کی خاطر سے بستی آباد ہوگئی اب بستی تو اُجاڑ ہوگئی صرف دیول باقی ہے جس میں چار بت ہیں۔ اس دیول کے لئے اب تک معاش جاری ہے۔

سوم تیرتھ باؤلی سوم بمعنی دیو تیرتھ بمعنی پوجا۔ قدیم اور سنگ بست ہے۔ چاروں طرف سیڑھیاں ہیں۔ چالیس فیٹ مربع ہے۔ ایک چھوٹی مورت بھاگ دیوی کی بھی ہے جس کو عالم گیر نے یہاں سے بھگایا تھا۔ گاؤ مکھ اس باؤلی کا نہیں ہے بلکہ ۱۲۷۲ء فصلی میں کہیں اور سے لاکر لگا دیا ہے۔

تلجا پور کی دیوی تلجا پور ضلع عثمان آباد[۵۱] میں ہے جو عثمان آباد سے ۱۴ میل ہے جس کا قدیم

[۵۱] - عثمان آباد مستقر ضلع بارسی سٹیٹ ریلوے کے اسٹیشن ایڑسی سے ۲۲ میل ہے۔ عمل کمشنری کی کچہری اور باغ میں ضلع کی کچہری ہے۔ یہاں ایک بہت بڑی درگاہ حضرت خواجہ شمس الدین غازی عرف شیرن شاہ کی ہے جس کا

نام ضلع نلدرگ اور مستقر وبا راسیوں تھا ایک بہت مشہور اور بڑا بھاری دیول دیوی کا
ہے اسی کی شبیہ یہاں بھی بنائی گئی ہے۔ مکان کی شکل بالکل گنبد کی سی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے
کہ اس مقام پر قدیم دیول تھا عالمگیر بادشاہ نے اُسے توڑ کر مسمار کر دیا اور دیوی بھاگ گئی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۔ بلند گنبد چاروں طرف دور دور سے نظر آتا ہے۔ سالانہ عرس بھی حکام مقامی کے
اہتمام سے اعلیٰ پیمانے پر ہوتا ہے۔ گنبد کے صدر دروازے پر یہ کتبہ ہے :۔

خواجہ شمس الدین غازی عرف شیر شاہ دیں — کرد رحلت از جہاں شد منزش خلد بریں
سال وصلت از خرد جستم سروش غیب گفت — رہنمائے اولیاء معدن اہل یقیں

سنہ ۱۳۰۷ھ

تلجاپور ہندوؤں کا بڑا متبرک مقام ہے جہاں تلجاپور بھوانی دیوی ہے۔ تحصیل کا مستقر ہے۔ شولاپور
سے بارہ کوس ہے۔ دیول کی عمارت بہت وسیع ہے۔ چاروں طرف لمبے لمبے وسیع دالان زائرین کے اُترنے کے
لئے بنے ہوئے ہیں۔ کئی کُنڈ اشنان کے ہیں جن پر نہایت عمدہ اور خوب صورت پکّے گھاٹ ہیں۔ روزانہ کثرت
سے زائرین کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے۔ بہت سے مریض بھوانی کے قدموں میں آکر پڑ جاتے ہیں۔ اور
جب تک صحت نہ ہو نہیں جاتے۔ منت مراد والوں کی کوئی گنتی نہیں۔ سادھ لوگ دور دور سے آکر
درشن کرتے ہیں۔ دیول کے اندر جوتی پہن کر کوئی جا نہیں سکتا۔ دیوی کا خاص حجرہ بالکل تاریک ہے۔
جس میں رات دن چراغ جلتے رہتے ہیں۔ دیوی ایک سنگ سیاہ کی اندازہ دو فٹ لمبی مورت ہے جس کی
آنکھیں چمکتی رہتی ہیں غالباً ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ یہاں کنگلوں اور بھکاریوں کی کچھ کمی نہیں جو لوگ
درشن کو آتے ہیں اُن کو بلا کی طرح چمٹ جاتے ہیں۔ خدام کا گروہ جدا بلا کی طرح لپٹ جاتا ہے۔ جگہ جگہ
پر چڑھاوا۔ دان۔ پُن کرنا پڑتا ہے۔ خدام جو اندر دیول کے خدمت کرتے ہیں پالکری کہلاتے ہیں اور باہر
کے خدام بھوپے۔ اِن دونوں فریقوں میں ہمیشہ نزاع رہتی ہے نہ خود کھاتے نہ کسی دوسرے کو کھانے
دیتے ہیں آئے دن کی مقدمہ بازی سے سرکار نے تنگ ہو کر اپنی نگرانی قایم کر دی ہے اور ایک مہتمم اور خزانہ دار
اور معقول عملہ آمد و خرچ کے باقاعدہ طور پر حساب رکھنے کے لئے مقرر کر دیا ہے جس کے اخراجات ایک مجلس
کے ذریعہ سے چلائے جاتے ہیں جس کا میر مجلس تعلقہ دار ضلع ہے۔ علاوہ ضلع کی مجلس کے صدر مجلس حیدرآباد
میں ہے جس کے اراکین کئی معززا اور سربرآوردہ اہل ہنود ہیں اور مسٹر ہنکن ڈائرکٹر جنرل پولیس وجیلز اُس کے

عالم گیر نے دیول توڑ کر اسی جگہ مسجد بنائی جو ویران ہو جانے سے زمانۂ حال میں پھر اہل ہنود نے دیول بنا لیا۔ مسجد اور مکان تین سو سال کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں تین کمانیں ۳۰×۳۰ طول و عرض و بلندی (۱۵) فیٹ کی ہیں۔ وہ قطعہ جس میں اب دیوی ہے ۱۲×۱۲ فیٹ ہے۔ صورت موجودہ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد عالم گیر کی بنائی ہوئی تھی جس کا گنبد جوں کا توں اب تک باقی ہے۔ آخر کے قطعہ میں ایک دریچہ ۴×۲ ½ فیٹ کا ہے جس پر نقش و نگار

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹ - پریزیڈنٹ ہیں۔ خزانہ میں علاوہ ہزار روپیہ کے جو نذر و نیاز سے جمع ہوتا ہے لاکھوں روپیہ کے بیش قیمت زیورات ہیں جو آئے دن دیوی پر چڑھائے جاتے ہیں راقم نے کئی بار پان سو اشرفیوں کے دیکھے ہیں۔ دیوی کی ایک جڑاؤ ٹوپی ہے جس پر جواہرات یاقوت۔ ہیرا۔ زمرّد جڑے ہوئے ہیں۔ بیس پچیس ہزار کی صرف یہ ایک ٹوپی ہے جو مہاراجہ بڑودہ نے جڑھائی ہے۔ اور اس طرح کے اعداد کثرت سے ہیں جن کا اندراج بہ صراحت وزن و قیمت باقاعدہ طور پر رجسٹر میں ہے۔ دیول کا فرش ناہموار پتھروں کا ہے جس پر جابجا ہزار ہا روپیہ گڑا ہوا ہے جو آتا ہے حسب مقدرت روپیہ گاڑ جاتا ہے چنانچہ ایک دفعہ کچھ حصہ فرش کا اکھیڑ کر درست کیا گیا تو سترہ ہزار روپیہ اکھاڑ کر خزانے میں جمع کیا گیا۔ سالانہ جاترا میں ایک انبوہ کثیر خلائق کا جمع ہوتا ہے اور دور دور اور ہر ملک کے لوگ آتے ہیں دس دس بارہ بارہ کوس چاروں طرف بھوپے اور پالکر بیٹھے رہتے ہیں اور وہیں سے جاتریوں کو گانٹھ لاتے ہیں۔ اجمیر شریف کی طرح یہاں بھی خدام اپنی پوتھی میں سب کے نام ٹانک لیتے ہیں اور جس کا جو ججمان ہوتا ہے ممکن نہیں کہ دوسری جگہ اتر جائے۔ دیوی کی پوجا پاٹ اس کا اشنان جو پنچامرت (یعنی پانچ امرت کیلا۔ شکر۔ دودھ۔ دہی۔ گھی) سے ہوتا ہے اور مختلف مذہبی رسوم روزانہ ہوتے رہتے ہیں جاترا میں دیوی پالکی میں بٹھلا کر نکالی جاتی ہے۔ غرض دکن کے مقامات متبرک اہل ہنود میں پنڈھرپور اور تلجاپور یہی دو مقامات اول درجے کے ہیں۔

تلجاپور سے قصبہ کاٹی تین کوس ہے وہاں ایک نہایت خوش نما مسجد قطب شاہیوں کے زمانے کی بنی ہوئی ہے جو برہان شاہ کے عہد میں ملک یاقوت کی بی بی نے بنائی تھی یہ مسجد سنگ سیاہ کی ہے اور اندازہ لاگت پچاس ہزار ہے۔ اس پر یہ کتبہ ہے۔

عمارت ہائے عالی ساخت بے عیب	زمان شاہ برہاں روضۂ زیب
بناکرد مسجد زوجہ یاقوت	ندا آمد پئے تاریخ از غیب

۱۰۱۲ھ

ہیں - یہ پتھر غالباً مسجد کو دیول بنانے کے بعد کہیں اور سے لاکر لگادیا ہے چنانچہ اسی کے ساتھ اور دو پتھر بھی یہاں پڑے ہوئے ہیں - اس دیول میں چودہ کمانوں کا پختہ مسافرخانہ بنا ہوا ہے -

گنڈی دیوی یہ دیوی کا حمام ہے جو گنڈی دیوی کہلاتا ہے - تین فٹ مربع ہے - اس میں پانی اُسی تالاب سے آتا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا -

ایک عمیق وعمدہ باؤلی اس دیول کی داہنی جانب ایک بہت بڑی گہری عمدہ باؤلی ہے جو ۵۰ × ۲۳ فیٹ ہے - چوں کہ پانی صرف نہیں ہوتا لہٰذا خراب ہوگیا ہے مگر پانی کثرت سے ہے - اس باؤلی کے چاروں طرف پختہ چبوترے ہیں - اس باؤلی کے پاس بھی ایک پُرانا گنبد ہے جو پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے - باؤلی کے اوپر مغرب کی طرف ٹیلے پر ماتا دیوی ہے جو بالکل انسان کی شکل ہے - یہ دیوی ڈھیڑوں کی ہے -

سومناتھ کے دیول کے پاس کا کنڈ سومناتھ کے دیول کے پیچھے ایک کنڈ سو فیٹ مربع ہے جو اَب مٹی اور کیچڑ سے بھر گیا ہے لیکن کسی زمانے میں اس میں موٹ چلتی تھی اور ایک عظیم الشان باؤلی تھی - یہاں ایک چھ فیٹ مربع حوض ہے جس پر چھت بھی ہے یہ حوض ایک دوسری موٹ کی باؤلی کے متعلق ہے جو سنگ بستہ اور مستحکم ہے یہ حوض بھر کر اُبلتا رہتا ہے اور اس حوض سے جو ایک نہر نکالی گئی ہے اُس سے بہہ کر کنڈ میں جاتا ہے اور اس کے دہانے پر ایک گائے بنی ہوئی ہے جس کے منہ سے ہمیشہ پانی بہتا رہتا ہے -

کمال محل واقع محمود باغ باغ محمود میں یہ محل واقع ہے جو (۴۳) فیٹ مربع ہے -

مکان مغل خاں کو کہ شاہ جہاں یہ مکان اگرچہ بالکل ویران اور اُجڑا ہوا ہے مگر اس کے در و دیوار شکستہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب درست حالت میں ہوگا تو نہایت تکلف سے آراستہ ہوگا - در و دیوار پر اب بھی چینی کے کام کے نشانات باقی ہیں - اب سوائے چار دیواری کے کچھ باقی نہیں ہے - یہ مکان قلعہ کے گیتی برج کے پیچھے ہے اور نصرت جنگ کے مکان سے پہلے ملتا ہے - اب صرف ایک پتھر کتبہ کا رہ گیا ہے جو اب کا پتھر خدا جانے کدھر رُل گیا - وہ یہ ہے ۵

مغل خاں کوکہ دولت بیگ قوم مغل　　　شد بنائے آن خجستہ مکاں

مغل خاں کا مکان بہت بلندی پر واقع ہی جس میں قلعہ کے باہر کی باؤلی سے نل لایا گیا ہو اور نہایت نشیب سے پانی اتنی بلندی پر چڑھایا گیا ہی۔

حسام باغ ۱۰۵۹ھ بستی سے ایک میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب ہی جہاں جانے کے لئے راستہ تک ندارد ہی چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں۔ باغ کی ساری زمین اب معمولی زراعت کو دے دی گئی ہی۔ آم کے عمدہ عمدہ پرانے درخت اب بھی موجود ہیں۔ متعدد عمدہ اور بڑی بڑی باولیاں ہیں مگر سب شکستہ جب باغ ہی اُجڑ گیا تو باولیوں کو کون پوچھتا ہی ؎

بباغ رفتم و گل چیدم و فغاں کردم　　　زیارت دل مجروح بلبلاں کردم

بمن بگفت یکے بلبلے کہن سالے　　　ہزار سال دریں باغ آشیاں کردم

وفا و عہد مودّت زگل رخاں مطلب

من ایں معاملہ را کردم و زیاں کردم

پہلا مکان یہ مکان وسط باغ میں ہی اور نہایت عمدہ تفرج گاہ ہی۔ اس مکان کے چار درجے ہیں اور سب سے اوپر شہ نشین کی طرح چھ فیٹ کا مستطیل پختہ چبوترہ ہی جہاں سے دور دور کی سیر ہو سکتی ہی۔ بیچ کا درجہ ایک عالی شان عمارت ہی ہر کمان اس کی کھلی ہوئی ہی دروازہ نہیں ہی۔ یہ رہنے کا مکان نہیں ہی صرف ایک سیرگاہ ہی۔ یہاں ایک پختہ اور عمدہ حوض ۸ × ۵ فیٹ طول و عرض اور پانچ فیٹ گہرا ہی جس میں پاس کی باؤلی سے پانی آتا تھا۔ اسی حوض کا پانی نیچے کے دو درجوں میں بھی پہنچتا ہی جہاں دو اور چھوٹے چھوٹے حوض بنے ہوئے ہیں۔ اس مکان کی وضع قطع بالکل ایرانی طرز کی ہی اور اُس مکان کا نمونہ ہی جس میں بادشاہ ایران کی قبر ہی۔ اس پر ذیل کے کتبات ماشی رنگ کے پتھروں پر کندہ ہیں:۔

عَلَى اللهِ فِي كُلِّ اُمُوْرِيْ تَوَكُّلِيْ　　　وَبِالْخَمْسِ اَصْحَابِ الْعِبَاءِ تَوَسُّلِيْ

بَعْدَ الْمَبْعُوْثِ وَابْنَيْهِ بَعْدَهٗ　　　وَفَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَالْمُرْتَضٰى وَالْعَلِيْ

صاحبِ قِران ثانی

در زمانِ شہ آفاق ستاں　　　باعثِ امن و اماں شاہ جہاں

بادگیتی زسحاب فضلش تا ابد تازہ تر از باغ جناں
ساخت باغے بہ فرح بخشی خلد مظہر فیض حسام الدین خاں
بہر تاریخ وی ز ہاتف غیب "باغ نو" آمدہ درگوش رواں
سنہ ۱۰۵۹ھ

ابن نظام الدین خاں
ابن غیاث الدین علی آصف خاں
ابن آقا ملا ابن بدیع الزماں
ابن بدرالدین حسن القزوینی نوّر اللہ مضجعہم

بحساب جمل باغ نو یک ہزار و پنجاہ و نہ ہجری نبوی می شود و مطابق جلوس ہمایوں سنہ بست و یک ۵

ساختم ایں خانہ را تا دوستے منزل کند ورنہ عاقل عمر خود کی صرف آب و گل کند
تواں کردن تمام عمر خود مصروف آب و گل کہ شاید یکدمے صاحبدلے دروی کند منزل

دوسرا مکان یہ مکان بھی اسی باغ میں تھوڑے فاصلے پر ہے جس طرح پہلے مکان کے چبوترے پر دو قبریں ہیں یہاں کوئی قبر نہیں ہے۔ اس مکان سے بالکل ملی ہوئی ایک اُترنے کی باؤلی ہے۔ اس مکان کے تین درجے ہیں۔ یہ مکان بھی سیرگاہ ہے اور درست ہے اور ہر درجے میں اُسی باؤلی کا پانی پونہچتا ہے۔ سوائے پختہ چھت کے اس پر کوئی گنبد نہیں ہے نہ کسی قسم کا کتبہ ہے۔ یہ مکان بھی ایرانی وضع کا نہایت مستحکم ہے۔

باغ محمودی یا احمدی سنہ ۱۰۶۲ھ دونوں نام ہیں۔ بستی سے تھوڑی دور مغرب کی طرف ہے تالاب دروازے سے نکل کر ایک وسیع باؤلی ملتی ہے اُس سے ملا ہوا ایک تالاب ہے اُسی کے بند پر سے اس باغ میں جانے کا راستہ ہے بشرطیکہ اُس کو راستہ کہا جا سکے کیوں کہ جدھر دیکھو بل بھرا ہوا ہے۔ اب باغ کہاں ساری زمین زراعت پر اُٹھا دی گئی ہے البتہ امرودوں کے تختے جا بجا باقی ہیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب باغ ہوگا تو یقیناً قابل دید ہوگا۔ اب بھی جا بجا کیاریاں نالیاں۔ روشیں۔ چبوترے گرے ہوئے مکانات کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے ۵

کھلی آنکھیں تو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

رفتم بباغ تا کہ بچینم سحر گلے
آمد بگوش ناگہم آواز بلبلے

مسکیں چو من بعشق گلے گشتہ مبتلا
واندر چمن فگندہ بفریاد غلغلے

میگشتم اندراں چمن و باغ و سیدم
میکردم اندراں گل و بلبل تاملے

چوں کردہ درد لم اثر آواز عندلیب
گشتم چناں کہ ہیچ نماندم تحملے

بس گل شگفتہ می شود ایں باغ را دلے
کس بے جفائے خار نچیدست از گلے

گل یار خار گشتہ و بلبل قرین عشق
آں را تغیرے نہ و ایں را تبدلے

حافظ مدار امید فرح از مدار چرخ
دارد ہزار عیب و ندارد تفضلے

اس باغ میں ایک چونے اور پتھر کی عمارت تھی اور جس میں انواع و اقسام کے بہترین نقش و نگار تھے اس میں ایک حمام بھی ہے جس کے دو پختہ حوض اب تک صحیح و سالم ہیں۔ ان دو حوضوں کے سامنے ایک تیسرا حوض بھی ہے ان حوضوں پر متعدد روشن دان ہیں جو دھواں نکلنے کے لئے بنائے گئے تھے اور پہلے دونوں حوضوں کی سطح میں ایک ایک سوراخ بھی ہے جو غالباً پانی گرم کرنے کے لئے توے کا کام دیتا ہوگا۔ اس مکان کے پاس کی باؤلی (۳۰) فیٹ مربع ہے اور گہرائی اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس باؤلی میں اترنے کی عمدہ پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اطراف کمانیں اور چبوترے بنے ہوئے ہیں۔ اسی باؤلی کا پانی نل کے ذریعے سے حمام میں لایا جاتا تھا اور ان حوضوں میں گرم ہوکر کام میں لایا جاتا تھا۔ ہم کو یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ پانی کس طرح گرم کیا جاتا تھا۔ دہلی اور بیدر کے حمام میں صرف ایک چراغ کی لو سے ہمیشہ پانی گرم رہتا تھا ممکن ہے کہ وہی طریقہ یہاں بھی ہو۔ اسی مکان میں ایک سنگ سیاہ پر یہ کتبہ بخط نستعلیق لکھا ہوا ہے:-

بحر جود و فیض عام حسام اللہ خاں
آں کہ نام نامیش لطف علی

ساخت حوضے بس وسیع و باصفا
می نماید ہم چو جام صیقلی

گوئے صافی برد چوں زمشال خود
شد ازاں روز نام او کوثر قلی

بہر تاریخش رضا چوں فکر کرد
ہاتفش گفتہ بہ آواز جلی

پنج تن از پنج تن گیرد بگو
بانی کوثر قلی لطف علی

۱۱۶۳ھ

اس کتبہ سے بانی کا نام تو ظاہر ہے لیکن باغ محمودی یا احمدی کیوں مشہور ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ محمود شاہ بہمنی کا بنایا ہوا ہے اور بعض راوی ہیں کہ عالمگیر بادشاہ نے یہ نام رکھا۔ اس مکان کے آگے ایک وسیع حوض (۲۰) فیٹ مربع اور چھ فیٹ گہرا موجود ہے اس کے وسط میں ایک فوارہ بھی لگا ہوا ہے۔ تالاب کے کنارے بھی ایک چھوٹا سا مکان ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بنا ہوا ہے۔ اس میں آٹھ در ہیں۔ یہ مکان ۱۸ × ۱۰ طول و عرض ۱۲ فیٹ بلندی ہے۔ تالاب بھی بڑا وسیع ہے۔ اس مکان کے اوپر ایک نالی بنی ہوئی ہے جس میں سے تالاب کا پانی دو مستطیل ڈھلوان سلوں پر سے مثل آبشار کے گرتا ہے وہاں سے ایک چھوٹے سے دس فیٹ مربع چبوترے پر سے بہتا ہوا ایک بڑے مستطیل حوض میں جاتا ہے جو ۶۰ × ۳۰ طول و عرض اور ۲ فیٹ عمیق میں جمع ہوتا ہے اس کے بھرنے کے بعد پھر پانی ایک دوسرے حوض میں جاتا ہے جو ساٹھ فیٹ مربع اور چھ فیٹ گہرا ہے۔ اس حوض کے وسط میں بھی ایک فوارہ لگا ہوا ہے اور حوض کے چاروں کناروں پر چبوتریاں بنی ہوئی ہیں اور حوض کے اندر نہایت باریک چونے گچی کا کام نفاست سے کیا گیا ہے اور تین تل بھی ہیں۔ اس کے بعد ایک وسیع چبوترہ چالیس فیٹ مربع اور چھ فیٹ بلند ہے۔ اس مکان کے جنوب رُخ پر اور ایک چھوٹا سا دو منزلہ مکان ہے مگر نہ اس پر کتبہ ہے نہ کوئی اور خاص بات تذکرہ کے قابل ہے۔ اس باغ کے احاطے کے باہر تھوڑی دور پر نلو فیٹ اونچے ٹیلے پر حضرت میر موسیٰ صاحب قادری کی درگاہ شریف ہے۔

قلعہ داراں اگرچہ اودگیر پہلے بہمنیوں کے قبضہ میں تھا مگر اُس زمانے کے حالات دستیاب نہیں ہوتے البتہ خاندان بریدیہ کے عہد سے مسلسل واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ بریدیوں کا پہلا بادشاہ قاسم برید تھا جو ۹۰۰ھ میں تخت نشین ہوا اور اودگیر بطور جاگیر اُس کے قبض و تصرف میں تھا۔ ۹۲۳ھ میں اُس کا بیٹا امیر برید مسلط ہوا۔ ۹۵۲ھ میں برہان[ا] نظام شاہ نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ اور چندے قابض رہا اس کے بعد مرتضیٰ[۲] نظام شاہ نے حکومت کی جس کے وقت کے کئی کتبے

ا احمد نگر کا دوسرا بادشاہ تھا جو اپنے باپ احمد نظام شاہ کی وفات کے بعد ۹۴۰ھ میں تخت نشین ہوا۔
۲ یہ بادشاہ بیٹا ہے علی بن برہان شاہ اول کا جس کی تخت نشینی سدی عنبر اور راجو دکھنی کی امداد سے ۱۰۰۹ھ میں ہوئی۔ اس کا زمانہ اور شاہ جہاں کا عہد ایک تھا۔ غالباً وہ کمان جس پر ۹۸۴ھ لکھا ہوا ہے اس کی تخت نشینی کے پہلے کی ہوگی۔ ۱۲

ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸۴ھ میں قلعہ پر یہی قابض تھا اور ملک مرجان حبشی اور امیر خاں حکام اور قلعہ داروں نے کئی عمارات بنوائی ہیں جن کے اس وقت تک آثار قدیم موجود ہیں چنانچہ ایک سنگ سیاہ کی کمان پر سیدھی جانب یہ کتبہ ہے۔

شاہ عالم مرتضیٰ نظام شاہ سلطانی ۹۸۴ھ ایں عمارت شد ز مرجان فرمان عالی

اور بائیں جانب یہ ہے ؎

زیں رواق ز فرمان ازلی ست ز لطف علی و آل علی ست

شاہ جہاں کا قلعہ اودگیر کو فتح کرنا شاہ جہاں بادشاہ دہلی نے ۱۰۴۶ھ میں دکن کا رخ کیا اور دکھن کے چالیس قلعے فتح کئے جس میں اودگیر بھی تھا۔ اس وقت کی عمارات اب تک موجود ہیں جن کے کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ مغل خاں نصرت جنگ بہادر غالباً شاہ جہاں ہی کی طرف سے یہاں کے قلعہ دار تھے۔

خداوند خاں قلعہ دار ۱۰۴۳ھ نو سنہ جلوس شاہ جہانی میں یہ قلعہ دار تھے اور انھوں ہی نے قلعہ اودگیر فتح کیا۔

مغل خاں قلعہ دار ۱۰۴۶ھ میں مغل خاں جو شاہ جہاں کا کوکا تھا قلعہ دار ہوا۔

مرزا حسام الدین خاں اودگیر ہی قلعہ دار مغل خاں کے بعد سنہ جلوس (۱۵) میں شاہ جہاں کی جانب سے حسام الدین خاں بعطائے منصب ہزاری و پانصد سوار خدمت بخشی گری دکن پر مقرر ہوئے اور بعد میں ترقی پا کر قلعہ داری اودگیر پر سنہ جلوس (۳۰) میں مقرر ہوئے اور منصب دو ہزاری و ہزار سوار حاصل ہوا۔ زمان قلعہ داری میں مفسدان و سرکشان گو لکنڈہ کو نہایت دلیری سے مغلوب کیا جس کے صلے میں خطاب خان جہاں اور پانسو سوار اضافہ ہوئے اور قلعہ دار کی بجائے فوجدار تلنگانہ کے نام سے موسوم ہوے جس پر پہلے ہادی دادخاں الفضاری مامور تھے۔ پھر حسام الدین خاں صوبہ دار برار ہوئے اور ۱۰۹۲ھ میں قلعہ دار بیدر ہو کر اس عہدۂ جلیلہ پر برابر گیارہ سال سرفراز رہے اس اثنا میں ایک مسجد اور ایک باغ متصل شہر پناہ بیدر اور چاندنی چبوترہ جو فصیل کے متصل ہے بنوایا۔ میرزا حسام الدین خاں نے

کا سلسلۂ نسب یہ ہے نظام الدین علی بن غیاث الدین علی آصف خاں بن آقا ملّا اور یہ
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی اولاد سے ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے - مرزا حسام الدین خاں کے دادا غیاث الدین
آصف خاں اکبر بادشاہ کے زمانے میں ولایت ایران سے ہندوستان آئے تھے - آقا ملّا جو
ان کے باپ تھے اُن کی ایک صاحب زادی اعتماد الدولہ مرزا غیاث بیگ طہرانی کو منسوب
تھی اس لڑکی کے بطن سے شہر قندہار علاقۂ کابل میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام
مہرالنسا تھا - یہ وہی لڑکی تھی جو شیر افگن خاں کو منسوب تھی جو بعد میں جہانگیر بادشاہ کی
چہیتی بیوی نورجہاں بیگم کے نام سے مشہور ہوئی - درحقیقت یہ بیگم اسی عزت کے لایق تھی -
اس کی نازک خیالی - حسن خداداد اور بے نظیر قابلیت - شاعرانہ خیال نے اس کو موصوف
بہ ہمہ صفات بنا دیا تھا - اس کی اچھوتی طبیعت اور قابل قدر ذکاوت نے بادشاہ کو ایسا فریفتہ
کر لیا تھا کہ مہام سلطنت میں بھی اس کا بڑا حصہ تھا یہاں تک کہ بادشاہ اس کے مشورے
بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا - میرزا حسام الدین خاں خود ایک بہت بڑا ذی فہم وشعور شخص تھا جس نے
شاہ جہاں کے عہد میں بڑا عروج پایا -

قلعہ پر عالم گیر بادشاہ کا قبضہ شاہ جہاں کے بعد ۱۰۹۷ھ[۵۱] میں عالم گیر قلعہ پر
قابض ہوا اس کے عہد کی کئی عمارتیں موجود ہیں جن پر کتبے ہیں - اس زمانے میں حاکم خاں
قلعہ دار تھا جیسا کہ اُس کے مکان پر کے کتبے سے ظاہر ہے -

مختار خاں سبزواری قلعہ دار اور دیگر ۱۰۸۹ھ ۲۱ جلوس میں مختار خاں سبزواری بخشی تھا جسے

۵۱ عالم گیر نے ۱۰۹۸ھ میں قلعۂ گولکنڈہ فتح کیا اور چھ کرور اسّی لاکھ دس ہزار روپیہ ابوالحسن تاناشاہ
کی املاک سے حاصل کیا اور قلعہ دولت آباد میں قید کر دیا - عالم گیر کا مشہور وزیر میر جملہ حیدرآبادی تھا
جسے وہ خوف ناک دوست کہا کرتا تھا لیکن درحقیقت یہ وزیر باتدبیر اورنگ زیب کی سلطنت کا دست
راست اور قوت بازو تھا اور فتوحات عالمگیری میں بڑا حصہ اسی کی دانش وفراست کا تھا - بعد ملا عبدالملک
مقاصد خاں اور پھر جعفر خاں پھر محمد ابراہیم مخاطب بہ اسد خاں وزیر اعظم رہے -

منصب ہزاری اور چار سو سوار تھے۔ ۲۳ جلوس ۱۰۹۱ھ میں قلعہ آسیر گڈھ اس کے سپرد ہوا۔ ۲۸ جلوس ۱۰۹۶ھ میں توپ خانے کا داروغہ ہوا اور بلحاظ حسن خدمات اورنگ زیب کی شاہزادگی کے زمانے میں اُس کا بڑا مصاحب تھا اور مہمات دکن اور سفر گولکنڈہ میں ساتھ ساتھ رہا۔ ۳۰ جلوس ۱۰۹۸ھ میں حسام الدین خاں کے تبدل کے بعد نواب مختار خاں منصب پانصدی و سہ صد سوار سے منصب ہزاری و پانصد سوار قلعہ دار مقرر ہوا اور اُس کے باپ کا خطاب مختار خاں سبزواری ملا۔ ۱۶۶۳ع میں جب شایستہ خاں صوبہ داری دکن پر مقرر تھا اور سیواجی مرہٹہ استقبال کے لئے بڑھا اُس وقت مختار خاں اورنگ آباد کا حاکم تھا۔ ۱۰۸۰ھ میں مختار خاں قلعہ داری و نظامت صوبہ داری بیدر پر مقرر ہوا۔ بیدر میں مختار خاں نے (۱۷) سال قلعہ داری کی اور بیدر کے چوبی دروازوں پر جو علی برید کے زمانے کے تھے آہنی پترے ۱۰۸۲ھ میں جڑوائے جیساکہ دروازوں کے کتبوں سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد خاندیس کا صوبہ دار رہا پھر صوبہ مالوہ پر اور امین الدین خاں صوبہ دار گجرات کے انتقال کے بعد گجرات کا صوبہ دار ہوا اور ۱۰۹۵ھ میں احمد آباد گجرات میں انتقال کیا۔ مختار خاں کا اصلی نام شمس الدین خاں تھا ان کے آبا و اجداد ملک سبزوار سے ہند و دکن میں آئے۔ سلسلہ یہ ہے شمس الدین ثانی سلطان شاہ رخ میرزا کے زمانے میں نجف اشرف سے خراسان آکر شہر سبزوار میں رہنے لگے۔ اُن کی اولاد میں سے شمس الدین ثالث ہندوستان آئے اور ان ہی کی اولاد اس ملک میں پھیلی اور پھر اُن کی اولاد سے سید محمد سبزواری ہوئے جس نے جہاں گیر بادشاہ کے زمانے میں بہت کچھ عروج حاصل کیا۔ اور مناصب جلیلہ پر پہنچا جب اِن کا ۱۰۴۷ھ میں انتقال ہوا تو اُن کے تین بیٹے تھے۔

(۱) شمس الدین مختار خاں (۲) ارادت خاں (۳) جاں سپار خاں۔

سبزوار خاں سبزوار الملک قلعہ دار اودگیر

یہ حسام اللہ خاں کے بیٹے ہیں جو مرزا احسان الدین کے فرزند تھے۔ غرض کہ جلال الدین قلعہ دار بیدر کے بعد ان کا تقرر ۱۱۰۰ھ میں قلعہ داری بیدر پر ہوا اور انھیں کے زمانۂ حکومت میں قدیم مدرسہ بیدر خواجہ جہاں وزیر اعظم سلطنت بہمنیہ کا بنایا ہوا بجلی گر کر بارود کے اُڑنے سے آدھا گر پڑا۔ اِس واقعہ کے بعد بیدر کی قلعہ داری سے یہ دہارور کی قلعہ داری پر تبدیل ہوئے اور پھر ان کا تقرر

قلعہ داری اودگیر پر ہوا جو آگے چل کر اُن کی ذات جاگیر ہوگئی - برہان پور میں ان کا انتقال ہوا
انھوں نے دو بیٹے چھوڑے - (۱) نظام الدین علی - (۲) حسام اللہ خاں نواب بہادر -
یہ دونوں عرصہ دراز تک یہاں کے قلعہ دار رہے - حسام اللہ خاں کا بیٹا جہانگیر یار جنگ
تھا جو اپنے باپ کی وفات کے بعد (جن کا انتقال جمادی الثانیہ ۱۲۲۲ھ میں تپ محرقہ سے ہوا) مدتوں
قلعہ دار رہا -

جہاں گیر یار جنگ قلعہ دار اودگیر

جہاں گیر یار جنگ کے عہد میں ۱۲۵۰ھ شیعہ سنیوں کا بڑا جھگڑا ہوا - اہل تشیع نے ایک ضریح نکالی جس میں حضرت
غوث پاک کا پتلا بنا کر ساری بستی میں گشت کرایا اور طرح طرح کی گستاخیاں کرتے ہوئے آخر کار
قاضی اودگیر کے مکان کے سامنے جلا دیا - سنی نواب ناصر الدولہ بہادر کے حضور میں دادخواہ
ہوئے نواب صاحب ممدوح قلعہ دار پر سخت ناخوش ہوئے اور یک لخت خدمت سے
معزول کر دیا - دس سال تک اودگیر سرکار کی ضبطی میں رہی - پھر جہانگیر یار جنگ نے ایک معتد بہ
نذرانہ دے کر جاگیر چھڑالی لیکن نذرانہ کا روپیہ عربوں سے قرض لے کر دیا تھا ادھر سے چھوٹے
اُدھر پھنسے - عربوں کا قاہرانہ تسلط ہوگیا بے چارے جہانگیر یار جنگ کو وہ کچھ بطور گزارے
کے دے دیا کرتے تھے باقی ساری حکومت عربوں کی تھی - نواب ناصر الدولہ بہادر کو جب عربوں
کے مظالم معلوم ہوئے تو ایک دستہ فوج خاص کا ان اشرار کی سرکوبی کو بھیج دیا جو عرب کو قید
کر کے حیدرآباد لے گئے - سرکار نے قرضہ ادا کر دیا اور قلعہ خود لے لیا - جہانگیر یار جنگ
کا کہیں ٹھکانا نہ رہا سقیم الحال ہو کر ابراہیم علی خاں کے پاس قلعہ بھالکی میں زندگی کے
دن کاٹنے لگے جو عباس علی خاں عرض بیگی کے بے ماد بھائی تھے - اس کے بعد میرزا
مہدی خاں جو جہانگیر یار جنگ کا بھائی تھا اور جو بانی مبانی اس تمام فساد کا تھا حیدرآباد چلا آیا
اور غلامی صاحب پیش امام مکہ مسجد کے سامنے توبہ کر کے سنی بن گیا اور بہت کچھ کوشش
اودگیر کے واپس لینے کی کی مگر سوائے تخریب عقیدہ کے کچھ نہ ہوا اور دنیا سے چل بسے۔

نہ تو دیر کے گئے نہ بسوئے حرم — نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم — نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

جب سے اب تک قصبہ اودگیر علاقہ دیوانی میں ہے - اب بھی اودگیر میں مذہبی جھگڑے چلے جاتے ہیں چنانچہ خاکسار ۱۳۴۰ھ میں جب ضلع بیدر کا سوم تعلقہ دار تھا تب بھی بڑا بھاری ہنگامہ عشرہ محرم میں ہونے والا تھا جس کے انسداد کے لئے ایک معقول تعداد پولیس و عروب کی بے کر میں گیا تھا باقبال سرکار اُس وقت حکمت عملی سے بلا ٹل گئی پھر کئی سال بعد باسی کرڑھی میں اُبال آیا میرے اُس ضلع سے تبدیل ہو جانے کے بعد مسجد میں کسی نے سور ذبح کر دیا جس کا بہت بڑا ہنگامہ بپا ہوا تفتیش و تحقیقات سے محمد یوسف صاحب اودگیری جو محکمہ سوم تعلقہ داری کے منشی تھے اور جن میں شر و فتن کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ اس فعل شنیع و حرکت قبیح کے مرتکب ثابت ہوے یعنی ہندوؤں کو پھانسنے کے لئے اُن ذات شریف نے خانۂ خدا میں یہہ بے باکی کی لیکن اپنے کیفر کردار کو اسی دنیا میں پونہچے سات سال قید کی سزا ہوئی جو حکم حبس دوام کا رکھتی تھی یعنی یہہ کہ قید میں ہی قید ہستی سے آزاد ہو گئے ؎

آدمی زادہ طرفہ معجونیست — از ملائک سرشتہ وز حیواں
گر کند میل ایں شود کم ازیں — ور رود سوے آں شود بہ ازاں
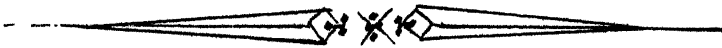
تیسرا ضمیمہ اورنگ آباد
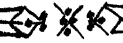
شہر اورنگ آباد[51] دخام[52] ندی عرف گندانالے پر واقع ہے مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کے مشہور وزیر ملک عنبر نے ایک چھوٹے سے گاؤں کھڑکی کو پسند کر کے سنہ ۱۶۱۰ء میں اپنا مستقر یہاں مقرر کیا چونکہ ملک عنبر کے ساتھ فوج کی تعداد کثیر تھی ان سبھوں نے اپنے اپنے مکانات بنائے دس سال کے عرصہ میں موضع کھڑکی نے شہر کی صورت اختیار کرلی لیکن سنہ ۱۶۲۱ء میں شاہجہاں بادشاہ کی افواج نے اُسے لوٹ کر جلادیا۔ ملک عنبر نے سنہ ۱۶۲۶ء میں انتقال کیا اس کی جگہ اس کا بیٹا فتح خاں مقرر ہوا جس نے کھڑکی کا نام فتح نگر رکھا۔ اسی سال میں خان جہاں لودھی نے جو مغلوں کا صوبہ دار تھا شہر پر چڑھائی کی لیکن حمید خاں حاکم نظام شاہی نے کچھ دے دلاکر ٹال دیا اور خان جہاں برہان پور واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۶۳۳ء میں جب مغلوں نے قلعۂ دولت آباد فتح کرلیا تو تمام نظام شاہی علاقہ جات کے ساتھ فتح نگر بھی مغلوں کے قبضے میں آگیا۔ سنہ ۱۶۵۳ء میں جبکہ شاہزادہ اورنگ زیب دوبارہ صوبہ دار اورنگ آباد ہو کر آیا تو اُس نے فتح نگر کو اپنا مستقر بنا

[51] اورنگ آباد کے متعلق مجھے کافی مواد نہ ملا تھا میں عالی جناب مولوی محمد اکبر نذر علی حیدری صاحب بی۔اے۔ ہوم سکریٹری سرکار عالی نظام کا کہاں تک شکریہ ادا کروں کہ اس ناچیز کی درخواست پر فوراً اورنگ آباد گزیٹر بھیج دیا جو ۱۸۸۴ء میں سرکار عالی نظام کے حکم سے مرتب ہوا ہے۔ اسی مبسوط انگریزی نسخے سے میں نے ضروری باتیں چن لی ہیں۔ اورنگ آباد کے کتبے عالی جناب مولوی محمد حبیب الدین صاحب ایچ۔سی۔ایس اکوٹنٹ جنرل سرکار عالی نظام کا عطیہ ہیں مجھے اس بات پر جس قدر ناز ہو کم ہے کہ ایسے بڑے بڑے بزرگوں نے نہ صرف کتاب کی تکمیل میں ہاتھ بٹایا بلکہ اس ناچیز کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ والحمد للہ علی نعمائہ۔ ۱۲۔ من المصنف۔

[52] یہ نالہ یا ندی (۴۸) میل لمبی ہے جو رسول پورہ اور موسالا کے پہاڑوں سے نکل کر بارہ میل کے بعد موضع ہرسول سے دو میل جنوب میں اس میں ایک اور بڑا نالہ آن ملا ہے یہاں سے اس نالے نے اورنگ آباد کے اطراف چکر لگایا ہے

اور اورنگ آباد خجستہ بنیاد نام رکھا۔ لفظ خجستہ میں تاریخ بھی ہے۔ ۱۶۶۶ء میں دہلی جاتے جاتے سیواجی اورنگ آباد آیا۔ ۱۶۶۸ء میں دلیر خاں سرگروہ عساکر مغلیہ اور شاہزادہ معظم کے لشکروں میں ایک بڑی بھاری لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ ۱۶۸۲ء میں اورنگ آباد کے قریب ستارسے کے پہاڑوں میں اورنگ آباد پر یورش کرنے کے لئے مرہٹوں کا جماؤ ہوا لیکن خان جہاں بہادر کے آنے کی خبر سن کر وہ سب منتشر ہوگئے۔ اسی سال خان جہاں نے بادشاہ کے حکم سے مرہٹوں کی آئے دن کی چڑھائی سے محفوظ رہنے کے لئے شہر پناہ بنوائی۔ دو سال بعد خود اورنگ زیب اورنگ آباد آیا۔ ۱۶۹۲ء میں بڑے تالاب کے پاس (جس کا نشان اب قلعۂ ارک کے پاس موجود ہے) ایک عالی شان محل کے بنانے کا حکم دیا۔ ۱۶۹۶ء میں بیگم پورے کی فصیل بنی۔ اورنگ زیب کی وفات کے (۱۷۰۷ء) چند سال بعد ۱۷۲۰ء میں نواب نظام الملک بہادر نے اپنا خاندان دکن میں قایم کیا۔ ۱۷۲۲ء میں نواب ممدوح دہلی تشریف لے گئے اور ۱۷۲۴ء میں واپس تشریف لائے اور دو سال بعد اپنا دارالسلطنت بجائے اورنگ آباد کے حیدر آباد مقرر کیا۔

اورنگ آباد کی پوزیشن اورنگ آباد دودھنا کی وادی میں سلسلہ لاکن داڑہ اور ستارہ پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ اس وادی کی چوڑان دس میل کی ہے۔ شہر کی سطح ارضی بہت ناہموار اور آبادی مستطیل ہے۔ آبادی کا طول ڈہائی اور عرض سوا میل اور دور چھ میل سے کچھ زیادہ ہے۔

فصیل شہر شہر پناہ نہایت پختہ اور سنگ بست ہے جس میں جابجا مورچے اور بروج نصف دائرہ کی شکل کے بنے ہوئے ہیں فصیل کی بلندی (۱۴) فیٹ ہے۔ فصیل میں بندوقوں کے جھروکے ہیں اور برجوں پر پرانے زمانے کی توپیں بھی جابجا چڑھی ہوئی ہیں۔ فصیل کے چار بڑے دروازے ہیں۔ دہلی دروازہ شمال میں۔ جالنہ دروازہ مشرق میں۔ پٹن دروازہ جنوب میں اور مکہ دروازہ مغرب میں۔ اس کے علاوہ جعفر کھڑکی۔ بارہ پل۔ محمود۔ روشن دروازے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱ - اور جنوبی سمت کو نکل گیا ہے اور موضع جوگیسور کے قریب گوداوری ندی میں جا ملا ہے۔ ۱۲

کھلے ہیں اور خضری کھادگر - ماڈوا - کمھار - دروازے بند ہیں - اب کچھ عرصے سے بارہ پلا دروازہ بھی بند کردیا گیا ہے - اس دروازے سے پون میل بھر ٹکل کا مشہور دروازہ ہے اس طرح جملہ تیرہ (۱۳) دروازے اور کئی کھڑکیاں ہیں -

مضافات اورنگ زیب کے زمانے میں جب یہ شہر بھرا پڑا تھا اس کے مضافات چھپن[۵۶] مقامات جدا جدا معمور تھے جن میں سے اب صرف اورنگ آباد اور بیگم پورہ آباد ہیں -

بازارات شہر میں (۳۸) بازار تھے - وسط شہر میں چوک ہے جہاں سب بڑی بڑی سڑکیں ملتی ہیں جس میں ایک طرف بوا ہیر کی دکانات ہیں اور دوسری جانب دوسرے تجار کی دکانیں ہیں - شاہ گنج نہایت دل کشا اور وسیع مقام ہے جس کے بیچوں بیچ میں مسجد ہے جس کی چاروں طرف برآمدوں کی دکانیں ہیں - یہیں شہر کے غلے کی منڈی ہے اور تمامی دکانوں میں ساہوکار بزاز اور مختلف پیشہ ور رہتے ہیں - مشہور بازار یہ ہیں :-

---

۵۱ بیگم پورہ - اورنگ پورہ - مقام پورہ - مفضل پورہ - اہیر پورہ - داؤد پورہ - نواب پورہ - بیجاپورہ - درویش پورہ - نقش پورہ - قطب پورہ - جاسوس پورہ - سلطان پورہ - کرن پورہ - چیلی پورہ - سکرن پورہ - اسمعیل پورہ - تابخی پورہ - پدم پورہ - بس گوپال پورہ - منظور پورہ ہیسنگھ پورہ - پرتاب پورہ - پہاڑ سنگھ پورہ - جمال پورہ - مانسنگھ پورہ - جے سنگھ پورہ جسونت سنگھ پورہ - بھاؤ سنگھ پورہ - جے چند پورہ - رن مست پورہ - چکرا پورہ - کوتوال پورہ - لال ونت پورہ - اسد پورہ - رام پورہ - رنگیجی پورہ - کیسر سنگ پورہ - بلوچ پورہ رنجھا پورہ - کھوکر پورہ - موچی پورہ وغیرہ ان میں سے پہاڑ سنگھ پورہ - قطب پورہ - بلوچ پورہ کرن پورہ - پدم پورہ - جسونت سنگھ پورہ اُن راجگان کے بسائے ہوئے تھے جو اورنگ زیب کے ساتھ تھے - سکرن پورہ - اور پہاڑ سنگھ پورہ راجہ بندیلکھنڈ کے تھے پدم پورہ اور کرن پورہ راجہ بیکانیر کے اور جے سنگھ پورہ راجہ جیپور کا تھا ۱۲ -

رنگ محل - اعظم نگر - دلال باڑی - ٹکسال - رام گنج - فقیرواڑی - شاہ گنج - خادم بازار چوک بازار - شاہ بازار - اُردو بازار - راجہ رام بخش بازار - گرد گنج - جونا بازار - گُل منڈی دال منڈی - چال منڈی - صرافہ وغیرہ وغیرہ -

مکانات وغیرہ اکثر مکانات کئی کئی منزل کے ہیں خصوصاً شاہ گنج اور بیگم پورہ کی عمارات بہت پر تکلف ہیں - امراء کے قدیم مکانات میں اکثر وسیع صحن باغ - حوض - فوارے نہریں تھیں جو اَب اکثر ویران ہیں اب بھی نواب سالار جنگ بہادر اور گوبند بخش کے قدیم مکانات جو پٹن اور جعفر دروازے کے درمیان ہیں اچھی حالت میں ہیں - اب صرف پانچواں حصہ شہر کا آباد ہے باقی یا تو کھنڈر ہے یا زراعت ہوتی ہے اور جا بجا ناگ پھنی بھی پھیل گئی ہے - مسجدوں میں جامع مسجد اور کالی مسجد ملک عنبر کی اور شاہ گنج کی مسجد اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی مشہور ہیں - دہلی دروازے سے آگے سڑک ایک قبرستان میں سے گزرتی ہے جو پہلے امراء کی ہرواڑ تھی اب جنگل ہے یہاں اب بھی میلوں تک باغات کی علامات ہیں - ہرسول کی سڑک پر اسلم خاں کا مقبرہ ہے - عام قبرستان پٹن جعفر اور جالنہ دروازوں کے باہر ہے - پٹن دروازے کے باہر تھوڑی دور آگے ارمنوں کی قریب پچاس قبروں کے ہیں یہ لوگ اورنگ زیب کے زمانے میں بغرض تجارت آیا کرتے تھے - بیگم پورہ کے اطراف جدھر دیکھو مقبرے اور گرے پڑے مکانات کثرت سے نظر آتے ہیں - یہیں رابعہ دورانی کا مقبرہ ہے - رابعہ دورانی کے مقبرے سے آگے بڑھ کر انگریزوں کا قبرستان ہے جس میں کوئی بیس قبریں ہیں -

اورنگ آباد کی برڈز آئی ویو اگر ہم اُس برج پر جو شہر کے شمال و مشرق کے کونے میں ہے چڑھ کر دیکھیں تو شہر بالکل نشیب میں نظر آتا ہے جس کا کچھ حصہ تو نیچا ہے اور کچھ بلند ٹیلوں پر واقع ہے بجز شمال و مشرقی و جنوب و مغربی حصے کے جہاں زندہ نالہ پیچ و خم کھائے ہوئے بہتا ہے - عمارات قریب قریب سارے ہرے بھرے درختوں سے ڈھکی ہوئی ہیں اگر کہیں گنبد کی چوٹی یا منار کا ستون نکلا ہوا نہ ہوتا تو یہی سمجھا جاتا کہ ہم کسی جنگل کو دیکھ رہے ہیں - آم اور املی کے خوب صورت اور گھنے سایہ دار درخت آبادی کو گھیرے ہوئے ہیں - اس سے بہتر منظر اور کسی جگہ مشکل سے ملے گا تاڑ اور کھجور کے لمبے لمبے درخت اُن کے بیچ میں جا بجا سفید انڈے کی طرح کے گنبد اور لمبے لمبے

منار چھلکے ہوئے نہایت بھلے معلوم دیتے ہیں شہر کی فصیل کے باہر مغربی جانب ایک وسیع میدان میں انگریزوں کی چھاؤنی ہو اس سے آگے بڑھکر دو تین پہاڑ الگ تھلگ اُفق سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں جن میں سے ایک قلعۂ دولت آباد کا ہو باقی دو میں سے ایک چمار ٹیکڑی کہلاتا ہو اور ایک کا لمبا سلسلہ دور جاکر تمام ہوجاتا ہو۔

قلعۂ ارک ۱۶۹۲ء ۱۶۹۲ء میں اورنگ زیب نے قلعہ ارک بنوایا جو دہلی دروازے سے مکہ دروازہ تک ہو اس کے پانچ دروازے ہیں جن میں سے اب تین کھلے ہوئے ہیں علاوہ اس کے ایک نقارخانہ ہو جو بالکل ویران ہوگیا تھا نواب بشیر نواز جنگ بہادر صوبہ دار کے عہد میں از سر نو مرمت ہوکر محلات درست کردیے گئے ہیں اور جب کبھی حضور نظام کی سواری مبارک رونق افروز ہوتی ہو اسی میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور خالی اوقات میں معزز شاہی مہمان اُترتے ہیں اور صوبہ دار صاحب بھی رہتے ہیں۔ اب قدیم عمارات میں عام خاص یعنی دربار ہال بارہ دری اور جامع مسجد باقی ہیں۔ مسجد کے متصل ایک محاط مقام چوگان بازی کے لئے مخصوص تھا اور اس کے دروازے پر ۱۶۵۹ء کا کتبہ ہو۔ اورنگ زیب کی تخت گاہ ایک باغ کا منڈوا ہو۔ جو ایک مختصر سا دربار ہال بھی ہو اور بہت سادہ بنا ہوا ہو اس کے اندر آنے کے لئے عقب میں ایک دروازہ اور گیلری ہو۔

سرائے ہرسول موضع ہرسول میں تین سرائے ہیں جو اورنگ زیب ہی کی بنوائی ہوئی ہیں ان میں سے سب سے بڑی سرا میں (۱۲۳) لداوی حجرے مسافروں کے لئے بنے ہوئے ہیں اور اب اورنگ آباد کا صدر جیل خانہ اسی میں ہو۔

سنہری محل پہاڑ سنگ پورے میں ہو جس کو ایک بندیلے سردار نے اورنگ زیب کے زمانے میں بنوایا تھا۔ یہ عمارت پتھر اور چونے کی ہو اس کی کرسی بلند ہو لیکن اب ویران ہو۔ اس کا نام سنہری محل اسی وجہ سے پڑا ہو کہ پہلے اس میں کثرت سے طلائی کام تھا۔

شاہ مسافر صاحب کی درگاہ ۱۶۸۷ء محمود دروازے کے پاس باغ میں یہ درگاہ اُن بزرگ کی ہو۔ جن کا اورنگ زیب ازبس معتقد تھا۔ اِن بزرگ کا وصال

۱۶۸۷ء میں ہوا۔ درگاہ کے متعلق مدرسہ۔ مسجد۔ کچہری۔ ایوان وزارت۔ سرائے اور زنانے مکانات ہیں۔ ان عمارات میں کثرت سے سرخ رنگ کا استعمال کیا گیا ہے اور ستون بھی سرخ ہیں۔ قبر میں بھی سنگ سرخ لگا ہے جس کے اطراف ستونوں کے درمیان جالی لگی ہوئی ہے مسجد اور دوسری عمارات بھی بڑی کاریگری اور مختلف صنائع سے بنائی گئی ہیں۔ جن کے چھجے اور مناروں پر عمدہ کام کیا گیا ہے۔ بعض دریچوں کے سامنے چھجے اور نفیس برآمدے ہیں۔ یہاں کئی پختہ حوض ہیں جن میں متعدد بے نظیر فوارے ہیں اور ایک بڑا حوض صدر میں ہے جس سے پنچکی بھی چلتی ہے۔ یہاں کی اکثر عمارات ۱۶۹۵ء میں چین قلیچ خاں کے ہمراہی کسی امیر کی بنوائی ہوئی ہیں۔ بڑا مستطیل حوض اور فوارے بیس سال بعد بنائے گئے ہیں۔ یہاں کا منظر بلحاظ فرحت اور شادابی کے قابل دید ہے۔ اس باغ کو کنولا نالہ گھیرے ہوئے ہے۔ جس پر یکے بعد دیگرے دو محراب دار پل بنے ہوئے ہیں۔ بیگم پورے کی فصیل اس کی سیدھی جانب ہے اور شہر پناہ بائیں طرف شاہ مسافر صاحب کا باغ شہر پناہ اور نالے کے درمیان ہے۔ باغ کی چار دیواری نالہ سے جا ملی ہے اور درگاہ مع دوسری عمارتوں کے باغ کے درختوں کے اندر بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

کتبۂ درگاہ حضرت شاہ مسافر صاحب و حضرت بابا سعید صاحب پلنگ پوش رحمہما اللہ تعالیٰ

کشادہ باد بدولت ہمیشہ ایں درگاہ — بحق اشہد ان لا الہ الا اللہ

پیر کامل سر آمد عرفا — خاص درگاہ رب عرش مجید
قطب روے زمین و غوث زماں — اختر برج سعد شاہ سعید
در نظر داشت دار باقی را — چشم ازیں دار بے بقا پوشید
سال تاریخ وصل گفت خرد — قصر جنت بود مکان سعید

سنہ ۱۱۲۷ھ

مسافر شاہ اقلیم حقیقت　　　　مقیم عرش شد از فرش ایں طاق
چو وقت وصلش آمد از رہ شوق　　　　بحق پیوست از حد بود مشتاق
خرد تاریخ سال رحلتش گفت　　　　مسافر شد ز عالم قطب آفاق
سنہ ۱۱۲۱ھ

کتبۂ مزارات اندرون احاطۂ شاہ مسافر صاحبؒ

سال رحلت بانوے عصمت مآب　　　　خوابگاہ بیگم جنت قباب
سنہ ۱۲۶۵ھ

دیگر

بگذشت ازیں جہاں بافکار جلی　　　　خان عالی سعید روز ازلی
معروف بامر حق ہمہ اوقاتش　　　　قایم بر سنت رسول عربی
تاریخ وفات او شد موزوں　　　　فیاض الدیں عماد دیں نبوی
سنہ ۱۲۳۳ھ

مسجد شاہ گنج سنہ ۱۱۳۶ھ / ۱۷۲۰ء اورنگ آباد میں سب سے بڑا اور وسیع بازار شاہ گنج ہے جو کھلے میدان میں ہے یہیں وہ مشہور مسجد ہے جو باعتبار اپنی خوبی کے سارے ہندوستان کی مشہور عمارات میں ہے جو سنہ ۱۷۲۰ء میں بنی ہے۔ مصنف منتخب اللباب سید حسین علی خاں صاحب صوبہ دار دکن (سنہ ۱۷۱۴-۱۹ء) کے ذکر کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حوض کی طیاری سید حسین علی خاں ہی نے شروع کی تھی۔ نواب عضد الدولہ عوض جنگ نے اسے وسیع کیا اور مسجد کی متعلقہ عمارات بنوائیں۔ یہ حوض اس قدر وسیع و عمیق ہے کہ گرمیوں میں بھی جب اور جگہ پانی کی قلت ہوتی ہے یہ لبالب رہتا ہے۔ مسجد نہایت بلند کرسی دے کر بنائی گئی ہے جس کی تینوں طرف متعدد دکانیں ہیں اور چوتھی جانب سیڑھیاں ہیں اس مسجد کے باہروار پانچ در ہیں اور اندر چوبیس ستون ہیں۔ درمیان میں ایک بڑا گنبد ہے۔ دیواروں پر بیل بوٹے پھول وغیرہ کے عمدہ نقش و نگار ہیں۔ مسجد کے مشرق اور مغرب میں مسافروں کے لئے وسیع دالان بنے ہوئے ہیں جو "عام خاص" کھلاتے ہیں جن کے پانچ پانچ در ہیں۔ مسجد کی چھت پر تمام چھوٹے چھوٹے

گنبد ہیں اور لداؤ کی ہے اور دونوں جانب دو بلند منارے ہیں صحن میں دو حوض ہیں۔ دروازہ پر بھی دو چھوٹی چھوٹی منارےہیں ہیں۔

مسجد عالم گیری ۱۱۹۲ھ المعروف بہ مسجد حاجی قاسم بہ محلۂ انگوری باغ۔

مبصر شاہ محی الدین محمد	کہ عالمگیر از امر قضا شد
نصیر شرع عالم عدل اشجع	امیر الاولیا و الاتقیا شد
چناں برکندہ بیخ از کفر ملعون	کہ یزدانش ز ایزد مرحبا شد
بنا کرد این مصلّی بندہ دولت	عبادت گاہ مردان خدا شد
خرد تاریخ گفت از روے انصاف	ز دولت مسجد الاقصیٰ بنا شد

۱۱۹۲ھ

بارہ دری دہلی دروازے کے پاس بارہ دری اور دمڑی محل ہے بارہ دری مع عمارات ملحقہ کے عضد الدولہ بہادر کی بنائی ہوئی ہے ان عمارات میں اب کچہریاں ہیں یہاں باغ بھی ہے جس میں پختہ نہریں دوڑتی ہیں اور متعدد وسیع اور پختہ حوض ہیں جن میں جابجا فوارے لگے ہوئے ہیں۔

دمڑی محل بارہ دری کی طیاری کے وقت مزدوروں سے فی نفر ایک ایک دمڑی لے کر یہ چھوٹا سا محل بنایا گیا ہے پانچ دروں کا لداؤ ہے۔

آئینہ خانہ یہ مکان بھی بہت وسیع ہے جس میں وسیع ہال اور متعدد حوض ہیں اس میں صوبہ دار صاحب کا دفتر اب رہتا ہے۔

ذرائع آب رسانی شہر میں پانی کی افراط ہے گندی ندی جسے خام ندی بھی کہتے ہیں شہر کی مغربی فصیل سے ملی ہوئی ہے اور بیان خاں کی نہر وسط شہر میں سے گزرتی ہے۔ علاوہ اس کے پہاڑوں میں سے کاٹ کاٹ کر نہریں لائی گئی ہیں جن کا پانی نلوں کے ذریعے سے سارے شہر میں پہنچتا ہے اور لیول کا ایسا عمدہ حساب رکھا گیا ہے کہ کئی کئی منزل تک حوضوں میں پانی بہ آسانی چڑھتا ہے اور نلوں کی ترکیب ایسی ہے کہ جب چاہا اور جہاں چاہا پانی بند کر دیا اور جتنا چاہا اور جس مقدار میں چاہا دیا یا بند کر دیا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں ایک بہت بڑا

تالاب شہر کی تمامی شمالی فصیل کی ملبان میں تھا لیکن پل کی وجہ سے آب وہوا خراب ہونے سے
اورنگ زیب ہی نے اس کا بڑا حصہ جو محل کے مقابلہ میں تھا پٹوا دیا باقی حصہ دہلی دروازے
کے باہر خضری تالاب کے نام سے مشہور ہی - کنول تالاب محل شاہی اور مکہ دروازہ کے درمیان
تھا جس کا بند چالیس سال ہوئے کہ توڑ وادیا گیا کہ بصورت طغیانی شہر کے بہ جانے کا اندیشہ
تھا - ذخیرۂ آب چودہ ہیں جن میں سے سب سے بڑا وہ نہر ہی جو ملک عنبر ہرسول کی ندی سے
لایا ہی - ندی سے پانی کی نہر نکال کر گاؤ مکھ سے دو شاخیں ہوگئی ہیں - مشرقی شاخ سے شاہ گنج
وغیرہ کی آبادی کو پانی پونہچتا ہی اور شمالی مغربی نہر سے جو چھوٹی نہر کہلاتی ہی جڑ کل دروازے نوکھنڈا
جونا بازار - چوک - گل منڈی وغیرہ کو پنچکی کو جو پانی جاتا ہی وہ ہرسول کی ندی
کے پاس ایک باؤلی سے نکالا گیا ہی - بیگم پورہ کی نہر جدا ہی یہ بھی ہرسول کی ندی سے نکالی گئی ہی
اب تک تین بند ہرسول کی ندی میں موجود ہیں پہلا بیگم پورہ کی نہر کا ہی دوسرا باغ کے نیچے پنچکی کا ہی
اور تیسرا مکہ دروازے کے پل کے ذرا اوپر دار ہی - پلسی کی نہر جو موضع پلسی کے نالے سے نکالی گئی
ہی جہاں پختہ بند ۲۵۲ فیٹ طویل اور ۲ فیٹ بلند موجود ہی اس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوکر
باجی پورہ اور کچہری کے باغات کو جاتا ہی - اب یہ نہر اٹ گئی ہی تھوڑا تھوڑا پانی رواں ہی -
شاہ علی نہر دیول گاؤں کے نالے سے نکالی گئی ہی اور شاہ علی کی درگاہ کے حوض کو پر کرتی ہی
جو شہر کے باہر ہی - چھاؤنی کے پاس اینکٹ باندہ کر مسافر بنگلہ کے پاس سے نہر نکالی گئی ہی
شکر باؤلی سے ایک نہر نکالی گئی ہی جو دونوں بارہ دریوں میں پانی پونہچاتی ہی - پچھمن داس
بیراگی کا چھوٹا سا نل باجی پورہ کے شمال میں ہی - لال منکرار کا نل بھی باجی پورہ کے شمال میں
ہی جو ایک تالاب سے نکالا گیا ہی - دل باول کا نل موضع گرگرٹا کے قریب سے نکالا گیا ہی
سیٹیں سے ایک چھوٹی سی نہر چھاؤنی میں جاتی ہی اور چوسر باغ سے بھی ایک شاخ جاتی ہی -
موضع دیولائی سے ایک چھوٹا سا نل اور ستارے کے پہاڑ سے دوسرا نل نکالا گیا ہی یہ دونوں
چھاؤنی کے پاس مل جاتے ہیں اور آگے چل کر شاہ علی نہر میں شامل ہو جاتے ہیں - ان کے علاوہ
بھی اور بہت سے ذرایع آب رسانی کے نشانات ٹوٹے پھوٹے نواح اورنگ آباد میں دکھلائی
دیتے ہیں مگر وہ قابل ذکر نہیں کہ اب ان کا وجود ہی مفقود ہوگیا - یہ سارے نل مٹی کے

ہیں جیسے کھپریل ہوتی ہے ان کی کلاسی ملاکر مصالحہ لگاکر جوڑ دیتے ہیں۔ ان نلوں کے اوپر جا بجا جیسے بنے ہوئے ہیں جو روشن دان کہلاتے ہیں یہ اس غرض سے بنائے گئے ہیں کہ کہیں پانی زیادہ رک کر ایسا نہ ہو کہ نل پھٹ جائے۔

بھڑکل کا دروازہ اصل میں بھڑکل دروازہ ہے جو ملک عنبر مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کے وزیر کا بنایا ہوا ہے جس کا زمانہ سنہ ۱۶۲۶-۴۶ھ تک تھا اور جو موضع کھڑکی (حال اورنگ آباد) میں سنہ ۱۶۱۰ء میں رہتا تھا۔ ملک عنبر نے بہت سی مسجدیں اور عمارتیں بنائی ہیں۔

محل نوکھنڈا ملک عنبر نے سنہ ۱۶۱۶ء میں ایک بلند ٹیکری پر بنوایا ہے۔ بھڑکل کا بڑا دروازہ اسی محل کا صدر دروازہ ہے جس پر نقارخانہ تھا لیکن عالم خاں نے (جو اورنگ زیب کے عمائدین میں سے تھا) بھی نوکھنڈے میں بہت سے مکانات بنائے ہیں۔ آگے چل کر آصف جاہ بہادر نے اس کو بہت کچھ بڑھایا اور ناصر جنگ بہادر نے زنانی عمارات اور احاطہ بنوایا۔ خود نواب نظام علی خاں بہادر اس میں رہتے تھے۔ اس میں پانچ زنانے محلات کے علاوہ دیوان خاص دیوان عام مسجد اور کچہری کی عمارتیں ہیں اور سب میں خانہ باغ اور حوض جدا جدا ہیں۔ چار دیواری اور درمیانی دیوان خانہ اور حمام کی عمارتیں درست حالت میں ہیں لیکن گلکاری اور نقاشی اور چوبی نقش و نگار کا کام سب جاتا رہتا ہے۔ دیوان عام ایک وسیع مربع عمارت بہت خستہ حالت میں ہے اور اسی کے متصل کچہری میں مسند حضور نظام ہے جس کے سامنے عیدین اور دیگر تقاریب میں صوبہ دار صاحب اورنگ آباد نذر گزرانتے ہیں۔

کتبۂ درگاہ حضرت شاہ تاج الدین صاحب و سید شاہ سلیمان صاحب متصل نوکھنڈا

سید شاہ سلیمان بغدادی	سید شاہ تاج الدین حموی	درگاہ شاہ تاج الدین و شاہ سلیمان
سنہ ۱۱۵۶ھ	سنہ ۱۱۱۰ھ	

سیّد شاہ عزیز بادشاہ نبیرۂ حضرت امغران خانقاہ بنا نمود

سنہ ۱۲۹۰ھ

کتبۂ گنبد عزیز بادشاہ

دفعتاً چوں آں شہ سید عزیز ۔ در رہ تسلیم حق بے بیم شد
مژدۂ قربت رسید از کردگار ۔ روز شنبہ وقت شب چون نیم شد
پانزدہ تاریخ از ماہ ششم ۔ راہی فردوس بالتعظیم شد
گفت ہاتف سال او بے رو و یاس ۔ پیر کامل جاں بحق تسلیم شد

سنہ ۱۳۰۹ھ

کتبۂ مزار چین بیگم صاحبہ اندرون احاطۂ درگاہ شاہ تاج الدین صاحب

خوابگاہ چین بیگم بنت آصفجاہ

سنہ ۱۱۶۲ھ

کالی مسجد سنہ ۱۶۱۰ء ملک عنبر نے سات مسجدیں بنوائی تھیں جو کالی مسجد کے نام سے مشہور ہیں۔ جوتا بازار کی کالی مسجد سنہ ۱۶۱۰ء میں بنی جو ایک بلند چبوترے پر چھ کمانوں کی ہے۔ قلعہ ارک کے پاس کی جامع مسجد میں پانچ قطاروں میں چالیس ستون کثیر الزوایا تراش کے ہیں۔ ان ستون پر کمانیں اس طرح واقع ہیں کہ جن سے ساری عمارت ستائیس برابر کے قطعات میں تقسیم ہوگئی ہے جن میں ہر ایک پر برجیاں ہیں۔ مسجد کے محاذی نو محرابوں میں سے پانچ ملک عنبر نے سنہ ۱۶۱۳ء میں بنوائیں باقی چار اورنگ زیب نے۔ کرسی اس قدر بلند ہے کہ اس میں متعدد دکانیں ہیں۔ چھجے کے نیچے بریکٹ لگے ہوئے ہیں اور پردے کی دیوار مشبک ہے۔ اس مسجد کی وضع قطع نہایت خوش نما ہے گو سادی ہے مگر بہت مضبوط اور مستحکم ہے اور عام نقشہ بیجاپور کی سی مسجدوں کا ہے۔ مسجد کے سامنے وسیع صحن ہے جس کی تین طرف مسافروں کے لئے کھلے دالان ہیں۔ مسجد کے وسط میں ایک حوض ہے جس میں ملک عنبر کی نہر سے پانی آتا ہے۔

چیت خانہ اس کو پنڈت خانہ بھی کہتے ہیں یہ ملک عنبر نے پنڈتوں اور ذی علم لوگوں کے لئے بنوایا تھا جس کو اورنگ زیب نے مسافر خانہ بنا دیا اور چندروز پیشتر تک اس میں جیل تھا یہ ایک مدور عمارت ہے جس کی چاروں طرف متعدد کوٹھریاں ہیں اور بیچ میں وسیع صحن ہے۔

پیر اسمٰعیل کا مقبرہ ہرسول کی سڑک پر دہلی دروازے کے باہر باغ کے اندر واقع ہے پیر اسمٰعیل صاحب اورنگ زیب کے اُستاد تھے انھیں کا یہ گنبد ہے - باغ میں حوضوں اور فواروں کی علامات موجود ہیں - البتہ دروازہ بہت شان دار ہے جس کی محراب بلند اور ڈیوڑھی نماز روکار اور دیوار پر عمدہ نقاشی کا کام کیا ہوا ہے جس میں تین محراب دار کھڑکیاں اور طاقچے ہیں چھت کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔

چوک کی مسجد ۱۰۷۵ھ ۱۶۶۵ء میں شائستہ خاں نے بنوائی ہے جو اورنگ زیب کا چچا تھا سامنے وار کو (۵) محرابیں ہیں اور پیچھے دو - آٹھ ستون ہیں اور پانچ گنبد - درمیانی گنبد بہت بڑا ہے جس پر لوہے کا کلس ہے - دونوں جانب منارہیں کرسی بہت بلند ہے جس میں متعدد دکانیں ہیں - صحن مسجد کے بیچ میں حوض ہے اور دروازے پر بھی دو منارے ہیں -

کتبۂ اندرون مسجد چوک

مسجد شائستہ جنت فضا — در جہاں شائستہ خاں کردہ بنا

ہمچو قدر ہمت و بخشش بلند — دلنشین و دلکشا و دل پسند

پایہ اش برآسمان ہفتمیں — آسماں در سایہ اش قدرش زمیں

پنج نوبت می زند دیں بر درش — برتر از نہ آسمان رفتہ سرش

ہمچو کعبہ اجر بخش و جرم سوز — ہمچو صبح از نور دیں جام آفروز

از عطا حاجت روائے پایہ اش — آسماں آوردہ رو در سایہ اش

سایہ از رفعت فگندہ بر سما — در دکن چوں دیدۂ دل کردہ جا

تاج دہ چون آسماں از آفتاب — تاجداراں از سجودش کامیاب

تاجش از قدر آمده خورشید سای | سایهٔ تاجش شده خورشید رای
تاجداری را چو خورشید افتخار | تاجداران سر بخاکش سایه دار
نقطهٔ دور فلک آمد سرش | سجده گاه آفتاب و مه درش
پیش طاقش مشرق صبح مراد | گشت خورشید آنکه سر بر در نهاد
در طوافش آسمان سر بلند | چون بکعبه محرمان احرام بند
سرکشان را کار سر افگندگی | اندرین مسجد برای بندگی
چون بفیض و دلکشائی شد مثل | می شود با کعبه این مسجد بدل
سر بلند آن روی فرسا بر زمین | همچو نور مهر و چون ماه جبین
از زمین تا عرش رفته بی حجاب | از سعادت چون دعای مستجاب
گنبدش چون سر ز بام افراخته | نور بر عالم چو مهر انداخته
مهر تابان بلبل گلدسته اش | بلبل و گل عاشق دلخسته اش
سطح صحن از عکس نقش جسته ها | آسمان بخت را اختر نما
روی آورده بدیوار آفتاب | چون بآئینه نکو روی بی نقاب
خور چو بر دیوار مسجد تافته | قدر نور خویش را دریافته
چون شدم در فکر تاریخ بنا | آمده یمنی بگوشم این ندا

یافت کار از جد و تاریخ انتظام
مسجد از لطف الهی شد تمام

۱۰۷۲ھ

کتبه میرزا محمد ابن محمد شریف یمنی

کتبهٔ بیرون مسجد

زهی نیک بختی که از نیک رائی | بنا کرده مسجد باین دلکشائی
شرف داد شائستگی را وجودش | چو خورشید مه را دهد روشنائی

پی حق پرستی بنا داین بنا را	کہ چون کعبہ شد مبارک بنائی
دو گام از تو تا حق دو رکعت نمازش	...... این ست راہ رسائی
مزن در کہ حاجت ازین جا بر آید	کہ شد این بنا بہر حاجت روائی
درینجا چو خورشید روشن دلاں را	سر و سر بلندی دہد جبہ سائی
ہمہ نور آید چو طور از تجلی	خدا بین شوی گر چو موسیٰ درآئی
زند طعنہ در میمنت مرغ عیسیٰ	ز فیض طوافش تطفل ہمائی
بشہر آب دادہ دو حوض درونش	چو انہار جنت پی جاں فزائی
سزد عالم ارا این بنا را بنازو	کہ شد زینت عالم پارسائی

چو تاریخ جستم خرد گفت یمنی
ببیں دلکشا جائے حاجت روائی

سنہ ۱۰۷۲ھ

بر دروازہ مسجد

مسجد شائستہ شائستہ خاں ساخت بیکسال محمد شریف

لال مسجد سنہ ۱۰۶۵ھ مفتی زین العابدین صاحب میر عمارات نے سنہ ۱۰۶۵ھ میں اورنگ زیب کے عہد میں بنوائی ہی جو سنگ سرخ کی ہی۔ اس کی استر کاری قابل دید ہے۔

مقبرہ رابعہ دورانی سنہ ۱۰۷۱ھ شہزادۂ اعظم شاہ نے اپنی والدہ رابعہ دورانی بیگم محل اورنگ زیب کی یادگار میں بنوایا ہی جو محلہ بیگم پورہ میں ہی جو سنہ ۱۶۵۰ء سے سنہ ۱۶۵۷ء تک بنتا رہا۔ عطاء اللہ کاریگر نے بنایا ہی جس پر چھ لاکھ اڑسٹھ ہزار دو سو تین روپیہ سات آنے لاگت آئی یہ تاج گنج کے نمونے پر بنایا گیا ہی۔ شاہ جہاں اپنی بیگم ممتاز محل کا مقبرہ آگرہ میں اسی زمانہ میں بنوا چکا تھا لیکن افسوس ہی کہ وہ کاریگر نیست و نابود ہو گئے تھے ویسا مقبرہ تو نہ بن سکا پھر بھی یہ عمارت بے نظیر اور نہایت خوب صورت اور سڈول ہی۔ مقبرہ کا احاطہ ۵۰۰×۳۰۰ گز ہی

احاطہ کی دیواریں بندوقوں کے لئے جھانجیاں بنی ہوئی ہیں اور باہر کے رُخ پر محرابیں ہیں جابجا برجیاں اور چھوٹے چھوٹے منارے اپنے اپنے موقع سے بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی دیوار کے وسط میں نہایت خوب صورت صدر دروازہ ہے جس کے پٹوں پر برنجی کام کی بیلیں بنی ہوئی ہیں اور باقی ہر سہ جانب وسیع بارہ دریاں ہیں جن کی چوڑی گھڑے ہوئے نقشین پتھروں کے فرش کی سڑکیں مقبرے کو گئی ہیں۔ عمارت مثمن شکل کی ہے جس کے ہر زاویہ پر منارے ہیں سامنے والی کو ایک نہایت مرتفع محراب ہے لیکن آنے جانے کے لئے ایک دوسرا چھوٹا دروازہ ہے ان کے درمیان کی جگہ بطور برآمدہ کے ہے بڑی محراب کی دونوں جانب دو چھوٹی چھوٹی کمانیں ہیں جن میں سے ایک میں سے گیلری میں جانے کا راستہ ہے اور دوسری میں سے نقار خانے پر۔ مقبرہ کے احاطے میں حوض اور انواع واقسام کے فوارے اور کیاریاں روشیں اور میوہ دار درختوں اور پھولوں کے باغ ہیں مقبرہ (۲۷) فیٹ مربع مرتفع سنگ سرخ کے چبوترے پر بنا ہوا ہے جس کی چاروں طرف اسی قدر بلند منارے ہیں۔ چبوترے کا کٹہرہ بھی سنگ سرخ کا ہے اور یہیں سیڑھیاں ہیں جن پر سے اُتر کر باغ میں آتے ہیں۔ ہر منارے کے آدھوں آدھ پر گیلری ہے اور پھر اور اوپر جاکر دوسری گیلری ہے جن پر برجیاں اور کلس ہیں یہ منارے بھی مثمن ہیں اور ان کے اندر چکردار سیڑھیاں اوپر چڑھنے کے لئے ہیں۔ سنگ مرمر کے شان دار مربع گنبد کی چاروں طرف بھی چار بلند محرابیں اور چاروں کونوں پر چار منارے ہیں اور نیز چاروں طرف چار برجیاں مع چھوٹے چھوٹے مناروں کے ہیں۔ چبوترے پر سے سیڑھیاں اُتر کر ہم مقبرے کے اندر آتے ہیں جہاں بیگم صاحب کا مزار سنگ مرمر کی نہایت خوش نما جالی کے اندر ہے۔ جنوب ومشرقی گوشہ کے دروازہ میں محراب اور ستون پر بے نظیر کام پھول پتوں کا کیا گیا ہے اس دروازہ سے ہم اس گیلری میں پہنچتے ہیں جو مقبرہ کے چاروں طرف ہے جہاں سے مقبرہ نیچے دکھائی دیتا ہے تین کھڑکیوں میں سنگ مرمر کی جالیوں اور پچیکاری اور گُل کاری کا کام بالکل تاج گنج کی طرح کا نفیس اور نازک بنا ہوا ہے۔ جس وقت جالیوں میں سے چھن کر دھوپ پڑتی ہے تو اس کا حُسن دوبالا ہوجاتا ہے۔ مقبرہ کے فرش پر تمام سنگ مرمر کی سلیں بچھی ہوئی ہیں۔ گنبد تمام جے پور کے سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور یہی سنگ مرمر دوسری جگہ بھی عمارت کے زیرین حصہ میں لگا ہوا ہے

اور بالائی حصہ میں بعض بعض جگہ اینٹ اور پتھر بھی استعمال کیا گیا ہے استرکاری تمام موتی کے چونے کی ہے۔ فرش میں تاج گنج کی طرح پچیکاری کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے پھول پتیاں اور دوسری گل کاری استرکاری میں کی گئی ہے چبوترے کے مغرب میں ایک مسجد بھی ہے جس کے پانچ در اور دونوں جانب دو منار ہیں۔ اندر وار متعدد ستون ہیں۔ اس مسجد کی دونوں طرف بھی جالیاں ہیں مسجد کے روکار پر نہایت پر تکلف نقش و نگار اور بے نظیر صناعی کی گئی ہے۔ بائیں دروازے پر جو کتبہ ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے ۱۰۸۱ھ میں عطاء اللہ نے مقبرہ بنایا ہے ٹیورنیر سیاح لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ سورت سے گولکنڈہ جا رہا تھا مجھے اورنگ آباد سے پانچ منزل اس طرف تین سو گاڑیاں ملیں جن میں جے پور کا سنگ مرمر لدا ہوا تھا اور کم سے کم چھ چھ جوڑی بیل ہر گاڑی میں لگے ہوئے تھے۔

درگاہ حضرت شاہ غریب اللہ چشتی

۱۱۸۸ھ

حیف دامن فشاند از عالم	شیخ بیدار دل خدا آگاہ
عقل تاریخ او بتعمیہ گفت	زندگی رفت از غریب اللہ

۱۱۸۸ھ

گنبد کی غربی دیوار پر کلمۂ طیبہ بخط نسخ کاشی کاری اینٹ پر کندہ ہے۔

مسجد حکیم محمد صادق ۱۱۹۹ھ

مرادم بر آمد کہ از فضل رب	مرتب شد این سجدہ گاہ عجیب
نہادم من این چند سنگے بہم	شود شاید م مغفرت را سبب
پے نام بانی و تاریخ این	بگفتا خرد مسجد منتخب

۱۱۹۹ھ

دروازہ پر

ھنگام تمام از خرد فرزانہ	تاریخ شد این باب عبادت خانہ

۱۱۹۹ھ

گنبد حضرت شاہ غریب عالم

سنہ ۱۱۹۱ھ

سید بر حق غریب عالم از دنیاے دوں	کرد رحلت تا کند گلگشت ملک جاوداں
بر مزار فیض بار او مرتب ساختن	قبۂ نوبی کہ روشن می کند چشم جہاں

بجانب شرق - روضۂ عالم ہادی ھدی - ھو صاحب التذکیر و الزھد و التقی ؏

سایہ بر چار دیوار حریم مرقدش	راحت جاں میرساند زائراں را ہر زماں
سال تاریخ بناے او رقم زد کلک من	گنبد آرامگاہ زبدۂ آسودگاں

بجانب جنوب - غریب عالم چو مہر و ماہ عالم	فروغ شوع شمع راہ عالم
چو رحلت کرد بعد از شصت و سہ سال	بر آمد از فراقش شاہ عالم
باب مرقد شریف قطب عالم	الملقب باسمہ سید غریب عالم

سنہ ۱۱۹۱ھ

دوشنبہ روز دوم ماہ شوال	زواویلا شدہ افواہ عالم
نداے غیب ہاتف گفت ہیہات	سفر کردہ ز عالم شاہ عالم

سنہ ۱۱۶۴ھ

چھاؤنی شہر کے مغرب و جنوب میں ایک مرتفع جگہ پر چھاؤنی بنی ہوئی ہے یہاں کنٹنجنٹ کی فوج رہا کرتی تھی۔ شہر اور چھاؤنی کے درمیان خام ندی حد فاصل ہے۔ فوج کی لین شہر کے جنوب میں ڈیڑھ میل فاصلے پر ستارا پہاڑ کی طرف ہے۔ ایک عمدہ ریس کورس بنا ہوا ہے۔ چھاؤنی میں متعدد بنگلہ جات۔ ڈاک خانہ۔ رومن کیتھولک کا گرجا۔ پبلک گارڈن۔ سافر بنگلہ۔ ڈاکٹر خانہ بازارات اور دوسری عمارات ہیں۔

عربوں کی بغاوت سنہ ۱۸۵۳ء راجہ دیول گاؤں کے ہاں جو عرب ملازم تھے ان کی

تنخواہ چڑھ جانے سے اُنھوں نے راجہ مانسنگھ راؤ کو گھیر لیا اور قریب تھا کہ مار ڈالیں۔ بریگیڈیر مین صاحب نے ہفتۂ اول ماہ اکتوبر میں پانچویں رجمنٹ سواروں اور چھٹی رجمنٹ پیدل اور ایک باتری توپ خانہ سے جیونت پورے میں جو روشن دروازے کے باہر ہے ان پر چڑھائی کی اور بعد ایک سخت معرکہ کے جس میں کنٹنجنٹ کے (۱۵) آدمی مارے گئے اور چالیس زخمی ہوئے عربوں کو منتشر کیا گیا اور راجہ کو چھوڑا لیا۔ اس معرکہ میں لفٹنٹ باسول مارے گئے اور لفٹنٹ دان اور کپتان پارکر شدید زخمی ہو کر بعد میں مر گئے۔

غدر میں اورنگ آباد کی حالت ۱۸۵۷ء

تیسرا رسالہ مالیگاؤں چلے جانے سے اُن کی جگہ پہلا رسالہ مومن آباد (آئینہ جوگائی) سے اورنگ آباد آیا تھا اس میں کچھ سامان بغاوت کا تھا اور دوسری پیدل پلٹن میں بھی کچھ بد معاش لوگ تھے جن سے اندیشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ شہر کے کچھ لوگ ان سے آن ملیں اور کچھ بلوہ نہ ہو جائے اس لئے دو کمپنیاں پیدل کی اُس پُل کی حفاظت کے لئے بھیج دی گئیں جو شہر اور چھاؤنی میں حد فاصل ہیں۔ اس سے رسالہ میں خوف و ہراس پھیل گیا اور لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اِن کے فرو کرنے کے لئے پونے سے فوج طلب کی گئی۔ توپ خانے میں بھی کچھ ہل چل شروع تھی کہ بمبئی کی فوج کے آنے کی خبر سُن کر سب جہاں کے وہاں دب دبا گئے جنرل وڈبرن پونے سے تین فوجیں لے کر پہنچے۔ جنرل وڈبرن نے آتے ہی تیسرے رسالہ کو گھوڑوں پر سے اُتار دیا اور رسالدار نے باغیوں میں صدر جمعدار کا نام بتلایا یہ سنتے ہی صدر جمعدار نے اپنے آدمیوں کو بندوقیں بار کرنے کا حکم دیا اور انگریزوں کو دفعتہً گھیر لیا توپ لانے کا موقع باقی نہ رہا۔ بہت سے سوار اپنے اپنے گھوڑے لے کر جدھر منہ اُٹھا نکل بھاگے اِن پر گولے چلائے گئے اور ہزار زنے بھی تعاقب کیا مگر ہاتھ نہ لگے۔ میر فدا علی رسالہ کے دفعدار نے کپتان ابیٹ کو تفنگچہ سے زخمی کیا۔ کورٹ مارشل ہو کر فدا علی کو تو پھانسی ہوئی اور اکیس آدمیوں کو گولی سے مارا گیا اور تین توپ کے منہ کو باندھ کر اُڑا دئے گئے۔ یہ رجمنٹ سرکار کی طرف رہی اُن کو فوراً عادل آباد سرکار نظام کے سرحدی ضلع پر بھیج دیا گیا۔ آگے چل کر اس رجمنٹ میں رنگروٹ بھرتی کر کے تکمیل کر لی گئی اور سر ہیو روز کی کمان میں اس رجمنٹ نے تمام ایام غدر میں اچھا کام دیا۔

اورنگ آباد کے غار اورنگ آباد سے جانب شمال جو پہاڑ ہے ڈیڑھ میل تک تین گروپ غاروں کے ہیں جن میں کل بارہ غار ہیں - پہلا اور دوسرا گروپ بودھ کے زمانے کا ہے - لیکن تیسرا گروپ جو ان دونوں سے قدیم اور ناتمام ہے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس زمانے کا ہے - پہلے گروپ میں پانچ غار ہیں جو (۳۰۰) فیٹ بلندی پر واقع ہیں - مغرب کی طرف سے شروع کریں تو پہلا غار (۴۷) فیٹ لمبا ہے جس کے آگے چار کھم کا برآمدہ ہے - برآمدہ (۴۵) فیٹ (۵) انچہ طول اور نو فیٹ عرض میں ہے جس کے آٹھ ستون ہیں - اس کی طرز عمارت اجنٹہ کے غار نمبر (۱) کی طرح کی ہے جس سے یہ بھی ساتویں صدی عیسوی کا سمجھا جاتا ہے - یہ غار (۲۸) ستونوں کا بنانا مقصود تھا لیکن صرف نو فیٹ ہی سامنے کا برآمدہ نکالا گیا - برآمدہ کی عقب کی دیوار میں تین دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں - دروازہ وسطی میں کندیدگی کا بہت عمدہ کام ہے جس کی چوکھٹ پر مردانے اور زنانے مجسمے ہیں - کھڑکیوں پر بھی عمدہ نقاشی کی گئی ہے اندر کئی حجرے ہیں جن میں عورتوں اور مردوں کی تصویریں ہیں - مغربی جانب بدھ کنول کے پھول پر بیٹھا ہوا ہے جس کے دونوں طرف دو شخص مورچھل لئے کھڑے ہوئے ہیں - کنول کے تخت کو پانچ پھن سانپ کے اُٹھائے ہوئے ہیں باہر برآمدے میں مغرب کی طرف سات برہمن ایک قطار سے بیٹھے ہوئے ہیں

دوسرا غار ایک عبادت گاہ ہے جس کا سامنے کا حصہ اب گرگیا جس کا برآمدہ دو ستونوں پر استادہ تھا - برآمدہ (۲۱) فیٹ - ۶ × ۱۲ فیٹ - ۱۰ کا تھا - اندرونی حصہ ۲۱ × ۹ فیٹ ہے جس کے اطراف چار فیٹ چوڑا حصہ پرادکشنا کا ہے - روکار مندر کا ۱۴ فیٹ (۱) انچہ بلند ہے جس کے دونوں طرف لمبے لمبے قد آور دواربال کنول کے پھول پر کھڑے ہیں جن کے ساتھ دو یا دھرا اور پانچ پھن کے ناگ ہیں بائیں طرف کی مورت بالکل سیدھے سادے لباس میں غالباً پدمنی کی ہے جس کی پیشانی پر ایک چھوٹا سا بدھ ہے اور سیدھے ہاتھ میں ایک کنول کی چھڑی ہے دوسری مورت کا لباس وغیرہ عمدہ ہے اور غالباً اندر کی شکل ہے - مندر کے اندر بدھ کی مورت نو فیٹ اونچی ہے کنول کے پھول پر بیٹھی ہوئی ہے اور دونوں کندھوں پر فرشتے بنے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں ان تصاویر پر رنگ تھا - دیواروں پر بھی چار قطاریں چھوٹی چھوٹی مختلف تصاویر کی تھیں - پرادکشنا کی دیوار پر بھی متعدد تصاویر ہیں - یہ غار بھی ساتویں صدی کا

معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا غار وہیار اقسم کا ہے۔ اس کا برآمدہ ۳۰ فیٹ - ۶ × ۸ فیٹ - ۹ ہے جس کے چار کھم اور دونوں جانب دو حجرے ہیں۔ پچھلی دیوار میں ایک دروازہ اور دو دریچہ ہیں ورہال ۴۸ فیٹ ۶ × ۴۶ فیٹ - ۶ ہے جس کے بارہ ستون ہیں جن سب پر عمدہ نقش ونگار مثل اجنٹہ کے غار نمبر ا و ۲ کے بنے ہوئے ہیں۔ دونوں جانب کے دو حجرے ۱۸ فیٹ - ۴ × ۸ فیٹ - ۴ ہیں جن کے سامنے دو دو ستون ہیں۔ داہنی طرف کے حجرہ سادہ ہے لیکن بائیں جانب بہت کچھ کام کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ چاروں کونوں میں چار اور کوٹھریاں پوجاریوں اور سناسیوں کے رہنے کے واسطے بنی ہوئی ہیں۔ مندر کے اندرونی حجرے کے دو حصے نہایت نفیس منقش ستونوں سے آراستہ ہیں جہاں دو نہایت خوب صورت عورتیں درختوں کے سایہ میں کھڑی ہوئی ہیں مندر میں جانے کے لئے عمدہ تراشی ہوئی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور دروازہ پر بھی عمدہ نقش ونگار ہیں اور یہاں بھی دونوں طرف ایک ایک مورت کھڑی ہے جس کے سر پر سانپ کے پھن کا سایہ ہے۔ مندر کے اندر ایک بڑا بھاری بت بدھ کا نیچے پاؤں کئے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ مندر کے سامنے دو قطاریں عورت اور مرد پوجاریوں کی ہیں ایک طرف سات اور دوسری طرف چھ ان کی شکلیں مصری وضع کی ہیں موٹے موٹے ہونٹ اور بڑے بڑے پگڑ اور ہار۔ بعضوں کے ہاتھ میں بھی ہار ہیں اور ایک عورت کے سر پر اس قسم کا زیور ہے۔ جو اب بھی مغربی ہندوستان میں پہنا جاتا ہے کل اس غار کی گہرائی برآمدہ سے پچھلی دیوار تک ۸۲ فیٹ - ۶ ہے اور چوڑائی بشمول ان حجروں کے جو ہال کی دونوں جانب ہیں ترسٹھ فیٹ ہے۔ ہال بالکل سادے ہیں صرف بارہ ستونوں پر البتہ نقاشی ہے اور جابجا مورتیں اور تصویریں ہیں ایک جگہ جنگل میں لڑائی ہو رہی ہے ایک ایک جگہ بدھ کوچ پر آرام کر رہا ہے۔ یہ غار ۶۵۰ء کا معلوم ہوتا ہے اور یہ غار بودھ مت کے غاروں میں سب سے بہتر اور آخری زمانہ کا ہے۔

چوتھا غار چیتا قسم کا چوتھی صدی یا اس سے بھی پہلے کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے جس کے سامنے کا تمام حصہ گر گیا۔ طول وعرض ۳۸ فیٹ × ۲۲ فیٹ ۶ ہے چھت سترہ سادے مثمن ستونوں پر تھمی ہوئی ہے مندر کا حجرہ ۲۳ فیٹ × ۱۲ فیٹ - ۶ ہے۔

پانچواں غار یہ بھی دوسرے غار کی طرح ایک مندر تھا اس کا سامنے کا حصہ اور دونوں بازو کے حجرے گر گئے ہیں صرف مندر اور پرا وکشا کی دیواریں باقی ہیں یہ مندر آٹھ فیٹ مربع ہے جس میں بدھ شیر کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے یہ غار جینیوں کے زمانے کا ہے۔ اور پارسناتھ کے نام سے معنون ہے۔

دوسرا گروپ

غاروں کا دوسرا گروپ پہلے گروپ کے پہاڑوں کے سلسلے میں پون میل مشرق کی طرف آگے بڑھ کر ہے۔

چھٹا غار یہ دیہار اور چیتا دونوں طرز کا ملا جلا ہے۔ اس کے عقب میں ایک حجرہ ۱۰ × ۹ فیٹ ۲ انچ دو ستونوں کا ہے جس کے بالائی حصہ میں نقش ونگار ہیں اس کا عرض و طول ۱۲ فٹ ہے اور مندر بیچوں بیچ ہے جس کی دونوں جانب چار چار کوٹھریاں ہیں اور دو کوٹھریاں پیچھے وار ہیں اور انھیں میں بدھ کا بت سات فیٹ اونچا ہے دونوں جانب لمبے لمبے دوار پال اور ان کے ساتھ پجاری عورتیں ہیں جن کے سروں پر پانچ پھن کا سانپ سایہ کئے ہوئے ہے مع ایک بونی عورت کے کھڑے ہیں۔ برآمدہ (۳۸) فیٹ - ۱ × ۹ فیٹ ہے لیکن اس کے سارے ستون گر گئے ہیں دونوں جانب کی دیواروں سے دو کمرے ملے ہوئے ہیں جن میں سے ایک میں ایک موٹی مورت مرد کی ہے جس کے سر پر بڑا پگڑ ہے اور دوسرے میں ایک عورت کھڑی ہے مندر کے سامنے کے حصہ میں سیدھی طرف پانچ مرد اور بائیں طرف پانچ عورتیں کھڑی ہیں۔ کوٹھریوں کی دیواروں میں بدھ کی مورتیں ہیں۔ اس مندر کی دیوار اور چھت پر رنگین نقش ونگار کے نشانات باقی ہیں اس کی چھت کا طرز بھی اجنٹہ کے غاروں کا سا ہے اور غالباً یہ بھی اُسی زمانہ کا بنا ہوا ہے۔

ساتواں غار اس کا بھی بیرونی برآمدہ تھا جو اب گر گیا۔ اس کے چار مربع ستون ہیں جن کے بالائی حصہ پر نقش ونگار ہے۔ ہال ۳۴ × ۱۴ فیٹ ہے جس کی دونوں طرف دو مربع ستون اور ہیں۔ اندرونی ہال ۳۰ × ۳۰ فیٹ ہے اور مندر دس فیٹ مربع ہے جس کے اطراف

پراوکشنا ہے۔ برآمدہ کی دونوں طرف دو کوٹھریاں اور پیچھے دو کوٹھریاں ہیں جن میں تمام مورتیں
بنی ہوئی ہیں ان کے علاوہ اور چھ کوٹھریاں سناسیوں اور پوجاریوں کے رہنے کے واسطے ہیں۔
یہہ غار برہمنوں کے زمانے کی طرز کا ہے اور اس لئے ساتویں صدی کا سمجھا جا سکتا ہے۔ اس میں جو
بت ہیں وہ سب مہایانا دیوتاؤں کے ہیں جن سے پدما پنی یا اولوکٹیسور کے واقعات تبلائے
گئے ہیں۔ صدر دروازے کی بائیں طرف اولوکٹیسور کا ایک عظیم الشان بت بائیں ہاتھ میں
کنول کا پھول اور داہنے میں مالا لئے ہوئے اور داہنے بائیں بدھ کی مورتیں ہیں جس کے دونوں
طرف چار چار مورتیں اور بنی ہوئیں جو ڈکر دیو کے سامنے دعا کر رہی ہیں ان کی مدد کے لئے دیو
اُڑکر آیا ہے۔ ایک آگ سے ڈر رہا ہے دوسرا تلوار سے تیسرا بیڑیوں سے اور چوتھا جہاز
کی تباہی سے۔ بائیں طرف ایک شیر حملہ کر رہا ہے دوسرے پر سانپ۔ تیسرے پر مست ہاتھی
اور چوتھے پر موت کی دیوی کالی جو قریب ہے کہ ماں کی گود سے بچے کو جھپٹ لے۔ یہی واقعہ اجنٹہ
کے سترھویں غار اور ایلورے میں بھی تبلایا گیا ہے۔ دروازے کی سیدھی جانب ایک دوسرا بت
بودھی ستوا کا ہے جس کے سر پر نہایت عمدہ پگڑی ہے۔ اس کی داہنی طرف سرسوتی کی مورت ہے
جس کے ایک طرف ایک پستہ قد عورت کچھ لئے ہوئی ہے اور داہنی طرف ایک مرد اونچی
ٹوپی اوڑھے ہوا ہے۔ دریچوں پر بھی نقاشی کا کام ہے اور اندر متعدد مورتیں دیودن بیل۔ ہاتھی
شیر اور سور کی ہیں۔ کھڑکی کے اوپر سری کنول کے پھول پر بیٹھا ہوا ہے جس کے اوپر دونوں
طرف سے ہاتھی پانی ڈال رہے ہیں اور دونوں طرف دو پوجاری بھی ہیں۔ عورتوں کی مورتیں
چار فیٹ اونچی ہیں جن کے کان میں چپٹے زیورات ہیں۔ گلے میں ایک کمری اور کمر بندھی
ہوئی ہے اور دوپٹہ گلے میں پڑا ہوا ہے۔ یہ دو عورتیں دیوار کے دونوں کونوں میں کھڑی ہیں۔
اندرونی ہال صرف مندر ہے جس میں پراوکشنا کے علاوہ تین تین کوٹھریاں دونوں طرف ہیں اور پیچھے دار کو
دو چھوٹے چھوٹے مندر ہیں جس میں بدھ کی مورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ بڑے مندر کے سامنے قد آدم
تین عورتوں کی مورتیں دونوں طرف ہیں جس میں بیچ کی مورت کنول کے پھول پر کھڑی ہے جس کے
سر پر چاند کا ہالہ ہے اس کے ہاتھ میں بھی کنول کا پھول ہے اور اپنی سہیلیوں کی طرح اس کے
سر پر بھی بڑا تاج سا ہے غالباً یہہ تارا ہے ان میں دو عورتیں چوریاں لئے ہوئے ہیں بائیں طرف

والی پھول لیئے ہوئے ہیں ان میں کی وہ غالباً مالکھی اور لوچن ہیں ان کے اوپر دو بدھ کے بت ہیں - اندر ایک بڑا مجسمہ بدھ کا ہی جس کے شانوں پر بادل سایہ کیئے ہوئے ہیں سب سے اوپر تین قطاریں بدھ کی مورتوں کی ہیں اوپر کی دو قطاروں میں پاؤں چھوڑ کر بیٹھا ہی اور نیچے کی قطار میں آلتی پالتی مار کے - داہنی طرف کی دیواریں بھی مرد اور عورتوں کی تصاویر ہیں جن کے محاذی ناچ ہو رہا ہی جس میں ایک عورت ناچ رہی ہی اور چھ عورتیں ساز بجا رہی ہیں -

بائیں جانب کے مندر میں آٹھ مورتیں ہیں پہلی میں بدھ کھڑا ہی اور چھ عورتیں ہیں اور ایک بدھی ستوا ہی - سب کنول کے پھولوں پر کھڑی ہیں اور سروں پر چاند کے ہالے ہیں - مشرقی مندر میں دو راجہ رانی فربہ اندام بیٹھے ہیں رانی اپنے گھٹنے پر ایک شیرخوار بچے کو بٹھائے ہوئے ہی ان کے دونوں طرف باندیاں پھولوں کے ہار لیئے کھڑی ہیں - یہ غالباً سدھودنا اور راماہیں اور بچہ بدھ ہی -

آٹھواں غار اس سے ملی ہوئی ایک لمبی سرنگ ہی - یہ غار بنتے بنتے رہ گیا اس کا ہال ۲۷ × ۲۰ فیٹ ہی جس میں نقاشی کا کام ہی -

نواں غار بالکل گر پڑ گیا ہی - اس کا ہال ۸۵ × ۱۹ فیٹ ہی جس کے پیچھے تین ہال اور تھے - پہلا ۱۵ فٹ - ۴ انچ × ۱۳ فٹ - ۴ انچ ہی جس میں بدھ بیٹھا ہوا ہی دوسرا ۱۰ - ۱ انچ × ۱۳ فٹ ۸ انچ جس میں دونوں طرف عورتوں کی مورتیں ہیں - پیچھے کا کمرہ ۱۵ فیٹ ۲ انچ ہی - مندر کے دروازے پر ناگا محافظ بیٹھے ہیں مندر کے اندر بدھ کا سر ہی - تیسرا ہال ۱۴ فٹ - ۸ انچ × ۱۳ فٹ - ۶ انچ ہی جس میں بدھ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہی اور دونوں طرف چوری بردار کھڑے ہیں - دیواروں پر متعدد تصاویر عورتوں کی ہیں جو معمولی قد و قامت سے بھی بڑھی ہیں - مغربی دیوار پر ایک بت، بدھ کا (۱۶) فیٹ اونچا ہی - پچھلی دیوار پر بدھ کا پاؤں ہی جس کے پاس پدماپتی کھڑا ہی جس کے چار ہاتھ ہیں -

دسواں غار ان پہاڑوں میں دوسرے غار بالکل سیدھے سادے اور ناتمام ہیں - دسواں غار جو تیسرے گروپ میں ہی ۶ × ۳ فیٹ جس کا سامنے کا حصہ زمین دوز ہی -

گیارھواں غار اس کا برآمدہ نو فیٹ چوڑا اور تیرہ فیٹ گہرا ہی -

بارھواں غار اس کا ہال چھیالیس فیٹ مربع ہی لیکن شروع ہوتے ہی ویسا ہی

ادھورا چھوڑ دیا گیا۔

ہرسول اورنگ آباد سے تین میل گندے نالے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اورنگ زیب کے زمانے میں یہ بہت آباد قصبہ تھا جیسا کہ اس کی شاندار سراؤں اور شکستہ مقبروں ویران باغوں سے معلوم ہوتا ہے۔

پھلمری اورنگ آباد سے (۱۶) میل ایک بڑا قصبہ پھلمیستا ندی پر واقع ہے یہاں انبرای کثرت سے ہے۔ وسط آبادی میں ایک مستحکم گڑھی بنی ہوئی ہے اور بہت سے مندروں کے نشانات ہیں جن کے پتھر مسلمان اکھاڑے گئے اور جابجا عمارتوں میں لگادئے۔ ایک دروازہ پر ایک قدیم کتبہ سنسکرت زبان میں تھا جس سے دیول کی تعمیر کا سنہ ۱۲۴۴ء نکلتا تھا۔ پھلمری سے دو میل جنوب میں اور ایک بڑا قصبہ بلدر تھا جو اب بالکل تباہ ہو گیا جس کا صرف ایک دروازہ کھڑا ہے۔ یہاں کی زمین باغات کی کاشت کے لئے نہایت موزوں ہے اور ہر قسم کی ترکاریاں بہ افراط ہوتی ہیں۔

ستارا اورنگ آباد سے (۳) میل جانب جنوب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اس کی گڑھی بھی بہت بڑھی تھی جو اب ویران ہے۔ گاؤں کے شمال میں ایک مندر ہے جس کی سالانہ جاترا ہوتی ہے۔

راجہ جی سنگھ کی چھتری راجپوتوں کا مدفن چھتری کہلاتا ہے۔ اس میں نعش دفن نہیں ہوتی بلکہ بطور چلّے کے ہوتا ہے یہ خیال ہندوں نے مسلمانوں سے لیا ہے۔ اس کی عمارت چھتری کی شکل کی ہوئی ہے جس کے اوپر ہشت پہلو برجیاں ہوتی ہیں اور نیچے ستون۔ اورنگ آباد کے متصل موضع ہرسول میں اورنگ زیب کے مشہور سردار راجہ جی سنگھ کی چھتری ہے جس پر مثمن شکل کا گنبد اور اٹھائیس ستونوں کا برآمدہ ہے جس میں اسلامی وضع کی محرابیں ہیں۔ چبوترے پر چڑھنے کے لئے دو جگہ پندرہ پندرہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ برآمدے کے دالان کے چاروں کونوں پر چھوٹی چھوٹی چار برجیاں ہیں۔ اسی طرح کی اور کئی چھتریاں اورنگ آباد میں اور نیز دولت آباد کے راستے پر ہیں مگر اُن کا ذکر موجب طوالت ہے۔

اعراس اور جاترہ اورنگ آباد میں حسب ذیل مشہور اعراس ہوتے ہیں۔

شاہ[۱] مسافر صاحب ۔ شاہ[۲] علی صاحب نہری ۔ شاہ غلام حسین قادری ۔ شاہ[۴] نور صاحب حموی[۵۱]
شاہ[۵] نظام الدین ۔ سید[۶] نور الہدیٰ ۔ شاہ احمد گجراتی ۔ قمر[۵] الدین ۔
جاترا یہ ہیں :۔ کھنڈوبا کی جاترا کرنیورے میں مارچ کے مہینے میں ۔ ہر[۲] سول کی جاترہ دسمبر میں
بالاجی کی جاترا جعفری دروازے کے پاس ۔ لچھمن کا میلا تیلی کی منڈی میں بماہ جولائی و اگست
دسہرہ کرنیورے میں ستمبر و اکتوبر میں ۔

[۵۱] آپ بغداد شریف سے تشریف لائے تھے ۔ پہلے کچھ دنوں برہان پور میں رہے بعد اورنگ آباد میں اورنگ زیب کے زمانے میں آئے ۔ نواب دیانت خاں وزیر آپ کے مرید تھے ۔ آپ نے ۱۱۰۰ھ میں انتقال کیا اور پٹن دروازے کے باہر مدفون ہیں ۔ آپ کے خلیفہ شاہ مظلوم اور بعد اُن کے شہاب الدین فرخ آبادی تھے ۔

قطعات تاریخ بیرون درگاہ حضرت شاہ نور حموی رح

تاریخ مرقد محمد عمر مع زوجہ اش
سنین رحلت اللھم اغفر
۱۳۲۰ھ

کنیز فاطمہ چوں کرد رحلت
قلوب اقربائش گشتہ محزوں
اگر پرسند از تو سال فوتش
بگو ۔ الفت بجنت رفتہ مدفوں
۱۳۲۰ھ

افسوس محمد ارحمد وزیر خاں
کرد از جہاں چو سوئے جناں جلد تر سفر
الفت نمود فکر بتاریخ رحلتش
ہاتف بگفت ۔ موجب داغ دل و جگر
۱۳۱۹ھ

آہ محبوب خاں پر از ارماں
خانہ بگذاشت و بگور بخفت
ہاتف غیب از سر تحسیں
سال فوتش ھو الغفور بگفت
۱۳۲۸ھ

مصنوعات اور پیداوار	اورنگ آباد کا ہمرو اور مشروع نہایت مشہور ہی جس کی شیروانیاں

اور زنانے پائجامے بہت نفیس بنتے ہیں۔ اورنگ آباد کا چاندی کا کام اور جست کی ہلکی صراحیاں اور گلاس اور گوٹا کناری بہت عمدہ ہوتا ہی۔ میوہ جات سنترے۔ انار۔ انگور۔ انجیر امرود کیلے۔ ترکاریوں کی بہت کثرت ہی۔ اب انگور اور انجیر کی کاشت بہت کم ہوگئی ہی۔ مگر پھر بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۵-

کتبۂ مزار امیر مردان یار جنگ بہادر

چوں کہ مردان یار جنگ امیر — زیں جہاں رفت وگشت داخل خلد
سال تاریخ او زدل جستم — بادل خستہ گفت داخل خلد

۱۲۶۹ھ

چو ہمشیر محمد شیر خاں حیف — بجنت رفت از دنیائے جلیفہ
خرد تاریخ فوتش از سر آہ — بگفتہ وائی خاتون عفیفہ

۱۳۱۹ + ۱ = ۱۳۲۰ھ

حسن بیگ چوں کرد نقل مکاں — شد او یعنی مسند نشین بہشت
سنش از سر بدل زیب آمدہ — حسن بیگ بیشک نگین بہشت

۱۳۱۹ + ۲ = ۱۳۲۱ھ

محمد اکبر است منیائے عالم

۱۲۹۲ھ

اورنگ آباد کی موجودہ حالت

اورنگ آباد اب حیدر آباد گوداوری ویلی ریلوے کا بڑا اسٹیشن ہے اور صوبہ دار و ضلع کا مستقر ہے۔ صوبہ کے تمام بڑے بڑے محکمہ جات یہاں ہیں۔ فروری ۱۸۸۱ء کی رو سے یہاں کی مردم شماری (۳۰۹۳ ۱۰۹) تھی۔ اب بھی حیدر آباد کے بعد اورنگ آباد ہی کا نمبر ہے۔ اگرچہ ریاست حیدر آباد میں چار صوبہ داریاں ہیں اورنگ آباد گلبرگہ۔ ورنگل اور گلشن آباد میدک۔ مگر قدیم صوبہ داری اورنگ آباد ہی کی ہے اور اس وجہ سے اورنگ آباد کی صوبہ داری میں جو لوازمہ اعزازی ہے وہ دوسرے صوبوں میں نہیں ہے۔ یہاں قدیم الایام سے مسلمان صوبہ دار ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اب چند سال سے حضرت غفران مکاں نواب میر محبوب علی خاں بہادر مرحوم و مغفور نے اس قید کو اٹھا دیا اور رواداری اعتدال کا ثبوت میں نواب برزو جنگ بہادر (پارسی) صوبہ دار کے تقرر سے دیا۔ صوبہ دار کو وہی اختیارات ہیں جو برٹش گورنمنٹ میں کمشنر کو ہیں۔ نواب برزو جنگ بہادر کے تقرر سے پہلے پہل لوگ متوحش تھے مگر اُن کی ذات مجمع صفات متنوعہ ہے پہلے آپ ضلع اندور کے اول تعلقہ دار یعنی کلکٹر تھے اُس کورہ کو آپ نے حیدر آباد کا بچہ بنا کر نظام آباد نام رکھا۔ اورنگ آباد کی خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسا نیک دل اور خدا ترس حاکم ملا۔ جو سرکار اور رعایا کا دلی خیر خواہ۔ بے نظیر عادل و منصف اور ہر دل عزیز حاکم ہے۔ آپ میں آبادی کو رونق اور ترقی دینے کا بے نظیر ملکہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اورنگ آباد جو طاعون اور قحط کی دُہری بلاؤں سے ادھیا گیا تھا آپ کی حسن توجہ سے پنپ رہا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶۔

محمد رضا خاں حکیم زماں — شدہ راہ پیمائے اوج بہشت

اگر از تو پرسند تاریخ او — بگو۔ رونق افزائے اوج بہشت

سنہ ۱۱۷۲ھ

چوتھا ضمیمہ قلعۂ اوسہ

ضلع نلدرنگ حال عثمان آباد کی ایک تحصیل اوسہ ہی بارسی لیٹ ریلوے کے اسٹیشن اوسہ روڈ سے قصبہ اوسہ (۱۱) میل ہی۔ یہ قدیم بستی ہی۔ ۱۰۲۴ھ میں جب کہ مرتضیٰ نظام شاہ کے مقابلہ میں سدّی عنبر کو فتح ہوئی تو اُس نے اوسہ کا نام عنبرپور رکھا تھا چنانچہ تاریخوں میں یہی نام درج ہی۔ کثرتِ استعمال سے امراپور ہوگیا مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ اوسہ کس طرح نام پڑا۔ آبادی سے بالکل ملا ہوا بہ جانب جنوب ایک نہایت عالی شان قلعہ موجود ہی جس کی فصیل اور بروج اب تک نہایت درست حالت میں قایم ہیں۔ فصیل پر کے کنگورے اینٹ اور گچ کے ۱۱۳۰ھ میں نواب ارسطوجاہ نے جب جناب معزّا اورنگ آباد سے واپس تشریف لاکر چندے قلعۂ اوسہ میں رہے تھے بنوائے ہیں۔ مجموعی صورت تعمیر اس کی تقریباً مربع ہی دور قلعہ کا (۳۹۰۷۵) فیٹ ہی اور خندق کا عمق بیس فیٹ۔ خندق سے فصیل کو (۱۲۵) فیٹ کا فصل ہی۔ قلعہ کے سات دروازے یکے بعد دیگرے ہیں (۱) چینی دروازہ (۲) دروازۂ احشام (۳) لوہ بندی دروازہ۔ وجہ تسمیہ یہ ہی کہ پٹوں کو لوہے کے کیلے اور پتّر لگے ہوئے ہیں۔ اس دروازے کے داہنے ہاتھ کو گاڑی خانہ اور بائیں کو دالان بنے ہوئے ہیں۔ (۴) عاشورخانہ دروازہ (۵) نوبت دروازہ (۶) سادات دروازہ۔ (۷) گھڑیالی دروازہ۔ ان سے گزرنے کے بعد تحصیل کا دفتر اور خزانہ ہی یہ مکان دو درجہ کا ہی پہلے درجہ میں عملۂ تحصیل کام کرتا ہی اور دوسرے درجہ میں خزانۂ تحصیل و پولیس ہی اسی مکان سے ملا ہوا دوسرے حصہ میں تحصیل دار کا اجلاس ہی عقب میں اس مکان کے ایک مسجد نہایت خوب صورت چھ دروں کی بنی ہوئی ہی۔ مکان دفتر تحصیل کے مقابل صرف ایک درجہ کا دوسرا مکان ہی جس میں محافظ خانہ ہی۔ قدیم زمانے کے دستور کے بموجب اِس وقت بھی (۱۵) نفر جوانان احشام ایک جمعدار ایک نایک اور ایک مشعلچی

متعین ہیں۔ ان جوانوں کا پہرہ پہلے اور آخر دروازے پر ہی۔ قلعہ بالکل زمین دوز ہی یعنی سطح زمین کھود کر بنایا گیا ہی آبادی میں سے کچھ کچھ حصہ بروج کا اور بالا حصار نظر آتا ہی۔ یہ قلعہ بروز دوشنبہ ماہ ربیع الاول ۹۳۰ھ تعمیر ہوا ہی من بعد عادل شاہیوں کے زمانۂ حکومت میں کچھ ترمیم و تعمیر ہوئی جس کی تاریخ اس مصرعہ سے ظاہر ہوتی ہی۔ مصرع

"اصل اوساز دولت عادل"

۹۸۱ھ

پچھلے زمانے میں اوسہ الف کے ساتھ لکھا جاتا تھا۔

تعمیر قلعہ بار ثانی۔ قلعہ کی خندق کے بعد جو چھوٹی فصیل ہی اس کے مغربی برج پر دو بڑے پتھر کے سلون پر یہ دو کتبے بخط بال بودھ زمان سلطنت مرتضیٰ نظام شاہ کے ہیں جس کے عہد میں فصیل کی تعمیر ہوئی کتبوں کی نقل حسب ذیل ہی۔

کتبۂ سنگ اوّل

कारकिर्दे کارکرد	निज़ामशा نظام شاہ	मुर्तुज़ा مرتضی	हज़रत حضرت	जमाने زمان	दर در
रास راس	अंदर اندر	मलिक ملک	आज़म اعظم	मलिक ملک	ख़ान خان
जोहर جوہر	आज़म اعظم	ख़ान خاں	ख़ुराज خراج	कर्दन کردن	पूलंग پلونگ
१५२९ ۱۵۲۹	शाके شاکے	अलफ़ الف	समान ثمان	सुरू سرد	मासे ماسے
माघ ماگھ	संवत्सरे سمجھر	नाम نام			

کتبۂ سنگ ثانی

ज़मान	दर	शाह	निज़ाम	मुर्तज़ा
زبانِ	در	شاہ	نظام	مرتضیٰ
हज़रत	आज़म	ख़ान	कारकिर्द	अंदर
حضرت	اعظم	خان	کارکرد	اندر
मलिक	सन	सोहर	ख़ुराज	रास
ملک	سن	سوہر	خراج	راس
ख़ान	जोहर	पुलंग	१५२९	शके
خاں	جوہر	پلونگ	۱۵۲۹	شکے
अलफ़	समान	गभाड़	मोहर्त	मासे
الف	ثمان	گبھاڑ	مہورت	ماسے
		माघ	संवत्सरे	नाम
		ماگھ	سمچھر	نام

تیسرا کتبہ صدر دروازہ کے اندر دوسرے دروازہ کے متصل کوٹھے پر داہنی طرف نصب ہے وہ یہ ہے:-

लोह	दरवाज़ा	नज़ीक	घंटी	व	रासता
لوھ	دروازہ	نزدیک	گھنٹی	و	راستہ
नान	तुर्क	जनाब	कारकिर्द		बन्दी
نان	ترک	جناب	کارکرد		بندی
तीन	सातसे	सन	कुठारा		ठाणेदार
تین	سوسات	سنہ	کوٹھارا		ٹھانہ دار
झाले	मोरतब	लावल	रबी	माह	सोमवार
جھالے	مرتب	الاول	ربیع	ماہ	سوموار

پرکوٹہ قلعہ کے اطراف میں خندق ہے جس میں اب زراعت ہوتی ہے - اور اس کے بعد چھوٹی فصیل ہے جس کے درمیان (۱۲۵) فیٹ کا حصہ زمین چھوڑ دیا گیا ہے جس کو پرکوٹہ یا غرابہ کہا جاتا ہے اور اس کے بعد بڑی فصیل جو حصار قلعہ ہے واقع ہے - ان فصیلوں پر کل چھوٹے بڑے برج (۳۲) ہیں جن میں ایک برج بلند برج کے نام سے مشہور ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت پیاری بی صاحبہ کوئی بزرگ بی بی اس میں زندہ دفن ہوئی ہیں جن کا سالانہ عرس اب تک ہوتا ہے - قلعہ میں توپیں بھی ہیں جن میں سے ایک توپ قابل ذکر ہے یہ توپ (۸) فیٹ لمبی اور دہانہ اس کا (۱۰) انچ ہے پتھروں کے گولے کے سوا ایک گولہ آہنی مجوف ہے اور ایک اس میں سوراخ ہے بوقت جنگ اس مجوف گولے میں نشتر و چاقو و قینچی و پیسے وغیرہ بھر کر فیر کیا جاتا تھا مجوف گولے کا وزن (۵۵) سیر ہے - اس توپ پر یہ کندہ ہے " ابو الغازی شاہ نظام ۹۵ عمل استاد محمد ان حسین رومی - دوسری توپ پر بخط انگریزی کتبہ ہے - لیکن حروف پڑھے نہیں جاتے کچھ مٹ گئے ہیں -

مکانات قلعہ یوں تو مکانات قلعہ پہلے دروازہ سے اخیر دروازہ تک متعدد ہیں - اور حصار قلعہ میں بھی اکثر مکانات مثلاً بارود خانہ اور لنگر خانہ وغیرہ ہیں - مگر سب کے سب خراب حالت میں اور شکستہ ہیں موسم بارش میں ٹپکتے ہیں صرف مکان کچہری تحصیل وقتاً فوقتاً مرمت کی وجہ سے کسی قدر ٹھیک حالت میں ہے لیکن تہ خانہ قلعہ کا قابل ذکر ہے - یہ تہ خانہ بالکل سطح زمین کے اندر واقع ہے اس میں بیس محرابیں ہیں اوپر سے تہ خانہ کی چھت بالکل ایک حوض معلوم دیتی ہے جس کا طول (۷۶) فیٹ اور عرض (۵۰) فیٹ ہے اور یہ چھت گچ کی بنی ہوئی بہت ہی صاف ہے اب کسی مکان کا نام و نشان نہیں رہا اس کے جانب جنوب ایک چھوٹا زینہ ہے اسی راستہ سے تہ خانہ میں اترنے کا راستہ ہے سیڑھیوں سے اندر جاتے ہیں پہلے تو کچھ کچھ تاریکی معلوم ہوتی ہے پھر روشن دانوں سے روشنی ہو جاتی ہے - تہ خانہ ایک نہایت وسیع و بلند مکان ہے - دوسرا مکان قلعہ کا بالا حصار ہے جس پر ایک بنگلہ قلعہ کے دروازے کے متصل برج پر بنا ہوا ہے - قلعہ کے اندر کسی زمانے میں رنگ محل اور عشرت محل تھے اب بالکل کھنڈر ہو کر صرف نام باقی رہ گیا ہے اور جھاڑی اس کثرت سے ہو گئی ہے کہ وہاں جانا بھی مشکل ہے - اسی طرح

دو انبار خانے گنگا اور جمنا تھے یہ بھی منہدم ہو گئے۔

توپیں اس قلعہ میں گیارہ توپیں ہیں۔ بعض توبے غوری سے ضایع ہو گئیں اور بعض پڑی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:۔
نظام شاہی ۔ کنتی ۔ تھیتری ۔ بھوسلی ۔ کڑک بجلی ۔ سیتھو ۔ لعل خانی ۔ لشری ۔ شیر دہاں ۔ لم چھڑی ۔ کالا پہاڑ۔

بالا حصار ابتدائی تعمیر قلعہ کے وقت بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ زمانہ عمل کمشنری میں ۔کرنل میڈوز ٹیلر نے بنایا تھا یہ مکان نہایت ہوادار اور نہایت بلندی پر ہے جہاں سے دور دور کا نظارہ ہوتا ہے ۔ اندرون قلعہ و بیرون فصیل کلاں متعدد باولیاں پختہ بنی ہوئی ہیں چنانچہ بیرونی دروازے کے باہر ہی برابر برابر تین بڑی بڑی پختہ باولیاں اب بھی موجود ہیں۔ چھوٹی اور بڑی فصیل کے درمیان قلعہ کے دروازے سے تھوڑے فاصلہ پر بجانب جنوب قلعہ دار کا مکان تھا اس وقت مکان مذکور تمام منہدم ہو گیا ہے صرف ایک دروازہ باقی ہے جس پر یہ قطعہ تاریخ ایک پتھر پر کندہ ہے ۔ قطعہ

خدایا تو این قصر پاینده دار	به اجلاس داؤد علی ذی دول
سروش از پے سال تاریخ گفت	نموده مسمی ز عشرت محل

سنہ ۱۰۰۵ھ

قلعہ کے قدیم اسناد کاغذات قدیم سے ایک پروانہ مہری علی عادل شاہ بادشاہ غازی المرقوم غرہ رمضان المبارک سنہ ۹۱۰ھ جمعدار احتشام کے پاس موجود ہے جس میں ساڑھے پانچ چاور زمین کنیر داس سدیوال کو بغرض بندوبست و حفاظت قلعہ و ادائی تنخواہ وغیرہ وغیرہ دینے کا ذکر ہے اور بھی کاغذات مثل پروانہ و احکام ردو بدل قلعہ داران وغیرہ ہیں لیکن کل کاغذات سنہ ۱۱۵۰ ہجری کے مابعد کے ہیں۔

قلعہ کے تاریخی حالات تاریخی حالات اس قلعہ کے جن کا پتہ تاریخ فرشتہ وغیرہ سے چلتا ہے یہ ہیں کہ سنہ ۷۱۸ھ میں عادل شاہیوں کا قبضہ تھا سنہ ۷۶۲ھ میں بہمنیوں کا تسلط رہا سنہ ۹۰۵ ہجری میں قاسم برید کو جو دراصل ترکی غلام تھا خواجہ شہاب الدین نیروی نے سلطان محمد شاہ کے ہاتھ فروخت کیا چوں کہ قاسم برید ابتدا ہی سے بڑا لائق اور مدبر شخص تھا سنہ ۹۲ھ میں اس کا عروج ہوا

۹۵۰ھ میں وزارت سے سرفراز ہوکر قلعۂ اودسہ وقندہار وادوگیر وکلیانی وغیرہ پر قابض ومتصرف رہا اور آگے چل کر خود بادشاہ ہو گیا اور پندرہ سال سلطنت کرنے کے بعد ۹۱۰ھ میں انتقال کیا۔

۹۵۲ ہجری میں جب برہان نظام شاہ بن احمد شاہ بحری والی احمد نگر نے قلعۂ اودسہ کا محاصرہ کیا تو علی برید نے جو قاسم برید کا پوتا تھا ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور کی خدمت میں قلعۂ کلیانی پیشکش کیا اور استمداد چاہی - ابراہیم عادل شاہ بعزم اعانت نہضت فرمائے اودسہ ہوا اور بعد ملاقات علی برید باتفاق باہم برہان نظام شاہ کے مقابلہ کے لئے متوجہ ہوئے اور فیما بین آتش حرب و رزم گرم ہوئی کہتے ہیں کہ نظام شاہ نے قلعۂ اودسہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر بجانب مشرق جو" سلطان ٹیکڑی" کے نام سے مشہور ہے اور جہاں اس وقت تک ایک چھوٹا سا ٹیلہ اور ایک مسجد اور دو تین درخت املی کے موجود ہیں لڑائی کی اور حریف کو پس پا کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں محصورین کو امان دی اور قلعہ فتح کرکے ادگیر کی طرف چلا گیا۔

۹۸۰ھ میں احمد شاہ فرماں روائے احمد نگر بوجہ ورود لشکر ظفر پیکر محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی احمد نگر سے راہی ہو کر قلعۂ اودسہ میں میاں منجھ کے ساتھ آیا تھا مگر پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد واپس چلا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ مذکور میں قلعہ اودسہ زیر حکومت فرماں روایان احمد نگر تھا۔

۱۰۱۰ ہجری میں جب کہ مرتضیٰ نظام شاہ بن شاہ علی بن برہان شاہ تخت نشین احمد نگر ہوا اس کے زمانے میں عنبر نامی حبشی و راجو دکنی سرحد تلنگانہ و سرحد مرہٹواڑی مثل بیڑ و دولت آباد و بیدر وغیرہ اپنے قبض و تصرف میں لاکر خود مختار بن گئے - راجو دکنی نے جب قوت فوجی مرتضیٰ نظام شاہ کی زیادہ دیکھی تو حسب ضرورت و مصلحت بادشاہ کی اطاعت قبول کی اور قلعۂ اودسہ مع چند قریہ اخراجات ضروری و مصارف لابدی کے عوض بادشاہ کے پیشکش کئے ۱۰۱۲ ہجری میں مرتضیٰ نظام شاہ اور حبشی عنبر کا مقابلہ بھی اسی مقام پر ہوا بعد خوں ریزی افواج طرفین مرتضیٰ نظام شاہ ناکامیاب اور حبشی عنبر غالب رہا - اس کے بعد ۱۰۶۶ھ میں اورنگ زیب کا

قبضہ ہوا۔ من بعد سرکار آصفیہ کا جو بفضلہ تعالیٰ اب تک قائم ہے۔

آثار قدیمہ تعلقۂ اوسہ

مسجد جامع ۱۱۰۱ھ قلعہ کی قدیم عمارتوں میں سے مسجد جامع ہے یہ مسجد پختہ سنگ سیاہ سے بہت خوب صورت بنی ہوئی ہے جس کے سیاہ ستون نہایت مصفی و منجلی ہیں۔ مسجد کا طول (۳۲) ہاتھ اور عرض (۲۸) ہاتھ اور بلندی (۵۰) ہاتھ ہے۔ اس مسجد کی بنا بزمانہ اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ غازی ہوئی ہے اور بالکل درست حالت میں ہے مسجد آباد معاش جاری اور خدمت ادا ہوتی ہے قطعہ تاریخ مسجد یہ ہے جو محراب میں نصب ہے۔

قطعہ

در زمان شاہ دیں اورنگ زیب — کو بگیتی سایۂ لطف خدا است
بندۂ اش از جان و دل سہراب خاں — بانی ایں مسجد نزہت فزا است
شد رقم از بہر تاریخ بنا — مسجد والا مکان دل کشا است

سنہ ۱۱۰۱ھ

بیت

ایں دل پذیر مسجد والا دلکشا مقام — از اہتمام نور محمد شدہ تمام

(دارو غۂ تعمیر مسجد سید بابو)

باؤلیاں آخری دروازۂ قلعہ کی بائیں جانب دو باؤلیاں ہیں اور دروازے کے سامنے سیدھی طرف ایک باؤلی ہے۔ پرکوٹے میں تین باؤلیاں ہیں۔ (۱) توے باؤلی (۲) پیاری بی کی باؤلی۔ (۳) اندھیری باؤلی جو اندرون برج ہے۔

بزرگان دین حضرت خاکی شاہ قدس سرہ۔ حضرت میر مہدی شاہ قدس سرہ۔ حضرت برہان شاہ قدس سرہ۔ حضرت برہان الدین عرف سید سادات قدس سرہ۔ حضرت برخوردار خواجہ نقش بند قدس سرہٗ۔ ان بزرگان دین کے عود و گل کے لئے سرکاری معاش مقرر ہے خدام خدمت ادا کرتے ہیں منجملہ ان اولیاء کے حضرت خاکی شاہ قدس سرہٗ کا زمانہ بہت قدیم ہے اور

تعمیر قلعہ کے بعد (۳۴) سال کا زمانہ آپ کے تشریف آوری کا ہے کیوں کہ مندرجہ ذیل فقرات سے زمانہ آمد و رحلت معلوم ہو سکتا ہے -

خاکی بقیام		خاکی مقام
۷۸۴		۸۱۴

تیلی گنبد ۱۰۳۴ھ کتبہ بیرون قلعہ اوسہ و بیرون آبادی بر گنبد موسوم بہ تیلی گنبد متصل راستہ و باؤلی و گڑھیا -

بخط نسخ

سپہر عصمت مہر جا کریمہ عصر		کہ مرغ روحش پرواز کرد بر افلاک
برائے تربت او روضہ بنا کردند		کہ خیرہ ماند درو دیدۂ اولوا الادراک
چو خواستم ز خرد سال قوت روضۂ او		خرد بگفت طلب از حروف روضۂ پاک
سنہ ۱۰۳۴ھ

معابد ہنود قصبہ اوسہ میں ایک دیول ملپا مہاراج کا ہے گو یہ دیول چنداں قدیم نہیں ہے لیکن سنہ ۱۲۵۰ف[۱] میں اہتمام سے ابرپا قوم لنگایت بقال کے تیار ہوا ہے۔ اس دیول میں پتھر کا کام بہت ہی صنعت سے کیا گیا ہے دیول میں تین حجرے ہیں ایک حجرہ میں خود اپرپا کا اور دوسرے میں گنڈو مہاراج کا اور تیسرے میں ناتھ کا سمادہ ہے -

موضع کھروسہ کا لینا قصبہ اوسہ سے (۱۱) میل کے فاصلہ پر موضع کھروسہ اس تحصیل کے تحت ہی موضع مذکور کے جانب مشرق ایک مختصر سلسلہ پہاڑوں کا ہے۔ پہاڑ میں تراش کر مکان بنایا گیا ہے اس کے متعلق کوئی تاریخی واقعہ دستیاب نہیں ہوا پٹیل پٹواری موضع کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان بھی اسی زمانہ کے بنے ہوئے ہیں کہ جب ضلع عثمان آباد اور خلد آباد کے لینا[۱] اور ایلورہ کے مکان بنے تھے صرف عثمان آباد کے لینا اور یہاں کے لینا میں فرق اسی قدر ہے کہ کھروسہ کے مکانات سہ منزلہ ہیں اور عثمان آباد کے لینا کا صرف ایک درجہ ہے -

---

[۱] پہاڑ کھود کر جو مکان بنایا جاتا ہے اُسے لینا کہتے ہیں - ۲

پانچواں ضمیمہ بیجانگر

بیجانگر کی ہم ایک مختصر گائیڈ[1] لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ پہلے یہاں کی حالت کیا تھی اور اور اب کیا ہو۔ اب اس اُجڑے دیار میں دیکھنے کے قابل کیا بچ رہا ہو۔ حالات جو میں نے لکھے ہیں وہ ہیں اس میں چشم دید بھی اور کچھ شنید بھی

ہم نے اپنے سیاح کو کاملاپور کے مسافر بنگلے میں اُتارا ہو اور سارے شہر کا چکر پھرا کر اُسے پھر وہیں پہنچا دیا ہو جو شخص اس گائیڈ کو اپنے ساتھ رکھے گا ہمیں اُمید ہو کہ وہ پوری طرح یہاں کی سیر کرے گا اور اُسے کسی قسم کی وقت پیش نہ آئے گی۔ اس گائیڈ کے لکھنے میں مجھے راؤ بہادر سی۔ ایچ۔ گئوڈ صاحب (ہوس پیٹ) کی مختصر کتاب سے بہت مدد ملی ہو جس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فی زماننا جس قصبے کا نام ہمپی مشہور ہو یہی قدیم زمانے کا مشہور شہر وجیانگر یا وِدّیا نگر تھا جو اپنی وسیع فتوحات اور اپنے حکم رانوں کی امارت اور تموّل کے لئے مشہور تھا۔ یہ مقام دریائے تنگ بھدرا پر بلجاری سے بہ فاصلہ (۳۶) میل اور ہوس پیٹ سے (۷) میل ہو۔ یہہ دونوں مقامات سدرن مرہٹہ ریلوے کے اسٹیشن ہیں۔ اگرچہ ہوس پیٹ ہی سے کھنڈروں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہو لیکن کاملاپور میں مسافر بنگلہ بنایا گیا ہو جو قدیم عمارات منہدمہ کے بیچوں بیچ میں ہو۔ ہوس پیٹ سے چلتے ہی ہمپی کی سڑک پر ریلوے کی لیول کراسنگ[2] (پھاٹک) کے پاس جوس پیٹ کمپلی کی سڑک پر ہو اننتا سانیا گوڑی ایک بہت بڑا دیول ہو جو اب بالکل ویران ہو تاہم اس کا بڑا محراب دار قبہ جو خاص کاری گری سے بنایا گیا ہو قابل دید ہو۔ اس گنبد میں ایک بہت بڑی مورت وشنو کی جو سانپ پر بیٹھا ہوا ہو رکھنے کا ارادہ تھا۔ یہہ مورت اب بھی ہڑگلی تعلقہ کے ایک موضع میں جو ہوس پیٹ سے پچاس میل کے فاصلے پر ہو پڑی ہوئی ہو اور دیول خالی پڑا ہو جو حال میں سررشتۂ تعمیرات کی

---

[1] گائیڈ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی شہر کے حالات بیان کئے جائیں ۱۲ [2] ریل کی سڑک پر جو پھاٹک لگا دیتے ہیں ۱۲

زیر نگرانی دیا گیا ہی۔ اننتا سانیاّ گوڑی سے سڑک ملیناّ گوڑی کو پھٹ جاتی ہی جو ہوس پیٹ سے (۳) میل ہی یہاں بھی ایک بڑا بھاری سیوا کا ویران دیول ہی۔ دیول کے سامنے ایک پتھر پر ایک کتبہ ۱۴۱۲ء کا کندہ ہی جس میں دیورای راجہ بیجانگر کے عطیہ کا ذکر ہی۔ شہر بیجانگر کی سات فصیلوں میں سے دو فصیلیں یہیں ملتی ہیں اور دو دروازے بھی موجود ہیں۔ جن کے پاس سے سڑک گزرتی ہی جو قدیم رستہ کا نشان بتلاتے ہیں۔ آگے بڑھ کر سڑک ایک مسطح میدان سے گزرتی ہی۔ اس میدان میں دو تین مخروطی شکل کے دیول متفرق مقامات پر نظر پڑتے ہیں۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک بہت بڑا تالاب ہی جس کے بند سے کاملاپور کی سڑک جاتی ہی یہیں ڈاک خانہ اور مسافر بنگلہ (یہہ بھی قدیم دیول تھا جس کو جے ایچ ماسٹر صاحب سابق کلکٹر بلھاری نے مسافر بنگلہ بنا دیا) ہی اب یہاں سے سیاح کو ہم اُن مقامات کی طرف لے چلتے ہیں جو اس نواح میں قابل دید ہیں۔ یہاں سے دو سڑکیں بطور مثلث کی دو شاخوں کی پھوٹتی ہیں ایک تو ہمپی کے دیول کو جاتی ہی دوسری اُس گھاٹ کو جاتی ہی جہاں سے عبور کر کے آناگندی (جو اب راجگان بیجانگر کے پس ماندگاں کا مسکن ہی) کو جاتے ہیں۔ مثلث کا قاعدہ دریاے تنگ بھدرا ہی۔

برباد شدہ عمارتوں کا مجموعہ جو اب "محل" کہلاتا ہی موضع کاملاپور کے پاس ہی۔ یہ مقام ایک کھلا پہاڑی میدان ہی جسے قدرتی طور پر پہاڑوں کے پتھروں نے ایک بیضوی شکل کا بنا دیا ہی جس کے دیکھنے سے اس قدرتی مقام کی دلچسپی ظاہر ہوتی ہی کہ یہہ جگہہ خاص کر نہ صرف اپنے حسن منظر کے لحاظ سے پسند کی گئی تھی بلکہ بکار آمد بھی تھی۔ اس جگہہ کے اطراف کے پہاڑ قدرتی طور پر قلعے اور محافظت کا کام دیتے تھے اور پتھروں کے بڑے بڑے گُنڈ[ا] مندروں اور مکانات کے بنانے کا بڑا ذریعہ تھے ان ہی خوشنما پہاڑیوں کے بڑے بڑے پتھروں کے گنڈوں کے درمیان چٹانوں پر سے دریاے تنگ بھدرا پیچ و خم کھاتا ہوا رواں ہی۔ ہوس پیٹ سے آتے وقت دور سے ہی درختوں کے جھنڈ میں جا بجا مندروں کی چوٹیوں کی جھلک نظر آتی ہی اور ایسا معلوم دیتا ہی کہ ہم کسی آباد شہر کے قریب آپہنچے ہیں لیکن جوں جوں نزدیک آتے جاتے ہیں سوا ے ویرانی اور شکستگی کے ملول اور شالی زراعت کے کھیتوں کے کچھ نہیں پاتے۔ اگرچہ وہ بڑی بڑی نہریں جو کسی زمانے میں لاکھوں آدمیوں کی ضروریات

[ا] بڑے بڑے پتھروں کو گنڈ کہتے ہیں ۱۲

کے لئے بکار آمد تھیں اب بھی موجود ہیں لیکن اب ان کا مصرف صرف کھیتوں کو پانی پونہچانے کے سوا اور کچھ نہیں ہی۔ اِس میدان میں گشت لگانے والے کو جابجا قدیم مکانات اور بازاروں کے نشانات ملیں گے۔ میلوں تک جہاں تک نظر کام کرتی ہی سوائے اُجڑے ہوئے محلات۔ مکانات دیول۔ مندر۔ ستون۔ برآمدوں۔ دروازوں۔ خالی چار دیواریوں۔ فصیلوں۔ بُرجوں۔ مورچوں ٹوٹے پھوٹے خشک تالابوں۔ حوض۔ پانی کی نالیوں۔ مورتوں اور بتوں کے کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہہ سب زبان حال سے اپنی شان و شوکت اور عظمت اور اپنی ویرانی بربادی اور تباہی کی افسوسناک وحسرت آمیز داستان بیان کر رہے ہیں۔ زمانے اور انسان کے ظالم ہاتھوں نے کس بے رحمی اور سفاکی سے ایسے عظیم الشان شہر کو برباد کیا ہی جس کے ویرانے کو آج ہم دیکھنے آئے ہیں۔ ڈاک بنگلے سے چل کر شہر کی فصیل کے برابر سے سڑک گذر کر شہر میں پونہچتی ہی۔ راستہ ٹیڑھا میڑھا ہی جو غالبًا دشمن کی روک تھام کے لئے بنایا گیا ہوگا جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا۔ تھوڑی دور آگے چل کر ایک ٹیکرے پر ایک دیول چندر راسیکھر کا سٹھ ہی جو ابھی تک صحیح سلامت ہی وہ شاید اس وجہ سے اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا کہ اس عمارت میں کوئی خاص خوبی نہ تھی اور برباد کرنے اور اُجاڑنے والوں کو اسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں ہوئی جو بچ رہا جیسا کہ اور سب مندروں کا حال ہی اس میں بھی کسی دیو کی مورت نہیں ہی خالی دیول پڑا ہی۔ اس سے گمان ہوتا ہی کہ مندروں کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر غارت کر دیا۔ اس دیول کے پاس ہی "رانیوں کا حمام" ہی یہہ عمارت (۸۷) فیٹ (۵) انچ مربع ہی اور اس کے دروازے کماندار ہیں۔ عمارت کے وسط میں ایک پچاس فیٹ مربع حوض ہی جو نو فٹ عمیق ہی۔ چاروں طرف برآمدہ لداؤ کا ہی۔ جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ عمارت کی موجودہ حالت۔ طرز۔ آراستگی سے گمان ہوتا ہی کہ یہہ اپنی اصلی حالت پر نہیں ہی بلکہ مسلمان فاتحین کا تصرف نمایاں ہی یعنی یا تو مسلمانوں نے شکست و ریخت کر کے اسے اپنے طرز پر بنالیا ہی یا یہہ کہ راجگان بیجانگر ہی نے مسلمان کاریگروں سے بنوایا ہو۔ یہ مکان "رنواسے" سے اس قدر دور ہی کہ ہمیں اس میں بھی تامل ہی کہ آیا یہہ عمارت فی الواقع رانیوں کا حمام تھا یا نہیں اور اگر ہوگا بھی تو خاص خاص مواقع کے لئے نہ کہ عمومًا لیکن پانی کی بے شمار نالیاں۔ متفرق متعدد حوض۔ روشیں۔ منڈوے[1] بتلا رہے ہیں کہ اس مکان کے اطراف

[1] سائبان سما مکان ۱۲۰۱۔

میں باغات ضرور ہوں گے جن کا سلسلہ زنانے محلات تک پونہچتا ہی اور ممکن ہی کہ اُس زمانے میں رانیاں اس حمام تک اس طرح آسکتی ہوں کہ کسی کی نظر اُن پر نہ پڑے - اسی مقام کے قریب ذرا بلندی پر اُس نہر کی علامات موجود ہیں جس سے اس حمام اور نیز شہر میں پانی پونہچایا جاتا تھا اور اب تک جابجا پتھر کی نالیاں موجود ہیں جن میں سے پانی دوڑتا تھا - زنانے حمام سے چند گز فاصلے پر جانب شمال و مغرب ایک اور بڑا اور وسیع حوض موجود ہی جو راجاؤں کے حمام کے نام سے مشہور ہی اور وہ محلاّت سے قریب بھی ہی - یہ مقام مٹی کے ٹیلے میں دبا ہوا تھا حال میں کھود کر نکالا گیا ہی (اور اس طرح بہت سے مکانات ٹیلوں کے اندر دبے پڑے ہیں چنانچہ جب میں دیکھنے گیا تھا جب بھی ایک دیول کھود کر نکالا جارہا تھا جو قریب النصف کے نکل چکا تھا) اس حمام کا صرف پختہ صحن اچھی حالت میں ہی اور پانی کے آنے جانے کے رستے بنے ہوئے ہیں باقی کا حصہ منہدم ہوگیا - زنانے حمام سے قریب ڈیڑہ سو گز کے فاصلے پر ٹیلوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہی جس میں مسلسل چبوترے اور برآمدے معلوم دیتے ہیں - اس ٹیلے کی بلندی ۳۱ فیٹ ہی سب سے بلند مقام پر اب تک ایک منڈوے کی علامات معلوم ہوتے ہیں جیسے عبدالرزاق سیاح نے طلائی برآمدہ اور مرصع تخت لکھا ہی اور جہاں سے اُس نے ہندوؤں کے بڑے بھاری دسہرے کے تہوار کا تماشا دیکھنے کی دلچسپ کیفیت بیان کی ہی - اس کو اب تک "تخت گاہ" اور "مہانومی یا دسہرہ ڈبہ" کہتے ہیں - دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی زمانے میں یہاں کوئی چھوٹی فصیل یا دُہرا احاطہ ہوگا جس کے بیچ میں رستہ بنا ہوا تھا چنانچہ اب بھی اس ٹیکرے پر رستے کے سرے پر ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا ہی - غالبًا یہیں سے راجہ اور رانیاں دسہرے میں اور دوسری تقریبات میں ہاتھیوں کی لڑائی - کشتی - اور مختلف قسم کے تماشے دیکھا کرتی تھیں کیوں کہ اس کے نیچے وسیع میدان تماشے گاہ کا موجود ہی - اس مقام کے پتھروں کی سلوں پر تمام منبت نقش ونگار ہیں - ایک جگہ راجہ تخت پر بیٹھا ہوا ہی اُس کے سامنے ایک قطار برچھے برداروں کی کھڑی ہی - ہاتھی - اونٹ - شیر شکاری - اور اُن کے کتے جو ہرنوں کا تعاقب کر رہے ہیں - رنڈیاں اور اُن کے سازندوں کی تصویروں سے باقی جگہ بھری ہوئی ہی - اس قسم کی بہت سی تصویریں ہیں لیکن بھدّی ہیں حال آں کہ اسی کے پاس ہزارراما سوامی کے مندر کے نقش ونگار بہت عمدہ اور نفیس ہیں - اسی کے

قریب دو دروازے دکھلائی دیتے ہیں جو زمین کے اندر دب گئے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کے معلوم دیتے ہیں جن کے سامنے چبوترے بھی ہیں۔ اس ٹیکرے پر سے شہر کا نظارہ بہت اچھی طرح ہوسکتا ہی اور شہر کی عمارات کے تین حصے جدا جدا معلوم دیتے ہیں راجہ کا محل۔ زنانے محلات اور دھن نایک کا محل اور دیگر عمارات بھی بخوبی دکھائی دیتی ہیں۔ ہر حصہ محاط ہی اور اُس کے متعلق بیوتات اور صحن جدا جدا ہیں۔ راجہ کے محل کے نام سے جو جگہہ اب مشہور ہی اس میں متعدد عمارتیں جُدا جُدا ہوں گی چنانچہ تخت گاہ یا دسہرہ ڈبہ بھی اسی میں شامل ہی۔ اِن عمارات کا سلسلہ ایک دوسرے سے چھتوں اور تہ خانوں کے ذریعے سے ملا ہوا ہوگا چنانچہ "تخت گاہ" کے قریب ہی اُس دیول سے جو ابھی دبا ہوا نکالا گیا ہی چند گز کے فاصلے پر صاف تہ خانے کا رستہ دکھلائی دیتا ہی۔ خاص راجہ کے رہنے کا محل جس کا نام "وجایا بھون" تھا وہ تو بالکل ویران ہی اُس کے صرف چبوترے کا نشان باقی ہی جس پر کسی زمانے میں عالی شان محل کھڑا ہوگا اور اس چبوترے کے اطراف میں اُن دروازوں اور چھتوں کے نشانات بھی ہیں جن میں سے راجہ کے محل میں داخل ہوتے تھے۔ اِس چبوترے کے شمال رُخ ایک بہت بڑا حوض ہی جو ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہی جو ۱۴½ × ۳ × ۲ فیٹ ہی۔ کہا جاتا ہی کہ یہ حوض راجہ کے باورچی خانے میں تھا اور اس میں محل کے مصرف کے لئے دودھ بھرا رہتا تھا۔ راجہ کے محل کے جنوب میں اسی احاطے میں ہزارا رام چندر کا دیول ہی جو راجہ کی پرائیوٹ عبادت گاہ تھی۔ یہ مندر شمال سے جنوب کو (۱۱۰) فیٹ اور مشرق سے مغرب کو (۲۰۰) فیٹ ہی۔ اس مندر کو کشن دیو راے نے سنہ ۱۵۱۳ء میں بنایا تھا۔ دیول کی بیرونی دیوار پر قدیم کنڑی زبان کا ایک کتبہ بھی ہی اور دیول کے اندر ایک اور کتبہ ہی جس میں تمّاراج (وزیر اعظم) کے سنہ ۱۵۳۰ء میں گرانٹ[۱] کا حال لکھا ہی۔ یہ دیول دوسرے دیولوں کی طرح وسعت کے لحاظ سے قابل ذکر نہیں ہی بلکہ ایک تنہائی کا مقام ہی اور شاید اسی وجہ سے راجہ نے اُسے پرائیوٹ عبادت گاہ مقرر کی ہوگی۔ اندر گھستے ہی بلند اور عالی شان دیواروں پر ہزاروں تصویریں منبت نظر آتی ہیں جس کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے انسان محو ہو جاتا ہی۔ اس دیول کا نام ہزارا رام چندر کس وجہ سے پڑا ہی معلوم نہیں ہوتا شاید اس وجہ سے ہزارا کہلایا گیا ہو کہ راجہ کے محل کے دروازے کے پاس تھا یا یہ

[۱] عطیہ ۱۲-

سری رام چندر کی ہزارہا تصویریں دیواروں اور ستونوں پر کھدی ہوئی ہیں۔ اِن تصویروں میں راماین کے تمام سین بتلائے گئے ہیں۔ دیول کی دیواروں کے بیرونی رُخ پر رامائن میں جو شکار کے متعلق سین ہیں وہ بتلائے گئے ہیں اور اِن تصاویر میں اعلیٰ درجے کی صناعی کی گئی ہے۔ ماوشما کو دیکھنے کے لائق اس مندر میں چار سنگی ستون ہیں جو درمیانی حصہ "اردھا منڈپ" میں ہیں۔ یہ سنگ موسیٰ کے ہیں جو بالکل سیاہ ہیں اور اس قدر صاف تراشے گئے ہیں اور اِن پر نقش ونگار اور تصاویر ایسی عمدگی سے کھودے گئے ہیں کہ پتھّر تو پتھر کاغذ پر بھی اُن کا بنانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

ہزارا رام چندر کے دیول کے بعد ہم ایک قسم کے چھتے میں سے گزرتے ہیں جس کے دونوں طرف منڈپ ہیں جن میں سے بعض دو منزلہ ہیں اور زنانے محلات میں پہنچ جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھتہ کسی زمانے میں اس غرض سے بنایا گیا ہوگا کہ راجہ کے محل سے زنانے مکانات تک گوشہ پردہ رہے۔ جن عمارات کو زنانے محلات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے وہ ایک بہت بڑا احاطہ ہے جس کی بلند بلند دیواروں کے بعض بعض حصے اب بھی موجود ہیں یہ دیوار چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنائی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض پردے کی غرض سے طیار کی گئی تھی نہ کہ بطور حصار کے جو کسی وقت غنیم کے مقابلے کو کام آئے۔ اِس مثلثی احاطے کی تینوں کونوں پر تین تین بڑے بڑے منار بنے ہوئے ہیں جو دیدبان اور نوبت خانے کا کام دیتے تھے اُن کے اندر چکّردار سیڑھیاں ہیں جن پر سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ اصل زنانہ محل جو ضرور اس سلسلے کے وسط میں ہوگا بالکل نیست ونابود ہوگیا ہے اور اب صرف چبوترہ اور ڈھئی ہوئی عمارتوں کے کچھ ٹکڑے اور کچھ بیوتات متفرق جگہوں پر دکھلائی دیتے ہیں جو بڑے احاطے کے اندر ہیں۔ اس عظیم الشان اور خوب صورت محل کے دروازے پر دو ہاتھی نہایت خوب صورت بنے ہوئے تھے اُن کی سونڈیں توڑ پھوڑ ڈالی ہیں اور اصل عمارت جو بہت بڑا محل ہوگا وہ تو اب باقی نہیں ہے البتہ کچھ چھوٹے چھوٹے مکان گرے پڑے رہ گئے ہیں۔ زنانے محلاّت میں اب صرف ایک ہشت پہل مسقّف بیولین[1] باقی ہے جو درمیانی ہال کا صرف ایک طرف کا حصہ معلوم دیتا ہے یہ دو منزلہ ہے اور اوپر جانے کی سیڑھیاں بھی ہیں اور یہی ایک کمرہ اوپر اور ایک نیچے کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اس میں کھڑکیاں

[1] منڈپ یا برآمدہ ۔ ۱۲ ۔

ہیں مگر وہ ایسی تنگ ہیں کہ باہر کی دور کی چیزیں دکھلائی نہیں دیتیں - اس مکان کی دیواروں پر نقش ونگار اور صناعی قابل دید ہے اس کا نام اب بہ لحاظ اُس کی وضع قطع کے لوٹس محل (یعنی کنول نما محل) ہے - اس پیویلین کے مغرب میں ایک مستطیل حوض ہے جو زنانے مکانات کے احاطے کے اندر ہی جو ایسا معلوم دیتا ہی کہ تیرنے کے لئے بنایا گیا تھا - زنانی عمارات کے مغرب میں آٹھ عمارتوں کا ایک چھوٹا سا جھمکا ہی ہر ایک کا رو کار اندر کی طرف ہی مربع کے تین رُخ آباد ہیں چوتھا رُخ خالی ہی - ان عمارتوں کی بیچ کی عمارت "کنسرٹ ہال"[ف] کہلاتی ہی اور اس کے دونوں طرف کی عمارتیں "زنانہ اصطبل" کہلاتی ہیں اس میں گیارہ اصطبل ہیں جو بلحاظ تعداد ہاتھیوں کے جو اُس زمانے میں تھے بالکل ناکافی ہیں غالباً اس میں خاصے کے منتخب ہاتھی رکھے جاتے ہوں گے - اصطبل بہت بلند اور کشادہ ہیں اور سارا کام لداؤ کا ہی اور اچھی حالت میں ہیں - بیچ کے تھان پر چھپا اُتارا گیا ہی غالباً اسی میں راجہ کی خاص سواری کا ہاتھی باندھا جاتا تھا جسے "وٹا دا آنی" کہتے تھے یعنی تیل ملا ہوا ہاتھی - کنسرٹ ہال یا تھیٹر ایک بلند اور خوش نما مکان ہی جس کے سامنے ایک برآمدہ ہی جس کی گیارہ محرابیں ہیں جس میں کی بیچ والی کمان سب سے بڑی ہی اور اسی سے مکان میں داخل ہوتے ہیں - دروازوں اور محرابوں اور ساری جگہ میں جھاڑیوں اور کانٹوں اور جنگلی بیلوں کا ہجوم ہی - ہاتھیوں کے اصطبل کے پاس کنسرٹ ہال بنانے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ حقیقت میں یہ عمارت کنسرٹ ہال یا تھیٹر اور تماشوں کا الگ تھلگ مقام منتخب کیا گیا ہو جو دوسرے محلات سے جدا ہو اور اسی میں کھیل تماشے ہوتے ہوں - زنانے حصے کو چھوڑ کر سڑک پر مشرق کی جانب قریب ایک میل کے چل کر کاملاپور کمیلی کی سڑک پر ہم کو وہ سرنگ ملتی ہی جو اندر ہی اندر چلی جاتی ہی - بیان کیا جاتا ہی کہ اس مقام پر چند عمارتیں زمین میں دب گئی ہیں اور یہاں سے زنانے میں جانے کے لئے سرنگ کا رستہ ہی لیکن واقع میں اونچی سڑکوں کی مٹی بہ بہ کر اس کثرت سے ان عمارت پر جمتی گئی ہی کہ بالکل ڈھک گئیں سررشتہ تعمیرات نے حال میں تھوڑی سی مٹی کھسکائی ہی اور بجائے سرنگ کے یہاں چند کمرے نکلے ہیں جو اس طرح بنے ہوئے ہیں کہ چند سیڑھیاں اُتر کر ایک سنگ بست کمرے میں

[ف] جس مکان میں چند لوگ جمع ہو کر تماشہ دیکھتے ہیں ۱۲-

پہونچے ہیں اس میں سے ایک دوسرے کمرے میں رستہ ہی اور دوسرے کمرے میں سے تیسرے میں زنانے محلات کے مغرب میں ایک اور احاطہ ہی جس میں شمال و مشرق کے گوشے پر ایک دیدبان کا منار بنا ہوا ہی اور وسط میں ایک بڑی عمارت ہی جو مسلمانوں کے طرز پر بنی ہوئی ہی۔ تیسرا حصہ ویرانے کا وزیر دھن نایک کے مکانات کے نام سے موسوم ہی۔ مسلمان اور پرتگالی سورخوں نے جو اس مقام کے حالات لکھے ہیں اُن سے اس اُجڑی ہوئی جگہ کی مطابقت ہوتی ہی اور آن کے نشان دادہ مقامات کا پتہ چلتا ہی۔ عبدالرزاق نے شہر بیجانگر کے بیان میں لکھا ہی کہ "محل وسط میں واقع تھا جس کے چاروں طرف بازار تھے جن کے آخر میں بلند منڈپ بنے ہوئے تھے اِن سب میں بلند تر مقام یہی محل تھا۔ کوچوں اور گلیوں میں پانی پتھر کی تراشی ہوئی نالیوں میں بہتا تھا۔ محل کی داہنی طرف وزیر کی کچہری کا مکان تھا جس کا نام "دیوان خانہ" "یا کونسل روم" ہی۔ یہ عمارت بہت بڑی تھی اور اس کے سامنے ایک منڈپ تھا۔ محل کی بائیں طرف دارالضرب تھا۔ دارالضرب کے عقب میں ایک بازار تین سو گز لمبا اور بیس گز چوڑا تھا جس کی سڑک پر پتھر کی سلوں کا فرش تھا۔

دھن نایک کے محلات سے چل کر ہم سڑک پر پڑکر دریا کی طرف چلتے ہیں آگے بڑھ کر اودنی دیر بھدرا کا دیول ملتا ہی جو سیوا کا مندر ہی اور جس میں اب بھی پوجا ہوتی ہی۔ اس مندر میں کوئی دلچسپی کی بات نہیں ہی سوائے اس کے کہ دیواروں پر مرد اور عورتوں کی کچھ تصاویر ہیں۔ اب سڑک نہر تنگ بھدرا سے تقاطع کرتی ہوئی کرشنا سوامی کے دیول کو جاتی ہی اور ایک بڑے بلند پھاٹک میں سے گزرتی ہی جس کے دونوں طرف اونچے اونچے چبوترے بنے ہوئے ہیں جن پر برآمدوں کے طور پر ستون وار کمرے ہیں۔ کرشنا سوامی کا دیول اب ویران ہی اور ایک ویران بازار میں واقع ہی جو ہمپی کے دیول سے چھ سو گز جنوب میں ہی۔ اس دیول میں کئی کتبے ہیں جن میں سے ایک ۱۵۱۳ء کا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس دیول کو کشن دیورائے نے اُدگیری اور دوسرے مقامات فتح کرکے واپس آنے کے بعد بنوایا تھا۔ یہ دیول ایک وسیع سطح پر بنا ہوا ہی جس میں مندر واقع ہی اور پھر اندر ایک احاطہ ہی۔ بیرونی صحن میں جانے کے چار پھاٹک ہیں۔ عمارت کی صناعی سیدھی سادی اور بھدی ہی لیکن اس قدر بڑے بڑے پتھر لگائے گئے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہی۔ ترشے ہوئے پتھروں کی بہت

سی چٹانیں تیس فیٹ لمبی اور چار فیٹ دبیز او نچے اونچے مقامات پر لگی ہوئی ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے بڑے بڑے پتھر اتنے اوپر کس طرح چڑھائے گئے ہوں گے۔ بیرونی احاطے کے جنوب میں ایک اور سیدھی سادی عمارت ہی جو اس عمارت سے بالکل مختلف ہی اس میں چھوٹے چھوٹے دریچے اور ایک پست محراب دار دروازہ مشرق کی طرف لگا ہوا ہی۔ اندر دوار مربع قطعات میں ستون لگے ہوئے ہیں جن پر نوکیلی کمانیں ہیں۔ چھت تمام لداؤ کی ہی جس میں اُتھلے قبےؔ بنے ہوئے ہیں۔ چھت پر جانے کے لئے باہر سے ایک زینہ بھی ہی۔ کرشنا سوامی کے دیول سے تھوڑی دور جنوب و مغرب کی طرف وہ احاطہ ہی جس میں نراسہواں کی مشہور مورت ہی جس میں ایک ناگ سانپ کا پھن بت کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہی۔ دیوکی مورت بیٹھی ہوئی بنائی گئی ہی تاہم ۳۵ فیٹ بلند ہی۔ یہ بت ایک ہی بڑے پتھر میں تراشا گیا ہی۔ چہرے سے غصے کے آثار نمایاں ہیں جو اس دیوتا کی خاصیت ہی۔ ٹیپو سلطان کی فوج کے ہاتھ سے اس بت کی مورت کو بہت بڑا نقصان پونہچا ہی جنھوں نے ناک اور ایک بازو توڑ ڈالا۔ اس کے بازو کا دَور دو فیٹ ہی۔ دروازے پر ایک کتبہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مورت کو ایک برہمن نے ایک ہی پتھر میں سے تراش کر بنایا تھا۔ کشن دیورای نے ۱۵۲۹ء میں اس کے لئے گرانٹ دیا تھا۔ اس مورت کے پاس ایک جداگانہ مکان میں بہت بڑا لنگم (۹) فیٹ بلند ہی۔ دروازے اور فصیل سے ذرا اوپر وار جانے سے وہ پہاڑی ملتی ہی جسے ہیم کوٹ The golden crest یعنی سنہری کنگرہ کہتے ہیں ملتی ہی۔ اس مقام سے تمام شہر اور کل مقامات کا بہت عمدہ نظارہ ہوتا ہی۔ اس پہاڑی پر دو بڑی بڑی مورتیں گنیش کی ہیں ایک کا نام ساسولیکالو (رائی کا دانہ) ہی کیوں کہ یہ بت بہ مقابلے مقدر کی عمارت کے بہت چھوٹا ہی۔ دوسری مورت جو کرشنا سوامی کی دیول کی بیرونی دیوار کے پاس ہی گڈلیکالو (چنا) کہلاتی ہی۔ اس میں گنیش کی مورت لونی بنائی گئی ہی جس کی لمبان سے چوڑان زیادہ ہی۔ ساسولیکالو کے دیول کے پیچھے ایک پھسلوان پہاڑی چٹان ہی اس کے سرے پر ایک سلسلہ چھوٹے چھوٹے مربع مندروں کا ہی جن کی چھتیں چھتری نما مربعؔ ہیں اور دور سے ایک قسم کا چھتہ معلوم دیتا ہی۔ یہ نئی اور انوکھی طرز کی عمارتیں جینوں کے مندر ہیں اور درست

ؔلہ کم گہرے اور پھیلے ہوئے ۱۲۔

حالت میں ہیں گو اب ان میں کوئی رہتا نہیں۔ ان مندروں کے عقب میں داہنی طرف دو نہایت نفیس دروازے ہیں ایک دو منزلہ ہی جو قلعے میں جانے کا راستہ تھا اور دوسرا مندر میں جانے کا دروازہ تھا۔ سڑک کی بائیں طرف غار کے اندر تراشا ہوا ایک مندر ہی جو کہا جاتا ہی کہ بودھ مذہب کا ہی۔ دریائے تنگ بھدرا کے شمالی کنارے پر قصبۂ آنا گندی واقع ہی۔ پہلے یہی مقام اُن سرداروں کا مسکن تھا جو آگے چل کر راجہ گان بیجانگر ہوئے اور اُن کی سلطنت اتنی عظیم الشان اور زبردست ہوئی کہ تمامی حصۂ جنوبی ہند پر اُن کا تسلط تھا اور پھر تباہی اور بربادی کے بعد آنا گندی ہی میں اُن کی نسل چل رہی ہی اور ایک راجہ (گو وہ اب کیسا ہی چھوٹا ہو) موجود ہی۔ اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے مکانات۔ نیشکر اور شالی زار کی زراعت جابجا پھیلی ہوئی ہی۔ جن میں جابجا پانی دوڑتا ہی یہ سلسلہ بطور ایک بازار کے نصف میل لمبا اور (۵۰) گز چوڑا ہی اور اسی کے اختتام پر دیر کھیدر کا مشہور دیول واقع ہی اور دوسرے سرے پر ایک بہت بڑا پتھر کا بیل ہی جسے بسونّا کہتے ہیں اور جو ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا ہی۔ پمپاپتی کے بڑی بھاری دیول کی تراش خراش اور طرز عمارت بالکل جنوبی ہند کے مندروں کی سی ہی وہ بہت اونچے اونچے گوپرم[۱] ہیں۔ سب سے بڑا مخروطی قبہ صدر کے دروازے پر ہی جو رتھ نکلنے کی سڑک کے محاذی ہی اس پر بے شمار تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں عجیب بات ہی کہ اندر اس کے خلا میں عمارات اور زینہ ہی جس کے ذریعے سے اس کی چوٹی پر پونہچ جاتے ہیں اس قسم کی عمارات عموماً ہنود مندروں میں نہیں بنایا کرتے۔ کہتے ہیں کہ یہ گوپرم وِٹھپا نے بنایا تھا۔ دوسرا گوپرم دریا کے دروازے کی طرف کا بھی قابل دید ہی جو کنگ گیری کے راجہ نے بنوایا تھا۔ اس کی مرمت ۱۸۳۲ء میں بعہد مسٹر رابرٹس کلکٹر بلھاری کے ہوئی ہی۔ اس مندر میں دو بڑے بڑے صحن ہیں ایک مشرق کی جانب ہی دوسرا مغرب کی جانب۔ دونوں کے درمیان میں ایک دیوار فاصل ہی۔ اصلی بڑا مندر اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مندر سب مغربی صحن میں ہیں۔ شمالی اور جنوبی دیواروں کے باہر دو بڑے بڑے تالاب ہیں جن کا نام "منمو کا سرور" اور "لوکا پاؤن" ہیں اور یہیں بہت سے قدیم چھوٹے چھوٹے مندر بھی ہیں جن میں سے بہت سے ڈھہ گئے ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا سے ایک نہر بیرونی احاطہ میں لائی گئی ہی جو مطبخ میں بھی پونہچائی گئی ہی اور اس کے ذریعے

---

[۱] مندر کے چوٹی دار قبے کو گوپرم کہتے ہیں ۱۲۔

ہر وقت تازہ اور وافر پانی موجود رہتا ہے۔ اس مندر کے پاس اور بہت سے دیول ہیں (۱) ویرپاکشیسوریا پمپاپتی (۲) پاروتی (۳) بھوانیسوری (۴) چندی کیسوراسوامی (۵) ونکٹ راماسوامی (۶) گنگا گنجی مادھوسوامی (۷) ونایک سوامی (۸) کمارسوامی (۹) سرسوتی (۱۰) پتھلیسور سوامی۔ (۱۱) ودّیاراتیا سوامی (۱۲) سدنگاری بھٹ۔ بازار سے سوگز قریب اوپر وار ایک پگ ڈنڈی جس پر ہموار پتھروں کا فرش ہی بنا ہوا ہے جو پہاڑ کی تنگ گھاٹی میں سے دریائے تنگ بھدرا کی طرف جاتی ہے اور وہیں سے کو ونڈراماسوامی اور نیٹر و دھرکا کے دیولوں کو رستہ جاتا ہے لیکن اب ان دونوں مندروں میں کوئی چیز دیکھنے کی نہیں ہے۔ داہنی طرف ایک بلندی پر ایک مندر متنگا نامی ہے اس پر چڑھنے سے دور دور کے مقامات نظر آتے ہیں۔ اس پہاڑ کے پاس ہی ایک بہت بڑا دیول اچتیاراماسوامی کا ہے۔ یہاں بھی پون میل لمبا بازار تھا جو موضع ہمپی کے مشرق میں واقع ہے اس مندر کی ساخت کرشنا سوامی کے دیول کی طرح ہے۔ اس دیول کا رُخ شمال وجنوب ہے اس مندر کا بڑا گوپرم بازار کے مقابل ہے۔ بازار کا تو صرف اب نشان ہی نشان رہ گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بازار میں صرف رنڈیاں اور قربانیاں[ف] ہی رہتی تھیں جو اس دیول کے لئے مخصوص تھیں اس دیول کے دو شمالی گوپروں پر قدیم کنڑی زبان کے کتبے بھی ہیں اس دیول سے پگ ڈنڈی دریا کے برابر جاتی ہے۔ جہاں سے سیتا کا تالاب اور وہ کھو نظر آتی ہے جہاں سیتاجی کا رہنا بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قریب میں پہاڑ کی چٹان پر ایک لمبی سیلی پڑی ہوئی ہے جسے Sita's mark کہتے ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ سیتاجی کی چوٹی کا نشان پڑ گیا ہے۔ یہاں سے رستہ ایک دروازے میں سے گزرتا ہے جس میں دو جنگی ستون کھڑے ہیں اور ایک پتھر کی کڑی اوپر آڑی رکھی ہوئی ہے۔ جس کے دونوں سروں پر دو سوراخ ہیں کہتے ہیں کہ یہ ترازو ہے اس میں راجہ جب ساٹھ برس کی عمر کا ہو جاتا تھا تو جواہرات سونے اور چاندی میں تول کر خیرات کئے جاتے ہیں۔ اب یہاں سے ہم وجیا وٹھل سوامی کے دیول کو پہنچتے ہیں جو سب سے زیادہ مشہور اور ہر اعتبار سے قابل دید اور ایک عمدہ یادگار ہے۔ اس مندر کی تعمیر اچتیارایا کے زمانے میں ۱۵۱۳ء میں ہوئی تھی اور آلیا رام راج کے عہد میں ۱۵۶۱ء میں مشہور جنگ تالیکوٹہ کے ٹھیک چار برس پیشتر ختم ہوئی۔

[ف] جو عورتیں دیوتاؤں کے نام ہر ہرن کر کے چھوڑ دی جائیں یہ بھی ایک قسم کی کسبیاں ہوتی ہیں ۱۲

یہ دیول دریائے تنگ بھدرا کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور دریا سے بہت قریب ہے۔ اس دیول کے متعلق بھی ایک بہت بڑا بازار تھا جو دیول سے مشرق رُخ پر دور تک چلا گیا تھا لیکن اب بالکل اُجاڑ ہے۔ اس مندر کے بائیں طرف ایک مربع تالاب موسومہ "پٹاکولم" واقع ہے۔ وٹھل سوامی کے دیول کے قریب ایک اور دیول حال میں زمین کھود کر نکالا گیا ہے جس کی عمارت بھی عمدہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سیوا کے نام کا تھا۔ دیول کے دروازے کے سامنے ایک بڑا کھمبا تھا جس کے اوپر ایک آہنی ہلال لگا ہوا تھا۔ دیکھنے میں مضبوط تھا مگر حال ہی میں گر گیا ہے اس میں شک نہیں کہ وٹھل سوامی کا دیول ویجانگر کے تمام دیولوں کی جان ہے۔ بلحاظ صناعی اور کاری گری اور خوب صورتی کے اگر اسے دیولوں کی ملکہ کہا جائے تو بجا ہے۔ بیرونی حصار کی دیوار میں دروازے ہیں جن پر برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ صدر دروازہ مشرق رو ہے اس پر کا برج شق ہو گیا ہے اور قریب الانہدام ہے۔ اس دروازے میں سے داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا بھاری مندر سامنے نظر آتا ہے جس کے دائیں بائیں بڑے بڑے منڈپ بنے ہوئے ہیں ان میں صدہا قسم کی تصویریں بڑی نزاکت اور صناعی سے منقش ہیں۔ مندر کے احاطے میں ایک پتھر کی رتھ رکھی ہوئی ہے جس کے بڑے بڑے پہیے بھی پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور دُھرا بھی پتھر کا ہے۔ اس پر بھی نقش و نگار عورتوں کے ہیں جو طوطوں پر سوار رتھ کو اُڑائے جا رہی ہیں۔ ایک بلند چبوترے پر جس کی تین طرف سیڑھیاں ہیں مہا منڈپ یعنی صدر اور سب سے بڑا منڈپ ہے اس کے ستون ایک ہی پتھر کے ہیں جن میں مورتیں تراشی گئی ہیں۔ کلیان منڈپ کی عمارت اور صناعی بھی قابل دید ہے کہ جس کی نظیر شاید جنوبی ہند کے کسی اور مندر میں ملے۔ اس کے ستون کی بناوٹ اور کاری گری تعجب میں ڈالتی ہے۔ مندر کی ساری چھت پتھر کے لداؤ کی ہے اور اس میں بھی نقش و نگار ہیں ایک مقام پر ایک بندر کی مورت بنی ہوئی ہے جو ایک کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔ چھت میں سے پتھر کے کُنڈے روشنی آویزاں کرنے کے لٹک رہے ہیں۔ اس مندر کے اندرونی حصے میں بعض جگہ بہت اندھیرا ہے۔ دیواروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جلایا ہے کہ جس سے کالی پڑ گئی ہیں۔ زمین کو خزانے کی طمع میں جا بجا کھود کر برباد کر دیا ہے۔ دروازے کی دونوں طرف جو خوب صورت ہاتھی تھے اُن کی سونڈیں توڑ ڈالی ہیں۔ منڈپ کی دیوار پر ایک کتبہ ہے جس سے معلوم دیتا ہے ۱۵۲۱ء میں بعد

راجہ سدا سیو کے اس مندر کو گرانٹ دیا گیا تھا۔ اب اس مندر میں چڑیا کا نام تک نہیں ہے۔ اور
بالکل تباہ حالت میں ہے۔ اس کی کس مپرسی دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے۔ گھنٹوں اس عمارت
کے دیکھنے میں لگ جاتے ہیں اور دل سیر نہیں ہوتا[۵۱]۔ اس مندر سے نکل کر پھر ایک پتھر کی چٹانوں
سے پٹا ہوا راستہ ملتا ہے جس کے دونوں طرف منڈپوں کا سلسلہ ہے جن میں بڑے بڑے ستون لگے
ہوئے ہیں اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ بھی ایک آباد بازار ہوگا۔ جا بجا مٹی کے
بڑے بڑے ڈھیر اور ٹیلے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ مکانات ہوں گے
جو اب اس حالت میں ہیں۔ آگے بڑھ کر کمپیلی کی سڑک کی بائیں طرف مالیہ نتار گھوناتھ کا خوب صورت
دیول ہے جو ایک بلند چٹان پر بنا ہوا ہے۔ اس مندر اور منڈپوں کی عمارت بھی بہت عمدہ ہے اور
ہزارا راما سوامی کے مندر سے ملتی جلتی ہے۔ بیرونی حصار کی دیوار پر مچھلیوں اور بحری جانوروں
کی تصویریں منقوش ہیں۔ ایک جگہ ایک بڑا مگرمچھ بنا ہوا ہے جو اپنے شکار یعنی مسافروں کی تاک میں
لگا ہوا ہے کہ جو ملے گھسیٹ لے جائے۔ اس مندر میں بیراگی لوگ پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ کاملاپور
کے مسافر بنگلہ کو واپس ہوتے ہوئے سڑک کے بائیں طرف کاملاپور سے کوئی پاؤ میل کے فصل
سے ایک مندر ملتا ہے جو تباہ حالت میں ہے لیکن اس کا دھوا جا ستمبھا یعنی بڑا کھم بہت بلند ہے
جس پر پرانی کنڑی کا کتبہ بتلا رہا ہے کہ ہریہرا رائے نے چودھویں صدی میں بنایا تھا۔ سو دو سو گز
آگے وار کو سڑک کی سیدھی طرف ایک مندر ہے جو ایک چٹان میں تراشا گیا ہے جسے "آہنی گنڈ
بنیا پڈاسالی" یعنی ایک ہی پتھر کا بڑا ہال کہتے ہیں۔ اسی کے پاس ایک حمام ہے جو اب بالکل
ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ شہر کی ٹوٹی پھوٹی فصیل سے لگا ہوا مشرق کی طرف ایک بڑا پھاٹک ہے
جس پر ایک بلند قبہ ہے جس کی محرابوں پر نقش و نگار کا کام عمدگی سے کیا گیا ہے۔ اس دروازے
کے محاذی جین یا گنپتی کے دیول کے مشرق میں ایک خوب صورت مورت بھیمسین کی رکھی
ہوئی ہے مگر اس کی ناک بھی چپٹ ہے۔ اسی دروازے کے سامنے ملبھاری کی سڑک کے رخ پر شہر کی
جنوبی فصیل کے قریب کاملاپور سے مشرق کی طرف پاؤ میل ٹیلا بھی راما کا مشہور دیول ہے۔ یہ سب

[۵۱] ۔ اس مندر میں باوجود حالت کس مپرسی کے اب بھی ایسے ایسے نفیس اور وسیع ہال ہیں کہ لارڈ کرزن
جب تشریف لائے تھے تو ان کو اسی دیول کے ایک ہال میں بریکفسٹ دیا گیا تھا۔ ۱۲۔

بڑا مندر ہی لیکن ویران ہو اس کا صحن ہمپی کے دیول کے صحن سے دوچند ہو اور جابجا منڈپ موجود ہیں - ٹپا بھی راما کے دیول کے دروازے سے نکل کر پھر ہم حسرت و افسوس دل میں لئے ہوئے کاملاپور کے مسافر بنگلے کو پہنچ جاتے ہیں اور دیجانگر جیسے بڑے اور عظیم الشان شہر کے کھنڈروں کے نظارے کا خاتمہ ہوتا ہی -

اب ہم نے سیاح کو جہاں سے لے گئے تھے بیجانگر کی سیر کرا کے پھر وہیں پہنچا دیا ہی - سارا شہر اور سب مقامات تو کیا دیکھے ہاں جو دست برد زمانے سے بچا کھچا اور دیکھنے کے قابل تھا وہ دیکھ لیا جس طرح عمارات کی عظمت و شوکت اور صناعی کو دیکھ کر دل خوش ہوا ہوگا اسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں سے اس خطے کی تباہی سے افسوس بھی ہوا ہوگا اور رہا سہا حصہ ہندوؤں کے ہاتھ سے اور تباہ ہوا جنھوں نے خزانوں کی طمع سے کھود کھاد کر سب ملیا میٹ کر دیا - افسوس صد افسوس!!!

بریں تخت فیروزہ ہر صبح و شام　　یکے مہرہ بخت چینند بکام
کس آں تخت و ایں مہرہ با خود نبرد　　بکام دل از مملکت بر نہ خورد
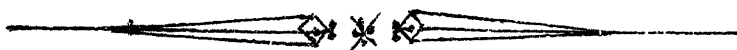
(شجرۂ خاندان اول بیجانگر)
سنگم
ہر ہیر یا ہر ہپّا اول
کمپا
سنگم
بکّا اول
(زوجہ گوری یا گورمبیکا)
ماریّا
مدپّا
ہر ہیر دوم (زوجہ ملمبیکا)
بکّا دوم
(؟) کشتر یتم
(؟) بھیم ترتی
دیورایا اول (زوجہ ہیمبیکا)
ویراوجایا (زوجہ نارانمبیکا)
دیورایا دوم
پرتاب دیورایا
دیرپاکش اول
ہلکارجن
یہ شجرہ اپیگرافیکا انڈیکا جلد سوم صفحہ (۳۶) سے نقل کیا گیا ہے

(شجرۂ خاندانِ دوم بیجانگر)
تماّ (زوجہ دیوکی)
ایشور (زوجہ بکماّ)
نرسایا نرسنہوا (تین بیویاں تھیں)
(سنہ ۱۴۹۸ء میں تخت پر غاصبانہ قابض ہوا)
از بطن پتاجی
ویر نرسنہوا
چند سال ۱۵۰۹ء تک راجہ رہا
از بطن ناگلا
کشن دیو
۱۵۰۹ء سے سنہ ۱۵۳۰ء تک
لڑکی زوجہ رام راج
لڑکی زوجہ ترمل راج
از بطن اُبا میکا
رنگا
زوجہ تھما
سداسیو
سنہ ۱۵۴۲ء سے سنہ ۱۵۶۷ء تک
برائے نام راجہ رہا۔
اچتیا
سنہ ۱۵۳۰ء سے سنہ ۱۵۴۱ و ۱۵۴۲ء تک
ونکٹ

(شجرہ خاندان سوم بیجانگر)
سری رنگا رائلو عرف رنگا اوّل
زوجہ ترمولانبا
ونکٹا دری
(۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا)
رنگا پنجم
گوپالا
(جس نے رنگا ششم کو متبنّی لیا تھا)
ترمل (رایا یا راج) اول
مسند آرا ۱۵۶۷ء
زوجہ رنگلا دختر کشن دیورایا
ونکٹا اول
۱۵۸۶ء و ۱۶۱۴ء
راما سوم
رنگا دوم
۱۵۷۵ء و ۱۵۸۶ء
رگھناتھ
رنگا سوم
راما چہارم
(کئی بھائیوں میں ایک)
ترمل دوم
"آلیا" یعنی راما در رام رایا (راج) دوم ۱۵۶۵ء
میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا از زوجہ ترومالمّا دختر
کشن دیورایا (راے)
سری رنگا رائیو چہارم
(پانچ بھائیوں میں ایک)
چنّا (خورد)
ونکٹ پتی رائیو (سوم)
رنگا ششم
جس کو گوپالا نے متبنّی لیا تھا ۱۶۴۲ء
پدا (کلاں)
ونکٹ پتی رائیو دوم
۱۶۳۲ء و ۱۶۳۶ء
زوجہ بنگارما
(لاولد)
منقول از اپیگرافیکا انڈیکا

(شجرہ خاندان سوم بیجانگر)

سری رنگا رائلو عرف رنگا اوّل
زوجہ ترمولانبا

ونکٹادری
(۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا)
رنگا پنجم
گوپالا
(جس نے رنگا ششم کو متبنیٰ لیا تھا)

ترمل (رایا یا راج) اول
مسند آرا ۱۵۷۶ء
زوجہ رنگلا دختر کشن دیورایا

- ونکٹا اول ۱۵۸۶ء و ۱۶۱۴ء
- راما سوم
  - رنگا سوم
    - راما چہارم
    - (دکنی بھائیوں میں ایک)
  - ترمل دوم
- رنگا دوم ۱۵۷۵ء و ۱۵۸۴ء
- رگھناتھہ

"آلیا" یعنی داماد رام رایا (راج) دوم ۱۵۶۵ء میں جنگ تالی کوٹہ میں مارا گیا (زوجہ ترومالمّا دختر کشن دیو رایا (راے)

سری رنگا رایلو چہارم
(دیا پنج بھائیوں میں ایک)

- چنّا (خورد)
  ونکٹ پتی رایلو (سوم)
  - رنگا ششم
    جس کو گوپالا نے متبنیٰ لیا تھا ۱۶۴۴ء
- پڈّا (کلاں)
  ونکٹ پتی رایلو (دوم)
  ۱۲۳۴ء و ۱۶۳۶ء
  زوجہ بنگارما
  (لاولد)

منقول از اپیگرافیکا انڈیکا

ضمیمہ صفحہ (۱۰۳)
(یہ شجرہ راجہ صاحب حال کا دیا ہوا ہے)
چنا ونکٹ پتی رایلو (سوم)
رنگا ششم
گوپالا کا متبنّی
ترمل
ویرونکٹ پتی رایلو
چندر گیری اور دوسرے مقامات کرناٹک میں حکمران تھا
اس نے ۱۶۳۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک قطعہ زمین کا
مدراس کے قریب دیا تھا جہاں اب قلعہ سینٹ جارج واقع ہے۔
رام دیو رایا عرف رنگا
سری رنگا رایلو
ونکٹ پتی رایلو عرف ونکٹا
راما رایلو
ترمل رایلو
ونکنا
(لاولد)
چنا رایلو
راما
راما
گوپالا
ویراونکٹ
(چنا داس کا متبنیٰ)
پیدا داس
(لاولد)
چنا داس رایلو
راما
ویرا ونکٹ پتی رایلو
پسر گوپالا جسے چنا داس نے متبنیٰ لیا تھا
ترملا پسر دیو راجہ پہلا گورنمنٹی پنشن خوار وفات ۱۸۲۴ء
مساۃ جلیّما
نرسنہوا راج
مساۃ کیشوما
ویرا ونکٹ پتی راج (پنشنر دوم)
۱۸۲۴ء تا ۱۸۳۱ء کو فوت ہوا
پدا پمپا پتی راج
رنگا پتی راج
(اس کے دو بیٹے تھے مگر لاولد)
چنا پمپا پتی راج
ترمل دیو رایلو پنشن خوار سوم ۱۸۳۱ء تا ۱۸۶۶ء
مساۃ لکشمی دیوی
(پدر از سنہو راج (پنشن خوار ششم)
۱۸۷۳ء تا ۱۸۸۳ء
ترملا (لاولد)
کمار راگھو راج
ونکٹ راما
۱۸۶۶ء
کرشنا دیو رایلو (لاولد)
پنشن خوار پنجم وفات ۱۸۷۳ء
دختر
کرشنا صغر سنی
میں فوت ہوا
زوجگان
مساۃ پمپا
مساۃ راجما
سداسیو
کمار راگھو
کودنڈ رام راج
کپا
جن کی شادی
کرشنا سے جو کہ
شاخ کا تھا اور
پنشن خوار ہفتم
تھا ہوئی تھی۔
پمپا پتی راج
جن کو رانی کپا نے ۱۸۸۸ء میں بہ منظوری
سرکار عالی نظام متبنیٰ لیا تھا راجہ کا پورا
نام یہ ہے (سری منت سری رنگا دیو رایلو
راجہ سمستان آناگندی)

خاندانِ دوم

	از	تا
نرسنھوا	سنہ ۱۴۹۰ء	(؟) (؟)
نرسایا ویر نرسنھوا	(؟)	سنہ ۱۵۰۹ء
کشن دیورایا	سنہ ۱۵۰۹ء	سنہ ۱۵۳۰ء
اچیتیا	سنہ ۱۵۳۰ء	سنہ ۱۵۴۲ء
سداسیو (جو مدۃ العمر مقید رہا)	سنہ ۱۵۴۲ء	سنہ ۱۵۶۷ء

خاندانِ سوم

راما (بحالتِ وزارت حکمراں رہا)	سنہ ۱۵۴۲ء	سنہ ۱۵۶۵ء
ترمل (ایضاً)	سنہ ۱۵۶۵ء	سنہ ۱۵۶۷ء
(ایضاً) (حقیقی راجہ)	سنہ ۱۵۶۷ء	سنہ ۱۵۷۵ء
رنگا دوم	سنہ ۱۵۷۵ء	سنہ ۱۵۸۶ء
ونکٹ اول	سنہ ۱۵۸۶ء	سنہ ۱۶۱۴ء

چھٹا ضمیمہ بیدر

بیدر[۱] کے عام حالات

حیدرآباد سے چالیس کوس ہے۔ قریب ترین ریلوے اسٹیشن دہارور ہے جہاں سے (۴۹) میل پیدل کا رستہ ہے۔ بدری برتن جس کی شہرت چار دانگ عالم میں ہے یہیں کی ساخت ہوتے ہیں گو لکھنؤ میں بھی یہ کام ہونے لگا ہے لیکن وہ نقل ہے اور یہ اصل۔ یہ بڑا مشہور تاریخی مقام ہے جہاں سلطنت بہمنیہ اور بریدشاہیہ مدتوں قایم رہی۔ بیدر ملک مرہٹواڑی۔ کرناٹک اور تلنگانہ کے وسط میں واقع ہے اور یہی وجہ ہے کہ تینوں زبانیں یہاں بولی جاتی ہیں۔ بیدر منجرہ پربت نامی ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہے اور سطح سمندر سے (۲۳۰۰) فیٹ اور بلدۂ حیدرآباد سے پانسو فیٹ بلند ہے۔ آب و ہوا یہاں کی نہایت خوش گوار ہے۔ پانی میں قدرتاً فولاد کی آمیزش ہے کیونکہ یہاں کی پتھر کی چٹانوں میں فولاد کے ذرے پائے جاتے ہیں۔ باولیات بہت عمیق ہیں۔ سرزمین سرخ اور پتھریلی اور چٹان دار ہے۔ شہر کی آبادی بارہ ہزار ہے۔ بیدر کنڑی لفظ ہے جس کے معنے بانس کے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں شہر کے گرداگرد بانس کا گھنا جنگل تھا اس وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔ رامائن اور مہابھارت میں اس کا قدیم نام "ودربھا" لکھا ہے اُس زمانے میں ملک دکن میں راجہ بھدر حکمراں تھا جو پانڈو قدیم راجہ بیدر کا غیر صحیح النسب لڑکا تھا۔ پروفیسر ولسن ملک ودربھا کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ ایک بڑا وسیع اور طاقتور خطہ تھا جو مختلف زمانوں میں مشہور رہا۔ رامائن اور پرانوں میں بھی ملک دکن میں اس خطہ کے بابتہ ایسا ہی لکھا ہے۔ مصنف۔ اعمال صالح نے بھی لکھا ہے کہ رؤساء دکن کا پایہ تخت بیدر ہی تھا مالوہ کے راجہ نل کے معشوقہ دمن جسکی

[۱] بیدر میں میں خود سالہا سال رہا ہوں میری ذاتی معلومات کے علاوہ جناب سید اسد اللہ صاحب عرف میر نواب مرحوم تعلقہ دار بیدر کی فارسی کتاب مختار الاخبار اور نواب فرامرز جنگ بہادر کی انگریزی کتاب گائیڈ ٹو بیدر سے بھی کافی مدد ملی ہے۔ مرحوم جو میرے محسن بھی تھے اُن کے حق میں دعائے مغفرت اور نواب صاحب کا شکریہ پیش کرتا ہوں۔ ۱۲ من المصنف۔

مثنوی نلدمن مشہور ہی بھمسین راجہ بیدر کی لڑکی تھی - یہ بھی کہا جاتا ہی مگر قابل وثوق طور پر ثابت نہیں ہی کہ مسلمانوں کی سلطنت کے پہلے بیدر راجگان ورنگل کے قبضے میں تھا جس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہی کہ وہ گڑھی[۱] جو تالاب کے نزدیک پہاڑی کھو میں اب تک موجود ہی سب سے پہلی عمارت اس شہر کی یہی تھی جہاں چند گڈریوں نے اپنی جھونپڑیوں کے ساتھ مہادیو کا دیول قلعے کی مشرقی کونے میں بنا لیا تھا جو اب بھی موجود ہی جس کا شہرہ ایسا ہوا کہ رئیس ورنگل خود اُس کی پوجا کو آیا اور اُن دنوں کثرت سے خلایق اس کے درشن کو جمع ہوتی تھی - چند جھونپڑیوں سے بڑھتے بڑھتے ایک گاؤں ہوگیا اور گاؤں کے اطراف حصار بھی گھیر لیا گیا اور رفتہ رفتہ اس گاؤں کی حیثیت ایک بڑے شہر کی ہوگئی جو راجہ ورنگل کے تابع تھا - خاندان راجگان ورنگل کے زوال کے بعد سلاطین خاندان خلجیہ بیدر پر قابض ہوگئے - ۱۳۲۲ء میں غیاث الدین تغلق کے بڑے بیٹے الف خاں نے بیدر کو فتح کیا اور بروایت فرشتہ صوبہ بیدر کی آمدنی اُس زمانے میں ایک کروڑ روپیہ سالانہ تھی -

اس کے بعد سلاطین خاندان بہمنیہ گلبرگہ قابض رہے - سلطان احمد شاہ بہمنی نے سرزمین و آب ہوا سے بیدر کو پسند کرکے ۸۳۲ھ میں گلبرگہ سے اپنا دارالسلطنت بیدر میں منتقل کیا - اور احمد آباد بیدر نام رکھا جو آگے چل کر محمد شاہ کے نام پر محمد آباد بیدر ہوگیا اور اسی نام سے اب تک مشہور ہے - ۹۰۸ھ میں بعد زوال خاندان بہمنیہ بریدی خاندان کے بادشاہوں کی حکومت رہی - علی برید نے جو تیسرا بریدی بادشاہ تھا - پچھلی عمارات اور گنبدوں کو بالکل ڈھاکر ۹۶۲ھ میں قلعہ کی فصیل از سر نو بنوائی جس کا دور چھ میل تھا اور (۳۵) عظیم الشان برج بنوائے فصیل کے اطراف ایک گہری خندق ہی جو چٹان میں کاٹی گئی ہی - قلعہ کے تیرہ دروازے ہیں (۱) گاوگی دروازہ (۲) تلگھاٹ دروازہ - (۳) پتال نگری دروازہ (۴) منگل پیٹھ دروازہ (۵) فتح دروازہ (۶) شاہ گنج دروازہ (۷) کرناٹک دروازہ (۸) کلیانی دروازہ (۹) دہلی دروازہ (۱۰) ہمنت گرگلی دروازہ (۱۱) پرملہ دروازہ (۱۲) مہادے دروازہ (۱۳) دلہن دروازہ - ان دروازوں میں سے آٹھ دروازے بالکل بند ہیں ان دروازوں پر جو کتبے ہیں وہ یہ ہیں -

[۱] چھوٹے دیول کو کہتے ہیں - ۱۲

شاہ گنج دروازہ "روز چہار شنبہ پانزدہم شوال ۱۴ سنہ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت جم جاہ ملائک سپاہ محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق سنہ ۱۰۸۱ ہجری النبوی در صوبہ داری کمترین بندگان مختار خان الحسینی السبزواری این دروازہ صورت اتمام پذیرفت"

تل گھاٹ دروازہ "روز دوشنبہ شہر دویم ذی قعدہ سنہ ۱۵ جلوس میمنت مانوس قدر قدرت جمجاہ ملائک سپاہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق سنہ ۱۰۸۲ ہجری نبوی در صوبہ داری بندگان مختار خان الحسینی السبزواری این دروازہ صورت اتمام پذیرفت"

محمود گنج المعروف بہ منگل پیٹ دروازہ سنہ ۱۲۶۶ھ منگل پیٹ کے دروازے کے باہر ایک دلیل ہنود کا ہی جس کے متصل ایک دروازہ نواب ناظر الدولہ بہادر آصف جاہ مغفرت مآب کا بنوایا ہوا ہی جس پر یہ کتبہ ہی:۔

"حسب الفرمان جلیل الشان اعلیٰ حضرت قدر قدرت حضور پر نور نواب ناصر الدولہ آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بروز یکشنبہ یازدہم شہر ربیع الثانی مطابق سنہ ۲۲ جلوس ہمایوں و تعلقہ داری و حسن ارادت بندۂ جاں فشاں شمس الدین خاں عرف ابن صاحب طیاری دروازہ حصار قلعہ روبروے محمود گنج فی ۱۲۶۶ھ نبوی زیب اتمام پذیرفت وللہ الحمد والمنۃ"

نورس دروازہ المعروف بہ فتح دروازہ بر تختی پر کندہ ہی ۔ "روز جمعہ پانزدہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۴ جلوس میمنت مانوس حضرت قادر قدرت جمجاہ ملائک سپاہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق سنہ ۱۰۸۲ ہجری نبوی در صوبہ داری کمترین بندگان مختار خاں الحسینی سبزواری این دروازہ صورت اتمام پذیرفت"

یہاں کا قلعہ بہت وسیع نہایت خوش نما اور مستحکم بنا ہوا ہی جو اب تک جوں کا توں قایم ہی ۔ عمارت کے استحکام کی یہ حالت ہی کہ گچ کے مکانات میں کیل نہیں گڑ سکتی ۔ قلعہ کا

دور (۲۵۰۰) گز اور فصیل کی بلندی پندرہ گز ہی۔ فصیل کی دیواریں (۵۰) فٹ چوڑی ہیں۔ جن پر با فراغت چلا پھرا جا سکتا ہی۔ ہر چھ سو فیٹ پر ایک ایک چبوترہ توپ رکھنے کے لئے بنا ہوا ہی۔ قلعے کے گرد تہری عمیق خندقیں ہیں۔ سلطان احمد شاہ۔ نے قلعہ مشہور کاریگروں سنگ تراشوں۔ معماروں کو ہندوستان اور دیگر بلاد سے بلاکر چار سال میں بنوایا ہی سنہ ۸۶۲ھ میں علی برید نے اس قلعہ کی جو ترمیم کی ہی اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہی۔

فتح برج پر فتح لشکر توپ ۹۸۸ھ

شاہ گنج دروازے سے جانب مغرب ایک بہت بڑا برج ملتا ہی جس کا نام "فتح برج" ہی اس پر ایک بہت بڑی توپ فتح لشکر ہی جو پنچ رسی دہات کی بنی ہوئی ہی اس دہات کو بنگڑی کہتے ہیں۔ یہ توپ ڈھلی ہوئی ہی۔ اس کا طول ۱۱½ فیٹ۔ قطر (۲) فیٹ (۳) انچہ اور دہانہ کا قطر (۱) فیٹ (۲) انچہ ہی۔ اس حسب ذیل عبارت طلائی طغرے میں کندہ ہی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم غلولہ پنج من ونیم سیر دارو یک من ودہ سیر اگر خواہد کہ ازیں زیادہ بیندازد دو صافی کند دیگر دہ سیر زیادہ کند۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا وَيَنصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا

توپ ظفر پیکر مسمی بہ فتح لشکر در زمان دولت اعلیٰ حضرت عالی جاہ میرزا شاہ محمود المخاطب بہ ہمایون اکرم برید شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ فی التاریخ سنہ ۹۸۸ھ

فتح لشکر کہ ز سہمش دل اعدائے حزیں
راست چوں برق فرود آمدہ بر روئے زمیں

تند چوں در دہن اژدری جنگ بود
اژدہائے کہ سر خصم فرو بردہ بہ کیں

حروف مقطعات قرآنی

الرٰ۔ المٓصٓ۔ الرٰ۔ الرٰ۔ الرٰ۔ الرٰ۔ المرٰ۔ الرٰ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ طٰہٰ۔ طٰسٓمٓ۔ طٰسٓمٓ۔ المٓ۔ المٓرٰ۔ المٓرٰ۔ یٰسٓ۔ صٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ حٰمٓ۔ قٓ۔ نٓ۔ کتبہ عبدہٗ اللہ

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ بردنبالہ مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي بِرَحْمَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

فتح برج سے شاہ گنج دروازے کی فصیل (۱۳۵۰) فیٹ ہی- فتح دروازہ کی بلندی (۲۴) فیٹ اور عرض (۱۲) فیٹ (۸) انچہ اس جگہ خندق کا عمق (۱۶) فیٹ ہی اور فصیل کی بلندی دروازے کی ایک جانب ۱۶ ½ فیٹ ہی لیکن داہنی طرف ۲۳ فیٹ (۴) انچہ ہی-

اور تین توپیں فتح دروازے کے غربی جانب اور آگے بڑھ کر اور تین توپیں ہیں جن پر ۱۱۳۵ھ اور محمد قاسم کا نام کندہ ہی- اسی کے پاس ایک اور چھوٹی توپ پڑی ہوئی ہی جس کا سنہ بھی اُسی میں ہی-

ٹنڈلہ برج واقع حصار شہر پر کی محمودی توپ ۹۰۵ھ اس توپ پر یہ اشعار کندہ ہیں:-

حبذا توپے پر آشوبے زآوازے بلندش گر کنند گوش فلک را برکند کوہ از بن

شاہ کسریٰ معدلت قاسم برید پادشاہ ہند و سند و مالک ملک دکن

اختتام توپ در شہر محرم بودہ است توپ محمودی کہ نامش شد ز شاہ صف شکن

افضلی می جست تاریخش سروش غیب گفت توپ بے مثلے بود تعریف او در ہر قرن

۹۰۵ھ ۱۵۲۶ ۹۲۱

چوپارہ حیدرآباد سے آنے والا شخص شہر بیدر میں فتح دروازے سے داخل ہوتا ہی جو شہر کے جنوب میں ہی- شہر بیدر چوپڑ کی طرح بسا ہوا ہی جس کے بیچ میں ایک بڑا برج ہی جس کا اصلی نام چوپارہ ہی مگر عام طور پر چوبارہ کہلاتا ہی- اس پر جانے کے لئے چکّر دار سیڑھیاں ہیں جس کے چاروں جانب وسیع سڑکیں نکلتی ہیں جیسے حیدرآباد کا چار مینار چوبارے کی بلندی (۷۱) فیٹ ہی اور بہت قدیم زمانہ کا اہل ہنود کا بنایا ہوا ہی جو کسی زمانے میں دیپ منڈل تھا جس پر روشنی کی جاتی تھی چوبارے کی تعمیر کا سنہ نہیں ملتا- اب اس میں پولیس کا اسٹیشن ہی چوبارے کے بالائی طبقہ کو سہراب جی صاحب اول تعلقہ دار کے زمانے میں بطور کلاک ٹور کے بنا کر اُس پر ایک گھنٹا لگا دیا گیا ہی- اس کے مشرق میں دو باولیاں کسی دیول کی ہیں مگر دیول کا اب کہیں نشان بھی نہیں رہا-

تعلیمیں اس شہر میں چوبارے کی چاروں سڑکوں کے لحاظ سے شہر کی تقسیم چار تعلیموں پر کی گئی ہی- پنسال- منہار- سدّی- نور خاں- محرم میں ہر ہر تعلیم اپنے اپنے تعزیے

اور علم نکالتی ہے۔

جامع مسجد فتح دروازے کی سڑک سے چوبارے کو آتے وقت ایک بہت بڑی جامع مسجد ملتی ہے جو ایک عمدہ اور قدیم شاہی عمارت ہے جو قاسم برید ثانی کی بنائی ہوئی ہے۔ اسی سڑک پر گوبند مہاراج کا مندر ہے جس میں سدابرت جاری ہے اور سال میں دو مرتبہ اُچھاؤ ہوتا ہے۔

محبوب گنج اور چیتہ خانہ وغیرہ عمارات چوبارے سے ایک سڑک محبوب گنج۔ چیتے خانہ اور شاہ گنج دروازے کو جاتی ہے۔ محبوب گنج بیدر کا بڑا مارکٹ ہے اور چیتہ خانہ ایک قدیم پست عمارت ہے جہاں اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کے چیتے ہرن کے شکار کے لئے سدھائے جاتے ہیں اس کے آگے بڑھ کر ایک کمان ہے جو درگاہ کی کمان کے نام سے مشہور ہے جو حضرت ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ کے محاذی ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور شاہ گنج دروازہ ہے جس کے باہر ٹپہ خانہ (ڈاک خانہ) ایک مسجد اور مسافر بنگلہ ہے۔ چیتے خانہ کے عقب میں قدیم عمارت شاہی میں مہتمم صاحب کوتوالی کی کچہری ہے۔

محمود گاوان کا مدرسہ چوبارے سے جو سیدھی سڑک قلعہ کو جاتی ہے خونی چبوترے کے پاس محمود گاوان وزیر اعظم محمد شاہ بہمنی کے عظیم الشان مدرسہ کی عمارت ہے۔ بادشاہ نے خواجہ محمود گاوان کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر وزارت سے سرفراز کیا۔ محمود گاوان کا رہنے والا تھا جو گیلان ملک فارس میں ہے اس کا اصلی نام ملک شاہ محمد تھا اور چنگیز خاں کی اولاد میں تھا۔ اس کے باپ دادا گیلان کے وزرا تھے۔ محمود چالیس برس تک دنیا کے مختلف مقامات میں سیاحت کرتا رہا اور علاءالدین بہمنی کے زمانہ میں تاجرانہ حیثیت سے بیدر وارد ہوا بادشاہ نے اس کو بیدر کا حاکم مقرر کیا۔ محمود گاوان نے علاءالدین اور محمد شاہ لشکری دونوں بادشاہوں کے زمانے میں ملک کا انتظام کیا۔ یہ شخص بڑا لائق تھا۔ فلسفہ منطق ہیئت۔ ریاضی طب اور جراحی سب علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ صاحب تصنیف اور شاعر بھی تھا۔ خاندان بہمنیہ میں اس سے بہتر اور اس سے زیادہ

ؔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ایک موقع پر اس کی انشاپردازی کی نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:-

بیدار مغز کوئی وزیر نہیں ہوا۔ اس کے عہد میں سلطنت بہمنیہ کو بے انتہا عروج ہوا۔ کثرت سے فتوحات ہوئے اور ملک کا رقبہ اس قدر وسیع ہوگیا کہ بجائے چار صوبوں کے آٹھ صوبے ہوگئے۔ دولت آباد۔ جنیر۔ بیجاپور۔ حسن آباد گلبرگہ۔ ماہور۔ کاویل۔ ورنگل راجمندری۔ دارالسلطنت کا نام بھی بجائے احمد آباد بیدر کے محمد آباد بیدر قرار پایا۔ (جو اب تک قایم ہی) محمود گاوان کے حسن انتظام سے خوش ہوکر بادشاہ نے اُسے "خواجہ جہاں" کا خطاب دیا جس دن سے یہ خطاب ملا وہ کہا کرتا تھا کہ سب سے پہلے یہ خطاب علاؤالدین کے زمانہ میں خواجہ مظفر علی استرآبادی کو ملا تھا جس کے چند ہی روز بعد محمد شاہ نے اُسے قتل کیا اس کے بعد خواجہ جہاں ترک کا نمبر آیا وہ بھی قتل ہوا اب تیسرا نمبر میرا ہی۔ حیرت کی بات ہی کہ یہ بات سچ ہوئی۔ خواجہ جہاں کو ایک عرصے سے امور سلطنت میں جزو کل کا اختیار حاصل تھا۔ اس نے بادشاہی حکومت کو مستحکم کرنے کے خیال سے بہت کچھ اصلاحیں کیں امراء کے زور گھٹا دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خودغرض اور ناعاقبت اندیش لوگ اس کی جان کے دشمن ہوگئے اور ایک گہری سازش اس کے خلاف قایم ہوگئی جس سے وہ بے خبر نہ تھا بلکہ وہ سلطنت کی خیرخواہی میں ایسا منہمک تھا کہ اُس نے اس کی کچھ پروانہ کی۔ خواجہ جہاں اور یوسف خاں دونوں میں باپ بیٹے کے سے تعلقات تھے اور نہایت اخلاص تھا۔ یوسف ہر طرح کی خبر رکھتا تھا اُس کی موجودگی میں کسی کو کچھ جرارت نہ ہوئی لیکن جب وہ ایک مہم پر چلا گیا اور میدان خالی ہوگیا تو ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی نے جو خواجہ کے دست گرفتہ تھے ملک حسن نظام الملک بحری سے مل کر یہ امر پایا کہ خواجہ کو نکلوانے کے لیئے یہ اچھا موقع ہی اس وقت یوسف بھی یہاں نہیں ہی کہ روک تھام کرے گا ظریف الملک اور مفتاح حبشی اور چند غلامان ہندی نے خواجہ کے ایک حبشی غلام کہ جس کے پاس اُس کی مہر[۵] رہتی تھی دوستی گانٹھی اور انواع واقسام کے جواہر گھوڑے تحائف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹۔ نظم ونثرش ہیں کہ پنداری دبیر چرخ کرد ہا عقد پرویں ورثنا سے بےمنایت نقشہا
یا خود افتاد دست مخزونات گنج پُر گہر برلبساط عرض بعضے متصل بعضے جدا

[۵] اس مُہر پر "عاقبت محمود باد" کندہ تھا۔ ۱۲

اور نقد وغیرہ دے کر اُس کو اپنا گرویدۂ احسان کر لیا - ایک دن خواجہ کے غلام کی مجلس میں شراب خوب چل رہی تھی کہ ظریف الملک اور مفتاح حبشی اپنے ہاتھ میں ایک لپٹا ہوا سادہ کاغذ لے کر گئے اور کہا کہ یہ ہمارے فلاں دوست کی برارت ہے اس پر اکثر امرا کی مہریں ہو چکی ہیں اگر تم بھی خواجہ کی مہر لگا دو تو ہم تمھارے بڑے مرہون منت ہوں گے غلام نے سخت بے وقوفی کی کہ ان کے اعتبار پر کاغذ کو کھول کر بھی نہ دیکھا اور نشے کی حالت میں جہاں اُنھوں نے بتلایا مہر کر دی - ظریف الملک اور مفتاح حبشی اُسی وقت رات کو ملک حسن نظام الملک بحری کے مکان پر گئے اور ان سب کی رائے سے خواجہ کی طرف سے ایک تحریر رائے اڑیسہ کے نام اس مضمون کی لکھی کہ سلطان محمد شاہ کی شراب خواری اور ظلم سے ہم تنگ آ گئے ہیں راج مندری کی طرف کوئی حاکم نہیں ہے وہ رُخ خالی ہے یہ موقع ایسا ہے کہ تمھاری ادنیٰ توجہ سے ملک دکن فتح ہو سکتا ہے تم بلا روک ٹوک لشکر لا سکتے ہو یہاں کے اکثر امرا میرے کہنے میں ہیں میں بھی چاروں طرف سے بغاوت شروع کرتا ہوں اور بادشاہ کا خاتمہ کر دینے کے بعد ہم تم علی السویہ سلطنت کو تقسیم کر لیں گے اس تحریر کو حسن نظام الملک نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا - بادشاہ نے جب اُس پر خواجہ کی مہر دیکھی تو متحیر ہو گیا حسن نظام الملک نے موقع پا کر خوب کان بھرے اور بادشاہ کو ایسا بھڑکایا کہ اُس نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ رائے اڑیسہ کے پاس یہ کون لے جا رہا تھا - تمھارے ہاتھ یہ کاغذ کیسے لگا بلکہ خواجہ کو بلا بھیجا - خواجہ کے ہوا خواہوں نے اس امر کی پہلے ہی اطلاع کر دی اور کہا کہ موقع نازک ہے اگر آج کسی بہانے سے آپ دربار میں نہ جائیں تو اچھا ہے - خواجہ نے یہ بیت پڑھی ؎

چوں شہید عشق در دنیا و عقبیٰ سرخ روست
خوش دمے باشد کہ مارا کشتہ زیں میداں برند

اور کہنے لگا کہ یہ ڈاڑھی جو کہ ہمایوں بادشاہ کی خدمت گزاری میں سفید ہو گئی ہے اگر اُس کے بیٹے کے ہاتھ سے رنگین ہو جائے تو سرخ روئی کا باعث ہے بھلا تقدیر کا لکھا کہیں مل سکتا ہے اور قضا سے کوئی بچ سکتا ہے - خواجہ جہاں سے چند امرائے کبار نے جو اُس کے متوسلین میں تھے

تھے یہ خبر وحشت اثر سن کر کہلا بھیجا کہ ہزار سوار آپ کے خاصے کے موجود ہیں اگر خداوند نعمت ایسے وقت گجرات تشریف لے جائیں تو ہم جان نثار ہم راہ رکاب جان و مال سے حاضر ہیں خواجہ نے جواب دیا کہ مدت دراز سے اس سلطنت کا نمک خوار ہوں اور مجھ سے اب تک کوئی تقصیر نہیں ہوئی مجھ کو امید نہیں ہو کہ بادشاہ دشمنوں کی مجرد تہمت پر بلا پوچھے گچھے یکایک الزام بے دفائی اس جان نثار پر لگائے گا - ایسے وقت ٹل جانا نمک حرامی ہو - اور اُسی وقت بادشاہ کے حضور میں بلا عذر حاضر ہوگیا - بادشاہ نے پوچھا "اگر کوئی شخص اپنے ولی نعمت کے ساتھ بے وجہ نمک حرامی کرے اور اُس کی نمک حرامی کا یقین ہوجائے تو اُس کی کیا سزا ہو؟"

خواجہ جہاں - ایسا بدبخت کہ جو اپنے مالک کے ساتھ نمک حرامی کرے اور اُس کا یقین ہوجائے تو اُس کی سزا سوائے شمشیر آبدار کے اور کچھ نہیں ہو - بادشاہ نے اُسی وقت وہ خط بتلایا - خواجہ نے دیکھ کر یہ آیت پڑھی سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ اور عرض کیا کہ اس پر مہر تو بے شک میری ہو لیکن خط میرا نہیں اور نہ مجھے اس کی خبر اور قسمیہ اس مضمون کو اس قطعہ میں بیان کیا ؎

بہ خدائے کہ جوہر امر شش	اہل معنی بخون دل سفتند
کہ چو بہتانِ یوسف و گرگ ست	آنچہ از بندہ دشمناں گفتند

ہر چند خواجہ نے عرض معروض کی اور عذر لاعلمی کا کیا لیکن بادشاہ شراب کے نشے میں چور تھا اور قہر و غضب اُس کے چہرے سے ظاہر تھا ایک نہ سنی اور خاندان بہمنیہ کے زوال کا وقت بھی آگیا تھا کچھ پوچھ گچھ بھی نہ کی اور برہم ہو کر مجلس سے اُٹھ گیا اور جاتے جاتے جوہر نام حبشی کو خواجہ جہاں کے قتل کا حکم دے گیا - خواجہ نے عرض کی کہ میں تو بڈھا ہوگیا ہوں اور یوں بھی میری عمر پوری ہوچکی ہو میرا قتل آپ جیسے اولوالعزم بادشاہ کے نزدیک بالکل آسان ہو لیکن اس سے ملک کی خرابی اور آپ کی بدنامی البتہ ہوگی - بادشاہ غصے میں اندھا ہو رہا تھا اُس نے سنی کی اَن سنی کر دی اور کچھ جواب نہ دے کر محل سرا میں چلا گیا - جوہر حبشی تلوار کھینچ کر آن پونچا -

؎ حاشا و کلا یہ تو بڑا بھاری بہتان ہو - ۱۲

خواجہ دوزانو قبلہ رو بیٹھ گیا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا اور جب تلوار اُس کی گردن پر پڑی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی نِعْمَۃِ الشَّہَادَۃِ کہتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا خواجہ کی عمر ستاسی سال کی تھی۔ اس نے شہادت سے چند روز پہلے ایک قصیدہ اسی بادشاہ کی مدح میں کہا تھا جس کی دو بیتیں یہ ہیں۔

ابیات

شد شکل ضرب تیغت بر دوش جاں حمائل — ہیکل ز حرز سیفی وانگہ ہراس ای دل
تیغ تو آب حیواں مروم ز حسرت آں — آرے بہ عہد من شد آب حیات قاتل

یہ اندوہ ناک واقعہ ۵ صفر ۸۸۶ھ کو ہوا۔ ملا عبد الکریم ہمدانی مصنف تاریخ محمود شاہی نے جو شاگرد اور مرید خواجہ کا تھا یہ قطعہ تاریخ کہا ہے۔

قطعہ

شہید بے گناہ مخدوم مطلق — کہ عالم را ز جودش بود رونق
وگر خواہی کہ تاریخ وفاتش — فرو خواں قصۂ قتل بہ ناحق

ایک تاریخ کسی اور نے کہی ہے

سال فوتش گر کسے پرسد بگو — بے گناہ محمود گاواں شد شہید

ملا سامعی جو خواجہ کا ندیم اور نوکر تھا اُس نے یہ قطعہ کہا ہے۔ قطعہ۔

چوں خواجۂ جہاں را ہر گز حرام خواری — در دل نہ بود و می کرد پیوستہ جاں سپاری
گشت او شہید مغفور ای سامعی بتحقیق — تاریخ کشتن او جواز حلال خواری

اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد بادشاہ کا نشہ اُتر گیا اور ہوش میں آیا اُس وقت اُس کو معلوم ہوا کہ خواجہ جہاں بالکل بے گناہ تھا اور جن لوگوں نے اُس کے مقابلے میں یہ سازش کی تھی اُن کو بھی بادشاہ نے اُسی وقت قتل کرا دیا۔ خواجہ جہاں کا مقبرہ اب تک شہر بیدر سے بجانب شمال دو میل کے فاصلے پر شربت باغ کے متصل ایک ٹیلے پر واقع ہے جہاں اُس کا بنایا ہوا ایک تالاب بھی ہے اس کے علاوہ اُس کا بنایا ہوا ایک [۲] بہت بڑا

---

[۱] شہادت کی نعمت پر اللہ کا شکر ہے ۱۲ [۲] یہ عمارت نہایت مستحکم اور رفیع الشان لداؤ کی ہے اور ایک طرف

عالی شان مدرسہ بلدۂ بیدر میں اب تک موجود ہی۔ جس کی عمارت عجائبات روزگار سے ہی۔ یہ مدرسہ دو سال نو مہینے میں محمد شاہ لشکری کے زمانے میں جو خاندان بہمنیہ کا بارہواں بادشاہ تھا بنا۔ اس میں علاوہ مدرسہ کے ایک بڑا بھاری کتب خانہ بھی تھا۔ قطعہ تاریخی یہ ہی۔ قطعہ

این مدرسۂ رفیع محمود بنا ‏ چوں کعبہ شدش قبلۂ اہل صفا

آثار قبول ہیں کہ شد تاریخش ‏ از آیت ربنا تقبل منا

۸۷۸ھ م ۱۴۷۳ء

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳۔ مسجد اور اُس سے ملے ہوئے چو طرفہ دو منزلہ وسیع ہال بنے ہوئے ہیں جن میں علماء و فضلاء و طلبہ رہتے تھے۔ جو طالب العلم مدرسہ میں رہتے تھے اُن کو کھانا کپڑا مفت ملتا تھا۔ مساکین اور نو واردوں کو ہر روز لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ اس عمارت کا طول شرقاً و غرباً (۲۰۰) فیٹ اور عرض شمالاً و جنوباً (۱۷۰) فیٹ ہی۔ اس مدرسے کے سامنے دو بلند مینار تھے جن میں سے ایک اب تک قائم ہی جس کی بلندی سو فیٹ ہی اور اندر چکر دار سیڑھیاں اوپر چڑھنے کے لئے بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ عمارت بے انتہا مضبوط تھی لیکن سوء اتفاق سے طیار ہونے کے سوا دو سو سال بعد بجلی گرنے سے ایک مینار اور نصف حصہ مدرسہ کا اُڑ گیا۔ یہ واقعہ ۱۱ رمضان ۱۱۰۷ھ میں ہوا جب کہ کئی سو آدمی نماز تراویح میں مصروف تھے۔ یہ بیچارے بھی سب اُڑ گئے چنانچہ اس مدرسے کے احاطے میں گنج شہیداں موجود ہی۔ اس واقعہ کی تاریخ خراب شد ہی (۱۱۰۷ھ)۔ چوں کہ جلال الدین خاں قلعہ دار بیدر نے مدرسے کے ایک حصہ میں باروت کا ذخیرہ رکھا تھا اس سبب سے یہ افسوس ناک واقعہ بہت سخت ہوا۔ مدرسے کے پیش میں دیوار شرق رویہ کے بلند مقام پر نیلی چینی کی زمین پر سفید چینی کے نہایت جلی حروف میں کلام مجید کے چوبیسویں پارے کے چوتھے رکوع کی یہ آیت منقوش ہی وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا تا نِعْمَ أَجْرُ الْعٰلِمِيْنَ جو مینار گر گیا ہی اُس کے گرے ہوئے ڈھگار اب تک پڑے ہیں جو کسی کے پھوڑے پھوٹ نہیں سکتے۔ تمام مدرسے میں گنبدوں کے اندر مینا کاری کے کام سے سارا کلام مجید لکھا ہوا تھا۔ بہت سی جگہ کھپر کے کھپر گر گئے ہیں کچھ کچھ اب بھی باقی ہی۔ مینار پر لاجوردی اور سنہری کام کہکشاں کے مختلف رنگوں کا اس غضب کا تھا کہ آج تک جب آفتاب محاذی آتا ہی تو چمکتا ہی۔ اس مکان میں اب بھی اس قدر گنجایش ہی کہ

مکانات قاضی صاحب شفاخانہ اور ناصر الدولہ بہادر کی حویلی مدرسے کے سامنے قاضی بیدر کا مکان ہے تھوڑی دور آگے شفاخانہ ہے۔ اس کے آگے نواب ناصر الدولہ بہادر کی حویلی ہے جس میں نواب سکندر جاہ بہادر تین سال رہے اور نواب ناصر الدولہ بہادر اسی حویلی میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ملتانی بادشاہ کی درگاہ ۹۳۵ھ آگے بڑھ کر ایک بڑا دروازہ ملتا ہے جس کے دو منارے ہیں جو سید نعمت اللہ ولی کرمانی کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ آپ کرمان ملک فارس کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے آپ کے پوتے سید شاہ خلیل اللہ بت شکن سلطان احمد شاہ نویں بادشاہ بہمنی کے زمانہ میں بیدر تشریف لائے تھے اور بادشاہ نے آپ سے بیعت کی تھی۔ اس کے آگے ڈاکٹر کے رہنے کا مکان ہے اُس کے بعد تل گھاٹ دروازہ ہے جہاں سے اسٹور کو راستہ جاتا ہے قلعے سے خندق کے متوازی ایک سڑک حضرت شیخ ملتانی بادشاہ کی درگاہ کو جاتی ہے جو بیدر کے مشہور اولیاءاللہ ہیں۔ آپ کا پورا نام حضرت ابو الفتح شاہ محمد شمس الدین الشریف الملتانی القادری ہے درگاہ شریف اندرون حصار دروازۂ شاہ گنج کے متصل ہے۔ آپ کا وصال غرہ شوال ۹۳۵ھ میں ہوا۔ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے:۔

بعلم معرفت در اہل عرفاں ۔۔۔ محمد شاہ ملتانی کامل
بجستم سال تاریخ وفاتش ۔۔۔ ندا آمد بمولا گشت واصل ۹۳۵ھ

پتال نگری چوبارے سے مشرق رُخ جو سڑک جاتی ہے اُس کے آخر میں ایک راستہ فصیل کے بازو بازو پتال نگری کے محلے کو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ابو الفیض اور شاہ ابو الحسن کی درگاہیں ۹۹۲ و ۱۰۰۹ھ شہر کے جنوب و مشرق میں منگل پیٹھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴ — سالہا سال ضلع کا انجنیر مع عملہ و دفتر اسی میں رہتا تھا اور اب تک یہی ضلع کا مدرسہ اسی میں تھا اب چند روز سے جدید مدرسہ بن جانے سے یہ عمارت خالی پڑی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی نے اس مدرسے کے تاریخی قطعے میں ''وہ این عمارت تا قیامت پائدار'' لکھا تھا اسی وجہ سے یہ نتیجہ ہوا۔ ۱۲۔

دروازے کے باہر حبشی گارڈ کے متصل حضرت شاہ ابوالفیض من اللہ حسینی کی درگاہ شریف ہے۔ آپ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے پوتے ہیں یہ درگاہ ایک گھنی امرائی میں واقع ہے اس درگاہ کا دروازہ نہایت خوش نما اور لاجوردی مینا کاری کام کا ہے۔ دروازے کے پٹ اور چوکھٹ سبز رنگی ہوئی ہے۔ اندر تین قبریں ہیں جن پر غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ درگاہ کے احاطے کے اندر فرش پر زائرین نے کثرت سے روپیہ گاڑ دیئے ہیں۔ مقبرے کی بلندی (۸۰) فٹ ہے۔ درگاہ کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے

تسعین تسع مائۃ

سنہ ۹۹۲ھ

تاریخ عمارت مبارک بشد

حبذا گنبد عالی کہ آسودہ درو شاہ فردوس مکاں شاہ علی رہبر دیں

سال تاریخ بنائش ز خرد جستم و گفت ہاتف از غیب کہ شد گنبد فردوس بریں

سنہ ۹۹۲ھ

حضرت ابوالفیض کی درگاہ کے محاذی حضرت شاہ ابوالحسن کا گنبد ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔

سِتَّۃ تِسعُ وَّ ثمانِیْنَ اَلفِ

سنہ ۱۰۸۹ھ

تاریخ این عمارت مبارک بشد

ابوالحسن شاہ دیں و عارف حق کہ ولی نبی سرشت آمد

حبذا گنبدے کہ مرکز او گوئی از راست کہ بہشت آمد

ہاتف از غیب گفت تاریخش خاتم خواجگان چشت آمد

سنہ ۱۰۸۹ھ

حضرت بخشی بیگم صاحبہ کا مقبرہ درگاہ شریف کے قریب دو قبریں نواب نظام علی خاں بہادر کے صاحبزادوں میر حسام الدین اور میر رضا علی کی ہیں۔ درگاہ کے مغرب میں نواب نظام علی خاں کے بیوی عاشورہ بیگم عرف بخشی بیگم صاحبہ کی قبر ہے جس کے اطراف سنگ مرمر کی نہایت نفیس جالی ہے۔ ان قبور کی نگرانی کے لئے ایک داروغہ اور عملہ ہے اور روزانہ لنگر

تقسیم ہوتا ہے۔

سید سادات کی درگاہ اور چشمہ سنہ ۹۰۰ھ

اس مقام پر نشیب میں دو گنبد اور ایک مسجد اور ہے جن میں سے ایک حضرت سید سادات سید حنیف صاحب کا مشرق کے رخ پر ہے آپ بڑے بزرگ تھے۔ آپ کا وصال سنہ ۹۰۱ھ میں ہوا۔ مسلمان اور ہندو دونوں آپ کے معتقد ہیں کہ ہر جمعرات کو منت مراد والے جمع ہوتے ہیں اور چشمہ میں نہاتے ہیں۔ اس چشمہ کا پانی شیر گرم ہے اور چوں کہ معدن سے نکلتا ہے امراض جلدی کے واسطے ازیں مفید ہے۔ اس میں کثرت سے پانی کے سانپ ہیں مگر وہ نہانے والوں کے پاس نہیں پھٹکتے ہندو اس کو "نانک جھرا" کہتے ہیں۔ اس چشمہ پر یہ کتبہ ہے:۔

بنا کرد این عمارت چشمۂ حیات دریں مقام شریف در روضۂ مظہر حضرت سید السادات المخدوم السید حنیف نوّر اللہ مرقدہٗ۔

فی زمان السلطان الاعظم المتوکل علی اللہ القوی الغازی شہاب الدنیا والدین محمود شاہ بن محمد شاہ ولی البہمنی۔ اقل عباد اللہ درویش حسینی المشہدی المخاطب حضرۃ العالیہ من شفا خاں غفر اللہ ولوالدیہ۔ فی سابع عشر شعبان ۱۷ سنۃ تسعمائۃ الہجرۃ النبویہ۔

سنہ ۹۰۰ھ

پانپاس کا جھرا اور مہادیو کا مندر فرح باغ اور سنکل تیرتھ کے جھرے

اس چشمہ کے پاس ہی مسجد بھی ہے۔ اس درگاہ کے مغرب میں پاپناس کا جھرا ہے جس میں ہنود غسل کیا کرتے ہیں اور ایک چھوٹا سا مندر مہادیو کا بھی ہے۔

اسی طرح فرح باغ اور سنکل تیرتھ کے جھرے بھی اہل ہنود کے متبرک مقامات ہیں جو ایک گز مربع اور پاؤ گز عمیق ہیں۔

فرح باغ سنہ ۱۰۸۲ھ

شہر کے جنوب و مشرق میں فرح باغ کا تیسرا چشمہ ہے جو پہاڑوں کے اندر دور تک ایک غار کھود کر نکالا گیا ہے۔ غار میں بالکل اندھیرا ہے۔ اس میں نرسنھوا کی مورت رکھی ہوئی ہے۔ یہ تخمیناً (۱۱۲) گز لمبا اور اس کی چھت ۱۲ فیٹ بلند ہے جس میں (۴) فیٹ

پانی رہتا ہے - زائرین جب اس کے اندر جاتے ہیں تو مشعل لے کر جانا پڑتا ہے - یہاں سالانہ جاترہ ہوا کرتی ہے جس میں غربا کو سدا برت ملتا ہے اس چشمہ کے روبرو اورنگ زیب کی بنائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے جس پر یہ دو کتبے ہیں -

(۱) کتبہ اندرون مسجد

اَللّٰہُ وَلَا سِوَاہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ

(۲) کتبہ بر مسجد جانب مشرق -

چوں ہمت والا نہمت خدیو دین پناہ موید من عنداللہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی بر انہدام بنیان کفر و ظلام و تاسیس اساس دین اسلام مصروف و معطوف است کمترین بندگان مختار خان الحسینی السبزواری ناظم صوبہ ظفر آباد بہ تخریب بت خانہ و ترتیب این مسجد و باغ پرداخت و بتاریخ بست و پنجم ربیع الاول ۱۴ سنہ جلوس ہمایون موافق ۱۰۸۲ھ نبوی این مصرعہ تاریخ کہ ؎

بتکدہ مسجد شد از لطف حق -

بعنایت ملک علام صورت اتمام یافت و از غایت خوبی و دل نشینی بہ باغ فرح موسوم گردانید بفرزند دلبند از عمر و دولت برخوردار میرزا نجم الدین محمد خلف فرزند سعادت مند میرزا قمر الدین محمد تعلق ساخت -

بنا کرد مسجد بجائے کنشت
برایوانش اِنَّا فَتَحْنَا نوشت

کتبہ قمر الدین محمد بن مختار خان -

اس پر فضا اور خوش منظر مقام کا نام فرح باغ رکھا گیا اور نظام قمر الدین محمد کے پوتے نجم الدین کے تفویض کیا گیا -

باغ خداوندگان بیدر سے ایک میل سمت شرقی میں نعمت آباد کے پاس سلطان علاء الدین شاہ ثانی نے مہم بیجاپور سے واپس آکر بنوایا تھا جس میں تمام کاروبار سلطنت کا چھوڑ چھاڑ

ایک ہزار عورات جمیلہ لے کر عیش و عشرت میں شبانہ روز رہتا تھا اس باغ میں ایک قصر رفیع رشک فردوس بریں ترددات و افکار دنیاوی سے الگ تھلگ رہنے کے لئے بنوایا تھا وہاں ہمیشہ جلسے اور ناچ رنگ کے سوا فکر پھٹکتی نہ تھی۔ چار چار پانچ پانچ مہینے برآمد نہ ہوتا تھا نہ کسی کا سلام ہوتا تھا۔ اس باغ کی شان میں حکیم ازرقی نے یہ بیت کہی ہے

گوئی کہ ماہ و مشتری از برج آسماں　　تحویل کردہ اند بباغ خدایگاں

مگر دنیا کا انقلاب دیکھئے کہ کیا سے کیا ہوگیا اب ڈھونڈے بھی اس کا پتہ نہیں ملتا کہ کہاں تھا۔ نشان تک باقی نہیں۔

شاہان بریدیہ قاسم برید گرجی قوم کا تھا۔ اس کو ایام طفولیت میں شہاب الدین یزدی ہران ملک فارس سے خرید کر کے لایا اور محمد شاہ لشکری کے ہاتھ فروخت کیا۔ بادشاہ نے اس کی بہت اچھی طرح تربیت اور تعلیم کی۔ قاسم برید بہت لایق اور دانشمند تھا۔ سلطان محمود نے اس کو پہلے پہل بیدر کا کوتوال مقرر کیا۔ رفتہ رفتہ وہ اپنی عمدہ کارگزاری کی بدولت منصب وزارت سے سرفراز ہوا۔ وہ روز بروز سلطنت بہمنیہ کی کمزوری دیکھ کر اپنے استحکام و استقلال کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ دوسرے امرا نے اس کا غیر معمولی عروج دیکھ کر معزول کرانے کی فکر کی۔ قاسم برید بے زار ہو کر وزارت سے دست کش ہوا اور اپنی جاگیرات اودگیر واوسہ وقندہار اور کلیانی کو چلا گیا۔ خواجہ جہاں محمود گاواں کا قتل بھی قاسم برید ہی کی سازش سے ہوا جس کے بعد پھر یہ خود وزیر ہوگیا ۹۸۸ھ میں جب خاندان بہمنیہ اسی کی بدولت مٹ گیا تو یہ خود بادشاہ بن بیٹھا اس سلسلہ میں سات بادشاہ ہوئے جن کا ذکر دوسری جگہ کیا جائے گا۔

بریدیوں کے گنبد شہر بیدر سے ایک میل کے فاصلے پر جانب مغرب شاہان بریدیہ کے گنبد ہیں ان میں سے نہایت عالی شان اور ممتاز قابل دید گنبد علی برید شاہ کا ہے یہ گنبد ایک بہت بلند چبوترے پر واقع ہے جس کے سامنے ایک نہایت وسیع اور عالی شان نقارخانہ بنا ہوا ہے جس کے نیچے کے دالانوں اور مکانات ملحقہ میں فوج رہا کرتی تھی نقارخانے سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر مقبرہ ہے جو ایسا خوب صورت اور سڈول بنا ہوا ہے کہ باوجود

اس قدر بلند ہونے کے بھی ننھا سا معلوم دیتا ہے۔ اس کے چبوترے کی کرسی (۵۰) فیٹ بلند ہے اور مقبرے کا قبہ (۶۴) فٹ مرتفع ہے جس پر ایک اور برجی دس فٹ بلند ہے۔ اس طرح چبوترا ملا کر گنبد کی چوٹی تک (۱۵۰) فٹ کی بلندی ہے۔ اس گنبد کی چاروں طرف (۳۲) فیٹ کی مرتفع کھلی ہوئی کمانیں ہیں جن میں فراغت سے ہوا کا گزر ہوتا ہے۔ اور ہوا کے زور سے کوڑا کرکٹ اُڑ جاتا ہے اور قدرتی طور پر مقبرہ خس و خاشاک گرد و غبار سے پاک و صاف رہتا ہے۔ علی برید کی قبر پر ایک نہایت عمدہ سنگ موسیٰ کے نہایت چمکدار پتھر کا تعویذ ہے جس کے سرہانے بہ خط عربی کلمہ طیبہ منقوش ہے۔ گنبد کے اندر چاروں طرف تمام لاجوردی اور سنہری اور چینی کا کام ہے۔ علاوہ نقش و نگار کے نہایت خوش خط آیات کلام الٰہی اور دل کو تڑپا دینے والے اشعار لکھے ہوئے ہیں جو حسب ذیل ہیں

ای ہم نفساں تا اجل آمد بہ من　　از پای در افتادم و خوں شد جگر من

دی تازہ گلے بودم اندر چمن باغ　　امروز فرو ریخت ہمہ بال و پر من

یاران و عزیزاں بسر خاک من آیند　　از خاک بہ پرسند نشان و خبر من

گر خاک جہاں جملہ بہ غربال بہ بیزند　　حقا کہ نیابند نشان و اثر من

رفتم بہ چناں جا کہ باز آمدنم نیست　　ہم نیست امیدے کہ کس آید بسر من

عطار دلے دارم و از درد بخوں غرق　　حقا کہ نیابد دو جہاں در نظر من

دریغا کہ بے ما بسے روزگار　　بروید گل و بشگفد نوبہار

کسانیکہ از ما بہ غیب اندر اند　　بیایند و بر خاک ما بگذرند

تفرج کناں در ہوا و ہوس　　گذشتیم بر خاک بسیار کس

کرا جاوداں ماندن امید ماند　　چو کس را نہ بینی کہ جاوید ماند

دامن کشاں کہ می رود امروز بر زمیں — فردا غبار کالبدش بر ہوا رود
خاکت در استخوان رود ای نفس خیرہ چشم — مانند سرمہ داں کہ در و توتیا رود

بانیِ ایں گنبد گردوں مثال — شاہ فرخندہ برید نیک خو
مصرعۂ آخر کہ تاریخ بناست — نامِ گنبد قبۃ الانوار گو

کتبہ خواجگی شیرازی

شاہ سریر مملکت دیں علی برید — چوں تنگنائے دینی دوں راز کف بہشت
آسودہ در بہشت شد آمد ندائے غیب — تاریخ فوتش آمدہ آسودہ در بہشت

ابیات بالا کے اوپر نہایت اور خوش خط خطِ نسخ میں گنبد کی چاروں طرف یہ آیات کلام مجید منقوش ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ الحمد تا ولا الضالین آیۃ الکرسی تا وھو العلی العظیم

فقال اللہ تعالیٰ آمن الرسول تا آخر سورہ — فانصرنا علی القوم الکافرین — کتبہ عبد الفتاح
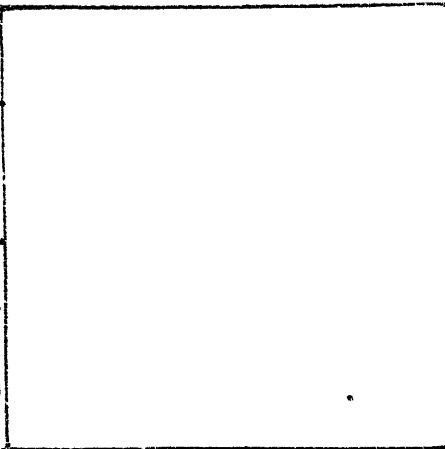
قال اللہ تعالیٰ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنٰت الفردوس نزلا تا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا — سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین — کتبہ عبد الفتاح

خلاصہ یہ کہ اس گنبد کی صناعی حیطۂ بیان میں نہیں آسکتی اس کا اندازہ صرف دیکھنے سے ہو سکتا ہی۔ گنبد کے استحکام کی یہ حالت ہی کہ ایک جانب کی دیوار ذراسی کھل گئی ہی اُس میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ دونوں دیواروں کے اندر زبردست آہنی سلّ نیچے سے اوپر تک کروے کر جکڑ دیا گیا ہی کہ جوڑ کھلنے نہ پائے۔ بے رحم ظالموں نے نہ صرف جا بجا نقش و نگار کو کھرچ ڈالا ہی بلکہ بلند گنبد کے اندر گولیاں مار مار کے قبہ کے پلاسٹر کو جا بجا سے گرا بھی دیا ہی گنبد کے باہر ساٹھ قبریں ہیں جن کی نسبت مشہور ہی کہ علی برید کی بیویوں کی ہیں جن کو علی برید نے کسی وجہ سے ایک ہی رات میں مروا ڈالا تھا۔ ممکن ہی کہ ایسا ہوا ہو کیوں کہ علی برید زمانے کی ناساعدت سے بہت شکستہ خاطر ہو گیا تھا۔ برہان نظام شاہ کے ایلچی شاہ طاہر سے اُس سے بگڑ گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برہان نظام شاہ بگڑ گیا اور دونوں میں بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں علی برید کو ایسی بھاری شکست ہوئی کہ سارا ملک اُس کے قبضہ سے نکل گیا برہان نظام شاہ کے پوتے مرتضیٰ نظام شاہ نے علی عادل شاہ کی مدد سے بیدر کا محاصرہ کر لیا۔ اور قریب تھا کہ فتح بھی کرے۔ شاید ایسا ہوا ہو کہ علی برید نے گھبرا کر اپنے لشکر کو قتل کروا دیا ہو لیکن ظن غالب یہ ہی کہ یہ ساری قبریں علی برید کے بیوی بچوں اور دوسرے قرابت داروں کی ہوں گی جو اس کے طول طویل زمان سلطنت پینتالیس سالہ میں مرۃً بعد اخرلی مرے ہوں گے علی برید کے مقبرے کی داہنی طرف قاسم برید کا سیدھا سادا سا مقبرہ ہی اس کے علاوہ چھوٹے بڑے اٹھارہ مقبرے خاندان بریدیہ کے اسی نواح میں ہیں ان کے علاوہ تین مسجدیں ایک بڑی عیدگاہ ایک بڑی باؤلی اور تین باغ برید کے گنبد کے شمال میں واقع ہیں۔

حضرت شاہ زین الدین گنج نشین اور مخدوم شاہ قادری کے گنبد

بریدیوں کے گنبد کے جنوب رُخ حضرت شاہ زین الدین گنج نشین اور مخدوم شاہ قادری کے گنبد ہیں اور آخر الذکر کی درگاہ کے پاس ایک مسجد بھی ہی۔ یہ دونوں صاحب بیدر کے مشہور بزرگان دین تھے۔

سلاطین بہمنیہ کے مقابر موضع اشٹور میں

بیدر کے متصل تل گھاٹ دروازے کے باہر تین میل پر ایک چھوٹا سا گاؤں اشٹور ہی۔

جہاں بہت سے گنبد سلاطین بہمنیہ کے ایک لین میں اس سلسلے سے بنے ہوئے ہیں

نمبر شمار	نام	طول وعرض	ارتفاع	تخمینی لاگت	سال وفات
۱	سلطان احمد شاہ ولی البہمنی	(۲۵) درعہ مربع	(۴۵) درعہ	آٹھ لاکھ	سنہ ۸۳۸ھ
۲	سلطان علاء الدین شاہ ثانی	"	(۳۸) "	"	سنہ ۸۶۲ھ
۳	ہمایوں شاہ ظالم	"	" "	پانچ لاکھ	سنہ ۸۶۵ھ
۴	سلطان نظام شاہ	"	(۲۰) "	"	سنہ ۸۶۷ھ
۵	سلطان محمد شاہ بہمنی ثانی لشکری	"	" "	"	سنہ ۸۸۷ھ
۶	سلطان محمود شاہ ثانی	"	(۳۸) "	سات لاکھ	سنہ ۹۲۴ھ
۷	سلطان احمد شاہ ثانی	(۵) درعہ	(۷) "	پچاس ہزار	سنہ ۹۲۷ھ
۸	سلطان علاء الدین ثالث	" "	" "	"	سنہ ۹۲۹ھ
۹	سلطان ولی اللہ بہمنی	(۹) "	(۱۴) "	"	سنہ ۹۳۲ھ
۱۰	سلطان کلیم اللہ بہمنی	(۱۰) "	+	"	سنہ ۹۳۴ھ
۱۱	مخدومۂ جہاں زوجۂ سلطان احمد بہمنی	(۱۶) "	(۲۵) "	چار لاکھ	سنہ ۸۸۴ھ
۱۲	محمد شاہ ابن سلطان احمد ولی البہمنی	(۱۵) "	" "	"	+
۱۳	نرگس بی ملکۂ جہاں زوجۂ سلطان ہمایوں	" "	" "	"	+

اِن گنبدوں کی لاگت محض اندازاً اور خدام کے بیان پر سے درج کی گئی ہے - مخدومۂ جہاں بڑی عالی ہمت اور بلند حوصلہ عورت تھی - اسی کی حسن تدبیر سے سلطنت بہمنیہ محمد شاہی زمانے میں رونق پذیر رہی اور بہت عروج پایا - محمد شاہ قلعۂ بلگاؤں کو فتح کرکے بیدر واپس

آرہا تھا کہ بیگم صاحب نے جو اُس کی ماں تھیں راستے میں انتقال کیا۔ نعش کو تجہیز و تکفین کر کے بیدر روانہ کیا اور اشٹور میں دفن ہوئیں۔ محمد شاہ نے والدہ کی قبر پر یہ گنبد بنوایا۔ تاریخ وفات یہ ہے:-

دُرۃ التاج مریم الاثار
ملہم غیب قال فی التاریخ

اذا جاءت نداء باعثہا
آیۃ اللہ ملک وارثہا
۸۸۴ھ

ان سب میں بڑا اور شاندار گنبد سلطان احمد کا ہے جو اِن تین میں سب سے پہلے ہی جب نے ۸۳۲ھ میں گلبرگہ چھوڑ کر بیدر کو دار السلطنت قرار دیا تھا۔ یہ مقبرہ گول کنڈہ اور گلبرگہ کے مقابر کے نمونے کا ہے۔ اس کا چبوترہ (پچاس فیٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار بارہ فیٹ ہے اور ستائیس ستائیس فیٹ بلندی کی چار کمانیں ہیں قبہ کی بلندی زمین سے (۱۲۰) فیٹ ہے۔ سارا گنبد اندر سے اور تمام دیواروں پر سنہری زمین پر لاجوردی اور رنگ برنگ کی میناکاری اور سیپ کا بے نظیر کام کیا ہوا ہے مگر افسوس ہے کہ امتداد زمانے سے سب ماند پڑ گیا ہے۔ جدھر دیکھو دیواروں اور محرابوں اور طاقچوں پر کلام مجید کی آیات ہیں گنبد کی چھت کا اندرونی حصہ باعتبار صناعی اپنی نظیر نہیں رکھتا خدا جانے وہ کیسے کاری گر تھے اب نہ ایسے باکمال لوگ رہے نہ اس کی ضرورت اس زمانے میں رہی۔ مشہور ہے کہ کتبوں میں بجائے نقطوں کے جابجا ہیرے جڑے ہوئے تھے جو اب بھی چمکتے ہیں۔ آگرہ کے متصل سکندرے میں اکبر کی قبر کے سامنے کے برآمدے کے ایک کونے میں پانی مرنے لگا تھا جس کے سبب سے زرنگار اور میناکاری کام مدھم پڑ گیا تھا لارڈ کرزن نے اُس کی مرمت کا بیڑا اُٹھایا۔ مرمت شروع ہوئی ذرا سے کونے میں پچاس ہزار روپئے صرف ہو گئے مگر کام جو بنا وہ بالکل بھدا اور صاف چغلی کھاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اب اس طرز کی کاری گری صفحۂ دنیا سے معدوم ہو گئی ہے اب بھی مقبرے کے اندر جو کتبے بہ مشکل پڑھے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں:-

اندرون صدر دروازہ جنوبی

روضۃ شریفۃ لسلطان السلاطین ظل اللہ و خلیفۃ

فِی الْعَالَمِیْنَ الْوَاثِقُ بِتَائِیْدِ اللّٰہِ الْقَوِیِّ الْغَازِی
شِہَابُ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ اَحْمَدُ شَاہ وَلِیُّ اللّٰہِ الْبَھْمَنِیُّ قَدَّسَ اللّٰہُ اَرْوَاحَہٗ
وَضَرِیْحَہٗ وَنَوَّرَ مَکَانَہٗ اُفَوِّضُ اِلَیْہِ اَمْرُ الْاِمَارَۃِ فِیْ سَنَۃِ خَمْسٍ
وَّعِشْرِیْنَ وَثَمَانِمِائَۃ خمس وعشرین وثمانمائۃ

اندرون دروازہ شمالی

سُبْحَانَ مَنْ اَعْلٰی مَنْزِلَۃَ اَوْلِیَائِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ وَرَفَعَ
مَکَانَھُمْ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ وَجَعَلَھُمْ فِیْ غُرُفَاتٍ اٰمِنِیْنَ وَفِیْ مَقْعَدِ
صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ فَائِزِیْنَ فَاِنَّھُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ
بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ فَرِحُوْنَ۔

اندرون دروازہ شرقی

فَعَاشَ فِیْ دُنْیَاہُ حَمِیْدًا وَّرَجَعَ اِلَی اللّٰہِ فِیْ لَیْلَۃِ اِثْنَیْنِ سَعِیْدًا
مُّبَارَکًا التَّاسِعِ وَالْعِشْرِیْنَ فِیْ شَھْرِ الْمَلِکِ الْعَلَّامِ سَنَۃَ
تِسْعٍ وَّثَلٰثِیْنَ وَثَمَانِمِائَۃٍ مِنْ ھِجْرَۃِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ شَفَاعَتَہٗ شَامِلَۃً مُتَمِّمَۃً عُلُوًّا کَرَامَتِہٖ عَلَی الْخَلْقِ
فَابْقِیَۃِ کَاَئِمَّۃٍ بِحَقِّ النَّبِیِّ وَعِتْرَتِہٖ الْاِحْسَانِ۔

اندرون دروازہ غربی

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَمَّا بَعْدُ
فَھٰذِہٖ قُبَّۃٌ مُّقَدَّسَۃٌ وَّبُقْعَۃٌ مُّبَارَکَۃٌ کَعْبَۃُ الْحَاجَاتِ
الرَّبَّاتِ ھِیَ جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ طَابَ اَنْعُمُھَا اَمْ رَوْضَۃُ الرِّضْوَانِ
فَاحَ شَمُّھَا مُرَقَّبَۃٌ لِلّٰہِ الْبَرَکَاتِ۔

اس گنبد میں نسب نامہ بھی حسب ذیل درج ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علی ابن ابی طالب۔ خواجہ حسن بصری۔ خواجہ حبیب عجمی۔ داؤد جانی۔ شیخ معروف کرخی
سری سقطی۔ خواجہ جنید بغدادی۔ شیخ احمد غزالی۔ شیخ عبداللہ موسیقی۔ نورالدین نعیم اللہ ولی

شاہ خلیل اللہ بت شکن ۔ سلطان احمد شاہ ولی البہمنی۔

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی کے مزار پر اب بھی خدام مقرر ہیں اور ہر سال بڑی دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے۔ جو کتبے ہم بہ مشکل پڑھ سکے ان کے علاوہ اور بہت سے کتبے گنبد کے چاروں طرف عربی طغرے ہیں ایں کچھ تو وہ کشش اور پیٹا کی پیچیدگی اور پھر بلندی اور تاریکی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جا بجا سے کھپرے جھڑ جانے کی وجہ سے پڑھے نہیں جاتے نہ عبارت کا تسلسل معلوم ہوتا ہے نہ مطلب سمجھ میں آسکتا ہے بریں ہم جو کچھ ادھورا پڑھا گیا ہے اور جیسا کچھ پڑھا جا سکا ہے۔ اس کی من وعن نقل کر دی جاتی ہے۔

جانب جنوب تواں ویار ہر چند بنودے و بدیدیم بہماں بوجودش آب حیا تیست رواں درنظر ما تا ہست جستن باشد وتا بود چناں بود ...... سیہ قدح بادہ بمن داد بخورد م آرے چہ کنم مصلحت بندہ درآں بود ما شاہ جہاں نیم گدا سے چہ بود ..... وبخدا ..... صلا ..... خدا سے بود ..... تجلی چہ خدا بودے ....

طرف دیگر ہر کہ در معرفت سخن راند ۔ وصف خود می کند اگر داند۔ تو منی من تو دیبنی بگزارد۔

جانب مشرق دروازہ داخلی آب حیواں بجوے ماجاری ۔ نہ حلول است حل حال منست سخنے از رمز وکمال .... بنست ۔ ہر کہ در معرفت سخن راند ۔ وصف خود می کند اگر داند ۔ تو منی من تو ۔ دم دوئی بگزار ....

من بماند من و توئی بگزار ۔ لا انت ۔ انت و انا ما ھو ھو۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۔ لَیْسَ فِی الدَّارِ اَحَدٌ .... غَیْرُہٗ ھَا عِنْدَنَا ....

در کوئے تو غیر او باشد بدنیا شد بگو نکو باشد

تن بود شاید باد جان خود ....

سلطان احمد ولی البہمنی سے ملا ہوا سلطان علاء الدین ثانی کا گنبد بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ جس کے گردکار پر نہایت اعلیٰ درجے کا چینی کا کام کیا ہوا ہے اور اس وجہ سے وہ چینی گنبد

کھلاتا ہے - اس پر بھی ایک فارسی اور مرہٹی کا کتبہ ہے جس میں قادر خاں کا نام اور سنہ ۸۴۰ھ ۱۴۳۶ء درج ہے - غالباً یہ قادر خاں کو عطاے زمین انعامی کی سند ہے جو اس خاندان میں اب تک چلی آتی ہے - تیسرا گنبد ہمایوں شاہ ظالم کا ہے - ہمایوں سے بہت پہلے جو بادشاہ ہو گزرے ہیں اُن کے عظیم الشان گنبد اب تک باوجود مرور زمانہ دراز محفوظ و مستحکم موجود ہیں لیکن ہمایوں کا گنبد جو مدتوں بعد کا ہے بالکل کھنڈر ہو گیا ہے - سنہ ۱۳۰۰ھ میں جب کہ میں بیدر میں موجود تھا موسم بارش میں اس گنبد پر بھی رات کے وقت بجلی گری تھی جس کے صدمہ سے نصف قبہ گر گیا باقی نصف ادھر کھڑا ہے اور اب چار دیواری بھی سلامت نہیں رہی - قبر کا بھی نشان نہیں ہے اس میں فی الواقع گدھے لوٹا کرتے ہیں اور لوگ بول و براز کرتے ہیں - کیا یہ کھلا نشان معتوب درگاہ الٰہی ہونے کا نہیں ہے - فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ اس کے علاوہ موضع اشٹور کے حدود میں جا بجا چھوٹے چھوٹے گنبد اور قبریں اور مکانات کے کھنڈر موجود ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضع پہلے بیدر کا چھوٹا بچہ تھا اور اب تو اجڑا ہوا گاؤں ہے -

چوکھنڈی شاہ خلیل اللہ بت شکن سنہ ۱۰۸۶ھ پتال نگری دروازے کے باہر گھاٹ کے نیچے آپ کی چوکھنڈی بنی ہوئی ہے - آپ سلطان احمد شاہ بہمنی کے مرشد تھے - (۸) فیٹ بلند چبوترے پر یہ چوکھنڈی مثمن شکل کی بنی ہوئی ہے جو (۲۲) فیٹ بلند ہے اور اندر کا حصہ (۴۵) فیٹ اونچا ہے - گنبد کے باہر تین طرف برآمدے ہیں جن میں کا ایک ۱۵ فیٹ چوڑا ہے دوسرا بہت تنگ ہے اور تیسرا کھلا ہوا ہے - یہ عمارت بہت خوش نما اور باقاعدہ بنی ہوئی ہے صدر دروازہ جنوبی پر یہ کتبہ ہے -

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ - اَلْفَقِیْرُ الْمُحْتَاجُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مُغِیْثُ الْقَادِرِیُّ الشِّیْرَازِیُّ -

جانب مغرب بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد کلام مجید کے آیات ہیں جو صاف پڑھے نہیں گئے -

جانب شرق

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ
كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي بِنُبُوَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ وَبِوِلَايَتِكَ
۱۰۸۶ھ
يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

اس احاطے میں اور دو گنبد ہیں خدا معلوم کس کے ہیں جن میں سے ایک پر بہت عمدہ کام کیا ہوا ہے۔

قلعہ بیدر ۸۳۵ھ شہر کے شمال میں قلعہ واقع ہے۔ ابتدائی تعمیر قلعہ کی راجہ امر سنگھ نے مختلف مقامات کے مشہور اور عمدہ کاریگروں کو بلوا کر کرائی۔ یہ قلعہ ایک زمانہ میں راجہ بدور کی جاگیر تھا جسے پانڈر راجہ دہلی نے دیا تھا۔ شہر اور قلعہ بیدر کی آبادی زمانۂ راجہ بدور کی ہے جسے پانچ ہزار برس گزرے۔ قلعہ کا دور (۴۵۰۰) گز ہے۔ قلعہ کے اطراف بعض جگہ دُہری اور بعض جگہ تہری خندق ہے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی نے قلعے کی مستحکم فصیل ۸۳۵ھ میں بنوائی اور بیدر کا نام احمد آباد رکھا۔ یہ قلعہ سب سے بڑی اور پائدار یادگار سلاطین بہمنیہ کی ہے۔ محمد شاہ لشکری نے جو ۸۶۷ھ میں تخت نشین ہوا قلعہ کے کچھ جدید دروازے اور برج بنوائے مختار خاں قلعہ دار نے تمامی دروازوں پر آہنی پتر چڑھا کر کیلے جڑوائے اور فصیل کی بھی مرمت کی۔ اس قلعہ کی فصیل اور برج غایت درجہ مستحکم ہیں۔ خندق کھود کر اُسی کا لال پتھر فصیلوں میں لگایا گیا ہے۔ اس قسم کا استحکام اور کسی قلعے میں نہیں دیکھا گیا۔ کل (۳۷) برج مختلف فاصلوں سے ہیں بعض بعض برجوں پر گردش کی دیواریں بھی ہیں۔ قلعہ کے اندر کے محلات شاہی بالکل فصیل سے ملے ہوئے ہیں اور اس ویرانی اور بربادی کی حالت میں بھی اُن کی وسعت اور عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مالوہ کے سلطان ہوشنگ نے ملک دکن پر چڑھائی کی تھی اُس سے اور سلطان احمد شاہ سے جنگ ہو رہی تھی اُس جنگ سے واپس آکر احمد شاہ نے شہر بیدر کی بنا ڈالی۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ سلطان احمد کا جب نواح بیدر میں گزر ہوا تو دیکھا کہ تمام بانسوں کا جنگل ہی جنگل تھا۔ آب و ہوا یہاں کی پہلے ہی سے مشہور تھی اور قلعہ بجائے خود ایک دلکش اور مستحکم اور وسیع عمارت تھی جس میں بہت

کچھ گنجائش توسیع اور ترقی کی تھی۔ اتفاقاً شکار میں بادشاہ کو ایک لومڑی نظر پڑی لومڑی شکاری کتوں پر پل پڑی جس سے معلوم ہوا کہ اس سرزمین میں غیر معمولی ہمت و جرات ہے۔ بادشاہ نے لومڑی کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈالا اور سب کے سب تھک کر چور ہو گئے آخر کار ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام لیا۔ تشنگی غالب ہوئی پانی کہیں نظر نہ آیا۔ ایک بڈھا چرواہا وہاں بیٹھا ہوا تھا اُس سے پوچھا اُس نے ایک جھرا بتلا دیا جو پتھر کی سل سے ڈھکا ہوا تھا سب نے کوشش کی مگر پتھر کو کوئی کھسکا نہ سکا لیکن اُس چرواہے نے اپنی لکڑی کے ذرا سے اشارے سے سل ہٹا دی سب نے خوب سیر ہو کر ٹھنڈا پانی پیا۔ بادشاہ کو تعجب ہوا۔ گڈریے سے اس کا نام پوچھا اور کہا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ اُس نے اپنا نام بم گنڈا بتلایا اور یہ جگہ ایک چھوٹا سا گاؤں بیدر ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ ہم یہاں ایک قلعہ بنانا چاہتے ہیں گڈریے نے نہایت ادب سے کہا حضور کی مرضی اس کے بعد بادشاہ نے ایک مبارک دن دیکھ کر قلعہ کی بنیاد رکھی گڈریے نے بادشاہ سے عرض کی آپ اگر قلعہ بنائیں تو اس میں ایک مندر اور گاؤں میرے نام کا بھی رکھیں بادشاہ نے اس بات کو منظور کیا اور اس چشمہ کا نام بم گنڈا رکھ دیا۔

شرزہ دروازہ قلعہ میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ شرزہ دروازہ اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ اُس کی دونوں جانب شرزہ کی تصویر بنی ہوئی ہے اس دروازہ پر بھی دوسرے دروازوں کی طرح کا کتبہ ہے کہ " بروز چہار شنبہ ۷ رجب سنہ ۲۹ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت جم جاہ ملایک سپاہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ موافق سنہ ۱۰۹۴ھ نبوی در صوبہ داری کمترین بندگان مختار خاں الحسینی سبزواری ایں دروازہ صورت اتمام پذیرفت "

نوبت خانہ اس کے آگے ایک دو منزلہ مکان نوبت خانہ کا ملتا ہے جس کے بیرونی حصے پر لاجوردی میناکاری اور طلائی رنگ آمیزی کا کام ہے۔

گنبد دروازہ اور آگے بڑھ کر گنبد دروازہ ملتا ہے جو بیدر کے تمام دروازوں میں بڑا ہے جس کا گنبد بہت عظیم الشان ہے جس کے دونوں جانب بلند چبوترے کے دالان بنے ہوئے ہیں اور نیچے پتھر کا فرش ہے۔ یہاں اور شاہ گنج دروازے میں ایک ایک پتھر ایسا ہے جس کی بنوز

پوجا کرتے ہیں۔ جس کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ ایک سادھو داماجی پنت جو پنڈھرپور[51] کے قریب منگل ویڑ کا نائب تھا جس نے کچھ سرکاری روپیہ جو قحط زدہ لوگوں کی خوراک کا تھا غبن کر لیا تھا وہ اس قلعہ میں قید تھا۔ پنڈھرپور کا دیو (یہ مقام بھی صوبہ بیدر میں تھا) وٹھیا دھیڑ کے لباس میں آیا اور داماجی کا زر متغلبہ اسے دے کر چھوڑا لیا اُن دونوں پتھروں پر اُسی دیوتا کی کھڑاؤں کے نشانات ہیں اسی سبب سے ہنود اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔

رنگین محل گنبد دروازے سے ملا ہوا رنگین محل ہے اس کا تہ خانہ تو بند ہے کئی سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر جا کر ایک وسیع صحن ہے اور ایک دالان اور پیش دالان ہے جو ۲۸ × ۱۴ فیٹ ہے اور شہ نشین کے نام سے مشہور ہے اس کے نہایت بلند چوبی کھم ہیں اور چھت میں تمام لکڑی کا کام گل کاری کا ہے اس کی بیچ کی کمان کی پیشانی پر سیپ سے یہ بیت لکھی ہوئی ہے

شاہ نشین چشم من تکیہ گہ خیال ما جائے دعا ست شاہ من بے توبسا وجائے تو

---

[51] شولاپور کے ضلع میں ہے۔ بمبئی سے (۲۶۴) میل براہ کرڈوواڑی جنکشن۔ یہاں وٹھوبا کا مشہور مندر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نہایت متقی برہمن کا ایک بڑا نافرمان لڑکا پنڈلک نامی تھا جو ہر طرح اپنے والدین کو تکلیف دیا کرتا تھا لیکن خدا کی قدرت کہ وہ سنبھل گیا اور ماں باپ کی ایسی خدمت گزاری کرنے لگا کہ اُس کا نام چوطرف مشہور ہو گیا۔ ایک دن کشن اپنی بیوی رکمنی کو تلاش کرتا ہوا پنڈھرپور آیا جو اپنے شوہر سے لڑ کر یہاں چلی آئی تھی۔ کشن بھی پنڈلک کی سعادت مندی سے خوش ہو کر اس سے ملنے آیا دیکھا تو وہ اپنے باپ کے قدم دھو رہا تھا وہ ایسا منہمک تھا کہ اُسے کشن کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ آخر کار کشن کو دیکھ کر کہا کہ آپ ٹھہریئے اور اُسی مقام پر کشن آج تک اُس اینٹ پر کھڑا ہوا ہے جس کو پنڈلک اپنے باپ کے پاؤں مانجھ رہا تھا جس کو اُس نے کشن کو دیکھ کر بیٹھنے کے لئے اُس کی طرف پھینک دیا تھا۔ کشن اپنے دونوں ہاتھ کمر پر اس طرح دھرے کھڑا ہے گویا کہ رکمنی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ تھک گیا ہے۔ یہ مندر ۳۵۰ × ۱۷۰ فیٹ طول و عرض میں ہے۔ وسط شہر میں واقع ہے اور اہل ہنود کی مقدس عبادت گاہ ہے جسے وہ پانڈورنگ کشتہ یعنی پنڈھری کا مقدس مقام کہتے ہیں۔ یہاں سال میں دو مرتبہ بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے جس میں گھوڑے بھی فروخت ہوتے ہیں۔ ۱۲

اس ہال کے تمام کام کو مرزا قادر بیگ صاحب اول تعلقہ دار نے کپڑے کی چھپتیں لگا کر انگریزی طرز کا بنا دیا دونوں طرف دو کمرے بھی نکال دئے اب صرف کھموں کی نقاشی باقی ہے شہ نشین کی کمان جس پر اوپر کی بیت لکھی ہے سنگ موسیٰ کی ہے اُس کے اندر ایک آٹھ فیٹ کا مربع کمرہ ہے اُس کے پیچھے ایک دوسرا کمرہ ۱۵×۱۴ فیٹ کا ہے۔ یہ مقام دیوی کا ستھان تھا۔ چنانچہ اب تک ایک چھوٹا سا حوض کمرے کے بیچوں بیچ موجود ہے جس میں دیوی کو اشنان کراتے تھے۔ اس کمرے کے دونوں جانب دو کھڑکیاں بطور روشن دان کے واسطے موجود ہیں جہاں پر روکش (طواف) کیا جاتا تھا۔ ایک کھڑکی پیچھے وار کو بعد میں خندق کی طرف بھی پھوڑی گئی ہے یہ سارا کمرہ سنگ موسیٰ کا ہے اور اُس کے چاروں کونوں پر عبارت ذیل کھود کر سیپ کی پچی کاری کی گئی ہے۔

ایک طاق پر یَا کَافِیَ الْمُھِمَّاتِ	دوسرے طاق پر یَا رَفِیعَ الدَّرَجَاتِ

ای منظر دیدہ از جمالت روشن	وی کردہ چو در دُر صدف سینہ وطن
بخرام بشہ نشین خلوت گہ دل	کز بہر تو آراستہ شد این گلشن

بطرف شمال روبسوے جنوب

اَعْلَی اللّٰہِ تَعَالیٰ شَانُہٗ۔	یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ۔

اَلْمُسْتَنْصِرُ بِنَصْرِ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْمَالِکِ الْمَجْلِسِ الْاَکْرَمِ وَالْھُمَایُوْنُ لِلْکَرِیْمِ عَلیٰ بَرِیْدِ الْمَمَالِکِ۔

ہر دُر ثمیں کہ در صدف دارد عشق	از بہر نثار در گہت دارد عشق
عاشق شود از دیدن رویت زانکہ	گوید بدر و بام تو می بارد عشق

رنگین محل کے اوپر ایک بالاخانہ ہے جس پر بخط طغرا یہ جانب مغرب یہ لکھا ہوا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ھٰذَا الْقَصْرَ الرَّفِیعَ مَنْزِلًا مُبَارَکًا وَمَکَانًا عَالِیًا وَاتَّخِذْہُ بِحُرْمَۃِ مُحَمَّدٍ نَبِیًّا مَقَامًا مَحْمُوْدًا مُخَلَّدًا اَمْرًا غَنِیًّا۔ اَلْمُسْتَنْصِرُ بِنَصْرِ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْمَالِکِ الْمَجْلِسِ الْمُکَرَّمِ وَالْھُمَایُوْنُ الْاَکْرَمُ عَلیٰ بَرِیْدِ الْمَمَالِکِ۔

اس بالاخانے میں بھی کئی کمرے ہیں اور یہاں سے سارے شہر کا نظارہ ہوتا ہے خصوصاً

قلعہ کے برج اور خندق تو ہتیلی میں نظر آتے ہیں۔ رنگین محل کی داہنی طرف دو عالی شان گنبد ہیں ان پر بھی جلیبی کا کام تھا جو اب جھڑ جھڑا کر برائے نام رہ گیا ہی اور اُن کے اندر بھی حوض تھے جو مٹی سے بھروا دیئے گئے۔ رنگین محل پہلے صوبہ داروں کے رہنے کا مکان تھا بعد اول تعلقہ داروں کا لیکن اب چند سال سے تعلقہ دار نواب ناصر الدولہ بہادر کی حویلی میں بیرون قلعہ رہتے ہیں اور اس میں ضلع کی کچہری ہوتی ہی۔

توپ ہفت گزی اندرون قلعہ ارک ۹۷۰ھ

رنگین محل کے سامنے ایک سڑک سیدھی جانب مشرق جاتی ہی۔ رنگین محل سے نکلتے ہی داہنے ہاتھ کو ایک چار دیواری کھڑی ہی اندر کے مکانات منہدم ہیں اسی کے محاذی ایک پُرانا کوٹھا ہی اس میں اُسی زمانے کے ہتیار بھرے ہوئے ہیں اس کے آگے چپہ چپہ پر منہدم عمارات ہیں جا بجا تہ خانوں کی علامات ہیں جو بند ہیں اور قریب دو فرلانگ کے بلند برج پر ایک بڑی بھاری توپ رکھی ہوئی ہی اس برج کا نام ست گزا برج ہی یہ توپ (۳۱) فیٹ لمبی اور (۲۳) فٹ مدور ہی جو ٹیڑھی ہو کر ویسی ہی پڑی ہی یہ بھی تیج رسی تیلگوں رنگ کی ہی اور ایسی جلا کی ہوئی ہی کہ منہ دکھلائی دیتا ہی یہ توپ دولت آباد کی توپ اور بیجاپور کی مشہور توپ ملک میدان کے ہم پلہ ہی اس پر حسب ذیل عبارت طلائی حروف میں کندہ ہی۔

یکے از عجائب علامات کارخانہ آلہی توپ شاہی وضع خاصہ حضرت نواب ہمایون اکرم علی برید شاہی تمت فی التاریخ ۹۷۰ھ ہجرۃ النبویہ۔

غلولہ دہ من نیم دارد دو من و نیم اگر خواہد ازیں زیادہ کند بصافی کند دہ آثار زیادہ اندازد۔

نقار خانہ

رنگین محل کے سامنے ہی دو منزلہ نقار خانہ ہی جس پر اب تک نوبت تین وقت روزانہ بجتی ہی اور اتوار کو پانچ وقت اس کے محاذی ایک ٹین کی لین کمانوں کی ہی جس میں عرب رہتے ہیں ان کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد اور مکان ہی جس میں خاکسار رہتا تھا۔ شہر بیدر کے دروازے رات کو بند ہو جایا کرتے ہیں۔ ہر دروازے پر جمعیت احشام[1] کے چند جوان رہتے ہیں۔ صبح سویرے روشن چوکی کے ساتھ کنجیاں جا کر دروازے کھولنے کا دستور اب تک چلا آتا ہی۔

[1] قلعہ کی حفاظت کے لئے جو فوج رکھی جائے احشام کہلاتی ہی اب بھی بیدر میں جمعیت احشام کا یہی سلسلہ چلا آتا ہی۔

جیل اسی سلسلہ میں ایک وسیع شاہی مکان میں اب جیل ہے جس کی دیوار ملک شاہ امرزان نے دوبارہ ۱۳۰۷ھ میں بنوانا لکھا ہے۔

حمام جیل کے دروازے کے آگے ایک بلند کمان ملتی ہے اور آگے بڑھ کر سیدھے ہاتھ کو ایک وسیع چبوترے پر ایک قدیم عمارت ہے جس میں عدالت ضلع کی کچہری ہے یہ مکان محمد شاہ لشکری کا بنایا ہوا شاہی حمام تھا اس میں متعدد دالاؤ کے کمرے ہیں۔

تخت محل قلعہ کے اندر علاوہ دیگر عمارات کے حمام سے آگے بڑھ کے گویا قلعہ کے وسط میں صرف ایک بلند چار دیواری نظر آتی ہے جس کے اندر اب کوئی مکان باقی نہیں رہا۔ یہ سلطان احمد شاہ کا بنایا ہوا تخت محل تھا جو اُس نے خاص اپنے رہنے کے لئے بنوایا تھا۔ یہ وہ عالی شان محل تھا جس کی شان میں شیخ آذری نے یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کو نذر دی تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲ - ہزاری بخشی موجود ہیں جوان بھی گھٹتے گھٹاتے اب معدودے چند رہ گئے ہیں ان کی تنخواہیں وہی چلی آتی ہیں جو قدیم زمانے میں تھیں یعنی جوان کو زیادہ سے زیادہ چار روپئے اور کم سے کم آٹھ آنے بھی ہیں۔ یہ لوگ اپنی ان خدمات کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں ان کا سلسلہ جب ہی سے بلا فصل چلا آتا ہے۔ زمانہ بدل گیا مگر تنخواہ کی شرح نہ بدلی فوتی فراری لاوارثی کے سوا تخفیف کی طلبانے ان کی تعداد بہت گھٹا دی ہے۔ ہزاریوں کی شرح مختلف ہے دس سے لے کر تیس تک ہے یہی لوگ اب تک شہر اور قلعہ کے دروازوں کی نشست پر مقرر ہیں۔ ۱۲

؎۵ - اس رباعی کو مُلّا شرف الدین مازندرانی نے جو مشہور خوشنویس تھا نہایت جلی قلم سے لکھا اور پتھر پر کھود کر محل کے دروازے پر نصب کیا۔ شیخ آذری اسفراین کا رہنے والا اپنے زمانے کا مشہور شاعر تھا جب سن کہولت کو پہنچا تو سفر حجاز کے بعد ہندوستان میں آیا۔ سلطان احمد اس کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ اور بہت کچھ انعام اکرام دیتا رہتا تھا لیکن پھر بھی حب الوطن کی کشش غالب آئی اور وطن جانے کی دُھن لگی اور یہ بیت کہی ؎

من ترک ہند و جیغۂ و جیپال گفتہ ام ۔ بادو بروت چونہ بیک جو نمی خرم

بادشاہ کے حکم پر اس نے بہمن نامہ لکھنا شروع کیا اور جب احمد شاہ کے عہد تک پہنچا تو کتاب بادشاہ کے ملاحظہ میں گزرانی اور اپنے وطن جانے کی استدعا کی۔ بادشاہ نے کہا مجھے حضرت بندہ نواز گیسودراز کی

اور بادشاہ نے خوش ہو کر اُسے مالامال کر دیا تھا اب اسے کم بخت محل کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا۔

رباعی

حبذا قصر مشید کہ ز فرط عظمت | آسمان شدہ از پایہ این درگاہ است
آسمان ہم نتواں گفت کہ ترک ادب است | قصر سلطان جہاں احمد بہمن شاہ است

میگزین وغیرہ سارا قلعہ اُجڑی ہوئی عمارتوں کا مخزن ہے جس میں ایک میگزین بھی ہے جس میں میر مغل علی خاں قلعہ دار کو اُس کے بھائی نظام علی خاں نے قید کر رکھا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۳ - وفات کا ہی بڑا دھکا لگ چکا ہی تجھ سے ذرا میرا غم غلط ہوتا ہی تو مجھے چھوڑ کے کیسے جاتا ہی۔ اُس وقت شیخ خاموش ہو گیا چند دن کے بعد شہزادہ علاء الدین سے سفارش کرائی اور عرض کیا کہ اگر مجھے رخصت مل جائے تو حج اکبر جو میں نے کیا ہی اُس کا آدھا ثواب آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں۔ بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا اور خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ چالیس ہزار تنگہ سفید جو ہر ایک ایک تولہ نقرہ خالص کا ہوتا تھا شیخ کو دو۔ شیخ یہ ڈھیر دیکھتے ہی پکار اُٹھے۔ لا یحمل عطایاکم مطایاکم یعنی آپ کے اس گراں عطیہ کو آپ کے جانور بھی نہیں اُٹھا سکتے۔
بادشاہ ہنسا اور کہا کہ بیس ہزار تنگہ راہ خرچ کو اور دو اور خلعت خاصہ اور پانچ غلام ہندی دے کر رخصت کیا ۔

صواب کرد کہ پیدا نہ کرد ہر دو جہاں | یگانہ داور دارائے بے نظیر و ہمال
وگرنہ ہر دو بہ بخشیدے او بوقت کرم | امید بندہ نماندے بہ ایزد متعال

چنانچہ شیخ آذری جب تک ملک خراسان میں زندہ رہا بہمن نامہ لکھتا رہا اور جتنا لکھتا ہر سال بھیج دیتا تھا۔ ہمایوں شاہ کی داستان تک اسی کا لکھا ہوا ہی۔ بعد اس کے ملا نظیری اور ملا سامی نے ختم سلطنت بہمنیہ تک لکھا ہی۔
شیخ آذری درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ (۸۲) سال کی عمر میں ۸۶۶ھ میں اپنے وطن مالوف اسفراین میں وفات پائی۔ لفظ "خسرو" سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہی۔ ۱۲۔

ترکش محل۔ گنگن محل چینی محل نگینہ محل ترکش محل میں اب کچھ نہیں رہا یہ چو منزلہ محل تھا جہاں بادشاہ کا دربار ہوتا تھا۔
گنگن محل کا بہت کچھ حصہ لداؤ کے صدر دالان در دالان اوپر کے بالا خانے نیچے کے چھوٹے چھوٹے دالان باقی ہیں۔ ضلع کی کچہری۔ محافظ خانہ سب کچھ اسی کے ایک کونے میں پڑا ہی پھر بھی بہت سا حصہ خالی ہی۔ جس زمانے میں رنگین محل میں صوبہ دار رہتے تھے تعلقہ دار ضلع اسی کے بالائی حصے میں رہتا تھا۔ چینی محل اور نگینہ محل کا صرف نام ہی نام باقی ہی۔

زنانی مسجد اندرون قلعہ قلعے کے اندر ایک بہت بڑی عالی شان زنانی مسجد موجود ہی جسے سوطھاکھم کی مسجد کہتے ہیں جس کا طول شمالاً وجنوباً ۱۰۰ گز اور عرض شرقاً غرباً چوبیس ۲۴ گز اور بلندی چودہ گز ہی۔ اس میں سوطھا کھم ہیں جن کی کمانیں سترہ گز بلند اور دس گز چوڑی ہیں۔ یہ مسجد سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں بنی ہی جس کی لاگت تخمیناً دو لاکھ سے کم نہ ہوگی۔

اس کے درمیانی بڑے گنبد کی مرمت بعہد مولوی محمد اکرم الدین خاں صاحب کاکوروی تعلقہ دار ضلع نہایت عمدگی سے کرائی گئی بعض بعض چھوٹے چھوٹے قبے گر پڑے ہیں اب صرف بیچ کے بڑے گنبد میں جو فی نفسہ ایک بہت بڑی مسجد کے برابر ہی نماز ہوتی ہی۔ اس مسجد میں قلندر خاں کے باغ کا کتبہ کسی نے لا کر لگا دیا ہی جو نہایت خوش خط نستعلیق لکھا ہوا ہی ایک ایک مصرعہ جدا جدا پتھر پر کندہ ہی ؎

بدور شاہ عالم گیر غازی	کہ از عدلش شدہ گیتی منور
قلندر خاں بہار باغ دولت	کہ از بویش جہاں گشتہ معطر
بہ پیش آفتاب دست جودش	بود دریا وکان از ذرہ کمتر
رواقے ساخت بہر یادگارے	کہ باشد زیر ایں فیروز منظر
پئے تاریخ او از طارم چرخ	ندا آمد کہ خال روے بیدر

سنہ ۱۰۸۹ھ

بادشاہی عاشور خانہ اور باغ مسجد کے بعد ہی باغ شروع ہو جاتا ہے جس کی ٹوٹی چھوٹی کیاریوں اور روشوں اس کی چمن بندی بتلا رہی ہیں مگر اب نام کو ایک درخت بھی نہیں۔ اسی باغ میں ایک بادشاہی عاشور خانہ ہے جس میں میرے زمانے میں تحصیل کی کچہری تھی اب واللہ اعلم کس مصرف میں ہے۔

سرائے اس سرا کو ۱۲۰۳ھ میں نواب نظام علی خاں نے مرہٹوں کے مقابلے کے وقت بنوائی تھی اور اس کے اطراف دور دور تک جہاں دیکھو ٹوٹے پھوٹے مکانات کھنڈر۔ گری پڑی چار دیواریاں۔ ویران گنبد۔ قبریں۔ زمین میں دبے ہوئے تہ خانے چور راستے موجود ہیں۔ اس اعتبار سے بیدر بالکل دوسرا بیجاپور ہے۔ بیدر کی آبادی ایسے بلند مقام پر واقع ہے کہ دس دس بارہ بارہ کوس سے چاروں طرف سے مدرسہ کا مینار دکھلائی دیتا ہے اور پانچ چھ کوس سے تو قلعہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ قدیم سے بیدر صوبہ داری کا مستقر تھا اب صوبہ داری پٹن چرو چلی گئی اور بیدر صرا مستقر ضلع رہ گیا۔

اتھناسیس نٹکین ارمنی روسی سیاح کا بیان ۱۴۷۰ھ یہ شخص ایک تاجر تھا اس نے اپنی ڈائری میں بیدر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خطہ ایسا آباد تھا کہ ہر کوس پر ایک گاؤں ملتا تھا۔ جدھر دیکھو زراعت ہی زراعت تھی سڑکوں پر جا بجا پہرہ چوکی تھا اور مسافروں کو کسی قسم کا خدشہ نہ تھا۔ بیدر ایک شاندار اور فرح بخش آب و ہوا کا مقام ہے یہاں کے بادشاہ محمد شاہ کی عمر صرف بیس سال کی ہے اور تین لاکھ فوج ہے جو ہر طرح آراستہ ہے توپ خانوں کا ذکر اس نے نہیں کیا لیکن بہت سے ہاتھی تھے جن پر بڑی بڑی درانتیاں اور چمکدار لوہے کی ڈھالیں وغیرہ لگی رہتی تھیں موجود تھے۔ جب اورنگ زیب نے ۱۶۵۶ء میں بیدر پر حملہ کیا تو شہر کا دور (۴۵۰۰) گز تھا اور تین خندقیں پچیس پچیس گز عریض اور پندرہ فیٹ عمیق تھیں جو بیدر کی پتھریلی چٹانوں میں کٹی ہوئی تھیں۔

مانسیر تھیوینات ۱۶۶۷ء اس سیاح نے بیدر کے حالات یوں لکھے ہیں کہ شہر کی

ملحقہ Mansieur Tnevenot ۵۳ Athnasius Nitiktn

فصیل اینٹوں کی ہے جس میں برج بھی ہیں اور جابجا بڑے بڑے گنبد نما برج ہیں جن پر توپیں ایسی بڑی بڑی چڑھی ہوئی ہیں کہ جن میں سے بعض کے دہانے تین تین فٹ چوڑے ہیں۔ اس شہر میں عموماً تین ہزار جمعیت متعین رہتی ہے جس میں سے نصف سوار اور نصف پیدل اور سات سو گولہ انداز ہیں۔ فوج بہت آراستہ ہر طرح سے مسلح اور ہر وقت جنگ کے لئے طیار رہتی ہے کیوں کہ ملک دکن میں یہ ایک بڑا مقام ہے جس پر ہر وقت غنیم کی چڑھائی کا اندیشہ رہتا ہے۔ بیدر کی گورنمنٹ بہت متمول ہے۔ یہاں کا حاکم جو بادشاہ جہانگیر کا برادر نسبتی ہے قلعے کے باہر ایک مکان میں رہتا ہے لیکن چوں کہ اس گورنر نے بادشاہ بیجاپور کی فوج کو عین محاصرۂ بیدر میں شکست دی تھی اُس کے صلے میں گورنری برم پور پر جو اعلیٰ تر خدمت ہے مقرر کیا گیا ہے اور یہاں ایک نیا ایرانی گورنر آیا ہے جس کی سواری مجھے ایک مرتبہ راستہ میں ملی تھی وہ باوجود پیرانہ سالی کے نہایت وجیہ اور شکیل ہے۔ گورنر پالکی میں سوار تھا اور پالکی کے سامنے بہت سے لوگ تھے ہاتھوں میں مغرق جھنڈیاں لئے ہوئے تھے۔ جن کے آگے سات ہاتھی تھے۔ گورنر کی پالکی کے بعد اور کئی پالکیاں زنانی سواریوں کی تھیں جن پر سرخ مخملی پردے پڑے ہوئے تھے اُن میں سے ایک کھلی پالکی میں دو صغر سن بچے تھے۔ ان ساری پالکیوں کے ڈنڈوں پر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا اُن کے بعد بہت سی رتھیں چھ فیٹ اونچی تھیں جو عورتوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں سب سے آخر سامان باربرداری کی گاڑیاں تھیں آخر میں بہت سے شتر سوار تھے"

سر رچرڈ ٹمپل بیدر میں ۱۸۶۱ء

سر رچرڈ ٹمپل گورنر بمبئی ۱۸۶۱ء میں بیدر تشریف لائے تھے اُنھوں نے بیدر کی نسبت حسب ذیل ریمارک کیا ہے:-

"قلعہ کے برجوں کا بے نظیر رنگ امتداد زمانے سے ماند پڑ گیا ہے یہ برج اُس سرخ پتھر کے بنے ہوئے ہیں جس کے کہ سارے پہاڑ اس نواح میں ہیں۔ مسجد کی عمارت بہت عظیم الشان اور مستحکم ہے جو سلاطین مغلیہ کی استرکاری اور چمکیلی عمارات سے بالکل جدا طرز کی ہے۔ اس مقام پر سب سے خوب صورت چیز مدرسہ ہے۔ مدرسے کا تمام بیرونی حصہ کسی زمانے میں میناکاری گل کاری اور نقش و نگار سے آراستہ تھا

جس کا کچھ کچھ حصہ اب بھی باقی ہے جسے سیاح دیکھکے بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔ یہ عمارت شاید ہندوستان کی کل اس قسم کی موجودہ عمارتوں میں سب سے بہتر ہے"

جاترا سے مالیگاؤں ضلع بیدر میں یہہ سب سے بڑی جاترا ہے جو برابر دو مہینے رہتی ہے زیادہ تر اس میلے میں گھوڑے آتے ہیں اور یوں بھی لاکھوں روپیہ کا بیوپار ہوتا ہے۔ یہاں کھنڈوبا کا دیول ہے۔ دیول کچھ ایسا بڑا نہیں ہے مگر اہل ہنود بہت معتقد ہیں۔ اکثر لوگ زمین پر لیٹ لیٹ کر کردور دراز فاصلے سے آتے ہیں اور "ملکوٹ گھے" پکارتے ہیں یعنی ملکوٹ رے جیسے خُذ بیدی کہتے ہیں یعنی میرا ہاتھ پکڑ۔ ملکوٹ کے معنے یہہ کیے جاتے ہیں کہ جب کھنڈوبا پیدا ہوا تو اُس پر آتش یعنی جنّات مستولی تھے اُس کی مدد کو سات کوٹ یعنی کروڑ آدمی آئے اور اُن دیووں کو مار ڈالا۔ یہہ جاترا ماہ پوس کی پونم سے شروع ہوتی ہے جو نومبر دسمبر میں پڑتا ہے اور ماہ ماگھ سدھ کی پاڑوا کو بھنڈارہ ہوتا ہے۔ یعنی اُس کے بعد خرید فروخت گھوڑوں کی موقوف ہوجاتی ہے۔ اس میلے میں پہلے دس سے پندرہ ہزار تک گھوڑے فروخت ہوتے تھے مگر سختی محصولات سے جاترا ٹوٹ گئی۔ لیکن سرکار نے سب قسم کے ٹیکس معاف کردیے نتیجہ یہہ ہوا کہ ۱۲۸۷ء میں صرف ایک ہزار گھوڑے آئے تھے لیکن پانچ ہی برس میں چار ہزار پر نوبت پہنچی اور ہر سال ترقی ہوتی گئی۔ علی بن عبداللہ صاحب مہتمم افزائش نسل چوپایہ نے بڑی ترقی دی اور جا بجا تخمی گھوڑے پھیلا دیے اور ہزار ہا روپیہ جاترا میں انعامات تقسیم کیے جانے لگے اب چاروں طرف کے گھوڑے کھنچ آتے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کے آرمی ریمونٹ ڈپارٹمنٹ میں یہیں سے گھوڑے سپلائی کیے جاتے ہیں۔

خانہ پور کا ایک دیول بیدر سے چار کوس خانہ پور ہے جسے ہندو میلار کہتے ہیں یہاں بھی بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے جو بیس دن رہتی ہے اور ہزار ہا آدمی جمع رہتے ہیں یہاں اشنان کے لیے بڑی کنڈا اور حوض کا ئے گئے ہیں جن میں بارہ مہینے پانی رہتا ہے۔ سدابرت اور گھڑیالچیوں نقارچی وغیرہ کے لیے سالانہ اللعہ سالانہ مقرر ہیں۔ دیول کے پاس اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے مگر اُس پر کوئی تاریخ نہیں پہلے یہہ مقام بہت آباد تھا اب بسبب رواَت آب و ہوا ویران ہو رہا ہے۔

بادشاہان خاندان بریدیہ

سلاطین خاندان بہمنیہ کا حال ہم ضمیمۂ گلبرگہ شریف میں لکھ آئے ہیں - اب خاندان بریدیہ کا حال لکھتے ہیں -

قاسم برید ۸۸۹ھ تا ۹۱۰ھ ۸۸۹ھ میں خاندان بہمنیہ کا زوال ہوا اور سلطنت کے پانچ حصے ہو گئے جن میں ایک خاندان بریدیہ بھی تھا - اس خاندان کا پہلا بادشاہ قاسم برید تھا یہہ ایک گرجی غلام تھا جس کو محمد شاہ لشکری بہمنی نے شہاب الدین یزدی سے خریدا تھا ۸۸۹ھ میں سلطان محمد کی تخت نشینی کے بعد ملک حسن نظام الملک بیدری اور عادل خاں سوائی بیجاپور میں ایک بڑی جنگ ہوئی اس معرکہ میں قاسم برید نے بہادری کے بڑے جوہر دکھلائے - نظام الملک نے خوش ہو کر اسے شہر کا کوتوال مقرر کر دیا ۸۹۰ھ میں جب نظام الملک کو لسپند خاں دکھنی نے مار ڈالا تو سلطان محمد نے اسے وکیل السلطنت مقرر کیا ۸۹۲ھ میں قاسم برید کا طوطی بول رہا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد ۸۹۵ھ میں وزیر اعظم ہو گیا - قندہار - اوسہ - اودگیر اور کلیانی کے قلعہ جات پر پوری طرح اس کا تسلط نہیں ہوا تھا پچھلے قابضین مانع و مزاحم تھے اُن کی سرکوبی کے ارادے سے یہہ نکلا مگر پھر کچھ نیت بدلی اور بغاوت پر تل گیا اور پیاپی تین مرتبہ بادشاہ کو شکست دی اور قریب تھا کہ شہر بیدر کو لے بیٹھے کہ دلاور خاں حبشی نے مقابلہ کر کے قاسم برید کو ایسا نیچا دکھایا کہ اُس نے کولاس میں جا کر سر چھپایا - وہاں پھر ایک جنگ عظیم ہوئی جس میں دلاور خاں ایک مست ہاتھی کے ہاتھ سے مارا گیا اب کیا تھا بادشاہ بالکل مغلوب ہو گیا اور اُس وقت کچھ ایسی بُری آن بنی کہ بادشاہ کو دب کر قاسم برید سے صلح کرنی پڑی اور پھر اُسی کو وزیر مقرر کیا - اس اثنا میں بہادر گیلانی اور احمد خاں بحری دونوں کی قاسم برید سے ایک لڑائی چھڑ گئی لیکن آگے چل کر صلح ہو گئی ۹۰۰ھ میں بادشاہ گلبرگہ سے اپنے بیٹے احمد شاہ کی شادی کر کے بیدر واپس آیا - قاسم برید عادل شاہ سے شکست پا کر گلبرگہ ہی سے اوسہ چل دیا تھا

تھا اب بادشاہ کے آنے کی سن کر وہ بھی واپس آیا اور بڑے زور شور سے کاروبار سلطنت کا خود چلانے لگا اور یہاں تک دخیل ہوا کہ بادشاہ کو بے کار محض کر دیا اس طرح پندرہ سال تک برسر عروج رہ کر سنہ ۹۱۰ھ میں دنیا سے رخصت ہوا۔

امیر برید سنہ ۹۱۰ھ تا سنہ ۹۴۸ھ قاسم برید نے تین بیٹے چھوڑے جہانگیر خاں۔ امیر برید اور خواجہ برید۔ امیر برید باپ کی جگہ وزیر ہوا جس نے تھوڑے ہی دنوں بعد بادشاہ کو معزول کر دیا اور خود سلطنت کرنے لگا۔ سنہ ۹۲۰ھ میں امیر برید نے عماد الملک اور قطب الملک کو گانٹھ کر بیجاپور پر چڑھائی کر دی۔ سلطان محمد تو وزیر کی مٹھی میں تھا۔ امیر برید بادشاہ اور شاہزادہ احمد دونوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ لڑائی میں امیر برید نے شکست پائی اور بادشاہ بیجاپور نے سلطان محمد اور شاہزادے دونوں کو قید کر لیا لیکن چند روز بعد ان کو اعزاز و اکرام شاہانہ کے ساتھ گلبرگہ بھیج دیا۔ امیر برید تو شکست ہوتے ہی بھاگ کر بیدر پہلے سے آن پہنچا تھا جب بادشاہ اور شاہزادہ گلبرگہ سے بیدر واپس آئے تو آتے ہی دونوں کو قید کر لیا۔ چند دنوں بعد سلطان محمد براڑ بھاگ گیا وہاں جا کر عماد الملک گورنر کی مدد سے ایک بڑی فوج لے کر پھر بیدر پر چڑھائی کی لیکن اسی اثناء میں سلطان محمد اور عماد الملک سے ٹھن گئی اور سلطان محمد افتاں و خیزاں پھر امیر برید کے پنجے میں آن پھنسا اور پہلی طرح برائے نام بادشاہ رہا دراصل حکومت امیر برید ہی کی تھی۔ اس زمانے میں امیر برید اپنے قلعہ جات اودگیر۔ قندہار اور اوسہ میں رہا کرتا تھا کبھی کبھار بیدر آ کر بادشاہ کو بھی دیکھ جاتا تھا۔ سنہ ۹۲۳ھ میں خداوند خاں حبشی جاگیر دار قندہار کو امیر برید نے شکست دی۔ سنہ ۹۲۴ھ میں سلطان محمد نے انتقال کیا۔ امیر برید بڑا ہوشیار تھا کھلے خزانے بادشاہ ہونا پسند نہ کرتا تھا برائے نام سلطان احمد شاہ کو تخت پر بٹھلا دیا۔ سلطان احمد عیاش مزاج تھا وہ خود امور سلطنت سے کارہ و متنفر تھا جو کچھ تھا امیر برید ہی تھا۔ چند دنوں کے بعد سلطان احمد بھی مر گیا۔ سنہ ۹۲۷ھ میں علاء الدین پسر احمد شاہ ثانی جو محمد شاہ بہمنی کا پوتا تھا بادشاہ ہوا اور اپنے باپ دادا کی طرح امیر برید کا دست نگر رہا۔ جب علاء الدین امیر برید کی اس بیباکی اور سفاکی سے ناچار ہو گیا تو مرتا کیا نہ کرتا اس نے سنہ ۹۳۰ھ میں امیر برید کے قتل اور اپنے بھاگ جانے کی تدبیر کی جس کی خبر امیر برید کو پہنچ گئی

اُس نے علاء الدین پر ڈبل پہرا لگا کر قید میں اور سختی کر دی۔ یہ بے چارہ قید کی حالت ہی میں گھٹ گھٹ کر مر گیا۔ اس کی وفات کے بعد سلطان ولی اللہ بہمنی پسر احمد شاہ بہمنی جو سلطان محمد شاہ کا پوتا تھا بادشاہ ہوا اور اُسی مصیبت میں گرفتار رہا جیسے کہ باپ دادا تھے۔ تین سال تو اس غریب نے مر پٹ کر کاٹے لیکن تابکے بھاگ جانے کا قصد کیا لیکن اس میں بھی ناکام رہا آخر زہر دے کر ہلاک کیا گیا۔ ولی اللہ بہمنی کی وفات پر امیر برید نے سلطان کلیم اللہ پسر احمد شاہ کو جو محمد شاہ بہمنی کا پوتا تھا ۹۳۲ھ میں تخت پر بٹھلا دیا۔

خاندان بہمنیہ کا آخری بادشاہ کلیم اللہ تھا جو برائے نام تخت پر بیٹھا مگر بالکل مسلوب الاختیار ہونے سے گھر سے باہر بھی نہ نکلتا تھا کہ ۹۳۲ھ کو بابر شاہ کابل سے ہندوستان آیا اور دہلی فتح کر لی اُس کا دبدبہ تمام ملک ہند میں مستولی ہو گیا۔ اسمعیل عادل شاہ۔ برہان نظام شاہ بحری سلطان قلی قطب شاہ سب نے عرائض اخلاص بھیجے۔ شاہ کلیم اللہ نے جب یہ خبر سنی تو اُس نے بھی ایک عریضہ ایک شخص کو تبدیل لباس کر کے اُس کے ہاتھ سے خفیہ بھجوایا جس کا مضمون یہ تھا کہ شومی تقدیر سمجھئے یا سوء تدبیر ملازمین قدیم نے نمک حرامی کر کے میرا ملک و بالیا اور مجھے محبوس کر رکھا ہے اگر آپ اس طرف کا قصد فرما کر مجھے اس قید سے آزاد کرائیں تو مملکت برار اور دولت آباد آپ کی نذر کروں گا۔ بابر کے پاؤں ہندوستان میں ابھی خوب نہ جمے تھے۔ سندھ اور گجرات کا انتظام کرنا تھا اتنی دور دراز پہنچنا خالی از وقت نہ تھا ٹال گیا لیکن یہ راز کھل گیا۔ کلیم اللہ گھبرا کر ۹۳۴ھ میں سر چھپانے بیجاپور چلا گیا وہاں بھی اس غریب کو پناہ نہ ملی مصرع ع - ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است۔

اسمعیل عادل شاہ بادشاہ بیجاپور نے اس کے گرفتار کر لینے کا قصد کیا وہ بے چارہ بیک بینی دو گوش صرف اٹھارہ سواروں کے ساتھ احمد نگر کی طرف نکل گیا۔ برہان نظام شاہ بحری البتہ بہت کچھ تعظیم و تکریم سے اُسے اپنے شہر میں لایا جس میں یہ غرض مضمر تھی کہ اس کو ملا کر بیدر پر ہاتھ ڈالے۔ جب کبھی شاہ کلیم اللہ مجلس میں آتا تو برہان نظام شاہ باس ادب ہاتھ باندھ کر اُس کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا۔ چندے یہی حال رہا لیکن شاہ طاہر علیہ الرحمۃ جو ایک ہمدان کے سادات رفیع الدرجات میں سے تھے مانع ہوئے کہ تم بادشاہ ہو کر کلیم اللہ شاہ کے سامنے

مثل نوکروں کے کھڑے ہوتے ہو۔ یہہ امر بالکل شان شاہی کے خلاف ہے کہ تمھارے نام کا تو خطبہ پڑھا جائے اور تم ہی دوسرے کے آگے دست بستہ کھڑے ہو نتیجہ اس کا یہہ ہوگا کہ تمھارے اعیان و انصار شاہ کلیم اللہ سے جا ملیں گے اور پھر ایسا سخت جھگڑا پڑ جائے گا کہ سلجھائے نہ سلجھے گا۔ برہان نظام شاہ کے کان کھڑے ہوگئے اُس دن سے اُس نے پھر کلیم اللہ کو اپنی مجلس میں نہیں بلایا۔ پھر خدا جانے زہر دے دیا گیا یا یہہ کہ طبعی موت آگئی بہر حال ۹۳۴ھ ۱۵۲۷ء میں دنیا سے رخصت ہوا اور اپنے ساتھ خاندان بہمنیہ کا خاتمہ بھی کر گیا۔ کلیم اللہ شاہ کا تابوت احمد نگر سے بیدر لایا گیا اور یہیں دفن ہوا۔ اب کیا تھا نظام الملک احمد شاہ بحری نے ولایت جنیر اور دولت آباد پر قبضہ کر کے احمد نگر دار السلطنت قرار دیا۔ بیجاپور میں اسمعیل عادل شاہ تھا ہی اسی طرح قلی قطب شاہ ہمدانی بلاد تلنگانہ پر قابض تھا اُس نے گولکنڈہ میں اور اعتماد الملک جو براڑ پر متصرف تھا ایلچپور میں اپنی اپنی سلطنت قایم کر لی امیر برید پہلے سے سلطنت بہمنیہ کا زبردست بادشاہ گر وزیر تھا ذرا سا کھٹکا اُسے شاہ کلیم اللہ کا تھا اب وہ بھی نہ رہا۔ تمام دفائن و خزائن و اسباب جاہ حشمت سلاطین بہمنی پر مع دار السلطنت بیدر قبضہ کر لیا۔ اور امیر برید شاہ کا لقب لے کے خود بادشاہ بن گیا۔ ۹۳۷ھ میں عادل شاہ اور برہان نظام شاہ نے بارہ ہزار سوار لے کر بیدر پر چڑھائی کی۔ امیر برید بہت ضعیف ہوگیا تھا بصارت میں بھی نقص آگیا تھا اس لئے اُس نے شیخ علاؤالدین عماد الملک گورنر براڑ سے مدد چاہی۔ عماد الملک آن پونہچا اور اس شورش کے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ امیر برید قلعہ میں اپنے بیٹے علی برید کو چھوڑ کر خود عماد الملک کے پاس گیا اور جہاں تک ممکن تھا مصالحت کی کوشش کی لیکن عماد الملک نے کہا کہ عادل شاہ کے پاس وافر لشکر ہے جس کا اُسے گھمنڈ ہے مجھ سے جہاں تک ممکن تھا میں نے بمصداق اَلصُّلحُ خَیر کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور اب سوائے اس کے مفر نہیں کہ بس تم قلعہ حوالہ کر دو۔ یہہ سن کر امیر برید واپس آیا اور رنجیدہ ناامید ہو کر اس قدر شراب نوشی میں مشغول ہوا کہ رات میں اسد خاں آکر اسے سوتے کو اُٹھا کر اپنے کیمپ میں لے گیا وہاں جا کر اس کو ہوش آیا۔ اپنی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر نہایت نادم و پشیمان ہوا اور قلعہ عادل شاہ کے سپرد کر کے خود مع اپنے اہل و عیال کے اودگیر چلا گیا اور دولت آباد کے متصل بالا گھاٹ

میں ۹۴۵ھ میں انتقال کیا جہاں اُس کا عظیم الشان مقبرہ اب بھی موجود ہے۔

علی برید شاہ ۹۴۹ھ تا ۹۸۷ھ

اب امیر برید کا بیٹا علی برید تخت نشین ہوا۔ اور علی برید شاہ کا لقب لیا۔ ۹۵۲ھ میں نظام شاہ بادشاہ احمد نگر ایک بڑا لشکر لے کر قلعہ اوسہ پر چڑھ آیا۔ علی برید نے کلیان کا قلعہ دے کر عادل شاہ کو اپنی طرف کر لیا اور دونوں مل کر قلعہ اوسہ پر بڑا بھاری لشکر لے کر جا پہنچے اور ایک بڑی بھاری لڑائی ہوئی جس میں علی برید اور عادل شاہ دونوں پسپا ہوئے۔ نظام شاہ کی جرأت اور بڑھ گئی اُس نے بلاغل وغش اودگیر اور قندہار کے دونوں قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۹۵۶ھ میں نظام شاہ نے قلعہ کلیان پر جو عادل شاہ کے قبضہ میں تھا چڑھائی کی اور علی برید اور عادل شاہ دونوں کو شکست دے کر قابض ہو گیا اگرچہ تھوڑے دنوں بعد پھر یہ قلعہ نظام شاہ سے چھن گیا۔ ۹۶۲ھ میں علی برید نے شہر بیدر کی حصار اور متعدد برج بنوائے اور برجوں پر بہت سی توپیں چڑھوائیں اور قلعہ کو ہر طرح مستحکم کرنے لگا۔ یہ حصار تین سال میں بنا جس کا طول شرزہ دروازے سے لے کر فتح دروازے تک چودہ ہزار پانسو درعہ بادشاہی ہے اور جس طرف کہ قدرتی پہاڑ بلند ہیں اُس طرف تو خندق نہیں ہے دوسری طرف بارہ گز گہری خندق ہے۔ ۹۷۰ھ میں دوبارہ نظام شاہ نے قلعہ کلیانی پر حملہ کیا جو اس وقت عادل شاہ کے قبضے میں تھا۔ عادل شاہ اور علی برید دونوں نے خوب مقابلہ کیا لیکن مصالحت پر یہ جنگ ختم ہوئی۔ ۹۸۲ھ میں مرتضیٰ نظام شاہ پسر نظام شاہ بادشاہ احمد نگر نے برار فتح کر کے بیدر پر لشکر کشی کی لیکن اسی اثنا میں خبر ملی کہ محمد شاہ فاروق نے برار پر یورش کر دی ہے تو بیدر کا محاصرہ چھوڑ کر واپس جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر محمد شاہ فاروقی کو شکست دے کر امن قایم کرنے کے بعد پھر بیدر کا رخ کیا اور اس دفعہ قطب شاہی بادشاہ گولکنڈہ کی مدد سے بیدر کا محاصرہ کر لیا لیکن اس نازک وقت میں یہ سانحہ پیش آیا کہ مرتضیٰ نظام شاہ کا بھائی برہان نظام شاہ جسے قید کر رکھا تھا نکل بھاگا اور اُس نے احمد نگر پر حملہ کر دیا۔ مرتضیٰ نظام شاہ اپنا سارا لشکر قطب شاہ کے سپرد کر کے یلغار احمد نگر پہنچا اور وہاں اپنے بھائی سے میل ملاپ کر لیا۔ قطب شاہ کو یہ مشکل پڑی کہ گولکنڈہ پر عادل شاہ جا پڑا تھا لامحالہ قطب شاہ کو جانا پڑا وہ اپنا سارا لشکر لے کر چلا گیا۔ اب صرف نظام شاہ کا لشکر اکیلا رہ گیا مجبور ہو کر بیدر کا

محاصرہ چھوڑ کر اُس کو بھی احمد نگر واپس جانا پڑا۔ علی برید نے ۹۸۷ھ میں رنگین محل کی بے نظیر عمارت بنوائی اور اسی سال اڑتیس برس سلطنت کرنے کے بعد حدت ادویہ باہیہ کی وجہ سے انتقال کیا۔ "آسودہ در بہشت" (۹۸۷ھ) تاریخ وفات ہے۔ شہر کے بارہ خانہ پور کی سڑک پر اس کا عالی شان گنبد ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

ابراہیم برید شاہ
۹۸۷ھ تا ۹۹۴ھ

علی برید کے دو بیٹے ابراہیم برید اور قاسم برید ثانی تھے۔ بڑا بیٹا ابراہیم برید تخت پر بیٹھا۔ سہیل خاں دکھنی اس کا بڑا مخالف تھا یہ چاہتا تھا کہ چھوٹا بیٹا تخت نشین ہو اس نے سازشیں شروع کیں۔ قصبہ کوہیر[۵۱] میں عادل شاہ مشغول جشن و نشاط تھا۔ سہیل خاں سیدھا کوہیر پونہچا اور اپنی مقصد برآری کے لئے امداد کا طالب ہوا بادشاہ نے صاف انکار کر دیا تب سہیل خاں اور قاسم دونوں نے بیدر کے اطراف لوٹ مار شروع کر دی۔ ابراہیم برید کو جب یہ خبر ملی تو اُس نے ان کا تعاقب کیا اور بیدر کے پاس ہی ان کو ایسی شکست دی کہ یہ دونوں سیدھے بیجاپور بھاگے وہاں اس زمانے میں بادشاہ کے انتقال کی وجہ سے ایک گڑبڑ مچی ہوئی تھی اِن کو کون پوچھتا ناچار پھر بیدر واپس آئے اور بادشاہ سے بہت کچھ عذر و معذرت کر کے اُسے ہموار کر لینا چاہا مگر ابراہیم بڑا سیانا تھا اور ان کی چال بازی سے خوب واقف تھا ان کی ایک نہ سنی اور دونوں کو قید کر دیا۔ ۹۹۰ھ میں بعض بیگمات کی سفارش اور بے حد کوشش پر ان دونوں کو قید سے نجات ملی۔ ابراہیم نے ۹۹۴ھ سات سال کی مختصر سلطنت کے بعد انتقال کیا۔ اس کا عالی شان مقبرہ شہر کے مغرب میں اب بھی موجود ہے۔

قاسم برید شاہ ثانی
۹۹۴ھ تا ۹۹۸ھ

ابراہیم لاولد فوت ہوا اس لئے اُس کا بھائی قاسم برید تخت پر بیٹھا۔ بیجاپور کا وزیر دلاور خاں معتوب ہو کر بیدر آگیا تھا۔ یہاں چند دن رہ کر احمد نگر میں جا کر وہاں کا وزیر اعظم ہو گیا۔ قاسم برید کی یہ حرکت عادل شاہ کو

۵۱۔ بیدر سے بارہ کوس ہے اور دہارور ریلوے اسٹیشن سے بھی بارہ کوس۔ بڑی اور قدیم بستی ہے۔ یہاں کے آم بہت مشہور ہیں اور کثرت سے ہوتے ہیں چنانچہ یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے ؎

ہر آں کو صاحب تدبیر باشد — بہ فصل انبہ در کوہیر باشد۔ ۱۲

کرنے کے بعد اس بادشاہ نے ۱۰۰۱ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کا بھی گنبد بریدیوں کے گنبد کے سلسلے میں ہے۔

امیر برید ثانی ۱۰۰۱ھ تا ۱۰۲۰ھ علی برید ثانی کے بعد اُس کا بیٹا امیر برید ثانی تخت پر بیٹھا۔ یہ ساتواں اور اخیر بادشاہ اس خاندان کا تھا۔ اس زمانے میں احمد نگر میں انواع و اقسام کے تنازعات پیش تھے تمام راجگان اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ شورش امیر برید کی مدد سے فرو ہوئی۔ امیر برید امور سلطنت کی طرف سے بالکل بے پروائی کرنے لگا اور عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ ۱۰۱۸ھ میں مرزا علی نامی ایک امیر تخت پر بیٹھ گیا اور بادشاہ نے بھاگ نگر (حیدر آباد) میں جاکر پناہ لی اور وہیں عالم غربت میں نو سال سلطنت کرکے ۱۰۲۰ھ میں انتقال کیا۔ میرزا علی نے بارہ برس بادشاہت کی اور ۱۰۲۷ھ میں اپنی لڑکی بڑی بی صاحبہ کی ابراہیم عادل شاہ کے فرزند آغوشی علی نامی سے بیدر میں بڑی دھوم دھام سے شادی رچائی اور جہیز میں علاقہ چٹگوپہ دینے کا وعدہ کیا لیکن اپنے وعدے کا ایفا نہ کرنے سے بمقام کمٹھانہ من مضافات بیدر ابراہیم عادل شاہ اور مرزا علی کے ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں میرزا علی اور ولی برید جو اُس کا ہمراز تھا دونوں گرفتار ہوئے اور قید کرکے بیجاپور بھیج دئے گئے۔ مرزا علی نے قید میں ہی ۱۰۳۲ھ میں انتقال کیا ؎

ہر کس بہ بہانہ ازیں دیر فنا شد عازم آں سرائے جاوید بقا
باقی نہ بود کسے بہ عالم ابداً غیر از احدے کہ نیست او را ہمتا

کمٹھانے کی لڑائی کے بعد بیجاپور کی طرف سے ملک مرجان ۱۰۳۶ھ میں بیدر کا گورنر مقرر ہوا۔ ملک مرجان کو سید شمس الدین صاحب سجادہ نشین خلیل اللہ بت شکن نے پرورش کیا تھا چوں کہ وہ بڑا زیرک تھا بادشاہ کی نذر گزرانا۔ اس طرح وہ خاندان بریدیہ کا ایک غلام تھا جو بڑی صاحبہ کی شادی کے وقت جہیز میں دیا گیا۔ چوں کہ وہ بڑا ہوشیار اور قابل شخص تھا خود بڑی بی صاحبہ نے اُسے بیدر پر نامزد کیا۔ ۱۰۶۶ھ میں جو آخر سال ملک مرجان کی صوبہ داری کا تھا دو مرتبہ کے شاہزادہ اورنگ زیب سے پیش آئے جس میں بہت کچھ روپیہ صرف ہوا باایں ہمہ ملک مرجان ناکام رہا اور بڑا بھاری تاوان دے کر

گلو خلاصی پائی۔ تیسری جنگ میں تو ملک مرجان کی جان ہی گئی کہ وہ مع اپنے دو فرزندوں اور حوالی موالی کے جس برج پر برآمد تھا اُسے سرنگ لگاکر اُڑا دیا اور جب ہی سے اس برج کا نام فتح برج پڑا ہے۔ شہر کے جنوب میں جو دروازہ اب فتح دروازے کے نام سے مشہور ہے اُسی میں سے اورنگ زیب شہر میں داخل ہوا۔ اب بیدر شاہان مغلیہ کے قبضے میں آگیا۔ ملک مرجان کی نعش برج پر سے اُتاری گئی اور حضرت مخدوم جی صاحب قدس سرہ کی درگاہ میں دفن کیا گیا۔ ملک مرجان نے تیس برس صوبہ داری کی اور اس افسوس ناک طور پر اُس کی موت ۲۴ ربیع الثانی ۱۰۶۶ھ میں واقع ہوئی کسی نے کیا عمدہ تاریخ لفظ "دو سوخت" ۱۰۶۶ھ سے نکالی ہے۔

۱۰۲۰ھ میں خاندان بریدیہ کا خاتمہ ہوا۔ ان کی حکومت (۱۴۲) سال رہی اور (۴۲) برس عادل شاہیوں کا تسلط رہا اُس کے بعد سلاطین مغلیہ کا دور دورہ ہوا۔ بعد زوال سلطنت مغلیہ نظام الملک آصف جاہ بہادر کا عمل ہوا جو بافضال آلٰہی اب تک جاری ہے اور دعا ہے کہ خدا اسی طرح جاری رکھے۔

فہرست سلاطین بریدشاہیہ

سلسلہ نمبر	نام	سال تخت نشینی	مدت سلطنت	سال انتقال
۱	۲	۳	۴	۵
۱	قاسم برید	۸۹۵ھ میں وزیر اعظم	۱۵ سال	۹۱۰ھ
۲	امیر برید	۹۱۰ھ	۳۹ سال	۹۴۹ھ بمقام بالاگھاٹ متصل دولت آباد (۹۰) سال کی عمر میں انتقال کیا۔
۳	علی برید	۹۴۹ھ	۳۸ سال	۹۸۷ھ میں بمقام رنگین محل بیدر انتقال کیا۔
۴	ابراہیم برید	۹۸۷ھ	۷ سال	۹۹۴ھ۔

نمبر شمار	نام	سال تخت نشینی	مدت سلطنت	سال انتقال
۵	قاسم برید ثانی	سنہ ۹۹۴ھ	۴ سال	سنہ ۹۹۸ھ
۶	علی برید ثانی	سنہ ۹۹۸ھ	۱۲ سال	سنہ ۱۰۱۰ھ
۷	امیر برید ثانی	سنہ ۱۰۱۱ھ	۹ سال	سنہ ۱۰۲۰ھ
		جملہ	۱۲۴ سال	
		عادل شاہ کی جانب سے نائب السلطنت		
۸	مرزا علی	سنہ ۱۰۲۰ھ	۱۲ سال	سنہ ۱۰۳۲ھ
۹	ملک مرجان	سنہ ۱۰۳۶ھ	۳۰ سال	سنہ ۱۰۶۶ھ

بیدر پر شاہان مغلیہ کا تسلط — یہ شہر اب تک احمد آباد بیدر مشہور تھا اورنگ زیب نے اس کا نام محمد آباد بیدر رکھا اور یہی اب تک لکھا جاتا ہے۔ یہاں سے قلعہ داروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

پہلا قلعہ دار۔ افتخار خان پہلا قلعہ دار ہوا جو (۳) سال کے بعد مرا۔

دوسرا قلعہ دار۔ خان زماں ولد اعظم خاں جہاں گیری سنہ ۱۰۶۶ھ میں مقرر ہوا جو ساڑھے پانچ برس کے بعد مالوے کا گورنر مقرر ہوا اور وہیں سنہ ۱۰۹۵ھ میں مرا۔

تیسرا قلعہ دار۔ مختار خاں سبزواری سنہ ۱۰۷۱ھ میں قلعہ دار ہوا۔ اور سترہ برس رہا۔ اسی کے زمانے میں شہر کے دروازوں پر آہنی تختہ اور کیلے جڑے گئے۔

چوتھا قلعہ دار۔ جب سنہ ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب نے قلعہ گولکنڈہ تانا شاہ سے لیا تو بیدر پر میر بہادر قلعہ دار تھا پہلے تو اُسے ربیع الثانی سنہ ۱۰۹۹ھ تانا شاہ کے ساتھ ہو دولت آباد بھیجا اور وہاں سے واپس آنے کے بعد حیدر آباد کا صوبہ دار کیا اور اس کے بیٹے رستم دل خاں کو قلعہ داری ملی۔ ڈیڑھ سال کے بعد وہ حیدر آباد کا مدار المہام ہو گیا۔

پانچواں قلعہ دار۔ ۱۰۲۰ھ میں قلندر خاں المخاطب بہ جاں سپار خاں ہوا (اسی کا کتبہ بیدر کے قلعہ کے اندر کی مسجد میں لگا ہوا ہی) جو چند سال بعد گلبرگہ میں جاکر ۱۰۹۷ھ میں مرگیا۔

چھٹے اور ساتویں قلعہ دار۔ اورنگ خاں اور اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا قباد خاں قلعہ دار رہے۔ خانقاہ دستگیر قباد خاں کی بنائی ہوئی ہی جو صوبہ دار اُڑیسہ ہوگیا

آٹھواں قلعہ دار حسام الدین خاں ولد نظام علی ابن غیاث الدین آصف خاں ۱۱۰۵ھ میں ہوا۔ قلعہ کے متصل چاندنی چبوترہ اور حویلی مع مسجد اسی کی بنائی ہوئی ہی یہیں ایک نہایت خوب صورت باغ بھی اسی نے بنوایا تھا۔ وقائع نگار کی رپورٹ پر کہ اس نے بادشاہی لنگر موقوف کردیا۔ قریب دس سال کے قلعہ دار رہ کر معزول کیا گیا۔

نواں قلعہ دار۔ خان زماں خاں تھا جو چند سال کے بعد حضوری میں اورنگ آباد بلا لیا گیا

دسواں قلعہ دار۔ جلال الدین خاں پسر فضل اللہ خاں تھا جو تقرر کے بعد ہی مرگیا۔

گیارھواں قلعہ دار۔ سزاوار خاں بن حسام اللہ خاں ۱۱۲۰ھ میں مقرر ہوا۔ اسی کی قلعہ داری کے زمانے میں ۱۱ رمضان ۱۱۳۱ھ شب پنجشنبہ وزیر وعمدۃ الملک خواجہ جہاں قاوان من اعمال گیلان کے مدرسہ پر بجلی گر کے نصف مدرسہ اُڑ گیا جس کی تاریخ "دو خراب شد" ہی۔ یہ مدرسہ خواجہ گاوان نے اپنی شہادت سے دو سال پیشتر بنوایا تھا جس کا طول شرقاً وغرباً (۷۵) درعہ اور عرض شمالاً وجنوباً (۵۵) درعہ ہی۔ جس کی دونوں جانب دو بلند مینارے تھے جس پر کاشی کا کام تھا اور انواع واقسام کے رنگین حجرے اور وسط میں مسجد تھی اور چاروں طرف متعدد ایوان علما وفضلا وطلبا کے رہنے کے تھے۔ طلبا کو کھانا کپڑا اور فقرا اور وارد وصادر کو لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ یہ عمارت ایسی مستحکم بنی تھی کہ ایک ہزار برس تک اس کو ڈھنے کا ڈر نہ تھا۔ اس کی کسی دیوار پر یہ مصرعہ ع

این عمارت تا قیامت پائدار

لکھا ہوا تھا لیکن اورنگ زیب کے زمانے میں اس کے حجروں کو باروت کا انبار خانہ بنا دیا تھا ناگاہ تاریخ مذکورۂ بالا پر بجلی گری جس سے آدھی عمارت مع منار جنوبی اور نصف مکان شرقی کے

مع چند مکانات اندرونی کے اُڑ گئی۔ اُس وقت مسجد میں پانسو تراویح خواں تھے مع مولوی محمد حسین مدرس کے ستر آدمی جاں بحق ہوئے اور بہت سارے لوگ منہدمہ مکان کے انبار میں دب گئے۔ دوسرے دن جب کھدائی شروع ہوئی تو مدرس اور بعض لوگوں کی تو شناخت ہوئی باقی پہچانے بھی نہیں جا سکے۔

غرض ان سب کو بیرون شہر دفن کیا۔ لیکن اس جم غفیر میں بھی صرف دو شخص زندہ نکلے ایک تو قاضی شہر کے کوئی عزیز تھے اور دوسرا ایک میوہ فروش تھا جو مدتوں بعد تک زندہ رہا۔ تاریخ خافی خانی میں لکھا ہے کہ (۲۲۹) سال یہہ عمارت صحیح و سلامت رہنے کے بعد یہہ حادثہ ہوا۔ خواجہ جہاں کی یادگار علاوہ اس مدرسے کے ایک بڑا تالاب ہے جس پر خواجہ کا مقبرہ واقع ہے اور چار بڑے بڑے بازار باقی ہیں۔ سزاوار خاں دو سال قلعہ دار رہنے کے بعد قلعہ داری قلعہ وہارور پر بھیج دیا گیا۔

بارھواں قلعہ دار۔ راجہ انوپ سنگھ بُندیلہ تھا جو سادات بارہ کا متوسل تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا۔ اس نے ٹوڈرمل ہزاری کی بیٹی کی خواستگاری کی لیکن بمقابلہ راجپوت نیچ قوم کا ہونے سے اُس نے انکار کیا اس پر چل پڑی۔ انوپ سنگھ قلعہ کا مالک تھا اور ہزاری اُس کا ماتحت۔ بے چارے غریب ہزاری کو جان سے مروا دیا۔ اس واقعہ پر بڑا ہنگامہ ساری قلعہ کی جمعیت نے کیا اور دوسرے ہزاری بدل گئے اور قلعہ کو گھیر لیا۔ راجہ نے ڈر کے مارے قلعے کے دروازے بند کر لئے۔ اس طرح تین دن قلعہ محصور رہا۔ یہ خبر سن کر راجہ چندر سین بندیلہ نے بیاس ہم قومی بھاگی سے ایک کثیر تعداد جمعیت کی امداداً بھیجی وہ لوگ دہلی دروازے کو جو بند رہتا تھا کھول کر قلعہ دار کو نکال لے گئے۔ قلعہ خالی رہ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر چند ہزاری اور بھگونت رائو دیکھ وغیرہ بہت سے لوگ مل کر محمد شاہ بادشاہ دہلی کے پاس فریاد لے کر گئے انوپ سنگھ نے ساڑھے پانچ برس قلعہ داری کی۔

تیرھواں قلعہ دار۔ بادشاہ نے فوراً میر کلاں خاں داروغۂ گرز برداران کو جو حاضر باش بساط اقدس شاہی تھا بیدر کا قلعہ دار مقرر کیا جو ۳ صفر ۱۱۳۴ھ کو پہنچا۔ حضرت ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ خستہ حالت میں تھی میر کلاں خاں نے دیوار حصار دروازے

اور سیڑھیاں وغیرہ از سرِ نو بنوائیں۔ اسی کے زمانے میں موضع کمٹھانے کا (جو بیدر سے چھ میل ہی) بڑا تالاب ایک مہینے کی مسلسل بارش سے ٹوٹ گیا تالاب کا پانی نار نجہ نالے میں پڑا اُس کا پانی مانجرا ندی میں گرا غرض ایسی طغیانی ہوئی کہ بہت سے گاؤں بہ گئے اور خاص بیدر کے کنوئیں جو بے حد عمیق ہیں پانی سے ایسے لبریز ہوگئے کہ صرف تین فیٹ پر پانی آن لگا۔ نواب آصفجاہ بہادر جب ملک دکن پر مسلط تھے تو میر کلاں خاں نے رشتۂ اتحاد بڑھانے کے لئے اُن کی صاحب زادی کالی بیگم صاحبہ سے اپنے لڑکے قیام الملک کی شادی کرلی میر کلاں خاں نے ننو برس کی عمر میں وفات پائی اور حضرت ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ میں آسودہ ہیں۔

چودہواں قلعہ دار۔ واصل خاں کلاں تھا جو چند دن کے بعد ایک نقارچی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

پندرہواں قلعہ دار۔ قیام الملک کو بھی موروثی خطاب میر کلاں خاں اپنے باپ کا ملا وہ چونکہ دامادی نواب آصف جاہ بہادر کے حیدرآباد میں رہنے لگا اس لئے محمد واصل خاں جو اپنے باپ میر کلاں خاں مرحوم کا پروردہ تھا قلعہ دار مقرر ہوا۔ اس کو شکار کا بہت شوق تھا چنانچہ شکار ہی میں گولی لگ کر ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ اس نے سنہ ۱۱۴۱ھ میں واصل گنج بنایا جسے مقتدی خاں نے اپنے عہد میں شاہ گنج سے بدل دیا۔ واصل گنج کے اطراف ایک بلند فصیل بنوای اور ایک عمیق خندق کھود کر کے تین بڑی بڑی موریاں پانی کی نکاسی کے لئے بنا کر شٹر (پانی روکنے کے لئے تختہ) لگا دئے تھے جس کی علامات اب تک موجود ہیں۔ اس کی قلعہ داری کے زمانے میں دو بڑے بازار میر گنج اور بہادر گنج بنے تھے جن کا اب نشان بھی باقی نہیں۔ واصل خاں بڑا بہادر اور سپاہ پرور تھا۔ خرچ زیادہ آمدنی کم تھی اکثر اوقات دیہات میں لوٹ مار کرنے لگا۔ نواب نظام علی خاں نے ۱۱۵۸ھ میں مقتدی خاں کو چار ہزار سواروں کے ساتھ اس کی تنبیہ کو بھیجا لیکن اس نے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا اور ایک نہ سنی آخر خود نواب صاحب اورنگ آباد سے بیدر تشریف لائے تب واصل خاں عجز و انکسار سے پیش آیا اور بیرون قلعہ آکر جان کی امان مانگی اور قلعہ حوالہ کر کے پھر بھی باز نہ آیا چند روز اس کے بعد بھی بیدر میں

رہ کر اپنی کرتوت بیدر والوں کو بتلا گیا - اُس نے قلعہ کی خندق کے کنارے کنارے جتنے
سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے سب کٹوا ڈالے شرزہ دروازے کے پاس جو مکانات تھے
سب گروا دیئے - داؤد شاہ کے تکیے کو برباد کر دیا اور اسی طرح قلعہ کے بہت سے مکانات بھی مسمار
کر دئے - اپنا بدلہ بیدر والوں سے اچھی طرح لے کر اپنی جاگیر موضع چالکگیر کو چلا گیا وہاں جا کر
کچھ لوگوں کو جمع کر کے پھر لوٹ مار کرنے لگا - مقتدی خاں نے پانسو سوار دے کر مومن خاں کو
اس کی سرکوبی کو بھیجا - مومن خاں اپنے سواروں کی ٹکڑی لئے موضع اشٹور میں جو بیدر سے
(۲) میل ہی پھیرا ہوا تھا کہ واصل خاں اپنی ٹکڑی لئے ہوئے وہیں اس غرض سے آیا کہ مومن خاں
کی نقل وحرکت کا حال معلوم کرے - ان دنوں سلطان احمد شاہ کا عرس تھا کثرت سے لوگ
جمع تھے - مومن خاں کے سوار چاروں کی تلاش میں پھر رہے تھے کہ واصل خاں صاحب
سے مٹ بھیڑ ہو گئی اُسے اچانک دھر لیا اور لٹھوں سے مار مار کر ختم کر دیا اور اُس کا سر بانس
پہ چڑھا کر بڑے خوش خوش مومن خاں کے پاس لائے - مومن خاں نے سر کو عرس کے
جم غفیر میں ایک نمایاں جاے پر لٹکوا دیا - بعد خود مومن خاں کے سر کو اُتروا کر مع جسد کے
سید شیخ کلیم اللہ صاحب کی درگاہ میں وہیں اشٹور میں دفن کروا دیا - یہ واقعہ
۱۱۶۷ھ میں ہوا -

سولھواں قلعہ دار - ۱۱۵۸ھ میں مقتدی خاں مقرر ہو چکا تھا - اس کی معیت میں
پانچ ہزار جمعیت سندھیوں کی جدید بھرتی ہوئی اس نے بھی واصل خاں کا سا لوٹ مار کا طریقہ اختیار
کیا - نواب میر نظام علی خاں برادر نواب صلابت جنگ بہادر کی گوش مبارک تک یہ خبر پہنچی
کہ اُس نے بھی جمعیت بڑھائی اور اطراف بیدر میں لوٹ مار کر رہا ہے تو نواب صاحب معنٰہ
۱۱۷۴ھ میں بیدر تشریف لائے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مقتدی خاں کو زیر کیا لیکن بڑی
ردو قدح کے بعد پھر مقتدی خاں ہی کو خدمت پر قایم رکھ کر خود اورنگ آباد مراجعت فرمائی
۱۱۷۵ھ میں نواب صلابت جنگ دوبارہ بیدر تشریف لائے اور کرنجہ تالاب کے پاس مقیم
ہوئے مقتدی خاں کو پھر رگ چڑھی اور بعوض لوازم استقبال ادا کرنے کے قلعہ کا دروازہ
بند کر کے بیٹھ گیا اور ہمہ تن مقابلہ پر مستعد ہو گیا لیکن کچھ کچھ لوگ جو مقتدی خاں کے خلاف

تھے اُنھوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا نواب صاحب قلعہ میں داخل ہوئے اور مقتدیٰ خاں
کو قید کرلیا۔ ادھر تو یہ معرکہ پیش تھا اُدھر قلعہ میں جو پربھیوں کی جمعیت تھی وہ بدل گئی اور
اپنے جورو بچوں کو قتل کرکے شہر بیدر کو لوٹنے لگے قلعہ کا انتظام کرکے نواب صاحب اورنگ آباد
مرہٹوں کے مقابلے کے لیئے واپس ہوئے۔ الغرض مقتدیٰ خاں نے سترہ برس قلعہ داری کی
سترھواں قلعہ دار۔ ۱۱۷۵ھ میں نواب مجاہد جنگ سیادت خاں قلعہ دار ہوئے اور
قلعہ دار ہوتے ہی جمعیت احتشام کے بہت سے لوگوں کو جو ایک لٹیر اگروہ تھا موقوف کرکے
سندھیوں کو بھرتی کیا اور شہر کو بہت کچھ آباد کیا۔ محرم ۱۱۷۶ھ کو نواب میر نظام علی خاں بہادر
پھر اورنگ آباد تشریف لائے اور اپنے چھوٹے بھائی صلابت جنگ کو قید کرکے خود مسند
نشین ہوئے پھر حیدر آباد چلے گئے۔ مجاہد جنگ کے آبا و اجداد سب احمد نگر کے قلعہ دار
تھے۔ نواب نظام علی خاں نے بہ مصلحت وقت صلابت جنگ کو قتل کروانا چاہا جس سے
قلعہ دار نے انکار کیا اور اسی وجہ سے تین سال کے بعد معزول کیا گیا۔
اٹھارواں قلعہ دار علاؤ الدولہ بدیع الزماں خاں نارنولی ۱۱۷۷ھ میں قلعہ دار
مقرر ہوا اُس نے اسی سال ۸ ربیع الاول پنجشنبہ کے دن صلابت جنگ کو قتل کردیا جسکے
صلے میں دلیر جنگ کا خطاب ملا۔ نواب شہید درگاہ ملتانی بادشاہ میں مدفون ہیں۔ یہ
شخص بھی بڑا جابر اور سخت ظالم تھا اس وجہ سے تین سال کے بعد ۱۱۷۹ھ میں معزول
کیا گیا۔
اُنیسواں قلعہ دار۔ تھوڑے دن میر کلاں خاں ثانی قلعہ دار رہا۔ جو قلعہ جات
کلیانی اور مدگل کا مدتوں قلعہ دار رہ چکا تھا۔
بیسواں قلعہ دار۔ عین الدولہ میر مرتضیٰ خاں فاروقی نیاخانی ۱۱۸۰ھ میں قلعہ دار مقرر
ہوا ۱۱۸۵ھ راگھو راؤ پونے کے مرہٹہ سردار سے اور نواب نظام علی خاں سے کنار ردو ما تجرا
پر لڑائی ہوئی جس میں بیدر کی ست گزی توپ چلائی گئی تھی جس کے بعد پھر کبھی نہیں چلی۔
مرتضیٰ خاں سات سال قلعہ داری کرکے ۱۱۸۷ھ میں حیدر آباد چلا گیا۔
اکیسواں قلعہ دار۔ سیف الدولہ محمد غوث نارنولی ۱۱۸۷ھ میں مقرر ہوا۔ ۱۱۹۱ھ میں

موضع اشٹور کے ایک دھیڑ (چمار) کو کسی مکان کے کھودنے میں وافر دولت ملی جس میں بارہ ہزار طلائی سلاخیں ملیں جو پانچ پانچ تولہ کی تھیں اور آٹھ سنگوٹیاں اور دو ہل طلائی بھی ملے یہ بھید اس طرح کھلا کہ دھیڑ کی لڑکی کا ایک شخص سے تعلق تھا پانچ سلاخیں اُسے بھی ملیں جن کو وہ چٹگوپے کے بازار میں فروخت کرنے گیا - لوگوں نے شبہ پر اُسے پکڑ لیا اور وہ سلاخیں کیشوراو دیسپانڈیہ نے چھین لیں - اس کی خبر اشٹور کے دیسپانڈیہ رستم راؤ کو بھی لگ گئی اُس نے فوراً دھیڑ کے گھر کی تلاشی لی اور باقی ساری سلاخیں وغیرہ خود ہضم کریں قلعہ دار نے خبر پاکر اپنا حصہ مانگا دیسپانڈیہ مکر گیا جس پر لڑائی ہوئی - قلعہ دار نے سارا سونا جو ملا تھا چھین کر رستم راو - اُس کے ساتھیوں اور دھیڑ سب کو قید کر کے نواب نظام علی خاں کے پاس دولت آباد بھیج دیا جہاں سب کے سب سڑ سڑ کر قید میں مر گئے - خزانہ جو ملا تھا داخل سرکار کر لیا گیا - محمد غوث نے پانچ برس سے کچھ اوپر قلعہ داری کی اور ۱۱۹۲ھ میں خود کنارہ کش ہو کر حیدر آباد میں مر گیا -

۱۱۹۲ھ سے ۱۲۰۲ھ تک کوئی باقاعدہ کوتوال نہ رہا سیف الدولہ مستقل کوتوال قلعہ بیدر کے معاملات سلجھانے کے لئے حیدر آباد چلے گئے تھے اور بیدر میں اُن ہی کی طرف سے حسب ذیل نگران کار مقرر رہے -

حسین خاں - رکن الدین برادر شاہ عبدالرزاق نارنولی مشائخ جو نجم الملک کے داماد تھے ۱۱۹۳ھ سے دو سال - میر زین العابدین خاں داروغہ دروازہ شاہ گنج - دو سال چند ماہ - شاہ عبدالرزاق دو سال چند ماہ - رکن الدین خاں (دوبارہ) یہ شخص بڑا منتظم تھا اس کے زمانے میں کوئی جھگڑا برپا نہیں ہوا - ۱۲۰۲ھ میں سیف جنگ نجم الملک سے اقطاع دیگلور و کھم منتزع ہو جانے سے رکن الدین خاں نے خود سبکدوشی حاصل کی اور سیف جنگ نجم الملک قلعہ دار مقرر ہوا -

بائیسواں قلعہ دار - سیف جنگ نجم الملک ۱۲۰۳ھ میں مقرر ہوا - جو دو سال کے بعد ۱۲۰۵ھ میں حیدر آباد میں زہر سے ہلاک ہوا جس کے بعد عارضی طور پر غلام محمود خاں ایک سال تک کام چلاتا رہا -

تیئسواں قلعہ دار - تارا میاں امین الملک برادر کو چک منیر الملک ابن غیور جنگ

ابن شیر جنگ ۱۲۰۸ھ میں مقرر ہوا۔ اس کے زمانے میں بیدر میں تین سال متواتر بوجہ قلت بارش سخت قحط پڑا کہ جوار فی روپیہ چار سیر بکنے لگی اور آگے چل کر تو بقالوں کے پاس بھی غلہ نہ رہا تب امین الملک نے تمام کھتے اناج کے کھلوا دئے اور شہزادہ دروازے میں خود بیٹھ کر غلہ فروخت کرواتا تھا۔ تین سال قلعہ داری کے بعد ماہ لقا عرف چندہ طوائف[۵۱] (جو مشہور مغنیہ حضوری تھی) کی شکایت پر معزول کیا گیا۔

چوبیسواں قلعہ دار۔ نور محمد خاں اورنگ آبادی جو کروڑگیری کا میر لشکر تھا مقرر ہوا ابھی کچھ مدت نہ گزری تھی کہ نواب نظام علی خاں بہادر کے ساتھ کھرلہ کے سفر پر گیا اور قلعہ داری پر نیابتہً ذاکر الدین خاں اورنگ آبادی کو مقرر کیا۔ حیدر آباد واپس آنے کے بعد عالی جاہ مرشد زادہ نے سداسیوا یڈی زمیندار سرکار میدک کی اغوا سے بغاوت کی اور حیدر آباد سے خروج کرکے اندول جوگی پیٹ پہنچا اور وہاں سے بڑھنے کے بعد سدی عبداللہ خاں جو کوہیر سے قلعہ میدک کی

۵۱۔ یہ طوائف بڑی بذلہ سنج اور حاضر جواب تھی ایک دن پالکی میں بیٹھ کر موسٰی ندی میں سے (جب پل نہ تھا) شہر میں جارہی تھی پانی میانے کی تہ تک پہنچ گیا ادھر سے کوئی بانکے سپاہی چلے آرہے تھے کہنے لگے بی چندہ دیکھو تمہارا دفتر بھیگ گیا۔ چندہ نے برجستہ جواب دیا کہ سپاہی صاحب آپ کچھ فکر نہ کیجئے آپ کے چہرے کو میں بگڑنے نہ دوں گی۔ (سپاہیوں کا حلیہ جو سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا ہے اُسے اصطلاح فوج میں چہرہ کہتے ہیں)۔

ایک دن ایک امیر کسی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اُن کے دونوں جانب اُن کے دونوں صاحبزادے نہایت وجیہ و شکیل بھی بیٹھے تھے اُنھوں نے بی چندہ سے جو ناچ رہی تھی کہا کہ دیکھو کیسے شیر بچے ہیں چندہ نے کہا کہ نواب صاحب ماشاءاللہ چشم بد دور یہ تعریف تو اُس گوہی کی ہے جس میں سے نکلے ہیں۔ ایک دن چندہ ناچ رہی تھی ناچتے ناچتے اتفاقاً اس کی پشواز میں اُسکی جوتی الجھ گئی ایک امیر نے کہا کہ بی چندہ تمہارا جوڑا تمہارے ساتھ ہے۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ باندی کا جوڑا ہمیشہ باندی کے ساتھ رہتا ہے مگر امیروں کا جوڑا (جوتا) خدمت گاروں کی بغل میں رہتا ہے۔ اس قسم کی بہت سی نقلیں اس کسبی کی لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں ۱۲۔

محافظت کو جارہا تھا اُسے قتل کر دیا جس سے سارے ملک تلنگانہ میں بدامنی پھیل گئی یہ سب باغی پارٹی نہایت جسارت سے قلعہ بیدر پر جا چڑھی۔ قلعہ کے ہزاری تدھی رام ٹیر بھیہ (جو نجم الملک کا مقرب تھا) اور جی سنگہ دونوں نے ذاکر الدین خاں نائب قلعہ دار کو بھی ملا لیا اور سب سدا سیوا ٹیڈی کے ہم خیال ہو گئے اور عالی جاہ کا استقبال کر کے قلعہ حوالہ کر دیا۔ یہ خبر نواب نظام علی خاں بہادر کو پہنچتے ہی میر عالم[۵۵] بہادر۔ موسی رحمو اور محمد عظیم خاں اور گھانسی میاں بہادران و مشاہیر مملکت کو چند توپ قلعہ کشا اور ایک ہزار فوج زیر کمان مانشر ریمنڈ دے کے روانہ کیا۔

---

[۵۵] اصل نام میر ابو القاسم تھا آپ کے پدر بزرگوار میر سید رضی شوستری ایک بڑے عالم متبحر تھے۔ بیٹے نے بھی باپ سے ہی جملہ علوم فنون میں دستگاہ کامل حاصل کی اور حیدر آباد چلے آئے۔ حیدر آباد میں جب مسٹر جان لین (انگریزوں کا وکیل مقرر ہو کر آیا تو غلام سعید خاں ارسطو جاہ نے سرکار عالی کی طرف سے میر صاحب کو سفیر مقرر کر کے بڑی حشمت اور شوکت سے کلکتہ روانہ کیا آپ بعد انصرام کار حیدر آباد واپس آئے ۱۲۰۸ھ میں آپ کھرڑے کی مہم کو طے کرنے گئے اور اسی زمانہ میں آپ یہ اتفاق ایسٹ انڈیا کمپنی فوج کے سرکردہ بھی مقرر ہو کر سرنگا پٹن کو ٹیپو سلطان شہید کے مقابلے پر گئے وہاں سے چینا پٹن گئے اور حیدر آباد واپس آنے کے بعد چند مفتریوں نے رخنہ اندازی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارسطو جاہ آپ سے کشیدہ ہو گیا آپ بھی خانہ نشین ہو گئے۔ حضرت غفراں مآب کا پہلے انتقال ہوا اور نو مہینے کے بعد ارسطو جاہ رخصت ہوئے۔ سکندر جاہ بہادر نے گوکم راجہ اندر کو مدار المہام مقرر کیا لیکن اُن سے برابر کام نہ چلا کمپنی بہادر کی تحریک پر میر صاحب خدمت جلیلہ مدار المہامی پر ۱۲۱۹ھ میں سرفراز ہوئے میر صاحب کا ڈنکا بج گیا۔ ملک میں امن و امان اور ہر طرح کی ترقی ہوئی سیکڑوں مدرسے مسجدیں اور رباطیں بن گئیں چنانچہ حیدر آباد سے دریائے کشنا اور بھنا باد مضافات بیدر تک منزل بہ منزل سرائیں بن گئیں اور رود موسی کا پُل بنا۔ میر عالم کا مشہور بڑا بھاری تالاب جس کا بند ایک فرسخ طول اور پچاس گز بلند ہے بنوایا جو اب تک موجود ہے اور موسی ندی کے کنارے بارہ دری نامی ایک بے نظیر باغ بنوایا جس میں انواع اقسام کے درختوں کے سوا عمارات رفیعہ اور متعدد شہ نشینیں بنوائیں جن میں بے نظیر گلکاری

طرفین سے مقابلۂ عظیم ہوا جس میں بہت سے لوگ مارے گئے شاہزادہ دہلی دروازہ کھلواکر اورنگ آباد کی طرف نکل بھاگا لیکن وہاں بھی ٹک نہ سکا اور آخر کار گرفتار ہوکر حیدرآباد کے راستے میں تپ محرقہ سے انتقال کیا اور مقبرۂ حسن برہنہ صاحب میں مدفون ہوا- ذاکرالدین خاں بھی چند سال سرگردان و پریشان بھٹکا پھرا آخر کار وادی عدم کا رستہ لیا- دونوں ہزاری ہندوستان بھاگ گئے اور وہیں مرگئے پھر دکن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی- سدا سیوراؤ پہلے تو قلعۂ گولکنڈہ میں قید رہا اور پھر بہ عقوبت تمام مارا گیا-

پچیسواں قلعہ دار- منعم خاں منعم الدولہ ۱۲۱۰ھ میں مقرر ہوا جو بڑا رحم دل اور رعایا پرور تھا اس نے پچاس ہزار روپیہ اُن لوگوں کو دیا جن کے مکانات اس معرکہ میں تباہ ہوئے تھے اور از سرنو اُن کی تعمیر کرادی- اس کی قلعہ داری صرف پانچ ہی مہینے رہی کہ فالج سے بیدر میں انتقال کیا اور حضرت ملتانی بادشاہ کی درگاہ میں دفن ہوا-

چھبیسواں قلعہ دار- خاں جہاں خاں داروغۂ فراش خانہ تھا جو ۱۲۱۰ھ میں مامور ہوا- لیکن اُسے خاص حیدرآباد میں اس قدر کام تھا کہ وہ ہل نہ سکتا تھا لہذا اُس نے اپنی طرف سے مرزا حسینی بیگ کو جو نہایت ہوشیار اور فربس تھا مامور کیا- ہزارہا جوان جمعیت احشام کے بےکار پڑے تھے اُن کو پہرے چوکی پر لگا دیا اور ان کو کئی کئی مہینے چڑھا کر تنخواہیں ملتی تھیں وہ ماہ بماہ ملنے لگیں- بیٹ پترول پر بھی چند لوگوں کو مقرر کر دیا اور جتنی بےکار زمین قلعہ میں پڑی تھی سب میں زراعت کرادی- لال باغ میں جہاں اب پولیس سوپرنڈنٹ کی کچہری ہے بہت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶- کرائی اور لکھوکھا روپیہ صرف کیا- کربلائے معلی کے حصار شریف کی تعمیر اور نہر حسینیہ کی اجرا کے لئے مجتہد الزمان آقا طباطبائی کے استصواب سے زر کثیر بھجوایا- اواخر عمر میں صلاح و تقویٰ کو بدرجۂ اتم اپنا شعار کر لیا تھا- طاعت الٰہی اور داد دہی خلایق کے سواد وسرا کام نہ تھا- حضرات چہاردہ امام معصوم علیہم السلام کے مولود کے لئے سادات عظام کو بہت کچھ داد و دہش کرتے تھے- اس طرح چار سال چند مہینے اس عمدگی سے خدمت کو انجام دیا کہ آج تک نام چلا آتا ہے اگرچہ عوارض بدنی میں مبتلا تھے حتی کہ طاقت نشست و برخاست کی نہ تھی مگر سرانجام مہام سلطنت سے کبھی تغافل نہ کیا- آخر کار ۱۲۲۳ھ میں دنیا سے رخصت ہوکر دائرۂ میر مومن استرآبادی میں مدفون ہوئے

سے درخت لگوائے اور گرے پڑے مکانات کو درست کرا دیا۔ اس کا ارادہ چار بڑے بڑے حوض بنانے کا تھا مگر خاطر خواہ رقم نہ ملنے کی وجہ سے صرف ایک بڑا حوض ملتانی بادشاہ صاحب کی درگاہ کے سامنے بنوایا جو ہمیشہ متصل باؤلی کے پانی سے جو نل سے لایا جاتا تھا بھرا رہتا تھا۔ ملتانی بادشاہ کی درگاہ کے سامنے کی کمان بھی اسی قلعہ دار کی بنوائی ہوئی ہے۔ تین سال کے بعد نواب مشیر الملک نے اسے خدمت سے علیحدہ کر دیا۔

ستائیسواں قلعہ دار۔ میر الٰہی المخاطب بہ احسن الدولہ یکہ تاز جنگ ۱۲۱۴ھ میں قلعہ دار مقرر ہوا۔ لیکن خود نہ آ کر اپنی طرف سے میر اسد علی خاں کو بھیج دیا۔ حسینی بیگ نے نئے قلعہ دار کے آنے کی خبر سن کر قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور دس دن تک حساب کتاب بالکل درست کر کے دروازہ کھول دیا اور اسد خاں کو جائزہ دے کر حیدر آباد چلا گیا۔

اٹھائیسواں قلعہ دار۔ نواب میر اسد علی خاں نے سب سے پہلے جمعیت احشام میں تخفیف کی اور پانچ ہزار مصارف ماہانہ سے پندرہ سو قایم رکھے۔ ۱۲۱۷ھ میں حیدر آباد میں خبر ملی کہ راجہ ہولکر ملک دکن پر یورش کرنے والا ہے۔ نواب مشیر الملک بہادر وزیر اعظم نے قلعہ دار کو جمعیت بڑھانے اور قلعہ کے استحکام کا حکم دیا جس پر جمعیت احشام میں ایک ہزار نفری بڑھائی گئی جن کی ماہانہ تنخواہ سات ہزار ہوئی اور بارہ ہزار روپیہ کا غلہ بھی قلعہ کے کھتوں میں بھر لیا جب احشام کے جوانوں نے اپنی چڑھی ہوئی تنخواہ کے لئے شورش شروع کی تو یہی غلہ ان میں تقسیم کر دیا گیا ۱۲۲۳ھ میں شام راج رای رایاں نے حصار قلعہ کے نیچے تلگھاٹ دروازے کے باہر شام راج پود اگر بار آباد کیا چنانچہ اب بھی وہاں سالانہ بڑی بھاری جاترا ہوتی ہے۔ ۱۲۱۸ھ میں نواب میر اسد علی خاں اپنے چھوٹے بھائی میر تراب علی خاں کو اپنا نائب مقرر کر کے حیدر آباد چلے گئے۔ تراب علی خاں نے تین سال تک قلعہ داری کا کام کیا ۱۲۲۱ھ میں خدمت سے موقوف ہو کر حیدر آباد چلے گئے ان کی جگہ حامد علی خاں ۱۲۲۳ھ تک قلعہ دار رہا جو پھر چنگلوپیہ میں جا کر رہ گیا۔ حامد علی خاں کی جگہ بلدیو رائے نائب ہوا اور ۱۲۳۵ھ تک قلعہ داری کا سر انجام دے کر حیدر آباد چلا گیا۔

انتیسواں قلعہ دار۔ خلیل اللہ خاں ۱۲۳۵ھ میں قلعہ دار ہوا۔ اگرچہ وہ خود صاحب فہم و

فراست تھا لیکن چوں کہ تاج الدین خاں اُس کا مختار کل تھا اور سارا کاروبار اُسی کے ہاتھ
میں ہونے سے لوگ ناراض ہو گئے تھے عام شکایت ہونے سے ۱۲۴۲ھ میں معزول ہو گیا۔
تیسواں قلعہ دار۔ نظر بہادر ۱۲۴۴ھ میں قلعہ دار ہوا۔ وہ خود کچھ بُرا آدمی نہ تھا لیکن رام چندراؤ
متصدی پر سارا دار و مدار تھا جس کی وجہ سے تمام زمیندار وغیرہ بدل گئے اور دوسری آفت
یہ آئی کہ جس سال مامور ہوا اُسی برس بہت سے قیدی جو برٹش گورنمنٹ کے قلعہ میں مقید
تھے بھاگ گئے قلعہ دار صاحب خانہ پور کی جاترا میں مزے اُڑا رہے تھے۔ دو ہزار روپیہ
جرمانہ پر یہ بلا ٹلی۔ دوبارہ ۱۲۵۳ھ میں پھر قیدی بھاگے۔ اس طرح دس سال قلعہ دار
رہ کر ۱۲۵۴ھ میں موقوف ہوا۔
اکتیسواں قلعہ دار۔ ۱۲۵۴ھ میں راجہ چندولال نے عبد اللہ[۱] بن علی کو قلعہ دار مقرر کیا

[۱] یہ خاندان حیدرآباد میں نہایت مشہور ہے۔ یہ لوگ ملک عرب کے قبیلہ کے سردار تھے۔ ان کے تین
فرزند تھے علی حسین۔ احمد۔ تینوں اپنے باپ کی طرح ریاست حیدرآباد میں نامور اور عہدہ ہائے جلیلہ
پر مامور تھے۔ علی وہ مشہور شخص تھا جو گھوڑوں کا بہترین بصیر تھا اور اس گورنمنٹ میں سٹڈ ڈپارٹمنٹ
کا قایم کرنے والا تھا۔ گھوڑ دوڑ میں سارے ہندوستان میں اس کا جیسا جاکے (سوار) نہ تھا۔ جب بیٹھا
جیتا۔ چنانچہ ایک نقل مشہور ہے کہ علی صاحب کے پاس ایک شخص اپنا گھوڑا بتلانے لایا آپ اُس
وقت باہر تھے وہ گھوڑا واپس لے گیا۔ جب آپ بنگلہ پر واپس آئے تو سُنا باہر بنگلہ کے کمپونڈ
میں جاکر گھوڑے کے سموں کے نشان دیکھ کر اُن صاحب سے کہلا بھیجا کہ اس کا ایک پچھلا پاؤں ضائع
ہے اور درحقیقت تھی بھی یہی بات۔ اگرچہ آپ نے ایک یورپین لیڈی سے شادی کرلی تھی اور بالکل انگریزی
طرز کی زندگی بسر کرتے تھے مگر بڑے کٹر اور پرجوش مسلمان تھے۔ آزاد خیال اور غیر متعصب ایسے
تھے کہ کبھی بیوی پر دباؤ نہ ڈالا کہ مسلمان ہو جائے "عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود۔ لا اکراہ فی الدین"
آپ کی کئی لڑکیاں تھیں مگر ماں کے مذہب پر ایک بھی نہ گئی سب مسلمان ہیں۔ ایک صاحب زادی
آپ کی مرزا محمد عباس بیگ صاحب ممبر آف دی انڈیا کونسل کی زوجہ محترمہ ہیں۔ ایک لڑکا آپ کا چھ
مہینے کا بمبئی میں مرگیا آپ کی میم صاحب نے یورپین قبرستان میں اُسے دفن کر دیا آپ کو جب
معلوم ہوا تو فوراً بمبئی پہنچ کر نعش کو نکلوا کر اپنے قبرستان میں دفن کرایا۔ باایں توغل انگریزیت

لیکن وہ خود نہ آسکے اپنی طرف سے قایم خاں کو بھیجا ۱۲۶۲ھ میں اُس نے خودکشی کرلی۔
اس کے بعد داور علی نائب رہا جس کو راجہ رام بخش پسر چندولال نے ۱۲۶۲ء میں موقوف
کردیا۔ راجہ چندولال وزیراعظم نے ۱۲۶۲ھ میں انتقال کیا اور اُن کے فرزند راجہ رام بخش
مدارالمہام ہوئے اُنھوں نے علی بن عبداللہ کو علیحدہ کرکے اس خدمت ہی کی تخفیف
کردی۔ ۱۲۸۲ھ میں نواب سرسالار جنگ بہادر مختارالملک مدارالمہام نے انتظام ضلع
بندی کرکے حافظ غلام مصطفی خاں کو اول تعلقہ دار (کلکٹر) مقرر کیا اُن کے بعد نواب
وحید منور خاں۔ اننت راؤ اور نواب منصور یار جنگ باری باری سے تعلقہ دار ہوئے اور یہی
تعلقہ داری کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹ - وفات سے ایک دن پہلے میم صاحب کو بلا کر کہا کہ ہمارا تمھارا تعلق
صرف دنیاوی تھا تو جواب ختم ہوا میری تجہیز و تکفین سب عربوں کے ہاتھ سے ہو تم ہاتھ نہ لگانا
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علی صاحب بڑے راست باز اور سیدھے مسلمان تھے۔ برٹش گورنمنٹ میں آپ
کی ایسی ہی عزت تھی جیسے نظام گورنمنٹ میں۔ بارہا کرنل بار رزیڈنٹ سنگاریڈی مقام پر جہاں
گھوڑوں کا فارم تھا آپ ہی کے مہمان رہا کرتے تھے۔ ضلع بیدر کا سب سے بڑا میلا" جاترائے
مالیگاؤں" جہاں تمامی ملکی عربی النسل گھوڑوں کی بڑی بھاری نمایش ہوتی ہے اور ہزارہا روپیہ
سرکار کی طرف سے انعام ملتا ہے آپ ہی کی بے نظیر یادگار ہے۔ دوسرے صاحب زادے حسن المخاطب
بہ نواب عماد نواز جنگ بہادر پہلے تعلقہ دار ضلع پھر صدر محاسب سرکار عالی اور آخر میں کمشنر
آبکاری تھے بعد ایران چلے گئے جہاں ایک معزز خدمت پر مامور ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔ تیسرے
بھائی کیپٹن احمد فوج میں ملازم تھے۔ تینوں بھائی یکے بعد دیگرے زمان قریب ہی میں دنیا سے
گزر گئے۔

RIVER KRISHNA
PRACTUR FORT.

ساتواں ضمیمہ - قلعۂ پراگٹور

تعلقۂ عالم پور (الپور) ضلع رائچور میں لب دریائے کرشنا موضع پراگٹور میں ایک عالی شان قلعہ ہی یہ مقام سٹیشن کرنول سے بارہ میل ہی - دریائے تنگ بھدرا عبور کر کے جانا ہوتا ہی - اس قلعہ کی بناوٹ کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مثل دوسرے قلعہ جات ملک دکن کے یہ بھی ہندو راجاؤں کا بنایا ہوا ہی - بعد میں مسلمان بادشاہوں کے قبضے میں آگیا ہوگا - ہم کو تعجب ہی کہ باوجودیکہ یہ قلعہ بہت بڑا مستحکم اور اب تک درست حالت میں ہی مگر کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہی - ممکن ہی کہ اس کا نام کچھ اور رہا ہو - پراگٹور بالکل ایک چھوٹا سا موضع ہی مگر قلعہ کی وسعت کے لحاظ سے پہلے شہر کی حیثیت رکھتا ہوگا - یہ قلعہ بالکل دریائے کشنا کے کنارے بنایا گیا ہی جو اس کی فصیل سے ہمیشہ ٹکراتا رہتا ہی - قلعہ کا طول و عرض جانب جنوب (۱۴۸۱) فیٹ جانب شمال (۱۵۴۹) جانب مشرق (۶۳۴) فیٹ جانب مغرب (۸۹۲) فیٹ ہی اور کل دور (۴۵۷۳) فیٹ ہی - قلعہ کی فصیل اور برج درست حالت میں ہیں (۳۰) برج قلعہ میں ہیں اور (۳) خندق میں برجوں کی بلندی ۳۰ سے ۳۴ فیٹ اور عرض ۲۰ فیٹ سے ۳۰ فیٹ ہی - ان میں سے ایک برج جو دریا کے کنارے ہی بالکل گر گیا ہی اور دو ایک گر رہے ہیں - اس قلعہ کا صدر دروازہ مغرب رویہ ہی - باقی (۳) کھڑکیاں ہیں - جن میں سے ایک کشنا ندی کی طرف ہی - قلعہ کے اندر تمام مکانات گر گئے ہیں جن کے پتھر کی سلیں بکھری ہوئی پڑی ہیں - اس نواح میں سنگ سلیو کثرت سے ہی اس قلعہ کے سب مکانات اسی پتھر کے تھے اور سل پر سل رکھ کر دیواریں کھڑی کی گئی تھیں جو ذرا سے زلزلہ میں پھسل پڑیں - قلعہ میں ایک قدیم مسجد ہی جس کی چھت گر گئی - ستون کھڑے ہیں اور چھت کی صرف دو شہتیریں جوں کی توں ہیں اس مسجد کے بیچ کے در کے اوپر یہ کتبہ ہی ۵

بنا کرد مسجد کہ قاضی حبیب | کہ نصرٌ من اللہ فتحٌ قریب
تفحص نمودہ چو تاریخ آں | سروش ندا کرد حیلہ غریب

۱۲۱۳ھ

قلعہ کے مفصل حالات کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ غلام احمد خاں عرب جاگیردار موضع کلوا کرتی ساکن پراگنوڑ کے جد امجد محمد امین عرب یہاں کے قلعہ دار تھے۔ محمد امین بعہد غفراں مآب نواب نظام علی خاں بہادر ایک با رسوخ امیر تھے اُن کے فرزند محمد عیدروس خاں عرب تھے جن کو سرکار غفراں مآب نے خطاب خانی وبہادری ومنصب ہفت ہزاری وتعلقہ جٹپول اور دیگر چند مواضع بشمول موضع پراگنوڑ محاصلی ڈیڑھ لاکھ روپیہ ذات جاگیر نگہداشت جمعیت کے لئے دیئے تھے۔ محمد امین صاحب موصوف کے کارہائے نمایاں بہت سے لوگوں کی زبانی سنے جاتے ہیں من جملہ اُن کے ایک بات یہ مشہور ہے کہ وقت طیاری عمارات موقوعہ قلعہ خود پتھر اُٹھاتے تھے ان کی دیکھا دیکھی ہر شخص کار تعمیر میں دل وجان سے شریک ہوتا تھا اور اس طرح بہت جلد قلعہ کی عمارات تعمیر ہوگئیں۔ اب تک بھی محمد امین صاحب عرب کے پڑپوتے کو کلوا کرتی وغیرہ مواضع ضلع محبوب نگر میں سات ہزار کی جاگیر جاری وبحال ہے۔ اب بھی ان کا مکان قلعہ میں موجود ہے۔ محمد عیدروس خاں عرب نے سو سال کے پیشتر ایک بنگلہ بنایا تھا جو درست حالت میں ہے جس پر سے دریائے کرشنا کا دور دور تک نظارہ ہوتا ہے اور بڑا پر فضا مقام ہے۔ ایک خانہ باغ اور ایک قدیم باؤلی بھی ہے جو فصیل قلعہ سے ملحق ہے۔ یہاں کے لوگ روایت کرتے ہیں کہ قلعہ بعہد حضرت غفراں مآب نواب میر نظام علی خاں بہادر و وزارت نواب مشیر الملک وزیر مملکت بذریعہ محمد امین خاں عرب کے بنا ہے اور ان کا زمانہ ۱۲۰۹ھ کا ہے لیکن قلعہ کی عمارت صدہا سال پیشتر کی معلوم دیتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ قلعہ کے اندر کے مکانات محمد امین خاں صاحب عرب نے بنوائے ہوں۔ ۱۲۰۴ھ یا ۱۲۰۹ھ دو سال اس قلعہ کی تعمیر کے بتلاتے ہیں جس کی کوئی سند نہیں۔ بہرحال یہ قلعہ اس زمانے سے بہت پہلے کا بنا ہوا ہے جیسا کہ قلعہ کی عمارت کے طرز سے ظاہر ہے۔

رانی اور راجہ کے شکستہ محلات و دیگر عمارات اندرون قلعہ — قلعہ میں کچھی دیوما رانی کا ایک چھوٹا سا محل ہے جس کی پختہ چار دیواری اب تک کھڑی ہے اندر کے سب مکانات

ٹوٹ ٹاٹ گئے - یہ رانی راجہ کیل کنڈا ریڈی کی زوجہ تھی جو راجہ پلّے پہاڑ کا قرابت دار تھا - یہ محل گچ کا بنا ہوا ہے جس کا دروازہ شمال رویہ بالکل درست حالت میں موجود ہے - اس مکان کے چاروں کونوں پر چار، بلند اور بہت خوش نما برج تھے جن کا بالائی حصہ منہدم ہوگیا البتہ نیچے کا حصہ باقی ہے - وسط صحن میں ایک سیاہ پتھر کا مثمن حوض نہایت خوب صورت بنا ہوا ہے - جس کے اطراف نہایت عمدہ جالی کا کٹہرہ لگا ہوا تھا - جس کی کئی جالیاں لوگ اُکھاڑ لے گئے اب بھی دو تین باقی ہیں - اب اس مکان کے اندر شریفے کا جنگل اور خود رو جھاڑیاں ہوگئیں ہیں اور آہستہ آہستہ ناگ پھنی بھی اپنا قدم بڑھا رہی ہے - اس محل سے ملا ہوا مغرب رو دریا کی راستہ چھوڑ کر ایک منہدمہ محل ہے جو کچہری - کے نام سے مشہور ہے اور غالباً قدیم زمانے میں راجہ کا دربار ہال ہوگا - دالان وغیرہ کی چھتیں سب گر گئی ہیں صرف اطراف کے بلند دیواریں کھڑی ہیں - سامنے ایک وسیع صحن ہے - یہ عمارت بہت بلند اور عالی شان تھی اب اس کی صحن میں تین بہت پرانے درخت نیم کے بہت بلند ہیں جو کسی طرح سو سال کے ادھر کے نہیں ہیں - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکانات کو گر کر بھی بہت زمانہ ہوا - اس قلعہ میں اب اُن عمارات کے چند مکانات ہیں جو جاگیردار سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ ساری آبادی بیرون قلعہ ہے - علاوہ اُس دو منزلہ بنگلہ[1] کے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے محمد عیدروس خاں سابق جاگیردار کے رہنے کا ایک مکان ہے اور ایک مکان محمد نظام الدین علی خاں فرزند خواجہ محبوب خاں مرحوم کا جو پہلے دیوان سمستان گوپال پور تھے اُن کا ہے -

دردراج سوامی کا مندر قلعہ پرانگٹور میں اگر اب کچھ دیکھنے کی چیز ہے تو یہ دو منزلہ مندر ہے - جس کا بالائی حصہ وردراج سوامی کا دیول ہے اور زیریں آلوار سوامی یعنی دیوکے چیلوں کا مندر ہے - افسوس ہے کہ اس دیول کا بالائی حصہ منہدم ہوگیا مگر چار دیواری اب بھی باقی ہے - جس پر صدہا مورتیں بنی ہوئی ہیں - جانب شمال دریا کی طرف نو کمانیں مغرب میں (۵) جنوب اور مشرق میں چھ چھ کمانیں تھیں جو سب گر گئیں اب خالی ستون کھڑے

---

[1] - ۱۳۲۷ف ۱۸۱۴ء میں دریائے کشنا میں غیر معمولی طغیانی ہوئی تھی - یہ بنگلہ تو بالکل لب دریا تھا یہ بھی بہ گیا - ۱۲

ہیں۔ سامنے راستہ پر سڑک کی دوسری جانب دو لمبے لمبے پتھر کے ستون گرے پڑے ہیں۔
جن پر بہت عمدہ نقش و نگار ہیں۔ اس دیول کی کرسی بہت بلند ہے۔ وہ منزلہ پر چڑھنے کے لئے
مشرق کی طرف (۲۷) سیڑھیاں ہیں چھت تمام لداؤ کی ہے۔ اس دیول میں سیسہ یا تک جتنے
پتھر لگے ہوئے ہیں سب منقش ہیں مگر اوپر اور نیچے کے دونوں حصوں میں کوئی دیو نہیں ہے
بلکہ چہرہ کھود کر دیو کو اٹھائے گئے ہیں۔ بالائی دیول میں مغرب رویہ ایک بے نظیر دہلیز سنگ سیاہ
کی قابل دید ہے جس پر منبت کام کی گلکاری بڑی نزاکت سے کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موم
کی چوکھٹ بنا کر ٹھپا مار دیا ہے۔ اس پر دیوتاؤں۔ شیر۔ ہاتھی۔ مور کی تراشی ہوئی مورتیں ہیں۔
دہلیز کے دائیں اور بائیں کھم میں دیوی کی پتلیاں ہیں جو شرزہ پر کھڑی ہوئی ہیں اور جن کے سر کے
بالوں کے جوڑے اس نفاست سے باندھے ہیں کہ چٹیوں اور جوڑے کے بال جدا جدا معلوم
دیتے ہیں۔ چوکھٹ کی بالائی کڑی پر اسی پتھر کا ایک کاغذی چھجہ اتار کر اس میں دیوتاؤں کا
دربار بتلایا گیا ہے بیچ میں دیوی ہے اور دونوں طرف بہت سے لوگ کھڑے ہیں۔ داہنی طرف
سب سے اگلے کے ہاتھ میں چھتر دوسرے اور تیسرے کے ہاتھ میں چنور ہیں۔ بائیں طرف
پانچ عورتیں کھڑی ہیں دو مقدس بزرگ نہایت لحیم و شحیم ہیں جن کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں
بندھی ہوئی ہیں اور گلے میں مالا اور جنیو پڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کمر بھی لپیٹے ہوئے ہیں
دیول کے عقب میں جانب مشرق ایک کھڑکی ہے جس کے دونوں طرف دو لطیں بنی ہوئی
ہیں۔ شمال کی جانب پانی نکالنے کے لئے ایک خوب صورت اور منقش موری بنی ہوئی
ہے۔ اس دیول پر کہیں بھی کوئی کتبہ نہیں ہے اس وجہ سے پتہ نہیں چل سکتا کہ کس کا بنایا ہوا
ہے۔ دیول کے کتبے عموماً علیحدہ ستون پر ہوتے ہیں جسے سلاشاسن کہتے ہیں ضرور کوئی نکال
لے گیا ہوگا۔

دریائے کرشنا کی طغیانی کی اطلاع

تعلقہ عالم پور جب انگریزی عمل داری میں تھا تو ریل نہ تھی مگر
تار تھا جس کے دو پتھر کے ستون سالم اور ایک نصف
دریائے کرشنا میں اب تک موجود ہیں۔ اس قلعہ کے شمال و مغرب کے کونے پر ایک
بڑا برج جس پر کرشنا کے پانی کے اتار چڑھاؤ کے ناپنے کے لئے سفید چونے کے مارک

لگائے گئے ہیں اور موسم بارش میں پانی کے آثار چڑھاؤ کی فوری اطلاع بذریعہ تار بیجواڑہ کو دی جاتی تھی جس کے لئے اب بھی موسم بارش میں ایک کلارک اور ایک چپراسی برٹش گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔

توپیں اس قلعہ پر بہت سی توپیں ہوں گی مگر اب پتہ نہیں صرف ایک توپ نو ہاتھ لمبی اور دہانہ کا دور ایک ہاتھ برج پر سے کسی نے ڈھکا دی ہے اور اب خندق میں پڑی ہوئی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ عمل انگریزی میں سب توپیں ضائع کردی گئیں یہ توپ بہت بھاری تھی اس کو کہیں لے جا نہ سکے۔

آثار شریف اس قلعہ میں دو مکان آثار شریف کے نام سے موسوم ہیں ایک میں موئے مبارک حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور سرکار سے معاش مقرر ہے دوسرا آثار شریف محمد امین صاحب عرب کے وقت کا ہے جس کو کوئی معاش سرکار سے مقرر نہیں ہے قلعہ دار ہی خدمت کرتے ہیں۔ اس میں علاوہ موئے مبارک حضرت سرور کائنات کے موئے مبارک مشکل کشا حضرت علی اسد اللہ الغالب وجناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام وجناب حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے بھی موجود ہیں۔ ہر سال دوازدہم شریف کو زیارت ہوتی ہے۔

مسجد نظام الدین ۱۲۸۳ھ قلعہ کے اندر زمانہ حال کی بنی ہوئی ایک مسجد ہے جو خواجہ محبوب دیوان گوپال سیٹھ کے والد نظام الدین نے بنوائی تھی۔ یہ مسجد تین دروں کی ہے اور سائبان پتھر اور لکڑی کا ہے۔ سرکار کی طرف سے اس مسجد کو معاش مقرر ہے اور آباد ہے۔ اس پر یہ کتبہ ہے

وہ غلام محی الدیں کا خلف ۔۔۔ پیرو خواجۂ زمان زمیں
حسن نیت سے جب کیا تیار ۔۔۔ مسجد زیب بخش دین متیں
لکھا تاریخ قاضی احمد نے ۔۔۔ ہے عجب مسجد نظام الدیں

۱۲۸۳ھ

عاشور خانے بیرون قلعہ دریائے کشنا کے کنارے ایک عاشور خانہ حسنی علم کے

نام سے مشہور ہی لوگ اس علم کے ازبس معتقد ہیں۔ یہ عاشور خانہ قدیم زمانہ کا ہونے سے گر پڑ گیا تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں غلام احمد خاں عرب جاگیردار مرحوم جو محمد امین خاں کے پوتے ہوتے تھے انھوں نے پندرہ سو روپیہ لگا کر ازسر نو طیار کروایا۔ اندرون قلعہ ایک دوسرا عاشور خانہ بھی ہی جو بالکل شکستہ حالت میں ہی۔

عیدگاہ بیرون قلعہ کنارۂ دوکشنا محمد امین صاحب عرب کی بنوائی ہوئی پختہ عیدگاہ ہی جس میں پتھر خوبی سے تراش کر لگائے ہیں۔ منارے بھی خوش نما ہیں۔ عیدگاہ کے سامنے ایک وسیع میدان ہی۔ ایک کتبہ بھی اس میں لگا ہوا ہی لیکن افسوس ہی کہ پڑھا نہیں جاتا۔

درگاہیں بیرون قلعہ لب دریائے کشنا بزرگان دین کی دو درگاہیں ہیں۔ سبحان اللہ کیا عمدہ مقام ہی آب رواں نیم اور املی کے بلند اور گھنے درختوں کا سایہ دیکھ کر آنکھوں میں تراوٹ آتی ہی۔ ایک درگاہ حضرت لطف شاہ علی صاحب کی ہی جہاں چبوترے پر اور بہت سی قبریں ہیں۔ حضرت کی قبر سنگ سیاہ کی ہی جو شکستہ حالت میں ہی اور کوئی معاش نہیں ہی دوسری درگاہ شریف حضرت کریم مولی شاہ صاحب کی ہی جس کو سرکار سے معاش ہی اور ۱۲ / رمضان المبارک کو عرس ہوتا ہی۔ درگاہ کا احاطہ اور دروازہ اور قبر شریف جو گچ کی ہی درست حالت میں ہی۔ قبر پر ایک درخت ناندور کا سایہ کئے ہوئے ہی۔ دونوں درگاہوں میں سے کسی پر بھی کوئی کتبہ نہیں ہی۔

مسجد محمد امین ۱۲۰۹ھ بیرون قلعہ یہ مسجد پانچ کمانوں کی ہی اور درست حالت میں ہی اس پر یہ کتبے ہیں۔ پہلی اور دوسری کمان پر وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا تیسری کمان پر لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ چوتھی کمان پر بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۱۲۰۹ھ

بنا ساخت مسجد بہ لطف آلہ	بدور نظام علی آصف جاہ
مرتب از محمد امین خان عبد	بتاریخ ہشتم بماہ رجب

سلہ یہ صاحب محمد عیدروس خاں کے والد تھے ۱۲

آٹھواں ضمیمہ - قلعہ پرینڈہ

پرینڈہ ضلع عثمان آباد کی ایک تحصیل ہے جو جی - آئی - پی ریلوے اسٹیشن کُرڈوواڑی یا بارسی لیٹ ریلوے کے اسٹیشن بارسی ٹون سے قریب سولہا میل کے ہے - اس بستی میں ایک عظیم الشان قلعہ بنا ہوا ہے جس کی مرتفع فصیلیں اور سر بفلک برج اب تک درست حالت میں ہیں اور دیکھنے والوں کے دلوں میں اُس کے بانیان کی اولوالعزمی اور عظمت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں یہ قلعہ بھی غالباً اہل ہنود کا بنایا ہوا ہے جو آگے چل کر عادل شاہیوں کے قبضہ میں آگیا -

اس قلعہ کے گرد ایک بڑی مستحکم فصیل ہے جس میں چھوٹے بڑے (۲۶) برج ہیں جن کی اطراف ایک چوڑی اور گہری خندق ہے - جس میں پانی آنے کی دو بڑی بڑی مہریاں بنی ہوئی ہیں جو پہلے پانی سے لبریز رہتی تھیں اور اب تو ایک قطرہ پانی کا بھی نہیں ہے وہ ذرایع آمد بھی شکست ہوگئے اور خندق بھی جا بجا سے اٹ گئی ہے - اس خندق میں دو باولیاں ہیں ایک جانب جنوب ہے جس کا نام چمار باؤلی ہے جس میں سے قوم اراذل پانی لیتے ہیں دوسری مشرق و جنوب کی جانب ہے جس سے عمل کشنری سے زراعت بذریعہ موٹ کشی ہونے لگی ہے -

توپیں خلاف دوسرے قلعوں کے اس قلعے میں اب بھی نہایت نفیس بڑی بڑی توپیں برجوں پر چڑھی ہوئی ہیں - اندرون قلعہ سولہا برج ہیں جن میں سے چار برج مشہور ہیں باقی معمولی جن کا کوئی خاص نام نہیں ہے -

(۱) "ملک میدان" توپ - جو قلعہ کے شمال و مشرقی بلند برج پر ہے - اسی کے قریب ایک بارہ دری ہے جو اب بھی درست حالت میں ہے یہ توپ گن مٹل کی ڈھالی ہوئی ہے یعنی کا ہی

رنگ کی پیچ رسی ہی - چودہ فیٹ (۸) انچہ طول - کان کے پاس کا دَوْر ۸ فیٹ - ۱ انچہ - درمیانی دَوْر ۶ فیٹ - ۱۰ انچہ - دہانے کا قطر ۲ فیٹ - ۸ انچہ - توپ کے وسط میں بجاے کنڈوں کے دو شیر بنے ہوئے ہیں اور گولا لگنے سے توپ میں ایک گوڑا ابھی پڑ گیا ہی اس توپ کے دہانے کے گرد نہایت خوش خط نستعلیق بلند حروف میں یہ اشعار بالکل صاف کندہ ہیں :-

تا صراحی خندہ تعلیم از لب دلبر گرفت — آتشے جست از جہان و او بہ مجلس در گرفت

ز بس کہ اخگر غم پر بود درون تنم — چو کوزہ می زند آتش زبانہ از دہنم

دہانے کے سامنے گرادگرد :-

بہ میدان بیک گولہ دو صد صف در شکن دارم — حذر کن ای غنیم از من کہ آتش در دہن دارم

توپ پر :-

محمد

ابو الظفر الدین محی

اورنگ زیب بہادر عالمگیر

پادشاہ غازی

خمسہ و سبعین ما

سنہ

جلوس ۷

ملک میدان

توپ

عمل عبد محمد حسین

گولہ یک من و دارد سیزدہ آثار و یک پاؤ بوزن شاہ جہانی -

(۱) دوسری توپ الموسوم بہ "اژدہا پیکر" ملک میدان کے جوڑ کی جنوب و مغربی برج پر چڑھی ہوئی ہی جو نوسیدون کا برج اِس وجہ سے مشہور ہی کہ یہاں ایک چبوترے پر نوبزرگواروں کے مزار ہیں اور وہی نوسَید کہلاتے ہیں۔ جن کا سالانہ عرس بھی ماہ رجب میں ہوتا ہی۔ یہ توپ ملک میدان کے جوڑ کی ہی اور بالکل اُسی قسم کی ہی اور اشعار بھی وہی ہیں۔ اس کے علاوہ عبارت ذیل ہی۔

سنہ ۱۰۷۳ھ

ہجری

توپ اژدھا پیکر

عالمگیر بادشاہ غازی

اورنگ زیب بہادر

جلوس میمنت مانوس سنہ ۶

حسین محمد

عمل عرب

گولہ لبست آثار و ہزار و شش آثار روسی دام بوزن شاہجہانی

طول	کان کے پاس کا دور
فیٹ انچ	فیٹ - انچ
۱۷ - ۹	۷ - ۱
درمیانی دور	دہانے کا دور
فیٹ - انچ	فیٹ انچ
۵ - ۹	۲ - ۳
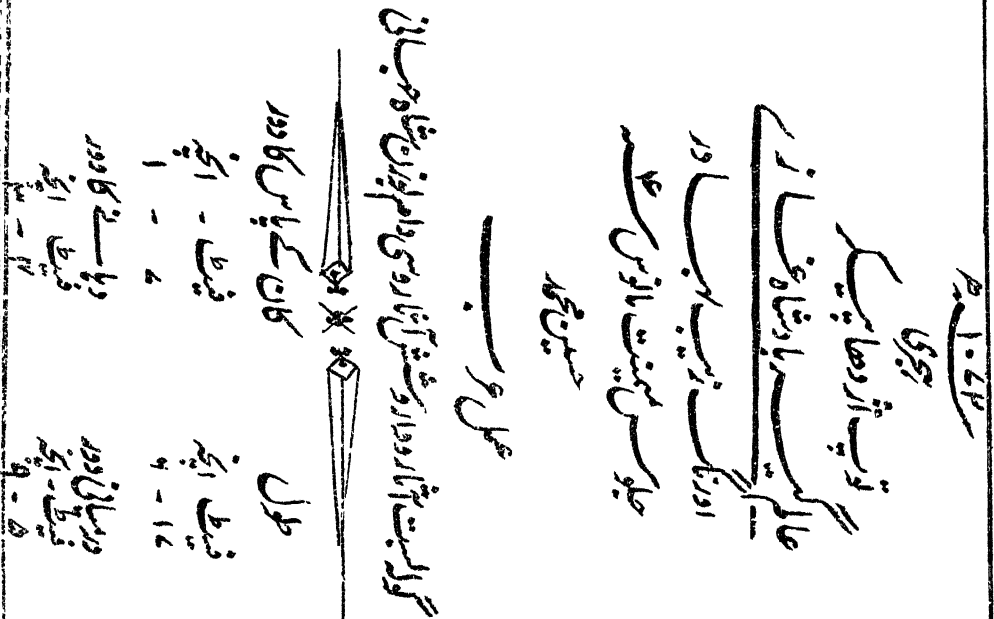
(۳) مشرق و جنوبی رخ کے چنچل برج پر ایک بڑی توپ ہی جو ٹیچ لوگوں کی معلوم دیتی ہی یہ بھی ڈھلی ہوئی ہی۔ طول (۱۰) فٹ (۸) انچہ دور عقب (۵) فیٹ وسط (۴) فیٹ۔ دہانہ کا دور (۲) فیٹ (۷) انچہ جس پر حسب ذیل کتبہ بخط انگریزی ہی۔

O C E

EVERHARDVS. LINTERME. FECIT ENCHV.

طول	کان کے پاس کا دور	دور دہانہ
۱۰-۸	۵ فیٹ	۲-۷

(۴) مغرب وشمالی رخ کے برج پر "لانڈے قصاب" کی توپ ہی - یہ توپ ڈھلی ہوئی نہیں ہی بلکہ پتّر جوڑ کر بنائی گئی ہی اس پر کوئی کندہ نہیں ہی -

طول	کان کے پاس کا دور	دہانے کا دور
فیٹ - انچہ	فیٹ - انچہ	فیٹ - انچہ
۱۸ - ۲	۷ - ۷	۶ - ۱۱

قلعہ کے اندر ایک پختہ مسجد ہی جس میں پانچوں وقت نماز ہوتی ہی مسجد کے دو دروازے ہیں قدیم کا دروازہ جانب مشرق ہی اور جدید سنہ ۱۳۱۴ ہجری میں بزمانہ مولوی محمد وزیرالدین صاحب قریشی تحصیلدار تیار ہوا ہی - صحن مسجد میں ایک حوض ہی جس میں ایک چشمہ سے پانی آتا ہی جو مسجد کے قریب جنوب رخ پر واقع ہی اور درست حالت میں ہی - مسجد کے نیچے ایک تہ خانہ ہی جس میں توپوں کے گولے رکھے ہیں - مسجد کے سامنے قلعہ کی فصیل میں دو کمانیں ہیں ایک میں پیر قولاد کی دوسری میں باوے پیر کی قبریں ہیں - جانب جنوب فصیل میں چھوٹی سی بارہ دری بنائی گئی ہی جو قلمدان کے نام سے مشہور ہی یعنی ایسی مختصر ہی جیسے کہ قلم دان - اسی کے جانب شمال دو منزلہ مسجد ہی جو "شمشیر مسجد" کے نام سے مشہور ہی اس مسجد کی زمین انعامی ہی اور چراغ بتّی اور جاروب کشی ہوتی ہی - مسجد کے سامنے ایک چشمہ پختہ ہی - اندرون قلعہ نرسمہنوں دیو کا ایک دیول ہی جس کی خدمت روزانہ ایک بقال کرتا ہی نہ سرکار سے معاش ہی نہ دیول درست حالت میں ہی - دیول کے سامنے ایک منڈپ تھا جو ٹوٹ پھوٹ گیا دیول کے متصل جانب جنوب ایک عالی شان مکان نقشی لکڑی کا بنا ہوا تھا - سنا جاتا ہی کہ عمل کمشنری میں اس کو توڑ کے ساری نقشی لکڑیاں بھیج دی گئیں - یہ مکان اب بالکل شکستہ حالت میں ہی اس مکان میں ایک کمان جانب مشرق ہی جس میں بارود بھری ہوئی ہی یہیں ایک باؤلی "رام تیرتھ" کے نام سے موسوم ہی جس کے اندر دس کمانیں ہیں - باؤلی کی سیڑھیاں ٹوٹ گئی ہیں - باؤلی کے قریب ایک چھوٹی سی بارہ دری کمان دار پختہ بنی ہوئی ہی جو درست حالت میں ہی - اس کے مشرق میں ایک مکان پختہ بنا ہوا ہی اور اوپر دار کو ایک مکان دو منزلہ ساگوانی پنج کا ہی اُس کے اندر ایک لکڑی کی چھوٹی سی بارہ دری ہی جس کے اوپر کے چھ کھن دس سال

ہوئے کہ شکستہ ہوگئے اس کے جانب شمال ایک حجرہ تین کھن کا تھا وہ بھی ٹوٹ پھوٹ گیا
تھا جن کو ۱۳۰۸ف میں مولوی محمد منہاج الدین صاحب تحصیلدار وقت نے از سر نو بنوا کر
درست کرایا اور معمولی لکڑی کے تو چشمہ صاحب موصوف نے بنائے ہیں۔ اس مکان کے
سامنے ایک چھوٹی سی میگھ ڈمبری چار کمانوں کی قدیم بنی ہوئی ہے۔ پائین میں ایک خانہ باغ
تھا جس کی روشیں اور کیاریاں حوض موجود ہیں لیکن اب بالکل ویران ہے۔ اس مکان کے
نیچے ایک تہ خانہ ہے اس میں گندھک بھری ہوئی ہے اسی کے متصل عربوں کا قہوہ خانہ ہے
جس میں ایک پتھر رکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ خان عالی عزّت خاں نے کوئی مکان
اور باغ بنایا تھا جس کا اب پتہ بھی نہیں صرف یہ کتبے کی سل رہ گئی ہے ؎

خان عالی مکان عزت خاں	کردہ احداث گلشن رنگیں
دہ چہ گلشن خورنق[ف۱] ثانی	ہر گلش خارِ دیدۂ جنّت
قمری و عندلیب می خوانند	دہ چہ گلشن نشانِ خلد بریں
سنبلش رشک زلف حور العین	حبذا فرخا مکان و مکیں
گفت بالفظ نیک تاریخش	شکر فاتر بہشت روی زمیں ۱۱۰۸ھ

اس مکان کے مشرق کی طرف ایک جدید کچہری ۱۲۸۹ف میں مولوی اصغر علی صاحب تحصیلدار
کے زمانہ میں سرکار سے تیار ہوئی تھی اب وہ شکستہ حالت میں ہے۔ کچہری کے پاس دو حمام خانے
پختہ قدیم کے بنے ہوئے موجود ہیں۔ جانب مغرب ایک زنانہ مکان ہے جس کو ۱۲۸۰ف
میں مولوی حاجی قدرت عظیم صاحب تحصیلدار نے تیار کیا تھا۔ تحصیل کچہری کے سامنے
ایک قدیم دروازہ ہے جو شکستہ ہے۔ دروازے کے سامنے ایک تھی کا حوض ہونا سنا جاتا ہے۔ کچہری
کے جانب شمال دو بلند تہ خانے ہیں جن کو بڑی بڑی کمانوں کے پشتے دیئے گئے ہیں اب
ان میں سرکاری اسپ تختی اور افسروں کے ٹانگے اور گھوڑے وغیرہ باندھے جاتے ہیں۔ اس کے
مشرق میں ایک چھوٹی سی کمان میں محبوب سبحانی کا چلہ ہے جس کی کمان شکستہ ہے۔ اس کے
قریب ایک بلند دروازہ ہے جس پر ایک طغرہ بہ خط نسخ عربی لگا ہوا ہے جس کو عرصے تک

ف۱ جس طرح کسریٰ کا محل مشہور ہے اسی طرح ابراہیم ادھم کا محل خورنق مشہور تھا۔ ۱۲

غور کرنے کے بعد خاکسار اور مولوی فقیر احمد صاحب نے بہ مشکل پڑھا - وہ یہ ہے -

۵۸
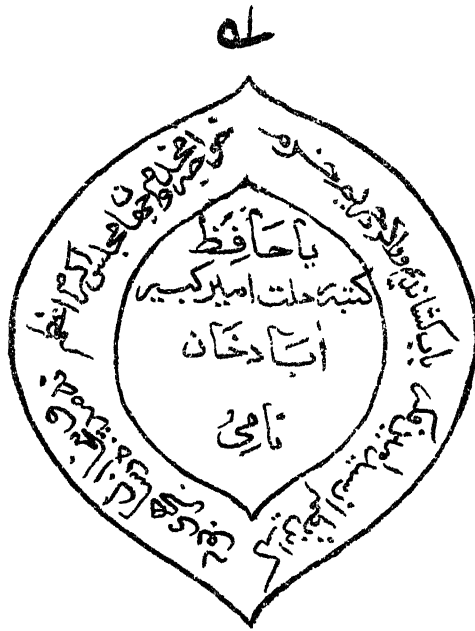
یہ دروازہ روزانہ بند ہوتا ہے جس کے بڑے بڑے قفل ہیں - دروازے کے سامنے ایک مہاکال برج ہے جس کے پائے میں ایک چشمہ ہے اُس کا پانی بہت عمدہ اور شیریں ہے - قلعہ کے اطراف ایک پرکوٹہ (خندق) ہے جس میں ایک مہادیو کی دیول جانب مشرق وجنوب کے ہے وہ شکستہ حالت میں ہے - برج ماناکال کے سامنے چھ کمانیں گچ کی ہیں اُن میں تحصیل کا محافظ خانہ ہے تین کمانیں جانب شمال اور تین مشرق میں ہیں جو خالی پڑی ہیں اِن کمانوں کے درمیان ایک بلند دروازہ ہے جو درست ہے وہ بھی روزانہ شب کو بند ہوا کرتا ہے - دروازے کے جانب شمال ومشرق تھوڑا سا میدان ہے اُس میں چھوٹی چھوٹی توپیں رکھی ہوئی ہیں صحن مذکور میں جانب مشرق تین وجانب مغرب میں تین جملہ چھ کمانیں پختہ ودرست حالت میں ہیں اُن چھ کمانوں کے درمیان ایک برج ہے جس میں بلند دروازہ کمان دار موجود ہے اور یہی صدر دروازہ ہے اس کے پٹ آٹھ سال سے ٹوٹ گئے ہیں جس کی درستی کے لئے کارروائی جاری ہے - قلعہ میں جابجا بڑے بڑے تہ خانہ ہیں ایک ایک خانہ اتنا بڑا ہے کہ جس میں ہزاروں آدمی چھپ جائیں اور پتہ بھی نہ لگے پھر چور راستے ہوں گے سوا اُن کے جس کی اس زمانے میں کسی کو خبر نہیں - بیرون آبادی حضرت

۵۸ - کتبہ کا فوٹو ابراہیم روضہ کی پلیٹ کے اوپر ہے - ۱۲

شاہ بدرالدین چشتی قدس سرہ کی درگاہ ہی - آپ حضرت سلطان المشائخ شاہ نظام الدین اولیاے بدایونی کے مرید و خلیفہ ہیں - آپ بھی سات سو اولیا کے ہمراہ دکن میں آئے تھے - کافروں کے ساتھ بڑی سخت لڑائی کی تھی چنانچہ اُسی لڑائی میں آپ شہید ہوئے جس میں سر آپ کا قصبۂ پین ضلع کوکن میں کٹ گیا - اور تن آپ کا لڑتا مقابلہ کرتا کافروں کو مارتا ہوا قصبۂ پریندہ قلعۂ بالاگھاٹ کے نزدیک پونہچا وہاں ایک عورت نے دیکھ کر کہا کہ یہ عجیب مردوا ہی کہ بے سر لڑتا چلا آتا ہی اُسی وقت آپ کی لاش زمین پر گری - وفات آپ کی بقول صاحب سیر اولیا ۱۲۱ھ میں واقع ہوئی - سر آپ کا قصبہ پین ضلع کوکن میں اور جسم آپ کا قصبۂ پریندہ متصل قلعۂ بالاگھاٹ مدفون ہی -
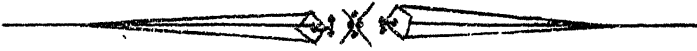
نواں ضمیمہ قلعۂ جلدرگ

موضع[۵] جلدرگ پہلے کسی قدر آباد تھا۔ لیکن (۲۰۶) سال قبل جو عالمگیر قحط ہوا تھا۔ اُس وقت سے قلعہ ویران۔ موضع بے چراغ اور زمینات افتادہ ہوگئیں۔ عرصہ تک اس کی بھی کس مپرسی کی حالت رہی۔ آخر ناتھورام نامی شخص نے آباد کرنے کی نیت سے کل زمینات بغرض کاشت لے لیں۔ اُس نے رعایا کے رہنے کے لئے اپنے ذاتی صرف سے مکانات بنائے دیول درست کرایا اور چند آدمیوں کو ادھر اُدھر سے لاکر آباد کیا مگر قلعہ کی بدقسمتی سے ناتھورام فوت ہوگیا اور اس کے بعد اُس کے بنائے ہوئے مکانات کے منجملہ دو تین مکانات بھی گر گئے۔ جلدرگ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ناتھورام زندہ رہتا تو وہ اُس کو معقول طور پر آباد کرکے ایک عمدہ مقام بناتا۔ اُس کے جانشین اگرچہ بالکل صغرسن ہیں لیکن اِن صغر سن بچوں کی ولیہ (یعنی ماں) اس سے بے خبر نہیں ہے مگر چونکہ یہ مقام اور موضع ہر طرف آبادی سے دور راستے خراب اور دشوار گزار ہیں اس لئے اس کا آباد کرنا کچھ کم وقت طلب نہیں ہے۔

قلعہ جلدرگ مستقر تحصیل لنگسگور سے (۱۰) میل بجانب شمال ومغرب دریائے کرشنا کے درمیان واقع ہے۔ اس کے قریب ہی دریائے کرشنا کی شمالاً وجنوباً دو شاخیں ہیں اور انہیں شاخوں کے وسط میں ایک بلند پہاڑی پر یہ قلعہ بنایا گیا ہے جو ایک جزیرہ نما کی حیثیت رکھتا ہے۔ قلعہ سے کچھ دور بجانب مشرق پھر یہ دونوں شاخیں مل گئی ہیں اس طرح

---

[۵] قلعۂ جلدرگ اگرچہ میرا دیکھا ہوا ہے لیکن یہاں کے حالات مولوی محمد ظفر حق صاحب (خلف مولینا سیف الحق صاحب مرحوم ادیب دہلوی) تحصیلدار کے مرتب کئے ہوئے ہیں اور اس لئے اُن کا شکریہ ادا کرنا ضرور ہے۔ ۱۲

گویا دریائے کرشنا اس قلعہ کی قدرتی خندق ہے - قلعہ کے اطراف دریائے کرشنا اس قدر عمیق اور سطح زمین اس قدر ناہموار اور پتھریلی ہے کہ بارش میں تو بوجہ طغیانی اور دوسرے اوقات میں بہ باعث دشواری راہ اس کا عبور کرنا آسان نہیں ہے - قلعہ کی قدرتی خندق (شاخ ہائے کرشنا) کے ہر طرف دوسری چھوٹی چھوٹی مگر دشوار گزار پہاڑیاں بھی ہیں اور یہ سب چیزیں من حیثیت المجموع قلعہ کے استحکام کے قدرتی سامان ہیں - قلعہ کے شرقی و شمالی جانب تو شاخ ہائے کرشنا نے آمد و رفت کا راستہ بند کر رکھا ہے اور جہاں تک نظر جاتی ہے راستہ بالکل ناقابل گزر ہے اسی طرح جنوبی جانب کی شاخ طے کرنے کے بعد بھی ایک میل تک راستہ اس قابل نہیں ہے کہ گاڑی اور گھوڑا تو درکنار انسان بھی آسانی سے جا سکے - قلعہ کے سامنے ہی کرشنا کی شمالی شاخ کے دوسرے کنارے پر چار برج نظر آتے ہیں جن کو یہاں کے لوگ قلعۂ جلدرگ کے ہی متعلق بتاتے ہیں لیکن چوں کہ دریائے مذکور کی شمالی شاخ اُن برجوں اور قلعہ جلدرگ کے درمیان حد فاصل ہے اس لئے یہ برج یقینی طور پر اس قلعہ کا جزو نہیں ہیں بلکہ گمان غالب ہے کہ راجگان بیدر نے پہاڑی قلعہ (جلدرگ) کو توڑ کر ایک قلعہ نیچے بنایا تھا جس کو علی عادل شاہ نے منہدم کرا کے اُس کے معاوضہ میں حسب سابق پہاڑی قلعہ طیار کیا تھا اُسی منہدمہ قلعہ کے پہاڑی برج باقی ماندہ نشانیاں ہیں اور غالباً اسی وجہ سے یہاں کے لوگ ان چاروں برجوں کو قلعۂ جلدرگ سے متعلق بتاتے ہیں - قلعۂ جلدرگ کے جانب شمال و مغرب وہ مقام ہے جو چندر کوٹ کہلاتا ہے اور اُس کے مغرب کے جانب دو میل کے فاصلہ پر وہ دیول واقع ہے جس کو "چھایا بھگوتی" کہتے ہیں جو ہندوؤں کی مقدس پرستش گاہ ہے اور اس چھایا بھگوتی کے متصل موضع نارائن پور موجود ہے جس میں وہ آبشار واقع ہے جس پر اینکٹ باندھنے کی تجویز مسٹر ایلن سابق چیف انجنیر آبپاشی نے کی تھی - اس آبشار کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ پاؤ میل کے دوری میں پانسو فیٹ کا ڈھال ہے اور آبپاشی کے اغراض کے لئے نہایت کارآمد چیز ہے - اسی جگہ قدیم زمانے کا ایک شکستہ اینکٹ موجود ہے جس سے زمینات خشکی سیراب ہوتے تھے - حال میں مولوی یوسف الدین صاحب صوبہ دار صوبہ گلبرگہ نے کوشش کی تھی کہ اُس کو پھر کارآمد کیا جائے مگر کارروائی چل کر رہ گئی اور جو اس کے محرک تھے وہ مر بھی گئے

قلعہ جلدرگ سے بہ جانب شمال موضع کوڑلیکل موقوعہ تعلقہ شوراپور کا پہاڑ نظر آتا ہے۔ جہاں کسی زمانہ میں نہایت مستحکم قلعہ تھا اور بجانب شمال شوراپور کا پہاڑ اور بجانب جنوب مغرب مدگل کا قلعہ اور بجانب جنوب مشرق مستقر لنگسگور نظر آتا ہے۔ قلعہ جلدرگ چوں کہ نہایت بلند پہاڑی پر واقع ہے اس لئے یہاں کا منظر بہت اچھا ہے۔

موجودہ قلعہ اگرچہ شاہان اسلام کی تعمیر معلوم ہوتی ہے مگر چوں کہ اس پر کوئی ایسا کتبہ نہیں ہے کہ جس سے اس کی تعمیر کی تاریخ یا بانی قلعہ کا پتہ چلے۔ اس لئے قلعہ کے معاینہ سے اس کی صحیح کیفیت معلوم نہیں ہوسکتی۔ لیکن کرنل میڈوز ٹیلر کے تاریخی ناول موسوم بہ "نوبل کوئین" سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۹۸۹ھ یعنی ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں یہ قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اور جس طرح عموماً اس ملک کے قلعہ جات راجگان ہنود کے بنائے ہوئے ہیں یہ بھی ان ہی کی تعمیر ہوگی اور شاہان اسلام نے اس میں کچھ جدید ترمیم و تعمیر کی ہوگی۔ "تاریخ فرشتہ میں جلدرگ کے قلعہ کا کہیں نام نہیں ہے۔ البتہ علی عادل شاہ کے عہد کے کارنامے ہیں قلعہ چندرکوٹ ۹۹۳ھ میں مفتوح ہونے اور اس کو منہدم کرکے از سر نو تعمیر کرنے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "مصطفیٰ خان معتمد سلطنت نے علی عادل شاہ کو اطلاع دی کہ قلعہ چندرکوٹی ابتدا میں پہاڑ پر بنا ہوا تھا مگر راجگان بیدر نے اس کو توڑ کر پہاڑ کے نیچے قلعہ بنایا ہے لہٰذا اگر پادشاہ پسند فرمائیں تو قلعہ زیریں کو منہدم کرکے پھر سابقہ جگہ پر قلعہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ پادشاہ نے موقع کا ملاحظہ کرنے کے بعد نیچے کے قلعہ کو توڑ کر پہاڑ پر قلعہ بنانے کا حکم دیا اور حسبہ تین سال میں نیچے کا قلعہ توڑ کر پہاڑ کے اوپر قلعہ بنایا گیا"۔ چوں کہ موضع چندرکوٹ موجودہ قلعہ جلدرگ سے بالکل قریب ہے اور اس قلعہ کے سوائے موضع چندرکوٹ کے اطراف میں کوئی دوسرا قلعہ موجود نہیں ہے اور چوں کہ اس قلعہ کے سامنے ہی کرشنا کی شمالی شاخ کے کنارے پر ایک منہدمہ قلعہ کے برج موجود ہیں اور موجودہ قلعہ کی تعمیر صاف و صریح طور پر اسلامی شان دکھا رہی ہے اس لئے ان سب مجموعی کیفیتوں کے لحاظ سے یہ امر یقین کے درجہ تک پہنچتا ہے کہ وہ منہدمہ قلعہ جس کے چار برج نظر آتے ہیں وہی قلعہ تھا جس کو چندرکوٹ کہتے تھے اور جس کو (پہاڑی قلعہ جلدرگ توڑنے کے بعد) راجگان بیدر نے نیچے تعمیر کیا تھا اور قلعہ جلدرگ وہی قلعہ ہے جس کو پہلے راجگان بیدر نے توڑا تھا اور

جس کو حسب بالا مصطفیٰ خاں نے بہ حکم علی عادل شاہ (چندر کوٹ کا قلعہ زیریں توڑنے کے بعد) پہاڑی پر سابقہ بنیادوں پر طیار کرایا اور جس کو تاریخ فرشتہ میں چندر کوٹ کے قریب یا قلعہ چندر کوٹی منہدمہ مصطفیٰ خان کے معاوضہ میں بنایا اور علی عادل شاہ کی بیگم (چاند بی عرف چاند سلطان) کے نام کی مناسبت کے سبب قلعہ چندر کوٹی کے ہی نام سے موسوم تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس پہاڑی قلعہ کا ابتدائی نام غالباً جلدرگ ہی تھا جو عادل شاہی سلطنت تک مذکورۂ بالا وجوہ میں سے کسی ایک یا زیادہ وجوہ سے قلعہ چندر کوٹ ہی کہلاتا رہا اور عادل شاہی سلطنت جانے کے بعد ہی وہ اپنی مقامی کیفیت اور چاروں طرف پانی گھرا ہونے کے لحاظ سے پھر اپنے اصلی یعنی جلدرگ، (پانی کا قلعہ) کے نام سے موسوم ہوگیا۔ مذکورۂ بالا تبدیل نام کا قیاس اس لئے بھی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ علی عادل شاہ کے عہد کی ایسی دوسری نظیریں بھی موجود ہیں چنانچہ نلدرگ کے قلعہ کو جس کو راجہ نل نے بنایا تھا جب علی عادل شاہ نے فتح کرلیا تو اس کا نام بدل کر شاہ درگ رکھ دیا لیکن عادل شاہی سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ ہی شاہ درگ کا نام بھی ختم ہوگیا اور قلعہ پھر اپنے سابقہ نام یعنی نلدرگ سے موسوم ہوا اور اب تک نلدرگ کے نام سے ہی مشہور ہے۔ پس مذکورہ بالا لحاظ سے موجودہ قلعہ جلدرگ کی تاریخ تعمیر ۹۸۶ھ اور علی عادل شاہ کا عہد قایم ہوتا ہے اور اس کی تائید کرنل میڈو ٹیلر کے مذکورۂ بالا ناول سے ہوتی ہے جس میں ۱۵۹۰ء سے پہلے اس قلعہ کا موجود ہونا درج ہے۔ قلعہ جلدرگ میں ہزارہا قبروں کی علامات موجود اور صدہا قبریں اب بھی صاف طور پر نظر آتی ہیں یہ مقام گنج شہیداں کے نام سے موسوم ہے۔ اس نام اور قبروں کی کثرت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت کے بعد ہی جلدرگ پر بہت سی خوں ریزیاں ہوئی ہیں مگر کسی تاریخ کی کتاب میں اس کا ذکر نہ ہونے سے صراحت نہیں کی جاسکتی کہ عادل شاہیوں کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد کس کس کا قبضہ رہا البتہ اس قلعہ میں محمد سرور کی درگاہ کے سامنے ایک چبوترہ پر کتبہ لگا ہوا تھا جو چبوترہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے اب نیچے رکھا ہوا ہے۔ اس کتبہ سے ظاہر ہے کہ سنہ ۱۱۱۱ھ میں تلوک سنگھ نامی سردار نے بہ حکم عالمگیر بادشاہ غازی اس قلعہ کو فتح کیا اور درگاہ کے سامنے ایک اونچا چبوترہ بنا کر اس پر کتبہ کا پتھر نصب کیا۔ یہ کتبہ فارسی اور

ناگری دونوں خطوں میں ہے فارسی کتبہ کی نقل درج ذیل ہے۔

سنہ ۱۱۱۱ ہجری

خانہ زاد بادشاہ عالمگیر غازی تلوک سنگھ ابن چترائی کنڈ بندیلہ

جب وہ چبوترہ جس پر کتبہ مذکور کا پتھر نصب تھا ٹوٹ گیا تو "محمد سرور" کی درگاہ کے خدام نے اس جگہ پر ایک نہایت عمدہ چبوترہ بنالیا جس میں درگاہ کی چادریں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں۔ قلعہ جلدرگ کے سات دروازے اور پانچ حصار ہیں دروازوں میں سے ایک برج نما دروازے کے سوا باقی سب تقریباً گر چکے ہیں صرف دیواریں باقی ہیں اور ایک دروازہ جو باقی ہے وہ بھی خستہ حالت میں ہے چھت اور برج میں درزیں آگئی ہیں اور شق ہوگیا ہے۔ قلعہ کے پانچوں حصاروں کی فصیل جابجا سے گر گئی ہے۔ پانچوں دروازوں کی یہ کیفیت ہے کہ پہلے حصار میں دو دروازے ہیں ایک دروازہ بہ جانب مشرق جو شوراپور کے دروازے کے نام سے موسوم ہے اور ایک دروازہ بجانب جنوب جو مدگل کے دروازہ کے نام سے مشہور ہے۔ مشرقی دروازے کے اندر داخل ہونے کے بعد گنج شہیداں راہ میں ہے اور مدگل کے دروازے کے قریب وہ میدان ہے جہاں قلعہ کا بازار بستا تھا۔ اس بازار میں کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ لیکن دیواروں اور چبوتروں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ دوسرے حصار میں بھی دو دروازہ ہیں ایک دروازہ تو پہلے حصار سے دوسرے حصار میں داخل ہونے کے لئے ہے اور دوسرا دروازہ گھاٹ دروازے کے نام سے مشہور ہے اور اسی دروازے سے کرشنا کی شمالی شاخ پر جانے کا بھی راستہ ہے اسی دروازے کے قریب یلما کا دیول ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ ناتھورام نے اس کو درست کرایا ہے۔ تیسرے حصار میں میر محی الدین علی نامی بزرگ کی ایک قدیم درگاہ ہے یہ درگاہ پختہ بنی ہوئی ہے اور درست حالت میں ہے اس درگاہ کے عقب میں جانب جنوب ایک پختہ مکان ہے جس کی چھت گر گئی ہے صرف دیواریں باقی ہیں۔ چوتھے حصار میں دروازے کے سامنے جانب شمال ایک چھوٹی سی مسجد واقع ہے جس کی دیواریں رہ گئی ہیں چھت باقی نہیں ہے اور ناگ پھنی بہت کثرت سے مسجد میں ہوگئی ہے اور اس کے شمال اور مشرق کے جوانب میں پختہ قبریں موجود ہیں جس میں سے بعض صاف نظر آتی ہیں اور بعض ناگ پھنی

میں چھپ گئی ہیں اس مسجد سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر ایک بڑا وسیع اور بلند چبوترہ ہی جس پر
کھڑے ہوکر دیکھنے سے ندی اور قلعہ کے سامنے کا نظارہ بہت اچھی طرح ہوسکتا ہی۔ پانچواں
حصار سہ منزلہ ہی۔ پہلی منزل میں اکثر شاہی مکانات کے نشانات اور ایک بڑی اُفتادہ
باؤلی ہی اور اسی طرف محمد سرور کی درگاہ بنی ہوئی ہی۔ یہ درگاہ درحقیقت کسی بزرگ
کا مزار نہیں ہی بلکہ ایک لمبا چبوترہ ہی جس پر اس درگاہ کے معتقدین کا بیان ہی کہ حضرت پیغمبر صاحب
صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اس چبوترے کے اطراف چار دیواری کھنچی ہوئی ہی۔ اور
اُس کے پائیں میں وہ چبوترہ تھا جس پر تکوک سنگہ کا کتبہ نصب تھا۔ اس درگاہ کی نسبت
بلا تفریق مذہب ہندو اور مسلمان لوگوں کا عقیدہ ہی کہ جو بیمار علی الخصوص جذامی یہاں آتے
ہیں وہ تن درست ہوجاتے ہیں چنانچہ دو مسلمان عورتیں اور ایک ہندو عورت اور ایک
مانگ مردیہاں موجود ہیں۔ مسلمان عورتیں موضع بھیرواڑ گی تعلقہ بھاگے واڑی علاقہ
سرکار عظمت مدار کے رہنے والی ہیں اور دس سال قبل جذام میں مبتلا ہوکر یہاں آئی ہیں اور
صحت یاب ہوچکی ہیں اور اسی درگاہ کی خدمت کرتی ہیں اور یہیں سکونت اختیار کرلی ہی۔
چوتھا شخص یعنی مانگ دو سال سے یہاں مقیم ہی یہ بھی مبتلائے مرض ہی مگر اب اپنے آپ کو
پہلے سے بہتر بتاتا ہی ان سب لوگوں کا توکل پر گزارا ہی۔ جو لوگ حلدرگ دیکھنے یا اپنے عقیدت
کے لحاظ سے اس درگاہ پر آتے ہیں وہ ان متوکلین کو کچھ نہ کچھ دیتے ہیں اور درگاہ پر بھی چڑھاتے
ہیں اور یہ عورتیں چڑھاوے کی پوری رقم درگاہ کے اخراجات میں صرف کرتی ہیں جس سے اس وقت
تک یہ درگاہ اچھی حالت میں ہی۔ پانچویں درجہ کی دوسری منزل میں جانب شمال مغرب ایک
بارہ دری ہی جہاں سے قلعہ کا شمالی و مغربی حصہ اور چھاپا بھگوتی کا دیول بہت صاف اور
خوش نما طور پر نظر آتا ہی۔ یہ بارہ دری بھی امتداد زمانہ سے مرمت طلب ہوگئی ہی۔ تیسری منزل
میں جانب جنوب مشرق ایک منہدمہ دالان ہی اور اس تمام قلعہ میں سب سے زیادہ بلند مقام
یہی ہے اور عجب نہیں کہ یہی مقام بالا حصار ہو۔ اس کی چھت گر گئی ہی لیکن دیواریں کچھ سالم کچھ شکستہ
موجود ہیں اور ایک زینہ بھی ہی جس سے چھت پر چڑھ کر دور دراز کا نظارہ ہوسکتا تھا۔ اس زینت سے
اگر اس بالا حصار کے منہدمہ دلوار پر چڑھ کر دیکھا جائے تو قلعہ مدگل اور شورا پور کا پہاڑ

وغیرہ نظر آتے ہیں۔ اس قلعہ میں کوئی توپ باقی نہیں ہے۔ صدر دروازہ چوبی تھا۔ حال میں ایک انگریز اس کی باقی ماندہ لکڑی لے کر چلا گیا جس کا اُس نے ایک صندوق بطور یادگار کے بنا لیا۔ مختصر یہ کہ یہ قلعہ موقع کے لحاظ سے تمام وکمال اس قابل ہے کہ اگر آثار قدیمہ میں شریک کرکے کم سے کم پانچویں حصار کے مختصر اور قابل ملاحظہ فصیل اندہ بالا حصار۔ بارہ دری مسجد۔ دروازہ اور وہ چبوترہ جس پر تلوک سنگھ کا پتھر نصب تھا ان کو ضرور درستی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ چند روز میں جو حالت اب ہے یہ بھی نہ رہے گی

دسواں ضمیمہ۔ خلد آباد و غار ہائے ایلورا

خلد آباد اورنگ آباد سے (۱۴) میل اور دولت آباد سے چھ میل بلند پہاڑوں پر واقع ہے۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے اور (۲۷۳۲) فیٹ سمندر سے اور (۵۰۰) فیٹ سطح ارضی سے بلند ہے۔ یہ مقام خاص کر اس وجہ سے مشہور ہے کہ بڑے بڑے نامی گرامی اکابر اسلام اس خطۂ زمین میں آسودہ ہیں۔ مثلاً اورنگ زیب اور شاہزادہ اعظم شاہ۔ نظام الملک آصف جاہ بانی خاندان سرکار عالی نظام۔ ناصر جنگ فرزند دومی آصف جاہ۔ نظام شاہ بادشاہ احمد نگر۔ ملک عنبر۔ تانا شاہ بادشاہ گولکنڈہ وغیرہ وغیرہ۔ اس بستی میں پندرہ بیس تو گنبد ہیں اور تخمیناً چودہ سو مزار ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا آباد اور شاداب شہر تھا۔ اب ویران ہے اور باغات جو درگاہوں اور گنبدوں کے اطراف تھے وہ سب جنگل ہو گئے ہیں۔ جس زمانہ میں دولت آباد دار السلطنت تھا خلد آباد معرض گمنامی میں تھا ۸۰۰ھ کے قبل تک یہ سارا پہاڑی سلسلہ خلد آباد کے نام سے مشہور تھا اور جو کچھ آبادی تھوڑی سی جنوبی پہاڑ پر تھی وہ بھی مضافات دولت آباد شمار ہوتی تھی۔ اگرچہ سب سے پہلے بزرگ جن کا قدم اس سرزمین پر پڑا حضرت جلال الدین صاحب تھے لیکن مستقل اقامت حضرت منتجب الدین زر زری زر بخش کے ہونے سے خلد آباد کی شہرت آپ ہی کی بدولت ہے آپ کے وصال کے بعد جب گنبد تعمیر ہوا تو روضہ کے نام سے اس خطہ نے شہرت پائی اور اب بھی "روضہ" سے مراد خلد آباد کی بستی لی جاتی ہے۔ حضرت کس زمانے میں یہاں آئے پتہ نہیں چلتا تاہم سال وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۰۹ھ کے قبل کی یہ بستی ہے۔ منتجب الدین صاحب کے بعد برہان الدین اولیا بحکم شیخ نظام الدین اولیا اپنے برادران طریقت کے ساتھ یہاں تشریف لائے اور بہ پاس ادب اس مقام سے

تھوڑا جانب جنوب ہٹ کر آپ نے قیام فرمایا - تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت منتجب الدین صاحب کے روضے کے اطراف کی زمین "باغ روضہ" کہلاتی تھی کہ نظام شاہیوں کے کئی تاج داروں کے مزار اس سرزمین پر ہیں جن میں سے نظام الملک بحری اور آنکس خاں کے گنبد اب تک موجود ہیں ان کے علاوہ اور بھی مقابر ہیں مگر پتہ نہیں کہ کس کے ہیں ممکن ہے کہ پہلے کوئی باغ بھی ہو - لیکن اب تو باغ کا نشان تک باقی نہیں ہے - اورنگ زیب نے ۱۱۱۸ھ میں احمد نگر میں انتقال کیا - شاہزادہ محمد اعظم شاہ بہادر مہم مالوہ پر نکل چکا تھا خبر وفات سن کر پچیس کوس سے پلٹا اور نعش کو حسب وصیت روضہ کو لایا اور سید زین الدین صاحب کے مقبرہ کے صحن میں دفن کیا - اورنگ زیب کا لقب خلد مکاں پڑا اور اسی مناسبت سے خلد آباد مشہور ہوا - خلد آباد کا بہت بڑا حصہ ویران ہے - اب تحصیل اور پولیس سٹیشن ہے - مردم شماری (۲۸۴۳) اور آباد مکانوں کی تعداد (۶۴۵) ہے خلد آباد کی زیادہ تر آبادی خدام کی ہے - خدام کی تین قسمیں ہیں -

(۱) خدام درگاہ حد کلاں - وہ ہیں جو حضرت منتجب الدین اور حضرت برہان الدین اولیا کی درگاہ کے خدام ہیں ان کی تعداد سات سو ہے -

(۲) خدام درگاہ حد خورد - وہ ہیں جو حضرت سید الدین کی درگاہ کے خادم ہیں - ان کی تعداد چار سو ہے -

(۳) خدام درگاہ گنج رواں - وہ ہیں جو حضرت جلال الدین سہروردی کے خادم ہیں ان کی تعداد ڈیڑھ سو ہے -

درگاہ حد کلاں و حد خورد کے مصارف کے لئے چند مواضع قدیم سے جاگیر ہیں - حضرت جلال الدین کی درگاہ کے لئے دو مواضع سونی بیچن اور نادر آباد جاگیر ہیں - فصیل شہر کے باہر کنبیالی خورد اور کنبیالی کلاں دو محلے ہیں اور قصبہ کے اندر (۱۶) محلے ہیں - شاہی پورہ - بڑکی آلی - قصاب واڑہ - ٹکار واڑی - مومن واڑہ - برہمن واڑی - النگ - گٹھریوں والا محلہ چھوٹی باؤلی - حمال واڑی - پٹیلوں کا محلہ - پرانی کچہری - بازار - گنج - قاضی پورہ - کمان

منعم کا باغ ۱۰۸۱ھ	پانگرے دروازہ کے باہر بجانب شمال منعم کا باغ ہے جس میں

ایک مسجد اور چند قبور کے سوا کچھ نہیں ہے۔ چار دیواری کے چاروں کونوں پر ایک ایک حجرہ اور اس پر ایک ایک برج ہے۔ باغ کا دروازہ شرق رویہ ہے۔ دروازہ کے کتبہ ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں رحمان قلی کی قبر ہے:

"یارب چو رحمان قلی خاں برحمت تو پیوست از خرد تاریخ از فردوس منزلش باشد

دروازے کی دونوں جانب پانچ پانچ حجرے ہیں۔ باغ بالکل ویران ہے جنگلی درخت اور زیادہ تر شریفہ کی خودرو جھاڑی ہے۔ باغ کا مکان متعلقہ ویران ہے۔

باغ بنی بیگم نہایت خوش نما محصور مقام ہے۔ اس میں ایک بلند کرسی کی نہایت خوش نما اور وسیع بارہ دری بنی ہوئی ہے۔ تالاب حوض خاص جنوب میں اور دھرم تالاب گوشۂ غرب و شمال میں ہیں ان سے ہی آبیاری ہوتی ہے۔ پہلے خاکسار تالاب سے نہر لائی گئی تھی جو اب ٹوٹ پھوٹ گئی۔ وسط باغ میں جہاں بانو بیگم عرف بنی بیگم صاحبہ شاہزادہ محمد بیدار بخت فرزند کلاں شاہزادہ اعظم شاہ کی زوجہ کی قبر ہے۔ قبر ایک مربع خوش نما حوض کے اندر بنی ہوئی ہے۔ قبر اور چبوترے کے سوا حوض سنگ سرخ کا ہے۔ اطراف مختلف شکلوں کی کیاریوں کا چمن ہے اور ان ہی کیاریوں کے درمیاں ایک اور حوض ہے۔ ان سب حوضوں میں پانی کے نل لگے ہوئے ہیں جس کا خزانہ قبر کی چاردیواری کے باہر پچھم کی طرف ہے۔ چار دیواری کی سنگ سرخ کی محرابیں ہیں اور قبر کے چبوترے کے سنگ مرمر کی سلیں لوگ اکھاڑ لے گئے اب صرف قبر کا تعویذ پڑا ہے۔ اب چبوترے پر استرکاری کردی گئی ہے۔ باغ کی متعلقہ مسجد کے حوض کا پتھر بھی بے رحم اور سنگ دل لوگ لے گئے۔ مقبرے کی چار دیواری کے چاروں کونوں اور وسط میں لداؤ شہ نشینیں ہیں جن کی ساخت اب بھی سرمایۂ ناز ہے۔ اس مختصر مقبرہ میں بعض بعض صنعتیں ہر شخص کو نقش بر دیوار بنا دیتی ہیں۔ چاروں شہ نشینوں کے نیچے پانی نکلنے کا راستہ نہایت خوبی سے بنایا ہے۔ ان چاروں شہ نشینوں کے نیچے چھوٹی چھوٹی سنگ سرخ کی نہایت خوب صورت سہ دریاں ہیں۔ مقبرہ دروازہ جنوب رخ ہے۔ مقبرہ کے مغربی رخ پر ایک بہت ہی خوش نما مسجد تین درجوں اور پانچ محرابوں کی ہے صحن مسجد اور حوض کے جنوب میں چند قبریں ہیں اور یہیں ایک برآمدہ سنگ سرخ کا ہے اس کے پتھر بھی غایب ہیں۔ مسجد کے مقابل ایک مکان تین درجے کا تھا اگلا درجہ حال میں گر گیا پچھلے دو اپنی حالت پر کھڑے ہیں۔ پچھلے درجہ کی چھت پر پانی کا خزانہ ہے جس کی دیوار دو گز بلند ہے اور ایسا مستحکم بنایا گیا ہے کہ اب تک پانی

نہیں رہتا - خزانے میں (۲۲) نل ہیں جو سارے باغ میں دوڑے ہوئے ہیں - اس کا نظارہ تو
کچھ اسی وقت دیکھنے کے قابل ہوگا جب نہر خاکسار رواں ہوگی اب تو سارا باغ تشنہ دہاں ہے
باغ کے شمالی جانب عالی شان دو منزلہ دروازہ ہے اور اس کے محاذی دو درجے کی عمارت ہے جس
کے اندرونی دالان میں دو حجرے ہیں - باغ کے چاروں کونوں پر ایک ایک حجرہ اور ہر حجرہ
کے سامنے سہ درہ اور اوپر برج ہے - گوشۂ جنوب و شرق کا برج گر پڑا ہے - چاروں حجروں کی دونوں
طرف اور بڑے دروازے کے ادھر اُدھر اور جنوبی عمارت کے غرب میں ایک ایک زینہ فصیل
اور عمارت پر جانے کے لئے ہے - جنوبی عمارت کے باہر دونوں طرف دو حجرے ایک بیت الخلا اور دوسرا
باورچی خانہ ہے مسجد اور شرقی اور جنوبی عمارتوں کے سامنے ایک حوض ہے جو اب مٹی سے بھر گیا
ہے - شمالی دروازے کے سوا باقی سمتوں میں باہر جانے کے لئے چھوٹے چھوٹے تین دروازے
ہیں - دکن والا دروازہ باورچی خانے کے حجرے کے اندر سے نکالا گیا ہے باغ کی چاردیواری
اب تک صحیح و سالم ہے - مقبرے سے کتھوڑے فاصلہ پر چاروں کونوں پر ایک ایک چبوترہ بھی
ہے - باغ میں اب معمولی ترکاری بوئی جاتی ہے اور ۵ ماہانہ مصارف کے مالی مقرر ہیں - باغ کے
عقب میں جانب جنوب لب حوض ایک سہ درہ چاردیواری سمیت نہایت خوش تماشا نشست گاہ
ہے - حوض کے لبریز ہونے پر یہ مقام بہت دلکش ہوگا - اس حوض سے مغربی جانب کھڑکی کے
باہر باغ کے متعلق اور چند مکانات ہیں ان قطعات کی چاردیواری کہیں کہیں سے گر گئی ہے -
اگلے قطعہ میں ایک حوض ہے اور باقی قطعات میں قبریں ہیں - پچھلے قطعہ کی قبر کسی شاہزادی
کی مشہور ہے - اِن قطعات کے پیچھے سید معظم شاہ (جو عالم گیر کے زمانہ میں ایک باکمال
درویش تھے) کی قبر ہے -

ریشم باؤلی ۱۰۲۸ھ ریشم باؤلی یہاں سے قریب ہے - اس کے مغربی جانب کئی احاطے
ہیں اور جنوب رخ شاہ صادق صاحب کی مسجد ہے جس پر کتبۂ ذیل ہے - اِن اشعار کے دونوں
جانب باریک خط میں کچھ عبارت ہے جو پڑھی نہیں جاتی -

نیست صادقے چنین مسجد — ساخت بہر ثواب بر سر راہ
یافت تاریخ از خرد فی الحال — کرد صادق صفائی بیت اللہ
سنہ ۱۰۲۸ھ

مقبرہ خان جہاں معروف بہ لال باغ

بعض لوگ اس کو اورنگ زیب کے کوکا کا مقبرہ کہتے ہیں۔ اس باغ کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ پست ہے چاروں طرف مختصر سی عمارت اور بیچ میں مربع حوض اور اس حوض کے چاروں جانب ایک ایک لمبوترا حوض ہے۔ ان سب حوضوں میں متعدد نل لگے ہوئے ہیں۔ چاردیواری کے چاروں کونوں پر حجرے اور ہر حجرے پر ایک ایک برج ہے۔ گوشۂ غرب و جنوب کے حجرے میں ایک دروازہ ہے جس کے قریب ہی حوض خاص کی باؤلی ہے۔ اس باغ کی سیرابی اس باؤلی کے علاوہ نہر خاکسار سے بھی ہوتی تھی۔ جس نہر سے پانی آتا تھا اس کا نشان اب تک موجود ہے۔ اس حجرے کا برج بھی گر گیا۔ باغ کی شمالی حد میں عمارت کے دونوں طرف زینے دوسرے حصہ میں جانے کے لئے ہیں باقی گوشۂ شمال و مشرق کے حجرے اور صدر دروازے کے (جو پورب طرف ہے) دونوں طرف دو زینے ہیں۔ صدر دروازے پر اسی زمانے کا نیلا اور پیلا رنگ اب تک کچھ کچھ باقی ہے۔ باغ کی حیثیت سے دروازہ چھوٹا ہے۔ دوسرے حصہ میں خان[۱] جہاں کا مقبرہ اور ایک شکستہ مسجد ہے۔ شمال میں ایک دروازہ شرق میں برآمدہ اور مسجد کے قریب غرب میں دوسرا دروازہ ہے تیسرے حصہ میں سے جاتے ہیں۔ تیسرے حصہ میں ایک گنبد اور ایک مسجد ہے۔ گنبد میں میر واعظ علی۔ میر تقی اور میر نقی کی قبریں ہیں۔ اسی حصہ کی مغربی دیوار سے ملے ہوئے باہر کی طرف مولینا رکن الدین۔ مجدالدین برہان الدین پسران عماد الدین صاحب کے مزارات ہیں اور اسی کے قریب عماد الدین حسن کے چوتھے صاحب زادے عماد الدین صاحب کا گنبد ہے۔ مولینا عماد الدین کے اہل بیت حضرت برہان الدین اولیا کے مرید اور ہر چہار فرزند رشید سید زین الدین صاحب کے لائق شاگردوں میں تھے۔ تیسرے حصہ کی جنوبی دیوار میں ایک دروازہ اور ایک برآمدہ اور شمال طرف ایک دو دالان ایک دوسرے کے مقابل شرقاً و غرباً ہیں جن میں ایک حجرہ ہے

[۱] شاہ جہاں اپنے باپ کی جگہ ۱۰۳۷ھ میں تخت نشین ہوا دوسرے ہی برس خان جہاں لودھی نے بغاوت کی اور مرہٹوں سے مل کر اپنی جداگانہ سلطنت قائم کرنی چاہی جہانگیر بادشاہ کی وفات کے بعد اس نے شاہ جہاں کے ساتھ آگرہ جانے کو انکار کیا۔ خان جہاں نے صوبۂ مالوہ پر قبضہ کرنا چاہا لیکن پھر بادشاہ

لال باغ کے متعلق پہلے حصہ کے مشرق میں شارع عام پر ایک باغ اور بھی ہے جس کی چار دیواری گر گئی ہے۔ درمیان میں گنبد ہے۔ یہ سارا باغ ویران ہے اب باغ جا کر کھیت بن گئے ہیں اور فراغت سے قلبہ رانی ہوتی ہے۔ لال باغ کے پہلے حصہ کے جنوب میں دروازے پر نقار خانہ ہے اور وہیں دو شکستہ چار دیواریاں ہیں۔ شمالی چار دیواری کے اندر ایک گنبد اور ایک مسجد بالکل شکستہ ہے اور احاطہ جنوبی میں دو گنبد ہیں۔ خدا جانے کن کے ہیں۔

سرایا کٹرہ سرا کی جسے کٹرہ بھی کہتے ہیں) عمارت نہایت شان دار ہے لیکن نہایت مرمت طلب ہے۔ سرا کے چاروں طرف متعدد حجرے بنے ہوئے ہیں اور بیچ میں ایک بڑا بھاری حوض ہے جو اپنی تشنہ دہانی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ مغربی حجروں کی لین میں ایک مسجد ہے اور اسی کے جواب میں شرقی حجروں کے درمیان دو درجے کا سہ درہ اور شمالاً اور جنوباً دو دروازے ہیں۔ شمالی دروازہ کی دونوں جانب زینے اور چار چار حجرے ہیں۔ شمالی دروازے پر قطعہ تاریخ ابھرے ہوئے حرفوں میں ہے۔ پتھر بھربھرا ہونے سے مادہ تاریخ کا مصرعہ جھڑ گیا لیکن مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عالمگیر کی وفات کے بعد خدمتگار خاں نے بنوائی ہے:-

نذر درگاہ شہ مغفور حق — شاہ عالمگیر علیین مقام
ساخت خدمتگار خاں ایں کٹرہ را — تا ازاں فیضے بود بر خاص و عام
وقف کردہ حاصلش در راہ حق — تا بود ایں دار فانی را قیام
. . . . شکست و ریختش — . . . .
بر فقیران و غریبان جہاں — ہم یتامیٰ و مساکین انام
یا الٰہی ہمچو فیض حسن تو — ساز مقبولش بحسن اختتام
سال تاریخ بنایش گفت عقل — . . . .

حویلی خان بہادر دو حصے ہیں۔ ایک میں تحصیل اور دوسرے میں امین بلغور کی کچہری ہے۔ یہاں ایک باؤلی - ایک حوض اور ایک چھوٹی سی خوب صورت مسجد بھی ہے جس کے دونوں جانب دو حجرے ہیں۔ صحن مسجد کے شمال و جنوب میں لنگر خانے کے مکانات ہیں

چوں کہ محکمہ جات سرکاری اس مکان میں ہیں ضروری داغ دوزی ہوتی رہتی ہے جو اب تک قایم ہے۔ خان بہادر سے کون سا امیر مراد ہے معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ جتنے بڑے بڑے امراء تھے سب ہی خان بہادر تھے۔

بلغور بروزن فی الفور۔ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی گیہوں اور جو کے دلیے کے ہیں جسے عربی میں ثرید کہتے ہیں اور ہمارے ہاں کھچڑا۔ شاہ عالم گیر۔ نواب مغفرت مآب آصف جاہ نواب ناصر جنگ شہید سہ مقبرے کے نام سے مشہور ہیں ان کے لنگر خانے کے اخراجات یکجائی ہوتے ہیں۔ شاہ اورنگ زیب کا لنگر یہیں سے بٹتا ہے۔ روزانہ مقدار غلہ کی ایک من اڑتیس سیر تین چھٹانک ہے کچھ خشک باقی پکا کر تقسیم ہوتا ہے۔ ماہ صیام میں ۲۲۰ مار اور عشرہ شریف میں ۱۰۰ مار زیادہ پکتا ہے۔ یہ لنگر ایک روز شیرین اور ایک دن نمکین ہوتا ہے۔ نمکین لنگر میں گوشت بھی ڈالا جاتا ہے۔ اندازہ ماہانہ خرچ کا ایک ہزار روپیہ ہے۔ عملہ امین۔ بخشی۔ مشرف جائزہ نویس۔ اہل قلم ہیں جن کی نگرانی میں یہ کام ہوتا ہے اس کے علاوہ حفاظ۔ صلوٰۃ خواں دعاگو۔ فراش۔ آبدار۔ چوبدار۔ حوالدار۔ گل فروش۔ داروغہ۔ نقارچی۔ درباں۔ باورچی۔ بھشتی وغیرہ کافی عملہ موجود ہے۔

شہر پناہ شاہ عالم بہادر نے قصبے کے گرد فصیل بنوائی تھی جو اب بہت مرمت طلب ہے۔ فصیل میں چھ دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں۔

جانب شمال۔ ہوڈری دروازہ۔ پانگرہ دروازہ۔

جانب شرق۔ لنگڑے ملا کا دروازہ۔ کنیالی دروازہ۔

جانب جنوب۔ نقار خانے کا دروازہ۔ منگل پیٹ دروازہ۔

کھڑکیاں۔ ایک جانب شمال پانگرہ دروازے کے غرب میں۔ دوسری جانب مغرب متصل حوض خاص۔

مسجد چہاردہ صد اولیا خلد آباد میں سب سے پہلی مسجد یہی ہے جو پنج بیبیوں کے چبوترے کے شمال میں ہے اسی میں حضرت منتجب الدین صاحب نماز پڑھا کرتے تھے

۵۱؎ ۱۶۸۲ء میں سلطان معظم چوتھی مرتبہ دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا اور اسی کو شاہ عالم کا خطاب بھی تھا ۱۲۔

اس کی درستی بھی سرکار سے ہوگئی ہے۔ اچھی حالت میں آباد ہے۔ صحن مسجد میں اُسی زمانہ کا ایک پُرانا نیم کا درخت ہے مسجد کے نیچے ظہیر الدین۔ حسام الدین۔ بہاء الدین۔ سراج الدین بھکریؒ کے مزار ہیں جو حضرت منتجب الدین کے رفقاء اور حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء تھے۔ ان سب کا عرس ۱۱ شعبان کو ہوتا ہے۔

گورنمنٹ گسٹ ہوس اور بنگلے اس مسجد کے شمال و مغرب میں چار بنگلے ہیں جو پہاڑ کے کنارے پر بنے ہوئے ہیں۔ یہ مقام نہایت پُرفضا اور فرحت بخش ہے۔ کوسوں کا نظارہ یہاں سے ہوتا ہے۔ غارہائے ایلورا اسی کے نیچے ہیں۔ پہلے یہاں صرف ایک خس پوش بنگلہ تھا بعد اعلیٰ حضرت غفراں مکان کی رونق افروزی کے زمانے میں اور ایک نفیس بنگلہ بنایا گیا اور رفتہ رفتہ اب چار عالی شان کوٹھیاں بن گئی ہیں۔ دو بنگلہ ملے ہوئے گورنمنٹ گسٹ ہوس ہیں جو اعلیٰ پیمانہ پر ہر طرح فرنشڈ ہیں۔ فرنیچر یہاں کا نہایت بیش قیمت اور شاہانہ ہے۔ شاہزادگان اور ویسرائے اور گورنر اور تمام معزز اور محترم مہمان اسی میں اُترتے ہیں اُن کی آرام و آسایش کا کل سامان مہیا ہے۔ تیسرا بنگلہ سٹاف کے واسطے ہے اور چوتھا سیاحوں کا ڈاک بنگلہ ہے۔ بڑے تین بنگلوں میں صرف سرکاری مہمان جو غارہائے ایلورہ دیکھنے آتے ہیں ٹھیرتے ہیں۔ تعلقہ دار ضلع یا صوبہ دار کی اجازت سے چند روز کے لئے دوسرے عہدہ دار بھی رہ سکتے ہیں چوتھے بنگلہ میں اُترنے کے لئے کسی اجازت خاص کی ضرورت نہیں۔ خاکسار جس زمانے میں قایم مقام تعلقہ دار اور مستقل دوم تعلقہ دار ضلع اورنگ آباد کا تھا بارہا ان بنگلوں میں ہفتوں رہا ہے۔ اس سے بہتر مقام تفریح طبع کے لئے میسر آنا ممکن نہیں۔ ویسرگل لاج میں جو سامان ہوگا وہی یہاں سب موجود ہے۔ اہتمام میں اس قدر سعی بلیغ کی گئی ہے کہ باورچی خانے کا سامان چھری کانٹے ظروف چینی سامان روشنی بچھونے۔ تکئے۔ بلینکٹ۔ رگ۔ سب ہی کچھ موجود ہے بڑے سے بڑا سردار چلا آئے تو یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ سرکار عالی نظام کی دریا دلی اور فیاضی کی جھلک یہاں نظر آتی ہے۔ کہ ان بنگلوں کی تعمیر اور آراستگی میں خزانہ کا موہنہ کھول دیا گیا ہے۔ کوئی گورنر جنرل ایسا نہیں

۵۱۔ یعنی ساز و سامان سے آراستہ۔ ۱۲ ۵۲ ویسرائے کے رہنے کا مکان۔ ۱۲

جو ایک نہ ایک دفعہ یہاں نہ آتا ہو گورنروں لارڈوں یورپ کے نامور سیاحوں - نوابوں راجاؤں کی یہاں کمی نہیں آئے دن کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے -

غار ہائے ایلورا غار ہائے ایلورا (جس کا نوٹ ہم مختصراً کہیں دے آئے ہیں) عجائبات روزگار میں ہیں ان کے دیکھنے کے لئے چار دانگ عالم سے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں ان کے بیان کے لئے ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے چنانچہ ایک مبسوط کتاب فرگسن صاحب نے لکھی ہے جو سرکاری طور پر یہاں سیاحوں کی واقفیت کے لئے میری ہی تعلقہ داری کے زمانے میں رکھی گئی ہے - یہ غار پہاڑوں کے اندر نہایت نفاست سے تراشے گئے ہیں - پہاڑوں کے اندر وسیع مکانات کا تراشنا اس زمانے میں کیوں کر ہوتا تھا معلوم نہیں مگر اب تو ناممکن ہے - آج ہماری سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ کس طرح بنائے ہوں گے - یہ غار صدہا بلکہ ہزار ہا برس پہلے کے بودھ اور جین لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں بعض پانچ ہزار برس پہلے کے کہے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ اس زمانے کے سنگ تراش پتھر کو کس طرح موم بنا لیتے تھے بعض بعض مکان سہ منزلہ ہیں جن میں وسیع ہال ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ کہیں اندھیرا نہیں - پہاڑ کے باہر سے گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کے اندر حضرت انسان نے یہ کمال کیا ہے - لمبے لمبے برآمدے ان میں بیسیوں ستون اور ہزار ہا تصاویر مجسم قد آدم ہیں لیکن سب سڈول اور ایک ہی ناپ کے کیا مجال کہ کوئی ذرا چھوٹا بڑا ہو جائے - پرکار سے ناپ لیجئے تو چاول برابر فرق نہ نکلے - چھجے - کارنسیں کس نفاست سے بنائی گئی ہیں اور ان میں کیسی کیسی گل کاری اور نقش و نگار بنائے ہیں اور کیسے کیسے آویزے لٹکائے ہیں کہ آج موم سے بھی نہیں بنا سکتے پھر کیا مجال کہ کہیں سے کوئی چیپ اڑ گئی ہو - آخر چھینی کا کام پتھر پر جب چوٹ پڑتی ہے تو بہت کر کے ٹکڑا نکل جاتا ہے مگر یہاں اس خوبی سے کام کیا ہے کہ گویا پتھر ان کے ہاتھوں میں چکنی مٹی تھا کہ جس شکل میں چاہا ڈھال دیا - ایک سانچہ ہے کہ جس میں ساری عمارت کل مورتیں ڈھال دی ہیں - ان غاروں کی طیاری میں ہزاروں کاریگر صدہا سال لگے رہے ہوں گے اور روپیہ کا تو اندازہ لگانا محال ہے کہ دولت کہاں سے امنڈ پڑی تھی یہ سارے مکان اہل ہنود کی پرستش گاہیں ہیں مسلمان جو بت پرستی کے دشمن ہیں ان کو اس سے کیا تعلق بلکہ جہاں

لہ - ان غاروں سے الورے کا گاؤں قریب ایک میل کے ہے وہاں بھی حال کا بنا ہوا ایک مندر ہے اور داول شاہ کا چلہ بھی ہے

ان کی دست برد سے ان کی دست رس ہوگئی ہے وہیں تصاویر کو نکما کردیا ہے۔ چھوٹے موٹے غاروں کو چھوڑ کر اس وقت جو سلسلہ دھیڑ واڑے سے لے کر اندر سبھا تک گورنمنٹ نے پرنزرو (محفوظ) کر رکھا ہے (۳۵) غار ہیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل ہیں۔ جن میں سے مشہور یہ ہیں:۔

دھیڑ واڑہ (چماروں کا محلہ) ستار (ڈھیڑ) کی جھوپڑی۔ دو تال (دو منزلہ) تین تال۔ راون کی گھائی۔ دسا اوتاری۔ رنگ محل (کیلاس) چھوٹا رامیشر۔ چھوٹا نیلکنٹھ۔ چھوٹا دھومالا۔ بڑا رامیشر۔ بڑا نیلکنٹھ۔ کمہارواڑہ۔ تیلی کا گھانا (کولھو) جوگیشور۔ بڑا دھومالا (سیتا کی نہانی) چھوٹا کیلاس۔ آدھ ناتھ سبھا۔ جگناتھ سبھا۔ پرس رام سبھا (راج بیٹھک) اندر سبھا پارس ناتھ سبھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے رنگ محل۔ اندر سبھا۔ تین تال۔ سنار کی جھوپڑی۔ زیادہ مشہور ہیں کہ ان کا کام دیکھ کر عقل چکر میں آجاتی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے صرف کیلاس کا مختصر ذکر کرتے ہیں اس سے ناظرین دوسرے غاروں کا اندازہ کرلیں۔ قلم میں یہ طاقت کہاں جو ان عجائب روزگار کا بیان کرسکے۔ ہمارے خیال میں بہزاد و مانی بھی یہ کاریگری دیکھ کر کان پکڑ لیتے اور بے ساختہ کہہ اٹھتے کہ جائے استاد خالی۔

رنگ محل کا صدر دروازہ غرب رویہ دو منزلہ ہے اور ڈیوڑھی لمبی چوڑی ہے۔ دروازے کے سامنے غلام گردش کی دیوار پر ایک بڑا بھاری بت کھڑا ہے جس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے ہاتھی اور ہاتھیوں کی دونوں طرف دیوار پر چوبداروں کی تصویریں ہیں۔ اندر وار بڑے بڑے دو ہاتھی کورو اور پانڈو کی یادگار بنائے گئے ہیں۔ پہاڑ کے بیچوں بیچ دیول ہے۔ دیول اور دروازے کی بالائی منزل ایک سطح میں ہے جس پر پل سا بنادیا ہے اور اوپر نندی (بیل) بٹھا دیا ہے۔ دیول کے چاروں طرف مکانات تراشے ہوئے ہیں۔ دیول اور ان مکانوں کے درمیان چوڑا راستہ مثل سڑک کے چھوڑا گیا ہے۔ دیول کے شمالی مکانات پڑ لنکا اور جنوبی اڑ لنکا کہلاتے ہیں۔ پڑ لنکا کے وسط میں ایک دو منزلہ مکان بھی ہے۔ اڑ لنکا کے سلسلہ میں چھ دالان اور وسط میں ایک سہ منزلہ مکان ہے جس کی پشت پر ایک دالان اور بھی ہے۔ سہ منزلہ مکان کی درمیانی منزل کا چھجہ اور دیول کے جنوبی برآمدے کا سائبان ایک ہی پتھر میں تراشا

گیا ہے جس پر سے اوپر کی دونوں منزلوں میں آجا سکتے ہیں اب گر جانے سے بدون سیڑھی کے اوپر نہیں چڑھ سکتے۔ دیول کی ساری دیواریں نقش و نگار اور بتوں سے لبی پڑی ہیں۔ دیول کے باہر شمالی اور جنوبی دیواریں رام اور راون اور کورو اور پانڈو کی لڑائیوں کی تصویریں ہیں اور دیوار کی چاروں طرف شیر اور ہاتھیوں کی خوفناک مورتیں ترشی ہوئی ہیں۔ دیول کی کرسی بہت بلند ہے۔ دیول کے اندر سولہا ستون ہیں۔ یہیں چھوٹے چھوٹے پانچ دیول اور ہیں مگر ان میں کوئی بت نہیں ہے۔ دیول کی چھت اور ستونوں پر انواع و اقسام کے گل بوٹے بیلیں اور درخت بنے ہوئے ہیں۔ ایک مقام پر شہد کی مکھیوں کا چھتہ اور صد ہا مکھیاں بنی ہوئی ہیں جو اب اڑا ہی چاہتی ہیں۔ کسی جگہ پوجاری مالا جپ رہا ہے اور مالا کے دانے بے جوڑ دہاگے سمیت ترشے ہوئے ہیں کہیں دیو تخت اڑائے لئے جا رہے ہیں۔ خاص دیول اور نندی کے دیول اور دروازہ کی چھت پر انجن کی تصویر ہے اور صدر دروازے کے باہر شمالی جانب بگھی گھوڑا بیل ہاتھی وغیرہ کی تصویریں ہیں۔ غرض ہزار ہا قسم کی تصویریں ہیں جو دنیا کے رات دن کے واقعات بتلاتی ہیں۔ اندر سبھا اور ستار کی جھوپڑی اگرچہ وسعت میں رنگ محل سے کم ہیں مگر اپنی اپنی جگہ لاجواب ہیں ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

بڑے بڑے سیاح جو دنیا کی قدیم یادگاریں اور مشہور عمارتیں دیکھ کر آتے ہیں یہاں آکر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ ملک دکن میں پہاڑوں میں اس قسم کے مکانات تراشنے کا بڑا دستور تھا چنانچہ دوسرے مقامات پر بھی ایسے مکانات ہیں مگر ایک دو اور مختصر۔ جس قدر غار دریافت ہوئے ہیں وہ (۳۵) ہیں ابھی اور پہاڑوں کو کس نے ڈھونڈا ہے خدا جانے اور کتنے مکانات ابھی معرض خفا میں ہیں۔ غار ہائے ایلورا کے متعلق سید محمد عسکری صاحب نے جو سید محمد کاظم حبیب کنتوری کے برادر کہیں تھے خلد آباد کے ساقی نامے میں ایلورے کے متعلق بھی کچھ اشعار کہے ہیں ناظرین کی تفریح طبع کے لئے وہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

کروں گا میں پہلے ایلورے کی سیر — کہ مملو بتوں سے ہے یہ سارا دیر
ہزاروں برس کی ہیں یہ مورتیں — مگر ہیں عجب خوش نما صورتیں

جو ہے سامنے کوہ گردوں وقار — اسی کے تلے ہیں ایلورے کے غار
نہیں غار ہے نام یہ مستعار — عجائب غرایب ہیں نقش و نگار
کہیں بیل بوٹے کہیں نقش ہیں — کہ حیرت فزا اور فرح بخش ہیں
وہ خارا تراشان ملک تلنگ — بنا جن کے ہاتھوں ہیں قرطاس سنگ
مرقع بنایا عجب بے نظیر — کہ حیرت میں ہیں سارے برنا و پیر
جو آتے ہیں سیاح روم و فرنگ — وہ سب دیکھ کر اُن کو ہوتے ہیں دنگ
تراشے وہ پتھر میں نقش و نگار — کہ حیران ہے عقل ہر سادہ کار
بنایا عجب طرح کا بت کدہ — جسے دیکھ کر سب ہیں حیرت زدہ
برابر مکانوں کی ہے اک قطار — کہ جن میں تصاویر ہیں بے شمار
قرینے سے ہیں سب بلند اور پست — کہیں شیر غراں کہیں فیل مست
چکارے کہیں اور کہیں ہیں ہرن — کہیں ریچھ و بندر کہیں مرد و زن
غضب کے تھے صناع خارا تراش — پہاڑوں میں کی یہ تراش و خراش
دکھائی ہیں کیا صنعتیں بے بہا — بنائی ہے اک سمت اندر سبھا
ہے کاریگری اس میں بے حد و حصر — تراشا ہے واں تخت و پہیم و چھتر
بنایا ہے پریوں کا جھرمٹ کہیں — اپیلی حسیں چلبلی نازنیں
جوانی کے عالم میں البیلیاں — کریں ایک سے ایک اٹکھیلیاں
ہیں پریاں کہیں اور کہیں دیو ہیں — کہیں ارجن و بھیم اور گیو ہیں
بنایا ہے سارا حشم اور خدم — وہ اقبال گرداں ہست و دژم
کہیں کرنا اور کہیں گاؤدم — کہیں طبل و طاس اور رویینہ خم
وہ خاصے کے گھوڑے وہ ساز و یراق — وہ زین اور پاکھر سے چوبند و چاق
وہ دم سم وہ کان اور کنوتی کی شان — مہیا ہے جولاں گری بے گمان
کفل اور سینے وہ ابھرے ہوئے — کہیں زین کے دامن اٹھے ہوئے
کوئی اُن میں کوتل کسی پر سوار — کہیں ایک دو اور کسی جا قطار

سواروں کے متھے پر جھلم سر پہ خود　　لیئے ہاتھ میں گرز و بان و عمود
ہیں چلّے میں جوڑے ہوئے کوئی تیر　　مخالف کو کرتا ہے کوئی اسیر
کوئی پھینکتا ہے کسی پر کمند　　تبرزین سے ہے کاٹتا کوئی بند
ہیں باندھے ہوئے کوئی تیغ و سپر　　کوئی گرز و گوپال و رمح و تبر
جواں ہے کوئی اور کوئی پیر ہے　　ہے خوش کوئی اور کوئی دلگیر ہے
دکھایا ہے نقش شبستاں کہیں　　تراشا ہے سرو چراغاں کہیں
کوئی جاپ کرتا ہے مالا لیئے　　کوئی ہے کھڑا مرگ چھالا لیئے
کہیں ہیں فقیر اور کہیں ہیں امیر　　کہیں پہلواں ہیں کہیں گوشہ گیر
کوئی دے رہا ہے کسی کو شراب　　بجاتا ہے مردنگ کوئی رباب
ہے رقصاں کوئی اور گاتا کوئی　　ہے سارنگ و طبلہ بجاتا کوئی
بہن اور بھائی کا ایک ماجرا　　دکھایا ہے تصویر میں برملا
کہ بے وجہ بھائی نے ماری جو لات　　تو بس سڑ گیا پاؤں دیکھو یہ بات
پڑا ہے وہ ناچار اور شرمسار　　وہ ہمشیر ہے اس کی تیماردار
اسی طرح زانی کا ہے واقعہ　　کہ ضم ہو گئے زانی و مزنیہ
کہیں سانپ ہے پھن کو کھولے ہوئے　　ہیں بچھو کہیں نیش تولے ہوئے
کہیں گاؤ ہے اور کہیں گاؤ میش　　وہیں ان کے بچے بھی ہیں گرد و پیش
ہیں بیٹھے درختوں پر جس جا پرند　　بنائے ہیں کیا خوش نما جوڑ بند
کوئی اپنی منقار کھولے ہوئے　　ہے اڑنے کو پر کوئی تولے ہوئے
بعینہ کسی جا پہ رقصاں ہے مور　　پپیہا کہیں اور کہیں ہے چکور
وہ اس طرح کندھوں کو ہیں تولتے　　جو دیکھے وہ سمجھے کہ ہیں بولتے
وہ یا بولتے بولتے سو گئے　　کہ پتھر کے سب دفعتہً ہو گئے
دیا راجہ اندر نے کی یہ دعا　　کہ پتھرا گئی یہ سبھا کی سبھا
مگر خود ہے راجہ اسی حال میں　　پھنسا کس طرح آ کے جنجال میں

طلسمات کا بیت بنایا ہے دبیر
عدیل اب کرو چل کے روضہ کی سیر

رانی اہلیا بائی کا مندر اور کنڈ

رانی اہلیا بائی نے اندور میں ۱۷۶۵-۹۵ء تک سلطنت کی ہے۔ اُنھوں نے ایلورے میں ایک مندر اور کنڈ بنوایا ہے۔ کنڈ مربع ہے جس کے چاروں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جس کے اطراف چودہ فیٹ بلند احاطہ ہے۔ اس کنڈ کے مشرق میں گرسنتا سوامی کا مندر ہے جس کا چبوترہ ۶۱ × ۸۴ فیٹ ہے اور سبھا منڈپ اندر وار سے ۲۵½ فیٹ مربع ہے جس کے تین طرف برآمدے نکلے ہوئے ہیں۔ ہال کے تینوں طرف پردے کی دیوار کھنچی ہوئی ہے جس میں آٹھ ستون ہیں اور چار ستون دیوار میں ہیں اور اندر بھی چبوترے پر چار ستون ہیں اس طرح جملہ سولھا ستون ہیں۔ برآمدوں میں بھی دو دو ستون ہیں۔ ستونوں پر نقش ونگار اور مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ ڈیوڑھی ۹ف - ¼ × ۳ف - ¼ میں بنی ہوئی ہے جس کا دروازہ ۱۶ف - ½ مربع ہے۔ درمیان میں ایک نہایت عمدہ چکنے سنگ سیاہ کا لنگ ہے جو منڈپ سے ڈھائی فیٹ نیچے ہے۔ مندر کی دیواروں میں چھوٹے چھوٹے طاق چراغوں کے واسطے بنے ہوئے ہیں لیکن پچھواڑے کی دیوار میں بڑے بڑے طاق مورتیں بٹھانے کے ہیں اور یہیں مندر کے اندر جانے کا دروازہ بھی ہے۔ مندر کے اطراف ایک چبوترہ ۲½ اونچا اور چار فیٹ چوڑا ہے۔ دیواروں پر جا بجا عمدہ نقش ونگار ہیں۔ پچھلا کمرہ دو منزلہ ہے بیچ کے کمرہ میں ایک طاق میں ایک سوار کی تصویر بہت عمدہ بنائی گئی ہے۔ اس مندر کی عمارت جدید زمانے کی سنگ سرخ کی بہت خوش نما بنائی گئی ہے اور ہر اعتبار سے قابل دید ہے۔

سونا باؤلی - حضرت منتجب الدین صاحب کی درگاہ کے میدان شرقی میں سونا باؤلی ہے اور اُسی کے قریب نظام شاہیوں کے (۵) گنبد اور دو چبوترے ہیں۔ اِن گنبدوں میں ایک دولت خان ناظر کا بھی ہے جس نے حضرت جلال الدین گنج رواں کی درگاہ کے باہر مسجد بنوائی ہے۔ سونا بائی ایک ہندو رئیس کی لڑکی تھی جو حضرت منتجب الدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی اسی کی بنائی ہوئی یہ باؤلی ہے۔ اس کی تین بہنیں اور تھیں بادلہ بائی۔ ڈاک بائی۔ کوٹھا بائی۔

ان سبھوں نے بھی خلد آباد میں ایک ایک باؤلی بنوائی تھی - جن میں سونا باؤلی سب سے زیادہ عمیق ہے اور ڈاک باؤلی عریض و طویل ہے لیکن سونا باؤلی جیسی باؤلی نہیں ہے یعنی سوت نہیں ہے - بارش کا پانی منڈی ٹیکری وغیرہ سے بہہ کر جمع ہوتا ہے - باقی تینوں باولیوں سے زراعت ہوتی ہے -

موتی چوک سونا باؤلی کے جنوب و شرق میں جو گنبد ہیں اور وہاں جو چبوترہ ہے وہ موتی چوک کہلاتا ہے اس چبوترے کے علاوہ اور بھی چار چبوترے موتی چوک کے نام سے مشہور ہیں - ایک چبوترہ جو منتجب الدین صاحب کی درگاہ میں ہے اس پر چشتیہ اور قادریہ خاندان کے لوگ جو بانوا اور باقید کہلاتے ہیں بیٹھتے ہیں اور آنکس خاں کے گنبد کے سامنے دو چبوترے ہیں جن پر حضرات جلالی اور رفاعی اور پیر بدر الدین صاحب کی نوکھی بیٹھتے ہیں - مسجد سے ہو کر دامن کی کمان تک چوتھا چبوترا ہے جس پر اہل طبقات کے فقراء ٹھہرتے ہیں - اہل طبقات حضرت بدیع الدین صاحب زندہ شاہ مدار اور جلالی حضرت جلال الدین صاحب بخاری اور رفاعی حضرت سید احمد کبیر صاحب کے سلسلہ سے کہلاتے ہیں - اہل طبقات سے گل حسین شاہ صاحب سر بہ مہر بہت بڑے بزرگ اورنگ زیب کے عہد میں گزرے ہیں جن کا مزار بانگرے دروازہ کے باہر بیدر باؤلی کے قریب ہے - موتی چوک پر ٹھہرنے والے فقراء کو عرس میں کچھ نقدی ملا کرتی ہے جس کو اُن کی اصطلاح میں "ذرہ" کہتے ہیں -

گنبد آنکس خاں سید رساں صاحب کے مزار کے گوشہ غرب و جنوب میں آنکس خاں برادر رضاعی طاہر خاں کا گنبد ہے جو خاندان سلاطین نظام شاہیہ کا ایک ممبر تھا - جس کے دروازہ پر یہ کتبہ ہے :-

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خان عالیشان رفیع القدر والمکان آخوند میر آنکس خان سنی ابن سنی آنکس خان - یہ گنبد بالکل شکستہ حالت میں ہے -

حضرت منتجب الدین کی کمان و ایک صاحب متعلقہ دارکا آب دالخانہ — آنکس خاں کے گنبد

خلد آباد کی بستی کی طرف ایک کمان ہی جو منتجب الدین صاحب کی کمان کہلاتی ہی۔ کمان سے ملی ہوئی دو درجہ کی عمارت ہی جس کا پچھلا درجہ ملک عنبر کا بنایا ہوا ہی اور اگلا سائبان ابنّ صاحب تعلقہ دار کا۔ یہہ عمارت ابنّ صاحب کے آب دار خانے کے نام سے مشہور ہی یہاں ایک کمان دو پہاڑیوں کے بیچ میں بنی ہوئی ہی۔

ہوڑا اور منڈی ٹیکڑی : پچھم کی ٹیکڑی ہوڑا اور مشرق کی منڈی ٹیکڑی کہلاتی ہی۔ اوڑہا مرہٹی میں نالے کو کہتے ہیں پہاڑی کے نیچے نالہ بہتا ہی اس سے اوڑہا نام پڑا جو کثرت استعمال سے ہوڑا ہوگیا۔ منڈی ٹیکڑی اس واسطے کہتے ہیں کہ سوا ایک چھوٹے سے املی کے درخت کے اور کوئی روئیدگی نہیں۔ ہوڑے کی پہاڑی پر بھی کچھ قبریں حضرت منتجب الدین کا چلہ اور ایک مسجد ہی۔ مسجد تو گرگئی صرف چاردیواری باقی ہی۔

عیدگاہ خواجہ حسین وخواجہ عمر صاحبوں کی درگاہ کے پاس ایک وسیع عیدگاہ ہی جس میں ہزاروں آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

دو تالاب درگاہ کے مشرق میں دو تالاب ہیں۔ پانگرہ تالاب تین طرف سے قدرتی طور پر پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہی چوتھی سمت میں پختہ دیوار ہی اور یہیں ایک دوسرا تالاب ہو دڑی تالاب کہلاتا ہی جو بالکل معمولی ہی ذراسی نشیب زمین میں بارش کا پانی جمع ہوجاتا ہے۔

لال شاہ میاں کا حجرہ پانگرے تالاب کے شکم میں لال شاہ میاں کا حجرہ ہی۔ آپ مجذوب فقیر تھے حال میں انتقال کیا ہی۔ اس کا پانی بہت شیریں ہی اور بستی والے کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

کریم الدین صاحب کی مسجد سنہ ۷۶۰ھ حضرت برہان الدین غریب کی درگاہ میں ہی اس پر یہہ کتبہ بخط نسخ ہی :-

اَلسُّلْطَانُ الْاَعْظَمُ الْمُعَظَّمُ عَلَاءُ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ اَحْمَدُ شَاہ بِنْ اَحْمَدُ شَاہِ الْوَلِیِّ الْبَهْمَنِیِّ۔
بنائے مسجد جامع نزدیک حضرت روضتیں متبرکتین نذر کردہ بودند در اثنائے آن از دار فنا بدار بقا رحلت کردند . . . . بحکم . . . . بندۂ درگاہ . . . .
سلطانی تاریخ غرہ ، ۵ جمادی الاخریٰ . . . اثنتین ستین وسبعمائتہ مسجد . . . . . . گردید

یہیں خانقاہ میں خواجہ محمد لشکری کی قبر ہے۔

اکبری مسجد ۱۰۸۷ھ یہ مسجد خلد آباد کی تمام مسجدوں میں بڑی اور خوب صورت ہے۔ اس فرش سنگ سیاہ کی مربع سلوں کا ہے۔ دو درجے اور پانچ کمانیں ہیں۔ یہ مسجد دُہری ہے۔ یعنی نیچے بھی دو درجے بنے ہوئے ہیں اور کئی حجرے بھی ہیں۔ بیچ کی محراب پر یہ کتبہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَکَفٰی وَاعِظًا بِالْمَوْتِ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَایَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَایَسْتَقْدِمُوْنَ۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ ۱۰۸۷ھ

خانقاہ و نقار خانہ ۱۲۲۰ھ یہیں بارہ کمانوں کی ایک خانقاہ اور نقارخانہ ہے نقارخانے پر یہ کتبہ ہے:۔

ز لطف شاہ شاہ زین الدین حقانی ... آسیہ خانم بہ بست در خواجگانی
دریں خانقاہ آل ختم رسل ... ایں نقارخانہ بنا ساخت مانی
ز ہجرت ہزار و دو صد و بست بود ... بتولیت شیخ ابوالخیر فانی

نقارخانے کے پاس بہت سی قبریں ہیں جس میں سید منصور صاحب صوبہ دار بنگالہ اور اُن کی بیگم کی قبر ہے۔ سکندر یار جنگ کی قبر پر "عاقبت خانہ نواب سکندر یار جنگ بہادر بہ تاریخ پنجم ماہ رمضان المبارک ۱۲۶۳ھ" کندہ ہے۔ یہاں ایک آم کا درخت بھی ہے۔ احاطہ کی حد شرقی پر ایک تہرا دالان ہے جس پر یہ کتبہ ہے۔

شاہ زین الدین چراغ چشتیاں ... مرقد پاکش غریق نوریاں
در حریم روضۂ آن پاک دیں ... کرد عالی خانقہ معمور داں
شاہ منصور آنکہ با خلق متیں ... نام نیکش در جہاں مشہور داں
بر سریر عیش و عشرت تا ابد ... بر مراد دوستاں معمور داں
حشم از پیر خرد تاریخ جست ... ؎ . . . .

درگاہ کے جنوبی احاطہ میں سہ درہ اور گنبد ہے۔ ایک چار دیواری کے اندر سلاطین فاروقیہ

؎ - یہ مصرعہ مٹ گیا ہے۔ ۱۲

برہان پوری اور خدام درگاہ کی قبریں ہیں۔ یہاں ایک درخت نیم کا اور ایک بڑ کا ہے۔ تحویلدار صاحب کی مسجد اور قاضی کا حوض ہے۔ یہاں سے آٹھ دس قدم کے فاصلے پر سیدانی بی صاحب کے مزار کا چبوترہ ہے۔

کالی مسجد دیول توڑ کر بنائی گئی ہے۔ یہاں کے دیول اکثر سب قبلہ رُخ ہیں اس وجہ سے مسلمانوں کو اُن کے مسجد بنانے میں کسی قسم کی دقت نہ تھی۔ مسجد کا صحن وسیع ہے مگر چار دیواری نہ ہونے سے محفوظ نہیں ہے۔

اولیائے کرام و دیگر مشاہیر عظام

حضرت شیخ منتجب الدین قدس سرہ ۶۷۵ھ

آپ کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ سے اور شجرہ مشیخت اکیس واسطوں سے رسول اکرم سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ محمود کے چار بیٹے۔ برہان الدین۔ منتجب الدین۔ عزیز قتال۔ ابو الفتح اور پانچ لڑکیاں بی خدیجہ بی عائشہ۔ بی مریم۔ بی آمنہ۔ بی حمیدہ تھیں۔ عزیز قتال کے سوا سب خلد آباد میں آسودہ ہیں۔ آپ ۶۷۵ھ میں بی بی ہاجرہ کے بطن سے تولد ہوئے۔ آپ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے اسبق خلفا اور مشاہیر اہل دکن سے ہیں۔ آپ غلام علی صاحب آزاد بلگرامی نے صاحب معراج الولایت سے لکھا ہے کہ آپ فرید گنج شکر کے مرید اور اکبر اولاد تھے۔ چنانچہ آپ کی مدح میں اشعار ذیل لکھے ہیں ؎

منتجب شیخ زرزری زربخش ‏ گو شفیق کلاں بود بشمار

از مریدان خواجہ گنج شکر ‏ کرد اول بدیو گیر قرار

خلعت زر ز غیب می آید ‏ در صباح و رواح دلیل و نہار

شد ازاں نام زرزری زربخش ‏ می نمودش برائے خیر نثار

رخت زیں تنگ نائے چوں بربست ‏ بخرا سید سوئے دار قرار

خواجہ برہان سوئے دکن آمد ‏ زندہ زو گشت سنت و آثار

شو خموش از ثنائے او عبدی

کر تواں کرد وصف او تکرار

لیکن دیگر کتب مستند و روایات معتبر سے آپ کا برہان الدین اولیا سے چھوٹا ہونا اور حضرت محبوب الٰہی کا مرید ہونا متیقن ہے۔ آپ کی ریاضت اور مجاہدہ ملاحظہ فرما کر تمام خلفاء

سے پہلے خلافت نامہ مصلّٰی اور عصا اور خلعت سے سرفراز فرماکر خلائق کے ارشاد کے لئے ایک جماعت اکثیر کے ساتھ دکن روانہ کیا۔ دہلی سے چلتے وقت آپ اپنے ساتھ جماعت کثیر دیکھ کر متردد ہوئے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کی کہ مجھ میں اتنی استطاعت کہاں کہ ان سب کا متکفل ہوسکوں آپ نے مراقبہ کرکے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اسب کا خرچ نماز تہجد کے وقت تم کو ملا کرے گا۔ چنانچہ آپ کو ہر رات بعد نماز تہجد ایک ڈبہ پُر از زر ملتا تھا آپ اسی سے سب کا خرچ چلاتے تھے اور اسی سبب سے آپ زرزری زربخش مشہور ہیں ؎

آں جواں مردیکہ در راہ خدا　　زر بہ محتاجاں رساند زرزریست

آپ دہلی سے چل کر مختلف مقامات پر ٹھیرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو نفس کشی اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے لئے یہی ٹیکڑی پسند آئی اُس وقت سوائے سونا باؤلی کے یہاں کچھ نہ تھا اور آپ کی زندگی تک سوائے مسجد چہاردہ صد اولیاء کے جس میں آپ پنج گانہ نماز پڑھتے تھے اور کوئی عمارت نہیں بنی تھی۔ آپ کا طرز معیشت درویشانہ تھا صرف چلہ کشی کا مقام محفوظ تھا۔ جو درگاہ کے جنوب میں ہوڑے کی پہاڑی کے اندر ایک غار ہے اوپر سے گنبد نما جس میں دو چار آدمی بافراغت رہ سکتے ہیں۔ شمال کی طرف ایک چھوٹا سا دروازہ بھی پتھر کا لگا ہوا ہے۔ آپ کا وصال ۷ ربیع الاول ۷۰۹ھ جمعرات کے روز (۴۲) سال کی عمر میں ہوا مادۂ تاریخ "شہنشاہ اولیا" ہے۔ آپ کی درگاہ کے دو احاطے ہیں۔ چھوٹے احاطے میں آپ کا گنبد ہے۔ آپ کے پہلو میں خواجہ محمد صاحب آسودہ ہیں جو آپ کے یار غار پیر بھائی اور آپ کے دوستِ صادق اور محب واثق تھے۔ آپ کے وصال کے دن جذبۂ محبت اور صدمۂ مفارقت سے زار و قطار روتے اور یہ شعر بار بار پڑھتے تھے:۔

از یار غار ماندن تنہا بہ غار اولیٰ　　بے یار زندہ بودن مردن ہزار اولیٰ

یہ شعر پڑھتے پڑھتے آپ قبر پر گر پڑے اور اپنے دوستِ جانی سے جا ملے۔

کتبہ بر بالین مزار حضرت منتجب الدین

برہانِ شرع حجت حق مقتدائے دیں　　قطب المدار غوث زماں شیخ اتقیا ست

ہم صاحب و مقرب درگاہ کبریاست | ہم رہبر مشائخ و ہم ختم اولیاست
امروز دست شیخی او برتر از ہمہ | ایندم بساط مجلس او حد تا دلی است
بودہ دریں جہاں ہمہ را التجا بدو | ایندم پناہ و ملجاء ارواح اصفیاست
بود است شاد خاطر ما در لقائے او | امروز قدسیاں را شادی ازاں لقاست
بر اولیائے حق نبود مرگ شیخ ما | زندہ است لیک پردۂ اندر میان ماست
بیند کسیکہ دیدۂ روح آور د بدست | وارد حیات خوب چنیں دیدہ ہر کراست
او بد پناہ عالمیاں بعد ازیں ہم | در روضۂ مقدس او کاں پناہ ماست

گنبد کے اندر چند قدیم زمانے کے قلمی اور مطلا بڑی تقطیع کے نہایت خوش خط کلام مجید اور ایک تاناشاہ کا فولادی آئینہ ہے۔ آپ کی قبر پر ہمیشہ تین غلاف رہتے ہیں۔ نیچے کا غلاف سفید ململ کا عطریات اور بخورات سے معطر اور درمیانی غلاف نین سکھ کا اور اوپر کا غلاف نہایت قیمتی کمخواب کا ہوتا ہے۔ صحن میں سنگ سیلو اور سنگ موسیٰ کا فرش ہے۔ آپ کی شرقی دیوار کے نیچے آپ کے بھانجے شمس الدین صاحب اور غربی دیوار سے ملی ہوئی دوسرے بھانجے کی قبر ہے۔ گنبد کے مغربی رخ سے ذرا ہٹی ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ اور حضرت کے ماموں خواجہ سراج الدین کا گنبد ہے جس کی پشت پر کھرنی اور مولسری کا درخت ہے۔ دونوں گنبدوں کے درمیان بہت سی قبریں ہیں یہیں سونا بائی کی قبر بھی ہے جو ایک برہمن متمول آدمی کی لڑکی تھی اور جو حضرت منتجب الدین کے ہاتھ پر ایمان لائی تھی۔ شرقی دیوار میں ایک دروازہ جسے "درچاک" کہتے ہیں آمد و رفت کے لیئے ہے۔ غرب میں مسجد اور جنوب میں ایک دالان ہے جس میں ایک حجرہ بھی ہے۔ اس دالان کے ایک ستون پر یَا اللّٰہُ الْمَحْمُوْدُ فِیْ کُلِّ اَفْعَالِ یَا اللّٰہُ۔ کندہ ہے۔ اس دالان میں پتھر کے تین چھوٹے چھوٹے جھولے لٹک رہے ہیں جن میں سے ایک پر نادعلی کندہ ہے۔ سنگ تراش نے اچھی صناعی دکھائی ہے اس دالان کی چھت پر گنبد بھی ہے۔ اور پچھلی دیوار میں دروازہ ہے جو ایام عرس میں کھلتا ہے۔ احاطہ کے گوشۂ شمال و مشرق میں زینہ ہے۔ احاطے کے شرقی اور جنوبی دو حصے ہیں حصۂ شرقی ۶۰×۴۰ قدم ہے جس کے چاروں طرف دالان ہیں۔ شمالی دیوار کے دروازہ کے باہر حضرت کے

اُستاد سید کبیر صاحب کی قبر ہے۔ جنوبی حصہ ۵۰×۴۰ قدم ہے جس کے سامنے چبوترہ اور سیڑھیاں اور دونوں طرف پانچ کمانیں اور صحن میں چند قبریں ہیں۔

سرہانے کی باؤلی سید صاحب کی قبر کے پورب میں ایک باؤلی اس نام سے مشہور ہے یہیں لب سڑک حضرت فخر الدین و صدر الدین بھکری کی قبریں ہیں۔

شرقی دالان یہاں کا شرقی دالان احمد علی خاں صاحب کا تعمیر کرایا ہوا ہے جس پر یہ کتبے ہیں ؎

بدرگاہ منور زر زری بخش	بنا فرمود قصر احمد علی خاں
فراح از فکر عالی یافت سالش	مقام خوش نمائے پاک یازاں

۱۲۷۲ھ

ہوئی تعمیر اس مکاں کی جب	اک سعادت عجب حصول ہوئی
کہی تاریخ اس کی ہاتف نے	نذر احمد علی قبول ہوئی

۱۲۷۲ھ

نقار خانہ نقار خانے کا دروازہ بہت عالی شان ہے جس پر اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا کندہ ہے۔ اس دروازے کے باہر ایک ویران مسجد ہے جس میں مسافر وغیرہ ایام عرس میں ٹھیر جاتے ہیں۔

تین تین چشمہ کے دالان ۱۰۲۳ھ دروازۂ درچاک سے اُترتے ہوئے سہ درہ اور اس کے نیچے سیڑھیاں ہیں۔ سہ درے پر چھوٹا سا گنبد ہے۔ سہ درے کے شمال و جنوب تین تین چشموں کے دالان اور حجرے ہیں۔ شمالی دالان میں تین کتبے ہیں ؎

(۱) بدرگاہ منور زر زری بخش	بنا ہستند اسعد چند ایوان
شکستہ بود زاں ایوان یکے ایں	مرتب کرد سلطاں خاں دل و جاں
میان ساہوکاراں بود مشہور	در سخاوت نیست ہمتا دیگراں
چو تاریخ مرتب آنیست بشنو	سنہ الف و مائتہ عشرین و سہ داں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسجد واقع اندرون درگاہ ۱۱۷۹ھ (۲)

کہ تاریخ بنائے مسجد او — زدریائے حدیث قدس اللہ

زہجرت نہصد و ہفتاد و یک سال — مرتب شد بنائے مسجد شاہ

دیانت خاں مرید منتجب شاہ . . . .

(۳)

دیانت خاں مرید منتجب شاہ — مددگارش خدا و ہم رسول اللہ

مددگارش ہمہ پیران عالم — دگر آں شیر مردان علی شاہ

بنا کرد مسجدے در روضۂ شاہ — مزیدش باد سر و دولت و جاہ

کہ تاریخ بنائے مسجد او — زدریائے حدیث قدس اللہ

چو بندہ جستہ تاریخ بنائش — چنیں دانند ہمہ مردان درگاہ

بروز جمعہ سابع عشر رمضاں — مبارک بود روز و سال و ہم ماہ

زہجرت نہصد و ہفتاد و یک سال — مرتب شد بنائے مسجد شاہ

اشعار ناموزوں اور جابجا سے حروف چھوٹ گئے ہیں۔ جتنا پڑھا جا سکا بجنسہ نقل کر دیا۔ آخر کے دو قطعے منتجب الدین صاحب کی مسجد کے متعلق ہیں جو اندروالے احاطے میں ہے۔ دیانت خاں حضرت کے مرید نہیں ہو سکتے کہ آپ کے وصال کے دو سو باسٹھ سال بعد یہ مسجد بنوائی ہے۔ مرید کے معنی یہاں معتقد کے ہیں۔

دولت شاہ درباری درچاک کے جنوبی دالان کے درجۂ اسفل میں دولت شاہ درباری اور اُن کے دونوں بھائیوں کے مزار ہیں۔ دولت شاہ چار بھائی تھے۔ دولت شاہ بھیلکا بھکاری شاہ۔ رکن کرتاری شاہ جن کا مزار دولت آباد میں ہے۔ چوتھے کا نام معلوم نہیں۔ دولت شاہ کا عرس ۶ شعبان کو ہوتا ہے۔

عرس شریف حضرت منتجب الدین صاحب کا عرس شریف ۴ ربیع الاول سے ۸ رمضتہ تک بڑی دھوم دھام تزک و احتشام سے ہوتا ہے۔

غریب حضرت فرید الدین ادیب ۷۳۸ھ آپ برہان الدین اولیاء کے مشہور مریدین

برابر پچاس سال ذاکر و شاغل رہے۔ چوں کہ شیخ سے تیرہ دن اول انتقال ہوا لہذا
زیادہ شہرت نہیں پائی۔ لیکن آپ کے علو مرتبہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ برہان الدین
صاحب اولیاء فرماتے تھے کہ اے فرید تیرا خط اُستاد کے خط کے برابر ہو گیا اگر بروز قیامت
مجھ سے پوچھا جائے گا تو ہماری درگاہ میں کیا لایا تو میں عرض کروں گا کہ فرید کو لایا ہوں۔ جو
نعمت ظاہری و باطنی کہ میں رکھتا ہوں سب میں نے تجھے دی۔ آپ اپنے مرشد کے از بس
شیدا تھے چنانچہ حضرت برہان الدین فرماتے تھے زَادَ اللّٰہِ اِعْتِقَادُكَ وَمُحَبَّتُكَ وَيَقِيْنُكَ
پندرہ سال کی عمر سے آپ اس کوچہ میں آئے۔ مرشد کامل کی تلاش تھی ایک دن اپنے
ماموں کے ساتھ مجلس سماع میں آئے وہیں برہان الدین اولیاء سے دست بوس ہوئے
معًا دل نے کہا کہ اگر شیخ کامل ہوں گے تو ان کی توجہ سے دنیا کی محبت دُھل جائے گی اور
میری غذا بھی کم ہو جائے گی۔ خود فرید الدین صاحب کا قول ہے کہ دنیا کی محبت اُسی وقت
سے کم ہونے لگی اور دنیاوی شان و شوکت میری نظر میں ہیچ معلوم ہونے لگی۔ پھر پونچ
سر کے بال منڈوائے۔ خوراک میں اس قدر کمی ہوئی کہ ایک روٹی بہ مشکل کھاتے تھے
اٹھارہ سال کی عمر میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ چوں کہ پہلے ہی مرتاض تھے جب مرید
ہوئے برہان الدین صاحب نے فرمایا کہ آج یہ جوان میرے سامنے اس طرح آیا جلیسے کہ
کوئی سی سالہ مرید اپنے مرشد کے پاس آتا ہے۔ برہان الدین صاحب کی تعلیم و تلقین نے
فرید الدین کو انتہا سے کمال پر پونچا دیا۔ خواجہ مبارک غوری آپ کے پیر بھائی کہتے تھے
کہ فرید الدین جب نماز پڑھتے تھے تو گردن کی ہر رگ سے کلمۂ لا الہ الا اللہ نکلتا تھا اور
جب ذکر کرتے اور دل پر توجہ دیتے تو زبان سے ایک بار ذکر کرتے تو دل سو بار ذکر کرتا۔
نقل ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آکر عرض کی کہ میرا لڑکا بیمار ہے آپ دعا کیجیے آپ
نے کچھ جواب نہ دیا دوبارہ سُن کر بھی خاموش رہے اُس کے چلے جانے کے بعد خادم نے
پوچھا کہ حضور کے خاموش رہنے میں کیا مصلحت تھی آپ نے فرمایا کہ میں اُس غریب سے
کیا کہتا لڑکے کی عمر پوری ہو چکی تھی چنانچہ دوسرے دن وہ لڑکا مر گیا۔ قاضی فرید الدین سے
منقول ہے کہ میں ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ زار و قطار رو رہے ہیں۔

جب ذرا سکون ہوا میں نے سبب گریہ و بکا کا پوچھا آپ نے فرمایا کہ شیخ کا ارشاد ہوا ہے
کہ میری وفات کے بعد تو میری جگہ بیٹھ۔ بھلا یہ بات میرا دل کس طرح گوارا کرے گا۔ اس لئے
میں نے درگاہ باری تعالیٰ عز اسمہ میں التجا کی ہے کہ اے پروردگار تو مجھے شیخ سے پہلے ہی اٹھالے
چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شیخ سے تیرہ دن پہلے ۲۹ محرم ۷۳۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔
چوں کہ آپ اپنے مرشد کا حد سے زیادہ ادب کرتے لہذا "ادیب" کے نام سے مشہور ہوئے ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب	بے ادب محروم گشت از فضل رب

وقت وفات آپ بالکل ساکت و صامت تھے ایک شخص پاس بیٹھا ہوا یہ آواز بلند
کلمہ پڑھنے لگا اور یہ نہ سمجھا کہ عاشقانِ خدا کی یاد سے کسی وقت خالی نہیں رہتے ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست	کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا کہ کیا تو نے سمجھا کہ میں اپنے رب کی یاد
سے غافل ہوں اور یا کریم کہہ کر جان دی ؎

چنیں واجب کند در عشق مردن	بجاناں جاں چنیں باید سپردن

آپ کی وفات کے بعد ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اُس سے کہہ رہا ہے کہ "فرید
ہمارا دوست تھا ہم نے اُسے وہاں نہیں چھوڑا کیوں کہ وہ وہاں کے لائق نہ تھا"

حضرت فخر الدین پروردۂ کاملین حضرت فخر الدین آپ بھی برہان الدین اولیاء کے
مرید تھے۔ خلفاء میں آپ کی آن بان ہی کچھ اور تھی کہ مرشد کی حیات میں آپ کو مرید کرنے کی
اجازت مل گئی تھی آپ امرائے سلطنت اور ملازم شاہی تھے اور شمس الملک خطاب تھا
گو بہ ظاہر امیرانہ لباس تھا لیکن بڑے عابد و زاہد تھے ؎

مرد اہل طریقت لباس ظاہر نیست	کمر بخدمت سلطاں ببند و صوفی باش

بادشاہ کی طلب پر جب دولت آباد سے دہلی جانے لگے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے
آپ کو اجازت پیری مریدی کی ملی۔ آپ نے عرض کی کہ میں سگ دنیا ہوں اگر اجازت ہو
تو شاہی تعلقات چھوڑ کر آپ کے قدموں میں پڑا رہوں آپ نے فرمایا کہ ابھی تم کو بہت کچھ
دیکھنا ہے۔ آپ دہلی چلے آئے اور مدتوں اپنی خدمت پر رہے۔ حضرت برہان الدین نے

آپ کو ایک خط لکھا جس کے ناصیہ پر یہ اشعار آبدار تھے ؎

اے دوست بہ نالیدن کاشانہ رہا کن | ہشیار شوی غالب مستانہ رہا کن
چوں دوست برائے تو در کعبہ کشادست | این رفتن بیہودہ بہ بت خانہ رہا کن
تو باز سپیدی کہ بود دست ملوکاں | زاغ روسیہ را سر ویرانہ رہا کن

چوں کہ ان اشعار میں زیارت حرمین شریفین کی طرف اشارہ تھا فوراً ادائے فریضۂ حج سے فارغ ہوکر دہلی واپس آ گئے۔ اس عرصہ میں برہان الدین اولیاء نے جامۂ خلافت اور نامۂ اجازت دولت آباد سے بھیجا لیکن فخر الدین صاحب کو یہ دونوں چیزیں اُس وقت پہنچیں کہ یہاں حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ نقل ہے کہ آپ جامہ پہنتے جاتے تھے اور اجازت نامہ پڑھ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں فرماتے تھے کہ وای بر حال ما کہ ساری عمر دنیا کے بکھیڑوں میں گزری خدا جانے میرا انجام کیا ہو۔ آہ شب ہجراں کیسے تمام ہوگی اور صبح وصال کب ہوگی! آپ بادل دردناک دربار میں گئے۔ وقت آچکا تھا جیسے ہی بادشاہ سے نظر دوچار ہوئی ارشاد ہوا کہ تم سے اب کام نہیں ہوسکتا اور دربار سے رخصت کر دیا۔ اور جائداد و املاک سب ضبط کرلی۔ جب فخر الدین گھر واپس آئے تو سوائے ایک لونڈی کے کچھ سامان نہ پایا شکر حق بجا لائے اور لونڈی کو بھی آزاد کر دیا۔ ایک گھوڑا سواری کا رہ گیا تھا اُسے بھی کسی فقیر کو دے دیا ؎

بخت بیدار من امروز ز الطاف خدائے | یافت آں روز کہ اندر دل شبہا می خواست

خاصان خدا اور مقربان بارگاہ الٰہی ہی کچھ اس نعمت کا اندازہ کر سکتے ہیں گویا آپ نے قید دنیا سے رہائی پائی۔ مکروہات سے نجات ملی۔ اپنے مالک کی طرف کا سیدھا راستہ لیا۔ جامۂ خلافت سامنے رکھا اور سر منڈا کر خلق سے منہ پھیر گوشہ نشین ہوگئے۔ ان کے دل کو چین کہاں تھا دوبارہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے وہاں سے پلٹ کر دولت آباد آئے اور دم آخریں تک اپنے شیخ کے طریق محمود پر زندگی کے دن کاٹنے لگے۔ مولینا فرید الدین ادیب۔ فرید الدین یگانہ۔ فخر الدین شمس الملک اور مبارک غوری چاروں بزرگوں کے مزار ایک بڑے پختہ چبوترے پر بنے ہوئے ہیں۔ جس کے نیچے تہ خانہ میں سلاطین نظام شاہیہ میں سے کسی کی قبر ہے

چبوترے کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی زمانہ میں گنبد ہوگا۔

ملک عنبر کا گنبد ۱۰۳۵ھ اسی چبوترے کے غرب رو ملک عنبر کا گنبد ہے جس کا زمانہ ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶-۱۵۴۶ء کا ہے جو مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کا وزیر تھا۔ تاریخ فرشتہ اور مآثر الامراء سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عنبر سلاطین عادل شاہیہ کا غلام تھا۔ چند جرار حبشیوں کے ساتھ مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے ہاں جرگۂ ملازمین میں داخل ہوکر خدا داد عقل و شجاعت کی بدولت مرتضیٰ نظام شاہ کی مملکت کو اکبر بادشاہ کی سپاہ مغل کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا اور رفتہ رفتہ حسن تدبیر اور زور تقدیر سے سلطنت نظام شاہیہ کا وزیر ہوگیا۔ ملک عنبر فنون سپہ گری و قواعد سرداری میں یکتائے روزگار تھا۔ ملک کی آبادی میں ساعی اور رعایا کی بہبودی میں سرگرم تھا۔ اول درجہ کا عادل و منصف اور متقی اور پرہیزگار تھا۔ اورنگ آباد کو جس کا قدیم نام "کھڑکی" ہے اسی نے ۱۶۱۰ء میں آباد کیا۔ ملک عنبر نے ۲۹ شعبان ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء میں اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور روضے میں حضرت منتجب الدین اور حضرت سید یوسف معروف بہ راجو قتال حسینی کی درگاہ کے درمیان جگہ پائی۔ عرس وغیرہ کے لئے پہلے موضع عنبر اپور متعلقہ انبڑ (عنبر) ضلع اورنگ آباد میں کچھ زمین انعام تھی اب وہ بھی نہ رہی۔ ملک مذکور کی بنائی ہوئی کئی عمارتیں موجود ہیں۔ اورنگ آباد میں دو مسجدیں ہیں ایک لشت چوک پر اور دوسری نواب پورہ میں یہ دونوں کالی مسجدیں مشہور ہیں۔ تیسری یادگار جامع مسجد ہے۔ جس کے تین درجے ملک عنبر کے بنوائے ہوئے ہیں اور دو اورنگ زیب کے۔ چوتھی یادگار وہ نہر ہے جو اورنگ آباد کے گوشۂ شمال و مشرق سے پہاڑوں میں سے کاٹ کر لائی گئی ہے۔ اور فصیل شہر سے دو مقامات پر تقسیم ہوگئی ہے۔ پانچویں یادگار اورنگ آباد کا کھڑکی (دہار کل) دروازہ ہے۔ اورنگ آباد کی عمارتوں میں رابعہ دورانی کے مقبرہ کے بعد اس عالی شان دروازے کا نمبر ہے۔ کالا چبوترہ جس پر اب خونیوں کی گردن ماری جاتی ہے۔ ہاتھیوں کا تماشہ دیکھنے کے واسطے ملک عنبر ہی کا بنوایا ہوا ہے۔ ملک عنبر کا گنبد اپنے اطراف کے گنبدوں میں شاندار اور نمایاں ہے۔ یہ گنبد ملک عنبر نے اپنی زندگی ہی میں بنوالیا تھا۔ گنبد کا احاطہ منہدم ہوگیا تھا جو از سر نو بنوایا گیا ہے۔ گنبد کے سامنے ایک دالان ہے

جس کے آگے سائبان بڑھا کر مسافر خانہ (ڈاک بنگلہ) بنا دیا ہے - باورچی خانہ - حمام اور بیت الخلا بھی جدید تعمیر ہوا ہے - احاطہ کی غربی دیوار میں دو نئے دروازے اور شرقی دیوار میں ایک قدیم دروازہ ہے - قدیم دروازے کے اندرونی حصہ پر ایک چھوٹا سا سائبان ڈال دیا گیا ہے - بنگلہ جات کے چپراسی اس میں رہتے ہیں - احاطہ کے اندر آٹھ نو درخت کھڑے ہیں اور گنبد کے اطراف بہت سی قبریں ہیں جو مٹتی چلی جا رہی ہیں - چار دیواری کی شرقی دیوار کے باہر ایک بلند چبوترے پر مسجد بنی ہوئی ہے - ملک عنبر کے گنبد اس کے احاطے اور عمارات ملحقہ کی ترمیم عالی جناب نواب معین الدولہ بشیر نواز جنگ بہادر (بہاء الدین خاں) صوبہ دار وقت کی حسن توجہ سے بہ احسن الوجوہ ہوگئی - آپ بڑے متقی خدا پرست اور دین دار بزرگ ہیں - آپ کی خاص توجہ عمارات خلد آباد کی درستی کی جانب رہی ہے اور آپ ہی کی خدا ترسی کا نتیجہ ہے کہ خلد آباد کی گری پڑی عمارتیں درست ہوگئیں - گنبد کے متعلق جو مسجد ہے اس کی چار دیواری نہ ہونے سے گدھے وغیرہ گھس جاتے ہیں اور صحن مسجد میں جو عہدہ داروں کے گھوڑے باندھے جاتے ہیں سختی سے اس کی ممانعت ہونی چاہیے - ملک عنبر کے گنبد کو سٹور بنانا بھی درست نہیں لارڈ کرزن نے گول گنبد کی متعلقہ مسجد واقع بیجاپور کا مسافر بنگلہ اٹھوا دیا اور یہ تو سلطنت اسلامی ہے[۵۱] -

کتبہ مزار حبیب العیدروسی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجو دالحبیب شیخ عبد اللہ بن العید روس بجہت حضر موت یلد تریم سنہ ۹۹۳ھ وتوفی بجہت ھند ودفن بجنت ملک عنبر دوضۂ -

گنبد سدّی کریمہ و سدّی عبد الرحمن -

ملک عنبر کے گنبد کے پاس اُن کی زوجہ سدّی کریمہ کا خالی گنبد ہے جس کا نہ احاطہ ہے نہ کوئی مکان اس کے متعلق ہے اور یہیں ایک بڑی بھاری باؤلی بھی ہے - باؤلی کے پاس ایک ہشت پہلو گنبد ہے جو سدّی عبد الرحمن نبیرۂ ملک عنبر کا کہلاتا ہے اور بعض کسی نظام شاہی بادشاہ کا بتلاتے ہیں -

[۵۱] - نواب برزو جنگ بہادر نے اسٹور اس گنبد میں سے اٹھوا دیا - ۱۲ -

درگاہ حضرت سید راجو قتال حسینی ۷۲۵ھ

آپ حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز کے پدر بزرگوار ہیں - آپ کا نام سید یوسف ہے لیکن عام طور پر سید راجہ یا سید راجو قتال حسینی کے نام سے مشہور ہیں۔ سید یوسف اور اُن کے والد سید علی دونوں صاحب حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ سید صاحب کو سماع کا بہت شوق تھا آپ مجلس سماع میں بیشتر بے خود ہو جاتے تھے۔ دہلی سے جب سب لوگ دولت آباد آئے تو آپ بھی ۷۲۵ھ میں تشریف لائے اور بقیہ زندگی حضرت برہان الدین اولیاء کی صحبت بابرکت میں بسر کی - آپ کی تصنیف "مثنوی راجہ" مشہور ہے اور آپ راجہ ہی تخلص فرماتے تھے - ایک غزل بطور نمونہ ہم یہاں درج کرتے ہیں ؎

روئے کہ دیدہ ام من اندر عیاں نگنجد — حسن و جمال آں رو اندر جہاں نگنجد
آں روئے محض مطلق بیچون و بیچگونہ — از وہم و فہم بیروں صورت دراں نگنجد
اندر کنار جاناں اسرارہا بگفتم — جبرئیل یا ملائک اندر میاں نگنجد
پرواز مرغ قدسی جز لامکاں نباشد — ایں مرغ لامکانی اندر مکاں نگنجد

اندر جمال جاناں راجہ دوام غرق است
از فرح ایں مراتب اندر جہاں نگنجد

آپ نے ۵ شوال ۷۳۱ھ میں وفات پائی عرس کے لئے علاوہ زمین انعامی کے چار سو چھبیس روپیہ سالانہ گلبرگہ سے ملتے ہیں - آپ کی درگاہ بالکل پہاڑ کے کنارے ہے - احاطے کے اندر [illegible] گنبد اور ایک مسجد ہے مسجد کی پشت ایک شیریں چشمہ پانی کا ہے اسی کا پانی سارے خلد آباد میں بہتر سمجھا جاتا ہے - شرقی رخ پر ایک بڑا دروازہ ہے - عام روایت ہے کہ آپ کے گنبد پر سے کوئی پرندہ نہیں اُڑتا اور جو اُڑتا ہے وہ دو ٹکڑے ہو جاتا ہے - واللہ اعلم بالصواب -

متفرق قبریں دروازہ کے باہر میر محمد ناصر کوتوال کی قبر پر یہ کتبہ ہے :-

"میر محمد ناصر مرحوم کوتوال روضہ منورہ سبت و ہفتم جمادی الثانی ۱۱۵۶ سنہ ہجری فوت شد"

یہاں تین دالان ہیں اور ایک بڑ کا درخت ہے - درگاہ کے احاطے میں تین چھوٹی چھوٹی

چار دیواریاں دو سنگ سرخ کی ایک سنگ سیاہ کی ہیں۔ مسجد کے پاس کی چار دیواری میں نواب رحمت خاں مرحوم صوبہ دار اورنگ آباد اور گنبد کے پاس کی چار دیواری میں داؤد خاں صوبہ دار برہان پور کی ہمشیرہ زادیوں کی قبریں ہیں۔ سید چندن صاحب خلف الصدق سید یوسف صاحب کی قبر بھی گنبد کے جنوب و مشرق کے کونے میں ہے علاوہ اس کے اور بہت سی قبریں ہیں۔ سنگ سیاہ کی چار دیواری گنبد سے پانچ سات گز کے فاصلے پر پورب کے رُخ ہے جس میں سید محمد صاحب گیسو دراز کے نبیرہ زادوں کی قبریں ہیں۔ چار دیواری کی شمالی دیوار پر بہت صاف اور جلی حروف میں کتبہ تھا جو اب معدوم ہو کر چیدہ چیدہ لفظ رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں:-

مقبرہ ماہ سکینہ ...... بندہ نواز ...... ساختہ پختہ ۱۱۳۴ھ

یہیں ابوالحسن تاناشاہ کی قبر ہے جس کا ذکر بہ ضمن دولت آباد آچکا ہے۔

احمد نظام شاہ بحری ۹۱۴ھ اور برہان نظام شاہ بحری کا مقبرہ ۹۶۱ھ

سید راجو قتال حسینی کی درگاہ کے باہر جانب شمال ان دونوں بادشاہان احمد نگر کا گنبد ہے۔ باپ بیٹے ایک ہی جگہ آسودہ ہیں۔ ملک عنبر کے گنبد کو چھوڑ کر خلد آباد کے سب گنبدوں سے یہ گنبد بڑا ہے۔ یہ گنبد ایک بڑے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ روکار میں دو حصے ہیں جس کے حصۂ زیرین میں تین حجرے ہیں۔ بالائی حصہ میں بارہ کمرے ہیں۔ پیچھے بہت چوڑا اور نفیس ہے۔ منڈیریں جھانجیاں بنی ہوئی ہیں۔ گنبد کے اندر انواع و اقسام کی گلکاری اور نقش و نگار ہیں۔ احمد نظام شاہ (۸۹۵ھ-۱۵۰۸ء) ملک نائب نظام الملک کا بیٹا تھا۔ ملک نائب بیجانگر کا ایک برہمن نو مسلم تھا اس کا نام تما بھٹ پسر بھیرو تھا۔ احمد شاہ بہمنی کے عہد میں مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے مسلمان کر لیا اور ملک حسن نام رکھ کر غلاموں میں شریک ہوا۔ احمد شاہ ملک حسن کو اپنے بڑے بیٹے محمد شاہ کے ساتھ تعلیم دلانے لگا اور بھیرو سے بحری نام پڑ گیا۔ محمد شاہ نے اپنے عہد میں اسے معتمدوں میں داخل کر کے ہفت ہزاری منصب اور ماہی مراتب سے سرفراز کیا اور بہ مناسبت بحری شکار خانہ اس کے تفویض کیا۔ اُس زمانہ میں شکار خانہ کے مہتمم کو مغول قوش بیگی کہتے تھے اور بڑھتے بڑھتے نظام الملک بحری کا خطاب ملا۔

خواجہ جہاں وزیر کی توجہات سے ملک تلنگانہ راج مندری اور کنڈا ویرا اور اُس کے مضافات کو فتح کیا۔ خواجہ جہاں کے قتل کے بعد یہی وزیر ہوا اور ملک نائب کا خطاب ملا اور محمد شاہ کی وفات کے بعد اُس کی وصیت کی بنا پر اُس کے بیٹے سلطان محمود کا وزیر ہوا اور قصبہ بیڑ اور دوسرے پرگنہ جات جو دولت آباد کے تحت تھے اپنے بیٹے احمد شاہ کو دیئے۔ احمد شاہ اپنی قوت بہ تدریج بڑھاتا گیا چند روز میں قصبۂ پٹن کے علاوہ تمام پر قبضہ کر لیا۔

یہ خود ناظم صوبہ احمد نگر تھا۔ سلطنت بہمنیہ کا زوال تھا موقع اچھا ملا خطبہ اور سکہ اپنا جاری کر کے بادشاہ ہو گیا۔ احمد شاہ سنی المذہب پرہیزگار۔ رعایا پرور۔ خدا ترس اور عادل تھا اس کے خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ بہت ہیں۔ ۹۱۴ھ میں وفات پائی اور باغ روضہ میں مدفون ہوا۔ تاریخ وفات یہ ہے

شاہ احمد حامد ذات اِلٰہ	شد چو از دنیا بہ فردوس بریں
ذوق حق شد سال تاریخش عیاں	ہم گدائے احمدی خاقان دیں
۹۱۴ھ	۹۱۴ھ

احمد شاہ کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا برہان نظام شاہ بادشاہ ہوا۔ پہلے مذہب مہدوی جو محمد مہدی کی ایجاد تھا اُس کا پیرو تھا بعد سید طاہر کی صحبت میں شیعہ بن گیا۔ اس نے (۴۷) برس نہایت ہمت و استقلال سے سلطنت کی اور ۹۶۱ھ میں وفات پا کر اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوا۔ اسی سال سلطان محمود گجراتی اور سلیم شاہ بادشاہ دہلی نے انتقال کیا۔ مولانا غلام علی پدر محمد قاسم فرشتہ مورخ نے کیا عمدہ قطعہ کہا ہے:۔

سہ خسرو را زوال آمد بہ یک سال	کہ ہند از عدل شاں دار الاماں بود
یکے محمود شاہنشاہ گجرات	کہ ہمچو دولت خود نوجواں بود
دوم اسلیم شہ سلطان خوباں	کہ در ہندوستاں صاحبقراں بود
سوم آمد نظام آں شاہ بحری	کہ در ملک دکن خسرو نشاں بود
زمن تاریخ فوت ایں ہر سہ خسرو	چو می پرسی ”زوال خسرواں“ بود
	۹۶۱ھ

قطعۂ دیگر

چوں شہ برہان شہنشاہ جہاں برہان دیں　　زیں جہاں پر بلا گردید در جنت مقیم
گو شہنشاہ مکرم با فضایل کن رقم　　رحلتش ہم حسب مولی شاہ برہان الکریم
سنہ ۹۶۱ھ　　سنہ ۹۶۱ھ　　سنہ ۹۶۱ھ

اور سلاطین نظام شاہیہ کے گنبد بھی باغ روضہ میں ٹوٹے پھوٹے کھڑے ہیں مگر پتہ نہیں چلتا کہ کس کے ہیں۔

سید نصیر الدین صاحب پون بیک احمد نظام شاہ کے گنبد کے مغرب میں حضرت راجو قتال صاحب کی درگاہ کی مسجد کے باہر گوشۂ شمال و مغرب میں سید نصیر الدین صاحب پون بیک کا مزار ہے۔ آپ بھی حضرت برہان الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔ آپ کے سلسلۂ نسب کی شاخ شجر نبوت سے ملتی ہے۔ یسا بزرگ تھے۔

پنج بیبیوں کا چبوترا سید صاحب کے مزار کے قریب ایک احاطے میں ایک چبوترے پر پانچ زنانی قبریں ہیں۔ یہ چبوترا بالکل شکستہ تھا۔ نواب بشیر نواز جنگ بہادر نے اپنی جیب خاص سے درست کرا دیا جزاھم اللہ تعالی احسن الجزاء یہ بیویاں حضرت منتجب الدین اور برہان الدین اولیاء کی بہنیں ہیں جن کے اسمائے گرامی حضرت منتجب الدین صاحب کے تذکرہ میں آ چکے ہیں۔

سید رساں صاحب ۱۳۱۱ھ موتی چوک کے اس چبوترے سے جس پر بالنوا اور یا قید قفر ا ٹھیرتے ہیں جنوب رُخ سید رساں صاحب کا مزار ہے۔ آپ ستد بینر کے رہنے والے تھے اتفاق زمانہ سے خلد آباد تشریف لے آئے اور کاغذی پورہ میں جو خلد آباد سے جانب جنوب دو میل ہے عقد کیا۔ آپ کے دو صاحب زادے۔ سید فیض رساں اور سید عبد الکریم موجود ہیں۔ آپ بڑے کاسب اور شاغل تھے۔ خلد آباد کے لوگ کثرت سے آپ کے مرید ہیں۔ ۲۴ رمضان ۱۳۱۱ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ قبر کا چبوترا پختہ ہے اور مزار شریف پر یہ کتبے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیر کامل ہادی راہ خدا　　واصل حق پیشوائے عارفاں
کرد چوں رحلت شد ایں تاریخ او　　قطب جنت آشیاں سید رساں

ہادی دیں حاجی سید رساں　　رخت بر لبستہ بسوئے آخرت
سال ترحیلش یکے از شاعرے　　چوں ز دنیا خویشتن را در نہفت
ور زمین پاک خلد آباد خفت　　داخلِ فردوس شد حاجی بگفت

باخدائے مصطفیٰ از نسل پاک حیدری　　چوں بخلد آباد شد صایم رسیدہ ایں ندا
حاجی افضل بشان حق ز فیضان گستری　　مقبرہ انوار ہا سید رسانِ قادری

منصبہ حاجی محمد افضل الدین عرف باپا میاں خادم غفر اللہ ذنوبہ

کتبہ عاصی احمد علیخان

کمال الدین صاحب حاجب الخیرات اور سید کبیر صاحب کی قبریں

منڈی ٹیکڑی کے دامن شمالی میں کمال الدین صاحب حاجب الخیرات کی قبر ہے اور کمان سے باہر بستی کی طرف سڑک کے مشرق میں بڑ کے درخت کے نیچے سید کبیر صاحب منتجب الدین صاحب کے اُستاد دوم کا مزار ہے۔

خواجہ حسین و خواجہ عمر صاحبان کی درگاہ سنہ ۷۵۰ھ

سڑک سے پچھم رُخ دو سو گز کے فصل سے دونوں بھائیوں کی درگاہ ہے جس پر گنبد ہے۔ آپ کے والد ماجد خواجہ محمود شیرازی تھے۔ خواجہ حسین بڑے بھائی کے صاحب زادے سید زین الدین تھے اور خواجہ عمر لاولد فوت ہوئے۔ دونوں صاحب تاجر پیشہ اور صاحب ثروت تھے۔ یہ دونوں حضرات برہان الدین صاحب اولیاء کے مرید تھے۔ جب سید زین الدین صاحب شیراز سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر دہلی آئے تو خواجہ حسین صاحب اپنے بیٹے سے ملنے دہلی گئے اور جب دہلی خالی کر کے دولت آباد

بسایا گیا آپ کو بھی دولت آباد آنا پڑا۔ ۲۷ شعبان ۸۵۰ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا
آپ کے گنبد کے اطراف دو احاطے ہیں۔ پہلے احاطہ میں گنبد اور اس سے ملی ہوئی مسجد ہے
اور گنبد کے محاذی سیدانی بی صاحبہ کا مزار ہے۔ یہ مسجد سیدانی صاحبہ کی بنوائی ہوئی ہے۔ دوسرے احاطہ میں پختہ
دالانوں کی کمانیں اور تین طرف دیوار ہے۔ یہیں شاہ پیارے صاحب کا مزار ہے اور یہ احاطہ آپ ہی کا بنوایا ہوا ہے۔

گل حسین شاہ کا مزار اور بیدر باؤلی۔

باغ منعم سے ملی ہوئی یہ باؤلی ہے اور باؤلی کے پاس گل حسین شاہ صاحب کا مزار ہے۔

حضرت برہان الدین اولیاء غریب ۷۵۴ھ

آپ کا اور حضرت منتجب الدین صاحب کا سلسلہ نسب ایک ہی ہے۔ آپ ہانسی میں ۷۵۴ھ میں تولد
ہوئے اور پیار سے آپ کو لوگ "برہانی" کہا کرتے تھے۔ آپ کو کیمیا کا بہت شوق تھا۔
بہ تلاش مرشد آپ دہلی آکر ایک مسجد میں فروکش ہوئے۔ اور وہیں آپ کا شہرہ سارے شہر میں ہو گیا آپ نے
سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا غلغلہ سنا کہ آپ کا دسترخوان باوجود فقر کے بے انتہا
وسیع ہے بھلا فقیری کے ساتھ یہ تمول کیا ضرور کیمیا یا دست غیب ہے۔ اسی خیال سے خانقاہ
میں حاضر ہوئے۔ آپ بہت غربت کی حالت میں بسر کرتے تھے۔ حضرت کے خادم اقبال نے
اطلاع کی کہ برہان الدین ایک غریب حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ساری خلقت تو اُن کی طرف
جھک پڑی ہے ابھی تک وہ غریب ہی ہیں اسی دن سے آپ غریب کے نام سے مشہور ہو گئے۔

غریب است ایں محب حق بہ دنیا حبیب اللہ فی الدنیا غریب

رفتہ رفتہ تقرب حاصل ہوا اور باورچی خانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ ایک دن حضرت
سلطان المشائخ باورچی خانے کی طرف آن نکلے۔ مولینا غریب سے کہا کہ ایک مٹی کا ڈھیلا تو
استنجے کے لئے لاؤ آپ نے جھپٹ کر ایک ڈھیلا اٹھایا تو سونا تھا دوسرا اٹھایا وہ بھی سونا
بن گیا غرض مٹی کا ڈھیلا نہ ملا مجبوراً واپس ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "برہان جو چیز استنجے
کے کام بھی نہ آئے اُس کی خواہش عبث ہے" آپ نے اُسی وقت سے کیمیا کی جستجو چھوڑ دی اور
فقر کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ۶۹۳ھ میں حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے۔ حضرت
کے خلفاء میں دو ہی شخص سربرآوردہ تھے ایک آپ اور دوسرے کمال الدین یعقوب جو شیخ علاؤ

گجرات میں مدفون ہیں۔ شیخ علی زنبیلی اور ملک نصرت (یہ دونوں بھی آپ کے مرید اور سلطان علاء الدین کے عزیزوں میں سے تھے) نے مولینا غریب کی شکایت کی جس پر حضرت مولینا غریب سے کچھ کشیدہ خاطر ہو گئے تھے۔ وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی ہے مولینا غریب نہایت منحنی اور ضعیف الجثہ تھے اول تو ستر برس کا سن اوپر سے یہ ریاضت اور بھی ضعیف ہو گئے غائت ضعف سے کمل کو دہرا کر کے بچھالیا کرتے تھے۔ ان حضرات نے جڑ دی کہ برہان الدین ایک کمل نیچے اور ایک خرقہ کندھے پر ڈال شیخوخیت کے سجادہ پر بیٹھتے ہیں اور پیران طریقت اور اپنے شیخ کی رعایت ملحوظ نہیں رکھتے۔ سلطان المشائخ۔ یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور جب آپ آئے تو رخ نہ دیا۔ مولینا حضرت کی پائے بوسی کے بعد جماعت خانے میں آئے اُسی وقت اقبال خادم نے کہا کہ آپ کو اسی وقت یہاں سے چلے جانے کا حکم ہوا ہے۔ آپ سخت متحیر ہوئے اور کہا:۔ ؎

ماچہ کردیم دگر بار کہ شیریں لب دوست به سخن باز نمی باشد و چشم از نازش

آپ وہاں سے اُٹھ کر دو دن ابراہیم طشت دار کے مکان میں رہے لیکن ابراہیم خود ڈر رہا تھا کہ کہیں حضرت کو خبر لگ جائے تو مفت میں میری شامت آجائے گی۔ اشارتاً و کنایتہً آپ کو چلے جانے کو کہا آپ بے انتہا ملول ہو کر دوسری جگہ جا پڑے۔ آپ کی حالت مرشد کے اقدام مبارک سے دور ہونے سے بہت تزار ہو گئی رات دن روتے رہتے تھے۔ آخر ایک دن خواجہ خسرو نے جرأت کر کے حضرت سے عرض کی کہ برہان الدین غریب آں جناب کے مریدان صادق اور عقیدت مندان بے ریا سے ہیں چوں کہ وہ بہت نحیف ہیں سخت بوریئے پر نہیں بیٹھ سکتے اس لئے کمل کو دو تہ کر کے بچھا لیتے ہیں اُن کا قصور قابل معافی ہے لیکن اُس وقت آپ نے توجہ نہ کی۔ آخر کار خواجہ خسرو پگڑی گلے میں ڈال کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا یہ کیا ہے؟ خواجہ خسرو نے کہا کہ دست بستہ برہان الدین کی عفو تقصیرات کا خواہاں ہوں آپ نے فرمایا وہ کہاں ہیں؟ بلاؤ۔ فوراً خواجہ خسرو اور مولینا غریب دونوں گردن میں پگڑی ڈالے ہوئے جوتے اتارنے کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ آپ سر پر ٹیڑھی ٹوپی رکھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ خواجہ صاحب نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا:۔ ؎

ہر قوم راست راہی دینے و قبلہ گاہی من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہی

سلطان المشائخ بہت مسرور ہوئے اور دونوں سے بغل گیر ہوئے اور برہان الدین کی تجدید بیعت فرمائی برہان الدین صاحب کے دکن میں آنے کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

(۱) حضرت سلطان المشائخ کا سن شریف (۹۵) سال کا تھا اور اواخر عمر میں سات ماہ تک حبس بول کی شکایت رہی۔ ایک روز اقبال خادم سے فرمایا کہ نقد اور جنس جو کچھ ہو لاؤ۔ اقبال نے عرض کی کہ نقد جو آتا ہے روزانہ خرچ ہو جاتا ہے ہاں غلہ بہت سا ہے آپ نے فرمایا کہ مردہ ریگ کو کیوں سمیٹ رکھا ہے آج ہی تقسیم کر دو۔ اس کے بعد کپڑوں کی گٹھری منگا کر اس میں سے ایک دستار اور پیراہن اور مصلی برہان الدین صاحب کو دے کے دکن جانے کی اجازت دی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جس دن شاہ منتجب الدین صاحب خلد آبادی میں رخصت ہوئے آپ وضو کر رہے تھے اور برہان الدین آفتابہ لئے ہوئے پانی ڈال رہے تھے یکایک آپ نے پوچھا کہ تمہارے بھائی منتجب الدین تم سے بڑے تھے یا چھوٹے۔ آپ سمجھ گئے کہ ضرور ان کا انتقال ہو گیا کیوں کہ آپ کی زبان مبارک سے تھے کا لفظ نکلا ہے جو زمان ماضی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ دوسرے دن حضرت خود برہان الدین کے مکان پر رسم تعزیت ادا کرنے تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہم نے تم کو منتجب الدین کی جگہ مقرر کیا فوراً دولت آباد چلے جاؤ۔ برہان الدین سن کر خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا کیوں تامل کیا ہے؟ برہان الدین نے نہایت ادب سے عرض کی کہ حضرت کا حکم میرے سر آنکھوں پر مگر پس و پیش یہ ہے کہ آپ کی جوتیوں سے دور ہو جاؤں گا آپ نے کہا اچھا جوتیاں بھی لے جاؤ۔ برہان الدین نے نعلین مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیں لیکن پھر بھی درد جدائی سے بے تاب ہو گئے اور بے اختیار زار و قطار رونے لگے۔ پھر حضرت نے پوچھا کہ اب کیا پس و پیش ہے۔ برہان الدین نے بہ عجز و زاری عرض کی کہ میں اس مجلس سے منزلوں دور ہو جاؤں گا۔ آپ نے نہایت التفات سے فرمایا کہ یہ بھی سہی تم سارے خلفاء کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سات سو خلفاء آپ کے ساتھ آئے بعض چودہ سو۔ برہان الدین صاحب بادل ناخواستہ سفر کی طیاری کرنے لگے مگر آخری کوشش ایک دفعہ اور کی اور عرض کی کہ خادم کو

کسی طرح حضرت کی جدائی گوارا نہیں ہے۔ آپ نے چندے مراقبہ فرمایا اور کہا کہ برہان الدین تم بے تامل چلے جاؤ اور جانتے رہو کہ میرے تمہارے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا ؎

گر با منی پیش منی در یمنی در بے منی پیش منی در یمنی

لاردّ ولا کدّ ولا مدّ۔ رخصت کے وقت خرقہ ہائے خلافت و نعمت ہائے باطنی سرفراز فرمانے کے سوا پانچ نصیحتیں بھی کیں۔

(۱) جو خرقہ ہائے خلافت تم کو امانتہً دئے گئے ہیں مولینا داؤد حسین (زین العابدین) کو پہونچانا۔

(۲)۔ والد کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنا اور اُس کو رحمتِ حق تصور کرنا۔

(۳)۔ جمعہ کی نماز کبھی ترک نہ کرنا۔

(۴)۔ ہمیشہ مجرد رہنا۔

(۵)۔ میری پیرزادی صاحبہ (عائشہ بی بی) کی خدمت اور خبر گیری سے (جو دولت آباد میں ہیں) غافل نہ رہنا۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد آپ دہلی سے دولت آباد آئے اور یہ وقت وہ تھا کہ دہلی اُجڑ کر دولت آباد آباد ہوا تھا اور شک نہیں کہ آپ کے ساتھ ایک جماعت کثیر حضرت سلطان المشائخ کے معتقدوں اور مریدوں کی راستہ میں ٹھیرتی ٹھیراتی آئی۔ ایک روز کنارے دریائے تاپتی کے ایک فرح بخش جنگل میں ایک چھوٹا سا گانوں نظر پڑا رات کو آپ وہیں ٹھیر گئے اور ندی کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر آپ نے وضو کیا اور وہیں جماعت سے نماز ادا کی اور دعا کی کہ خدایا اس مقام پر ایک شہر آباد کر آپ کی دعا مقرون اجابت ہوئی اور چند روز بعد وہ مقام آباد ہو کر آپ ہی کے اسم مبارک پر برہان پور نام رکھا گیا باقی حال برہان پور کا حضرت زین الدین صاحب کے بیان میں درج ہوگا جس وقت عرش آشیانی جلال الدین محمد اکبر شاہ نے ۱۰۰۸ھ میں قلعہ اسیر گڑھ فتح کیا اس پتھر کو ترشوا کر ایک ہاتھی بنا دیا جو اب ہتیا کھڑک کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی تشریف آوری دولت آباد میں بروایتے ۷۱۸ھ میں ہوئی ہے اور بروایتے ۷۲۰ھ میں۔ آپ پہلے محلہ اکرام آباد میں کاکا کے مکان پر اُترے

اگر وہ جگہ پسند نہ آنے سے بعد شمس الملک کے مکان پر آئے - وہاں سے جب آپ خلد آباد تشریف لائے تو پہلے جلال الدین صاحب کی درگاہ کے شمال نالے کے قریب ایک باؤلی پر ٹھیرے اب تو وہ باؤلی باقی نہیں مگر اُس کا نشان البتہ ہے اور برہان باؤلی کے نام سے مشہور ہے اور قطعہ ارضی جس میں یہہ باؤلی ہے کھڑکالی کہلاتا ہے - برہان باؤلی سے اُٹھ کر یہیں تشریف لائے جہاں کہ آپ کا مزار ہے - آپ کا سن شریف جب اسّی سال ہوا تو سنہ ۷۳۵ھ میں بہت بیمار پڑے لوگ متردد ہو گئے آپ نے فرمایا کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا البتہ جب دوبارہ علیل ہوں گا تو تین سال سلسلۂ علالت طول پکڑے گا اُسی حالت میں شب قدر کی نعمت بھی مجھے ملے گی جب حق سے ملوں گا عبداللہ مطبخی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی وفات کے چار سال پہلے مجھے خبر دی تھی مگر منع کر دیا تھا کہ کسی سے کہنا نہیں - دوبارہ سنہ ۷۳۶ھ میں صاحب فراش ہو گئے - اکثر روتے رہتے تھے - ایک دن خواجہ مبارک غوری حاضر تھے فرمایا کہ یہہ نہ سمجھنا کہ میں بیماری کی تکلیف سے روتا ہوں بلکہ سبب یہ ہے کہ اگر ایک لمحہ بھی اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا تو اس پر روتا ہوں - عاشقانِ خدا کسی حالت میں درد و اندوہ سے نہیں روتے اور صاحبانِ حال بیماری اور زحمت کو رحمت اور درد کو علاج جانتے ہیں ؎

ملک طلبش بہ ہر سلیماں نہ دہند	منشور غمش بہ ہر دل و جاں نہ دہند
درماں طلباں ز درد او محروم اند	ویں درد بہ طالبان درمان نہ دہند

چنانچہ حضرت ابراہیم ادہم بیماری میں روتے تھے - ایک مرید عیادت کو آئے عرض کی کہ کسی طبیب کو بلاؤں آپ نے فرمایا ذِکرُ حَبِیبِی طَبِیبِی الغرض جب حضرت برہان الدین کی علالت نے اشتداد پکڑا کسی طبیب حاذق کو لائے اور یہہ نہ سمجھا کہ :-

پیش خواجہ طبیب بیمار است	خواجۂ ما طبیب باطنہا ست
ذات خواجہ ست روح محض بگو	روح را زحمتے کہ گفت کجا ست

حکیم جی آئے نبض دیکھی اور کہا :-

چوں دلش دیدہ طبیب از شوق حق خوں گشتہ گفت	علت عشق است ایں را من نہ دانم چارہ چیست

وفات سے دو برس پہلے عالم استغراق تھا آپ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے - جس وقت

دولت آباد سے لوگ دہلی واپس ہونے لگے تو کاکا صاحب نے آپ سے بھی دہلی چلنے کے لئے باصرار عرض کیا آپ نے فرمایا کہ بھلا میں اس مقام سے اب کہاں جا سکتا ہوں۔ خواجہ مبارک غوری ناقل ہیں کہ آپ کی وفات سے چالیس دن پہلے میں کہیں جانے والا تھا خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی فرمایا کہاں جاتے ہو اس کے بعد مجھے کہاں پاؤ گے۔ فی الفور میں نے اپنا ارادہ فسخ کیا۔ صوفی سجستانی آپ کے مرید خاص قصبۂ بیڑ میں رہا کرتے تھے اور ہر سال خدمت مبارک میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آخر مرتبہ جو وہ آئے تو آپ نے کہا سجستانی تم واپس جا سکتے ہو مگر تم کو معلوم رہے کہ میرے اور تمھارے درمیان صرف ایک مہینے کی مہلت باقی رہی ہے اور تو بھی میرے ہمراہ ہے۔ صوفی صاحب بیڑ واپس گئے اور حضرت کی وفات سے پورے ایک مہینے بعد وہ بھی اپنے مرشد سے جا ملے۔ عبداللہ مطبخی کہتے ہیں کہ آپ نے شب قدر دیکھی اور فرمایا کہ لو اب ہمارے چل چلاؤ کا وقت قریب آگیا تم کہیں جانا نہیں۔ مولٰینا وجیہ الدین کیولکھری کی وفات کی خبر جب آپ نے سنی فرمایا یار تو پونہچ گئے اور ہم ابھی طیار بھی نہیں۔ چند دنوں بعد آپ نے عبداللہ صاحب سے کہا کہ کیوں تمھیں یاد ہے کہ وجیہ الدین کی موت کے وقت میں نے کیا کہا تھا اب مجھے دنیا میں رہنے کی طاقت نہیں اس لئے اب میری زندگی کی دعا نہ کرو بلکہ یہ دعا کرو کہ خداوند عالم مجھے اپنے پاس جلد بلا لے۔ آخر وقت ایک روز مریدوں کو بلا کر وصیت کی اور اپنے مرشد کی تسبیح لے کر سامنے رکھی اور دستار مبارک گردن میں ڈال کر ارشاد فرمایا کہ "مسلمان ہوں۔ امت رسول ہوں۔ شیخ کا مرید ہوں۔ اگر میں خود نیک خو نہ تھا تو نیکوں سے تو ملا۔ اپنا انصاف میں خود کرتا ہوں" یہ کہتے ہوئے سجدہ میں گئے اور تسبیح سے تجدید بیعت کی۔

وفات ۷۳۸ھ ۱۲ صفر ۷۳۸ھ یوم سہ شنبہ بوقت چاشت آپ نے خدام کو بلا کر فرمایا کہ کھانا کھالو سب کھانے کو چلے گئے صرف خواجہ رشید الدین حاضر خدمت رہے فرمایا کہ ہمارے خواجہ صاحب کے کپڑے کہاں ہیں لاؤ۔ خواجہ صاحب نے عرض کی حجرے میں ہیں اتنا کہہ کر اور آگے جھکے کہ حضرت اور کیا فرماتے ہیں دیکھا تو وہاں کچھ باقی نہ تھا۔ اُس روز نعش ویسی ہی رہی دوسرے دن ۱۳ صفر بدھ کے دن اُس گنج اسرار الٰہی کو سپرد خاک کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپ کا عرس بھی بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ تاریخ وفات میں بھی تھوڑا سا اختلاف ہے۔

تاریخ وفات از حماد الدین صاحب کاشانی

ہفصد و سی و ہشت بود ز سال ۔ کہ شدہ ختم احسن الاقوال
سیزدہم روز بود ماہ صفر ۔ کز جہاں شیخ عزم کرد سفر

از مولوی غلام علی آزاد بلگرامی

اربعا بود و یازدہ ز صفر ۔ ہفصد و سی و ہشت بود ز سال
کہ ندا آمد از سرا دق قدس ۔ بسوے شیخ ما تعال تعال

فضائل وخصائل کم عمری ہی سے آپ کی طبیعت رجوع الی اللہ تھی اکثر حجرے میں آپ عبادت کیا کرتے تھے ۔ پچیس برس کامل عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی اور کبھی شب کو نہ سوئے تیس سال تک مسلسل صائم الدہر رہے صبح کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھ کر بعد نماز اشراق سو رکعت صلوۃ التحفہ اور اٹھارہ رکعت نماز چاشت اور تین پارے پڑھ کر ایک روز کی نماز قضا بھی پڑھتے تھے اس کے بعد مزاروں کی زیارت کو جاتے اور ڈیڑھ ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے بعد قیلولہ فرماتے ۔ نماز عشاء جماعت سے پڑھتے تھے ۔ اگرچہ بڑے عابد و زاہد تھے مگر اپنے نزدیک عبادت الٰہی سے قاصر تھے اکثر فرماتے تھے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ ؎

عاصیاں از گناہ توبہ کنند ۔ عارفاں از عبادت استغفار

آپ مدۃ العمر مجرد رہے ۔ شیخ کا ادب غایت درجہ مرکوز خاطر تھا کبھی مرقد مبارک کی طرف پشت نہیں کی نہ اُدھر لعاب دہن ڈالا ۔ آپ مجلس سماع کے بہت شائق تھے ۔ ذاتی املاک کچھ نہ رکھتے تھے جو کچھ تھا سب راہ خدا میں دے ڈالا حتی کہ رہنے کو گھر تک نہ تھا سوائے مصلے کے اور کوئی چیز آپ کے پاس نہ تھی جب سردی لگتی تو اسی کو اوڑھ بھی لیتے تھے ۔ غذا بالکل سادی تھی ۔ اکثر نان جو اور لوبیا کھاتے تھے ۔ ایک وقت کا کا سعد بخت (شاد بخت) نے مغز بادام اور مصری پیش کی آپ نے منہ میں ڈالا کہا کہ اس میں تو کچھ ذائقہ نہیں کاکا نے براہ شوخی کہا کہ کیا جو کی روٹی اور لوبیئے کی پھلیوں کے برابر بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ وہ کچھ اور ہی چیز ہے ۔

کھانا جو آتا تھا پہلے مسکینوں اور فقراء کو دیتے لبعد تھوڑا سا خود کھاتے۔ اگر کوئی کتا بھوکا دیکھتے فوراً اپنا کھانا کھلا دیتے اور اُس پر اپنا ہاتھ پھیرتے جاتے اور بارگاہ خداوندی میں اُس کو شفیع لاتے اور دعا کرتے کہ خدایا مجھے اپنی طرف بلا اور اپنے سچے دوستوں میں سے بنا۔ قلت غذا سے بالکل پوست و استخواں رہ گیا تھا بشکل سات لقمے کھاتے تھے۔ لباس بھی سادہ تھا سر پر عمامہ لغل میں کرتہ اُس پر عبا اور نیچے تہ بند اور جوتیاں حلبیی کی اُس زمانہ میں تھیں نحیف و لاغر۔ قد لنبا۔ ڈاڑھی مرسل۔ آپ تارک الدنیا تھے۔ سلاطین و امراء سے قطعاً نہیں ملتے تھے سلطان محمد تغلق آپ کی ملاقات کو آنا چاہتا تھا۔ جمعہ کی نماز جامع قطبی میں پڑھ کر آپ کے مکان کی طرف رخ کیا امیر خسرو دوڑتے ہوئے آگے آئے اور کہا کہ بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہیں بادشاہ بالکل قریب آگیا شور و غل ہٹو بڑھو کی آواز آنے لگی۔ آپ فاتحہ پڑھنے لگے تاکہ بادشاہ نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا دل پھیر دیا اُس نے گھوڑے کی باگ دوسری طرف موڑ دی ؎

اولیا را ہست قدرت از آلہ تیر جستہ باز گرداند ز راہ

سلطان محمد تغلق نے تین ہزار تنگے ملک[1] نائب کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے کاکا سے کہا کہ فقیر کے گھر میں اگر کچھ ہو تو وہ بھی لاؤ اور ملک نائب کے سامنے ہی دونوں کو ملا کر تقسیم کر دیا۔ بعد تقسیم آپ نے تھوڑی کھجوریں اور ایک مصلیٰ بادشاہ کو بھیجا اور ملک نائب سے کہا کہ سنو ؎

مرد آں دزد کہ کشتہ باشد زن آں پوشد کہ رشتہ باشد
شربت کہ برائے خود . . . . ہم کردہ تو بہ بہشت آرند

آپ کو سلطان المشائخؒ نے بایزید ثانی کا لقب بھی دیا تھا اور آپ کو دیکھ کر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ بھی فرماتے تھے۔ یعنی ہر طرح سے آپ اکمل انسان تھے۔ آپ قطب بھی تھے۔ آپ کے ہم جلیس آپ جیسے ہی بزرگانِ دین تھے مثلاً امیر حسن اعلائے سنجری۔ خواجہ خسرو مولیٰنا ابراہیم طشت دار

[1] ملک نائب کافور ہزار دیناری نے ۱۳۰۸ء میں تیس ہزار فوج نے کر رام دیو راجۂ دیوگڑھ پر چڑھائی کی تھی اور ۱۳۰۹ء میں ورنگل پر اور ۱۳۱۱ء میں دہلی واپس جا کر پھر دوسرے برس دیوگڑھ آیا اور ملک دکن کی سبتی

حضرت سلطان المشائخ۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔ مولینا کمال الدین۔ سید خاموش خواجہ مبشر۔ سید حسین۔ اقبال وغیرہم۔ حضرت نصیر الدین صاحب محمود چراغ دہلی جب اودہ سے پہلے پہل دہلی تشریف لائے برہان الدین صاحب ہی کے ہاں اُترے تھے۔ آپ کی بات مقبول انام ہوئی تھی ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مجدالدین صاحب روایت کرتے ہیں کہ ایک جوان سپاہی بلا ہتیار لگائے معرکۂ کارزار میں بے دھڑک جا گھسا لوگوں نے کہا کہ ایسی ناعاقبت اندیشی کیوں اُس نے کہا کہ حضرت برہان الدین صاحب فرما چکے ہیں کہ جب تک تو بڈہا نہ ہوگا نہ مرے گا پس مجھے ڈر کس بات کا ہے۔ آپ علوم باطنی کے علاوہ بڑے محدث اور فقیہ بھی تھے۔ آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل کی تھی۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے تصوف حقایق اور سلوک میں کئی رسالے آپ سے منسوب ہیں۔

آپ کے مکاشفات اور کرامات بہ کثرت ہیں جن میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

خواجہ محمد کاتب مرید سلطان المشائخ اقبال خادم سے کسی بات پر رنجیدہ ہو گئے آپ نے فرمایا ارے میاں صرف دو ہفتہ کے واسطے دوستی کو کیوں توڑا۔ خواجہ صاحب سمجھے شاید دو ہفتہ بعد اقبال کہیں چلا جائے گا آپ مل گئے۔ پورے پندرہ دن کے بعد اقبال دنیا سے چل بسے۔ ایک عورت کنپٹی کے درد سے تڑپتی ہوئی آپ کے پاس آئی عرض کیا کہ یا سر کو توڑیئے یا دعا کیجئے کہ درد سر جاتا رہے آپ نے تبسم فرمایا اور کہا جب تک سر نہ ٹوٹے گا درد سر نہ جائے گا۔ وہ عورت اپنے گھر واپس آکر دیوار کے نیچے بیٹھ گئی اوپر سے سر پر ایک اینٹ گری سر میں سے خون بہنے لگا درد سر چنگا ہو گیا۔ ایسی صدہا مثالیں موجود ہیں جو بسبب طوالت ترک کی گئیں۔ آپ بڑے مقرر اور شیریں گفتار تھے۔ کلام میں کشش اور اثر غایت درجہ تھا۔ آپ کے اقوال بے شمار تھے۔ مولینا حماد الدین نے ایک رسالہ ہی بنام احسن الاقوال لکھا ہے چند اقوال ہم بھی نقل کرتے ہیں:۔

(۱)۔ فقیر کسی کی امانت نہ رکھے۔ کسی کا ضامن نہ ہو اور کسی دستاویز پر گواہی نہ کرے۔

(۲)- فقیر وہ ہی کہ جو کچھ ہاتھ میں اور سر میں ہو دونوں دور کرے۔

(۳)- فقیر کو باریک کپڑا نہ پہننا چاہیئے۔

(۴)- فقیر سوائے خدا کے کسی پر تکیہ نہ کرے۔

(۵)- دنیا کی مثال آدمی کے سایہ کی سی ہی جوں جوں آگے بڑھو دور ہوتا جاتا ہی اور جوں جوں پیچھے ہٹو کھسکتا آتا ہی۔ اسی طرح جو دنیا کی طرف رُخ کرتا ہی دنیا اُس سے بھاگتی ہی اور جو دنیا کی طرف سے منہ موڑتا ہی دنیا اُسے لپٹتی ہی۔

(۶)- بکری جب پانی پیتی ہی تو گردن لمبی کرکے پی لیتی ہی پاؤں پانی کے اندر نہیں ڈالتی لیکن مرے بعد اُس کی کھال کی مشک بنتی ہی اسی طرح انسان جب تک زندہ رہتا ہی چاہتا ہی کہ کپڑا اُس کا گرد سے آلودہ نہ ہو لیکن جب مرتا ہی تو اُسے خاک میں ملا دیتے ہیں۔

(۷)- جب کوئی مسافر مقیم کے پاس آئے تو چاہیئے کہ دو قسم کا گرم پانی پیش کرے ایک تو ہاتھ منہ دہونے کے لئے دوسرا شوربا ئے گرم۔

(۸) دل ایک ظرف ہی۔ جب تک خالی ہی ہوا سے پُر ہی اور جب کوئی چیز اُس میں بھری جائے تو ہوا نکل جاتی ہی۔ اسی طرح دل خواہشات دنیاوی سے پُر ہی جب محبت اُس میں آئی ہوا سے خالی ہوکر خالص محبت الٰہی رہ جاتی ہی۔

مزار مبارک ۷۴۱ھ آپ کی قبر پر گنبد ہی جس کی دیوار پر یہ قطعہ لگا ہوا ہی۔

ہیں بدار الملک ہند آسودہ سلطان غریب	شاہ دین و قطب عالم شیخ برہان غریب
خادم درگاہ سلطاں میر کاکا شاد بخت	کز وفا بستست دل بر عہد و پیمان غریب
کردہ از اخلاق وافر آں نکو سیرت بنا	روضۂ رضواں صفت از بہر مہمان غریب
سال ہفصد بود و چل چار گر از فضل حق	شد مرتب ایں چنیں قبہ و ایوان غریب
از پئے تاریخ شد ایں نظم مکتوب و نبشت	بندہ برہانی بریں مکتوب و عنوان غریب

چاندی کی کوبیں صحن درگاہ میں جو فرش سنگ سیلو کا ہی اس میں چاندی کی کوبیں (کیلیں) نکلا کرتی تھیں جن کو خدام کاٹ لیتے تھے اب اُن کا بڑھنا بند ہو گیا مگر دکھلائی اب بھی دیتی ہیں۔

دوسرے مزار گنبد سے ملے ہوئے مولٰنا عبدالکریم - عبداللطیف خواہرزادگان حضرت برہان الدین اولیاء کے مزار ہیں ایک جانب کاکا شاد بخت - خواجہ قبول - خواجہ خیرالدین - خواجہ عبدالرحمن - خواجہ جلدک کی قبور ہیں -

مسجد درگاہ کے متعلق ایک مسجد تین در کی ہے جس کی محرابوں پر یا محمد اور بیچ میں بسم اللہ اور درمیان کے دو ستونوں پر یا اللہ اور ممبر کے قریب وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا اَللّٰہُ بَاقِیْ وَالْکُلُّ فَانِیْ کندہ ہے - مسجد کے شمال رُخ ایک سہ دَرہ سنگ سرخ کا حال میں بنا ہے - گنبد کی پشت پر پانچ کمانیں جنوبی کمانوں کے جواب میں بنائی گئی ہیں - مشرق کی طرف ایک زینہ بھی خانقاہ پر چڑھنے کا ہے -

نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر ۱۱۶۱ھ مسجد سے ملے ہوئے نواب[۱] نظام الملک آصف جاہ بہادر اور اُن کی بیگم سیدۃ النساء کے مزار ہیں - یہہ دونوں مزار سنگ سرخ

---

[۱] ۱۱۲۱ھ میں داؤد خاں پنّی جو ذوالفقار خاں وليسرائے دکن کا نائب تھا گجرات بھیج دیا گیا اور نظام الملک بہادر آصف جاہ ولیسرائے مقرر ہوئے اور صرف سترہ مہینے کی حکومت میں اپنی قوت سے مرہٹوں کو زیر کر لیا لیکن ۱۷۱۴ء میں دہلی طلب کر لئے گئے اور حسین علی خاں صوبہ دار ہوئے ۱۷۲۰ء پھر نواب صاحب دکن کو تشریف لائے اور علاوہ صوبہ داری مالوہ کے دکن کے صوبہ دار بھی ہوئے اور ۱۷۲۱ء میں وزارت سے سرفراز ہوئے اور فروری ۱۷۲۲ء میں دہلی جا کر پھر سہ بارہ اکتوبر ۱۷۲۳ء میں خطاب آصف جاہ کا لے کر وکیل الممالک ہو کر آئے ۱۷۴۱ء ناصر جنگ نے بغاوت کی اور سات ہزار فوج لے کر اورنگ آباد پر چڑھ آئے لیکن ۲۳ جولائی ۱۷۴۲ء میں شکست پائی اور قلعہ قندہار میں قید کر دئے گئے لیکن اُسی سال چھوڑ دئے گئے اور اپنے باپ کے ساتھ حیدر آباد چلے گئے ۱۷۴۳ء میں آصف جاہ بہادر ایک بڑی فوج کے ساتھ ملک کرناٹک میں امن قایم کرنے گئے اور اگست ۱۷۴۴ء میں اورنگ آباد آ کر یہاں کا انتظام آخری دم تک جب کہ برہان پور میں ۱۹ جون ۱۷۴۸ء میں (۷۹) سال کی عمر میں انتقال کیا کرتے رہے - آصف جاہ بہادر نے اورنگ آباد میں گلبرگہ کی ایک سیدانی سید النساء بیگم سے عقد کر لیا تھا جن سے دو صاحب زادے پیدا ہوئے غازی الدین اور ناصر جنگ اور دو صاحب زادیاں بھی تھیں - نواب صاحب کے اور چار صاحب زادے دوسرے محلّات سے بھی تھے صلابت جنگ - نظام علی خاں بسالت جنگ اور مغل علی خاں

کی جالی کے اندر ہیں دروازوں کی جالی نہایت خوب صورت تراشی گئی ہے۔ آپ کا نام قمرالدین خاں اور والد ماجد کا نام غازی الدین خاں فیروز جنگ ابن عابد خاں ہے۔ آپ ۱۰۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ نواب صاحب اورنگ زیب کی عہد حکومت سے محمد شاہ فرماں روائے دہلی تک ہر ایک سلطنت کے رکن رکین اور مدار المہام رہے ۱۱۳۲ھ میں دکن کے صوبہ دار ہوئے۔ اپنی عہد حکومت میں بہت سی فتوحات کیں نربدا کے کنارے سے سیت بندر رامیشور تک ملک قبضہ میں تھا۔ مرض تپ بواسیر اور خلل مثانے سے ۴ جمادی الاخری ۱۱۶۱ھ کو اناسی سال کی عمر میں برہان پور میں وفات پائی۔ بڑے صاحب زادے نواب میر احمد خاں ناصر جنگ شہید نے آپ کی نعش خلدآباد میں لاکر حضرت برہان الدین غریب کے پائین میں دفن کی۔ مرحوم خدا ترس۔ دین دار۔ فقیر دوست۔ غریب نواز اور مخیر تھے۔ اس وقت جو سکۂ نظام گورمنٹ میں جاری ہے۔ وہ آپ ہی کی یادگار ہے۔ آپ کو شاعری کا بھی مذاق سلیم تھا **شاکر** تخلص کرتے تھے۔ آپ کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

تا شہید خنجر مژگان یارم کردہ اند — سرمہ در چشم قیامت از غبارم کردہ اند

افسوس کہ با طبع بتان نیست گوارا — ای باغ وفا آب ہوائے کہ تو داری

از فضایم مطلب مطلب دیگر بخیال — ایں قدر ہست کہ آہو نگہاں رم مکنند

چوں گل بہ بوی یار گریباں درید نیست — آہے ز سوز سینۂ بریاں کشید نیست
زنہار دل بہ نقش زنگار جہاں مبند — رنگے کہ دیدئی برخ گل برید نیست
شاکر برنگ برق دریں عرصۂ خیال — دامن ز خویش بر زدہ یکرہ دوید نیست

جس سال آپ نے رحلت کی اسی سال محمد شاہ فرماں روائے دہلی اور اعتماد الدولہ قمرالدین خاں وزیر اعظم نے بھی دنیا کو خیرباد کہا۔ غلام علی صاحب آزاد نے کیا خوب تاریخ کہی ہے:-

سہ رکن مملکت ہند از جہاں رفتند | فتادہ حیف سہ دُرِ یگانہ از کفِ دہر
برائے رحلت ہر سہ بیافتم تاریخ | نماند شاہ زماں با وزیر آصفِ دہر

سنہ ۱۱۶۱ھ

دیگر

گشت تاریخ چوں کشیدم آہ | موت شاہ وزیر آصف جاہ

۱۱۶۷ - ۶ = سنہ ۱۱۶۱ھ

خلد منزلت اور متوجہ بہشت بھی مادۂ تاریخ ہی - نواب صاحب کی بیگم صاحب بھی آپ کے بازو ہی میں آسودہ ہیں اور دو زنانی قبریں بھی ہیں - آپ کا عرس معرفت امین صاحب بلغور کے ہوتا ہی - برہان پور پہلے مملکت نظام میں تھا اب انگریزی ہی مگر اب بھی دو گاؤں وہاں جاگیر ہیں جن کا ایک مہتمم اور عملہ مقرر ہی جو زیر نگرانی تحصیل دار تعلقہ کنڑ ضلع اورنگ آباد کام کرتا ہی - برٹش گورنمنٹ نے معاوضہ دے کر یہہ دونوں گاؤں لے لینا چاہے تھے مگر سرکار عالی نے منظور نہیں کیا کہ یہہ مواضع قدیم نشان ہیں اس کا کہ کسی زمانہ میں یہہ مقام بھی نظام گورنمنٹ کا تھا -

ناصر جنگ شہید سنہ ۱۱۶۴ھ میر احمد علی خاں نظام الدولہ ناصر جنگ کا مزار نواب آصف جاہ مرحوم کے پاس ہی ہی - بجائے احاطہ کے سنگ سرخ کے سہ درے چاروں طرف بنے ہوئے ہیں -

ملا - بعد وفات نواب آصف جاہ بہادر کے نواب نظام الدولہ ناصر جنگ میر احمد علی خاں بہادر نے ۷ جمادی الثانیہ کو حکم نوبت کا دیا سوائے ہدایت محی الدین خاں جن کو سعد اللہ خاں بہادر مظفر جنگ کا خطاب تھا سر تسلیم خم کیا - نواب صاحب کو ہدایت محی الدین خاں کی سرتابی کی خبر لگی لیکن اس وقت چشم پوشی کی - عماد الملک غازی الدین خاں بہادر دار الخلافت میں موجود تھے جب بادشاہ کو خبر رحلت نواب آصف جاہ بہادر کی پونہچی خلعت ماتمی سرفراز فرمایا اور نواب صاحب کو بغرض عطائے خدمت وزارت طلب فرمایا اب باوجودیکہ ملک دکن کا انتظام نہ ہوا تھا اور ہدایت محی الدین خاں مفسدہ پردازی کر رہا تھا سنہ ۶۲ھ میں عازم ہندوستان ہوئے راستہ میں شقۂ دستخطی خاص پیشگاہ سلطانی سے فسخ عزیمت کا پہونچا کہ وہاں بھی خبر بدنظمی کی پونہچ گئی تھی - نواب صاحب موسم بارش کی سخت تکالیف اُٹھا کر اورنگ آباد واپس تشریف لائے - یہاں ہدایت محی الدین خاں نے حسین دوست خاں عرف چندہ صاحب کو

آصف جاہ کے بعد بہ اغوائے برادر خورد ہمت خاں نے بمقام پھولچری ۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۱۶۴ھ آپ کو جام شہادت پلایا۔ آپ کا عرس بھی بلغور ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ آپ کی بیگم کی قبر بھی یہیں ہے۔ اور ایک حوض بھی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بہت سی قبریں ہیں جن میں عوض خاں۔ ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ۔ متوسل خاں۔ جمال الدین خاں۔ شاہزادہ جنگلی۔ شاہ کریم الدین کی قبور معلوم ہیں۔ سعید الدین سوم تعلقہ دار اورنگ آباد کی قبر پر یہ کتبہ ہے:-

بعد فکر ستیں تاریخ ہاتف گفت شد غمگیں
ازیں دنیائے بے حاصل بجنت شد سعید الدیں
سنہ ۱۲۸۲ھ

شاہزادہ محمد معصوم نبیرۂ خلد مکان بھی یہیں ہے اُس کے پائیں میں سنگ سرخ کی چار دیواری کے اندر کسی شاہزادہ اور شاہزادی کی قبر ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶۔ متفق کر کے ارکاٹ پر چڑھائی کی جہاں انور الدین خاں بہادر شہامت جنگ نواب ممدوح کی طرف سے مامور تھے ابھی یہ لوگ ارکاٹ پہونچنے نہ پائے تھے کہ دوسری طرف سے مظفر جنگ بھی آن ملے اور فرانسیسوں کے گروہ کو جو پھولچری میں مقیم تھے ساتھ لے کر سنہ ۱۱۶۲ھ میں انور الدین خاں کو مار ڈالا۔ نواب صاحب کو جب یہ خبر ملی اورنگ آباد و محمد ابو الخیر خاں شمشیر خاں بہادر کے سپرد کر کے آپ ستر ہزار سوار جرار اور توپ خانہ بے شمار اور ایک لاکھ پیادہ فوج لے کر آخر رمضان المبارک میں متوجہ ہوئے۔ ۲۶ ربیع الآخر سنہ ۱۱۶۳ھ کو قلعہ پھولچری (پانڈی چری) پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تمام دن توپیں چلتی رہیں رات کو جنگ موقوف ہوئی دوسرے دن شاہ نواز خاں اور محمد نواز خاں نے کچھ ایسی پٹی پڑھائی کہ ہدایت محی الدین خاں کو ساتھ لے آئے نواب صاحب بہت خوش ہوئے فتح کے شادیانے بجنے لگے اور ہدایت محی الدین خاں کو نظر بند کر لیا۔ ہر چند لوگوں نے کہا کہ ایسا موقع پھر نہ ملے گا اسے قتل کر دینا ہی مناسب ہے لیکن نواب صاحب از بس رحیم و کریم تھے قصور معاف فرما دیا لیکن فرانسیسی آمادۂ فساد تھے انہوں نے قلعہ جنجی (نصرت گڈھ) جو پایہ تخت ملک کرناٹک کا تھا فتح کر لیا۔ نواب صاحب کو کمال غیرت آئی۔ فرانسیسیوں نے سرداران افاغنہ کرناٹک کو ادھر سے توڑ کر ملا لیا اور ساتھ لے کر ۱۷ محرم سنہ ۱۱۶۴ھ کو نواب صاحب کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور

"درچاک" دروازہ ۱۰۹۹ھ درچاک خانقاہ کے احاطے کے دروازے پر کلمہ طیبہ اور چوکھٹ کے حصہ زیریں پر یہ بیت کندہ ہے

بہ تعمیر ایں ہاتف غیب گفت ۔۔۔ درباب فیض ہست تاریخ داں

۱۰۹۹ھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷ - توپ خانہ سے گزر کر دولت خانہ تک جا پونچے۔ نواب صاحب پچھلی رات کو ہاتھی پر سوار ہو کر برآمد ہوئے کہ افاغنہ کو جو ملازم رکاب تھے راہ راست پر لائیں۔ جب ہاتھی نواب صاحب کا ہمت خاں بہادر سردار افاغنہ کے ہاتھی کے پاس پونچا تو آپ نے فرط نوازش سے ابھی وہ مجرئی نہ کرنے پایا تھا کہ دست شفقت اُس کے سر پر رکھا باوجود اس کے بھی وہ آداب نہ بجالایا آپ نے اُس کی اِس حرکت کو سراسیمگی پر محول کیا اور جھٹپٹا بھی تھا ابھی اُجالا نہ ہوا تھا آپ نے یہ بھی خیال کیا کہ شاید مجھے پہچانا نہ ہو آپ عماری میں سے قدرے بلند ہوئے اور کہا کہ "ای برادر یہ وقت کشش اور کوشش کا ہے" ہمت خاں اور اُس کی خواصی میں دو اور شخص تھے اُنھوں نے ایک دم آپ پر بندوقیں چھونک دیں آپ وہیں شہید ہو گئے۔ ہمت خاں نے نواب کا سر کاٹ کر نیزہ پر بلند کیا پھر آخر روز لشکریوں نے آپ کا سر تن سے ملا کر اورنگ آباد روانہ کیا۔ آپ کی شہادت کا مادہ تاریخ "وحسن خاتمہ" ۱۱۶۴ھ ہے۔ آپ نے صرف دو سال سات مہینے اور دس دن سلطنت کی نواب شہید نے وفات سے چند روز قبل ایک بزرگ سے بعیت کی تھی اور تادم واپسین پابند احکام شریعت رہے۔ آپ بڑے رحم دل۔ صاحب معدلت اور فصیح الکلام تھے۔ علم موسیقی اور فن تصویر گری کا بھی شوق تھا اور طبیعت بہت موزوں تھی اُردو اور فارسی دونوں میں اشعار آب دار فرماتے تھے ہم نمونتہً چند اشعار درج کرتے ہیں:۔

ناصر کسے کہ معترف سہو خود نشد ۔۔۔ فرزند خاص حضرت آدم نمی شود

ابر دریا دل بدست گوہر افشاں می رسد ۔۔۔ ای صدف دامن کشا کارت بساماں می رسد

اگر بوے آں گل صبا می رساند ۔۔۔ بزخم دل ما دوا می رساند

تبرکات دروازہ "درچاک" کی دونوں طرف خانقاہ اور ایک ایک حجرہ ہے۔ شمالی حجرے میں اسناد جاگیرات اور وہ عمامہ جو سلطان المشایخ نے شیخ برہان الدین صاحب کو مرحمت فرمایا تھا اور دیگر تبرکات اور غلاف وغیرہ سامان رہتا ہے اور جنوبی حجرے میں موے مبارک ہے۔ دروازہ پر ایک چھوٹا سا گنبد بھی بنا ہوا ہے۔

حیات دالان وغیرہ ان حجروں کے مشرق میں دو کمانوں کا ایک دالان ہے جو حیات دالان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت برہان الدین اولیاء اکثر یہیں تشریف رکھتے تھے اور وہ پتھر بھی موجود ہے جس سے آپ ٹیکا دے کر بیٹھتے تھے۔ یہاں ایک مولسری کا درخت بھی ہے اس مقام پر اور دالان اور عمارتیں بھی ہیں۔ چھوٹا گنبد بھی بنا ہوا ہے اور بہت بڑا درخت کھرنی کا ہے۔ نقار خانہ بھی دو منزلہ ہے۔ یہیں نور شاہ میاں کا مزار ہے جو ایک بزرگ ٹونک کے رہنے والے تھے تیس چالیس برس اسی دالان میں رہے۔ مجرد۔ متوکل۔ شب بیدار۔ تہجد گزار تھے اس کے قریب ہی شاہ پاک ایک بزرگ کا مزار ہے جو اورنگ زیب کے زمانے میں تھے۔ شاہ بہاء الدین عرف باجن صاحب بھی یہیں آسودہ ہیں۔

حضرت سید زین الدین صاحب ۷۷۱ھ اصل نام سید داؤد حسین تھا۔ شیخ کی طرف سے زین الدین کا لقب ملا۔ آپ ۷۰۱ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ بعد ادائے فریضۂ حج آپ دہلی تشریف لائے اور کلام مجید حفظ کر کے تحصیل علم میں مشغول ہوئے اور مولینا کمال الدین سامانہ اور نیز دیگر علمائے دہلی سے سند فضیلت حاصل کی۔ دہلی سے جب سب دولت آباد آئے تو آپ بھی مولینا کمال الدین صاحب کے ساتھ آئے۔ دولت آباد میں آتے ہی آپ کے علم و فضل کی شہرت ہوئی آپ ہمیشہ مسجد میں تفاسیر قرانی اور احادیث نبوی کا وعظ کیا کرتے تھے اور درس و تدریس کا مشغلہ جاری تھا۔ آپ مذہب صوفیہ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸۔ دل از من ربایند بکاکل سیاہ رد زجامی ستانند بجامی رسانند

ہر کجا شمشیر آں مغرور می گردد بلند گردن نخچیر ہم از دور می گردد بلند

معتقد نہ تھے حال و قال سے منکرہ تھے۔ حضرت برہان الدین کا توغلؒ جب سنتے تھے تو چیں بجبیں
ہو جاتے تھے۔ بعض لوگ ایسے تھے کہ وہ آپ کے پاس بھی آتے تھے اور حضرت برہان الدین
اولیاء کے بھی معتقد تھے۔ ایک شخص جو زین الدین صاحب کا شاگرد اور برہان الدین صاحب کا
مرید تھا آپ سے مصباح المصابیح پڑھنے آیا اور بعد سبق کے حلقہ سماع میں شریک ہو اُس
پر کیفیت اور حالت وجد خوب طاری ہوئی زین الدین صاحب کو بھی خبر ہوئی دوسرے دن خوب
لتاڑا کہ تو بھی ناچنے گانے والوں کی صحبت میں جاتا ہے افسوس ہے کہ تو نے سب پڑھا لکھا ڈبو دیا۔
اچھا میں تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں سچ سچ بتا کہ فضیلت علم اور دانش مندی میں کون بہتر
ہے میں یا تیرا پیر؟ پہلے تو وہ خاموش رہا لیکن جب بہ اصرار پوچھا گیا تو عرض کی بھلا میری کیا مجال
ہے کہ آپ دونوں بزرگواروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر تفوق دے سکوں۔ سید صاحب
برآشفتہ ہوئے اور کہا کہ باوجودیکہ تو میرا شاگرد ہے مگر امر حق نہیں کہتا۔ شاگرد بیچارہ جب مجبور ہوا تو
ناچار اُس نے کہا کہ علوم ظاہری اور باطنی میں آپ کو فضیلت ہے۔ لیکن حضرت برہان الدین صاحب
کو علم باطنی ایسا ہے کہ اُس کی گرد آپ کے دامن تک نہیں پہنچی۔ اس بات کو سنتے ہی آپ
طیش میں آگئے اور حجرے کے اندر جا کر چار تختے دولت آبادی کاغذ کے اُٹھا لائے (جو روپشت
اُن لغات و سوالات لاینحل سے پُر تھے جو آپ نے تمام عمر میں اس غرض سے چھانٹے تھے کہ بیت العلم
کے علماء سے حل کروں گا) اور کہا کہ لے یہ اپنے پیر کے پاس لے جا اور ان کا حل کرا لا اور صرف چھ
مہینے کی مہلت بھی ہے اگر تیرے پیر نے چھ مہینے میں جواب دے دیا تو وہ بے شک افضل ہے ورنہ تیری
اس ہرزہ درائی کی سزا دوں گا۔ وہ سیدھا مولینا غریب کے پاس پہنچا آپ نے دیکھتے ہی
فرمایا کہ آ جلد آ بہت دیر سے میں تیرا منتظر ہوں میں نے پہلے ہی مولوی داؤد حسین کے سوالات کا
جواب شافی کئی کئی طرح سے لکھ رکھا ہے حجرے میں جا اور آٹھ تختہ کاغذ کے رکھے ہیں وہ لے جا کر اُن
کو دے دے۔ شاگرد نے منہ مانگی مراد پائی اُلٹے پاؤں واپس آیا۔ سید صاحب نے دیکھا تو مسکرائے
اور سمجھے کہ ناکام واپس آیا جب اُس کے ہاتھ میں کاغذ دیکھے تو خیال کیا کہ میرا مسودہ واپس لایا۔
ہاتھ میں لے کر دیکھا تو متحیر ہو گئے کہ سارے شکوک ان جوابات سے رفع ہو گئے اور پورا پورا جواب
ہر ایک سوال کا قل و دلؔ موجود تھا۔ اس وقت آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ

کرنے لگے۔ سچ ہے کہ جو شخص اپنی نظر سے دوست کے جمال کو دیکھے گا اپنی نیستی کی تاریکی کا عکس اُسے نظر آئے گا۔ اُسی وقت یہ بیت پڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے:-

معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست این جا ‌ ‌ چوں وصل در نگنجد ہجراں چہ کار آید

آپ کے ساتھ آپ کے سارے شاگرد ہوئے۔ سیدھے خانقاہ میں پہنچے برہان الدین غریب کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر اُن کے قدموں پر گر پڑے۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں داؤد حسین یہ امر خلاف شرع شریف ہے۔ سید صاحب نے کہا کہ جب تک میں رسم کو شرع کے خلاف جانتا تھا نعمت باطنی سے محروم تھا اور فرمایا:-

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید ‌ ‌ یا جاں رسد بجاناں یا جان ز تن بر آید

اور اُسی وقت ۷۳۶ھ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور حضرت سلطان المشائخؒ کا دیا ہوا خرقۂ خلافت ۱۸ ربیع الآخر ۷۳۶ھ میں آپ کو دے کر زین الدین خطاب دیا۔ حضرت کو اب نئی دنیا نظر آنے لگی۔ مولینا غریب نے فرمایا کہ داؤد کیا جاہل ہی رہو گے یا کچھ پڑھو گے بھی آپ نے عرض کی جو ارشاد ہو۔ مولنا نے فرمایا مرصاد العباد جو سلوک کی کتابوں میں ایک عمدہ کتاب ہے پڑھو۔ وہ ایک معمولی کتاب تھی آپ بارہا دیکھ چکے تھے۔ مگر حکم مرشد سبقاً سبقاً پڑھنی شروع کی۔ مولینا نے وہ وہ نکات بتلائے کہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ کتاب ختم ہو چکنے کے بعد پھر مولینا نے فرمایا کوئی کتاب پڑھو۔ آپ نے پوچھا کون سی۔ ارشاد ہوا وہی۔ غرض تین مرتبہ از ابتدا تا انتہا وہی ایک کتاب پڑھی مگر جب پڑھی کچھ رنگ ہی اور تھا غرض روز بروز مدارج سلوک و کشف و کرامات کھلتے گئے مولینا غریب کی وفات کے تیسرے دن آپ سجادۂ خلافت پر متمکن ہو کر مرجع انام ہوئے۔

دہلی وغیرہ کا سفر اور دولت آباد کی واپسی

جب دولت آباد سے دہلی کی واپسی کی اجازت مل گئی تو آپ بھی دلّی گئے۔ دہلی میں آپ شیخ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی اور نیز دیگر خلفائے سلطان المشائخ سے ملے۔ آپ سے ایک جماعت کثیر نے بیعت کی من جملہ اُن کے شیخ الاسلام صدر الدین دہلی کے مفتی بھی تھے۔ دو ماہ تک آپ برابر حضرت سلطان المشائخ کی روح پر فتوح پر روزانہ ایک کلام مجید ختم فرماتے تھے اور صبح کی

نماز کے بعد روضۂ مطہر پر شاغل رہتے تھے ایک دن آپ نے یہ بیت سنی ۵

بیا ساے بہ حسن خود کہ جانم از تو آسودست　　تو حسن من برافزودی خدا حسنت بیفزاید

چند دنوں بعد سلطان محمد نے آپ سے گزارش کی کہ آپ مختار ہیں خواہ دہلی میں تشریف رکھیں یا مرضی مبارک ہو تو حرمین شریفین تشریف لے جائیں یا دولت آباد کا ارادہ فرمائیں اگر کہیں جانے کا عزم ہی تو ایما ہو کہ سامان سفر مہیا کر دیا جائے۔ ابھی آپ کا ارادہ کسی طرف جانے کا نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور فیروز شاہ تخت پر بیٹھا۔ یہ محمد شاہ سے بھی زیادہ آپ کا معتقد تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی ۱۸ صفر ۷۵۲ھ کو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور کا قیام موجب خیر و برکت دارین ہی آپ ابھی کسی طرف کا قصد نہ فرمائیں حضرت نے فرمایا کہ تم مجھے اس بات سے معاف رکھو میں چاہتا ہوں کہ اپنے پیر کے آستانہ پر مروں۔ فیروز شاہ پاس ادب سے اصرار نہ کر سکا اور سامان سفر مہیا کر دیا اور کچھ نقد بھی نذر دیا۔ آپ جب دہلی سے چلنے لگے تو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی اور بہت سے خلفائے سلطان المشایخ امرا و شاہزادگان شمسی حوض تک پونہچانے آئے۔ شیخ نصیر الدین صاحب نے حوض شمسی کے کنارے قبلہ رو ہو کر دعا کی اور اپنا عمامہ زین الدین صاحب کے سر پر رکھ کر بہت سے تبرکات حضرت سلطان المشایخ کے دے کر آپ کو رخصت کیا۔ دہلی سے آپ اجودھن (پاک پٹن) تشریف لے گئے۔ جس روز وہاں پونہچے۔ صاحب سجادہ شیخ محمد بن شیخ علاء الدین بن شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہم بابا صاحب کی بشارت پر استقبال کو نکلے اور باوجودیکہ شیخ محمد صاحب کی عمر سو سال سے متجاوز تھی تب بھی سید صاحب کی حرمت و عظمت بے انتہا کی۔ سید صاحب تین شبانہ روز بابا صاحب کے گنبد کا دروازہ بند کر کے مشغول رہے اور نماز کے وقت کے سوا باہر نہیں نکلتے تھے اور شبانہ روز کلام مجید کا ورد تھا تین شبانہ روز میں بارہ کلام مجید پڑھے اور قریب ایک مہینے کے اجودھن میں رہے رخصت کے وقت شیخ محمد صاحب ایک منزل تک پونہچانے آئے اور بابا صاحب کے بہت سے تبرکات دے کر روانہ کیا۔ وہاں سے آپ اجمیر شریف گئے اور ایک ہفتہ تک سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک پر خلوت رہی اور (۲۸۰)

کلام مجید ختم کرکے بہت سا فیض حاصل کیا۔ لوگ کثرت سے آپ کے مرید ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد دکن کا رخ کیا اور دولت آباد میں قیام فرمایا۔ یہاں ہر کہ ومہ آپ کا گرویدہ اور معتقد تھا جس وقت بہرام خاں[1] مازندرانی حاکم دولت آباد نے بہ اغوائے کھنبہ دیو مرہٹہ سردار کے سلطان محمد شاہ بہمنی سے بغاوت کی اور سلطان محمد لشکر بے شمار اور فوج جرار لے کر دولت آباد سے دو کوس ورے ٹھیر گیا اُس وقت بہرام خاں گھبرایا اور در اقدس پر حاضر ہو کر یہ اشعار پڑھے[2]

کہ ای از رخت راحت دل پدید | زبانِ تو ہر مشکلے را کلید
چہ تدبیر کاں شاہ گردوں فراز | بیاورد برما چنیں ترک و تاز

اس کے بعد اپنا سارا قصہ عرض کرکے کہا کہ اگر حکم ہوتا ہو تو قلعہ کا دروازہ بند کر لیتا ہوں یا جیسا ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو میرے پاس مشورت کو آیا ہی تو مصداق اَلْمُسْتَشَادُ مُؤْتَمَنٌ تو میری رائے میں قلعہ کا دروازہ بند کرکے اندر بیٹھ جانا کچھ ٹھیک نہیں بلکہ مال و اسباب کو چھوڑ چھاڑ اپنے بال بچوں کو لے کر گجرات چلے جاؤ۔ بہرام خاں نے وہیں اپنے ہمراہیوں کو بُلا چلنے پر طیار ہو گیا آپ نے دستِ شفقت بہرام خاں اور کھنبہ دیو دونوں کی پیٹھ پر پھرایا اور کہا کہ جاؤ خدا کے فضل سے سلامتی شامل حال ہو۔ سلطان محمد شاہ نے جب سنا کہ بہرام خاں بھاگ گیا تو مسند عالی خاں اور چار سو جرار سواروں کو بھیج کر گجرات تک پیچھا کیا لیکن حضرت کی زبان فیض ترجمان سے لفظ سلامتی نکل چکا تھا صحیح سلامت گجرات جا پہنچا ان سے بال بھی بیکا نہ ہوا اور کھسیانا ہو کر واپس آیا۔ اور حضرت زین الدین صاحب سے پہلے ہی پر دل تھا اب تو اور بھڑک اُٹھا۔ پہلے ناراض ہونے کا سبب یہ تھا کہ آغاز سلطنت میں تمام مشایخین نے حاضر و غایب بادشاہ سے بیعت کی تھی لیکن آپ نے بوجہ شراب خواری اور منہیات کے مرتکب ہونے کے بیعت سے صاف انکار کر دیا تھا اور فرمایا کہ سلطنت اُسی کو زیبا ہی جو شریعت محمدی کا پیرو ہوا اور منہیات ظاہری و باطنی سے محترز ہو۔ غرض گجرات سے پلٹ کر بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ یا تو آپ میرے پاس

[1] ۱۳۶۲ء میں بہرام خاں جو حسن گنگو بہمنی کا داماد تھا دولت آباد کا گورنر تھا۔ [2] مشورہ اُس سے کیا جاتا ہے جس پر کہ بھروسہ ہو۔ ۱۲۔

پاس حاضر ہوں یا بعیت کا اقرار کر کے خلافت نامہ پر دستخط کر دیں - قاضی صاحب جو یہ پیغام شاہی لائے تھے آپ نے سن کر فرمایا کہ پہلے میری ایک کہانی سن لو پھر جو بات سو بات - کسی عرضہ میں ایک عالم - ایک سید - ایک مخنث گرفتار ہو گئے - بادشاہ نے کہا ان تینوں کو بت خانے میں لے جاؤ - ان میں سے جو بت سجدہ کرے اُسے چھوڑ دو - اور جو انکار کرے اُس کی گردن مار دو - پہلے عالم نے اَلَّا مَنْ اُکْرِہَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ پر عمل کر کے بت کو سجدہ کر لیا - سید نے بھی سجدہ کر لیا اور کہا کہ جو حجت عالم کی ہے وہی میری ہے - جب مخنث کی نوبت آئی تو اُس نے کہا کہ میں نے اپنی ساری عمر اعمال ناشائستہ اور افعال قبیحہ میں گزاری نہ علم رکھتا ہوں نہ سیادت کہ ان کی آڑ پکڑوں - میرا سرمایہ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے سوا اور کچھ نہیں اگر میں اس کو بھی کھو دوں تو کل قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا میں کسی حال میں سجدہ کرنے والا نہیں جان جائے یا رہے - میری حالت مخنث کی سی ہے بلکہ مع شئی زائد نہ میں مجلس میں جاؤں گا نہ سلطان محمد کی خلافت کا اقرار کروں گا - رہا اُس کا ظلم سو میں سما ضر ہوں - قاضی صاحب نے بادشاہ سے جو سنا تھا کہہ دیا بادشاہ بر سر غضب ہوا اور قاضی سے کہا ابھی جاؤ اور اُس فقیر سے کہو کہ تمھاری خیر اسی میں ہے کہ میرے شہر سے فوراً نکل جاؤ آپ بلا تامل مصلیٰ کندھے پر ڈال اور اُسی وقت حضرت برہان الدین اولیاء کے روضے کی طرف چل دیئے اور خلد آباد میں حضرت کے روضے کے پائین عصا گاڑ مصلیٰ بچھا بیٹھ گئے اور کہا کہ ہاں اب دیکھوں کہ کون مرد ہے جو مجھے یہاں سے اٹھا سکے - سلطان محمد نے جب یہ حال سنا سخت نادم و پشیمان ہوا اور صدر الشریف کے ہاتھ یہ بیت لکھ کر بھیجی اور بہ منت و سماجت عفو تقصیر کا خواہاں ہوا اور کہلا بھیجا کہ اب خدارا آپ کہیں اور جانے کا قصد نہ فرمائیں :-

من زان تو ام تو زان من باش خوش باشد عشق اتفاقی

آپ نے فرمایا فقیر کو کیا کد ہے اگر سلطان محمد غازی شریعت محمدی کا اتباع کرے - شراب خانے برخاست کر دے - اپنے باپ کے طریقے پر چلے - خود شراب ترک کر دے اور علماء اور قضات کو امر معروف اور نہی منکر کا حکم دے تو مجھ سے بڑھ کر اُس کا کوئی ہوا خواہ نہیں اور یہ رباعی دست خاص سے لکھ کر بھیجی :-

تا من بزیم بہانہ جوئی نہ کنم — جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے من بدیہا کردند — گر دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

سلطان محمد غازی کا لقب سن کر بہت خوش ہوا اور جب سے اپنے نام کے ساتھ غازی لگا دیا اور اُسی روز ملک مرہٹواڑی کی حکومت مسند عالی خاں کے سپرد کر کے گلبرگہ روانہ ہوا اور تمام ملک سے شراب خانے اُٹھا دیئے۔ چور اور رہزنوں اور مفسدوں کے انسداد کے لئے سختی سے احکام اجرا کئے اور ساتھ ہی حکم دیا کہ رہزنوں اور قزاقوں کے سر کاٹ کے بھیج دیئے جائیں۔ کہتے ہیں کہ چوروں اور ڈاکوؤں کے اس کثرت سے سر کٹ کر آئے کہ گلبرگہ میں کئی چبوترے بن گئے۔ الغرض سلطان محمد نے ملک کا خوب انتظام کیا۔ رہزنوں کا تخم تک نہ رہا ملک میں امن چین ہوگیا احکام شرع شریف کی پوری تعمیل ہونے لگی اور بادشاہ خود بھی محتاط ہوگیا۔ سید زین الدین صاحب کے تصرف کا یہ اثر تھا کہ قلب ماہیت ہوگئی اور آپ بھی بادشاہ سے راضی اور خوش ہو کر دست بدعا رہتے تھے۔

برہان پور کی آبادی[۱] جس وقت نصیر خاں فاروقی والی خاندیس نے قلعہ اسیر کا آسا اہیر سے ۷۹۹ھ میں لیا۔ سید زین الدین صاحب بھی مبارک باد کو خاندیس روانہ ہوئے اُدھر سے نصیر خاں با خدم و حشم دریائے تاپتی کے بائیں کنارے تک جہاں زین آباد آباد ہے آیا اور آپ کو قلعہ میں لے جانے کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ مجھے شیخ کا حکم ندی پار ہونے کا نہیں ہے اور وہیں دو ہفتے قیام کیا۔ نصیر خاں حاضر باش رہتا تھا۔ چلتے وقت اُس نے کئی پرگنہ اور وظائف پیش کئے آپ نے کہا کہ فقیر لے کر کیا کرے گا۔ ہاں اگر تمھاری خوشی ہے تو ندی کے اُس پار جہاں تم ٹھیرے ہوئے ہو ایک شہر میرے مرشد برہان الدین اولیاء کے نام آباد کر کے اپنا دار الخلافت بناؤ اور جہاں میں ٹھیرا ہوں یعنی تاپتی کے اِس طرف ایک چھوٹا سا قصبہ فقیر کے نام پر بسا دو۔ نصیر خاں اُسی وقت تعمیل حکم میں مستعد ہوگیا اور آپ نے دونوں جگہ کے سنگ بنیاد رکھے دوسرے دن آپ فاتحہ پڑھ کر دولت آباد واپس ہوئے۔ آپ کی دعا کی برکت سے برہان پور بڑا شہر اور سلاطین فاروقیہ کا دار الحکومت بن گیا۔

برہان پور کی توصیف میں غلام علی صاحب آزاد نے یہ غزل لکھی ہے:۔

[۱] برہان پور اور زین آباد کی آبادی کے متعلق تاریخ فرشتہ کا قول ہم نے نقل کیا ہے۔ نصیر خاں کی نسبت دیکھو صفحہ ۳۶

فزود نور بصیرت لقاے برہان پور	دمید روح بہ قالب ہواے برہان پور
دماغ عالمیاں راچہ تازگی بخشند	طراوت چمن دلکشاے برہان پور
سواد اعظم او بس کہ نور افشاں است	ز آفتاب زند دم سہاے برہان پور
بنام اشرف برہان دیں غریب نمود	نصیر[۵] والی کشور بناے برہان پور
زہے مقام مقدس کہ اولیا خیز است	کند سپہر طوائف فضاے برہان پور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵- حکومت کی ابتدا ۸۰۱ھ سے ہوئی اور کئی سال بعد یہ دونوں بستیاں آباد ہوئیں اور سید زین الدین صاحب کی وفات ۷۷۱ھ میں ہوئی پس اس واقعہ کی تطبیق وقت طلب ہی- ممکن ہو کہ یہ دونوں بستیاں زمانہ ما بعد میں ان دونوں بزرگوں کے نام پر تیمناً و تبرکاً آباد کی گئی ہوں- واللہ اعلم بالصواب-

[۵]- نصیر خاں ملک راجہ کا بیٹا اور خان جہاں فاروقی کا پوتا تھا- خان جہاں سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان محمد تغلق کے دربار میں صاحب اعتبار امرا میں سے تھا- خان جہاں کے مرنے کے بعد گردش روزگار نے ملک راجہ کو اُس وقت پدری منصب پر پہنچنے نہ دیا اور ایک مدت دراز پریشانی اور افلاس میں گزری بہزار خرابی اور بصد کوشش فیروز شاہ کے ہاں خاصے کے سواروں میں ملازم ہوا- چوں کہ قلت ماہوار سے بمشکل بسر ہوتی تھی اس لئے بیکار وقت کو شکار میں صرف کیا کرتا تھا اسی زمانے میں فیروز شاہ گجرات آیا ہوا تھا- اس کو بھی شکار کا بہت شوق تھا- ایک روز شکار کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا شکار گاہ سے چودہ پندرہ کوس دور نکل گیا- تکان راہ اور صعوبت سفر سے بدحواس ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا- بھوک پیاس نے غلبہ کیا- یکایک دور سے ایک سوار دیکھا کہ دو کتے تازی اور چند شکاری جانور ساتھ لئے شکار کھیل رہا ہی- چوں کہ بھوک سے بے تاب تھا اُس سے پوچھا کہ تیرے پاس کھانے کی کوئی چیز ہی ملک راجہ نے نہایت اخلاق سے عرض کی کہ ہی اور ماحضر پیش کر کے ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا- فیروز شاہ نے پہلے کھانا کھایا- جب حواس درست ہوئے تب اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو- ملک راجہ نے آداب بجالا کے عرض کی کہ میں خاں جہاں فاروقی کا بیٹا ہوں اور ملک راجہ میرا نام ہی اور خاص شاہی ملازموں میں ہوں- فیروز شاہ اول تو خاں جہاں کو اچھی طرح جانتا تھا دوسرے ملک راجہ کا بھی زیر بار

فتاد بس کہ گزر لشکر محمد را[۵۱] | غبار خیز بود کوچہ ہائے برہان پور
لب زمین ورق ابر خامہ آزاد | نمود سبز نہالے ثنائے برہان پور

حضرت سید زین الدین صاحب کے آخری حالات اور وفات سنہ ۷۷۱ھ ۱۳۶۹ء
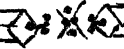
درگاہ حد خورد کی پشت پر بہ جانب شمال ایک مکان النگ کے نام سے مشہور ہے۔ النگ ترکی لفظ ہے جس کے معنے قلعہ کی دیوار کے ہیں۔ حضرت اسی سادی سی عمارت میں رہتے تھے اور اسی سبب سے یہ جگہ بہت متبرک خیال کی جاتی ہے۔۔۔ اس کے بالاخانہ کی دیواریں جو خاص مقر حضرت کا تھا اب بھی خستہ حالت میں موجود ہیں۔ اس کے دو احاطے ہیں۔ اندرونی احاطے میں میر حسن[۵۲] کی قبر ہے جو آپ کے مرید تھے۔

نقل ہے کہ ایک لکڑہارا جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا لاکر اسی دیوار سے ٹیکا دے کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر آرام سے کر لکڑیاں بیچنے کو خانقاہ شریف میں لایا جن لوگوں نے لکڑیاں لیں ہر چند جلائیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶ - احسان ہو چکا تھا اس لئے حکم دیا کہ دربار عام کے وقت ملک راجہ پیش کیا جائے المختصر ملک راجہ دربار عام میں منصب دو ہزاری سے سرفراز ہوا اور تھانیسر میں مضافات خاندیس کی حکومت کا فرمان عطا ہوا۔ ملک موصوف نے ۷۷۲ھ میں حسن تدبیر او زبرو شمشیر جہاد کر کے خاندیس کے راجاؤں کو مطیع کیا اور رفتہ رفتہ اس قدر قوت بہم پہنچائی کہ خود بادشاہ ہو گیا۔ چوں کہ ملک راجہ حضرت سید زین الدین صاحب کا مرید تھا اور شیخ سے ارادت اور خلافت کا خرقہ پایا تھا۔ اس لئے مرتے وقت بڑے بیٹے نصیر خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے خلافت اور اجازت اس کے سپرد کی۔ خاندان فاروقیہ میں دو سو سال سے کچھ زاید سلطنت قایم رہی اور خرقہ خلافت بطناً بعد بطن جو ولی عہد ہوتا گیا اس کو پہنچتا رہا۔ اس خاندان کا آخر بادشاہ بہادر شاہ گزرا ہے۔

۵۱۔ سید محمد صاحب برہان پور کے ایک مشہور ولی ہیں۔

۵۲۔ دھلی کے باشندے جوان خوش رو خوش گلو و ذی علم تھے۔ آپ کی نسبت ایک نہایت حسینہ اور جمیلہ لڑکی سے ہوئی تھی لیکن مشکل یہ آن بنی کہ اُس پر ایک حاکم جابر بھی فریفتہ تھا اور اپنے

مگر نہ جلیں جو محض آپ کی برکت تھی۔ قدم درویشاں رد بلا مشہور ہے اور یہ خطہ تو حضرت کے اقدام مبارک سے برسوں مفتخر رہا۔ اسی وجہ سے لوگ میت کو اس دیوار کے نیچے سے لے جایا کرتے ہیں کہ رب غفور الرحیم یہاں کی برکت سے آتش دوزخ سے نجات دے۔ رحلت سے تین سال پیشتر سے آپ بالاخانہ پر تشریف فرما تھے۔ دو سال پیشتر ایک روز نماز چاشت کے بعد آپ نے خواجہ شہاب الدین کو بلایا اور مصلے سے اٹھ کر شرقی دریچہ سے باہر تشریف لائے اور جس جگہ کہ اب مزار شریف ہے بتلا کر فرمایا کہ یہاں سے جماعت خانے تک یہ جگہ صاف کرا دو گ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷ - نکاح میں لانا چاہتا تھا۔ لیکن میر حسن صاحب کے والد کی سعی مشکور ہوئی اور میر حسن صاحب سے عقد ہو گیا اس خصومت سے حاکم ان کا دشمن جانی ہو گیا آخر کار بے چارے کو کسی مقدمہ میں پھانس کر رجولیت سے محروم کر دیا اس ذلت اور رسوائی کے سبب سے آپ وطن کو خیرباد کہہ کر دولت آباد چلے آئے۔ میدان خالی رہ گیا حاکم نے ان کی بیوی کو کھینچوا بلایا۔ لیکن قضائے کردگار اس عورت کا اس ناہنجار کے مکان میں قدم دھرنا تھا کہ وہ مختلف عوارض میں ایسا مبتلا ہوا کہ اس عفیفہ کی طرف رخ بھی نہ کر سکا۔ میر حسن حضرت کی خدمت میں جا پہنچے ایک دن اشعار لغتیہ نہایت خوش الحانی سے آپ کو سنا رہے تھے جس سے آپ کو ایسا وجد ہوا کہ ٹہلنے لگے اور نہایت مسرور ہو کر فرمایا کہ میر حسن کہو کیا چاہتے ہو تو میر صاحب نے کہا ؎

عرض حاجت در حریم حضرتت محتاج نیست	راز کس مخفی نماند بر دل دانائے تو

آپ نے فرمایا اچھا اٹھ اور گوشے میں جا کر قدرت حق کا تماشہ دیکھ۔ میر صاحب نے جا کر دیکھا تو اپنے کو حالت اصلی پر پایا ؎

کھویا ہوا مال ہاتھ آیا	بولا وہ کہ شکر ہے خدایا

یہ خبر جو ہر طرف مشہور ہو گئی وہ حاکم بدکردار مع اس زن وفا شعار کے حاضر ہوا اور سارا قصہ دہرا کر اپنی خطا کا قایل ہوا اور عرض کی کہ میں نے اس عورت کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اب یہ سراپا خطا کار حاضر دربار ہے آپ میرا دامن اس دھبہ سے پاک فرما دیں۔ آپ نے میر حسن کو بلا کر کہا کہ یہ تیری عورت حاضر ہے اور مرد غیر سے پاک ہے اسے لے لے۔ میر صاحب اب وہ میر صاحب نہ تھے اُن کو دوسرا ہی عشق تھا۔ عرض کی کہ میں لے کر کیا کروں گا مجھے عورت کی ضرورت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو اس بے چاری کو کالمعلقہ کیوں ڈال

ہمارے کام آئے گی۔ جب جگہ صاف ہوگئی آپ نے دوبارہ اُس جگہ دیکھا اور کہا کہ ہمارا مرنا جینا یہیں ہی ہے۔

خیال درہمہ عالم بگشت و باز آمد — زخاک کوے تو بہتر نہ دید جاے را

۱۳ ربیع الاول ۱۰۰۶ھ دوشنبہ کے دن کھانسی زکام اور تپ لاحق ہوئی۔ بارہ دن آپ علیل رہے سوائے پانی کے غذا حلق سے نہ اُتری۔ ضعف بدرجۂ غایت ہوگیا مگر باایں ہمہ نماز پنج گانہ کھڑے ہوکر ہی پڑھتے تھے۔ فرض تو فرض سنتیں اور نفل بھی کبھی قضا نہ ہوئے۔ یہاں تک اہتمام تھا کہ عمامہ بھی کھڑے ہوکر باندھتے تھے۔ ایک خادم نے عرض کی کہ ایسی حالت میں قیام آپ سے ساقط ہی آپ نے فرمایا کہ میرا عمل اس حدیث شریف پر ہی مَنْ تَعَمَّمَ قَاعِدًا اَوْتَسَرْوَلَ قَائِمًا اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِبَلَاءٍ لَادَوَاءَ لَہٗ آب ہوا خلد آباد میں بہت سرد تھی کسی نے آپ سے عرض کی کہ آپ دولت آباد تشریف لے چلیں تو اچھا ہی آپ نے فرمایا کہ جہاں میں ہوں وہیں رہنے دو تاکہ میں شیخ کے آستانے پر مروں کیوں کہ وہاں جاکر بھی مرا تو آخر مجھے یہیں لاؤ گے۔ بروز وفات بھی حسب معمول تین مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی ایک دفعہ شیخ کے لئے دوسری مرتبہ سلامتی خلق کے لئے اور تیسری مرتبہ دفع بلیات کے لئے۔ نماز ظہر سے پہلے جو لوگ حاضر خدمت تھے اُن میں سے خواجہ شہاب الدین نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہی۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا کہ اذان ہوئی۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ وقت تو آگیا مگر اذان ابھی نہیں ہوئی آپ نے کہا اچھا نماز پڑھوا ور خود مصلے پر تشریف لائے۔ بعد نماز آپ کے پاس جو کچھ تھا دے ڈالا وہ صرف ایک ساڑی اور تین کیلے اور تھوڑی شیرینی تھی۔ اُس کے بعد فرمایا کہ دنیاوی اسباب سے میں صرف اسی قدر رکھتا تھا اُس کو تجرید کیا اب مجرد ہوا۔ غلام سب آزاد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸۔ رکھا ہی طلاق دے دو۔ آپ نے فوراً طلاق دے دی اور بعد انقضائے مدت عدت وہ عورت اُس حاکم کے نکاح میں آگئی اور وہ دونوں بھی حضرت کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ میر حسن صاحب نے حضرت کی حیات میں انتقال کیا اور النگ میں دفن کئے گئے۔ میر حسن قوال کے نام سے مشہور ہیں۔

۵ جس شخص نے بیٹھ کر عمامہ باندھا یا کھڑے ہوکر پائجامہ پہنا اللہ تعالیٰ اُسے کسی ایسی بلا میں مبتلا کرتا ہی جس کا کچھ علاج نہیں ۱۲۔

کتب خانہ وقف - اس کے بعد لیٹ گئے خدام نے کہا کہ آپ کچھ وصیت فرمائیں آپ نے منہ پھیر لیا دوبارہ پھر کہا تو کہا "مجھے مت بلاوا" یعنی مجھے نہ پکارو - غرض آپ نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا - عصر کی نماز کا وقت آگیا مگر آپ غشی[ف] میں تھے - خواجہ شہاب الدین نے قریب آکر پاؤں ہلایا اور کہا کہ نماز کا وقت آگیا فوراً چونک پڑے اور اُٹھ کر نماز عصر پڑھی اور بعد ادائے فرض سر سجدے میں رکھ کر جان شیریں جان آفریں کے سپرد کی - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۲۵ ربیع الاول ۱۱۷۱ھ اتوار کے دن یہ سانحہ ہوا - اور روز دوم آپ دفن ہوئے -

قطعات تاریخ وفات ۱۱۷۱ھ

روز شد تیرہ چو شب در دیدۂ اہل شہود ٭ چاک زد چوں گل قبا در باغ گیتی ہر وجود
عالمے را ہم چو سنبل شد پریشانی ازاں ٭ شاہ زین الدین صاحب کوچ از دنیا نمود

۱۱۷۱ھ

چو زین الحق دُر دریائے عرفاں ٭ مرید خاص شاہنشاہ برہاں
بحق پیوست تاریخش خرد گفت ٭ بیم قطرہ بحق واصل بُد الشاں

۱۱۷۱ھ

درگاہ شریف آپ کی درگاہ کے کئی احاطے ہیں جس احاطہ میں گنبد ہے اُس میں فرش سنگ سرخ کا ہے دروازہ کے پٹوں پر چاندی کے پتر جڑے ہوئے ہیں اور سیڑھیوں پر بہت عمدہ نقش و نگار کئے گئے ہیں - قبر پر غلافات کے علاوہ ہمیشہ شامیانہ تنا رہتا ہے - جس میں شتر مرغ کے انڈے لٹکے ہوئے ہیں - مزار مبارک کے سرہانے یہ کتبہ ہے :-

---

[ف] بزرگان دین اور خاصان خدا کا یہی حال ہوتا ہے - میری والدہ کے پھوپا شمس العلما جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب مرحوم محدث دہلوی کا سن شریف بھی سو سال کے لگ بھگ تھا - عرصہ تک بیمار رہے - جتنی سختیاں ہوتی ہوتی ہیں وہ سب دنیا میں ختم ہو جاتی ہیں عاقبت کے مواخذہ سے یہیں نبٹ جاتے ہیں - مولوی صاحب کو جن کو تمام لوگ میاں صاحب کہتے تھے بالکل فریش تھے مگر ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رہتی تھی جہاں تسبیح ہاتھ سے چھوٹی کہ بے چین ہو گئے جو پاس بیٹھے رہتے تھے تسبیح پھر پکڑا دیتے تھے - اسی طرح نماز کا حال تھا کتنے بھی غافل ہوں نماز کا وقت آیا کہ کروٹیں بدلنے لگے اور جب تک نماز نہ پڑھ لیتے تھے کسی کل چین نہ پڑتا تھا -

ایسے لوگ اب کہاں پیدا ہیں - ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

این[۵] بارجاہ و خوابگہ شیخ زین دین است | خورم گہ حقیقت سلطان راستین است
این آستان مطلع الوان مہر و مہ است | دیں گنبد منور شاہنشۂ یقین است
شاہنشہے کہ قبلۂ امید خلق بود | امروز نیز کعبۂ حاجات مستعین است
ہر حاجتے کہ داری ایں جا شود روا | کانجا نہفتہ دولت و اقبال در کمین است
کی غم بود زدرد سر دور روزگار | آں را کہ خاک روضۂ او صندل جبین است
آں روضۂ مبارک برہان اصفیا است | ایں روضہ مثل مجمع بحرین دو یمین است
رو پاک شو ز جملہ گناہاں دریں دو بحر | کارام خضر مقصد موسی ہم اندرین است
ہرگز مرید گم نکند راہ دیں ازانکہ | دو قطب رہنمائے بیک جائے ہمنشین است
چوں خاتم است سلسلۂ خواجگان چشت | ایں خواجۂ محقق شیراز چوں نگین است
تاریخ بود ہفتصد و ہفتاد و یک زسال | کیں جان خستہ با غم ہجراں او قرین است
نقاش بہ بیست و پنج ثد از اول ربیع | با بیست و شش نہفتن ایں گنج در زمین است
روز بنائے دہر بوقت ادائے عصر | در سجدہ جاں سپرد کہ عشاق راہ این است
ایں روضۂ کہ راست شد اندر مہ صیام | دار الامان ست بانی ایں خادم امین است
ایمن ز استراق شیاطین ایں سپہر | چوں چاؤش ستارۂ ثاقب شہاب دین است
ای معدن کرم نظرے کن کہ روز و شب | حامد ...... غوش و زہجر تو مزین است

گنبد کے سامنے پتھر پر یہ کتبہ ہے:-

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

ایں قبۂ معظم سلطان اولیا است | کو نایب پیمبر و برہان انبیا است
قطب المدار غوث الاسلام زین دین | آں کو بحق خلیفۂ برہان اصفیا است
داؤد بن حسین رہے کز طفیل او | اقبال و بخت بندۂ نیکاں ایں سرا است

[۵] - صندل لگانے سے حروف بھر گئے ہیں جو بہ مشکل پڑھے جاتے ہیں اور لکڑی کے تختہ پر یہ کتبہ ہونے سے پڑھنا اور بھی مشکل ہے - شاعری اس زمانے کی جیسی تھی ظاہر ہے - ۱۲ -

ایں بارجاہ شاہ ست تا خلق روز و شب | آید امید وار کہ ایوان بار جا است
دار و بنائے روضہ ازآں زینت و بہار | خواجہ شہاب[۵] آمد و بنیاد با بہاست
از سال نقل خواجہ و بنیاد مقبرہ | ہفتاد و ہفصد و یک تبیان ماجراست
داؤد بن حسین تاریخ مہر شد | نظم بکار بند کہ عنوان سرکشا است

گنبد والے احاطے کے چاروں کونوں پر چار حجرے لداؤ کے ہیں جن میں سے ایک میں پیراہن شریف اور دوسرے حجروں میں درگاہ کا سامان ہے۔ اس احاطے میں چار درخت مولسری کے ایک چنبیلی اور بیلے کا منڈوا اور ایک آم کا درخت ہے۔ گوشۂ جنوب و غرب میں اورنگ زیب کی قبر ہے علاوہ اس کے شمس الدین فضل اللہ اور مولینا تاج الدین احمد اور مولینا محمد صاحب کے قبور ہیں۔ سنگ مرمر کی چار دیواری میں خان بی بی صاحبہ کا مزار ہے جو حضرت سید زین الدین صاحب کی متبنی تھیں اور شاہزادۂ اعظم شاہ اور اُن کی بیگم کی قبریں ہیں زنانی قبر کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔ دوسرے احاطے میں جسے یہاں حجرہ کہتے ہیں شاہزادہ معہ ۔ معصوم بچوں کی قبریں ہیں جن پر سائبان تھا جو اب گر گیا۔ علاوہ اور عمارات کے جن میں لوگ رہتے اور زائرین اُترتے ہیں ایک تسبیح خانہ بھی ہے جہاں اورنگ زیب کے حفاظ وغیرہ کلام مجید پڑھا کرتے ہیں۔ خلد مکان کے پاس حضرت امیر حسن مصنف ہدایت القلوب کا مزار ہے جس پر ایک چھوٹا سا گنبد اور سنگ سرخ کا سہ درہ بنا ہوا ہے۔ درچاک کے آگے تین کمانوں کا دالان ہے جس کی بیچ والی کمان بسم اللہ الرحمن الرحیم کلمۂ طیبہ اور مرتب شد درسال ۱۳۰۲ھ ہجری کندہ ہے۔ حاجی رمضان خاں کشمیری سیاح عرصہ سے اِن ہی دالانوں میں رہتے ہیں۔ اس دالان کے پاس ایک ہاتھ بھر کا گنبد محض بطور صناعی کے بنایا گیا ہے۔

اورنگ زیب
سنہ ۱۷۰۷-۱۶۵۹ء

ابوالمظفر محمد محی الدین اورنگ زیب عالمگیر غازی ۱۱ ذی قعدہ سنہ ۱۰۲۸ھ کو گجرات میں پیدا ہوا۔ تاریخ ولادت "آفتاب عالم تاب" ہے شاہزادگی کے زمانے میں بیشتر برہان پور اور خاندیس رہا۔ چوں کہ زمانۂ دراز تک دکن کی فوج پر سپہ سالاری

---

[۵] یہ وہی صاحب ہیں جو حضرت شاہ زین الدین صاحب کے ساتھ حج کو گئے اور پھر دہلی اور دہلی سے دولت آباد آگئے۔ مقبرہ ان ہی کا بنوایا ہوا ہے۔ مگر خود ان کی قبر کہاں ہے پتہ نہیں۔ ۱۲۔

کرکے متواتر فتوحات حاصل کرتا رہا تھا وہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ سرآوردہ اور تجربہ کار جنرل تھا۔ ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ مئی ۱۶۵۹ء چالیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ زمانہ شاہزادگی سے مالی و فوجی امور کا کافی تجربہ حاصل تھا۔ تفصیلی امور انتظام مملکت میں ایسی کافی دستگاہ رکھتا تھا کہ تخت پر بیٹھنے کے بعد ہر اعتبار سے وہ اِس اہم ذمہ داری کے لئے موزوں تھا۔ جسامت دبلی پتلی اور پستہ قد تھا اور لباس و طرز زندگی بالکل سادہ اور فقیرانہ تھا۔ ہمیشہ سفید ململ پہنتا تھا۔ شاہ جہاں کی طرح نہ مزاج میں عیش و نشاط تھا نہ شراب چھوتا تھا بلکہ غذا بھی بالکل سادی اور بہت کم کھاتا تھا اور کبھی رقص و سرود نہ دیکھتا نہ سنتا تھا۔ بیت المال میں سے ایک دمڑی کو ہاتھ نہ لگاتا تھا کلام مجید لکھ کر اور ٹوپیاں کاڑھ کر مصارف ذاتی چلاتا تھا۔ روزے نماز اور احکام شرع شریف کا حد درجہ پابند تھا کٹا سنی اور بالکل مذہبی آدمی تھا۔ کوئی کام خلاف شرع اسلام نہ کرتا تھا تھا تو وہ بادشاہ اور بادشاہ بھی کیسا اولوالعزم لیکن اُس کی زندگی ایک بہترین نمونہ تھی جو بالکل شاہانہ تکلفات سے مبرا تھی۔ اُس کو اپنے آرام و آسائش کا بالکل خیال نہ تھا اُس کا مقولہ تھا کہ بادشاہ کا وجود محض رعایا کی خدمت گزاری اور آرام و آسائش کے لیئے ہے۔ درباری شان و شوکت اور دھوم دھام سے وہ سخت کارہ تھا۔ اکبر کی طرح اس میں مذہبی ڈھیل نہ تھی بت پرستی کا جانی دشمن تھا جو کچھ کام کرتا تھا اُس میں مذہبی جھلک کا عنصر غالب رہتا تھا اور اسی وجہ سے سلطنت مغلیہ کا زوال ہوا۔ اور آخر زمان سلطنت میں ہندوؤں نے سر اُٹھایا جس سے عمر رسیدہ بادشاہ سخت متردد رہا۔ جدھر دیکھو اُدھر سازش کا بازار گرم تھا۔ اگرچہ بادشاہ کے چار بیٹے شاہزادہ معظم۔ شاہزادہ اعظم۔ اکبر اور کام بخش تھے مگر ان میں سے کوئی بھی باپ کا ہمدرد نہ تھا۔ آخر کار اورنگ زیب احمد نگر میں جا بیٹھا وہاں سے شاہزادہ معظم کو اُس نے ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ "جب میں پیدا ہوا تو میرے گرد لوگوں کا مجمع تھا اور اب میں تن تنہا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیوں زندہ ہوں اور دنیا میں کس لیئے آیا تھا۔ افسوس کہ مجھ سے مخلوق خدا کی بہتری کا کوئی کام نہ ہوا۔ خدا میرے دل میں ہے لیکن اپنی تیرہ چشمی کے سبب سے میں اُس پاک نور کو نہ دیکھ سکا۔ دنیا میں آتے وقت میں کچھ اپنے ساتھ نہیں لایا مگر اب گناہوں کی گٹھری کا بوجھ سر پر لیے جاتا ہوں" ۵

آئے تھے جب تو لائے تھے کیا ساتھ واں سے ہم — حرمان ویاس لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم

آخری وقت تک کبھی ایک وقت کی نماز قضا نہیں ہوئی مرتے دم تک تسبیح ہاتھ سے نہ چھوٹی جب دم نکل گیا تب بھی تسبیح ہاتھ میں تھی۔ نواسی برس کی عمر اور اوائل ماہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ تاریخ ۱۷۰۷ء میں نماز صبح کے بعد روح قالب خاکی سے پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن مدت سلطنت پچاس برس دو ماہ (۲۸) روز اور بہ حساب عیسوی پچاس سال تھی۔ اورنگ زیب کی وصیت تھی کہ قبر پختہ نہ بنانا نہ کوئی دھوم دھام کرنا۔ ٹوپیاں کاڑھنے سے پانچ روپیہ جہینے کی بچت ہوتی تھی اور یہی رقم اپنی تجہیز و تکفین کے واسطے رکھی تھی۔ کلام مجید کی کتابت سے قریب ساڑھے تیرہ سو کے نکلا وہ غربا میں تقسیم کر دیا گیا۔ اگر ایسے خدا ترس اور نیک دل بادشاہ میں تعصب نہ ہوتا اور مذہبی تعدیل ہوتی تو سلطنت مغلیہ کا دوسرا ہی رنگ ہوتا۔ بعد وفات دوسرے دن شاہزادۂ اعظم نعش خلد آباد لا یا اور حضرت زین الدین قدس سرہٗ کی درگاہ شریف کے گوشۂ جنوب و غرب میں دفن ہوا ؎

جنازہ لے کے درا جب سوئے مزار آئے — عدم میں غل مچا پیدل گئے سوار آئے

اورنگ آباد کی طرف کے دروازہ میں سے ایک اونچی سڑک اندرون آبادی جاتی ہے جس کا فرش دو سو تین سو فیٹ تک پتھر کا ہے۔ اورنگ زیب کی قبر شمالی اور جنوبی دروازوں کے بیچوں بیچ میں ہے جہاں سے (۳۰) گز لمبا پتھر کے فرش کا راستہ مزار کی طرف جاتا ہے۔ یہاں ایک سپٹے ہوئے چھتے اور دروازے سے گزرنے کے بعد جو ۱۷۶۰ء میں بنایا گیا تھا ایک چوکون صحن ملتا ہے جس کی تینوں جانب مکانات ہیں جو بطور مسافر خانے اور مدرسہ کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ جنوبی رخ پر بیچوں بیچ میں ایک نقار خانہ اور مغرب کی طرف ایک بڑی مسجد ہے جس کی ضلع کا ایک اور دالان بھی مسجد سے ملا ہوا بنا ہوا ہے جس کی سیڑھیاں اتر کر ایک چبوترے کے کنارے پر آتے ہیں۔ مسجد کے شمالی سرے پر ایک ٹھگنا ہوا دروازہ ہے جس میں سے اندر والے صحن میں جاتے ہیں جس کے جنوب و مشرق میں اورنگ زیب کی قبر ہے۔ اس کے محاذی ایک لمبا پست دالان اور ایک حجرہ ہے جس میں قبر کے غلاف وغیرہ رہتے ہیں۔ دروازہ کی ٹھیک داہنی جانب قبر ہے اور جو اورنگ زیب کی وصیت کے موافق بالکل سیدھی سادی اور کچی ہے اس پر مثل دوسرے

بادشاہوں کے کوئی گنبد وغیرہ نہیں ہے۔

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است | سایہ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

مغربی جانب جو سنگ مرمر کی جالی لگی ہوئی ہے وہ پانچ فیٹ اونچی ہے جسکی آٹھ جالیاں ہیں چار دروازے کے اس طرف چار اُس طرف اس کے اوپر اسی قدر بلند نصف دائرہ کی چوبی جالی ہے دروازہ ساگوان کی لکڑی کا ہے۔ قبر کا چبوترہ سنگین ہے جس کے بیچوں بیچ میں چھ انچہ اونچی مٹی کی قبر ہے جس پر مولسری کے درخت کا سایہ ہے۔ چبوترے کے اطراف شامیانہ تاننے کے پتلے پتلے کھم ہیں عرس یا کسی اور خاص موقع پر شامیانہ لگایا جاتا ہے اور مغرق غلاف بھی قبر پر ڈالتے ہیں یوں سادہ دنوں میں صرف سفید چادر پڑی رہتی ہے۔ خدام اور چوبدار وغیرہ ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ قبر پر باوجود اس سادگی کے خدا داد شان وشوکت ہے کہ آج بھی جو جاتا ہے اُس پر ایک عجیب حالت رعب وداب شاہی کی طاری ہوتی ہے۔ یہیں حجرے میں اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک سیپارہ رکھا ہوا ہے جس کو دیکھکر آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں کہ اورنگ زیب بڑا خوش نویس تھا۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ایک وصیت نامہ بچھونے کے تکیے کے تلے ملا شاہزادۂ اکبر باغی ہو کر جلا وطن ہو گیا تھا۔ اُس سے کوئی بحث باقی نہیں رہی باقی تین شاہزادوں میں اورنگ زیب نے جو سلطنت کی تقسیم کی تھی کوئی بھی اُس پر کاربند نہ ہوا۔ بڑا شاہزادہ معظم باپ کی وفات کی خبر سنتے ہی کابل میں بادشاہ بن بیٹھا۔ شاہزادۂ اعظم دکن میں خود مختار ہو گیا۔ ان دونوں نے بڑی بھاری فوج جمع کی اور دونوں کے لشکر آگرہ کے جنوب میں جون ۱۷۰۷ء میں بھڑ گئے اور ایک بہت بڑی لڑائی میں شاہزادہ اعظم کو کھلی شکست ہوئی جس میں وہ اور اُس کے دو جوان بیٹے مارے گئے۔ فروری ۱۷۰۸ء میں شاہزادہ کام بخش کو دکن میں شکست ہوئی اور وہ زخموں سے چور چور ہو کر جان بحق ہوا اب صرف شاہزادۂ معظم رہ گیا اور وہی بہادر شاہ ثانی یا شاہ عالم اول کے نام سے بادشاہ ہوا۔

مزار حضرت سید زینو یوسف صاحب

قاضی کے حوض کے پاس ایک چار دیواری کے اندر حضرت سید زینو صاحب کی قبر ہے اس چار دیواری میں آپ کے سوا آپ کے بھائی سید عبداللہ اور حضرت زینو صاحب کی بہن بی بی رابعہ کی قبریں بھی ہیں بعض

لوگ کہتے ہیں کہ زنانی قبر آپ کی بی بی عصمت النساء کی ہے - واللہ اعلم - اصلی نام آپ کا سید یوسف تھا سیاہ فام اور نہایت کریہ منظر تھے - سید زین الدین صاحب کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہا کرتے تھے - آپ کو اپنی بدشکلی کا سخت ملال تھا - سید صاحب اس امر کو تاڑ گئے دست شفقت آپ کی پیٹھ پر پھیرا یا اور فرمایا "تم کو بدشکل کون کہتا ہے تم تو میرے یوسف ہو" اسی دن سے آپ سید زینو یوسف مشہور ہو گئے - آپ کی درگاہ کے اندرونی دروازہ پر صرف یا اللہ کندہ ہے -

مزار خواجہ لطف اللہ یہیں ایک احاطہ میں املی کے دو درختوں کے پاس خواجہ لطف اللہ معروف بہ خواجہ بنگاہ یا خواجہ بنگالہ کا مزار اور ایک مسجد ہے جس کی چھت تو گر گئی ہے اب صرف دیواریں کھڑی ہیں -

مزار امیر حسن اعلائے سنجری ۷۳۸ھ میر حسن یا امیر حسن - اصلی نام نجم الدین باپ کا نام اعلائے سنجری تھا - سنجر ملک سیستان کا ایک شہر ہے - بڑے نامور شاعر تھے - سلطان علاء الدین بلبن کے بیٹے محمد سلطان خاں شہید کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے ہیں - اہل ہند آپ کو "سعدی ہند" کہتے ہیں - کلام آپ کا نہایت عمدہ اور بلیغ ہے - جامی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ غزل گوئی میں ان کا ایک خاص طرز تھا - غلام علی آزاد بلگرامی کہتے ہیں کہ آپ کے اشعار شہرۂ آفاق اور نمک ریز جراحت عشاق ہیں - ملک الشعراء فیضی کا قول ہے کہ میر حسن شعر گوئی میں ایک ایسی ادا اور آن رکھتا ہے کہ اُس کا عاشق ہونا چاہیئے - حضرت سلطان المشایخ آپ کے اشعار قوالوں سے فرمائش کر کے سنتے تھے شیخ کی زبان فیض ترجمان سے اقوال و حکایات سن کر میر صاحب نے ایک رسالہ فوائد الفواد لکھا جس کی پر لطف عبارت اور عمدہ نکات و اشارات مقبول خاص و عام ہیں - امیر خسرو آپ کی تصنیف پر رشک کیا کرتے تھے - ایک دن حضرت سلطان المشایخ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت کر کے حوض شمسی پر تشریف لائے - شیخ برہان الدین اولیاء بھی ہمراہ تھے - میر حسن کو دیکھا جلسہ ہو رہا ہے اور شراب کا دور چل رہا ہے - حضرت سلطان المشایخ کو آتے دیکھ یہ اشعار پڑھے ؎

سالہا باشد کہ ماہم صحبتیم ؎ گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست

زہد تاں فسق از دل ما کم نہ کرد فسق ما یاں بہتر از زہد شماست

آپ نے یہ اشعار سن کر فرمایا کہ صحبت کا اثر حسن نیت پر موقوف انشاء اللہ وہ وقت بھی جلد آجائے گا - ادھر آپ کی زبان سے یہ بات نکلی اُدھر میر صاحب کی حالت متغیر ہوگئی سر برہنہ قدموں پر گر پڑے اور منہیات سے توبہ کرکے مرید ہوگئے اُس وقت میر صاحب کا سن پچاس سے متجاوز تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں :- ؎

اے حسن توبہ آنگہی کردی کہ ترا قوتِ گناہ نماند

میر صاحب حسن بے مثال اور عقل کمال رکھتے تھے۔ میر خسرو کو ان سے کمال تعشق تھا - ایک دن سلطان المشایخ بازار جارہے تھے امیر خسرو ساتھ تھے دیکھا کہ میر حسن ایک دکان روٹی کی لگائے بیٹھے ہیں دیکھتے ہی دل ہاتھ سے جاتا رہا نزدیک جاکر پوچھا روٹی کیوں کر بیچتے ہو ؟ میر صاحب نے کہا ایک پلڑے میں روٹی رکھتا ہوں اور دوسرے میں خریدار سے کہتا ہوں کہ روپے ڈالئے جب روپیہ کا پلڑا جھک جاتا ہے تو خریدار کو رخصت کرتا ہوں - امیر خسرو نے کہا اور جو خریدار مفلس ہو تو ؟ میر صاحب نے کہا تو پھر روپیہ کے عوض درد و نیاز لیتا ہوں - ادھر تو میر صاحب کے برجستہ جواب سے امیر خسرو کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اُدھر میر حسن صاحب کو بھی داد طلب دامن گیر ہوئی - اُسی وقت دکان کو بالائے طاق رکھ کر اکتساب علم کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت سلطان المشایخ کی خدمت میں رہنے لگے - چند روز کی یکجائی سے میر صاحب کا اور امیر خسرو کا اتحاد بڑھ گیا اور دونوں نے ملتان میں محمد سلطان خاں شہید پسر غیاث الدین بلبن کی ملازمت کی - امیر خسرو مصحف بردار اور میر صاحب دوات بردار ہوئے - جس وقت سلطان خاں دہلی آیا یہ بھی ساتھ ساتھ آئے - رفتہ رفتہ رشتۂ اتحاد بڑھ گیا لوگوں نے بدگمانی شروع کی بادشاہ سے اُلٹی سیدھی جا لگائی - انّ بعض الظن اثم امیر خسرو نے جب یہ بہتان سنا تو اُسی وقت ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے - ؎

خسروا فرمانِ دل بردن ہمیں بار آورد نعت زیں دلِ خود کام کارِ من برسوائی کشید

بادشاہ نے سختی سے ان دونوں کا ملنا جلنا بند کرا دیا لیکن چوں کہ محبت سچی تھی بادشاہ کی ممانعت کا کچھ بھی اثر نہ ہوا - بادشاہ نے میر صاحب کو بلا کر تعزیر بدنی کی سزا دی - مگر میر صاحب کوڑے کھا کر سیدھے امیر خسرو کے پاس پہنچے - بادشاہ نے ان کی اس حرکت پر سخت تعجب کیا

ایک صاحب اہل دل نے عرض کی کہ یہہ محبت محبت مجازی سے عشق حقیقی کو پونچ گئی ہو آپ کی دخل دہی بے کار ہو۔ بادشاہ نے امیر خسرو سے بلاکر پوچھا کہ تمھاری محبت خواہش نفسانی سے پاک ہو یا نہیں؟ امیر خسرو نے کہا کہ ہم دونوں کے درمیان دوئی کا پردہ اُٹھ گیا ہو۔ بادشاہ نے کہا گواہ کون ہو۔ امیر خسرو نے آستین اُلٹ کر اپنا ہاتھ دکھایا۔ اور کہا کہ ع۔

گواہ عاشق صادق در آستیں باشد

بادشاہ نے دیکھا تو واقعی کوڑوں کے نشان تھے۔ اُس وقت خسرو نے یہہ رباعی پڑھی:۔

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست — تا کرد مرا تہی وہ پر کرد ز دوست
اجزاے وجودم ہمگی دوست گرفت — نامیست مرا برمن و باقی ہمہ اوست

میر صاحب نے ۲۹ صفر ۳۱ۃ میں وفات پائی۔ تاریخ وفات "مخدوم اولیا" ۳۱ۃ ہو۔ درگاہ کے حصار کے باہر گوشۂ جنوب و غرب میں کوئی پانسو قدم کے فاصلے سے دفن ہیں۔ میر صاحب بڑے ظریف بھی تھے۔ ایک مرتبہ سخت علیل ہوئے اکثر لوگ عیادت کو آئے۔ امیر خسرو بھی تشریف لائے اور پوچھا کہ "مارا می شناسی کہ ماکیانیم" اور پھر کہا کہ "ماچہ کسانیم" میر صاحب نے آنکھ کھول کر کہا کہ "بندہ بسخن اولیم" لوگوں نے ہنس کر کہا کہ میر صاحب اس وقت بھی مذاق نہیں چھوڑتے۔ یہاں آپ کو لوگ عموماً حسن شیر کہتے ہیں۔ غلام علی آزاد کہتے ہیں کہ یہہ حسن شاعر کی تصحیف ہو۔ مشہور ہو کہ شیر آپ کے مزار پر آیا کرتا ہو۔ مزار پر جمعرات کو خلایق کا ہجوم ہوتا ہو کند ذہن طلباء آپ کے آستانے پر شکر چاٹتے ہیں اور غبی ذکی ہوجاتا ہو۔ یہاں اور بہت سی قبریں ہیں مگر آپ کی قبر سے ملی ہوئی مشرق میں جو قبر ہو عوام کا کہنا ہو کہ یہہ آپ کا کتب خانہ ہو۔ درگاہ بہت مرمت طلب ہو صدر دروازے پر یہہ کتبہ ہو:۔ اللّٰہم صلّ علیٰ محمّد و علیٰ آل محمّد

کتبہ محمد یحییٰ خادم لتعمیر برادر اچھو

دروازہ تازہ طور محراب نما — از حسن عمل ہنود عا بدیر پا
۱۱۹۳ھ

تیسرے احاطے میں میر مسعود عرف تیر چھو کی قبر ہو جو میر صاحب کے بھائی یا بھتیجے تھے۔ درگاہ سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا تالاب غلام علی صاحب آزاد کا بنایا ہوا مشہور ہو۔ ٹیکڑی پر میر آخون حسن

کا اورد میں بی بی عائشہ کی قبریں ہیں۔

نمونہ کلام ای ماہ خوباں یک شبے یا خویش مہماں کن مرا ٭ در آفتاب روے خود چوں صبح خنداں کن مرا

دارم دے آتش کدہ آخر خلیل من توئی ٭ بر من فروز آں یک دمے آتش گلستان کن مرا

افگند زلف کافرت اشکالہا در دین من ٭ یک بار بنما روے خود از سر مسلمان کن مرا

در کنج فرقت سالہا او دسان نالیدہ ام ٭ بر تخت وصلت ای پری یک شب سلیمان کن مرا

از زہد خشک خویشتن ہستم بر آں اول قدم ٭ زاں می کہ چشمت مست شد امروز غلطان کن مرا

گر بارگاہ عربدہ چندیں چہ زارم میکشی ٭ لب بالب من بندہ نہ جاں کندن آسان کن مرا

مسکیں حسن می گویدت ای وقت مشتاق تو خوش ٭ گر من ز الشیاں نیستم در کار ایشاں کن مرا

امیر خسرو ۷۲۵ھ

آپ کا تذکرہ ہماری کتاب سے فی الواقع غیر متعلق ہے لیکن چونکہ آپ سے اور میر حسن سے بڑی لگاوٹ [illegible] بہ نسبتی تھی ہم نہیں چاہتے کہ میر صاحب کا تو ذکر کریں اور امیر خسرو صاحب کو چھوڑ دیں لہذا بالکل علی سبیل الاختصار لکھتے ہیں جن صاحب کو تفصیلی حالات [illegible] دیکھنے ہوں وہ انتظار کریں اس مبسوط کتاب کا جو علی گڈھ میں خاص اہتمام [illegible] زیر ترتیب ہے۔ آپ کا نام ابوالحسن تھا خسرو تخلص کرتے تھے [illegible] میر سیف الدین [illegible] بلخ ہزارہ کے امیرزادوں میں تھے جو چنگیز خاں کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ امیر خسرو مومن آباد عرف پٹیالی میں جو گنگا کے کنارے ہے پیدا ہوئے۔ ان کے والدین نے جس وقت سلطان المشائخ سے بیعت کی آپ آٹھ برس کے تھے اور باپ کی عمر پچاس سال کی تھی۔ آپ کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے [illegible] تھے۔ انھوں نے باپ کا ایک نہایت دردانگیز مرثیہ لکھا جس کا [illegible]

سیف از سرم گذشت دل من دو نیم شد ٭ دریا [illegible] ہ واں شدہ [illegible] یتیم شد

ان کے نانا عماد الملک [illegible] اولیائے کرام میں سے تھے انھوں ہی نے ان کی پرورش کی اور ایک سو تیرہ سال کی عمر میں قضا کی۔ اگرچہ امیر خسرو کا زیادہ وقت امرا اور بادشاہوں کی صحبت میں گذرا تھا مگر دلی رجحان تصوف کی طرف تھا اور اسی سبب سے سلطان مشائخ کے بڑے مورد عنایت [illegible]

یار وفادار اور محرم اسرار تھے۔ حضرت سلطان المشائخ اکثر ان کو "ترک اللہ" کہہ کر پکارتے تھے جیساکہ خسرو کے اِن اشعار سے ظاہر ہے:۔

برزبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت
دست ترک اللہ بگیر و ہم باللّٰہش سپار

چوں من مسکیں ترا دارم ہمینم بس بود
شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

چوں کہ میر صاحب حسن لطافت بیان اور فن موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اس لئے بعض اوقات حضرت سلطان المشائخ آپ کو ترک اللہ کے سوا "مفتاح السماع" بھی کہہ کر پکارا کرتے تھے شب بیدار تہجد گزار تھے۔ چالیس سال صایم الدہر رہے۔ شیخ کے ساتھ ہی حج بھی کیا۔ سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے دل میں ایسا سوز و گداز تھا کہ ہمیشہ پیراہن قلب پر جلا ہوا رہتا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ کی خاص توجہ آپ پر تھی اور مورد عنایات خاص تھے۔ حضرت بارہا فرمایا کرتے تھے اے ترک اللہ میں اپنے وجود سے رنجیدہ ہوتا ہوں لیکن تجھ سے نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ خضر سے ملاقات ہوئی امیر خسرو نے لعاب دہن کی خواہش کی حضرت نے فرمایا یہہ دولت سعدی شیرازی کے حصہ کی تھی امیر خسرو نے یہہ بات شیخ سے کہی آپ نے اپنا لعاب دہن دیا یہہ اُسی کی برکت ہے کہ قریب سو کتابوں کے نظم و نثر میں آپ کی تصنیف ہیں۔ لعاب دہن جس وقت آپ کے منہ میں پڑا آپ نے یہ شعر پڑھا

زلفت زہر دو جانب خوں ریز عاشقانست
چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیانست

قریب قریب پانچ لاکھ اشعار آپ کی زبان سے نکلے ہیں۔ آپ کا کلام مقبول انام ہے۔ خالق باری جو بچوں کو پڑھائی جاتی ہے اور جو نصاب خسرو کے نام سے مشہور ہے آپ ہی کی تصنیف ہے شعر گوئی پر آپ کو ایسی قدرت کاملہ تھی کہ مثنوی مطلع الانوار جو مثنوی مخزن الاسرار مصنفہ شیخ نظامی گنجوی کے جواب میں لکھی ہے دو ہفتے میں تمام کی۔ ایک مرتبہ آپ نے شیخ سے عرض کی کہ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن مجھے خسرو کے نام سے پکاریں کیوں کہ یہہ متکبروں کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا قیامت میں تمہیں "محمد کاسہ لیس" کہہ کر پکاریں گے۔ امیر خسرو اکثر بڑے بڑے اُستادوں پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے حضرت ہمیشہ منع فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ چاہیئے۔ جس وقت حضرت نظامی علیہ الرحمہ کے خمسہ کا جواب لکھا حضرت نے آپ کو ڈرایا۔ آپ نے کہا کہ میں تو آپ کی پناہ

میں ہوں مجھے کیا ڈر۔ اتفاقاً اُسی خمسہ کی ایک بیت کے جواب میں جب یہہ بیت کہی ؎

کوکبۂ خسرویم شد بلند — غلغلہ در گور نظامی فگند

فوراً ایک شمشیر برہنہ نمودار ہوئی۔ امیر خسرو نے ڈر کر اُسی وقت حضرت سلطان المشائخ اور شیخ فرید گنج شکر کو یاد کیا وہیں ایک ہاتھ ظاہر ہوا اُس نے تلوار کے وار کو اپنے اوپر لیا۔ تلوار آستین کاٹتی ہوئی ایک درخت پر جا پڑی۔ خسرو حضرت کے پاس آئے اور یہہ کیفیت عرض کرنی چاہی آپ نے پہلے ہی کٹی ہوئی آستین دکھائی۔ خسرو قدموں پر گر پڑے آپ نے فرمایا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثالش کم خواست — ملکیت ملک سخن از خسرو ماست

این خسرو ما ناصر خسرو نیست — زیرا کہ خدا ناصر خسرو ماست

خسرو جان و مال سے اپنے مرشد پر فدا تھے۔ ایک مرتبہ ایک سائل حضرت سلطان المشائخ کے پاس آیا۔ آپ کے پاس کچھ نہ تھا دوسرے اور تیسرے دن بھی اتفاقاً کچھ نہ آیا آخر کار آپ نے اپنی جوتیاں اُس کو دے دیں وہ خوش خوش لے کر چلا راستہ میں امیر خسرو ملے جو کسی مہم سے واپس آ رہے تھے۔ ملاقات ہوئی شیخ کی خیریت دریافت کی۔ آپ نے کہا کہ تجھ میں سے مجھے پیر روشن ضمیر کی بو آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی تبرک تیرے پاس ہے۔ فقیر نے کہا ہاں نعلین مبارک ہیں۔ امیر خسرو نے پانچ لاکھ اشرفیاں دے کر نعلین کو لے لیا اور سر پر رکھ کر شیخ کے روبرو حاضر ہوئے حضرت نے فرمایا تم نے تو یہہ جوتیاں پانچ لاکھ اشرفی میں سستی خریدیں۔ امیر خسرو نے کہا کہ فقیر نے جو مانگا میں نے بے تکلف دے دیا ورنہ اگر میری جان اور سارا مال بھی مانگتا تو میں بے دریغ دے دیتا۔ ایک مرتبہ امیر خسرو نے شیخ سے عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ دنیا میں آپ کے بعد نہ رہوں اور میری قبر آپ کے پہلو میں ہو۔ جب شیخ کی وفات کا زمانہ قریب آیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ خسرو میرے بعد دنیا میں کم رہے گا جب وہ مرے تو میرے پہلو میں دفن کرنا کہ وہ میرا محرم راز ہے۔ میں بے اُس کے بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔ اگر یہہ جائز ہوتا کہ دو شخص ایک قبر میں دفن ہوں تو میں وصیت کر جاتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا کہ ہم دونوں ایک جگہ رہیں جس وقت شیخ کا وصال ہوا امیر خسرو بادشاہ کے ساتھ بنگالہ میں تھے۔ وفات کی خبر سنتے ہی سارا مال و اسباب راہ خدا میں

دے دیا اور ملازمت شاہی چھوڑ کر دلّی چلے آئے اور لباس سیاہ پہن کر چھ مہینے تک قبر کے پائیں بیٹھ کر رنج والم میں گزارے ۲۰ ذی قعدہ ۷۲۵ھ روز جمعہ اور بہ روایت دیگر اریا ۱۸ شوال سنہ الیہ امیر خسرو نے چوراسی سال کی عمر میں انتقال کیا اور شیخ کی قبر کے پائیں میں دفن ہوئے۔ انتقال کے بعد موجب وصیت کے آپ کو شیخ کے پہلو میں دفن کرنا چاہا مگر لوگ مانع ہوئے کہ دونوں قبریں برابر ہونے میں زائرین کو شبہ ہوگا لہذا آپ کی قبر کے چبوترے کے پائیں میں دفن ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات از نتائج فکر مولانا غلام علی پدر محمد قاسم فرشتہ

میر خسرو خسرو ملک سخن	آن محیط فضل دریائے کمال
نثر او دل کش تر از ماء معیں	نظم او صافی تر از ماء زلال
بلبل بستاں سرائے وادو دیں	طوطی شکر مقال بے زوال
از پئے تاریخ سال فوت او	چوں نہادم سر بہ زانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطی شکر مقال
۷۲۵ھ	۷۲۵ھ

بی بی عائشہ قدس سرہا فتوح الاولیاء کے سوا اور کسی کتاب میں آپ کا ذکر نہیں ہے اور وہ بھی ناقص یعنی کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ خلد آباد کب تشریف لائیں لوگوں کا قیاس ہے کہ حضرت منتجب الدین کے ساتھ آئی ہوں گی کیوں کہ برہان الدین صاحب جب دولت آباد آئے وہ وہاں موجود تھیں اسی وجہ سے سلطان المشائخ نے آپ سے دولت آباد آتے وقت کہا تھا کہ میری پیرزادی صاحبہ (بی بی عائشہ) سے غافل نہ رہنا عام خیال یہ ہے کہ آپ بابا صاحب فرید گنج شکر کی صاحب زادی تھیں۔ برہان الدین غریب جس وقت دولت آباد تشریف لائے شیخ کے حکم کی تعمیل میں ہمیشہ جمعہ کے جمعہ نماز کے بعد حاضر ہوا کرتے تھے۔ بی بی صاحبہ کی ایک لڑکی چہاردہ سالہ عفت و

عصمت و زہد و تقویٰ سے متصف صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں۔ ہمیشہ سیاہ لباس پہنا
کرتی تھیں۔ ایک دن بی بی صاحب کے پاس صاحب زادی بھی بیٹھی ہوئی تھی آپ اُن کو
دیکھ کر مسکرائے بی بی صاحب کو یہ ناگوار ہوا اور ملتانی زبان میں کہا کہ اگر آسان دھی کیے دِسّن
جی ضرورت کیہڑی آہے" یعنی میری لڑکی کو دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ سر سے پا تک عرق عرق
ہو گئے اور کہا کہ میں بارگاہ شیخ کا خادم اور ادنیٰ غلام ہوں آپ بھی میری مخدومہ محترمہ ہیں بھلا میری
مجال ہے کہ کسی اور خیال سے دیکھوں۔ میرے مسکرانے کا سبب یہ ہے کہ صاحب زادی صاحبہ
کا ارادہ نکاح کا نہیں ہے اور مجھے بشارت ہوئی ہے کہ آپ سے ایک ولی پیدا ہوگا۔ بی بی صاحبہ
متحیر ہو گئیں اور کہا اچھا تم استخارہ کرو۔ برہان الدین صاحب نے آئندہ جمعہ کا وعدہ کیا۔ صاحبزادی
صاحب نے کہا کہ میں خود آج شب کو استخارہ دیکھ کر کل جواب دوں گی۔ دوسرے روز بعد نماز
صبح اپنی ماں سے کہا کہ عن قریب ایک شخص صحیح النسب ایسی ایسی شکل و شمائل کا آئے گا اور
اُس سے میرا نکاح ہوگا چنانچہ چند دنوں بعد ایک بزرگ اُسی وضع قطع کے جیسا کہ آپ نے
بتلایا تھا مع دو تین خادموں کے آئے اور اُن سے آپ کا نکاح ہو گیا۔ بی بی صاحب نے ایک
پھٹا پرانا بوریا اُن کے بیٹھنے کو بھیج دیا اور کہا ذرا توقف کیجیے اور برہان الدین صاحب کو بلا بھیجا
آپ نے فراست باطنی سے اُن کے علم و فضل کو پہچان کر مصافحہ کیا۔ بی بی صاحبہ کے گھر میں
سوائے اُس لباس کے جو ماں بیٹیوں کے جسم پر تھا اور کچھ نہ تھا۔ لڑکی کا لباس اُتار کر برہان الدین
صاحب کو دھونے کو دیا آپ لے چلے تھے کہ راستہ میں کئی لوگ ملے اُنہوں نے جب یہ حال
سنا آپ کو واپس لائے اور سب سامان کر دیا اور علمائے شہر کو بلا کر صاحب زادی صاحبہ
کا نکاح اُن صاحب سے کر دیا جن کا نام سید ضیاء الدین تھا۔ نکاح کے تین دن کے بعد
صاحب زادی صاحب نے کہا کہ آپ کی حصول خوشنودی میں میرے تین دن کے نوافل فوت
ہوئے اگر اجازت ہو تو کوئی لونڈی حسینہ اور جمیلہ تلاش کر کے پیش کروں اور میں اپنے اُسی مشغلہ
میں لگ جاؤں جس میں میری عمر بسر ہوئی ہے۔ ضیاء الدین صاحب نے کہا کہ میں بھی چاہتا تھا کہ
بس اب آپ مجھے اجازت دیں تو میں سیاحی کروں اور خدا کی یاد میں مصروف ہو جاؤں کیونکہ
برہان الدین غریب کی بشارت پوری ہو چکی ہے۔ صاحب زادی صاحبہ نے کہا کہ میں حافظ قرآن

ہوں اور یہ لڑکا جس کی ولادت کا آپ اظہار کر رہے ہیں حضرت برہان الدین صاحب غریب پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ بھی حافظ پیدا ہوگا ممکن ہے کہ ضبط کلام مجید میں مدت معہود بڑھ جائے تو لوگ متہم کریں گے اس لئے آپ ہمسایوں کو اس راز سے آگاہ کر کے سفر اختیار کیجئے۔ آپ نے محلے والوں سے یہ راز بیان کیا اور لڑکے کا نام سید علاء الدین رکھ کر سفر پر چلے گئے اور جاتے جاتے کہہ گئے کہ یہ لڑکا بڑا موحد اور محقق ہوگا اور ہمیشہ یاد خدا اور اسرار الٰہی میں مستغرق رہے گا۔ الغرض نو ماہ کے بعد علاء الدین صاحب پیدا ہوئے آپ کے عقیقہ کے وقت بہت سے لوگ جمع ہوئے اور سب نے حسب مقدرت دیا دلایا لیکن برہان الدین صاحب نے کہا کہ میں غریب اور مفلس ہوں میرے پاس کچھ نہیں کہ پیش کروں۔ بی بی صاحبہ نے ازراہ خوش طبعی کہا کہ آپ کو ملک دکن کی ولایت ہے پھر مفلس کیسے۔ حضرت نے علاقہ مونگی پٹن اور خاندیس کی ولایت طفل نومولود کو دی۔ جب سید علاء الدین صاحب سن رشد کو پہنچے تو آپ کو ایک حسین طوائف سے پاک محبت ہوگئی۔ ایک روز جمعہ کی شب کو آپ نے چند پتھر اُس کے مکان پر پھینکے۔ طوائف کی نایکہ نے کہا کہ ہم لوگوں کا پیشہ کسب ہے لیکن ہم بھی آج کی رات توبہ کر لیتے ہیں یہ کیسے مسلمان ہیں کہ ہفتہ میں ایک دن بھی گناہوں سے توبہ نہیں کرتے۔ یہ سنتے ہی آپ کے بدن میں لرزہ پڑ گیا اور نہایت نادم و پشیمان ہو کر اس حرکت سے توبہ کی اور فوراً اعتکاف میں بیٹھ گئے اور کئی برس تک باہر نہ نکلے۔ آدھی کھجور اور ایک گھونٹ پانی سے روزہ کھول لیتے تھے۔ چند سال کے بعد ماں نے جب دیکھا کہ ہڈی سے چمڑا الگ ہو گیا ہے تو زبردستی اعتکاف سے باہر نکالا دیکھا تو محویت غالب تھی۔ جب لوگوں نے سید صاحب کی ریاضت اور مجاہدہ کا حال دیکھا جوق جوق بیعت کو آنے لگے۔ جب ارادت مندوں کا زیادہ ہجوم ہونے لگا اور لوگ مجبور کرنے لگے تو آپ نے کہا کہ جس وقت مجھے خرقہ خلافت خواجہ رکن الدین چشتی سے سرفراز ہوگا جس کسی کا حصہ میرے سلسلہ میں ہوگا اُسے داخل بیعت کروں گا۔ چند روز بعد ایک بڑا قد آور قوی ہیکل شخص پہلوانوں کی وضع ایک ہاتھ میں کمان اور دوسرے میں پتھر کا ایک بڑا گولہ تھا دولت آباد آیا اور تمام شہر و دیار کے مشائخین کبار کے دروازے پر چکر لگایا کرتا تھا۔ خود بھی بڑا متقی اور پرہیزگار تھا مگر مرشد کامل کی تلاش میں تھا

ایک روز بازی کرتا ہوا سید صاحب کے دروازے پر آیا۔ ولی را ولی می شناسد۔ سید صاحب نے فوراً پہچان لیا کہ یہہ اہل دل اور جویان مرشد کامل ہی اپنے کو اس لباس میں چھپائے ہوئے ہی۔ آپ نے فرمایا کہ ای سید نظام الدین ادریس تو طالب خدا ہوکر اپنی اوقات عزیز کو اس طرح ضائع کرتا ہی۔ یہہ سنتے ہی پہلوان نے جو کمان اور گولہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا پھینک دیا اور قدموں پر گر کر عرض کی کہ میں ایک عرصہ سے اسی آرزو میں پھر رہا ہوں کہ جو شخص مجھے پہچانے اُس سے میں بیعت کروں الحمد للہ کہ آج میری مراد بر آئی۔ جوئندہ یابندہ۔ آپ نے انھیں کو خرقہ خلافت لانے گجرات بھیجا۔ سید نظام الدین کو راستہ میں ایک شخص صوفی منش ملا انھوں نے بمصداق آیہ کریمہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ اُن سے مصافحہ کیا۔ اُس شخص نے نظام الدین سے پوچھا کہ آپ کا عزم کہاں کا ہی۔ نظام الدین نے کہا کہ میں سید علاء الدین صاحب کی طرف سے خواجہ رکن الدین صاحب کے پاس خرقہ خلافت لینے جا رہا ہوں صوفی صاحب نے کہا کہ میں خرقہ خلافت لیکر دولت آباد جا رہا ہوں تمھارا جانا بے کار ہی یہیں سے پلٹ چلو نظام الدین صاحب نے کہا کہ ہاں یہ تو صحیح ہی لیکن حضرت علاؤالدین صاحب دانا یان رموز الٰہی ہیں کیا اُن کو اتنی بات معلوم نہ تھی اور مجھ پر مرشد کے حکم کی تعمیل لازم ہی میں تو احمد آباد تک جاؤں گا الغرض چند دن میں احمد آباد پہونچ کر خواجہ صاحب کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ خرقہ تو میں بھیج چکا ہوں تم ناحق آئے بریں ہم آپ نے ایک خرقہ نظام الدین صاحب کو بھی دیا۔ نظام الدین چند دن خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہے ایک دن کہا کہ میری سعادت اور سرفرازی اسی میں ہی کہ خرقہ اپنے پیر کے دست مبارک سے پہنوں خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا بہت مناسب ہی اور دوبارہ ایک خرقہ علاء الدین صاحب کے واسطے بھی بھجوایا اور بہت سے راز سربستہ کہلا بھیجے۔ نظام الدین صاحب عجالتہً دولت آباد آئے اور خرقہ خلافت دے کر خواجہ صاحب کے ارشادات بھی پہونچائے۔ علاء الدین صاحب کے بڑے چار خلیفہ تھے سید نظام الدین ادریس مونگی پٹن پر اور وہیں آپ کا مزار ہی۔ دوسرے حضرت لقمان چشتی جن کی قبر قلعۂ اسیر گڑھ میں ہی۔ اور ملک خاندیس اُن کے سپرد تھا۔ تیسرے

شیخ فرید بہاری - چوتھے حضرت خواجہ حسین حسن کی قبر دولت آباد میں ہے - آپ نے سید نظام الدین کو اپنا خلیفہ مقرر کرکے انتقال کیا - سید علاء الدین صاحب کی قبر کا صحیح پتہ نہیں ہے کہ کہاں ہے بعض کہتے ہیں کہ دولت آباد میں ہی کہیں دفن ہیں اور بعض دوسرے دوسرے مقامات بتلاتے ہیں۔

بی بی عائشہ کی قبر میر حسن اعلائے سنجری دہلوی کے مزار سے جانب جنوب ہے جس کی مرمت نواب لشکر نواز جنگ بہادر صوبہ دار وقت نے اپنی جیب خاص سے کرادی ہے - ۲۶ شعبان کو بی بی عائشہ اور اُن کی صاحبزادی دونوں کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامیؒ بڑے جید عالم اور سخت متشرع ہم عصر سلطان المشائخ تھے - بدعت اور سماع سے بالکل کنارہ کش تھے - اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نظام الدین اولیاء سے مباحث علمی میں غالب آ سکتا ہوں لیکن اُن کی کرامات بہت بڑھی ہوئی ہیں - قاضی صاحب کبھی مجلس سماع میں شریک نہیں ہوئے اور اس کو خلاف شرع کہتے تھے - ایک مرتبہ دہلی میں کوئی فقیر آیا جو ننگ جلا [illegible] میں بیٹھا رہتا تھا آپ نے اپنے بڑے بیٹے کو بھیجا کہ جاؤ تو اس سے کہو کہ [illegible] [illegible] فقیر نے [illegible] گرم [illegible] ان کی [illegible] دیکھتے ہی وہ جل کر بھسم ہو گئے [illegible] قاضی [illegible] جب سنا تو کہا کہ [illegible] سے [illegible] جان [illegible] [illegible] [illegible] سے چل گئے [illegible] [illegible] تب [illegible] قاضی [illegible] یہاں بدعت کثرت سے رائج ہے تو دہلی چھوڑ کر کعبۃ اللہ چلے گئے وہاں [illegible] اور پوچھا کہ نظام الدین زندہ ہیں لوگوں نے کہا کہ ہاں - قاضی صاحب نے کہا جب [illegible] ہیں میں دہلی کا رُخ نہ کروں گا - گجرات سے دولت آباد چلے آئے یہاں حضرت برہان الدین کا دور دورہ تھا اور مجالس سماع گرم رہتی تھیں - چند روز کے بعد قاضی صاحب بہت علیل ہوئے زیست سے نا امیدی ہو گئی حضرت برہان الدین نے عیادت کو آنا چاہا آپ نے فرمایا کہ وہ نظام الدین کے خلیفہ ہیں اور گانا سنتے ہیں اور جو شخص نامشروع امر کرتا ہے میں مرتے وقت اُس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا - برہان الدین صاحب نے کہا کہ میں توبہ کرکے آیا ہوں قاضی صاحب نے فوراً اپنا

عمامہ بطور پا انداز بچھوا دیا۔ برہان الدین عمامہ کو بوسہ دیتے ہوئے آئے قاضی صاحب بہت اخلاق سے ملے۔ قاضی صاحب کا گنبد خلد آباد کے گوشہ جنوب و غرب میں کالی مسجد سے دو سو گز کے فاصلے پر ہے۔ گنبد کے اندر آیۃ الکرسی اور چند اسمائے الٰہی کندہ ہیں۔ ۲۹ ذی قعدہ کو عرس ہوتا ہے۔ قاضی صاحب کے گنبد کے سامنے دو قبریں میر ایرد اور میر گبرو کی ہیں جو حضرت سلطان المشائخ کے قوال کہلاتے ہیں اس کے علاوہ اور بہت سی قبریں ہیں۔

شیخ بابا جلال صاحب قاضی صاحب کے گنبد کے پاس آپ کا گنبد ہے جس کا ایک کونا گر گیا ہے۔ آپ دولت آباد میں سناری دروازے کے قریب رہتے تھے۔ سید محمد صاحب سامانی نے اپنی کتاب سیر محمدی میں لکھا ہے کہ شیخ بابو جلال مرد بزرگ اور صاحب نعمت تھے۔ ہمارے خیال میں بابو کا لفظ سہو کتابت ہے اصل میں بابا ہو گا کیوں کہ اُس زمانہ میں بابو کا لفظ مروج نہ تھا۔ آپ کو سماع کا بڑا شوق تھا۔ سماع میں بے خود ہو جاتے تھے اور منہ سے کف جاری ہو جاتا تھا۔ اور عالم بے خودی میں جو زبان سے نکل جاتا تھا ہو کر رہتا تھا۔ سید یوسف راجو قتال صاحب جب دولت آباد آئے آپ کی ملاقات کو گئے آپ کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت سید محمد گیسو دراز بھی تھے جن کی عمر چار سال کی تھی آپ نے اس لڑکے کی نسبت جو کلمات فرمائے وہ من وعن پورے ہوئے۔

شاہ خاکسار صاحب اصل وطن بیجاپور تھا وہاں سے خلد آباد آئے۔ مجذوب تھے ارادت کا سلسلہ حضرت غوث الثقلانی سید شاہ عبد القادر محی الدین گیلانی سے بارہ واسطوں سے ملتا تھا۔ آپ کے فقر و کمال کی وجہ سے لوگ کثرت سے معتقد تھے۔ شاہ اورنگ زیب کے اوائل زمان سلطنت میں آپ نے وفات پائی اور اُسی تکیہ میں مدفون ہوئے یہ کوہستانی مقام ہے۔ خلد آباد سے ڈیڑھ میل گوشۂ جنوب و غرب میں ہے۔ یہاں صرف چھوٹے چھوٹے دو گنبد بنے ہوئے ہیں۔ شاہ خاکسار صاحب کا مزار مغربی گنبد میں ہے۔ اور دوسرے گنبد میں اُن کے بھانجے حافظ عبد الحلیم مدفون ہیں۔ اور باہر چبوترے پر دوسرے بھانجے شاہ عبد الملک صاحب کا مزار ہے جس پر گنبد بنتے بنتے رہ گیا اور بھی بہت سی قبریں یہاں ہیں۔ ایک مسجد اور باؤلی بھی یہاں ہے۔ ۲۶ رجب کو حضرت خاکسار صاحب کا عرس ہوتا ہے جس اخراجات کے لئے کچھ زمین اِن ہی پہاڑوں میں ہے اور

کچھ موضع ایس گاؤں میں ہیں ایک ٹیکری پر دو دہا دھاری صاحب کا مزار ہے مگر وہ کون بزرگ تھے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ یہہ مقام بہت پُرفضا اور چاروں طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے جو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ خصوصاً موسم بارش میں فرش مخملی دور دور تک بچھا رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ خاکسار صاحب نے وصیت کی تھی کہ بلاغسل دئے دفنانا لیکن لوگوں نے غسل دینا چاہا اور ایک انگلی دھو کر دیکھی تو خاک ہوگئی معلوم ہوا کہ آپ نے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یعنی خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی پر عمل کیا تھا اس لئے بلاغسل دئے دفن کردیا۔

خاکسار تالاب ۱۱۱۷ھ آپ کے گنبد کے شمال کی طرف ایک تالاب آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس کے تین طرف قدرتی پہاڑوں کا کٹھّہ ہے اور چوتھی طرف دیوار بنی ہوئی ہے۔ یہیں عام تالاب۔ جامن تالاب اور کورا تالاب ہیں۔ خاکسار تالاب سے۔ دو نہریں بھی نکالی گئی ہیں۔ تالاب کی شرقی حد پر یہہ کتبہ ہے۔

"اہتمام اعظم السد تا بقیامت قایم باد ۱۱۱۷ھ"

بہ لحاظ سنہ یہہ زمانہ اورنگ زیب کا ہے اور غالباً یہہ تالاب اور نہریں اسی بادشاہ کے زمانہ میں طیار ہوئی ہیں جن سے خلد آباد کے قاضی محلہ۔ چھوٹی بڑی درگاہ۔ بازار۔ سرائے کچہری بلغور۔ باغ خان جہاں باغ بنی بیگم کی آبیاری ہوتی تھی۔ تالابوں کی مرمت تو اب بھی ہوتی رہتی ہے۔

سُریا کنڈ مغربی پہاڑی پر ایک چھوٹا سا حوض سُریا کنڈ کے نام سے مشہور ہے اسی کے پاس کچھ گرے پڑے مکانوں کے بھی نشان ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہاں آبادی تھی۔

حضرت جلال گنج رواں ۶۴۴ھ حضرت سید شاہ جلال الدین گنج رواں بڑے صاحب جلال اور خاصان خدا سے تھے آپ بخارا میں پیدا ہوئے۔ خلد آباد میں سب سے پہلے بزرگ جو ۶۴۴ھ میں علاءالدین خلجی کے ہندوستان پر حملے کے چند سال پیشتر تشریف لائے آپ ہی تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے پہلے آپ آکر موضع آنا ساگر میں رہے جو دولت آباد اور روضہ کے درمیان ہے۔ آپ کی تاریخ وفات ~~۶۴۴ھ~~ متقدمین ہے آپ کا مزار شاہ خاکسار کی درگاہ سے نصف میل اور خلد آباد سے دو میل جنوب میں ہے۔ یہاں ایک مسجد اور خانقاہ اور نقارخانہ بھی ہے۔ زمین قبروں سے پٹی پڑی ہے مسجد کے متصل آپ کے بھانجے شیخ احمد اور شیخ محمود

کی قبریں ہیں اور گنبد کی شرقی دیوار سے لگی ہوئی بیرترابی آپ کے فرزند تبنیٰ کی اور دوسری قبریں ہیں گنبد کی مشرق میں ایک پتھر قبلہ رو پونے دو گز لمبا اور ایک گز چھ گرہ چوڑا نصب ہی جو ایک پتھر کی مسجد کہلاتی ہی اور مشہور ہی کہ حضرت نے پہلے یہل یہیں نماز پڑھی تھی - گنبد کی مغربی دیوار میں باہر کی طرف مسجد کے مقابل بسم اللہ الرحمن الرحیم اور نادعلی اور اُس کے بعد کلمۂ طیبہ اور اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد فی الاولین والآخرین وفی الملا الاعلیٰ الیٰ یوم الدین اور تھوڑی سی فارسی عبارت کندہ ہی - جو پڑھی نہیں جاتی - مسجد کی جنوبی دیوار میں یہ قطعہ کندہ ہی:-

. . . . روضۂ پاک و منور	کہ خاکش آبروے اہل دین است
جلال الحق کہ بحر معرفت را	زر لہائے[1] تنش موج معین است
کشایم لب پس از مدح بزرگاں	بہ اوصاف شہے کز حق امین است
. . . . اورنگ غازی	کہ بر خاک رہش مہ را جبین است
بزرّ خویش موسیٰ خاں بنا کرد	چنیں مسجد کہ بروے آفرین است
ز دل کردم طلب چوں سال و تاریخ	بیمن خلق کز طبعش متین است
پُر از جلباب مغنی زیر و بم گفت	نشانِ بے زوال کعبہ این است

سنہ ۱۰۷۱ھ

گنبد کے آگے پیچھے دو درخت ہیں جن کے پھل اکثر بے اولادی عورتیں لے جایا کرتی ہیں - ان درختوں کی نسبت مشہور ہی کہ ایک تو اُس شاخ سے لگایا گیا ہی جو کہ حضرت کے مرشد نے دی تھی اور دوسرا پہلے درخت کی قلم ہی - آپ کا عرس ۲۵ ذیقعدہ کو ہوتا ہی جس کے مصارف کے لئے مواضع سولی بیجن اور نادر آباد جاگیر ہیں - درگاہ کے باہر پہاڑی پر دولت خاں ناظر کی مسجد ہی جن کی قبر سونا باؤلی کے قریب گنبدوں میں ہی - مسجد کے شمال رخ ایک ٹیکرے پر بہت سے ویران مکان اور تہ خانے ہیں - اس ٹیکرے کے پورب میں جو زمین ہی وہ موسیٰ خانی قطعہ کہلاتا ہی - یہ موسیٰ خاں وہی ہیں جنہوں نے درگاہ کے مغرب میں مسجد تعمیر کرائی ہی - درگاہ سے کاغذی پورے اور نادر آباد تک کل زمین "یوناس نگری" کے نام سے مشہور ہی - جو ایک مہاجہ ہو گزرا ہی اس میں

---

[1] برابر پڑھا نہیں جاتا ۱۲

صدہا مکانوں کے نشانات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہاں مسلسل آبادی رہی ہوگی۔

تالاب گنج رواں درگاہ کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ عوام اس کو پریوں کا تالاب کہتے ہیں یہہ تالاب لاکھوں روپیہ کے صرفہ سے چاروں طرف گھڑے ہوئے پتھروں سے باندھا گیا ہے۔ صرف غربی جانب تھوڑے سے حصہ میں پہاڑ آگیا ہے۔ چاروں طرف سیڑھیاں ہیں۔ تالاب بہت گہرا ہے جب بھرتا ہوگا تو بے انتہا پانی جمع ہوتا ہوگا اب تو پھوٹا ہوا ہے اور سارا پانی نکل جاتا ہے۔

حضرت پیر مبارک صاحب کاررواں ۷۳۴ھ آپ حضرت برہان الدین اولیاء کے مرید تھے۔ ۵ رشوال ۷۳۴ھ میں وفات پائی۔ کاغذی پورے کے غرب میں سات آٹھ سو گز کے فاصلہ پر اور شاہ جلال الدین صاحب کی درگاہ سے آدھے میل پر آپ کا مزار ہے۔ قبر کا احاطہ ہے۔ یہیں لاڈلے صاحب انصاری کی بھی خام قبر ہے۔

حاجی نظام صاحب پیش امام آپ کا مزار کاغذی پورہ میں لب سڑک ہے اس سے زیادہ آپ کے حالات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ چودہ سو اولیاء کے پیش امام تھے اور حضرت شاہ منتجب الدین اور برہان الدین صاحب غریب جیسے بزرگ آپ کے مقتدی تھے تو آپ کیسے کچھ باخدا نفس قدسی ہوں گے۔ آپ کی قبر پر گنبد اور احاطہ ہے اور بہ جانب مغرب اُسی زمانے کی مسجد بنی ہوئی ہے جس کی مرمت حال میں ہوئی ہے مگر ناقدردانوں نے کتبہ نکال کر الگ ڈال دیا وہ یہہ ہے۔

بنا شد این مسجد در عہد خلافت خداوند دارائے زمین برگزیدہ رب العالمین المؤید بتائید الرحمن ابوالمجاہد محمد بن تغلق شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ بہ فرمائش بندہ درگاہ ملک الامراء اختیار الدولہ والدین الغ اعظم قتلی سلطان المخاطب بہ نصیر الملک ادام اللہ دولتہ فی رابع عشرین ربیع الاول ستہ ثلثین وسبع مائتہ۔

۷۳۶ھ

۴۴

درگاہ کے دروازے پر نقارخانہ ہے جس پر نوبت جھڑتی ہے۔ کاغذی پورے میں علاوہ حاجی صاحب

اور بہت سے بزرگوں کے مزار ہیں جو برہان الدین غریب کے ہمراہی تھے اُن کے نام نامی یہ ہیں

	تاریخ عرس	مدفن
(۱) سید کامل صاحب	×	متصل حوض زنبور
(۲) سید کالے	۱۲ ربیع الثانی	لب سڑک
(۳) اُستاد وزیر	۱۶ شعبان	قصاب واڑہ
(۴) پیر بالک	۲۴ ربیع الثانی	بازار
(۵) موسیٰ سیلانی	۱۴ محرم	زیر درخت املی
(۶) حاجی چندو	۳ ربیع الثانی	لب سڑک گنبد خورد
(۷) سید جلال الدین بخاری	〃	متصل گنبد حاجی چندو صاحب
(۸) سید امام	۲۴ 〃 〃	بڑ کے درخت کے پاس
(۹) علی ولی	〃 〃	بڑ کے درخت کے نیچے
(۱۰) دولت شاہ درباری	〃 〃	اندرون حصار برراستہ قدیم دولت آباد
(۱۱) حافظ جمال	〃 〃	چبوترہ سنگ بستہ 〃 〃
(۱۲) شاہ کھڑک	〃 〃	زیر سلامی گھاٹی
(۱۳) پیر غرق	〃 〃	〃 〃
(۱۴) شاہ نور محرابی	〃 〃	تالاب سلطان گرواہ

غلام علی آزاد بلگرامی ۱۲۰۰ھ

۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں بمقام مدن پور بلگرام صوبہ اودھ پیدا ہوئے ان کا نسب حضرت عیسیٰ موتم الاشبال بن زید شہید بن حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ایک جگہ خود فرماتے ہیں :-

گرچہ باشد موتم الاشبال[۱] عیسیٰ جد من عیسیٰ جاں بخش شیر انم بامداد نفس

ذی علم اور فارغ التحصیل تھے۔ آپ کے تبحر علمی کی شہرت دور دور دیار و امصار عرب و مصر میں تھی۔ ہند میں آپ نے اکتساب علم میر ابوالجلیل سلسبیل سے کیا اور علم ادب میر سید محمد سے

[۱] شیر کے بچوں کا یتیم کرنے والا یعنی کہ عیسیٰ ابن زید شیر کے بڑے شکاری تھے اس لئے یہ لقب پڑ گیا۔ ۱۲

قرآن شریف شیخ محمد حیات سے۔ فصاحت و بلاغت کا اکتساب محمد اسلم سلیم اور شیخ سعد اللہ گلشن آبادی سے کیا۔ مراۃ الخیال میں شیر خاں لودھی نے لکھا ہے کہ آپ آزاد حسینی الواسطی بلگرامی کے نام سے مشہور تھے۔ پہلے ملازمت کی غرض سے دہلی گئے دو سال بعد واپس چلے آئے دوسری بار سیستان گئے اور ۱۱۴۷ھ میں لاہور اور الہ آباد ہوتے ہوئے بلگرام آ گئے۔ ۱۱۵۰ھ میں حج کیا اور مدینۂ منورہ میں مولینا محمد حیات السندی المدنی الحنفی سے صحیح بخاری اور صحاح پڑھیں اور سند حاصل کی اور مکہ معظمہ میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی المصری الملکی سے فوائد علم حاصل کر کے ۱۱۵۴ھ میں بندر سورت سے دکن میں آئے اور اورنگ آباد میں رہ پڑے اور انتقال کے بعد خلد آباد میں میر حسن اعلاء سنجری کے مزار کے گوشہ غرب وجنوب کے ایک حجرہ میں دفن کئے گئے۔ خلاصۃ الافکار میں لکھا ہے کہ آپ بڑے پایہ کے شاعر تھے۔ آپ کی نظم و نثر دونوں نہایت بلند پایہ کی تھیں۔ اشعار مبالغہ اور بیہودہ خیالات سے پاک اور عمدہ تشبیہات اور دل چسپ استعارات سے مملو تھے۔ عربی کے بھی کئی دیوان ہیں۔ فارسی کا ضخیم دیوان موجود ہے۔ غزلان الہند۔ شرح قطعات نعمت خان عالی روضۃ الاولیاء حالات بزرگان خلد آباد میں آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ آزاد نے تین تذکرے ید بیضا۔ سرو آزاد خزانۂ عامرہ ۱۱۷۶ھ میں لکھے ہیں۔ آپ برابر سات سال تک شاہ عالم کے دربار میں فارسی و عربی تصانیف میں مصروف تھے۔ ہم عصروں اور دربار میں آپ بڑی عزت و توقیر سے دیکھے جاتے تھے۔ نواب آصفجاہ کے صاحبزادوں سے آپ کا گہرا دوستانہ تھا۔ آزاد کا انتقال سنہ ۱۲۰۰ھ میں ہوا۔

نمونۂ کلام

برآر از ید بسم اللہ تیغ خوش مقالی را ۔۔۔ مسخر کن سواد اعظم نازک خیالی را
خیال نازک از جوش نزاکت راز دل باشد ۔۔۔ نباشد جز کرامت فہم کردن فکر عالی را
چوں آن زلفے کہ بعد از شانہ کردن یار بر بندد ۔۔۔ بجمعیت رساند حیر من آشفتہ حالی را
نگاہے ہست چشم یار را با چشم گریانم ۔۔۔ کہ مستاں دوست میدارند ابر برشگالی را
چہ روح افزاست آب زندگی در حالت طفلی ۔۔۔ کہ باشد یک دو روزے بوے خوش ظرف سفالی را

زچشم انتظار خاکساران نقش گل دارد بیاد کوئے جاناں داغ دارد فرش قالی را

دل ویرانۂ آزاد را آباد کن یارب
پریزادے کرم فرمائے ایں مینائے خالی را

رباعی

ای پرتو جلوۂ تو آثار وجود ممنون تو انچہ ہست در غیب شہود
ذاتِ تو غفور محض و من جملہ گناہ تقصیر معاف عفو باید فرمود

دیگر

سلطان رسل شمع شبستانِ یقیں پروانۂ او چراغ ماہ و پرویں
نخل قد او دریں چمن سایہ فگند برفرق جہانیاں نہ بر روے زمیں

دیگر

ہر چند نہ برگے نہ نوائے دارم در زاویۂ خمول جائے دارم
اما ز محبت رسول الثقلین در سینہ بہشت دلکشائے دارم

دیگر

دوشینہ بخواب حشر دیدم برپا دربانِ ارم ستادہ در دست عصا
رفتم کہ اجازت طلبم گفت کہ گفتم کہ غلام علی ام گفت بیا

قطعہ

ای صبا رو بزار پسر عمّ نبی خاک آں روضۂ کم از عنبر ترنشاسی
کردہ ام خوب تماشا چمنِ طایف را زسد ہیچ گلِ او بہ گل عباسی

(گیارہواں ضمیمہ) قلعہ دولت آباد

دولت آباد اورنگ آباد سے شمال و مغرب میں نو میل پر واقع ہی جو حیدر آباد گوداوری ویلی ریلوے کا اسٹیشن مناڑ سے (۶۳) اور حیدر آباد سے (۳۰۹) میل ہی - قلعہ جس پہاڑی سلسلہ پر واقع ہی وہ خانہ پور سے دولت آباد اور جالنہ تک پھیلا ہوا ہی - ان پہاڑوں کے نام ماہولی - کنگورہ اور کنڈاری مشہور ہیں - یہ پہاڑ دودنا[۵۱] ندی کی وادی میں واقع ہیں - مغربی حصہ پہاڑوں کا سب سے زیادہ بلند ہی جو (۲۳۰۰) فیٹ سے لے کر (۲۴۰۰) فیٹ تک سطح سمندر سے اونچا ہی اور سطح زمین سے پانسو سے چھ سو فیٹ بلند ہی - مشرقی سمت میں جالنہ کی طرف اس سلسلہ کی بلندی سطح ارضی سے صرف سو ڈیڑھ سو فیٹ ہی رہ گئی ہے - دولت آباد کے پہاڑ کی بلندی (۳۰۲۲) فیٹ ہی اور اورنگ آباد سے (۷۸۶) فیٹ اور سطح زمین سے (۶۷۴) فیٹ بلند ہی - اس کا قدیم نام دیوگڑھ یا دیوگیری تھا - سب سے پہلے ۱۲۹۵ء میں مسلمانوں نے قلعہ فتح کیا اور ۱۳۱۲ء میں مستقل طور پر مسلمانوں کی سلطنت میں شریک ہوا - ۱۳۲۱ء میں نصیر الدین کو امیر غازی الملک نے قتل کیا اور خود تخت پر بیٹھ کر سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کا خطاب لیا - ۱۳۲۲ء میں بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے محمد فخر الدین جونا کو جو الغ خاں کے نام سے مشہور ہی ورنگل بھجوایا راستہ میں دیوگڑھ سے کچھ اور فوج شامل ہو کر مہم پر روانہ ہوئے - مگر ایک طول طویل محاصرے کے بعد ناکام واپس آنا پڑا اور شاہزادہ تین ہزار سوار لے کر پھر دیوگڑھ واپس آیا - دوسرے سال دہلی سے تازہ دم لشکر کی امداد آئی اور پھر شاہزادہ ملک تلنگانہ کی مہم پر روانہ ہوا - بیدر اور ورنگل

[۵۱] - کنگورا پہاڑ سے موضع کام کھیڑے کے پاس نکلی ہی اور (۱۱۵) میل ٹیڑھا میڑھا راستہ طی کرنے کے بعد پربھنی ضلع میں چلی گئی ہی - بالآخر پورنا ندی میں جاکر ملتی ہی اور پورنا گوداوری میں گرتی ہی - ۱۲

فتح ہوا اور راجہ لدّر دیو کو قید کرکے دہلی بھیج دیا جو دہلی پونہچ کر چھوڑ دیا گیا ۱۳۲۴ء میں بادشاہ دہلی میں اپنی جگہ الغ خاں کو چھوڑکر خود لکھنوتی گیا ۱۳۲۵ء میں بادشاہ ایک خیمہ کے نیچے دب کر مرگیا اور الغ خاں سلطان محمد بن تغلق شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا اس نے دہلی سے دیوگڑھ دار السلطنت تبدیل کرنی چاہی جو ہندوستان کے وسط میں تھا اور یہ خیال کچھ بے جا نہ تھا لیکن یہ کام کچھ آسان بھی نہ تھا لوگوں کو ازحد صعوبت و تکالیف کا سامنا تھا لہذا یہ قصد ملتوی کیا گیا۔ ۱۳۳۸ء میں بادشاہ کے بھتیجے بہاؤالدین نے بغاوت کی خواجہ جہاں اور دوسرے امرا اس کی سرکوبی کو روانہ کئے گئے عساکر سلطانی دیوگڑھ میں آئے اور بہاؤالدین کو ملک کرناٹک میں بھاگنا پڑا آخرکار بہاؤالدین کو بیلا دیو نے حوالہ کردیا اور نہایت سختی سے قتل کیا گیا۔ اسی سال بادشاہ خود دیوگڑھ آیا اور تمام لوگوں کو دہلی سے دولت آباد آنے کا حکم دیا اور دیوگڑھ سے دولت آباد نام رکھا۔ اگرچہ بادشاہ نہایت سیرچشمی سے لوگوں کی مدد کرتا تھا لیکن پھر بھی دہلی چھوڑنا لوگوں کے لئے سخت مشکل تھا بہت سے راستے ہی میں مرا گئے جو پونہچے وہ یہاں آن کر مرنے لگے آخرکار بادشاہ نے واپسی کی اجازت دی مگر دو برس بعد پھر بہت سختی سے[ف] دولت آباد جانے کا حکم دیا کہ جو نہ جائے گا وہ جان سے مارا جائے گا

ف - ٹیونز سیاح لکھتا ہے کہ سنہ ۱۳۳۰ء میں اس حصہ ملک پر ایک ایسے بادشاہ سلطان محمد تغلق کی حکومت تھی کہ جس سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ یہ دہلی کا بادشاہ تھا جو اپنے لشکر کے زور پر کئی سال تک ملک گجرات میں لڑتا رہا اور ملک گجرات کو جو کیمبے کے تحت تھا فتح کرلیا اور آخرکار خود اس پر قابض ہوگیا۔ اس کے بعد بادشاہ دہلی نے ازبالائے بالاگھاٹ و بیجانگر پر چڑھائی کی۔ بادشاہ کے ہنود بہت معتقد تھے اور اسے ولی سمجھتے تھے۔ ہنود کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ عبادت الٰہی میں مشغول تھا کہ چار ہاتھ نمودار ہوئے جنھوں نے آسمان پر سے اس پر پھول برسائے اس نے بہت سے ملک فتح کئے تھے اس کی حکومت میں بہت بڑا حصہ ملک کا تھا۔ اس نے بہت سے بادشاہوں کو اپنا مطیع کرلیا تھا بہتوں کو قتل کیا اور ان کی کھالیں کھچوا کر اپنے ساتھ لے گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے کھال کھچوانے والے بادشاہ کا خطاب دے رکھا تھا۔ اس بادشاہ کے عجیب وغریب قصے مشہور ہیں۔ ایک دن بادشاہ لباس بدل رہا تھا کہ بند کھڑکی میں سے آفتاب کی شعاع اندر آپڑی اس پر وہ برافروختہ ہوا اور کہا کہ

اور بے انتہا سختی سے اپنے حکم کی تعمیل کرائی اس طرح دوبارہ ۱۳۴۱ء میں بادشاہ دولت آباد کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵ - یہ کون ہے جس کی اتنی بڑی جرات ہوئی کہ میری خلوت گاہ میں گھس آیا۔ میں اسے ضرور مار کر رہوں گا - ہر چند امرا نے عرض کی کہ خداوند نعمت وہ آفتاب کی شعاع تھی - آفتاب وہ چیز ہے کہ جس سے ہم سب کی زندگی ہے اور آفتاب خدا کا بنایا ہوا آسمان میں ہے اسے کس طرح نقصان پونہچایا جاسکتا ہے لیکن بادشاہ نے ایک نہ سنی اور لشکر کی طیاری کا حکم دیا اور کہا کہ میں ضرور اپنے دشمن کے پیچھے جاؤں گا اور اس نے ایسا ہی کیا کہ ایک جم غفیر لشکر کا لے کر نکلا - لشکر کی کثرت سے اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ آسمان کا نورانی چہرہ دھندلا پڑ گیا تب لوگوں نے عرض کی کہ اب تو بادشاہ کی لشکر کشی سے آفتاب روپوش ہو گیا جب کہیں بادشاہ کو سکون ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں میں نے آفتاب کو بھگا دیا تب لشکر لے کر پلٹا - اور دوسرے ایسے ہی فوق العادت حالات اس بادشاہ کے بیان کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی وہ بڑے مرتبے کا بادشاہ تھا مثلاً جب وہ ساحل کیرومنڈل پر تھا تو اسے خبر ملی کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جہاں زمین سونے کی ہے اور پہاڑ پتھر جواہرات کے اس جزیرے میں ایک مندر ہے جہاں آسمان سے فرشتے اُترتے ہیں - بادشاہ نے سنتے ہی چاہا کہ جس طرح بن پڑے اس پر قبضہ کرنا چاہیئے اُس نے وہاں پونہچنے کا ارادہ کیا مگر اس کے پاس اس قدر جہاز کہاں تھے جو اتنے بڑے لشکر کو اتار سکتا تو اُس نے لاکھوں چھکڑے مٹی اور پتھر کے سمندر میں ڈلوانے شروع کئے کہ میں سمندر کو پاٹ کر اُتر جاؤں گا اور لگاتار کوشش سے یہاں تک ہوا کہ بارہ یا پندرہ لیگ تک رستہ بن گیا (محمد تغلق کے حالات اور اس سے پیشتر کا پرانا قصہ راجہ رام چندر کے پل بنانے کا جو اُس نے بندروں کے لشکر سے بنوایا تھا دونوں قریب قریب ایک ہی معلوم ہوتے ہیں اسی پل کو مسلمان لوگ آدم کا پُل بھی کہتے ہیں) اور بادشاہ جزیرہ سیلاؤ (سیلون لنکا) تک پونہچ گیا - اس بند کو کئی سال کے بعد سمندر نے کاٹ دیا اور اسی کے باقی ماندہ حصے میں سیلاؤ کے مچھلی پکڑنے کا اگلا حصہ ہے - جب ملک نائب (بادشاہ کے سپہ سالار نے) دیکھا کہ خواہ مخواہ اس ناممکن العمل کام پر کتنی محنت برباد ہو رہی ہے تو اُس نے دو بڑے بڑے جہاز طیار کرائے اور اُن میں سونا اور جواہرات لدوا کر جزیرے کے راجہ کے نام سے بادشاہ کے پاس بھجوائے اور راجہ کی طرف سے اطاعت و فرماں برداری کا قول و قرار کہلا بھیجا کہ کسی طرح اس بلا سے نجات ملے تب خدا خدا کر کے

آیا- یہاں ایک سخت قحط پڑا ہوا تھا اس لئے بادشاہ نے بہت سا لشکر خواجہ جہاں کو دے کر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۶ - بادشاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا- تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اُس زمانے کے ہم عصر لکھتے ہیں کہ محمد تغلق ایک نادر روزگار شخص تھا وہ بڑا فیاض اور حاتم دل تھا خصوصاً اہل ہنر کی بڑی قدر کرتا تھا اُس نے مریضوں کے لئے جا بجا شفاخانے اور بیواؤں اور یتیموں کے لئے خیرات خانے کھول دئے تھے - اپنے زمانے کا بڑا فصیح البیان اور لائق بادشاہ تھا - اس کو بہت سے علوم میں دستگاہ تھی- منطق - علم ہیئت ریاضیات - فلسفۂ یونان - سب میں ماہر تھا اور اپنے مذہبی فرائض کا سختی سے پابند تھا- لیکن باایں ہمہ صفات حسنہ اس کے دل میں رحم نام کو نہ تھا نہ کسی کا پاس خاطر تھا- سزا دینے میں بہت ہی سخت بلکہ سنگدل تھا اور اکثر بے انصافی کر بیٹھتا تھا- بندگانِ خدا کا خون بہانا اس کے نزدیک کچھ بات نہ تھی اور جب کبھی اس پر تُل جاتا تھا تو ایسا معلوم دیتا تھا کہ اب نسل انسان کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گا- کوئی ہفتہ خالی نہ جاتا تھا کہ ایک نہ ایک عالم یا مقدس شخص یا اس کے معتمدین اور مصاحبین میں سے کسی نہ کسی کی گردن نہ ماری جاتی ہو - اگر کوئی ذرا سی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف ہو جاتی تھی تو فوراً اُس کی طبیعت ہاتھ سے جاتی رہتی تھی اور بھڑک اُٹھتا تھا اور پھر جو دل میں آتا تھا کر بیٹھتا تھا- اس کا مزاج بالکل وہمی تھا اور اپنے خیال کا وہمی بندہ تھا - امراء کو بہت داد دہش بھی کرتا تھا یہاں تک کہ بعض دفعہ ایک ایک دن میں ساڑھے سات لاکھ روپئے تک دے دئے ہیں مغلوں نے جب چڑھائی کی تھی تو اس بادشاہ نے اُن سے لڑائی نہیں کی بلکہ بے شمار دولت دے کر اُن کو ہموار کر لیا- اس کے تھوڑے دنوں بعد فارس پر چڑھائی کے لئے تین لاکھ ستر ہزار سواروں کا لشکر طیار کیا- لیکن نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوا کہ ان لوگوں کو تنخواہ نہ ملنے سے اُنھوں نے لوٹ مار شروع کی اور ملک کو لوٹ ڈالا پھر چین پر حملے کا ارادہ کیا اور ایک لاکھ فوج کوہِ ہمالیہ کی طرف بھیج دی جہاں سب کے سب ہلاک ہو گئے جو اس مہم سے بچ کر آئے انھیں بادشاہ نے مروا ڈالا اس کی یادگار میں محمد تغلق نے اس جگہ پر ایک بڑا مندر بنوا دیا جو اب تک وہاں موجود ہے اور جاترا کا ایک بڑا مقام شمار کیا جاتا ہے- محمد تغلق نے ملک گجرات فتح کر لیا- بنگال میں بھی لڑائی کی اور ترکوں سے شیخ اسمعیل (جس کا عروج ملک فارس میں سولھویں صدی کے اوائل میں ہوا ہے- باربوسا نے جو ۱۵۱۴ء میں ہندوستان میں تھا اور جس نے اپنے وقایع ۱۵۱۶ء میں لکھے ہیں اس کو اپنا ہم عصر لکھا ہے- اس نے مشرقی حصہ ملک فارس کا فتح کر کے مذہب شیعہ کی بنیاد ڈالی تھی وہ مسلمان اور نوعمر شخص

دہلی واپس کردیا اور خود مشرقی ساحل ہند کی طرف بڑھا لیکن ورنگل پہنچ کر لشکر میں سخت وبا پھیلی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷- تھا مگر خاندان شاہی سے نہ تھا) یعنی ملک فارس سے لڑائی ہوئی- محمد تغلق کے اوائل زمانۂ سلطنت میں مغلوں کی ایک کثیر جماعت نے پنجاب پر حملہ کیا اور بڑھتے بڑھتے دہلی تک پہنچ گئے بادشاہ دہلی نے ان کو بہت سا روپیہ دے کر ہموار کرلیا- صوبۂ بنگالہ کے متعلق یہ ہے کہ محمد تغلق کی سلطنت سے پہلے ہی وہ فتح ہوگیا تھا لیکن پھر کچھ سرکشی کی تھی اور دوبارہ مغلوب کیا گیا تھا اس کے زمانے میں غیاث الدین بہادر نے جو بادشاہ دہلی کا صوبہ تھا پھر اسے فتح کیا جو تھوڑے ہی دنوں بعد خود مختار بن گیا اور بہادر شاہ کا خطاب لے کر اپنا سکہ جاری کردیا- ۱۳۲۷ء م ۷۲۸ھ کے سکوں میں ملک بنگال کا بادشاہ دہلی کے تحت میں ہونا درج ہے مگر دو ہی سال بعد خود مختار بادشاہ کا سکہ چلا دیا لیکن پھر ۱۳۳۳ء میں محمد تغلق نے اپنا سکہ ملک بنگال میں جاری کیا اور باغی سردار پر چڑھائی کی- بادشاہ نے اسے شکست دے کر گرفتار کرلیا اور زندہ کھال کھچوا کر اس میں بھس بھروا کر سارے صوبے میں پھروایا تاکہ ایسے خود سر صوبہ داروں کا انجام معلوم ہو کہ جو خود مالک بن بیٹھتے ہیں- ۱۳۴۷ء میں محمد تغلق نے گجرات کو فتح کیا- پھر دکن کا قصد کیا اور دوارا استدام- ملیبار اور آناگندی کو جس کا نام کمپیلا تھا اور ورنگل کو فتح کرلیا- اس بادشاہ نے دولت جمع کرنے کی غرض سے ایک کم قیمت سکہ تانبے کا بعوض سونے کے ملک میں رواج دیا تھا لیکن اس سے ساکھ جاتی رہی اور تجارت بالکل ڈوب گئی- جب اس طریقے میں ناکامیابی ہوئی تو خزانہ بھرنے کے لئے اس نے بڑے بڑے بھاری محصول لگا کر زراعت کو برباد کیا- کاشتکار زراعت کا کاروبار چھوڑ کر لوٹ مار پر پل پڑے جس سے ملک تباہ و ویران ہوگیا اور رعایا برایا تمام مفلس و قلاش ہوگئی اور بھوکوں مرنے لگی- بادشاہ نے انسان کی اتنی بھی پروا نہ کی کہ جتنی کہ کیڑے کی کرتے ہیں اور رہے سہے لوگوں کو بھی اجاڑ دیا- جب کسی حصۂ ملک کی رعایا نے سخت اور جابرانہ مطالبات شاہی کے دینے سے اپنا عجز ظاہر کیا تو فوراً بادشاہ ان پر فوج کو اس طرح بھیج دیتا تھا جیسے کوئی شکار پر جاتا ہے- وہ لوگ حلقہ ڈال کر جانوروں کی طرح آدمیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیتے تھے اور پھر سب کو بلا امتیاز احدے تہ تیغ کر ڈالتے تھے ایسے واقعات ایک دفعہ نہیں بارہا پیش آئے اور ایک دفعہ اس نے ہنود کے قدیم شہر قنوج میں قتل عام کروادیا جس کی وجہ سے قحط پڑ گیا اور بے چارے ہنود کو ناگفتہ بہ مصائب کا سامنا ہوا جس کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے- جب بادشاہ دیوگیری (دولت آباد) سے پلٹا تو اس کا ایک دانت گر گیا تھا جس کے لئے

بادشاہ خود بھی بیمار ہو گیا ناچار دولت آباد واپس آنا پڑا۔ آتے آتے بادشاہ نے راستہ میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸۔ اُس نے ایک مقبرہ بیڑ مقام پر بنوا دیا جو اب تک موجود ہے۔ لیکن سب سے زیادہ مظالم کی مثال قتل باشندگان دہلی کی ہے۔ بادشاہ نے بجائے دہلی کے دیوگیری کو پایۂ تخت مقرر کرنا چاہا اور اسی نے اس مقام کا نام دولت آباد رکھا ان دونوں مقاموں میں چھ سو میل کا فصل ہے بادشاہ نے ایک حکم عام دے دیا کہ سب باشندے دہلی سے دیوگیری چلے جائیں اور لوگوں کے جلا وطن ہونے سے پہلے تمام بڑے بڑے درخت اکھڑوا کر اس نئے رستے پر اس سرے سے اُس سرے تک لگوا دیئے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ سب کو دلی چھوڑنی پڑی۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ اس زمانے میں سڑکیں نہ تھیں اور رستہ کوہ بندھیاچل اور گھنے جنگلوں میں سے تھا۔ جہاں غذا اور پانی میسر نہ ہوتا تھا نہ اِن لوگوں کے لئے جو وہاں پونہچ چکے تھے نئے شہر میں رہنے کے مکانات موجود تھے بہت سے آدمی بڈھے اور عورتیں اور بچے تو رستے کی صعوبت کی تاب نہ لا کر وہاں پونہچنے بھی نہ پائے تھے کہ مر گئے۔ آخر کار بادشاہ نے اُن لوگوں کو جو گرتے پڑتے وہاں پونہچ گئے تھے دہلی واپس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ ابن بطوطہ اس قیامت نما واقعے کے وقت موجود تھا اور اُس نے چشم دید یہ واقعات لکھے ہیں۔ بادشاہ نے تمام باشندگان دہلی کو شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا لیکن جب معلوم ہوا کہ لوگ پس و پیش کر رہے ہیں تو منادی کرا دی کہ اگر کوئی شخص شہر میں مکانات میں یا گلیوں میں ملے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس حکم پر سب نکل کھڑے ہوئے لیکن جاسوسوں نے آکر دیکھا تو صرف ایک اندھا آدمی اور ایک فریش مریض دو مکانوں میں نظر پڑے۔ بادشاہ نے بیمار کو تو سولی چڑھوا دی اور اندھے کو حکم دیا کہ اس کو اس کے پاؤں سے گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ۔ جا بجا اُس کے ہاتھ پاؤں زخمی ہو کر جھڑ گئے صرف ایک ٹانگ دولت آباد تک پونہچی کیوں کہ حکم یہی تھا کہ دولت آباد پونہچاؤ اور اس کی تعمیل ضرور تھی۔ جب ابن بطوطہ دہلی پونہچا تو وہاں کوئی متنفس باقی نہ تھا اور بالکل سناٹا اور ویرانہ تھا" اس بادشاہ کا کچھ عجب وہمی مزاج تھا تھوڑے دنوں کے بعد اُس نے دوسرے مقامات کے لوگوں کو حکم دیا کہ دلی میں جا کر بسیں لیکن ایک دفعہ شہر اُجڑ چکا تھا پھر نہ پنپ سکا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جب بادشاہ شہر کو اُجاڑ چکا تو اُس نے اپنے محل کے کوٹھے پر چڑھ کر دیکھا تو سارا شہر خالی پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا آگ یا دھوئیں کا کہیں نام نہ تھا تب بادشاہ نے کہا "ہاں اب میرے

ایک دانت نکلوایا۔ جس کو بڑی دھوم دھام سے ایک مقبرہ بنوا کر بیڑ میں دفن کرایا۔ بیٹن مقام

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۹ - دل کو اطمینان ہوا اور میری خواہش پوری ہوئی" ابن بطوطہ اس دربار کا ایک ممبر رہا تب اور اسے بہت سے حالات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ لکھتا ہے کہ "سلطان محمد تغلق کی دو عادتیں بہت راسخ تھیں - ایک تو داد و دہش اور دوسری خوں ریزی - دربار میں روز دیکھا جاتا تھا کہ فقیر جس کو چیتھڑے لگے ہوئے تھے آن کی آن میں امیر بن گیا یا یہ کہ کسی بدنصیب کے قتل کا حکم ہوا - بادشاہی فیاضی اور بہادری اور عجز میں کے ساتھ اس کی بے رحمی اور سنگدلی کے افسانے زبان زد خاص و عام تھے قطع نظر ان امور کے وہ بہت منکسر المزاج اور نصفت پسند تھا اور فرائض مذہبی اور نماز کا سختی سے پابند تھا اور تارک الصلوۃ کو سخت سزا دیتا تھا اس کی تمام عادات میں فیاضی سب سے بڑھی ہوئی صفت تھی - جو قتل کیا جاتا تھا اُس کی نعش محل شاہی کے دروازے پر رکھی رہتی تھی - ایک دن محل کی طرف گیا تو میرا گھوڑا بدک گیا میں نے دیکھا تو میرے سامنے ہی زمین پر ایک سفید ڈھیر پڑا تھا - میں نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے تو لوگوں نے کہا کہ آدمی کی نعش ہے جس کے تین ٹکڑے کر دئے گئے تھے - دربار عام میں ہر روز سیکڑوں آدمی پابہ زنجیر سامنے لائے جاتے تھے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں جکڑے رہتے تھے اور دونوں پاؤں بھی بندھے ہوتے تھے - بعضوں کو قتل کیا جاتا تھا اور بعضوں پر مار پڑتی تھی اور طرح طرح کے عذاب دئے جاتے تھے" یہ شخص متضاد صفات کا آدمی تھا - خیرات اور داد و دہش اور پابندی مذہب کے ساتھ اس میں خوں ریزی کی عادت بد اور آدمیوں کے مروا ڈالنے کی خواہش ایک عجیب و غریب ترکیب تھی جو کچھ سمجھ میں نہیں آتی اسی لئے ہندو اسے انسان فوق العادت سمجھتے تھے کہ بظاہر ولی تھا مگر دل شیطان کا رکھتا تھا یا ایک شیطان مجسم تھا مگر ولی کی روح اس میں حلول کر گئی تھی - یہی وجہ ہے کہ سلطان محمد تغلق کے متعلق زمانہ مابعد میں انواع و اقسام کے خرق عادات مشہور ہو گئے ہیں اور جب دیکھو ایک نئی روایت اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے - اس بادشاہ کو ہندوؤں سے سخت نفرت تھی - تمام فوجی اور سول کے عہدے افغانوں کو دے رکھے تھے جو ہندوؤں کی زبان نہ جاننے کے علاوہ ان سے نفرت بھی کرتے تھے - خاندان تغلق کی سلطنت سنہ ۱۲۰۶ء سے سنہ ۱۵۲۶ء تک رہی - اس میں آٹھ بادشاہ ہوئے محمد تغلق نے سنہ ۱۳۲۵ء سے سنہ ۱۳۵۱ء تک بادشاہت کی - اس بادشاہ نے ۲۱ شوال سنہ ۷۵۲ھ میں انتقال فرمایا -

پر بادشاہ نے نصرت خاں کو بیدر کا اور قتلغ خاں اپنے اُستاد کو ملک مرہٹواڑی کا گورنر مقرر کیا
بادشاہ ابھی تک بیمار تھا ۱۳۴۱ء میں دہلی واپس ہوا اور دوسرے لوگوں کو بھی واپسی کی اجازت
دی۔ اس زمانہ کا حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دولت آباد دہلی کے برابر تھا اور چالیس
دن میں دہلی سے دولت آباد پہنچتے تھے۔ سڑک کے دو رویہ سایہ دار درخت تھے اور
ہر ہر منزل پر شاہی محل اور مسافروں کے لئے سرائیں بنی ہوئی تھیں جہاں ہر قسم کی اشیائے
مایحتاج ملتی تھیں۔ سلطان محمد تغلق نے متعدد عالی شان عمارات دولت آباد میں بنوائیں اور
فصیل کے اطراف ایک عمیق خندق کھدوائی۔ شیخ مبارک لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے
دولت آباد کو "کعبۃ الاسلام" کا نام بھی دیا تھا۔ چوں کہ دکن میں سخت قحط تھا لوگ تاب
نہ لاسکے اور چوطرف بلوہ کردیا۔ نصرت خاں بیدر میں باغی ہوگیا جو گرفتار رہوا۔ ذوالفقار خاں
کے بھتیجا علی شاہ کو دولت آباد سے گلبرگہ کی تحصیل کرنے کو بھیجا گیا اس نے بیرم خاں سردار
گلبرگہ اور نائب بیدر دونوں کو قتل کر ڈالا ناچار قتلغ خاں خود دولت آباد سے علی شاہ کے
مقابلے کو چلا اور اُسے شکست دے کر قید کرلیا۔ ۱۳۴۴ء میں راجگان ملک تلنگانہ و کرناٹک
نے ایلکار کے سوائے دولت آباد کے مسلمانوں کو سب جگہ سے نکال باہر کیا۔ ادھر یہ خرابی
ہوئی کہ قتلغ خاں نے دغابازی شروع کی۔ ۱۳۴۶ء بادشاہ نے اسے معزول کرکے عین الملک
کو دولت آباد کا گورنر مقرر کیا اس نے بھی آن کر بغاوت کی لیکن شکست پائی اور خطا بھی
معاف کی گئی۔ اس کے بعد مولینا نظام الدین جو قتلغ خاں کا بھائی تھا ملک دکن کا
گورنر مقرر ہوا اس نے جدید نظم و نسق پھیلایا اور چار صوبے اور ساٹھ ساٹھ میل مربع کا ایک
ایک ضلع ایک ایک شق دار کے تحت مقرر کیا اس طرح قریب سو شقداروں کے
مقرر ہوئے اور قریب ستر لاکھ سالانہ کے مصارف زیادہ ہوئے جس کی وجہ سے آمدنی
میں بھی معتدبہ اضافہ ہوا۔ بادشاہ نے اپنے داماد عماد الملک کو برار کا گورنر مقرر کرکے
ایک بڑا لشکر بھی بھیجا جس کا مستقر ایلچپور تھا۔ یہ بھی حکم بھیجا کہ قتلغ خاں نے جو خزانہ جمع کیا ہے اور
راستہ مخدوش ہونے سے دہلی نہیں بھیجا جاسکا وہ قلعہ دولت آباد میں بہ حفاظت رکھا جائے
مطالبہ جات کی سختی کی وجہ سے گجرات اور دولت آباد کے لوگ بددل ہوگئے اور بغاوت

کر بیٹھے۔ محمد تغلق خود گجرات گیا اور مجد الملک اور لسپیر تھانیسری دو شخصوں کو ہنگامہ فرو کرنے کے لئے دولت آباد بھجوایا اور اسی طرح ایک شخص عزیز نامی جو ذات کا چمار تھا بیدر بھیجا گیا۔ یہہ لوگ پنچ ذات کے تھے ان کی سختیوں سے لوگ اور بھڑک گئے۔ گجرات کا بلوہ ۱۳۴۷ء میں بادشاہ کے خود جانے سے فرو ہوگیا لیکن بعض باغی مغل امراء کی پناہ میں دولت آباد بھاگ گئے۔ بادشاہ نے نظام الدین کو حکم دیا کہ پندرہ سو سوار مع چند امراء کے فوراً دولت آباد بھیجے جائیں بظاہر تو یہ لوگ امداد بھیجے جاتے تھے مگر درپردہ مقصود یہ تھا کہ وہاں پہنچ کر ان کو بھی قید کر لیا جائے لیکن پہلی ہی منزل پر یہہ راز فاش ہوگیا امیروں نے محافظین کو قتل کیا اور دولت آباد پہنچ کر نظام الدین کو قید کر لیا اور مجد الملک اور لسپیر تھانیسری دونوں کے سر قلم کر لئے اور قلعہ کے خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان امراء نے اپنی طرف سے اسمٰعیل خاں کو تخت پر بٹھلایا ہندو راجاؤں نے بھی سر اطاعت خم کیا اس طرح ملک دکن میں ایک عام بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ محمد تغلق بڑا جری بادشاہ تھا وہ خود دولت آباد پہنچا اور سب باغیوں کو مغلوب کر کے ان کے سردار اسمٰعیل خاں کو قلعہ دولت آباد میں گرفتار کر لیا۔ حسن گانگو اور دوسرے باغی سردار بیدر اور گلبرگہ کی طرف بھاگے جن کے تعاقب کو بادشاہ نے عماد الملک کو بھیجا لیکن ابھی یہاں کا انتظام برابر نہ بیٹھنے پایا تھا کہ پھر گجرات میں شورش ہوئی۔ بادشاہ نے عماد الملک کو یہاں کا گورنر مقرر کیا اور کیوان الدین اور دوسرے امراء کو یہاں کے انتظام کے لئے چھوڑ کر خود گجرات پہنچا اور شورش کو ٹھنڈا کیا۔ ادھر حسن گانگوی کے ساتھ باغیوں نے مل کر عماد الملک پر یورش کی اور اسے قتل کر ڈالا یہہ حال دیکھ کر کیوان الدین اور اس کے ساتھی سب گجرات بھاگ گئے۔ میدان خالی تھا حسن گانگوی شہر دولت آباد میں داخل ہوا اور قلعہ کے لوگ اس سے آن ملے۔ اسمٰعیل خاں خود کنارہ کش ہوگیا اور حسن گانگوی علاء الدین حسن گانگوی بہمنی کا لقب لے کر بادشاہ بن بیٹھا۔ محمد تغلق کا دل چھوٹ گیا اس کا ارادہ تھا کہ گجرات کا انتظام کرنے کے بعد دکن کی خبر لوں گا لیکن موت نے مہلت نہ دی اور ۱۳۵۱ء میں اسکی موت کے ساتھ دکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے خاندان سے نکل گیا اس کے بعد قلعہ دولت آباد باری باری سلاطین بہمنیہ۔ نظام شاہیہ اور مغلیہ کے

قبضہ میں رہا اور آخر کار مغلوں نے ۱۶۳۳ء میں محاصرہ کر کے فتح کیا۔ اس محاصرہ کی کیفیت بادشاہ نامہ میں عبدالحمید لاہوری نے حسب ذیل لکھی ہے۔ مہابت خاں نظام پور میں نظام شاہ کے مکان میں رہا کرتا تھا اُس نے توپ خانہ اور سامان حرب اپنے بیٹے طہراسپ کے سپرد کر کے حکم دیا کہ کاغذی پورے کے پہاڑ پر سے برابر گولہ باری جاری رہے۔ فتح خاں نظام شاہ کو کالے کوٹ میں جو قلعہ کا پچھلا حصہ اور سب سے زیادہ مستحکم مقام ہے لے کر بیٹھ گیا اور وہ خود مہاکوٹ میں جو قلعہ کا بڑا حصہ ہے جا بیٹھا اور قلعہ کی فوج کا بڑا حصہ عنبر کوٹ میں تھا۔ یہ حصہ قلعہ کا سیدی عنبر نے مغلوں سے لڑنے بھڑنے کے لئے بنایا تھا۔ مغلوں نے قلعہ سر کرنے کے لئے بہت سے حملے کئے آخر کار فصیل میں ایک رخنہ پڑا اور عنبر کوٹ کا ناصری خاں نے محاصرہ کر لیا۔ رندولہ خاں اور شاہ جی نے جو علی الترتیب بیجاپور اور مرہٹوں کے لشکر کے سردار تھے محصورین کی طرف سے زور مارا اور برار کی طرف نکل جانا چاہا مگر ناکامیاب رہے۔ فتح خاں اپنے زنانے کو کالے کوٹ میں بھیج کر مہاکوٹ کے بچانے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گیا اور ایک بڑی سرنگ اُڑا دی لیکن جب کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی تو آخر کار اپنے بیٹے عبدالرسول کے ذریعہ سے صلح کی درخواست کی اور کنجیاں قلعہ کی بھیج دیں۔ قلعہ کی جمعیت ناصر خاں کے قبضے میں آ گئی وہ فتح خاں اور حسین نظام شاہ دونوں کو لے کر ظفر نگر (اورنگ آباد) چلا گیا۔ اس کے غیاب میں مراری پنڈت نے جب دیکھا کہ قلعہ میں تھوڑی جمعیت رہ گئی ہے اور رسد تھوڑی ہے تو پھر ایک دفعہ قلعہ چھین لینے کی کوشش کی لیکن مراری پنڈت پسپا ہوا اور خاں خاناں بھی اس اثنا میں دولت آباد پہنچ گیا اور غنیم ناسک کی طرف واپس گیا۔ حسین نظام شاہ اور فتح خاں دونوں قید کر کے اسلم خاں کے ساتھ دربار میں بھیج دئے گئے۔ حسین نظام شاہ کو قید کر کے قلعہ گوالیار میں بھیج دیا اور فتح خاں نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس زمانے کی دولت آباد کی حالت طیور نیر سیاح نے یہ لکھی ہے کہ قلعہ میں ایک کثیر تعداد عمدہ توپوں کی ہے جن کے گولنداز انگریز یا ہالینڈ کے باشندے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جس پہاڑ پر اب قلعہ بنا ہوا ہے اس سے تھوڑا بلند ایک اور پہاڑ بھی ہے لیکن اس پر جانے کا راستہ سوائے اس کے کہ اسی قلعہ کے

اندر سے جائیں اور نہیں ہے۔ یہاں ایک ڈچ انجنیر تھا جو ۱۵-۱۶ سال سے ملازم تھا وہ
ہر چند اپنے ملک کو بحصول رخصت واپس جانا چاہتا تھا لیکن کسی طرح پروانگی نہیں ملتی تھی
راجہ جے سنگھ سپہ سالار جو سیواجی کے مقابلہ پر بھیجا گیا تھا دولت آباد سے گزرا یہہ انجنیر بھی اُن
سے ملنے گیا اور راجہ نے اس سے فرمایش کی کہ اس بلند پہاڑ پر اگر توپ چڑہا دے تو
رخصت دے دی جائے گی۔ انجنیر نے بہ ہزار دقت واشکال پہاڑ پر توپ چڑہادی اور راجہ
صاحب کی سفارش سے بادشاہ نے انجنیر کو رخصت بھی دے دی۔ چنانچہ ۱۲۶۷ء میں
وہ اپنے ملک کو چلا گیا۔ تھیو بیناٹ سیاح نے دولت آباد کا حال یوں لکھا ہے کہ یہ شہر مغلوں
کے تسلط کے قبل بالا گھاٹ کا دار السلطنت اور بڑی تجارت گاہ تھا لیکن اب اورنگ آباد
مرکز تجارت ہے جس کو اورنگ زیب نے اپنی گورنری کے زمانے میں آباد کیا۔ یہہ شہر بہت بڑا
ہے عرض کم اور لمبان میں دور تک چلا گیا ہے اس کے اطراف پختہ فصیل ہے جس کے برجوں پر
توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ اگرچہ فصیل اور برج نہایت مستحکم ہیں لیکن یہ قلعہ مغلوں کے تمام مقبوضات
میں سب سے زیادہ مستحکم ہونے کی صرف یہی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ قلعہ قدرتی طور پر ایک بیضوی
شکل کے پہاڑ پر واقع ہے جس کے چاروں طرف شہر کی آبادی پھیلی ہوئی ہے۔ قلعہ کے دامن میں
پہاڑ کی قدرتی فصیل ہے جس کے اوپر قلعہ بنا ہوا ہے جس پر بادشاہ کا محل ہے مجھے ایک فرانسیسی
سے جو دو سال تک قلعہ کے اندر رہا معلوم ہوا کہ علاوہ اصلی قلعہ کے اس کے اندر اور تین
قلعے بڑا کوٹ۔ عنبر کوٹ۔ اور کالا کوٹ ہیں۔

اندرونی حصار اندرونی دروازے سے نکلنے کے بعد پچاس ساٹھ گز آگے بڑھ
کے ایک بہت بڑا چوتھا دروازہ ملتا ہے جو کالا دروازہ کہلاتا ہے۔ یہاں سے سڑک سیدھی جانب
پانچویں دروازے کی طرف مڑتی ہے۔ دس بارہ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد چھٹا دروازہ ملتا ہے
جس کی مستطیل ڈیوڑھی ہے جس میں اہل ہنود کے زمانے کی ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت باقی ہے۔
پچاس ساٹھ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ساتواں دروازہ ملتا ہے جس کی بائیں طرف سے
ہندو راجاؤں کے قدیم محل کا دروازہ ہے اس سے تھوڑی دور آگے آٹھواں دروازہ ہے جس
کی داہنی طرف چینی محل کا کھنڈر ہے۔ چینی محل کے اوپر دار ایک گول برج ہے۔ جس پر ایک

بڑا بھاری بینڈ ہا توپ چڑھی ہوئی ہے یہاں سے چند گز پر وہ تنگ راستہ ہے کہ جس کے سوا
دوسرا نہیں جہاں سے قلعہ کے بالائی حصہ میں داخل ہوتے ہیں اس جگہ بھی بدون اس پل
کے عبور کئے کے نہیں پونہچ سکتے جو خندق کے اوپر پڑا ہوا ہے۔ یہ خندق بارہ مہینے پانی سے
لبریز رہتی ہے اور سو فیٹ عمیق ہے۔ اس کی بائیں جانب پھر ہندوؤں کے بوسیدہ محل کے کھنڈر
ہیں پل سے آگے بڑھ کر ایک تنگ راستہ ملتا ہے جو اس خوبی سے کوتاہ کیا گیا ہے کہ وقت واحد
میں ایک سے دوسرا آدمی نہ جا سکے اگر ایک آدمی تلوار تان کر اوپر کھڑا ہو جائے تو جو آتا
جائے بہ آسانی اُس کا سر بھٹے کی طرح اُڑا دے سکتا ہے۔ یہاں سے نکل کر ہم اورنگ زیب
کے بنائے ہوئے ایک بلند برج پر پونہچتے ہیں۔ اول تو اس جگہ سے صحیح و سلامت
گزرنا ہی مشکل ہے اور جو بچ کر نکل بھی جائے تو آگے دو اندھیریاں ملتی ہیں ایک چھوٹی
ایک بڑی جن میں دن کے وقت بھی اندھیرا گھپ رہتا ہے اور بدوں مشعل کے راستہ نہیں سوجھتا
یہ اندھیریاں پہاڑ میں کاٹ کر ایسی کشادہ اور وسیع بنائی گئی ہیں کہ بے تکلف گھوڑے پر سوار
جا سکتا ہے اور بڑی اندھیری میں جو بہت لمبی ہے ایک طرف ایسی سرنگ بنائی گئی ہے جو قلعہ کے
باہر بہت دور پر نکلتی ہے۔ چھوٹی اندھیری (۶۰) فیٹ لمبی ہے اور دوسری اس سے ڈیوڑھی۔ پہلی
اندھیری پار ہونے کے بعد ایک چھوٹا سا صحن ملتا ہے جس کی ایک جانب کچھ ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں
ایک شکستہ محل کی ہیں۔ بڑی اندھیری کے ختم پر ایک ڈیوڑھی ملتی ہے جس کے بھی نقش و نگار
کے ستون ہیں۔ اس کے بعد پھر ایک بڑی سرنگ ہے جس میں بہت سی کوٹھریاں پہاڑ میں کھود کر
بنائی گئی ہیں جس میں جمعیت کے لوگ بطور محافظ کے رہا کرتے تھے۔ یہاں سے چند سیڑھیاں چڑھ کر
ایک چبوترہ ملتا ہے پھر (۴۲) فیٹ کی چڑھائی کے بعد اور ایک چبوترہ ۳۰ × ۲۰ فیٹ کا ملتا ہے اس
مقام پر ایک بڑا آہنی توا رکھا ہوا ہے۔ اول تو غنیم یہاں تک پونہچ ہی نہیں سکتا اور جو کسی طرح گرتا
پڑتا پونہچ بھی جائے تو راستہ کے منہ پر توا ڈھاک کر آگ دہکا دیتے تھے کہ گرمی کی تپش اور دھوئیں
سے دم گھٹ کر وہیں مر جائیں۔ چونکہ آگ بلا ہوا کے نہیں جل سکتی اس لئے یہاں ایک سوراخ
بھی بطور روشن داں کے پہاڑ میں کھود دیا گیا ہے۔ اس چبوترے کے پاس ہی فقیر سلطان صاحب
کی درگاہ ہے جس کے صحن میں بہت سی شکستہ توپیں اور بنیادیں پڑی ہوئی ہیں اور ایک توپ

پھیرنے کا چرخ بھی ہے۔ یہاں ایک احاطہ کی دیوار بھی باقی ہے جو کوئی محصور جگہ تھی جس کے بائیں طرف ایک برج پر ایک توپ چڑھی ہوئی ہے۔

کوڑی ٹانکہ یہاں سے سیدھے ہاتھ کی طرف ایک پہاڑی چشمہ کوڑی ٹانکے کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ یہہ چشمہ بہت بلندی پر واقع ہے تاہم صاف شفاف پانی موجود ہے جس کا پانی اس قدر نتھرا ہوا ہے کہ کوڑی ڈالو تو تہ میں صاف نظر آتی ہے اور پانی اس قدر شیریں لطیف اور خنک ہے کہ برف کو بھی مات کرتا ہے۔ اس سے تھوڑے فاصلہ پر اور ایک چشمہ ہاتھی تالاب کے نام سے مشہور ہے جو ۴۰×۳۰ فیٹ ہے۔

بارہ دری قلعہ کی چوٹی پر پونہچتے پونہچتے آدمی کا دم چڑھ جاتا ہے اور پسینے میں شرابور ہو جاتا ہے لیکن بارہ دری کی پختہ۔ سنگین اور ہوادار عمارت میں قدم رکھتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہت بھلے معلوم دیتے ہیں اور یہہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کرۂ نار سے کرۂ زمہریر میں آگئے جس سے تکان اور کوفت جاتی رہتی ہے۔ قلعہ کے سب سے بالائی حصہ پر ایک بارہ دری اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی قابل دید ہے۔ یہہ وہی مکان ہے جو قلعہ کی بلندی پر دور دور سے سفید دکھلائی دیتا ہے۔ بارہ دری ہشت پہلو بنی ہوئی ہے جس کا صحن مربع اور چاروں طرف وسیع دالان اور برآمدے ہیں۔ موسم گرما میں شاہ جہاں اور اورنگ زیب یہیں آکر رہتے تھے۔ اس کی بلندی پر سے سارے مقامات ہتیلی میں معلوم دیتے ہیں۔ نیچے کے آدمی بالشتیئے اور سڑکیں پتلی پتلی لکیریں نظر آتی ہیں۔ چوطرف کے بلند بلند پہاڑ اور گھاٹیاں مخملی لباس میں ڈھکی ہوئیں ایک ایسا پر لطف منظر ہے کہ جس سے کسی طرح دل سیر نہیں ہوتا۔ بارہ دری کے وسیع اور عالیشان کمرے ایسے ہیں کہ جو بڑے بڑے لوگ لارڈ اور ویسرائے آتے ہیں وہ یہیں ٹھیر کر چائے نوش کرتے ہیں اور بریکفاسٹ بھی یہیں ہوتا ہے۔ لیڈیاں کرسیوں پر بٹھلا کر اوپر پونہچائی جاتی ہیں۔ یہہ کرسیاں پہاڑی ڈانڈی یا جھمپان کی وضع کی ہیں جن کو کہار اُٹھاتے ہیں۔ جس حصہ کوہ پر بارہ دری بنی ہوئی ہے وہ تین سو فیٹ مدوّر ہے جو بجائے خود ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔ جس کے اطراف چھوٹی سی فصیل اور چھوٹے چھوٹے برج ہیں۔

قلعہ کے حالات یہہ قلعہ سات سو فیٹ بلند پہاڑ پر ہے جو بیچ میں کھڑا ہوا ہے یعنی اس سے

ملا ہوا اور کوئی پہاڑ نہیں ہے - قلعہ کا دور تخمیناً چھ ہزار گز ہے یہ قلعہ بہت دور سے نظر آتا ہے اور ریلوے
اسٹیشن سے تو صاف نظر آتا ہے بلکہ بارہ دری کی عمارت بھی سفید سفید الگ دکھلائی دیتی ہے - یہ
پہاڑ سلسلہ کوہ بالا گھاٹ کا ایک ٹکڑا ہے جو شمال اور مشرق کی جانب چلا گیا ہے - پہاڑ تو کیلے
سرپوش کی طرح کا ہے - جس کے مشرق و جنوب میں بستی ہے لیکن اب شہریت کچھ بھی باقی نہیں بلکہ
ایک اُجڑا ہوا گاؤں ہے جس میں کچھ جمیعت قلعہ کی اور چند زراعت پیشہ لوگ رہتے ہیں جو
انگور - انجیر اور دوسرے میوہ جات کی کاشت کرتے ہیں - بیرونی فصیل کا دور پونے تین میل کا
ہے جس کے صرف دو دروازے مکہ اور روضہ کے نام سے مشہور ہیں - بیچوں بیچ کے بڑی سڑک سے
ایک شاخ سڑک کی قلعہ کی طرف پھوٹ جاتی ہے اور تھوڑے نشیب میں اُتر کر ہم قلعہ کی پہلی چار دیواری
میں پونہچ جاتے ہیں جو قلعہ کو تین طرف گھیرے ہوئے ہے - یہ جگہ صرف کھلا ہوا چٹیل میدان ہے اس
کے آگے دوسرا حصار ہے جس کا ایک نہایت مرتفع مربع دروازہ بنا ہوا ہے جس کے اندر دو چھوٹے
چھوٹے شیر اور ہاتھی پتھر پر کندہ ہیں اور بائیں طرف ایک ویران مسجد ہے - تیسرا دروازہ دوسرے
سے زیادہ بلند اور مضبوط ہے جس کے برجوں پر شیر اور ہاتھیوں کے تصاویر ہیں - اس کے گنبد اور
دیواروں پر گلکاری اور نقاشی کی گئی ہے اس کی دونوں طرف دو چھوٹے چھوٹے دالان سنگین ستونوں پر
کھڑے ہیں - ایک زینہ چڑھکر ہم پھاٹک کے اوپر پونہچ جاتے ہیں اس مقام پر متعدد محلات کے
کھنڈر ہیں یہاں سے سڑک داہنی طرف مڑجاتی ہے اور دوسری طرف نقار خانہ ملتا ہے اس کے
آگے ایک چھوٹا دروازہ قلعہ کے حصہ زیرین میں ہے جہاں سے ناہموار راستہ اور سیڑھیاں ہم کو قلعہ
کے اندر پونہچاتی ہیں - بیرونی اور اندرونی حصار کے درمیان جتنا حصہ ہے اس میں متعدد محلات
مندر - درگاہوں اور مسجدوں کے کھنڈر ہیں جو اب سب جھاڑی میں چھپ گئے ہیں - آخری دروازے
سے تھوڑے فاصلے پر داہنی طرف بھوانی کے مندر کا باقی ماندہ حصہ ہے جس کے سامنے ہی
پیر قادر صاحب کی درگاہ ہے - اس کے آگے سرسوتی کی باؤلی کی دیوار سو فیٹ لمبی اور چالیس فیٹ
اونچی ہے جس کے دونوں طرف بڑے بڑے مربع پتھروں کی بندش اور سکڑی سیڑھیاں ہیں جو باؤلی
کے اندر تک جاتی ہیں - اس باؤلی میں زندہ جھرا ہے علاوہ اس کے شمال و مشرق میں جو تالاب
ہے اس کا نل بھی لایا گیا ہے - اس کے آگے چند فوجی لوگوں کی قبریں ہیں جس کی سیدھی طرف

باغ کا ایک اونچا احاطہ ہی اور فصیل میں دور دور تک حجرے اور کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ باغ کے سامنے ایک بڑا پختہ حوض ڈیڑھ سو فیٹ مربع اور بائیس فیٹ عمیق ہی حوض کے چاروں طرف شہ نشین ہی سیڑھیاں شہ نشین سے لے کر تالاب کی تہ تک ہیں۔ اس تالاب میں پانی بذریعہ نلوں کے ایک بڑے تالاب سے جو پہاڑوں میں ہی لایا جاتا تھا۔

قلعہ کے اندر متعدد نامعلوم تہ خانے کوٹھے اور چور راستے ہیں جو بند ہیں مگر معلوم ہوتا ہی کہ بعض کوٹھوں میں گولی باروت اور مختلف اقسام کے ہتیار اور اجناس وغیرہ سامان ہی۔ چنانچہ اسی سالہا سال کی پرانی باروت سے جو جم کر ڈھیپے ہو گئے ہیں دولت آباد اور اورنگ آباد میں جب ضرورت پڑتی ہی بے تامل توپیں سر کی جاتی ہیں اور یہی باروت عمدہ سے عمدہ کام دیتی ہی۔ بعض کوٹھوں میں غلہ بھرا ہوا تھا جو راکھ ہو گیا ایک کوٹھے میں گھی ہی جو اب بالکل چکٹ کر مرہم کی شکل کا ہو گیا ہی ایک کوٹھے میں تماکو ہی جو بیچا جاتا تو جاتا ہی کہ تماکو ہی مگر چٹکی میں لو تو راکھ ہو جاتا ہی۔

مسجد اور مینار ۹۴۹ھ - قلعہ کے اندر جو چھوٹی سی مسجد تھی وہ اب ویران ہی۔ اس مسجد میں علاؤ الدین (جو غالباً سلطان احمد شاہ بہمنی کا بھائی تھا جس کا زمانہ سلطنت ۱۴۳۵ تا ۱۴۵۷ء تھا) کا بنایا ہوا ایک بہت بلند مینار (۱۰۰) فیٹ اونچا ہی جس کا دور نیچے سے (۷۰) فیٹ ہی یہ مینار قلعہ دولت آباد کی فتح کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ اس کے نیچے (۲۴) حجرے ہیں۔ منار کے اوپر کلس لگا ہوا ہی۔ وسط مینار میں برآمدہ بھی بنا ہوا ہی جس کے اطراف عمدہ کٹہرا بھی ہی۔ یہ مینار تمام مینا کاری لاجوردی اور سنہری ایرانی کام سے جگمگا رہا تھا۔ جیسا کہ بیدر کے مدرسہ کا مینار ہی اب وہ رنگ و روپ سب جاتا رہا لیکن کہیں کہیں اب بھی اس کی جھلک نظر آجاتی ہی۔ مینار سے شمال میں دیوان خانہ اور جنوب میں مسجد ہی۔ طرز عمارت اور لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ مسجد جینیوں کے بہت بڑے مندر کو جو (زماں مابعد میں کالی کے مندر کے نام سے مشہور تھا) توڑ کر بنائی گئی ہی ؎

ببیں کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ — کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

چنانچہ مینار کی بائیں جانب اب بھی کچھ حصہ مندر کا باقی ہی صرف درمیانی حصہ میں مسجد ہی۔

اس مندر پر ایک پرانا کتبہ خط بابسودھ میں مندر کی شمالی دیوار میں لگا ہوا تھا جو اکھاڑ کر رایل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی میں بھیج دیا گیا - مسجد کے دروازے پر یہ شعر کندہ ہے ؎

ایا سلطان علاءالدین قطب شاہ مبارک باد ایں فرخندہ بنیاد

مسجد کے جنوب رخ مینار کی جڑ میں ایک بڑے پتھر پر یہ اشعار کندہ ہیں ؎

بود ست یکے بزرگ شاہے بر مسند سلطنت چو ماہے
بس محتشم وغیور و دانا کس را چہ مجال لا و الّا
در معرض او کہ درس گوید جمشید سخن ز ترس گوید
احمد شہ بہمنیت نامش چہ جام جم و چہ جاہ جامش
دارد پسرے کہ بر فلک نیست در خطۂ بیدر است شک نیست
سلطان علاء الدین ست نامش شیریں تر از انگبیں کلامش
بود ست یکے مگر ملازم در حضرت شہ ستادہ دائم
لفظ چو شکر دو چشم پر نور بستہ کمرے چو نی ستادہ از دور
سلطاں کہ برو نگاہ کردے صد نوع دعاے شاہ کردے
روزے نگرش بسوے خود خواند لطفش بنمود و نیز بنشاند
گفتا کہ بجان و دل خود ما از تو شاد یم ویں دولت آباد ترا بہ تحفہ دادیم
یارب کہ بدیں دولت آباد بمانی تا روز قیامت بدل شاد بمانی
بندہ بس بزرگ و روحانی یعنی پرویز عہد سلطانی
فرمان شدہ حکم او مرتب دور روز رواں شود شبا شب
چوں سکۂ لعل او نمودند ماہی و مراتبش فزودند
موے سر او ش شانہ کردند در حال ورا روانہ کردند
آمد بدیار دولت آباد مجموع برادران شدند شاد
بنیاد عمارتے بہ کردند بستند میاں کساں کہ مردند
بنیاد بناے او سال است زیں حرف چو بگزری وبال است

تاریخ مینار دولت آباد
در ہشتصد و چہل و نہ شد آباد
ایں عمارت چو دستہ گل شد
زامر پرویز بن قرنفل شد

اِن اشعار میں سے بعض بعض ناموزوں ہیں لیکن مطلب فوت نہیں ہوتا جس کا ملخص یہ ہے کہ ایک بادشاہ ایسا تھا کہ جس کا تخت چاند کی طرح جگمگاتا تھا وہ نہایت محتشم غیور اور دانا تھا کسی کی مجال اس کے سامنے چون و چرا کرنے کی نہ تھی حتیٰ کہ جمشید بھی اس سے کانپتا تھا۔ اُس کا نام احمد شاہ بہمنی ہے جس کے سامنے جام جم اور اُس کے جاہ کی بھی کچھ حقیقت نہیں سلطان علاؤالدین جو اُس کا ایک ملازم تھا ایک دن بادشاہ نے اُس کی یاد فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میں تم سے بہت خوش ہوں اور اس خوشنودی میں مابدولت نے تم کو قلعۂ دولت آباد ہمیشہ کے لئے دیا۔ بادشاہ نے اسی مضمون کا فرمان بھی نافذ فرمایا اور علاءالدین بیدر سے دو شبانہ روز چل کر دولت آباد پونہچا اور قبضہ کرلیا۔ خطابوں سے بھی سرفرازی ہوئی اور بھائی بند سب اِس سرفرازی پر خوش ہوئے تیں سال کے عرصہ میں یہ مینار اُن لوگوں کی یادگار میں طیار کیا گیا جو کہ مرگئے۔ اس کی تکمیل کی تاریخ ۸۴۹ھ ہے۔ یہ عمارت ایک گلدستہ بن گئی ہے۔ جس کو پرویز بن قرنفل نے بنایا۔

ابو الحسن تاناشاہ اور چینی محل یہیں قریب چینی محل کے کچھ کھنڈر کھڑے ہوئے ہیں۔ ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب نے سلطان ابوالحسن المعروف بہ تاناشاہ کو جو قطب شاہیہ کا آخری تاجدار تھا یہیں قید کیا تھا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کی نسبت شاہ جہاں بادشاہ نے یہ شعر لکھا تھا:-

اتبہ فرستادہ ہما ابو الحسن اَنبتَهُ اللّٰهُ نباتاً حسناً

عمارت کی وضع قطع اور چینی کے باقی ماندہ کام سے جس کی نیلی اور زرد مینا کاری کچھ کچھ اینٹیں اب بھی مشرقی حصہ میں باقی ہیں پایا جاتا ہے کہ یہ محل کسی زمانے میں نہایت نفیس پُرتکلف اور خوش نما ہوگا ابوالحسن نسلاً چغتائی اور مذہباً شیعہ تھا۔ عبداللہ قطب شاہ کا داماد تھا۔ یہ بادشاہ خاندان قطب شاہیہ کا ڈوبتا ہوا آفتاب اور سلطنت شیعہ کا گل ہوتا ہوا چراغ تھا۔ ابوالحسن کوئی ممبر خاندان قطب شاہیہ کا نہ تھا۔ ابوالحسن جب سن شعور کو پونہچا تو کامل چودہ برس تک اکتساب علم

میں مصروف رہا۔ بعد تصوف کی طرف میلان خاطر ہوا اور سید راجو حسینی صاحب پدر بزرگوار
حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہتا تھا اور آپ سے بیعت بھی کی
تھی۔ عبداللہ قطب شاہی حقیقت میں آخری بادشاہ اپنے خاندان کا تھا اور ملک تلنگانہ
کا فرماں روا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف تین لڑکیاں تھیں۔ پہلی سلطان محمد سے اور
دوسری میر احمد کربلائی سے منسوب تھی تیسری لڑکی کا عقد سید سلطان سے ہونے والا تھا اور سب
کچھ طیاری ہو چکی تھی لیکن عین وقت پر کسی خاص وجہ سے معاملہ درہم برہم ہو گیا اور قطب شاہ نے
کہا کہ میں اپنی بیٹی کسی فقیر کو دے دوں گا مگر سید سلطان کو ہرگز نہ دوں گا۔ محل میں ہلچل مچ گئی قطب شاہ
کی بیگم نے کہا کہ خیر تمھاری مرضی اگر ایسی ہی ہے تو ابو الحسن بھی ہمارا قرابت دار ہے اور فقیری کا دم بھی
بھرتا ہے۔ اگر تمھارا دل چاہے تو اُس سے کر دو۔ بادشاہ نے فوراً قبول کر لیا۔ تاناشاہ کی تلاش
میں لوگ دوڑے عصر کا وقت تھا۔ تاناشاہ سید راجو حسینی صاحب کی خدمت میں
حاضر تھا آپ باغ کے درختوں کو پانی دے رہے تھے۔ آپ نے تاناشاہ کو پاس بلایا اور فرمایا کہ
آمیں تیرے مہندی لگاؤں کہ اس وقت بادشاہ کی لڑکی کی رسم حنابندی ہو رہی ہے اور وہیں کیاری
میں سے گیلی مٹی لے کر تاناشاہ کی چھنگلی پر تھوپ دی کہ اتنے میں قطب شاہ کے لوگ پہنچے اور
تاناشاہ کو ہاتھوں ہاتھ لے گئے اور غسل دلا کر پوشاک بدل کر اُسی وقت قطب شاہ کی لڑکی کا
عقد نکاح تاناشاہ سے ہو گیا اس طرح تاناشاہ کی تقدیر جاگی اور وہ دعویٰ دار سلطنت کا
ہو گیا۔ جب سید سلطان کو خبر ہوئی تو آمادہ جنگ ہوا مگر پیش رفت نہ گئی اور حیدر آباد سے
اورنگ آباد چلا آیا اور میر جملہ خانخاناں کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ تاناشاہ نہایت خوش خلق اور سخی
تھا اور لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آتا تھا لوگ اس کی طرف جھکے ہوئے تھے برخلاف اس
کے امیر احمد جو دعویٰ دار سلطنت تھا نہایت زشت خو۔ بخیل اور کج خلق تھا لوگوں کے
دل اُس سے پھٹ گئے تھے۔ تاناشاہ کے نکاح کے بعد چار سال قطب شاہ زندہ رہا۔
(۴۸) برس کی سلطنت کے بعد (۶۰) سال کی عمر میں ۳ محرم ۱۰۸۳ھ اتوار کے دن انتقال
کیا اور سب نے بالاتفاق ۵ محرم ۱۰۸۳ھ کو تاناشاہ کو بادشاہ بنا دیا اور سید مظفر وزیر مقرر ہوا۔
اگرچہ سید مظفر وزیر باتدبیر تھا مگر خدا جانے کیا افتاد پڑی کہ اُس کو معزول کر کے مادنا کو قلم دان

وزارت دیا گیا اور خدمت پیشکاری پر اُس کا بھائی بیکنّا سرفراز ہوا۔ یہہ لوگ کرناٹک کے رہنے والے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ کسی پٹواری کے لڑکے تھے۔ تاناشاہ عیش و عشرت میں لگ گیا مادنّا اور بیکنّا سیاہ و سفید کے مالک بن گئے اور دست تظلم دراز کیا چو طرف اُن کے مظالم کی چیخ پکار ہونے لگی۔ اسی زمانہ میں اورنگ زیب نے شہزادہ شاہ عالم بہادر کو ایک جرار لشکر کے ساتھ بیجاپور کی تسخیر کو بھیجا چونکہ مہم نے طول کھینچا لہذا اورنگ زیب خود اورنگ آباد سے احمد نگر ہوتا ہوا شولاپور پونچا۔ شولاپور میں اورنگ زیب کی نظر سے تاناشاہ کا ایک خط گذرا جس میں لکھا تھا کہ میں اب تک بادشاہ عالی جاہ کا احترام کرتا رہا لیکن بادشاہ نے سکندر عادل شاہ کو کم عمر اور اکیلا پا کر دبا لیا اس لئے مجھے اُس مظلوم کی کمک ضرور ہوئی میں خلیل اللہ خاں کے ساتھ سواروں کا جرار لشکر بھیجتا ہوں اور دوسری طرف سے راجہ سنبھا آن چڑھے گا دیکھوں کہ حضرت کس کس طرف لڑتے ہیں۔" اورنگ زیب اس خط کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور کہا کہ میں نے رحم کھا کر متمول ساہ تنگ ساز (یعنی سکندر عادل شاہ) کی طرف ڈھیل دے دی تھی اب بینڈکی کو بھی زکام ہوا اور چھی بانگ دینے لگی۔ اُسی وقت شاہزادہ شاہ عالم بہادر کو تاناشاہ کے استیصال کے واسطے مقرر کیا۔ خلیل اللہ خاں باتفاق شیخ منہاج اور رستم راؤ کے جو مادنّا بیکنّا کا بھتیجا بھائی تھا شاہزادے کے مقابل ہوئے اور قصبۂ سیڑم[۵] اور قلعہ ملکھیڑ پر چند لڑائیاں ہوئیں

[۵] سیڑم نظام ریلوے کا اسٹیشن واڑی سے (۲۴) اور حیدرآباد سے (۹۲) میل ہے ملکھیڑ کا ذکر علیحدہ ضمیمہ میں مندرج ہے۔ باقی مقامات سب یہیں قریب قریب ہیں۔ سیڑم مستقر تحصیل ضلع گلبرگہ میں واقع ہے۔ یہہ ایک بڑا قصبہ ہے جس کے چاروں طرف فصیل اور برج ہیں۔ یہاں ایک چھوٹی سی ندی رواں ہے جو کاگنا میں مل جاتی ہے۔ بارہ دروں کا ریل کا پل اس پر بنا ہوا ہے اور ہر در (۴۰) فیٹ عریض ہے ندی کے کنارے کسی بوہی کا ایک چھوٹا سا گنبد بھی بنا ہوا ہے اُس پر ایک کتبہ بھی ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا۔ سیڑم کی وجہ تسمیہ یہہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بزرگ یہاں تھے بادشاہ نے اُن کو اور جاگیرات دینی چاہیں آپ نے فرمایا ڈیم یعنی یہی کافی ہے بستی کے اندر کچھ قدیم محلات ہیں جو قدیم امرائے سلطنت بیجاپور کے تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اس محل میں کچھ خزانہ ہے چند سال کا عرصہ ہوا کہ ملک ہنگری کے ایک یہودی نے رہنے سے مکان کو لیکر خزانہ کھودا لاکر ملا و لا غاک بھی نہیں۔ اس محل کے تہ خانے سے چور راستہ جاتا ہے جو نیچے نیچے ندی

آخر الامر فتح شاہزادے کی ہوئی۔ شاہزادہ نے کہلا بھیجا کہ سیڑم اور ملکھیڑ اور پرگنہ ناگاوی (چیتاپور)، پرگنہ اُرکی وکوڑولی جن پر ہمارا قبضہ ہوچکا ہے بخوشی بادشاہ جمجاہ کی نذر کردیں تو میں عرضداشت سفارش بادشاہ کے حضور میں گزران کر صلح کرا دیتا ہوں خلیل اللہ خان مرد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۲ - کے اُس پار نکل گیا ہے اب تو اس میں کوڑا کرکٹ اس قدر بھر گیا ہے کہ کوئی جا ہی نہیں سکتا۔ سیڑم بھی بہت قدیم بستی ہے پہلے یہاں بہت سے دیول تھے جن میں سے اکثر زمین کے اندر دب گئے اب بھی جہاں کہیں کھودو آثار قدیم ملتے ہیں۔ یہاں ایک دیول میں ایک بڑا پتھر کا ستون ہے جسے دیپ دان کہتے ہیں۔ گاؤدم مخروطی شکل کا بنا ہوا ہے قاعدہ ۔ ۳ فیٹ مربع ہے۔ طول (۲۸) فیٹ ہے ایک ہی پتھر تراشا ہوا اور اس سبکی سے تراشا البتہ ایک قابل دید صنعت ہے۔ سیڑم میں ناگاوی کی طرح کی ایک بہت قدیم دیول ہے جو کئی ہزار برس پہلے کا بنا ہوا ہے۔ ناگاوی کا دیول جین لوگوں کا ہے اور یہ شیو کا۔ اس دیول کے ستونوں پر بہت عمدہ کام نقاشی کا ہے۔ آب و ہوا سیڑم کی بہت خراب ہے۔ ندی کا پانی خراب اور بستی کی باؤلیاں کھاری اس وجہ سے ہیضہ کا معدن ہے اور پانی میں چونے کی آمیزش در کھار زیادہ ہے جو معدے کے لئے مضر ہے۔ معدہ تو معدہ انجن ہی یہاں سے پانی نہیں لیتا کہ کھار سے بالکل جلد خراب ہو جاتا ہے۔ راقم نے ایک باؤلی دوم کچہری کے بنگلہ کے پاس کھدوائی تھی جس میں اب ڈاکٹر خانہ ہے) اس میں حسن اتفاق سے میٹھا پانی نکلا اور اب اس باؤلی کا پانی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ سارا ملک سنگ سیلون کا ہے مکانات کی چھتیں بھی پتھر کی سلوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ ندی کے کنارے ایک

درگاہ واحد علی خاں صاحب سابق صدر مہتمم پولیس کے داو اکی بنی ہوئی ہے وہ تفریح کے لئے اچھا مقام ہے۔ واڑی سے حیدرآباد جاتے ہوئے پہلا اسٹیشن چیتاپور ہے جس کا ہم مختصر نوٹ کسی جگہ دے آئے ہیں۔ بستی اسٹیشن سے نصف میل ہے۔ بہت بڑا گاؤں ہے جس کے اطراف فصیل ہے جس کے چاروں کونوں پر دمدمے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں کے مکان بھی پتھروں کی سلوں سے چھائے ہوئے ہیں اور تمام زمین پتھریلی ہے۔ یہاں کی ریشمین چولی ساڑیاں مشہور ہیں رنگ پختہ اور عمدہ ہوتا ہے۔ ایک عجیب بات اس بستی میں یہ ہے کہ عین آبادی کے وسط میں ایک قدیم طرز کا بنا ہوا گرجا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اوائل سولھویں صدی میں پرتگالیوں نے بنایا تھا۔ یہ گاؤں نواب سر آسماں جاہ بہادر اور نواب عسکر جنگ بہادر دونوں کی جاگیر ہے کچھ حصہ آبادی کا ان کا ہے کچھ اُن کا۔ بستی سے ملا ہوا چیتا شاہ ولی کا مقبرہ ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ زندہ دفن ہو گئے

آخر ہیں تھا راضی ہو گیا مگر رستم راؤ اور شیخ منہاج تنے رہے اور دوبارہ لڑائی ہوئی - تاناشاہ نے بہت سی فوج اور توپیں بھیجیں مگر آخر کار پسپا ہونا پڑا - اورنگ زیب کے لشکر نے لوٹ مار شروع کی اور تعاقب کیا - شیخ منہاج نے کہا کہ مردوں کا کام یہ نہیں ہے کہ عورتوں پر دست تظلم دراز کریں ذرا صبر کیجئے میں اپنے قبائل کا بندوبست کر لوں تو پھر آپ کے مقابلہ کے لئے حاضر ہوں - شاہزادہ نے کہا اچھا اور فوراً تلوار کو نیام کر لیا - شیخ منہاج اپنے قبائل کو کھڑکی کی طرف سے حیدرآباد بھیج کر میدان جنگ میں آن ڈٹا اور رستم راؤ کو ساتھ لیکر خوب لڑا اور جوہر مردانگی دکھائے لیکن ایک سور ماچنا کیا بھاڑ کو بھون سکتا ہے دونوں زخمی ہوئے اور ان کی طرف کے بے شمار لوگ مارے گئے اور سب کے سب دم دبا کر حیدرآباد بھاگے - حیدرآباد پہنچ کر نیکناؔ اور مادناؔ نے تاناشاہ سے جڑی کہ یہ شکست محض خلیل اللہ خاں کی سازش سے ہوئی وہ شاہزادہ سے مل گیا ہے - تاناشاہ خلیل اللہ خاں کے خون کا پیاسا ہو گیا اور اُس کے مار ڈالنے کی فکریں کرنے لگا - خان مذکور نے جب دیکھا کہ بے وجہ میرے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں تو کھُلے خزانے ۱۰۹۶ھ میں شاہزادہ سے جا ملا - وہاں اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳ - تھے - جہاں آپ کا مقبرہ ہے وہ محلہ چیتاولی پیٹ کہلاتا ہے - آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے - چیتاپور سے ملی ہوئی ویران بستی ناگائی کی ہے یہ مقام بالکل اُجڑ گیا ہے لیکن پہلے بہت آباد ہوگا - بعض مندروں کی عمارات قدیم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے چھٹی اور ساتوں صدی عیسوی میں جب یہاں شمالی ہندوستان کے راجپوتوں کی حکومت تھی اور بودھ مذہب کا زور شور تھا یہ مقام آباد تھا مگر یہ مندر جین لوگوں کے معلوم دیتے ہیں - پہلے یہاں ایک مستحکم قلعہ بھی تھا اور مندرون کی کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ مقام بہت متبرک تھا - بہت سے مندر مسلمانوں نے گرا کر کھنڈر کر دیے - کئی مندروں میں پتھروں کے کتبے موجود ہیں اگر یہ پڑھے جائیں تو بہت سے دلچسپ حالات معلوم ہوں گے - بہت سے مندروں کو خزانے کے لالچ سے کھود کر ستیاناس کر دیا ہے - اس بستی کی بربادی کے متعلق مختلف روایات ہیں بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے مدتوں محاصرہ کیا اور فتح کے بعد اس کی فصیل کھود کر زمین کے برابر کر دی اور مکانوں کو توڑ پھوڑ کر بستی کو غارت کر دیا - بعض کہتے ہیں کہ بستی پر قہر خدا نازل ہوا اور آگ برسی - ہم نے سنا کہ ایک قسم کی وبا آئی تھی جس سے ساری بستی ویران ہو گئی اور پھر وبا کے ڈر سے لوگ نہ بس سکے - بہرحال اب ایسا اُجڑا ہوا ہے کہ ایک آدمی بھی نہیں رہتا - مکانات خالی پڑے ہیں - مسلمانوں نے یہاں ایک مسجد بھی بنا دی ہے جس میں مندروں کے ستون لگے ہوئے ہیں - ۱۲

بات کے منتظر ہی تھے۔ آتے ہی ہفت ہزاری منصب ملا اور چھ ہزار سوار تابع میں دیے گئے
مہتاب خاں کا خطاب ملا اور اُسی سال شولاپور میں اورنگ زیب نے خلعت اور پانچ ہزار روپیہ
انعام سے سرفراز فرمایا۔ تاناشاہ نے جب یہہ خبر سنی تو بے دست و پا ہوگیا اور راتوں
رات حیدرآباد سے اپنے قبائل اور خدام جواہر و اشرفی جس قدر لے جاسکا لے کر قلعہ
گولکنڈہ میں جا بیٹھا۔ باقی تمام کارخانجات شاہی اور مال و متاع جس کی تعداد پانچ کروڑ سے
زیادہ تھی مع سپاہ شہر میں چھوڑا۔ شہر والوں نے جب سنا کہ بادشاہ بھاگ گیا تو پھر ایک بھاگڑ
مچی تو سب کے سب قلعہ میں پونہچے۔ شہر خالی ہوگیا بدمعاشوں نے لوٹنا شروع کیا۔ تمام شب
ایک ہنگامہ عظیم برپا رہا صبح کو شاہزادہ کو خبر ملی جو حیدرآباد سے چھ کوس اس طرف پڑا ہوا تھا
یلغار حیدرآباد پونہچا۔ شہر تو پہلے ہی سے لٹ رہا تھا مغلیہ لشکر نے رہا سہا بھی لوٹ لیا آخرکار
کوتوال شہر چار پانسو سواروں کو لے کر کارخانجات شاہی کی حفاظت کرنے لگا۔ اب تاناشاہ کی
طرف سے پیغام صلح پیش ہوا۔ شاہزادہ نے فرمایا کہ اگر علاوہ سالانہ خراج کے ایک کرور تیس لاکھ
روپیہ اور محالات و پرگنہ جات مفتوحہ ہماری نذر کرو اور مادنّا اور نیکنّا دونوں کو ہمارے سپرد
کرو جنھوں نے یہہ ساری آگ لگائی ہے تو اب بھی صلح ممکن ہے۔ قبل ازیں تاناشاہ نے سعادت خاں
کی معرفت سے معروضہ عفو تقصیر پیشگاہ خسروی میں گزرانا تھا جس پر فرمان قضا شیم صادر
ہوا کہ ابوالحسن کے افعال قبیحہ احاطۂ تحریر و تقریر سے خارج ہیں۔ کافر و فاجر مادنّا کو وزیر کیا
سادات و شرفا کو بے اختیار محض کیا۔ فسق و فجور کا علانیہ رواج دیا۔ شراب خواری بلا
غل و غش جاری۔ کفر و اسلام۔ ظلم و عدل میں کچھ فرق نہ رکھا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں
کفار کی امداد کی۔ غرض کون سی بات شریعت کی باقی ہے مجھ سے امید عفو تقصیر کی رکھنا
عبث ہے مصرع

زہے تصور باطل زہے خیال محال

ادھر یہہ ناامیدی کا جواب آچکا تھا ادھر لوگوں نے مادنّا اور نیکنّا دونوں کا پیچھا لیا کہ ہر
شخص ان سے نالاں تھا ایک دن یہ دونوں بھائی قلعہ کی فصیل کے نیچے بیٹھے کچھ مشورہ کر رہے
تھے کہ چند لوگوں نے پونہچ کر ان دونوں کا کام تمام کیا اور دونوں کے سر کاٹ کر شاہ زادے

کے پاس بھیج دئے۔ خانہ ظالم خراب۔ لیکن بعد از خرابی خانہ ہائے بسیار۔ شاہزادہ کی سفارش پر درخواست صلح تو منظور ہوگئی لیکن ابھی عملی طور پر مصالحت نہیں ہوئی تھی کہ تاناشاہ کی فوج پھر مغلوں پر ٹوٹ پڑی۔ شاہزادہ بوجہ گرانی حیدرآباد کے کوہیر (ضلع بیدر) میں جا بیٹھا اور اس اثناء میں چھوٹی موٹی کئی لڑائیاں ہوئیں لیکن آخری لڑائی جو حیدرآباد سے دو منزل پرے ہوئی اس میں تاناشاہ کو کھلی شکست ہوئی اور وہ خود مقید ہو گیا۔ تاناشاہ بڑا مستقل مزاج شخص تھا جس وقت شاہزادہ قلعہ میں داخل ہو گیا اور دار و گیر کی مہیب صدا تاناشاہ کے کانوں تک پہنچی تو وہ دیوان خاص سے محل خاص میں چلا گیا اور مطلق رتی برابر اضطراب اُس کے چہرے سے ظاہر نہ تھا۔ خاصہ بردار کو حکم دیا کہ خاصہ چنا جائے۔ اس عرصہ میں روح اللہ خاں اور مختار خاں امرائے عالمگیری تاناشاہ کو اسیر کرنے کے لئے پہنچے۔ تاناشاہ اُن سے خاطر مدارات سے پیش آیا اور اپنے پاس بٹھا کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ خاصہ چنا گیا اطلاع ہوئی تاناشاہ نے اِن دونوں سے بھی کہا کہ بسم اللہ آئیے۔ مختار خاں اور دوسرے لوگ دسترخوان پر جا بیٹھے لیکن روح اللہ خاں سے نہ رہا گیا اُس نے کہا کہ بھلا یہ کوئی وقت کھانے کا ہے آپ پر تو قیامت ٹوٹ رہی ہے اور آپ کو کھانے کی سوجھی ہے۔ تاناشاہ نے مسکرا کر کہا کہ اجی حضرت کھانے کا تو یہی وقت ہے اس وجہ سے کہ میں نے سلطنت کے بارگراں سے نجات پائی آج اُس ذمہ داری عظیم کے بوجھ سے خدا نے ہلکا کیا ع

ایں بارگراں بود داشد چہ بجا شد

اب یہ بوجھ دوسرے کی گردن پر ہے وہ جانے اور اُس کا کام۔ ٹھنڈے دل سے اور پیٹ بھر کر سچ پوچھو تو آج ہی کھانا کھاؤں گا ورنہ آج تک میں کھانا نہیں کھاتا تھا بلکہ کھانا مجھ کو کھاتا تھا۔ القصہ نہایت اطمینان سے خاصہ تناول کر کے سوار ہو کر امراء کے حلقے میں قیدیوں کی طرح شاہزادے کے پاس گیا جو قلعہ کے دروازے میں خیمہ لگائے ہوئے منتظر بیٹھا تھا۔ تاناشاہ نے ایک بیش قیمت مالائے مروارید شاہزادے کو پیش کی شاہزادے نے قبول کیا اور جیسا کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہوتا ہے بہت اعزاز و احترام سے ملا۔ اورنگ زیب نے تاناشاہ کو کبھی اپنے سامنے نہیں بلایا بلکہ ایک علیحدہ خیمہ میں ساتھ رکھتا تھا لیکن جو امور ایسے ایک معزز بادشاہ کے شایاں تھے سب برابر ادا ہوتے تھے اعزاز و اکرام میں کسی قسم کا فرق نہ تھا۔ اورنگ زیب جب حیدرآباد اور گولکنڈہ کے

انتظام سے فارغ ہوکر ۱۰۹۸ھ میں بیدر واپس ہوا تو تانا شاہ کو جان نثار خاں کے ہمراہ قلعہ دولت آباد میں بھیج دیا۔ تانا شاہ کی عمر کی تقسیم یوں ہے (۱۴) سال طفلی۔ (۱۴) سال تحصیل علم۔ (۱۴) سال حاضرباشی بخدمت مرشد خود۔ (۱۴) سال سلطنت (۱۴) سال مقید بدولت آباد۔ بحالت قید تانا شاہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدہ سلطان تھا۔ وہ سن رشد کو پہنچ گیا تھا دربار میں آنے جانے لگا تھا اورنگ زیب نے جب لوگوں کا رجحان اس کی طرف دیکھا تو نظر بند کر دیا اس کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ اس غریب لڑکے کا انجام کیا ہوا۔ ۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۱۱۱ھ جمعرات کے دن تانا شاہ نے وفات پائی اور قلعہ کے باہر حضرت سید راجو قتال حسینی صاحب اپنے مرشد کے زیر سایہ آسودہ ہے۔ درگاہ کے احاطہ میں بہت سی قبریں ہیں خدا جانے وہ کن کن بزرگوں کی ہیں۔ البتہ سیاہ چار دیواری کے دروازے کی دیوار کے مغربی جانب تانا شاہ کی قبر ہے لیکن عبرت کا مقام ہے کہ جو شخص افسر تاج و تخت تھا آج اس کی قبر پر گنبد تو کجا معمولی سے معمولی کتبہ بھی نہیں ؎

محتسب ای دل سخن بسند برآخر　　زہند بس ارفت عبرت گیر آخر

لوگ کہتے ہیں کہ اورنگ زیب کی چال بازی سے ہوا۔ عام روایت یہ ہے کہ عالمگیر اس امر کے درپے ضرور تھا کہ کسی نہ کسی طرح تانا شاہ کا مطلع صاف کر دے۔ تانا شاہ نے بھی سنا کہ اس کے قتل کی فکر ہو رہی ہے۔ تانا شاہ دھقانا گرامرد اور اورنگ زیب سے کہلا بھیجا کہ چھرے مارنے کے لئے فرد دکیوں ایک گھونس کو (جو چھوٹا کثیف ہوتی ہیں اور ان کے کپڑوں میں سے موت اور گوبر کی بو آتی ہے) کہنے کہ نیت سے سامنے سے چلی جائے بس مجھے مار ڈالنے کے کافی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسی سبب سے یہ کہاوت لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے کہ اوہو۔ ! فلاں شخص کا تو ایسا دماغ ہے جیسے کہ تانا شاہ کا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسہال کبدی سے انتقال ہوا۔ حیدرآباد میں تانا شاہ کی دو یادگاریں ہیں۔ چار محل اور گوشہ محل۔ چار محل کے کچھ حصہ میں بارود تھی اس سے برباد ہوا باقی موسیٰ ندی بہا لے گئی ؎

اشک آں ہم صبر و طاقت از دل بے تاب برد　　پارۂ اوسوخت آتش پارۂ او آب برد

دو غار جس برج پر کالا پہاڑ توپ چڑھی ہوئی ہے اس کی داہنی جانب ایک غار ہے جس میں مدتوں تک جنار دھن سوامی ایک سنیاسی رہا کرتا تھا - دوسرا غار قلعہ کے مشرقی جانب چند پختہ سیڑھیاں فصیل میں بنی ہوئی ہیں جن پر سے اُتر کر اس چھوٹے سے پل پر جانا ہوتا ہے - جو خندق پر ہے - یہاں ایک غار ۱۹×۱۵ فیٹ اور چھ فیٹ بلند ہے - جس میں دیوی کی ایک بھدّی مورت بنی ہوئی ہے اور پہاڑ کے دامن میں گاؤں کے پاس ایک دیو سالہ من پڑی ایک ہندو سنیاسی کے نام سے مشہور ہے -

کالا پہاڑ توپ بارہ دری کے اوپر بالا حصار پر ایک بہت بھاری توپ جو "کالا پہاڑ" کے نام سے مشہور ہے رکھی ہوئی ہے - یہ توپ ۱۲ فیٹ ½ ۸ انچہ لمبی ہے کان کے پاس کا دور ۴ - ۱۰ اور دہانہ کا دور ۳ - ۹½ ہے - اس پر کچھ کندہ نہیں ہے -

توپ ڈھول دہاں اس سے اور اوپر "ڈھول دہاں" توپ ہے جو بیجاپور کی مشہور توپ ملک میدان کے لگ بھگ ہے - حیرت ہے کہ اتنی بڑی بلندی پر اتنی بھاری توپ کیسے پہنچائی گئی -

طول	انچہ	دور کان کے پاس	دہانے کا دور
فیٹ ۱۹	۱۰	فیٹ ۵ فیٹ ۵ ½۵	۴ فیٹ (۸) انچہ

اس پر حسب ذیل کتبات ہیں :-

(بخط مرہٹی)

سری درگ¹

توپ ڈھول دہاں
بابتہ جورا کرہ ہ
طوپ¹ تب² ورس³
۷ سیاع ۱۸ ۷۰ ۲۹۵

عمل³ ننگل سنگھ ولد رگناث
کشنداس ولد شنگجی

طول¹ - بارود کا وزن ہے - لفظ وزن³ ہے
اُس زمانے کے طوالی پیمانے اور وزن
معلوم نہیں ہوتے غالبًا (۲۹۵) من وزن
ہوگا -

مینڈھا توپ چینی محل کے پاس قلعہ کے دروازے کے نزدیک ایک برج پر یہ توپ ہی جس کے کان کے پاس مینڈھے کی منڈیا بنی ہوئی ہی اور اس توپ کی سیدھی طرف گولہ لگ کر گڑھا بھی پڑ گیا ہی۔

طول	کان کے پاس کا دور	دہانے کا دور
۱۸-۲-۱½"	(۷) (۲")	(۵) فیٹ

دروازہ مہاکوٹ قلعہ پر کی توپیں	توپ مجنوں	صف شکن	سرکار میر نظام علی خاں بہادر
	ایک	دو	سے

دولت آباد کے عام حالات دولت آباد کی آب و ہوا نہایت خوش گوار اور زندگی بخش ہی۔ یہاں میوہ جات کے باغ کثرت سے تھے۔ انجیر۔ انگور اور امرود یہاں کا مشہور ہی۔ تمام میوہ جات تر و تازہ اور بالیدہ ہوتے تھے اتنا بڑا تازہ اور شاداب انجیر شاید کہیں اور ہوتا ہو۔ انگور پہلے تو بے انتہا پیدا ہوتے تھے اب پہلے کی بہ نسبت کم مگر پھر بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اب تو جدھر دیکھو اور ویرانی ہی سوائے کھنڈروں کے کچھ میوہ تو میوہ سبزی بھی نظر نہیں آتی۔ انگور اور انجیر اب بھی کچھ ہوتے ہیں مگر اتنے کم کہ نہ ہونے میں داخل ہیں۔ فصیل قلعہ کے باہر بعض دل فریب اور قدرتی خوش نما مناظر آبشار۔ تالاب جھیلیں اور دل کش مرغزار ہیں جن کے نظارے سے دل باغ باغ ہو جاتا ہی اور آنکھوں میں تراوٹ آتی ہی۔ دولت آباد سے قریب خلد آباد ہی جس کا حال ہم جداگانہ ضمیمہ میں لکھیں گے۔

حوض قتلغ خاں خلد آباد کے نواح میں حوض قتلغ جو سلطان محمد تغلق شاہ کے اُستاد قتلغ خاں صوبہ دار خلد آباد نے بنوایا تھا قابل دید ہی۔ یہ حوض کا ہے کو ہی ایک تالاب ہی۔ تین طرف پہاڑ اور ایک طرف پختہ دیوار ہی۔ اس حوض کا پانی درۂ آبپاشی سے گزرتا ہوا قلعہ

دولت آباد کے ہاتھی حوض میں پونہچیا تھا۔ قتلغ خاں کا دو منزلہ مکان گرا پڑا اب بھی موجود ہو اوپر کا حصہ تو بالکل منہدم ہوگیا نیچے کا کچھ باقی ہو۔ عوام میں قتلو کا حوض مشہور ہو۔

درۂ آبپاش حوض مذکور کے جنوب اور دولت آباد کی شمالی گھاٹی کے دامن میں وسیع اور عمیق درۂ آبپاش ہو۔

یہ جگہ قدرتاً ایک مثلث متساوی الساقین ہو۔ شرقاً اور غرباً دونوں طرف دو پہاڑیاں اور جنوب یعنی قاعدہ کی طرف چونے اور پتھر کی چوڑی دیوار لطور بند کے بنائی گئی ہو۔ یہ مرغزار دل برداشتہ اور وحشت زدہ کے واسطے فرحت افزا اور از حد دل کشا ہو۔ دل چسپی اور نظارۂ قدرت الٰہی کے لئے اس سے بہتر مقام نہیں ہوسکتا۔ مختصر یہ کہ جس طرح ملک دکن میں خلدآباد بے نظیر ہو اُسی طرح شاہ خاکسار صاحب کے پہاڑوں میں حوض قتلغ اور درۂ آبپاش بہ اعتبار لطافت آب و ہوا و نیز لبغرض تفریح طبع و سیر و شکار یہ مقامات بے مثل ہیں۔ یہ تمام کوہستان ہر فصل میں خزاں کے جھگڑوں سے پاک اور ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہو خصوصاً موسم بارش میں تو بلاشبہ نمونۂ جنت نظر آتا ہو۔ حاجی محمد خاں قدسی کہتے ہیں:۔ ~~ ؎

در ایام خورداد واردی بہشت	زند دولت آباد دم از بہشت
زد لہا صبا رفتہ گرد ملال	ہوائے بہشت است یا برشگال
در و بامش از سبزہ فیروزہ فام	حصارش زہ تنگ زبرجد تمام
ندیدہ کسے جز دریں مرغزار	بقلب الاسد ابتدائے بہار
نہ از سیل دیوار باغش خراب	نہ بر نخل مومش ستم ز آفتاب
جو اند پیران ایں سرزمیں	نہ سرما نہ گرما بہشت است ایں
ز رشح ہوا پائے صحت بگل	طبیبان زبیکاری ایں جا خجل
حصارش کند بر سر چرخ ناز	کہ طاؤس عرش است پر کردہ باز
مرایں قطع را بود یا درمیاں	کہ رفعت از زمیں سبزہ برآسماں
دریں ملک مردم خوش آسودہ اند	ہوائیست گوئی کہ فرمودہ اند
نیایند برگے دریں بوستاں	کہ گردد زبانش بنام خزاں

گلے غنچہ نگزاشت فیض سحاب | دریں بوستاں جز گل آفتاب
گر از گریہ خالی کند ابر دل | عجب گر رود پائے مورے بگل
ببارد اگر ابر سالے تمام | دریں خاک گل را نہ داند نام
بہار از پی زینت ہر چمن | بر و مایہ از برشگال دکن
ز نم گشتہ بازارہا سبز پوش | دکانہا دکان زبرجد فروش
ہوا اش بخوبی ازاں ست فرد | کہ ہرگز کسے را تصفر نہ کرد
زمین دکن سر نیارد فرود | ز فیروزہ رنگی بہ چرخ کبود

بزرگان دین دولت آباد پچھلے زمانے میں ملک دکن میں اول درجہ کا شہر تھا وہاں ہر قسم کے دنیاوی باکمال اور دینی نامور پیشوا موجود تھے۔ چنانچہ صوفیائے کرام میں حضرت مومن عارف باللہ اور حضرت جلال الدین گنج رواں سہروردی مشاہیر میں سے تھے۔ حضرت مومن صاحب دولت آباد کے شرقی پہاڑوں کے دامن میں آسودہ ہیں اور حضرت جلال الدین صاحب دولت آباد کی شمالی آبادی کی انتہائی حدود میں ایک ٹیکڑی پر مدفون ہیں اُس زمانے میں یہ مقامات اندرون آبادی ہوں گے اب تو دور دور آبادی کا پتہ نہیں۔ صرف اِن دو بزرگواروں کے مزار باقی ہیں۔

مساجد حضرت مخدوم حاجی سید نظام الدین صاحب پیش امام چہاردہ صد اولیا کی درگاہ کے غربی دروازہ پر یہ کتبہ ہے۔

"بناشد ایں مسجد در عہد خلافت خدائگاں روے زمیں برگزیدہ رب العالمین ابوالمجاہد محمد بن تغلق شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ"

بفرمائش بندۂ درگاہ ملک الامراء اختیار الدولہ والدین الغ اعظم قلی سلطانی المخاطب بہ نصیر الممالک کان اللہ لہ فی الرابع عشر ربیع الاول سنۃ ثلث وثلثین وسبعون"
سنہ ۷۳۳ھ

حضرت پیر مومن عارف باللہ کی مسجد پر کتبہ تو ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

مسجد درگاہ شریف کا غذی پورے پر یہ کتبہ ہے۔

از سر جودت بخواں ترمیم ایں اقدس بنا۔ مسجد حاجی نظام الدین امام اولیاء

سنہ ۱۳۱۷ھ

اور عقب درگاہ چشمہ شمال رویہ میں یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ

بقطبی ندا داد ہاتف چناں کہ چشمہ را ز سید رساں

سنہ ۱۲۷۰ھ

دولت آباد کی جامع مسجد جینیوں کا مندر توڑ کر بنائی گئی ہے اور دالانوں کی وضع قطع سے احمد شاہ کے وقت کی اُن مسجدوں سے ملتی جلتی ہے جو کہ گجرات میں تھیں۔ اس مسجد کے (۹۶) منقوش ستون ہیں۔

نظام آباد سرائے مرتضیٰ نظام شاہ ثانی (سنہ ۱۶۰۰ء۔۱۶۳۲ء) نے دولت آباد کے قریب اپنے نام کا ایک شہر نظام آباد بسایا تھا شہر تو اُجڑ گیا مگر ایک سرائے البتہ باقی ہے جو چودہ ہزار چار سو مربع فیٹ کے دور میں ہے۔ اس میں چھپن کوٹھریاں اور تین نہایت وسیع دالان ہیں۔ سرائے کے چاروں کونوں پر برجیاں بھی بنی ہوئی ہیں مگر ساری عمارت بہت خستہ حالت میں ہے عجب نہیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بالکل نیست و نابود ہو جائے اور شہر نظام آباد کی طرح یہ بھی صفحۂ دنیا سے مٹ جائے۔

دولت آبادی کاغذ یہاں اعلیٰ درجہ کا پائدار کاغذ بنتا تھا۔ چنانچہ اب تک دولت آبادی کاغذ مشہور ہے اور کاغذی پورے کی ساری بستی کا یہی ذریعۂ معاش تھا۔ اب انگریزی کاغذ چل پڑے یہاں کے کاغذ کی قدر نہ رہی لہذا یہ صنعت ڈوب گئی۔ اب بھی گندہ کاغذ لفافوں کا یہاں بنتا ہے لیکن اُس کی بھی نکاسی نہیں۔ کاغذی پورے کے لوگ جن کا ذریعۂ معاش یہی تھا مفقود ہونے سے اب تباہ حال ہیں اور کوئی پیشہ اِن غریبوں کو آتا نہیں جو اپنا پیٹ پال سکیں۔

خضر علیہم از پی سال بناش — راحت افزا چاہ عنبر بہر گفت
۱۰۹۱ھ

سنگ سیاہ پر جانب مغرب کتبۂ ذیل کندہ ہے۔

ز سعی عنبر مسعود فرجام — بنائے چاہ آمد نیک بر جائے
خضر گفت از پی تاریخ سالش — چہ عنبر چاہ آمد راحت افزائے
۱۰۹۱ھ

اسلام جھرے کا کتبہ سنہ ۱۱۴۴ھ بیرون قلعہ جانب مشرق ایک چھوٹا تالاب اور چشمہ جو سنگ بست و محصور ہے اسلام جھرے کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کی پیشانی کے سنگ سیاہ پر بخط نستعلیق کتبۂ ذیل مرقوم ہے۔ اسلام جھرا۔ تاریخ چہاردہم شہر شعبان المعظم سنہ ۴۶ جلوس چہل و شش عالمگیری۔

ادھونی کی برڈز آئی ویو[۵۱] ٹوٹے پھوٹے قلعہ کے پائیں میں کچھ لق و دق میدان اور جنگل ہے۔ اس میدان کے شمال میں ایک لمبا پہاڑ ہے جس پر چڑھنے کا راستہ بنا ہوا ہے۔ یہاں ایک عمدہ اور شفاف چشمہ ہے اور اسی کا پانی نلوں کے ذریعہ سے بستی میں پونچایا گیا ہے۔ اس کا نام پہلے "رام جھرہ" تھا بعد عالمگیر نے "اسلام جھرہ" رکھ دیا اور اب اِسی نام سے مشہور ہے۔ اس کے سامنے ایک پختہ دھرم سالہ ہے جو کسی طوائف کا بنوایا ہوا کہا جاتا ہے اس پر ایک سنگ سیاہ کی تختی پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بتاریخ دہم شہر شعبان المعظم سنہ چہل و شصت لیکن یہ سنہ عالمگیر کے زمانِ سلطنت سے کچھ مطابقت نہیں رکھتا نہ سال ہجری ہے نہ جلوس۔ شاید کچھ غلطی ہوئی ہے۔ دھرم سالے میں سے گزر کر جب چشمے پر جاتے ہیں تو ایک دیول ملتا ہے۔ اس بلندی پر کھڑے رہنے سے پائین کے میدان میں بھیم سنگھ کا مندر ہے جو کبھی یہاں حکمران تھا جس میں بھیم سنگھ وغیرہ قیامت کی نیندیں لے رہے ہیں۔ اس مندر سے تھوڑی دور رائچور کے نواب بے بدر جنگ کا مقبرہ ہے جس کی جاروب کشی اور چراغ بتی کے لیے اب بھی تیس روپیہ ماہوار سرکار عالی نظام سے مقرر ہیں اُسی زمانہ کی ایک چھوٹی سی تین کمانوں کی مسجد بھی ہے۔ یہاں سے ایک فرلانگ کے

[۵۱] ۔ پرند جب آسمان پر بلند ہو کر جو منظر دیکھتا ہے اُسے "برڈز آی ویو" کہتے ہیں۔

فاصلے پر حضرت جلال ڈونگری کا مزار ہے جن کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ایک کھلا میدان ہے برسات کے زمانے میں اس قدر پانی پہاڑوں پر سے بہ کر یہاں جمع ہوتا ہے کہ ایک تالاب ہو جاتا ہے۔ اسی کے پاس "سات ملاح" کا تالاب ہے جس میں ایک کنواں ہے۔ اس کنوئیں کا پانی بھی نفاست اور عمدگی میں مشہور ہے۔ یہاں سے دو سو قدم پر "کالا تالاب" ہے اس کا پانی ملگجا ہے لیکن یہ تالاب بارہ مہینے بھرا رہتا ہے مگر اسی کا پانی فلٹر ہو کر بستی میں پونچایا گیا ہے۔ ادصوبی میں ایک خدارس بزرگ سید السادات سید شاہ قادری عرف سید حضرت صاحب ہو گزرے ہیں آپ ولی کامل تھے۔ کالے تالاب کی پہاڑی کے دامن میں آپ کا مزار ہے اور آپ کے مزار کے پاس ہی پیر باوے صاحب کی تربت ہے۔ دونوں صاحبوں کا عرس ہوتا ہے اور کچھ معاش بھی سرکار انگریزی سے جاری ہے۔ تالاب کے پاس ایک شکستہ مسجد ہے جو "کلام مسجد" کے نام سے مشہور ہے اور یہیں حسینی علم کا عاشور خانہ ہے جس میں ماہ محرم میں بڑی دھوم دھام ہوا کرتی ہے۔ یہ ایک خوش قطع اور پختہ عمارت ہے اور معاش جاری ہے۔ اس کے بعد کوتانے صاحب کا عاشور خانہ ہے جو ایک پختہ کمان طے کرنے کے بعد ملتا ہے۔ یہیں سے سنہری مسجد کی سیڑھیاں شروع ہوتی ہیں۔ اس مسجد کے اب بھی سنگ سیاہ کے ستون باقی ہیں جو صناعی کا ایک خاص نمونہ ہیں۔ اس مسجد کی محراب پر طلائی گلکاری بھی تھی جس کا اب بھی کچھ کچھ نشان باقی ہے۔ تاریخ تو یہی درج ہے۔

"فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"

۱۰۸۸ھ

اس مسجد میں ایک تہ خانہ بھی ہے جس کے آگے "مراری تالاب" ہے جو ایک معمولی حالت پر ہے۔ یہیں سنگھار باغ تھا جو اجڑ اجڑا گیا۔ اسی میں نوابوں کے شکستہ مکانات کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں کھڑی ہیں۔ ایک باؤلی "کلیانی تیرتھ" کے نام سے مشہور ہے جس میں ہنود اپنے مردوں کی ہڈیاں اعتقاداً ڈالا کرتے ہیں۔ اسی کے قریب ہندوؤں کا ایک قدیم دیول تھا جسے مسلمانوں نے مسجد بنا لیا اور یہیں ملک ریحان کا مقبرہ ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ قلعے کے تین سنگین دروازے ہیں جو اب تک اچھی حالت میں سر بفلک کھڑے ہیں۔ قلعہ کے باہر میدان میں مرتضیٰ قادری کا مقبرہ اور مسجد ہے

دوسرا ضمیمہ۔ قلعۂ اودگیر

وجہ تسمیہ اودگیر ایک بہت پُرانی بستی ہی جو کسی زمانے میں شہر ہوگا مگر اب تو ضلع بیدر کی ایک تحقیل ہی جو بیدر سے بجانب مغرب بیس کوس کے فاصلہ پر ہی۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بستی آٹھ ساڑھے آٹھ سو برس پہلے کی ہی اور عجب نہیں کہ یہ صحیح ہو کیوں کہ بہت سی پُرانی شان دار عمارتوں کے گرے ہوئے آثار اور ویران کھنڈر اپنی ڈراونی شکل سے اس کا ثبوت دے رہے ہیں جس چٹیل میدان پر اب قلعہ موجود ہی کہا جاتا ہی کہ پہلے پہل یہاں ایک برہمن فقیر نے اپنی جھونپڑی ڈال لی تھی چند دنوں میں آبادی بڑھنے لگی اور اسی فقیر کے نام سے جو اودی گیر تھا یہ بستی موسوم ہوگئی چنانچہ اب تک اندرون قلعہ ایک قدیم دیول جو بالائی چبوترے سے (۵۰) فٹ گہرا ہی اور اسی کے سامنے ایک عمیق باؤلی ہی موجود ہیں۔ ہندوؤں کی ایک معتبر کتاب "کرشنس گند" میں لکھا ہی کہ ایک دن مہادیو سے اُس کی جورو پاربتی نے پوچھا کہ اگر کسی شخص نے بہت سے گناہ کئے ہوں تو ایسا کون سا طریقہ ہی جو تھوڑی سی عبادت میں معاف ہو جائیں۔ مہادیو نے کہا کہ کرتا جوگ میں ایک اودلنگ رشی رہتا تھا جس کی جورو بڑی سفاک تھی۔ رشی اپنی عورت کی بدکرداری سے تنگ ہو کر میری پرستش کرنے لگا میں خوش ہو کر اُس پر ظاہر ہوا اور کہا کہ تو یہیں بیٹھ ایک لنگ خود بخود زمین سے ظاہر ہوگا تو اُس کی پرستش کیا کیجیو۔ جب کلجگ آیا تو وہ رشی غائب ہوگیا اور اسی زمین پر قلعۂ اودگیر کی بنا پڑی اور رفتہ رفتہ جب آبادی بڑھنے لگی تو اُسی رشی کے نام پر اودگیر نام پڑ گیا۔

۵ ۔ اگرچہ میں بھی قصبۂ اودگیر میں رہ چکا ہوں اور یہ مقام میرا کئی دفعہ کا دیکھا ہوا ہی اور میرے پاس بھی کچھ کچھ نوٹ تھے مگر اس وقت مسٹر سر سینوس چاری سوم تعلقہ دار ڈویژن اودگیر نے مجھے بہت کچھ مواد دیا اور نواب فرامرز جنگ بہادر تو جہاں رہے وہاں کی تاریخ بہت شوق سے جمع کرتے رہے ہیں چنانچہ اودگیر کے حالات

کیفیت بناے قلعہ اودگیر کا قلعہ ایک بہت پرانا عالی شان اور مستحکم بنا ہوا ہی۔ کہا جاتا ہی کہ اس کے بانی شاہان بریدیہ تھے لیکن کتب سیر سے اگرچہ بالتخصیص نہیں مگر بالتعمیم اتنا معلوم ہوتا ہی کہ خاندان بہمنیہ کے زمانے میں اس کی بنیاد پڑی ہی لیکن یہہ پتہ نہیں چلتا کہ کس بادشاہ بہمنی کے سر سہرا رہا۔ تاریخ فرشتہ سے پایا جاتا ہی کہ سلطان محمود شاہ بہمنی نے اپنے اواخر زمانۂ سلطنت میں قاسم برید کو جو پہلا غاصب بادشاہ خاندان بریدی کا تھا علاوہ منصب وکالت وطرفداری بیدر کے قلعۂ اودگیر۔ قندہار۔ اوسہ کو ۸۹۷ھ میں بطور جاگیر عنایت کیا تھا جب وہ قابض رہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ قلعہ اُس وقت بھی موجود تھا۔ البتہ یہ امر کہ کس نے بنایا متحقق نہیں ہوتا قیاس یہہ چاہتا ہی کہ ہندو راجاؤں کا بنایا ہوا ہو اور بہمنی بادشاہوں نے اپنے زمان عروج میں اس کی شکست و ریخت کی ہو۔

قاسم برید ۹۰۹ھ میں جب شہر بیدر کا خود مختار بادشاہ ہوا تو اُس وقت اُس نے اپنے بیٹے امیر برید کو یہ قلعہ سپرد کیا۔ ۹۲۳ھ میں امیر برید نے خداوند خاں حبشی جاگیردار ماہور سے اس قلعہ پر سخت لڑائی کی جس میں وہ حبشی مارا گیا اور امیر برید قابض رہا۔ ۹۳۷ھ میں امیر برید نے بمقام بیدر عادل شاہ بیجاپور کے مقابلے میں لڑائی کی اور گرفتار ہوا۔ اس کے بعد عادل شاہ نے امیر برید کی جان بخشی کی اور اُس کو رہا کیا جب سے امیر برید قلعہ میں رہنے لگا اور حکومت شہر بیدر سے اُس وقت تک علیحدہ رہا جب تک کہ عماد الملک گورنر براڑ کی سفارش کی وجہ سے عادل شاہ نے حکومت شہر بیدر پھر امیر برید کے حوالے نہ کی۔ امیر برید کے بعد علی برید جو تیسرا بادشاہ خاندان بریدیہ کا تھا قلعۂ اودگیر پر قابض رہا۔ ۹۵۲ھ میں قلعۂ اودگیر و قلعۂ اوسہ پر علی برید سے اور برہان نظام شاہ والی احمد نگر اور عادل شاہ سے لڑائی ہوئی جس میں علی برید کو شکست فاش ہوئی اور ان ہر دو قلعوں کو علی برید کی فوج احتشام نے تنگی آذوقہ کی وجہ سے برہان نظام شاہ کے سپرد کر دیا چنانچہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ - میں بھی صاحب موصوف نے ایک مختصر سا رسالہ ۱۳۱۶ھ میں لکھا ہی جو مجھے سوم تعلقہ دار صاحب موصوف نے بھیج دیا لہذا میں دونوں صاحبوں کا از حد رہین منت ہوں۔ ۱۲ منہ المصنف

بارھواں ضمیمہ۔ قلعۂ دھارور

دہارور کا قلعہ[۱] بے شک اپنے با اقتدار بانی کے شوکت و جبروت کی ایک مستحکم یادگار ہی لیکن اب بالکل شکستہ ہی اور جا بجا سے فصیل ٹوٹ گئی ہی تاہم اس کی منہدمہ عمارات برجوں اور فصیل سے جو اب باقی ہیں معلوم ہوتا ہی کہ اس کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہوگا یہ قلعہ اب ضلع بیڑ کی تحصیل مومن آباد عرف آنبہ جوگائی میں واقع ہی۔ اس کے ویران محراب و در اور اس کی ساخت کی ترکیب اپنے حوصلہ مند بانیوں کی عظمت و اقتدار کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ دیرینہ اور مسن لوگوں کی زبانی معلوم ہوتا ہی کہ اس قلعہ کی ابتدا دہار سنگہ راجہ نے کی تھی اور کشور خاں لاری نے اسے مکمل کیا اور کچھ تعمیر بادشاہ عالم گیر غازی کی سلطنت میں بھی ہوئی ہی۔ دہار سنگھ راجہ کے واقعات اور اُس کی زاد بوم کا کچھ پتہ نہیں چلتا مگر اندرونی حصار ملک نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کا طیار کردہ معلوم ہوتا ہی جس کے ایک پتھر پر کچھ عبارت کندہ ہی لیکن مٹ جانے سے برابر پڑھی نہیں جاتی جتنی بہ شکل نکل سکی بجنسہ نقل کی جاتی ہی۔

[۱] - اس قلعۂ کو آج سے تیس برس پہلے میں نے دیکھا تھا مگر اس خیال سے نہیں کہ کبھی یہاں کی تاریخ لکھنے کی نوبت آئے گی اس وجہ سے مجھے اب کچھ یاد نہیں رہا۔ میں جناب اودھ بہاری لال صاحب تحصیل دار کا ممنون ہوں جنھوں نے میری خاطر قلعہ کے دیکھنے اور وہاں کے حالات لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ دہارور پہلے کیج تحصیل میں شامل تھا اور کیج سے چار کوس ہی لیکن اب ضلع بندی جدید میں کیج کی تحصیل ٹوٹ گئی اور قصبۂ دہارور تحصیل مومن آباد عرف آنبہ جگائی میں شریک ہوا جو ضلع بیڑ میں ہی اور مومن آباد مستقر تحصیل سے دس کوس ہی۔ اس دہارور کو عموماً کیج دہارور کہتے ہیں تاکہ نظام سٹیٹ ریلوے اسٹیشن دہارور سے مخلوط نہ ہوجاے آخر الذکر مقام ضلع اطراف بلدہ کی ایک تحصیل ہی جو پہلے کوٹ پلی کی تحصیل سے نامزد تھی اور بیدر جانے کے لئے قریب تر اسٹیشن یہی ہی۔ ۱۲

"برج خصال زن دیوان مرتضیٰ شاہی کارکرد بنام احمد آقا ایں حصار ملک نظام شاہ مقبول بارگاہی عطاء عنایت خداوند آلہی حوالہ کرد احمد آقا برائے محافظت۔ مرتب آیدت برج بابی پُراست تاریخ فی عشرین شہر مبارک رمضان سنہ خمس ثمانین تسعمائتہ ہجری"

۹۸۵ھ

اندرونی احاطہ میں ایک مسجد بھی تھی جس کی لداؤ چھت تمام گر پڑی ہی صرف دیواریں کھڑی ہیں اور قد آدم دروازہ سنگ لبستہ مسجد کے صحن کا موجود ہی۔ اس پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

درعہد نظام شاہ عالی مقدار	آں شاہِ جہاں بجاہ خورشید لقب
بانی بنائے خیر شد سنجر خاں	آں منبع خلق و لطف احساں ادب
تاریخ بنائے خیر اگر خواہسی	از قبلہ اہل عجز و اخلاص طلب

۱۰۳۰ھ

ایک قلمی تاریخ موسوم بہ خورشید جاہی کے چند کہنہ دبوسیدہ اوراق میرے دیکھنے میں آئے تھے اُس میں یہ لکھا ہوا ہی کہ نظام شاہ بادشاہ احمد نگر کے عہد بادشاہت میں قلعہ دہارور کا حصار اوّلیں بنایا گیا۔ تاریخ مذکور میں دہارور کا نام فتح آباد لکھا ہوا ہی۔ جب اسمٰعیل عادل شاہ بادشاہ بیجاپور تخت نشین ہوا چند سال بعد اُس نے اپنے سپہ سالار کشور خاں لاری کو فوج کثیر کے ساتھ نظام شاہ والی احمد نگر سے لڑائی کے لئے روانہ کیا جنگ عظیم کے بعد کشور خاں نے فوج نظام شاہی کو شکست فاش دی اور قصبۂ نیکنور تک اپنا تسلط کرایا۔ اس فتح نمایاں کے بعد بحکم بادشاہ بیجاپور کشور خاں نے دفع غنیم کے خیال سے قلعہ دہارور کی تکمیل اور استحکام کیا اور دوسرا حصار بنوایا۔ سنا گیا کہ ۱۲۶۱ف تک قلعہ کی حالت فی الجملہ درست تھی اگرچہ اندرونی مکانات بالکل منہدم اور برباد ہوگئے تھے مگر قلعہ کی فصیل اور اُس کے شان دار بروج ثابت و قایم تھے۔ ۱۲۶۱ف میں شورہ پشت وقطاع الطریق روہلوں کا گروہ دور دراز مقامات سے تاخت و تاراج کرتا ہوا قلعہ میں پناہ گزیں ہوا تھا اُن کی گرفتاری کے لئے جمعیت کنٹنجنٹ کے دو رسالے اور توپ خانہ بھیجا گیا تھا قلعہ دہارور کے تاریخی اور

گزشتہ مصائب میں وہ واقعہ یادگار ہے لیکن کہیں تاریخ سے اس کا پتہ نہ چلا۔ لوگوں کے بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان رہیلوں کی لوٹ مار سے تمام قصبۂ دہارور ویران ہوگیا تھا اور عام ساکنین اپنی اپنی جان لے کر جدھر منہ اٹھا نکل بھاگے آخرش سرکار نے کنٹنجنٹ کی فوج روانہ کی۔ قلعہ کا دروازہ پہلے بند کرکے قلعہ کے اندر جا بیٹھے تھے۔ جنرل ہاریٹ کمانڈنگ افسر اور اُن کے تحت میں گیارہ یوروپین افسر موجود تھے دو ہفتے برابر گولہ باری ہوتی رہی مگر قلعہ کی فصیل کو مطلق جنبش نہ ہوئی۔ بعد میں پتہ ملا کہ شمالی رخ کی تھوڑی سی فصیل خام ہے فوراً ادھر توپیں لگا دیں ذرا سی دیر میں فصیل ٹوٹ گئی اسی راستے سے فوج قلعہ میں جا گھسی اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد رہیلوں نے ہتھیار ڈال دئے اور اطاعت قبول کرلی۔ اس فتح مندی کے بعد صاحبان رسالہ نے قلعہ کو مامن اشرار خیال کرکے بہت سی فصیل کھدوا ڈالی۔ سنا گیا کہ منوں باروت اور گولی قلعہ کے کوٹھوں میں بھری پڑی تھی وہی نکال نکال کر سرنگیں لگا لگا کر اڑا دیں۔ اس کے بعد اور جو کچھ شکست و ریخت ہوئی ہے وہ زمانہ کی دست برد اور نگہداشت کی سرد مہری کہنی چاہیئے۔ قلعہ کے اندر بہت سے مکان موجود ہونے کی علامات پائی جاتی ہیں چنانچہ اب تک بہت سے کھنڈر موجود ہیں جن کی خالی چار دیواریاں کھڑی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ کی تعمیر کے بعد بہت سے عالی شان مکانات و محلات بنائے گئے تھے۔ قلعہ کے مغربی جانب اب تک ایک نہایت عالی شان و مرتفع مکان کی بوسیدہ دیواریں کھڑی ہیں۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام کوئی سیرگاہ تھا۔ اس کی مغربی جانب پہاڑ کے دروں کا ڈھلاؤ اور اس کی سطح پر قدرتی درختوں کی بے سلسلہ مگر گنجان جھنڈوں کی سرسبزی کا منظر پیش نظر ہوجاتا ہے۔ اس مکان کے سامنے خانہ باغ اور چمن بندی کی علامات چھوٹی چھوٹی روشیں اور مختلف اقسام کی کیاریوں کے مٹے مٹائے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ پختہ روشیں اور نالیاں اور درمیانی حوض اب سب ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ اس اجڑے ہوئے مکان اور تباہ شدہ چمن کو دیکھ کر نہایت حسرت و افسوس ہوتا ہے۔ پہلے یہ مقام کیج کی تحصیل میں تھا اب کیج کی تحصیل شکست ہوگئی۔ کیج میں حضرت قاضی مہذب الدین صاحب قدس سرہ کا مدفن ہونے سے

عام لوگ اس قصبہ کو کیج شریف کہتے ہیں۔ حضرت کا گنبد شریف پختہ عمارت ہے۔ حضرت موصوف کے محامد و محاسن و برکات نزدیک و دور مشہور ہیں۔ سنا گیا کہ حضرت کا زمانہ تقریباً سات سو برس کا ہے۔ حضرت زرزری زر بخش یا برہان الدین اولیاء قدس سرہ کے ساتھ اورنگ آباد تشریف لائے تھے اورنگ آباد سے بہ اشارت خاص کیج فائز ہوئے۔ اور یہیں زندگی کے بقیہ ایام یادِ خدا میں صرف فرما کر رحلت فرمائی۔ آپ کے وصال کے بہت دنوں بعد آپ کا گنبد تعمیر ہوا۔ اندرون حدود درگاہ عموماً لوگ بہ پاس ادب پلنگ یا چارپائی پر نہیں سوتے۔ اس قلعہ میں حصار کے اندر اکیس برج ہیں جن کے تفصیل حسب ذیل ہے۔

اندرون حصار جانب مشرق (۸) خندق کا بُرج شکستہ۔ سالم۔ شاہ بُرج۔ کھنڈے راؤ کا برج نصف شکستہ۔ ہتیا راؤ کا برج۔ دروازہ کے قریب کا بُرج۔ دروازہ کے محاذی بُرج۔ ٹکسال بُرج۔

جانب شمال چھ بُرج۔ جوڑی بنگالن کا بُرج۔ شولاپوری برج۔ چادر پانی کا برج درہ چادر پانی کا برج۔ چور دروازہ کا برج۔ جن میں ایک شکستہ اور ایک درست۔

جانب مغرب تین برج۔ بانڈا برج۔ کوٹ تالاب برج دو۔

جانب جنوب۔ درۂ لوگڑی کے پاس سے وڈّی چشمہ تک چار برج ہیں جن میں تین شکستہ اور ایک سالم ہے۔ لیکن ان برجوں کے کوئی خاص نام نہیں ہے۔ بیرون حصار چھ برج حسب ذیل ہیں

جانب مشرق چار برج۔ روبروے شاہ برج ایک برج ہے جس پر کندہ ہے۔ مگر پڑھا نہیں جاتا۔ پرکوٹ یعنی (خندق) کے قریب ایک برج ہے اس پر کا کتبہ بھی ما لقری نہیں ہے ٹکسال برج کے محاذی بیرون حصار دو برج ہیں جن میں سے ایک شکستہ اور ایک درست ہے۔

جانب جنوب دو برج۔ درۂ لوگڑی کا برج۔ لال اکھاڑے کا برج۔

قصبۂ دہارور کے مسن آدمیوں کا بیان ہے کہ برجوں پر بہت سی توپیں تھیں لیکن سب تلف کردی گئیں اب کوئی توپ نہیں ہے۔ اگرچہ کتبہ پیچیدہ اور مٹے ہوئے ہوں گے لیکن تاہم کوشش کی جاتی تو کچھ نہ کچھ پڑھے جا سکتے تھے لیکن یہ کام جب ہی ہو سکتا تھا کہ میں خود جاتا اور یہ سر دست ممکن نہ تھا۔

تیرھواں ضمیمہ رائچور

رائچور کی جغرافی حالت

جی۔آئی۔پی ریلوے کا ٹرنس اسٹیشن ہے جو بمبئی سے (۴۴۳) میل ہے۔ مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ مدراس یہاں سے (۳۵۱) میل ہے اور حیدرآباد (۱۸۲) میل۔ مردم شماری سنہ ۱۳۲۰ف میں (۴۲۶۹۹) اور خانہ شماری (۴۹۹۷) تھی۔ یہ مقام سمندر کی سطح سے (۱۳۱۵) فیٹ بلند ہے اور بلدہ حیدرآباد سے (۴۸۰) فیٹ نیچا ہے۔ دریائے کرشنا[۱] رائچور سے جانب شمال (۱۶) میل ہے اور دریائے تنگ بھدرا[۲] جانب جنوب (۱۷) میل۔ چوں کہ رائچور دونوں دریاؤں کے بیچ میں ہے اس واسطے دوآبہ کہلاتا ہے جیسا کہ پانچ دریاؤں کے ہونے سے پنجاب مشہور ہے۔ رائچور صوبہ گلبرگہ میں شامل ہے۔ رائچور مستقر اول تعلقداری یعنی کلکٹر ضلع ہے۔ سنہ ۱۲۶۶ف میں اس ضلع کے دو ٹکڑے کئے گئے مغرب رویہ رائچور اور مشرق رویہ لنگسگور۔ رائچور سے لنگسگور (۵۵) میل ہے۔ سنہ ۱۳۱۵ف کی جدید ضلع بندی میں یہ ضلع لنگسگو شکست

---

[۱] دریائے کرشنا مغربی گھاٹوں سے قریب مہابلیشور کے نکل کر خلیج بنگالہ میں گرتا ہے اس کا طول تخمیناً آٹھ سو میل ہے۔ دریا کے قریب ہی جی۔آئی۔پی ریلوے کا اسٹیشن اسی نام کا ہے اس دریا کا آہنی پل اس ریلوے لین کا سب سے بڑا پل ہے جس کی ۳۶ کمانیں ہیں اور جو ۳۸۵۴ فیٹ لمبا ہے ۱۲۔

[۲] دریائے تنگ بھدرا دو چھوٹی چھوٹی ندیوں تنگا اور بھدرا کے مل جانے سے پیدا ہوا ہے۔ موضع سموگہ علاقہ میسور سے نکل کر لنگسگور اور رائچور کی جنوبی حد پر بہتا ہوا عالم پور کے قریب سرحد موضع کوڑیلی میں (کرنول سے عالم پور نو میل ہے درمیان میں تنگ بھدرا حائل ہے) کرشنا سے ملتا ہے اس مقام کو ہندو "سنگم تریان" کہتے ہیں اور بڑا متبرک مقام سمجھ کر اشنان کرتے ہیں۔ کرشنا اور تنگ بھدرا دونوں ندیوں سے بہت سی نہریں کاٹ کر زراعت میں مدد لی گئی ہے۔ مملکت نظام میں تنگ بھدرا کی درازی (۱۷۵) میل ہے۔ گورنمنٹ نظام اور برٹش میں یہی دریا حد فاصل ہے۔ مدراس ریلوے کا اسٹیشن اسی دریا کے نام سے تنگ بھدرا کہلاتا ہے۔ دریا بالکل ریلوے اسٹیشن سے ملا ہوا ہے جس پر کرشنا کی طرح نا طرا بھاری آہنی پل بنا ہوا ہے ۱۲۔

کر کے رائچور میں شامل کر دیا گیا اب یہ ضلع (۸) تحصیلات پر مشتمل ہے اور بہت بڑا ضلع ہے - زمانہ سلف کے کاغذات اور اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں رائچور کا نام فیروز نگر بھی تھا - رائچور کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ تقریباً آٹھ سو برس پہلے ایک شخص بوس رڈی جس کا تفصیلی حال معلوم نہیں تھا ملیاباد میں قلعہ بنا رہا تھا (جس کا ذکر جداگانہ ضمیمہ میں ہے) جو رائچور کے قریب ہی ایک دن شکار میں دور نکل گیا - خرگوش نظر پڑا اپنے کتے کو چھوڑا تو خلاف توقع خرگوش کتے پر حملہ آور ہوا اور کتے کو زخمی کر دیا جس سے کتا مر گیا - بوس رڈی نے دل میں کہا کہ اس سرزمین میں کیسی جرأت ہے کہ خرگوش نے کتے کو مار لیا پس اسی جگہ قلعہ کیوں نہ بنایا جائے - یہ خیال آنا ہی تھا کہ ملیاباد کا قلعہ ناتمام چھوڑ کر اس جگہ قلعہ بنایا اور اس بستی کا نام نائی چور رکھا - کنڑی زبان میں "نائی" کتے کو کہتے ہیں کثرت استعمال سے (ن) - (ر) سے بدل کر رائچور ہو گیا علاوہ اس کے فصیل کے اس کنڑی کتبے سے جو سیلانی دروازے کے جنوب برج پر ہے اس کا نام راکٹور لکھا ہوا ہے میرے خیال میں ایک دوسری وجہ تسمیہ اس سے صاف ہو سکتی ہے "رای" تلنگی میں پتھر کو کہتے ہیں - اور گاؤں کو یعنی پتھر کا گاؤں - کیونکہ یہ پتھریلا ملک ہے -

رائچور کے قدیم تاریخی حالات بہ سبیل اختصار

(۱) میں رائچور کے متعلق تیرہ سو چھتیس برس قبل سے آج تک کی مختلف حکمرانوں کی مسلسل مگر مختصر سرسری بیان کرنا چاہتا ہوں ۵۷۸ء سے لیکر ۷۵۴ء تک جس کو قریب دو صدی کے ہوتے ہیں ملک کرناٹک میں بہ مقام بادامی[۱]

---

[۱] - یہ مقام بیجاپور سے (۷۲) میل ہے مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے ہڈگی گدگ سکشن پر ہے - قصبہ بادامی ریلوے اسٹیشن سے (۳) میل ہے - یہاں جینیوں کا ایک مندر اور غار ۶۵۰ء کا بنا ہوا ہے - علاوہ اس کے برہمنوں کے زمانے کے تین غار جن پر ۵۷۹ء کا کتبہ ہے موجود ہیں - بہت سی سیڑھیاں غاروں میں اترنے کے لئے بنی ہوئی ہیں جو امتداد اور کثرت آمد و رفت زائرین سے بہت شکستہ حالت میں ہیں جینیوں کے غار کا طول (۲۱) فیٹ عرض و عمیق (۱۹) فیٹ ہے - نرسنہوا کا اوتار و شنو پانچ پھن کے سانپ انتھا پر بیٹھا ہوا ہے اور ایسی ہی بہت سی مورتیں اب تک باقی ہیں - ایک غار کے اگلے ستونوں میں چوبی قطع کے بریکٹ لگے ہوئے ہیں - بعض بعض ستونوں پر عورتوں مردوں کی تصاویر کے علاوہ بے نظیر صناعی نقش و نگار کی موجود ہے - بادامی اسٹیشن سے (۹) میل کے فاصلے پر پراس گراہ میں ایک بڑا مندر شری بانا شنکری دیوی کا ہے جہاں

مغربی چلوکیا خاندان کے راجاؤں کی حکومت رہی ہی اس خاندان میں نو راجہ ہوئے جن کا پہلا راجہ جیا سمہا اور آخری ستیاس رایا تری پا سمہا کرتی ورماں تھا - اس کے بعد راجگان "رشترا کوٹاس" نے سلطنت کی جن کا پایہ تخت ملکھیڑ[۵۱] تھا -

(۲) ۷۵۴ء میں خاندان رشترا کوٹاس کا پہلا راجہ دنتی ورمان نے ملک کرناٹک میں دو سو اُنیس سال تک سلطنت کی ہی - اس خانداں میں بارہ راجہ ہوئے جو ۹۷۳ء تک حکمراں رہے -

(۳) اس کے بعد مغربی چلوکیا خاندان کی حکومت قصبۂ کلیانی میں قایم ہوئی جو اَب ضلع گلبرگہ میں نواب غضنفر الدولہ کی جاگیر ہی - کلیانی وہ مقام ہی جہاں بسپا نے[۵۲] لنگایتوں کا نیا مذہب قایم کیا تھا جس کے سپرد ملک کرناٹک میں لاکھوں آدمی موجود ہیں مغربی چلوکین خاندان کا پہلا راجہ اہاوا مانو رلّدی ٹیلا تھا - اس خاندان میں گیارہ راجہ ہوئے جس کا اخیر راجہ "تری بھوناملا ویراسو میشورا تھا" اس خاندان نے دو سو سولہ سال تک حکومت کی جس کا خاتمہ ۱۱۸۹ء میں ہوا -

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸ - جنوری کے مہینے میں ہر سال جاترا ہوتی ہی - جس میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے ہیں ۱۲

۵۱ - یہ مقام مابین اسٹیشن ریلوے جیتاپور اور سیڈرم کے ہی جہاں ایک فلیگ اسٹیشن ملکھیڑ گیٹ کے نام سے کھلا ہوا ہی - بائیں ہاتھ کی طرف بستی نظر آتی ہی - یہاں بھی پُرانے زمانے کا ایک عالی شان اور مستحکم قلعہ بنا ہوا ہی جس کے اندر قدیم مکانات بھی کچھ کچھ باقی ہیں - ملکھیڑ کے حالات کا ایک جداگانہ ضمیمہ اس حصہ میں درج کیا گیا ہی ۱۲

۵۲ - لنگایت اپنے کو برہمن - چھتری - ویس - شودر - چاروں سے جدا سمجھتے ہیں - یہ لوگ شیو کو پوجتے ہیں اور اپنے مذہب کی پابندی اور اظہار عقیدت کی غرض سے ایک گول پتھر چاندی کے تعویذ میں منڈھا ہوا بطور ڈھولنے کے گلے میں ڈالے رکھتے ہیں - غریب لوگ کسی ریشمین رومال یا معمولی کپڑے میں پتھر باندھ کر گلے میں ڈال لیتے ہیں - اِن کے مذہبی پیشوا کو جنگم کہتے ہیں - جس کی بہت تعظیم کی جاتی ہی ۱۲ -

(۴) ۹۷۳ء میں بعہد مغربی چلوکین راجگان راجہ وکرما دتیا نے رائچور اور اُس کے ملحقات میں راج کیا جس کا دارالحکومت یادگیر تھا جس کا اصلی نام اٹیاگری تھا۔ اس ملک میں جس قدر عمدہ عمدہ صناعی کے دیول ہیں وہ راجہ ہستی مہاسمنتھا ستی دیوا کے بنائے ہوئے ہیں جو راجہ وکرما دتیا کا باج گزار تھا اور جس کی حکومت گبور میں ۱۰۸۵ء تک رہی۔

(۵) ان مغربی چلوکین راجاؤں کا راج دہانی سب سے اول "ناگاوی"[۱] میں تھا جہاں اب بھی چند دیول موجود ہیں۔

(۶)۔ مغربی چلوکین سلطنتِ کلیانی کے آخری راجہ کو راجہ بجالائے جو کالاچوریا کے خاندان کا تھا شکست دے کر مملکت کرناٹک پر قابض ہو گیا۔ خاندان کالاچوریا میں پانچ راجہ ہوئے جن میں کا آخری راجہ سنگھانا تھا۔ اِن پانچوں راجاؤں نے ۱۱۲۰ء سے لے کر ۱۱۸۳ء تک حکومت کی۔

(۷) خاندان کالاچوریا کے اختتام کے بعد راجگان یادھوجو دیوگری (دولت آباد) پر مسلط تھے ملک کرناٹک پر حکمراں ہوئے۔ اس خاندان میں چھ راجہ ہوئے۔ ۱۲۱۰ء سے ۱۲۴۷ء تک رائچور اور اُس کے مضافات میں یادھو خاندان کے راجہ سنگھانا نے سلطنت کی اور اسی راجہ کے زمانے میں خاندان یادھو کی زیادہ تر حکومت ملک کرناٹک پر رہی۔ اس کے بعد ملک کرناٹک پر بشمول قلعہ جات رائچور و مدگل راجگان ورنگل کی حکومت رہی۔

(۸) ۱۳۴۷ء کے اوائل میں سلطان محمد تغلق کا صوبہ دار ملک دکن پر حملہ آور ہوا اور سلطنت اسلامیہ قایم کی جس میں یہ ضلع رائچور دوآبہ یعنی دریائے کرشنا تنگ بھدرا کا درمیانی ملک بھی شامل تھا۔ ۱۳۶۵ء میں محمد شاہ بہمنی پادشاہ دوم خاندان بہمنی اور راجہ ویجانگر کے درمیانی بڑی بھاری جنگ ہوئی جس میں تخمیناً پانچ لاکھ ہندو مارے گئے جس کی وجہ سے ملک کرناٹک بالکل تباہ

---

[۱] یہ مقام اسٹیشن چیتاپور نظام سٹیٹ ریلوے واڑی سکشن پر ہے اور واڑی سے دوسرا اسٹیشن جانب حیدرآباد ہے واڑی سے دس میل پر اور چیتاپور سے ایک میل اِدھر ہی بائیں ہاتھ کی طرف ناگاوی کی اُجڑی ہوئی آبادی نظر آتی ہے اب وہاں چند دیول اور شکستہ مکانات موجود ہیں۔ خرابی آب و ہوا کے سبب سے بالکل ویران ہو گیا ہے۔ ۱۲۔

ہوگیا اور سالہا سال تک پھر نہ پنپ سکا ۔ ۱۳۷۵ء میں محمد شاہ کا انتقال ہوا اور اُس کا فرزند مجاہد شاہ تخت نشین ہوا جو خاندان بہمنیہ کا تیسرا بادشاہ تھا اُس نے بکّارایا راجۂ بیجانگر سے خواہش کی کہ دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان کے جو قلعے ہیں اور جن میں دونوں سلطنتوں کا حصہ ہے وہ تنگ بھدرا کے کنارے تک ہمارے حوالے کئے جائیں ۔ بکّارایا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ کُل ملک دوآبہ کو آپ ایک دم خالی کردیجئے کیوں کہ قلعہ رائچور اور مدگل قدیم سے ہمارے مقبوضات سے ہے اور آپ اپنی سلطنت کی حد دریائے کرشنا کے اُس پار تک رکھیں اس پر اِن دونوں میں پھر ایک بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں بکّارایا کو شکست ہوئی ۔

(۹) ۔ ۱۳۹۷ء یعنی راجہ بکّا والی بیجانگر کے آخری زمانے میں اُس کے فرزند دیو رائے نے قلعہ رائچور اور مدگل پر چڑھائی کی ۔ یہ دونوں مقامات ہمیشہ سے رایان بیجانگر اور سلاطین بہمنیہ و عادل شاہیہ کے درمیان مابہ النزاع رہے ہیں اور بہت سی لڑائیاں ان دونوں قلعوں پر قبضہ کرنے کے لئے آپس میں ہوئی ہیں ۔ فتح برج قلعۂ رائچور کے کتبے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود شاہ بہمنی بادشاہ پنجم نے بھی ۱۹۱۶ء میں رائچور پر بادشاہت کی ہے اور اُسی کے زمانے میں قلعہ کی بیرونی فصیل اور کچھ برج تعمیر پائے ہیں ۔

(۱۰) ۔ راجہ بکّا دوم کے مقابلے کے لئے فیروز شاہ بہمنی بادشاہ ہشتم روانہ ہوا اور دریائے کرشنا کے کنارہ پر اپنی فوج اُتار دی ۔ رائچور کے مقام پر فیروز شاہ بکّا کے لشکر میں جا لگا اس طرح کہ قاضی سراج کو اُس کے سات دوستوں کے ہمراہ فقیروں کے لباس میں بھجوایا یہ لوگ اس طرح اُس مقام پر پہنچے جہاں طوائف رہتی تھیں ۔ قاضی سراج نے ایک طوائف سے اپنا تعشق گانٹھا اور ایک دن جب وہ بناؤ سنگھار کرکے راجہ بکّا کے حضور میں جارہی تھی اُس کے پاؤں پر لوٹ گیا کہ مجھے بھی لے چل ۔ طوائف نے کہا کہ دیوانہ ہوا ہے وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تو کیسے جائے گا مجھے راجہ کے بیٹے نے جلسے میں بلایا ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ میں تم کو ساتھ لے جاؤں وہاں ناچنے گانے والوں کا کام ہے نہ کہ تمہارا ۔ قاضی صاحب نے کہا کہ تم نے مجھے کیا سمجھا ہے میں بھی ہر فن میں مولیٰ ہوں ۔ طوائف نے سمجھا کہ محض مذاق سے

کہتا ہی تو اُس نے اپنا استدل قاضی صاحب کے سامنے سرکا دیا کہ بسم اللہ ہمیں گو ہیں میدا ن
قاضی صاحب نے وہ وہ گتیں بجائیں اور ایسا اُتار چڑھاؤ اور مینڈ اور مضمار کا کمال دکھایا
کہ اُس کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ گئے - قاضی صاحب نے کہا کہ تم مجھے لے تو چلو پھر
دیکھو کہ میں کیسا ناچتا گاتا ہوں اور تمھاری مجلس میں اگر دونی اور چونی رونق نہ ہو جائے تو سہی
یہ دیکھ کر طوائف ساتھ لے چلنے پر آمادہ ہو گئی اور قاضی صاحب اپنے ساز و سامان سے
آراستہ ہو کر ساتھ ہو لئے - طوائف نے راجہ کے دربار میں جا کر اپنا مجری ہونے کے بعد عرض
کی کہ میرے ساتھ ایک اور طائفہ بھی گویّوں اور نقالوں کا بہت اچھا ہی اگر حکم ہو تو حاضر کروں راجہ کے
فرزند نے بخوشی اجازت دی - قاضی صاحب زنانہ لباس میں بڑے ٹھسّے سے آ لئے اور
ایسا گایا بجایا کہ ساری محفل محو حیرت رہ گئی - پھر اُنھوں نے کہروے کا ناچ شروع کیا جس
میں جنبیے نکال کر ناچتے ہیں اور ناچتے ناچتے ایک دم راجہ کے بیٹے پر جا پڑا اور ایک جنبیہ
اُس کی چھاتی میں بھونک دیا جس سے سارا جلسہ درہم و برہم ہو گیا اور ایک ایسی اودھم مچ
گئی کہ فیروز شاہ نہایت آسانی سے کرشنا پار اُتر آیا اور راجہ بکّا پر فتح حاصل کی - رائے بکا کو
بھاگتے ہی بن پڑی - سنہ ۱۴۱۷ء میں دیو رائے نے پھر ملک دوآبہ پر چڑھائی کی اور سارا ملک
تباہ و تاراج کرنے کے بعد فتح کر لیا -

(۱۱) سنہ ۱۴۳۵ء میں علاؤالدین دوم خاندان بہمنیہ کا دسواں بادشاہ اپنے باپ سلطان احمد
ولی البہمنی کی جگہ تخت نشین ہوا اُس وقت علاؤالدین نے اپنے پوتے محمد شاہ کو فوج راجہ
بیجانگر سے خراج وصول کرنے کو بھیجا - محمد شاہ نے راجۂ بیجانگر سے خلاف رائے اپنے دادا
کے مصالحت کر لی اور قلعۂ رائچور پر قبضہ کر لیا جس کی تصدیق قلعہ کی بیرونی فصیل کے مشرقی
دروازے کی پیشانی پر جو کتبات موجود ہیں اُن سے ہوتی ہی جن میں سنہ ۸۴۳ و ۸۴۸ھ درج ہیں -
محمد شاہ کے رائچور پر قابض ہونے کے بعد اُس سے اور اُس کے دادا علاءالدین سے ایک
بڑی جنگ ہوئی جس میں محمد شاہ نے شکست پائی اور علاءالدین نے اپنے پوتے کا قصور
معاف کر کے قلعہ رائچور اور مضافات اُس کو بخش دئے - دیو رائے راجۂ بیجانگر نے پھر علاءالدین
کو خراج نہ دیا - اور اُلٹا رائچور پر حملہ آور ہوا اور فتح کر لیا آخر کار دونوں میں آپس میں صلح ہو کر

رائچور علاء الدین ہی کے قبضے میں رہا۔

(۱۲) سنہ ۱۴۴۹ع میں قاسم برید وزیر سلاطین بہمنیہ نے یوسف عادل شاہ پر چڑھائی کرنے کے لئے بیجانگر کے وزیر ہیم راج عرف نرسمہا سے مدد چاہی اور وعدہ کیا کہ اگر فتح ہوگئی تو قلعہ جات رائچور اور مدگل تم کو دے دوں گا۔ ہیم راج کو فتح حاصل ہوئی اور اس طرح پھر قلعہ رائچور راجگان بیجانگر کے قبضے میں آگیا۔

(۱۳) سنہ ۱۴۹۳ع میں یوسف عادل شاہ اور ہیم راج کے درمیان پھر رائچور پر لڑائی ہوئی جس میں نابالغ راجہ بیجانگر زخمی ہوکر فوت ہوا اور رائچور یوسف عادل شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ سنہ ۱۵۱۰ع میں یوسف عادل شاہ بادشاہ بیجاپور کا انتقال ہوا اور اس کا فرزند اسمعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا۔

(۱۴) سنہ ۱۵۲۰ع میں اسمعیل عادل شاہ اور کشن دیو رائے راجہ بیجانگر کے درمیان رائچور پر ایک بڑی جنگ ہوئی کشن دیو رائے کے ساتھ (۷۳۶۰۰۰) فوج اور (۵۵۰) ہاتھی تھے کشن دیو رائے نے سب سے پہلے اپنا مقام ملیاباد میں جو رائچور سے (۳) کوس ہے کیا۔ بعد قلعہ رائچور کا محاصرہ کیا۔ اس وقت رائچور میں اسمعیل عادل شاہ کی فوج آٹھ ہزار پیدل۔ چار سو سوار بیس ہاتھی اور تیس توپیں موجود تھیں۔ اسمعیل عادل شاہ کشن دیو رائے کے حملہ آور ہونے کی خبر سن کر ایک لاکھ چالیس ہزار کی جمعیت سوار پیدل لے کر دو کرشنا کے شمالی کنارے پر پہونچا اور رائچور سے (۱۳) میل کے فاصلہ پر ایک خندق اور فصیل تخمیناً ایک میل مربع تیار کرائی جس کے آثار اس وقت تک بھی ریلوے اسٹیشن کرشنا سے بجانب مغرب دو میل کے فاصلے پر موجود ہیں[۱]۔ چنانچہ ۱۹ مئی سنہ ۱۵۲۰ع ہفتہ کے دن بہت بھاری لڑائی رائچور کے شمال جانب شروع

[۱] آرڈنینس نقشہ میں بجانب شمال و مغرب دریا کے کنارے کنارے اس خندق کی علامتیں بتلائی گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہاں لشکر ٹھیرا ہوگا۔ کیمپ کا خط دریا کے طول کے متوازی واقع ہے۔ باقی مغربی جنوبی اور مشرقی رخ قریب ایک ایک میل کے لمبے ہیں یہ مقام رود ہائے بھیما اور کرشنا کے سنگم سے ذرا ہی نیچے ہے اور کرشنا ریلوے اسٹیشن سے دو میل مغرب جانب ہے ۱۲

ہوئے جس میں اسمٰعیل عادل شاہ کی فوج نے شکست کھائی اور کشن دیو رائے کی فوج نے اُن کو ایسا دبایا کہ بے انتہا خوں ریزی اور نقصان عظیم کے بعد دریائے کرشنا میں جا گرے دریا طغیانی پر تھا بہت سے لوگ ڈوب گئے جو پار اُتر گئے وہ گرتے پڑتے اپنی جان بچا کر بھاگے۔ کشن دیو رائے نے کرشنا پار ہو جانے کے بعد بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا در آتا اسمٰعیل عادل شاہ کے کیمپ میں جا گھسا اسمٰعیل عادل شاہ خوف کے مارے اپنے سپہ سالار اسد خاں کے ساتھ پہلے ہی چل دیا تھا۔ اس جنگ میں کشن دیو رائے کی مدد کو پرتگالی فوج کرسٹو واوڈی فیگریڈو افسر کے ساتھ تھی اس جنگ میں عادل شاہیوں کے چار اعلیٰ فوجی افسروں کے علاوہ صلابت خاں بھی مارا گیا۔

(۱۵) ۱۵۳۰ء میں بیجانگر کے راجہ اچوتیا کے عہد میں اسمٰعیل عادل شاہ نے پھر رائچور پر قبضہ کر لیا جس کے بعد ابراہیم عادل شاہ نے بتیس برس تک رائچور میں حکومت کی جس کی تصدیق کتبہ برج مغربی فصیل سے جو مسجد گوکل بھاؤمیں میں نصب ہی ہوتی ہے جس پر ۹۶۰ھ کندہ ہے۔ اس کے علاوہ اسی کی تائید میں کاٹی دروازے کی کمان کے طاق میں جو کتبہ نصب ہے اُس سے بھی ہوتی ہے اگرچہ مورخین نے ابراہیم عادل شاہ کی مدت حکومت (۲۴) سالہ بتلائی ہے مگر ان کتبوں سے ۳۲ سالہ ثابت ہوتی ہے۔

(۱۶) ۱۵۵۱ء میں برہان نظام شاہ بادشاہ احمد نگر نے رام راج کو کچھ تحائف بھیجے یہ بات ابراہیم عادل شاہ کو بہت ناگوار ہوئی جس کا انتقام اُس نے یوں لیا کہ بیجانگر کے جو سفیر دربار عادل شاہی میں تھے اُن سے بے عزتی کے ساتھ پیش آیا جس پر رام راج بہت برافروختہ ہوا۔ اور برہان نظام شاہ سے درخواست کی کہ ہم تم دونوں مل کر ابراہیم عادل شاہ پر چڑھائی کریں۔ اس جنگ میں برہان نظام شاہ کامیاب ہوا۔ اور اس طرح برہان نظام شاہ اور رام راج کے آپس میں دوستی اور اتحاد ہو گیا اور دونوں نے مل کر پھر قلعہ رائچور چھین لیا اور اس طرح ایک مرتبہ پھر ملک دوآبہ راجہ بیجانگر کے ہاتھ آگیا۔

(۱۷) ۱۶۴۴ء بلکہ قریب قریب اورنگ زیب کے زمانے تک ملک دوآبہ کرناٹک راجہ رنگا ششم بیجانگر کے قبضے میں رہا۔ اِس کے بعد چند روز یہ ملک زمینداروں کے قبض و تصرف میں رہا۔
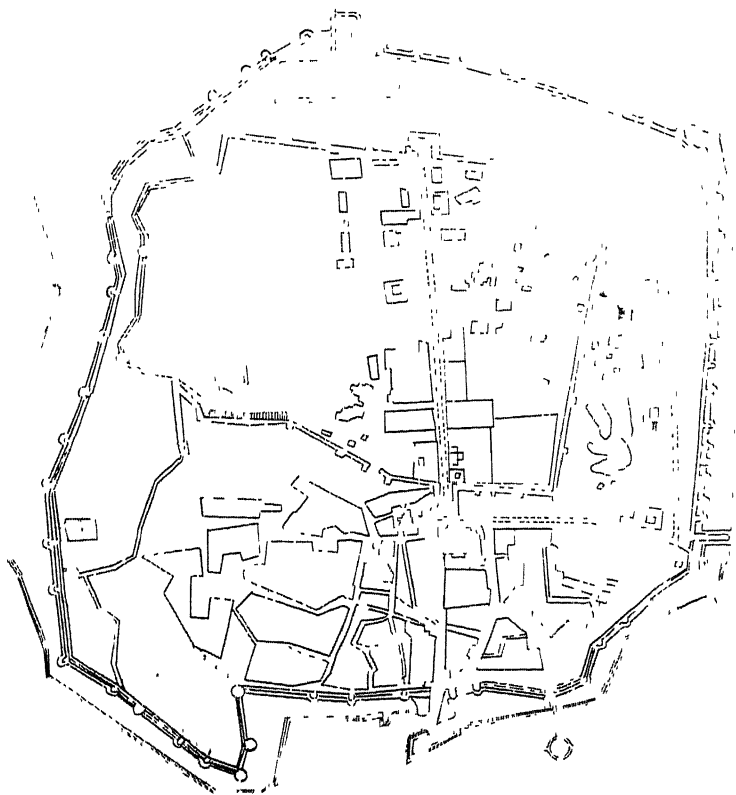
(۱۸)- سنہ ۱۶۸۶ء میں سلطنت بیجاپور پر اورنگ زیب نے قبضہ کیا جس میں بہت بڑا حصہ ملک کرناٹک کا شامل تھا- اورنگ زیب کا انتقال سنہ ۱۷۰۷ء میں ہوا-

سنہ ۱۷۰۷ء سے لے کر سنہ ۱۷۲۳ء تک ہندوستان اور دکن کی سلطنت بہادر شاہ- جہاں دار شاہ- فرخ سیر اور محمد شاہ کے قبضے میں رہی-

(۱۹)- محمد شاہ کے عہد میں ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۷۲۳ء کو نظام الملک آصف جاہ بہادر صوبہ داری دکن پر واپس ہوئے اور اُس زمانے سے آج تک بہ فضل خدا سلطنت نظام قایم ہے جسے خدا ہمیشہ ہمیشہ قایم رکھے-

بروے عہد نامہ مورخہ ۱۲ مئی سنہ ۱۸۵۳ء فی مابین آنریبل دی انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور نظام الملک آصف جاہ بہادر کے ملک دوآبہ رائچور بہ ادائے تنخواہ فوج کنٹنجنٹ کرنل لو صاحب رزیڈنٹ کے وقت میں سرکار انگریزی کے سپرد ہوا تھا اور بروے ضمیمہ عہد نامہ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۸۶۰ء فی مابین ہز مجسٹی ملکہ آں جہانی امپرس وکٹوریا و ہز ہائی نس نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ بہادر بزمانہ کرنل ڈیوڈسن صاحب بہادر رزیڈنٹ ملک دوآبہ رائچور پھر گورنمنٹ نظام کو مسترد ہوا[۵۱]-

قلعہ کے حالات ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ء کتبہ ہاے سنگی و دیگر عمارات قدیم و نیز بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ رائچور ایک قدیم شہر ہے جس کے قلعے کا استحکام اور حیرت خیز دست کاریوں سے اُس کے ابتدای فرماروایان و راجگان بیجانگر کی اعلیٰ قوت و شوکت اور اُن کے خزانے کی

۵۱- اس تمام مختصر اور مفید تیرہ سو برس سے زاید زمانے کی ہسٹری کے لئے ہم نواب فرامرز جنگ بہادر صوبہ دار وظیفہ یاب کے ممنون ہیں جو اُنھوں نے نومبر سنہ ۱۹۰۶ء میں وقت افتتاح ٹون ہال بہ حیثیت تعلقہ دار ضلع کے مرتب کی تھی- رائچور میں ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کا سنہ ۱۰۱۶ھ کا تعمیر کیا ہوا ایک انبار خانہ تھا جس کو صاحب موصوف بیادگار جوبلی حضور پرنور میر محبوب علی خاں بہادر غفراں مکاں بہ صرف زر کثیر بہ منظوری سرکار ابد پایدار از سر نو درست کرا کے ایک بے نظیر عالی شان ٹون ہال رائچور کے لئے بنا دیا جو زمانہ دراز تک یادگار رہے گا- ۱۲

سیبے حد وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس قلعے کی استواری اور اس کے موجودہ اسباب سے ظاہر ہے کہ یہ قلعہ اُس زمانے کے بہادر فرمانرواؤں کی پرزور حکومت وسلطنت اور اُن کے خوں ریز معرکوں کا استوار مرکز تھا۔ یہ ایک بہت پُرانا قلعہ ہے جس زمانے میں مشہور و نامی گرامی بہادر راجہ گوڈ گنگیا ریڈی والی وردھمان پور کے وزیر راجہ وٹھل نے اس نواح کے قلعوں کو فتح کر کے رائچور کی طرف عنانِ حکومت پھیری تو اس مقام کا نام راکٹور رکھا۔ ایک دوسری وجہ تسمیہ یہ مروی ہے کہ قریب آٹھ سو برس کے ہوئے کہ بوس ریڈی نامی ایک شخص ملیاباد کا قلعہ بنوا رہا تھا جو رائچور سے جانب جنوب تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک دن وہ شکار کو نکلا اور ایک خرگوش پر اپنے کتے کو چھوڑا اور اُس سرزمین پر پونچا جہاں اب رائچور آباد ہے جہاں وہ دونوں گتھ گئے۔ خرگوش تو کتے نے مار لیا لیکن کتا بھی زخمی ہوا۔ بوس ریڈی نے خرگوش کی جرأت پر تعجب کیا۔ اور ملیاباد کی قلعہ کی تعمیر کو تا تمام چھوڑ کر یہاں قلعہ بنوایا اور نائی چور نام رکھا۔ (نائی کنڑی میں کتے کو کہتے ہیں) جو کثرتِ استعمال سے رائچور ہو گیا۔ راجہ وٹھل نے اپنی رعایا اور سپاہ کی حفاظت کی غرض سے بماہ ماگھ سدھ دسویں یوم یکشنبہ آخر شکے ۱۲۱۶ جیٹھ نام سمچھری مطابق ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ء کو قلعہ کی تعمیر شروع کی اور ماہ کارتک سدھ سرسٹی یوم دوشنبہ ۱۲۲۳ سمہ دجی نام سمچھر مطابق ۷۰۱ھ موافق ۱۳۰۱ء سات سال میں قلعہ کی تعمیر ختم ہوئی۔

فصیلیں اس قلعے کی اندرونی و بیرونی دو حصار ہیں۔ تین طرف خندق ہے اور جنوبی جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ گھیرے ہوئے ہے۔ فصیلوں کی بندش نہایت حیرت خیز و نادر ہے یعنی اندرونی فصیل کی دیواروں میں بڑی بڑی سلیں جو اکثر بارہ بارہ فٹ طول اور ڈہائی فیٹ عرض اور تخمیناً دس دس ٹن وزن کی ہوں گی (۲۸ من کا ایک ٹن ہوتا ہے) بلامدد چونے یا مٹی کے ایک پر ایک جمائی گئی ہیں اور بعض پتھر عرض و طول میں اس سے بھی دُگنے ہیں۔ کسی مقام پر آٹھ اور کسی مقام پر صرف پانچ پتھروں کے جمانے سے فصیل مکمل ہو گئی ہے۔ ان فصیلوں کی تعمیر میں چونا۔ مٹی یا گچ کا بالکل استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ بڑی ہنرمندی کے ساتھ پتھروں کو اس خوبی سے گھڑا گیا ہے کہ ذرا درز باقی نہیں ہے اور ایک دوسرے سے پیوستہ ہو گئے ہیں۔ اس قلعہ کے دو حصار ہیں جن کی تین طرف خندق ہے اور جنوبی طرف ایک چھوٹا سا پہاڑ گھیرے ہوئے ہے۔ اس

قلعے کی بیرونی فصیل اور دروازے سلطان ابراہیم عادل شاہ نے ۹۵۷ھ میں بنوائے تھے۔

دروازے اور برج اندرونی حصار میں دو مستحکم دروازے ہیں ایک بجانب مشرق شاہ پیر ٹپلا کا دروازہ مشہور ہے دوسرا مغرب کی طرف سیلانی دروازہ کہلاتا ہے۔ بیرونی فصیل کے تین عالی شان دروازے ہیں۔ دروازہ شمالی موسوم بہ تورنگ دروازے کی عمدہ صنعت اور دل فریب دستکاری سے قدیم فن تعمیر کی صناعی کا پورا ثبوت ملتا ہے یہ دروازہ قابل دید ہے اس پر اکثر خوش نقش و نگار منقش ہیں۔ مشرقی دروازے کا نام کاٹی دروازہ ہے جس کی پیشانی پر کلمات طیبات اور نصر من اللہ وفتح قریب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیاً ولی اللہ فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین ۹۴۷ھ اور اسمائے شریف دوازدہ امام و دیگر آیات قرآنی کندہ ہیں اور یہ بھی کہ یہ دروازہ شمشیر الملک نے بہ عہد ابراہیم عادل شاہ یکم رمضان ۹۵۰ھ میں طیار کرایا ہے۔ بجانب مغرب مکئی دروازہ ہے لیکن یہ دروازہ قدیم نہیں معلوم دیتا غالباً عمل کشنری یا اس سے پہلے کا ہوگا کیوں کہ اس دروازے کے پاس زمانہ سلف میں بادشاہی فیل خانہ تھا اور علامات مکانات اس وقت تک موجود ہیں۔ اس قلعہ کے دس دروازے حسب ذیل ہیں۔

دروازہ ہائے بیرون قلعہ: ۱ مکئی دروازہ۔ ۲ تورنگ دروازہ۔ ۳ کاٹی دروازہ۔ ۴ لبن کوٹا دروازہ۔ ۵ خاص باؤلی دروازہ۔ ۶ پیر ٹپلا دروازہ۔ ۷ پرکوٹہ دروازہ۔ ۸ خندق دروازہ۔

دروازہ ہائے اندرون قلعہ: ۹ سیلانی دروازہ۔ ۱۰ سکندری دروازہ۔

دور فصیل بیرونی: چار میل بیانوے گز۔

دور فصیل اندرونی: دو میل ایک فرلانگ چار گز۔

دور خندق: تین میل ایک فرلانگ چھتر گز۔

برج: بیرونی فصیل میں (۵۳) اندرونی میں (۲۱) برج ہیں۔ جن کے برج اپنے اپنے ناموں سے مشہور ہیں۔

۱ قادریہ برج۔ ۲ بنڈہ باؤلی کا برج۔ ۳ برج ملو خاں۔ ۴ خسروی برج۔ ۵ بادشاہی برج۔ ۶ نیابت برج ۷ علی برج۔ ۸ شاہ برج۔ ۹ لبن کوٹہ برج۔ ۱۰ برج رفیع۔ ۱۱ برج تورنگ دروازہ۔ ۱۲ طاہر خانی عرف نکٹا برج۔ ۱۳ تعلیم کا برج۔

کتبہ برج قادریہ ۱۰۲۹ھ کتبہ ذیل بخط نسخ نہایت درجہ خوشخط ایک لمبے چوڑے سیاہ پتھر پر منبت کندہ ہے اور کاٹی دروازے کے اندر جو شاہی عمارات ہیں ان عمارتوں پر ایک بلند کوشک ہے جو برج قادریہ سے ملی ہوئی ہے وہاں ایک علیحدہ مقام پر طاق بنوا کر رکھا گیا تھا جس کو ہیں نے اب بہ غرض حفاظت اتروا کر ضلع کی کچہری کے سامنے رکھوا دیا ہے۔ چونکہ یہ کتبہ نہایت خوش خط تھا لہٰذا اس کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ برج قادریہ کا دور (۱۶۰) فیٹ عرض (۶۰) فیٹ۔ بلندی (۵۵) فیٹ ہے۔ ابتداء برج قادریہ در رابع عشر شہر جمادی الاول ختم الله عز وجل فی العصر همایون الاعظم خاقان المعظم مالک رقاب الامم سمی خلیل الله سلطان ابراهیم عادلشاه طاب ثراه وجعل الجنة مثواه وانتهاءه در سنه الف سبع عشرین فی العهد صاحب القرانی کشورستانی جوانبخت بادشاه ابوالمظفر سلطان محمد عادلشاه لازال ناصر العباد الله وحافظ البلاد الله و بانی مقبول جهانبانی مختص درگاه منان عبدالوهاب ابن ریحان نور الله مرقده وغفر ذنوبه

راقمه سید حسین بن فضل الله سنه ۱۰۲۹ھ

قلعہ کی فصیل کا بڑا کنگڑی کتبہ ۱۲۹۴ھ سیلانی دروازے سے چند گز کے فاصلے پر شیرزنی فصیل میں ایک بہت بڑا مستطیل پتھر نصب ہے جو اکتالیس فیٹ پانچ انچ لمبا اور تین فیٹ چوڑا ہے جس پر پرانی کنڑی میں جو عبارت کندہ ہے اس کا پورا ترجمہ ہم نے ذیل میں دیا ہے اور فصیل کے پتھروں کا فوٹو بھی دیا ہے جس میں اوپر سے پانچواں اور نیچے سے چوتھا پتھر یہی ہے۔

"مرحبا ایسے شخص کو جو جامع ہے تمام نیک خصلتوں کا۔ معدن ہے سچائی کے جواہرات کا۔ ممتاز شوکت اور فیاضی میں۔ غضب ناک بہادران قدیم میں۔ تندخو مردانگی میں خاوند شہر کا کتیاز جس کی دلیری تسلیم کی گئی ہے۔ لڑائی میں والی عمدہ شہر کرپا سرز کا۔ خاص ومشیر ہم جلیس بہادر دیوی کا۔ کرنوں کا آفتاب ہنسلو خاندان کا۔ غضب ناک میدان جنگ میں۔ نہایت جواں مرد و معزز گرامی سردار دونوں فوجوں میں دلیروں میں ایک دلیر۔ ناقابل فتح مثل گنڈہ بھنڈا کے افضل سردار اپنے دشمنوں پر جس نے فتح کیا تیروں کو۔ داہنے پیر میں شکست یافتہ افسروں کے تصاویر بنے ہوئے توڑے پہنتا ہے۔ وہ تمام عالم میں ایک بے نظیر جواں مرد ہے۔ وہ پہنتا ہے ایک خوبصورت

کتبۂ در چاندریہ رائچور

قلعہ رائچور کی فصیل کے پتھر۔ نیچے سے چوتھا پتھر ۴۱ فٹ ۔ ۳ انچ لمبا ہے
جس پر کنڑی کا کتبہ ہے

بالا حصار کی
توپ
۲۰ ۔ فٹ طول

چمک دار تاج - وہ ہمیشہ جلال میں رہتا ہی - اُس کی اصلی گاڑی ہانکنے والا وہ ہر
جو اپنی کلغی مانند چاند کے رکھتا ہی - وہ تعلیم دیتا ہی خراب اور معذور گھوڑوں کو -
وہ اوتار ہی ایسے بہادروں کا جو نہیں ہٹتے ہیں میدان جنگ سے - ایسا بہادر
جس نے سر کاٹے بہادروں کے جس نے کاٹا سر کاسی نایک پدّے پلّی کا -
بہادر جس نے کاٹا سر کیسی نایک کندرد کا - وہ بے نظیر ہی اپنے قہر لازوال اور جلال
میں - وہ دوربین ہی جنگ میں رام کے مانند - وہ شب کے وقت لے گیا ہی خزانہ
سیرابی راگ تا ایک زمیندار شہر گیون ٹونڈا کا جو واقع ہی جانب ملک نیروالا کدور
کے - وہ مشہور ہی اپنی فطرتی تیزی و ذکاوت میں - وہ کوٹا یم ماڈی کی گردن کی گھنٹیاں
تقسیم کرتا ہی - وہ پہنتا ہی زرد وار کوٹ اور ہانکتا ہی گھوڑوں کو ریشمی کوڑوں سے - وہ
نیک افعال اور راما کے سیدھے ہاتھ کی چھڑی ہی - اُس کی شہرت ایسی ہی جیسے
کہ برہما کے انڈے کا چھلکا - بھرا ہوا ہی جواہرات کے صندوق کے مانند - وہ
نازاں ہی اپنی قوت پر - وہ پرستش کرتا ہی پاک و چمک دار قدم سومنات دیوتا
کی - وہ فتح کرتا ہی دشمن کی فوج کو - وہ واقف ہی تمامی مہم اور معاملات پولٹیکل سے
مثلاً دوستی وغیرہ کے - جس زمانے میں مشہور نامی گوڈ گنگیا رٹیڈی بہ مقام
بوزنیا پورہ اپنی سلطنت میں امن و امان کے ساتھ حکمرانی کرتا تھا اُسی زمانے میں
راجہ وٹھل ناتھ نے جو زینت دیا گیا ہی ستودہ صفات اور خوبیوں سے اور پرستش
کرتا ہی متبرک چمک دار قدم سری نارائن دیوتا کی اور فتح کرتا ہی غنیم کے فوج کو اپنی سلطنت
خطرہ خاص اور غنیم سے بچانے اور اپنی رعایا کو محفوظ رکھنے کی غرض سے - ادھونی
نشکار دگلا ہوا قلعوں کو فتح کر کے راکٹور (رائچور) کی طرف عنان عزیمت پھیری اور
جب امن و امان سے حکمرانی کرنے لگا تب اپنی رعایا کی حفاظت کے واسطے ماگھ سُدّ
دسویں یوم یکشنبہ آخر شاکھ ۱۲۱۶ سنہ جلیٹھ نام سمچھر (مطابق ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ع) چٹانی قلعہ تعمیر کیا
مبارک - مبارک - مبارک ۔

اسی پتھر کے پہلو میں کسی قدر چھوٹا اور ایک پتھر ہی اُس پر ایک تصویر کندہ ہی جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے پتھر کو کس طرح لائے۔ ایک چوپہیہ گاڑی بنا گئی ہے اُس میں بھینسے جُتے ہوئے کھینچ رہے ہیں اور گاڑی پر پتھر آڑا دھرا ہوا ہے اور اس پتھر پر تین شخص بیٹھے ہوئے ہیں ایک ایک دونوں سروں پر ایک بیچ میں جو بھینسوں کو ہنکار رہے ہیں اور آدمیوں کو ہمت دلا رہے ہیں۔

اس کتبے کی رو سے صاف ظاہر ہے کہ اس قلعے کی تعمیر کو چھ سو سال سے زائد کا عرصہ ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ اس قلعہ کی حالت امتداد زمانے سے دن بدن بدتر اور عمارات قریب الانہدام ہوگئی ہیں اس قلعہ کی شکل قریب قریب مربع کے ہے۔ گوشہ ہائے جنوبی و مشرقی مدوّر ہیں۔ قلعہ کے اندرونی و بیرونی حصار کے اندر آبادی ہے اور باقی آبادی قصبہ رائچور کی اور بازارات وغیرہ قلعہ کے مشرقی جانب زیادہ ہے اب بیرون شہر اسٹیشن کی طرف سڑک کی دونوں جانب متعدد بنگلے جناب راجہ رای للتا پرشاد صاحب (ناظم سٹیٹ نواب سالار جنگ بہادر ثالث دام اقبالہم مدارالمہام سرکار عالی جو پہلے اس ضلع کے اول تعلقدار تھے) کی حسن سعی سے بن کر رائچور کی ہیئت کذائی ایک خوش نما اور پر رونق شہر کی ہوگئی ہے۔

مکانات قدیم آثار قدیم پایا جاتا ہے کہ قلعہ کا درمیانی حصہ زمانہ سابق میں نہایت آباد اور پر رونق تھا جس میں شاہی مکانات اور پُر فضا غانہ باغ باؤلیاں سلاح خانے۔ کتب خانے حمام وغیرہ تھے۔ اندرون آبادی ایک وسیع باغ کی جگہ جیل کے محاذی اب بھی موجود ہے مگر سپاٹ میدان ہے شمسو میاں صاحب مرحوم مہتمم کوتوالی نے اپنا مکان اُس کے ایک حصہ میں بنالیا ہے جس میں اب آبکاری کی گودام ہے باقی بحال خود ویران پڑا ہے صرف ایک باؤلی قدیم زمانے کی رہ گئی ہے حمام خانہ بھی اُسی جگہ پر تھا اب اُس کا پتہ نہیں ہے۔

باروت کوٹھا جس مکان میں اب جیل ہے وہ پختہ اور بلند اور لداؤ کی وسیع عمارت ہے یہ مقام راجگان بیجانگر کا دربار ہال تھا جہاں راجگان اور سلاطین دربار کرتے تھے اور امرائے نامدار حاضر باش رہتے تھے یا اب چور ڈاکو۔ قاتل۔ قزاقوں کا مسکن ہے ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

عمل کمشنری میں یہ باروت کا کوٹھا بنایا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۲۹۶ ف میں توپوں کے کچھ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے جو نکلے تھے نیلام کیے گئے۔

بالاحصار اس قلعہ میں جو پہاڑی ہے وہ (۲۰۹) فیٹ بلند ہے اور بالاحصار کے نام سے مشہور ہے - اس پہاڑ پر ایک بڑا وسیع مکان دالان در دالان نہایت مستحکم اور بلند کرسی کا ہے جس کی تین کمانیں ہیں طرز عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عاشور خانہ تھا - اس سے ملی ہوئی ایک کمان کی چھوٹی سی مسجد بھی ہے - بالاحصار پر جہاں پہلے دیول تھا وہاں اب صرف ایک پتھر کے بیل کا سر ٹوٹا ہوا پڑا ہے - اور وہیں ایک چھوٹا سا مربع منڈپ ہے اگرچہ اس کے دو ستونوں پر کتبات ذیل مسلمانوں کے وقت کے ہیں مگر طرز عمارت اور ستونوں کی ساخت کہہ رہی ہے کہ مندر کا بچا کھچا حصہ ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں رائچور کی اکثر مسجدیں مندر توڑ کر بنائی گئی ہیں اور جتنے ستون ہیں جوں کے توں مندر کے لگا دئے ہیں - کتبۂ اول بائیں ستون پر ہے اور کتبۂ دوم داہنے ستون پر ہے:-

(۱)- دریاے شجر و کوہ بیخ بن | ایں بنگلہ طاس گشت موجود
نواب حسین خاں بہادر | راہ گم خویش خویشتن برد
روزے بمقام سیر بے مثل | بنیاد بکند وسعی بنمود
کاں شد روزے ازیں مشرف | کش فیض وجود او بیفزود
اتمام شد ایں مکان مطبوع | از فضل جلال رب معبود

۱۱۹۵ھ ہجری

(۲)- ستون کی دونوں طرف ایک ہی عبارت کندہ ہے:-

تعمیر بنگلہ در عمل محمد حسین خاں بہادر گھٹالہ بتاریخ ہفتدہم رجب ۱۱۵۹ھ مرتب شد

نواب محمد حسین خاں بہادر گھٹالہ امراے عظام میں سے تھے - آپ کا مزار سید معروف شاہ قادری (جو آپ کے مرشد تھے) کے پائیں رائچور میں ہے - آپ کا دیوان خانہ اب تک موجود ہے - قادر باؤلی جو آپا باؤلی کے نام سے مشہور ہے آپ ہی کی بنائی ہوئی ہے - آپ کے فرزند محمد برہان علی خاں سبقت یار جنگ تھے جن کا مزار حیدرآباد میں ہے - آپ کے دو پوتے محمد گیسو دراز خاں سبقت یار جنگ بہادر گھٹالہ اور محمد اعظم علی خاں کامیاب جنگ بہادر گھٹالہ صاحب جاگیرات و منصب حیدرآباد میں موجود ہیں -

مزار پنج بیبیاں یہیں پنج بیبیوں کا مزار ہے جن کی پانچ قبریں پختہ ہیں - یہ پانچوں بہنیں خاندان سادات سے تھیں - بیان کیا جاتا ہے کہ جو درخت نیم کا قبور پر جو بالکل چھوٹی اور صرف ایک

قنط کی بنی ہوئی ہیں سایہ کئے ہوئے ہے اُس کا پتہ بہ مقابلہ دوسرے نیم کے درختوں کے بیٹھا ہے ان کا عرس ۱۶ رجب کو ہوتا ہے۔

بالاحصار کی توپ بالاحصار پر ایک توپ ہے جس کا دُنبالہ ٹوٹ گیا ہے ۲۰ فیٹ ۔ ۴ انچہ لمبی ہے اس کی ساخت اس طرز کی ہے کہ فولادی پٹیاں جما کر اوپر سے فولادی پیچ کس دئے ہیں۔ اِس توپ کے نیچے جو پھرانے کی کل لگی ہوئی ہے جسے انگریزی میں trunnion (ٹرنیئن) کہتے ہیں وہ باوجود امتداد زمانہ کے اب بھی درست حالت میں ہے اور جدھر چاہو اتنی بڑی بھاری توپ کو آسانی سے پھرا سکتے ہیں۔ اس کا فوٹو فصیل قلعہ رائچور کے لمبے کنٹری کتبہ والے پتھر کے نیچے دیا گیا ہے

شیخ میاں صاحب کی درگاہ اسی پہاڑ پر تھوڑا نیچے اُتر کر مغرب کی جانب ایک مسجد شکستہ کے صحن میں ایک چبوترے پر آپ کا مزار ہے۔ آپ شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھانجے ہیں۔ مسجد کا کوئی خاص نام نہیں ہے اور چھت گر کر بالکل ویران ہے۔

چشمۂ آب اس درگاہ کے پائیں میں ایک چشمہ میٹھے پانی کا ہے۔ جو ہمیشہ بھرا رہتا ہے کبھی سوکھتا نہیں۔

کالی مسجد اس چشمے کے نیچے ایک تین کمانوں کی مسجد اسی نام سے مشہور ہے۔ ستون اس کے سنگ سیاہ کے ہیں جو کسی دیول کے معلوم ہوتے ہیں اور بے انتہا شفاف اور خوب صورت اور منقش ہیں۔

خاص باؤلی ۹۰۷ھ بالاحصار کی پہاڑی کے پائیں میں اس نام کی ایک بہت بڑی عمیق خوب صورت باؤلی ہے جس میں تالاب بیرون فصیل کا پانی آتا ہے۔ اس باؤلی کے وسط میں ایک خوش نما مربع چبوترہ بنا ہوا ہے (جس پر پہونچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں) جو اپنی زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ وہ کسی زمانے میں پر فضا سیرگاہ تھی۔ اس باؤلی کے اوپر وار ایک کمان میں جو اندھیری باؤلی کے نام سے مشہور ہے اور جس میں ایک بڑی مہری ہے اُس جگہ ایک پتھر کی سل جس کا طول ۶ فیٹ ۔ ۵ انچہ اور عرض دو فیٹ چار انچہ ہے۔ اُس پر کتبۂ ذیل بخط ثلث کندہ ہے۔ اول تو وہاں اندھیرا ہے دوسرے پانی کی زد سے نیچے کی سطروں کے حروف مٹ گئے ہیں بہت مشکل سے اس پتھر کو صاف کرایا اور اُس میں رنگ بھروا کر کئی دن کی محنت شاقہ کے بعد اوپر کی دو سطریں

پوری پڑھ لی گئیں نیچے کے حصے کے چیدہ چیدہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں مگر پوری عبارت پڑھی نہیں جاتی۔

فِی خِلَافَۃِ الْمَلِکِ الْاَکْرَمِ الْاَعْظَمِ اُمّہَاتِ الْمِلَّۃِ وَالسَّلْطَنَۃِ وَالدُّنْیَا وَالدِّیْنِ اَبُو الْمَغَازِی مَحْمُوْد شَاہ بہمنی خلد اللہ تعالیٰ دولتہ فی عہد الخانِ الاعظمِ الاکرمِ عادل خان خلد اللہ دولتہ بتائید ہذا لبناً آبا حاجی بافی فی شہر ربیع الاول سنۃ سبع تسعمائۃ ہ

کرد خاں حصد ردیں ××× | در زمان ملک الملک سوائے عادل خان
نو حضرت راز و بنیاے... حاجی رجو نام ایں | چوں لبصدق او دگر بنیاد از طین اینچنیں
عمل احمد بن محمد بابو جہ کہ شد کمال | ن ہ صد و ہفدہ × ××××
بین کرد دگر انگرفت از ار لعین | از برائے آخرت کرد کارے ایں چنیں
بست سدے کل بنوشند و کنند شان آفریں | ××××××××××××

آثار شریف اندروں قلعہ زیر دامن کوہ بالائے حصار جانب شمال ایک حجرہ اور قدیم دالان شاہی عمارت ہے اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موئے مبارک ہے جس کی زیارت دوازدھم شریف کو ہوتی ہے۔ آثار شریف میں حضرت امامین علیہما السلام اور حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی قلمی تصاویر بھی ہیں لیکن خلاف شرع ہونے سے ایک عرصہ سے اُن کی زیارت موقوف کردی گئی ہے۔

حسینی علم آثار شریف کے پاس عاشور خانہ کی پختہ قدیم عمارت ہے جس میں عادل شاہیوں کے وقت کے علم موجود ہیں۔

عاشور خانہ بارہ امام ہزارا بیگ کی مسجد کے پاس ہے۔ پہلی عمارت منہدم ہو جانے سے جدید عمارت بذریعہ چندہ بنائی گئی ہے اس میں ایک بہت بڑا علم ہے جو نہایت خوب صورت اور سونے کے ملمع کا ہے جس پر درود شریف کا طغرا اور بارہ امام کے نام نامی جالی میں کٹے ہوئے ہیں۔

بی بی کا آثار بیرون قلعہ پرانی کچہری کے قریب ایک خام مکان اس نام سے مشہور ہے جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تبرکات تھے اب کچھ بھی نہیں ہے۔

قصبہ رائچور میں جابجا کتبے ہیں جن کو میں نے مہینوں پھر کر دیکھا ہی اور مولوی فقیر احمد صاحب کی مدد سے ان کو بہ مشکل پڑھا ہی اور بعض بعض پتھر قریب تھے کہ ضائع ہو جائیں مثلاً وہ کتبہ جو فتح برج پر تھا۔ برج تو بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا پتھر لوگ نکال لے گئے میرا گزر اتفاقاً اس برج پر ہوا دیکھا تو یہ پتھر اوندھا پڑا ہوا تھا سیدھا کرایا اور اُسے پڑھا اور ضلع کی کچہری میں لاکر رکھ دیا ورنہ یہ بھی وڈروں (پتھر پھوڑوں) کی نذر ہو جاتا۔ اسی طرح سکندر مسجد میں ایک نہایت خوش خط کتبہ تھا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ خدا جانے کس سنگ دل نے اس بے نظیر پتھر کو پاش پاش کر دیا اس کی کتابت نمونہ ہی خطاطی کا جس کے دیکھنے سے دل کو سرور اور آنکھوں میں نور آتا ہی۔ ان ٹکڑوں کے ساتھ میرے دل کے ٹکڑے ہو گئے۔ ان ٹکڑوں کو میں نے ملا کر دیکھا تو ایک ٹکڑا کم تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ اسی قسم کے پتھر کا ایک ٹکڑا ایک مینار کی مسجد کی موری میں لگا ہوا ہی جسے خدا بھلا کرے حافظ محمد حسن مرحوم پیش امام کا کہ اُنھوں نے نکال کر اُسے ایک طرف رکھوا دیا۔ اُس ٹکڑے کو میں نے منگوا لیا اور اپنے بچھڑے ہوئے جسم سے اس عضو کا پیوند کر دیا مگر پھر بھی ایک چیپ جو میرے نزدیک سونے کی چیپ سے زیادہ قابل قدر ہی مفقود ہی۔ خدا جانے کہاں رُل رہی ہوگی اسی طرح بنڈہ باؤلی کے برج کی سیڑھیوں پر ایک پتھر پڑا تھا۔ وڈر سیڑھیاں توڑ توڑ کر لے گئے قریب تھا کہ اس دُرِ شاہوار کو بھی وہ ہتوڑے کے ضرب سے شہید کرتے میں نے اس پتھر کو بھی اپنی چھاتی پر رکھا۔ اسی طرح کئی مسجدوں میں کتبوں کے پتھر رکھے ہوئے تھے بعض جگہ غیر متعلق پتھر کہیں سے لاکر دیواروں میں نصب کر دئے ہیں جیسے کہ طاہر خانی مسجد متصل نورنگ دروازہ میں ایک کتبہ طاہر خانی برج کا جو نکٹے برج کے نام سے مشہور ہی لاکر دیوار میں لگا دیا ہی۔ بس غنیمت ہی کہ محفوظ تو ہی۔ باقی جو پتھر کس مپرسی کی حالت میں پڑے تھے اور اندیشہ تھا کہ ناقدر دانوں کے ہاتھ سے ضائع ہو جائیں گے اُن سب کو خاکسار نے بہ امداد محمد حسین صاحب داروغہ صفائی منگا کر ٹون ہال کے برآمدے میں ایک قرینے سے سجا دیا ہی۔ رائچور میں بار بار چاروں طرف پھرنے کے بعد مجھ کو (۵۱) کتبے دستیاب ہوئے سنتا ہوں کہ دو کتبے نواب یار جنگ بہادر مرحوم صوبہ دار گلبرگہ لے گئے ہیں جو محبوب گلشن میں ہیں واللہ اعلم عند اللہ۔

کتبہ بڑ باؤلی متصل قدیمی عیدگاہ متصل اسٹیشن رائچور ۱۲۵۱ھ	یہ عیدگاہ ریلوے اسٹیشن کے

حدود میں آگئی ہے - عمارت کچھ باقی نہیں ہے - صرف ایک باؤلی ہے اُس کی شمالی دیوار پر یہ کتبہ بہ خط فارسی کندہ ہے - یہ باؤلی عیدگاہ کے متعلق تھی جس کو کرچیکار ساجن صاحب نے بنوایا تھا کرچی علاقہ بیجاپور میں ایک موضع ہے وہاں سے یہ لوگ رائچور میں آئے تھے چنانچہ موضع رام پور میں اب تک اس خاندان میں زمین انعام جاری ہے ؎

صاحبن صاحب کرچیکار بے ریا	ساخت چاہے درزمین وا یہ
سالِ تاریخ از حساب ابجدی	گفت ہاتف "چشمہ رحمت جاریہ"

۱۲۱۵ھ

باؤلی محبوب گلشن یہ کتبہ اس باؤلی کا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے مقام سے لاکر موٹ کے پتھروں کی دہلیز میں لگایا گیا تھا جسے نواب فرامرز جنگ بہادر نے نکلوا کر وہیں سیدھا کر کے گڑوا دیا ہے -

دَرْعَہْدِ اَفْضَلِ سَلَاطِیْن
مُحَمَّدْ شَاہ بِنْ ھُمَایُوْن شَاہ
بِنَا کَرْدَہٖ خَانِ اَعْظَمْ
مَلُّوْ خَانِ حَافِظ
سَنَہ خَمْسَہ وَ ثَمَانُوْن مِائَۃ
۸۸۵ھ

کتبات مکی دروازہ ۸۷۴ھ یہ دروازہ اسٹیشن ریلوے سے قلعہ میں جانے کا پہلا دروازہ ہے جو خندق میں واقع ہے اس کے داہنے بائیں دو کمانیں اور بھی ہیں - یہ دروازہ صرف خندق میں پانی وغیرہ کے لئے آنے اور نیز اندرون قلعہ دوسرے مقامات میں جانے کو بنایا گیا تھا - قلعہ سے باہر نکلنے کا صرف ایک کاٹی دروازہ ہے باقی تمام دروازے خندق میں آکر ختم ہوتے ہیں - زمانہ

حال میں خندق پر پل پاٹ کر سڑک ڈال دی گئی ہے۔ بھرتی کی وجہ سے یہ دروازہ بہت پست ہو گیا ہے۔ اس مقام پر کتبات ذیل ہیں۔

(۱) کتبہ جنوبی راستہ پر خندق میں اندرو ار کو لگا ہوا ہے۔

در عہد سلطان محمد شاہ بنا کردۂ خان اعظم ملو خان حافظ نشر سنتہ اربع وسبعین وثمانمائۃ
سنہ ۸۷۴ھ

(۲) اسی مقام پر شمال رخ:-

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد سلطان محمد شاہ بنا کردۂ خان اعظم ملو خان حافظ نشر سنہ اربع وسبعین وثمان مائۃ
سنہ ۸۷۴ھ

(۳) - اسی مقام پر جانب مغرب کمان پر نصب ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد محمد شاہ بن ہمایون شاہ بن سلطان علاء الدین بنا کردۂ خان اعظم ملو خان حافظ نشر اربع وسبعین ثمانمائۃ
سنہ ۸۷۴ھ

بنڈہ باؤلی کا برج سنہ ۹۱۱ھ یہ ایک وسیع باؤلی تھی جس کا صرف حصار باقی ہے پانی نہیں ہے بارش کا پانی اس گڑھے میں جمع ہو جاتا ہے جس میں دھوبی کپڑے دھوتے ہیں۔ اس باؤلی کے متصل ایک برج ہے جو اسی باؤلی کے نام سے مشہور ہے اس پر شمال رویہ یہ کتبہ دیوار کے اندر لگا ہوا ہے۔

ڈوڈی بندہ باؤلی ۹۹۰ھ بنڈہ باؤلی کے متصل فصیل پر ایک ڈیوڑھی شمال و جنوب رخ بنی ہوئی ہے جس کو وڈی کہتے ہیں - درمیان میں لداؤ کی چھت ہے جس کی دونوں جانب کمانیں ہیں غالباً پہرے والوں کی نشست گاہ ہے - جس مکان کی یہ ڈیوڑھی ہے وہ اب معدوم ہے -

جانب شمال یہ کتبہ دروازے کی پیشانی پر بخط النسخ ہے :-

در زمانِ علی عادل شاہ ‏ ‏ کرد بنیادِ ڈوڈی اینجا
یافت در عہدِ شاہِ ابراہیم ‏ ‏ کار برگونۂ حصارِ اتمام
کرد یوسف علی قندیل دار ‏ ‏ اندر اینجا مشقت بسیار
فی سلخ شہرِ رمضان المبارک تسعمائۃ تسعین
۹۹۰ھ

اس تختی کے ناصیہ پر دو چھوٹی چھوٹی محرابیں جن کی دونوں جانب دو گلاب کے پھول ہیں اور تختی کے داہنی اور بائیں جانب ایک ایک کنول کا پھول اور ایک ایک شرزہ ہے ہر شرزے کے نیچے ایک مور ہے جو سانپ نگل رہا ہے -

دوسری جانب دروازے کی دہلیز پر کتبہ ذیل بخط النسخ دو سطروں میں کندہ ہے - یہ کتبہ پتھر کی دو کڑیوں پر لٹکا ہوا ہے جس کی دونوں جانب گھوڑے کی نہایت خوب صورت گردن اور دوسری طرف شرزے بنے ہوئے ہیں -

شاہ عالم پناہ ابراہیم ‏ ‏ کو نشستہ بجائے عادلشاہ
دولت او ہمیشہ افزون باد ‏ ‏ بر سر یر سپہر حشمت و جاہ
مسندِ او ہمیشہ قایم باد ‏ ‏ بطفیل علی و لطفِ الٰہ
کردہ اندر زمان او بنیاد ‏ ‏ این عمارت کہ کس نداد دیاد

ہست خندق تا کوہ بلند ‏ ‏ زآب حیات او زندہ
دوستانش بہ فتح فیروزی ‏ ‏ دشمنانش ہمیشہ باد تباہ
ہر کہ کردہ بناء این خندق ‏ ‏ دارد امیدہا بحضرتِ حق

بود یوسف علی قندیل دار	اندر آں وقت باعث ایں کار
سال ایں تاریخ اگر خواہی	یافت در نہصد و نود اتمام

سنہ ۹۹۰ھ
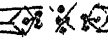
کتبہ بر بالائے دروازہ پرکوٹہ سنہ ۹۵۱ھ بنڈہ باؤلی کی وڈی سے آگے بڑھ کر ایک برج پر بنڈہ باؤلی کے شمال رخ پرکوٹہ کے دروازے پر نصب ہے (پرکوٹہ اس کو کہتے ہیں جو جگہہ خندق اور قلعہ کی فصیل کے درمیان ہو اور وڈی چھوٹے مکان کو) یہاں راستہ بہت قلب تھا لوگوں کو پہاڑ پر چڑھنے میں بڑی دقت تھی لہذا سیڑھیاں بنوا کر ایک خوش نما دروازہ بنوا دیا جس کے اندر مکان ہوگا اور اس جگہہ جو برج ہے اُس پر یہ کتبہ لگا دیا ہے۔

بدور شاہ ابراہیم سادل	کہ شد از عدل او عالم گلستان
در بیجاپور دبس کوہی عجیب	بتوفیق خدا و شاہ مردان
کہ در رفتن شد تلی خلق حیران	بکندا نرا و بر جایش درے ساخت
بسی کوشید در اینکار از اخلاص	مرتب ساختش از فضل یزدان
چو دوڈی نام این کرد از توکل	غلام شاہ دین یوسف علیخان
چو کار قلعہ از وی یافت رونق	بتاریخش نظام آمد بر و خوان

سنہ ۹۹۱ھ

دروازے پر سیدھی جانب ایک عقاب (گرڑ پنکھ) ذوالوجہین بنا ہوا ہے اور بائیں طرف دوسرا عقاب اسی طرح دو موُنہا ہے جس کی ایک چونچ میں ایک ہاتھی اور دوسری میں دوسرا اور ایک پنجے میں تیسرا ہاتھی ہے۔ اس عقاب کی بائیں جانب ایک شجر الحیات ہے جس پر عقاب کا گھونسلا ہے جس میں ایک بچہ ماں باپ کی طرح کا ذوالوجہین ہے جس کے کھانے کے لئے ایک اژدہا لپک رہا ہے جس طرح مشہور ہے کہ سیمرغ ہاتھی کا چوگا کرتا ہے وہی نقشہ یہاں بنایا ہے۔

کتبہ برج ملوخاں یہ کتبہ بنڈہ باؤلی کے نزدیک پرکوٹے کے راستہ میں فصیل پر پڑا ہوا تھا قریب تھا کہ سیڑھیوں کے پتھروں کی طرح یہ بھی تلف ہو جاتا۔ جن دنوں ہم کتبوں کی تلاش میں سرگرداں تھے حسن اتفاق سے اس پتھر پر نظر پڑی اور میں نے اُس کو لاکر ٹون ہال میں رکھوا دیا جس طرح معظم خاں نے برج بنوا کر کتبہ نصب کرا دیا ہے اُسی طرح ملوخاں نے کوئی برج بنوایا ہوگا جس کا

اب پتہ نہیں۔ وہ کتبہ یہ ہے۔

اَلمُلکُ الوَاثِقِ المُنّان
سوای ملوخان بن عادل خان سوای

کتبۂ اسبارخانہ ۱۰۱۶ھ یہ مکان پہلے غلّے کا کوٹھا تھا۔ نواب فرام زجنگ بہادر تعلقہ دار وقت نے اس کو ٹون ہال بنا دیا۔ اس کوٹھے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے مگر افسوس کہ اشعار غیر موزوں ہیں :۔

زیمن ہمت توفیق عالی کردگار	سبنہ شد از اعتقاد پالۂ سلطانی انبار
عجب بنیاد سنگین محکم استوار	بسی سالہا و قرنہا علم پائیدار
در زمان شاہ ابراہیم عادلشاہ سلطان	بباشد در کار کرد ملک ریحان
بکردم فی التاریخ و تو الید سر بیان	از ہجریہ بود یکہزار و شانزدہ سال ران

خسرو برج ۱۰۸۱ھ خسرو برج کا کتبہ خونی مسجد میں رکھا ہوا تھا جس کو اس مسجد سے کوئی تعلق نہ تھا لہذا ٹون ہال میں رکھوا دیا گیا ہے اس کا فوٹو ہدیۂ ناظرین ہے۔ خسرو برج اندرون آبادی بہت بڑا برج ہے جو نہایت عمدگی سے بنایا گیا ہے۔ اور جس کے پتھر اس خوبی سے وصل کئے گئے ہیں کہ ذرا جھری نہیں ہے اس برج کا دور (۲۷۰) فٹ۔ عرض ۹۰۔ فیٹ۔ ارتفاع (۵۰) فیٹ ہے
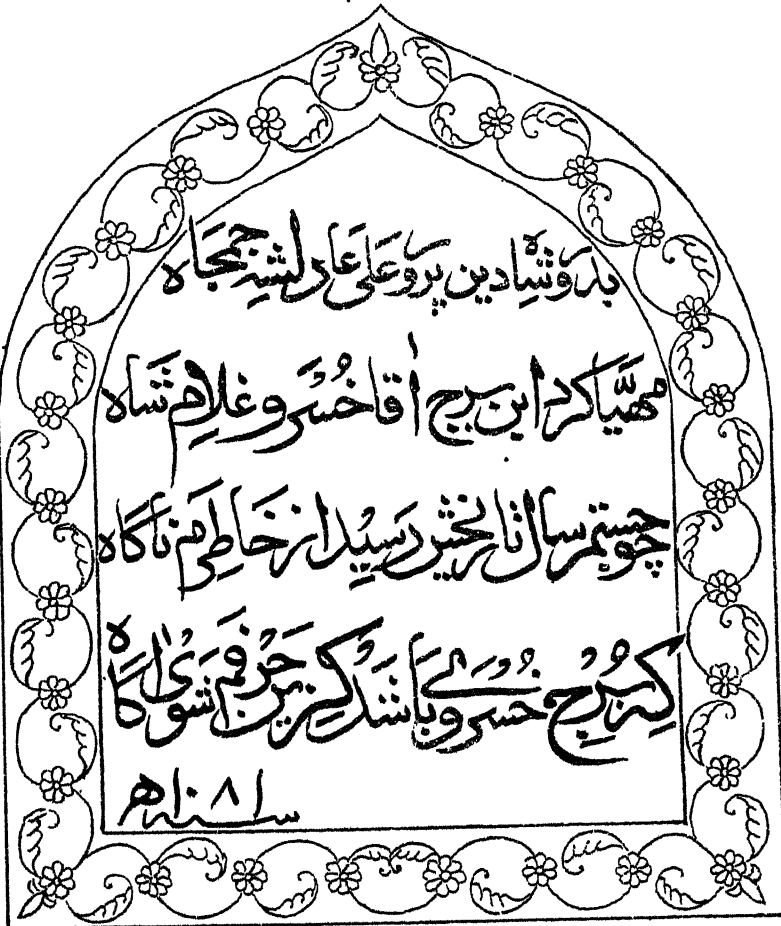
بادشاہی برج سنہ ۱۰۱۸ھ یہ پتھر بیراگی کنوئیں کے متصل برج کا ہے وہاں سے خدا جانے کس نے اٹھا کر گوکل بھائی کی مسجد میں رکھ دیا - اب ٹٹوں ہال میں محفوظ ہے :-

جوہرِ درجِ کرامت اخترِ برجِ کمال ۔۔۔ آفتابِ اوجِ حشمت سایۂ لطفِ الٰہ
شہسوارِ عرصۂ ابراہیم عادل شاہ ۔۔۔ والی والا جناب داورِ دوراں پناہ
مستفیض از فیضِ گلزارِ فضلش جان و دل ۔۔۔ مستنیر از لمعۂ رائے منیرش مہر و ماہ
در دورِ شاہِ عادل شہنشہ ۔۔۔ نصرتِ خدا چنیں بداد ہ
کیں برج پادشاہی مثل ندارد در جہاں ۔۔۔ یا از گردشِ فلک ہرگز چنیں نزادہ
کسی مانند ایں برج ہرگز ندیدہ ۔۔۔ نے بسمع کس ہرگز چناں رسیدہ
گر کسی تعریف ایں برج از تو خواہد ۔۔۔ گو در ایام حوالہ ملک ریحان چناں بستہ

قلعۂ شکستہ رائچور

کتبۂ خندق و برج قلعۂ رائچور

کہ ایں برج است یا درج است یاقوت ملک یاقوت داماد ملک ریحاں ایں در سفتہ

گر کسی تاریخ ایں برج بتو پرسد گو ہاتف از غیب چناں دادہ فردہ

خرد تاریخش ازاں چناں گفتہ وصل البرج فی السعادہ

نیابت برج ۱۰۱۸ھ یہ کتبہ رائچور کے قلعہ کے برج کا ہے جو اب محبوب گلشن گلبرگہ میں رکھا ہوا ہے۔

نیابت برج گشت ز توفیق احد بامداد اے شفیعے یا محمد

در عہد ابراہیم عادل شاہ معظم کہ ابتدائے ایں برج گشت پایہ محکم

زعون ہمت ملک ریحاں صاحب بنا کردند برجے ملک یاقوت نائب

منازل یافت برجے زیں سعادت کہ رو آورد الی القبلہ ہدایت

کہ تاریخش یکہزار و ہجدہ ہجرت رسیدہ برج جوزا اوج عزت

۱۰۱۸ھ

شکر باؤلی ۹۱۴ھ یہ باؤلی جس کا یہ کتبہ ہے ٹٹون ہال کے قریب کالی مسجد کے متصل ہے۔ گوگل بھائی کی مسجد میں رکھا ہوا تھا اب ٹٹون ہال میں ہے:-

سرچشمۂ آب زندگانی اینجاست خوش بارگہ عیش و کامرانی اینجاست خواہی کہ چو عمر جاودانی یابی

دریاب کہ عمر جاودانی اینجاست برسنگ چنین نوشت نقاش دنیا نکند وفا تو خوش باش

نوشتم نامۂ برسنگ خارا کہ تا فردا چہ خواہد بود مارا اگر روزی عزیزی این بخواند

بیا خیلے رسد فریاد مارا تبا کنندۂ این مقام نیکو خلق خاوم علاء نور اللہ کریم یدہ شاہ نعمت اللہ

(حاشیہ: مسند ... عشر و تسع مائۃ ...)

(حاشیہ: کتبہ ... حسن بن علی ... سنہ ۹۱۴)

علی برج ۹۱۰ھ یہ کتبہ بھی علی برج سے جدا ہو کر مسجد متذکرہ بالا میں رکھا ہوا تھا اب ٹٹون ہال میں محفوظ ہے۔ چوں کہ یہ کتبہ نہایت خوش خط ہے لہذا اس کا فوٹو ہدیہ ناظرین ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المؤمنین یا محمد یا علی بدور شاہ ابراہیم عادل

بنای برج کرد آن مرد عاقل　غلام شد خواص خان بہ شہنشاہ　تمامش کرد آن دانای آگاہ
چو از جان بُد محب سرور غالب　نہاد آن برج را نام علی ابن ابی طالب　مشقت کرد بسیار اندرین کار
زروی اعتقاد آن مرد ہشیار　اگر خواہی کہ تاریخش بخوانی　زہجر الف بگذشت ست تا دانی

کتبہ درگاہ متصل صدر پٹہ خانہ ۹۱۲ھ　یہ پتھر ایک درگاہ کا ہے جو متصل صدر پٹہ (ڈاک) خانہ سرکار عالی کے تھی درگاہ کے پاس ایک مسجد اور باؤلی بھی تھی۔ اب نہ وہ درگاہ ہے نہ مسجد نہ باؤلی فقط ایک قبر ان بزرگ کی باقی رہ گئی ہے جن کا نام بھی اب کوئی نہیں جانتا درگاہ کی بربادی کے بعد یہ پتھر مسجد ہزارہ بیگ میں رکھا گیا تھا جو اب ٹٹون ہال میں رکھوا دیا گیا ہے:-

انما بینۃ دکاکین متصلہ الیہ بشرط ان یصرف مشغلہا فی العمارۃ و السراج والماء　۱۰ ربیع الآخر سنہ ۹۱۲ھ

ایک مینار کی مسجد سنہ ۹۱۹ھ　بیرون قلعہ متصل ڈاکخانہ لب سڑک یہ شاہی مسجد ہے جو ایک مینار کی مسجد کے نام سے مشہور ہے جو سلطان محمود بہمنی کے عہد میں سنہ ۹۱۹ھ میں ملک عنبر کی بنائی ہوئی ہے۔ اس مسجد کا ایک ہی گاؤ دُم مینار ہے جو اسّی گز بلند اور دس گز دور میں ہے۔ اس کے اندر چکر دار سیڑھیاں ہیں اور جابجا روشن دان بھی ہیں جس سے مطلق اندھیرا نہیں ہے اور آسانی سے چڑھا جاتا ہے اوپر جا کر دور دور تک نظر آتا ہے ایک پر لطف منظر پیش نظر ہوتا ہے اس مینار پر رائے للتا پرشاد صاحب سابق تعلقدار کے عہد میں چاروں طرف چار قندیلیں لگا دی گئی ہیں۔ چوں کہ بہت بلندی پر یہ روشنی ہے دس دس میل تک نظر آتی ہے اور مثل تاروں کے چمکتی ہے۔ اس مسجد کے ستونوں کی ساخت سے خیال کیا جاتا ہے کہ دیول توڑ کر بنائی گئی ہے مسجد پانچ محرابوں کی ہے اور تین دالان ہیں مسجد تمام سلوں سے پٹی ہوئی ہے لکڑی کا نام نہیں ہے۔ طول ۱۰۱ فیٹ (۶) انچہ عرض (۱۳) فیٹ مسجد کے دروازہ داخلی کی دہلیز پر یہ کتبہ بخط ثلث ہے:-

بعہد سلطنت شاہ بہمنی محمود　چنین عمارۃ خوب و لطیف شد موجود
بدولت ملک الملک عادل ثانی　درین خجستہ مکان این چنین عمارت کرد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نصر من اللہ و فتح قریب

آخر کی ڈھائی سطریں باقی ہیں اوپر کا حصہ بالکل چھیل ڈالا گیا ہے۔ عمل کمشنری میں اس مسجد میں دواخانہ تھا۔ ڈی فریزر ڈاکٹر نے اوپر کی سطور کو حک کرادیا خدا جانے نیچے کی سطریں کیسے بچ رہیں۔

(۵) منبر کے سامنے وسط مسجد میں سقف پر چاروں طرف پتھر کی کڑیوں پر سورہ انا فتحنا تا سارت مصیراً تک مع بسم اللہ بخط ثلث اُبھرے ہوئے خط میں منقوش ہے۔ جو مغرب کی طرف سے شروع ہوئی ہے اور چاروں سمت پھر کر ختم ہوئی ہے۔ اس مسجد کا فوٹو مہتر محل اور آنڈو مسجد کے ساتھ دیا گیا ہے۔

جامع مسجد اندرون قلعہ ۹۰۰ھ مجلس کے محاذی واقع ہے اور علی عادل شاہ کے زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ یہ بہت بڑی اور وسیع مسجد ہے۔ اس کی سقف اور ستون چوبی تھے۔ اندازہ سو برس کا ہوا بالکل گر گئی تھی۔ تخمیناً ستر سال کے اول گلاب سنگھ صوبہ دار جو رائچور کے عمل دار تھے انھوں نے حسن عقیدت سے ذاتی صرفہ سے ازسرنو معرفت شیخ احمد صاحب مرحوم محصول دار جو فقیر احمد صاحب کے والد تھے بنوادی۔ یہ مسجد پہلے طول میں (۱۴۷) فیٹ تھی مسجد کا حصہ وسطی ۴۵×۳۶ فیٹ ازسرنو پتھر کے پٹاؤ کا بنایا گیا اور ستون کڑیاں بھی پتھر کی لگائی گئیں۔ شمالی حصہ ۵۷×۲۳ اور جنوبی حصہ ۴۵×۲۳ فیٹ ویسا ہی خالی پڑا ہے۔ چبوترہ کا عرض ۲۹ فیٹ ہے۔ اس مسجد میں حسب ذیل کتبات ہیں۔ (۱) منبر کے سیدھے ہاتھ کی طرف جس کا فوٹو قابل ملاحظہ ہے۔

کتبہ جامع مساجد اندرون قلعہ رائچور

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
علی ولی اللہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
وان المساجد للہ
فلا تدعوا مع اللہ احدا
انا انزلناہ فی لیلۃ القدر
کل من علیہا فان
ویبقی وجہ ربک ذو الجلال
والاکرام

(۲) منبر کے بائیں ہاتھ کی طرف دو کتبے ہیں ایک اوپر لگا ہی دوسرا طاق میں ہی

کتبہ اندرون طاق جنوبی جامع مسجد محاذی مجلس

مَلِکُ عبدُالمحمّد ابنِ ریحان	بدورِ شاہِ ابراہیم عادل
ساخت جامع تا ابد باشد نشان	کہ بلغ بود سالِ تاریخ آن
نزلنا ہاہنا ثم ارتحلنا	کذا الدنیا نزول و ارتحال
یظن المرء فی الدنیا خلود	خلود المرء فی الدنیا محال
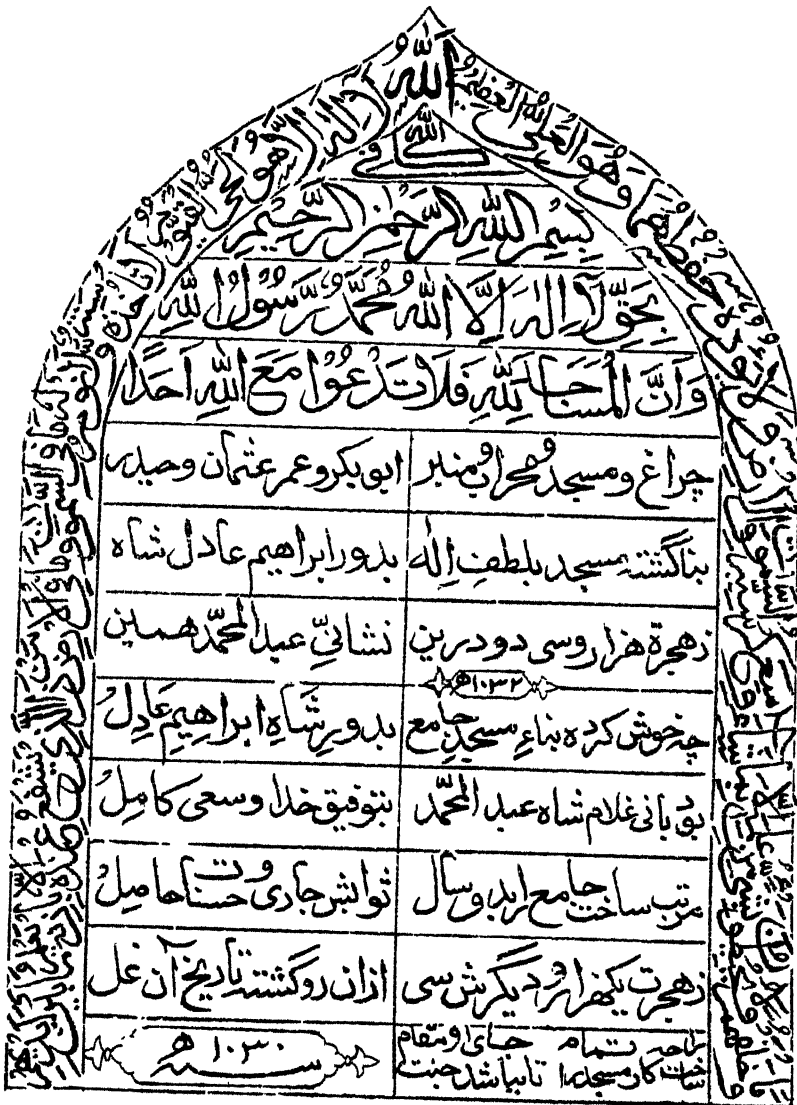
۱۲۲۷ھ میں اس مسجد کی سرکار سے بھی مرمت ہوئی ہے۔ یہ مسجد دیول توڑ کر بنائی گئی ہے اور بت کو اوندھا کر کے فرش مسجد میں گاڑ دیا ہے۔ منبر سیاہ پتھر کا ایسا چکنا اور مصفا بنایا گیا ہے کہ نظر پھسلتی ہے اور جس کی صناعی لاجواب ہے۔ مسجد کے صحن میں میاں شیخ سالار کا مزار ہے جو حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے بھانجے ہوتے ہیں۔

مسجد نورنگ دروازہ یہ مسجد بیرون قلعہ نورنگ دروازے کے متصل واقع ہے۔ پٹاؤ کی چھوٹی سی پختہ اور خوش نما مسجد ہے۔ جس کے تین در ہیں طول سوا سات گز عرض (۵) گز یہ مسجد ویران ہو گئی تھی اس مسجد کے سامنے ہی ہنومان کا پتھر ہے۔ ہندوؤں کو خیال ہوا کہ مسلمان پوجا پاٹ میں حائل ہوں گے سرینواس راؤ وکیل نے راتوں رات لین کی جمعیت کے لوگوں سے مسجد کو شہید کرا دیا۔ سرکار سے وکیل مذکور کو آٹھ سو روپیہ جرمانہ ہوا اور وہ رقم مسلمانوں کو دے دی گئی جس سے از سر نو مسجد کی تعمیر کی گئی اور ایک باؤلی بھی جو قدیم سے ویران تھی درست کر دی گئی اس مسجد کا کوئی کتبہ نہیں ہے البتہ بائیں ہاتھ پر طاہر خانی برج کا کتبہ ذیل لا کر نصب کر دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المؤمنین

فی عہد السلطان الاعظم ظل اللہ فی الارضین

ابو المظفر علی عادلشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ

بناکردہ طاہر خان فی سنہ سبعین احد و تسع مائۃ ۹۷۱ھ

فتح برج یہ عظیم الشان برج نورنگ دروازے کی مسجد کے عقب میں شمال کی طرف ہے عمارت کچھ زمانے کے ہاتھ سے تباہ ہوئی رہی سہی حکام کی بے دردی سے بلا غل و غش لوگ پتھر اکھاڑ اکھاڑ کر لے گئے۔ اس پتھر کو بھی جہاں لگا تھا اکھیڑ کر اب لے جانے والے تھے کہ اس سے بہتر سل کہاں مل سکتی ہے کہ مجھے خبر ملی۔ اس پتھر کی زبان حال سے صدائے داد فریاد اور ناقدردانی زمانہ کی شکایت سن کر پتھر کا کلیجا بھی پانی ہو جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ وڈروں کے بے رحمانہ ہتوڑوں کی زد سے محفوظ رہا اور خاکسار سراپا خطا کار کے نامۂ اعمال میں یہ نیکی چڑھنے کی تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ محمد حسین صاحب داروغہ صفائی نے میرے ایما سے اس نایاب کتبہ کو (جو بخط ثلث نہایت خوش خط لکھا گیا ہے۔ اور جس کا عرض و طول

۵-۹×۲-۱۰ اپنے ہی) ہاتھوں ہاتھ اُٹھوایا اور لاکر ضلع کی کچہری کے محاذی رکھوا دیا جہاں پر کہ اس کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک ناظرین اس کے فوٹو کو دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔

یتیم شاہ کی مسجد ۱۱۶۲ھ یہ مسجد کالی دروازے کے متصل ہے ممبر کے داہنی جانب رواق میں سیاہ چمکتے ہوئے پتھر پر ذیل کا کتبہ ہے مسجد شکستہ ہو گئی تھی مودو میاں نامی ایک صاحب نے اس کی ترمیم بصرفہ ذاتی کر دی ہے۔
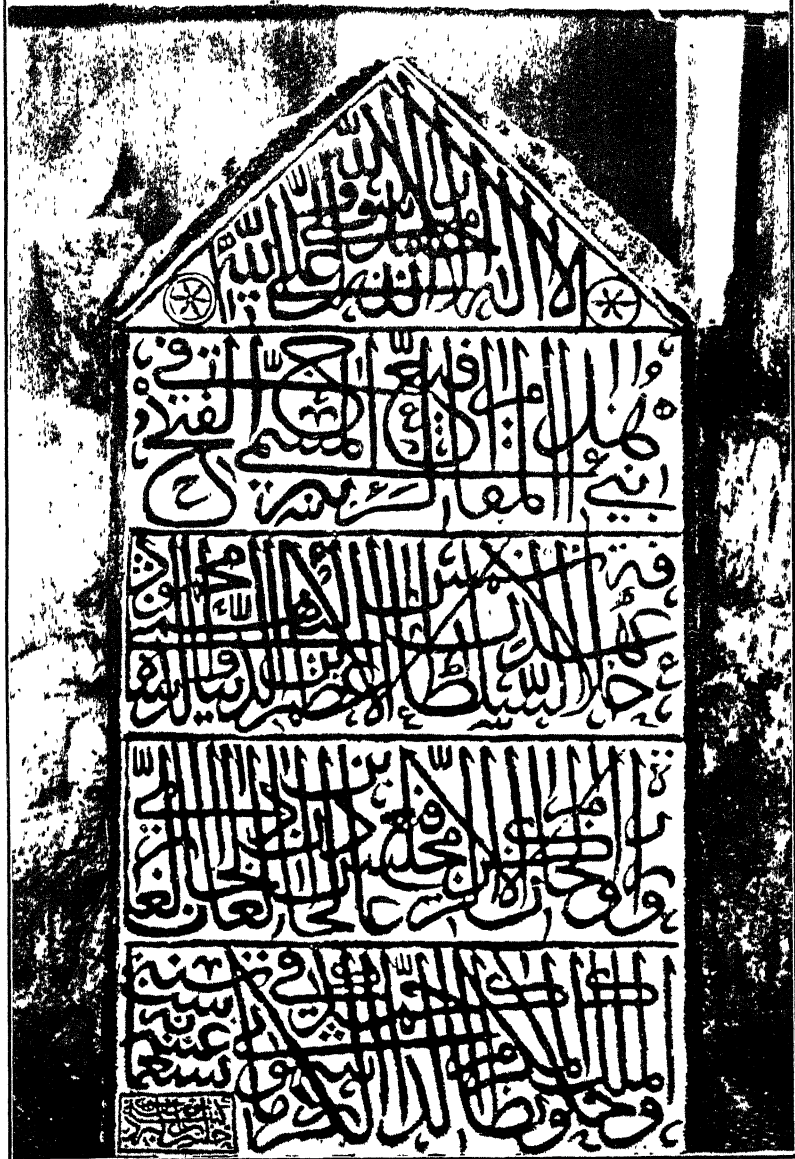
ہزارہ بیگ کی مسجد اندرون قلعہ متصل عاشور خانہ بارہ امام واقع ہے۔ یہ مسجد خام ہے لکڑی کی چھت ہے۔ تین درکی ہے۔ طول ۲۲ فیٹ عرض ۱۲ فیٹ ہے۔ اس مسجد کے صدر دروازہ پر یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ علی رسول اللہ

قد وفق بناھذا المسجد فی زمان السلطان محمود شاہ

آوان عادل خان ۲۰ رمضان البانی عبد الضعیف

نحیف ملتجی خالق الکل خواجہ سنبل

درگاہ میر حسین صاحب یہ درگاہ مجلس کے شمال رُخ پر واقع ہے۔ درگاہ کے اندر ایک شکستہ مسجد اور قبرستان ہے حضرت شاہ میر حسن و حضرت شاہ میر حسین قدس سرہما آپ ہر دو حضرات گھوڑے پر سوار تھے چنانچہ آپ کے گھوڑوں کے سموں کا نشان اب تک پتھر پر کوٹ تالار کے محلہ میں جو وسیع چٹانیں ہیں وہاں موجود ہیں اور ایک تصرف اب تک جاری ہے کہ اگر کسی کے مکان میں سانپ نکل آئے تو آپ کے مزار کی مٹی لاکر مکان میں ڈال دیں تو سانپ بھاگ جاتا ہے۔ آپ کا سالانہ عرس ۲۱ ربیع الثانی کو ہوا کرتا ہے۔ درگاہ کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے لیکن بلحاظ عبارت اس کتبہ کو اس درگاہ سے کوئی تعلق نہیں یہ کسی انبار خانے کا ہے جو اکھیڑ کر یہاں لگادیا گیا ہے۔

اللہ کافی

زفیض ذوالجلال شد انبار خانہ

کہ فی السماء رزقکم بیمانہ

در عہد شہنشاہ ابراہیم عادل

متوں رشد مقام رزق کامل

کہ بلغ بود سال الف واثنی ثلثین

بنا کردند عبد المحمد دران حین

دفتری مسجد ۹۰۴ھ

یہہ مسجد سکندری دروازے کے متصل پیر پولہ صاحب کے مزار کے پاس لب سڑک واقع ہی اس کے متصل ایک باؤلی بھی ہی جس کی ترمیم حال میں خاکسار کے زمانے میں کی گئی ہی مسجد کے صدر دروازہ پر چینی کا کام تھا جو اب جھڑ گیا ہی ذرا ذرا سے نشانات باقی ہیں۔ اس مسجد کا طول (۴۳) فیٹ عرض (۲۴) فیٹ ہی پانچ در ہیں پہلے چار دروں کے داسہ عبارت ذیل ثبت کندہ ہی۔

پانچواں داسہ خالی ہی۔ یہہ تمام عبارت چونے سے لپ گئی تھی کسی طرح پڑھی نہیں جاتی تھی کئی دن کی لگاتار کوشش کے بعد بہ مشکل اُس جمے ہوئے چونے کو بھگوا کر نکلوایا جب یہہ عبارت پڑھی گئی۔ مسٹر شاوکشا آبکاری کنٹریکٹر نے جن کے گوٹانگ کے پاس یہہ مسجد ہی ان کتبوں کو صاف کروا دیا۔ میں اُن کا مشکور ہوں۔ یہ مسجد مستحکم سلوں کے پٹاؤ کی ہی۔ لیکن اسی مقام کے اردگرد تھوڑے سے فصل سے (۶) مسجدیں ہیں مسجدیں زیادہ اور مصلی کم اس وجہ سے آباد نہیں۔ یہہ مسجد پہلے دفتر کے لوگوں کے لیے مخصوص ہوگی اب وہ دفتر ہی گاؤ خورد ہوگیا مسجد میں کون نماز پڑھے۔ اس مسجد کے باہر ایک سیاہ پتھر نصف دائرہ کی شکل کا گڑا ہوا ہی جس پر ہندی کتبہ کندہ ہی باوجود کوشش کے بھی نہ پڑھا گیا مجھ کو تلنگی اور کنڑی پڑھنی نہیں آتی اور جن کو پڑھنی آتی ہی اُن کے دل میں درد نہیں شوق نہیں وہ میرے اس طرز عمل کو خبط پر محمول کرتے ہیں اور از دیدہ دور از دل دور پر عمل ہیں اور میں کہتا ہوں کہ جو باتیں ضبط تحریر میں آجائیں وہی بسا غنیمت ہیں ہر شخص بہ خیال خبطے دارد۔

(کتبۂ دفتری مسجد)

الحمد للہ رب العلمین الصلوٰۃ علی سیدنا محمد والہ اجمعین اما بعد وقف کرد و تصدق نمود ظل اللہ المرضات اللہ وملک المعاشر المتوکل علی اللہ الرحمانی ملک حاجی بن سلیمان فرمانی انہ فقد رحل المورث نہ چاور زمین در کبور بر عمال بعلماء رایچور بر حفاظ و امام و موذن مسجد مسطور فیہ ہشت چاور زمین برای حافظان و امام و مؤذن و یکچاور زمین برائے متولی باشد و اوصا وقف نمود چہل دکان موصوف مجلد دہ واقع در رایچور در جلب مسجد مذکور از تعمیر و روغن چراغ و فرش و سائر مصلی الوقفی صحیح شرعی و شرط کرد

واقف کرامت بر آنکس کہ مطلع شود بر این وقفیت تغیر و تبدیل نمایند کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی محکم کتابہ مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ گردد

مورخا اربع وتسعمائۃ
۹۰۴ھ

سکندری دروازہ ۹۰۴ھ یہ کتبہ نہایت خوش خط دروازے کی پیشانی پر بخط ثلث ایک ہی سطر میں بنست کندہ ہی۔ اس دروازے کی دونوں جانب تین تین دروں کی لداو نشست گاہ بنی ہوئی ہی۔ اب سڑک کی بھرتی کی وجہ سے دروازہ قدرے پست ہوگیا ہی۔

در زمان خسرو سلطان سکندر قادری	شد مہیا کار این دھلیز با صنعتگری
چون تامل کرد از تاریخ آن گفتہ خرد	گو در فرخ وز این تاریخ ختمش منگری
بانی این کار آقا خسرو غلام شاہ را	کن بلطف خویش یارب فرد محشر یاوری

اس دروازے کے اندر پیر بیٹولہ صاحب کا مزار ہی۔

سکندری مسجد و کتبہ شاہ برج ۹۷۳ھ سکندری دروازے کے باہر پختہ لداو کی چھوٹی سی مسجد ہی جس کے تین در ہیں۔ اس میں کوئی کتبہ نہیں ہی "شاہ برج" کا ایک کتبہ یہاں لاکر کسی نے رکھ دیا ہی۔ یہ کتبہ بخط عربی نہایت واضح اور ایسا خوش خط کندہ ہی کہ جس کے دیکھے سے نظر میں تراوٹ آجاتی ہی لیکن افسوس صد افسوس کہ کسی ظالم نے اس کے چار ٹکڑے کردئے چار ٹکڑے کرو دل کے کہ نہیں ہو سکتا رُخ کو دو خال کو دو چشم کو دو زلف کو دو بیچ کا ٹکڑا ندارد ہی۔ جویندہ یابندہ معلوم ہوا کہ ایک مینار کی مسجد میں ایک ٹکڑا پڑا ہوا ہی وہ منگا کر روح کو قالب سے ملا دیا۔ بچھڑے ہوئے یاروں کو یکجا کیا پر ہم ایک چھوٹی سی جیب ندارد ہی جس کا پتہ نہیں خدا جانے کہاں ہوگی۔ سیاق عبارت کے لحاظ سے خط کشیدہ الفاظ بڑھا کر پورا کردیا۔ شاہ برج محاذی اول کچہری کے ہی۔ اس برج پر ایک توپ تھی جس کے عمل کمشنری ۱۸۶۳ء میں ٹکڑے ٹکڑے کروائے گئے۔ تین ٹکڑے ہیں جو چار چار ہاتھ کے لمبے ہیں ایک پر کوٹہ پر۔ ایک برج کے نیچے اور ایک سڑک کے بازو پڑا ہوا ہی۔ یہ کتبہ اب ٹوکن ہال میں رکھوا دیا گیا ہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر

در زمان دولت شاہ جہان | آنکہ گوی سبقت از عالم ربود

کرد بنیاد بنای شاہ برج | حضرت اخلاص خان ازعین جو

۱۰۴۶

خواستم تاریخ سالش عقل گفت | بعد فتح کافران یک سال بود

برج تعلیم ۹۵۳ھ خاص باؤلی کے پاس تعلیم کے برج پر یہ کتبہ ہے:-

معمار قضا کہ ہست در حسن عمل | بانی بنائے نیلگوں برج حمل

تاریخ بناش ہمیشہ آمدہ است | برج فلک دولت و اقبال ازل

۹۵۳ھ

یاور خسرو عادل کہ ز زور خصم از و پست شد | سعی احمد حاجی کو نابادی مرتب شد

خندق دروازہ ۹۴۸ھ قلعہ کے مشرقی جانب خاص باؤلی کے آگے تعلیم کے برج کے پاس ایک دروازے پر یہ کتبہ ہے اس دروازے میں جانے کے لئے ایک ڈیوڑھی بنی ہوئی ہے جس کے دونوں جانب کمانیں ہیں جن میں پہرے والے رہتے یہ ڈیوڑھی اب مخدوش حالت میں ہے

کشودہ باد بشادی ہمیشہ این درگاہ | بحق اشہد ان لا الہ الا اللہ

این عمارت بعہد عادل شاہ | شد مہیا بخیر و نیکوی

سر تاریخ این بنا گویند | فتح شد باب مدعا گوی

کتبہ بن کوٹہ برج ۱۰۶۴ھ کالی دروازے جنوب رویہ گلی میں ایک برج واقع ہے اس پر یہ کتبہ ہے-

اين برج در عمل نواب سعد اللہ خان بہادر
مظفر جنگ باہتمام شیخ عبد الواحد
از سر نو تعمیر یافت سنہ ۱۱۶۴ ہجری نبوی

برج رفیع سنہ ۹۵۵ھ خسرو برج کے پاس فرام روڈ پر ایک برج ہی اس پر یہ کتبہ ہی:

بستم دریں حصار ز توفیق کردگار — برجے کہ کوتہ است از او دست اہل غدر
چوں سر زند ز مطلع او طلعت ہلال — باشد ز روے مرتبہ چوں بر سپہر بدر
در روزگار عادل دوراں تمام شد — آں عادلے کہ ساختہ جا بر سر صدر
چوں نسبت رفیع ز قدرش بدیع نیست — تاریخ اوست برج رفیع بلند قدر

سنہ ۹۵۵ھ

کالی دروازہ سنہ ۹۵۷ھ اس دروازے کو خاردار پٹ تھے جو عمل کشنری میں جلا دے گئے اب خالی دروازہ ہی جس کے دونوں جانب جوانوں کی نشست گاہ کے مکان تین تین درکے بنے ہوئے ہیں اس دروازے کی داہنی جانب نو محرالوں کا دالاو ہی۔ جس کے اوپر عمارت تھی جو منہدم ہو کر صرف ایک کمرہ باقی رہ گیا ہی وہ بھی لداؤ کا ہی۔ اس دروازے کے متعلقہ مکانات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہاں بہ نسبت دوسرے دروازوں کے جمعیت زیادہ رہتی تھی۔ (۱) اس دروازے کی پیشانی پر بخط عربی یہ عبارت کندہ ہی:

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَلِيُّ اللّٰهِ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ سنہ ۹۵۷ھ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰى وَعَلِيِّ نِ الْمُرْتَضٰى وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْعِبَادِ وَالْبَاقِرِ وَالصَّادِقِ وَالْكَاظِمِ وَالرِّضَا وَالتَّقِيِّ وَالنَّقِيِّ وَالْعَسْكَرِيِّ وَالْمَهْدِيِّ در عہد سلطان ابراہیم ہمایون عادلشاہ بناکرد شمشیر الملک غرہ رمضان خمسین و تسعمائۃ

اس دروازے کے چبوترے پر پیر باے صاحب کا مزار ہی۔

(۴) - کاٹی دروازے کی سرائے کی کمان میں داہنے رخ طاقچہ میں یہہ کتبہ نصب ہے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنای چنین قصر عالی مشید

۲ع۵ ۳۱۵ ع ۵ ع۵ ۱۵ ۵۹۱۵ ۲۵ ۵۲۵ ۱۵۳ ۵۱۵ ۵۵ ۳۲۵ ۱۵ ۵

سنہ ۱۰۳۲ھ

بماناد چون طاق گردون موبد

بدور براهیم عادل شہنشہ

مہیا شد از طبع عبد المحمد

چو خواہی بتاریخ این پی بری

بکن عدد مصراع اوّل چو ابجد

بر ضمائر بلا نظایر متعاقبان اهل زمانہ معلوم باد کہ

این عمارت را اساس و بنیاد نہما بنای معلی ساختہ اند و ازین پیش

این عمارت محض دیوار بود از وهیچ عمارت نبود والسلام

نوٹ - ع۵ = عشر (۵) یعنی پانچ دہائی - صفر (۰) اس شکل میں دیا گیا ہے - ۴۰ کو اس طرح لکھا ہے ع۵

اور ۳۰ کو ع۳ - ۴ کو ۵ - ۱۲

(۳۳) دروازے کی ایک جانب دالان کے دوسرے طاق میں یہہ کتبہ ہے۔

اللہ کافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفیض نور الجلال شاہ عمارات اعمال	بمنت محمد منور است جمال
در عہد شہ سلطان ابراہیم عادل	بنا کرد عبد المحمد امیر عامل
مزین گشت تشیع محرابہا تمام	با فوق کشاکش نور علی نور مقام
ترقی یافت این عمارات درین سعادت	رو بطرب باب الفتح باجنوب علامت
فرخ است تاریخ سال از ہجرت	بنمر یکہزار اثنی ثلثین عزت سنہ ۱۰۳۲ھ

(۴) کاٹی دروازہ سے گزرنے کے بعد سڑک پر ایک دروازہ ہے وہ بھی کاٹی دروازے کا جزو ہے اس پر یہہ کتبہ ہے

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد محمد بن ہمایوں شاہ بنا کردہ خان اعظم ملو خان

(بخط کوفی)

این در همیشه در همه عالم کشاده باد	دشمن بزیر خاک درین در فتاده باد
یارب مال این در عالی بحال خیر	اقبال عز الله دولت و شادی مدام باد

پتھر کا ہاتھی بیرون کاٹی دروازہ متصل این کچہری ایک ہاتھی ایک ہی پتھر کا تراشا ہوا سر بازار کھڑا ہوا ہی جس پر منقش جھول پڑی ہوئی ہی جس کے دونوں جانب دو چھوٹے چھوٹے ہاتھی کے بچے بھی ہیں - یہ سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہی - اسی قسم کے دو ہاتھی ملیاباد میں بھی ہیں اور وہ بہ اعتبار کاری گری اس سے بہتر ہیں - اس مقام پر دو چھوٹے چھوٹے برج تھے اور ہاتھی کے پیچھے سے ایک فصیل تھی جو کاٹی دروازے سے جا کر مل گئی تھی - راستہ کشادہ کرنے کو یہ سب مسمار کر دیا گیا - صرف ایک مینار جس کو "توڑے" کا منار کہتے ہیں جو تین قدم بلندی باقی ہی جس میں ایک زنجیر پڑی ہوئی ہی - پلیٹ پر پہلا ہاتھی رائچور کا ہی اور دوسرا اور تیسرا ملیاباد کا - یہ دونوں ایک ہی قد و قامت کے ہیں لیکن بیچ کے ہاتھی کی پلیٹ ذرا بڑی ہی -

مسجد بی بی حلیمہ ۱۰۳۲ھ کاٹے تالاب چھاؤنی فقیر پاکے پریس کے محاذی پر مرس کے راستہ پر بی بی حلیمہ کی بنوائی ہوئی چھوٹی سی لداؤ کی مسجد ہی جو صرف ایک کمان کی ہی طول و عرض ۲۳×۱۷ فیٹ ہی - اس مسجد میں دو کتبے سنگ سیاہ کے ہیں ایک کمان پر ہی -

قوله تعالیٰ یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد

بعون الٰہی بنا گشتہ مسجد | بحرمت محمد منور ز ساجد
زبی بی حلیمہ بناء لہا | ثوابش بود عشر امثالہا
ز تاریخ فرخ بناء شدہ | ز ہجرۃ ہزار و سی دو بدہ

زبی بی حلیمہ شد این یادگار
نگہدار ایمانش پروردگار
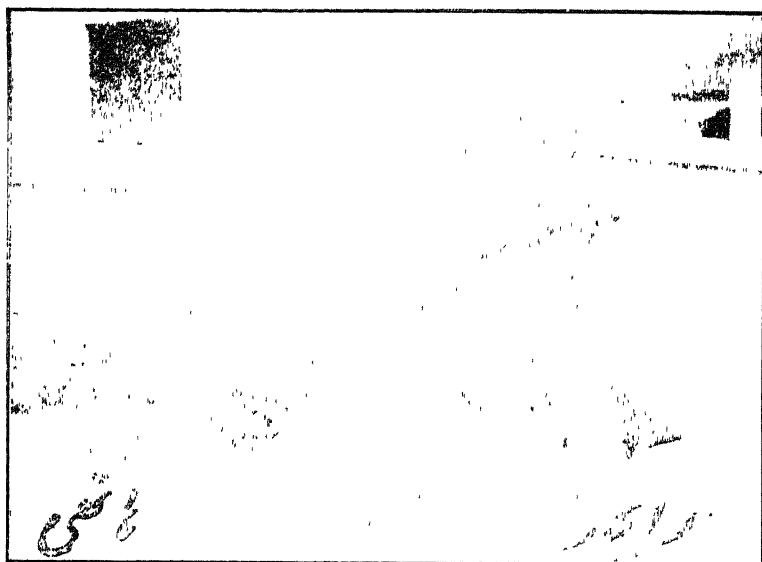
مسجد سواراں سنہ ۱۲۷۶ھ محلہ گھٹال واڑی میں آیا باولی کے پاس یہ مسجد تین در کی لداؤ کی ہے- ۲۱ × ۱۲ فیٹ طول و عرض ہے-

بسم الله الرحمن الرحیم	لا اله الا الله محمد رسول الله
کہ بت خانہ شکست از فضل اللہ	بنا گردید مسجد شاہ عبد اللہ
چو در وقت شجاع الملک مرحوم	عمل نواب ذوالفقار الدولہ
مہ اول جمادی بست و ہفتم	یک الف و یکصد و نود و ستہ

لغایت یازدہم مہ ربیع الثانی | ثمانیہ زیادہ الخمہ گشتہ
کرآن شاہ خادمہ ہست حاجی بختی | کند تیار این بر بست دو مہ
باہتمام غلام محمد شد مرتب | برآنہا باد دایم فضل اللہ

اندر کی دیوار پر دوسرا کتبہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم		
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ		
چراغ و مسجد و محراب و منبر		ابوبکر و عمر عثمان و حیدر
فاطمہ حسن حسین العباد والباقر الصادق الکاظم الرضا		
التقی النقی العسکری المہدی		

جامع مسجد بیرون قلعہ ۱۰۳۸ھ وسط آبادی میں ایک عالی شان اور وسیع جامع مسجد شاہی واقع ہے۔ اس مسجد کی تعمیر بھی بزمان ابراہیم عادل شاہ ۱۰۳۸ھ میں ہوئی ہے اس مسجد میں بڑی بڑی گیارہ کمانیں ہیں اور عمدہ سنگ بستہ گچ کاری کی عمارت ہے اس مسجد کا طول و عرض ۱۱۵×۳۲ فیٹ ہے۔ صحن نہایت وسیع ہے۔ ایک باؤلی اور ایک چھوٹا سا حوض بھی ہے۔ سرکار سے ۱۲۸۳ھ میں درست ہوئی ہے اور معاش بھی جاری ہے مسجد کے تحت میں (۲۸) دکانیں ہیں جن کا کرایہ ۵٦ ماہانہ اسی مسجد میں صرف ہوتا ہے۔ پیشانی مسجد پر سنگ سیاہ پر یہ کتبہ ہے اس کتبہ کے دونوں جانب قل اعوذ برب الناس کا نہایت خوش نما طغرا کنول کے پھول کی شکل کا کندہ ہے جس کا فوٹو بجنسہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ اس فوٹو کے اوپر اور نیچے قلعۂ رائچور کے دو مختلف فوٹو ہیں

طغرا قل اعوذ برب الناس بر جامع مسجد بیرون قلعہ

اندرون مسجد درمیانی کمان پر دونوں جانب یا فتح الابواب کا طغرا ہے۔

چوک کی مسجد اس مسجد میں تین کمانیں ہیں۔ طول و عرض ۲۸ × ۲۳ فیٹ ہے۔ مسجد میں نہایت خوب صورت اور چمک دار دو ستون سنگ سیاہ کے ہیں جو کسی مندر سے لا کر اُن کی تصویریں مٹا کر داہنے کھمبے پر "یا حنان" اور بائیں پر "یا منان" کندہ ہے۔ منبر کے پاس محراب میں ایک سنگ سیاہ کا کتبہ حسب ذیل ہے۔

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ
عوناً لک فی النوائب کل ہم و غم
سینجلی بعظمتک یا اللہ بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی یا علی
یا علی
یا اللہ یا محمد یا علی
یا اللہ یا محمد یا علی
وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا
فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین
بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا
تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السموت وما فی الارض
من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین
ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون الا بما شاء
وسع کرسیہ السموت والارض ولا یؤدہ حفظھما
وھو العلی العظیم

نورنگ دروازہ رائچور

اندرونی حصہ نورنگ دروازہ

کچہری ضلع رائچور

مسجد کے شمالی دروازے پر جو لب سڑک ہی دہلیز کے اوپر یہہ کتبہ ہی :-

مشو نومید از فضل الٰہی
اگرچہ بد فعال و پر گناہی

بہاؤ الدین کی مسجد ۹۱۶ھ چوک کی مسجد سے سو قدم آگے لب سڑک یہہ خام مسجد ہی جس کی چھت چوبی ہی - اس کے صحن میں یہہ کتبہ رکھا ہوا ہی قیاس غالب ہی کہ یہہ کتبہ اس مسجد کا نہیں ہی کیوں کہ یہہ مسجد اول تو کچی دوسرے چھوٹی غالباً چوک کی مسجد کا ہوگا اب ٹلئوں ہال میں رکھوا دیا گیا ہی -

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا قَدْ رَفَعَ ھٰذَا الْمَسْجِدَ الشَّرِیْفَ فِیْ عَہْدِ خِلَافَۃِ السُّلْطَانِ الْاَعْظَمِ الْمُتَوَکِّلِ عَلَی الْغَنِیْ شاہ محمود بن شاہ محمد البہمنی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و زاد الخان الملک الاکرم مجلس الرفیع عادلخان بن العادلخان الغازی ابد اللہ دولتہ و احسانہ و حکومتہ الملک المکرم شیخ نظام الدین احمد بن شیخ برہان الدین الکرمانی ابد اللہ برہانہ و من فاز ببنیانہ الامیر رمضان حسین بن یاسر بن ابراہیم التستری دام توفیقہ سنۃ ست عشر تسع مائۃ الہجریۃ المصطفویۃ والحمد للہ الآخر کتبہ الراجی الی اللہ الغنی حسین بن یوسف الیزدی عفی اللہ عنہ

محبوب گنج اس گنج کی بنیاد مولوی حاجی حافظ سید احمد حسن صاحب دہلوی تعلقہ دار وقت نے ڈالی تھی اور راجہ رائے للتا پرشاد صاحب کے عہد میں تکمیل ہوا - خوشنما گنج ہی جس کے وسط میں دو منزلہ تھانہ پولیس کا بنایا گیا ہی اور دائرے کی شکل پر اطراف میں دکانیں ہیں -

لوز نگ دروازہ لوز نگ دروازہ اور اس کے متعلق مکانات بیرونی قلعہ کی شمال رویہ فصیل سے لگا ہوا ہی اس میں کئی دروازے ہیں - لوز نگ دروازے اور اس کے اندرونی حصہ کے دو فوٹو ملاحظہ طلب ہیں تیسرا فوٹو اس پلیٹ پر ضلع کی کچہری کا ہی -

(۱) پہلا داخلی دروازہ جو شمال کی طرف ہے اس کی چھت پختہ سنگین سلوں کی ہے اس کے آزو بازو چھوٹی چھوٹی پختہ کمانیں ہیں جو جوانوں کی نشست گاہ تھی۔ اس دروازہ سے گزرتے ہی دس قدم کے فاصلہ پر دو دروازے اور ہیں ایک مغرب کی جانب فصیل کی دیوار میں بنایا گیا ہے جو پر کوٹہ اور خندق میں جانے کے لیئے بنایا گیا ہے۔ دوسرا مشرقی جانب کو۔ جو نورنگ مکان میں داخل ہونے کا ہے۔ یہ دروازہ لعبیتہ گنبد کی شکل کا ہے اور چھت بھی گنبد کی وضع کی بہت بلند اور خوش نما ہے "مکان نورنگ" چاروں طرف لداؤ کمان دار مکانات ہیں۔ کمانوں کی پیشانی پر دوہرا داسہ لگایا گیا ہے۔ پہلے داسے پر پھول پتیاں نقش و نگار نہایت نفاست سے بنایا گیا ہے اور دوسرے داسے پر مجلس رقص و سرود و برہنہ تصویریں کھدی ہوئی ہیں اور کمانوں کے نیچے جو زینہ کا پتھر ہے اُس پر مچھلیوں کی تصویر ہے۔

اس احاطہ کے اندر دو دروازے ہیں ایک مشرق کی طرف جو پرکوٹہ میں جانے کا ہے دوسرا دروازہ شمال کی جانب یہ دروازہ نہایت خوب صورت اور عالی شان لداؤ کا ہے اور خندق میں جانے کا راستہ ہے جس کی دونوں جانب وسیع لداؤ کی کمانیں ہیں جن میں دو دو ستون ہیں یہ دروازہ زمانہ عمل کشنری میں جلا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے پیشانی کا پتھر چیخ گیا ہے اور پر مخدوش حالت ہونے سے دیوار چن کر بند کر دیا گیا ہے۔ نورنگ دروازے سے باہر نکلتے وقت دو اور دروازے پٹاؤ کے ملتے ہیں جن میں سے ایک پرکوٹہ پر جاتا ہے اور دوسرا خندق میں۔

آخر الذکر دروازہ بھی عمل کشنری میں جلا دیا گیا تھا جس کی ساری چھت جا بجا سے کھنڈ گئی ہے۔ نواب لیاقت جنگ بہادر اول تعلقدار نے چھت کی حالت مخدوش دیکھ کر اُتروا دی اور پتھر نیلام کر دئے۔ اب اس دروازے کے بالائی حصہ کی کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ رائے للتا پرشاد صاحب اول تعلقہ دار نے خندق پر پل بندھوا کر سڑک نکال دی ہے۔ قلعہ کے تمام دروازوں میں کیا بلحاظ عظمت اور کیا بلحاظ صناعی کے باوجود ایں ہمہ تباہی و بربادی نورنگ دروازہ اب بھی قابل دید ہے۔

سات کچہری پہلے ضلع کی کچہری قلعہ کے اندر ایک مینار کی مسجد اور ڈاکٹر نہانے کے درمیان اُس مکان میں تھی جہاں اب پرنچ اسکول ہے۔ رائے للتا پرشاد صاحب تعلقہ دار

نے لال پہاڑی کے مرتفع ٹیکرے پر شہر رائچور کے مغرب میں اور قلعہ کے شمال میں ایک عالی شان عمارت کچہری کی بنوانا شروع کی جس کی تکمیل نواب لیاقت جنگ بہادر تعلقدار ضلع کے عہد میں ۱۳۰۰ف میں ہوئی۔ اس عمارت میں مختلف کچہریاں یکجا ہیں مولوی زین العابدین صاحب بلگرامی تعلقدار کے زمانے میں تین کمرے اور اضافہ کئے گئے اور میرے وقت میں عدالت دیوانی کی اجلاس اور کچہری کی عمارت بجانب مشرق جدید طیار کی گئی اور ابھی سلسلہ عمارات کا جاری بھی ہے۔ یہ کچہری ایسے اچھے موقع پر بنائی گئی کہ چاروں طرف سے کوسوں سے نظر آتی ہے۔ اس میں لٹینگ کنڈکٹر (بجلی سے محفوظ رکھنے کا تار) بھی نواب فرامرز جنگ بہادر کے عہد میں لگایا گیا ہے اور میرے خیال میں عمل کمشنری کی بنی ہوئی دو کچہریوں سے جو لنگسگور اور عثمان آباد میں بڑے وسیع اسکیل پر بنی ہوئی ہیں ضلع رائچور کی کچہری کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ بلحاظ خوش نمائی اُن سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے تحصیل کچہری۔ صدر پسٹ خانہ۔ و بریخ۔ ایمن کچہری۔ مڈل سکول زنانہ سکول۔ ڈاکٹرخانہ یہ سب مکانات اندرون آبادی ہیں۔ مہتمم صاحب آب پاشی کی جدید کچہری ضلع کی کچہری کے پاس ہی بنی ہے۔

سٹاف بنگلہ کچہری کے سامنے راے للتا پرشاد صاحب نے معزز مہمان سرکاری اور عہدہ داروں کے واسطے بنوایا تھا مگر اب وہ کرایہ پر دے دیا گیا ہے۔

محبوب چمن ۱۲۹۰ف میں نواب یار جنگ بہادر صوبہ دار نے عمل کمشنری کے بازار کو از سر نو رونق دی اور ریل کی سڑک کے متوازی بہت وسعت دے کر اکیس بیگھہ زمین میں باغ بنوایا اور محبوب چمن نام رکھا۔ وسط باغ میں ایک نہایت خوش نما بنگلہ بنوایا جو نہایت دل کش اور ٹھنڈے مقام پر واقع ہے جہاں قریب میں باولی عمل کمشنری کی ہے اور نہایت خوش نما چمن لگا ہوا ہے۔ ریل کی سڑک بالکل اس بنگلے سے ملی ہوئی ہے۔ اس بنگلہ کا نام محبوب منزل ہے۔ خاص خاص عہدہ دار اور مہمان سرکاری اس بنگلہ میں فروکش ہوتے ہیں جو ہر طرح فرش فرنیچر سے آراستہ ہے۔

کلب یہ بھی راے للتا پرشاد صاحب کی بنائی ہوئی دو منزلہ عمارت لب سڑک ہے جو بیادگار سالگرہ مبارک حضرت عفرآں مکان بنائی گئی تھی اور جس کا بڑا ہال سرچلی پلوڈن

رزیڈنٹ کی تشریف آوری کی یادگار ہیں بعدہ نواب لیاقت جنگ بہادر بنوایا گیا۔ یہ کلب درحقیقت محبوب چمن کے احاطہ میں واقع ہے۔ نواب فرامرز جنگ بہادر نے ایک وسیع حوض بنواکر کلب کی رونق اضعافاً مضاعفہ بڑھادی۔ اس کلب میں ہر قسم کی سیر و تفریح کا سامان موجود ہے۔ مختصر سی لیبریری ہے۔ بلیرڈ ٹیبل ہے۔ ٹینس اور بیڈمنٹن کورٹ ہیں۔ کٹسن لیمپ کا سامان ہے مختلف اُردو اور انگریزی کے اخبار بھی آتے ہیں۔ ہر قسم کے جلسے اور تقاریب یہیں ہوتے ہیں۔ تمام سامان دعوت برتن اور کراکری (چھری کانٹے وغیرہ) موجود ہے۔ متعدد بٹلر اور بوائے ملازم ہیں۔ شام کو اکثر عہدہ داران کا یہاں مجمع ہوتا ہے۔ نواب لیاقت جنگ بہادر کے زمانے میں کلب کی بڑی رونق تھی اُن کو خاص مذاق تھا ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میلش اندر طبع او انداختند

اب وہ بات نہیں مگر پھر بھی غنیمت ہے کہ چلا جاتا ہے۔

اسٹیشن کی مسجد جب رائے للتا پرشاد صاحب نے بیرون شہر اسٹیشن کی سڑک کی دونوں جانب خوش نما بنگلہ جات بنوائے تو اُس کے ساتھ ہی ایک مسجد کا پایہ بھی ڈالا جو ناتمام رہ گئی ہے۔ بعد میں برہان الدین منشی سمستان گدوال نے حسب وصیت والدہ خود اُن کے زر مہر سے اس کا اکثر حصہ بنوادیا تھا جو باقی رہ گیا تھا وہ شیخ احمد صاحب انسپکٹر ریلوے نے اپنے ذاتی صرفہ سے بنوایا۔ اس مسجد کا طول و عرض ۱۵ فٹ ۱۰ انچ × ۱۵ فٹ ۳ انچ ہے اور پیشانی پر "عَجِّلُوا بِالصَّلٰوۃِ قَبْلَ الْفَوْتِ" لکھا ہوا ہے۔

عیسائی مشن یہاں دو مشن ہاؤس ہیں ایک متصل ریلوے اسٹیشن رومن کیتھولک کا ہے جہاں ایک پختہ گرجا اور کانونٹ (خانقاہ) ہے جس میں لڑکیاں اور کم عمر لڑکے یورپین طرز پر تعلیم پاتے ہیں۔ دوسرا امریکن میتھوڈسٹ کا ہے اس کے متعلق بھی ایک لاوارث لڑکوں کا مدرسہ ہے۔

دیگر عمارات لب سڑک راجہ گدوال کا بنگلہ اور باغ۔ پولیس اسٹیشن۔ کچہری امین کروڑگری۔ مسافر بنگلہ وغیرہ عمارات ہیں۔

ریلوے اسٹیشن آخری عمارت ہے۔ یہ اسٹیشن بہت بڑا ہے۔ جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا

ٹرمنس ہے اور مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اسٹیشن پر وسیع ویٹنگ روم اور رفرشمنٹ روم موجود ہیں۔ اسٹیشن کے سامنے ہی مسافر بنگلہ اور بازار ہے۔ اسٹیشن کے باہر دھرم سالے موجود ہیں اور مسلمانوں کا مسافر خانہ بھی ہے

دیول ونکٹ ماروتی ایک مشہور اور بہت بڑا دیول ہے جس کو ہنومان کا دیول بھی کہتے ہیں۔ قصبۂ رائچور کے مشرق محلۂ کا جکار سیٹ میں ہے جس کی عمارت قدیم پختہ اور سنگ بست ہے۔ اس کی جاترا بھی سالانہ ہوتی ہے اور رتھ کشی ہوتی ہے اور ہزارہا ہنود جمع ہوتے ہیں۔ اسی کے قریب ایک اور دیول مگر ذرا اس سے چھوٹا قدیم زمانے کا ہے جسے ننکوٹ ہنومان کہتے ہیں۔

رام سرائے ونکٹ ماروتی کی جاتریوں کے آرام کے لئے چندہ اور لوکل فنڈ سے یہ عمارت بنائی گئی تھی جو اب کس مپرسی کی حالت میں ہے۔

باغ دار اجاہ رائچور کی آبادی کے مشرقی جانب نواب ذوالفقار الدولہ دار اجاہ (فرزند نواب بسالت جنگ نے جن کو میر نظام علی خاں مغفرت مکان کے خویش تھے) نے اپنی عہد حکومت میں یہ باغ بنوایا تھا جس کے اب صرف کچھ درخت اور آثار باقی رہ گئے ہیں اور دو باؤلیاں سنگ بست ہیں اور کچھ چھوٹے چھوٹے مکانات ہیں۔ آپ کا مزار اسی میں ہے آپ کے انتقال کے (۳۲) سال بعد گلاب سنگھ جمعدار نے جو رائچور کے عامل تھے مزار پر چوکھنڈی بنوا کر یہ کتبہ دروازے پر نصب کرادیا ہے۔

بنود روضہ زروز غروب دار اجاہ ۱۲۰۸ھ	نکرد عاملی ازسی دو سال تعمیرش
گلاب سنگ جمعدار صاحب ہمت	بنا نمود زدل وہ بحسن تدبیرش

مسجد کٹ کالوہ یہ مسجد بہت چھوٹی ہے ایک کمان کی کٹ کالوہ میں واقع ہے۔ طول و عرض ۲۰×۱۲ فیٹ اس پر یہ کتبہ ہے خدا جانے رحمانا بی کون تھیں غالباً انھوں نے یہ مسجد اپنے مکان کے متصل بنوائی ہوگی۔ العلم عند اللہ

مکانِ رضا بی بی

سنہ ۱۱۱۲ھ

سڑکیں سڑکیں یہاں کی سب موررم کی ہیں لیکن بلحاظ کثرت ٹریفک جب تک مشکل کی نہ ہوں آئے دن کا کھڑاگ ہے۔ سڑکوں کے دورویہ قنادیل کی روشنی ہوتی ہے۔ عملۂ صفائی و آبپاشی و نگہداشت سڑک وافر موجود ہے۔ سڑکوں پر چھڑکاؤ ہوتا ہے راتوں کو روشنی ہوتی ہے اسٹیشن سے بستی کے باہر باہر جو سڑک خاص باؤلی پر سے شہر میں گئی ہے وہ فرام روڈ سے موسوم ہے کہ فرام جی صاحب المخاطب بہ نواب فرام زجنگ بہادر اول تعلقہ دار کے عہد میں بنی تھی۔ ایک سڑک ڈاک خانے کے بازو سے سیدھی ضلع کی کچہری کو حال میں نکالی گئی ہے جو بلگرام روڈ کہلاتی ہے کہ مولوی سید زین العابدین صاحب بلگرامی (فرزند مولوی سید حسین صاحب بلگرامی نواب عماد الملک بہادر) تعلقہ دار کے وقت میں بنی تھی۔

کارخانجات رائچور میں کئی کاٹن اور جننگ پریس ہیں جن میں سے یہ مشہور ہیں۔ ربن پریس۔ سبھاپتی پریس۔ کھیم راج راٹھی پریس۔ فتح چند گردھاری لال پریس۔ چھاؤنی فقیر پا پریس۔ دائیمس کمپنی کا پریس۔ رانی برادرز پریس۔ والکارٹ برادرز ایجنسی۔ کارخانہ دباغت چرم۔ روغن کمپنی دھونی

مصنوعات رائچور کی دو چیزیں زیادہ مشہور ہیں ایک سلیپر ہیں جو نہایت سبک نازک اور نرم ہوتی ہیں ایسی کہ جیب میں تہ کر کے رکھ لو۔ یہ لال سنہری اور روپیلی چمڑے کی بنتی ہیں۔ دوسرے مٹی کی صراحیاں۔ پیالے اور چلمیں۔ جن پر سنہری کام نہایت نفاست سے کیا جاتا ہے۔

آب نوشی کی قلت رائچور ضلع کا ضلع ہمیشہ امساک باراں کا شکار رہتا ہے اگرچہ رائچور کی دونوں جانب بڑے دریا کرشنا اور تنگ بھدرا قریب ہی ہیں اور اسی وجہ سے دوآبہ کہلاتا ہے مگر وہی مثل ہے کہ کوئیں کے پاس پیاسا۔ بستی کی باولیاں تالاب موسم گرما میں سب خشک ہو جاتی ہیں۔ ایک آدھ باؤلی میں کچھ پانی رہ جاتا ہے تو وہ اتنے بڑے شہر کے لئے کیا کفایت کر سکتا ہے۔ عرصے

دریائے کرشنا سے پانی لانے کی سکیم زیر غور ہے خداوند جلد لائے کہ تشنہ دہاں اہالیانِ رائچور سیراب ہوں۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور ہم نے تو پانی سے ہی ساری خلق خدا کو زندہ رکھا ہے۔

چھاؤنی رائچور رائچور کنٹونمنٹ۔ رائچور سے (۵) میل کے فاصلے پر کنٹجنٹ فوج انگریزی کی چھاؤنی بہ مقام موضع یرمرس تھی۔ یہ چھاؤنی ۱۲۰۳ھ میں لنگسگور سے اُٹھ کر یہاں آئی تھی۔ ۱۲۱۲ف میں ملک امانی برار سرکار انگریزی کے تحویل کر دینے سے یہ چھاؤنی ٹوٹ گئی متعدد بنگلے خالی پڑے ہیں اب رائچور ضلع کا سوپرنٹنڈنٹ پولیس یہاں رہتا ہے اور سرکار عالی کے رزرو پولیس کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

بزرگانِ دین

ملک دکن جس میں رائچور شامل ہے سارا کفرستان تھا۔ حضرت زرزری زربخش قدس سرہٗ کے ساتھ اکثر اولیاء اللہ اس ملک میں تشریف لائے اور وہیں سے چوطرف بزرگانِ دین پھیل گئے۔ حضرت صوفی سرمست (جن کا مزار سگر تعلقہ شورا پور میں ہے) اور حضرت شیخ سالار صاحب امام الاولیاء اور حضرت شیخ یونس صاحب بخشی اولیا اور حضرت شیخ احمد علم بردار وغیرہ اولیای کرام رائچور میں تشریف لائے اور ضلالت کفر کو روشنی ایمان سے منور کر دیا۔ ان میں سے بہت سے بزرگانِ دین نے جام شہادت نوش فرمایا اور قلعہ کے اطراف جابجا دروازوں اور فصیلوں کے پاس آسودہ ہیں۔

پنج بیبیاں پنج بیبیوں کا مختصر ذکر اوپر آچکا ہے۔ ان کو مرتبہ طہر حاصل تھا۔ راجہ ہوڑا کے زمانے میں سب سے پہلے رائچور آکر قلعۂ ارک کے پہاڑ پر جہاں ایک دیول تھا اور جہاں اب بیل کا سر ٹوٹا پڑا ہے رہنے لگیں۔ چندا بی۔ گونگی بی۔ زچہ بی تین بیویاں اور ان کے بھائی چندہ حسینی اور اُستاد شیخ روانی اس طرح پانچ تن آئے تھے۔ ان کے مزار اسی پہاڑ پر ہیں اور چندہ حسینی صاحب کی گھوڑی کا مزار بھی وہیں ہے۔ مزار کے پاس جو درخت نیم کا ہے اُس پر منت مراد والی عورتیں

دھجیاں اپنے کپڑوں کی پھاڑ پھاڑ کر باندھتی ہیں۔ مشہور ہے کہ پہلے اس درخت میں سے شکر جھڑتی تھی اب صرف آدھے درخت کا پتہ میٹھا ہونا کہا جاتا ہے۔

شاہ ابوطہٰ حسینی آپ قدیم بزرگ صاحب کشف و کرامات مشہور ہیں۔ آپ سے ایک بڑے گوسائیں سے مقابلہ ہوا جو آخر کار آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر آپ ہی کے پائیں میں دفن ہے۔ واڑی سے رائچور آتے ہوئے بائیں ہاتھ کو سب سے پہلے سرحد رائچور میں ریلوے لین سے بالکل ملا ہوا آپ ہی کا گنبد ہے جہاں اور بہت سے لوگ بھی دفن ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ سالار صاحب آپ شاہ نصیر الدین چراغ دہلی کے بھانجے ہیں آپ امام الاولیاء کے نام سے مشہور ہیں آپ جامع مسجد قلعہ میں متصل دیوار شرقی آسودہ ہیں کہا جاتا ہے کہ پہلے یہہ دیول تھا اب وہاں رہنے سے راجگان ہنود نے چھوڑ دیا۔ عرس ۲۱ رجب کو ہوتا ہے۔

حضرت شیخ میاں صاحب حضرت شیخ سالار صاحب کے بھائی ہیں۔ آپ کا مزار قلعہ کے جانب مغرب پنج بیبیوں کے پہاڑ کے دامن میں صحن مسجد کی ٹانکی کے پاس ہے۔ وہیں ایک گوی بھی ہے جس میں آپ چلہ کشی کرتے تھے۔ عرس ۱۲ رجب کو ہوتا ہے۔

حضرت شیخ یونس و سید احمد صاحبان بخشی اولیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ قدیم زمانے میں یہاں تشریف لائے تھے۔ اندرون قلعہ آثار شریف کے صحن میں مدفون ہیں اور یہیں حضرت سید احمد صاحب ایک اور بزرگ بھی آسودہ ہیں۔

حضرت شیخ علی صاحب شہید آپ بھی قدماسے ہیں۔ کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے سر بہ قبلہ جانب مغرب اندرون احاطۂ باغ پائین دیوار مسجد جانب شمال مدفون ہیں۔ نواب داراجاہ کے وقت میں کسی مولوی صاحب نے سر بہ قبلہ مزار پر اعتراض کیا اور قطب رویہ بنوا دیا دوسرے ہی دن خود بخود قبلہ رو ہو گیا۔

حضرت شاہ کمل پوش صاحب پنج بیبیوں کے پہاڑ کے پاس عام تالاب کے کنارے جنوب رخ ایک چھوٹے سے پہاڑ میں مدفون ہیں۔

حضرت پیر پانے صاحب آپ بھی قدیم بزرگ ہیں آپ کا مزار کاٹی دروازے میں

مقبرے میں ہے۔ ۶ رشعبان کو عرس ہوتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ جس کسی کو سول کا درد ہو تین مرتبہ آپ کے مزار کے گرد پھرنے سے جاتا رہتا ہے۔

حضرت پیر علاء الدین صاحب آپ بھی قدماسے ہیں اور کاٹی دروازہ کی شرقی دیوار سے ملا ہوا آپ کا مزار ہے۔ مزار کے پاس پیلو کا درخت ہے جس سے پہلے شکر جھڑتی تھی عمل انگریزی سے موقوف ہے۔ ۱۶ رجب کو عرس ہوتا ہے۔

حضرت شاہ میر حسن و میر حسین صاحبان اوپر ذکر آچکا ہے۔

حضرت شیخ احمد صاحب علم بردار شاہ کریم اللہ صاحب آپ کا مزار قلعہ کے جانب شمال لال پہاڑی کے پاس مقبرۂ کریم اللہ صاحب کے پاس ہے۔ چوتھیا بخار جسے آتا ہو گرد چار باریوں تک مزار شریف پر جاکر طواف کرے تو بخار جاتا رہتا ہے۔ تاریخ عرس ۱۱ شعبان۔ یہیں شاہ کریم اللہ صاحب کا مزار بھی گنج شہیداں میں ہے ۱۶ رمضان شریف کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت پیر پٹولا صاحب حضرت سید شاہ ابدال حسینی صاحب عرف پیر پٹولہ۔ آپ کا مزار اندرون قلعہ دروازے کے پاس چھوٹے سے گنبد میں ہے۔ اب جہاں آپ کا مزار ہے وہاں ہنومان کا دیول تھا آپ نے بت کو پھینک کر یہاں قیام کیا چنانچہ وہ بت اب تک عام تالاب میں پڑا ہے۔ تاریخ عرس ۱۲ رجب۔ آپ کے ہمراہیاں نعمت اللہ شاہ اور پیر اکش کے مزار بھی آپ کے پائیں میں چبوترے پر ہیں۔

حسن شاہ حسن صاحب غوری مجذوب آپ کا مزار اندرون قلعہ جانب مغرب متصل فصیل ہے۔ اگر کسی گھوڑے کو کرگری اٹھے تین بار مزار کے گرد دوڑانے سے جاتی رہتی ہے۔

حضرت سید پیر قابل و حضرت معصوم پیر صاحبان آپ لبابزرگ تھے۔ ذکر ارّہ فرماتے تھے جس میں سرتن سے جدا ہو جاتا ہے ایسی حالت میں آپ کو کسی نے دیکھ لیا ویسے ہی جاں بحق ہوئے اور اسی طرح تن اور جسد جدا جدا قلعہ کے باہر لشکر بازار میں ڈھونڈی کی مسجد کے پیچھے ایک احاطہ مقبرہ میں مدفون ہیں۔ تاریخ

عرس ۲۴ شعبان۔ حضرت معصوم پیر صاحب بھی اسی مقبرہ کے احاطہ میں بجانب شرق آسودہ ہیں حالات آپ کے کچھ معلوم نہیں۔

حضرت شاہ سیلانی صاحب وغیرہ قلعہ سے بجانب مغرب سیلانی دروازے کے محاذی مسجد کے پاس آپ کا مزار ایک گنبد میں ہے۔ ۱۱ رجب کو عرس ہوتا ہے۔ حالات معلوم نہیں۔ یہیں شاہ ہنگرتا صاحب اور شاہ کھپر دونوں سر بہ قبلہ ایک ہی جگہ سیلانی دروازے کی فصیل کے پاس مغرب کی جانب دفن ہیں۔

حضرت سید شاہ شمس عالم صاحب حسینی ۸۹۲ھ رائچور کے بزرگان دین میں آپ کا نام مثل آفتاب کے روشن ہے آپ بڑے بزرگ اور صاحب کشف و کرامت ہیں۔ حضرت کی درگاہ بیرون آبادی رائچور بجانب مشرق برمرس کی سڑک پر بائیں ہاتھ کو واقع ہے۔ آپ کا عرس شریف بڑی دھوم دھام رونق و احتشام سے ہر سال ۱۵ صفر کو ہوا کرتا ہے۔ اس عرس کے لئے ایک دن کی مقامی تعطیل بھی سرکار کی منظورہ ہے۔ جناب رای للتا پرشاد صاحب سابق اول تعلقہ دار ضلع ہذا حال ناظم سیٹسٹ نواب سالار جنگ بہادر نے رائچور کے واسطے وہ کیا جو نواب یار جنگ بہادر (اکرام اللہ خاں صاحب مرحوم کاکوروی) نے گلبرگہ کے لئے۔ نواب برز و جنگ بہادر نے نظام آباد کے لئے۔ نواب فرام جنگ بہادر نے ورنگل کے لئے یعنی جنگل میں منگل کر دیا۔ اُجڑی ہوئی بستی کو گلزار بنا دیا۔ رای صاحب از بس حضرت شمس عالم صاحب کے معتقد تھے آپ نے درگاہ شریف کی شان دار کمان اور نوبت خانہ کے علاوہ درگاہ کے محاذی عالم سرائے بھی بنوا دی جو ایک بہت بڑا وسیع پیویلین ہے جس میں عرس کا جلسہ ہوتا ہے۔ درگاہ کے عود و گل کے لئے للعہ ۲۴ کنٹہ اراضی انعام محاصلی ۵ سالانہ ہے اور نواب سر وقار الامرا جنت مکان نے سجادہ صاحب درگاہ کے نام ۵ ماہانہ مقرر کر دیا ہے۔ ۱۳۰۰ھ میں حضرت نواب میر محبوب علیخاں بہادر غفران مکان اور ۱۳۰۱ھ میں سر آسمان جاہ بہادر اور ۱۳۰۴ھ میں سر وقار الامرا بہادر اور پھر مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یہاں رونق افروز ہوئے اور حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شمس عالم صاحب سید شاہ جلال الدین عرف چندہ حسینی صاحب قدس سرہٗ کے فرزند رشید اور حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے خالہ زاد بھائی ہیں جن کا مزار مبارک قصبہ گوگی تعلقہ شاہ پور ضلع گلبرگہ شریف میں ہے۔

آپ کو بیعت و خلافت اپنے والد بزرگوار سے تھی آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۵ صفر ۸۹۲ھ میں نقل مکان فرمایا جس کی تاریخ "بے شک شمس عالم بود او ہے" (۸۹۲ھ) - اور بروایتے آپ کا وصال ۸۹۸ھ میں ہوا جس کا مادہ تاریخ "شمس عالم از دو عالم بردہ گو ہے" (۸۹۸ھ) - آپ کی درگاہ پر کسی قسم کا کتبہ نہیں ہے -

آپ ہمیشہ عالم استغراق میں رہا کرتے تھے - یوں تو آپ کے مکاشفات اور کرامات بہت ہیں مگر مختصراً ہم چند حالات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں - **نقل** ہے کہ جب آپ اپنے والد بزرگوار کے پاس گوگی میں تھے تو آپ نے اپنے والد کے وضو کے لئے پانی رکھا اتفاقاً کوّے نے چونچ ڈال دی - حضرت کے والد نے فرمایا کہ کوّے نے پانی پی لیا ہے بدل دو - آپ نے عرض کی کہ آپ کے وضو کا پانی اور کوّا پی لے اور زندہ رہے! آپ کی زبان سے یہ فقرہ نکلتے ہی کوّا زمین پر گرا اور گرتے ہی مرگیا - یہ واقعہ دیکھ کر آپ کے والد ماجد نے فرمایا کہ اب تم کو اجازت ہے کسی اور مقام پر جا کر رہو - **نقل** ہے کہ آپ کو رخصت کرتے وقت آپ کے والد نے آپ کو دو تاڑ کے پھل دیئے اور کہا کہ یہ لے جاؤ اور جہاں رات کو ٹھیرو ان کو دیکھ لینا اگر ان میں کونپلیں پھوٹیں تو سمجھ لینا کہ وہی تمہارا مستقر ہے ورنہ آگے بڑھنا - آپ گوگی سے چل کر منزل بہ منزل ٹھیرتے ہوئے جب رائچور تشریف لائے تو دیکھا کہ یکایک پھلوں میں کونپلیں نکل آئیں اور یہیں مقام کیا اور ان پھلوں کو بو دیا چنانچہ بڑے بڑے درخت ہو گئے تھے جو تیس پینتیس سال کا عرصہ ہوا کہ بجلی گرنے سے جل گئے مگر نشان ان کے اب تک باقی ہیں - **نقل** ہے کہ آپ عالم استغراق میں ایک نیم کے درخت کے تلے تشریف فرما تھے کہ وہاں سے حاکم وقت کی بیوی کا گزر ہوا دیکھا تو آپ نہایت شکیل اور حسین تھے مگر آگے کے دو دانت بہت بڑے تھے - عورت کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ یہ شخص ہے تو خوب صورت مگر دو دانت باہر نکلے ہوئے کیسے بُرے لگتے ہیں وہ ابھی مکان تک نہ پہنچی تھی کہ اُس کے سب دانت گر پڑے - عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ فلاں مقام پر ایک فقیر بیٹھا ہوا تھا - میں نے حقارت سے دل میں اُن بزرگوار کے دانتوں کو نام دھرا جس کی وجہ سے میرے سارے دانت گر گئے اور معاً حضرت کے پاس حاضر ہو کر زار و نالہ کرنے لگی اور نہایت منت و سماجت سے خواہانِ عفو تقصیر ہوئی آپ نے فرمایا اچھا وہ

گرے ہوئے دانت اپنے منہ میں ڈال لے ڈالتے ہی جیسے کہ ویسے ہوگئے - یہ جوہر دو مرد دونوں حضرت کے ازحد شیفتہ ہوگئے اور انھوں ہی نے آپ کی درگاہ اور ایک نہایت خوش نما مسجد و خانقاہ بنوائی ہے اور ایک باؤلی بھی کھدوادی - درگاہ شریف کے احاطہ کے باہر اور بہت سی قبریں ہیں اور مسجد سے ملا ہوا ایک پتھر کی سلوں کا وسیع دھرم سالہ ہے جو ہندوانی وضع کا ہے -

حضرت سید جلال صاحب ڈونگری حضرت سید جلال صاحب کوہ نشین کا چلہ رائچور کی بستی کے باہر مشرق وشمال کے گوشہ میں جو بڑا پہاڑ ہے اُس پر ہے - مسجد کے صحن میں چبوترے پر آپ کا مزار ہے اور مکان کے اندر آپ کے اُستاد حضرت شاہ حسین کی قبر ہے - یادگیر سے مغرب رخ بھیماندی کے اُس پار تعلقہ شاہ پور میں موضع گلسرم میں حضرت جلال الدین صاحب ڈونگری (ڈونگر بمعنی پہاڑ و بیابان) برادر زادہ حضرت شمس عالم کا مزار ہے - سید جلال الدین صاحب اپنے چچا شمس عالم صاحب کی زیارت کو رائچور تشریف لائے تھے تو اس پہاڑ پر چلہ کشی فرماتے تھے اِس سبب سے یہ جلال صاحب کا پہاڑ مشہور ہوگیا - آپ کے اُستاد کا انتقال ہونے سے وہیں دفن ہوئے اور حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے معتقدین نے آپ کا چلہ پہاڑ پر بنا دیا - آپ کا عرس ۲۸ ذی قعدہ کو ہوتا ہے -

حضرت کمل پوش صاحب آپ کا مزار رائچور کی بستی کے شمال رُخ آبادی سے تھوڑی دور شمس عالم صاحب کی درگاہ اور سید جلال صاحب کے پہاڑ کے درمیان ایک ویران مسجد کے صحن میں واقع ہے - وہاں اور شہدا کی قبریں بھی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی قدیم بزرگ ہیں لیکن حالات کچھ معلوم نہیں - اسی نام کے ایک دوسرے صاحب بھی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے -

وہ بزرگان دین جن کے حالات معلوم نہیں

نام	مقام دفن
حضرت شیخ روحانی	کوہ پنج بیبیاں کے پاس قلعہ کے برج سے ملا ہوا -

نام	مقام دفن
حضرت کمل اللہ پوش	کوہ پنج بیبیاں کے پاس عام تالاب کے کنارے جنوب رخ ایک چھوٹی "سی پہاڑی" میں۔
حضرت سید شاہ احمد	سیلانی دروازے کے پاس لب سڑک جانب شمال۔
حضرت ولی پیر	لشکر بازار میں لب سڑک حضرت پیر قابل کے مقبرہ کے جنوب میں صرف قبر کا تعویذ باقی ہے۔
حضرت شیخ برہان شہید	جامع مسجد اندرون قلعہ سمت جنوب کی قبروں میں ایک قبر آپ کی بھی ہے۔
حضرت پیر گدائی	قلعہ میں قاضی صاحب کے مکان کے پاس شمال رخ۔
حضرت اللہ غنی	نورنگ دروازے کے قریب بروے مسجد۔
حضرت شاہ یحییٰ	عیدگاہ کے پاس۔

تذکرۂ بزرگان متاخرین

حضرت سید شاہ معروف قمیصی القادری۔ آپ حضرت سید شاہ قمیص ابن ابی الحیات قدس سرہ کے فرزند ہیں جن کا مزار ساڈھورا ضلع انبالہ میں ہے آپ جناب غوث الصمدانی میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں آپ سب سے پہلے اپنے خادموں کو ہمراہ لئے ہوئے موضع کاڈلور میں تشریف لائے جو رائچور سے دس میل ہے وہاں کا دیول ویران کر کے قیام فرمایا۔ آپ کا مزار بستی کے مغرب میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے۔ عرس ۲۲ محرم کو ہوتا ہے۔ اسی پہاڑی پر آپ کے فرزند سید شاہ میراں قادری اور سید شاہ حضرت قادری پوتے سید شاہ علی قادری اور سید شاہ قمیص قادری بھی وہیں آسودہ ہیں۔

حضرت سید شاہ معروف سید شاہ علی صاحب کے فرزند ہیں آپ کاڈلور سے رائچور تشریف لائے۔ آپ کا مقبرہ رائچور کی مشرقی جانب ایک پہاڑ پر ہے آپ کا مقبرہ نور محمد صاحب نامی ایک رائچور کے سر برآوردہ صاحب نے ۱۱۶۶ھ میں بنوایا۔ حضرت کا وصال ۲۲ ذی الحجہ ۱۱۶۵ھ میں ہوا ہے۔ (اسد اللہ الغالب) تاریخ وفات ہے۔ ۱۱۶۵ھ

حضرت کے فرزند سید شاہ قمیص قادری جن کا وصال ۴؍ جمادی الاولی ۱۱۸۶ھ میں ہوا اپنے والد ماجد کے پاس آسودہ ہیں۔ مادہ تاریخ رحلت (زہے آفتاب رفت) ہے۔ اس کے بعد کا سلسلہ یہ ہے۔

حضرت سید شاہ محمد قادری فرزند سید شاہ قمیص قادری نے تیرہ سال کی عمر میں وفات پائی
حضرت سید شاہ عبدالرزاق قادری فرزند دوم سید شاہ معروف قادری۔ یہ دونوں صاحب ایک بیٹے ایک بھائی بھی اس پہاڑ پر آسودہ ہیں۔ حضرت شاہ قمیص محی الدین قادری آپ کے فرزند ہیں حضرت قمیص قادری کے جن کی رحلت ۹؍ صفر ۱۲۳۸ھ میں ہوئی تاریخ وصال (فقہ گم شد از اعظم الفقرا ۱۲۳۸ھ) ہے اور چھ واسطوں کے بعد یہ خاندان ۴ محرم ۱۳۱۲ھ کو ختم ہوا اخیر بزرگ اس خاندان کے سید وہاب پیر قادری تھے۔

حاجی الحرمین حضرت شمس الدین سید شاہ حسین البصری القادری۔ بصرے سے پہلے آپ بیجاپور تشریف لائے اور اورنگ زیب کی فتح بیجاپور کے بعد آپ رائچور تشریف لائے اور موضع ہسور جو رائچور سے ایک میل ہے جاگیر ملی۔ آپ رائچور میں ہی ایک حجرے میں رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے محلہ حجرہ اب تک مشہور ہے۔ بعد نورنگ دروازے کے پاس محلہ کوٹ تلار میں آکر رہے یہ محلہ اہل ہنود کا تھا مگر بحکم شاہی آپ کی اقامت کے لئے خالی کردیا گیا۔ آپ کا مقبرہ اور ایک مسجد ہسور میں ہی ہے۔ ۱۵؍ رجب تاریخ رحلت ہے سال نہیں ملا۔ آپ کے دو فرزند سید شاہ محی الدین قادری اور حضرت سید عبدالقادر سبز پوش اور پوتے سید شاہ حافظ حسین (فرزند شاہ محی الدین قادری) شاہ حافظ حسین کے بیٹے سید حسین عرف فقر اللہ یہ سب بزرگ اسی پہاڑ پر آسودہ ہیں۔ سید حسین کے بیٹے سید خواجہ محی الدین قادری اور پوتے سید فقر اللہ قادری یہ دو صاحب موضع اُپل پہاڑ میں مدفون ہیں۔ سید فقر اللہ کے فرزند سید شاہ نبی محی الدین قادری اور ان کے دو صاحب زادے سید شاہ محمد قادری اور سید حسن پیر قادری رائچور میں موجود ہیں۔

حضرت شاہ محمد قادری نور دریا۔ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کے خلیفہ ہیں۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۰۸۵ھ میں انتقال فرمایا رائچور میں ایا باؤلی کے پاس آپ کا مزار ہے۔ نور دریا اس وجہ سے

مشہور ہوئے کہ آپ نے ایک دن جانماز کا کونا زور سے دبایا جو تر ہوگیا بعد معلوم ہوا کہ آپ نے ایک ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچایا۔ آپ کا خاندان چودہ پشت کے بعد ختم ہوا۔

حضرت سید شاہ حسن پیر قادری صبغۃ اللہی۔ آپ بیجاپور کے حضرت شاہ صبغتہ اللہ صاحب کے خاندان سے ہیں جو مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں حضرت ابراہیم فرزند حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قبۂ مبارک کے پایئں میں دفن ہیں اور آپ وہاں نوّاب رسول اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ بیجاپور سے رایچور تشریف لائے اور پہلے پنج بیبیوں کے پہاڑ کے پاس ایک غار میں تشریف رکھتے تھے اُس وقت نواب بسالت جنگ کا عہد تھا نواب صاحب آپ کو قلعہ میں لائے اور آثار شریف کے محلّے میں اُتارا اور ۱۲۰۷ھ میں ایک مکان طیار کروادیا جس کی چوکھٹ پر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صبغۃ اللہ نائب رسول اللہ لکھا تھا اب وہ مکان شکست ہوجانے سے یہاں کے آثار شریف کو قدیم آثار شریف میں شامل کردیا۔ آپ کا مزار آثار شریف قدیم کے جنوب میں حضرت شیخ یونس صاحب کے پایئں مدفون ہیں اور کئی واسطوں کے بعد آپ کا خاندان ختم ہوا۔

حضرت سید نورالدین حسینی۔ آپ حضرت سید اشرف جہانگیری سمنائی مصنّف لطائف اشرفی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے اجداد سید شاہ حافظ حسینی اور اُن کے فرزند سید شاہ حمزہ حسینی کا ذکر بہ ضمن بزرگان دین بیجاپور آچکا ہے۔ آپ بھی وہیں سے تشریف لائے اور رایچور میں جنوب رُو موضع یرگرہ کے راستے پر عام تالاب کے پاس مدفون ہیں۔ ان کے صاحب زادے سید بدرالدین حسینی اور پوتے سید حمزہ حسینی عرف حسینی پیر بھی یہیں آسودہ ہیں۔

حضرت عبداللہ شاہ صاحب۔ مسجد گھٹال واڑی کی پختہ مسجد جو بختی مسجد کے نام سے مشہور ہے بت خانے کو توڑ کر آپ ہی نے بنوائی ہے۔ بختی آپ کا غلام تھا۔ اس مسجد کا کام ۷ر جمادی الاول ۱۱۹۶ھ کو شروع ہوکر بائیس مہینے میں ۱۱ر ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ کو تمام ہوا۔ آپ بڑے اہل کمال اور صاحب دعوت تھے آپ اسی مسجد کے صحن میں آسودہ ہیں۔

حضرت بغدادی صاحب۔ بغداد کے ایک بزرگ تھے جو بہ تقریب سیاحت رایچور

میں وارد ہوئے آپ کے ساتھ آپ کی صاحبزادی بھی تھیں۔ آپ حضرت سید شاہ قمیص قادری کے پاس اُترے اور آپ کی دختر نیک اختر کو شاہ صاحب کی اہلیہ کے سپرد فرمایا جو بڑی کاملہ اور عارفہ تھیں اور جو کچھ روپیہ پیسہ آپ کے پاس یعنی چند ہُن تھے وہ بھی دے دیئے کہ اس سے اِس لڑکی کی شادی کر دینا لیکن موت نے مہلت نہ دی خود دنیا سے چل بسے۔ بیٹی اکیلی رہ گئی وہ بھی باپ سے جاملی۔ باپ بیٹی دونوں ایاً باؤلی کے پاس میٹھی نیند سو رہے ہیں کہ قیامت تک نہ جاگیں گے

ع کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے۔

بی بی صاحب جو امین تھیں اُنھوں نے وہ پیسہ طیاری مقبرہ میں لگا دیا۔

حضرت سید مصطفیٰ قادری۔ آپ گلبرگہ شریف سے تشریف لائے آپ سبز پوش کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت شمس عالم صاحب کی درگاہ کے سامنے مشرق کی طرف آسودہ ہیں۔

حضرت سید کریم صاحب قادری۔ آپ مشائخین موضع سالگندہ تعلقہ سندھنوڑ کے ہم جد ہیں۔ نواب بسالت جنگ کے عہد میں رائچور تشریف لائے۔ آپ کے اکثر لوگ معتقد تھے اور حکام وقت بھی حسن عقیدت رکھتے تھے۔ یرگرہ کے راستہ پر جو املی بن ہے وہ آپ ہی کا لگایا ہوا ہے۔ پٹھانوں اور مہدویوں سے ۲۷ رمضان (سنہ معلوم نہیں) کو تراویح پر جھگڑا ہوا اُس میں تریب ساٹھ مسلمانوں کے مع آپ کے شہید ہوئے نواب داراجاہ کی طرف سے فوج نے آکر فساد کو فرو کیا اور آپ داراجاہ کے باغ میں دفن ہیں اور پٹھان عام تالاب کے پاس مدفون ہیں جو حجیرہ کہلاتا ہے۔

حضرت سکندر بادشاہ۔ فقیر صاحب کمال تھے آپ کا مزار خواجن گوڑا مستاجر آبکاری کے مکان کے پاس لب سڑک ہے۔

ذکر حکام مقتدر و معززین

نواب طالب محی الدین خاں بہادر۔ آپ ۱۲۰۷ھ میں جب کہ رائچور وغیرہ ملک سرکار آصفیہ کے قبضہ میں آیا صوبہ دار تھے۔ آپ ابو طہ حسینی کے مقبرہ کے مغربی جانب ایک چبوترے پر مدفون ہیں۔

نواب ہدایت محی الدین خاں بہادر۔ آپ نواب میر نظام علی خاں بہادر کے ہمشیرہ زادے ہیں۔ آپ بھی صوبہ دار تھے۔ آپ بھی طالب محی الدین خاں کے پاس ہی مدفون ہیں۔

نواب شجاع الملک بسالت جنگ بہادر۔ فرزند پنجم مغفرت مآب نواب آصف جاہ بہادر کے

کے تحت حکومت رائچور رہا جب آپ کا انتقال ۱۱۹۶ھ میں ادھونی میں ہوا تو نواب داراجاہ حاکم وقت مقرر ہوئے۔

نواب ذوالفقار الدولہ داراجاہ بہادر - نواب بسالت جنگ بہادر کے فرزند ہیں آپ ادھونی اور رائچور کے حاکم مقرر ہوئے۔ رائچور کے مشرق میں آپ کا باغ اب تک موجود ہے ۱۲۰۸ھ میں آپ نے انتقال کیا اور اسی باغ میں آسودہ ہیں۔ آپکے بعد آپ کے فرزند نواب غلام حسین خان بہادر مسلط ہوا مگر اُن کی صغر سنی کے سبب سے ابتری ہونے لگی۔ ۱۲۱۰ھ میں نواب میر نظام علی خاں بہادر نے رائچور اور ادھونی خود لے لیا۔

رائچور کے مشاہیر میں سے نواب محمد حسین خاں بہادر گھٹالہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ نور محمد صاحب اُس زمانے کے ایک قدیم ذی وجاہت شخص سالگندہ کے متوطن تھے جنھوں نے سید شاہ معروف قادری کا مقبرہ بنوایا ہے۔ نواب داراجاہ بہادر کے باغ کے راستے پر نور محمد کا بنگلہ اب تک مشہور ہے آپ سید معروف قادری کے پائیں میں مدفون ہیں۔
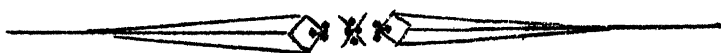
چودھواں ضمیمہ شاہ پور و سگر و گوگی

یادگیر ریلوے اسٹیشن سے ۱۳ میل شوراپور ہے اور وہاں سے ۲۰ میل شاہ پور[۵۱] ہے جو ضلع گلبرگہ کی ایک تحصیل ہے۔ یہاں کا قلعہ بہت مشہور ہے۔ پہلے یہہ مقام راجگان کے قبضے میں تھا جس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس زمانے میں اس قلعہ کا نام گنگ درگ تھا اور بعضے یانی درگ بھی کہتے ہیں۔ بعد سلاطین بہمنیہ کا قبضہ ہوا اور پھر علی عادل شاہ نے ۹۷۵ھ میں اس قصبہ کی بنا ڈالی اور شاہ پور نام رکھا۔ کشور خاں نے اپنے باغ میں ایک چھوٹی سی گڑھی بنائی تھی اُس کو توڑ کر ۹۷۵ھ میں قلعہ کی تعمیر شروع کی اور ۹۷۶ھ میں پورا کیا اور قلعہ کا نام نصرت آباد رکھا اور ایک پیٹ عادل پور کے نام سے بسائی جو اب پُرانی پیٹ کے نام سے مشہور ہے اور ایک دروازہ اندرون قلعہ اور ایک برج محمدی ۱۰۶۷ھ میں تیار کرایا۔ افضل خاں وزیر نے افضل پیٹ آباد کیا اور ایک مسجد بھی ۱۰۲۳ھ میں بنوائی۔ دولت خاں نے خواص پورہ ۱۰۳۷ھ میں آباد کیا۔ اس کا خطاب خواص خاں تھا اور یہہ بھی بیجاپور کا وزیر تھا۔ شاہ پور اور پُرانی پیٹ کے درمیان ابراہیم پور آباد ہے جسے اب گنّی پیٹ کہتے ہیں۔ یہاں دو قلعے ہیں۔ ایک چھوٹا سا پورانا قلعہ پہاڑ پر ہے جو اس نئے قلعہ کے مغرب میں ہے اور دوسرا جدید قلعہ مشرق میں ہے۔ ان دونوں قلعوں کی لاگت ایک کرور سینتیس لاکھ چوراسی ہزار پانسو پچاس روپیہ چار آنے بیان کی جاتی ہے۔ ۱۱۱۱ھ میں اس قلعہ پر اورنگ زیب کا قبضہ ہوا اور اب سرکار عالی نظام

---

[۵۱] شاہ پور۔ سگر اور گوگی کے تاریخی حالات اور کتبات جناب مولوی محمد منہاج الدین صاحب سوم تعلقہ دار ڈویژن شوراپور و مولوی محمد خیر الدین صاحب تحصیلدار حال تعلقہ شاہ پور و مولوی عبد الحکیم صاحب سابق تحصیلدار شاہ پور جو اب میرے لائق مددگار ہیں کی توجہات اور مہربانی سے دستیاب ہوئے ہیں۔ بلکہ منہاج الدین صاحب نے تو یہاں تک زحمت گوارا کی کہ میرے لئے خود شاہ پور تشریف لے گئے اور کتبات اُتار کر لائے۔ میں ان تینوں صاحبوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ۱۲ من المصنف۔

کی مملکت میں ہے - زمانۂ سابق میں شوراپور کے راجہ ونکٹیا نایک نے ۱۲۰۲ھ میں جنگ کرکے قلعہ پر قبضہ کرلیا تھا اور ۱۳۱۱ھ تک وہی قابض رہا - آخر سکندر جاہ بہادر بن نواب میر نظام علی خاں بہادر سے خواہاں عفو قصور ہوکر قلعہ حوالہ کردیا - قلعہ مذکور کے پہاڑ میں بہت سے بزرگان دین کے مزار ہیں - سید سالار مسعود غازی - سید بخاری صاحب - پیر محمد شمس الدین صاحب وغیرہ اولیاء اللہ آسودہ ہیں -

کتبہ سنگ دروازہ قلعہ ۱۰۱۷ھ

فضل خدائے پاک کسے راکہ رہبر است — فتح و فتوح نصرت از بخشش محقر است
کز صبح و شام خلق بسے است در دعا — ہر سال نام شاہ جہاں شاہ داور است
در عہد بادشاہ جہاندار داد گر — فیروز شاہ حاکم و پاک و مظفر است
دروازہ طاق طاق درو در جہاں لطیف — فردوس ثانی است کہ شلش نہ درخور است
بانی ایں عمارت دروازہ کوتوال — اعنی فہیم عہد شہنشاہ داور است
از ہجرت پیمبر ہفتصد و دہ بر آں ۱۰۱۷ھ — گشتہ تمام زاں کہ دریں دہر کمتر است

عمرش دراز بخش خدایا چو عمر نوح
ایں شاہ راکہ شاہجہاں بخت یاور است

کتبہ شاہ دروازہ ۱۰۱۷ھ

بفرمان شہ فیروز اعظم — کہ ہست او شاہ شاہان معظم
زہے فیروز مثل ظل فیروز — رسیدش خدمت اطراف عالم
بنا شد شاہ دروازہ زہے طاق — کہ از وے طاق کسریٰ گشت برہم
مہم فتح سلطانی بنا کرد — کہ ہست او کوتوال شہر اعظم
کہ سال ہفتصد دہ بود تاریخ — شدہ اتمام در ماہ محرم
ندیم خستہ عین غم ۱۰۱۷ھ سکیں — پسند ما بخواند خلق عالم

الہا ایں شہر معمور داری
زما در تاکہ زاید نسلِ آدم

کتبۂ مسجد بالائے کوہ ۱۰۳۷ھ

در زمان شاہ عادل سلطان محمد کامراں	ہیتے سنگلیسر شکستہ حسن لقا خورشید خاں
ساختہ مسجد کہ در ماہِ محرم باصفا	ہجریہ تاریخ الف وسی وہفتم شد نشاں
از برائے آں کہ شیخ مصطفیٰ ذاتِ شریف	باولاد و احفادش کہ ایں باشد رواں

قطعہ تعمیر دروازہ قلعہ نصرت آباد ۷۱۴ھ

بحمد اللہ شہر نصرت آباد	چہ خوش حصن حصین کشور افتاد
براں برجے نمایند از حصارین	بروج آسماں گرد نشارین
دگر دروازۂ نو شد عمارت	مبارک باد تا روزِ قیامت
بعہد دولتِ آں بادشاہے	کند تاراج کفر ودیں پناہے
ز نسل پور بہمن شاہ والا	شدہ فیروز ظلّ حق تعالیٰ
عمارت ساختہ خود بادل وجاں	ملک والا مبارک خاص برخاں
کہ بودہ کوتوال از شاد بہجت	ہمیشہ نیک نام وصاحب بخت
ز ہجرت ہفتصد وچاردہ سال	مرتب گشت از حق جملہ فی الحال
چو خوش گفتی جمال الدین مفتی	در تاریخ پُر ہنجار سفتی

اس قلعہ میں (۹) توپیں ہیں جن میں دو بڑی ہیں ایک (۱۱) بالشت لمبی ہے اور دوسری نو بالشت اور سات چھوٹی لیکن کسی پر کوئی کندہ نہیں ہے۔

(۱) قلعہ کے مشرق رویہ دروازے پر یہ کتبہ ہے:-

نصر من اللہ و فتح قریب و بشر المومنین فاللہ

اساس دیو درگ راے مسلمان	زمن بشنو کہ میگویم ز بنیاد
خراب افتادہ بُد دہلیز بیرونش	نکرد کسے ترمیم و مرمتش بار از آن باد
زمان شاہ عادل چوں در آمد	شد آن دہلیز آباد از سر داد
پی آبادیش گردید تاریخ	بدور سید تاج الدین بُد آباد
	۹۷۵ھ

اللہم صل علی المصطفیٰ علی المجتبیٰ و علی المرتضیٰ و حسن الرضا و امام حسین شہید کربلا و امام زین العابدین و امام محمد باقر و امام صادق جعفر و امام موسیٰ کاظم و امام علی موسیٰ رضا امام محمد تقی امام علی نقی امام حسن عسکری امام محمد مہدی صاحب الزمان

کل ہم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی

(۲) فصیل مغربی۔ قلعہ کے حصۂ آخری پر یہ کتبہ ہے:-

در کار کرد
شاہ محمد رضا حوالدار
الف سبع سبعین ۱۰۷۷ھ

(۳) محمد برج قلعہ جو کہ شمال رُخ پر ہے۔ اُس پر یہ کتبہ ہے:-

بتوفیق خدا در لضرت آباد	محمد برج را کردند بنیاد
بدور شہ علی سلطانِ عادل	آقا محمد کہ نائب بود فاضل
ز تاریخش سبع سبعین الف بود	مرتب برج شد در وقتِ مسعود
۱۰۷۷ھ	

(۴) یہ کتبہ اُس مسجد میں رکھا ہوا ہے جو اندرون قلعہ دامن کوہ میں ہے:-

بعہد سلطنت سلطان علی عادل شاہ ناصر الملک و مملکت
فی عمل محمد عبد اللہ شیخ ابو الحسن ابن قاضی عبد العزیز تعمیر ساخت
۹۸۰ھ

خواص پورہ پیٹ اور مسجد دولت خاں نے ۹۸۰ھ میں بنائی ہے جس کا خطاب خواص خاں تھا اور جو علی عادل شاہ بن ابراہیم عادل شاہ کا وزیر تھا - پرگنہ کھمبا دیں - عین الملک کی جاگیر تھا جو ابراہیم عادل شاہ بن اسمٰعیل عادل شاہ کا وزیر تھا اُس نے اپنے والد کا گنبد اور باؤلی ۹۴۷ھ میں طیار کرایا۔

قصبۂ سگر حضرت صوفی سرمست اسد الاولیاء جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ہیں قصبۂ سگر میں مشہور و معروف ہیں جو شاہ پور سے تین کوس کا فاصلہ ہے - آپ کا لقب گھوگھرٹ اس وجہ سے مشہور ہے کہ آپ غیاث پور عرف گھوگھرٹ (متصل دہلی) میں پہلے رہا کرتے تھے - آپ کا مزار مبارک ایک وسیع اور کھلے چبوترے پر ہے - زمانۂ قدیم میں اس ملک پر راجہ کمارام کمپلی نگر کا قبضہ تھا - اس راجہ نے ایک سید بزرگ سے کچھ بدسلوکی کی تھی آپ نے شہنشاہ دہلی کے پاس شکایت کی اور حضرت صوفی صاحب سے بھی داد فریاد کی جو شہر متھرا میں نہایت صاحب کرامت مشہور تھے - حضرت اُس وقت مراقبہ و مشاہدہ میں سرشار تھے آپ نے فرمایا "جا اسلام کی فتح ہے" بادشاہ بھی لشکر اسلام لے کر آیا آپ بھی ساتھ ساتھ سگر تشریف لائے اور یہیں رہ پڑے آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ عالم ہے - سگر سے دو میل ایک بستی دریا پور ہے وہاں راجہ کمارام نے ایک ریوڑ سانڈوں کا دیوکی پوجا کو چھوڑ رکھا تھا اُس میں کا ایک بڑا بیل فقیر لوگ چٹ کر گئے - راجہ نے سنتے ہی حضرت سے شکایت کی کہ آپ کے فقراء نے ایسا کیا میرا بیل زندہ دلوا دیئے آپ نے سر اور پیر کو ملا کر چوب دستی سے اشارہ کیا بیل زندہ ہو گیا - راجہ نے حضرت کا عروج دیکھ کر آپ پر چڑھائی کی لیکن لشکر اسلام کو غلبہ ہوا اور بہت سے کفار مارے گئے - بعد مدت دراز کے سلاطین اسلام دکن میں آئے -

حضرت کے ساتھ چودہ سو سات پالکیاں اولیاء اللہ کی تھیں - آپ نے چوطرف جہاد کر کے اسلام کی بنیاد مستحکم کی چنانچہ اب بھی گنج شہیداں سگر میں موجود ہے - روایت ہے کہ حضرت کی صاحبزادی محبوب بی بی عرف ترکش بی بی جو بڑی کاملہ اور کاشفہ تھیں اُن کے ہاتھ سے راجہ کمارام مارا گیا جس کی تاریخ "کمارام جہنم رسید" ہے - ترکش بی بی کا مزار آپ کے چبوترے سے ملا ہوا سیڑھیوں کے پاس زمین کے برابر ہے - کہتے ہیں کہ اسی معرکہ میں ~~~~ پادشاہ دہلی کے طرف سے لکھی خاں افغان اور نعمت خاں وزیر مع فوج آپ کی مدد کو آئے تھے - اس واقعہ میں بہت سے مسلمان بھی شہید ہوئے - حضرت کی ولادت تولد احسن ہے - اور وصال کی تاریخ "گنج عشق" ہے آپ اصلی باشندہ سامرہ کے تھے اور وہاں کے بڑے امیر تھے ~~ھ تک شہر متھرا میں رہے بعد ~~ھ دکن میں تشریف لائے - آپ کا نسب نامہ بروے مجمع الانساب سولھا واسطوں سے حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب سے جا ملتا ہے - آپ کا عرس شریف ۵ ربیع الثانی کو ہوتا ہے - آپ کے چار فرزند اور تین صاحب زادیاں تھیں - آپ کے دو فرزند شیخ فریدالدین سلطان سرمست دوسرے شیخ نظام الدین سرمست یہ دونوں اجودھیا[1] چلے گئے تیسرے صاحب زادے شیخ شہاب الدین سرمست نے موضع جالی ہال تعلقہ گلبرگہ میں انتقال فرمایا جو دریائے بھیما کے کنارے ہے اور وہاں آپ کا گنبد بھی ہے - چوتھے فرزند منور پادشاہ ہیں سگر میں آسودہ ہیں آپ بھی شہید ہوئے تھے جس کی تاریخ "تاج منور" ہے آپ کی ایک صاحبزادی محبوب بی بی عرف ترکش بی کا ذکر اوپر آچکا ہے - دوسری بیٹی بی بی رابعہ سید شاہ رجبی سے منسوب ہوئیں جن کا مقبرہ گلک مندرگہ (متصل راکیری) میں سرراہ ہے - تیسری صاحب زادی بی بی نظام خاتون حضرت شیخ محمد کاکو سے منسوب ہوئیں جن کے بطن سے دو فرزند شیخ یعقوب اور شیخ اسمعیل تھے اور پہلی صاحب زادی حضرت بی بی مخدوم جہاں حضرت چندہ حسینی شاہ صاحب سے منسوب تھیں - دوسری خورشید جہاں حضرت شیخ اسحٰق کو دی گئیں جو والدہ تھیں حضرت شیخ عبدالخالق المشہور بہ شاہ میمن متوکل کی تیسری عین الحیات حضرت شیخ محمد حسینی ابدال کو دی گئیں -

قصبۂ سگر ایک قدیم مقام ہے - اول ویرانہ تھا اصلی آبادی اس کی ۵۲ھ میں ہوئی - جامع مسجد کے بنا کی تاریخ "جامع خیر ابد" ہے - یہ مسجد یادگار زمانہ ہے اور بجز مسجد جامع شہر گلبرگہ کے اپنا

---

[1] فیض آباد ملک اودھ - ۱۲ -

جواب نہیں رکھتی۔ ستونوں اور دروں کی انتہا نہیں۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک محرابیں ہی محرابیں دکھلائی دیتی ہیں۔ یہ مسجد اسمٰعیل عادل شاہ کے عہد میں طیار ہوئی مگر افسوس ہی کہ اس کا دروازہ راجگان شوراپور اُکھاڑ کر شوراپور لے گئے۔ اس مسجد کے متعلق یہ کتبہ ہی:

در زمان عدل عادل خاں وزیر پیر خرد	ساخت این مسجد جامع بتوفیق خدا
تا بماند نام خیر از والی دستور خاں	این بنا کردہ ز بہر طاعت فرد صمد

طالع وقتش طلب می کرد مہدی از حساب

سال تاریخش بر آمد "جامع خیر آید"

۹۳۱ھ

کتبہ سرا ۹۷۰ھ

شد بنائے این سرا در عہد شاہ کار و بار	شہریار و تیغ یاور بادشاہ تاجدار
شہ محمد بوالمظفر آں کہ گیرد در جہاں	دست او ابر سخا ہیچوں نیستاں در بار
از عموم عدل او گشتہ جہاں خلد بریں	وز نسیم فضل او این شہر شد دار القرار
تا بود شمس منور تا بود مہ را ثبات	تا بود دوران گردش باد عمرش پائدار
بود از ہجرت گزشتہ ہفت صد بر ہفت سال	این عمارت شد مرتب از عموم کردگار

۹۷۰ھ

کتبۂ عاشور خانہ محلہ روضہ بستی ۷۱۰ھ

بحمد اللہ ز عین عون علّام	بامر بادشاہ ملک اسلام
ستودہ حامی شرع مجازی	شہاب الدین احمد شاہ غازی
بہار باغ بہمن شاہ مغفور	خدایا دار از چشم خزاں دور
ز ہجرت ہفتصد و دہ سیداں	کہ این دروازہ . . . .
شد از اول بسد صوایں عمارت	گرفت او کوتوال با عدالت
محمد فخر دیں سلک این گہر ساخت	ز بہر تعمیر مزبور تاریخ برداشت

۷۱۰ھ

الایا این حصار نصرت آباد

الی یوم القیام آباد

کتبۂ درگاہ حضرت صوفی سرمست ۷۹۴ھ

در عہد بادشاہ جہاں دار تہمتن — شاہ جہاں محمد محمود صف شکن
از نسل شاہ بہمن بہمن کبار تیغ نو — از زور تیغ گشتہ سپہدار انجمن
بانی این عمارت کردہ چو پادشاہ — شہر سگر چو جنت ایں عہد خوب فن
نامت مبارکت مبارک در عہد شاہ — کہ بود کوتوال دریں شہر چوں یمن
بندہ فرید است دعا گوئے عمر شاہ — تاریخہا بجست بہ رباب در سخن
از ہجرت پیامبر ہفتصد نود چہار — بوداست ایں عمارت آراستہ زمن

کتبۂ مسجد صوفی سرمست

مجلّی مسجدے مقبول درگاہ — زرائے بال چند گشتہ منوّر
دُفِنَتْ الْقَوْلَ فِی التَّرتیبِ مسجد — موذن حیّ وقل اللہ اکبر

کتبۂ قبر راضی ابن زید

بعہد شہنشاہ ابوالمغازی — بگرفت عمارت کرو تازی
گل باغ بہمن آل شاہ رحمت — گشت خوشبو شرع محمد
دریں یوم مدفون است شیر یزداں — کہ نامش راضی ابن زید میداں

کتبہ باؤلی درگاہ سنہ ۱۲۴۰ھ

سبیل اللہ این چاہِ مصطفیٰ بنا کردہ علی بہر مصلّیٰ
برآمد سال تاریخش ز مسکیں طہارت آرای مرد مصلّیٰ ۱۲۴۰ھ

سجادہ صاحب سگر کے دروازے پر دو کتبے

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُہَا

دیگر

محمد عربی آبروے ہر دو سرا کسے کہ خاک درش نیست خاک برسرِ او
شنیدہ ام کہ تکلم نمود ہمچو مسیح بدین حدیث لب لعل روح پرور او
کہ من مدینۂ علمم علی درِ است مرا
عجب خجستہ حدیث است من سگ در او

کتبہ مسجد سگر اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ

قصبۂ گوگی گوگی شاہ پور سے چار کوس ہے۔ اور ایک قدیم بستی ہے جس کی آبادی لمبی دور تک چلی گئی ہے اس کے دو حصے ہیں۔ پرانی گوگی میں حضرت چندا حسینی کی درگاہ ہے۔ اور اس کے متصل یوسف عادل شاہ۔ ابراہیم عادل شاہ اور اسمٰعیل عادل شاہ کی چوکھنڈی ہے جس میں باپ بیٹے پوتا مع اپنی بیویوں کے دفن ہیں۔

یوسف عادل شاہ بادشاہ ہونے کے قبل جب سرکار بیدر سے تعلق رکھتا تھا یہیں رہتا تھا سلطان محمد بہمنی نے اسے (۵) موضع ذیل سنہ ۸۹۵ھ میں جاگیر دئے تھے۔ گوگی۔ آلور۔ ملہ۔ براگاؤں سمت وڈگیرہ۔ وڑگاؤں۔ جب سنہ ۸۹۷ھ میں یوسف عادل شاہ بیجاپور کا بادشاہ ہو گیا تو گوگی کی سکونت چھوڑ کر بیجاپور چلا گیا وہاں سنہ ۹۰۰ھ میں قلعہ کا حصار بنوایا۔ یوسف عادل شاہ نے

بیس سال دو مہینے سلطنت کرکے پچھتر سال کی عمر میں مرض سوء القنیہ (مقدمۂ استسقا) سے ۹۱۶ھ ۱۵۱۰ء میں بیجاپور میں انتقال کیا۔ نعش گوگی لائی گئی۔ اور حضرت شاہ جلال الدین چشتی عرف چندا حسینی صاحب کی درگاہ کے پاس جن سے بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی ایک روضہ میں مدفون ہے۔ مادہ تاریخ وفات "بگفتا نماند شہنشاہ عادل" ۹۱۶ھ ہے۔

اس کے بعد اس کا بیٹا اسمعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا اور ملک تلنگانہ میں قطب شاہ سے برابر گیارہ مہینے تک لڑتا رہا۔ اس ملک کی آب وہوا ناموافق ہونے سے تپ آنے لگی جس کی وجہ سے نہایت کمزور ہوگیا بادشاہ نے اسد خاں لاری اور امیر قاسم برید ترک کو بلاکر کہا کہ یہاں کی آب وہوا مجھے ناموافق ہے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ یہیں رہ کر ملک تلنگانہ کے قلعوں کو فتح کرو میں گلبرگہ جاتا ہوں بعد صحت واپس آجاؤں گا۔ دوسرے دن علی الصباح بسواری پالکی جانے کا قصد کیا لیکن صبح چہارشنبہ ۱۶ صفر ۹۴۱ھ ۱۵۳۴ء کو تیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اسد خاں لاری نے اس بات کو چھپایا اور پالکی پر پردہ ڈال کر راتوں رات قصبۂ گوگی کو روانہ کیا جہاں وہ اپنے باپ کے جوار میں مدفون ہے۔ اس کے بعد ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو تخت نشین ہوا اس نے ۱۰۰۰ھ میں شیخ میاں متولّی کی معرفت دروازہ اور روضہ حضرت شاہ مجنون قادری مجذوب کا بنوایا جو بوقت حضرت محمد محمود بحری قدس سرہٗ بیجاپور سے گوگی تشریف لائے تھے آپ کی وفات شب شنبہ آخری شب ہفتم ماہ ربیع الاول ۱۱۴۷ھ میں ہوئی ہے۔ بادشاہوں کے مزاروں پر گنبد نہیں ہیں صرف لداؤ کی ایک ہی چوکھنڈی ہے جس کے اطراف ایک بڑا احاطہ افضل خاں وزیر نے بنوایا جس کا بڑا دروازہ افضل خاں کے نام سے مشہور ہے۔ اس احاطہ میں ایک مسجد سیاہ پتھر کی نہایت خوش نما اور بہت بلند موجود ہے جس میں تین مردانی اور دو زنانی قبریں ہیں زنانی قبروں کا پتہ نہیں لگتا کہ کن بیگمات کی ہیں۔

درگاہ حضرت چندا حسینی قصبۂ گوگی میں جناب حضرت سید شاہ جلال الدین الملقب بہ شاہ چندا حسینی کی درگاہ شریف ہے جس پر ایک نہایت شاندار چوکھنڈی بنی ہوئی ہے۔ اس چوکھنڈی میں حضرت کی بیوی مخدوم جہاں صاحبہ علیہا الرحمۃ اور آپ کے صاحبزادہ حضرت سید نور عالم حسینی آسودہ ہیں۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید شاہ شمس عالم صاحب کی

درگاہ رائچور میں ہے - اس چوکھنڈی کے دروازے کے سامنے ایک چھوٹے سے چبوترے پر دو
مزار ہیں ایک آپ کے والد بزرگوار کا ہے اور دوسرا آپ کے چچا کا - آپ کے والد ماجد حضرت
سید علی المشہور بہ جہاں شیر حسینی اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی فردوس جہاں عصمت پناہ اور
آپ کے عم بزرگوار حضرت عجب شیر حسینی تھے اور آپ کے دادا سید خضر حسینی بیدر میں مدفون ہیں -
یہ اصحاب کرام اصلی باشندے سامرہ کے تھے - چندے آپ متھرا میں رہے اور بدور سلطان فیروز شاہ
بہمنی آپ دکن میں تشریف لا کر فیروز آباد میں ٹھیرے جو اسٹیشن شاہ آباد کے متصل مشہور مقام ہے -
بادشاہ نے اِن دونوں بھائیوں کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور بڑے مناصب مقرر کیے - آپ دونوں
صاحبِ ولایت تھے اور اپنے کو پوشیدہ رکھ کر دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے -

ایک روز کا ذکر ہے کہ فیروز شاہ کی سواری بادبہاری شکار سے واپس آ رہی تھی - بادشاہ زادی
لب بام کھڑی تماشہ دیکھ رہی تھی ناگاہ کیا دیکھتی ہے کہ باپ کا گھوڑا اسب سواروں سے بلند ہوا پر
معلّق چلا آ رہا ہے اور باپ کے سر پر دو سوار اور ادھر ہیں اور وہ بھی اپنے گھوڑے لئے چلے آ رہے ہیں -
جب بادشاہ محل میں آیا تو لڑکی نے یہ عجیب و غریب مشاہدہ باپ سے بیان کیا اور پوچھا کہ وہ دو
سوار جو فرق مبارک پر تھے کون تھے؟ - بادشاہ نے کہا مجھے خبر نہیں اور متعجب ہو کر جستجو کرنے لگا -
اور درگاہ باری تعالیٰ عم نوالہ میں دعا کی کہ اے پروردگار عالم آج ایسی آندھی چلا کہ خیموں میں کوئی چراغ
ٹھیر نہ سکے - درگاہ مستجیب الدعوات سے یہ دعا مقبول ہوئی آندھی اور جھکّڑ زور سے چلنے لگا کیمپ
میں اندھیر اگھپ ہو گیا - بادشاہ نے جاسوسوں کو بھیجا کہ دیکھو کہیں چراغ بھی جل رہا ہے یا نہیں -
جاسوسوں نے دیکھا اور آ کر خبر دی کہ صرف ایک خیمہ میں جس میں یہ دونوں بھائی تھے چراغ جل رہا
تھا اور دونوں صاحب تلاوتِ کلام مجید میں کمال ذوق و شوق سے مصروف تھے - تب بادشاہ
کو یقین ہوا کہ یہ دونوں بھائی صاحب ولایت ہیں اور اپنے کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے - آپ دونوں
صاحبوں کو بھی مکاشفہ سے یہ حال معلوم ہوا اور کہا کہ ہماری خبر بادشاہ کو لگ گئی ہے اور اب وہ
ہمارا امتحان کرنا چاہتا ہے بہتر ہے کہ ہم یہاں سے کنارہ کشی کریں - اُسی وقت دونوں بھائی مع
فردوس جہاں فیروز آباد سے چل پڑے اور بھیما ندی کے کنارے پونہچے - حضرت فردوس جہاں
صاحبہ حاملہ تھیں اور زمانہ وضع حمل قریب تھا - ندی طغیانی پر تھی پار اُترنا مشکل تھا - دونوں

بھائی فکر میں پریشان بیٹھے تھے ناگاہ غیب سے ندا آئی کہ فکر کیوں کرتے ہو اپنا رومال ندی پر بچھاؤ اور پار ہوجاؤ۔ اس طرح دونوں حضرات ندی پار ہوکر دوسرے کنارے پر موضع رڈّے واڑگی پونچے۔ بادشاہ بھی حضرت کے پیچھے آیا مگر آپ ندی پار ہوچکے تھے بادشاہ کسی طرح پار نہ ہوسکا واپس گیا جس رات کو آپ ندی پار ہوئے اُسی شب میں صبح صادق کے وقت حضرت چندا حسینی بمقام رڈّے واڑگی پیدا ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وقت تولد آپ کے جسم میں پیرہن اور سر بند بندھا ہوا تھا اور سر پر تاج تھا اور دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے ہوئے تھے۔ بعد غسل آپ کا نام جلال الدین محمد رکھا گیا۔ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ نہیں پیا اور اسی طرح گہوارہ میں لٹا دیا گہوارہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور جاتے جاتے ایک میدان میں ایک درخت پر ٹھیر گیا یہ وہی موضع ہے جو اب گنوار کے نام سے مشہور ہے اور یہ نام گہوارے ہی کے سبب سے پڑا ہے وہاں سے گہوارہ گوگی میں آیا اور ایک نیم کے درخت پر اُترا جو اب تک موجود ہے۔ آپ کے والد اور چچا دونوں تلاش کرتے ہوئے گوگی تشریف لانے پر گہوارہ بھی درخت سے نیچے اُترا اور سب مل جل کر مطمئن ہوئے۔

روایت ہے کہ حضرت کی ولادت باسعادت کے دن بعد نماز صبح حضرت بندہ نواز دیر تک آسمان کی طرف نظر کرتے رہے۔ جو لوگ حاضر باش تھے اُنھوں نے پوچھا کہ آج خلاف معمول حضرت آسمان کی طرف کیوں اس قدر غور سے دیکھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے آج ایک لڑکا چندا حسینی پیدا ہوا ہے جس کی خوشی آسمان پر منائی جارہی ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت چندا حسینی کا سن شریف صرف گیارہ سال کا تھا جب کہ حضرت بندہ نواز کی عمر قریب سو سال کے تھی۔ چندا حسینی صاحب آپ کی ملاقات کو تشریف لائے تو حضرت بندہ نواز آپ کا چند قدم استقبال کرکے آپ کو لائے اور ضیافت کی اور آپ کو شاہ چندا کا خطاب بخشا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اس لڑکے کی اس قدر تعظیم و تکریم کیوں کی آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کے جسم سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بو آتی ہے اس لئے میں بغل گیر ہوا اور تعظیم دی۔ آپ غایت درجہ حسین و جمیل تھے آپ کا چہرہ چودھویں رات کی چاند کی طرح منور تھا۔ آپ کی شادی حضرت شیخ کاکو کی دختر بی بی مخدوم جہاں

صاحب سے ہوئی تھی جو صوفی سرمست کے نواسہ تھے۔ آپ صحیح النسب سادات سے ہیں اور چند واسطوں سے آپ کا سلسلہ امام زین العابدین ابن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ شہید کربلا سے ملتا ہے۔ آپ ملک دکن کے نہایت باکرامت اور متبرک اولیاء سے ہیں آپ سنی المذہب تھے آپ کا سلسلہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا سے ملتا ہے۔ آپ کا وصال ۱۰ر شعبان المعظم کو ہوا جس کی تاریخ "رخ چندا" ہے۔ یوسف عادل شاہ آپ کا بہت معتقد تھا آپ کی درگاہ شریف بصرف زر کثیر اسی نے بنوائی ہے۔ اور خود بھی آپ کے جوار میں مدفون ہے درگاہ شریف کا سایہ بادشاہوں کے روضہ پر پڑتا ہے اور سلاطین کے مقابر کا سایہ درگاہ کے دروازے کی بیرونی جالی تک آکر رہ جاتا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے آپ کی درگاہ کی چاردیواری بنوائی اور مسجد شیخ منان متولی نے ... میں بنوائی۔ زمانہ سلطنت عادل شاہی تک آپ کے عرس کے مصارف کے لئے چودہ مواضع محاصل ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کے جاگیر تھے جو رفتہ رفتہ موقوف ہوکر اب بھی آپ کی اولاد پر کچھ معاش بحال ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادے سید شاہ نور عالم آپ ہی کے مقبرہ میں اپنی والدہ محترمہ کی بائیں جانب مدفون ہیں اور دوسرے فرزند ارجمند سید احمد شاہ شمس العالم جن کا انتقال ۵ ا صفر ۸۹۲ھ کو ہوا رائچور میں لب سڑک حیدرآباد مدفون ہیں جن کی درگاہ زیارت گاہ و مرجع عالم ہے سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اور چوتھے فرزند سید شاہ عبدالرحیم و سید شاہ مغنی حسینی بیدر میں آسودہ ہیں۔ آپ کے پوتے سید شاہ جلال الدین الملقب بہ شاہ مخدوم حسینی ابن سید شاہ نور عالم اندرون روضہ شریف اپنے دادا کے پائین میں مدفون ہیں۔

درگاہ شریف پر کتبات ذیل ہیں۔

(۱) پائین مقبرہ مبارک حجرہ جانب جنوب برج میں کندہ ہے ؎

حجرۂ دنیا بلفظ سجن زاں شد متصف　　تا بداں معنی حبیب المہد گردد معتکف

(۲) بر دروازہ شمال رویہ درگاہ شریف ہے ؎

ہیں ولی چندا حسینی باکمال　　ہے "رخ چندا" میں تاریخ وصال
۸۵۹ھ

(۳) کتبہ سنگی بر دروازہ مغرب رویہ درگاہ شریف :-

الٰہی عاقبت محمود گرداں — بلائے ناگہاں را دور گرداں

کہ بے شک بیابی تو رحمت خدا — تصور نما قدرت قُل اِلہ

بامر الٰہی چو راضی شوی — کہ بے شک و شبہ بجنّت روی

بدور شاہ ابراہیم عادل شاہ ابن شاہ علی عادل شاہ۔

روضہ کے دروازہ پر

(۴) عمرت دراز باد چنداں کہ بے نہایت — دولت ہمیشہ باشد دشمن بزیر پایت

بنا کردند شیخ منّان متولّی درسال — الہجریہ دہ صد و ہفت سال

سنہ ۱۰۰۷ھ

ہر کسے ناکردہ است ایں کرد تمام — بجز نیک نامی نماند مدام

(۵) کتبہ سنگی بر دروازہ خاص باغ - جو لب سڑک واقع ہے۔

گشت بانی این عمارت را سبب — تا بود در دہر باقی ایں نشاں

میر تاج الدین سر خیل حرم — بانی ایں قصر زیبا شد بداں

از خرد تاریخ پرسیدم بگفت — ایں عمارت باد باقی جاوداں

درگاہ حضرت شیخ محمد شمس الدین بحری عرف شاہ منجن ۱۰۸۹ھ

نئی گوگی میں حضرت شیخ محمد شمس الدین باقر اللہ قادری مجذوب ابن شیخ عبد المحمد ابن شیخ اسحق ابن شیخ عبد الخالق ہیں - آپ شاہ منجن متوکل کے نام سے مشہور ہیں - آپ حضرت محمد محمود بحری قدس سرہ کے مرشد تھے - آپ کی تعریف میں محمد محمود صاحب نے یہ غزل کہی ہے :-

فغاں کاں محرم اسرار وحدت — تو از ان در مہد باتائے وحدت

محمد باقر آں بحر معانی — کہ روشن بود از نا دائے وحدت

دہ و یک رفتہ بود از ماہ شوال — لبشنبہ آں شہ والائے وحدت

زکثرت دست دادہ از سر شوق	بقلب وحدت وچوں جائے وحدت
حساب سالش از مصراع آخر	بگیر ای شمع محفل ہائے وحدت
وے روزت دریردہ دار دشمار	محمد باقر آں دریائے وحدت

سنہ ۱۰۸۹ھ

آپ کے پیرومرشد سید شاہ عبدالستار عشاق قادری جہگیری ہیں۔

نقل ہی کہ بعد فتح بیجاپور کے عالمگیر بادشاہ گوگی تشریف لائے تھے۔ آپ کی ولایت اور کرامات کے ساتھ ساتھ کچھ امور خلاف شرع کی شکایت بھی سُنی۔ اپنے وزیر کو تفحص حالات کے لئے بھیجا اور بعد خود بھی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے حجرہ میں بلالیا اور اپنے قریب بٹھلاکر ایک پیالہ بھنگ کا منگوایا۔ بادشاہ چوکنا ہوا۔ جھک کر دیکھا تو بالکل دودھ تھا۔ حضرت کے پاس ایک گدڑی رکھی ہوئی تھی جو خود بخود متحرک تھی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہہ گدڑی کیوں اُچھل رہی ہی۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے کچھ دنوں سے لرزہ آتا ہی۔ آج تجھ سے باتیں کرنے کے لئے میں نے یہہ لرزہ گدڑی کے حوالہ کردیا ہی تھوڑی دیر میں ایک حجرے سے مزامیر اور راگ کی آواز آئی بادشاہ نے پوچھا کہ کون قوال گا رہا ہی آپ نے کہا کہ حجرے میں جاکر خود دیکھ لو۔ بادشاہ نے جھانک کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا خود بخود مردنگ وغیرہ بج رہی تھی۔ بادشاہ حضرت کی کرامات سے محظوظ ہوا اور جاگیر دینا چاہا مگر آپ نے قبول نہ کی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ مدراس تشریف لے گئے تھے ایک پادری سے مذہبی بحث چھڑ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ چلو دریا کے کنارے بیٹھ کر بحث مباحثہ ہوگا۔ آپ نے اپنے خلیفہ شاہ فضل اللہ کو فرمایا کہ نماز کا وقت ہوا جانماز بچھادو۔ پادری کیا دیکھتا ہی کہ جانماز سطح دریا پر بچھی ہوئی ہی اور آپ بے تکلف نماز پڑھ رہے تھے۔ پادری اس کرامت سے دنگ ہوگیا اور فوراً مسلمان ہوگیا اُس دن سے آپ کا لقب بحری پڑ گیا۔

روایت ہی کہ حضرت کا وطن مالوف دھناسری علاقہ مدراس میں تھا آپ کا خاندان قضات کا تھا۔ آپ جب گوگی تشریف لائے جوان تھے آپ اپنے مرشد سے ملے آپ سے بسم اللہ لکھوائی گئی مگر آپ باوجود کوشش کے بھی لکھ نہ سکے۔ ایک دن آپ ایک کوئیں پر گئے دیکھا کہ پتھر پر رسی

کے رگڑے سے نشان پڑ گئے ہیں آپ نے سوچا اللہ اکبر پتھر جیسی چیز گھس گئی کیا وجہ ہے کہ میں محنت کروں اور کامیاب نہ ہوں اُس دن سے حصول علم کا شوق ہوا اور چند دنوں میں صاحب تصنیف ہو گئے چنانچہ پُرانی ہندی زبان میں آپ کی ایک کتاب "من لگن" مشہور ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

من کو ٹھری چھوڑ باہر آیا　　دالان میں اُس دن سے کی دھایا
جب برس چار گزر گئے تب　　آسا منے مجھے بٹھائے مکتب
بسم اللہ مجھے کہی کہو ہاں　　میں بول اُٹھا رحیم رحمن

قطعہ تاریخ وفات یہ ہے ؎

بحری بکمال وحق آگاہ　　شیخ محمود عارف باللہ
بود در عہد بادشاہ زمن　　ختم شاہاں سکندر عادل شاہ
دستگاہش بعلم عشق بجناں　　کہ تواں یافت علم ودانش راہ
سیر او در فضائے عالم قدس　　نیز او در ہوائے عشق اللہ
گوش کردم ندائے رحلت او　　داخل مجلس رسول اللہ

سنہ ۱۱۳۰ھ

عرس شریف ۱۰ شوال کو ہوتا ہے۔ مزار آپ کا اپنے مرشد کی بائیں جانب ہے۔

شاہ مجنوں قادری مجرد و مجذوب تھے۔ بیجاپور سے گوگی حیدر میں تشریف لائے۔ آپ کی وفات کی تاریخ حضرت محمد محمود بحری نے یہ کہی ہے:- ؎

آں سکۂ عشق شاہ مجنوں　　سر دفتر بیدلان مجنوں
سر حلقۂ عارفان آفاق　　عاشق صفتاں ربع مسکوں
القصہ چو شاہے کس نبودہ　　بالائے زمین وزیر گردوں
درخواست کہ تا رود ازیں خاک　　بر عالم جاں زند شبیخوں
از دور مہ ربیع الاول　　یک ہفتہ وہ دیدہ بود بیرون
فرخ شب شنبہ آخر شب　　بادل گشتہ صبح مقروں

شد گوہر شہ بحکم ایزد	مستغرق بحر ذات بے چوں
از بہر حساب سال وصالش	بودند خا دمانش محزوں
بحری بطریق پاک برخواند	مصراع خوش و لطیف و موزوں
از مطلع ایں غزل ہمیں گفت	آں سکۂ عشق شاہ مجنوں

سنہ ۱۰۶۱ھ

آپ کی درگاہ گوگی جدید میں شمالی راستہ پر مسجد کے روبرو ہے۔
ایک اور بزرگ ملّا محمد مجذوب تھے آپ کا مزار بھی یہیں ہے اور مسماۃ چچہ ماں نصیبہ بی صاحبہ عیدگاہ کے روبرو مدفون ہیں۔

قلعۂ واکن گیرہ کا کتبہ تعلقہ شوراپور میں قلعہ کے دروازے پر یہ کتبہ ہے:۔
بحکم شہنشاہ دیں پناہ محمد محی الدین اورنگ زیب بادشاہ عالمگیر غازی خلد اللہ ملکہ باہتمام عاقبت محمود حافظ مسعود غرۂ رجب المرجب سنہ چہل و نہ جلوس والا مطابق یک ہزار و یک صد و ہفدہ ہجری تعمیر یافت۔

ف۵ - بیڈروں نے اس قلعہ پر اورنگ زیب سے خوب مقابلہ کیا۔ واکن گیرے میں دو جدا گانہ قلعے الگ الگ پہاڑیوں پر ہیں جن میں صرف پانسو فیٹ کا فصل ہے۔ چھوٹا قلعہ زمانۂ مابعد کا بنا ہوا ہے جس کو نشٹی ایرنا نے بنایا اب اس قلعہ کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہے دوسرا قلعہ موجود ہے مگر وہ بھی ازبس خستہ حالت میں ہے جس پہاڑ پر یہ قلعہ ہے وہ (۲۵۰) فیٹ بلند ہے اور اس کی شکل اس وضع کی ہے ⬠ یعنی خماسی الاضلاع۔ اس قلعہ کے دو دروازے ہیں شرقی دروازہ ۸ - ۱۰ × ۱۱ اور مغربی ۸ × ۴ × ۱۱ ہے اور آخر الذکر دروازے پر ہی یہ کتبہ ہے۔ فصیل ساڑھے چار فیٹ عریض ہے جو بڑے بڑے گنڈوں سے بنا کر چونے سے درز بندی کردی گئی ہے۔ قلعہ کے سات برج ہیں جو سب گرے پڑے ہیں۔ ایک چٹان پر گوپالا سوامی (کرشنا) کی مورت کھدی ہوئی ہے۔ اور اسی چٹان کے اوپر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے یہ بھی تباہ ہے جس پر کا کتبہ بھی کوئی نکال لے گیا۔ قلعہ میں دو عمدہ باولیاں ہیں جن میں بارہ مہینے پانی رہتا ہے۔ قلعہ کا رقبہ سات ایکر تیرہ گنٹہ ہے۔ قلعہ میں کوئی عمارت باقی نہیں رہی لیکن پہاڑ کے دامن میں بجانب مغرب ایک محاط مقام پر کوٹھہ ہے جس میں پچیس مکانات مرہٹوں کے ہیں جو کوٹ کاروں (قلعہ کے محافظوں) کی نسل سے ہیں اور بلحاظ اُن خدمات کی جو ان کے

موضع بونہال کا کتبہ[۵۱] | کرنل میڈوز ٹیلر کمشنر شوراپور نے (جن کی مشہور تصانیف سیتا اور تارا اور امیر علی ٹھگ کی سوانح عمری ہیں) تعلقہ شوراپور کے موضع بونہال میں ایک تالاب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۴ - آباؤ اجداد نے قلعہ کے متعلق کی تھیں اب بھی پچاس ایکڑ انعام چلا جاتا ہے - شوراپور حیدرآباد سے جنوب و مغرب پر دریائے کشنا اور بھیما کے درمیانی ڈونٹا میں واقع ہے - یادگیر ریلوے اسٹیشن سے (۳۱) میل ہے اب اس کی مردم شماری (۱۵۷۲۷) ہے - بیڈر راجاؤں کی سلطنت کے زمانے میں پانچ لاکھ کی آبادی تھی - بیڈر لوگ اصلی متوطن میسور اور جنوبی ملک مرہٹواڑی کے ہیں ان کا پہلا راجہ گاوانا یک تھا - پہلے یہ لوگ لٹیرے تھے آگے چل کر سلطنت کرنے لگے - یہ لوگ بڑے جری اور قول و قرار کے پکّے ہیں - اس قوم کے لوگ قوی الجثہ اور سیر و شکار کے عادی ہیں - قدیم زمانے میں ان کے گروہ کے گروہ بادشاہان بیجاپور و گولکنڈہ کی افواج میں بھرتی تھے اور مرہٹوں نے جو اورنگ زیب کا ناک میں دم کر رکھا تھا اُس میں بڑا حصہ بیڈروں ہی کا تھا - قصبۂ شوراپور میں جو شولاپور علاقہ انگریزی سے رفع التباس کے لئے بیڈر شوراپور کہلاتا ہے سات محلّے راجاؤں کی رانیوں کے نام سے مشہور ہیں - رنگما پیٹ - تمّا پیٹ - لکشما پیٹ - ستیما پیٹ - نرسنگما پیٹ - رکما پیٹ - ینکٹا پور - اب شوراپور مستقر تحصیل اور ڈویزن ہے جو ضلع گلبرگہ میں شامل ہے - شوراپور کے تفصیلی حالات کے لئے نواب فرامرز جنگ بہادر کی انگریزی کتاب شوراپور قدیم راج بیڈران مطبوعہ ۱۹۰۷ء دیکھنی چاہیے -

۵۱ ۱۱ - فروری ۱۸۴۵ء کو جنرل فریزر ریزیڈنٹ شوراپور تشریف لائے کرنل میڈوز ٹیلر نے بونہال کی وسیع جھیل جو شکستہ حالت میں تھی بتلائی اور معتدبہ رقم کی منظوری لے کر اُس کو از سر نو درست کرایا جس سے کئی مواضع سیراب ہوتے ہیں -

ماہ مارچ ۱۸۵۱ء میں کرنل میڈوز ٹیلر نے بونہال کے قریب موضع کچکنور میں ایک نئے تالاب کی برآورد مرتب کی جس کا کٹہ (۱۸۷۲) گز طول اور عمق اوسط (۲۶) فیٹ و انتہائی (۵۰) فیٹ اور رقبۂ شکم تالاب کا سوا چھ مربع میل تھا جس سے دس ہزار بیگہ اراضی میں شالی زاری کاشت ہوسکتی تھی - لیکن یہ کام پورا نہ ہوسکا - راجہ ونکٹپا نایک نے ۱۸۵۸ء میں بغاوت کی اور بعد مقابلہ انگریزوں نے راجہ کو قید کرلیا اور شوراپور پھر بروئے معاہدہ ۲ جولائی ۱۸۶۰ء سرکار نظام کو مسترد کیا گیا - راجگان بیڈر کا راج سب سے پہلے کلپّا نایک کے عہد میں ۱۵۸۵ء شروع ہوا اور ایام غدر میں ونکٹپا نایک کی بغاوت کی وجہ سے ضبط کر لیا گیا - یہ خاندان قریب قریب ساڑھے تین

اور بنگلہ بنوایا تھا تالاب پر یہ کتبہ ہے۔

تالاب بوہنال کہ جائیست خوش سری
زیبد بزیر بنگلہ پُراز آب وافری

چوں سابق ایں دہانہ سد خورد داشت زآب
شد سدّ ایں دہانہ بمیڈوز ٹیلری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۵ - صدیوں تک چلا آخر کار سنہ ۱۸۶۰ء میں سرکار عالی کے تفویض ہوا - آخری راجہ وِنکٹپا نایک کے نو بیویاں تھیں جن میں کی رانی بھنگارما سوم اور رانی رنگمّا ششم زندہ رہیں رانی بھنگارمّا نے سال گزشتہ سنہ ۱۹۱۴ء میں وفات پائی اور رانی رنگمّا ابھی بقید حیات ہیں - سرکار نظام نے نوں رانیوں کے لئے معقول پنشن مقرر کی - ان کے علاوہ راجہ کے خاندان کے کشٹپا نایک - وِنکٹپا نایک اور پیڈنایک تھے وہ بھی مر گئے - کشٹپا نایک لاولد فوت ہوا - ونکٹپا نایک کا فرزند کشٹپا نایک اور پڈنایک کا بیٹیا مادپا نایک اب تک زندہ ہیں - اول الذکر کو سگر اور روضہ جو شور اپور سے دس بارہ میل ہے - دس ہزار روپیہ محاصل سالانہ کی جاگیر ہے - ثانی الذکر مادپّا نایک اور اس کی بہن جنمّا کو جو پڈنایک کی بیٹی ہے سو سو روپیہ ماہانہ نقدی تنخواہ ملتی ہے - ۱۲
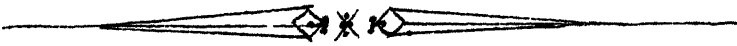
پندرھواں ضمیمہ

عالم پور

یہ مقام لب دریائے تنگ بھدرا واقع ہی جو رائچور سے براہ راست ساٹھ میل اور بذریعہ ریل کرنول اسٹیشن سے (۹) میل ہی۔ دریائے تنگ بھدرا کے ایک کنارے پر ضلع کرنول علاقہ سرکار عظمت مدار ہی اور دوسرے کنارے پر تعلقہ عالم پور ضلع رائچور - اس تعلقہ کی تین طرف مشرق - جنوب اور شمال میں دریائے کرشنا اور تنگ بھدرا ہیں - قدیم زمانے میں اس تعلقہ کا نام شاہ علی نگر یا شاہ علی پور تھا - وجہ تسمیہ یہ ہی کہ شاہ علی صاحب پہلوان قدس سرہ جو حضرت بندہ نواز گیسودراز کے اقربا اور حضرت صوفی سرمد کے مصاحب تھے مع اپنے ہمراہیوں کے پہلے رائچور تشریف لائے اور وہاں سے عالم پور آئے دیکھا تو یہ مقام کفرستان تھا اور راجگان ہنود کی حکومت تھی مسلمانوں کا نام و نشان تک نہ تھا بلکہ مشہور یوں ہی کہ اگر کبھوں بھٹکا کوئی مسلمان آن نکلتا تھا تو اُس کو فوراً پکڑ کر دیو پر چڑھا دیتے تھے - حضرت نے پہلے بت پرستوں کو اسلام کی دعوت دی اور راجہ سے جہاد شروع کیا اور اس بستی کو اپنے نام سے موسوم فرمایا جو رفتہ رفتہ علی پور رہ گیا اور آگے چل کر عالم پور مشہور ہوا بعد بگڑ بگڑا کر الپور بن گیا - ۱۳۰۶ف میں مولوی نظام الدین حسن صاحب بی - اے - ایل ایل بی - جج ہائی کورٹ نے قدیم کاغذات میں اس کا نام عالم پور دیکھ کر بہ تحریک گورنمنٹ مہمل نام الپور کو خارج کرا کے پھر عالم پور نام رکھوایا - الغرض حضرت مع اپنے ہمراہیوں کے شہید ہوئے - آپ جب شہید ہوئے تو آپ کا تن بے سر برابر کفار سے لڑتا ہوا پاؤ کوس کے فاصلے پر برہمیشور سوامی کی بڑی دیول میں زمین پر آ رہا اور وہیں آپ دفن کئے گئے - تن مبارک جن جن دیولوں پر سے گزرا وہ سب نیست و نابود ہو گئے سوائے اس دیول کے جہاں آپ خود آسودہ ہیں - آپ کا عرس شریف ۱۲ ذیقعدہ کو ہوتا ہی اور صندل دونوں جگہ چڑھاتے ہیں جہاں آپ کا سر مبارک ہی وہاں اور جہاں آپ کا جسد پاک ہی وہاں بھی

سالانہ کشتی بھی لٹائی جاتی ہی۔
اہل ہنود اس بستی کے متعلق یہہ روایت کرتے ہیں کہ اسکاند پُران مصنفہ ویدؔ ویاس مہارشی میں لکھا ہی کہ چھ ہزار سال پیشتر یہہ مقام بالکل جنگل ویرانہ تھا۔ رساسُدرشی نے یہاں متعدد معابد طیار کرائے اور ہملاپور نام رکھا۔ ہملا کے معنی سونے کے ہیں یعنی سونے کا گاؤں۔ سو برس بعد ویسدہ راجہ نے رساسدرشی پر غلبہ پایا۔ رساسدو یول میں غائب ہوگیا۔ راجہ ویسدے نے اِس قصبہ کا نام الکاپور رکھا۔ الکا کے معنی زیبائش کے ہیں۔ رفتہ رفتہ کثرت استعمال سے کا کا لفظ ساقط ہوکر ا لپور رہ گیا۔ یہہ تعلقہ بہت مختصر صرف (۴۸) مواضع کا ہی۔ مشرق میں تعلقہ نندی کٹکور ضلع کرنول انگریزی۔ مغرب میں سمستان گدوالؔ۔ شمال میں سمستان ونپرتی وجٹبول اور جنوب میں پھر ضلع کرنول واقع ہیں اس تعلقہ میں دو بڑی ندیاں

ؔ۔ ہندوؤں کے معتقدات میں ہی کہ وید ویاس ابتداے آفرینش آدم میں پیدا ہوئے اور جو کچھ پیشین گوئی انھوں نے کی دنیا میں پوری ہونے لگی۔ ۱۲

ؔ۔ ضلع رایچور میں کئی مشہور سمستان ہیں جن کا ذکر ہم علی سبیل الاختصار کرتے ہیں۔

سمستان گدوال۔ گدوال کا اصلی نام کیشو سوامی کا دیول بستی میں ہونے سے کیشو نگر تھا لیکن آگے چل کر مستقر کے اعتبار سے گدوال نام پڑ گیا۔ اس سمستان کا رقبہ (۸۶۴) مربع میل ہی۔ یہہ ایک بہت قدیم سمستان ہی جس میں (۲۱۵) مواضع ہیں۔ قصبہ گدوال کی مردم شماری (۱۰۱۹۶) ہی۔ یہاں ایک قدیم قلعہ راجہ سوم نادر کا بنایا ہوا ہی جو سنہ ۱۶۱۷ء میں بننا شروع ہوا اور سنہ ۱۶۲۴ء میں اُس کی تعمیر ختم ہوئی اسی میں کیشو سوامی کا دیول ہی اور اسی کے پاس راما سوامی کا مندر بھی ہی۔ یہہ دونوں مندر بھی قدیم ہیں۔ ریاست سرکار عالی نظام میں یہہ اسٹیٹ درجہ اول کا ہی۔ ۱۸۷۴ء میں جو دربار بہ تقریب تشریف آوری پرنس آف ویلز (ایڈورڈ ہفتم) بمقام بمبئی ہوا تھا اُس میں نواب سالار جنگ مختار الملک بہادر اول راجہ رام بھوپال بہادر کو اپنے ساتھ لے گئے تھے اسی طرح ۱۳۱۱ھ میں بہ تقریب دربار مسند نشینی اعلیٰ حضرت غفران مکاں بعد لارڈ ہن راجہ صاحب کی کرسی اول تھی۔ زمانہ قدیم سے ملک دوآبہ راجہ صاحب کا تھا بلکہ قمر نگر عرف کرنول بھی آپ ہی کے مقبوضات میں شامل تھا۔ ۱۲۰۸ھ تک اس سمستان کا سکہ جداگانہ تھا جیسا کہ اب تک گدوالی سکہ کہیں کہیں نظر پڑ جاتا ہی۔ اورنگ زیب نے جب ملک دکن اور

تنگ بھدرا اور کشنا ہیں - تنگ بھدرا سمستان گدوال کی حد سے ہٹتا ہوا مواضع کوردی پاڑ
منی پاڑ - کل گوٹلہ - ملوہ سے گزرتا ہوا اس تعلقہ کی جنوبی سرحد سے خارج ہوکر پھر علاقہ انگریزی
کے مواضع بیچگال - تانڈرپاڑ - کرنول گوندی پرلا - پول توڑ - دوڑی پاڑ - دیومرڈگی پر سے
گزر کر موضع سنگوار تعلقہ ہذا کی سرحد میں کرشنا سے جاملا ہے - دریائے کرشنا موضع ساسنور علاقہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۸ - بالاگھاٹ پر فوج کشی کی تو راجہ گدوال نے نذرانہ پیش کرکے اطاعت قبول کی
لیکن کچھ حصہ ملک کاشی کرنول و امتیاز گڈہ ادھونی وامرچنتہ وغیرہ علیحدہ ہوگیا - عہد آصف جاہی سے راجہ صاحب
ایک لاکھ دس ہزار روپیہ تحریر دیوانی اور پانچ ہزار روپیہ تحریر پیشکاری اور ایک ہزار روپیہ رسوم دیسپانڈیہ گری جملہ
ایک لاکھ سولہا ہزار روپیہ سکہ گدوالی پیشکش گزرانتے رہے جس وقت ملک دوآبہ سرکار انگریزی سے مسترد ہوا
تب سے صہ۵ فیصدی بٹاون بڑہاکر سالانہ دو اقساط پر پیش کش خزانہ عامرہ سرکار عالی میں داخل ہوتا ہے - والی
سمستان کو اپنے حدود میں فوجداری دیوانی کے اختیارات حاصل ہیں - راجہ رام بھوپال نے ۱۳۱۸ھ میں لاولد
انتقال کیا - آپنے اپنی حیات میں اپنے بھتیجے راجہ حال سیتارام بھوپال بلونت بہادر کو متبنیٰ لیا - اُن کی صغر سنی کے
زمانے تک سمستان زیر نگرانی مسٹر ڈنلاپ ڈایرکٹر جنرل مال کورٹ آف وارڈز مین رہا - جو حسب فرمان خداوندی
۱۱ صفر ۱۳۲۳ھ میں واگزاشت ہوا - اس خاندان میں کئی پشت سے اولاد صلبی نہ ہونے سے تبنیت کا سلسلہ
جاری تھا اب سال گزشتہ راجہ صاحب کے ایک صاحب زادی پیدا ہوئی ہے جس کی ولادت کی تقریب میں
مولوی غوث محی الدین صاحب ناظم سمستان نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

ایں ہمہ جوش نشاط است کہ در وقت سعید	دُر نایاب عطا کرد ترا رب غفور
چہ مبارک قدم است ایں کہ پس از چندین پشت	دختر نیک ز صلب تو در آمد بظہور
چہ خوشا وقت نکو بود چہ فرخندہ شبے	کہ شد از جلوہ او جملہ محلّت پُر نور
اے کہ احسان تو معروف چو بذل حاتم	وے کہ آواز سخایت ز دکن تا میسور
کرم و لطف ز آئینۂ قلب بصفا	انچنانست نمایاں کہ مَے از جام بلور
بادبر راجہ ما باد مبارک یا رب	دختر ماہ وشے مہر منیرے چوں حور

سمستان گدوال میں بہ ماہ ماگھ سری کیشو سوامی کی جاترا بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے جس میں دو دو
کے ہزارہا آدمی جمع ہوتے ہیں -

سمستان گدوال سے بہتا ہوا التاقہ نہرائی سرحد مغربی موضع پلی پاڑ جاگیر میں داخل ہوکر مواضع چنڈور - مارامنگال - پرانگٹور - کوڑیلی کی حدود پر سے گزرتا ہوا جانب شمال سرحد موضع کوڑویلی میں دریائے تنگ بھدرا سے مل گیا ہے - جہاں یہہ دونوں دریا ملے ہیں اس مقام کو "سنگم تریان"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۹

سمستان امرچنتہ - یہہ بھی قدیم سمستان ہے - اس کا مستقر آتماکور میں ہے جو امرچنتہ سے چار میل ہے - یہہ مقام رائچور سے پندرہ کوس ہے - اس میں ساٹھ مواضع ہیں اور محاصل پونے دو لاکھ ہے - رقبہ (۱۹۰) میل مربع ہے - والی سمستان سوامی راجہ سری رام بھوپال راؤ بلونت بہادر ہیں۔

سمستان ہائے آناگندی ہُلی حیدر و جولگیرہ - سمستان آناگندی بڑی بھاری سلطنت بیجانگر کی بچی کھچی یادگار ہے - اس سمستان کی مختصر تاریخ یہہ ہے تیمراج پسر رام راج نے بیجاپور تباہ ہونے کے بعد علی عادل شاہ کے پاس پناہ لی تھی - اُس نے معروضہ کیا کہ ذنکٹادری رام راج کا جانشین بن گیا ہے اور وہ رفتہ رفتہ قوت حاصل کرتا جاتا ہے اور ریاست کے تمام امرا و روسا اُسی کے ساتھ ہیں اور میں تن تنہا رہ گیا ہوں لہذا میری التماس ہے کہ بادشاہ جہاں پناہ مجھے ملازم رکھ کر قلعۂ آناگندی عنایت فرمائیں - بادشاہ اُسے اپنا بیٹا کہہ چکا تھا اُسے موقع باریابی دے کر تسلی دی اور اُسی روز چتر و اثاثہ سلطنت جو لوازمۂ راجگان بیجانگر ہے دے کر حکومت آناگندی پر روانہ فرمایا - اناگندی بیجانگر سے بھی پہلے کا یہ شہر ہے - عادل شاہ نے بعد خرابی بیجانگر اس قصبہ کو دوبارہ آباد کیا - چند دنوں میں وہاں اچھی آبادی ہوگئی - بھٹکے بھٹکائے لوگ کنت سے آکر جمع ہوگئے - اسی سلسلہ و خاندان کے راجہ یہاں اب تک قائم ہیں - انگریزی علاقہ میں تین گاؤں ان کو جاگیر تھے وہ تو حال میں ضبط ہوگئے اب ۱۸۲۴ء سے پانسو روپیہ ماہانہ پنشن ملتی ہے اور سرکار عالی نظام سے البتہ (۲۱) مواضع تخمیناً چالیس ہزار روپیہ سالانہ محاصل کے اب تک جاگیر ہیں۔

نواب ممتاز الملک بہادر سرسالار جنگ اول مرحوم نے دس ہزار روپیہ سالانہ پیشکش لگا دی ہے - راجہ حال کا نام سری منت سری رنگا دیو راؤ لو تربتی بپاپتی راج ہے اور یہی بیجانگر کے راجہ کے خاندان کی عظمت و ثروت کی یادگار ہیں دونوں سرکاروں میں ان کا بہت اعزاز و اکرام ہوتا ہے۔

دو چھوٹے چھوٹے سمستان اور ہیں ایک ہُلی حیدر کا جو سمستان کنک گیری کے نام سے بھی مشہور ہے جس میں (۱۳) مواضع ہیں جس کا محاصل تخمیناً پندرہ ہزار ہے رانی کا نام گوراں ہے - جولگیرہ کے سمستان میں (۳۰) مواضع تخمینی

کہتے ہیں۔ یہ جاے نہایت متبرک ہی اور دور دراز سے لوگ آکر اشنان کرتے ہیں۔ آگے چل کر دونوں ندیاں مل کر جسے پدّا پرو کہتے ہیں خلیج بنگالہ میں جا کر مل گئی ہیں۔ دریاے کشنا کا رتبہ اہل ہنود کے نزدیک دریاے گوداوری کے بعد ہی۔ یہہ دریا مہابلیشور صوبہ بمبئی کے پہاڑوں سے نکل کر سرکار نظام کی حدود میں بمقام ایچم پیٹ داخل ہو کر لنگسگور۔ رائچور۔ محبوب نگر۔ نلگنڈہ۔ ورنگل اضلاع میں بہتا ہوا جانب جنوب و مشرق چلا گیا ہی قریبا سات سو میل بہاؤ کے بعد مچھلی بندر کے نیچے خلیج بنگالہ میں گرتا ہی۔ اس دریا کا اوسط پاٹ نصف میل ہی۔ کرشنا کی ایک بڑی شاخ تنگ بھدرا ہی۔ جو دو چھوٹی ندیوں تنگا اور بھدرا کے ملنے سے بنی ہی۔ تنگ بھدرا احاطہ میسور سے بہتا ہوا سب سے پہلے موضع مدلاپور علاقہ پائیگاہ ڈویژن لنگسگور میں داخل ہوتا ہی وہاں سے لنگسگور اور رائچور کی جنوبی حد سے گزرتا ہوا مشرق و شمال کی طرف بڑھتا ہوا ضلع رائچور کے مشرقی تعلقہ کے موضع کوڑ ویلی میں کشنا سے مل جاتا ہی۔ اِن دونوں ندیوں کے شکم میں اکثر ٹیلے اور چٹانیں ہیں اور جا بجا پایاب ہو جاتی ہیں۔ سنا جاتا ہی کہ تعلقہ عالم پور میں دو تین ہزار سال کے پیشتر بالکل بت پرستی تھی جن کی تصدیق اُن متعدد دیولوں سے ہوتی ہی جو اب قصبہ عالم پور میں موجود ہیں۔ جدھر دیکھو دور دور جنگلوں میں سیکڑوں بُت نظر آتے ہیں۔ کہا جاتا ہی کہ زمانۂ سلف میں راجہ رام چندر نے اس مقام کو اپنا بن باس اختیار کیا تھا۔ یہ مقام دو متبرک ندیوں کے درمیاں ہو۔ نے سے پوے چھتر یعنی ہندوؤں کا بڑا مقدس تیرتھ ہی۔ رشیوں نے یہاں نو دیول تعمیر کیے۔ کمار برہما۔ ویر برہما۔ اکشا برہما۔ پدم برہما۔ گرڑ برہما۔ بال برہما۔ مارکٹ برہما۔ اشو برہما۔ موگا برہما۔ یہ رشی یہاں رہ کر ہمیشہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ اِن میں سے رسا سُد بہت دولت مند تھا جس پر ولیسد راجہ نے چڑھائی کی اور خود قابض ہو گیا۔ ابتداءً یہہ تعلقہ سرکار نظام کے مقبوضات میں تھا۔ ۱۲۴۰ھ میں نواب شاہ یار الملک بہادر کو جاگیر ملا جو حیدرآباد کے ایک بڑے امیر تھے اب اُن کی اولاد نواب عبد العلی خاں مشیر الملک اور اُن کے برادر خورد نواب شمشیر الملک بہادر موجود ہیں۔ یہہ جاگیر ۱۲۶۵ھ میں ضبط

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۰۔ محاصل بیس بائیس ہزار کے ہیں۔ راجہ وِنکٹ بھوپال چھتی والی تھے جو لاولد فوت ہونے سے اُن کی دونوں بیویاں رانی نیلما کلاں اور رانی اوما بائی خورد موجود اور قابض سمستان ہیں ۱۲

ہوئی پھر سنہ ۱۲۶۵ھ میں نواب رونق علی خاں فرزند شاہ یار الملک کے نام بحال ہوئی - من بعد سنہ ۱۲۷۰ھ میں شریک خالصہ ہوگئی - اس کے بعد سنہ ۱۲۶۴ف سے سنہ ۱۲۷۰ف تک انگریزی عمل داری رہی اور سنہ ۱۲۷۰ف میں مستردھوکر اب بفضلہ گورنمنٹ نظام کا علاقہ ہے -

درگاہ جسد مبارک شاہ علی بادشاہ - یہہ درگاہ حضرت شاہ علی بادشاہ صاحب کی مشہور ہے جنھوں نے کفرستان عالم پور کو دارالاسلام بنایا - درگاہ مذکور دیول توڑکر محلہ قلعہ میں بنائی گئی ہے - عمارت مختصر سنگ بست ہے اور ایک حجرہ کے اندر حضرت کی قبر شریف ہے آپ کا عرس ۱۱ ذیقعدہ کو ہوتا ہے ہزارہا مخلوق جمع ہوتی ہے چار دن مجمع رہتا ہے اور ایک کشتی پلاؤ کی لٹائی جاتی ہے اگرچہ کوئی صحیح تاریخ آپ کے زمانے کی نہیں ملتی مگر عام طور پر آپ کا زمانہ ساڑھے سات سو سال کا کہا جاتا ہے اور نعش بے سر کی دفن ہے - درگاہ کے سامنے ایک نقار خانہ بھی ہے -

قدیم مسجد متصل درگاہ اندرون قلعہ درگاہ شریف سے ملی ہوئی یہہ مسجد ہے - یہہ مسجد حضرت شاہ علی صاحب ہی کے زمانے میں دیول توڑکر بنائی گئی ہے اور اسی میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے مسجد پختہ ہے اندازاً سو آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں - مسجد آباد اور معاش جاری ہے - مگر کوئی کتبہ نہیں جس سے سال تعمیر کا پتہ مل سکے -

قبر بی بی سلطان دختر قادر علیخاں سنہ ۱۲۲۱ھ احاطہ درگاہ شریف میں ایک قبر پر یہہ کتبہ ہے -

دختر قادر علی خاں آہ آہ ☆ بود خود پاکیزہ طینت پارسا

چوں قضائے او در آمد وا دریغ	سوئے جنت رفت زیں فانی سرا
گفت ہاتف سال تاریخش عظیم	عاقبت معمور سلطان النسا

جاں بحق شد چو بی بی سلطاں	بہر تاریخ او کشادم فال
آہ از روے زہد در ہم قرآں	داد خلی جنتی برآمد سال

سنہ ۱۲۲۱ھ

مدفن سر مبارک شاہ علی بادشاہ عالم پور کے محلہ باہر پیٹ میں آپ کا سر مبارک مدفون ہے - درگاہ کی عمارت پختہ سنگ بست ہے اس درگاہ کے دروازے پر تاریخ طیاری کی

۵۱ کتبہ از سر اشعار سہ خط عربی کندہ ہے ۵ شاہ علی بادشاہ در حشمت ☆ وقت مشکل کہ مشکل کشا

دروازہ حسب ذیل کندہ ہی جاروب کشی وغیرہ کے لئے سرکار سے معاش مقرر ہی اور عرس جسد مبارک اور سر مبارک دونوں کا ایک ہی تاریخ ہوتا ہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　اللہ۔ محمد۔ علی
لا الہ الا اللہ محمد　　　فاطمہ۔ حسن۔ حسین
الرسول اللہ　　　یا دشاہ علی حسن
در تردد ہمیں کہ بود شام و سحر　　　بہ سعی عبد النبی نمود ایں در
گفت تاریخ آں بحروف عربی　　　احد الف میئتن دستہ عشر

۱۲۲۶ھ

یا علی۔ فاطمہ۔ محمد

مسجد درگاہ ۱۲۳۰ھ باہر پیٹ میں درگاہ شریف سے ملی ہوئی ہی یہ مسجد اوسط درجہ کی ہی۔ جس میں قریب ڈیڑھ سو مصلیوں کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ عمارت پختہ و سنگین ہی اس کی پیشانی پر جو کتبہ ہی اُس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس مسجد کو ۱۲۳۰ھ میں عبد العلیم خان صاحب مندوزی نے بنوایا ہی ؎

در محلی جناب شاہ علی　　　قدس اللہ سرہ المسعود
خان عبد العلیم مندوزئی　　　بغلامی کہ بود سر بسجود
کرد مسجد بنا بدرگہ پاک　　　باب حسنات خویش را بکشود
ہاتف غیب گفت تاریخش　　　بے بہا خانۂ نجات نمود

۱۲۳۰ھ

جامع مسجد اندرون قلعہ ۱۲۲۹ھ اندرون قلعہ محلہ قلعہ میں یہ پختہ جامع مسجد بنی ہوئی ہی۔ اس پر یہ کتبہ ہی:۔

حسب حکم امیر عالیشان　　　زبدۂ دودمان آل عبا
مرجع خلق شاہ یار الملک　　　عمدۂ خاندان محمد علی
خان با عز و شان علی احمد　　　کرد مسجد بنا بصدق و صفا

خواست اعظم چو سال تاریخش "خانۂ عافیت" خرد گفتا
۱۲۲۹ھ

مادہ تاریخ باب مقدس اعظم
۱۲۲۹ھ

دیگر مادۂ تاریخ - محمد الحجۃ الصمد ذالک بیت الصمد
۱۲۲۹ھ

جامع مسجد باہر پیٹ باہر پیٹ سبزی منڈی میں قدیم زمانے کی پختہ بنی ہوئی ہے جس کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا - متوسط درجہ کی مسجد ہے جس میں دو سو نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں - مسجد آباد ہے -

لال بنگلہ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے لگا ہوا ہے - جب دریا پور چڑھا ہو تو بنگلے کی کھڑکیوں سے لگ جاتا ہے - بنگلہ کی چھت پر شب ماہ میں بیٹھیں تو عجب لطف نظر آتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک نگاہ جاتی ہے چاندی کا تختہ بچھا ہوا ہے - دن کے وقت دور دور کا نظارہ ہوتا ہے - غرض یہ کہ فی الحقیقت دل بہلانے کا عمدہ مقام ہے - عمارت ایسی پختہ ہے کہ گو کہ دریا کی موج اس کی دیواروں سے ٹکراتی ہے مگر ذرا جنبش نہیں کھائی تخمیناً سوا سو برس کے اول نواب شاہ یار الملک نے جب ان کی عالم پور جاگیر تھا یہ بنگلہ بنوایا ہے - پہلے اس میں تحصیلدار صاحبان رہا کرتے تھے جب سے آصف علی خاں تحصیلدار مرحوم کے زمانے میں کوئی دو سال ہوئے بجلی گری اور یہاں دو تحصیلدار مولوی رفیع الدین اور آصف علی خاں مرے (گو وہ اپنی موت سے ہی مرے نہ بجلی گرنے سے مرے نہ اس بنگلہ کا کوئی اثر تھا) بنگلہ بدنام ہو گیا اس میں اب ڈاکٹر صاحب مع اپنے بال بچوں کے رہتے ہیں - مسافر بنگلہ کے طور پر اس کو کام میں لانے کا بھی خیال ہے اور میری رائے میں اس سے بہتر تفرج گاہ ہو نہیں سکتی -

دیول بال برمھیشور یہ مشہور دیول موقوعۂ قصبۂ عالم پور دریائے تنگ بھدرا کے کنارے قلعہ کے اندر ہے - اس کی تعمیر کی کوئی تاریخ صحیح نہیں معلوم ہوتی مگر ہندوؤں کے پران کی رو سے پانچ ہزار برس کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے - دیول مذکور کی عمارت پختہ سنگ بست ہے اور پران مذکور سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ اتمہ کرنے والا اس دیول کا مسمی (رساسدم) نامی کوئی رشی ہے جس کی تفصیلی حقیقت یہ ہے کہ رشی مذکور کا باپ ملک دکن سے مقام کاسی یعنی بنارس

تمنائے اولاد میں گیا اور وہاں پر چند روز کے بعد فوت ہوگیا۔ عورت بیوہ وشیویشر دیوتا موقوعہ کاسی کی پرستش میں مشغول ہوئی جس کے صلہ میں اسکی عبادت مقبول ہو کر خود وشیویشر اس بیوہ سے ہم کلام ہوا اور یہ کہا کہ بوجہ فوت ہو جانے تیرے شوہر کے تجھے فرزند نہیں ہو سکتا لیکن اُس کے کہنے کے بعد آثار حمل کے نمایاں ہوئے اور مدت معہودہ کے بعد لڑکا تولد ہوا۔ جب چار پانچ سال کی عمر کا ہوا تو بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور طعن وتشنیع کرتے تھے کہ یہ "رنڈا پوتر" ہے یعنی باپ کے مرنے کے بعد بیوہ سے پیدا ہوا ہے۔ غرض کہ لڑکا بعد پہنچنے سن شعور کے ان باتوں کو سن کر بہت آزردہ ہوا اور اپنی ماں سے پوچھنے لگا یہ کیا معاملہ ہے جو لوگ مجھے چھیڑتے ہیں سچ بتا کہ میرا باپ کون تھا ماں نے کہا کہ تیرا باپ کون ہے اس کی حقیقت وشیویشر دیو سے دریافت کر۔ اس لڑکے نے جواب دیا کہ وشیویشر ایک پتھر کا دیو ہے وہ مجھے سوال کا جواب کیوں کر دے گا۔ پھر بھی اُس کی ماں نے بہ اصرار کہا کہ ضرور وہ جواب دے گا۔ بہر حال اُس نے وشیویشر دیو سے پوچھا دیو نے یہ جواب دیا کہ ماں تو تیری جو موجود ہے اور میں تیرا باپ ہوں اس لڑکے نے کہا کہ مجھے تمام لوگ رنڈا پوتر کہتے ہیں اس الزام سے میں کیوں کر بچوں۔ دیو نے کہا کہ ملک دکن میں ایک مقام ہلا پور (عالم پور کا قدیم نام ہے) جو دریائے تنگ بھدرا پر واقع ہے اور دیو وہاں موجود ہے وہاں جا کر دیو مذکور کا دیول تعمیر کر اُس نے جواب دیا کہ میرے پاس اس قدر روپیہ کہاں جو میں دیول بنا سکوں۔ وشیویشر نے ہدایت کی کہ تو وہاں جا کر پانچ دیول کی پرستش کر اور وہ پانچوں دیو تجھے پانچ رس عطا کریں گے ان دیول کے نام یہ ہیں۔ [1]بال برھمیشور۔ [2]پاروتی۔ [3]رس گپنتی۔ [4]کال بھیروں۔ [5]جوگل انبہ چنانچہ ان پانچ دیو کی پرستش کے بعد اس کو رس عطا ہوا اور یہ ہدایت ہوئی کہ اس رس کو ایک شیشہ میں رکھ لے اور مزدوروں کو تعمیر دیول کے واسطے مامور کر شام کے وقت اُس رس کو تنگ بھدرا کی ریتی پر رکھ کر یہ استدعا کرنا کہ جس نے جس قدر محنت کی ہے اُس کی مزدوری اُسی قدر مل جائے تیرے اس عمل سے تیرا نام رساسد کہلاوے گا اور رانڈ پوتر کا الزام رفع ہو جائے گا۔ اس طرح دیول مذکور کی بنا ہوئی اور اسی طرح متعدد مقامات پر (۶۰) دیول نامبردہ نے مقام بیج نگال

علاقۂ انگریزی سے موضع کوڑویلی تعلقۂ ہذا تک تعمیر کرائے - اِن مقامات کی ابتدا و انتہا میں درمیانی فاصلہ (۸) کروہ کا ہی - مگر اِن دیولوں میں سے امتدادِ زمانہ کی وجہ سے اکثر دیولوں کا پتہ و نشان نہیں باقی رہا - بال برمھیشور کے اندر (۹) دیو ہیں اور ہر ایک کا دیول علیحدہ علیحدہ ہی جن کی عمارت بالکل سنگ بست ہی اور تمام تر عمارت حسب نمونہ دیول ہائے کاسی و بنارس طیار کی گئی ہی اور اب تک موجود ہیں اس دیول کی دیواروں پر بے شمار تصاویر نہایت عمدہ صنعت سے منقوش ہیں جن سے بانیان کی اعلیٰ درجہ کی کاریگری معلوم دیتی ہی -

دیول پاپ ناشی ایک دیول موسومہ پاپ ناشی قصبۂ عالم پور سے ایک میل کے فاصلہ پر سرزمین موضع سنگوار تعلقۂ ہذا میں دریائے تنگ بھدرا کے کنارے واقع ہی - جو اسی شخص یعنی (رس سدہ) کا تعمیر کرایا ہوا ہی - یہ مقام اہل ہنود کے نزدیک بہت متبرک ہی جس کی وجہ یہ ہی کہ اس دیول کے پاس تنگ بھدرا ندی شمال رویہ بہتی ہی - اور از روے پُران یہ بھی بیان کیا جاتا ہی کہ ایک برہمن مدراس علاقہ سے اپنے باپ کی ہڈیاں دریائے بھاگیرتی مقام کاسی ڈالنے کے لئے جاتا تھا جب اس مقام پر پونچا تو حسب معمول اُن ہڈیوں پر پانی چھڑکا ان میں خوشبو پیدا ہوئی متعجب ہوا کہ یہ پھولوں کی خوشبو کیسی دیکھا تو بجاے اِن ہڈیوں کے ان میں پھول موجود تھے اُس وقت سے جب کہ یہ کرامت واقع ہوئی پاپ ناشی نام سے یہ مقام مشہور ہوا ہی بال برمھیشور کی جاترا ماہ سراون میں ہر سال ہوتی ہی اس قدر داخلہ تعمیر دیول ہاے مذکور الصدر کا ملتا ہی سواے اس کے کوئی داخلہ نہیں ہی - البتہ دیول مذکور میں جا بجا پتھروں پر پرانی سنسکرت کے کتبات ہیں جو بدون خاص اہتمام کے پڑھے نہیں جا سکتے - اِن دیولوں کو سرکار عالی سے معاش خدمت مقرر ہی اور بوجوہات متذکرہ بالا عالم پور کا مقام اقوام ہنود کے نزدیک دکن کا کاسی کہلاتا ہی -

دیول کوڑویلی دیول موقوعہ موضع کوڑویلی تعلقۂ ہذا موسومہ سنگم ایشور - یہ دیول دریاے تنگ بھدرا و کرشنا کے سنگم پر پختہ اور سنگ بست عمارت ہی یہاں ہر سال سیوراتری کے دن جاترا ہوا کرتی ہی اور ہزارہا اہل ہنود مقامات دور دراز سے آتے ہیں یہ دیول بھی اُسی (رسا سُدہ) کا بنایا ہوا ہی جس نے برمھیشور اور پاپ ناشی کا دیول قصبۂ عالم پور و سنگوار میں تعمیر کرایا تھا اور یہ سب دیول ایک ہی زمانے کے بنے ہوئے ہیں - اس کے علاوہ عالم پور کے چپے چپے پر دیول بنے

ہوئے ہیں مگر ہم نے مختصراً بڑے بڑے مشہور دیولوں کا حال لکھنے پر اکتفا کیا۔ اِن دیولوں کے پوجاریوں کو اپنی معاش کے علاوہ جاتریوں سے بڑی آمدنی ہوتی ہے مگر سب خود غرض ہیں کسی ایک کے پاس تاریخی حالات نہیں نہ اُن کو دلچسپی ہے نہ اُنھوں نے کسی کتبہ کو نقل کیا۔ ممکن تھا کہ میں اِن کے چربے اُترواتا اور ان کو مسٹر شاستری اسسٹنٹ سوپرنٹنڈنٹ صیغۂ آرکیالاجی مدراس گورنمنٹ کے پاس بھیج کر ترجمہ کراتا جس طرح کہ کنک گیری کے دیول کے سیاسن اور بیون ہلّی کے تانبے کے پتّروں کو میں نے پڑھوایا لیکن ایک طول عمل تھا جس کے لئے بہت وقت درکار تھا اور ممکن تھا کہ مسٹر شاستری جنھوں نے اپنی مہربانی سے اتنی محنت گوارا کی کہ وہ پہلوتہی کرتے کہ اُن کو اپنے کام سے اتنی فرصت کہاں جو ہمارا کام کریں۔ اب کہ سرکار ہذا میں ایک نیا صیغہ آرکیالوجی کا قایم ہوا ہے رفتہ رفتہ وہ اس کام کو کریں گے اور ضلع رایچور میں عالم پور اور گبوتر دونوں مقام ایسے ہیں جہاں کہ بیسیوں سیاسن موجود ہیں اور جن کے پڑھنے کو ایک مدت چاہیے۔ عالم پور میں کوئی قلعہ اب باقی نہیں رہا مگر ہاں گری پڑی دیواروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں قلعہ ہا ضرور ہوگا۔ اب یہاں مستقر تحصیل اور پولیس کا اسٹیشن ہاوس اور سرکاری دواخانہ اور مردانہ زنانہ مدرسہ ہے۔

فرامین واسناد شاھی

نقل

فرمان بہ مہر سلطان علی عادل شاہ کلاں بادشاہ بیجاپور

آں کہ

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب خان اعظم حیدر خاں نائب غیبت و ملک فتح تھانہ دار
وکارکنان حال واستقبال معاملۂ بیجاپور آں کہ درینولا شیخ حسن بن شیخ مخدوم بن شیخ میاں قریشی سلیے ارگماشتہ
سیادت ونقابت پناہ نجابت وہدایت انتباہ شاہ محمد حسینی ابن سید السادات سید زین العابدین
حسینی البخاری سون ہلی سمت مولوار معاملۂ مذکور وتمرس کلکرنی بدرگاہ عالم پناہ التماس کرد کہ بوقت
آمدنی سلطان محمد تغلق وخواجہ سیاہ زمین ویران افتادہ بود جہتہ آبادی موضع مذکور موازی چہار دہ
چاور زمین سلطانی شمار کردہ بہ موجب پترہ وخورد خط خواجہ سیاہ حق وانعام ودیگر ابواب تعلقۂ
موضع مزبور بہ تفصیل ذیل بنام آبا واجداد شاہ محمد حسینی دہندہ میراث کرسی درکرسی مرحمت
فرمودہ اند اول برگ وتشریف دسمہ ابواب پان وناگر نشان انعام زمین نیم چاور دوازدہ ٹانک
میٹی وکھونکنی درچاور پنج کیل درکشت یک پشتہ باخوشہ موازنہ دو کیل بہا قبا درچاور پرتاب
چوں ودیگر ابواب تعلقہ وبہ نسبت چنانچہ پروگا ذرو دو ہون سالیانہ عوض رابطہ پایہ وار دوسوہ
پھٹکی تھل بھرتی وحاصل روانی راہداری شارع عام بنکاپور از سنک مونکری موضع جمن ہال سمت
حویلی معاملۂ مذکور واز آب سیل موضع ہورکنہلی وبچادہ کلال وکنتی سنک تاحد کنارہ دون سمت
مذکور کہ درمابین ہر دو موضع واقع است وتلدام وہندرکہ وگرام دیوتی وہمنت دیو وکارتک
وسیری وجری وہولی وکوری وکوکل وکارونی وشتعل ایراماس وجوڑہ پاپوش ودکان بقال
وتیلی وتمبولی وجاپ وجولائی بہ دھنگراں وبعدہ بزرگان ہند ہامقرر ہست بشرط آں کہ
چہار چاور زمین سرکار گشت نمودہ چہارم حصۂ انعام درسرکار دادہ حق وانعام ودیگر ابواب

دیہہ نسبت و دوازدہ بلوتہ گیر و چوں بزرگان فدوی در جمیع رکاب حضور پُرنور بودہ اند بجہت لاؤنی و وصول مبلغ کہند نی سدبایں ملپاین را بپا قوم پنجم را بازوے چپا ساختہ پٹیل لغلی مقرر کردیدیں تفصیل حق و انعام وغیرہ ابواب مذکوریا او لادو احفاد او میراث کردہ دہانیدہ اند چنانچہ بعد بندہ برگ و تشریف و ہمہ ابواب پان و انعام زمین نیم چاور نہ ٹانک میٹی و کھونگنی در چاور سہ کیل ورکشت یک پشتہ یا خوشہ دو کیل بہا و قبا در چاور سہ چول و خارج ایں در جمیع ابواب و دیہہ نسبت نصف حصہ برابر سد پا پنجم پٹیل لغلی را مقرر کردہ دادہ اند بشرط آں کہ چہار چاور زمین سرکار کشت کردہ چہارم حصۂ انعام در سرکار دادہ دوازدہ آنہ بلوتہ گیر د بعد او تمرس کلکرنی برگ و تشریف و ہمہ ابواب پان و انعام نیم چاور نہ ٹانک میٹی و کھونگنی در چاور ہشت کیل بہا و قبا در چاور سہ چول در کشت یک پشتہ یا خوشہ دو کیل بشرط یک چاور زمین سرکار کشت کار ساختہ چہارم حصۂ انعام در سرکار دادہ در دیگر ابواب مسطور بہ موجب حصۂ پٹیل کلاں باشد و بعد او سونا قوم تیلی بیچہوری رعیت موروثی موضع مذکور برگ و تشریف و ہمہ ابواب پان انعام زمین ربع چاور بشرط آں کہ چہار چاور زمین سرکار زراعت نمودہ رعیان دیہہ مذکور را آباد دادہ پٹی و بیگار او را معاف و حق دوازدہ بلودہ تہ کن در آں پولہ و پشتہ با خوشہ و پندول سرٹک و سال سور و مولہ تلراس موافق محصول رعیت گرفتہ در سال دوازدہ ہون برابر در سرکار دہد بنا بر التماس آنہا بخاطر مبارک اعلیٰ آوردہ بہ موجب پتر و خورد خط فرمان عاطفت فرمان عاطفت بنام پٹیلان و سری کاران موضع مذکور مرحمت شدہ بنوعے کہ میراث مذکور تا غایت سنہ اثنا و ثمانین تسعمائۃ رواں شدہ آمدہ است بہماں دستور در سنہ ثلاث ثمانین تسعمائۃ رواں دارند ہر کہ از مسلماناں مانع آید بہ غضب خدا گرفتار باشند و از شفاعت حضرت رسالت پناہ بے نصیب باشد و ہر کہ از ہندوواں خلل نماید در دہرم و کاسی خود گاؤ کشتہ خوردہ باشد تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان باز دہند و بر حکم فرمان اشرف روند تحریر فی التاریخ نہم ماہ ذیقعدہ سنہ ۹۸۸ھ

نوٹ۔ یہ فرمان علی عادل شاہ اول بن ابراہیم عادل شاہ بن عادل شاہ کے زمانے کا ہے جیسا کہ مہر سے ظاہر ہے لیکن تاریخ فرمان کے لحاظ سے اجرائی اس کی ابراہیم عادل شاہ ثانی کے وقت میں ہوئی کیوں کہ ۲۴ صفر سنہ ۹۸۸ھ کو علی عادل شاہ اول کا انتقال ہو چکا تھا اور یہ فرمان ۹ ذیقعدہ سنہ ۹۸۸ھ کا ہے۔ ۱۲

[illegible] حضور [illegible] اقدس [illegible] ۱۶/۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک للہ

نقل

فرمان[۵۱] ہمایون شرف صدور یافت بہ جانب عزت و رفعت دستگاہ عمدۃ الاعیان زبدۃ الاقران
خان عالی شان سعادت نشان رفیع القدر والمکان نعمت خاں حوالدار و کارکنان حال و
استقبال دارالسلطنتہ معاملۂ پرنور محمد پور آنکہ از شہور سنہ ستہ خمسین و الف از راہ مراحم بادشاہانہ
و فرط عواطف خسروانہ یک چاور زمین سلطانی در سواد موضع منکلی معاملۂ مذکور بابت ردرنارایں
در وجہ انعام جہت روشنائی و صف بوریائی و آب سبیل و وظیفہ پیش نماز و فراش مسجد کہ در خانہ
شریعت پناہ فضیلت دستگاہ حقایق انبیا قاضی القضات قاضی شریف سید ضیف اللہ
مجلس حاکم الشرع معاملۂ مذکور واقع است عاطفت فرمودہ دہانیدہ شدہ است می باید کہ
یکچاور زمین سلطانی مذکور داخل محصول و نقدیات و جمیع لوازمات و بیٹ و بیگار و فرمایش
و ذرنیلنگی و پاپوش میرمالی و پولیس پٹیل و جنگی و سی سکہ ہمیوں و کار عمارت و بعضی بثت مبارک
متبرکہ معدن الامن منبع السرور و تحصیلی و غلہ نوکہنہ و فرمایش کرٹبی و علف و چرم و اہماک
و پاچک و انگشت و وجہ یکماہہ دو لیوہ و زکوات تہلمور و نقل بہرت و نیکالو و بہار و دستک
و سنکوتی و الپامارک دہی علق و کیلجرج و کوتہا چہورد الی و اوسکی و کھونکنی و کیلانہ و شب خانہ
و بیرانہ و فقرانہ و پاملانہ و مسکورتی و بال و رکی و ہندر و رکی و روغن و تیل و بہت حوالدار
مجموعدار و سرسمت و لوازمہ سرلیبائی و دلیں کلکرنی و نارکوندہ و صدر بہت و عیدین و
موتہی مردمان از ہر دو حصہ بوقت کیل و برج حصہ بعد از کیل و تو فرو کسر و ادت مابازی و
چالنکاری و پادری کاری و لوازمہ پٹیل و کلکرنی و دوازدہ بلوتیان و بیس بندی و بال بہارہ
و صادر و وارد موتہی ہتمت و غیر محصول و بیداکری و صادمک و شرنی و کھبتہ بیگاری و بعض
کلباب و کل وجوہات و سایر قانونات اسمی و رسمی نقدی و جنسی آنچہ در دفاتر اعلی ثبت
است و بیشتر احداث خواہد شد تمام دنبالہ قاضی شریف مشار الیہ نمایند و چاور مذکور خارج
کھاتہ و مقاصائے قصبہ و دیہہ شناسند بعد ایشان و باولاد و احفاد ایشان جاری سازند

[۵۱] - یہ فرمان سلطان محمد عادل شاہ کے زمانہ کا ہے جس نے سنہ ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی ۱۲-

عذر فرمان نکردہ سال بسال بہ ہمیں فرمان رواں دارند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرماں بازدہند تحریر فی التاریخ چہاردہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۰۶۶ھ

برہنگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمایوں اعلیٰ

الملک للہ

مہر

یا علی مدد مہر
شاہی زد مرتضیٰ بر مہر و ماہ
خسرو عادل علی بن عادل محمد
بادشاہ

نقل

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب عاملان و استقبال دناڑگوڑان و دیسایان پرگنہ ریور کندہ آں کہ از شہور سنہ ثمان خمسین والف - ورمیولا فضیلت مآب عبدالنبی بن شیخ مخدوم قاضی پرگنہ مذکور بدرگاہ معلی التماس نمود - از اسناد سابق عہدہ قضاءت و خطابت پرگنہ مذکور انعام اراضی شش کڑو زمین و یومیہ چہار آنہ و معمول عیدین وغیرہ وسال آیا و بھگوٹہ جاری دارند و نظر عنایت فرمودہ قضاءت بنام فرزند غلام حسین مرحمت فرمایند بنابراں التماس او بخاطر مبارک اعلیٰ آوردہ غلام حسین بن عبدالنبی را عہدہ قضاءۃ و خطابت پرگنہ مذکور انعام شش کڑو زمین وغیرہ حقوق بہ مطابق فرد سابق بہ موجب تفصیل ذیل مرحمت فرمودہ دہانیدہ شدہ است و در سواد پرگنہ مذکور زمین چہار کڑو و دیگر بہ موضع سوملاپور و ایک کڑو بہ موضع ملکاپور و ایک کڑو بہ معمول عیدین دہ روپیہ یومیہ چہار آنہ و تیل چراغ مسجد روزینہ پاو بیکے و ہلکے وغیرہ می باید کہ مشار الیہ را قاضی و خطیب آنجا مستقل دانستہ آنچہ و قصہ و معاملہ شرعیہ بودہ باشد بادرجوع کردہ انعام زمین مذکور و یومیہ معمول عیدین و بھکی و ہلکے و تیل و کل باب کل وجوہات و نبالہ نمایند و بعضی صلاہ اورا سے نمودہ باشند و میراث قضاءت بحسب قاعدہ از ورواں دارند بہ ہیچ وجہ مزاحم معارض نشوند و میراث بعد مشار الیہ باولاد دبا حفاد او جاری دارند عذر فرمان مجدد ہر سالہ نکردہ سال بسال ہمیں فرمان عنایت رواں سازند تعلیق نوشتہ فرمان باز دہند - تا دانند

در حکم فرماں اشرف رونق تحریر فی التاریخ غرہ ذی حجہ ۱۰۶۹ھ

پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمایوں اعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
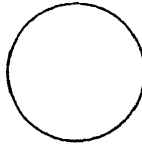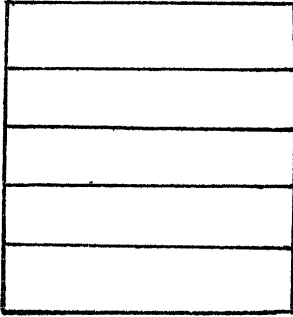
پہلا فرمان عالمگیری
سنہ ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء

الحمد والشکر اگر مسلمان

می شد برادر دین ما شد ے محفوظ می ماند

و از بلاے بے وطنی دشمنہا ے بیعدد

محفوظ می ماند اما حیف کہ مسلمان نشد

زبدۃ الاماثل والاقران لایق العنایت والاحسان

پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر و مباہی بودہ بدانند کہ دریں ولا از پیشگاہ خلافت و

جہانبانی از راہ فضل وکرم تقصیرات آں زبدۃ الاماثل والاقران عفو شدہ سر و سیمکی نصرت آباد

ف - یہ فرمان ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء سال اول جلوس اورنگ زیب کا پیڈ نایک راجہ شوراپور ضلع گلبرگہ کے نام کا ہی اس پر ایک چھوٹی مہر ہی جو بالکل مٹی ہوئی ہو اور دوسری مربع ہی جس میں طغراے عربی ہی - لیکن دوسرے دو فرمان چھتیسویں سال جلوس کے چکنا نایک دوسرے راجہ شوراپور کے نام ہیں جن کی عبارت ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں ان پر کی تینوں مہریں ہم نے خوردبین کی مدد سے بدقت تمام پڑھ لی ہیں -

بخط نستعلیق　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

غازی
عالمگیر بادشاہ
محمد
اعظم شاہ بن

بفرمان ابو المظفر	
محی الدین	اورنگ زیب عالمگیر
بادشاہ غازی	

نشان عالی متعالی
پادشاہ
جہان شاہ
محمد اعظم شاہ

وغیرہ بدستور شد آمد سابق مطابق فرمان والا حضرت بآں زبدۃ الاقران بحال حکم شدہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲ - یہ فرمان گڈو پڈ نایک کے نام کا ہے گڈی کے معنی ڈاڑھی کے ہیں یعنی ڈاڑھی والا نایک - یہ اپنے باپ گڈو یام نایک کی جگہ ۱۶۵۶ء میں مقرر ہوا اور لگیرہ میں حکمراں تھا - آبادی جائداد کی تقسیم اس میں اور اس کے بھائی گڈی لنگ نایک میں ہوگئی - گڈو پڈ نایک بڑا جری آدمی تھا اس نے قلعہ واکن گیرہ کو لبونت راؤ سے اور دیوا پور ناگناتھ راؤ سے چھین لیا - لبونت راؤ کے پاس دو سوار ناگناتھ راؤ کے پاس تین سو گھوڑے تھے ان کے قبضہ میں قلعہ جات واکن گیرہ - شاہ پور اور سگر تھے - ان کے پاس بارہ سو کی فوج تھی لیکن پڈ نایک نے صرف نو سو کی فوج سے سخت معرکہ کے بعد ان دونوں کو ہلاک کیا اور سارے قلعے چھین لئے اور جب یہ خبر اورنگ زیب کو ملی تو بادشاہ نے راجہ رام بخش کو بہ سرکردگی چار ہزار افواج اس کے مقابلے کو بھیجا - شاہی لشکر موضع اگنی میں اُترا اور تین مہینے کی جنگ کے بعد راجہ رام بخش ناکام واپس گیا - جب بادشاہ بیجاپور نے مغلوں کی شکست کا حال سنا اور معلوم کیا کہ گڈو پڈ نایک اُن کے ہاتھ بھی نہ لگا تو بیجاپور کے بادشاہ نے گڈو نایک سے بہ ظاہر صلح کرلی اور در پردہ اُس کے قتل کی تدابیر کرنے لگا - اس لئے بادشاہ نے ایک عام اعلان دیا کہ جو کوئی ایک مست ہاتھی کو پکڑ کر باندھ دے گا اُسے جاگیر نو لاکھ سالانہ کی مرحمت ہوگی - یہ خبر اُڑتی اُڑتی لگیرہ کو پونچی اور گڈو پڈ نایک تو وہ پندرہ سو ہمراہیوں کے ساتھ بیجاپور جا پونچا دیکھا تو وہاں اڑتالیس رجواڑے اور بہادر لوگ پہلے سے موجود تھے بادشاہ نے بیڑا رکھ دیا لیکن کسی نے اُس کے اُٹھانے کی جرأت نہ کی - پڈ نایک آگے بڑھا اور بیڑا اُٹھالیا - بادشاہ بھی دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھی تو یہ مرے گا - ایک دن مقرر کیا گیا - سارے شہر میں منادی کردی گئی کہ فلاں وقت ہاتھی چھوڑا جائے گا سب لوگ اپنے اپنے گھر بند کرلیں اور مکان کی چھتوں پر سے تماشہ دیکھیں - پڈ نایک طیار ہو کر وقت مقررہ پر آن پونچا - سر پر ایک چرمی ٹوپی تھی اور ٹانگوں میں جانگیہ (چڈھی) بغل سے کمر تک پٹکہ لپیٹ لیا تھا اور بائیں ہاتھ پر کمل لپٹا ہوا تھا - اُسی میں ایک خنجر اور دوسرے ہاتھ میں سونٹا تھا - اس طرح دنگل میں اُترا مست ہاتھی جو بندھا ہوا تھا چھوڑ دیا گیا - ہاتھی نے چھوٹتے ہی مکانوں دکانوں کو ڈہانا اور درختوں کو توڑنا شروع کیا - پڈ نایک ہاتھی کے سامنے آیا اور ہاتھی اُس پر جھپٹا لیکن پڈ نایک صاعقۂ برق کی طرح چشم زدن میں ہاتھی کی پیٹھ پر تھا اور چڑھتے ہی زبردست سونٹے

بابد کہ امیدوار عنایات پادشاہانہ بودہ پام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر بر کاب نصرت انتساب بفرستد کہ بنوازشات پادشاہانہ و عطائے منصب سربلندی یابد چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والا قلمی گشت۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۳۔ مستک پر پیاپے ایسا مارنے لگا کہ ہاتھی لیدکھلا گیا۔ پڈ نایک اُسی طرح ہاتھی کو کان پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گیا اور دُم کی طرف سے دوبارہ اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ پڈ نایک نے بادشاہ کو سلام کیا اور عرض کی کہ کیا مجھے آنکس دیا جائے گا یا میں اسی سونٹے سے اس کو لے جا کر تھان پر باندھ دوں۔ بادشاہ نے آنکس دلوا دیا اور پڈ نایک ہاتھی کو لے جا کر تھان پر باندھ کر دوبارہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور سلام کیا جس پر بادشاہ نے بر سر دربار ایک سند اور ایک گرز ونی ڈھائی من کا مرحمت فرمایا جس پر مناسب عبارت کندہ تھی اور ساتھ ہی اُس کے یہ خطاب بھی سرفراز ہوا "گجگنڈا بھیرنڈا گڈو پڈ نایک بلونت بحری بہادر" اور دس تعلقہ حسب ذیل جاگیر دی۔ اندولہ۔ نیلرگی۔ سروال۔ رستاپور۔ ڈڑ گیرہ۔ ملی۔ کھمباویں۔ ہنگی۔ کرکل۔ مدرکی۔ نایک نے واکن گیرہ میں ایک دربار ہال ۱۰۸۲ھ ۱۶۷۲ء میں بنایا اور سترہ برس حکومت کرکے مرگیا۔

زمان میں پام نایک کا بھی ذکر آیا ہے۔ گڈو پڈ نایک لاولد فوت ہوا اُس نے اپنے بھتیجے پام نایک کو متبنیٰ لیا جو لنگ نایک راجۂ کرکنٹہ کا بیٹا تھا۔ پام نایک سنہ ۱۶۲۸ء میں حکمراں ہوا اور واکنگیرہ میں رہنے لگا۔ اس کے پاس بلدہ سو سوار اور بارہ ہزار بیدروں کا لشکر تھا۔ اس کی حکومت واکنگیرہ۔ سگر۔ شاہ پور۔ اناپور۔ ملی بھیڑ پر تھی۔ اس نے دو تالاب جالی بنچی میں بنوائے نیز نوبھال کا بڑا تالاب جو عادل شاہیوں کا بنایا ہوا تھا مگر مرمت طلب ہو گیا تھا اُس کی ترمیم اور توسیع کی۔ ان کے علاوہ بادامی تالاب بھی بنوایا۔ چکن ملی میں ایک برج بنایا اور واکن گرے میں ایک اور قلعہ بنا کر چار توپیں چڑھادیں اور دو تالاب اور تین باؤلیاں بھی کھدوائیں۔ یہ شخص بادشاہ بیجاپور کا باج گزار تھا۔ اور وقتاً فوقتاً اپنی فوج بادشاہ کی خدمت میں لے جایا کرتا تھا۔ اس نے عادل شاہیوں کی طرف ہو کر کئی لڑائیاں لڑیں اور سب میں سرپر ہوا۔ بتیس سال کی حکمرانی کے بعد اس نے ۱۱۰۸ھ ۱۶۹۴ء میں انتقال کیا۔ ۱۲۔

فرمان ہمیوں شرف صدور یافت بجانب تربیت شجاعت دستگاہ مرحیداں کار آگاہ عمدہ وزرائے عظام زبدہ امرائے کرام نہنگ دریائے مردی و مردانگی گوہر کان فیروزمندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت مبارز میدان شہامت شایستہ فراواں عاطفت و تحسین سزاوار ہزاراں رحمت و آفرین خان عالیشان اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار دوران کر عرض کند سپہر اعلیٰ فضل فضلا و فضل افضل از ہر ملکی بجائے تسبیح آواز آید کہ افضل افضل خلاصۂ نیکخواہان ملک گیر و کشورستان افضل خان محمد شاہی سر حوالدار و سیادت و نقابت دستگاہ شجاعت و شہامت

سلہ - مہر تحریر وقت سے پڑھی گئی اس میں یا علی مدد کے بعد یہ شعر کندہ ہے ؎

مہر شاہی زد بہر مرتضی بر مہر و ماہ　　　خسرو عادل علی بعد از محمد بادشاہ

یہ فرمان علی عادل شاہ ثانی کے زمانے کا ہے (۱۰۶۶ھ تا ۱۰۸۳ھ) جو قاضی صاحب مدگل کے نام ہے - صاحب سند قاضی محمد ابوالحسن تھے جن کے بعد کا سلسلہ یہ ہے - قاضی محمد امین الدین، قاضی محمد ابوالحسن و قاضی محمد امام الدین و قاضی محمد اسمٰعیل اور

سید داؤد حوالدار و کارکنان حال و استقبال معاملہ مدگل آنکہ از شہور سنۃ ثمان خمسین والف
در ینولا شریعت پناہ قاضی ابوالحسن بن قاضی خلیل حاکم الشرع معاملہ مذکور بدرگاہ معلی التماس نمود
کہ در وجہ قضائے خود بروجوہ زکوٰۃ معاملہ مذکور بر محل چھپۂ[51] سا دیسی و پردیسی ماہنہ مال و تنسک و پسکے
بموجب فرمان بایحتاج و بھگوٹہ[52] سالاباد[53] سہ صد ہون روانست اما چیزے میر سد مطلق غیر دست
دارد از نیم بغایت سرگردان و پریشاں حالم نظر عنایت فرمودہ سہ صد ہن تنخواہ قضا کہ روانست
از ینجملہ دوست[54] ہون مقرر داشتہ باقی یکصد ہن را بروجوہ زرالواب دیوانے دہی سکہ ہمیون دکار
عمارت و بعض بیت مبارکہ متبرکہ معدن الامن ینبع السرور ہفتاد و پنج ہن و غیر محصول و سدا کری
وساونک و شرنے و باقیات بابہابست و پنج ہن مرحمت نمودہ فرمان اشرف عاطفت شود
بنابراں بخاطر مبارک اعلیٰ آوردہ تنخواہ قاضی مشارالیہ بدل قضا بروجوہ زکوٰۃ سہ صد ہن کہ روا است
ازیں جملہ دوست ہن وجوہ بابہاے زکوٰۃ مذکور مقرر نمودہ باقی یکصد ہن خود گذاشت کردہ سیاولہ
آں بروجوہ زرالواب دیوانی وہر دو ہٹی ہفتاد و پنج ہن و غیر محصول و سدا کرے وساونک و
شرنے و باقیات بابہابست و پنج ہن جملہ یکصد ہن دہانیدہ شدہ است می باید کہ حسب المسطور
مقرر دانستہ مبلغ مذکور بلاقصور تمام و کمال ہودّی سازند ہیچ باقی و غیر ادا ماندن ندہند و عذر
فرمان ہر سالہ نکنند و دیر قاضی مشارالیہ محتاد عیدین و بہاے قبا بست و چار ہن برادانی ہٹی
روانست اما تمامی ادا نمی کنند چہ معنی دارد باید کہ بست و چہار ہن برادانی ہٹی تمام و کمال ہودّی
سازند و برسانند و پنج چاور[55] زمین و کدہ[56] شالی چہار کرو از اں سہ چاور در سواد سہ موضع سمت کرگی[57] آنرا
در موضع بودیہال[58] یکچا ورد در موضع کسر بادی یکچا ورد در موضع ترمری یک چاور و در قصبہ کروکل معاملہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۵ - قاضی محمد امین الدین جنھوں نے مجھے سند دکھلائی - آخر کی تین مہریں پوری طرح
پڑھی نہیں جاتیں ۱۲-

[51] چھپہ - سا دیسی - پردیسی - ماہنہ مال - تنسک - پسکی (پھسکی - غلہ کی دکانوں پر سے مٹھی مٹھی اناج لے لینا) بیدا گری
ساونک - شرنی وغیرہ یہ سب مختلف اقسام کے معمولات تھے اب سوائے پھسکی کے کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا -
[52] - بھگوٹہ یا دھواٹ بمعنی عمل در آمد [53] سالاباد = سالیانہ [54] بضم اول و کسر واؤ و یاے معروف بمعنی دو صد
از غیاث [55] - چار بیگہ کا ایک چاور ہوتا ہے [56] کدہ - دھنمڑ ای = زراعت شالیزار [57] بودیہال - کسر بادی -
ترمری یہ تینوں موضع تعلقہ ہنگند ضلع بیجاپور میں ہیں اور موضع کرگل (کرہ کل) لنگسگور سے دو میل ہے ۱۲-

مذکور دو چاور زمین وکدہ شالی چہار کرو مع کلباب بانعام بالابالادی واحفادی بزرگان قاضی
مومی الیہ رواں است بداں موجب بقاضی مشارٌالیہ بھوکوتہ یشود مقاصدیان وپٹیلان
دیہاے مذکور از روے حرکت زمین انعام مذکور کردن نمید ہند در ہر باب بہ رعایاے زمین
انعام مذکور تشویش وآزار میرسانند چہ حد اندازہ آنہا است اکنوں پنج چاور وکدہ شالی
مذکور بانعام قاضی مومی الیہ مقرر دانستہ مقاصدیان وپٹیلان دیہاے مذکور را تاکید بواجبی
نمودہ زمین مذکور از رعایاے کرد کردانیدہ چناں نمایند کہ حق انعامداران بلا قصور ولا فتور عاید
کردو و بہ رعایاے چاورات مذکور بہیچ وجہ بین الوجوہ مزاحم ومعارض شدن ندہند واگر مقاصدیان
وپٹیلان دیہاے مذکور بہ رعایاے چاورات انعام قاضی مشارٌالیہ باز تشویش وآزار دہند
وخلل کنند چناں تادیب سازند کہ بحال خود بودہ باشند وپنج چاور وکدہ مذکور داخل محصول ونقدیا
وجمیع لوازمات وبیت بیکار وفرمایش وزر الواب دیوانی دہر دوپتی وبعض بابہا وکلباب و
کالوجوہات وسایر قانونات اسمی وبسمی وقلمی وقدمی ونقدی وجنسی وکلوجزدی انچہ کہ در دفاتر
اعلیٰ ثبت است وبیشتر احداث خواہد شد تمام دنبالہ نمایند وادہ لفر کمانداد تھانہ معاملہ مذکور
حوالہ محکمہ شرع شریف بموجب فرمان سابق روا نست ہر کہ از امر شرع محمدی تجاوز واہمال
نماید اور ا تنبیہ بواجبی سازند در امور شرع محمدی مطیع ومنقاد باشند ومسلمانان متوطنان قصبہ
ومضافات را تاکید کنند کہ بخمس اوقات براے نماز در مساجد حاضر شدہ بدعاے
دوام دولت ابد پیوند اشتغال باشند وعقدانہ اہل اسلام از قصبہ ومضافات بقاضی مومی الیہ
بموجب بھوکوتہ سالا باد بدہانند وبے اذن قاضی عقدانہ نکنند واگر کسی بکنند تنبیہ بواجبی نمایند و
غدر فرمان ہر سالہ نمودہ سال بسال بر ہمیں متمشی دارند وبعد او باولاد واحفاد او جاری سازند
ومعتاد کوسفند لعید اضحی ومیوہ بعید شب برات بموجب سالا باد بقاضی مومی الیہ میدادہ
باشند وتعلیق نوشتہ گرفتہ اصل آں باز دہند تادانند وبر حکم فرمان اشرف روند۔

تحریر فی ۱۲ ماہ محرم ۱۰۶۹ھ

بانتظام سیادت ونقابت دستگاہ مزاجدان کارآگاہ سید نور اللہ سرخیل ممالک پروانگی حضور
پرنور اشرف اقدس ہمیوں اعلیٰ۔
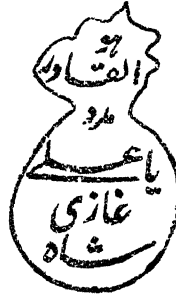
زبدۃ الامثال والاقران والاکفاء والاعیان
چیکتا نایک بتوجہات مستظہر و مباہی بودہ بداند
کہ بموجب نوشتہ شجاعت وتہور دستگاہ شمشیرخان معروض دولت واقبال عالی شاہی گردید کہ از
یاوری بخت ومسعودی طالع آں کاربرا ملاحظہ نمودہ ارادہ تحصیل سعادت ملازمت کہ سرمایہ دولت
جاودانیست نصب العین خاطر دادہ و نظر بہ تقصیرات پی درپی کہ بکرات درمیان آوردہ نشان
قول عفو جرائم میخواہد لہذا از راہ فضل وکرم رقم عفو وبخشش بر جریدہ معاصی او کشیدیم و بعد
دریافت سعادت ملازمت درباب انعام ہشت موضع چیتاپور بحضور پرنور مقدس معلّی
نوشتہ التماس آں خواہیم نمود باید بخاطر جمع بلاتوقف بملازمت بندگان عالی بشتابد کہ انشاء اللہ
تعالیٰ بدرجہ کمال خود رسیدہ درمیان اقران مایۂ افتخار خواہد اندوخت ہژدہم شہر ربیع الاوّل
سنہ سی وشش از جلوس والا قلمی شد۔

تیسرا فرمان عالم گیری
۱۶۹۱ء ۱۱۰۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ

پادشاہے

غازی
عالم گیر بادشاہ
محی
اعظم شاہ بن
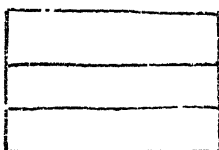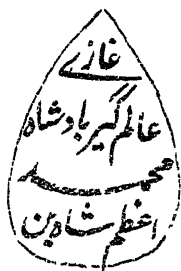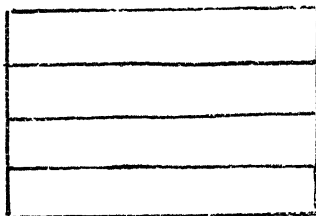
زبدۃ الامثال والاقران عمدۃ الاکفاء والاعیان چکنا نایک بتوجہات
مستظہر ومباہی بودہ بداند عرضداشت آن زبدۃ الاقران متضمن ارادہ
آمدن حضور والتماس تعین سپھی کانت وچنتو چمنّا دونکا سور وارسال نشان عنایت عنوان
رسیدہ بہرہ اندوز بمطالعہ عالی گشتہ موی الیہم را بروفق التماس او پیش آنخلاصۃ الاماثل فرستادیم
وازراہ تفضل وکرم نشان مرحمت فراوان محلی بہ پنجۂ خاص مرحمت شدہ وتفاصیل منصب و
زمینداری وغیرہ کہ بپیشگاہ خلافت وجہانداری جناب دولت عالی متعالی درجۂ اجابت وپذیرائی
یافتہ درضمن آن ثبت گشتہ باید کہ خاطر خود را من کل الوجوہ مطمئن داشتہ ہمراہ نام بردہا
روانہ بہ رفیعۂ منیعہ شود کہ بعد از رسیدن حضور بعطائے فرمان والاشان واسناد دیگر سربلند
خواہد گردید وجمیع ملتمساتش کہ بقبول درگاہ آسمان جاہ گردیدہ بادراک آن سرافتخار باوج افلاک
خواہد رسانید تاریخ غرۂ ذی قعدہ سنہ سی وشش از جلوس میمنت مانوس زینت تحریر یافت
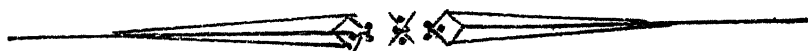
عدد ۵ ضمن مقدمات چکنا نایک کہ بجواب باصواب رسیدہ

التماس

آنکہ منصب پنجہزاری ذات پنجہزار سوار
وجاگیر در نصرت آباد سرافراز شود و ضامن
اول معاف گردد منظور شد

التماس

آنکہ روز ملازمت پنجہزار روپیہ نقد و
خلعت و اسپ بازین و پدک
مرحمت شود منظور شد

التماس

داغ و تصحیح و خوراک دواب
معاف شود منظور شد۔

التماس

آنکہ زمینداری سرکار نصرت آباد مرحمت
شود و درین باب حکم مقدس معلّیٰ
صادر شدہ کہ بدستور پام نایک

التماس

درباب دستور ہزاری ۱۱۰۰۰ وغیرہ
ہشت مواضع معمولہ پرگنہ چیتاپور نمودہ بود
حکم صادر شد کہ بدستور پام نایک و
زمینداری مواضع مذکور نیز بدستور نایک
منظور و آن تقدیات در جاگیر مرحمت خواہد شد

التماس

کہ درباب زمینداری فیروزگڈہ و فیروزنگر
نمودہ بود حکم شد کہ بدستور پام نایک

التماس

کہ دربارہ زمینداری الملا در میول از سرکار
نصرت آباد برآمدہ داخل سرکار بیجاپور گردید
نمودہ بود حکم والا صادر شد کہ بدستور پام نایک

التماس

نمودہ بود کہ بعد ملازمت فدوی گماشتہا
در محال زمینداری دخیل شوند و ہر کہ از
رفقاے پیدیا جدا شدہ پیش فدوی آمدہ
شریک کار بادشاہی شود تقصیر او معاف
گردد اینہا کہ رجوع نشوند مفسدان
مذکور را بندہ تنبیہ خواہد کرد امیدوار
کمک شاہانہ درین باب التماس بدرجہ پذیرائی
اقتران یافت

التماس

آنکہ بعد ملازمت فدوی افواج قاہرہ
بہ تنبیہ پیدیا متوجہ شوند و عرض داشت التماس
از و منظور نگردد و وکیل او راہ نیابد
بعز اجابت رسید۔

التماس

نمودہ کہ درباب زمینداری سرکار گلبرگہ
بحضور نوشتہ شود منظور شد

التماس

نمودہ کہ بعد ملازمت فدوی در سرانجام مطالب
برادرزادہ پاسدلو نایک بسمع رسید توجہ
مبذول شود منظور شد

التماس

نمودہ کہ فدوی بملازمت سرافراز شود
سوارہ پیادہ کہ رفیق پیدیا بودہ با فدوی

خواهد بود اسپان وشتران بتگاوان ہا
بعض افواج بادشاهی که بدزدی رفته
بود نزد آن جماعه خواهد بود هرچند لشکریان
مال خود شناسند با پس دادن آن حکم
نشود وکسے مزاحم نه گردد درین باب دستک
مرحمت شود منظور شد۔

الثماس

نموده که برائے پانصد سوار ودو هزار پیاده
از قرار بست وپنج روپیه در ماهه سوار
وهفت روپیه در ماهه پیاده تا ایام
تنخواه جاگیر بعد داغ اسپان ملاحظه موجودات
پیادها بدستور کرناٹکیان بلا قید چهره
باسم نویسی چیزے مرحمت شود امر شد
که دو هزار روپیه بصیغه مساعده
برائے سواران بدو دفعه مرحمت
خواهد شد وبعد تنخواه جاگیر در سال
اول وضع خواهد گشت وپیادها را
سرکار والا بضابطه کرناٹکیان نوکر
خواهند گردید۔

الثماس

نموده که تا انجام مهم بیدپا فوجداری
نصرت آباد بشخصے که دولتخواه و
دلسوز مقرر شود امر شد که درتیا ده
بحضور لامع النور نوشته خواهد شد

الثماس

مشتمه موضع واکن کهیر که وطن قدیم
زمینداری اوست بعد اخراج بیدپا
شقی برائے اقامت او عنایت شود
درین باب امر شد که بعد اخراج شقی
دگرفتن توپها وغیره سرانجام انجباو
انهدام قلعه موضع مسطور عنایت
خواهد شد۔

درباب فرمان عالیشان وپروانه
مهر جمدة الملک ودیوان صوبه بیجاپور
متعلقه انعام دیهات وزمین ودستور
زمینداری رسیده که تفصیلش

در ذیل مندرج است التماس نمودہ بدرجۂ اجابت رسیدہ دریں باب بحضور پرنور نوشتہ خواہد شد۔

التماس

فیل درجناب عالی بدرجۂ اجابت مقرون گشت دریں باب نیز بحضور پرنور نوشتہ خواہد شد۔

پرگنہ نصرت آباد عرف ۔۔۔۔ پرگنہ الملا سردیسموکہی

پرگنہ حویلی کندورہ سردیسموکہی

پرگنہ تالی کوٹہ سردیسموکہی وناڑگوڑگی

پرگنہ فیروزگڑہ عرف ۔۔۔کر سردیسموکہی

پرگنہ چلیتاپور سردیسموکہی متعلقہ انعام مواضع ۔۔۔پورو۔۔۔ وغیرہ ہشت دیہ علاقہ پرگنہ مذکور

فیروزآباد عرف ۔۔۔ سردیسموکہی

۔۔۔ درملک تلنگانہ ۔۔۔۔ و۔۔۔۔و۔۔۔۔ درتنخواہ حصۂ ذات

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک للہ

مہر

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سلطان محی الدین سید عبد القادر جیلانی

آلہ
زد بتائید
سکہ بر فرمان شاہی
بندہ حیدر علی ابن
محمد بادشاہ

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب عزت و رفعت دستگاہ میراں محمد خلیل حوالہ دار و کارکنان حال و استقبال معاملہ مذکور آنکہ از شہور سنہ ثلاث سنین والف چوں در خانقاہ خلایق آرامگاہ قادری بہ سمن چمن شرافت و سیادت شمع انجمن نقابت و ہدایت مہبط انوار محرم اسرار عارف پیشۂ وحدت در دریاے حقیقت شمع شبستان فیض و بہار گل گلبن ہدایت و تقی بدر سیما ارشاد ثمرۂ شجرۂ خیر العباد نہنگ بحر اشواق الٰہی محمل تفضل کائنات نا متناہی دستگیر خلائق بحر المعانی والحقائق مرکز دائرۂ سعادت و نیک اختری مظہر انوار ہدایت و فیض گستری شاہ ذیجاہ شاہ حضرت نبیرۂ قادری مجلس مولود سعادت اندود حضرت سعادت الانبیا سید الاصفیا گذرانندۂ اسرار غیب رسانندۂ اخبار لاریب شمع معراج نبوت و امامت محرم خلوتیان قرب و کرامت نوباوۂ چمن صدق و صفا و عرس قطب الاقطاب فرد الاحباب غوث الثقلین قطب الخافقین مختار الفریقین محبوب ربانی معشوق سبحانی مقبول دوجہانی سلطان الجن والانس قدس سرہٗ میشود لہٰذا از راہ مراحم پادشاہانہ فرط عواطف خسروانہ سمت آنی ہشور معہ دیہاے معاملہ مذکور در وجہ انعام ابدی و اکرام سرمدی شاہ مشار الیہ موکل باب مرحمت فرمودہ رہانیدہ شدہ است میباید کہ سمت معہ دیہاے مذکور داخل محصول نقدیات و جمیع لوازمات و بیت بیگار و فرمائش و زر ابواب دیوانی و پٹی سکۂ ہمایوں و کار عمارت و بعضے بیت مبارکہ متبرکہ معدن الامن منبع السرور روز پٹیلگی و پٹھہاے وزرلیۂ ولیسائی و دلیس کل کرنی و ماوگنڈہ و پٹیل و کل کرنی و دوازدہ بلوتیاں کل باب کل وجوہات و سائر قانونات اسمی و رسمی قلمی و قدمی نقدی و جنسی کلی و جزوی انچہ در دفتر اعلیٰ ثبوت است و پیشتر احداث شود تمامی دنبالہ نمایند بعد مشار الیہ

باولاد و احفاد مشار الیہ جاری سازند عذر فرمان ہر سالہ مجدد نہ نمودہ سال بسال بہ ہمیں فرمان
رواں دارند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان باز دہند تا دانند تحریراً فی التاریخ بستم ماہ رجب ۱۱۰۱ھ

نوٹ - یہہ سند عطائی جاگیر اناہسور کی ہے - یہہ جاگیر مع مواضع نندی ہال - بلونڈونہ - مرگھٹنال - چتر ہنال بطور
مدد معاش جاری ہے - آناہسور میں آثار مبارک موئے مبارک اور دوپارہ الم وعم نوشتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
بخط کوفی ہیں - جاگیرات کا محاصل اٹھارہ ہزار سالانہ ہے علاوہ اس کے کنیرطہ تعلقہ اتھنی ضلع بیجاپور میں ایک ہزار نقدی
اور ایک ہزار کی محاصلی معاش علاقہ انگریزی میں جاری وبحال ہے نیز تلنگہ ضلع بیدر میں بھی تخمیناً ایک ہزار کی معاش ہے -
شاہ نور اللہ قادری اور اُن کے بیٹے شاہ عبد اللطیف دونوں تلنگہ ضلع بیدر سے بیجاپور تشریف لائے - اُن کے
صاحبزادہ شاہ حضرت نبیرہ قادری جن کے نام یہہ فرمان ہے اناہسور آئے تھے مگر بیجاپور میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہیں
آپ کے فرزند سید شاہ سیف اللہ قادری آناہسور میں مرے مگر نعش تلنگہ سے جاکر دفن ہوئی - اس کے بعد کا سلسلہ
حیدر شہید قادری - سید محمد قادری - سید احمد قادری - شاہ حضرت قادری ہے - حیدر شہید صاحب بھی تلنگہ ہی
میں مدفون ہیں باقی تین صاحبوں کے مزار آناہسور میں ہیں شاہ - شاہ حضرت قادری کے دو فرزند سید محمد تاج الدین
قادری اور سید شاہ حسین قادری - اول الذکر کے فرزند نصیر الدین قادری سجادہ ہیں اور ثانی الذکر کے فرزند سید احمد قادری
حصہ دار نصف جاگیر زندہ ہیں - ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ یوم جمعہ کو راقم بھی آناہسور میں زیارت تبرکات کی غرض
سے گیا تھا اُسی دن بعد العصر یہہ سند سجادہ صاحب نے مجھے دکھلائی جن کو پہلے شکوہ فالج کا ہوچکا تھا - آٹھ بجے
شب کے زیارت تبرکات کی ہوئی - سجادہ صاحب کی حالت بالکل اچھی تھی حسب معمول میرے ساتھ کھانا کھایا
باتیں کرتے رہے قریب بارہ بجے کے اندر زنان خانے میں گئے دس منٹ نہ گزرے تھے کہ عورتوں کے رونے کی آواز
آئی چوطرف سے لوگ دوڑ پڑے معلوم ہوا کہ سجادہ صاحب استنجے کو گئے تھے وہیں گر پڑے اور روح پرواز
ہوگئی - اناللہ وانا الیہ راجعون - عمر شریف (۵۲) سال تھی - ایسی اچانک موت سے کہ جس کا سان وگمان
بھی نہ تھا دل ہل گیا - غالباً فالج قلب پر گرا اور گرتے ہی روح پرواز کرگئی - ۱۲ من المصنف -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک للہ

فرمان ہمایوں اشرف شرف صدور یافت [illegible] پرگنہ [illegible] بدانند چون [illegible]
سیدرا و نلکوٹ آنکہ از شہور سنہ سبعین و الف چوں لنگ نایک ولیسائی قریات کگرہ و سمت
بیچال و سر دیسائی پرگنہ مذکور برائے مصلحت بدرگاہ والا آمدہ بود و رایکہ تا زہ میدان سر آمد
پردلان منتخب دولتخواہان زبدۂ رزم آرایان موافق مزاج وہاج تیغ سلاح زخمی کرد او میت
شدہ اکنوں از راہ مراحم بادشاہانہ و فرط عواطف خسروانہ پرگنہ مذکور در وجہ انعام ابدی
واکرام سرمدی جڑی سومیا نایک فرزند لنگ نایک شہزہ دیسائی سمت بیچال و قریات
کگرہ و سر دیسائی پرگنہ مذکور مرحمت فرمودہ دہانیدہ شدہ است بیباید کہ پرگنہ مذکور داخل
محصول و نقدیات و جمیع لوازمات وبیت و بیکار و فرمایش وزر ابواب دیوانی دی سکہ ہمیون
وکار عمارت وبعضی شبت متبرکہ معدن الامن منبع السرور و کلیات و کلو جوہات دنیالہ نمایند
در قبض و تصرف موحی الیہ بازگذارند و عذر فرمان ہر سالہ نہ کنند و نقلش نوشتہ گرفتہ اصل فرمان
باز دہند تا دانند بر حکم فرمان اشرف روند تحریر فی التاریخ ۱۲ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۰۸۶ھ
پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمیوں اعلیٰ

نوٹ - سکندر عادل آخری بادشاہ خاندان عادل شاہی کا سنہ ۱۰۸۳ھ میں تخت پر بیٹھا یہ سند سمستان گرگنٹہ
ضلع رائچور کی اُسی کے زمانے کی ہے - سمستان میں (۱۳۴) مواضع محاصلی ساٹھ ہزار کے ہیں - سرکار میں سات
ہزار پچاس روپیہ سالانہ پیش کش ادا کرتے ہیں - رانی گورما شہزہ بہادر والیہ سمستان تھیں جن کا انتقال
سنہ ۱۳۲۱ھ میں ہوا اب اُن کا متبنی لڑکا جو نواسہ بھی ہے جڑی سومیا نایک شہزہ بہادر نابالغ ہونے سے فی الحال
علاقہ زیر نگرانی کورٹ آف وارڈز ہے - ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الملک اللہ

سکندر غازی
سلطان ابن علی
عادل شاہ

نقل

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب عاملان حال و استقبال و ناڑگیران و دیسایان و دیس کلکرنان پرگنہ سندہوز آں کہ از شہور سنہ ثمانین و الف در ینولا شریعت و مشیخت پناہ قاضی شیخ محمد باقر بن قاضی شیخ ملک قاضی پرگنہ مذکور بدرگاہ معلی واضح نمود کہ خود را خدمت قضائی پرگنہ مسطور قدیم الایام از وقت آبا و اجداد مقرر است و بجہت خدمت قضاءت وجہ معاش چہار چاور زمین از اں جملہ یک و نیم چاور در سواد قصبہ و پرگنہ مذکور و نیم چاور در سواد موضع کناری و نیم چاور در سواد موضع سداپور و نیم چاور در سواد موضع گومرسی و ربع چاور در سواد موضع بوتل دنی و ربع چاور در سواد موضع ہرٹنور و ربع چاور در سواد موضع ماڑسردار و ربع چاور در سواد موضع کنگن ہٹی و مبلغ یک صد ہون نقدیات سالیانہ از اں جملہ مبلغ سی و ہفت نیم ہون در قصبہ پرگنہ مذکور و مبلغ شصت و دو نیم ہون در دیہات پرگنہ مسطور از اں جملہ مبلغ ہشت و سہ ہون در سمت علم لوز و ہشت و دو نیم ہون در سمت حویلی و دہ ہون در سمت کونشگی و ہفت ہون در سمت دہر سگور بطریق انعام ابدی و اکرام سرمدی مقرر است بدیں موجب خود را زمین و نقدیات جاری و روا نست اما حکم اشرف منصب قضا را لازم است نظر عنایت فرمودہ فرمان مرحمت فرمایند تا تنقید احکام شرع متین و دین مبین نمودہ بدعاے دوام خلافت ابد پیوند اشتغال وارد بنابراں التماس شریعت پناہ بہ خاطر مبارک آوردہ خدمت قضاے پرگنہ مذکور مع سمتہا شریعت و مشیخت پناہ شیخ محمد باقر بن قاضی شیخ ملک را بدستور سابق مقرر نمودہ وجہ معاش چہار چاور زمیں و مبلغ یک صد ہون نقدیات بہ موجب تفصیل مسطور

ازسواد قصبہ و دیہات پرگنہ مذکور مطابق سابق دہانیدہ شدہ است می باید کہ زمین و نقد
مذکور را داخل محصول و نقدیات وجمیع لوازمات و فرمایش ورتنہ دلیسائی و دلیس کلکرنی و زر
ابواب دیوانی و بعضی کلباب و کل وجوہات و سایر قانونات اسمی و رسمی و قلمی و قدمی
و آنچہ در دفاتر اعلی ثبت یافتہ است و بیشتر احداث خواہد شد و نبالہ شریعت پناہ نمایند
و امور شریعت غزالعہدہ اش ساختہ ممد و معاون قاضی مشارالیہ ہمہ ابواب بودہ باشند
و چہار پیادہ تھانہ حوالہ محکمہ شرع شریف نمایند و ہر سال عذر فرمان مجدد نکردہ سال بسال برہمیں
فرمان مع اولاد احفاد او جاری دارند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان باز دہند تا دانند بر حکم
فرمان اشرف روند۔ تحریر فی التاریخ دہم رمضان سنہ ۱۰۹۰ھ

پروانگی حضور پرنور شہنشاہ پیمور اشرف اقدس خلافت اعلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیادت و نقابت مرتبت نجابت و شرافت منزلت نقاوہ دودمان ارشاد و ہدایت خلاصہ خاندان رشاد و افاضت نیر جہانتاب برج رسالت اختر نور بخش اوج ولایت المختص بعواطف الباطنی والظاہری شاہ حضرت قادری بفیض ایزدی بہرور باشند بعد ہذا مخفی نماند کہ سابقاً حقیقت رسیدن مغل بموضع کربراسنگی و تیکوتہ نگارش فرمودہ بمسارعت تمامتر فرزند و لشکر و احتشام خاں عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خاں را بحضور الوزا آوردن نگاشتہ شدہ بود اما تا حال از مکان متمکنہ عادل نکردند و احوال اینجا اینست کہ لشکر مغل درپے تخریب پرگنہ جکندی و تیرول وغیرہ ملک معمور شدہ و خان رفیع الشان شرزہ خاں را کہ حکم فرمودہ بودیم معز الیہ راست بدار الخلافہ امروز کہ تاریخ ششم است بمجرد اطلاع اخبار حادثات رسیدند و مغل درپی مشار الیہ می رسد بیقین تصور نمودہ در حالتے کہ حقیقت مرقومہ بمطالعہ در آید مع فرزند و لشکر و احتشام خاں معز الیہ راہ دار السلطنۃ پیش گرفتہ بیایند و والا رسیدن بآں سیادت پناہ ممکن و میسر نخواہد شد مشہور است کہ کار امروز بفردا مفگن ہاں زنہار چوں شود روز دگر نوبت کاری دگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر مقصود نیست زیادہ آں سیادت پناہ دانا اند

یا محی الدین مدد

نوٹ۔ یہ اصل فرمان مجھ کو سید احمد صاحب نبیرہ قادری جاگیردار آنا ہسور سے ملا ہے جو نہایت خوشخط سنہری کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ اس پر کوئی تاریخ نہیں ہے مہر دستی میں صرف مدد یا محی الدین کندہ ہے جو فرمان کے داہنے حاشیہ پر ثبت ہے اور کسی وزیر کی معلوم ہوتی ہے مگر بلحاظ واقعات اواخر زمانہ سلطنت علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ تا ۱۰۸۳ھ) یا اوائل سلطنت سکندر عادل شاہ کا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں سید الیاس المخاطب بہ شرزہ خاں اور مسعود خاں دونوں موجود تھے اور شرزہ خاں کے نام اورنگ زیب کا فرمان ۱۰۹۲ھ کا اسی کتاب میں نقل کیا گیا ہے جس سے اندازہ اس فرمان کے سنہ کتابت کا لگایا جا سکتا ہے۔ قدیم زمانے میں ایسے فرامین طبلق اور کمر بند لگ کر آتے تھے اور کمر بند پر ایک طرف القاب اور دوسری طرف تاریخ تحریر اور درمیانی پر نام مکتوب الیہ اور لشت پر مہر ہوتی تھی یہ طریقہ مراسلت کا میرے دیکھتے تک نواب مختار الملک بہادر سر سالار جنگ اول کی مدار المہامی تک جاری تھا۔ اسا انگریزی تہذیب نے ان سب قیود سے آزاد کر دیا۔ ۱۴۰۰ المصنف۔

بسم الله الرحمن الرحیم

سیادت و نقابت مرتبت نجابت و شرافت منزلت نقاوه دودمان ارشاد و هدایت خلاصه خاندان ارشاد و [illegible]

شاه حضرت قادری

نیر جهانتاب برج رسالت اختر نوربخش اوج ولایت المختص بعواطف الباطنی والظاهری بفیض ایزدی

بهره ور باشند بعد هذا مخفی نماند که سابقاً حقیقت رسیدن مغل بموضع کربراسنکی و تیکوته نگارش

فرموده بمسارعت تمام فرزند دولتشکوه احتشام نشان عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خان را بحضور

آوردن نگاشته شده بود اما تا حال از مکان متمکنه عدول نکردند و احوال اینجا اینست که لشکر مغل در پی

تخریب پرگنه جمکندی و پیردل و غیره ملک معموره شده و خان رفیع الشان شیرزه خان را که حکم

نموده بودیم معزالیه راست بدار الخلافه اعزّ فرزند که تاریخ ششم است بمجرد اطلاع [illegible]

رسیدند و مغل در پی مشارالیه میرسد یقین تصور نموده در حالتی که حقیقت مرقومه بمطالعه درآید

مع فرزند دولتشکوه احتشام خان معزالیه را بدار السلطنه پیش [illegible] بینید والا رسیدن آن

[illegible] سیادت پناه ممکن و میسر نخواهد [illegible] مشهور است کار امروز بفردا مفکن [illegible]

چون شود روز دگر نوبت کاری دگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر متصور نیست زیاده آن سیادت پناه دانا اند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیادت ونقابت مرتبت نجابت وشرافت منزلت نقاوۂ دودمان ارشاد وہدایت خلاصۂ
خاندان رشاد وافاضت نیر جہانتاب برج رسالت اختر نور بخش اوج ولایت المختص لعنایۃ اللطف
الباطنی والظاہری شاہ حضرت قادری بفیض ایزدی بہرہ ور باشند بعد ہٰذا مخفی نماند کہ حقیقت
فرو گذاشتن نوکری عبد المحمد بیرون حصار مدکل وگرانی خاطر خان عالیشان رفیع القدر

یا الدین محی
چ مدد چ

والا مکان مسعود خان بسبب تاکید وامداد سند نور و نوشتہ معز الیہ کہ بنام
آں سیادت مرتبت رسیدہ بجنس ارسال داشتہ ومقدمات دیگر مفصل و
مشروح نوشتہ بودند ہمگی روشن شد اگرچہ بہ پالیکاران وغیرہ تاکید بی اطلاع
آں سیادت پناہ کردن بخاطر مبارک داشتیم برائے چہ بآں سیادت مرتبت نگارش میفرمودیم
تا حال ہیچ یکے حکم نشدہ . . . . . . خاطر خدا شناس جمعدار زند و معز الیہ چنانچہ دانند
و توانند نوشتہ فرستادہ دلاسا واستمالت کردہ فرزند معز الیہ را با سواران واحشام حضور
لامع النور بیارند و بوقت ردوبدل مشافتہ درباره سند نور آں سیادت پناہ انچہ فرمودہ ایم
و مکرر البعد از روانہ شدن چنانچہ نگارش یافتہ معلوم رائے حقیقت شناس خواہد بود معز الیہ
بحکم اشرف درام مصدر قیام واقدام . . . . . . فدویت وحلال نمکی وخیر طلبی بر احوال
مستبعد است وبر فدویت ونکو بندگی معز الیہ تیقن تمام است کہ چوں حکم فرمائیم سند ور . . .
باشد زیادہ ازیں نثار حکم والا خواہند گردید ما کہ بر سر مہربانی بیائیم صد سند نور را عطا و مرحمت توانیم کرد
اما معز الیہ را ضرور و لازم است کہ بریں وقت حوادث وآشوب اظہار فدویت کردہ در دفع
ورفع حادثات سلطنت سعی نمایند و دریں امور سہل لشکر واحشام را مشغول نگردانند و یقین
تصور فرمودہ بودیم کہ آں سیادت پناہ تا حال فکر آوردن معز الیہ . . . مات را مرتفع گردانند و
عجب از نوشتہ جات واقوال معز الیہ آمدہ کہ ہنوز در تردد و تفکر روانگی فرزند اند و چہار ماہ
درنگ وتسویف نمودہ باز شقوق تازہ درمیان می آرند بر عالمیان ظاہر است کہ انچہ
آں سیادت پناہ دلاسا واستمالت ومہربانی نواب ہمیون باظہار کنند زیادہ ازان ازما

بانجام رسانیدن می توانند وہر گونہ خیالات و اندیشہا کہ مکنون خاطر عقیدت ماثر معزالیہ شدہ
آنرا بزلال التفات وتوجہات عالیات مصفا ساختہ وغبار آلودگی را بمہربانیہاے گوناگون
ومراحم روزافزوں رفت روب دادہ سرگرم جادۂ اطاعت وفرماں برداری دارند وانواع تفضلات
ونوازشات کہ دربارۂ معزالیہ مرکوز خاطر اشرف اقدس است بعد از آوردن فرزند معزالیہ مع
لشکر واحتشام بمنصۂ ظہور خواہد رسید زیادہ بجز بشوق قلمی نشد۔
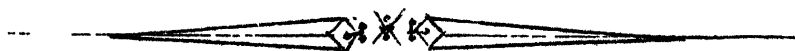
سترھواں ضمیمہ

قندہار

حیدرآباد سے شمال و غرب (۱۶۰) میل اور ناندیڑ مستقر ضلع سے (۲۰) میل ہے یہ مقام سطح سمندر سے ۱۲۴۳ فیٹ بلند ہے خانہ شماری ۱۵۹۴ اور مردم شماری ۷۰۹، ۷ ہے - قندہار راجہ کنھر کا آباد کیا ہوا ہے جو پانڈو راجہ کی اولاد تھا - اُس نے اس بستی کا نام کنّھار رکھا تھا نندا گری (ناندیڑ) راجہ نندو نے آباد کیا اور اپنا دارالسلطنت قرار دیا جو چلوکیا خاندان سے تھا - اس کی وفات کے بعد اُس کے دو بیٹوں میں سے ایک نے قندہار دارالسلطنت مقرر کیا اور دوسرے نے ہنمکنڈہ (ورنگل) قندہار کے راجہ کا نام سوما دیوراج تھا جو چوتھی صدی عیسوی دکن میں حکمران تھا - قندہار بعد میں ہنمکنڈہ کے راجہ مادھو دھرما کے تحت میں رہا پھر اُس کی بیٹی مسماۃ پرم سین اور سلسلہ بہ سلسلہ راجہ گنڈو مہاراج حکمراں ہوا - اور ۸۲۳ء میں بیروکا دیو تخت نشین ہوا وہ کم سن ہونے سے اُس کی پھوپی کنھلی دیبی کاروبار چلاتی رہی - بیروکا دیو کی شادی دیوگیر کے راجہ کی بیٹی سے ہوئی اُن کا فرزند راجہ بھوانی کا مالاڈو تخت نشین ہوا - پھر اُس کا بیٹا کیشاپو تراج راجہ ہوا جس کے نام سے کاکیسا خاندان چلا اسی نے ۱۰۷۷ء میں ورنگل آباد کیا یہ راجہ اپنے بیٹے سری رور دیو کے ہاتھ سے قتل کیا گیا - سری رُور دیو نے ۱۰۹۸ء سے ۱۱۷۶ء تک سلطنت کی - ہنمکنڈہ کی قدیم ہزار کھم کی دیول کی پرانی تحریر ۱۱۶۲ء کی اس کے زمانے کی ہے - پاکھال کا مشہور تالاب اُسی کا بنایا ہوا ہے - کاماسری ردر دیو کے بعد اس کا بڑا لڑکا جانشین ہوا مگر اُس کو اُس کے چچا مہادیو نے مار ڈالا اور اِس کے چھوٹے بھائی گنپتی کو تخت پر بٹھا کر تین سال تک خود دنیا پتہ کا کام کرتا رہا - تیسرے سال مہادیو راجہ دیوگیر کے مقابلے میں مارا گیا اور گنپتی دیوراج مقتدر ہوا - اُسی نے قندہار کے تالاب کی توسیع اور مرمت کی اور نہر پختہ بنائی اور مہادیو کا ایک مستحکم دیول بنایا - اُس کی حکومت ۱۱۷۹ء سے ۱۲۲۷ء تک رہی - ورنگل کی

سنگین دیوار بھی اسی کے عہد میں بنی ہے۔ گنپتی کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس کے بعد رانی
رودرمّا دیوی حکمراں تھی جس کا مقابلہ دیوگیر کے راجہ کندارا سے ہوا لیکن آخر کار راجہ دیوگیر کا
قبضہ قندہار پر ہوگیا اور اس بستی کا نام کنھار سے کندارا ہوگیا اور پھر مسلمانوں کے عہد میں قندہار
سے بدل گیا۔ اس راجہ کی حکومت سنہ ۱۲۴۸ء سے سنہ ۱۲۶۰ء تک رہی اس کے بعد پھر قندہار
پر رودرمّا دیوی کا قبضہ ہوگیا جس نے (۴۰) سال تک سلطنت کی اور اپنے شوہر سے بہتر
حکومت کی۔ ورنگل کے قلعے کی پختہ دیوار اسی کے عہد میں ختم ہوئی۔ اس کے بعد پرتاپ رُدردیو
تخت نشین ہوا جو بہت کم سن ہونے کی وجہ سے اس کی نانی راجہ گنپتی دیو کی بیٹی بارہ سال
تک حکومت کرتی رہی۔ جب راجہ پرتاب رُدر جوان ہوا تو بہت سا ملک فتح کیا۔ ہن جو آسمان
سے برسنے کی روایت مشہور ہے یہ واقعہ اسی کی سلطنت میں ہوا تھا۔ اس راجہ نے راجہ دیوگری
کو بھی مغلوب کرکے قلعہ ورنگل میں قید کردیا اور کل ملک دکن میں اس کی حکومت جاری تھی۔
سنہ ۵۹۱ھ میں مسلمانوں نے اجمیر کے راجہ کو قتل کیا۔ مسلمانوں کا ستارہ چمک رہا تھا۔ راجہ دیوگیر
کے بھائی نے پرتاب رُدر کی شکایت سلطان شہاب الدین غوری سے کی وہاں سے ملک
عیسیٰ خاں چڑھ کر آیا مگر شکست پائی دوبارہ بہلول خاں لشکر لے کر آیا اور قصبہ راچرلہ پر بڑی
بھاری لڑائی ہوئی جس میں راجہ اور اُس کے بہت سے عہدہ داروں کو گرفتار کرکے دھلی
سے لے گیا۔

سلطان سے اطاعت اور خراج دہی کے اقرار پر رہائی ملی۔ پرتاب رُدر دکن میں واپس
آیا اور چند سال کے بعد مر گیا اور اُس کا بیٹا ویربھدر حاکم ہوا جو بڑا پست ہمت تھا سلطنت
کو سنبھال نہ سکا۔ پرتاپ رودر کے زمانے میں خراج نہ دینے سے سنہ ۷۰۲ھ میں سلطان
علاء الدین خلجی بادشاہ دہلی نے بنگالہ کی راہ سے ورنگل پر چڑھائی کی مگر پسپا ہوا پھر دوبارہ سنہ ۷۰۹ھ
میں ملک کافور کی سرکردگی سے لشکر بھیجا جو دیوگیر کے راستہ سے ورنگل پہنچا۔ راجہ نے بہت
نقصان اُٹھایا اور بیس ہاتھی اور سات سو گھوڑے دے کر صلح کرلی۔ جب دہلی کی سلطنت
خلجیوں سے نکل کر خاندان تغلق میں آئی تو غیاث الدین تغلق نے سنہ ۷۲۲ھ میں ملک
فخر الدین کو فوج کثیر کے ساتھ ورنگل روانہ کیا لیکن شکست ہوئی پھر دوبارہ ملک فخر الدین نے

چڑھائی کی اور قلعہ ورنگل فتح کرلیا اور سلطان پور نام رکھا۔ سلطان محمد تغلق نے قندہار کی حکومت پر شہاب سلطان المخاطب بہ نصرت خاں کو مقرر کیا جس کا صدر مقام بیدر رکھا۔ اس کے بعد قتلغ کے سپرد ہوا۔ پہلے قندہار کا قلعہ مٹی اور اینٹ کا تھا سلطان محمد تغلق شاہ کے عہد میں پختہ طیار ہوا۔ قلعہ کے مچھلی دروازے کی بائیں جانب محراب میں سب سے پہلا اور قدیم کتبہ ملک سیف الدولہ کی عہد حکومت کا ہے جس پر ۷۲۴ھ کندہ ہے اور ۷۲۵ھ سے ۷۴۸ھ تک ملک دکن سلطان محمد تغلق کے زیر حکومت رہا۔ قلعہ کی پختہ اور سنگین عمارتیں (جن میں قلعہ کے اندرون حصار مچھلی دروازے کے بازو چھوٹی کمان میں ملک سیف الدولہ کے ایک کتبے میں ۷۴۴ھ کندہ ہے) تالاب کا سنگ بست پشتہ اور عیدگاہ سب ملک سیف الدولہ کے عہد حکومت میں حاجی مصطفی اصفی الدین کے اہتمام سے طیار ہوئی ہیں بعد سلاطین بہمنیہ کا قبضہ قندہار پر رہا پھر بریدیوں کا اور ۹۵۵ھ میں برہان نظام شاہ کا قبضہ ہوا بھی تو ہار دروازے کے بعد مچھلی دروازے قلعہ کے بازو جو کتبہ ہے اس کی پہلی سطر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے اور اس کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ اور وَصِیُّ اللّٰہِ بھی پڑھا جاتا ہے اور چار سطریں بخط طغرا ہیں جو پڑھی نہیں گئیں آخر میں برہان نظام شاہ کا نام ہے ۱۰۱۴ھ میں ابراہیم عادل شاہ کا قبضہ رہا ہے جیسا کہ اس کتبہ سے جو مسجد پر عربی عبارت کے بعد فارسی میں درج ہے واضح ہوتا ہے۔

اظہار کمالیت یافت مسجد رفیع محمدی صلعم
شہور سنہ ۱۰۱۴ھ

شد بنا بر وقت ابراہیم عادل شاہ	مسجد بہتر کہ از صفتش رسیدہ تا بماہ
از برائے خواندن قرآں نماز و ذکر حق	کرد فرمائش با و عبدالعزیز نیک خواہ

بعد یہ قلعہ عادل شاہ نے ملک عنبر حبشی بیجاپوری کے سپرد کر دیا اس نے مرتضیٰ نظام شاہ کو قلعہ اوسہ میں قید کر رکھا تھا اور اس وجہ سے قندہار کا تعلق دولت آباد سے ہو گیا ملک عنبر نے قلعہ قندہار کی مرمت کرائی۔ عادل شاہی عملداری میں جو عمارات اور برج تیار ہو رہے تھے اُن کی تکمیل کرا دی اور مسجد جو زیر تعمیر تھی وہ بھی مکمل ہوئی جیسا کہ بیچ کی محراب

کے بیرونی حصہ کی بلندی پر دونوں جانب کے کتبوں سے واضح ہوتا ہے۔ اسی نے "ملک ضبط" بہت بڑی توپ کو درست کرا کے آبادی شہر کے جانب بڑے برج پر چڑھوا دیا جب سے یہ توپ بڑی عنبری کہلاتی ہے۔ ملک عنبر کی دو لڑکیاں حلیمہ بانو اور شہر بانو مدتوں یہیں رہیں اور یہیں انتقال کیا دونوں کی قبریں موجود ہیں اور ان کی آل اولاد بھی اب تک موجود ہے اور موضع ویلوب تعلقہ نانڈیر تا حال بطور جاگیر بحال ہے۔ بڑا عاشورخانہ جس میں حسینی علم استادہ ہوتے ہیں ملک عنبر کا بنوایا ہوا ہے۔ اسی نے ۱۰۲۲ھ میں قاضی محلہ کی مسجد بنوائی مگر کوئی کتبہ نہیں ہے لیکن ایک قدیم بیاض میں یہ بیت لکھی ہوئی ہے ؎

هزار و بست و دو بوده ز ہجر پیغمبر — بعهد والی دیں حضرت ملک عنبر

کپتان برگس نے لکھا ہے کہ ملک عنبر نے انتظام بہت عمدہ کیا تھا اور زمین کی پیمایش کرا کے بٹائی کا طریقہ جاری کیا کہ نصف حصہ پیداوار لیا جاتا تھا۔ ملک عنبر نے (۸۰) سال کی عمر میں ۲۴ شعبان ۱۰۳۵ھ میں انتقال کیا۔ گنبد خلد آباد میں حضرت یوسف راجو قتال قدس سرہٗ کے گنبد کے قریب ہے۔

ساس بہو کی باؤلی جتنے قلعہ دار قندہار میں ہوئے سب کے قبور نہایت عمدہ سیاہ پتھر کی مالس پور کے قریب ساس بہو کے باؤلی کے پاس ہیں۔ (مالس پور کا نام پنچال نگری بھی ہے بہت پرانی بستی ہے قندہار سے ایک میل مشرق کی طرف) اس باؤلی کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ ساس کی بنوائی ہوئی باؤلی کا پانی ململا ہے اور بہو کی باؤلی کا شیریں یہ باؤلیاں بہت قدیم ہیں مرزا امان بیگ قلعہ دار کے زمانے میں اس کی مرمت ہوئی اور انہوں نے یہاں ایک عمدہ باغ بنوایا۔

باغ رشک کشمیر مرزا حمید الدین خاں قلعہ دار المخاطب بہ خاں زاد خاں نے حسب الحکم بادشاہ اورنگ زیب قندہار میں ایک نہایت خوش نما باغ بنوایا تھا جس کا سیاہ پتھر کا یہ کتبہ ہے۔

حمید الدین محمد خواجۂ دہر — کہ باشد خاک راہش عین اکسیر
بحکم شاہ عالمگیر غازی — بنا فرمود باغ از اوج تصویر
زہے باغے کہ از نظارۂ او — بگردد سرمہ گرد و نور تحریر

پی تاریخ او از پیر دانش | بپرسیدم بگفت از حسن تقریر
بیفزائی چو پنج اندر حسابش | شود تاریخ سالش رشک کشمیر

۱۰۹۵ھ

اب نہ وہ باغ باقی ہے نہ مکان بلکہ پتہ تک نہیں کہ یہ باغ کہاں تھا چوں کہ یہ کتبہ ایک بہت خوش نما پتھر پر تھا کسی قلعہ دار نے برج ابراہیمی پر نصب کرا دیا ہے۔

رومی خاں قلعہ دار کا مقبرہ قلعہ کے متصل ہے جو غالباً نظام شاہی یا عادل شاہی قلعہ دار تھے خاں روز بیاں ایک قلعہ دار تھے جن کا مزار اُن ہی کا بنایا ہوا ہے۔

شاہ فرید کی مسجد ایک نہایت خوشنما مسجد ہے۔ جو لب تالاب ہے۔ اس مسجد میں کوئی بزرگ شاہ فرید نامی عرصہ دراز تک رہے ہیں اس وجہ سے اُن ہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

غازی پورہ اورنگ زیب کے عہد میں نواب عمدۃ الملک غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ غرب رویہ دروازہ کے باہر یہ محلہ آباد کیا اب یہاں سوائے آثار یا یہ دیوار کے کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف محلہ کا نام باقی ہے۔

یمنا کی مسجد یہ ایک متمول عورت سمّی عبداللہ کی منکوحہ تھی (جو ملک عنبر کی بیٹی شہر بانو کے داماد تھے) اس نے غازی پورہ میں ایک مسجد بنوائی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک مشہور طوائف تھی۔

گوڈر کا مٹھ غازی پورے میں سلیمان ٹیکڑی کے جانب یہ مٹھ ہے گوڈر کا اصلی نام غریب بوری مہنت تھا اُس نے مکان طیار کر کے یہاں سکونت اختیار کی یہ مٹھ اب تک آباد ہے اور سرکار سے معاش جاری ہے اس مٹھ میں شروع سے اب تک اکیس مہنت ہو چکے ہیں۔

گولی پورہ غازی پورہ کے آگے تالاب کے کنارے کنارے گویوں کی آبادی تھی اب یہاں زراعت ہوتی ہے مکانات کے نشانات زمانے کے ہاتھوں سے مٹ گئے۔

کریم شاہ کی مسجد اس مسجد کو کالی مسجد بھی کہتے ہیں گولی گوڑے کے آگے تالاب کے اوپر بلند مقام پر بنی ہوئی ہے اب بالکل بوسیدہ حال میں ہے یہ مسجد اور تکیہ خواجہ شاہ حسین

صاحب خلیفہ خواجہ سید شاہ پیر بابا حسینی صاحب سجادۂ درگاہ حضرت خواجہ امین الدین شیر خدا قدس سرہ بیجاپوری کی بنوائی ہوئی ہے آپ بیجاپور سے لبطور سیاحت یہاں تشریف لائے تھے۔

اورنگ پورہ اورنگ زیب کے زمانہ میں اورنگ خاں قلعہ دار نے جو بیدر کے صوبہ دار بھی تھے تالاب کے شمالی جانب جو آبادی حجاموں کے محلے کے نام سے مشہور تھی اُس کو بسا کر اورنگ پورہ نام رکھ دیا اور یہیں ایک مسجد بھی بنوادی جو اورنگ پورہ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے مگر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

چونڈا اسری دیوی اس نام کا مندر یہاں تھا ایک بڑے پتھر دیوی کی منقش مورت اور ہنومان کی مورت بھی موجود ہے۔

بیناڑ اور ناگ جھری ندی اس تعلقہ میں دو ندیاں ہیں۔ اول الذکر دھرماپوری تعلقہ راجورہ کے پہاڑوں سے نکلی ہے اور قندہار پر سے گزرتی ہوئی ضلع نظام آباد میں ماجرا ندی سے مل گئی ہے۔ ناگ جھری قندہاری کے رمنہ کے پہاڑوں سے نکلتی ہے جہاں سے پانی کا جھرا نکلا ہے وہاں سانپ کے منہ کی طرح کا پتھر لگادیا ہے اس لئے اس ندّی کا نام ناگ جھری پڑ گیا ہے۔ یہ ندی مالس پور سے ہوتی ہوئی بیناڑ میں جا ملی ہے۔ طول اس ندی کا صرف (۴) میل ہے۔ بریدشاہی عمل داری میں اس ندی کو روک کر ایک بہت بڑا اور مستحکم تالاب طیار کیا گیا تھا لیکن بعد میں بند ٹوٹ گیا تھا راجہ لعل کیبری سنگھ نے دہانے کی مرمت کرائی۔ ندی زوردار تھی پھر ٹوٹ گیا جب سے اب تک شکستہ ہی ہے۔ اس تالاب کے پاس پہاڑ کے دامن میں بریدآباد اور لعل کیبری سنگھ کا آباد کیا ہوا لعل نگر اور تالاب موجود ہے۔

کورند کا تالاب اور دو انگل کی باؤلی یہ بہت بڑا تالاب ہے اس سے دو نہریں بھی بہتی ہیں جس سے زراعت ہوتی ہے۔ جو نہر آبادی سے ملی ہوئی ہے اوسکا حضرت حاجی سید سرور مخدوم کے روضے کے روبرو بٹاؤ کر دیا گیا ہے۔ یہاں ابتدائی سیڑھیوں پر ایک دو انگل کا سوراخ رکھ دیا ہے بچے کوڑی کو تاگا باندھ کر اندر ڈالتے ہیں جو بھیک جاتی ہے۔ اس نہر کا نام یہاں سے مخدوم کالوہ مشہور ہے۔ اس نہر کا پانی بہادرپورے کو بھی جاتا ہے۔

پن چکی۔ اورنگ پورہ کے جانب نہر کا پانی نانڈیڑی دروازہ اور لال نگری آبادی سے مل کر مانس پور تک جاتا ہے جس سے زراعت ہوتی ہے اُس نہر کے دہانے کو کاسولی کا ٹم کہتے ہیں اس میں شہر کی پن چکی ہے۔

ہاتھی نالہ یہ نالہ قندہار کے جنوبی غربی پہاڑوں سے بہ کر اس کا پانی تالاب میں جاتا ہے اس کی دلدل میں کسی زمانے میں ایک ہاتھی پھنس گیا تھا اس وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔

لال نگر کا تالاب ایک چھوٹا سا تالاب ہے جو اب شکستہ ہے۔

کنول تالاب اس تالاب کے تحت زراعت ہوتی ہے۔

اٹھاروان ضمیمہ

کرنول

رائچور سے براہ ڈورنا چلم جنکشن ڈیڑہ سومیل مدراس سدرن مرہٹہ چھوٹی پٹری کی لین کا اسٹیشن ہے یہہ بھی ایک تاریخی مقام ہے یہاں بھی قدیم قلعہ تھا جو ٹوٹ پھوٹ کر اب چند برج رہ گئے ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا شہر سے ملا ہوا ہے اُسے عبور کر کے عالم پور کو جاتے ہیں کرنول سے عالم پور مستقر تحصیل (۹) میل کا فاصلہ ہے:۔ یہاں کی سہ رواقی مسجد پر یہہ کتبہ ہے۔

چو در زمان غلام رسول خاں نوّاب	بنائے مسجد مظہر شدہ بہ بسم اللہ
بگفت ہاتف غیبی بنائے تعمیرش	زہے مسجد اطیب نمونہ بیت اللہ

کتبہ بر جامع مسجد

اللہ کافی	اللہ کافی
یا کافی المہمات	یا کافی المہمات
کلمۂ توحید	کلمۂ توحید
اللہ کافی	اللہ کافی
یا کافی المہمات	چار مرتبہ
چراغ و مسجد و محراب و منبر	ابو بکر و عمر عثمان و حیدر
اللہ کافی	اللہ کافی

مسجد کے مقابل کے دروازے پر

یا مفتح الابواب — کلمۂ توحید — یا مفتح الابواب

اسی مسجد میں ایک قبر کے سرہانے اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ یا غفور یا رحیم

مُحَمَّدٌ عَادِلٌ اِنْتِقَالُہٗ فِیْ رَجَبِ عَامٍ	اَنْزَلَہٗ بِجَنَّاتِ الْفِرْدَوْسِ مَقَامٍ
اِذَا وَصَلَ مُحَمَّدٌ عَادِلٌ فِیْ رَحْمَتِہٖ	جَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ حَضْرَۃً

اُلقِیَ بِیَاءِیْ مِنَ الغَیبِ بَغْتَۃً تَادِیْخُہٗ عَاماً وَیَدْخُلُ جَنَّۃً

منزل عادل بپرسیدم سروش گفت دایم جنت آمد مورو شش

کتبات گنبد حضرت عبدالوہاب صاحب سنہ ۱۰۲۸ھ

وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ
اَللّٰہُ کَافِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ بِحُرْمَۃِ مُحَمَّدٍ

گنبد کے دروازے پر

حامی دین نجبتہ الوزرا رخت چوں بست ازیں خرابہ سرا
سنہ ۱۰۲۸ھ سنہ ۱۰۲۸ھ

بود خادمی فقرا

سالِ تاریخ جستم از گردوں گفت کہ بود خادمی فقرا

اندر کی رواق پر

از عطارد خواستم تاریخ آں عنبر سرشت
ہدیہ سلطاں شاکرم بہشت
سنہ ۱۰۵۳ھ

گفت نظم ہدیہ سلطاں شاکرم بہشت

ایک دوسرے دروازے پر

تاریخ بنائے دروازہ غم زدا
سنہ ۱۰۵۲ھ

لال مسجد

کلمہ توحید دوبار۔ یامفتح الابواب دوبار

کرد مسجد بنا بنام خدا ما اعزّ اسمہٗ وما اعلےٰ
آں کہ سید حسین شیخ اجل شد بتائید مومناں اسعیٰ
آں چناں خوش نہاد بنیادش بہ نمود از جنت الماویٰ
سال تاریخ از خرد جستم گفت خوش مسجدے ذکی و علی

اندرون پنج رواق ہائے مسجد - ہر رواق میں ایک شعر

در ایام سابق بنا گشتہ بود ہمیں خانۂ پاک رب الودود
کہ از جہد موفور سید حسین ز املاک خود کردہ جائے سجود
ز سن یازدہ صد و پنجاہ و یک کہ تا ایں زماں کہنہ مسجد نمود
شکستہ زیا باز بستہ لداؤ نظر کردہ ہر کس برائے ستود
سنش گفت با خضر ہاتف چناں ز تعمیر مسجد چہ رونق فزود

سنہ ۱۲۹۰ھ

بیرون رواق ہا

قطعہ تاریخ از جانب ساعی کار خضر خاں خالو زئی جمعدار۔

اُنیسواں ضمیمہ
کنک گیری

سری کنکاچل پتی دیوستان کنک گیری[1] کے تاریخی حالات۔

"سری کنکاچل پتی لچھمی نرسھوں سوامی کے قدیم دیول[2]" زمانۂ سلف کے لوگوں کی زبانی اور چند داخلہ یعنی سکند پران (ایک پران کا نام ہی) تنکا مہاتمی کے (۱۰۸) باب میں سوت پرانیک نے سونیک وغیرہ رشی اپنے چیلوں کو نصیحت کی ہی۔ کہ کنکاچل پتی کے (۱۰۸) نام۔ سری سوامی کے قدیم دیول۔ جلیتی۔ پشپاوتی[3] نامی دو ندیوں کے بیچوں بیچ رہ کر یہاں سنگم[4] ہوا ہی اور آگے چل کر دریائے تنگ بھدرا میں مل گئے ہیں۔

کلجگ شروع ہونے کے چند روز بعد سے جس طرح قدیم سے سری کنکاچل پتی کی از روے شاشتر ویکھانس مہارشیان شوک منی وویکھانس سے پوجا ہوتا تھا اُسی طرح اب بھی پوجا ہوتا ہی۔

بنائے خاندان نرپتی راج سمستان بیجانگر۔

بہت دنوں کے بعد پانڈو مہاراج کے خاندان میں وجے راے مہاراج ہستناوتی (دہلی) کے تخت پر بیٹھ کر ایک چھتر ادھی یعنی شاہنشاہ کے لقب سے حکمراں تھا اس کے زمانے میں محمدی (اہل اسلام) لوگوں نے ترکستان سے آکر لڑائی شروع کی۔ متعدد بھاری لڑائیوں کے بعد نرپتی (آناگندی کے راجاؤں کا خطاب ہی) کو شکست ہوئی۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس وقت مسلمانوں نے

---

[1] کنک گیری گنگاوتی ضلع رائچور سے (۱۲) میل لنگسگور گنگاوتی کی سڑک پر واقع ہی اور رائچور سے ۹۸ میل ہی۔ ۱۲

[2] تنگ بھدرا کے مقدس حالات [3] کنک گیری کے دو نالوں کے نام ہیں۔

[4] موضع ڈناپور تعلقہ گنگاوتی میں تنگ بھدرا سے مل گئے ہیں۔

ہستنا وتی پر قبضہ کرکے اپنے جھنڈے چڑھا کر دلیؔ کا نام رکھا اور سنہو ہاسن (تخت) کو ترکستان
لے گئے۔ اس کے بعد نرپتی ہک ٹک مہاراج اُس ملک یعنی دہلی کو چھوڑ کر کشکندہ (ہمپی جس کا
دوسرا نام وجیانگر ہیں آ کر رہنے لگے۔ یہاں راج تپشی (یعنی بڑی ریاضت کرنے والا) مادھو
تیرتھ عرف ودیارانیا کے پاس آ کر اپنا سارا قصہؔ بیان کیا۔ اِن کے عنایات حاصل کرکے مدؔ سے راج
(ملک کرناٹک) کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ وجے نگر عرف ہمپی کھنڈر کو آباد کرکے رہنے لگا۔ برسیا ارٹسی
نایک مہا وردی پرش (بہت بڑا مقبول بارگاہ) قوم گلرؔ (چرواہا) جس کی پیدایش پر اگدیش
(مشرقی ملک) تھا۔ کئی گائیں اور بکریوں کے ریوڑ ان کے پاس تھے۔ اُرٹیلؔما کے دیول کے پاس
رہتا تھا ایک مہاراج کے نہایت ہی ممد و معاون تھا بہت سی مصیبتیں جھیل کر نرپتی کے
راج کو قایم کرا دیا۔ لہٰذا اب بھی ہمستان ہلی حیدر والوں کو نرپتی پرتشٹاپن آچاریہ کا خطاب ہے
جس کے معنی ہیں کہ نرپتی راج کو قایم کرنے والا آچاری۔

نالوں کی طغیانی سے دیول کا جو مٹی میں دبا ہوا تھا نکل آنا۔

سالی واہن سکے ۱۳۵۰ انل نام سمھر میں سری من مہاراجہ دھی راج ویر پرتاپ سری پروڑ دیو مہاراج تھا معلوم ہوتا
ہے کہ سری کنکاچل پتی سوامی کا قدیم دیول ندی کے درمیان درختوں سے چھپ گیا تھا
اور قدیم منڈپ ہد (یعنی مٹی کے ڈھیر) میں دب گیا تھا۔ اور گائیں چرتے وقت کام دھین نامی
ایک گائے روزانہ آ کر اس بھٹ میں دودھ دیتی تھی۔ اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ راجہ
نے گوپال (چرواہے کا نام ہے) کو مارا۔ دوسرے دن چرواہا گائے کی تاک میں رہا۔ گائے
بھٹ میں دودھ دیتے ہوئے دیکھ کر راجہ کو اطلاع دی۔ راجہ چند آدمیوں کے ساتھ بھٹ
کھدوانے کے لئے لے کر آیا اور کدالی سے کھدوا رہا تھا۔ کہ وہ لوگ خون کی قے کرکے مر گئے۔ راجہ
بے ہوش ہو گیا اور یہ خواب دیکھا کہ "نرپتی میں (جو بالاجی کے نام سے مشہور ہے اور ہندوؤں کی
مقدس تیرتھ گاہ ہے) وصیٹروں (چماروں) کو درشن نہیں ہوتا میں اُن کے لئے اوتار ہوں۔
دکیبن کہ کنک گیری کے دیول کی جاترا میں تین دن تک نیچ قوم کے لوگ آ سکتے ہیں)
اُس روز صبح ہونے کے پیشتر نالوں میں طغیانی ہو کر بہہ گیا اور منڈپ نکل آیا۔ یہ خبر راجہ
آنا گندی کو ہوئی وہ نہایت عقیدت مندی سے سوامی کے درشن کو آیا اور قدیم منڈپ سے

دوسرے دروازے تک جدید تعمیر کرایا اور دیو کی پوجا وغیرہ برابر ہونے کے لئے ۱۳۵۸ھ

سیجھر میں (۱۲) مواضع عطا کئے۔ جس کا داخلہ سلاؔ سیا سن (پتھر کے کتبے) میں موجود ہے۔

دیول کی خدمت کے لئے پرسیاؔ اڑسی نایک سمستان کنک گیری کو عطائے جاگیرات

اُس زمانے میں سمستان کنک گیری والے نرپتی راجہ آناگندی کی امداد کرتے تھے اور نرپتی راجہ بھی ان کو مثل اپنے بچوں کے سمجھتا تھا اور کنک گیری والوں کی معاش میں اضافہ کیا۔ اپنی ریاست میں ان کی راجدہانی بھی قایم کر دی اور یہ دیول جو دوسرے دروازے تک تھا اِس دیول کو جو (۱۲) گاؤں چار لاکھ ورہا (ہن کے مماثل قدیم طلائی سکہ تھا) کے محاصل کا راج تھا وہ پرسیا اڑسی نایک کے تفویض سکے ۱۴۰۰ ایلو نام سیجھر میں کئے گئے۔ نرپتیوں (راجہ آناگندی) میں سیدھے جانب کے نشست کی عزت اور خطابات حاصل کر کے سری سوامی کی پوجا پاٹ نہایت عمدگی سے کرتے ہیں کہ سری سوامی کے ادائی خدمت کے لئے دو جاگیریں یعنی تین ہال۔ ملّا پور پوجاریوں کے مورث اعلیٰ اسری کونڈما چاری سوامی اور اُن کے چار گوتر (فرقوں) میں دیا گیا۔ جس کی سند موجود ہے۔

نواب اُڑسی نایک کی پیدائش اور اُن کے زمانے کی عمارات۔

پرسیا اُڑسی نایک کی وفات کے بعد اس کے فرزند نواب اُڑسی نایک کی پیدائش کے وقت صرف گول مضغہ نکلا اس پر رانی کے پاس رہنے والی عورتوں کو شبہ ہوا اور راجہ کو خبر کر دی۔ راجہ نے حکم دیا کہ اس جنین کو سری سوامی کے پاس ڈال دو حسب تعمیل کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لچھمی دیوی کا دودھ پی کر (۱۲) سال تک پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد اُڑسی نایک نے سالیوا ہن سکے ۱۴۳۲ الیشور نام سیجھر میں قصبہ کنک گیری کو آباد کرنے کی غرض سے (۷) مواضعات کو توڑ کر ایک ہی گاؤں آباد کر کے اس کا نام کنک گیری رکھا۔ گاؤں کے اطراف فصیل تیار کر کے سری سوامی کے مدھیہ رنگ (بیچ صحن) دیول کے چوطرف کمپونڈ اور اکثر پتھر کا کام اسی کے زمانے میں ہوا۔ صدر دروازے کے باہر باؤلی کے پاس ایک چھوٹا سا دیول ہے جس میں نواب اُڑسی نایک کی مورت کالے پتھر پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کے زمانے میں کئی دیول یعنی

نوئی بھوگا پرمیس کا دیول۔ یمی گڈ میں نرسہنوں سوامی کا دیول۔ وٹل (پہاڑ میں رہنے کے مکان) تالاب بنوائے۔ جہاں جہاں اس نے دیول تعمیر کئے ہیں وہاں راجہ کی پتھر کی مورتیں موجود ہیں نواب اُڑسی نایک نے (۴۷) سال تک سلطنت کی۔

کلوڑی اُڑسی نایک کے زمانہ کی مذہبی عمارات

نواب اُڑسی نایک کی وفات کے بعد اُس کے فرزند کلوڑی اُڑسی نایک نے جو سوامی کے بڑا معتقد تھا۔ سالیواہن سکے ۱۴۵۵ دکاری سمچھر میں اس دیول کے اندرونی و بیرونی صحن اور گوپر یعنی بلند قبہ اور دیوار کے چوطرف کمپونڈ وغیرہ میں گچ کرائی۔ اس کی تصویر گچ کی وسط صحن میں موجود تھی (اب نہیں ہے) دیو کے پوجا پاٹ عمدگی سے ہوتی رہی۔ اس نے دو رتھیں بنوا کر جاترا میں بہت ترقی کی جس کے لئے ہر سال تخمیناً (۶) ہزار روپیہ اخراجات کا تعین کر کے نہایت عمدگی سے اپنی ریاست اور سری سوامی کا اچھاؤ کرتا رہا۔

کنکیا اُڑسی نایک کے زمانے کی تعمیرات اُس کی عورت پچماتا نگتی کے خلوت گاہ میں سری سوامی کا راجہ کے لباس میں داخل ہونا

کلوڑی اُڑسی نایک کی وفات کے بعد اُس کا فرزند کنکیا اُڑسی نایک سری سوامی کے بہت ہی عقیدت مند تھا اور اُس کے منہ سے جو نکلتا تھا سچ ہوتا تھا۔ سکے (۱۵۰۰) تارن سمچھر میں بازار میں کے تمام دیول اور (۲) حوض و توںڈی تیورپا کے دیول وغیرہ اور اس گاؤں کے اوپر دار دو تالاب تعمیر کرائے۔ اُس زمانے میں بھاٹوں کو دیو کی تعریف اسی راجہ نے یہ سکھلائی تھی "اے دنیا کے پیدا کرنے والے کنک گیری نرسہنوں تو رحیم ہے۔ تیرے توٹل تیرتھ (چھوٹے تیرتھ) سچے اعتقاد سے روزانہ کرنے والے کو کشٹ (سفید داغ) اور بھگندر وغیرہ امراض خبیثہ اور تکالیف و افلاس کو دور کرنے والا ہے" ایسے بہت دعائیہ فقرے جسکو بھلنگی کہتے ہیں بنائے تھے۔ اس کی بڑی زوجہ پچیی نا گتی بڑی پارسا تھی۔ ایک دن سری سوامی راجہ کے لباس میں رانیواس (یعنی زنانے محل میں جہاں رہتی تھی) کے خلوت گاہ میں داخل ہوا۔ اتفاقاً راجہ اُس وقت اپنی رانی کے پاس گیا تو رانی نے کہا کہ تم ابھی آئے تھے پھر کیوں کر آئے۔ اس پر راجہ خاموش رہا۔ دوسرے روز تاک لگا کر خلوت گاہ میں سری سوامی کو جا پکڑا۔ تو سوامی نے اپنی اصلی علامات سنکھ اور چکر بتلا دئے۔ اُس روز سے

اُس راجہ نے اپنی عورت کی خلوت گاہ میں جانا چھوڑ دیا اور مثل ماں کے سمجھ کر پوجا کرنے لگا۔

ونکٹپا نایک کے زمانہ کی عمارات اور ممڑی اڑسی نایک کے عطیات

کنکیا کے مرنے کے بعد اُس کے بھائی ونکٹپا نایک نے سالیواہن سکے ۱۵۰۵ ورودھی نام سمجھر میں اپنا نام ہمیشہ قایم رکھنے کے لئے تخمیناً ایک لاکھ روپیہ کے صرفہ سے ایک بہت بڑی باؤلی طیار کرائی جس کا نام "ونکٹپا" باؤلی ہے اور جواب تک درست حالت میں موجود ہے۔ ہندو لوگ اس کو ونکٹ پتی کی باؤلی راجہ کے نام پر سے کہتے ہیں۔ کنکیا اُڑسی نایک کے فرزند ممڑی اڑسی نایک نے سالیواہن سکے ۱۵۴۰ اکشی سمجھر میں (۳۲) لاکھ کی ریاست پر حکومت کی۔ سری سوامی کے روزانہ پوجا پاٹ اور جاترا میں بہت ہی ترقی دی۔ داخلہ سے ظاہر ہے کہ اُس وقت اس پوجا کے اخراجات تخمیناً ایک لاکھ روپیہ تھے اُس نے (۳۰) پالیگاروں کو املیات[۵۲] دیں اور کئی لوگوں کو جاگیریں اور دیس[۵۳] گتیاں اور ناڑ گوڑ گیاں[۵۴] اور متعدد انعامات عطا کئے اور علاوہ اس کے اپنے بزرگوں کے دیئے ہوئے عطیات بحال و برقرار رکھے۔ اس کا نصب کیا ہوا ایک پتھر کا کتبہ سالی واہن سکے ۱۵۹۷ سمجھر کا دیول کے اندر موجود ہے جس میں وشنو سہ ترم کر کے لکھا ہوا ہے۔ دیول کے باہر باؤلی کے پاس کالے پتھر کی مورتیں ہیں بیچ میں نواب اُڑسی نایک کی مورت ہے۔ داہنی جانب جیتا زوجہ سمجھی ناگتی ماں بائیں جانب کنکیا پسر ممڑی نایک پوتا ہے۔ نواب اُڑسی نایک جس کو عرف میں اُڑچپا نایک کہتے ہیں اُس کی تصویر بیچ میں سیاہ پتھر کی ہے سر پر پگڑی دی ہوئی ہے ہاتھ جوڑے ہوئے درباری لباس میں کھڑا ہے۔ یہ بت ۴ فیٹ ۹ انچہ بلند اور دو فیٹ ۹ انچہ چوڑا ہے اس کے باہر ایک پتھر پر راجہ اُڑچپا نایک کی سواری کی تصویرات بتلائی گئی ہیں۔ اُڑچپا نایک کی عورت "چناجما" سری سوامی کی بڑی معتقد تھی جس نے اپنا نام قایم رہنے کے غرض سے دیول کے اندر سکے ۱۵۹۲ سمجھر میں پتھر کا فرش

---

[۵۱] زمانہ قدیم میں فوج کے سر گروہ کو کہتے تھے [۵۲] جن مواضع کی آمدنی میں دو ثلث سرکار لے اور ثلث قابض کو معاف کرے ۱۲ [۵۳] یہ ایک قسم کا وطن ہے جو اس وقت تک رائج ہے سیریات و املیات وغیرہ ان لوگوں کے لئے زمانہ حال میں سرکار سے جاری رکھی گئی ہیں۔ ۱۲ [۵۴] ایک قسم کی وطن داری ہے جس میں حقوق انعامی حاصل رہتے ہیں [۵۵] اُڑچپا نایک کے نام کے کئی فرامین عادل شاہی ضمیمہ آخر میں درج ہیں ۱۲ ۔

بنوایا اور فرش زمین میں گرڑ دیول کے شمال جانب ایک پتھر کا کتبہ اُسی فرش میں لگا ہوا ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔ نیز ایک تالاب قصبۂ کنک گیری کے شمالی جانب تعمیر کرایا جس کو چنا دیوی تالاب کہتے ہیں جو اب بھی موجود ہے۔ دوسری رانی اچماّ نے بغرض بقائے نام خود کنک گیری کے مغربی جانب موضع کیئرٹو کے راستہ میں ایک باؤلی بنائی جو اب بھی موجود ہے جس کو اچماّ کی باؤلی کہتے ہیں۔

کنکیا اُڑسی نایک ثانی راجہ سمستان کنک گیری کی کارہائے خیر

ممڑی اُڑچپا نایک کے انتقال کے بعد کنکیا اُڑسی نایک ثانی عین عالم شباب میں سکے ۱۶۳۰ و جے سچھر میں گدّی پر بیٹھا۔ مذہب کا بڑا پابند تھا اور اپنے بزرگوں کے عطیات اور سری سوامی کے پوجا پاٹ و جاترا وغیرہ کے اخراجات حسب معمول بحال و جاری رکھا۔ اس کی ریاست (۳۲) لاکھ کی تھی۔ ازروے داخلہ ظاہر ہے کہ اس دیول کے اخراجات تخمیناً ایک لاکھ روپیہ تک تھے۔ اپنا نام قایم رہنے کی غرض سے ایک باؤلی موضع بنکاپور کے راستہ میں تعمیر کی جس کو اب کنکیا کی باؤلی کہتے ہیں جو اب بھی موجود ہے۔ اس نے (۴۲) سال سلطنت کی۔

ہری رنگپا نایک فرزند کنکیا ثانی کے زمانۂ حکومت کی تعمیرات

کنکیا اُڑسی نایک ثانی کے انتقال کے بعد اُس کا فرزند ہری رنگپا نایک سوامی کا بڑا معتقد اور بڑا منصف مزاج تھا اُس نے معاش ہائے قدیم بحال رکھیں اس کے عہد میں سری سوامی کے پوجا و جاترا وغیرہ کے اخراجات تخمیناً ایک لاکھ روپیہ تھے۔

چِتاّنند کی کتاب بال لیلا سے معلوم ہوتا ہے کہ مہا تپشی (ولی صفت) چِتاّنند اودہوت مہاراج اس زمانے میں یہاں موجود تھے۔ اُنھوں نے راجہ سے خواہش ظاہر کی کہ میری سمادھی (قبر) یہیں بنائی جائے اور میرے کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے گاؤں کے چوطرف بلی (صدقہ) ڈال دیں تو تیری ریاست تا بقائے شمس و قمر رہے گی ورنہ تیری تیسری پشت کے بعد تباہ ہو جائے گی۔ راجہ ڈر گیا کہ سنیاسی کا قتل بڑا پاپ ہے ریاست برباد ہو جائے تو مضائقہ نہیں لیکن یہ کام مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ اِس سنیاسی کے رہنے کے لیئے راجہ نے اپنی ڈیوڑھی کے پاس ایک منڈپ اور

ایک باؤلی بنائی اور اسی میں سمادھی بھی بنا دی - راجہ نے اُس منڈپ کے چو طرف ایک باغیچہ بنایا تھا جو اب ویران ہے -

کنکیا اُڑسی نایک ثالث پر بادشاہ بیجاپور کا چڑہائی کرنا

کنکیا ثانی کے مرنے کے بعد اُس کے فرزند کنکیا اُڑسی نایک ثالث جو نوجوان تھا گدی پر بیٹھا معاش قدیم جاری رکھیں اور سری سوامی کی پوجا وغیرہ میں سالانہ (۶۰) ہزار روپیہ خرچ کرتا تھا - اس زمانے میں بیجاپور کے بادشاہ نے چڑہائی کی - رات کے وقت لڑائی ہوئی - سری سوامی نے خود گھوڑے پر سوار ہو کر تمام لشکر کو بھگا دیا - بادشاہ بہت متعجب ہوا اور سمجھا کہ یہہ کوئی دردی پرش (مقبول بارگاہ) ہے - داخلہ سے ظاہر ہے کہ پادشاہ نے اس کو اپنی ریاست میں باج گزار راجہ کے نام سے موسوم کیا -

راجہ کنکیا اُڑسی نایک ثالث کی راجہ ارکاٹ سے لڑائی اور کنکیا کا پیاس سے مرجانا

راجہ کنکیا ثالث کو بیجاپور کے راجہ نے ارکاٹ پر چڑہائی کرنے کا حکم دینے پر جنگ کی طیاری کی (۵) ہزار گھوڑے (۳) ہزار ہاتھی پالنسواونٹ ایک لاکھ پیدل جمعیت تھی - چنانچہ اس میں صرف تین ہزار گولر[1] تھے - میدان جنگ میں گئے اور لڑائی شروع ہوئی اور کامیابی کے آثار نظر آنے لگے - سوامی کا ارشاد راجہ کی نسبت یہ تھا کہ دیول کے سامنے جو باؤلی ہے اُس باؤلی کا پانی جس روز نہیں پیے گا اُسی روز مرجائے گا - یہہ بات یہاں کے لوگوں کی سازش سے راجہ ارکاٹ کو معلوم ہوئی وہ بڑا استفتی تھا پانی لانے کا ذریعہ بند کر دیا - راجہ کو لڑائی میں پانی کی پیاس زیادہ لگی - پانی نہ آنے سے ایک تالاب میں گردن برابر پانی میں کھڑا ہوا تا کہ پیاس بجھے لیکن پیاس نہ بجھ سکی آخر کار راجہ نے تالاب کا پانی پی لیا اور فوراً مر گیا راجہ کے مرنے کے بعد لوگ ویسے ہی واپس چلے آئے -

راجہ ہری نایک کا سکے ۱۶۹۸ سیچھر میں جانشین ہونا اور راجہ چندو لال وزیر حیدرآباد سے مقابلہ

کنکیا اُڑسی نایک ثالث کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا ہرے[2] نایک سکے ۱۶۹۸ میں جانشین ہوا - یہ شخص بڑا دور اندیش تھا مگر ذرا سنکا ہوا تھا - آس

[1] ایک قوم ہے ۱۲ [2] زبان کنڑی کا لفظ ہے ہرے بمعنی کلاں اور چک بالکسر بمعنی خورد -

بھی سرفی سوامی کے پوجا اور جاترا حسب دستور جاری رکھا۔ کارہائے خیر کرتا رہا مگر کم سن بچوں کو دیکھتے ہی پکڑ لیتا تھا اور مار ڈالتا تھا۔ رانی واس کے لوگوں کو جنبیہ سے ہلاک کرتا تھا۔ اس زمانے میں انگریز لوگ اس ملک میں تازہ وارد ہوئے۔ تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ انگریزوں نے اپنی حکمت عملی سے باجی راؤ کو گرفتار کرکے ملک مہاراشٹہ[۱] پر قبضہ کرلیا۔ انگریزوں نے ندی کے اُس پار کا تمام ملک اپنے قبضہ میں کرلیا اور ندی کے اس پار کا ملک مغلئی والوں کے قبضہ میں رہا۔ سکندر جاہ میر عالم بہادر اور چندولال دو وزیر سلطنت کا روبار چلاتے تھے۔ راجہ چندولال ترپتی کی تیرتھ کے واسطے چندولال راستے سے ہمپی[۲] دیکھتے ہوئے کنک گیری آئے۔ کنک گیری کے راجہ نے سمجھا کوئی غنیم چڑھ آیا ہے لڑائی کے لئے طیار ہو گیا تو راجہ چندولال مع اپنے ہمراہیوں بھاگ کر راجہ آناگندی کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ راجہ کنک گیری نے اُن کا تعاقب کیا لیکن راجہ آناگندی کے ایما سے اُن کو مثل اپنے باپ کے خیال کرکے واپس پلٹا۔

راجہ چندولال اور راجہ ہرے نایک کا مقابلہ اور راجہ ہرے نایک کا ضرب توپ سے ہلاک ہونا۔ ۔ ۔ ۔

راجہ چندولال بہادر نے ترپتی جاترا سے حیدرآباد واپس آکر میر عالم بہادر کی صلاح ومشورے سے کنک گیری کے سبیل بند رقم (پیشکش) وصول کرنے کے لئے تھوڑی فوج بھیجی اس وقت ہرے نایک نیمی گڈہ کے پہاڑ میں رہتا تھا فوج نے آکر گھیر لیا سمستان کنک گیری کی فوج نے رات کے وقت تمام گھوڑوں کے کان اور دم کاٹ ڈالیں صبح ہوتے ہوتے چندولال کا لشکر پست ہمت ہو کر واپس چلا گیا۔ بعدہ راجہ چندولال نے سلطان میاں کو سپہ سالار مقرر کرکے بھیجا۔ اُس وقت بھی راجہ نیمی گڈہ میں رہتا تھا۔ فوج نے آکر گاؤں کو گھیر لیا۔ راجہ نے یہ سن کر لشکر کو طیاری کا حکم دیا۔ راجہ غسل کرکے سوامی کے درشن کے لئے دیول میں گیا۔ روزانہ جو دروازہ کے قفل خود بخود کھل جاتے تھے اُس دن نہیں کھلے۔ جس سے راجہ آزردہ خاطر ہوا وہ سمجھا کہ میرے مالک (یعنی کنکا چلپتی) کا عتاب ہے۔ اب زندہ رہنا ٹھیک نہیں۔ چندولال کی فوج سے مقابلہ کیا جس میں راجہ کا

[۱] ملک مرہٹواڑی۔ دکن میں مرہٹواڑی۔ تلنگانہ اور کرناٹک ملک کی تین تقسیمیں ہیں [۲] سلطنت بیجانگر کا اُجڑا ہوا شہر اب ہمپی کے کھنڈر کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲۔

تمام لشکر تباہ ہوگیا۔ حیدرآبادوالوں کا حکم صرف راجہ کو گرفتار کرنے کا تھا مار ڈالنے کا نہ تھا۔ یہ راجہ وردی پوش ہونے سے تلوار اور بندوق کی گولی سے ہلاک نہ ہوسکا۔ آخرکار لڑائی میں چندولال کو فتح ہوئی۔ راجہ تونڈی تور پا دیول کو جاکر سوامی کی درشن لیا بعد اُس نے دل میں سوچا کہ اب صفحۂ دنیا میں رہنا ٹھیک نہیں اپنی داہنی ران میں جو مچھ بنتر (تعویذ) تھا جمبیہ سے چیر کر نکالا۔ جو کھلتے ہی غائب ہوگیا اسی وقت لشکر نے آکر راجہ کو گھیر لیا۔ راجہ خود بخود توپ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور توپ خود اڑادی۔ توپ کی آواز ہوتے ہی جسم کے تمام اعضاء جولاہی پیٹ کے اوپر وار ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر پڑے لوگوں نے تمام ٹکڑے اکٹھے کرکے جلادئے اور وہاں ایک چبوترہ اور ایک دیول بنایا گیا جو اب ہرے نایک کی چبوترے کے نام سے مشہور ہے۔

ٹیپو سلطان اور راجہ ہرپن ہلّی کا راجہ کنک گیری کی ڈیوڑھی کو لوٹنا اور جلانا اور دیول کا تاج لے جانا

ٹیپو سلطان پونا جانے کی غرض سے ہمپی اور آناگندی پر سے ہوتا ہوا کنک گیری میں آیا۔ کنک گیری کے لوگ اُس وقت مہالکشمی کی پوجا کے لئے بڑے کرّوفر سے پچھمی دیوی کے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے۔ ٹیپو سلطان اپنے لشکر سمیت راجہ کے ڈیوڑھی میں گھس گیا اور لوٹ لیا اور سارے دیوستان کو بھی لوٹ لیا۔ بڑے رکھ کو آگ لگادی جو پھیلتے پھیلتے دربار تک پہنچی اور برابر تین مہینے تک جلتی رہی اور اسی کے ساتھ اسناد و وثائق بھی جل گئے۔ ٹیپو سلطان کے ساتھ ہرپن ہلّی کا راجہ بھی آیا تھا سمستان کے خزانہ میں سری سوامی کے سونے کا تاج تھا جس میں ہیرے و الماس لگے ہوئے تھے وہ لے گیا۔ انگریزوں کی اوائل حکومت میں ہرپن ہلی سمستان برباد ہوگیا۔ اُس وقت والی سمستان ہرپن ہلی نے یہاں سے جو تاج لے گیا تھا ضلع دہارواڑ کے موضع دیوہیتر گی میں ایک صراف برہمن مسمی رامنّا نایک کے پاس رہن رکھا۔ اس کے پیشتر کسی کو خبر نہ تھی کہ تاج کس کے پاس ہے۔

رامنّا نایک کا سوامی کے درشن کے لئے آنا اور تاج کے دینے سے انکار کرنا اور سیڑھی اُلٹ کر زخمی ہونا

رامنّا نایک صراف برہمن جاتے جاتے کنک گیری میں ٹھہرا اور سری سوامی کے درشن پھل (تبرک) لے کر چلا گیا۔ لیکن کسی کو خبر نہ کی

۱؎ کنک گیری کی مشرقی جانب یہ دیول ہے ۱۲۔

کہ اُس کے پاس تاج تھا۔ گاؤں کے باہر ماپیفیا کے مٹھ کے پاس جانا ہی تھا کہ بنڈی اُلٹ گئی۔ رامنّا کے ہاتھ میں سخت چوٹ آئی۔ وہ واپس آکر سری سوامی کے پاس ایک روز رہا برہمنوں کو کھانا کھلایا۔ سری مان وِنکٹ سوامی اور وِنکٹا چاری کے سامنے رامنّا نایک نے کہا کہ (۷۰) ہزار روپیہ میں تاج رہن ہے۔ اصل رقم میں نصف اور پورا سود چھوڑ دوں گا۔ پوجاریوں نے کہا کہ ہم رقم دینے کے قابل نہیں ہیں مناسب یہ ہے کہ اپنا نام تاج پر کھدوا کر دیول کے نام دے دو لیکن رامنّا اس بات پر راضی نہ ہوا اور (۱۶) سال کے بعد مر بھی گیا۔

راجہ رنگنا تھیا کا ہلی حیدر کے (۱۶) مواضعات پر چڑھائی کرنا۔

راجہ ہرے نایک کے مرنے کے بعد اُس کے (۳) فرزند تھے۔ رنگیا نایک رنگنا تھیا نایک عرف گڈّ و دھری ہنمپا نایک۔ ان تینوں میں سے پہلا لڑکا رنگیا نایک شورا پور کو شادی کی غرض سے گیا ہوا تھا اتفاقاً کسی مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ دوسرا فرزند رنگنا تھیا نایک اُس نے سمستان ہلی حیدر جو سرکار میں ضبط تھا لینے کی کوشش کی مگر ناکامیاب رہنے سے ہلی حیدر کے (۱۶) مواضعات پر چڑھائی کی۔ یہ خبر سرکار نظام اور سرکار عظمت مدار تک پہنچی آخر کار برٹش گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ (۱۶) مواضعات سرکاری عمل دخل اور دریافت انعام سے مستثنیٰ ہیں جس کے متعلق رزیڈنٹ بہادر کے میمورانڈم سمستان میں موجود ہے۔ رنگنا تھیا ان (۱۶) مواضعات کو اپنے قبضہ میں لے کر سمستان کی حکومت چلانے لگا کچھ عرصے کے بعد تیسرا فرزند ہنمپا نایک نے رنگنا تھیا سے کہا کہ مجھے بسر اوقات کے لئے علیحدہ معاش مقرر کرو جس پر اُس کی گزر اوقات کے لئے ایک موضع گوڑہن ہال دے دیا گیا۔ اُس وقت سے سری سوامی دیول کی تمام معاش ضبط ہو کر صرف (۳) ہزار روپیہ کے اخراجات بحال رکھے گئے۔

۱۲۶۳ف میں بالمین صاحب کا سری سوامی کے پوجا کے لئے پتن ہال ملاپور معافی جاگیر کا پوجاریوں کے نام بحال کرنا۔

رنگنا تھیا عرف گڈّو دھری نہایت عمدگی سے سوامی کے روزانہ پوجا اور جاترا چلاتا تھا۔ اس دیول کی نگرانی کے لئے مدار جنگ کے زمانے سے لے کر ابن حسین عقال عرب معاملت دار اور اسد علی خاں۔ نواب جان۔

عیسیٰ میاں۔ سلطان میاں۔ داول میاں ۔ محمد صاحب میاں ۔ بھکو میاں کے زمانہ تک سمستان کے (۱۶) مواضعات تھے اور دیول کے لئے سالانہ (۳) ہزار روپیہ حسب معمول بحال و جاری رہا۔

بالمین صاحب بہادر نے ۱۲۶۲ف عمل کمشنری میں سمستان کے (۱۶) مواضع بحال رکھ کر صرف دیول کے لئے (۳) ہزار کی معاش بغرض دریافت ضبط کی۔ علاوہ اس کے سری سوامی کی پوجا کے لیے قدیم سے دو مواضعات پتن ہال۔ ملا پور معافی جاگیر تھیں دریافت کے لئے وہ بھی ضبط کیں (۷) سال تک مسلسل کارروائی چل کر اڈانی خدمت کی معاش سری من ونکٹ سوامی اور سری من دنگل ونکٹا چاریہ دونوں کے نام حسب الحکم رزیڈنٹ بہادر بحال ہوئی۔ امانی رقم بھی ملی۔ سرکار انگریزی میں پوجاریوں نے اس دیول کے (۳) ہزار کی معاش کی رقم ملنے کے لئے درخواست دی اس پر یہ تجویز ہوئی کہ یہ ملک سرکار نظام کے تفویض ہوچکا ہے لہٰذا نظام سرکار میں کارروائی کی جائے معاش ضبط رہنے سے سری سوامی کے روزمرہ پوجا سمستان کی طرف سے رنگنا تھپیا نایک چلاتا رہا اس طرح اس کی اور ونکٹ لچما کی شوہر کی مدد سے چند روز تک جاترا ہوتا رہا۔

رنگپا نایک کا سمستان پر قابض ہونا اور مرتے وقت بڑی زوجہ ونکٹما سے وصیت کرنا۔

رنگنا تھپا کے مرنے کے بعد اس کے (۳) بیٹے تھے رنگپا نایک۔ کنکپا نایک اور دوسری زوجہ کے بطن سے جمل نایک۔ رنگنا تھپا نایک نے (۱۶) مواضعات پر قبضہ کرکے سمستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ سری سوامی کی روزمرہ پوجا و سالانہ جاترا چلاتا تھا۔ کنکپا نایک فرزند دوم نے رنگپا نایک سے کہا کہ میرے بسر اوقات کے لئے علیحدہ معاش دی جائے تو اُن کے کہنے کے بموجب رنگپا نایک نے موضع سوم ساگر دے دی۔

رنگپا نایک کے دو فرزند تھے (۱) اُرچپا نایک (۲) رنگنا تھپا نایک۔ یہ اپنی اپنی معاش میں گزر اوقات کرتے تھے۔ جمل نایک کو موضع گنٹ ٹرو کی معاش دے دی گئی۔ جمل نایک کا بیٹا رنگنا تھپا نایک اب بھی اُس معاش پر قابض ہے۔ رنگپا نایک کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی صرف (۳) لڑکیاں تھیں لچھما۔ ہریما۔ دنڈما اُس نے مرتے وقت اپنی بڑی زوجہ ونکٹما اور بقیہ تین زوجگان کو بلا کر وصیت کی کہ مجھے کوئی فرزند نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر دقتیں پیدا ہو جائیں۔ اپنے بھائی کے فرزند مسمی

اُڑچپا نایک کو رسم دت ہوم کی ادائی کے بعد متبنیٰ کیا۔ رنگنا تھپا کنک گیری میں مرا۔

دیول کے معاش کے متعلق کارروائیاں

رنگنا تھپا کے انتقال کے بعد اُن کی بڑی زوجہ ونکٹما سمستان پر قابض ہوئی۔ سری سوامی کی پوجا و جاترا و روزمرہ کا کام حسب معمول چلاتی رہی مگر بالمین صاحب کے زمانہ میں جو دو موضع دیول کی پوجا کے لئے جاگیر دیے گئے بالمین صاحب کا زمانہ گزرنے کے دو سال بعد ضبط کر لئے۔ پٹن ہال معافی جاگیر تھا بزمانۂ میر مومن علی صاحب اول تعلقہ دار دریافت انعام ہو کر بحال ہوا۔ بعد چند روز کے مکرر دریافت انعامی میں جاگیر کی سند طلب کی گئی بمقام کارٹگی بہ محکمہ دوم تعلقداری سند داخل کی گئی جو صدر میں چلی گئی اور اب تک واپس نہیں ہوئی لیکن تا دریافت مکمل موضع جاگیر ضبط ہو کر سالانہ مالے نقد مقرر ہوئے۔ راجہ ہلی حیدر اور گرو کے درمیان کچھ جھگڑا ہونے سے گرو اپنے ذاتی صرفہ سے دیول میں خرچ کرتا تھا اُسے بھی رانی نے بند کر دیا۔ اس اثنا میں گرو کی عورت ونکٹ لچھما نے اپنی بیٹی کی شادی ترسھنوں آچاری سے کر دی جس کے بطن سے کنکما نامی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکی کی شادی کملا پور بان گری راگھو اچاری سے ہوئی اس کے بطن سے ایک لڑکا مسمی شاما چاری پیدا ہوا ونکٹ لچھما نے اپنے نواسہ شاما چاری کو گرو کے گدّی پر بٹھانے کا ارادہ کیا۔ راگھواچاری کا بھائی ونکٹا چاری سمستان ہلی حیدر کے خاندان میں متبنیٰ گیا تھا سمستان والے راگھوا چاری کے فرزند شاما چاری کو گرو بنا چکے تھے۔ ونکٹ لچھما کی وفات کے وقت گاؤں والوں نے ونکٹا چاری کو راضی کر لیا اور کملا پور بھیج دیا۔ پھر چند روز بعد راج باب کا جھگڑا شروع ہوا۔ آخر کار راجہ نے پوجاری کے نام سری سوامی کے لئے سالانہ (مالے) نقد جب تک نسل باقی رہے اُس وقت تک ادائی کا اقرار کیا اس شرط سے کہ اور کوئی مطالبہ نہ کیا جاوے۔ جس کو سمستان والے اور کنک گیری کی رعایا اور پوجاریوں سب نے تسلیم کیا اور اس مطابق ونکٹا چاری سے بھی ایک اقرار نامہ لکھوا لیا جس پر ۱۳۰۱ف تک عمل رہا۔

ادھر پہلے سے دیول کی معاش کے متعلق سرکار میں کارروائی جاری تھی لیکن کوئی داد نہ لگتی تھی۔ قصبۂ کنک گیری و لسری ہال کے پٹواری بھیم راؤ اور راگھپا صراف اور گاؤں کے لوگ دیول کی کارروائی کرنے کے لئے حیدر آباد گئے اور اس کارروائی کے لئے چندہ بھی ہوا

پوجاریوں و سمستان والوں نے راگھپّا صراف کو مختار نامہ دیا۔ انھوں نے رام اچاری صاحب وکیل کے ذریعہ سے ایک درخواست اور دیول کے نقشہ جناب مولوی مشتاق حسین وقار الملک بہادر معتمد مالگزاری کی خدمت میں گزرانی صاحب ممدوح نے نواب مدار المہام بہادر کی خدمت میں گزارش پیش کی کہ معاش بحال ہونی مناسب ہے۔ نواب مدار المہام بہادر نے حکم دیا کہ چونکہ یہ دیول بہت بڑا ہے متعدد لوگوں نے اس دیول کی معاش کے متعلق کارروائی کی ہے سری سوامی کی پوجا وغیرہ اور ثواب ملنے کے لئے (سماء) سکہ حالی کی سالانہ معاش جاری فرمادی اس طرح سنہ ۱۳۰۱ف چھ سو روپیہ نقدی سالانہ معاش جاری ہے۔ دیول کے اخراجات کی فہرست مرتب ہوئی۔ راگھپّا صرّاف کی کارروائی پر دیول کی نگرانی پنچوں کی کمیٹی کے تفویض رہی جس کی میر مجلس رانی ونکٹما ہوئیں۔ راج گرو ونکٹا چاری اپنے معاہدہ کے موجب سنہ ۱۳۰ف تک (ماصہ) سالانہ دیول کو دیتا رہا۔ سنہ ۱۳۰۱ف سے وو نندا دیپ (چراغ) لگانے کے اخراجات سالانہ (صہ) خرچ کرتے آئے بموجب معاہدہ رقم کی ادائی نہ ہونے سے سالانہ (ماصہ) بقایا کے حساب سے سنہ ۱۳۱۳ف تک (الـ سماء ر) بقایا ہے۔ سنہ ۱۳۱۴ف سے وو نندا دیپ (چراغ) لگانا بھی موقوف ہوا۔ سالم رقم وصول طلب ہے۔ اس درمیان میں رانی ونکٹما نے جاترا میں ڈبہ آمدنی کی رقم دینے کا جھگڑا نکالا۔ راگھپّا صرّاف اور گرو دونوں نے ڈبہ روک دیا۔ رانی صاحبہ نے اپنی عزت کا خیال کرکے اپنی بقایا کی رقم ادائی کا اقرار کرکے قصبۂ کنک گیری میں ہٹگیری ایرپا ساہو کو ضمانت دی اس کی رقم (سماعصہ) رانی صاحبہ کے ذمہ باقی نکلی۔ جس کی نسبت کارروائی چلی۔

سہراب جی صاحب دوم تعلقہ دار نے حوالہ دار سے (سماصہ) روپیہ وصول کی باقی رقم کی نسبت کارروائی جاری رہی اس سے پہلے اندرونی طور پر کارروائی چل کر رانی صاحبہ میر مجلسی سے خارج ہوئی تھیں سوم تعلقدار صاحب کو میر مجلسی دی گئی تھی اس کی کارروائی چل رہی تھی کہ رانی ونکٹما کا انتقال ہوا۔ اُن کے فرزند متبنیٰ اڑچپا نایک سمستان کے مالک ہوگئے۔ حسب دستور قدیم تمام کام جاری رکھا۔ اُن کے زمانہ میں کنک گیری کی رعایا نے خواہش کی کہ سمستان والوں کی عزت قایم رکھنی ضرور ہے۔ اس کے متعلق کارروائیاں کیں۔ سمستان والوں نے بھی زور لگایا دریافت کے لئے مولوی میر شجاعت علی صاحب اول تعلقہ دار

ضلع لنگسگور مخفقہ کے نام حکم آیا۔ تعلقہ دار نے موافقتی دریافت کے بعد حسب منظوری سرکار سری منت راجہ اڑچپانایک بہادر سمستان ہلی حیدر کو کنک گیری کی دیول کی میر مجلسی دی۔ راجہ صاحب نے سری سوامی کے دیول کے لئے سرکار سے جو رقم ملتی تھی دیول کے روزانہ پوجا۔ (۱۵) روز کی اچھاؤ مہینے کی اچھاؤ۔ نہایت عمدگی سے چلائی۔ سری سوامی کے جاترہ کے جملہ اخراجات اپنی ذاتی صرفہ سے تخمیناً چار یا نسو روپیہ کلدار تک سالانہ کرتے رہے۔ ڈبہؔ کی آمدنی ہنمنت اچھاؤ سے بے کر بدی (۸) شام تک نگرانی کر کے جس کی آمدنی دو سو تک ہوتی ہے خود لے لیتے ہیں۔ سوامی کے نئے رتھ[۱] کی طیاری انہیں کے زمانہ میں ہوئی۔ راجہ اڑچپانایک نے ماہ اسفندار ۱۳۱۵ف میں انتقال کیا۔

اُن کے انتقال کے بعد ایک صغر سن فرزند رنگپا ناتھ تھا وہ بھی مرجانے سے راجہ صاحب کی زوجہ رانی گورماؔ صاحبہ سمستان ہلی حیدر پر متصرف ہیں۔ اور وہی دیول کے جملہ انتظام اور سمستان کی کل نگرانی کرتی ہیں۔

---

[۱] یہ نیا چوبی رتھ بارہ ہزار روپیہ کی لاگت سے بنا ہے جس پر بہت عمدہ صناعی نقش ونگار کی گئی ہے اور کئی برس میں بنا ہے۔
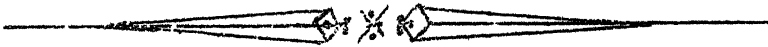
٥٢ (سلاسیاسن) یعنی پتھر کا کتبہ سکے ۱۳۵۸ھ - ۴۷ - ۱۴۴۶ء
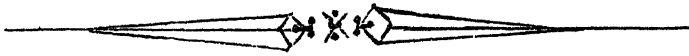
(۱) مبارک ہو - سری کنک گیری دیو کو ہمارا نمسکار - لکشمی نرسنہو کی برکت سے جو سب بزرگوں کا سردار ہی اور جو دنیا کا پرورش کرنے والا اور ہماری مرادوں کا دینے والا ہی تم ساکنان کنکاچل یعنی کنک گیری کا ہمیشہ محافظ و نگہبان رہے -

(۲) کلوڑی رنگناتھ (جو کنک گیری کے ایک دیو کا نام ہی) تینوں عالم کا مالک و مختار ہی (دنیا اور آخرت کے علاوہ ہنود کے نزدیک عالم جنات بھی تیسری دنیا ہی) اور اس کے

---

٥١ چاند - سنکھ - نام (برہمن جو پیشانی پر ٹیکہ لگاتے ہیں - چکر - سورج -

٥٢ پتھر کے اس کتبے کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے کوئی گرانٹ (عطیہ) دیا جاے - ایسے سیاسن بالعموم مندروں کے صحن میں نصب کئے جاتے ہیں جن میں معطی کے خاندانی اوصاف اور شرط عطا وغیرہ کندہ کئے جاتے ہیں - تامڑا سیاسن وہ ہی جو تانبے کے پتھروں پر کندہ ہو جیساکہ تیسرا کتبہ بیمون ہال کے گرانٹ کا ہی - ان تانبے کی تختیوں کے سرے پر سوراخ کرکے اُن میں ایک انگشتری نما حلقہ ڈال دیا جاتا ہی جس پر معطی کی مہر کندہ ہوتی ہی - چنانچہ ہم کو تامڑا سیاسن کی بارہ تختیاں (۱۰×۷) انچہ حسن اتفاق سے دستیاب ہوگئیں - کنک گیری کے دیول میں تین سیاسن برابر لگے ہیں - پہلا سیاسن سکے ۱۳۵۸ھ کنک گیری کے راجہ صاحب کا ہی جو ۲ فٹ - ۴ انچہ - ۲ فٹ ہی دوسرا ۲ ½ × ۱ - ۱۰ - بالکل مٹا ہوا ہی پڑھا نہیں جاتا - تیسرا ۶ فٹ × ۴ ½ - ۲ ف راجہ صاحب آنا گندی کا ہی - پہلے اور تیسرے سیاسنوں کا خط واضح ہی بایں ہمہ کوئی پڑھ نہیں سکتا اسی طرح تانبے کے پتروں کا حل نہ ہوسکا - بڑی دوا دوش سے معلوم ہوا کہ اوٹی کے پہاڑ پر ایک محکمہ آرکی آلوجی کا ہی جہاں قدیم عمارتوں کے کتبات پڑھے جاتے ہیں معدن ہٹی کے مسٹر بشپ نے میر التعارف راو بہادر کشنا شاستری بی - اے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ آرکیالاجیکل ڈپارٹمنٹ صیغہ ایپی گرافی سے کرادیا صاحب موصوف کے پاس میں نے دونوں پتھر کے سیاسنوں کے چربے نہایت

اقدام مبارک مثل کنول کے پھول کے سُرخ ہیں برہما اور اندر کی ناصیہ فرسائی کی وجہ سے اُن کے تاجوں میں جو لعل جڑے ہوئے ہیں اُن کی سرخی نے دیو مذکور کے پاؤں کو سرخ کر دیا ہو وہ تمھارا حافظ و مددگار رہے۔

سالیواہن سکے سنہ ۱۳۵۸ (۱۴۳۶-۳۷ء) نل نام سمچھر کارتک سدہ (۱۲) امن چین اور فتح و ترقی کا سال ہو۔ اس مبارک موقع پر جب کہ ذی جاہ مہاراجہ دھیراج پرمیشور سری ویر پرتاب سری پروڈھ دیورای مہاراج جب کہ وہ دنیا پر سلطنت کرتا تھا سری کنک گیری ناتھ دیو کے امرت پڑی (کنک گیری کے دیو کو جو کھانا چڑھایا جاتا ہی وہ امرت پڑی کہلاتا ہی) کا چڑھاوا اور النکار (آراستگی) اور پوجا کے لئے کنک گیری بیٹ گاؤں نذر کر دیا۔

سالیواہن سکے سنہ ۱۴۱۰ (۱۴۸۸-۸۹ء) کیلک نام سمچھر سراون بد (۸) کی نیک ساعت میں بزمانِ سلطنت سری من مہاراجہ دھیراج پرمیشور سری ویر پرتاپ الملقب بہ دھرنی درہا مشہور سالوا نرسنگ دیورای مہاراج۔ کنک گیری ناتھ دیو کی امرت پڑی کے لئے نذر پیش کئے۔ (۱) موضع

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۵ - احتیاط سے اُتار کر بھیجے اور تانبے کی اصل تختیاں صاف کرا کے بھیج دیں مسٹر شاستری نے مجھ کو لکھا کہ تانبے کی تختیوں کے پڑھنے میں بہت اشکال ہو اُنھوں نے پھر مصالحہ لگا کر ان کو اچھی طرح صاف کرایا اور ایک خاص طریقے سے مزید روشنی ڈال کر یعنی کتابت کو منجلی کر کے پڑھا اور میرے پاس انگریزی ترجمے سیا سلوں اور تختیوں کے بھیج دئیے میں اُن کی اس مہربانی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ پہلے تو قدیم زبان کنٹری کا جو سنسکرت سے مخلوط تھی انگریزی ترجمہ کیا گیا پھر اُردو۔ لیکن اہل ہنود کے بے شمار دیوتاؤں اور اُن کے مذہبی رسوم کے واسطے زبان اُردو میں گنجایش نہ تھی لہذا یہ مرحلہ پھر اٹک گیا۔ مسٹر اُردی راو سامبرانی بی۔ اے سے مجھ سے ملاقات ہو گئی۔ ہیں تو وہ ہندو مگر فارسی کی عمدہ استعداد رکھتے ہیں اور کنٹری اُن کی مادری زبان ہی اور سنسکرت بھی جانتے ہیں اُنھوں نے اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی نرسنگ راو صاحب نے نہایت کاوش اور تدقیق سے اصل عبارت کنٹری ترجمہ انگریزی کا دوبارہ میلان کر کے مجھ کو سمجھایا اور میں نے تا بہ مقدور اُن کا ترجمہ جیسا کچھ کیا ہی ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ۱۲

گوویرہال[۵۱] جو اس کنک گیری کے گوشۂ شمال و مغرب میں واقع ہے مع اُس نالہ کے جو اُس گاؤں سے متعلق ہے (۱) موضع کھیاڑے[۵۲] گاؤں جو گوویرہال کے شمال میں واقع ہے۔
سالیواہن سکے ۱۴۳۴ انگیرس نام سمبھر آشاڑہ سد (۱۲) نیک ساعت میں سری ۱۳-۱۵۱۲ع
من مہاراجا دھیراج راج پرمیشور سری ویر پرتاپ سری کشن دیورای مہارای کے زمان سلطنت میں
کنک گیری ناتھ دیو کے امرت پڑی کے لئے نذر کیا۔ کنک گیری گاؤں کے پیٹ کے مقامی محصول
اور تلاری کا حق اور جنا پور[۵۳] گاؤں کے مجمع (یعنی بازار اور جاترا) کا محصول سرحار بیرونی میں ارکل[۵۴]
کلس گاؤں (۱) نولی[۵۵] کی سرحد میں بھیراپور گاؤں (۱)
سالیواہن سکے ۱۴۵۵ وجے نام سمبھر ماگھ سد (۷) نیک ساعت میں سری من مہاراجا ۳۴-۱۵۳۳ع
دھیراج پرمیشور ویر پرتاپ اچیت رای مہاراج کے زمان سلطنت میں سری کنکا چل پتی دیو کو
امرت پڑی نیویدیہ پوجا پاٹ دیپارادھنی (چراغ بتی) النکار۔ رتھ و جاترہ پنچ پرو تتھی (سال
میں پانچ بڑی بڑی عیدوں پر) معمولی و غیر معمولی[۵۶] رسوم حسب معمول بلاناغہ چلنے کے لئے
کشٹگی کی سرحد میں دیا سوا چیت رای پلاپور گاؤں (۱) سنگن ہال[۵۷] گاؤں (۱) رام پور[۵۸]
ہم نے ان عطیات اور مواہب کو (پانی[۵۹] اور سونے کے ساتھ) تین مرتبہ اعادہ کیا اُن
ہمارے ترکرنوں[۶۰] کے ذریعہ سے پاک کیا اور ان مواضع کو بلا کسی قسم کے محصول کے معافی دی

---

[۵۱] - اب اس نام کا کوئی موضع نہیں ہے - البتہ گورو بیچنال کنک گیری کے شمال میں ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہے غالباً اسی موضع کا نام اُس زمانے میں گوویرہال ہوگا ۱۲-

[۵۲] اب اس نام کا ہری کھیڑ یعنی بڑا کھیڑا ہے [۵۳ و ۵۴] اب اس نام کے کوئی موضع نہیں ہیں۔

[۵۵] موضع نولی تعلقہ گنگاوتی کے پاس واقع ہے۔ [۵۶] موضع نولی کے پاس جانب مغرب یہ موضع واقع ہے جو تعلقہ گنگاوتی میں ہے [۵۷] کنک گیری کے مشرق میں (۲) کوس کے فاصلے پر ہے۔

[۵۸] ۔ تعلقہ کشٹگی میں تادرگیرہ کے متصل گنگاوتی تعلقہ کے سرحد پر واقع ہے۔

[۵۹] - اہل ہنود جب کوئی چیز خیرات کرتے ہیں تو تیمناً تبرکاً اُس پر تھوڑا سا پانی ڈال دیتے اور سونے کی کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی دان پُن کرتے ہیں [۶۰] یعنی الواع سہ گانہ منہ کایا (عمل) واچا (قول) منسا (خیال) ۱۲ -

اور قبض و تصرف کے آٹھوں حقوق عطا کیے مثل معدنیات خزائن مخفی چشمہ ہائے آب سنگ جو اس وقت موجود ہیں یا آئندہ نکلیں حقیقی یا ممکن الحصول (منافع) اور تمام پیداوار جو ان مواضع کے حدود اربعہ میں ہو سری کنک گیری ناتھ دیو کو نذر کر دیا ہے۔ اس عطائے معافی کے دہرم شاسن کے مضمون کو جو کوئی محو کرے گا تو اپنے ماں اور باپ کو بنارس میں قتل کرنے کے گناہ کا پاپ لے گا۔ سری۔ سری۔ سری۔ (مبارک۔ مبارک۔ مبارک)
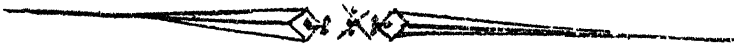
(دسلا سیاسن یعنی پتھر کا کتبہ سکے ۱۴۷۵ ۱۵۹۶ سنہ ۱۵۶۷ء)

مبارک ہو - (یہہ) فرمان نرسنہوا کا ہی جو سادان گیری (کنک گیری) کا باشان وشوکت حکمراں ہی جو پانچ صورت کے شرزہ کے تخت پر بیٹھا ہوا ہی - اس چین ۱۵۹۶ فتح وترقی کے شالیواہن شکے کے سال "انند" ہفتہ کے دن چیت سدیکم کو اور سیتبرک کنکاچل لکشمی نرسنہو سوامی کو جو کہ تمام عالم اور کروڑوں چھوٹے چھوٹے عالموں کا متبرک مالک ہی جس کی توصیف صرف وید اور اُپانی شاد (ویدانت) سے ظاہر ہوئی ہی اور جس کے وصف کا فخر پُران کو بھی حاصل ہی حاضر ناظر جان کر محتشم سردار نایکوں میں سب سے بڑا نایک اور نایکوں کا سرتاج کنک گیری کا لشکمی ناگتی امڑی اُڑسی نایک نے اپنے گھر کے دیو کنکاچل سری لکشمی نرسنہو سوامی کی الفات وتوجہ کی بدولت اپنے خدا رسید لوگوں سے اتیہاس (تاریخ) اور پران کو باربار سن سن کر ہر فرقہ ہاے برہمنان (سمارتھ - وشنو - سری وشنو کے بڑے بڑے تارک الدنیا کے مذہبی عقائد کی چھان بین کرکے جو لب لباب نکلا ہی وہ یہہ ہی:-

آغاز کلام یہ ہی کہ تمام باتوں کی جڑ - مخلوقات سے جدا - سری من نارائن سوامی جو لکشمی کا خاوند مشہور ہی اُس نے تین گن (یعنی ستو (کارحسنات) رجو (حالت متوسط نیکی اور بدی ملی ہوئی) تما (سئیات) اپنے دست قدرت میں اس غرض سے لئے کہ مخلوقاتِ آدم کو پیدا کرے چلاے اور مارے - (نارائن سوامی) رجوگن اختیار کرکے برھما کی شکل میں ظاہر ہوا جو دنیا کا باپ تھا - تموگن فنا کے واسطے اختیار کرکے مہیشور کی شکل میں ظاہر ہوا جو جگت گرو ہی - ستوگن دنیا کی ثبات کے واسطے اختیار کرکے سری مہا وشنو (جو نارائن کا دوسرا نام ہی) کی شکل میں ظاہر ہوا جو لکشمی کا شوہر ہوا اور تمام عالموں کا پروردگار ہی - ان تمام امور سے یہہ نتیجہ نکلا کہ سری نارائن سوامی ہی سبب اعظم تخلیق - ثبات اور فناے عالم کا ہی - ان اقوال کی سند حسب ذیل بیان کی جا سکتی ہی -

"برمھا مورتی پت پتامھا" (یہ عبارت وید کی ہی جس کے معنی برمھا کی مورت سب کا باپ ہی) پرمیشور کا جگت گرو ہونا ہم نے اس قول سے تسلیم کیا ہی۔
"دیان مچھے سدا سوات" (یعنی عقل اگر چاہتے ہو تو سدا سیو سے چاہو) اور متفق علیہ قول "تارک برمھ واچیے" یعنی رام منتر کو کاشی میں بیٹھ کر (اُن لوگوں کو جو ہجرت کرکے جاتے اور وہاں مرتے ہیں) وعظ کر رہا ہی - نارائن ہی جگت کا سوامی ہی یہ امر ذیل کے اقوال سے مسلم ہی۔
"موکشم اچھے جنا ردنات" (نارائن کا دوسرا نام جناردن ہی) اگر نجات چاہتے ہو تو جناردن سے چاہو۔
"نہ دیو دم کیشوات پرم" کیشو (بھی نارائن کا نام ہی) سے بڑا کوئی دیو نہیں ہی۔
"ناستی نارائنیات پرم" نارائن سے بڑا کوئی نہیں ہی۔
اِن تمام اقوال سے سہ مین نارائن ہی عالم کا سوامی ہونے کا ہم نے قول فیصل کرلیا ہی - جو شخص سچے دل سے اِن تینوں مورتوں (جگت پترو - عالم کا باپ - جگت گرو عالم کا گرو جگت سوامی - عالم کا مالک) کی پرستش کرے گا اُس کا انجام نیک ہوگا۔
اچھے لوگوں کو جو ان اقوال پر چلتے ہیں - خدا - رشی - گرو اور والدین کی عقیدت نصیب ہوگی وہ لوگ جو اس راہ سے بھٹک جاتے ہیں وہ (سیدھے) دوزخ کو جائیں گے اور ہمیشہ (ہمیشہ) کی تاریکی میں رہیں گے اور وہ خدا - رشی - گرو اور والدین کی بندگی اور اطاعت سے محروم رہیں گے - ایسے لوگوں سے کسی قسم کا کفارہ قبول نہ ہوگا۔
آخر کے تین سلوک سنسکرت کے سیاسن پر غلط کندہ کئے گئے ہیں جو پوری طرح پڑھے نہیں جاتے لیکن پہلے سلوک کا مطلب صرف اس قدر نکلتا ہی کہ اٹچ بھوپال (یعنی اٹچپا نایک نے بھی اِن اقوال کو علماء و فضلاء کی مدد سے انند سال کے چیت سدیکم اشو پتی نکشتر ہفتہ کے دن تسلیم کرلیا ہی۔

(عطائے جاگیر بیون ہال کے متعلق تانبے کی بارہ تختیوں کے مضمون کا اقتباس)

(۱) شروع کی (۸۸) سطروں میں (۴۲) سنسکرت کے شلوک ہیں جن کی مطابقت برٹش میوزیم کینسنگٹن لندن میں سداسیورایا کے عہد کی جو تختیاں ہیں اُن سے ہوتی ہے اور ان تختیوں کا مضمون کتاب اپی گریفیکا انڈیکا جلد چہارم کے صفحات ۱۲ تا ۱۵ پر چھپ چکا ہے۔

(۲) شلوک نمبر ۴۴ تا ۵۰ میں اس عطیہ کی تاریخ درج ہے سکے کا شمار ملفوظی قاعدے پر بطریق معکوس کیا گیا ہے یعنی گن ۳ (خاصیت تین ہیں۔ حسنات۔ درمیانی حالت۔ سیّات) گھوڑے (۷) (ہندوؤں کے معتقدات میں ہے کہ سورج کی رتھ میں سات گھوڑے جُتے رہتے ہیں) وید (۴) (وید چار ہیں) اور قمر (۱) (چاند ایک ہی ہے) ان سب اعداد کو بہ ترتیب معکوس لکھا جائے تو سکے ۱۴۷۳ (مطابق سال عیسوی ۱۵۵۱-۵۲ء) سال موسومہ وردھی کرت[۵۱] بماہ آشاڑہ سدھ ۱۲ جس کو پرتھم دوادشی یعنی پہلی دوادشی بھی کہتے ہیں) پیر کے روز وٹھلیشور دیو (جس کا مشہور مندر دریائے تنگ بھدرا کے کنارے واقع ہے) حاضر ناظر جان کر مختلف فرق وسُنن کے اُن برہمنوں کو جو بلحاظ اُن کے علم وفضل کے مشہور خلایق تھے اور جو بالخصوص ویدوں کے عالم متبحر تھے سرسبز و شاداب وخوش گوار موضع بیون ہلّی[۵۲] بطور جاگیر دیا گیا۔ یہ موضع سلطنت ہستناوتی (بیجانگر کا دوسرا

---

[۵۱] ملک دکن کے ہنود میں ساٹھ سال کی ایک ششٹی ہوتی ہے ہر سال کا نام جدا ہوتا ہے جو پربھوا سے شروع ہو کر کشئی نامی سال پر ختم ہوتی ہے۔ وردھی کرت۔ نل۔ انند۔ یہ تینوں سمچھر اسی ساٹھ سال میں سے ہیں۔ ۱۲

[۵۲] حال کے نقشے میں یہ مواضع اس طرح واقع ہیں:-

○ روڑ کندہ تعلقہ سندھنور	○ جالی ہلّی حال جالی ہال تعلقہ سندھنور
○ بینا پور تعلقہ گنگاوتی	○ گڈور تعلقہ گنگاوتی

نام) صوبہ روڑ کندہ پرگنہ کلوڑی میں سومن ہلّی کے متصل گڈور کے مشرق - جالی ہلی کے جنوب کارٹگی کے شمال اور موضع کارٹگی و جالی ہلی کے حدود کے مغرب میں واقع ہی جو (یعنی موضع بیون ہلّی) رام سمدر کے نام سے مشہور ہی مع مزرعہ پنّاپور جو اُس کے مضافات میں سے ہی -

(۳) بعد کے تین شلوکوں میں معطی لہم کے حقوق و قبضے کی توضیح بہ صراحت درختاں تالاب کنٹے - باولیاں - باغات و جنگلات وغیرہ کی گئی ہی -

(۴) - ۵۴ سے ۶۳ کے شلوکوں میں دوسرے شاہی خاندان (موسوم بہ راجگان کرناٹک بیجانگر) کا ذکر ہی اس خاندان کا پہلا راجہ آروی بگّا تھا جس کی شادی بال تمبیکا سے ہوئی تھی اور جس کے بیٹے کا نام رام راج تھا جس نے لکھمبیکا سے شادی کی اُن کا بیٹا رنگ راج (جس کو سہواً رام راج لکھا گیا ہی) اور رنگ راج کا بیٹا مشہور رام راج تھا جس کو مسلمان مورخین نے ہیم راج لکھا ہی (راجہ سداسیو برائے نام راجہ تھا ورنہ درحقیقت اُس کے زمانے میں تمام کاروبار سلطنت کا رام راج ہی کرتا تھا اور وہی راجہ سمجھا جاتا تھا) رام راج کو خطابات ذیل حاصل تھے۔

"چندر بنسی خاندان کے تاج کا سب سے نمایاں جوہر" انتمباورا گنڈا (بڑے بہادروں کا مرد) "حسن فروشوں کا معشوق" شاہان زبنج خطابی کا سردار - اور دھرنی وَرَہا[۵] (دنیا کا بڑا بہادر)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۴ - ۞ بیون ہلّی حال بیون ہال تعلقہ ہنگناوتی ۞ سومن ہلّی حال سومن ہال تعلقہ ہنگناوتی

۞ کارٹگی تعلقہ ہنگناوتی

معلوم ہوتا ہی کہ قدیم زمانے میں جن مواضع کے آخر میں ہلّی تھا اب ہال ہوگیا جیسے بیون ہلّی اور سومن ہلّی اب بیون ہال اور سومن ہال کہلاتے ہیں - کلوڑی سدرن مرہٹہ ریلوے کے بیجاپور باگلکوٹ سیکشن کے کٹگیری اسٹیشن سے (۵) میل کے فاصلے پر تعلقہ بادامی ضلع بیجاپور ہی - اس موضع میں رنگناتھ کا دیول ہی - روڑ کندہ سند هنور مستقر تحصیل سے چار کوس اور کارٹگی چھ کوس ہی اور یہ دونوں بڑے مقامات ہیں بیون ہال کا نام شاید پہلے رام سمدر رہا ہو - بعض بعض مواضع کے دو دو نام بھی ہوتے ہیں لیکن اب رام سمدر کا نام کوئی نہیں جانتا - ۱۲ -

[۵] وَرَہا کے لغوی معنی جنگلی سور کے ہیں جسے انگریزی میں بور کہتے ہیں اور جو بڑا خطرناک جانور ہی اور جس کی

(۵) شلوک ۴۶ تا ۱۰۷ ۔ شجاع و دلیر سردار عین الملک[۵] پسر امیر الامراء عین الملک نے راجہ رام راج سے دست بستہ عرض کی اور رام راج نے سداسیو راجہ کے حضور میں معروضہ عین الملک کا گوش گزار کردیا ۔ سداسیو راجہ نے بہ مراحم خسروانہ عین الملک کے معروضہ کو شرف قبولیت بخشا اور تمام برہمنوں کو بر سر دربار بہ موجودگی ممبران خاندان شاہی و اکابرین و علماء و فضلا موضع مذکور بخوشی جاگیر عطا فرمائی ۔ موضع کی تقسیم (۱۲۵) حصوں میں ہوئی جن میں سے ایک حصہ شیو کو اور دوسرا وشنو دیوتاؤں کے نام نذر دیا گیا ۔

(۶) ان حصہ داروں کا نام ۷۲ سے ۱۴۶ تک کے شلوکوں میں درج ہیں لیکن کتبہ میں صرف پچھتر اشخاص کے ہی نام ہیں جن کو (۱۲۳) حصّے ملے اور دو دیوتاؤں کے اس طرح (۱۲۵) حصے ہوئے دس حصوں کی تفصیل ان پتروں میں نہیں ہے ۔

(۷) شلوک نمبر ۱۴۷ میں بزبان کنڑی صرف موضع عطا شدہ کے حدود اراضی بتلائے گئے ہیں ۔

(۸) آگے چل کر ۵۸ سطروں کی عبارت نثر میں پھر معافی جاگیر بیون ہلّی معروف بہ رام سمدر مع قریۂ پناپور کے حدود اربعہ کا تفصیلی ذکر ہے ۔ سنگ ہائے حدود پر عموماً وامن ۔ لنگ ۔ شیو کی مورتیں بنی ہوئی ہیں ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۲ ۔ دلیری ایسی ہے کہ شیر کو بھی وہ آناً فاناً میں مار ڈالتا ہے چنانچہ حال میں جب ہمارے بادشاہ جارج پنجم کا سکہ چلا تو اُس پر بھی سور کی تصویر بنی ہوئی تھی مسلمانوں کے شور و شغب کرنے پر وہ سکہ واپس لے لیا گیا اور بجائے اُس کے ہاتھی بنا دیا گیا مسلمانوں میں بھی شرزہ خاں ۔ شیر افگن خاں خطاب ہوتے تھے اور اب بھی ہستان گرگنٹہ کا راجہ شرزہ بہادر اور سرنایلی کی رانی رائے شیر زن کے خطاب سے ملقب ہیں

[۵] عین الملک ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں ایک بڑا مقتدر رکن سلطنت تھا جس کا مقبرہ عینا پور میں بیجاپور کے قریب موجود ہے ۔ یہ امیر ۱۵۵۶ء کی جنگ میں کام آیا ۔ یہ کتبہ ۱۵۵۱ء کا ہے اور جس عین الملک کا ذکر اس کتبہ میں ہے وہ یقیناً یہی عین الملک تھا جس کا ذکر سنہری کوزنز کی گیسڈ ٹو بیجاپور کے صفحہ (۹۵) میں ہے اور ممکن ہے کہ اُس کے باپ کا خطاب بھی عین الملک ہی رہا ہو جیسے اب بھی بادشاہوں کا طریقہ ہے مثلاً عالی جناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہم مدارالمہام ریاست حیدرآباد دکن کہ سالار جنگ ثالث ہیں ۔

(۹) اس کتبہ کے آخری حصے میں چند شلوک ہیں جن میں سبھاپتی کاتب سند شاہی اور ورناچاری کندہ کرنے والے کے نام درج ہیں۔ اور معمولی کلمات دعائیہ و بد دعا یعنی جو اس حکم کی تعمیل کرے گا وہ فلاح پائے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا اس پر لعنت اور وہ قہر الٰہی کا مستوجب ہوگا منقوش ہیں۔ بارھویں تختی کے سب سے آخر میں راجہ کے دستخط "سری ویروپاکشن" ہیں جو بیجانگر کے راجاؤں کے گھر کا دیوتھا۔ اس طرح دستخط کرنے کا رواج قدیم سے ہے چنانچہ ٹیپو سلطان بھی فرمانوں میں "دھنی مالک" دستخط کرتا تھا اور ہمارے اعلیٰ حضرت غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خاں بہادر نور اللہ مرقدہم "یا محبوب" دستخط فرماتے تھے

بیسواں ضمیمہ

گبوّر
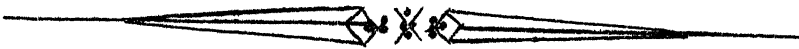
موضع گبوّر رایچور سے جانب مغرب (۱۵) میل کے فاصلے سے ہے جو تعلقہ دیودرگ ضلع رایچور میں شامل ہے۔ اس موضع کی مردم شماری ۲۳۳۶ نفوس اور خانہ شماری ۹۰۲ ہے۔ یہ جگہ اب تو ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتی ہے مگر کسی زمانے میں شہر ہوگا۔ یہاں کثرت سے دیول ہیں جن میں تین دیول مشہور ہیں۔ (۱) بسونت دیو (۲) مہادیو (۳) ونکٹیشن۔ یہ دیول نہایت خوش نما ہیں جس سے اُس زمانے کے حکمرانوں کی حسن عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک بہت بڑا دیول شمبھو دیوتاؤں کے نام سے مشہور ہے جس کو ہمار نتھ نے بنایا ہے جو ایک نامی گرامی شخص تھا اور ان دیوتاؤں سے غایت درجہ حسن عقیدت رکھتا تھا۔ اس دیول کی تعمیر میں یہ صنعت رکھی گئی ہے کہ اس کی ساخت میں چونے کا نام نہیں ہے پتھر پر پتھر وصل کر دئے گئے ہیں جو آج تک جوں کے توں موجود ہیں اور اپنے استحکام کی نظیر نہیں رکھتے۔ ہمار نتھ کی نسبت اہل ہنود کا اعتقاد ہے کہ جنات اُس کے تابع فرمان تھے اور بڑے بڑے دیول ایک رات میں بنوا دیتا تھا جس کی فوق العادت کا یہ بھی نمونہ ہے کہ اتنے بڑے پتھروں کو بلا چونے کے جما دیا ہے اور پھر مضبوط کے مضبوط اور گلکاری اور نقاشی جدا۔ ایک دوسرے دیول پر جو ایک دیوار پر بنایا گیا ہے بزبان سنسکرت ناگری حروف میں ایک کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت بدھیشور راجہ خلف پانڈراجا کے زمانے کی تعمیر کی ہوئی ہے۔ اس موضع میں پہاڑ پر ایک بڑا برج بھی ڈاکو اور چوروں کی خبر گیری کے لئے بنایا گیا ہے۔ اہل ہنود کا اعتقاد ہے کہ یہ گاؤں زمانہ قدیم میں راجہ بیر دھان کا پایہ تخت تھا جس نے بے خبری کی حالت میں اپنے باپ ارجن سے جو قوم پنڈواس سے تھا اور اُس کو شکست دے کر قتل کیا۔ بیر دھان کو خبر نہ تھی کہ جس راجہ کو مارا ہے وہ کون تھا۔ بعد فتح کے تزک و احتشام سے

گھبور میں داخل ہوا اور اپنی ماں سے سارا جنگ کا حال بیان کیا جس سے وہ تاڑ گئی کہ اس نے غلطی سے اپنے باپ کو مار ڈالا کیوں کہ وہ شادی کے تھوڑے دنوں بعد ہی کسی تیرتھ کو چلا گیا تھا اور پھر واپس نہ آیا۔ جب بیرو ھان کو یہ افسوس ناک واقعہ معلوم ہوا تو وہ بے حد پشیماں ہوا کہ باپ کو مار ڈالنا کیسا بڑا بھاری پاپ ہے اور اپنی ماں کو منہ نہ دکھا سکتا تھا بہت کچھ تپسیا کرنے لگا۔ خداوند تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول کی اور اپنی قدرت سے ارجن کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ اُس زمانے سے جو راجہ اس خاندان میں پیدا ہوئے وہ کنٹراس کہلاتے تھے اور اُنھوں نے عہد کر لیا تھا کہ میدان جنگ میں کبھی منہ نہ موڑیں گے یا مریں گے یا ماریں گے خواہ کسی سے مقابلہ ہو اور گو اپنا باپ ہی خصم کیوں نہ ہو۔ بیردہان اپنے زمانے کا بڑا راجہ تھا اُس نے کئی دیول بنوائے جن میں سے بعض زمین دوز ہو گئے اور بہت سے بچ رہے جو اَب بھی اچھی حالت میں ہیں۔ غرض یہ داستان بھی قابل دید ہے۔

ونکٹیش کا دیول جو سات باؤلی کے پاس ہے۔ یہ باؤلی بہت بڑی ہے جس کے اندر غالباً سات باؤلیاں ہوں گی اب تو افتادہ پڑی ہے۔ اس دیول میں سیاہ پتھر پر ایک مطول کتبہ سنسکرت میں بخط بالبودھ ہے۔ اس کی عبارت بہت باریک خط میں ہے اس وجہ سے صاف پڑھی نہیں جاتی لیکن مطلب یہ ہے۔ پہلے مہادیو کی تعریف و توصیف ہے کچھ حصہ نظم اور کچھ نثر کا ہے۔ ونکٹیش دیو کی بھی تعریف ہے۔ اس کتبے کا مرتب کرنے والا ایک شخص رام بھٹ نامی ہے جس کا نسل نامہ بھی درج ہے جس نے اپنا گوتر "بھاردواج" بتلایا ہے۔ چوبیس لنگ کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کتبے میں شکے یا سمبت کچھ درج نہیں ہے۔ پتھر اس دیول کے تمام تصویروں سے منقش ہیں۔ دیوتاؤں اور ہاتھیوں کی مورتیں جا بجا بنی ہوئی ہیں۔ یہ دیول زمین کے اندر کھود کر بنایا گیا ہے اور پوجا پاٹ برابر ہوتا ہے۔

برھم چکریشور لنگ کا دیول راماّ پٹواری کے مکان کے پاس ایک کتبہ ہے۔ اس میں اول شلوک ہیں۔ ایشور۔ وشنو۔ سرسوتی کی تعریف ہے اس کے بعد راجہ کی تعریف ہے۔ حروف اچھی طرح نظر نہیں آتے اور جا بجا سے محو ہو گئے ہیں۔ اُس وقت کون راجہ تھا نام وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اِس کے بعد برہم چکریشور کی تعریف ہے ایک جگہ سری مکھ نام سمبت وبیساکھ سد پرتی پدا اور اس کے بعد اخیر میں بھاؤ نام سمبت پھاگن بدی (۱) روز چہارشنبہ لکھا ہوا ہے۔ لیکن صاف مطلب نہیں

نکلتا نہ کوئی ماہر پڑھنے والا ہی مگر اتنا معلوم ہوتا ہی کہ سری مکھ نام سمچھر میں برہم جیکر لیشور لنگ کا دیول طیار کیا گیا ہی اور کتبہ بھاؤ نام سمچھر میں لکھا گیا ہی - اس میں بھی کوئی شکے نہیں ہی یہ کتبہ مٹی میں دبا ہوا تھا جس کو نکلوا کر پڑھنے کی کوشش کی گئی - اس کتبے کی دوسری جانب جو عبارت کھدی ہوئی ہی اس کا مطلب یہ ہی کہ اگر ہار ہری گبور میں نرہر اننت دیول کے جانب شمال سری پتی کیشو سوامی کا دیول واقع ہی اُس دیو کی پوجا پُنسکار - عود - چراغ - نی وید - دوا گا جاری رہنے کی غرض سے پوجاری کو بیل اور جاموش کے فی بوجھے پر چار سیر اور گدھے کے بوجھ پر دو سیر غلہ تا قیام چاند سورج دینے کے لئے پتر پر سند دی گئی ہی جو پوجاری کو پرورش کے لئے جاری رہے گا کوئی شخص مسدود نہ کرے -

مہانند لیشور کا دیول گبور کے جنگل میں مہانند الیشور کے دیول کے سامنے ایک پتھر پر کتبہ ہی جو برابر پڑھا نہیں جاتا صرف اتنا معلوم ہوتا ہی کہ کسی کا سماد ہی جس کی تعریف درج ہی اور تاریخ وفات تارن نام سمچھر ویساکھ بدی (۱) روز یکشنبہ لکھا ہوا ہی شکے درج نہیں ہی اس کی آخری دو سطریں مٹ گئی ہیں اور بالکل پڑھی نہیں جاتیں -

بھوگی ناتھ کا دیول ایک بہت بڑا کتبہ دقیق سنسکرت میں ہی - نہ پڑھا جاتا ہی نہ مطلب سمجھ میں آتا ہی نہ شکے درج ہی - اس کتبے میں بھارت کے شلوک کا کچھ اقتباس درج ہی اور پھر راجہ اور دیول کی تعریف ہی -

ہنومان دیول یہ کتبہ ہنومان دیول کے چبوترے کے پاس نصب ہی جو بازار میں واقع ہی - قصبہ گبور کے معزز لوگوں نے یہ قول نامہ بیگاریوں کو لکھ دیا ہی کہ لوگ بیگاریوں کو اُن کا غلہ جسے بلوتہ کہتے ہیں جو بیگاریوں کا حق الخدمت ہی دیا کریں گے اس کے خلاف کوئی نہ کرے - اس میں بھی شکے اور سمچھر نہیں ہی - یہ کتبہ بہت پُرانا ہی اس وجہ سے پڑھا نہیں جاتا - یہ کتبہ سیڑھیوں میں دب گیا تھا نکلوا کر دیکھا گیا لیکن افسوس ہی کہ اُس زمانے کی زبان جاننے والا اب کوئی موجود نہیں ہی اور یہی وجہ ہی کہ کوئی پڑھ نہیں سکتا - عربی فارسی کے کتبے تو خیر کچھ نہ کچھ نکل بھی آتے ہیں مگر ہندی سنسکرت کے کتبے یہاں کے لوگ نہیں پڑھ سکتے اور ایک کتبہ اسی مقام پر موجود ہی جو مانگ (چمار) لوگوں کے بلوتے کا قول نامہ ہی اسی دیول میں دیوار جانب غرب پر ایک اور کتبہ ہی جو ایک

مورت پر لکھا ہوا ہی اُس کا ترجمہ یہ ہی:-

"مہادیو کا اطاعت گزار لنگ کی بدولت شہرت حاصل کرتا ہی"

تیسرا کتبہ باؤلی کے پاس پرانی کتابت کا ہی جو غیر مفہوم ہی۔

میل شنکر دیول اس دیول کے صدر دروازے پر دو قد آدم دیوتاؤں کی تصویریں پتھر میں کھدی ہوئی ہیں دیول آباد ہی پوجا پاٹ ہوتا ہی۔ کتبہ کا خلاصہ یہ ہی کہ سوبھانام سمچھر پھاگن بھولا شنکروار کے روز دیو قایم کیا گیا اور شنکر کی تعریف درج ہی باقی عبارت پڑھی نہیں جاتی۔ اس دیول کے سامنے جو باؤلی ہی وہ شنکر باؤلی کے نام سے مشہور ہی اب یہ بھی گر پڑ کر خراب ہو گئی۔

بسوناّ دیول سات باؤلی کے پاس بسونا دیول کے پاس ایک کتبہ ہی جس میں لکھا ہی کہ ملاّ دیو پد (۱۱) وبھو نام سمچھر چیتر ماس اور شنیوار کو دیول کی بنا ڈالی گئی اس میں ملا دیو راجہ کی بہت تعریف کچھ نظم میں اور کچھ نثر میں ہی۔ بہت کچھ مٹ گیا ہی مسلسل پڑھا نہیں جاتا۔

جمب لنگیا دیول اس کتبہ میں مہادیو کی تعریف ہی زیادہ پڑھا نہیں جاتا اکثر حروف مٹ گئے ہیں۔

بساّپا کی دیول۔ یہاں کا کتبہ مطلق پڑھا نہیں جاتا۔

کتبۂ چاوڑی اس کی تین چار سطریں مٹ گئی ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی پڑھی نہیں جاتیں

ہنمپاّ کی دیول اِس کتبے میں راجہ ملا دیو کی تعریف ہی۔ جس میں کچھ نظم بھی ہی رکتا کشی نام سمچھر بھادر پد پر تی پدا شکروار درج ہی۔

ہاسیر بنڈی کتبہ بالکل پڑھا نہیں جاتا۔

کرور باؤلی کا کتبہ پورا پڑھا نہیں جاتا صرف اتنا معلوم ہوتا ہی کہ ملاّ دیو پد (۱۱) وبھو نام سمچھر سرادن سدھ ستمی روز منگلوار۔

اندانی منٹھ وکار ٹیاّ گڑی یہاں دو کتبے تھے جن کو نواب یار جنگ بہادر صوبہ دار نے گلبرگہ منگوا لئے جو محبوب گلشن میں رکھے ہوئے ہیں۔

پھول باؤلی آبادی کے جنوب میں اس نام کی باؤلی ہی جس کا پانی نہایت شیریں ہی اور ساری بستی پیتی ہی۔ میں دو روز گبوّر میں رہا۔ بہت کوشش کی کہ کتبے پڑھے جا سکیں

لیکن ناکامی رہی اول تو سیکڑوں برس پہلے کے کتبے پھر مٹے مٹائے اور قدیم سنسکرت کی عبارت جونی زمانا مردہ زبان ہی - کوئی پڑھنے والا نہیں - ممکن ہی کہ صیغہ اپی گرافی کے ماہرین فن پڑھ سکیں لیکن مشکل یہ ہی کہ یہ پتھر مدراس جا نہیں سکتے اور نہ وہ لوگ یہاں آسکتے ہیں - اگر فوٹو اُتار کر بھیجا جائے تو اول وقت دوسرے یہ کہ فوٹو میں بھی پوری عبارت اُترنا اس وجہ سے مشکل ہی کہ جا بجا سے الفاظ محو ہو گئے ہیں لہذا مجبوراً ان کو اسی حالت پر چھوڑ دیا گیا - گبوؔر کی ساری سرزمین دیولوں سے پٹی پڑی ہی - جو ابھی تک موجود تھے اُن کا بیان ہیں نے لکھدیا - کچھ زمین میں دب گئے ہیں کچھ ٹوٹ پھوٹ گئے صرف اُن کے کھم اور پتھر بکھرے پڑے ہیں اور جا بجا اُن کے ڈھیر مٹی اور پتھر کے لگے ہوئے ہیں -

اکیسواں ضمیمہ

گلبرگہ شریف

ہمیں شہر گلبرگہ شد تخت گاہ
عمارت برآورد بر اوج ماہ
بنام حسن شہر شد چوں تمام
نہادند زاں احسن آباد نام

جی-آی-پی ریلوے کا اسٹیشن ہے-رایچور سے (۹۰) میل اور حیدرآباد سے (۱۴۳) میل کا فاصلہ ہے-محکمہ صوبہ داری (کمشنری) کا مستقر ہے-آبادی پنتیس ہزار ہے-یہ ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے جو تقریبًا اسّی سال تک سلاطین بہمنیہ کا دارالسلطنت رہا ہے-اُن کے فلک شکوہ شاہی ایوان سب ایسے منہدم اور مسمار ہو گئے کہ جن کا نام ونشان تک باقی نہیں-گلبرگہ پہلے ہندو رایوں کا راج دہانی (دارالخلافت) تھا-اس کی آبادی کی بنا راجہ "کلی چند" نے ڈالی اور "کل برگی" نام رکھا-کنڑی میں "بر" کے معنی جگھ کے ہیں یعنی سرزمین راجہ کلی چند جو رفتہ رفتہ گلبرگہ ہو گیا ہندو اب بھی کل برگی کہتے ہیں-دوسرا قول یہ ہے کہ کل کنڑی میں پتھر کو کہتے ہیں یعنی پتھریلی زمین چوں کہ اس آبادی کے اطراف پہاڑ اور زمین پتھریلی ہے اس وجہ سے یہ بیان کچھ غلط نہیں معلوم ہوتا-تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ تاج داران ایران ہمیشہ فرماں روایان ہند سے خراج لیا کرتے تھے اور ایرانی سپہ سالار ہمیشہ اُن کی مدد کو آیا کرتے تھے اور اکثر گُردان ایران دکن پر حملہ آور ہوئے چنانچہ داراب کے زمانے میں اس کے پہلوان دکن پر بھی آئے جن کا سردار بلاقس نامی تھا-اِن لوگوں نے ملک کرناٹک کو سراسر خارزار اور ویران دیکھا صرف ایک گلبرگہ کی آبادی اس خارستان میں پھول کا پتہ نظر آئی تو اِن لوگوں نے اس خطہ کا نام گلبرگہ رکھا جو کثرت استعمال سے گلبرگہ ہو گیا-تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ راجہ کلی چند نے گلبرگہ اور مرج چند سے مرج اور بیجا چند نے بیجانگر کو بسا کر دارالسلطنت مقرر کیا-۷۴۸ھ میں سلطان علاءالدین حسن گانگوی بہمنی نے یہاں کے راے بھیرن کو قتل کر کے اس کو اپنا دارالخلافت قرار دیا اور بجاے گلبرگہ کے

حسن آباد نام رکھا ؎

بنامِ حسن خسروی شد تمام | دکن زیر فرمان او گشت رام
براورنگ شاہی برآمد پگاہ | برآورد بر سر کیانی کلاہ
بشمشیر فرماں روائی گرفت | براووہش پادشاہی گرفت
جہاں را ازو شد عمارت پدید | بہر مملکت نام نیکش رسید
ہماں شہر گلبرگہ شد تخت گاہ | عمارت برآورد براوج ماہ
بنامِ حسن شہر چوں شد تمام | نہادند زاں احسن آباد نام

قلعہ کی جو را یان بیجانگر نے بنایا تھا اور ایک مسجد کی جو شکستہ ہو رہی تھی اسی بادشاہ نے ترمیم وتعمیر کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں عمارتیں پہلے سے موجود تھیں - چنانچہ سلطان علاءالدین کے زمانے کا ایک کتبہ ملا ہے جو ترمیم مسجد کے متعلق ہے اور جس سے تحفۃ السلاطین کی اُس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ سلطان علاءالدین کا نام بہمن شاہ تھا اور وہ ایرانی نژاد تھا اور کل شاہان بہمنی اسی کی طرف منسوب تھے چنانچہ کتبۂ مذکور میں علاءالدین بہمن شاہ کندہ ہے جب اسکندر رومی نے فور بادشاہ ہند کو قتل کر ڈالا تو یہ خبر پاکر راجۂ بیدر نے سکندر رومی کے لئے تحائف بھیجے اور اسکندر اُس کی اس حسن عقیدت سے راضی ہوکر تسخیر دکن کے ارادے سے باز رہا۔
اس سے ثابت ہوا کہ شہر گلبرگہ اسکندر رومی کے حملۂ ہند سے قبل آباد ہو چکا تھا اس لئے اب اس کی عمر قریب ڈھائی ہزار سال کے ہوگئی کیوں کہ اسکندر رومی (۳۳۲) سال قبل ولادت مسیح کے پیدا ہوا تھا اور اس نے لامحالہ جوانی میں ہند پر یورش کی ہوگی - شاہان بہمنیہ کے تسلط سے پہلے محمد شاہ تغلق کے زمانے میں گلبرگہ کا حاکم حصار کہلاتا تھا - علاءالدین کا بسایا ہوا شہر حسن آباد اب مٹ مٹا کر فنا ہوگیا مگر اُس کا ایک دروازہ ایک باؤلی اور چند مسجدیں - عیدگاہ اور چند گنبد اور بہت سی پختہ اور سنگین قبریں اور مکانوں کے کھنڈر موجود ہیں حسن آباد کی قدیم رونق اور آبادی ہم کو آنسوؤں کی ندی بہانے کو اب بھی نظر آتی ہے - قدیم شہر حسن آباد کے دو محلے بہمنی پورہ اور شاہ بازار اب بھی موجود ہیں - مخدوم پورہ اور مومن پورہ بھی مسلمانوں کے محلے ہیں - روضۂ شیخ اور روضۂ بزرگ کی آبادی پرانی ہی ہے - گلبرگہ کی آبادی نے بہت ترقی کی ہے - آبادی

کا سلسلہ مخدوم پورہ اور مومن پورہ سے بڑھ کر مشرق کی طرف روضۂ بزرگ سے اور مغرب میں قلعہ اور شاہ بازار سے قریب قریب جاملا ہی اور ریلوے اسٹیشن تک جو قلعہ سے جنوب میں تقریباً دو میل کے ہی آبادی ہی آبادی نظر آتی ہی۔ اسٹیشن کا بازار برابر آباد ہوتا چلا جاتا ہی۔ محلہ بہمنی پورہ اور اسٹیشن اور مخدوم پورے کے درمیان بازار آصف گنج۔ گلزار حوض۔ اکرام سرائے سنٹرل جیل (جس میں بہت بڑا کارخانہ صنعت و حرفت کا ہی اور جہاں عمدہ ڈیرے مثل کانپور اور جبل پور کے بن کر تمام ممالک محروسۂ سرکار عالی کے عہدہ داروں کو سپلائی کئے جاتے ہیں) محلۂ جگت۔ غازی پورہ۔ کچہری اول تعلقداری۔ محبوب تالاب۔ محبوب گلشن۔ گورنمنٹ ہاؤس (جس میں صوبہ دار رہتے ہیں) بندوبست کا بنگلہ جو اب ایوان شاہی کے نام سے موسوم ہی کیوں کہ حضرت پیر و مرشد بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی جب کبھی گلبرگہ رونق افروز ہوتے ہیں۔ اسی بنگلہ میں جو اعلیٰ درجہ کا فرنش کیا ہوا ہی تشریف فرما ہوتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن سے ایوان شاہی تک ریلوے سیڈنگ بھی ڈالی گئی ہی جس سے حضوری اسپشل ایوان شاہی کے اندر تک چلی جاتی ہی جہاں ایک وسیع پلیٹ فارم بنا ہوا ہی اور محلات مبارک گوشہ پردے سے ٹرین سے اُتر جاتی ہیں۔ شارع عام یعنی اسٹیشن روڈ کے دونوں جانب متعدد خوش نما بنگلے بنے ہوئے ہیں جن میں اکثر عہدہ دار رہتے ہیں۔ ہائی اسکول۔ کچہری تحصیل۔ پوسٹ آفس۔ قاسم طالب سیٹھ کا گودام کچہری صدر عدالت وغیرہ سب عمارتیں لب سڑک ہیں۔ ویران گلبرگہ کی آبادی کو از سر نو زندہ کرنے کا سہرا نواب یار جنگ بہادر اکرام اللہ خاں صاحب صوبہ دار کے سر ہی جن کے نام نامی سے اکرام سرائے موسوم ہی آپ نے آصف گنج میں چوپڑ کا نہایت خوش نما بازار بنوایا جس کے بیچ میں گلزار حوض نہایت ہی موزوں ہی۔ حسن آباد کے قدیم مکانات جو ویران پڑے تھے اور جا بجا ناگ پھنی کی حکومت تھی اُن سب کو صاف کروایا اور اُن ہی مکانات کے پتھروں سے یہ جدید بازار اور عمارتیں بنیں۔ گلبرگہ میں مومنوں کی آبادی بہت زیادہ ہی جو زیادہ تر دین دار اور پابند صوم و صلواۃ ہیں۔ بہمنی پورے میں زیادہ تر برہمن رہتے ہیں اور شاہ بازار میں ہر قوم کے لوگ رہتے ہیں۔ روضۂ بزرگ میں بڑی آبادی فقراء کی ہی اور روضۂ شیخ میں قدیم لوگ بستے ہیں۔ گلبرگہ کے کیلے (سوہن موز) سر کا مصالحہ اگربتیاں مشہور ہیں شہر کے

یا ہر ترتیب (۳) میل کے فاصلہ پر موضع ہیرا پور میں محبوب شاہی ململ کپڑا بننے کی گھرنی ہی جس کی بلند چمنی گلبرگہ سے شولا پور جاتے ہوئے ریلوے لین کے برابر داہنے ہاتھ پر نظر آتی ہی۔

تاریخی حالات سلاطین بہمنیہ

علاء الدین حسن گانگوی خاندان بہمنیہ کا بانی اور مسلمانوں کی سلطنت کا سب سے پہلے گلبرگہ میں قایم کرنے والا علاء الدین تھا اس کے ابتدائی حالات مختلف طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ اغلب روایت یہ ہی کہ شاہزادہ محمد تغلق کا مقرب ایک منجم گانگو برہمن تھا جس کا نوکر حسن تھا۔ نہایت تنگ دست ہونے سے ایک دن اُس نے اپنے آقا سے اپنی فلاکت کی شکایت کی۔ برہمن نے اُس کی حالت پر ترس کھا کر دو بیل۔ دو مزدور اور کچھ زمین حوالی دہلی میں اُس کو بغرض زراعت دے دی کہ اس کے ذریعے وہ اپنا پیٹ پال سکے۔ ہل جوتتے جوتتے اتفاقاً ہل زمین میں اٹک گیا مزدور نے حسن کو خبر کی حسن نے آکر کھودنا شروع کیا دیکھا تو ہل کا پھل ایک زنجیر میں اٹکا ہوا تھا حسن نے بغور دیکھا تو زنجیر ایک برتن کے گلے میں لپٹی ہوئی تھی برتن کو نکالا تو وہ اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ حسن نے اُس برتن کو ایک چادر میں لپیٹ لیا اور رات کے وقت برہمن کے پاس لے جا کر حقیقت حال بیان کی۔ برہمن نے اس غریب آدمی کی دیانت اور امانت پر آفریں کہی اور اس کا تذکرہ شاہزادہ سے کیا شہزادے نے اپنے باپ غیاث الدین سے دہرایا۔ بادشاہ بھی حسن کی دیانت داری سے مسرور ہوا اور امیران صدہ میں داخل کر لیا۔ پھر ایک دن برہمن نے حسن کا زایچہ دیکھ کر کہا کہ تو آگے چل کر بادشاہ ہوگا۔ تم وعدہ کرو کہ اگر تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے نام کو اپنے نام کا جزو بنانا تا کہ میری یادگار رہے اور اسی وجہ سے علاؤالدین نے گانگوی کا لقب لیا۔ نقل ہی کہ ایک دن حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہٗ العزیز کی دعوت میں شہزادہ محمد تغلق آیا تھا۔ جب دسترخوان بڑھ گیا اور شاہزادہ چلا گیا تو حسن وہاں پہنچا حضرت نے عالم کشف میں احوال دریافت فرما لیا اور ارشاد فرمایا "سلطانے رفت وسلطانے آمد" ابھی حسن کی اطلاع بھی حضرت کی خدمت میں نہیں کی گئی تھی کہ آپ نے خادم کو فرمایا کہ ایک شخص جس کے چہرے سے آثار شرافت و

نجابت ظاہر ہیں دروازے کے باہر کھڑا ہے اُسے بلالاؤ۔ خادم نے باہر جاکر دیکھا تو صرف ایک شخص سادہ لباس میں کھڑا تھا خادم نے سمجھا کہ یہ کوئی اور شخص ہوگا آکر عرض کیا کہ جیسا حضرت نے ارشاد فرمایا ایسا کوئی آدمی باہر نہیں ہے۔ شیخ نے ارشاد فرمایا اچھی طرح دیکھو ضرور ہوگا خادم نے عرض کی کہ ایک مجہول سا شخص بیٹھا ہوا ہے سوائے اُس کے اور کوئی نہیں ہے حضرت نے فرمایا کہ اُسے ہی بلا لاؤ وہ گو بظاہر حقیر ہے مگر بہ معنی بادشاہ اُس کے حاضر ہونے کے بعد شیخ نے بہت التفات فرمایا اور مستفسر حال رہے۔ دسترخوان تو اُٹھ گیا تھا حضرت نے افطار کے واسطے ایک نان حجرے کے طاقچے میں رکھی تھی اُس کو اپنی اُنگلی کی پور پر رکھ کر حسن کو دی اور یہ فرمایا کہ یہ چتر شاہی ہے جو مدت دراز اور محنت دیر پا کے بعد تجھ کو دکن میں نصیب ہوگا۔ جب ہی سے حسن کو دکن جانے کی تلملی لگ گئی تھی اور جب محمد تغلق دکن میں گیا تو حسن نے قتلق خاں حاکم دولت آباد کی رفاقت اختیار کی اور دکن ہی میں رہ پڑا اور امیران صدہ سے گہرا اخلاص ہوگیا۔ جب محمد تغلق نے امرائے صدہ کو گجرات میں بُلایا اور اُنھوں نے جانے میں تاخیر کی طرّہ برآں کہ باغیان گجرات کو پناہ دی تو بادشاہ نے ان سب کے قتل کا حکم دیا۔ جب یہ کیفیت امیران صدہ کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے باہمی مشورہ کیا کہ بادشاہ ہم سے بدظن ہو جائے گا ہم گئے کہ قتل کرادے گا اس لئے وہ جان بچاکر دولت آباد بھاگ گئے۔ یہاں کی رعایا میں بادشاہ کے ظلم سے تراہ تراہ مچی ہوئی تھی یہ لوگ رعایا کی ہم زبان ہو گئے اور ایسا فتنۂ عظیم برپا کیا کہ جس کا دفعیہ بادشاہ سے ناممکن ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک دکن جو برسوں میں فتح ہوا تھا تین مہینے میں محمد تغلق کے قبضے سے نکل گیا اور امیران صدہ نے اپنے ہی میں سے اسمٰعیل مخ کو بادشاہ مقرر کر لیا جس نے اپنا لقب ناصر الدین رکھا اور حسن کو خطاب ظفر خانی کے ساتھ رائے باغ۔ مکری مرج اور کلہر جاگیر ملی - گلبرگہ کا حاکم بھیرن رائے محمد تغلق کا ہوا خواہ تھا اُس کو قتل کر کے حسن مسلّط ہوا۔ اس پر سے ناصر الدین اور محمد تغلق میں جنگ ہوئی جس میں ناصر الدین کو شکست ہونے سے وہ دولت آباد چلا گیا اور حسن بارہ ہزار سوار لے کر قلعۂ گلبرگہ میں پونہچا اور عساکر سلطانی کو مغلوب کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاہنشاہ دہلی نے عماد الملک کو

حسن کے مقابلے پر بھیجا اور ان دونوں میں قلعۂ بیدر کے قریب ایک بہت بھاری لڑائی ہوئی تلنگانہ کے راجہ نے حسن کو مدد دی۔ عماد الملک اس جنگ میں کام آیا۔ اور سارا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ اس فتح کے بعد حسن دولت آباد گیا۔ سلطان تغلق کی طرف سے جو امراء دولت آباد کا محاصرہ کئے پڑے ہوئے تھے حسن کے خوف سے دہلی اور گجرات بھاگ گئے اور حسن فراغت سے دولت آباد میں داخل ہوا۔ لوگوں کو زیادہ تر حسن کی طرف رجوع پاکر ناصر الدین نے خود بھی تخت سے دست کشی کی اور اس طرح ۷۴۸ھ میں حسن تخت نشین ہوا۔ تاج شاہی زیب سر کیا اور چتر سیاہ جو خلفائے عباسیہ کا باناتھا تیمناً و تبرکاً لوازمۂ شاہی میں داخل کیا۔ چتر سیاہ کی وجہ سے لوگ حسن کو شیعہ خیال کرتے ہیں حسن نے کلبرگہ اپنا دار السلطنت مقرر کیا اور حسن آباد نام رکھا اور گانگوی برہمن کو دفتر حساب پر مامور کیا اور ۱۰۱۶ھ تک دکن میں یہی طریقہ رہا کہ بادشاہانِ دکن کی دفتر داری اور ولایات کی محرری برہمنوں ہی کو ملتی رہی۔ حسن نے تدبیر اور شمشیر کے زور سے کل ملک دکن جو بادشاہ محمد تغلق کے عہد میں امراء کے تصرف میں تھا فتح کرلیا بعدہٗ ایک مہم کرناٹک کی طرف بھیجی اس میں بھی کامیابی ہوئی۔ اہل گجرات نے بادشاہ کی سختیوں کی تاب نہ لاکر حسن کو بلوایا وہ خود تو نہیں گیا مگر اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو بھیج دیا اور خود بہ سہولت عقب سے روانہ ہوا جب یہ شاہزادہ نوساری پونہچا تو اس خطہ میں شکار کثرت سے دیکھ کر اپنے باپ کو بھی بلوایا یہاں آنے کے چند روز بعد حسن ہیضہ میں مبتلا ہوا اور اسی سلسلہ میں مختلف عوارض میں چھ مہینے تک مبتلا رہ کر ۵ ربیع الاول ۷۵۹ھ ۱۳۵۸ء گیارہ سال۔ دو ماہ۔ سات روز سلطنت کرنے کے بعد (۶۷) سال کی عمر میں انتقال کیا ؂

چوں حسن رحلت ازیں عالم نمود	وصل شد باحق بفضل ذو المنن
شاہ جنت سال ترحیلش بگو	ہم مقرب محسن عالم حسن
۷۵۹ھ	۷۵۹ھ

حسن کے انتقال کے وقت اس سلطنت میں ملک مرہٹواڑی۔ تلنگانہ اور کرناٹک کے بھی کچھ حصے شامل تھے جن پر ہندو راجہ حکمراں تھے۔ مشرق میں راجۂ تلنگانہ اور جنوب میں راجۂ بیجانگر کرناٹک پر مسلط تھے اور یہ دونوں بڑے زبردست مدمقابل تھے۔ بہمن نامۂ دکن

وسراج التاریخ میں سلطان حسن کو بہمن دارائے ایران کی نسل میں بتادیا ہی اور یہی وجہ تسمیہ بہمنی ہونے کی بیان کی ہی۔ تاریخ فرشتہ میں اس کو ایک برہمن کا نوکر لکھا ہی۔ اور حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاء کی پیشین گوئی کے مطابق اس کا دکن میں آکر بادشاہ ہونا ظاہر کیا ہی مگر تذکرۃ الملوک وسیر محمودی میں لکھا ہی کہ حسن خاندانی شخص تھا۔ وہ بہ حالت تباہ اپنے والدہ وہمشیرہ کے ہمراہ موضع کوڑچی میں آکر حضرت مخدوم شیخ سراج الدین جنیدی قدس سرہٗ کا مرید ہوا اور ان کی خادمی کرتا تھا آپ کی دعا سے اس کو دکن کی بادشاہت ملی اور گانگوی اسی موضع کوڑچی کا پٹواری اور جوتشی تھا جس نے اپنی جوتش کے ذریعہ سے دریافت کرکے کہ حسن کو ایک دن بادشاہت ضرور ملے گی اُس کے نام کے ساتھ اپنا نام شریک کرنے اور اپنے بعد اپنی نسل کو ملک کا دفتر محاسبہ تفویض کرنے کی حسن سے درخواست کی تھی۔ جس کو حسن نے پذیرا کیا اور بعدہ اسی طرح عمل کیا۔

سلطان محمد شاہ بہمنی سلطان علاء الدین حسن گانگوی کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا سلطان محمد بہمنی ۵۹ھ ۱۳۵۸ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے ممالک محروسہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ گلبرگہ۔ دولت آباد۔ تلنگانہ۔ برار اور ہر حصہ پر ایک طرف دار مقرر کیا۔ اس کے عہد میں طلائی سکہ چلا جس کے ایک رُخ پر کلمۂ طیبہ اور چاروں صحابہ کرام کے اسمائے مبارک اور دوسری جانب بادشاہ کا نام اور سنہ جلوس مسکوک تھا۔ یہ اپنے باپ کے نقرئی تخت پر جلوس کرتا تھا مگر ایک آبنوسی طلاکار تخت شاہ دہلی کے لئے بنایا ہوا تین گز لمبا اور ایک گز چوڑا تھا وہ رائے تلنگ نے محمد شاہ کو دے دیا تھا جو بعد میں "تخت فیروزہ" کے نام سے دکن میں مشہور ہوا اور تقریباً سو برس تک خاندان بہمنیہ میں رہا اور نقرئی تخت سلطان فیروز شاہ کے عہد میں مدینہ منورہ بھیج کر وہاں توڑ کر سادات میں تقسیم کیا گیا۔

ملکہ جہاں (والدہ سلطان محمد شاہ) نے جب حج بیت اللہ کا قصد کیا تو بادشاہ نے چاہا کہ جتنا خزانہ باپ کے وقت کا ہی سب بغرض ایصال ثواب اپنے باپ کے اپنی ماں کے ساتھ بھیج دیے لیکن امراء نے مخالفت کی کہ اس طرح خزانہ خالی کردینا کیا معنی۔ لیکن بادشاہ نے نہ مانا اور دل میں کہا کہ خدا کی راہ میں دینے کی نیت کرکے پھر اُس سے انحراف کرنا نہایت ناپسندیدہ ہی

امراء کو یہ معقول جواب دیا کہ واہب العطایا نے میرے باپ کو بن ملے جُلے دولت شاہی پردۂ غیب سے عطا کی اُس کے سامنے کون سی بڑی بات ہے اگر وہ چاہے گا تو میرا خزانہ پُر کر دے گا آخر کار اپنی ماں کو کل خزانہ دے کر بھیجا اور ادائے فریضۂ حج سے اپنی ماں کی مع الخیر واپسی پر ایک بڑا بھاری جشن کیا۔

ورنگل پر پہلی لڑائی جن لوگوں کی خلاف مرضی یہ امر ہوا تھا اُنھوں نے رایان بیجانگر و تلنگانہ سے سازش کی۔ چنانچہ رائے بیجانگر نے محمد شاہ سے درخواست کی کہ قلعہ جات رائچور و مدگل اور دیگر علاقہ جات رود کرشنا تک ہمیشہ سے ہمارے قبضے میں رہے ہیں ہم کو واپس دیئے جائیں اور اسی طرح راجۂ تلنگ نے کہلا بھیجا کہ میرے بیٹے ونایک دیو (جسے ناگ دیو بھی کہتے تھے) نے آپ کے والد کو قلعۂ کولاس عارضی طور پر دیا تھا وہ واپس کر دیجئے محمد شاہ نے بڑی دانائی کی کہ ڈیڑھ سال تک کچھ جواب ہست و نیست کا نہیں دیا اور ایلچیوں کو بڑی خاطر مدارات سے حاضر دربار رکھا اور اس اثنا میں سب مخالفین کو بہ تدریج علیحدہ کر کے اپنے بھروسہ کے لوگوں کو مامور کیا اور جب ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو ایک دن سر دربار ایلچیوں سے فرمایا کہ رایوں نے ہماری پیشکش نہیں دی ہے فوراً داخل کر دیں۔ جب یہ پیغام رایوں کے پاس پونہچا تو رائے تلنگ نے اپنے بڑے سپہ سالار ناگ دیو اور نانک رام کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ ورنگل سے کولاس بھیج دیا اور اُس کی مدد کو رائے بیجانگر نے بھی بیس ہزار سوار اور پیدل بھیجے۔ پادشاہ کی طرف سے بہادر خاں ولد اسمٰعیل مخ مقابلے کو بھیجا گیا طرفین میں جنگ عظیم برپا ہوئی جس میں مسلمانوں کی فتح ہوئی اور بہادر خاں نے ورنگل تک ان کا تعاقب کیا اور رائے ورنگل سے بہت سے تحائف لے کر گلبرگہ واپس ہوا۔

ورنگل پر دوبارہ چڑھائی اور ناگ دیو کا مارا جانا ۷۶۳ھ میں سلطان محمد شاہ کو خبر ملی کہ اُس کے لئے جو گھوڑے سوداگر لا رہے تھے باوجود اس علم و اطلاع کے ناگ دیو نے چھین لئے۔ پادشاہ غضب ناک ہو کر ایک ہزار سوار لے کر خود ورنگل[۵۱] پونہچا۔ چوں کہ اچانک پونہچا تھا فوراً قلعہ پر قابض ہو گیا۔ ناگ دیو[۵۲] کو کانوں کان خبر نہ ہوئی وہ باغ میں رنگ رلیاں (

[۵۱] علاقہ ورنگل کے شہر ویلم پٹن پر چڑھائی کرنا لکھا ہے اور برہان مآثر میں اس شہر کا نام فلام پٹن لکھا ہے [۵۲] مسٹر رائیس نے

منارہا تھا بحالت بے خبری گرفتار ہو گیا بادشاہ نے شہر پر قبضہ کر کے باشندگان شہر کو بڑی بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور گڑھی کے سامنے لکڑیوں کا بڑا انبار لگا کر جلوا دیا اور اُس جلتی آگ میں ناگ دیو کو پھینک دیا جو جل کر بھسم ہو گیا بعدہٗ پندرہ روز تک جشن فیروزی منا کر گلبرگہ واپس ہوا جب راجگان تلنگ کو خبر ہوئی تو اُنھوں نے بادشاہ کا تعاقب کیا بہت کچھ کشت وخون ہوا۔ مسلمانوں کے لشکر کی بہت تباہی ہوئی صرف پندرہ سو آدمیوں کے ساتھ بادشاہ گلبرگہ واپس پونہچا اور اسی معرکہ میں بادشاہ کے بازو پر ایک سخت زخم گولی کا لگا مگر بچ گیا۔

ورنگل پر سہ بارہ چڑھائی ۷۶۴ھ / ۱۳۶۵ع میں رائے تلنگ نے متواتر شکستوں اور بیٹے کے مارے جانے سے ملک فیروز باربک[۱۵] بادشاہ دہلی کو لکھا کہ اگر آپ حکام مالوہ و گجرات کو دکن پر چڑھائی کا حکم دیں تو نہ صرف میں آپ کا ساتھ دوں گا بلکہ رائے بیجانگر کو بھی اپنے ساتھ لوں گا۔ یہ خبر محمد شاہ کو ملی۔ فیروز شاہ کو اپنے جھگڑوں سے فرصت نہ تھی اُس نے بات کو ٹال دیا مگر محمد شاہ یہ خبر سن کر آگ بگولا ہو گیا اور لشکر جمع کر کے دو حصے کئے کچھ لشکر ورنگل کی طرف بھیجا اور کچھ گولکنڈہ کو۔ اس زمانے میں رائے بیجانگر مر چکا تھا اور اُس کا بھتیجا کشن دیو رائے جانشین ہوا تھا۔ رائے تلنگ کو رائے بیجانگر سے کچھ مدد نہ ملی اکیلا کیا مقابلہ کر سکتا تھا شکست پائی اور بہ مشکل معتد بہ خزانہ اور ایک بیش قیمت اور مرصع

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۷ - لکھا ہے کہ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں لکا کے لشکر کے سردار کا نام ترٹی گنٹہ مالیناتھ پسر ترٹی گنٹہ ساینا تھا - کتبوں میں ۵۶-۱۳۵۵ع و ۵۷-۱۳۵۶ع درج ہیں ۱۲-

ف۱۵ - ملک فیروز باربک سلطان غیاث الدین تغلق کا بھتیجا تھا - سلطان محمد تغلق نے اُسے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنی رحلت کے وقت یہ شعر پڑھا ؎

توسر سبز باشی بہ شاہنشہی — کہ من کردہ ام سر زبالیں تہی

اس نے نوے برس بلکہ کچھ زیادہ ہی عمر پا کر ۱۳ رمضان ۷۹۰ھ میں قریب قریب چالیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ یہ بادشاہ بڑا فاضل وعادل وکریم ورحیم وحلیم ورعایا وسپاہ پرور تھا "وفات فیروز" تاریخ وفات ہے جس سے ۷۹۰ھ نکلتے ہیں ۱۲-

تخت جس کی قیمت کا اندازہ چالیس لاکھ روپیہ ہوتا ہی نذر کرنے کے علاوہ گولکنڈہ مع مضافات کے بادشاہ کو بطور تاوان جنگ دے کر صلح کرلی آخر کار قلعۂ ورنگل ۱۴۲۴ء میں فتح ہوگیا اور پوری طرح سلطنت بہمنیہ میں شامل کرلیا گیا اور اس طرح مسلمانوں کا قبضہ دریائے کرشنا کے کنارے کنارے سب مقامات پر سوائے ایک تھوڑے حصے کے جو مشرقی کنارے کے قریب تھا ہوگیا۔

بیجانگر کی سب سے پہلی بڑی بھاری لڑائی ۱۳۶۶ء

اوائل ۱۳۶۶ء میں سلطان محمد شاہ بہمنی اور بیجانگر کے فرماں رواؤں میں پہلی باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ بات توکچھ ایسی نہ تھی کھانے کے بعد ہنسی مذاق میں لڑائی ٹھن گئی اور ہنسی میں پھنسی ہوگئی جس کا انجام ایسا قتل عام ہوا کہ حسب بیان فرشتہ صرف ہندوؤں کی طرف کے پانچ لاکھ آدمی مارے گئے۔ اس لڑائی کا چشم دید حال ملّا داؤد بیدری نے جس کے پاس سلطان محمد شاہ کی مہر رہا کرتی تھی حسب ذیل بیان کیا ہی۔

"ایک روز شام کو جب محمد شاہ بادشاہ محفل عیش و نشاط میں مسرور تھا چند قوالوں نے بادشاہ اور حلیۂ رقص و سرود کی تعریف میں دو شعر امیر خسرو کے گائے۔ بادشاہ ان اشعار کو سن کر بے انتہا خوش ہوا اور ملک سیف الدین غوری وزیر کو حکم دیا کہ ان گویوں کے لئے جن کی تعداد تین سو تھی راجۂ بیجانگر کے نام ایک برات انعام دینے کے لئے لکھدی جائے بہ تعمیل حکم بادشاہ وزیر مذکور نے اُسی وقت حکم تو لکھدیا لیکن اس خیال سے کہ بادشاہ اپنی حالت میں نہ تھا روانہ نہیں کیا۔ لیکن بادشاہ اس بات کو تاڑ گیا اور دوسرے ہی دن وزیر سے پوچھا کہ "تم نے فرمان روانہ کردیا؟" وزیر نے عرض کیا کہ "ابھی نہیں" بادشاہ کو اس عدول حکمی پر غصہ آیا اور فرمایا کہ "کیا تو خیال کرتا ہی کہ کوئی مہمل اور لغو حکم ما بدولت کی زبان سے نکل سکتا ہی؟ ہم نے نشے کی حالت میں حکم نہیں دیا بلکہ جو کچھ ہم نے کہا ہی سمجھ بوجھ کر ہی کہا ہی" یہ سنتے ہی وزیر نے فوراً برات پر شاہی مہر ثبت کردی اور ایک معتبر قاصد کے ہاتھ اُسی وقت بیجانگر بھیج دی۔ رائے بیجانگر کو اپنی حکومت کا نشہ ایسا چڑھا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا تھا بادشاہ کی اُس کے سامنے کیا حقیقت تھی جو قاصد فرمان لے کر پہنچا تھا اس کی بڑی تہتک

اور فضیحت کی اُسے گدھے پر سوار کر کے تمام شہر بیجانگر میں پھرایا اور تشہیر کی۔ اس کے بعد قاصد کو نہایت ذلیل کر کے نکلوا دیا اُس کے ساتھ ہی رای بیجانگر نے افواج اور لشکر جمع کرنے کا حکم دیا اور مملکت بہمنیہ پر چڑہائی کے ارادے سے نکلا اور تیس ہزار سوار اور تین ہزار ہاتھی اور نو لاکھ پیدل لے کر قلعۂ ادھونی کے قریب پونہچ گیا اور وہاں ٹھیر کر سلطنت بہمنیہ کے ملک میں لوٹ مار کرنے کے لئے اپنی فوج کو پھیلا دیا۔ اگرچہ یہ موسم بارش کا تھا تاہم رائے بیجانگر مدگل تک جو رایچور دوآبہ میں ایک بڑا شہر تھا پونہچ گیا۔ رایچور دوآبہ وہ ملک ہی کہ دریاے کرشنا اور تنگ بھدرا کے درمیان واقع ہی اور اس علاقے کی بابت ہندو اور مسلمانوں میں اب سے لے کر آئندہ دو سو برس تک برابر جنگ رہی ہی۔ راجہ نے مدگل پر چڑہائی کی اور بے انتہا سعی و کوشش کی کہ جس کا بیان قوت بشری سے خارج ہی۔ قلعۂ مدگل میں آٹھ سو جوان جنگی محافظ تھے وہ ہر طور سے مقابلہ کرتے رہے۔ داروغہ قلعہ ملک نائب سیف الدین غوری کا ایک عزیز تھا وہ بڑا سخت گیر تھا جس کی وجہ سے فوج میں اختلاف پڑ گیا تھا اس آپس کی پھوٹ کی وجہ سے حارسین قلعہ میں دودلی ہو گئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ افواج راجہ بیجانگر نے تمامی باشندگان شہر زن و مرد حتیٰ کہ بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک مسلمان کسی کونے میں چھپ گیا تھا رات کو وہ لباس بدل کر راجہ کے پیادوں کے ساتھ قلعے کے باہر نکل آیا اور اُس نے گلبرگہ پونہچ کر اس کشت و خوں کی خبر کی۔ محمد شاہ بادشاہ نے جب یہ خبر سنی تو آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ جو شخص یہ خبر لایا ہی اُسے بھی فوراً تہ تیغ کیا جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ایسی منحوس اور بزدل صورت دیکھ نہیں سکتا جو تمام بہادروں کو مرتے کٹتے دیکھ کر خود جان بچا کر نکل بھاگا۔ اُسی دن بماہ جمادی الاولی ۷۶۷ھ م ۱۳۶۶ء بادشاہ نے قسم کھائی کہ جب تک میں آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل نہ کروں گا تب تک تلوار کو نیام نہ کروں گا نہ کشت و خوں سے ہاتھ روکوں گا اور لڑائی پر نکل کھڑا ہوا۔ جب رود کرشنا پر پونہچا تو اُس نے اپنے خالق کی جس نے اُسے رتبہ شاہی پر پونہچایا تھا مغلظہ قسم کھائی کہ جب تک میں دریا کو عبور کر کے خداوند کریم کی مدد سے لشکر کفار کو نیست و نابود نہ کر لوں اور جب تک مسلمانانِ مدگل کے خون کا بدلہ قاتلوں سے لے کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کر لوں مجھے

آب وخورا اور نیند حرام ہے۔ اُسی وقت بادشاہ نے اپنے بیٹے مجاہد شاہ کو اپنا جانشین اور ملک سیف الدین کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ بادشاہ نے صرف بیس ہاتھی خاصہ کے رکھ لئے باقی مجاہد شاہ کو دے دئے اور وصیت کرکے اُسے فوراً گلبرگہ روانہ کردیا۔ اور ادھر خود نو ہزار منتخب اور جرار سوار ساتھ لیکر فوراً کرشنا کے پار اُتر آیا۔ یہ دیکھ کر رائے بیجانگر کے ہوش باختہ ہوگئے اور ایسا گھبرایا کہ اُس نے اپنا تمام خزانہ اور مال واسباب اور ہاتھیوں کو بیجانگر روانہ کردیا اور دل میں ٹھان لی کہ کل صبح تک یا تو لڑائی شروع ہوجائے گی یا میں بھاگ نکلوں گا۔ جیسا موقع وو قت ہوگا کروں گا۔ رات بھر طوفان رہا اور سخت بارش تھی رستے میں ہاتھی اور دوسرے مواشی باربرداری کے کیچڑ میں پھنس گئے اور رات بھر میں مشکل سے چار میل چل سکے۔ محمد شاہ کو غنیم کے آنے کی خبر لگ گئی کہ راتوں رات چلا آرہا ہے اسی وقت بادشاہ لشکر کو ویسا ہی چھوڑ چھاڑ گھوڑے پر سوار ہوکر مختصر سی فوج لے چل کھڑا ہوا اور صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ رائے بیجانگر کے لشکر میں جا دھمکا۔ اس کے پہنچتے ہی ایسی اودھم مچی کہ ہندوؤں کی ساری فوج اپنا کل سامان واسباب چھوڑ چھاڑ قلعۂ ادھونی کی طرف بھاگی۔ تاہم جو لوگ بچ رہے تھے اُن کا قتل عام کیا گیا اور ستر ہزار زن ومرد اور بچے مارے گئے۔ تحفۃ الصالحین میں لکھا ہے کہ دو ہزار ہاتھی اور تین ہزار توپیں وبنادیق سات سو عربی گھوڑے اور ایک عدد سنگاسن (پالکی) مرصع مال غنیمت داخل سرکار ہوا۔ باقی لوٹ امرا اور لشکریوں کو ملی محمد شاہ نے ساری گرمیاں اور کچھ دن موسم برسات کے مدگل ہی میں بسر کئے اور جب خاں محمد خاں فوج کی مدد دارالسلطنت سے لے کر پہنچ گیا تو بادشاہ قلعۂ ادھونی کی طرف روانہ ہوا۔ رائے بیجانگر اپنے علاقہ میں دریائے تنگ بھدرا پار ہوکر قلعۂ ادہونی کے باہر مقیم تھا اور قلعے کی سپہ سالاری اپنے بھانجے کو دے کر اپنے علاقے میں واپس آکر خود یہاں ٹھیر کر بہت بڑی فوج جمع کرلی اور بیجانگر سے ہاتھی اور تمام سامان ولوازم شاہی منگوالئے۔ بادشاہ نے محمد خاں کی صلاح سے تسخیر قلعہ کا ارادہ چندے ملتوی کیا اور اپنے تمام قلعوں اور ممالک محروسہ میں فرامین بھیج کر توپیں اور سند وقین منگوالیں اور ایک کارخانہ آتش بازی کا کہ جس کا رواج اس سے پیشتر دکن میں جاری نہ تھا طیار کراکے مقرب خاں سیستانی کو جو امرائے معتمد

سے تھا تفویض کیا اور تمام رومیوں اور فرنگیوں کو جو ملازم بادشاہی تھے اُس کی ماتحتی میں دے دیا اور اس طرح ایک عظیم الشان توپ خانہ طیار کیا گیا۔ بادشاہ تھوڑے عرصے میں دریاے تنگ بھدرا کے پار ہو کر سلطنت بیجانگر میں داخل ہو گیا یہ پہلا موقع تھا کہ ریاست بیجانگر پر ایک مسلمان بادشاہ نے بالذات چڑھائی کی تھی۔ فرشتہ کا یہ قول اس وجہ سے صحیح ہی کہ بادشاہ دہلی نے جب آناگندی پر حملہ کیا تو وہ دریاے تنگ بھدرا کے اسی پار تھا۔ تاریخ فرشتہ میں راجۂ بیجانگر کا نام کشن راے لکھا ہی لیکن اس کا اصلی نام بکّا تھا چونکہ تاریخ فرشتہ اِن واقعات کے دو سو برس کے بعد لکھی گئی ہی اکثر جگہہ ہندو راجاؤں کے ناموں میں مغالطہ ہو گیا ہی۔ محمد شاہ نے یہاں سے ادھونی کی راہ لی جو دریاے تنگ بھدرا سے تخمیناً پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہی اور قصبۂ سرگپّہ[۱] کے قریب کسی مقام سے دریا پار ہوا۔ کیوں کہ اس مقام پر دریا کی سطح پہاڑی ہی اور ہر موسم میں پانی کم رہتا ہی۔ راے بیجانگر اپنی فوج لے کر رستے میں حائل ہوا اور بہ مقام پاکل کوتال ایک وسیع میدان میں جنگ شروع ہوئی۔ مورخ فرشتہ نے اس جنگ کا حال یوں لکھا ہی کہ راے کشن راے (بکّا) کو جب یہ خبر پہنچی کہ محمد شاہ دریا کے پار اُتر آیا ہی تو اُس نے اپنے دربار کے تمام امرا کو جمع کر کے صلاح و مشورہ کیا کہ لشکر اسلام کو روکنے کی سب سے بہتر تدبیر کیا ہی۔ سب نے متفق ہو کر یہ صلاح دی کہ بھوج مل جو راے بیجانگر کا رشتہ دار تھا اس جنگ کا سپہ سالار مقرر کیا جاے۔ بھوج مل اس غیر معمولی عزت و افتخار سے پھول گیا اور بڑے گھمنڈ سے عرض کی کہ ”مہاراج کا کیا حکم ہوتا ہی آیا بادشاہ کو زندہ قید کر کے حاضر کروں یا اُس کا سر کاٹ کر نیزے پر لگا کر لاؤں“ ہی کشن دیو راے نے جواب دیا کہ ”زندہ دشمن تو ہر حال میں خطرناک ہی بہتر تو یہ ہی کہ جب تم اُس کو پکڑ لو اُسی وقت مار ڈالو“ یہ سنتے ہی بھوج مل چالیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل لے کر محمد شاہ کے مقابلے کو چلا۔ بھوج مل نے برہمنوں کو تاکید کر دی تھی کہ وہ روزانہ لشکر میں مسلمانوں کے مظالم کا بیان کریں جو وہ ہنود کے ساتھ آئے دن کرتے رہتے ہیں تاکہ اُن کے دلوں میں جوش مذہبی موج زن ہو۔ اتنا اشارہ پانا تھا کہ برہمنوں نے اس قسم کے وعظ

---

[۱] ضلع بلھاری کا ایک قصبہ ہے۔ ۱۲

شروع کیے کہ "دیکھو بھائیو یہ مسلمان ہماری مقدس گئو ماتا کو کس بے رحمی اور سفاکی سے ذبح کرتے اور اُس کا گوشت کھاتے ہیں۔ ہمارے مذہبی متبرک عبادت خانوں کو جب موقع ملتا ہی جڑ بنیاد سے ڈہا دیتے ہیں۔ ہمارے متبرک دیوتاؤں کو توڑ پھوڑ کر نیست ونابود کرتے اور طرح طرح کی بے ادبی کرتے ہیں اور اُن کی تذلیل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ غرض مسلمان ہمارے جانی دشمن ہیں اُن کا مار ڈالنا ہمارے واسطے دنیا اور دین دونوں کی بہبودی اور نجابت ابدی کا باعث ہی جہاں تک ممکن ہو ان کا تخم باقی نہ چھوڑیں" ایسے وعظوں سے لامحالہ ہندوؤں کے دلوں میں تازہ جوش پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ محمد شاہ کو جب خبر ملی کہ غنیم کی فوج پندرہ کوس کے فاصلے پر آن پونچی ہی تو اُس نے اپنے سپہ سالار خان محمد کو افواج جمع کرنے کا حکم دیا جن کی تعداد پندرہ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل تھی۔ دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل اور توپ خانے لے کر خان محمد آگے بڑھا۔ ۱۴ ذی قعدہ ۷۶۷ھ یوم پنجشنبہ مطابق ۲۳ جولائی ۱۳۶۶ء کو اسلام اور ہنود کے لشکر کا مقابلہ ہوا۔ صبح سویرے سے دن ڈھلے تک دونوں فوجیں آپس میں گتھی رہیں گویا سمندر کی دو بڑی مہیب موجیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور جانبین کے بے شمار آدمی مارے گئے۔ موسیٰ خاں اور عیسیٰ خاں جو میمنہ اور میسرہ کی کمان پر تھے دونوں ضرب بندوق سے شہید ہوئے اور اُن کی فوجیں منتشر ہو گئیں اور قریب تھا کہ شاہی لشکر میں اس صدمے سے بھاگڑ پڑ جائے کہ عین ایسے وقت پر بادشاہ خود تین ہزار تازہ دم سوار لے کر میدان جنگ میں پونچ گیا۔ بادشاہ کو دیکھ کر خان محمد کی ہمت بندھی اور منتشر شدہ فوج میں جان آگئی پھر سب نے سمٹ کر حملہ کیا۔ مقرب خاں توپ خانہ لے کر بڑی بہادری سے آگے بڑھا اور دشمنوں کے سوار اور پیدلوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ خان محمد نے اپنے ہاں کے چیدہ بہادروں کو اُس کی مدد کے لئے دیا۔ اس لشکر نے ایسی سرعت سے دھاوا کیا کہ ہندوؤں کی فوج کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ اپنی توپوں سے کام لے سکتے بلکہ دست بدست تلوار خنجروں سے لڑائی ہونے لگی ؎

چکاچاک خنجر زمیدان کیں ہفتم فلک شد زروے زمیں

اس معرکے میں خان محمد خاں کا ہاتھی جس کا نام شیر شکار تھا بگڑ گیا اور مہاوت کے حکم میں نہ رہا

بلکہ ایک دم دشمنوں کے لشکر کے قلب میں گھس گیا۔ بھوج مل کے ہاتھیوں نے اس کو روکا اور مہاوت مارا گیا۔ خان محمد خاں نے جب یہ دیکھا کہ ہاتھی بدل گیا ہے تو وہ پانچ ہزار سوار لے کر دشمنوں پر جا پڑا۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ "شیر شکار" ہاتھی فیل بان کے مارے جانے سے خالی رہ گیا لیکن جوں ہی اُس نے خان محمد خاں کو دیکھا دشمن کی فوج کی طرف سیدھا ہو لیا اور دشمنوں کی صفوں کو برہم کر دیا۔ غرض ہندوؤں کے لشکر میں ایک ہل چل پڑ گئی۔ بھوج مل کو ایک کاری زخم لگا اور وہ بھاگا اُس کے ساتھ ہی ساری فوج میں بھاگڑ پڑ گئی اور جب ہندوؤں کی فوج نے دیکھا کہ اُن کا سردار بھاگ گیا اور قلب لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے تو باقی ماندہ فوج تتر بتر ہو گئی۔ ابھی مسلمانوں کی تلواریں نیام نہیں کی گئی تھیں اور قتل عام ہو رہا تھا کہ چتر شاہی نظر آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہاں کفار کے قتل میں ڈھیل نہ ہو۔ پھر کیا دیکھنا تھا ایسا کشت و خون ہوا کہ الامان الامان حاملہ عورتیں اور دودھ پیتے بچے بھی تلوار سے نہ بچ سکے۔

محمد شاہ میدان جنگ میں ایک ہفتہ مقیم رہا اور اس فتح کی خبر دار السلطنت کو روانہ کی۔ بادشاہ کا غصہ ابھی فرو نہ ہوا تھا جو اُس نے قسم کھائی تھی اُس کے پورا کرنے کے لئے پھر وہ کشن رائے کی فوج کی طرف بڑھا۔ کشن رائے بادشاہ کے حملے کی خبر سن کر باوجودیکہ اب بھی اُس کے پاس بہت سا لشکر تھا گھبرا کر بھاگا اور پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپا لیکن بادشاہ نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور جہاں جہاں وہ گیا بادشاہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اسی طرح برابر تین مہینے تک آگے آگے راجہ اور پیچھے پیچھے بادشاہ رہا اور جس مقام پر سے گزرا وہیں قتل عام کرتا چلا گیا۔ بالآخر راجہ کو دباتا ہوا شہر بیجانگر کے قریب تک پہنچ گیا" بادشاہ ایک مہینے تک شہر بیجانگر کا محاصرہ کئے پڑا رہا مگر کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی البتہ شب میں ہنود کے گروہ کے گروہ لشکر میں آ کر چھیڑ چھاڑ کرتے گالیاں دیتے اور چھوٹی موٹی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ اس وقت بادشاہ ایک چال چلا کہ بستر بیماری پر پڑ گیا اور اطراف و اکناف میں بادشاہ کی بیماری کی شہرت ہو گئی لیکن اصلی حال سے سوائے خان محمد اور مقرب خاں کے کوئی واقف نہ تھا۔ بادشاہ نے حکم واپسی کا دے دیا۔ رائے بیجانگر نے جب یہ خبر سنی تو بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور شکست کھا کر بھاگے۔ راجہ تھوڑی فوج

لے کر بادشاہ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ ہر مقام پر روز چھوٹی موٹی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ ہندو کہتے تھے کہ بادشاہ تو نیم مردہ ہی ہمارے برہمنوں کی دعا قبول ہو گئی ہم تم میں سے ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے کہ تم اپنے وطن کو واپس جا سکو۔ کوچ کے وقت بادشاہ سنگاسن میں سوار ہو کر اوپر سے ایک چادر اوڑھ لیتا تھا۔ لشکر کے لوگ بہت پریشان تھے کہ خدا جانے بادشاہ زندہ بھی ہے یا نہیں مگر خان محمد اور مقرب خان تشفی اور دلاسا دیتے دلاتے منزل بہ منزل کوچ مقام کرتے ہوئے آخر دریائے تنگ بھدرا کے پار ہو کر ایک کھلے میدان میں بادشاہ کا لشکر اترا وہاں سے قریب تین چار کوس ہٹ کر راجہ بیجانگر نے بھی اپنے ڈیرے ڈال دئے راجہ بیجانگر نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ بھاگم بھاگ واپس چلے جا رہے ہیں مگر بادشاہ کی چال دوسری ہی تھی غنیم کو اس دھوکے سے کھینچ بلایا راجہ بیجانگر دھوکے میں آن کر بلا طیاری جنگ آن پونہچا۔ منتر خوب چل گیا بادشاہ نے دیکھا کہ اب اچھا موقع ہی ایک دن اپنے لشکر کے اطمینان خاطر کے لئے بوقت عصر دربار عام کیا تھوڑی دیر کے لئے برآمد ہوا اور ضعف کا عذر کر کے دربار برخاست کر دیا۔ شب میں سب امراء کو خلوت میں طلب کیا اور حکم دیا کہ سپاہ کو مسلّح اور مستعد جنگ کریں اور فلاں مقام پر جا کر اکھٹا کریں اور میرے آنے کے منتظر رہیں ادھر لشکر میں طیاریاں ہونے لگیں اُدھر بادشاہ لباس جنگ زیب تن کر کے برابر نصف شب کو سوار ہو کر اُسی جگہ پونہچا جہاں کہ لشکر منتظر قدوم میمنت لزوم کھڑا تھا۔ لشکر کو جا بجا مناسب مقامات پر تقسیم کر کے ایسے وقت یکایک شب خون مارا کہ ہندوؤں کے لشکر میں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ ہندو خواب خرگوش میں تھے وہ اس خیال میں مگن تھے کہ اب مسلمانوں میں دم ہی کیا رہا ہی۔ رائے بیجانگر و ارکان دولت بالکل بے خبر تھے لہو و لعب اور شراب کے نشے میں چور۔ رقص و سرود کی محفل کے مزے لے رہے تھے اُن کو اُس وقت تک کانوں کان خبر نہ ہوئی جب تک مسلمان سر پر نہیں چڑھ آئے اور پکڑ دھکڑ اور قتل عام کا بازار گرم نہ ہوا اور لشکر میں واویلا اور شور و غل بپا ہوا۔

محمد شاہ کا قتل عام رائے بیجانگر تو اپنی جان بچا کر بھاگا لیکن اُس کی فوج کے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ تب بھی بادشاہ کی آتش غضب فرو نہیں ہوئی اور بیجانگر کے

اطراف میں چالیس کوس تک تمام بستیوں میں قتل عام کیا گیا۔ معتبرین و عمائدین شہر بیجانگر نے کشن رائے کی شوریدہ سری پر ملامت اور سرزنش کی اور کہا کہ تیری حکومت رانی تو ہمارے لئے بڑی منحوس ہوئی مال و ناموس دونوں برباد ہوئے اور دس ہزار برہمن قتل ہوگئے رعایا کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ کشن رائے نے کہا کہ میں نے کوئی کام تم لوگوں کے بغیر صلاح و مشورہ نہیں کیا ہاں مقدر سے ناچار ہوں یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے ؎

خدا کے ہاتھ ہی فتح وظفر وے ای میر ۔۔۔ مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

اب آیندہ جو تم سب کی صلاح ہو میں حاضر ہوں۔ امرا نے کہا کہ جس طرح تمہارے باپ نے مسلمانوں کی جنگ سے دست کشی کرکے علاء الدین سے صلح کرلی تھی تم کو بھی چاہیئے کہ اُن سے مصالحت کرو۔ کشن رائے نے اس بات کو قبول کیا اور اُسی وقت محمد شاہ کے پاس ایلچی روانہ کئے اور اپنے کئے پر بہت ندامت و پشیمانی کا اظہار کرکے خواہان عفو تقصیر ہوا مگر بادشاہ نے صاف انکار کردیا۔ بادشاہ کی خدمت میں جو امرا اُس وقت حاضر تھے اُن میں سے ایک شخص کو بادشاہ کے مزاج میں بہت درخور تھا اُس نے عرض کی کہ حضرت نے قسم کھائی تھی کہ آٹھ سو مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل کروں گا وہ تو بہ اقبال خداوندی پوری ہوچکی جہاں پناہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ روئے زمین پر کسی ہندو کا تخم باقی نہ چھوڑوں گا۔ بادشاہ ہنسا اور کہا کہ ہاں تمہارا کہنا سچ ہے ایک لاکھ کیا کئی لاکھ ہندوؤں کا قتل ہوچکا لیکن میں اپنی اُسی بات پر اڑا ہوا ہوں جب تک رائے بیجانگر ہمارے حکم کے مطابق قوالوں کو رقم نہ دے گا میں کبھی اُس کی خطا سے درگزر نہ کروں گا نہ اُس کی رعایا کے قتل سے ہاتھ کھینچوں گا۔ اس بات پر بیجانگر کے ایلچی جو رائے کی طرف سے پورے مختار و مجاز تھے بخوبی رضامند ہوگئے اور اُسی وقت قوالوں کا روپیہ ادا کردیا۔ تب محمد شاہ نے کہا " میں نہیں چاہتا کہ میری زبان سے کوئی ایسا لغو و حشو حکم نکلے کہ جس کی تعمیل نہ ہوسکے اور آگے چل کر میری سبکی ہو اور ہنسی اڑے الحمد للہ کہ میرا قول پورا ہوا اور میرے حکم کی تعمیل ہوئی " اس میں شک نہیں کہ سخن پروری کی ایسی مثال بادشاہانِ سابق و لاحق میں دیکھی کیا سُنی بھی نہیں گئی اور ناظرین پر مخفی نہ ہوگا کہ بادشاہ اپنے قول کا کیسا دھنی تھا۔ جان جائے مگر آن بان نہ جائے۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ بن گیا اور کچھ کا

کچھ ہو گیا ہ

امثال این غرائب وزرین غریب تر   بسیار کرد دولت این شاہ دادگر

ایلچیوں نے بادشاہ کو خوش وقت پاکر عرض کی کہ جہاں پناہ نے ہم غلاموں پر بڑی سرفرازی فرمائی اور عزت و آبرو رکھ لی اگر جان بخشی ہو اور حکم عالی ہو تو دو کلمہ اخلاص عرض کریں۔ بادشاہ نے کہا اچھا کہو۔ ایلچیوں نے عرض کی کہ کسی مذہب و ملت میں روا نہیں ہے کہ گناہ گار کے عوض کسی بے گناہ کو قتل کیا جائے خصوصاً عورتوں اور بچوں کو اس میں شک نہیں ہے کہ کشن رائے نے مسلمانان قلعۂ مدگل سے بے جا سلوک کیا جو جیسا کرے ویسا بھرے گا لیکن اس میں ان غریبوں کا کیا قصور ہے؟ - بادشاہ نے فرمایا حکم قضا و قدر یوں ہی تھا اس میں میرا کچھ اختیار نہ تھا۔ ایلچیوں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ ملک دکن بنایا ہے اور آپ کے قرب و جوار میں ملک کرناٹک واقع ہے ہم بھی آپ ہی کے زیر سایہ ہیں ہمارا آپ کا چولی دامن کا ساتھ ہے اگر خدا نے چاہا تو جہاں پناہ اور حضرت کی اولاد و احفاد سالہا سال مدت دراز تک حکم راں رہیں گے اور ہم بھی آپ کے دامن دولت سے وابستہ ہیں ایک کو دوسرے سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے اب کچھ ایسی صورت ہو کہ طرفین میں امن چین ہو جائے خیر اندیشی و صلاح حال یہی ہے کہ اب تو کشت و خون موقوف ہو جائے۔ محمد شاہ اس واجبی گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور کہا کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ آئندہ کبھی فتح کے بعد کسی کو قتل نہ کروں گا اور میرے جانشین بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اسی طریقے پر چلیں گے اور اس کے بعد چند سال تک البتہ ایسا ہوا بھی کہ لڑائی کے بعد جو زندہ گرفتار ہوئے وہ قتل نہیں کئے گئے اور بے سبب قتل عام رعایا اور ضعفاء کا موقوف رہا مگر پھر دوسرے بادشاہوں نے ہموں آتش در کاسہ قتل عام شروع کر دیا اس کے بعد بادشاہ گلبرگہ واپس چلا آیا اور اس جنگ عظیم الشان کا یوں خاتمہ ہوا اور پھر چند سال تک ان دونوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں پانچ لاکھ ہندو مارے گئے اور ملک کرناٹک ایسا تباہ اور ایسا برباد ہوا کہ مدتوں تک سنبھل نہ سکا اور نہ اُس کی آبادی پہنچی۔

جب بیجاپور سے بادشاہ کے مرنے کی افواہ اڑ گئی تو جا بجا فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہوا بہرام خاں

مانڈراں جس کو سلطان علاؤ الدین نے بیٹا بنایا تھا کونبھ دیو مرہٹہ سردار کے اُبھارنے سے
دولت آباد پر قابض ہو کر خود سر ہو گیا اور بادشاہ سے لڑنے کو طیار رہا۔ بادشاہ اس کی سزا
دہی کے لئے پٹن پہنچا تو بغیر جنگ کئے کونبھ دیو اور بہرام خاں دونوں قلعہ بند ہو گئے اور رات
کو لباس بدل کر حضرت شیخ زین الدین کے پاس گئے آپ نے اُن کو بال بچوں سمیت گجرات چلے
جانے کی رائے دی لیکن بادشاہ نے خبر پاتے ہی اُن کا تعاقب کیا مگر وہ دور نکل گئے تھے۔
بادشاہ دولت آباد واپس آیا۔ اِس اثناء میں دکن کے کل مشائخین نے بادشاہ سے بیعت
کی مگر شیخ زین الدین قدس سرہ نے بوجہ شراب خواری بیعت سے صاف انکار کیا۔ بادشاہ
کا عتاب ہوا اور آپ کو شہر بدر کیا گیا لیکن آگے چل کر بادشاہ اپنی اس ناشائستہ حرکت پر بہت
نادم ہو کر معذرت خواہ ہوا اور ایک تحریر بھیجی جس میں یہ مصرعہ لکھا تھا ع

"من ز آن تو ام تو ز آن من باش"

شیخ نے لکھا اگر تو سلطان محمد شاہ غازی شریعت محمدی کا تابع رہے اور شراب خانے
برخاست کر دے اور خود مے نوشی ترک کرے اور آبائی طریقے پر چلے تو یہ فقیر تیرا دلی دوست ہے۔
بادشاہ اس نصیحت آمیز تحریر سے مسرور ہوا اور اُسی دن سے اپنے نام کے ساتھ غازی کا لفظ
مستزاد کیا اور جب دولت آباد سے گلبرگہ آیا تو شریعت کی ترویج میں بڑی کوشش کی شراب
کی دکانیں تمام ملک میں بند کرا دیں۔ ۹ رذی قعدہ ۷۷۶ھ مطابق ۲۱ راپریل ۱۳۷۵ء کو (۱۷)
سال (۹) ماہ۔ (۵) دن سلطنت کر کے دنیا سے رخصت ہوا ؎

چوں محمد شہ زمین و زماں	جست زیں دار دوں بجنّت راہ
شاہ ملت بگو بسالش تیز	اہل دیں مرد دیں محمد شاہ
۷۷۶ھ	۷۷۶ھ

یہ بادشاہ عقیل و شجیع اور اولوالعزم تھا۔ رعایا اور سپاہ کے ساتھ بہت ہی خلق و مروت سے
پیش آتا تھا مگر جہاں یہ سب کچھ تھا دشمنوں اور موذیوں کے لئے سخت گیر بھی تھا۔ اس کا عام حکم
تھا کہ ٹھگ اور ڈاکوؤں کا سر کاٹ کر گلبرگہ بھیج دیا جائے کہتے ہیں کہ سات مہینے میں آٹھ ہزار
سر کاٹے گئے۔ اس کے زمانے میں خزانہ ایسا معمور تھا کہ دوسرے بادشاہوں کے پاس اس سے

آدھی دولت بھی نہ تھی۔

مجاہد شاہ بہمنی اپنے باپ کے انتقال کے بعد مجاہد شاہ[۵] تخت پر بیٹھا۔ یہ ملک سیف الدین غوری کا نواسہ تھا اور انیس سال کی عمر تھی۔ چند روز بعد مجاہد شاہ نے بکّا رائے راجہ بیجانگر کو لکھا کہ ملک دوآبہ ایک عرصہ سے فیمابین ہمارے اور تمہارے معرض

[۵] یہ بادشاہ قوی ہیکل۔ تنومند اور بڑا بہادر تھا۔ اس کو شاہ بلوند بہمنی بھی کہتے ہیں۔ زبان ترکی خوب جانتا تھا۔ اُس کو صحبت ہمیشہ ترکی اور فارسی زبان دانوں کی رہی شمشیر و نیزہ و خنجر و تیر و کمان کا بے انتہا شوق تھا۔ بہمن نامے میں لکھا ہے ؎

زگہوارہ چوں پائے بیروں نہاد | بہ تیر و کماں دست و بازو کشاد
بسے تند و گردن کش و پیل زور | کہ نشنید گفتن کسے وقتِ شور
چناں بر سر کنگرہ مے دوید | کہ انگشت حیرت فلک می گزید

مجاہد شاہ نے بچپنے میں باپ کا خزانہ توڑ کر چند بدرے روپیہ اشرفیوں کے لے جا کر اپنے ہم عمر دوستوں کو بانٹ دئے تھے خزانچی کو جب خبر ہوئی تو اُس نے سلطان محمد شاہ سے عرض کی۔ بادشاہ اس جسارت اور بیباکی سے بہت برآشفتہ ہوا اور مبارک تنبول دار خاصے کو بھجوا کر شاہزادے کو بلوایا شاہزادے نے دیکھا تو بادشاہ غصے میں بھرا بیٹھا تھا شاہزادے نے سوائے اعتراف قصور کے چارہ کار نہ دیکھا۔ بادشاہ نے اُسے خوب چابک مارے اور لوتھڑے ڈال دئے۔ مجاہد شاہ نے اپنی ماں سے تنبول دار کی شکایت کی اور کہا کہ اگر وہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں آپ سے سفارش کراتا اور غصہ فرو ہونے کے بعد بادشاہ کے حضور میں جاتا ماں نے کہا اُس بیچارے کا کیا قصور ہے۔ بادشاہ نے جو تم کو تنبیہ کی وہ بالکل درست اور واجب تھی۔ مجاہد شاہ اُس وقت تو چپ ہو گیا بات گئی گذری ہوئی۔ مبارک سے بھی یہ ظاہر صاف ہو گیا بلکہ اُس سے میل جول بڑھا لیا۔ ایک ہفتے کے بعد انجان ہو کر ایک جلسے میں مبارک سے پوچھا کہ میں سنتا ہوں کہ تم بڑے پہلوان ہو اور کشتی خوب لڑتے ہو اور بڑے بڑے پہلوانوں کو تم نے پچھاڑ دیا ہے۔ بھلا ہماری تمہاری کشتی ہو جب جانے مبارک کو خبر نہ تھی کہ شاہزادے کے دل میں کینہ ہے دل میں سمجھا کہ میرا اس کا کیا جوڑ ہے یہ چودہ برس کا لڑکا اور میں تیس سال کا جوان پٹھا غرض کشتی بدلی۔ شاہزادے نے اُٹھا کر ایسا پٹخا کہ اُس بیچارے

کی گردن ہی ٹوٹ گئی اور تھوڑی دیر میں رخصت ہوا۔۱۲

بحث میں ہے لہذا دریائے تنگ بھدرا کو تم اپنی حد مقرر کرو اور دریائے کشنا کے شرقاً اور غرباً جس قدر
ملک ہے ہم کو چھوڑ دو۔ راجہ نے اُلٹا مطالبہ کیا کہ رایچور اور مدگل ہمیشہ سے ہمارے مقبوضات
میں رہا ہے لہذا آپ اس طرف کے کل ملک سے دست بردار ہو جائیں اور رود کشنا کو حد فاصل
قرار دیں۔ مجاہد شاہ یہ جواب پاکر نہایت خشمناک ہوا اور اپنے نانا ملک سیف الدین غوری کو
دارالسلطنت میں چھوڑ کر خود جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ گلبرگہ میں جب لشکر دولت آباد۔ بیدر
اور برار کا جمع ہو گیا تو پانسو ہاتھی کوہ پیکر اور وافر خزانہ لے کر بیجانگر کی طرف چل کھڑا ہوا راستہ میں
معلوم ہوا کہ راے بیجانگر بہ مقام گنگاوتی[1] لب دریائے تنگ بھدرا مقیم ہے اُدھر کا رخ کیا اور
صفدر خاں سیستانی کو قلعہ ادھونی کے محاصرے کے لئے بھیج دیا۔ راجہ نے پہلے تو مقابلہ کی
طیاریاں کیں لیکن بعد خدا جانے کیا خیال[2] پیدا ہوا کہ اُس کا جی چھوٹ گیا اور سنڈور کے جنگلوں
میں جاکر چھپ گیا۔ بادشاہ چھ مہینے تک اس کے پیچھے لگا پھرا مگر کبھی وہ رخ بر نہ آیا جنگل کی
ردی آب وہوا سے راجہ کے ہمراہی سب بیمار ہو گئے ناچار راجہ چور راستہ سے چھپتا چھپاتا
بیجانگر پہونچ گیا۔ بادشاہ بھی اُس کی پیٹھ پر پہونچا اور آتے ہی سری سرنگ دیول کو جو ہنود کا بڑا متبرک
مقام تھا لوٹ لیا۔ تمام ہنود بدل گئے اور راجہ کو مقابلہ کرنا پڑا اور ایک سخت لڑائی ۱۳۷۵ء

[1] گنگاوتی دریائے تنگ بھدرا سے (۵) میل کے فاصلے پر ایک بڑا قصبہ مستقر تحصیل ہے ۱۲۔

[2] ۔ بکا کی ہمت چھوٹ جانے کے متعلق تاریخ فرشتہ میں ذیل کا واقعہ لکھا ہے۔
مجاہد شاہ لشکر کے ساتھ کوچ مقام کرتا ہوا چلا آرہا تھا اُس کو ایک آدم خوار شیر کی خبر ملی جس نے اطراف واکناف
میں ہل چل ڈال دی تھی۔ مجاہد شاہ صرف سات پیادے ساتھ لے کر پہونچا اور تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ
جو ٹھیک اُس کے دل میں جاکر گڑ گیا۔ یہ خبر سُن کر ہندوؤں نے بدشگونی سمجھی اور ڈر گئے ادھونی اور بیجانگر کے
درمیان اس زمانے میں شیر تو نہیں ہیں البتہ بورپچے کثرت سے ہیں لیکن ممکن ہے کہ اُس زمانے میں جنگل بھی ہو
اور شیر بھی ہوں۔ سیول صاحب نے فرشتہ کی اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے کہ اتنی سی بات بکا کی
پست ہمتی کے لئے کافی نہ تھی لیکن ہمارے خیال میں یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اکثر لوگ شگون لینے
کے خوگر ہوتے ہیں خصوصاً اہل ہنود جو فال شگون اور مہورت کو بہت مانتے ہیں اور ایک ذرا سی بات اگر
ہو جائے تو اُس کا بہت بڑا خیال کرتے ہیں ۱۲۔

میں ہوئی جس میں ہندو مغلوب ہو گئے۔ اِس فتح کے بعد ابھی سدھرے نہ تھے کہ راے
بیجانگر کا بھائی مُدپاناپک آٹھ ہزار سوار اور چھ لاکھ پیدل لے کر پونچ گیا اور دوبارہ لڑائی شروع
ہو گئی اور طرفین کے بے شمار آدمی مارے گئے مقرب خان سیستانی اسی میں کام آیا مجاہد شاہ
کو اس قدر جوش تھا کہ وہ ہندوؤں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتا تھا بادشاہ کا چچا داؤد خاں جو دہنہ سودرہ [51]
پر مامور تھا اس جنگ کی خبر پاکر سات ہزار سوارے کر یلغار آن پونہچا اور خوب لڑا لیکن بادشاہ
اس بات سے ناراض ہوا کہ درے کو خالی کیسے چھوڑ کر آگیا اور بہت سخت سست کہا چنانچہ
ایسا ہی ہوا کہ ہندوؤں نے درے کو خالی پاکر قبضہ کر لیا۔ مجاہد شاہ نے اُسی دن چالیس ہزار
سوار اور پیدل ہنود کے قتل کئے تھے اور مسلمانوں کے بھی بے شمار آدمی مارے گئے تھے مگر
پھر بھی فوراً درے پر پونہچا۔ بادشاہ کے آنے کی خبر سنتے ہی ہندو بھاگ گئے۔ مجاہد شاہ کو تجربہ
ہو گیا کہ بیجانگر کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے پھر ادھونی کا محاصرہ کئے دو مہینے تک پڑا رہا۔
امید تھی کہ گرمیوں کی تاب نہ لاکر قلعہ سر ہو جائے گا مگر بارش ہو جانے سے امید سرد پڑگئی اور
لشکر میں بیماری پھوٹ پڑی ناچار بادشاہ کو واپس آنا پڑا اور منزل بہ منزل کوچ مقام کرتا ہوا
کشنا کے کنارے مقیم تھا کہ شب میں داؤد خاں نے اُسی خصومت سے جو بادشاہ کی سخت
کلامی سے اُس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی ۱۷ ذیحجہ ۷۷۹ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۳۷۸ء کو قتل کیا۔

---

[51] سیول صاحب نے لکھا ہے کہ دہنہ سودرہ غالباً ایک جھیل یا تالاب ہے جو بیجانگر کے مشرقی میدان کے پہاڑوں
کے آخر میں اُس بلند پہاڑ کے متصل واقع ہے کہ جو گورنمنٹ کی پیمایش اراضی بذریعہ مثلث کے نقشے میں
دمان سندرم کے نام سے بتایا گیا ہے جو غالباً دھرما سمدرم ہوگا۔ اس پہاڑ پر ایک ستون پیمایش کا بنا ہوا
ہے۔ یہ پہاڑ پانسو فیٹ بلند ہے اور حدود موضع کنوی تماپور میں واقع ہے۔ یہ مقام شہر بیجانگر سے جو فوج
نکلے اُس کو رستے میں پڑتا ہے اور اُس کے دامن میں سے چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہے پہاڑ کی آڑ پکڑ کر اگر اس رستے
کو روک دیا جاوے تو پھر غنیم کو نکلنے کا کوئی رستہ باقی نہیں رہتا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے
اس رستے کو اپنے قبضے میں رکھنا کتنا ضروری تھا۔ فرشتہ نے اس مقام کو ایک بہت بڑی گھاٹی
لکھا ہے ۱۲

مجاہد شہ آں والی تخت و تاج | چو از دار دنیا بہ جنت رسید
زسرور بتاریخ او شد ندا | کہ اہل العطا پادشاہ شہید

سنہ ۷۷۹ھ

پادشاہ لاولد شہید ہوا اور داؤد شاہ تخت نشین ہوا۔

داؤد شاہ بہمنی بن سلطان علاء الدین حسن گانگوی

مجاہد شاہ کے مارے جانے سے ملک میں فتنہ و فساد برپا ہوگیا۔ بعض چاہتے تھے کہ سلطان علاء الدین حسن گانگوی کا چھوٹا بیٹا محمود پادشاہ ہو بعض داؤد شاہ کے طرف دار تھے۔ آخر کار امراء و ارکین دولت کو داؤد شاہ ہی کو تخت پر بیٹھایا مگر کئی دن کے واسطے۔ مجاہد شاہ کی بہن روح پرور آغا اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی اُس کے ایما سے باکہ نامی جوان کے ذریعہ سے یکم محرم الحرام سنہ ۷۸۰ھ ۱۳۷۸ع کو جامع مسجد میں عین سجدہ میں قتل کروا دیا۔ مدت سلطنت صرف ایک مہینے پانچ دن تھی۔

سلطان محمود بہمنی بن سلطان علاء الدین حسن گانگوی

علاء الدین کا چھوٹا بیٹا محمود[۵۱] شاہ اول داؤد شاہ کا جانشین ہوا۔ روح پرور آغا نے پہلے ہی سے داؤد شاہ کے بڑے بیٹے محمد سنجر کو جس کی عمر (۸) سال کی تھی مکحول کرادیا تھا بدیں وجہ سب کی رضامندی سے محمود شاہ تخت نشین ہوا حتی کہ راے بیجانگر نے بھی اپنا محاصرہ قلعہ رائچور پر سے اٹھالیا اور جو خراج محمد شاہ کے زمانے میں دیا کرتا تھا اُس کے دینے کا اقرار کیا۔ یہ پادشاہ نہایت سلیم الطبع۔ خوش خلق۔ عادل اور پابند شرع شریف تھا۔ یہی ایک پادشاہ تھا جس نے ایک بیوی کے سوا دوسری نہ کی۔ خواجہ حافظ کو شیراز سے اسی نے بلوایا تھا وہ آنے کو آمادہ بھی ہوئے لیکن جب کشتی پر سوار ہوئے تو باد مخالف اُٹھی کشتی ڈگمگانے لگی وہیں اُتر پڑے اور نہ آئے اور ایک غزل جس کا پہلا شعر یہ ہے لکھ کر پادشاہ کی خدمت میں بھیجی۔

[۵۱] تاریخ فرشتہ میں اس پادشاہ کا نام محمود لکھا ہے لیکن ڈاکٹر کاڈرنگٹن جو سکہ شناسی کے ماہر ہیں لکھتے ہیں کہ سکوں پر اس بادشاہ کا نام محمد تھا نہ کہ محمود اور برہان مآثر میں بھی یہی لکھا ہے اور میجر کنگ نے بھی یہی لکھا ہے لیکن ہم نے تاریخ فرشتہ پر ہی عمل کیا ہے ۱۲

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد   بہ مے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

بادشاہ غزل سن کر بہت محظوظ ہوا اور ایک ہزار اشرفی خواجہ کو بھیج دی۔ اگرچہ اس نے ۱۹ سال نو مہینے بیس دن سلطنت کی مگر ایسا صلح کل تھا کہ امن چین سے گزری کسی سے لڑائی بھڑائی کی نوبت نہ آئی اور ۲۱ رجب ۷۹۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۳۹۷ء کو بہ عارضۂ تپ محرقہ دنیا سے رخصت ہوا۔

چو در اقلیم جنت یافت شاہی   جناب شاہ حق آگاہ محمود
رقم شد خاص حق تاریخ سالش   دگر مہر علیٰ شاہ محمود
۷۹۹ھ   ۷۹۹ھ

سلطان غیاث الدین بہمنی سلطان محمود کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین تخت نشین ہوا یہ نوجوان تھا۔ اس کا ایک ترکی غلام تغلچین نام چاہتا تھا کہ خود کو منصب وکالت ملے۔ جب بادشاہ نے غلام کو خلق اللہ پر جن میں سید بھی ہوتے ہیں حاکم بنانا پسند نہیں کیا۔ اور اس کی درخواست نامنظور کی تو اس نے ایک دن بادشاہ کو عیاری سے دعوت میں بلا کر اور تنہائی میں لیجا کر اس کی آنکھیں نکال دیں اور اس کے چوبیس مقربوں کو قتل کرکے اس کے چھوٹے بھائی شمس الدین کو بادشاہ بنایا اور اس اندھے بادشاہ کو قلعہ ساغر (سگر) میں بھیج دیا۔ غیاث الدین نے صرف ایک ماہ بیس روز سلطنت کی تھی کہ ۱۷ رمضان ۷۹۹ھ مطابق ۱۴ جون ۱۳۹۷ء میں یہ واقعہ ہوا۔

سلطان شمس الدین بہمنی سلطان غیاث الدین کے مقید ہونے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی شمس الدین تخت شاہی پر براجا۔ تغلچین مذکور کو ملک نائب کا خطاب اور امیر جملگی کا منصب دیا۔ سب امرا نے اس کی اطاعت قبول کی۔ فیروز خاں اور احمد خاں یہ دونوں حقیقی بھائی سلطان داؤد شاہ مقتول کے بیٹے تھے۔ باپ کے قتل کے وقت وہ صغیر سن تھے ان کے چچا سلطان محمود بہمنی نے ان کی تربیت کی اور اپنی دو بیٹیاں انھیں بیاہ دیں اور مرتے وقت انھیں وصیت کی تھی کہ غیاث الدین جس کو اس نے اپنا ولی عہد کیا تھا اس کی اطاعت کریں جب تغلچین نے سلطان غیاث الدین کو نابینا کیا تو یہ دونوں بھائی اس کا بدلا لینے کے درپے

ہوئے۔ جب ان کا یہ ارادہ تغلچین نے بھانپ لیا تو بادشاہ کی والدہ سے جو تغلچین کی بے حد مشکور اور مداح تھی سازش کر کے ان دونوں بھائیوں کے قتل پر بادشاہ کو آمادہ کرایا۔ فیروز خاں اور احمد خاں اطلاع پاکر ساغر (سگر) کی طرف بھاگ گئے۔ وہاں کا حکمران جس کا نام سدؔو تھا اُن کی مدد کو مستعد ہو گیا۔ یہ دونوں بھائی لشکر کے ساتھ عازم گلبرگہ ہوئے۔ بادشاہ کو تغلچین نے اکسا کر اُن کا مقابلہ کرایا۔ دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی۔ آخر انھوں نے اپنے کئے پر پشیمان ہو کر بادشاہ کی والدہ کی وساطت سے امان چاہی اور گلبرگہ میں رہنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے ان کی تقصیر معاف کر دی۔ یہ دونوں بھائی گلبرگہ میں آگئے ایک روز کسی حکمت عملی سے فیروز خاں نے محل کے اندر گھس کر سلطان شمس الدین و تغلچین کو پابہ زنجیر کیا اور باہر آکر باتفاق ارکان دولت فیروز خاں تخت فیروزہ پر جلوہ افروز ہوا۔ سلطان شمس الدین کی آنکھیں نکلوا کر اُس کو قلعۂ بیدر میں بھیج دیا اور تغلچین کو سلطان غیاث الدین کے حوالہ کیا۔ جس نے کہتے ہیں کہ گو وہ نابینا تھا مگر خود اپنے خنجر سے اُسے ہلاک کیا۔ سلطان فیروز سے اجازت لے کر شمس الدین مکہ معظمہ چلا گیا۔ اور مدینۂ منورہ میں ۸۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جب تک وہ زندہ رہا سلطان فیروز اس کے اخراجات کے لئے تحائف اور زر نقد بھیجا کرتا تھا سلطان شمس الدین نے کل ستاون روز سلطنت کی ؎

رفت شمس الدین چو با عز و وقار — مثل خور بر اوج چرخ چارمیں
سال وصلش نیر روشن بخواں — نیز شمس الدین انیس اہل دیں
۸۱۶ھ — ۸۱۶ھ

فیروز شاہ بہمنی

سلطان فیروز نہایت شرع پرست اور کریم النفس تھا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند اور روزانہ قرآن شریف کا پاؤ پارہ نقل کر کے وجہ معاش پیدا کرتا تھا۔ عدل و انصاف میں بھی اس نے نام پایا۔ اگرچہ کہ وہ رقص و سرود کا دلدادہ اور شراب خوار و عیاش بھی تھا مگر ان افعال سے وہ خود نادم رہتا تھا حسین عورتوں کی اُسے بہت چاہ تھی ایک شہر فیروز آباد اپنے نام پر دریائے بھیما کے کنارے آباد کیا اور جس میں محلات و عمارات شاہی تعمیر کر کے ہر ایک حرم کو ایک ایک محل عطا کیا۔ حرم سرائے سلطانی میں عربی۔ ترکی۔ روسی۔ گرجی۔

افغانی - راجپوتن - گجراتی - بنگالی - تلنگن - مرہٹی - کرناٹکی بیشتر اقوام اور اکثر مقامات کی پری پیکر عورتیں موجود تھیں یہ بادشاہ ہر ایک کی زبان سے واقف تھا - ہر روز ایک محل میں رہتا اور وہاں کی خواص سے اسی کی زبان میں بات چیت کرتا - وہ بڑا عالم و فاضل بھی تھا - ارباب علم و اہل ہنر کو دور دراز ممالک سے طلب کر کے اپنے ملک میں انہیں بساتا اور توقع سے زیادہ ان کی قدر اور اُن سے سلوک کرتا تھا - جب فیروز شاہ نے خطبہ و سکہ اپنے نام سے جاری کیا تو اپنے بھائی احمد خاں کو خانخاناں کا خطاب دیا اور امیر الامرا مقرر کیا -

۸۰۱ھ میں رائے بیجانگر دیورائے مدگل و رایچور کے قلعے مسلمانوں سے چھین لینے کے قصد سے بلاد بہمنیہ کی طرف روانہ ہوا اور دوسری طرف دیورائے کے اشارے سے نرسنگ رائے نے ملک برار پر یورش کر کے اس کو ویران کر دیا - جب بادشاہ کو یہ خبر پونہچی تو اُس دولت آباد اور برار کا تمام لشکر نرسنگ رای کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور آپ دیورائے سے مقابلہ کرنے کے لئے ۸۰۱ھ م ۱۳۹۸ع میں کوچ کیا - دیورائے دریائے کرشنا کے اس طرف خیمہ زن تھا - دریائے کرشنا طغیانی پر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو عبور و مرور دشوار رہا - بادشاہ کو کوئی تدبیر مناسب نہیں سوجھی - قاضی سراج نے جو نامور امیر تھا کہا کہ حضور بالفعل ٹھہر جائیں میں خود کسی تدبیر سے آج رات دریا کے اُس پار جا کر کسی صورت سے دیورائے یا اُس کے بیٹے کو خیمے میں گھس کر ہلاک کرتا ہوں جب دشمن کے لشکر میں شور و غل مچے تو فوراً افواج شاہی (دریا جو اُس وقت تک گزرنے کے قابل ہو جائیگا) عبور کر کے ہندوں کا قلع قمع کر دیں - چنانچہ قاضی سراج نے ایسا ہی کیا کہ چند جری سپاہی ساتھ لے کر فقیروں کے بھیس میں دریا پار ہوا اور دیورائے کے لشکر کے ایک شراب خانہ میں پونہچ کر وہاں ایک کسبی سے لگاوٹ کر لی - جب وہ وہاں سے جانے لگی تو قاضی جی نے اپنی بے قراری ظاہر کی اور اُس سے پوچھا کہ تو کہاں چلی؟ میں تجھ بن کیسے کل پاؤں گا؟ اُس نے کہا کہ آج راج کنور نے بڑا جشن کیا ہے اور میرے مجرے کا حکم دیا ہے وہاں مجھے جانا ہے - قاضی نے اس کی مفارقت سے بیتابی ظاہر کر کے اس کے ہمراہ چلنے پر اصرار کیا - چونکہ شراب خانہ میں پونہچ کر قاضی اور اُس کے ساتھی

کچھ گاتے بجاتے بھی تھے۔ کسبی نے دیکھا تھا کہ قاضی کو ناچنا اچھا آتا ہے اس لئے وہ قاضی کو ساتھ لے چلنے پر راضی ہوئی جب قاضی اِس طوائف کے ہمراہ زنانہ لباس میں داخل مجلس ہوا تو ایک نقال عورت کے ساتھ دونوں ہاتھ میں کٹاریں لے کر بازی کرتا ہوا اور مثل مسخرے کے سب کو ہنساتا ہوا راج کنور کے قریب پونچا اور پونچتے ہی ان کٹاروں سے اس کو ڈھیر کر دیا۔ اِس کے پانچ چھہ ساتھی جو باہر کھڑے تھے وہ بھی گھس پڑے۔ ہند و شراب کے نشہ میں چور تھے اس لئے اُن کو بھی زخمی کرتے ہوئے خیمہ پھاڑ کر باہر نکل آئے۔ لشکر میں چیخ پکار مچی۔ مسلمانوں نے جب یہ سنا تو فوراً دریا کے پار اُتر کر کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ دیورائے اپنے بیٹے کے مارے جانے اور لشکر کے متفرق ہونے سے نہایت پریشان ہوا اور اپنے بیٹے کا لاشہ لے کر نکل بھاگا۔ لشکر اسلام نے ہندوؤں کا تعاقب کیا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دیورائے قلعہ بند ہو گیا۔ بادشاہ نے جنوبی حصہ اس کے ملک کا تاراج کرنے کے لئے فوج بھیج دی جو بڑی کامیابی کے بعد واپس ہوئی۔ اس محاربہ میں دو ہزار سے زیادہ لڑکیاں برہمنوں کی اسیر سلطانی ہو چکی تھیں۔ برہمنوں نے اتفاق کر کے دیورائے سے عرض کی کہ جس قدر نقد و جنس کی ضرورت ہو اُس کے دینے میں دریغ اور تامل نہ کیا جائے اور مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ دیورائے نے زرِ فدیہ دس لاکھ ہن خزانۂ عامرہ سلطانی میں داخل کیا جب کہیں وہ لڑکیاں چھوٹیں۔ اس کے بعد بادشاہ گلبرگہ واپس آیا پھر لکارائے کی گوشمالی کے قصد سے ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء میں روانہ ہوا۔ ایک قیامت خیز جنگ ہوئی جس میں پہلے تو مسلمانوں کا لشکر پریشان ہوا مگر بعد میں کامل فتح حاصل ہوئی لکارائے نے بالآخر صلح کی درخواست کی اور امان چاہی۔ سلطان نے اس کی بیٹی سے عقد کیا اور تحائف لے کر گلبرگہ واپس ہوا۔

۸۰۲ھ میں سنا گیا کہ امیر تیمور کا ارادہ ہے کہ دہلی کا تخت اپنی اولاد میں سے کسی کو دے کر چلا جائے۔ فیروز شاہ نے یہ خبر سن کر نذر و تحائف اپنے ایلچیوں کے ہاتھ امیر تیمور کی خدمت میں بھیجے۔ امیر بہت خوش ہوا اور ایک فرمان لکھ بھیجا کہ "ہم نے دکن و گجرات و مالوہ کا ملک قلمرو بہمنیہ میں شامل کر دیا۔ یہ کیفیت سن کر اور فیروز شاہ کی چالاکی سے اندیشہ کر کے والیان گجرات و مالوہ و خاندیس ظاہر میں تو فیروز شاہ کے دوست بن گئے مگر در پردہ دیورائے راجہ و بیجانگر کو ہموار کر کے

اس کو جنگ کرنے کی ترغیب دی اور خود اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اس پر سے راسے ویجانگر نے فیروز شاہ کے احکام کی تعمیل میں ڈھیل ڈالی چنانچہ ۸۰۰ھ میں تین چار سال کا خراج بھی چڑھ گیا تھا۔ فیروز شاہ موقع کا منتظر تھا۔ اس کو ایک موقع اس طرح ہاتھ آیا کہ مدگل میں ایک مفلس سنار کے گھر ایک لڑکی مسماۃ پرتھال نہایت حسین تھی۔ اور اس کو کسی برہمن نے عمدہ تعلیم دی تھی۔ یہ برہمن ویجانگر کا رہنے والا تھا۔ جب یہ ویجانگر پہونچا تو راے ویجانگر سے اس کے حسن وادا کی ایسی تعریف کی کہ دیوراے نے ایک برہمن اُس کے لانے کے لئے مدگل بھیجا۔ لڑکی نے وہاں جانے سے انکار کیا۔ اس پر سے دیوراے نے ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ع میں اپنی فوج کا ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ پرتھال یہ خبر سن کر فوج کے داخل ہونے سے ایک روز پہلے ہی کہیں بھاگ گئی فوج کے ہاتھ نہ آئی دیوراے کی اس فوج نے سلطان فیروز کے علاقہ جات پر دست درازی شروع کی۔ مگر اس علاقہ کے ضابطہ نے اِن کی قرار واقعی گوشمالی کی تاہم جب یہ خبر فیروز شاہ کو معلوم ہوئی تو فوج ظفر موج کے ساتھ ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ع میں ویجانگر پر حملہ کیا مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان کل آٹھ لڑائیاں ہوئیں جن میں فیروز ہی کو فتح و فیروزی رہی اور ویجانگر کے ممالک محروسہ کا بہت سا حصہ تباہ کر دیا۔ دیوراے کو گجرات وغیرہ سے مدد پہونچنے کی امید تھی مگر اس کی درخواست کے بعد بھی نہ پہونچی تو ناچار صلح پر جھکا۔ صلح بڑی سخت شرائط پر ٹھہری۔ یعنی چوں کہ "علاوہ زر و جواہر ہاتھی وغیرہ کے دیوراے اپنی بیٹی سلطان کو بیاہے" جو کہ آج تک رایان کرناٹک نے کبھی اپنی لڑکی مسلمانوں کو نہیں بیاہی تھی ان کو یہ شرط نہایت شاق گزری مگر بامر مجبوری بیاہ دیا اور جہیز میں حسب شرائط قلعہ بنکاپور بھی دے دیا۔ لیکن اس قدر قرابت قریبہ ہونے کے بعد بھی ان دونوں میں صفائی نہیں ہوئی وہی خوں خرابے ہوتے رہے بالآخر فیروز شاہ اس مہم سے فارغ ہو کر مدگل آیا اور پرتھال کو اس کے ماں باپ کے ساتھ طلب کیا۔ لڑکی کو جملہ خوبیوں سے آراستہ دیکھ کر خود چوں کہ کثیر الازواج و مسن تھا اس لئے پرتھال کی جوانی کی قدر کر کے اُس کی شادی اپنے نوجوان فرزند حسن خاں سے کرا دی۔ اور پرتھال کے والدین کو بہت سا روپیہ و جاگیر وغیرہ عطا کر کے فیروز آباد کو روانہ ہوا۔

فیروز آباد پونچنے کے بعد ۸۱۸ھ/۱۴۱۵ع میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ وہلی کی جانب سے ایک

عالی مقام حضرت سید محمد گیسو دراز نام (قدس سرہ) اس کے حدود ملک میں وارد ہوئے ہیں بڑے اشتیاق سے اُن حضرت کو طلب کرکے گلبرگہ میں سکونت گزین کیا۔ ایک عرصہ تک حضرت سے حسن عقیدت اور جوش ارادت رکھتا رہا مگر آپ نے حسن کی ولی عہدی کے واسطے دعا نہ کرنے سے حضرت رح اور فیروزشاہ میں رنجش ہوگئی لیکن بادشاہ کے بھائی احمد خاں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گوشۂ خاطر میں جگھ پائی ۱۴۱۹ء میں جو جنگ فیروزشاہ بادشاہ گلبرگہ اور راجہ بیجانگر سے ہوئی تھی وہ راجہ دیورائے دوم ہی تھا۔ قلعۂ درنگل وپانگل کے حملوں میں بادشاہ کی ناکامیابی کی وجہ سے بیجانگر کی افواج کو جرأت ہوگئی اور اُن کے سوار، پیدل اور ہاتھی بادشاہ پر بڑھے۔

فیروزشاہ نے اگرچہ راجہ کی فوج کو بہ مقابلہ اپنے لشکر کے کم پایا تاہم ارادہ جنگ کا چھوڑ دیا۔ تاریخ فرشتہ میں اس لڑائی کا حال حسب تفصیل ذیل لکھا ہے مگر کہیں یہ نہیں بتلایا کہ یہ لڑائی کس مقام پر ہوئی۔

دیورائے دوم اور فیروزشاہ کی لڑائی ۸۲۲ھ م ۱۴۱۹ء۔

میر فضل اللہ جو اس لشکر کا کمانڈنگ تھا اُس نے بڑی جواں مردی اور بہادری سے ہنود پر حملہ کیا اور قلب لشکر کو تاراج کرکے پھر میمنہ پر جا پڑا اور قریب تھا کہ فتح ہو جائے لیکن سوء اتفاق سے خود ان ہی کی طرف کے ایک کنڑی سردار نے جو میر فضل اللہ کا قدیم نمک خوار تھا مگر دربردہ راجہ سے مل گیا تھا دغا دی۔ دیورائے نے اُسے بڑھاوے چڑھاوے دے کر اُدھر سے توڑ لیا تھا اُس نے میر فضل اللہ کے سر پر ایک ایسی کاری تلوار ماری کہ فوراً ہی ملک عدم کو راہی ہوا میر فضل اللہ کا مارا جانا تھا کہ لڑائی کی حالت بدل گئی اور اس کے علاوہ اور بہت سے امرا بھی مارے گئے۔ آخرکار بجائے فتح کے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور نہایت مشکل اور بڑی حکمت عملی سے بادشاہ جان بچا کر بھاگا۔ پھر تو ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور میدان جنگ میں مسلمان مقتولین کے سروں کا ایک چبوترہ بنایا۔ ہندوؤں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے لشکر کا تعاقب خود اُن کے ملک میں کرتے ہوئے چلے گئے اور جہاں پہنچے برابر خوں ریزی کرتے اور بستیوں کو آگ لگاتے گئے اور بہت سے

مقامات پر قبضہ کر لیا بہت سی مسجدوں اور متبرک مقامات کو مسمار کر دیا۔ مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا جس سے یہ معلوم دیتا تھا کہ مدتوں کی دبی ہوئی آتش دشمنی اب نکالی جا رہی ہے۔ سلطان فیروز شاہ نے بحالت مجبوری بادشاہ گجرات سے امداد چاہی لیکن وہ بے چارہ نیا نیا تخت پر بیٹھا تھا کچھ مدد نہ کر سکا۔ آخر کب تک مسلمانوں کی باری بھی آئی اور کئی معرکوں کے بعد بادشاہ کے بھائی خان خاناں نے خدا خدا کر کے ہنود کو اپنے ملک سے بدر تو کیا لیکن اس شکست کا صدمہ ضعیف العمر بادشاہ کے دل پر ایسا ہوا کہ اُس کا دل ٹوٹ گیا اور ہمت ہار دی۔ اسی رنج و ملال سے بادشاہ زیادہ بیمار رہنے لگا اُس نے سلطنت کا کل کاروبار ہشیار عین الملک اور بیدار نظام الملک دو معتمد غلاموں کے سپرد کر دیا اور خود امور مملکت میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ رفتہ رفتہ یہ دونوں غلام قوت پکڑ گئے لیکن ان لوگوں نے بھانپ لیا کہ خان خاناں بہت کچھ دخیل کار رہتا جاتا ہے اور آگے چل کر ضرور سلطنت کو دبا بیٹھے گا۔ فیروز شاہ نے نلگنڈہ کا محاصرہ کیا مگر اس کی فوج میں ہیضہ پھوٹنے سے ہندوؤں کی بن آئی۔ دیورائے نے اطراف سے بہت سی فوج جمع کر کے دھاوا کیا۔ بادشاہ نے اس کو اندھا کر دینے کا ارادہ کیا۔ احمد خاں مع اپنے بیٹے کے بموجب ارشاد حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے فرار ہوا اور فوج جمع کر کے بادشاہ کے لشکر سے جو اس کے تعاقب میں تھا مقابلہ کر کے شکست دی۔ بادشاہ خود بھی لڑنے کے لئے آیا مگر پسپا ہو کر آخر کار بیمار اور قلعہ بند ہو گیا۔ اس اثناء میں چونکہ فیروز شاہ نے اپنے امرائے دولت دست راست اشخاص کو احمد شاہ سے در پردہ گرویدہ و موافق دیکھا تو اُس نے سوچا کہ سپاہ و رعیت اور امراء و وزرا کی موافقت کے بغیر بادشاہی میں کیا لطف ہے۔ بس سلطان فیروز نے اپنے ولی عہد بیٹے حسن خاں کو طلب کر کے اور قلعہ کا دروازہ کھول دینے کا حکم فرما کر احمد خاں کو اپنے بستر کے قریب بلایا احمد خان کے بھائی کو بستر مرگ پر دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا۔ زار و قطار روتا جاتا تھا اور یہ دو بیتیں پڑھتا جاتا تھا ۔

ازیں سرنوشتہ زسود و زیاں	فلک راہمانہ منم درمیاں
ازینش ستاند بآنش دھد	کند ہرچہ خواہد بما برنہد

فیروز شاہ بھائی کو دیکھ کر خوش ہوا اور کہا کہ "الحمد للہ کہ میں نے اپنی زندگی میں تمھیں بادشاہ دیکھ لیا اور فی الواقع بہ لحاظ قابلیت اور استحقاق تم ہی اس کے شایاں ہو۔ لیکن شفقت پدری سے مجبور تھا کہ حسن کو ولی عہد مقرر کیا۔ اب تمھیں خدا کے سپرد کیا اور حسن کو تمھارے حوالے کیا۔ اُٹھو جاؤ اور امور سلطنت کو انجام دو۔ میں اور چند دن کا مہمان ہوں میرے حال سے غافل نہ ہونا۔"

پس مشیت ایزدی اور حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ کی متواتر بشارت صادقہ کے موافق محمد خان خانخاناں ۵ شوال الکرام ۸۲۵ھ ۱۴۲۲ع میں تخت فیروزہ پر بیٹھا۔ اور سلطان احمد شاہ بہمنی سے ملقب ہوا۔ دس روز کے بعد ۱۵ ماہ مذکور مطابق ۲۴ ستمبر ۱۴۲۲ع دوشنبہ کے دن سلطان فیروز شاہ اس سلاطین خانہ ماء وطین سے راہی فردوس بریں ہوا۔ اور گنبد کلاں ہفت گنبد سلاطین بہمنیہ میں دفن ہوا مدت سلطنت (۲۵) سال (۷) مہینے (۱۵) دن تھی ؎

نہ فیروز ماند و نہ فیروز یش
اجل کرد درخاک بہ روز یش

خنک در لحد خفت با بخت خود
نہ آماجگہ بردنی تخت خود

ہمینست نقش وطراز جہاں
یقین ست کل من علیہا فاں

رفت چوں فیروز شاہ اندر بہشت
دل لیال وصل آں عالی لقا
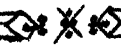
گفت "جنت آشیانی" کن رقم
بار دیگر "بادشاہ اتقیا"

۸۲۵ھ ۸۲۵ھ

دیگر

چو در زید او عرش والا مقام
ز روے زمیں شاہ فیروز مند

ندا شد ز دل سال تاریخ او
کہ محبوب دیں شاہ فیروز مند

۸۲۵ھ

فرشتہ نے حسن خاں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مخنی اور آوارہ منش شخص تھا۔ گو وہ وارث تخت و تاج تھا۔ لیکن احمد خاں خان خاناں نے اپنی ہمت اور قابلیت سے اُس کو کاروبار

سلطنت سے بالکل بیدخل کر رکھا تھا۔ ولی عہد چپ چاپ فیروز آباد میں بالکل لہو و لعب اور آرام طلبی میں رہا کرتا تھا جب اُس کے چچا احمد شاہ اول نے تخت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تب اُس نے حسن خاں کے ساتھ اتنا سلوک البتہ کیا کہ فیروز آباد میں اُس کو رہنے کی اجازت دی اور بہت سی جاگیریں دے دیں اور یہ بھی اجازت دی کہ اپنے محل سے آٹھ میل کے اندر ہی اندر جہاں چاہے سیر و شکار کرے اور کسی قسم کی پابندی وقت وغیرہ کی نہ تھی حسن نے اس کو بھی غنیمت سمجھا اور عیاشی میں مزے اُڑاتا رہا سلطنت کی اُسے کچھ پروانہ تھی وہ اپنے اسی حال میں مگن تھا۔ جب تک حسن خاں کا چچا زندہ رہا اس کی آرام و آسائش میں بسر ہوتی رہی اور چچا بھتیجے میں کبھی سوء مزاجی نہیں ہوئی اُس کے بعد تو پھر اس بیچارے کی آنکھیں نکلوا ڈالی گئیں اور محل فیروز آباد میں قید کر دیا گیا یہ واقعہ ۱۴۳۶ء کے بعد ہوتا پایا جاتا ہے۔

سلطان احمد شاہ ولی البہمنی

سلطان احمد نے تخت پر بیٹھ کر خلف حسن بصری کو وکیل سلطنت مقرر کیا اور ملک التجار کا خطاب دیا۔ حسن خاں کو فیروز آباد میں رکھا۔ وہ بڑا عیاش چالاک تھا۔ اُس نے وہیں رہ کر ایام زندگی عیش و عشرت میں گزار دیے۔

احمد شاہ نے تخت پر بیٹھنے کے بعد ۱۴۲۳ء میں دیورائے سے مسلمانوں کے کشت و خون کا بدلا لینے کے لیے ایک بھاری لشکر فراہم کر کے کرناٹک کی طرف روانہ ہوا اور ملک وجیانگر میں گھس پڑا اور نہایت بے رحمی سے قتل و خونریزی شروع کر دی یہاں تک کہ جب بیس ہزار ہندو قتل ہو جاتے تو تین روز مقام کر کے جشن کرتا اور وہاں سے آگے کو روانہ ہوتا۔ ایک دن بہت کم سواروں کے ساتھ شکار کو نکلا تھا۔ ہندوؤں نے جو موقع تاک رہے تھے اُس کا پیچھا کیا اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ اس کے بہت سے ساتھی کام آئے مگر اس اثناء میں اُس کو کمک آپہنچی اور وہ بال بال بچا۔ پھر تو احمد شاہ نے وجیانگر کی تسخیر کا مصمم ارادہ کیا محصورین بلبلا اُٹھے دیورائے کو یہی مصلحت سوجھی کہ اُس نے فوراً چند سالہ خراج ہاتھیوں پر لاد کر بھیج دیا اور بہت ہی عجز و انکسار کے ساتھ صلح کی درخواست کی۔ دونوں میں صلح ہو گئی اور احمد شاہ گلبرگہ واپس آیا۔ واپسی کے بعد ۸۲۸ھ ۱۴۲۴ء میں تلنگانہ پر ترکتازی کی۔ رائے ورنگل نے بڑی فوج سے اس کا مقابلہ کیا۔ آخر مارا گیا۔ سلطان نے ورنگل میں داخل ہو کر خزائن و دفاین پر قبضہ کر لیا اور

جب ہر طرح سے ملک تلنگ پورا پورا مسلمانوں کے تصرف و اقتدار میں آگیا اس وقت احمد شاہ گلبرگہ واپس ہوا۔

احمد شاہ کے عہد سلطنت تک تاجداران بہمنیہ کا پایہ تخت بلکہ ان کی رہائش گاہ بھی شہر حسن آباد گلبرگہ رہا۔ کتاب تذکرۃ الملوک میں لکھا ہے کہ ایک روز احمد شاہ بتقریب شکار سواد بیدر میں داخل ہوا۔ یہاں کی ہوا اُسے اچھی معلوم ہوئی اور بر فضا مقام ہونے سے بہت خوش ہوا شکار کے لیے کتّے کو خرگوش پر چھوڑا۔ خرگوش گھبرا کر کتّے پر جھپٹا اور رگیدے ڈالا۔ بادشاہ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ اس سرزمین کی آب و ہوا میں شجاعت و شہامت کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ خرگوش کتّے پر غالب آیا اس مقام کو ضرور پایۂ تخت بنانا چاہیے۔ یہاں جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ضرور شجاع و باہمّت ہوں گے۔ پس نیک ساعت دیکھ کر شہر کی بنا ڈالی اور اس کو آباد کر کے احمد آباد بیدر نام رکھا (جو اب محمد آباد بیدر کہلاتا ہے) اور ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اپنی بقیہ عمر عیش و آرام سے وہیں گزاری۔ اس نے کل بارہ سال ۹ ماہ چوبیس یوم سلطنت کی اور ۸۳۸ھ میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوا۔ احمد شاہ کو لوگوں نے ولی مان لیا تھا کیوں کہ ایک سال جبکہ سلطان مہم و بیجانگر سے فارغ ہو کر گلبرگہ واپس ہوا تھا بہت بڑا قحط پڑا۔ لوگوں کی درخواست پر بادشاہ استسقاء کی نماز کو گیا تو بڑی شدت سے مینہ برسا لوگوں نے اس کی کرامت تصور کی۔ احمد شاہ نے ۲۸ رجب ۸۳۸ھ مطابق ۷ رفروری ۱۴۳۵ء کو اتوار کے دن انتقال کیا۔ مدتِ سلطنت بارہ برس دو مہینے ہے اور متصل بیدر موضع اشٹور میں ایک نہایت شان دار اور بلند مقبرے میں مدفون ہے جہاں چوبدار وغیرہ خدام اب تک مامور ہیں اور سالانہ عرس شریف ہوتا ہے۔

چو در بزم احمد شد از دار دول	شہ احمد آں پادشاہ ولی
وصالش یکے خواجۂ اکبر است	دوبارہ شہ ملت احمدی
۸۳۸ھ	۸۳۸ھ

اس گنبد پر تمام چینی کا میناری کام اندر اور باہر ہے اور اندر بہت سے آیات کلام الٰہی منقوش ہیں جو امتداد زمانہ سے جھڑ کر خراب ہو گئے۔

سلطان علاء الدین ثانی بن سلطان احمد شاہ بہمنی

احمد شاہ کے بعد سلطان علاء الدین ثانی بہمنی احمد آباد بیدر کے تخت پر متمکن ہوا۔ راے ویجانگر نے پانچ سال سے خراج ادا نہیں کیا تھا اس لئے سلطان نے اپنے بھائی شہزادہ محمد کو فوج کے ہمراہ وصولی کے لئے بھیجا۔ محمد خاں نے راے ویجانگر سے خراج وصول کیا مگر بعض مشیروں کے اغوا سے خود آدھے ملک کو اپنے تصرف میں لانا چاہا اور فوج فراہم کرکے بادشاہ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوا۔ سلطان علاء الدین نے خود اُس کا مقابلہ کرکے اُس کو شکست دی اور پھر اُس کا قصور معاف کرکے اپنے پاس بلا لیا اور رایچور و مدگل اُس کو دے دئے۔ اسی طور پر چند دے اور خانہ جنگیاں رہیں۔ ایسے میں دیو راے نے اپنی فوج کو کافی تقویت و ترقی دی اور اس دفعہ بیشتر مسلمان فوج میں بھرتی کئے۔ جب سب طرح کا اطمینان اسے حاصل ہوا تو ۸۴۷ھ میں دیار بہمنیہ کی تسخیر کے لئے دریاے تنگ بھدرا عبور کرکے قلعہ مدگل سر کرنے کے بعد اطراف کا بہت سا ملک نیست و نابود کر دیا۔ سلطان اپنا لشکر لے کر مقابلے کے لئے آیا۔ مدگل کے قریب پیاپے تین لڑائیاں ۸۴۷ھ ۱۴۴۳ع میں ہوئیں اول ہندوؤں کو بعد میں مسلمانوں کو کامیابی رہی۔ بالآخر اس طرح صلح ہوگئی کہ سلطان آیندہ کرناٹک پر فوج کشی نہ کرے اور دیو راے خراج برابر ادا کرتا رہے۔

۸۵۰ھ ۱۴۴۶ع میں ملک کوکن کی تسخیر کے لئے علاء الدین نے حسن بصری کو فوج دے کر روانہ کیا اُس نے بہت سے راجاؤں کو زیر کیا مگر ایک راجہ حسن بصری کے فریب دے کر اس کے چند ہمراہیوں کے ساتھ اس کو جنگل میں لے گیا اور اُن سب کا کام تمام کیا۔

سلطان علاء الدین کے عہد سلطنت میں مشیر الملک سپہ سالار افواج دیسی کی جعل سازی سے ڈہائی ہزار پردیسی سپاہ سلطانی جن میں بارہ سو سادات اور اکثر شیعہ تھے بغاوت کی تہمت لگا کر قتل کئے گئے۔ مگر جب بادشاہ کو معلوم ہوگیا کہ مشیر الملک کا یہ محض تعصب واتہام تھا تو اُس نے مشیر الملک اور اُس کے تمام سازشیوں کو جو اس خون ناحق کے شریک اور موجب تھے ایک ایک کو قرار واقعی سزائیں دیں اور اُن کی جیسی کہ چاہیئے ویسی ہی ذلت وخواری کی۔

دکن میں پانچ جداگانہ سلطنتوں کی بنیاد

سلطنت گلبرگہ اندرونی بغاوتوں اور بدنظمیوں میں ایسی پھنسی ہوئی تھی اور اندرونی جھگڑے اور لڑائیاں ملک دکن میں ایسی پھیلی ہوئی تھیں اور ملک کے حصے بخرے ہو گئے تھے کہ اُس کو بیرونی جنگ کی مہلت نہ ملی خاندان بہمنی تباہ ہو کر بجائے ایک سلطنت کے پھوٹ پھٹا کر مسلمانوں کی پانچ سلطنتیں ہو گئیں ۸۵۷ھ میں بادشاہ کی پنڈلی زخمی ہو گئی اور (۲۳) سال (۹) ماہ ۲۰ روز داد جہانبانی دے کر ۸۶۲ھ میں مطابق ۱۳ فروری ۱۴۵۸ء اُسی زخم کے اسباب سے اس خراب آباد پر رنج و محن کو چھوڑ کر گور گزیں ہوا۔

چوں علاء الدین پیشہ والا ہمم عالی مکان	قادر اعلیٰ یافت از دنیا بملک جاوداں
سال تاریخش علاؤالدین خداداں گفتہ ام	ہم علاؤالدین والا منزلت اہل جہاں
۸۶۲ھ	۸۶۲ھ

اس کے عہد میں ایک بڑا شفاخانہ بہ مقام بیدر تعمیر کرایا گیا تھا جس میں ہندو مسلمانوں کو برابر دوا ملتی تھی۔ جوا اور شراب فروشی اُس کے زمانہ میں بالکل ممنوع و مسدود تھی۔

سلطنت ہمایوں شاہ ظالم ولد سلطان علاءالدین ثانی بہمنی۔

سلطان علاءالدین نے امراء و وزرا کی توقع کے خلاف اپنے بیٹے ہمایوں شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس لئے اراکین سلطنت نے علاءالدین کی وفات کو مخفی رکھ کر اس کے چھوٹے بیٹے حسن شاہ کو تخت نشین کیا اور ہمایوں شاہ کا گھر لوٹنے اور اُس کو مار ڈالنے کی فکر کی۔ ہمایوں شاہ نے اس سے آگاہ ہو کر فوراً اپنے بھائی کو قید کیا۔ اور ان امرا کو قتل کر کے آپ اٹھارہ سال کی عمر میں ۸۶۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ بڑا بد مزاج اور خوں ریز تھا چنانچہ شاہ ظالم کے نام سے مشہور رہا۔

جلال خاں طرفدار تلنگانہ کا بیٹا سکندر خاں جو ایام شاہزادگی میں سلطان حال کا مصاحب تھا سپہ سالاری تلنگ کے نہ ملنے سے دلگیر ہو کر باپ کے پاس چلا گیا اور باپ سے مل کر علم بغاوت بلند کیا۔ بادشاہ نے اس پر فوج کشی کی مگر نقصان اُٹھایا۔ اتنے میں بادشاہ کو کمک پہنچی۔ سکندر خاں مارا گیا۔ اور جلال خاں قید کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس جھگڑے سے

فارغ ہوکر قلعۂ دیورکنڈہ کی تسخیر کا ارادہ کیا اور روانہ ہوا رستہ میں سنا کہ شہزادہ حسن خاں نے قید سے رہا ہوکر قصبۂ بیڑ پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی وہ اپنے دارالخلافہ کو لوٹا اور آتے ہی ایک ہزار آدمیوں کو جن کی تفویض شہر کی حفاظت سپرد تھی قتل کرڈالا۔ کہ کیوں انھوں نے شہزادہ کو قید خانے سے بھاگ جانے دیا اور کوتوال شہر کو قفس آہنی میں بند کر کے ہر روز ایک ایک عضو اس کا کٹواتا اور اس کو کھلواتا تھا۔ اس طرح پر وہ اسی قفس میں فوت ہوا بھائی کی گرفتاری کے لیئے بھی اس نے بہت سی فوج بھیجی مگر شہزادہ حسن خاں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس سے ہمایوں شاہ اور بھی جھنجلایا مکرر ایک دستہ فوج کا اس کی طرف روانہ کیا۔ اس دفعہ حسن خاں نے شکست پائی۔ اور وہ چند سواروں کے ساتھ خستہ وخوار حوالی بیجانگر میں پونہچا۔ یہاں کے تھانہ دار خواجہ معظم خاں نے اس کو مکروفریب سے گرفتار کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ ہمایوں شاہ نے غضب ڈھایا۔ حسن خاں کی شیر سے تکہ بوٹی کرادی۔ اور پھر شہزادہ کے سات سو متعلقین کو انواع مظالم اور پوری سفاکی سے ایک ایک کرکے مرواڈالا کسی کو پھانسی دی گئی۔ کسی کی گردن اڑادی گئی۔ کوئی کھولتے پانی میں اُبلا۔ کوئی جلتے تیل میں جھونکا گیا۔ کسی کو مست ہاتھی سے کچلوایا۔ کوئی شیر کی خوراک بنا۔ اور بادشاہ خود برآمدے سے دیکھا کیا۔

محاصرۂ قلعہ دیورکنڈہ[1] بعہد ہمایوں شاہ

ہمایوں نے تخت نشین ہونے کے دوسرے ہی برس ملک تلنگانہ پر چڑھائی کرکے قلعہ دیورکنڈہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن لوگوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور بادشاہ کے لشکر کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی معرکہ اس کے عہد میں سلطنت بیجانگر سے نہیں ہوا۔

سلطان ہمایوں بہت بدگمان واقع ہوا تھا۔ اس لئے وہ اس قدر جبر وتعدی بھی کرتا تھا۔ ارکان دولت جب اس کے حضور میں جاتے تو زن وفرزند کو ضروری وصیت کر کے ان سے رخصت ہوکر جاتے تھے کسی کو واپسی کی امید نہیں رہتی تھی۔ آخرکار ایک رات شراب کے نشہ میں سویا ہوا تھا۔ ایک حبشن نے اس کے سر پر لٹھ مار کر اس کے ظلم وستم سے خلائق کو نجات دلوائی۔ بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ وہ بیمار ہوکر ۲۸ ذی قعدہ ۸۶۵ھ

[1] ضلع نلگنڈہ کی ایک تحصیل ہے ۱۲۶ -

مطابق ۵ ستمبر ۱۳۲۱ء کو فوت ہوا - ہمایوں نے کل تین سال چھ ماہ چھ روز سلطنت کی نظیری شاعر نے جس کو ہمایوں نے قید کیا تھا ذیل کے اشعار اُس کی تاریخ وفات میں کہے ہیں ؎

ہمایوں شاہ مرد و رست عالم
تعالی اللہ زہے مرگ ہمایوں
جہاں پر ذوق شد" تاریخ مرگش
ہم از "ذوق جہاں" آرید بیروں

۸۶۴ھ ۸۶۴ھ

ای ظالم از آہ دل شب خیز بترس
وز نفس بد شوم شر انگیز بترس
مژگان دم آلودہ مظلومیں بیں
وز خنجر آبدار خوں ریز بترس

دوسرے شعرا نے تاریخ وفات یہ کہی ہے ؎

ہمایوں ستم گار و اہل ستم
چونا گہ جواں مرگ رفت از جہاں
وفاتش ہمایون بد مذہب است
دوبارہ ہمایون کج خلق داں

۸۶۵ھ ۸۶۵ھ

چوں کہ ہمایوں شہ اہل ستم
آں کہ بکس داد تظلم نہ داد
گشت جواں مرگ دلم سال او
گفت بلا اہل ستم نا مراد

۸۶۵ھ

نظام شاہ بہمنی بن ہمایوں شاہ ہمایوں شاہ کے مرنے کے بعد اُس کا بڑا بیٹا جو صرف (۸) سال کی عمر کا تھا ۸۶۵ھ ۱۴۶۱ء میں تخت نشین ہوا یہ بہت نیک فراخ اور رعایا پر مہربان تھا - بادشاہ کے صغر سنی کے زمانے میں کاروبار سلطنت اُس کی نہایت عقل مند ماں "مخدومۂ جہاں" خواجہ جہاں ترک اور محمد گاوان کرتے تھے ان لوگوں نے حسن انتظام سے ہمایوں کے ناگفتہ بہ مظالم کی حتی الامکان تلافی کی نظام شاہ کی والدہ نے اس کی شادی اپنے قرابت داروں کی لڑکی سے ٹھہرائی تھی بادشاہ کی بیویوں کو "ملکۂ جہاں" کا خطاب

ملتا تھا۔ شہر میں بڑی بھاری طیاری شادی کے جشن کی ہوئی۔ لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ عین شادی کے دن جب بادشاہ اپنی دلہن کو وداع کرکے اپنے محل میں آدھی رات کے وقت لایا اُسی دن ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ کو دو سال ایک مہینے سلطنت کرنے کے بعد دفعتہً انتقال کیا ؎

گلے تا شگفت از کیانی درخت | یکا یک فروریخت از باد سخت
خطِ حسن بر گل نا بینگیختہ | اجل خاک بر روے فروریختہ
رفت چو سلطان نظام از زمیں | سال وصالش بہ صد آہ و فغاں
گلشن زینت ز دلم شد رقم | نیز جواں رفت جواں از جہاں

۸۶۷ھ ۸۶۷ھ

اس بادشاہ کی کم عمری کی وجہ سے چاروں طرف بلوے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے راے مملکت اُڑیسہ نے لشکر کشی کی اور مسلمانوں سے سلطنت چھین لینی چاہی۔ والدۂ نظام شاہ و خواجہ جہاں ترک و ملک التجار گاوان نے فوج فراہم و مرتب کرکے راے ند کور کو شکست دی اور بہت سی رقم راے اُڑیسہ نے بادشاہ کو دے کر صلح کرلی۔ نظام شاہ مظفر و منصور احمد آباد و بیدر آیا۔ دفعتہً سلطان محمود کے دیار دکن میں یلغار آنے کی خبر گوش زد ہوئی امراے دکن نظام شاہ کو ساتھ لے کر اس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے سلطان محمود گجراتی بھی بادشاہ کی مدد کے لیے اپنی فوج لے کر حاضر ہوا۔ جب یہ خبر سلطان محمود خلجی کو ملی تو وہ گونڈوانہ کی راہ سے فرار ہو گیا۔ نظام شاہ نے محمود شاہ گجراتی کا شکریہ ادا کیا اور بیدر کو مراجعت کی۔

سلطان شمس الدین محمد شاہ ثانی لشکری بن ہمایوں شاہ

نظام شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بھائی محمد شاہ نو سال کی عمر میں ۱۳ ذی قعدہ ۸۶۷ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۴۶۳ء کو صاحب تاج و باج ہوا۔ بڑا ہونہار نکلا۔ اُس نے اپنے عہد حکومت میں لائق لوگوں کو عالی مراتب دیے۔ سلطان ہمایوں شاہ اور نظام شاہ کے عہد میں جو فتنہ و فساد برپا تھے اُس نے اپنے حسن تدبیر سے اُن کو دور کیا۔ خواجہ جہاں نے جو خزانہ میں تغلب و

تصرف کیا تھا۔ قتل کیا گیا۔ ۸۷۴ھ میں محمود گاوان کو کوکن کے قلعوں کی تسخیر کے لئے روانہ کیا
یہاں کے راے بڑے مفسد و سرکش تھے۔ مسلمانوں سے سخت عناد رکھتے تھے جب
محمود گاواں کے آنے کی خبر سنی تو مسلمانوں کو قتل کرنے کا عہد کر لیا اور راستوں کی سخت ناکہ بندی
کر دی۔ محمود گاوان نے بڑی حکمت عملی سے مورچوں اور ناکوں پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اور ملک میں
گھس کر تین سال تک یکے بعد دیگرے قلعے سر کرتا اور اپنا عمل بٹھاتا چلا گیا۔ آخر بڑی فتح و نصرت
کے ساتھ احمد آباد واپس آیا۔ محمد شاہ اُس کے اِن کارہائے نمایاں سے بے حد خوش ہوا۔ اعظم
ہمایوں خواجہ جہاں کا خطاب دیا۔ ۸۷۶ھ میں راے اوریا مر گیا۔ اُس کا چچا زاد بھائی
ہمیر تخت نشین ہوا مگر راے اوریا کے بالک منگل رائے نے اُس کو تخت سے اُتار دیا۔ ہمیر
نے سلطان محمد شاہ کی خدمت میں مدد دہی کی درخواست کی۔ اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ
کیا۔ بادشاہ نے ملک حسن بحری کو نظام الملک کا خطاب دے کر ہمیر کی مدد کے لئے مع
فوج روانہ کی۔ نظام الملک نے ہمیر کے ساتھ مل کر منگل رائے کو شکست دی۔ ہمیر کو اوریا
کا تخت و تاج دلا دیا اور قلعۂ دیراکھیڑا بھی فتح کر لیا۔ بعدہ محمد شاہ خود قلعہ برکتینہ کی تسخیر کے
لئے روانہ ہوا۔ جنگ عظیم کے بعد راے برکتینہ نے محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان
چاہی۔ اس کے قصور سے درگزر کر کے بادشاہ نے اُس کا قلعہ اُسی کو پھیر دیا۔ اور اپنے ملک
کو واپس ہو کر بیجاپور میں مقام کیا۔ برسات کا موسم یہیں بسر کرنا چاہتا تھا مگر اتفاق سے
بارش اس برس بہت کم ہوئی ذرائع آبنوشی تمام خشک ہو گئے۔ ناچار بیدر چلا آیا۔ دوسرے
سال بھی امساک باراں رہا۔ قحط کی وجہ سے اس ملک کا بہت بڑا حصہ اُجڑ گیا۔ اس موقع کو
غنیمت جان کر راے اوڑیسہ تلنگ کے رؤسا کی مدد سے مملکت بہمنیہ پر حملہ آور ہوا۔ مگر بادشاہ
نے اُس کو شکست فاش دی۔ دیول ڈھائے اور مساجد تعمیر کرائیں اور چند برہمنوں کو اپنے
ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اُتارا اور غازی کا مذہبی خطاب اختیار کیا۔ خاندان بہمنیہ میں یہی
بادشاہ پہلا تھا جس نے برہمنوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اس مہم کے بعد اُس نے نرسنگ
کے ملک کی تسخیر کی یہ ملک تلنگ و کرناٹک کے درمیان واقع تھا۔ ان فتوحات کے
سبب اس سلطان کے زمانہ میں سلطنت بہمنیہ کا رقبہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ اُس نے

بجائے چار قسمتوں کے اپنے قلمرو کی آٹھ قسمتیں قرار دیں۔ (۱) دولت آباد (۲) جنیر (۳) بیجاپور (۴) حسن آباد گلبرگہ (۵) مالور (۶) کاویل (۷) ورنگل (۸) راجمندری۔ اور ہر ایک قسمت یعنی (صوبہ) پر ایک ایک طرف دار (یعنی صوبہ دار یا چیف کمشنر مقرر کیا۔ انتظام مملکت بھی بہ آئین بہیں رکھا تھا۔ بہت سے قوانین میں ترمیمات بھی کیں۔ اخیر زمانۂ سلطنت میں لوگوں کے فریب میں آکر اعظم ہمایوں نے خواجہ جہاں کو قتل کرا دیا۔ جس کی وجہ سے بعد میں وہ نہایت متاسف و مغموم رہتا تھا۔ خواجہ جہاں کا مارا جانا کیا تھا گویا خاندان بہمنیہ پر زوال آنا تھا۔ سدو رائے حاکم ویجانگر نے پھر لشکر کشی کی۔ یوسف عادل خاں مقابلے کے لئے بھیجا گیا۔ ادھر بادشاہ کا انتقال بوجہ کثرت شراب خواری غرۂ صفر ۸۸۷ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۴۸۲ء میں ہو گیا۔

شہنشاہ جہاں شاہ محمد کہ در بحر فنا ناگہ فرو شد
دکن چوں شد خراب از رفتن او خرابی دکن تاریخ او شد

۸۸۷ھ

برتو افگن گشت در خلد بریں چوں محمد شاہ شاہ اہل و جاہ
گشت روشن سال تاریخش ز دل شمس یزدانی محمد بادشاہ

۸۸۷ھ

گلبرگہ کا حال ایک روسی سیّاح کی زبانی

" اقوام ہنود تمام ننگے اور برہنہ پا رہتے ہیں ان کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں تلوار رہتی ہے بعض ملازمین تیر و کمان سے مسلح رہتے ہیں۔ جنگ میں اکثر ہاتھیوں سے کام لیا جاتا ہے ہاتھیوں کی سونڈوں اور دانتوں میں بڑی بڑی درانتیاں باندھ دیتے ہیں اور ہاتھیوں پر خوش نما بڑی بڑی فولادی ڈھالیں لگاتے ہیں۔ ہاتھیوں پر انباری ہوتی ہے جس میں بارہ مسلح آدمی بندوقیں اور تیر لے کر بیٹھتے ہیں۔ ملک میں آبادی کثرت سے ہے لیکن عام دیہاتی لوگ

بہت تباہ حال ہیں اُن کے برخلاف امراء بہت مال دار اور عیش و آرام میں بسر کرتے ہیں
جو چاندی کی پالکیوں میں نکلتے ہیں اُن کے آگے بیس گھوڑے سنہری ساز و سامان سے سجے
سجائے رہتے ہیں اور پیچھے تین سو سوار اور پانسو پیدل سینگ تواز دس مشعلچی اور دس گویئے
ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے جلوس میں ہزار گھوڑے طلائی ساز و سامان سے آراستہ سو اونٹ
جن پر لوگ مشعلیں لے کر بیٹھتے ہیں۔ تین سو نجنتری اور تین سو ناچنے گانے والے رہتے
ہیں۔ بادشاہ طلائی زین پر سوار ہوتا ہے اُس کے لباس پر جواہرات ٹکے رہتے ہیں اور سرتیج
میں ایک بڑا ہیرا لگا رہتا ہے وہ سنہری زرہ جس میں جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔
زیب تن کرتا ہے اور تین تلواریں جن کے قبضے سنہری ہوتے ہیں لگاتا ہے۔ بادشاہ کا بھائی
طلائی پالکی میں (جس کے اوپر مخمل کا شامیانہ جس میں جواہرات ٹکے ہوئے رہتے ہیں لگا رہتا ہے) نکلتا
ہے۔ سلطان محمود بھی سونے کی پالکی میں برآمد ہوتا ہے اُس پر بھی ریشمی سنہری شامیانہ رہتا ہے جس کو
چار گھوڑے سنہری ساز کے کھینچتے ہیں۔ بادشاہ کے اطراف میں جم غفیر آدمیوں کا رہتا ہے اور
آگے گانے والوں اور ناچنے والوں کی تعداد کثیر جمع رہتی ہے۔ ملک التجار نے دو قصبوں کو
فتح کر لیا جن کے جہاز سمندر میں چلا کرتے تھے اور سات شہزادوں کو بھی مع خزانہ گرفتار کر لیا۔
اِن شہروں[۵] کا محاصرہ دو لاکھ فوج سو ہاتھی تین سو اونٹوں سے دو برس تک کیا گیا۔ مرزا ملک
مبیخ خاں اور فرحت خاں نے بھی تین شہر فتح کئے اور بے انتہا دولت و جواہرات لوٹ کر
ملک التجار کے پاس بہ مقام بیدر تخت نشینی کے روز لائے۔ بادشاہ کا بھائی جب جنگ میں
جاتا تھا تو اُس کے ساتھ اُس کی والدہ اور ہمشیرہ سنہری پالکیوں میں اور دو ہزار عورتیں گھوڑوں پہ
سوار رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ جلوس میں تین سو سوار جن کے ساز و سامان طلائی ہوتے تھے
رہتے تھے ملک التجار بیدر سے پچاس ہزار فوج لے کر نکلا اور پچاس ہزار فوج بادشاہ نے
بھیجی۔ یہ فوج لے کر وہ بیجانگر کو روانہ ہوا۔ راجہ بیجانگر کے پاس تین سو ہاتھی ایک لاکھ فوج
اور پچاس ہزار سوار تھے"

روسی مسافر نے سلطان محمد شاہ کے جملہ افواج کی تعداد نو لاکھ پیدل ایک لاکھ

---

۵ اِن شہروں سے غالباً ایک بندر گوا تھا جس کو ۱۴۶۹ء میں فتح کیا ۱۲۔

نوے ہزار سوار پانسو چھہتر ہاتھی لکھے ہیں۔ بادشاہ گلبرگہ ملک التجار پر لشکر کے کر روانہ ہوا لیکن اس لڑائی میں کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہزاروں آدمی اور مال و اسباب کا نقصان ہوا جب کہیں صرف ایک قلعہ بلگاؤں کا فتح ہوا۔

محمد شاہ ثانی بہمنی بن محمود شاہ محمد شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ ثانی ۸۸۷ھ ۱۴۸۲ء میں بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا خاندان بہمنیہ کا یہ چھٹا پادشاہ تھا اس نے نظام الملک بحری کو صدر اعظم مقرر کیا۔ یوسف عادل شاہ حاضر دربار ہوا مگر جب اُس نے یہ سن پایا کہ اس کے قتل کے سامان ہو رہے ہیں تو وہ بیجاپور چلا گیا محمود شاہ جب مہم تلنگانہ پر گیا تو نظام الملک اس کا وزیر وہاں کام آیا۔ اس کا بیٹا ملک احمد جنیر پر قابض ہوگیا۔ عماد الملک نے برار میں سرکشی کی۔ قطب الملک حاکم تلنگانہ نے گولکنڈہ میں اپنے کو مطلق العنان کیا۔ بیجاپور اور برار کی افواج سے سلطانی عساکر کے ساتھ متعدد محاربے ہوئے غرض اس کی تمام مدت سلطنت میں جھگڑے ہی جھگڑے ہوتے رہے اور سلطنت کا زوال ہوگیا تمام امراء باغی ہوگئے اور ہر شخص نے سرکشی شروع کی اپنی اپنی جگہ سب خود مختار بن گئے سلطنت کے کیل پرزے ڈھیلے ہوگئے اور ہر جگہ طوائف الملوکی ہوگئی۔ آخر ہر ذیحجہ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۵۱۷ء کو کثرت شراب خواری اور عیاشی کی وجہ سے سلطان محمود نے رحلت کی۔

چوں شہ محمود سلطان جہاں ... از جہان بے بقا رحلت نمود
سال تاریخش دلم باحال او ... گفت کج نا عاقبت اندیش بود

سنہ ۹۲۴ھ

اس کی سلطنت کا زمانہ ۳۷ سال اور ۲۰ روز رہا۔ یہ بادشاہ قاسم بریدکے بیٹے ملک برید طرفدار قسمت بیدر کی بات بہت سنتا تھا شعر و سخن کا بھی مذاق رکھتا تھا چنانچہ ؎

در بحر غم فتادہ ام و امواج بے عدد ... تا چند دست و پا بزنم یا علی مدد

اس کا یہ شعر جس قدر بلیغ اور بانکا ہے اُسی قدر اس کے اندوہ و یاس کی بعینہ تصویر اور دلگداز و سرچشمۂ رقت و تازیانۂ عبرت ہے۔

احمد شاہ ثانی بن محمود شاہ

ملک برید نے محمود شاہ کے بیٹے احمد شاہ کو ۹۲۴ھ میں تخت سلطنت پر بٹھایا۔ یہ بادشاہ شراب بہت پیتا تھا۔ ملک برید نے اس کے شراب پینے کا عمدہ سامان فراہم کر دیا تھا اور کسی کو بادشاہ کے پاس پھٹکنے نہیں دیتا تھا۔ جس قدر اخراجات کہ وہ دیتا تھا بادشاہ کے لئے مکتفی نہ تھے لہذا بادشاہ نے آخر تاج بہمنیہ کے جو چار لاکھ ہن کا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیچ کھایا العظمۃ للّٰہ الواحد القہار۔

عجب نادان ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

احمد شاہ اسی افلاس و بے بسی میں دو سال ایک ماہ سلطنت کے دن کاٹ کر مسموم یا بہ قضائے الٰہی ۹۲۷ھ ہجری میں اپنی حسرت بکام و بال جان زندگی سے در گزرا۔

چوں شہ تخت و تاج احمد شاہ
در عدم گشت ناگہاں معدوم
ہست برگشتہ سال تاریخش
ہمہ گر "رفت بندۂ مسموم"
۹۲۷ھ ۹۲۷ھ

علاء الدین ثالث بن سلطان احمد ثانی

سلطان احمد شاہ دوم کے چل بسنے کے بعد امیر برید نے اس کے بیٹے علاء الدین سوم کو ۹۲۷ھ میں تخت نشین کیا۔ یہ بادشاہ شراب نہیں پیتا تھا اور اس کی خرابی کو سمجھتا تھا کہ ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اور ملک برید کی کارستانیوں سے بھی انجان نہ تھا۔ آخر ملک برید کے مروا ڈالنے کا قصد کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو سال تین ماہ سلطنت کرنے کے بعد معزول و مقید ہوا اور اسی قید میں ۹۲۹ھ میں ملک برید نے قتل کروا ڈالا۔

بشمشیر قضا و تیغ تقدیر
چو شد بسمل علاء الدین مقتول
ندا شد بہر سال قتل آں شاہ
ز سرور شاہ والا جاہ مقتول
۹۲۹ھ

شاہ دکن چو رفت ز دنیا بدار باقی | باحال زار و صورت حیران ستم رسیدہ
یعنی کہ گشت قتل ز دست نمک حرامے | گفتم لبسال قتلش سلطاں ستم رسیدہ

۹۲۹ھ

اس کے بعد امیر برید نے شاہ ولی اللہ کو بادشاہ کیا مگر اس کو وظیفہ خوار اور نظر بند کر رکھا تھا۔ بالآخر بادشاہ کو ۹۳۲ھ میں قتل کر کے اُس کی منکوحہ کو امیر برید اپنے تصرف میں لایا۔

شاہ کلیم اللہ بہمنی ۹۳۲ھ میں کلیم اللہ بہمنی اس خاندان کا اخیر بادشاہ ہوا۔ یہہ بے چارہ صرف نام کا بادشاہ تھا سب طرفدار (یعنی صوبہ دار) خودمختار ہو چکے تھے۔ دو ہی سال اس نے سلطنت کی اور ۹۳۴ھ مطابق ۱۵۲۷ء میں اجل طبعی یا زہر خورانی سے احمد نگر میں انتقال کیا جہاں سے تابوت بیدر میں لا کر دفن کیا گیا ؎

بہ ہست و نیست مرنجاں ضمیر و دل خوش دار | کہ نیستی ست سر انجام ہر کمال کہ ہست
ازیں رباط دو در چوں ضرورت است رحیل | رواق طاق معیشت چہ سر بلند و چہ پست

اس کے بعد پھر کوئی خاندان بہمنیہ میں برائے نام بھی بادشاہ نہیں ہوا اور خاندان بہمنیہ کا خاتمہ ہوا اور دکن میں سلطنت بہمنیہ کے حصہ بخرے ہو کر اس کی یہہ پانچ شاخیں بمنزلہ پانچ سلطنتوں کے جداگانہ قایم ہو گئیں۔

سلطنت بہمنیہ کی شاخیں (۱) عادل شاہی۔ یوسف عادل خاں نے ۸۹۵ھ میں قایم کی۔ اس کا دارالسلطنت بیجاپور تھا اور سلاطین بیجاپور کا لقب عادل شاہیہ تھا۔

(۲) نظام شاہی۔ نظام الملک کے بیٹے ملک احمد نے احمد نگر میں اس سلطنت کی بنا ڈالی۔ یہہ خاندان نظام شاہی کہلاتا ہے۔

(۳) قطب شاہیہ ۹۰۸ھ میں قطب الملک اس مملکت کا بانی ہوا۔ اس کا مستقر حکومت گولکنڈہ تھا اور اس کے سب بادشاہوں کے نام کے بعد قطب شاہ کا لفظ ہوا کرتا تھا۔

(۴) عمادشاہی - جس کو عمادالملک کے بیٹے فتح اللہ خاں نے ۸۹۴ھ میں ملک برار پر قابض و خودمختار ہو کر ایجاد کیا - یہاں کے بادشاہوں کا لقب عمادشاہیہ تھا۔ یہ سلطنت بعد چندے احمدنگر میں شامل ہو گئی -

(۵) امیر برید کا خاندان بیدر میں سلطنت کرتا تھا - اور وہاں کے سب بادشاہ بریدشاہیہ کہلاتے تھے -
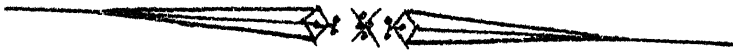
شجرۂ سلطنت بہمنیہ

نام بادشاہ	تاریخ و سنہ جلوس	تاریخ وفات	عمر	مدت سلطنت	مدفن
۱	۲	۳	۴	۵	۶
علاءالدین حسن گنگوی بہمنی	۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ	یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ	۶۸ برس	۱۱ سال دو ماہ (۷) دن	گلبرگہ
محمد شاہ اول ۔	۴ ربیع الاول ۷۵۹ھ	۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ	۴۸ برس	۱۷ سال	"
مجاہد شاہ ۔	۱۱ ذی قعدہ ۷۷۶ھ	۱۷ ذی الحجہ ۷۷۹ھ مقتول	۲۲ برس	۳ سال	"
داؤد شاہ ۔	۱۷ ذی الحجہ ۷۷۹ھ	۲ محرم ۷۸۰ھ مقتول	۵۲ برس	۱۷ دن	"
محمود شاہ اول ۔	۱۳ محرم ۷۸۰ھ	یکم رجب ۷۹۹ھ	۵۰ برس	۱۹ سال ۶ ماہ	"
غیاث الدین ۔	۴ رجب ۷۹۹ھ	۷ رمضان ۷۹۹ھ نابینا کر کے تخت سے اتارا گیا۔	۱۸ برس	۲ ماہ (۳) دن	"
۔	۔		۔	۔	۔
شمس الدین ۔	۷ رمضان ۷۹۹ھ	ربیع الاول ۸۰۰ھ نابینا کر کے مکہ بھیجا گیا ۸۱۰ھ مدینہ میں فوت ہوا۔	۲۶ برس	چند روز	مدینہ منورہ
فیروز شاہ ۔	۳۰ صفر ۸۰۰ھ	۵ شوال ۸۲۵ھ سلطنت سے علیحدہ ہو کے ۱۵ شوال کو فوت ہوا۔	۵۵ برس	۲۵ سال چند ماہ	
احمد شاہ اول ۔	۵ شوال ۸۲۵ھ	۸ رجب ۸۳۸ھ	۶۳ سال	۱۲ سال چند روز	بیدر
علاءالدین ثانی ۔	۱۱ رجب ۸۳۸ھ	۸۶۲ھ	۶۴ سال	۲۴ سال	"
ہمایوں شاہ	۸۶۲ھ	۵ شوال ۸۶۵ھ	۴۴ سال	۴ سال	"
نظام شاہ	۸۶۵ھ	۸۶۷ھ	۹ سال	۲ سال	"
محمد شاہ ثانی شاگرد صدر جہاں	۸۶۷ھ	یکم صفر ۸۸۷ھ	۲۹ سال	۲ سال	"

نام بادشاہ	تاریخ و سنہ جلوس	تاریخ وفات	عمر	مدت سلطنت	مدفن
شوستری افضل العلماء	•	•	•	•	•
محمود شاہ ثانی -	سنہ ۸۸۷ھ	۴ ذی الحجہ سنہ ۹۲۴ھ	•	۳۷ سال	بیدر
احمد شاہ ثانی -	برائے نام تھا سنہ ۹۲۴ھ	سنہ ۹۲۷ھ	•	۲ سال	″
علاء الدین ثالث -	سنہ ۹۲۷ھ مقتول امیر برید کے ہاتھ سے	سنہ ۹۲۹ھ	•	۲ سال	″
ولی اللہ	سنہ ۹۲۹ھ	سنہ ۹۳۲ھ مقتول	•	۳ سال	″
کلیم اللہ	سنہ ۹۳۲ھ	سنہ ۹۳۴ھ احمد نگر میں زہر یا موت سے فوت ہوا نعش بیدر بھیجی گئی	•	۲ سال	″

قلعۂ گلبرگہ بلحاظ واقعات تاریخی اور عظمت و شان گلبرگہ کا قلعہ سنگین تمام عمارات شہر میں نہایت باوقعت اور ممتاز یادگار ہی - قلعہ کی تعمیر بروے واقعات تاریخی سنہ مسیحی سے چار سو سال پیشتر کی پائی جاتی ہی جس کو اب سوا دو ہزار برس ہونے آئے اس قلعہ کو سب سے پہلے قدیم ہند و فرماں روا کرناٹک راجہ کلی چند نے اپنے نام پر بنایا تھا - اس کی تعمیر کے چند سال بعد اسکندر رومی نے ہند پر تاخت کی تھی لیکن یقین ایسا ہوتا ہی کہ قلعۂ موجودہ کی عمارت کا بہت بڑا حصہ سلاطین بہمنیہ اور عادل شاہیہ کا بنایا ہوا ہی اور راجہ کلی چند کا بنایا ہوا حصہ محض ایک معمولی گڑھی کی حیثیت سے زیادہ نہ تھا - موجودہ قلعہ سلطان علاء الدین حسن گانگوی کا بنایا ہوا ہی - تاریخ بہمن نامہ اور تحفۃ السلاطین میں بھی یہی لکھا ہوا ہی - حسن گانگوی اور شاہنشاہ محمد تغلق کا باہمی مقابلہ ہونا اور اُس میں حسن کا سربر ہونا - بدون کسی بڑے بھاری قلعہ کی آڑ کے ناممکن تھا راجہ کلی چند اور اُس کے جانشین راجہ بھیمرن کی بنائی ہوئی معمولی گڑھی سے یہ عظیم الشان مہم کیوں کر سر ہو سکتی تھی پس

لامحالہ حسن نے بادشاہ ہونے پر سب سے پہلا کام ایک مستحکم قلعہ کا بنانا کیا ہوگا تاکہ سلاطین ہم عصر خاندان تغلق کی مدافعت کرسکے۔ اس لئے اس نتیجہ پر ہم پہنچتے ہیں کہ قلعہ کی موجودہ عمارت برج اور خندق اور فصیل وغیرہ سب حسن نے ۷۴۸ھ میں بنائے ہیں ۹۳۷ھ میں خاندان بہمنیہ کا خاتمہ ہوا اور مملکت بہمنیہ کے پانچ ٹکڑے بیدر۔ برار۔ بیجاپور۔ گولکنڈہ۔ احمدنگر ہوگئے اور قلعۂ گلبرگہ سلاطین عادل شاہیہ کے قبضے میں آیا اور علی عادل شاہ و ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں اس قلعہ کے مستحکم برج بناکر ان پر توپیں چڑھا دی گئیں جیسا کہ مختلف کتبوں سے ظاہر ہے۔ اس قلعہ کے پندرہ برج فلک شکوہ اب تک موجود ہیں۔ قلعہ کی شکل نہ مدور ہے نہ مربع نہ مستطیل بلکہ قریب قریب بیضوی کے مشابہ ہے۔ شمالی دیوار شرقاً غرباً بالکل سیدھی ہے اور جنوبی گولائی لئے ہوئے گھومتی چلی گئی ہے اور مغربی دیوار بھی اسی کے مماثل ہے البتہ شرقی فصیل پھر سیدھی ہے۔ فصیل کے گرداگرد پچاس گز عریض اور پچیس گز عمیق خندق ہے۔ فصیل کا دور قریب قریب ایک میل کے ہے۔ مشرق رویہ اور غرب رویہ دو دروازے ہیں۔ مشرقی دروازہ ایک ہی ہے اور شکستہ حالت میں ہے مگر مغربی دروازے کے اندر تین چکّردار کمانیں مع ایک پھاٹک کے موجود ہیں اور اسی کی دونوں جانب چند مرتفع برج ہیں جن پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔

دولت برج رَن منڈل۔ بالاحصار اور فتح برج

مشرقی دروازے کے اندر نہایت عظیم الشان مستطیل برج ہے جس کے دولت برج رن منڈل بالاحصار اور فتح برج تین نام ہیں۔ اس کا طول شرقاً غرباً (۸۰) گز اور عرض شمالاً جنوباً (۴۰) گز اور بلندی بھی اسی قدر ہے۔ برج کے چاروں گوشوں پر مدوّر حلقے بناکر اس کی مضبوطی اور خوب صورتی کے حسن کو دوبالا کردیا ہے۔ یہ برج اس قلعہ میں سب سے بڑا برج ہے جس پر تین[۱] توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے ایک چارگزی ہے اور اس پر چار متنی عادل شاہی کھدا ہوا ہے۔ اس برج کو سلطان ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں محمد حیدر نے تعمیر کرایا ہے۔ کتبۂ ذیل بخط نسخ بالاحصار کی ایک دیوار پر بلندی پر لگا ہوا ہے۔ اس میں سنہ درج نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ

[۱] دو توپیں چودہ چودہ فیٹ لمبی اور سوا فٹ کا قطر ہے اور تیسری جس پر چار متنی عادل شاہی کندہ ہے

در عہد سلطنت پادشاہ عالیجاہ عالم پناہ مہر سپہر سرفرازی تاج الدنیا والدین
ابوالمظفر ابراہیم عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ وَاَفَاضَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ
بِرّہٖ وَاِحْسَانَہٗ بندۂ درگاہ محمد حیدر ایں برج دولت تمام نمود"

ہنمنت برج یہ برج غربی دروازے کے شمال میں ہی کالے پہاڑ پر واقع ہی اور ہنمنت برج کے نام سے مشہور ہی۔ کتبہ بخط نسخ سنگ سیاہ پر کندہ ہی اور ایک دیوار میں نصب ہی۔ اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ جس وقت یہ برج طیار ہوا اسی زمانے میں دوسرے برج بھی بنے اور فصیل قلعہ کو از سر نو مستحکم کیا اور گلبرگہ جب سلطان علاء الدین حسن کے زیر نگین آیا تو اس کا نام حسن آباد رکھا گیا اور احسن آباد بھی اکثر شاہی اسناد و کتبات وغیرہ میں پایا جاتا ہی ؎

بامر محمد شہ بحر و بر	کزو یافت ملکِ دکن زیب و فر
سخن سنج نور اللہ سر خیل ملک	کہ ہست او ز اولاد خیر البشر
دگر احسن آباد را داد زیب	بتعمیر ہر برج و دیوار و در
چوں تعمیر شد گشت تاریخ و سال	شدہ حصن گلبرگہ محکم دگر

۱۰۶۶ھ م ۱۶۵۶ء

اس برج پر ایک نہایت خوش نما پیچ رسی توپ ہی جو نواب نظام علی خاں کی ہی جو ان کے دیوان و وزیر رکن الدولہ میر موسیٰ خاں احتشام جنگ کی بنائی ہوئی ہی۔ اس توپ پر یہ کندہ ہی :-

"رفیق سادات برحق نواب رکن الدولہ بہادر ظفر الدولہ بہادر ۱۱۸۷ھ (۱۷۷۳ء) یہ توپ منقش ہی علاوہ گل کاری کے دو مچھلیاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ طول (۷) فیٹ۔ قطر سوا چار انچ ہی۔

کھڑکیاچی برج دروازۂ غربی کے جانب شمال واقع ہی۔ کتبۂ ذیل سنگ سیاہ پر بخط نسخ کندہ ہی جس کے حروف جابجا سے مٹ گئے ہیں اس لئے بہ مشکل پڑھا گیا ہی۔ یہ کتبہ برج کی ایک دیوار میں بلند مقام پر لگا ہوا ہی ؏ کشادہ باد بدولت ہمیشہ ایں درگاہ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۷۔ طول میں سولہ فیٹ اور قطر نو انچ ہی۔ ۱۲

ہذا القصر نظر[1] کردۂ پیر دستگیر اولاد حسین و حسن پشت و پناہ اہل دکن بندہ نواز مخدوم دین و دنیا سید محمد حسینی گیسو دراز فی عہد السلطان ابو المظفر سلطان محمد عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابداً و بانیہ کمترین غلامان درگاہ علی رضا بن محمد آقا سنۃ ثمان و خمسین والف وَبِحَقِّ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔

۱۰۵۸ھ م ۱۶۴۸ء

پتلی برج یہہ برج فصیل غربی کی دیوار کے مقابل ہی۔
کتابہ ذیل برج کی ایک دیوار میں اندر کی طرف لگا ہوا ہی جس کی پشت پر خندق واقع ہی اور عبارت ذیل بخط النسخ سنگ سیاہ پر نہایت خوش خط اور واضح کندہ ہی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بعد سلطنت شہنشاہ جہاں پناہ ظل الٰہ مہر سپہر سرافرازی ابو المظفر شاہ علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ وَاَفَاضَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ بِرَّہٗ وَاِحْسَانَہٗ کمترین بندگان درگاہ عزت خاں این برج دولت عمارت نمود سنہ ۹۶۵ ہجری مطابق ۱۵۵۷ء عیسوی)

نورس برج یہہ برج دروازۂ خوب رویہ کے اندر جنوبی رخ پر واقع ہی۔ اس پر ایک بارہ گزی توپ ہی۔ جس کا طول اٹھارہ ہاتھ ہی۔ اس برج پر چار کتبے سنگ سرخ پر کندہ کرکے برابر برابر لگائے گئے ہیں۔

(۱) این برج توپ دوازدہ گزی در عہد ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ملکہ ابداً عمارت کرد۔ بندۂ ملک ملک صندل سنہ ۱۰۳۴ھ (مطابق ۱۶۲۵ء)

(۲) یَا بُدُّوْحٌ (۳) یَا بُدُّوْحٌ (۴) ہُوَ الْجَلِیْلُ برج نورس

فیل برج و سکندر برج یہ برج فیل برج اور سکندر برج دونوں ناموں سے مشہور ہی۔ قلعہ کے غربی دروازے کے جنوب میں ایک بہت بڑا اور فلک شکوہ برج ہی۔ اس کے نیچے دو حجرے ہیں۔ جن پر ایک توپ چڑھی ہوئی ہی۔ جس کے دونوں بازوؤں پر دو کنگرے بھی ہیں اور عبارت ذیل بخط نستعلیق سنگ سیاہ پر نہایت خوش خط اور واضح کندہ ہی اور اس کی پیشانی پر دونوں گوشوں میں یا حافظ بخط نسخ اور بوستان سعدی کا ایک شعر بھی

[1] کتبہ میں بجائے نذر کے نظر ہی لکھا ہی ۱۲

کندہ ہے جس کا ہر ایک مصرع حسب ذیل کتابہ کے دونوں عرضی جانب میں کندہ ہے اور تحتانی سطر بخط ثلث گنجان لکھی ہوئی ہے اور بہت دقت سے پڑھی جاتی ہے۔ یہ برج سب سے آخری زمانہ سکندر عادل شاہ خاتم خاندان عادل شاہیہ کے دورِ حکومت میں ۱۰۸۴ھ ۱۶۷۳ع میں بنایا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا حفیظ — الملک للہ — یا حفیظ

نصر من اللہ وفتح قریب

در اوایل جلوس سلطان سکندر عادل شاہ قادری الغازی
بن علی عادل شاہ بحکم آصف زمان خواص خاں وزیر حکومت
در سنہ ثلاث سبعین الف بندہ کمترین درگاہ سیدی
سنبل ملک عنبر صوبہ دار و حوالہ دار عمارت ایں برج فلک
شکوہ کہ مسمی بسکندر برج است نمود ۱۰۸۴ ہجری

وبشر المومنین

از بنیاد برج داخل کنگرہ و نشستگاہ توپ و دولاونی و یکجرہ مستعد کردہ شد

علاوہ مذکورۂ بالا برجوں کے اور نو برج ایسے ہیں جن پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں لیکن ان برجوں پر کوئی کتبے نہیں ہیں۔ کل برج اس قلعے کے پندرہ ہیں جن پر کل چھبیس توپیں اب موجود ہیں۔

کتبۂ زنجیری دروازہ کتابۂ ذیل بہ خط نسخ قلعہ گلبرگہ کے مغربی دروازہ پر (جس کو زنجیری دروازہ کہتے ہیں) لگا ہوا ہے اور نہایت بلندی پر واقع ہونے سے بدقت تمام پڑھا گیا۔ علاوہ اس کے دروازے پر جو گولے برسائے گئے ہیں ان کی زد سے یہ کتبہ بھی خراب ہو گیا ہے۔

کتبہ کے اطراف حاشیہ میں چند اشعار مرقوم ہیں لیکن بالکل مٹ گئے ہیں صرف ایک ہی شعر بدقت پڑھا گیا۔ کتبہ میں بنیادی سنہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا اور نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس نے اس دروازے کو بنایا ہاں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بزمانۂ سلطنت بہمنیہ بعد ترمیم قلعہ یہ کتابہ بطور یادگار کے لگایا گیا ہے۔

عجب قلعہ دیدم کہ مثلش نبود چنیں کہ دراقلاع عالم بہ لبست

تحصنت بذی الملک والملکوت واعتصمت بذی العزۃ والعظمۃ والھیبۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت دخلہ فی حرز اللہ وفی حفظ اللہ وفی امان اللہ من شر والفتن اجمعین بحق کھیعص بحق حمعسق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ترجمہ

یہ قلعہ محفوظ و مستحکم بنایا گیا ہے بفضل اُس پروردگار عالم کے جو مالک و ملک و ملکوت صاحب عزت و عظمت ہے قہار و قدیر ہے - اور بزرگی و برتری والا ہے - خدائے تعالیٰ کی پناہ و حفاظت اور امان میں بچا رہے سارے فتنہ و فساد کی برائیوں سے بطفیل (مقطعات قرآنی کھیعص اور حمعسق) اور نہیں ہے قوت (بدی سے بچنے کی) اور قدرت (نیکی کرنے کی) بغیر تائید خدائے بزرگ و برتر کے -

کتبات متصل بالا حصار ذیل کے دو کتبے قلعہ میں بالا حصار کے قریب پولیس کے تھانے کی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں - یہ کتبے سنگ سیاہ پر خط ثلث میں بہت باریک اور گنجان کندہ ہیں اور جا بجا مٹ جانے سے اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے - دوسرے کتبے میں یا سنہ لکھا ہی نہیں گیا یا مٹ گیا -

(۱) بنا نمود این عمارت در عہد شاہ علی[۵۱] عادل شاہ سلطان بموجب امر خدمتگاری کرد - العبد ضابطخاں سنہ ۹۸۱ ہجری (۱۵۷۳ء)

(۲) بنیاد این عمارت برج در عہد شاہ علی عادل شاہ سلطان بموجب امر خدمتگاری کرد - باباجی المخاطب ضابطخاں نایب[۵۲] غیبت شہر حسنا باد -

---

۵۱ ابو المظفر علی عادل شاہ بن ابراہیم عادل شاہ ۹۶۵ھ م ۱۵۵۷ء میں تخت نشین ہوا اور اپنے باپ کا سنی مذہب چھوڑ کر شیعہ ہو گیا اور دادا کے طریقے کے موافق خطبۂ اثنا عشری پڑھوایا اور ۹۸۸ھ م ۱۵۸۰ء میں ایک رات خواجہ سرا کے ہاتھ سے مارا گیا - اس کا مقبرہ بیجاپور میں علی روضہ کے نام سے مشہور ہے -

۵۲ مملکت کے ہر ایک طرف دار کے خطاب جداگانہ ہوتے تھے - دولت آباد کا طرف دار - مسند عالی -

ہاڑ باؤلی وغیرہ مکانات فصیل قلعہ کے اندر سلاح دروازے (جو قلعہ کے مشرق میں ہے) اور ایک برج کے درمیان ایک بہت بڑی باؤلی ہے جو ہاڑ باؤلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس باؤلی کے ساتھ دو برج اور ایک نشیمن سلطان علی عادل شاہ کا بھی ہے۔ جس کو ۸۸۶ھ میں باباجی نایب غلیبت شہر احسن آباد نے تعمیر کرایا ہے۔

کتبۂ ذیل باؤلی کی ایک کمان کی بائیں جانب دیوار میں لگا ہوا ہے جس کے حروف بالکل مٹ گئے ہیں اور مسلسل پڑھے نہیں جاتے۔ جو کچھ پڑھا جاسکا وہ یہ ہے۔

بعہد سلطنت عالی جاہ عالم پناہ مہر سپہر فرازی ابو المظفر علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ۔

بنا کردہ چاہ داخل ... و دو قطعہ برج و یک نشستگاہ بدیں خندق نزدیک ... در کار کرد باباجی ضابطخاں نائب غلیبت شہر احسناباد خان اعظم حمید خاں بہمنی سنہ ست وثمانین وثمانمایہ جمادی الاول ۸۸۶ھ (۱۴۸۱ء)

کتبۂ ذیل اسی مکان کے متعلق ہے جو اس افتادہ باؤلی کے کنارہ بنا ہوا ہے اور ہاڑ باؤلی کے کتبہ کے محاذی ذرا بلند مقام پر ایک دیوار میں لگا ہوا ہے اور بیچ کی کمان میں لگا ہوا ہے جس میں سے اس باؤلی میں داخل ہوتے ہیں اور جو خندق رویہ کمان کے بالکل مقابل ہے اور اسی کمان کے متصل ایک چھوٹا سا قطعہ باؤلی کے کنارے بنا ہوا ہے جو بالکل گرا پڑا ہے۔

کتبۂ ذیل بخط نسخ سنگ سیاہ پر کندہ ہے مگر سنہ مٹ گیا ہے۔ غالباً یہ بھی ہاڑ باؤلی کے ساتھ ۸۸۶ھ میں طیار ہوا ہوگا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۱۔ برار کا مجلس عالی حسن آباد گلبرگہ اور بیجاپور کے طرفدار کو جو منصب وکالت رکھتا ملک نائب کا خطاب عطا ہوا تھا۔ ۱۲

"بعہد سلطنت شاہ عالیجاہ عالم پناہ مہر سپہر سرافرازی ابوالمظفر علی عادل شاہ غازی خلّد اللہ مُلکہٗ وسُلطانہٗ بندۂ درگاہ حاجی عماد خاں این عمارت نمودہ سنہ"

اس برآمدے کے محاذی دو کمانیں اور بھی ہیں جو بالکل چونے اور پتھر سے اٹ گئی ہیں اندر جانے کا راستہ بند ہو گیا ہے۔ عجب نہیں کہ اِن کمانوں کے اندر کچھ مکانات ہوں یا خندق ہیں اُتر جانے کا چور راستہ ہو۔

ہاشم باؤلی و خواجہ باؤلی مچگوری محلّے میں "ہاشم باؤلی" مشہور ہے۔ جس کی سیڑھیوں کے پاس کتبۂ ذیل ہے۔ یہ باؤلی سید ہاشم دستگیر بیجاپوری کی بنائی ہوئی ہے ؎

چشمۂ ہاشم باؤلی از فضلِ رحماں — بنا کرد محمد امان اللہ خاں
سنِ تعمیش تاملِ چوں کردم بدل — بگفتا بلفظ عذیر است عیاں

اِسی محلّے میں خواجہ باؤلی بھی ہے جس کی سیڑھیوں کے مقابل کمان کی سیدھی طرف یہ کتبہ ہے:-

"بنائے چاہ مسمی خواجہ باؤلی از محمد صاحب ولد فضیلت مآب عالم صاحب مرحوم متوطن صوبۂ دارالظفر بیجاپور در شہر ذیحجہ سنہ ۱۲۰۱ ہجری مقدسہ حسنِ انصرام یافت عاقبت بخیر باد"

میر محمد شفیع کی باؤلی فرمان تالاب کے پیٹے میں میر محمد شفیع کی بنائی ہوئی ایک باؤلی تھی جو اب مٹ گئی یہ کتبہ تالاب کی گل برآری کے وقت برآمد ہوا:-

"در عصر بادشاہ عالمگیر غازی بندہ میر محمد شفیع ولد خواجہ میر بتاریخ بست و ہفتم شہر شعبان سنہ سی و ہشت مطابق سنہ یکہزار و یکصد و پنج ہجری فی سبیل اللہ تیار نمود" (سنہ ۱۶۹۴ع)

گلبرگہ کی مساجد

مسجد و دیر توئی کعبہ و بت خانہ یکے است　　ہر کجا گوش نہادم ہمہ غوغائے تو بود

قلعہ کی مسجد کلاں اس عمارت کی نسبت مسلمانوں کا خیال ہی کہ شاہان بہمنیہ کے زمانہ کی بنی ہوئی ہی جو شہر قرطبہ واقع اندلس (اسپین) کی مشہور مسجد کے نمونے پر بنائی گئی ہی مگر دراصل یہ بات نہیں ہی بلکہ یہہ مقام راجگان گلبرگہ کا دربار ہال تھا اور زیادہ تر قرین قیاس یہہ ہی کہ یہہ جینیوں کا ایک بہت بڑا دیول تھا جس کا کچھ حصہ بطور تہ خانہ زیر زمیں بھی تھا - بالائی عمارت کو مسلمانوں نے توڑ کر مسجد بنائی چنانچہ چند سال پیشتر نواب عماد جنگ بہادر مرحوم صوبہ دار نے جب اس مسجد کی ۱۳۱۴ھ میں بہ صرف چونتیس ہزار روپیہ از سر نو ترمیم کرائی تو بعض بعض جگہہ جہاں پلاستر گر گیا تھا اُس کے اندر دیواروں پر دیوتاؤں کی تصویریں موجود تھیں جو ایک دلیل بیّن اس امر کی ہی کہ دیول توڑ کر علاء الدین نے مسجد بنوائی - اس مسجد کا بہت بلند برج غرب رویہ کہا جاتا ہی کہ جینی دیول کا ہی لیکن اس برج کی ساخت صاف بتلا رہی ہی کہ مسلمانوں کا بنایا ہوا ہی ہاں یہہ ممکن ہی کہ دیول کے پتھر اس میں لگائے گئے ہوں کیوں کہ کچھہ پتھر ایسے ہیں کہ جن پر تصویریں ہیں - اس مسجد کا بڑا برج جس کے نیچے محراب و منبر ہی (۷۵) فیٹ بلند ہی - اس برج کے محاذی اور دونوں جانب داہنے اور بائیں مسجد کا اندرونی حصہ ہی جس پر ایک سو گیارہ چھوٹے چھوٹے گنبد اور نہایت خوب صورت محرابیں ہیں - یہہ ساری مسجد لداؤ کی ہی لکڑی کا

سلہ - بعض لوگ عمارت کی طرز سے یہہ رائے رکھتے ہیں کہ یہہ مقام مسجد نہ تھا بلکہ مسلمانوں کا دربار ہال تھا کیوں کہ اس کو شملہ نہیں ہی جو مسجد کے لئے ہونا ضرور ہی - علاوہ اس کے اس مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازے ایسے مقام پر بنے ہوئے ہیں کہ نمازیوں کو صفیں چیر کر آنا پڑتا ہی - اتنی بڑی مسجد کے متعلق کوئی حوض بھی نہیں اور سب سے بڑی بات یہہ ہی کہ مسجد کا نہ کوئی خطیب ہی - نہ پیش امام نہ موذن نہ کسی کے پاس ان خدمات کی سند ہی ورنہ چھوٹی چھوٹی مسجدوں کے اہل خدمت مامور ہیں - ان تمام وجوہ سے یہی رائے قایم ہوتی ہی کہ ہندوؤں کے قدیم مندر کو توڑ کر دربار ہال بنایا گیا جو آگے چل کر مسجد کے کام میں لایا گیا - ۱۲

نام نہیں ہے - تمام عمارت اقلیدسی اصول پر بنائی گئی ہے مسقف حصہ کا طول شرقاً غرباً (۲۲۵) فیٹ اور عرض شمالاً جنوباً (۱۶۸) فیٹ ہے - اس مسجد میں شمال اور جنوب رخ دو دروازے ہیں - مشرق کی طرف کوئی دروازہ نہیں ہے بلکہ صحن کے پائیں میں ایک چھوٹی سی خوش نما لان کے اندر تین نہایت خوش نما قبور ہیں جن میں سے ایک مزار پر ایک خوش نما سی چودری بنی ہوئی ہے - اس مسجد کی وسعت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس میں چھ ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں - اس مسجد کے اوپر جانے کا زینہ بھی ہے جس پر چڑھنے کے بعد مسجد کے بے شمار گنبدوں اور برجیوں کو دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی ہے اور دور دور تک کا خوش نما منظر پیش نظر رہتا ہے - اس مسجد میں جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے اور مسجد نہایت عمدہ حالت میں ہے - نواب عماد جنگ بہادر ہی کی بدولت مسجد کی اس عمدگی سے ترمیم ہوئی کہ مسجد دلہن بن گئی - مولوی محمد علی صاحب مددگار صوبہ دار حال زائد معتمد مالگزاری نے کار حسنات سمجھ کر ایسی لگاتار نگرانی کی کہ جو کام لاکھوں روپیوں میں ہوتا وہ کوڑیوں میں کروایا اور اس عمدگی سے اس کام کو انجام دیا کہ نواب صاحب مرحوم کے لئے دعائے خیر نکلتی ہے اور مولوی محمد علی صاحب کی نسبت یہہ کہنا پڑتا ہے کہ گلبرگہ کی مسجد نہیں بنوائی جنت میں اپنا مکان بنوایا -

جو کتبہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں وہ مسجد کے شمالی دروازہ کے پاس ایک سنگ سیاہ پر بہ خط ثلث کندہ شدہ رکھا ہے مگر یہ کتبہ غالباً اُس مسجد کا ہے جو اس قلعہ کے دروازہ کے جنوبی پہلو میں بنی ہوئی ہے جس کو محمد شاہ نے بنوایا تھا - علی عادل شاہ نے اکھاڑ کر پھینکوا دیا اور اپنے نام کا کتبہ دروازہ مسجد پر نصب کرا دیا -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ الْاٰيَہ -
وَقَالَ النَّبِىُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ فَبِمُوْجِبِ سِيَاقِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ الْفُرْقَانِىِّ وَالْحَدِيْثِ النَّبَوِىِّ اَخْرَجَ عِبَادَ اللّٰهِ اِلٰى رَحْمَةٍ وَمَغْفِرَةٍ وَبِاِلْهَامِهِ اللَّطِيْفِ وَتَوْفِيْقِهِ الشَّرِيْفِ رَفِيْعُ بْنُ شَمْسِ مَنْصُوْرِ الْقَزْوِيْنِىِّ فِىْ عَهْدِ السُّلْطَانِ الْمُعَظَّمِ وَالْقَهْرَمَانِ الْمُكَرَّمِ اَبِى الْمُظَفَّرِ

مُحَمَّدْ شَاہُ السُّلْطَانُ ابْنُ السُّلْطَانِ شَیَّدَ اللّٰہُ اَرْکَانَ دَوْلَتِہٖ دَاعِیًا مِنْہُ التَّجَنُّبَ عَنِ السُّمْعَۃِ وَالرِّیَا دَاعِیًا مِنْہُ الْقَبُوْلَ بِالرَّحْمَۃِ وَالرِّضَا فِی الرَّابِعِ مِنْ شَہْرِ الْاَوَّلِ سَنَۃ تِسْعَ وَسِتِّیْنَ وَسَبْعَمِائَۃٍ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ترجمہ۔ بنام خداوند بخشندۂ مہربان فرمایا خدائے بزرگ و برتر نے کہ وہی لوگ مسجدیں بنایا کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں (آخر آیتہ تک) اور فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ جس نے خالصاً للہ کوئی مسجد بنائی تو خدائے تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔ پس حسب فحوائے آیتہ قرآنی و حدیث نبوی نکال لے گیا خدا کے بندوں کو اس کی رحمت اور مغفرت کی طرف اپنے الہام لطیف اور توفیق شریف سے رفیع بن شمر بن منصور ساکن قزوین بزمانہ سلطان معظم و بادشاہ مکرم ابو المظفر محمد شاہ ابن السلطان مضبوط کرے اللہ تعالیٰ ارکان اس کی دولت کے وہ بادشاہ دکھاوے اور نمائش سے پرہیز کرتا تھا۔ خدا سے اس کی مراد حصول درجۂ قبول اور مہربانی اور رضامندی تھی۔ بتاریخ چوتھی ماہ محرم ۷۶۹ھ ۱۳۶۷ء اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

عزت خاں کی مسجد یہ مسجد کے مغربی دروازے کے اندر جنوبی رخ پر بنی ہوئی ہے جو نہایت خوب صورت پنج دری اور شان دار ہے۔ وسط صحن میں ایک حوض ہے۔ مسجد کی جنوبی دیوار کے نیچے ایک بڑی باؤلی نہایت پختہ بنی ہوئی ہے۔ اس باؤلی کے مشرق میں کسی بزرگ للّٰہ صاحب کا مزار ہے اور اس کے مشرق ایک بہت بڑا عاشور خانہ عادل شاہیوں کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ مسجد کے صحن کے سامنے ایک چھوٹا گورستان ہے جس کی اکثر قبور سنگین اور پختہ کی ہیں۔ غالباً یہ قبریں امرائے عادل شاہی کی ہیں۔ یہ وہی مسجد ہے جو سلطان محمد شاہ بہمنی کی بنوائی ہوئی ہے اور پچھلا کتبہ اسی پر نصب تھا جسے علی عادل شاہ نے نکلوا کر اپنے

۵۱۔ یہ سلطان محمد شاہ بہمنی سلطان علاء الدین حسن شاہ گانگوی بہمنی کا بیٹا ہے جو ۷۵۹ھ مطابق ۱۳۵۸ء میں بجائے باپ کے تخت نشیں ہوا اور ۱۷ سال نو مہینے ۵ دن حکمرانی کرنے کے بعد ۲۱ مارچ ۱۳۷۵ء میں رحلت فرمائی۔ یہ بادشاہ فرزانہ اور شجاع تھا۔ غفر اللہ لہ۔ ۱۲

نام کا کتبۂ ذیل لگوا دیا جو بہ خط نسخ نہایت خوش خط اور واضح لکھا ہوا ہے:-

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب

بنا ھذا المسجد فی عھد السلطان

علی عادل شاہ خلد اللہ ملکہ و بانیہ

عزت خان تقبل اللہ عنہ

کل ہم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی یا علی

ترجمہ

یہ مسجد بزمانہ سلطان علی عادل شاہ بنائی گئی ہمیشہ باقی رکھے اللہ تعالیٰ اُس کے ملک کو اس کا بنانے والا عزت خاں ہے خدا اس کو قبول فرمائے۔ پکارو علی (علیہ السلام) کو جن سے عجائبات کا ظہور ہوتا ہے۔ ہر مصیبت میں مدد کرنا ہی اُن کا کام ہے ہر ایک رنج و غم آپ کی ولایت کی برکت سے آناً فاناً رفع دفع ہو جائے گا یا علی یا علی یا علی۔

جس طرح عادل شاہیوں نے سلطان محمد شاہ بہمنی کا کتبہ اُکھاڑ کر اپنے نام کا کتبہ اس مسجد میں لگا دیا کم و بیش یہی حالت عادل شاہیوں کے دوسرے کتبوں کی بھی ہے کہ جن عمارات پر سلاطین بہمنیہ کے کتبے لگے ہوئے تھے اُن سب کو نکلوا کر اپنے کتبے لگا دئے کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ پہلے کی کوئی عمارتیں نہ ہوں اور تمام قدیمی برج اور عمارتیں عادل شاہیوں ہی کی بنوائی ہوئی ہوں اس لئے کہ برجوں اور فصیل کی ساخت صاف بتلا رہی ہے کہ جس زمانے میں وہ بنے عادل شاہیوں کا پتہ بھی نہ تھا۔

زنانی مسجد ایک بہت چھوٹی مگر قدیم مسجد شمالی ہند کی چھوٹے چھوٹے تین برجوں کی بنی ہوئی ہے جو زنانی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یا تو کسی معزز بیگم کی بنائی ہوئی ہوگی یا بیگمات اس میں نماز پڑھتی ہوں گی۔ اس کی عمارت پر سرخی کی جھلک اب بھی نظر آتی ہے پہلے شاید رنگین ہوگی۔

ملک سیف الدین غوری کی مسجد متصل فرمان تالاب ۷۵۴ھ

قلعہ کے غربی دروازے کے آگے تین پیچ دار دروازے ہیں۔ سب سے آخری دروازہ قلعہ سے باہر جانے کے لئے برلب خندق شمال رویہ ہو اسی دروازے کے غربی پہلو کے مقابل ایک مسجد فرمان تالاب کے مشرقی کٹہ پر نہایت خستہ حالت میں ہو۔ اس مسجد میں پانچ محراب ہیں سنگین ستونوں پر استادہ ہیں اور تین دالان یکے بعد دیگرے ہیں۔ طول و عرض ۳۶×۲۴ فیٹ اور چھت کی بلندی (۹) فیٹ ہو۔ شہر گلبرگہ کی ساری مسجدوں سے یہی پہلے بنی ہو۔ ۷۵۴ھ میں سلطان علاؤالدین کے عہد میں ملک سیف الدین غوری نے بنوائی تھی۔ اس مسجد کا کتبہ بھی افسوس ہو کہ اپنی جگہ پر نہ رہ سکا۔ مسجد سے سو گز کے فاصلے پر کسی مزار کے سرہانے سر ٹکتے ٹکتے چار ٹکڑے ہوگیا ہو۔ طول ۱½ گز عرض نصف گز سے کچھ زیادہ ہو۔ کتبہ بخط نسخ نہایت جلی قلم سے واضح طور پر کندہ ہو مگر پارہ پارہ ہونے سے بہ مشکل پڑھا جاتا ہو۔ اس کی حالت تباہ دیکھ کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں کاش ایسے پتھر مٹ مٹا کر بھی اپنے اپنے مقامات پر ہوتے تو غنیمت سمجھتے اور اُن سے کچھ پتہ چلتا مگر نہیں پراگندگی اِن کی قسمت میں لکھی تھی خاک میں ان کو ملنا تھا نوشتہ تقدیر کیسے مٹتا ع

ہوتا ہو وہی خدا جو چاہے

معتبر تواریخ سے یہ ثابت ہو کہ اس سلطان نے اپنے زمانہ میں گلبرگہ کے قلعہ و مسجد کی جو شکستہ ہو رہی تھی از سرِ نو تعمیر کرائی اور یہ وہی سلطان علاءالدین حسن گانگوئی بہمنی ہو جس نے سلطنت بہمنیہ کی بنیاد ڈالی اور یہی اس خاندان کا مورث اعلیٰ ہو۔

تحفۃ السلاطین کے مؤلف نے حسن کو ایرانی النسل قرار دیا ہو اور اس کا نام سلطان بہمن شاہ بتلایا ہو اور شاہان بہمنیہ کے یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہو۔ غرض کہ ۷۴۸ھ مطابق ۱۳۴۷ء میں تاج شاہی اس کے سر پر رکھا گیا اور ۵ ربیع الاول ۷۵۹ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۳۵۸ء کو ۶۷ سال کی عمر میں ۱۱ سال دو ماہ سات روز سلطنت کر کے رحلت کی۔

این مسجد مبارک اللہ تعالیٰ و تبارک بعہد بانی مبانی خیرات و قبلہ اقبال سعادات خداگان سلاطین علاءالدنیا والدین ابو المظفر بہمن شاہ عمر اللہ دولتہ بناہ امیدوار حضرت کبریا

سیف دولہ شہ ذکریا در شہور سنہ اربع و خمسین و سبعمائیہ عمارت کرد۔ ابد الآباد آباد باد
۷۵۴ھ
بحق عامر بیت معمور و کعبہ مشہور۔

اس کتبہ نے محمد قاسم فرشتہ کے قول کو غلط اور ملا داؤد بیدری کے قول کو صحیح ثابت کر دیا کہ حقیقت میں سلطان حسن گانگوی کا نام بہمن خاں تھا اور وہ ایرانی النسل اولاد بہرام گور اور بہمن نژاد تھا اور وہ ہرگز حسب روایت فرشتہ مفلوک الحال پٹھان نہ تھا بلکہ وہ جلیل القدر امرائے سلاطین تغلقیہ سے تھا جس کا ماموں ظفر خاں علائی سلطان علاء الدین خلجی جیسے نامور بادشاہ کا سپہ سالار اور بخشی الممالک تھا۔

عیدگاہ قدیم احسن آباد کی اُجڑی ہوئی بستی کے شمال میں یہ عیدگاہ خراب و خستہ حالت میں پڑی ہوئی ہے مگر شان عمارت ہانکے پکارے کہہ رہی ہے کہ کبھی یہ مقام بھی مورد حسنات و برکات تھا۔

جامع مسجد شاہ بازار اس مسجد پر کوئی کتبہ نہیں ہے غالباً جنوبی دروازے پر کوئی کتبہ ہوگا جو دست برد زمانہ سے مٹ گیا۔ صحن مسجد کا طول شمالاً جنوباً (۱۵۰) فیٹ اور عرض شرقاً غرباً (۶۰) فیٹ ہے۔ اس مسجد کی پندرہ محرابیں نہایت خوب صورت اور مضبوط ہیں اور اُن کے پیچھے بھی اسی طرح سلسلہ کمانوں کا ہے یہ سلسلہ اسی طرح منبر تک گیا ہے جو چھ کمانوں پر ختم ہوا ہے۔ مسجد کی عمارت نہایت بارونق اور شاندار ہے۔ احاطے کی دیوار بہت بلند اور سنگین ہے اور نہایت خوش نما وسیع صحن دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ مشرق میں ایک دروازہ ایک برج کے نیچے بنا کر ایک بہت بڑا پھاٹک لگایا گیا ہے۔ خطیب و پیش امام و موذن عہد بہمنیہ سے مقرر ہیں جن کی قبریں بھی مسجد کے سامنے والے چبوترے پر پکی بنی ہوئی ہیں۔ ایک دروازہ اس مسجد کا سمت جنوب میں بھی ہے مگر وہ شکستہ ہے۔ مسجد کی باؤلی بھی یہیں ہے۔ یہ مسجد ایسی معلوم ہوتی ہے کہ آج کی بنی ہوئی ہے لیکن اس کا بانی سلطان علاء الدین حسن گانگوی تھا۔ مسجد کی تعمیر کو ساڑھے پانسو برس سے زیادہ کا زمانہ ہوا۔ اس مسجد کے ہوتے ہوئے پھر اندرون قلعہ کسی اور مسجد کے بنانے کی ضرورت نہ تھی یہ بھی دلیل ہے کہ قلعہ کی اندرونی کلاں مسجد مسجد نہ تھی بلکہ دربار ہال تھا۔ اس مسجد میں ممبر کی پشت پر بہ خط نسخ سنگ سیاہ پر نہایت جلی خط میں "اللہ اکبر" کندہ ہے۔

ویران مسجد مسجد شاہ بازار کے پاس ہی ایک خانہ کی مسجد ویران پڑی ہے اس کے شمالی چبوترے پر دو قبریں ہیں ایک صدر الشریف سمرقندی کی اور دوسری مولینا سید احمد غزنوی مفتی ممالک بہمنیہ کی ہے۔ یہ ہر دو جیدؔ علماء سلاطین علاء الدین کے دربار کے رکن اعظم تھے اور دونوں صدارت اور مفتی گری پر مامور تھے۔

مسجد بخشی صاحب بیجاپوری سر راہ روضۂ بزرگ و مومن پورہ یہ مسجد ہے۔ اس کے احاطے میں ایک مقبرہ ہے جس میں بہت سی پکی قبریں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مسجد کی درمیانی محراب کی دونوں طرف یہ دو کتبے بخط ثلث نہایت خوش خط لگے ہوئے ہیں۔ مگر دوسرا کتبہ کسی دوسرے مقام کا معلوم دیتا ہے جو تعمیر مسجد سے (۲۲۲) برس پہلے کا ہے اور ایک فٹ مربع ہے۔

(۱) "بنائے مسجد و مقبرہ براہ عبد اللہ محمد صاحب ولد فضیلت مآب عالم صاحب مرحوم متوطن دار الظفر بیجاپور در شہر ذی حجہ سنہ ۱۲۰۲ ہجری مقدسہ حسن الصرام یافت۔ عاقبت بخیر باد۔"

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللّٰھم صل علی سید الکونین محمد ن المصطفیٰ و صل علی امام علی ن المرتضیٰ و صل علی امام حسن الرضا و صل علی امام حسین الشھید بکربلا و صل علی امام علی زین العابدین و صل علی امام محمد ن الباقر و صل علی امام جعفر ن الصادق و صل علی امام موسیٰ کاظم و صل علی امام علی بن موسیٰ الرضا و صل علی امام محمد ن التقی و صل علی امام علی ن النقی و صل علی امام حسن العسکری و صل علی امام محمد ن المھدی صاحب الزمان صلوٰۃ اللہ علیھم اجمعین۔

سنہ ۹۸۰ھ سنہ ۱۵۷۳ع

(۳) کتبۂ ذیل بخط نسخ نہایت خوش خط سنگ سیاہ پر کندہ ہے۔ طول و عرض ۲ × ۱ فیٹ ہے۔ یہ کتبہ ایک مزار کے سرہانے رکھا ہوا ہے۔ یہ قبر صحن مسجد مذکور کے کنارے حوض کے مقابل سیدھی جانب ہے اور پختہ بنی ہوئی ہے:۔

هو الغفور

" مولوی محمد عبد اللہ صدارت خاں ابن قاضی الملک مدراسی از مکۂ معظمہ دریں جا رسیدہ

بتاریخ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ ہجری برحمت حق پیوستند"

مسجد کلاں مومن پورہ یہ مسجد بھی قدیم ہی۔ اس کے دروازہ پر کتبہ تو ہی مگر چونے کی کئی تہ چڑھی ہوئی ہیں صرف اتنا معلوم ہوتا ہی کہ بخط ثلث عربی کتبہ ہی لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ غالباً نواب فرامرز جنگ بہادر کو خبر نہ ہوئی ہوگی ورنہ اس کا صاف کرا دینا کچھ بڑی بات نہ تھی میں نے رائچور کے متعدد کتبے صاف کرا دیئے۔ اغلب ہی کہ یہ مسجد بھی سلاطین بہمنیہ کے عہد کی ہی اور نہایت خوش وضع اور خوب صورت اور آباد ہی۔
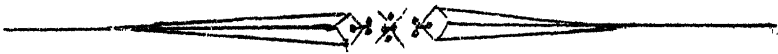
شہر گلبرگہ کے گنبد

جہاں اب دن دہاڑے رات کا چھایا ہی سناٹا — وہاں اک شور و غل تھا ایک میلہ تھا تماشہ تھا
یہ میدان جس میں دو اک پیڑ سوکھے دیکھتے ہو تم — یہی کچھ دن ہوئے اک باغ جنت کا نمونہ تھا
نہ وہ حالت رہی باقی نہ اُس حالت کو دیکھو گے — مگر اتنا کہ گویا خواب سا اک ہم نے دیکھا تھا
وہ اندھے ہیں جو سب سے پوچھتے ہیں آگے کیا ہوگا — مبصّر دیکھتے ہیں آج کیا ہی اور کل کیا تھا

قلعہ اور اُس کی متعلقہ عمارات کے بعد سب سے زیادہ قابل دید اور مہتم بالشان عمارات اُن گنبدوں کی ہیں جو سلاطین بہمینہ اور علماء و فضلاء دربار بہمنیہ کے ہیں جن کے ذکر علی سبیل الاختصا ذیل میں کیئے جاتے ہیں۔

ہفت گنبد یہ گنبد بلحاظ رفعت و عظمت دکن کی منتخب عمارات میں ہیں۔ ایک ہی سلسلہ میں سات گنبد شہر گلبرگہ کے مشرق میں قلعہ سے ایک میل کے فاصلے پر ایک بہت وسیع اور مرتفع چبوترے پر سر بفلک کھڑے ہیں۔ یہ گنبد حضرت خواجہ بندہ نواز کے تالاب کے مغربی کٹّے پر ہیں۔ کچھ دنوں پیشتر اس چبوترے کو توڑ کر بیچ میں سے ایک چوڑا راستہ شرقاً اور غرباً نکال دیا ہی جس سے اس چبوترے کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ اب دو جوڑواں گنبد شمالی چبوترے پر ہیں اور پانچ جنوبی پر۔ جنوبی چبوترے کا طول شرقاً غرباً (۶۰۰) فیٹ اور عرض شمالاً جنوباً (۱۲۷) فیٹ ہی۔ چبوترہ تالاب کی طرف (۲۵) اور غرب میں (۵) فیٹ بلند ہی۔

گنبد نمبر ۱ جنوبی چبوترے کے غرب میں لبستی سے ملا ہوا ہی۔ مربع چار دیواری پر بنا ہوا ہی۔ اس کی ہر طرف کی دیوار کا طول (۶۰) فیٹ ہی اور دور (۲۴۰) فیٹ ہی۔ چبوترے سے کلس تک (۶۰) فٹ کی بلندی ہی۔ اس گنبد میں پانچ قبریں ہیں جو سب کی سب خراب و خستہ پڑی ہیں۔ گنبد میں تین طرف دروازے ہیں صرف مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہی۔ کتبہ کوئی نہیں ہی البتہ چھت میں بہت بلندی پر کچھ سورتیں کلام اللہ کی بے شمار نقش و نگار میں لکھی ہوئی ہیں جہاں نگاہ کام نہیں کرتی۔ قحط کے زمانے میں سارے قحط زدہ ان گنبدوں میں تھے اُن کے کھانے

کھانے پکانے کے دھوئیں سے دیواریں کالی ہو گئی ہیں اور نقش و نگار سب غارت ہو گئے۔ ۱۳۱۷ھ میں اعلیٰ حضرت غفراں مکاں کی رونق افروزی کے وقت آہک پاشی کی گئی تھی جس کی وجہ سے یہ گنبد اپنا نورانی چہرہ دور سے لوگوں کو دکھلا کر آنکھوں کو روشنی بخشتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مجاہد شاہ کو داؤد خاں نے بیجانگر سے گلبرگہ آتے ہوئے قتل کر ڈالا تو اُس کی نعش کو قدیم ہڑواڑ میں نہ لے جا کر اُسی مقام پر دفن کر دیا۔ مجاہد شاہ کی بہن روح پرور آغا نے بعد میں یہ عالی شان گنبد اپنے بھائی کی قبر پر بنوایا اور خود بھی مع اپنی بھاوج کے اسی میں آسودہ ہیں ؎

گئے ہیں رنج و غم اے داغ بعد مرگ ساتھ اپنے — اگر نکلے تو یہ اپنے رفیقان عدم نکلے

گنبد نمبر ۲ عرض و طول اور بلندی میں بالکل گنبد نمبر (۱) کے برابر ہے اور پہلے گنبد کے مشرق میں ہے۔ دروازے بھی تین طرف ہیں مغرب کی طرف ندارد۔ اندر بیچوں بیچ میں اب صرف ایک قبر باقی ہے۔ جو محمد سنجر بن داؤد شاہ کی ہے جس کو تیرہ سال کی عمر میں مکحول کر کے قتل کر دیا گیا تھا ؎

فروغ چشم اخوت اب انجمن میں نہیں — نشان اہل وفا نام کو وطن میں نہیں
اجاڑا کے باد خزاں لے گئی کہاں ہیہات — کہ گل تو کیا کوئی کانٹا بھی اب چمن میں نہیں

گنبد نمبر ۳ نمبر ۲ کی مشرقی سمت سے ملا ہوا ہے اور عرض و طول وہی ہے جو ہم اوپر لکھ آئے۔ گویا ایک ہی کینڈے کے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد نمبر ۲ کا مشرقی دروازہ اس گنبد سے ملا ہوا ہے۔ چار قبریں موجود ہیں۔ ایک مٹ رہی ہے۔ اس کے چار دروازے ہیں جن میں سے مغربی دروازہ گنبد نمبر ۲ سے ملحق ہے۔ اس میں داؤد شاہ بن حسن گانگوی مع اپنی بیویوں کے میٹھی نیند سو رہا ہے ؎

قصر عالی شان بنواؤ مگر اے منعمو — گوشۂ تاریک مرقد کو نہ بھولو اک ذرا

گنبد نمبر ۴ و ۵ دونوں جوڑواں ہیں اور اسی چبوترے پر گنبد نمبر ۳ سے (۱۴۳) فیٹ کے فصل سے مشرق کی طرف واقع ہیں۔ ان دونوں گنبدوں کی آن بان کا اور کوئی گنبد نہیں ہے۔ یہ دونوں گنبد بہترین نمونہ انسانی حرفت و صنعت کا ہیں۔ ان کا عرض و طول چھہتر چھہتر فیٹ ہے اور بلندی بھی اسی قدر ہے۔ ان گنبدوں کی بیرونی دیواروں پر پانچ پانچ عظیم الشان خوب صورت محرابیں بنی ہوئی ہیں جن میں سے شمالی اور جنوبی رُخ پر بیچ کی محرابوں میں دروازے ہیں۔ دروازوں پر ایک گز عریض سائباں تھا جو گر گیا۔ اِن پانچوں محرابوں کے اوپر چوطرف اور پانچ پانچ محرابیں

رکھی گئی ہیں جن سے رفعت اور بلندی دو بالا ہو گئی ہے - ان بالائی محرابوں پر نہایت خوب صورت ایک گز بلند جنگلا بنایا گیا ہے اور چھوٹی چھوٹی برجیاں نکالی گئی ہیں - گنبد نمبر ۴ میں اب صرف ایک قبر باقی ہے لیکن قرینہ دال ہے کہ اور قبریں بھی تھیں جو لوگوں کے ہاتھ سے نیست و نابود ہو گئیں گنبد نمبر ۵ میں تو ایک قبر بھی نہ چھوڑی صفایا کر دیا - ہائے افسوس کہ ان گنبدوں میں وہ لوگ مدفون ہیں جن کے سروں پر چتر شاہی سایہ فگن تھا اور جن کے زیر نگیں ملک دکن تھا - آج ان کی قبروں کا نشان تک بھی باقی نہیں اور بالیقین نہیں کہہ سکتے کہ یہاں کون آسودہ ہیں قیاس چاہتا ہے کہ کہ فیروز شاہ بہمنی کے خاندان کے لوگ ہوں گے

حاجت نہیں ہے گور غریباں کو سایہ کی بہتر ہے آسمان سے بھی شامیانہ کیا

گنبد نمبر ۴ سادہ ہے جس کی سادگی پر لاکھ بناؤ قربان - گنبد نمبر ۵ البتہ نقش و نگار سے مرصع ہے - اس کے اندر چاروں طرف تین تین محرابیں نہایت نفیس بنی ہوئی ہیں اور ایسی ایسی جالیاں پتھروں میں کاٹی ہیں کہ پتھر کو موم کر دیا ہے - ان محرابوں کے اوپر پھر ایک فٹ چوڑی بیل پتھر میں کھودی گئی ہے جو گنبد کے چاروں طرف دوڑ گئی ہے - اس بیل میں قرآن پاک کی سورتیں مثل آیۃ الکرسی - چاروں قل - سورۂ اخلاص - فاتحہ وغیرہ منقوش ہیں اور اسی طرح اوپر تک سلسلہ چلا گیا ہے - غرض اس گنبد کی عمارت اُن تمام بے نظیر اسلامی عمارتوں میں کی ایک ہے جو اسلام کی جبروت اور اُس کے بانیوں کی عظمت اور سطوت کا دائمی ثبوت ہے - اِس گنبد کو خاص طور پر آراستہ کرنے سے ظن غالب ہے کہ فیروز شاہ بہمنی اسی گنبد میں مدفون ہوگا جس کی سلطنت ۸۰۱ھ سے ۸۲۵ھ تک تھی - تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ کے بے شمار محل تھے چنانچہ اس بادشاہ نے حسب ایمائے میر فضل اللہ انجو تلمیذ حضرت مُلا سعد الدین تفتازانی ایک شب میں آٹھ سو عورتوں سے متعہ کیا تھا - حسن گانگوی کی اولاد میں سوائے فیروز شاہ کے اور کوئی مسئلہ متعہ کا قائل نہ تھا - ان دونوں گنبدوں میں زمانۂ دراز تک ضلع اور صوبہ داری کی کچہریاں تھیں - نواب یار جنگ بہادر ہی ایسے باحمیت مسلمان تھے کہ اُنھوں نے جداگانہ کچہریاں بنوا کر ان مقامات متبرک کو اس بے حرمتی سے نجات دلائی - جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

گنبد نمبر ۶ شمالی چبوترے پر ہے سات فیٹ مربع ہے - تین دروازے ہیں - سات فیٹ بلند ہے اندر تین قبریں ہیں وہ بھی خستہ - باوجودیکہ لاکھوں روپیہ کی طیاری کی عمارت ہے مگر زمانے کی حالت

دیکھئے کہ آج باوجود کوشش کے بھی ہم پتہ نہ لگا سکے کہ کس کا گنبد ہے ؎

گلشن جنت کو مرغ جاں روانہ ہوگیا اُڑ گیا بلبل تو ویراں آشیانہ ہوگیا

گنبد نمبر ۷ گنبد نمبر ۶ کے مغرب میں صرف اٹھارہ فیٹ کے فصل سے واقع ہے۔ عرض و طول مثل گنبد نمبر ۶ کے ہے۔ اندر صرف ایک قبر ہے۔ گنبد نمبر ۶ و ۷ میں سلطان غیاث الدین (مکحول) بن محمود شاہ بہمنی اور اُس کے متعلقین کی قبریں ہیں۔ اس گنبد کا طول و عرض ۱۶۳ × ۸۱ فیٹ ہے۔

ان سات گنبدوں کے علاوہ اور دو گنبد بھی ہیں۔ جن میں سے ایک گنبد نمبر (۵) کے جنوبی دروازے کے محاذی ہے۔ یہ (۴۸) فیٹ مربع اور (۴۸) فیٹ اونچا ہے۔ اس کے بھی تین دروازے ہیں مگر قبر ندارد۔ دوسرا گنبد جنوبی چبوترے کے نیچے تالاب کے کنارے گنبد نمبر ۵ کے مشرقی جانب پچاس فٹ کے فاصلے سے ہے۔ ۴۸ فٹ مربع اور تین دروازے ہیں اور دو قبریں جن پر ایک کاشتکار صاحب مسلّط ہیں ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا کہ پردہ پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

چور گنبد پرانی عیدگاہ کے شمال و مغرب کے کونے پر ایک ٹیکڑی پر یہ عالی شان گنبد بنا ہوا ہے۔ جس کے گرد اگرد سنگین فرش دور تک پھیلا ہوا ہے جس کے چاروں طرف ایک مربع چار دیواری ہونے کی علامت ہے۔ یہ گنبد دور سے نظر آتا ہے اور قابل دید عمارت ہے۔ وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ بستی سے دور جنگل بیابان میں واقع ہے اس میں چور پناہ گزیں تھے دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کی بالائی سیڑھیوں پر اندھیرا گھپ ہے۔ اور مختلف چور راستے ہونے سے انسان راستہ بھول جاتا ہے اس کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ قلعہ سے اس گنبد تک چور راستہ ہے چنانچہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جب فیروز خاں اور احمد خاں دونوں بھائی لیکایک قلعہ کے اندر گھس آئے تو شمس الدین بادشاہ اسی چور راستے سے بھاگنے کے لئے تہ خانے میں گھسنا چاہتا تھا کہ اُسے پکڑ کر مکحول کر دیا۔ اس گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے۔ نواب فرامرز جنگ بہادر اول تعلقہ دار نے اس کو تفرج گاہ بنانا چاہا تھا مگر کھودنے میں کچھ قبریں نکلیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دفن تھے لہذا اس ارادے سے باز رہے۔ اُس زمانے میں بڑے بڑے تجار گنبد بنا کر طیار رکھتے تھے جب کوئی امیر مرتا تھا تو

سے بنے بنائے گنبد کو خرید لیا جاتا تھا۔ بعض گنبد جو قبروں سے خالی رہ گئے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ کام نہ آئے۔

سدّی عنبر کا گنبد دروازۂ پائیں روضۂ بزرگ کے قریب سدّی عنبر کا بنایا ہوا ایک خوش نما گنبد ہے۔ یہ وہی سدّی عنبر ہے جو دولت نظام شاہیہ احمد نگر کا رکن اعظم ہو گزرا ہے۔ اس نے سلطنت نظام شاہیہ سپاہ مغل کے آسیب سے محفوظ رکھا اور یہ حبشی نژاد قطب شاہی اور عادل شاہی کے اکثر مقبوضات پر قابض تھا اور ملک صندل خواجہ سرا کا ہم عصر بھی تھا۔ اس سے اور نظام شاہ سے کئی لڑائیاں ہوئیں مگر ۱۰۱۶ھ میں عادل شاہ کے کہنے سے نی مابین صفائی ہو گئی۔ غرض کہ مرتضیٰ نظام شاہ کے زمانے میں بھی عنبر حبشی سارے امور سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ اس گنبد میں سدّی عنبر کی قبر نہیں ہے[۱]۔ گنبد کے دروازے کی پیشانی پر کتبۂ ذیل سنگ سیاہ پر بہ خط نسخ نہایت جلی حرفوں میں کندہ ہے۔ پتھر کا طول ۴ ½ اور عرض دو فیٹ ہے۔ ع چہ خوش دید گنبد بنا کرد عنبر۔

۱۰۱۸ھ

اس پتھر کا حاشیہ نہایت خوش نما بیل بوٹوں سے آراستہ ہے اور بیچ میں مصرعہ بالا لکھا ہوا ہے حقیقت میں گلبرگہ بھر میں کوئی کتبہ اس سے بہتر نہیں ہے ؎

وہی نشو و نمائے سبزہ ہے گور غریباں پر ہوائے چرخ زنگاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

زنانہ مقبرہ روضۂ خورد اور کالے گنبد کے عقب میں ایک وسیع مقبرہ ہے جس میں سو سوا سو زنانی قبریں ہیں جن میں سے ایک قبر کی سیدھی جانب مشرق رویہ دیوار پر یہ کتبہ ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ وفات مرحومہ مغفورہ بتاریخ غرہ ربیع الاول ۱۰۱۸ھ اولاد ندیم بارگاہ جناب خواجہ عبداللہ انصاری نور اللہ مرقدہا ؎

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

---

[۱] گنبد اور قبر سدّی عنبر کی خلد آباد میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گلبرگہ میں بھی احتیاطاً اپنے نام کا ایک گنبد بنوا لیا تھا مگر مٹی خلد آباد کی تھی وہیں پیوند خاک ہوا ؎

دو چیز آدمی را کشد زور زور یکے آب و دانہ دوم خاک گور

کتبۂ چوکھنڈی حضرت جہاں گیر صاحب قادری سنہ ۸۱۴ ھ

سنگ سیاہ پر بخط ثلث نہایت خوش خط اور واضح ہے۔ اب جامع مسجد قلعہ کے محاذی حضرت جہاں گیر صاحب قادری کی درگاہ کی چوکھنڈی کے باہر زمین پر رکھا ہوا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

وَهُوَ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمُ ـ هٰذَا قَبْرٌ مُبَارَكٌ فِى الْمَغْفُوْرِ الْمَرْحُوْمِ حَاجِىْ مَحْمُوْدِ بِنْ حَاجِىْ حسين لَاهيجانى سنه اربع عشر وثمانمائة

۸۱۴ ھ (مطابق سنہ ۱۴۱۱ع)

ملک سیف الدین غوری کا مزار فرمان تالاب کے پاس ملک سیف الدین غوری کی مسجد کے پیچھے اسمعیل مخ اور اُس کی بیوی کی دو قبریں سنگ سیاہ کی بالکل خستہ حالت میں ہیں جن کی حسرت ناک حالت دیکھ کر وہ زمانہ یاد آتا ہے کہ جب اسمعیل نے تاج شاہی پہنا تھا اور تمام ملک دکن گجرات اور خاندیس کے امراء اس کی طرف سے محمد تغلق جیسے زبردست شہنشاہ سے لڑے تھے۔ آہ افسوس کہ آج اُس کی نہایت خوب صورت اور پختہ قبر حوادث زمانہ سے پامال ہے۔

اسمعیل مخ کا مزار اسمعیل مخ کی قبر سے مغرب کی طرف فرمان تالاب کا کھنڈرا ہے اور اسی تالاب کے مغربی جانب ایک بلند چبوترے پر سلاطین علاء الدین حسن گانگوی بہمنی کا مزار ہے جس پر ایک نہایت خوش نما گنبد بنا ہوا ہے۔ جو مربع ہے اور عرض وطول ۳۷½ فیٹ اور کلس تک بلندی بھی اسی قدر ہے۔ اس کے تین دروازے ہیں صرف مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ گنبد کی چھت میں چینی کا کام ہے جس میں بہت بڑی نقاشی اور صنعت دکھلائی گئی ہے انواع واقسام کے بیل بوٹے اور گل کاری دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ قبہ کے اندر سب سے بلند مقام پر سلطان کا نام لکھا ہوا ہے۔ اس گنبد میں تین قبریں ہیں۔ پادشاہ کی قبر سنگ سیاہ کی نہایت ہی خوش وضع اور خوب صورت بنائی گئی ہے جو فرش زمین سے چار فیٹ بلند ہے۔ اس کے

پہلو میں اس کی پیاری بی بی ملکہ جہاں آسودہ ہے۔ تیسری قبر جو بالکل شکستہ ہے خبر نہیں کہ کس کی ہے قیاس چاہتا ہے کہ کسی عزیز قریب کی ہوگی۔ حسن کا مقبرہ اُس کے بیٹے محمد شاہ بہمنی نے بنوایا اور دو سو حافظ تلاوت کلام مجید کیا کرتے تھے آج کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں ؂

فاتحہ مرقدِ ویراں پہ بھی پڑھتے جانا　　اُن سے کہدو جو ہیں اِس در سے گزرنے والے

سلطان علاء الدین حسن گانگوی بہمنی کا گنبد حسن کے گنبد کے مشرقی دروازے کے محاذی ایک چبوترے پر صدر اعظم ملک نایب سیف الدین غوری کی پختہ قبر ہے مگر اب مرمت طلب ہے۔ اس چبوترے پر اور بھی کچھ قبریں ہیں جن کے نام آج کون بتلا سکتا ہے۔

سلطان محمد شاہ بہمنی کا گنبد حسن کے گنبد کے مغرب میں کوئی سو گز کے فاصلہ سے اُسی وضع کا ایک دوسرا عالی شان گنبد حسن کے بیٹے سلطان محمد شاہ بہمنی کا ہے۔ گنبد مربع ہے جس کا عرض و طول اور بلندی چالیس فیٹ ہے جو ایک خوش نما چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ تین طرف دروازے ہیں مغرب کی طرف بند ہے۔ اس کی چھت میں بھی رنگ آمیزی اور گلکاری بیل بوٹوں کی بے نظیر صنعت ہے۔ اس میں دو قبریں تھیں۔ ظالموں نے مردوں کو بھی ستایا اور ان کے تعویذ اکھیڑ کر ایک کونے میں ڈال دئے۔ افسوس یہ اُس شہنشاہ جم جاہ کی قبر ہے جس کا نام سلطان المعظم قہرمان المکرم ابی المظفر سلطان محمد شاہ بہمنی بن سلطان حسن گانگوی سکوں میں کھودا جاتا اور خطبوں میں پڑھا جاتا تھا آج اُس کی اور اُس کی زوجہ مکرمہ ملکہ جہاں بادشاہ بیگم (جو صدر اعظم ملک سیف الدین غوری کی دختر نیک اختر تھی) کی قبریں بھی صحیح سلامت نہ رہیں مگر اب بھی کچھ نہیں گیا تمام پتھر گنبد میں موجود ہیں اگر حکام مقامی ذرا توجہ فرمائیں تو پھر صدہا سال کے لئے یہ اسلامی یادگار مستحکم ہو جاتی ہے۔ اور سیاحوں کو اپنا پر حسرت اور عبرت خیز منظر دکھلانے کے لئے قایم رہ سکتی ہے ؂

رہنے والے ہیں یہ نادان کہ جانے والے　　خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

اس گنبد کی مغربی دیوار کے سامنے ایک دیوار باقی ہے جس میں محرابیں ہونے سے مسجد کی معلوم دیتی ہے۔ اس کے صحن میں قبرستان تھا جو اب قریب قریب معدوم کے ہے اور ٹوٹی پھوٹی چند قبریں اب بھی دکھلائی دیتی ہیں غالباً یہ ساری قبریں محمد شاہ کے خاندان اور امرا کی ہوں گی جو گنبد کے باہر

دفن کئے گئے۔

ہیراپور یہہ قریہ گویا شہر گلبرگہ کا ایک محلّہ ہی جو گلبرگہ سے دو میل ہر اب اس موضع میں پارچہ بافی کی "محبوب شاہی ملز" ہی جو گلبرگہ سے شولاپور جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر ریل کی سڑک پر سے صاف نظر آتا ہی حصار نواب باقی نہیں صرف ایک دروازہ کھڑا ہی۔ ایک چھوٹی سی ایک دری مسجد ہی باقی کھنڈر کی عمارات ہیں۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی جب ۹۸۹ھ میں مع اپنی والدہ چاند سلطانہ کے حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کی زیارت کے لئے آیا تھا تو چاند بی بی نے ایک باغ اور باؤلی تعمیر کرائی تھی۔

باغ اور باؤلی کا کتبہ ۹۹۴ھ کتابہ ذیل ہیراپور تعلقہ گلبرگہ کی بڑی باؤلی اور اس کے ایک باغ کے متعلق ہی جو حضرت خواجہ بندہ نواز حسینی قدس سرہ کی خدمت میں بطور نذر پیشکش کیا گیا تھا اور سیڑھیوں کے پاس بجانب چپ ایک دیوار میں ذرا بلندی پر لگا ہوا ہی۔ جس کا طول سوا گز اور عرض نصف گز ہی۔ اس کی عبارت بخط نسخ سنگِ سیاہ پر کندہ ہی جو نہ زیادہ جلی ہی اور نہ بہت خفی۔ خط معمولی ہی اکثر الفاظ بغیر غور و فکر کے پڑھے نہیں جا سکتے فزید براں کہیں کہیں پر فرسودگی نے حک و محو کا قلم بھی پھیر دیا ہی اس کی تحتانی سطر نہایت ہی گنجان ہی اور کہنگی جا بجا سے اس کو چاٹ گئی ہی۔ واضح ہو کہ یہ کتابہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے زمانہ کا ہی۔ چوں کہ سلطان علی عادل شاہ کا کوئی بیٹا نہ تھا اس لئے اُس نے اپنے بھائی طہماسپ کے بیٹے ابراہیم عادل شاہ ثانی کو ۹۸۷ھ م ۱۵۷۹ء میں اپنا ولی عہد بنایا۔ جب یہ پادشاہ علی عادل شاہ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا ہی تو اُس وقت اُس کی عمر نو برس کچھ مہینوں سے زیادہ نہ تھی۔ چاند بی بی زوجہ علی عادل شاہ اور کامل خاں کو امور سلطنت میں کامل اقتدارات حاصل تھے۔

کتبہ

حضرت نواب کامیاب گردوں اقتدار ہمایوں ارفع اقدس اعلیٰ ابراہیم عادل شاہ خلّد اللّٰہ مُلکہٗ وسُلطانہٗ توجہہ بزیارت حضرت قطب الاقطاب شہباز سرافراز مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہ فرمودہ من ثالث شہر محرم الحرام ۹۸۹ھ مع عساکرہ منظفر و منصورہ

دریں بقعہ منزل فرمودند و حضرت علیا زمان مخدومہ جہاں والدہ نواب فلک اقتدار وسعت شعار وہدایت آثار نظر فرمودند۔ چشمہ آب و باغ با شجار اثمار بنا فرمودند فی التاریخ از شہر محرم الحرام شہور سنہ ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) مِنْ ہِجْرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ عَلَیْہِ السَّلَام یارب ایں آثار درگاہ را الی یوم القیام بحرمتہ النبی علیہ السلام نگاہ داراد بمنہ وکرمہ آمین۔

پائیں باغ کا کتبہ ۹۹۴ھ کتابہ ذیل ہیرا پور میں ایک شکستہ دیوار پر رکھا ہوا ہی اور عادل آباد کے ایک مکان واقع پائیں باغ کے متعلق ہی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہی کہ وہی باغ ہی جس کا ذکر کتابہ مافوق میں ہو چکا ہی اور شاید اس مقام کو پہلے عادل آباد کہتے تھے اور سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اس کو بسایا تھا چنانچہ دونوں کتابوں کا ایک ہی سنہ ہی۔ یہ کتابہ اگرچہ سنگ سیاہ کا ہی مگر اس وقت گردش زمانہ نے اس کا وہ رنگ و روپ باقی نہیں رکھا اس کی عبارت بخط نسخ بہت باریک اور بہت گنجان کندہ ہی اور بدقت پڑھی جاتی ہی۔

"بنا نمودن بیت عادل آباد دیگخانہ داخل باغ در پائین در عہد سلطان عادل شاہ غازی بموجب امر خدمت گاری نمود باجی المخاطب ضابطخاں نائب غیبت شہر احسنا آباد شہور سنہ اربع و تسعین و تسعمائہ ہجریہ۔

۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء)

کتبہ بر قبر متصل لنگر خانہ کتابہ ذیل سنگ سیاہ پر بخط ثلث کندہ ہو کر ایک مزار کے سرہانے نصب کیا گیا ہی یہ پتھر طول میں تین فیٹ اور عرض میں دو فیٹ ہی۔ اس پتھر کے دونو رخ کندہ ہیں۔ باہر کی طرف ایمہ اثنا عشر علیہم السلام کے اسماء مبارک مرقوم ہیں جن کو سرپائیں کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہیں۔ افسوس ہی کہ اس پتھر پر کوئی سنہ نہیں ہی اور نہ اس کے دیکھنے سے صاحب قبر کا کچھ پتہ چلتا ہے یہ قبر عقب لنگر خانہ روضۂ بزرگ و جانب دروازہ بائیں رخ واقع ہی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلِیِّ نِ الْمُرْتَضٰی وَالْحَسَنِ الْمُجْتَبٰی وَالْحُسَیْنِ الشَّھِیْدِ بِکَرْبَلَا وَعَلِیِّ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ وَمُحَمَّدِ نِ الْبَاقِرِ وَجَعْفَرِ نِ الصَّادِقِ وَمُوْسَی الْکَاظِمِ وَعَلِیِّ ابْنِ مُوْسَی الرِّضَا وَمُحَمَّدِ نِ التَّقِیِّ وَعَلِیِّ نِ النَّقِیِّ وَالْحَسَنِ الْعَسْکَرِیِّ وَالْخَلِیْفَۃِ الْمَھْدِیِّ مُحَمَّدٍ صَاحِبِ الزَّمَانِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

اِس پتھر کے دوسرے رُخ پر اندر کی طرف ایک شعر بہ خط ثلث کندہ ہی جو بغیر پائیں قبر کھڑے ہونے کے نہیں پڑھا جا سکتا اس کے حروف کہیں کہیں سے مٹ بھی گئے ہیں اس میں بھی کوئی سنہ یا صاحب مرقد کا کچھ پتہ نہیں ملتا ہی - اس مزار کے بازو ایک اور قبر ہی جس کا تعویذ بالکل سنگ سیاہ کا بنا ہوا ہی - البتہ اتنا معلوم ہوتا ہی کہ یہ کوئی صاحب بمقام سید صحیح النسب ہیں ؎

مقصود رخ نتافت ز درگاہ اہل بیت — معلوم شد کہ قبلۂ مقصود ایں در است
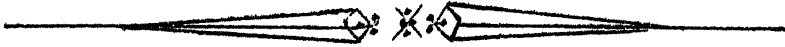
تذکرہ اولیائے کرام و بزرگان عظام گلبرگہ شریف

خاصان خدا خدا نباشند لیکن ز خدا جُدا نباشند

سید شاہ حسام الدین حسینی تیغ برہنہ سنہ ۶۸۰ھ قلعہ کی مشرقی خندق اور صدر محبس کے درمیان جگت کے تالاب کے شمالی کٹّے پر آپ کا مزار ہے

آپ دکن کے اولیائے متقدمین میں سے ہیں۔ آپ حضرت خوندمیر حسینی دہلوی کے فرزند ہیں۔ آپ کا نسب حضرت امام محمد تقی پر منتہی ہوتا ہے۔ اپنے والد ماجد کے خلیفہ تھے اُن کی رحلت کے بعد آپ دکن میں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ صرف آپؒ کے ہمشیرہ زادے تھے جن کا مزار فرمان تالاب کے متصل ہے جس وقت حضرت گلبرگہ تشریف لائے راجہ کشن راج کا دورہ ختم ہو کر راجہ ہنا گنڈی مسلّط تھا۔ آپ ہمیشہ جذبے میں رہتے تھے اور دونوں کندھوں پر دو برہنہ تلواریں لٹکی رہتی تھیں۔ آپ بڑے کامل ولی تھے۔ آپ کا وصال ۲۷ ربیع الاول سنہ ۶۸۰ھ میں ہوا۔ مادہ تاریخ وفات "خلد ولی" ہے۔

حضرت شیخ سعد زنجانی سنہ ۷۲۹ھ پرانی عیدگاہ کے شمال میں ایک چبوترے پر آپ کا مزار ہے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ نصیر الدین اودھی چراغ دہلوی کے پیر بھائی ہیں۔ اپنے مرشد کے وصال کے بعد سنہ ۷۲۵ھ میں دہلی سے روانہ ہو کر گجرات اور دیگر مقامات میں ٹھیرتے ہوئے سنہ ۷۲۹ھ میں گلبرگہ تشریف لائے۔ اِن دونوں حضرات میں بہت میل ملاپ تھا۔ آپ کا وصال سنہ ۷۴۰ھ میں ہوا۔ حضرت بندہ نواز مدۃ العمر ہر جمعرات کو آپ کے مزار پر فاتحہ خوانی کو جایا کرتے تھے۔ حضرت کی اولاد موضع کنتن پلی تعلقہ سیڑم[۱] میں موجود ہے اور یہ موضع سلاطین دکن نے بطور جاگیر دیا تھا جو اب تک بحال ہے۔

حضرت شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری سنہ ۷۳۰ھ بازار آصف گنج میں ہومن آباد کے دروازہ کی جانب راست رنگین مسجد کے قریب آپ کا مزار ہے۔ آپ کے مقبرے کے

---

[۱] نظام سٹیٹ ریلوے کا واڑی جنکشن سے دوسرا اسٹیشن ہے ۱۲۔

قریب ایک مسجد اور شیریں پانی کی باؤلی ہے۔ آپ حضرت سید خوند میر علاء الدین جوہری دولت آبادی کے خلیفہ ہیں۔ آپ میں اور شیخ الدین گنج العلوم سے بہت خلوص و محبت تھی۔ آپ ۳۰ھ میں گلبرگہ تشریف لائے جب ہندوؤں کی حکومت تھی۔ آپ کا وصال ۲۱ شوال ۷۵۴ھ میں بعہد سلطان علاء الدین گانگوہی میں ہوا۔ آپ کے مزار پر شیر آیا کرتا تھا اس سبب سے آپ کو حضرت شیخ کلّے رواں بھی کہتے ہیں۔

شیخ ضیاء الدین قتال شہید ۷۳۹ھ

آپ حضرت شیخ فریدالدین مسعود اجودھنی شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ آپ اپنے پیر حضرت سید خوند میر علاء الدین جوہری کی خدمت میں شب و روز حاضر باش رہتے تھے۔ ایک دن کسی فقیر نے آپ کو دھوکے سے گانجہ پلا دیا جس سے سر چکرانے لگا اور قے ہوگئی جس کی چھینٹیں حضرت پیر و مرشد کی نعلیں پر پڑیں۔ جب حضرت نے جوتیوں کو قے میں لتھڑا ہوا دیکھا تو بہت خفا ہو کر کہا کہ کیوں ایسی بات کی ایسا ہی ہے تو پیٹ میں پتھر بھر لینا تھا۔ شیخ صاحب کا کیف جاتا رہا اور اپنے مرشد کی خفگی سے پشیمان ہو کر ملک دکن کی راہ لی اور گلبرگہ تشریف لائے۔ ملک دکن ایک کفرستان تھا راجہ بھیرن کی حکومت تھی۔ شہر کے دروازے سے ملا ہوا ایک بڑا بت خانہ تھا جس کی پوجا بڑے اہتمام سے ہوتی تھی روزانہ ایک آدمی کی گردن دیو کے سامنے بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ آپ اسی بت خانہ کے قریب مع اپنے ہمراہیوں کے ٹھیرے۔ آپ نے دیو کو طلب کیا اور اُس سے ضروری سامان لکڑی وغیرہ منگوائی جب اُس نے سب چیزیں لا دیں تو آپ نے کھانا وغیرہ پکایا اور دیو کو چھوڑ دیا۔ بت نے راجہ کے خواب میں جا کر مسلمانوں کی شکایت کی راجہ نے فوراً فقراء کو بلوا بھیجا۔ صبح کا وقت تھا آپ نماز صبح سے فارغ ہو چکے تھے اور راجہ کی طلبی کا حال آپ پر منکشف ہو چکا تھا خود بھی مع ہمراہیوں کے تشریف لے گئے۔ راجہ نے شکایت کی کہ کل شب کو تم نے ہمارے دیو کو جیسا ستایا ویسی اب سزا بھگتو۔ یہ کہتے ہی اپنے ہمراہیوں کو اشارہ کیا اُنھوں نے پتھر۔ لکڑی۔ تلوار۔ تفنگ سے سارے فقراء کو مار ڈالا حضرت شیخ بھی اس معرکہ میں سخت زخمی ہوئے لیکن زندہ تھے آپ نے فرمایا کہ میرا پیٹ چاک کر کے پتھر بھرو جب جان نکلے گی (یعنی مرشد کا قول پورا ہونا چاہیے) چنانچہ کفار نے ایسا ہی کیا اور آپ

کی روح پُر فتوح واصل بحق ہوئی - یہ واقعہ ۷۳۹ھ کا ہے - آپ کا مزار شریف قلعہ کے اس طرف
عیدگاہ کے راستے میں فرمان تالاب کے متصل ہے - آپ کی قبر ایک چبوترے پر ہے - آپ کی سیدھی
طرف آپ کی والدہ ماجدہ اور بائیں جانب آپ کے بھائی کا مزار ہے -

حضرت شیخ سراج الدین جنیدی ۷۸۱ھ محلہ شاہ بازار کے غربی جانب قطب الانام غوث اسلام رکن الحق والدین بندگی مخدوم حضرت شیخ سراج الدین جنیدی قدس سرہٗ
کا روضۂ مبارک ہے - آپ کا گنبد اور عالی شان دروازہ اور اُس کے دونوں جانب کے دو
بلند منارے یوسف عادل شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں - گنبد کے دروازے پر یہ شعر
لکھا ہوا ہے ؎

مرجع اہل اسلام صاحب نگین و تاج قطب دوراں ابن محمد سراج

کل مصرع سے تاریخ وفات ۷۸۱ھ نکلتی ہے اور لفظ قطب سے سن شریف (۱۱۱) اور دوران ابن
محمد سراج سے ۶۸۰ھ سال ولادت نکلتا ہے -

آپ جناب سید الطایفہ خواجہ جنیدی بغدادی قدس سرہ کی اولاد سے ہیں جن کا نسب گرامی
حضرت سلم بن عبدالمناف جدّ آں حضرت صلعم تک پونہچتا ہے - آپ کی والدہ ماجدہ بی بی مسطورہ
بنت سلطان عبداللہ قنشوری (پشاوری) تھیں - آپ کے والد ماجد ابو المظفر محمد سراج الدین
بغداد سے قنشور پونہچے تو عبداللہ بادشاہ قنشور کے فرزند نے آپ سے ملاقات کی اور اپنی بہن سے
نکاح کر دیا - جن سے چار فرزند ہوئے - آپ کا اصلی نام شیخ محمد رکن الدین ہے لیکن آپ اپنے
باپ کے ہی نام سے مشہور ہوئے - آپ کی ولادت ۶۷۰ھ میں ہوئی - آپ بہت کم سن تھے
جب باپ کا سایہ اُٹھ گیا - آپ کو آپ کے ماموں سلطان قنشور نے پرورش کی - جب آپ سن شعور
کو پونہچے تو تلاش مرشد میں ۷۰۷ھ دولت آباد تشریف لائے اور حضرت سید السادات
مدار العلوم بندگی مخدوم سید خوند میر علاء الدین جوہریؒ سے بیعت کی اور خلافت لے کر دہلی گئے
آپ کے مرشد ولی اور قطب تھے - حضرت قوام الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے - طریقت
میں مجتہد الوقت تھے - دکن میں آپ کے تین خلیفہ آئے تھے اُن میں ایک آپ تھے آپ کا
وصال یوم جمعہ ۲۸ شعبان ۷۳۴ھ میں ہوا اور دولت آباد میں مدفون ہیں اور ایک روایت

یہ ہی کہ آپ کا تابوت آپ کے فرزند دہلی لے گئے۔ دہلی میں سلطان غیاث الدین تغلق آپ کا بہت معتقد ہو گیا اور ہر بات میں آپ کی رائے پر کار بند ہوتا تھا۔ امرا و ارکان دولت کو یہ امر ناگوار ہوا اور کسی طرح آپ کو ٹالنا چاہتے تھے۔ ورنگل کے راجہ پرتاب رُدر نے شاہی فوج کو شکست دی تھی۔ اس لئے ایک دوسری مہم بسرکردگی شہزادہ الغ خاں اُس کی سرکوبی کو بھیجی جارہی تھی آپ کو بھی اس خیال سے ساتھ کر دیا کہ آپ کے قدموں کی برکت سے لشکر اسلام کی فتح ہوگی آپ تشریف لے گئے اور خدا کی شان کہ لشکر اسلام کی پوری فتح ہوئی۔ اس کامیابی کا الٹا اثر بادشاہ پر ہوا وہ ڈرا کہ جب ان میں اس قدر قدرت ہے کہ راجہ ورنگل کو شکست دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میری سلطنت بھی کسی دن چھین لیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام خلایق آپ کی گرویدہ تھی ممکن نہ تھا کہ آپ کو کھلے خزانے نکال دیتے تب وزیر نے یہ چال چلی کہ آپ سے کہا کہ آپ جب دربار میں آئیں تو منہ پر نقاب ڈال کر آیا کریں کہ حرم شاہی مد نظر ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب ایسا ہے تو میں نہ آؤں گا اور آپ دولت آباد کے قصد سے نکلے۔ راستے میں آپ کے بڑے بھائی سالار عثمان نے ۱۷ رمضان ۷۲۳ھ کو لکھنؤ میں انتقال کیا اور آپ کے منجھلے بھائی شیخ احمد صلاح الدین ملک بنگالہ کو ترویج اسلام کے لئے چلے گئے اور بعد چھ سال کے ۹ رجب ۷۲۹ھ کو وہیں قضا کی اور آپ کے سنجھلے بھائی شیخ تاج الدین آپ کے ہمراہ رہے۔ چند سال دولت آباد میں رہنے کے بعد آپ کو دکن جانے کی بشارت ہوئی اور آپ دریا کے کنارے موضع کوڑچی میں تشریف لائے آپ چلتے چلتے بیجاپور پونچے وہاں آپ کی والدہ ماجدہ نے ۱۲ شعبان ۷۲۲ھ انتقال فرمایا اور آپ کو ابوالحسن وزیر کے مکان میں دفن کیا اور آپ لب دریائے کشنا موضع کوڑچی آئے۔ اس موضع سے دو ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک گھنا املی بن ہے وہیں حضرت ٹھیر گئے۔ کوڑچی برہمنوں کی بستی ہے جہاں ہندوؤں کا ایک بڑا دیول ہے یہاں اور دیگر مواضع متصلہ راجہ پور۔ چکوری اور کوتلی وغیرہ میں آپ کی کشف و کرامات کی بدولت اسلام نے بے انتہا ترقی کی اور بت پرستی نیست و نابود ہوگئی۔ آپ تین گھنٹے رات رہے بیدار ہوتے تھے اور غسل فرما کر نماز تہجد ادا کرتے تھے اور بعد وردو وظائف و ذکر و اشغال نماز صبح سے فارغ ہو کر مراقبہ و مکاشفہ میں مستغرق رہتے تھے۔ اِن ہی دنوں میں سلطان

علاؤالدین حسن گانگوی کی والدہ اشرف جہاں جن کو لوگ ماں صاحب کہا کرتے تھے کچھ گھر کے جھگڑوں سے تنگ آکر وطن چھوڑکر موضع سرگور میں جو کوڑچی کے پاس ہے آن رہی تھیں۔ انھوں نے جو شہرہ حضرت کا سنا اپنے بیٹے علاء الدین اور دونوں بیٹیوں اور بہو کو لے کر کوڑچی چلی آئیں اور سب کے سب حضرت کے مرید ہو گئے۔ حضرت کے خدام میں مولانا قاصان اور محمد لاغری دونوں بھائی شہر قشور سے آپ کے ساتھ آئے تھے آپ ان دونوں کو بہت چاہتے تھے آپ نے ان کو خلافت بھی عطا فرمائی تھی لیکن یہ لوگ بہت خستہ حال تھے سر چھپانے کے لئے مکان تک نہ تھا۔ ایک دن موضع کوڑچی کا پٹواری گانگو پنڈت مع سرآوردگان موضع حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ نجوم سے معلوم ہوا کہ اس سال بالکل بارش نہ ہوگی آپ دعا کیجیے کہ قحط کی مصیبت دفع ہو۔ آپ نے فرمایا کہ قاصان کے رہنے کے لئے تو کوئی مکان ہی نہیں ہے اگر بارش ہو تو وہ کہاں جائیں گے۔ تم لوگ پہلے اُن کا ٹھکانا کرو اور ایک مسجد بنا دو تو بفضل خدا بارش ہو جائے گی حضرت کا اتنا ارشاد ہوتے ہی ساری بستی ٹوٹ پڑی اور گانگوجی نے مکان اور مسجد بنانا شروع کر دیا۔

تذکرۃ الملوک میں لکھا ہے کہ حضرت نے گانگوجی سے کہا کہ اجی مسجد تو تم بنوا رہے ہو مگر ہندو مسجد کا بنانا کیا جانیں کیوں نہیں تم علاء الدین کو اس کام پر لگاتے وہ بہت غریب آدمی ہے تم کو بہت مدد دے گا۔ گانگوجی نے فوراً علاء الدین کو نوکر رکھ لیا دو وقتہ روٹی اپنے گھر سے مقرر کر دی اور کچھ تنخواہ بھی ٹھہرا دی۔ پہلے مکان بن گیا اور مولانا قاصان کے اس میں جاتے ہی خاطر خواہ بارش ہو گئی قحط ٹل گیا۔ علاء الدین مسجد کی تعمیر میں سرگرم تھا اور خود کھڑے رہ کر مزدوروں سے کام لیتا تھا اور جان توڑ کر محنت کرتا تھا۔ ایک دن ٹھیک دوپہر کو حضرت مسجد کا کام ملاحظہ فرمانے آئے۔ دوپہر کا وقت تھا مزدور سب روٹی کھانے چلے گئے تھے مگر علاء الدین بے چارے کو ڈیڑھ دو بجے کے اول ٹکڑا نہ ملتا تھا وہ وہیں ایک درخت کے تلے پڑ رہا اور بے خبر سو گیا۔ آپ نے مسجد ملاحظہ فرما کر علاء الدین کو دیکھا کہ گرد آلود ہاتھ پاؤں گارے کیچڑ میں لت پت پڑا سو رہا ہے فرمایا کہ "بادشاہ دکن کیا بے خبر سو رہا ہے۔ یہ چتر اس کے سر پر کیسا زیب دے رہا ہے" یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے گئے اور علاء الدین کو خبر بھی نہ ہوئی۔ حضرت کے جانے کے بعد ایک ناگ سانپ علاء الدین کے چہرے پر پھن سے سایہ کئے ہوئے تھا۔ لڑکے جو کھیلتے کھیلتے ادھر آن نکلے یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور چیختے چلاتے پٹواری

مہاراج کے پاس گئے کہ علاء الدین کو سانپ سونگھ گیا۔ پٹواری گھبرایا ہوا آیا دیکھا تو واقعی سانپ جھوم رہا ہے اِس کو دیکھ کر بل میں گھس گیا۔ ہندو سانپ کو بھی دیوتا مانتے ہیں بہت متعجب ہوا۔ علاء الدین کو جگا کر اپنے گھر لے گیا اور کھانا کھلایا۔ بعد علاء الدین کا زائچہ جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک دن دکن کا بادشاہ ہونے والا ہے۔ پٹواری علاء الدین کے پاس دست بستہ حاضر ہوا۔ علاء الدین گھبرایا کہ یہ کیا معاملہ ہے مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا جو میرا آقا یوں کھڑا ہے۔ برہمن نے کہا کہ تو عن قریب بادشاہ ہونے والا ہے بتا کہ مجھے کیا دے گا۔ علاء الدین بے چارے کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی سمجھا کہ مجھ پر طنز کرتا ہے لیکن جب برہمن کو مصر پایا تو کہا کہ اچھا خیر اگر ایسا ہو تو بادشاہت تم کرنا میں تمھارا اسی طرح تابع دار رہوں گا جیسا کہ اب ہوں۔ برہمن نے کہا کہ اجی میری ایسی تقدیر کہاں وہ تو جس کے نصیب میں لکھ گیا بس لکھ گیا۔ تب علاء الدین نے کہا کہ میں تجھے آدھی یا پاؤ سلطنت دے دوں گا۔ پنڈت نے کہا کہ میں سلطنت لے کر کیا کروں گا ؎

میں کہاں اور کہاں ہوائے بہشت ناز کی زیبدم بہ طاعت زشت

علاء الدین نے کہا کہ اچھا جو آپ کہیں وہی مجھے منظور ہے۔ فرمائیے۔ پنڈت جی نے کہا کہ کبھی دو باتیں قبول کرو۔ اول تو یہ کہ مہر سلطانی میں اپنا اور میرا نام بطور یادگار شریک رکھنا دوسرے یہ کہ شاہی دفتر میرے اور میری اولاد کے سپرد رہے۔ علاء الدین نے خوشی سے دونوں باتیں منظور کیں۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ علاء الدین ایک برہمن کے پاس نوکر تھا جو شاہزادہ محمد تغلق کے پاس ملازم تھا حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے تفضلات سے اُسے بادشاہت ملی لیکن تذکرۃ الملوک نے دوسرے طور پر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ نہیں معلوم کون سی بات صحیح ہے مگر اتنا یقینی ہے کہ علاء الدین کی ماں اشرف جہاں حضرت کی مرید تھیں اور آپ کے ہی در دولت پر پڑی تھیں اور موضع کوڑچی ہی میں انتقال کیا جہاں آپ کا روضہ موجود ہے۔ نقل ہے کہ ایک دن حضرت وضو فرما رہے تھے مسح کے لیے اپنا عمامہ اُتار کر علاء الدین کو دیا علاء الدین سمجھا کہ مجھے عطا ہوا ہے جھٹ سر پر رکھ حضرت کے قدم بوس ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ ”گھبراہٹ کیا ہے جلدی نہ کرو۔ وہ دن بہت قریب ہے کہ تو بادشاہ ہو جائے گا“

نقل ہے کہ علاءالدین نے ایک دن حضرت سے اپنی عسرت کا دکھڑا عرض کیا آپ نے فرمایا کہ اچھا کہ تو نرٹ گنڈ کے جنگل میں جا اور فلاں درخت کے نیچے دفینہ ہے نکال لا اور اُس سے فوج جمع کر۔ علاءالدین نے جب فوج بھرتی کرلی تو حکم ہوا کہ پہلے مرج کا قلعہ فتح کر۔ ہولی کے دن تھے مرج کا راجہ درگا تینا عیش ونشاط میں سرشار تھا۔ علاءالدین بلاروک ٹوک قلعہ میں پہنچ گیا اور راجہ کو قتل کرکے قلعہ فتح کرلیا اور حضرت کو اطلاع دی آپ نے جواب میں "مبارک باد" لکھ بھیجا۔ اسی پر سے علاءالدین نے مرج کا نام "مبارک آباد" رکھ دیا۔ وہاں سے پنالا گڈھ کا قلعہ فتح کیا جہاں کا راجہ کلھر چند تھا اور اسی طرح اور چند قلعے اُسی نواح کے فتح کرکے علاءالدین حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ اب قلعہ گلبرگہ فتح کر۔ اس زمانہ میں گلبرگہ پر راجہ بھیرن مسلط تھا جو سلطان محمد تغلق کا باج گزار تھا۔ گلبرگہ سے آٹھ میل ادھر موضع شاہ ونگی[۱] میں ایک بڑی دیوی کا دیول تھا۔ راجہ بدھ کے دن اُس کے درشن کو گیا ہوا تھا علاءالدین کی تقدیر سیدھی تھی بلاغل وغش قلعہ پر قابض ہوگیا۔ راجہ یہ خبر سن کر یلغار واپس آیا اور ایک بڑی بھاری لڑائی کے بعد مارا گیا اور اُس کا سر قلعہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس طرح ۷۴۸ھ میں علاءالدین تخت نشین ہوا اور گلبرگہ کا نام حسن آباد رکھا اور حسب وعدہ اپنی مہر میں "حضرت سبحانی علاءالدین حسن گانگوی بہمنی کندہ کرایا۔ سلطان علاءالدین حسن جب تک زندہ رہا ہر سال کوڑچی جاتا تھا اور آپ کی قدم بوسی کی سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد محمد شاہ نے بھی یہی طریقہ مرعی رکھا۔ کوڑچی گلبرگہ سے سات منزل ہے۔ ایک دفعہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے آنے سے غریب رعایا کو تکلیف ہوتی ہے (کیوں کہ بادشاہ کا کوچ مقام مع حشم وخدم کے کچھ آسان بات نہ تھی اور پھر اُس زمانے کے بادشاہ جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بادشاہان ہند بادشاہی نمی کنند بلکہ خدائی می کنند) اگر تمھیں مجھ سے ملنے کا ایسا ہی شوق ہے تو چلو میں ہی خود گلبرگہ چلتا ہوں میرے ایک نفس کے لئے ہزاروں بندگان خدا کو یہ تکلیف کیوں۔ بادشاہ یہ مژدہ جاں بخش سن کر جامے میں نہ سمایا اور فوراً کوڑچی سے گلبرگہ تک جتنے گاؤں راستے میں پڑتے تھے سب کی سند لکھ کر نذر گزرانی اور عرض کی کہ حضرت

[۱] گلبرگہ سے شولاپور کی طرف ریلوے کا دوسرا اسٹیشن ہے۔

کا گز جس طرف سے ہوگا اُس راہ کے قصبات کو اپنے قبضے میں رکھنا سراسر سوءادبی سمجھتا ہوں۔
"حضرت نے فرمایا کہ" اگر میں ان تمام دیہات کو لے لوں تو میں بھی تیری طرح امیر ہو جاؤں گا پھر مجھے فقیر کون کہے گا۔ میری اولاد میں طمع دنیا پیدا ہو جائے گی۔ بادشاہ نے حضرت کی مرضی نہ پاکر دوبارہ وہ مواضع دینے چاہے جہاں آپ کا مقام ہونے والا تھا۔ لیکن پھر بھی حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ بادشاہ اس سے ملول ہوا تب آپ نے کہا "اچھا میری بات سُن۔ بس یہی ایک موضع کوڑچی مجھے دے دے"۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور سات مواضع متصلہ کو توڑ کر کوڑچی میں ملا کر نذر پیش کی اور سند میں لکھ دیا کہ "یہہ تمام ملک حضرت قطب الاقطاب بندگی مخدوم رکن الدین جنیدی قدس سرہ الشریف کا تھا حضرت نے سارا ملک مجھے عنایت فرمایا فقط ایک موضع کنجی (کوڑچی) آپ رکھ لیا ہے" چنانچہ یہہ سند اب تک موضع کوڑچی کے مخدوم زادوں کے پاس موجود ہے۔
حضرت کوڑچی میں اپنے بڑے صاحب زادے شیخ المشائخ شیخ علاء الدین کو جانشیں فرما کر اپنے چھوٹے فرزند رشید حضرت قطب الدین کو ہمراہ لے کر سنہ ھ میں گلبرگہ تشریف لائے۔ موضع کوڑچی میں دریا کے کنارے جہاں حضرت کی نشست گاہ تھی بستی سے کوس بھر املی بن میں آپ کا گنبد طیار کیا گیا ہے اور محمد سراج کے نام سے آپ مشہور ہیں سالانہ عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ گلبرگہ کی رونق افروزی کے بعد بادشاہ نے پوچھا کہ آپ قلعہ میں رہیں گے یا باہر۔ آپ نے کہا کہ ٹھیرو میں خود جگہ تلاش کرتا ہوں اور خود جا کر یہی جگہ منتخب کی جہاں اب روضۂ مبارک ہے۔ یہاں اُس وقت ببول بن تھا آپ نے فرمایا کہ مجھے اس مقام سے بغداد شریف کی بو آتی ہے بس میں یہیں رہوں گا۔ فوراً ببول بن کٹوا دیا گیا اور حضرت کی اقامت کے لئے ایک چھوٹا سا مکان بنوا دیا گیا جہاں بادشاہ ہر روز علی الصباح حاضر ہوا کرتا تھا۔ محمد شاہ اول کے انتقال کے بعد مجاہد شاہ بادشاہ ہوا اور تخت پر بیٹھنے کے اول حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک کھادی (گاڑہا) منگا کر ایک پیرہن ایک کمر بند اور ایک دستار پہنائی اور اُس کے حق میں دعائے خیر کی وہاں سے مجاہد شاہ محل میں آیا اور لباس فاخرہ پہن کر تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اِس کے بعد سے یہی طریقہ مرعی رہا کہ جو بادشاہ ہوتا وہ پہلے حضرت شیخ صاحب یا آپ کی اولاد موجودہ

کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی فقیری لباس تین کپڑے کھادی کے پہن کر اپنے مقام پر جاتا اور لباس بدل کر تخت پر بیٹھتا چنانچہ اب تک یہی رواج ہو کہ جب اعلیٰ حضرت پیر و مرشد قوی شوکت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی حضور نظام گلبرگہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو آپ کو ایک دستار اور کمر بند مرحمت ہوتا ہی۔

نقل ہو کہ ایک دن مجاہد شاہ نے حضرت سے قلعۂ ادھونی پر لشکر کشی کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ "بسم اللہ جاؤ انشاء اللہ فتح ہوگی" اس کے بعد بادشاہ نے حضرت شیخ زین الدین اور شیخ برہان الدین دولت آبادی کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر اجازت چاہی۔ یہ خبر حضرت کو پہنچی آپ نے بادشاہ کو رقعہ لکھا کہ "اگر تو میری اجازت سے اس مہم پر جاتا ہی تو جا لیکن اگر تو کسی اور کے بھروسے پر جاتا ہی تو پھر میری اجازت کی ضرورت نہیں" بادشاہ کو حضرت کی یہ تحریر شاق گزری اور کہا کہ اچھا معلوم ہوا۔ میں تو بہت بڑی فوج بھیج چکا ہوں اور خود بھی جاتا ہوں بھلا دیکھوں تو کہ یہ مہم کیسے سر نہیں ہوتی۔ مجاہد شاہ کئی مہینے تک قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔ رسد ختم ہونے آئی۔ گرمی کی شدت قلعہ میں پانی کی تراہ تراہ پڑ گئی قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے مگر خدا کے فضل اور شیخ صاحب کے فیضان کا یہ اثر ہوا کہ ایسا موسلا دھار مینہ برسا کہ جل تھل ہو گیا۔ مردوں میں جان پڑ گئی۔ قلعہ والوں نے اچانک باہر نکل کر وہ ستھراؤ کیا کہ مجاہد شاہ کو پسپا ہونا پڑا۔ بادشاہ سمجھا کہ فقیر کی بد دعا لگی غصے میں کہا کہ گلبرگہ پہنچتے ہی پہلے شیخ کو قتل کروں گا جب قلعہ میں پاؤں دھروں گا۔ حضرت کو بھی یہ خبر پہنچی۔ آپ نے جذبہ میں فرمایا کہ وہ گلبرگہ پہنچنے ہی نہ پائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بادشاہ ادھونی سے پلٹ کر چاہتا تھا کہ شہر میں داخل ہو کہ ناگاہ گھوڑے کا پیر رپٹا اور بادشاہ گھوڑے پر سے گرا اور سر پاش پاش ہو گیا۔ تذکرۃ الملوک نے مجاہد شاہ کی نسبت کہا ہو کہ جب وہ گلبرگہ پہنچا تو اسے ایک حبشی غلام نے ۷۹۹ھ میں قتل کر دیا۔ چند دنوں بعد آپ نے خدام کو عمدہ چانول اور دال لانے کو فرمایا اور آپ نے کھچڑی پکائی اور دو سینیاں چوڑی دار بھر کر گیارہ فلوس اور ایک اعلیٰ قسم کی تسبیح اُس پر رکھ خواجہ[۵] ابو الفضل اپنے جانشین اور پوتے کو دے کر فرمایا کہ

[۵] حضرت کے چھوٹے صاحب زادے حضرت شیخ قطب الدین شب پنجشنبہ ۸ ذی قعدہ ۷۳۲ھ میں بمقام ہرادل تولد ہوئے تھے۔ آپ نے (۶۳) سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الاول ۷۹۵ھ کو رحلت فرمائی اور حضرت

میری رحلت کے دن قریب آ پہنچے ہیں۔ میرے بعد تقریباً بائیس سال گزرنے پر میرے ایک
دوست سید محمد حسینی دہلی سے تشریف لائیں گے یہ اُن کی امانت ہے۔ اُن کو دے دینا اور کہہ دینا کہ
جب کوئی دوست اپنے دوست کے پاس آئے تو چار چیزیں مہیا کرنا ضرور ہے۔ اول تو کھانا کھلانا
سو یہ کھچڑی حاضر ہے۔ دوم اُس کی عبادت کا انتظام کرنا چنانچہ تسبیح موجود ہے۔ تیسرے کچھ خرچ بھی
کو چاہیئے اُس لئے گیارہ پیسے میں نے رکھ دئے۔ چوتھے اُترنے کا ٹھکانا کرنا تو کہہ دینا کہ میں شہر کے
مغرب میں ہوں آپ مشرق میں تشریف رکھیں یہ وصیت فرما کر ایک حجرے میں سب چیزیں رکھ کر
مقفل کر دیا اور کہا کہ سید محمد حسینی سے کہہ دینا کہ بسم اللہ کر کے قفل کو ہاتھ لگائے خود بخود کھل جائیگا
بہت سے لوگوں نے جن کا نام سید محمد تھا قفل کو ہاتھ لگایا مگر نہ کھلا جب وہی آئے تو کھل گیا۔
حضرت جب سے گلبرگہ تشریف لائے بہت سے اولیا، غوث قطب ابدال وغیرہ آپ کی خدمت
اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور اپنی اقامت کی اجازت چاہتے۔ بعض کو نہیں رہنے کا حکم ہوتا بعض
کو دوسرے مقامات پر۔ شیخ المشایخ شیخ علاء الدین انصاری عرف لاڈلے مشایخ آپ سے ملنے
آئے مگر دوبار ملاقات نہ ہو سکی تیسری دفعہ جمعہ کے دن شیرینی لے کر آستانہ پر حاضر ہوئے اور
خادم کے ہاتھ شیرینی بھجوائی آپ نے فرمایا کہ دنیا کے فائدے کی ملاقات چاہتے ہو یا عقبیٰ کے
مراتب کی۔ دنیا چند روزہ ہے یہاں کی ملاقات کی ضرورت نہیں۔ بدھ کے دن میرے سفر آخرت
کا سامان مہیا کر کے آؤ اور تم ٹھیرنا چاہتے ہو تو یہاں سے دس کوس قصبۂ النّد ہے وہاں ٹھیرو۔ آپ
النّد میں رہ پڑے اور بدھ کے دن اونٹ پر سوار ہو کر ایک مشک پانی اور کفن وغیرہ سامان لے کر
دس نہیں بجے تھے کہ گلبرگہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت معمولاً دس بجے اوراد و وظائف سے فارغ
ہو کر اپنے حجرے سے برآمد ہوتے تھے۔ دروازہ حجرے کا بند تھا لوگ منتظر تھے کہ اب برآمد ہونگے
مگر وقت ٹل گیا تب حضرت لاڈلے صاحب نے کہا کہ شیخ صاحب یوں فرماتے تھے۔ حجرہ کھول کر
دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا۔ خادمان اور حضرت خواجہ ابو الفضل نے اُسی حجرے میں غسل دیا اور
نماز جنازہ بھی وہیں پڑھی اور وہیں دفن کیا۔ اس وقت سلطان محمود بادشاہ تھا جو خلاف
مجاہد شاہ کے شیخ صاحب کا بہت معتقد تھا اور اکثر جایا کرتا تھا۔ جب آپ کا وصال ۷۸۱ھ میں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۰۔ شیخ کے گنبد میں مشرق کی طرف اپنی والدہ ماجدہ کی بائیں جانب مدفون ہیں۔ ۱۲

ہو چکا تو بروز سوم بہت کچھ خیرات بادشاہ نے کی۔ یوسف عادل شاہ نے آپ کو چودہ مواضع جاگیر دیے تھے۔ عالم گیر نے دو چھوڑ کر باقی ضبط کر لئے تیسرا موضع نواب نظام علی خاں بہادر نے دیا۔ اس طرح اب تین موضع جاگیر ہیں ؂

محمد ابو الفتح گیسو دراز — بہ تیغ نبی گشتہ او سرفراز
انیس نبی ہم جلیس علی — لباسش پہناں از و شد جلی

درگاہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز ۸۰۴ھ تا ۸۲۵ھ۔ گلبرگہ میں بہت بڑی اور متبرک اور مشہور درگاہ حضرت میر سید محمد محمد الحسینی عرف حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی ہی ؂

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد — واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت بندہ نواز دہلی کی طرف سے سنہ ۸۰۴ھ (۱۴۰۱ع) میں بعہد سلطان فیروز شاہ بہمنی تشریف لائے تھے آپ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے۔ بادشاہ فیروز آباد میں تھا (جو گلبرگہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہی اور فیروز شاہ ہی کا آباد کیا ہوا ہی یہ کسی زمانے میں بڑا شہر ہوگا اب ایک معمولی گاؤں کی حیثیت رکھتا ہی البتہ ایک عظیم الشان قلعہ اور ایک عالی شان مسجد موجود ہی۔ قلعے کے اندر کے مکانات ٹوٹ پھوٹ گئے مگر حصار اور مسجد باقی ہی) کہ اُس نے حوالی گلبرگہ میں حضرت کی تشریف آوری کی خبر سنی ؂

چراغے زشمع نبی تافتہ — کہ خورشید و مہ نور از و یافتہ

بادشاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا متلاشی رہتا تھا اس بشارت سے بہت خوش ہوا اور فیروز آباد سے گلبرگہ آیا تمام امراء و ارکان دولت کو آپ کے استقبال کے لئے بھجوایا اور بہت اعزاز و احترام سے شہر گلبرگہ میں لایا اور حضرت کی خانقاہ بہمنی پور میں چلہ باؤلی کے متصل بنا دی جو اب تک موجود ہی لیکن بعد میں ۸۱۰ھ میں بادشاہ نے اپنے بڑے بیٹے حسن خاں کی ولی عہدی کے لئے حضرت سے دعا چاہی آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کی مرضی کے خلاف میں دعا نہیں کر سکتا اِس پر بادشاہ ناراض ہوگیا اور کہلا بھیجا کہ آپ شہر کے باہر چلے جائیے کہ لوگوں کے ازدحام سے

ہم کو تکلیف ہوتی ہے چنانچہ آپ شہر کے باہر چلے گئے اور جس جگہ اب درگاہ شریف ہے وہاں ٹھہر گئے آپ کا عرس شریف ۱۵ سے ۱۷ ذی قعدہ تک ہر سال بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے اور سرکار نظام کی طرف سے ایک رقم معتدبہ منظور ہوتی ہے اور تخمیناً پچاس ہزار آدمی اطراف و اکناف اور دور دراز مقامات کے جمع ہوتے ہیں۔ آپ کی ولادت دہلی میں ۴ رجب ۷۲۰ھ کو ہوئی اور وصال روز دوشنبہ ۱۶ ذی قعدہ ۸۲۵ھ میں ہوا اس حساب سے آپ کا سن شریف ۱۰۵ برس چار ماہ بارہ دن کا ہوتا ہے۔ آپ کی وفات "مخدوم دنیا و دیں" سے نکلتی ہے۔ اس شعر سے عمر ولادت اور وفات کی تینوں تاریخیں نکلتی ہیں ؎

سنش عادل تولد وارث جود وفاتش داں کہ "تاج المرسلیں" بود
۱۰۵ ۷۲۰ھ ۸۲۵ھ

محمد را فرو آری چو در گور زہے روح ذرہے راحت سرائے

آپ کی رحلت فرمانے کے دو سال بعد گنبد کی طیاری احمد شاہ بہمنی نے آغاز کی جو سلطان علاء الدین فرزند سلطان احمد شاہ کے زمانے میں ختم ہوئی (۷) سال میں گنبد کے اندرونی حصے کی استرکاری ہوئی ابراہیم قطب شاہ نے بیرونی استرکاری کرائی۔ سلطان محمود عادل شاہ بیجاپور نے ۱۰۵۵ھ میں قدیم کلس نکال کر آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید محمد اکبر حسینی کے گنبد پر چڑھا کر نیا کلس آپ کے گنبد پر لگایا۔ افضل خاں سپہ سالار بیجاپور نے دروازہ پائیں کی بڑی کمان اور مسجد بیروں اور سرا تعمیر کرائی۔ عالمگیر بادشاہ نے مسجد اندرون درگاہ۔ سماع خانہ حجرے حوض۔ تعمیر کرایا۔ اس حوض کو سید شاہ ید اللہ حسینی نے بند کرا کے موجودہ حوض دس ہزار روپیہ کے صرفہ سے بنوایا۔ درگاہ مبارک کا بہت بڑا عالی شان اور قابل دید گنبد ہے جو محلہ روضۂ بزرگ میں ہے۔ اس احاطہ میں اور بھی گنبد ہیں جن میں بڑا اور بہت دور سے نظر آنے والا گنبد حضرت موصوف کے پوتے شاہ قبول اللہ حسینی قدس سرہٗ کا ہے۔ یہ دونوں گنبد دس بارہ میل کے فاصلے سے نظر آتے ہیں۔ روضۂ بزرگ حضرت خواجہ بندہ نواز کی طلائی جالی کی پیشانی پر یہ اشعار کندہ ہیں ؎

نقرۂ ایں باب و جالی بطغرائے طلا شد بنا از شہ ید اللہ حسینی با نیاز

فیض ہم تاریخ باب آں ولی اللہ نوشت | باب جنت ہست باب درگہ بندہ نواز
۱۲۸۲ھ

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسو دراز | بادشاہ دیں و دنیا تا ابد بندہ نواز

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْقَلِبُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰی دَارِ الْبَقَاءِ وَمِنْ جَوَارِ الشَّیْطَانِ اِلٰی جَوَارِ الرَّحْمٰنِ وَمِنْ جَوَارِ الْغُرُوْرِ اِلٰی دَارِ السُّرُوْرِ ۔

چاندی کے کٹگھر پر کندہ ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۔

درگاہ شریف کے دروازے پر: ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ فاطمہ حسن حسین

چوکھٹ پر نیچے جانب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَهِیْدًا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ۔

حضرت بندہ نواز کا سب سے بڑا گنبد ہے حضرت کے داہنے جانب آپ کے فرزند خورد سید شاہ اصغر محمد محمد الحسینی عرف شاہ لہر کی قبر ہے ۔ جنھوں نے ۲۱ محرم ۸۲۸ھ میں انتقال کیا ۔ اور بائیں جانب حضرت شاہ صفی اللہ محمد محمد الحسینی کی ہے جو فرزند کلاں سید محمد اکبر حسینی کی ہے یعنی آپ کے پوتے کی ۔

حضرت کے گنبد کے محاذی ایک گنبد میں آپ کے بڑے صاحب زادے سید شاہ محمد اکبر حسینی اور اُن کی بیوی مدفون ہیں ۔ اسی کے پاس ایک جوڑ گنبد ہے جس میں قبر سید شاہ حسین محمد محمد الحسینی بستان عالم کی ہے یہ بھی آپ کے پوتے فرزند کلاں کی اولاد سے ہیں ۔ دوسرے گنبد میں آپ کے دوسرے پوتے سید شاہ اصغر محمد محمد الحسینی کی قبر ہے جو سید شاہ عسکر اللہ حسینی کے فرزند ہیں ۔ مسجد کے متصل ایک گنبد سید شاہ طفیل اللہ حسینی کا ہے جو آپ کے عزیز ہیں ۔ چھوٹی درگاہ کا گنبد حضرت شاہ قبول اللہ حسینی کا ہے جو آپ کے پوتے سید اصغر حسینی کے فرزند ہیں ۔ دوسرا نام آپ کا شاہ ید اللہ حسینی بھی ہے ۔

اس درگاہ کے چاندی کے کٹگھر پر نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ دبہ غریب نواز ۱۲۸۴ھ کندہ ہے ۔

نیچے اس کے ؎

عجب بارگاہِ مشین مطہر	بلا ریب این قصر جنت مقرر
کہ تاریخ گفت شاہ راجو حسینی	دوازدہ درے است نور منور
	سنہ ۱۲۸۴ھ

دروازہ پر یہ خط نسخ کندہ ہے :- ؎

مولود شاہ یداللہ الحسینی	سوم مصرعہ تاریخ دانی
شاہ یداللہ طبل بر فلک زد	مورخ وفات ای شہنشاہ یقینی
	سنہ ۸۵۲ھ

حضرت شاہ رکن الدین تولہ سنہ ۸۳۰ھ

آپ بڑے صاحب جلال وکمال تھے۔ آپ کے گلبرگہ آنے کا صحیح زمانہ معلوم نہیں ہوتا۔ آپ کا مزار ایک پھاڑی پر گلبرگہ سے بجانب مغرب ہے۔ آپ گلبرگہ سے چار میل دور پہاڑوں میں رہا کرتے تھے حضرت بندہ نواز نے گلبرگہ میں داخل ہونے سے پہلے آپ سے ملاقات کی اُس وقت لوگوں نے جانا کہ یہاں ان پہاڑوں میں بھی کوئی بزرگ رہتے ہیں۔ حضرت بندہ نواز جب آپ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ مدتوں سے چار زانو بیٹھے ہوئے تھے اور یاد آلٰہی میں ایسے سرشار تھے کہ آپ کی ٹانگیں جڑ گئی تھیں۔ حضرت بندہ نواز کو دیکھ کر بمصداق ولی را ولی می شناسد آپ سروقد کھڑے ہو گئے آپ کی ٹانگوں کا پوست پھٹ کر خوں بہنے لگا۔ آپ نے فرمایا "سالک کو مجذوب سے کیا کام۔ جب سالک مجذوب کے پاس آتا ہے تو سوائے ایذا رسانی کے کوئی کام یاد آلٰہی کا تو ہوتا نہیں" حضرت بندہ نواز نے دو جیتل[۱] آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے فرمایا "تولا" یعنی دے اسی وجہ سے آپ کا لقب تولا ہوا جو رفتہ رفتہ تولہ مشہور ہو گیا۔ حضرت بندہ نواز فرماتے تھے کہ جہاں تک میرا گنبد نظر پڑے گا۔ وہاں تک دوسرا ولی نہ ہوگا یہ کیفیت آپ نے بھی سنی فرمایا کہ سچ کہتا ہے لیکن جہاں میں ہوں وہاں سے آپ کا گنبد نظر نہ آئے گا چنانچہ ایسا ہی ہے حضرت

---

[۱] ڈبل پیسے کا نام ہے جو وزن میں سوا دو تولے ہوتا تھا۔ چاندی اور سونے کا بھی جیتل ہوتا تھا جو دو ماشہ کا ہوتا تھا۔ ۱۲۔

بندہ نواز کا گنبد دس دس بارہ میل سے نظر آتا ہے مگر عجب کمال ہے کہ آپ کے مزار سے نہیں دکھلائی دیتا
آپ فیروز شاہ بہمنی کے زمانے میں موجود تھے آپ کا وصال ۱۴ شعبان سنہ ۸۳۰ھ میں ہوا۔

شاہ بہاء الدین لنگوٹ بند آپ بہت بڑے مجذوب تھے۔ آپ کے پاس صرف ایک مٹی کی ہنڈیا رہتی تھی اسی میں آپ کچھ مانگ لایا کرتے تھے اور جو کچھ ملتا اپنی ٹانگوں کا چولھا بنا کر پکا لیتے۔ ایک روز حضرت بندہ نواز نماز جمعہ کے لئے شاہ بازار کی مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے۔ شاہ صاحب کی حالت دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ کیا ہو رہا ہے آپ نے کہا کہ ہم اپنی حالت میں مگن ہیں۔ مجھے مت چھیڑو اپنا راستہ لو۔ آپ کا گنبد کوتوال تالاب کے قریب پانچ گنبد پچیس کلس کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مولینا حافظ حضرت شیخ ضیاء الدین قتال شہید کے چبوترے کے نیچے جانب مغرب بالکل ملا ہوا چار نہایت ہی خوش نما سنگین ستونوں پر ایک حجرہ بنا ہوا ہے کہتے ہیں کہ پہلے اس پر گنبد تھا جو گر گیا اب یہ حجرہ بھی مخدوش حالت میں ہے۔ اس میں بجانب جنوب صرف ایک دروازہ ہے۔ حجرے میں ایک قبر ہے جس کے بارہ پتھروں پر آیات قرآنی جلی قلم سے بخط ثلث منبت ہیں اور یہی آڑے ٹیڑھے پتھر اس مزار کا وجود ہے۔ آپ بڑے بزرگ تھے۔ یہ سات بھائی تھے سب دکن میں آئے۔ چار بھائی گلبرگہ میں رہے ایک بھائی حضرت حافظ معز الدین نے اودگیر ضلع بیدر میں رحلت فرمائی دوسرے بھائی مولانا موج نے کوہیر میں وفات پائی جو اسی ضلع میں ہے۔ تیسرے بھائی کسی طرف نکل گئے۔ چوتھے صاحب خود حضرت ہی ہیں۔ گنبد بہت مستحکم ہے جس میں چار منار بیٹھے ہیں۔ اکثر لوگ کند ذہن بچوں کو لے جا کر آیاتِ کلام آلہی کو جو کندہ ہیں کشادگی ذہن کے واسطے گھی شکر لگا کر چٹواتے ہیں۔ اس کے احاطہ میں ایک باؤلی بھی ہے جسے اکھڑ باؤلی کہتے ہیں۔

مولینا قدر آپ مولینا رحمۃ اللہ کے بھائی ہیں۔ حضرت علاء الدین الندی معروف بہ لاڈلے صاحب مشایخ انصاری کے آپ اُستاد تھے۔ گنبد آپ کا گلبرگہ سے دو میل کے فاصلے پر بہ جانب شمال موضع سلطان پور کے دروازے کے باہر واقع ہے۔ عرس شریف آپ کا جمادی الاخری کے اخیر جمعہ کو ہوتا ہے۔

مولینا اختیار الدین آپ بھی مولینا حافظ رحمتہ اللہ کے بھائی ہیں۔ آپ ولی کامل تھے محلہ شاہ بازار میں چوکھنڈی کے پیچھے قصابوں کے متصل آپ کا مزار ہے۔ ماہ جمادی الثانی میں عرس ہوتا ہے۔ خدام کے رہنے کا بلند و مستحکم مکان غالباً حضرت ہی کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔

مولینا کمال گریاں آپ چشتیہ خانوادے کے ہیں ہمیشہ گریہ وزاری کرتے رہتے ہیں اسی سبب سے "گریاں" کا لقب پڑ گیا۔ آپ کی چوکھنڈی سلطان پور کے متصل ہے۔ احاطہ اور درگاہ ترمیم طلب ہے۔

بی بی خونزہ سلطانہ گلبرگہ سے دو میل شمال کی طرف حیدرآباد کی سڑک پر آپ کی خوش نما چوکھنڈی سایہ دار درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بنی ہوئی ہے۔ آپ سلطان محمود بہمنی کی صاحب زادی تھیں۔ آپ کو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بیعت تھی۔ امیری میں فقیری آپ کا ظرف تھا۔ بڑی عابدہ صالحہ اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔ چند سال کا عرصہ ہوا ایک گھوڑے سوار آپ کی زیارت کو گیا۔ گھوڑا درخت سے باندھ اندر گیا۔ بجلی اور کڑک اور بارش شدت سے ہونے لگی گھوڑا توڑا کر نکل گیا۔ خادم نے سوار صاحب کو خبر دی۔ آدمی خوش عقیدہ تھے کہا کہ خیر جانے دو۔ میں تو سوار آیا تھا اگر بی بی صاحبہ پیدل بھیجیں گی تو خیر کیا مضائقہ ہے چلا جاؤں گا۔ جب بارش تھمی سوار صاحب باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے کوئی راستہ چلنے والا خود بخود گھوڑے کو پکڑ لایا ہے۔ آپ کے شوہر کا نام حضرت شمس العشاق عرف میراں حسینی تھا۔ آپ دکن کے مشہور مشایخین میں سے تھے۔ موضع سدلگہ تعلقہ ہوکری میں آپ کا ایک عالی شان گنبد بنا ہوا ہے۔ آپ کے بطن سے ایک مرد صالح صاحب کشف و کرامت حضرت شمس الدین عرف خواجہ شمنا میراں پیدا ہوئے جو حضرت زین الحق والدین شیرازی کے خلیفہ تھے۔ آپ نے بہت سے کفار سے جنگیں کی ہیں۔ آپ کا وصال روز پنجشنبہ ۲۱ رجب ۹۲ھ میں ہوا اور مرتضی آباد مرج میں آپ کا ایک عالی شان گنبد بنا ہوا ہے۔

حضرت پیر پنگڑی صاحب آپ کا نام معلوم نہیں آپ سدا سہاگ فقیر تھے۔ آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ایک برس گلبرگہ میں پانی نہ برسا لوگ پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں عرض حال کے لئے گئے۔ آپ کی دعا سے موسلا دھار پانی برسا۔ آپ کا مزار تھب بازار

میں قلعہ کی سڑک پر واقع ہے۔

چمن شاہ صاحب آپ کا نام سید شاہ صدرالدین تھا۔ ایک دن حضرت بندہ نواز بزرگان دین کی زیارتیں کرتے ہوئے جارہے تھے اثنائے راہ میں آپ نے چمنؒ شاہ کو دیکھا کہ آپ بالکل برہنہ بیٹھے ہوئے ہیں صرف ایک لنگوٹ لگا ہوا ہے۔ دو حسین اور نوجوان لڑکیاں آپ کے ہاتھ پیر دبا رہی ہیں۔ حضرت بندہ نواز کے دل میں خطرہ گزرا۔ چمن شاہ فوراً تاڑ گئے اور سامنے جو انگیٹھی رکھی ہوئی تھی جس میں آگ دہک رہی تھی آپ نے ایک کٹورا اُس پر رکھ دیا اور مسکہ کا گولا ڈال دیا اور ویسے ہی حضرت بندہ نواز کے پاس بھیج دیا۔ اور اپنا سلام کہلا بھیجا۔ حضرت بندہ نواز نے دیکھا تو مسکہ بالکل پگھلا نہ تھا جس سے ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے دل بھی اسی طرح ہیں کہ اُن کی نیت ڈانوا ڈول نہیں ہوتی۔ آپ کا مزار حضرت گنج ریحاں کے مزار سے کوئی چالیس قدم فاصلے پر ڈنکے کے درخت کے پاس ہے۔

گلبرگہ شریف میں اور بہت سے اولیائے کرام ہیں لیکن اُن کے حالات مل نہ سکے لہٰذا اسی پر اکتفا کیا گیا۔

بائیسواں ضمیمہ

گولکنڈہ
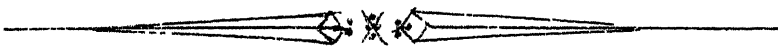
زمانۂ سلف میں گولکنڈہ ایک چھوٹا سا قلعہ تابع راجگان ہنود تھا۔ مگر بعد میں راجگان ورنگل کا اس پر تسلط ہو گیا پھر ۱۳۶۴ء سے ۱۵۱۲ء تک سلاطین بہمنیہ گلبرگہ کی حکومت رہی آخر میں یہ حکومت سلاطین قطب شاہیہ کے ہاتھ آئی۔ ۱۳۶۴ء کے بیشتر کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ مگر قلعہ کے آثار خبر دیتے ہیں کہ باعتبار قدامت گولکنڈہ قلعہ ورنگل سے کم نہیں ہے۔ بعض مستند اہل الرائے کا تو دعویٰ ہے کہ اس کی عمر دو ہزار سال سے بھی زائد ہے۔ خاندان بہمنیہ کے نشوونما کا سال عموماً ۱۳۴۷ء بتلایا جاتا ہے۔ جن کا دور حکومت (۱۷۸) سال یعنی ۱۵۲۵ء تک رہا۔ گلبرگہ اور بیدر بہمنیوں کی دارالسلطنت رہے ہیں جو اب بھی سرکار نظام کے مشہور مقامات ہیں۔ شاہانِ دہلی سے جدال و قتال کے زمانہ میں ان اقطاع کے فرماں روا جنوبی ہند کی مشہور ہندو سلطنت بیجانگر اور ورنگل سے مدد حاصل کرتے تھے ۱۴۳۷ء میں بعہد سلطان علاءالدین ثانی خاندان بہمنیہ معراج کمال پر پہونچا۔ ۱۵۲۷ء میں سلطنت بہمنیہ ٹوٹ کر دکن میں پانچ خودمختار سلطنتیں قایم ہو گئیں جن کے منجملہ قطب شاہی سلطنت بھی ہے جو ۱۶۸۸ء تک گولکنڈہ میں قایم رہی۔

سلطان قلی قطب شاہ
۹۰۶ - ۹۵۰ھ
۱۵۰۰ - ۱۵۴۳ء

سلطنتہ قطب شاہیہ کی بنا ۱۵۱۲ء میں محض بخت و اتفاق سے ایک نجیب الخاندان شخص نے ڈالی جس کا نام سلطان قلی ہے۔ یہ مرد سعد آباد علاقۂ ہمدان ملک ایران میں پیدا ہوا تھا بیس سال کی عمر میں دشمنوں کے خوف سے اپنے چچا امیر اللہ قلی بیگ کے ساتھ عراقی گھوڑے لے کر بہ غرض تجارت بیدر آیا۔ اس وقت سلطان محمود شاہ بہمنی بادشاہ تھا۔ ارکان دولت کی

لہ - بریدشاہی بیدر۔ عادل شاہی بیجاپور۔ عماد شاہی۔ برار۔ نظام شاہی احمدنگر۔ قطب شاہی۔ گولکنڈہ - ۱۲

وساطت سے دربار سلطانی میں باریاب ہوا۔ چند ہی دنوں میں بڑی عزت حاصل کی اور بالآخر وصول پیش کش قلعۂ گولکنڈہ کا کام اس کے تفویض ہوا۔ اس نے سنہ ۸۹۰ھ ۱۴۸۴ع میں ایک لشکر جرار کے ساتھ قلعۂ گولکنڈہ پر (جو ایک کچی گڑھی تھی) قبضہ کرکے تمامی مضافات قلعۂ مذکور کو تسخیر کرلیا اور سلطنت بیدر میں شامل کرکے یہاں کا خاطر خواہ انتظام رکھا جس کے صلہ میں قطب الملک کا خطاب دربار بہمنیہ سے پایا اور (۱۶) سال تک اطاعت و جان نثاری کا دم بھرتا رہا۔ جب کہ بادشاہ مرگیا اور اس کے صوبہ داران بیجاپور و احمدنگر اور برار سلطنت بیدر سے منحرف ہوکر خودمختار بن گئے اور ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ سلطنت قایم کرلی تو اس وقت سنہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ع میں سلطان قلی بھی گولکنڈہ کا خودمختار بادشاہ بن گیا اور قلعۂ گولکنڈہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ سلطان قلی قطب شاہ نے اپنے جلوس کا پہلا سال اپنی قوت کے استحکام اور دائرہ حکومت کی توسیع میں صرف کیا۔ گولکنڈہ میں کئی عمارتیں بنائیں اور قلعہ کو مضبوط و مستحکم کیا۔ اس کی حکومت کا بڑا زمانہ اطراف کے ہم سایہ راجگان کے ساتھ جنگ و جدال میں صرف ہوا اور تلنگانہ کے راجگان ہنود جن کو اس نے نیم مسخر کیا تھا بار بار بغاوت کرتے تھے جن کی سرکوبی میں بادشاہ اور اس کے عساکر کا بہت سارا وقت صرف ہوتا تھا۔ اپنی مدت سلطنت میں ہندوؤں سے لڑکے ستر قلعے اپنی قلمرو میں شامل کرلئے اور سلطنت کے حدود کو جانب مشرق تا دریائے شور وسعت دی۔ باوجود ان آئے دن کی لڑائیوں کے اُس سے پہلے قطب شاہی بادشاہ کی سی سالہ عہد حکومت ملک کے لئے مبارک و مسعود ثابت ہوئی۔ ستمبر سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ع میں جب کہ بادشاہ جامع گولکنڈہ میں نماز میں سربسجود تھا اپنے محبوس بیٹے جمشید قلی کے اشارہ سے ایک ترکی غلام میر محمود کے ہاتھ سے نوے برس کی عمر میں شہید ہوا۔ فیاض ہند تاریخ وفات ہے۔ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے دکن میں مذہب امامیہ کو شایع کیا اور خطبۂ اثنا عشریہ پڑھوایا۔ زمان سلطنت (۴۳) سال ہے۔

قطب شاہ جہاں چو از تقدیر ۔۔۔ از جہاں جست سوے جنت راہ
گو ابوالفضل سال وصلش نیز ۔۔۔ معدن جود قطب شاہنشاہ
۹۵۰ھ ۔۔۔ ۹۵۰ھ

جمشید قلی قطب شاہ سنہ ۹۵۰ - ۹۵۷ھ ۱۵۴۳ - ۱۵۵۰ع

باپ کے مرنے کے بعد جمشید قلی تخت نشین ہوا

اعیان دولت خوانین و امراء و سپاہ نے طوعًا و کرہًا اس سے بیعت کی - اس بادشاہ کا تمام وقت اطراف و جوانب کے بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ و محاربہ میں صرف ہوا - ملک برید بادشاہ بیدر کو جو ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کے پاس مقید تھا جنگ کرکے قید سے چھوڑایا اور اس کو دوبارہ بیدر کے تخت پر بٹھلایا - چنانچہ اس نوازش و مرحمت کے صلہ میں ملک برید نے قلعہ[۱] میدک و حسن آباد و نارایں کھیڑہ بادشاہ کو پیش کش دیا اور بیش قیمت جواہر شاہان بہمنیہ کے نذر دئے
ان دنوں برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ میں نزاع واقع ہوئی برہان نظام شاہ نے جمشید قلی سے مدد طلب کی وہ فوج لے کر مدد کے لئے روانہ ہوا راہ میں بعض قلعے بھی تسخیر کئے اسی اثناء میں ابراہیم عادل شاہ اور نظام شاہ میں صلح ہوگئی - نظام شاہ بعد صلح بلا اطلاع

---

[۱] میدک حیدرآباد سے (۳۰) کوس اور حیدرآباد گوداوری ویلی ریلوے اسٹیشن مرزاپلی سے پانچ کوس ہے - یہاں ایک قدیم قلعہ نہایت بلند پہاڑ پر بنا ہوا ہے جس پر سے دور دور کا منظر دکھلائی دیتا ہے - یہاں کے دو کتبے میرے پاس ہیں :-

کتبہ بر مسجد قلعہ ۱۰۵۱ھ

درآں وقتیکہ مسجد ساخت مسعود　　زہجرت یک الف پنجاہ و یک بود
کہ نامی سید یعنی عنبر خاں　　کز اسلام تنیش دیں بیفزود
ز بیخ افگند بتخانہ بجایش　　بنا فرمود مسجد را خودش زود
بگفتا آفریں بر جان پاکش　　حدیث جرأت او ہر کہ بشنود
بگفت ایں قلعہ مظہر ہر ہر　　بہ تکلیف عرب خاں مدد محمود

کاتب العبد

ملا ابراہیم

کتبہ بر بالا حصار جانب برج شرقی بر خط طغریٰ -

بناکرد احمد بتاریخ ماہ ربیع الاول در ایام سلطان محمد قلی قطب شاہ ہجرۃ محمد علیہ الصلوۃ والسلام علیہ : بیخ برج مندر تمام شد - حسن آباد اور نارایں کھیڑہ دونوں مقام ضلع بیدر کے متصل اور علاقہ پائیگاہ کے تعلقات کا مستقر ہیں - ۱۲

قطب شاہ کے احمد نگر واپس ہو گیا - ابراہیم عادل شاہ نے اسد خاں لاری کو قطب شاہ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا - اثنائے معرکہ آرائی میں اسد خاں نے قطب شاہ کے چہرہ پر تلوار ماری جس سے ناک اور ایک طرف کا کلہ گوشۂ لب تک کٹ گیا جس کی وجہ سے بقیۃ العمر کھانے پینے کی تکلیف رہی اور اسی زخم نے صورتِ سرطان کی اختیار کی اور ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ع میں سات سال کی مختصر حکومت کے بعد انتقال کیا ۵

شہ جمشید جم دولت شہ دہر　　ز دنیا بر درخت خود بہ جنت

وصال پاک او سیر بہشت است　　دگر قطب الحسن میر ولایت

۹۵۷ھ　　۹۵۷ھ

سبحان قلی قطب شاہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ع

ارکان دولت نے جمشید قلی قطب شاہ کے ہفت سالہ بچہ سبحان قلی کو تخت نشین کیا - مگر جگدیو راؤ نایک واڑی نے معہ دیگر نایک واڑیاں اس کی مخالفت کی اور بھونگیر جا کر وہاں دولت قلی کو جو سلطان قلی قطب شاہ کا چھوٹا بیٹا تھا اور باپ کے حکم سے قلعۂ بھونگیر میں رہا کرتا تھا تخت نشین کر دیا - سبحان قلی کی والدہ نے سیف خاں عین الملک کو جو جمشید قلی سے ناراض ہو کے احمد نگر چلا گیا تھا طلب کر کے دیوان اور کاروبار سلطنت کا مختار بنا لیا - اس نے دیوان ہوتے ہی جگدیو راؤ کو گرفتار کرنے کی تجویز کی دونوں میں لڑائی ہوئی سیف خاں نے جگدیو راؤ کو شکست دی اور دولت قلی کو مکرر قلعۂ بھونگیر میں مقید کیا - سیف خاں عین الملک چاہتا تھا کہ امرائے قدیم کو معزول کر کے اپنے اعیان کو مناصب جلیلہ پر پہنچائے امراء و خوانین اس سے ناراض ہوئے - سبحان قلی قطب شاہ کو قید کیا اور ابراہیم قلی کو جو جمشید قلی کا بھائی تھا اور رای بیجانگر کے یہاں اپنے بھائی کے خوف سے پناہ گزین تھا عرائض متواتر بھیج کر بیجانگر سے طلب کیا - ابراہیم ایک لشکر جرار کے ساتھ متوجہ گولکنڈہ ہوا - بروز دوشنبہ ۱۲ رجب ۹۵۷ھ م ۲۷ جولائی ۱۵۵۰ع کو گولکنڈہ میں ابراہیم قلی کے تاج پوشی کی

ـــــــ

۵ حیدرآباد سے بجواڑہ سکشن نظام سٹیٹ ریلوے پر بہ فاصلہ (۳۴) میل ضلع نلگنڈہ میں ہے - یہاں ایک بہت بڑے پہاڑ پر ایک قلعہ بنا ہوا ہے جس میں سوائے ایک شکستہ بارہ دری کے اور کوئی عمارت باقی نہیں ہے - بارہ دری کا صرف ایک ہال باقی ہے باقی گر گئی ہے دیواروں پر نہایت نفیس نقش و نگار بنے ہوئے ہیں - ۱۲ -

رسم ادا ہوئی اور اس نے اپنے باپ کے سر پر سلطنت کو زیب و زینت بخشا۔

ابراہیم قلی قطب شاہ ۹۵۷ھ - ۹۸۸ھ / ۱۵۵۰ء تا ۱۵۸۱ء یہ بادشاہ قلعہ گلبرگہ کے محاصرہ میں حسین نظام شاہ کا شریک رہا۔ رام راج اور علی عادل شاہ جب احمد نگر پر حملہ آور ہوئے تو حسب درخواست ان کے یہ بھی چند روز ان کے شرکت میں رہ کر گولکنڈہ واپس ہوا۔ ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء میں قلعہ راج مندری[۵] فتح کیا۔ اس کے سوا اور بہت سے قلعے مفتوح ہو کر سلطنت گولکنڈہ میں شریک ہوئے اس نے خان اعظم سید مصطفی خاں کو پیشواے دولت بنایا اور علی عادل شاہ بیجاپور و حسین نظام شاہ احمد نگر و عماد شاہ برار کے اتفاق سے تالیکوٹہ مقام پر جو دریاے کشنا کے قریب واقع ہے رام راج والی بیجانگر سے ۹۷۲ھ / ۱۵۶۴ء میں سخت لڑائی ہوئی۔ رزمگاہ سے بیجانگر تک کہ دس کوس کا فاصلہ ہے تین لاکھ آدمی مع رام راج قتل کئے گئے جو جو قلعہ اور علاقہ جات عادل شاہی و قطب شاہی رام راج کے تصرف میں آ گئے تھے سلاطین کے حیطۂ اقتدار میں آ گئے۔ یہ بادشاہ نہایت دانا مدبّر اور بیدار مغز تھا۔ ولایت دکن جو چوروں اور رہزنوں سے پُر تھی اس کی اس طور سے نگہبانی کی کہ سوداگر اور مال دار لوگ بے قافلہ اور رفیق کے روز و شب آتے جاتے تھے ہمیشہ امور جزوی و کلی سلطنت کی طرف بذات خود متوجہ رہتا تھا اور تمامی ممالک متفرقہ کے دریافت اخبار میں اس قدر سرگرم تھا کہ اگر کوئی شخص راستہ یا مکان میں کوئی بات کہے تو فوراً بادشاہ تک پہنچ جاتی تھی۔ سفر و حضر میں اہل فضل و کمال ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتے۔ اور علماء فضلاء حکماء و شعراء ہمیشہ بادشاہ کے ہم جلیس تھے۔ قلعۂ گولکنڈہ جو اہل ہنود کا خام بنا ہوا تھا اسی بادشاہ نے اس کو پختہ بنوایا۔ موسیٰ ندی کا پرانا پل بھی اسی بادشاہ کے عہد میں طیار ہوا جو شہر حیدرآباد کی آبادی کے چودہ سال

[۵] دریاے گوداوری کے شمالی کنارے پر واقع ہے اور قدیم شہر ہے مگر یہاں کا کوئی خاص تاریخی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ بہت سے بڑے بڑے مکانات پرانے قلعے کی فصیل پر لب دریا بنے ہوئے ہیں دریاے گوداوری (۹۰۰) میل لمبا ہے اور وسط ہند سے گزرتا ہے۔ ضلع ناسک بمبئی پریزیڈنسی میں موضع ترمیک سے نکل کر ملک دکن اور سلطنت سرکار عالی نظام میں گزرتا ہے۔ ریل کے پل میں (۵۶) کمانیں (۱۶۰) فیٹ چوڑی ہیں پونے دو میل پل کی لمبان ہے۔ ہندوستان میں یہ دوم نمبر کا پل ہے اس سے بڑا پل سون کا ہے جو ایسٹ انڈین ریلوے کے اسٹیشن ڈہری پر واقع ہے ۱۲

پیشتر طیار ہوا۔ اس پل کی طیاری کا سبب یہ ہوا کہ شہزادہ محمد قلی مسماۃ بھاگ متی طوائف پر عاشق تھا اور وہ موضع چچلم میں جہاں اب آبادی شہر حیدرآباد ہی رہتی تھی۔ شہزادہ حسب عادت ایک رات قلعۂ گولکنڈہ سے موسی ندی پر آیا اُس وقت ندی طغیانی پر تھی اس کو جذبۂ عشق نے بے چین کر دیا اسی حالت طغیانی میں ندی میں گھوڑا ڈالا اور پار ہو گیا۔ خفیہ نویسوں نے جب اس کی اطلاع بادشاہ کو دی تو بہت متفکر ہوا اور سجدۂ شکر بجالا کے حکم دیا کہ موسم بارش سے پیشتر اس ندی پر پُل طیار کیا جاوے۔ اس پُل کا طول (۲۰۰) گز اور عرض (۱۲) گز اور ارتفاع (۱۴) گز ہی۔ کسی نے پل کی تاریخ (صراط المستقیم ۹۸۹ھ) لکھی اور انعام سے سرفراز ہوا کسی اور نے پل کی تکمیل کی تاریخ ذیل کے شعر میں لکھ کر پیش کی اور پانچسو اشرفی صلہ پایا۔

زنخت او گزر د ما رو ما بر او گذر یم　　　ازیں سبب شدہ تاریخ او گذر گہ ما

۹۸۶ھ

اس بادشاہ کے عہد میں ملک سرسبز و ترقی پذیر رہا۔ رفاہ عام کے بہت سے کام کئے گئے تالاب حسین ساگر جس کا ایک نمونہ ہی۔ سیکڑوں مساجد و مدارس طیار ہوئے اور گولکنڈہ کی پہاڑیوں پر حصار اور مورچے بنائے گئے اسی عہد میں قصبۂ ابراہیم پٹن آباد ہوا اور تالاب ابراہیم پٹن جو مشہور و معروف ہی طیار ہوا۔[ا۵] علم النعل صاحب بھی اسی بادشاہ کے زمانہ میں گولکنڈہ لایا گیا۔ اس علم کی نسبت

[ا۵] ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ کا ایک کتبہ قصبہ پٹن چرو کے گنبد پر میری نظر پڑا وہ ذیل میں درج ہی۔ پٹن چرو حیدرآباد سے دس کوس اور لنگم پلی ریلوے اسٹیشن سے (۵) میل ہی اور مستقر محکمہ صوبہ داری صوبہ گلشن آباد و میدک ہی۔

وما توفیقی الا باللہ العلی القادر

تیاری گنبد ایں گردوں مثال و اساس ایں عمارت عالی مقدار در زمان بادشاہ عالی جاہ سلطنت پناہ خلافت دستگاہ گردوں احتباہ ظل اللہ خادم اہل بیت ہمایوں ابراہیم قطب شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ و عدلہ بتوفیق اللہ تعالی و استمداد روح پر فتوح حضرت سلطان الاولیاء امام العشاق و العرفا قطب الارض والسماء رئیس المحبوبین و سید المعشوقین شاہ محی الدین ابو محمد سید عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی رضی اللہ تعالی عنہ استعانت یافت فقیر حقیر مسمی بہ عبد القادر المخاطب بہ امین خاں قریشی القادری مرید حضرت

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہی صلعم کا خود مبارک جو معرکۂ کربلا میں جناب سید الشہدا حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر مبارک پر تھا اُس کی بینی کا ٹکڑا جو کارزار میں گر پڑا تھا دست بدست بامتداد زمانہ یوسف عادل شاہ بیجاپوری کے ہاتھ لگا بادشاہ اس پر صندل لگا کر عشرۂ محرم میں استادہ کر کے آداب عزاداری ادا کرتا تھا جب سلطنت بیجاپور تباہ ہوگئی تو قلعہ محمد نگر گولکنڈہ کو وہ علم ابراہیم قلی قطب شاہ کے عہد میں لایا گیا۔ بادشاہ اس علم کو قلعہ میں عشرۂ محرم میں استادہ کرتا تھا۔ من بعد اس کے فرزند سلطان محمد قلی کے زمانہ میں شہر حیدرآباد آباد ہوا تو یہ علم قلعہ سے شہر میں لایا گیا۔ حسب دستور قدیم غرۂ محرم کو یہ علم استادہ ہوتا ہے اور شب دہم کو بڑے تزک واحتشام کے ساتھ لعل صاحب کی سواری اُٹھتی ہے لاکھوں چراغ اور ہزاروں مشعلیں سواری کے ساتھ رہتی ہیں۔ خلقت کا اس قدر ازدہام ہوتا ہے کہ پناہ بخدا۔ اِسی بادشاہ کے عہد میں پٹیال اور کھن آنکور میں الماس کی کان برآمد ہوئیں۔ مورخ فرشتہ سلطان ابراہیم کا حال یوں لکھتا ہے۔

"سلطان ابراہیم کے ابتدائے عہد حکومت میں تلنگانہ مصر کی طرح دنیا کی بڑی منڈی بن گیا۔ ترکستان عرب اور ایران سے تجار آتے تھے اور اُن کی اس طرح دل افزائی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴۴۔ قطب الانام شاہ محمد قادری الملتانی خلیفہ حضرت مرشد الانام شیخ ابراہیم مخدوم برخی المشہور شاہ محمد قادری قدس سرہما در تاریخ ۹۷۶ھ تسعمائۃ ست وسبعین من الہجرۃ المصطفویہ افضل الصلوٰۃ والسلام واکمل الحیات بکمال باتمام واختتام رسانید امید واثق ورجاء صادق چنانست کہ حق سبحانہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ واعظم شانہ این گنبد عالی اساس را از حوادث روزگار در حفظ وامان خود نگہ دارد بمنہ وکرمہ وجودہ و کرمہ آمین یارب العالمین بعنایۃ اللہ تعالیٰ ومدد واستعانہ حضرت سلطان الاولیاء رضی اللہ وارجاہم در زمین انعام گنبد مذکور مسجد وجماعت خانہ وچہار دیواری گرداگرد مسجد مذکور بسنگ سنگین بستہ شد واین عمارت مذکور در تاریخ وماہ جمادی الاول ۹۸۴ھ شہور تسعمائۃ واربع ثمانین ہجریہ مصطفویہ علیہ اوضح السلام ذلک کتبہ الحقیر القصیر عبدالقادر المخاطب بہ امین خاں المشہور بہ شیخ میاں بن شیخ بڑے بن شیخ ہمایوں بن قاضی جیون ابن متقی العلماء قاضی محمد افتخار ابن قطب العلماء قاضی بابا قریشی القادری اولادہم واحفادہم واسمہم حفاظ خاں وعبدالعلی وفاضل خاں وعبدالکریم وشیخ ابراہیم فقط ۱۲

ہوتی تھی کہ وہ اس ملک کے کئی چکر لگاتے تھے ممالک غیر کی بہترین نعمتیں ہر روز بادشاہ کے وسیع دسترخوان پر بافراط رکھی جاتی تھیں“

بتاریخ یکم رجب [۵۱] ۹۸۹ھ م ۲ رجب ۱۵۸۱ء اپنی جلوس کے بتیسویں سال (۵۱) برس کی عمر میں سلطان ابراہیم نے سفر آخرت اختیار کیا ۵

چو زدنیا سوے عقبیٰ رخت بست	شاہ ابراہیم شاہ اہل جاہ
سال وصل اوست فیاض زماں	نیز ”زیبا تاج ابراہیم شاہ“
۹۸۹ھ	۹۸۹ھ

کتبہ بر گنبد سلطان ابراہیم قطب شاہ ۹۸۸ھ بخط طغری شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَ الْمَلٰئِکَۃُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ سنہ ۹۸۸

بخط طغری۔ قَدْ اِنْتَقَلَ سَاکِنُ ھٰذِہِ الْحَضِیْرَۃِ الْعَلِیَّۃِ الْعَالِیَۃِ وَ ھُوَ السُّلْطَانُ الْمَغْفُوْرُ الْخَاقَانُ الْمَرْحُوْمُ وَ الْمَبْرُوْرُ الْمَلْسُوْ اَنَارَ اللّٰہُ بُرْھَانَہٗ وَ اَسْکَنَہٗ مَعَ اَوْلِیَائِہٖ جَاءَہٗ جَوَادُ رَحْمَۃِ اللّٰہِ یَوْمَ الْخَمِیْسِ الْحَادِیْ وَ الْعِشْرِیْنَ مِنْ شَھْرِ رَبِیْعِ الثَّانِیْ سَنَۃَ ثَمَانٍ وَ ثَمَانِیْنَ وَ تِسْعَ مَائَۃٍ مِنَ الْھِجْرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ اَحَلَّ رِضْوَانُ الْمَلِکِ الْاِلٰہِ السُّلْطَانُ اِبْرَاھِیْمُ قُطُبْشَاہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وعلی ولی اللہ حقا حقا

کتبہ گنبد سلطان میرزا محمد ابن سلطان ابراہیم قطب شاہ ۱۰۰۶ھ

بخط کوفی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وسورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔

بخط طغری قَدِ اتَّفَقَ ارْتِحَالُ الْمَغْفُوْرِ الْمَبْرُوْرِ ذِی الْمَنَاقِبِ الْعَلِیَّۃِ وَ الْمَفَاخِرِ السُّلْطَانِیَّۃِ میرزا محمد امیر ابن السلطان قطبشاہ ابراہیم انشاء اللہ یُحِلُّ الْمَغْفِرَۃَ وَ الرِّضْوَانَ فِیْ یَوْمِ الْاَحَدِ الْخَامِسِ وَ الْعِشْرِیْنَ مِنْ شَھْرِ شَعْبَانَ الْمُعَظَّمِ سنہ ۱۰۰۶ شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَ الْمَلٰئِکَۃُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

[۵۱] - اس تاریخ اور مہینے اور سنہ میں اُس کتبہ سے تھوڑا سا اختلاف ہے جو بادشاہ کے گنبد پر ہے لیکن جب کہ تحریر

(۱) کتبہ بر مقبرۂ میرزا محمد اکبر فرزند سلطان ابراہیم قلی قطب شاہ

(۲) کتبہ بر قدر بیرون قلعہ گول کنڈہ جانب غرب واقع لون ھاوارٹی اندرون رمنہ

محمد قلی قطب شاہ ۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۱ء)

بادشاہ کا بیٹا عبدالقادر صاحب سیف و قلم تھا بادشاہ کو اُس کی طرف سے خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے معزول کر کے خود بادشاہ نہ بن بیٹھے اس لئے زہر دے کر مروا دیا اور ایک دوسرا لڑکا باپ کی زندگی ہی میں مرگیا اس لئے فرزند سوم ابوالفتح سلطان محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا۔

بادشاہ نے ارکان دولت و اعیان حضرت و علماء و فضلاء شریعت کو انواع عنایات شاہانہ و الطاف خسروانہ سے معزز و ممتاز فرمایا۔ اس کی شفقت و احسان سے جمیع رعایا و برایا مرفہ الحال و فارغ البال رہی۔ اس کے زمانہ میں عدل و انصاف کے قواعد ایسے مشید و مستحکم ہوئے کہ ظلم و ستم کی بنیاد جڑ سے اُکھڑ گئی بادشاہ نے امیر شاہ میر کو جو سر حلقہ امیران دولت تھا مع دیگر امرا و خوانین قلعہ نلدرگ کی تسخیر کے لئے مامور کیا۔ بوقت روانگی ایسے گھوڑے دیئے کہ جن کی زین زر و نقرہ کی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری نے بکمال الحاح مکتوب اتحاد و اسلوب عدم تسخیر قلعہ کے باب میں روانہ کیا۔ تو بادشاہ نے اس قلعہ کا محاصرہ اُٹھا لیا اور دیگر ولایات کے فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ جب سلطان نے دارالسلطنت محمد نگر گولکنڈہ کو اپنی جاہ و منزلت کے موافق نہ پایا اور اُس کے حصار میں امرا و سپاہ کی سکونت کے لئے کافی گنجائش نہ پائی تو اُس میدان میں جدید شہر کی بنا کا حکم دیا جہاں اب حیدرآباد واقع ہے تھوڑے زمانہ میں شہر کے علاوہ عمارات دولت خانہ شاہی و دروازہ عالی و دارالشفا و باغات پاکیزہ و جلوخانہ و نقارخانہ و مکان ہائے کارخانہ جات و قصرہائے اہل خدمات و جامہ خانہ و تنبول خانہ و اسلحہ خانہ و مطبخ و مسجد جامع و عاشور خانۂ عالی سب تعمیر ہو گئے۔ حسب الحکم شاہی چار کمان کی کمان غربی دولت خانہ عالی کا دروازہ اور کمان شرقی نقارخانہ شاہی قرار پائی۔ زربفت کا پردہ در دولت پر ہمیشہ پڑا رہتا تھا اور دوسرے محل مثل چندن محل اور گگن محل وغیرہ جاگیرداران بارگیران سلحداران و امرا و خوانین کے لئے طیار کئے گئے۔ دس ہزار بارگیر و سلحدار جو نشست پر رہتے تھے اُن کے کھانے اور ناشتہ کا انتظام مطبخ شاہی سے ہوتا تھا۔ داد محل داد فرمائی خلائق کے لئے و دارالشفا معالجہ بیماران کے لئے طیار کئے گئے۔ ہر قسم کی دوا و غذا کا انتظام سرکار سے تھا اور موسیٰ ندی پر ندی محل طیار کیا گیا اور آخری چہار شنبہ کے جلسہ کے لئے بنی باغ بنایا گیا اور عمارات

کوہ طور و محمدی محل و حیدری محل و حسنی و حسینی محل و جعفری و حیدر محل جس کو حیدر سنڈوا بھی کہتے تھے یہ سب مع باغوں کے سیر و تماشہ کے لئے بنائے گئے تھے۔ سلطان کو منظور تھا کہ بلدۂ حیدرآباد کی آبادی مشہد مقدس کی طرح کی ہو۔ لہٰذا بجائے روضۂ منورہ جناب امام علی ابن موسیٰ رضی علیہ الصلوٰۃ والسلام چہار مینار کی عمارت جس کا ارتفاع (۶۲) گز ہے اور جس پر مسجد اور حوض آب مصفا ہے تین لاکھ روپیہ کے صرفہ سے بنائی گئی۔ تاریخ بنا ر چہار مینار و بلدۂ حیدرآباد یا حافظ ہے یہ بادشاہ نہایت سخی رحم دل ہمدرد بنی نوع انسان تھا تعمیرات عامہ و خیرات مبرات میں اپنے جیب خاص سے بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا حرمین شریفین و مقامات مقدسہ کے لئے لاکھوں روپیہ کا معمول مقرر تھا۔ عشرۂ محرم میں عزاداری میں لاکھوں روپیہ صرف کرتا تھا۔ علما، فضلا، سادات مسافرین کی خدمت غریبوں کی شادی اور ختنہ کے لئے بھی بڑے بڑے مدات مقرر تھے۔ ایمہ اثنا عشر علیہم السلام کے خرچ لنگر کے لئے ساٹھ ہزار ہن مقرر تھے اور بعد ماہ محرم کے بارہ ہزار ہن غربا و مستحقین میں تقسیم ہوتے تھے اس مد کا نام زر عاشوری تھا جب ہلال ماہ محرم نظر آتا تھا بادشاہ لباس ماتمی پہن لیتا غریبوں کے لئے کسوت سیاہ و سبز سرکار سے تقسیم ہوتے۔ ۱۰۱۱ھ میں بجہت ازدیاد محبت ابو المظفر شاہ عباس صفوی دارائے ایران کی جانب سے اغزلو سلطان ہدایائے لائقہ کے ساتھ وارد حیدرآباد ہوا منجملہ ہدایا تاج مرصع جس پر آبدار جواہر اور موتی جڑے ہوئے تھے اور کمر بند و خنجر مرصع مکلل بہ جواہر نفیسہ و چالیس اسپ عربی نژاد با زین و لگام مرصع و عباسی ہائے زرنگار مرصع اور پانسو تھان مخمل و اطلس فرنگ و زربفت اعلیٰ و بارہ جفت قالین کرمانی وغیرہ تھے۔ چوں کہ اُسی زمانہ میں مغلوں نے دکن پر یورش کی تھی اس لئے سفیر ایران چھ سال گولکنڈہ میں اقامت گزیں رہا۔ بوقت معاودت وہ ایسے تحائف اپنے ساتھ ہندوستان سے گیا جو شایان شان شاہ ایران تھے۔ اس بادشاہ کے دربار کا یہ طریقہ تھا کہ ہر صبح امراء و خوانین جو مجرے کے لئے حاضر ہوتے تھے تمام اسباب سفر مع خیمہ و خرگاہ اپنے ہمراہ لاتے اور جلو خانہ شاہی میں حاضر رہتے جب کسی امیر کے نام کسی سمت میں جانے کے لئے حکم شرف صدور لاتا اُسی وقت اسی مقام سے جہاں وہ کھڑے ہوتے روانہ ہوجاتے۔ تہیۂ سفر و طیاری

(۱) آیۃ الکرسی اندرون گنبد سلطان محمد قلی قطب شاہ ۲۳ فٹ ۸ انچ طول - ۸ فٹ سوا ۸ انچ عرض

(۲) کتبہ در مسجد ہدرا خاں ل کندہ ۱۶ فٹ ۸ انچ طول ۱ فٹ ۵ انچ عرض

سامان کی ہرگز نوبت نہ آتی تھی - بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۰۲۱ھ م ۱۶ دسمبر سنہ ۱۶۱۱ء کو اس شہریار دریا نوال نے اکتیس ۳۱ سال زیبندہ تاج و تخت رہ کر (۴۹) سال کی عمر میں جہانِ فانی سے کوچ کیا۔

محمد رفت چوں از دار فانی — وصال آن شہ دین سال فیاض
ز قطب فضل و فضل عام جستم — دگر بارہ ز عالی جاہ فیاض

سنہ ۱۰۲۱ھ — سنہ ۱۰۲۱ھ

بادشاہ کے گنبد میں یہ کتبے ہیں:-

یہ خط نسخ - آیۃ الکرسی تا آخر رکوع اندرون گنبد -

یہ خط طغریٰ - اعلیٰ حضرت جنت مکانی عرش آشیانی محمد قلی قطب شاہ بن ابراہیم قطب شاہ انار اللہ برہانہما بتاریخ روز شنبہ ہفتہم ماہ ذالی - (ذی) القعدۃ الحرام سنہ ۱۰۲۰ھ عشرین والف ہجری برحمت حق داخل شد - سن شریفین چہل و نہ سال و مدت سلطنتش سی ویکسال رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ کاملتہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ حقاً حقاً

سنہ ۱۰۲۲ھ

سلطان محمد قطب شاہ

سنہ ۱۰۲۱ھ تا سنہ ۱۰۳۵ھ
۱۶۱۱ء تا ۱۶۲۵ء

محمد قلی قطب شاہ لاولد فوت ہوا اس سبب سے اس کا برادر زادہ اور داماد محمد قطب شاہ جانشین ہوا - یہ بادشاہ ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۰۰۱ھ چہارشنبہ کے دن پیدا ہوا - اس بچہ کے تولد ہوتے ہی سلطان محمد قلی نے اس کو اپنے سایہ عاطفت میں لے کر اپنی فرزندی میں لیا اس کو نہایت عمدہ تعلیم دلائی اور جب رشد کو پہنچا تو اپنی لڑکی سے شادی کر دی - جب سلطان محمد قلی کا مزاج منہج اعتدال سے باہر ہوا سیادت و ثقاہت مرتبت میر محمد مومن استرآبادی کو جو پیشوائے دولت و وکیل مطلق تھا اس شہزادہ کی جانشینی کی تاکید کی - اسی مطابق میر موصوف نے سلطان کے دفن سے پہلے سلطان محمد کو تخت پر بٹھایا اور تمام امراء و سپاہ سے بیعت لے کر شاہ مرحوم کی تجہیز و تکفین کی طرف مصروف ہوئے - سلطان محمد نے بعد جلوس ملازمان درگاہ کو باضافہ مشاہرۂ قدیم راضی و خوش دل کیا۔

جب اس کے جلوس کی خبر شاہان اطراف و جوانب کو پونہچی تو ابراہیم عادل شاہ کی طرف سے شاہ سیادت پناہ میر محمد تقی اور مرتضی نظام شاہ کی جانب سے میر ابو الفتح رسم تعزیت و تہنیت ادا کرنے کی غرض سے مکاتیب محبت اسلوب و تحف و ہدایائے لائقہ کے ساتھ پونہچے۔ یہ ایلچی الطاف و عنایات و خلعت فاخرہ و اسپ و فیل و نقود سے سرفراز ہوئے اور جوابات اتحاد آمود حاصل کر کے شاد کام واپس ہوئے۔ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ میں میر محمد امین میر جملہ کو زیارت حرمین شریفین کی اجازت دی اور دس ہزار ہن خرچ راہ کے لئے مرحمت کئے۔ اسی سنہ میں سید کمال الدین مازندرانی کو راجۂ ولایت لبتر کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ سلطان مرحوم کی رحلت کی خبر جب شاہ عباس صفوی شاہ ایران کو پونہچی تو اُس محبت کی بنا پر جو اُس کو خاندان قطب شاہی سے تھی ایالت پناہ حسین بیگ قبچاقی کو جو مقربان بادشاہی سے تھا بجہت تہنیت تحائف بیش بہا کے ساتھ دکن بھیجا۔ اس کی اطلاع جب بادشاہ کو پونہچی تو میر زین العابدین مازندرانی کو فضل و خرد سے متصف تھا بندر دابل کو روانہ کیا اور ہر ہر منزل پر مراسم ضیافت ادا ہوئیں جب سفیر سرحد پر پونہچا تو عمدۃ الخوانین انبیا رقلی خاں کو مع چند مقربین کے استقبال کے لئے روانہ کیا۔ سفیر دار السلطنت کے متصل بمقام کالا چبوترہ بتاریخ ۱۰ رجب سنہ ۱۰۲۰ھ بساط بوسی سے سرفراز ہوا اور مکتوب شاہی کو مع تاج مرصع و کمربند و شمشیر و خنجر مرصع اور پچاس اسپ بادیہ پیمائے معہ زین و لگام مرصع و عنان ہائے زرکش و تین سو تھان زربفت وغیرہ نذرا لوزسے گزرانا اور مع اپنے اسی رفقاء کے الطاف خسروانہ سے بہرہ اندوز ہوا۔ ایک عالی شان محل ان کی اقامت کے لئے منتخب ہوا۔ دو سال چار مہینہ سفر اقامت گزیں رہا۔ بعدہ ایالت پناہ شیخ محمد خاتون کو جو مقربان درگاہ سلطانی سے تھے نہایت بیش قیمت تحف و ہدایا دے کر سفیر ایران کے ساتھ روانہ کیا۔ اور چودہ ہزار ہن خرچ راہ کے لئے سفیر ایران کو دے کر براہ برہان پور جانب ایران روانہ کیا۔ شاہ ایران کا خط جو سلطان دکن کے نام آیا تھا اُس کی نقل درج ذیل ہے۔

نقل مکتوب :- اعلی حضرت سلطنت و معدلت پناہ شوکت و عظمت دستگاہ ابہت و جلالت انتباہ ممہد و میانی الدولتہ و الاقبال مشید ارکان النصفتہ و الاجلال جالس سریر سلطنت و کامگاری شائستہ مسند سروری و جہانداری المخصوص بعنایات الملک الاعلام النظام السلطنتہ

والا یالت والشوکت والعظمتہ والابہت والنصفتہ والاجلال سلطان محمد قطب شاہ را تسلیمات
عطوفت محبت انجام و دعوت ملاطفہ بنیان موجب فرجام ابلاغ و ارسال داشتہ ہمگی توجہ خاطر
مہر گزیں و تعلق ضمیر منیر موجب آئیں ہمایوں ما بانتظام اسباب سلطنت و دستکامی و اعتدال
لوائے نصفت و بلند نامی آں اعلیٰ حضرت باقصیٰ مراتب بکمال و رستی مدارج عز و اجلال
متعلق و مقرونست و مطالب و مآرب دو جہانی بتوفیقات آسمانی مقدر بعد نذا آنہائے رائے
صداقت آرائے می گرداند درحینیکہ خبر ملالت اثر واقعۂ ہائلہ مرحمت پناہ عم غفراں دستگاہ
آں عالیجاہ سلطنت و اقبال پناہ بدیں دیار رسید کہ از نشۂ فانیہ غدار سبب اعتبار جدائی
اختیار نمودہ بہ آرام گاہ بقا پیوستند بمقتضائے عطوفت و اشفاق جبلی و علاقۂ اتحاد و یکدلی
کہ فیما بین مسلوک بود غبار کلفت و ملال بر آئینہ ضمیر منیر محبت تاثیر نشستہ کمال اندوہ و
ملالت دست دادہ و متعاقب آں خبر بہجت اثر قایم مقامی و دارائے آں جالس سریر
سروری و جہانداری بمسامع اجلال رسیدہ زنگ ملال از آئینہ خاطر زدود وجود دنیائے فانی
ناپایدار محل حوادث و مکارہ و بحکم قاطع کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ بقائے نوع انسانی از مقولہ
ممتنعات و راہ عدم بیپایی قرار یافتہ کافہ مخلوقات است نفوس قدسیہ انبیائے عظام و اولیائے
کرام کہ محرمان اسرار غیبی و مقربان درگاہ ایزدی اند بہ مدلول آیۃ کریمہ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً
مَّرْضِیَّۃً از دل و جان ایں اشارت قدسی بشارت را پذیرفتہ و داغ عمر ناپایدار حیات
دوروزہ مستعار نمودہ اند آنست کہ آں بادشاہ عالی جاہ در حدوث ایں قضیۂ ہائلہ برہنمونی
گوہر شب تاب عقل بعروۃ الوثقیٰ صبر و شکیبائی تمسک جستہ بدیں عطیۂ عظمیٰ شاکر و مسرور
باشند بحمد اللہ و المنہ بعون عنایات الٰہی سریر بادشاہی آں خانوادۂ علیہ بوجود شریف آں
سلطنت نشان آرائش یافتہ چراغ آں سلسلہ افروختگی دارد رجائے واثق است کہ
تا عم غفراں پناہ مذکور مستغرق رحمت حی لایموت بودہ باشند بقائے عمر آں سلطنت و شوکت
دستگاہ بودہ از عمر و دولت تمتع و برخورداری یابند چوں حسن اعتقاد ایشاں بخاندان طیبین
و طاہرین بر عالمیاں اظہر من الشمس و مصادقت فیما بین از قدیم الایام سمت ظہور دارد
لازم نمود کہ از مخلصان حریم عزت را بجہت پرسش حال تعزیت و مبارک بادی سلطنت

ودادوہی آن اعلیٰحضرت فرستادہ شود لہذا رفعت پناہ مقرب العلیہ عالیہ حسین بیگ قپچاقی را
کہ از خدمتگاران بساط قرب و منزلت و محل اعتماد شاہانہ است روانہ حضور نمودیم و این
نامۂ دوستی آئین از روے کمال شوق مصحوب او ارسال ساختیم۔ الحمد للہ والمنتہ مجاری
حالات اینجاے بہمین عاطفت ربانی بر حسب دل خواہ احبا بخیر و خوبی گزرانست و درین اوقات
فیمابین نواب ہمایوں ما و اعلیٰحضرت بادشاہ ذی جاہ فرماں رواے ممالک روم بوساطت
مصلحان خیر اندیش مصالح واقع شدہ و ما نیز جہت ترفہ احوال خلایق و عباد اللہ برضا باں دادیم
و از جانبیں معاہدہ و پیماں تاکید یافتہ ایلچیاں معتبر آمد و شد نمودند و از ہیچ طرف امرے کہ
مکروہ خاطر انور بودہ باشد واقع نیست وظیفہ ایں کہ آن سلطنت و معدلت دستگاہ بیشتر کہ
شیوۂ فرخندہ اتحاد و حسن موافقت و وداد مرعی و مسلوک داشتہ پیوستہ ریاض اخلاص را
بزلال مکاتیب صداقت عنواں و صحائف مودت نشاں شاداب گردانند و چوں داعیہ
ضمیر انور ہمایوں آنست کہ ہمیشہ از احوال ایشاں خبردار باشیم و ایلچیاں کہ میفرستیم دیر تر روانہ
می نمایند باعث ایں میشود کہ ازیں طرف نیز دیر روانہ شوند بعد ازیں برخلاف گزشتہ عمل نمودہ
رفعت پناہ مشار الیہ را زود تر روانہ گردانند۔ و بجہت آن مردم ما و ایشاں از راہ خشکی بفراغت
بیک دیگر تردد توانند کرد و پیوستہ از چگونگی حالات یک دیگر خبردار توانم بود جمعے از عساکر منصورہ
رالفتح و تسخیر ولایت کیچ مکرآں مامور فرمودیم و بتوفیقات آسمانی باندک توجہے مفتوح گشتہ
و من بعد تردد باسانی میسر است بعضے از حکایات عم عفراں پناہ آن عالی جاہ زبانی سعادت
و عزت آثار بہ حاجی قنبر گفتہ بودند کہ بعرض اشرف رساند مشار الیہ معروض داشت بعد الیوم
ہر گونہ مطلبے کہ منظور و مرکوز خاطر انور بودہ باشد بے شائبۂ تکلف و غایلہ حجاب از روے
یگانگی اعلام نمایند کہ توجہ بحصول آں موصول گردد چوں غرض تجدید مراسم الفت بود زیادہ اطناب
نرفت ایام سلطنت و اقبال بماناد۔"

روز دوشنبہ بتاریخ ۲۸ شوال ۱۰۲۳ھ بادشاہ کے مشکوے معلی میں فرزند دلبند تولد
ہوا۔ نومولود کا نام سلطان محمد عبداللہ میرزا رکھا گیا اور ۱۰۲۵ھ میں ایک اور شاہزادہ
تولد ہوا۔

سلطان محمد قطب شاہ نے ۱۰۲۶ھ ۱۶۱۷ء میں ارادہ کیا کہ ایک عالی شان مسجد متصل چار مینار تیار کی جائے۔ جب مسجد کا پایہ طیار ہو گیا تو شہر میں منادی کی گئی تھی کہ جس شخص کی نماز عمر بھر قضا نہ ہوئی ہو وہ آ کر اس مسجد کا بنیادی پتھر رکھے مگر تمام شہر میں کوئی شخص ایسا نہ نکلا۔ دو شخصوں نے صرف ایک ایک وقت کی نماز قضا ہونا بیان کیا۔ یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ بارہ سال کی عمر سے اس وقت تک میری نماز تہجد تک کبھی قضا نہیں ہوئی اور پتھر سر پر اٹھا کر پایہ میں رکھ دیا۔ اس بادشاہ کے عہد میں تقریباً بیس ہزار ہن اس مسجد کی تعمیر میں صرف ہوئے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ اور سلطان ابوالحسن تانا شاہ کے عہد میں بھی اس کی تعمیر جاری رہی۔ شہنشاہ عالمگیر نے صحن اور حوض اور اطراف کی دیواریں اور دروازہ طیار کرا کے اور میناروں پر طلائی کلس چڑھا کے مسجد کو مکمل کیا۔ اس مسجد کا نام بیت العتیق رکھا گیا تھا مگر عالمگیر نے ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۷ء میں مکہ مسجد کے نام سے موسوم کیا۔ اس مسجد کی طیاری ۱۱۰۴ھ میں اختتام کو پہنچی۔ چنانچہ یہی سنہ دروازہ کلاں پر کندہ ہے۔ طول اس مسجد کا (۷۰) گز عرض (۴۳) گز اور بلندی کا مع کلس (۴۹) گز ہے یہ مسجد زیر نگرانی مرزا فیض اللہ بیگ و رنگیا چودھری المخاطب بہ ہنرمند خاں طیار ہوئی۔

جب بادشاہ تپ محرقہ سے بیمار ہوا اور حالت بہت سقیم ہو گئی تو اپنے فرزند عبداللہ مرزا کو جس کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی طلب کر کے کہا کہ تم میرے روبرو دو رکعت نماز حاجت پڑھ کے بارگاہ اقدس الٰہی میں میری صحت کے لئے دعا کرو کہ تمہاری دعا درجۂ اجابت کو پہنچے گی۔ شہزادہ نے سجدہ میں جا کر اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے دیر تک بکمال خضوع و خشوع دعا کی اور بعد ختم نماز باپ سے کہا کہ درگاہ احدیت میں نہایت عجز و زاری والحاح سے میں نے آپ کی صحت کے لئے دعا کی انشاءاللہ تعالیٰ صحت عاجلہ نصیب ہو گی۔ بادشاہ نے دیر تک بیٹے کی صورت دیکھی اور فرمایا کہ ای فرزند تو نے درگاہ ایزدی میں اپنی سلطنت کے قیام و استحکام کے لئے دعا کی اور وہ مقرون بہ اجابت ہوئی۔ خوب ہوا۔ یہ ایک ضروری بات تھی ہم کو بھی اس سے دل جمعی ہوئی۔ چند ہی روز میں ۱۰۳۵ھ میں بیالیس سال کی عمر میں بادشاہ کا انتقال ہوا۔ اس بادشاہ نے بیس سال سلطنت کی۔

کتبہ بخط طغریٰ وفات اعلیٰ حضرت جنت مکانی سلطان محمد قطب شاہ ابن مرزا محمد قطب شاہ ابن ابراہیم قطب شاہ فی تاریخ یوم الاربعاء سیزدھم ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۳۵ھ ولادت باسعادتش بہ ماہ رجب سنہ ۱۰۰۱ھ جلوس ہمایونش فی ہفتدھم ماہ ذی القعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ مدت سلطنتش چہاردہ سال وشش ماہ عمر عزیزش سی وچہار سال ودو ماہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ
۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ
۱۶۲۵ء تا ۱۶۷۲ء

سلطان محمد قطب شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سلطان عبداللہ قطب شاہ جس کی عمر بارہ سال کی تھی تخت نشین ہوا۔ اس بادشاہ کو تعمیر عمارات کا بہت شوق تھا۔ گوشہ محل کی عمارت اسی بادشاہ کے زمانہ میں طیار ہوئی۔ اس عمارت کی عظمت اس کے حوض سے ظاہر ہے۔ جب حوض اس قدر بڑا ہے تو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اصل عمارت کس قدر بڑی اور وسیع ہوگی۔ صاحب تاریخ گلزار آصفیہ تحریر کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے کہ اس عمارت کو بچشم خود دیکھا اور اس کی سیر کی ہے ازاں جملہ میاں محمد امان اور حیات خاں ہیں جن کی عمر علی الترتیب سو اور نوے برس تھی ان دونوں کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ عمارت اس قدر مرتفع تھی کہ جوان زبردست قوی بازو بلند قامت اگر اپنی پوری قوت سے لیموں اوپر پھینکے تو عمارت کی سقف تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔ اس محل میں ایک ہزار حجرے تھے۔ تماشائی اندر داخل ہوں تو باہر نکلنا محال تھا۔ لوگ راستہ بھول جاتے تھے راہ نمائی کے لئے چند لوگ مقرر تھے۔ جن کی گزران اسی پر تھی۔ اب یہ عمارت منہدم ہوگئی ہے مگر حوض موجود ہے۔ تخت نشینی کے دو سال بعد جب کہ شاہ جہاں بادشاہ دہلی برہان پور آیا تو اس کا ایلچی عبداللہ قطب شاہ کے پاس آیا اور یہاں سے بہت سے تحائف بھیج کر بادشاہ سے اتحاد پیدا کیا۔ انھیں ایام میں خیرات خاں کی معرفت بادشاہ کے پاس بھی تحائف و مکتوب بھیجے گئے۔ خیرات خاں نہایت کامیابی کے ساتھ واپس ہوا۔ ۱۰۴۳ھ ۱۶۳۳ء میں سخت قحط پڑا۔ سلطان نے کافی انتظام غربا کی پرورش کا فرمایا ۱۰۴۲ھ ۱۶۳۲ء میں اپنی ہمشیرہ کو سلطان محمد عادل شاہ کے عقد میں دیا۔ یہ بادشاہ عادل سخی شجیع و قدر شناس تھا۔ اہل ہنر کی بڑی قدر کرتا تھا۔ میر سعید میر جملہ نے جو منجملہ امرائے شاہی کے تھا بادشاہ

سے منحرف ہو کر شاہ جہاں بادشاہ دہلی کی ملازمت اختیار کی اس کی ترغیب سے سلطان محمد فرزند اکبر عالمگیر بادشاہ نے ۱۰۶۶ھ ۱۶۵۵ء میں حیدرآباد پر فوج کشی کی اور غالب آیا مگر عبداللہ قطب شاہ نے سنوات ماضیہ کا پیشکش اور اپنی لڑکی دس لاکھ روپیہ کے جہیز سمیت حبالۂ نکاح میں شہزادہ کے دے کر صلح کر لی۔ ۱۰۶۷ھ ۱۶۵۶ء میں میر جملہ کو اس کے صلہ میں شہریار ہندوستان نے معظم خاں کا خطاب دیا اور بعد چند روز کے خطاب خانخاناں عطا ہوا۔ میر جملہ کا تالاب مشرق میں انھیں کا بنوایا ہوا ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کی والدہ حضرت حیات بخشی بیگم صاحبہ کی منت پر لنگر کی رسم حیدرآباد میں جاری ہوئی۔ اس بادشاہ کا کوئی فرزند نہ تھا صرف تین بیٹیاں تھیں لہذا ایک داماد تانا شاہ جو سلطان کی ماں کی طرف سے قرابت رکھتا تھا بعد رحلت سلطان عبداللہ کے جو ۳ محرم ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء میں واقع ہوئی تخت نشین ہوا

لنگر نقل ہے کہ ۱۰۵۴ھ ۱۶۴۴ء میں عبداللہ قطب شاہ (۲۷) ذی حجہ کو من مورت نام ہاتھی پر سوار تھا کہ دفعتہً وہ ہاتھی مست ہو گیا اور جنگل کی راہ لی۔ یہہ حال سن کر حیات بخشی بیگم صاحبہ سخت پریشان ہوئیں انھوں نے جناب باری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا واسطہ دے کر منت کی کہ اگر لڑکا صحیح وسالم آجاوے تو ایک لنگر (زنجیر) سونے کا ہاتھی کے لنگر کے ہم وزن بنوا کر حسینی علم پر چڑھاؤں گی اور وہ فقرا کو تقسیم کر دوں گی۔ اتفاقاً ہاتھی گرفتار ہوا اور سلخ ذی حجہ میں عبداللہ قطب شاہ خیر و خوبی سے داخل محل ہوا۔ بیگم صاحبہ نے راتوں رات سونے کا لنگر تیار کرا کر شہزادہ کی کمر سے باندہ کر بجلوس تمام حسینی علم کو روانہ کیا۔ پس اسی سال سے شہر میں لنگر کی رسم جاری ہے۔

حسینی علم ایک شخص آغا علی نامی کو ایک تلوار جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب تھی مدینۂ منورہ میں ہاتھ آئی۔ اُس نے ایک آہنی علم بنوا کر سیف مذکور کو قبضہ سے الگ کر کے علم کے بیچ میں نصب کیا اور زمانۂ قطب شاہیوں میں وارد حیدرآباد ہوا۔ بادشاہ وقت استقبال کر کے بڑی تعظیم و تکریم سے اس علم کو لایا اور اب جس مکان میں موجود ہے اُس میں رکھا اور اس کو علی الدوام عشرۂ شریف میں وہیں استادہ کرنے کا حکم دیا۔ اس بادشاہ کے عہد تک دکن میں خطبۂ اثنا عشریہ شاہانِ صفویہ ایران کے نام سے پڑھواتے تھے

جب سلطان عبداللہ اور شاہجہاں بادشاہ ہندوستان کے فیمابین صلح ہوئی تو خطبہ بطریق مذہب اہل سنت والجماعت بنام صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی جاری ہوا۔ اس بادشاہ نے سنہ ۱۰۷۶ء میں انتقال کیا۔

کتبہ بخط طغریٰ تاریخ وفات بادشاہ جنت درگاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ بن سلطان محمد قطب شاہ یوم الاحد سیم ماہ محرم سنہ ۱۰۸۳ھ و ولادت سعادتش لبست وہشتم شہر شوال سنہ ۱۰۲۳ھ جلوس ھمایونش یوم الاربعاء چہار دھم ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۳۶ھ مدت سلطنتش چھل وہشت سال سن شریفش شصت سال۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ حقاً حقاً

کتبہ موسیٰ برج سنہ ۱۰۵۰ھ در زمان دولت بادشاہ والاجاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ بندۂ دولت خیرات خاں بناے ایں ملگیہا دوچاہ آب و باغ نمود فی شہر رجب سنہ ۱۰۵۰ھ۔

بخط نستعلیق بربالا حصار سنہ ۱۰۵۲ھ در عہد دولت بادشاہ جمجاہ ملائک سپاہ سید عبداللہ قطب شاہ لسعی بندۂ درگاہ خیرات خاں ایں انبار خانہ با تمام رسید بتاریخ شہر رجب المرجب سنہ ۱۰۵۳ھ۔

کتبہ مسجد سیر اخانہ بخط نسخ سنہ ۱۰۷۸ھ ایک ہی سطر میں نہایت خوش خط اور واضح لکھا ہے جس کا طول پندرہ فیٹ آٹھ انچ اور عرض ایک فٹ پانچ انچ ہے۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى أُولٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ كتبہ محمد تقی الدین بن صالح البحرانی سنہ ۱۰۷۸ھ

کتبہ لوح نیکنام خاں وزیر سلطان ابراہیم قطب شاہ سنہ ۱۰۸۳ھ فرمان جہاں پناہ عنایت عنوان بحکم آفتاب شعاع مرحمت بنیان از دیوان ھیموں (ھمایوں) خلافت

مشحون چناں مشرف صدور یافت کہ بہ مقدماں وکلکرنیاں ورعایاے موضع منگلوارم من اعمال سمط (سمت) خیول عرف حسن آباد بالطاف شاہانہ امیدوار بودہ بدانند کہ ازراہ عنایات خسروانہ شامل حال کافۂ قدویانست از ابتداے شہور سنۂ اربع وسبعین والف حاصل موضع مذکوررا وقف لنگر وروشنای وحفاظ وخادمان مزار مغفرت پناہ جنت مکان نیکنام خاں بمودہ ایم کہ تا زمان ظہور حضرت صاحب الزماں صلوات اللہ علیہ من الملک المنان مقرر وجاری بودہ باشد باید کہ عہدہ داران وکارکنان ودلیسائیان وتہلکرنیاں ومقدمان وکلکرنیان سمط (سمت) فرلوبر موضع مذکوررا جہت اخراجات لنگر وروشنائی وخادمان وحفاظ مزار غفراں پناہ (پناہ) مومی الیہ مقرر ومعین دانستہ بلاعذر جاری دارند ودریں باب تاکید تمام وقدغن مالاکلام شناسند واگر کسی از مضمون فرمان قضا جریان تخلف ورزد بلعنت خدا ونفرین رسول اللہ گرفتار خواہد شد فَمَنْ بَدَّلَہٗ بَعْدَ مَا سَمِعَہٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَہٗ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ تحریر دوازدہم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۰۸۲ھ وفات غفراں پناہ نیکنام خاں دہم ذیحجہ سنہ ۱۰۸۳ھ کتبہ کلب علی بن محمد صادق غفرہ ذنوبہ -

کتبہ بر قبر حیات بخش بیگم عرف ماں صاحبہ والدۂ سلطان عبداللہ (بخط طغرٰی)

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ وعلی ولی اللہ حقاً حقا

علیا حضرت خدیجہ مرتبت مریم مکانی بلقیس زمانی صالحہ عفیفہ رابعہ راکعہ ساجدہ صائمہ خانم -

سلطان ابوالحسن تاناشاہ
سنہ ۱۰۸۳ھ تا سنہ ۱۰۹۸ھ
۱۶۷۲ء تا ۱۶۸۷ء

سلطان ابوالحسن تاناشاہ سید مرتضٰی وزیر، مادنا اور اکنا (جو سید موصوف کے پیشکار تھے) ان تینوں کی مدد سے تخت پر بیٹھا - جب کہ وزیر نے بادشاہ کو مطیع کرکے دباؤ ڈالنا چاہا تو اُسے معزول کرکے مادنا کو قلمدان وزارت دے دیا سنہ ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ء) میں سیواجی مرہٹہ نے حیدرآباد پر حملہ کیا اور اپنے حسب دلخواہ تاناشاہ سے عہدنامہ لکھوالیا - بیجاپور کی فوج نے بھی یہ دیکھ کر حیدرآباد

پر چڑھائی کی مگر بیجاپوریوں کو شکست ہوئی کہتے ہیں کہ تانا شاہ بڑا عیاش تھا - مادنّا سخت متعصب تھا اس نے بادشاہ کو کاروبار سلطنت میں غیر متوجہ پاکر اسلام کو ضعیف کر دیا - شہر کے باہر بت خانے بنائے اور شرفائے اہل اسلام کی علانیہ توہین کرتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس سے بددل تھے اسی وجہ سے ابراہیم بیگ سپہ سالار فوج اس برہمن کا سخت دشمن تھا اور یہی وجہ اس سلطنت کے زوال کی ہوئی - عالمگیر بادشاہ ہندوستان ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ع بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کی تسخیر کے لئے اپنی فوج کے ساتھ ملک دکن کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی فوج جب کہ فتح بیجاپور میں ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۶ع میں مصروف تھی تو اس حالت میں خان جہاں بہادر اور دیگر سرداروں کو حیدرآباد کے متعلقہ قلعوں کو فتح کرنے کے لئے بھیجا - جب تانا شاہ کو خبر ہوئی کہ خان جہاں مالکھیڑ میں پہنچا تو اس نے خلیل خاں عرف ابراہیم بیگ کو لڑنے کے لئے بھیجا ان دونوں میں سخت لڑائیاں ہوئیں جب خان جہاں کی سپاہ لڑتے لڑتے کم ہوگئی تو بادشاہ شہزادہ معظم کو اس کی مدد کے لئے بھیجا - دکنیوں اور مغلوں میں کئی معرکے ہوئے بالآخر لشکر عالمگیری کی فتح رہی - جب زیادہ عرصہ اس لڑائی میں لگ گیا تو عالمگیر نے بیٹے پر شبہ کر کے عتاب فرمایا - شہزادہ نے تانا شاہ کے سپہ سالار کو لکھا کہ توقف جنگ کے سبب میں بادشاہی عتاب میں معتوب ہوں - اس لئے بہتر ہے کہ اب تک جو ملک بادشاہی تصرف میں آگیا ہے اس سے آپ ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جیئے تو عفو تقصیرات کے لئے بادشاہ سے عرض کیا جائے - تانا شاہ اس بات پر راضی ہو گیا تھا مگر امراء نے نہ مانا اور کہا کہ جو ملک ہماری سلطنت میں شامل ہے وہ ہمارے دم شمشیر اور نوک سناں سے وابستہ ہے - آخر شہزادے نے دکھنیوں پر حملہ کیا طرفین سے خوب بہادرانہ مقابلے ہوئے ایسے میں مادنّا دیوان نے موقع پاکر تانا شاہ کو سمجھایا کہ ابراہیم شہزادے سے ملا ہوا ہے اس پر بادشاہ ابراہیم بیگ کے قتل پر آمادہ ہو گیا مگر ابراہیم کو خبر ہوگئی وہ فوراً شہزادہ معظم سے ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۶ع میں جا ملا - تانا شاہ اس خبر کے سنتے ہی اوسان باختہ ہو کر حیدرآباد سے قلعۂ گولکنڈہ میں چلا گیا - اس وقت کی ہل چل نہ پوچھو کہ کیا تھی - ہزاروں اشراف اپنی بیبیوں کا ہاتھ پکڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور بے خانماں ہو کر جدھر منہ اٹھا نکل گئے اور شہزادۂ معظم کا حیدرآباد پر تسلط ہو گیا - پانچ چھ کرور روپیہ لوٹ کا ہاتھ

آیا - تاناشاہ نے اپنے ایلچی شہزادے کے پاس بھیجے اور اپنی عجز و نیاز کا اظہار کیا اور اپنے قصورات کی معافی چاہی اُس وقت شہزادہ نے غارت گروں کا انتظام کر کے کچھ فتنہ و فساد فرو کیا اور تاناشاہ پر رحم کر کے یہ شرائط صلح کی باپ کے پاس منظوری کے لئے پیش کیں کہ "ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ علاوہ نذرانہ معمولی کے تاناشاہ ادا کرے اور مادنّا اور اس کے بھائی اکنّا کو وزارت اور امارت کے عہدوں سے معزول کرے اور قلعہ سیڑم و ملکھیڑ بادشاہ کے نذر گزرانے تو بادشاہ تاناشاہ کے جرموں کو معاف کرے" مادنّا کے اختیارات کم کرنے میں گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ چند اُمرا نے ان دونوں بھائیوں کو قتل کر کے اُن کے سر شہزادہ کے پاس بھیج دئے - یہ صلح تو شہزادہ نے اپنی رحم دلی سے کی تھی مگر بادشاہ عالم گیر کو ناگوار گزرا جب شہزادہ کی عرضی اور مادنّا اور اس کے بھائی کے سر سامنے آئے تو بادشاہ نے بظاہر تو صلح منظور کر لی اور سعادت خاں کو جو خان جہاں کی دیوانی پر مامور تھا نذرانہ کے وصول کرنے کے لئے متعین کر دیا مگر در پردہ شہزادہ اور خان جہاں دونوں معتوب ہوئے بالآخر شرائط صلح کی عدم تکمیل کی وجہ سے عالم گیر نے ۱۰۹۸ھ؁ میں گولکنڈہ پر پھر فوج کشی کی ابوالحسن تاناشاہ نے آٹھ مہینے تک افواج شہنشاہی کا خوب مقابلہ کیا اور قلعہ کی حفاظت کی مگر امراء اور افسران فوج عالم گیر سے جا ملے تھے اس لئے بالآخر عالم گیر کو فتح نصیب ہوئی بیان کیا جاتا ہے کہ اثنائے محاصرہ میں اتنی توپیں سر ہوتی تھیں کہ دھوئیں کی وجہ سے دن اور رات میں تمیز نہیں ہو سکتی تھی - بعض مورخ لکھتے ہیں کہ افواج کے گزرنے کے لئے مٹی سے بھر کر تھیلے جو خندق میں ڈالے گئے تھے ان میں سے پہلے پچاس ہزار تھیلوں کے منہ خود بادشاہ عالم گیر نے دست خاص سے سیئے تھے - بعض بعض مقامات میں سرنگیں بھی اُڑا لی گئیں لیکن ان میں سے کوئی تدبیر بھی چنداں کارگر نہ ہوئی قلعہ محض سازش سے فتح ہوا - عبدالرزاق لاری مع اپنے لڑکوں کے اخیر تک وفادار رہا اور اخیر دم تک دشمن کا مقابلہ کرتا رہا - جب قلعہ میں افواج مغلیہ داخل ہوئیں تو ابوالحسن تاناشاہ محلات سے رخصت ہو کر پالکی میں سوار ہو کر شہزادۂ معظم کے روبرو گیا اور آداب بجا لایا - شہزادہ نے بہ کمال تعظیم اپنے سر تک ہاتھ لے جا کے اسلام لیا - سلطان ابوالحسن نے نزدیک پونچ کے

زمرد کی تسبیح جو ہاتھ میں تھی شہزادہ کو نذر دی اور کہا کہ ع

برگ سبز است تحفۂ درویش

شہزادہ اور سلطان ابوالحسن بالکل قریب ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ نیقچی نے ابوالحسن کی طرف دیکھ کر آواز دی کہ (باادب و بہ تفاوت باشید) شہزادہ نے غصہ سے نسقچی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ یہ سلطان ہیں۔ کچھ مکالمہ کے بعد سلطان ابوالحسن کے داروغہ مطبخ نے اطلاع دی کہ خاصہ طیار ہی بادشاہ شہزادے سے اجازت لے کر رخص ہوا۔ امانت خاں و دیانت خاں امرائے شاہی شاہ کے ساتھ ہو لئے۔ ایک نے بادشاہ سے عرض کی کہ جہاں پناہ یہ پرآشوب وقت ہے آپ کو خاصہ کی طرف کیوں کر رغبت ہوئی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ چودہ برس بفرمان رب میں شہریار رہا۔ اب امر جلیل القدر یہ ہوا ہی کہ یہاں کی حکومت ایک خلیفۂ عادل کے تحویل ہو تو عذر اور ناراضی کا کیا محل ہی۔ غم و الم کرنا داخل سفلگی اور گناہ گاری ہی۔ بعد فراغت طعام گھوڑے پر سوار ہو کے مع شہزادہ معظم بارگاہ شہنشاہی میں داخل ہوا۔ عالمگیر نے بہ کمال تلطف و احترام سلطان ابوالحسن سے ملاقات کی اور اُس کی شجاعت اور بہادری کی داد دی اس طرح ~~۱۰۹۸ھ~~ ۱۶۸۷ء میں دولت قطب شاہیہ خاندان تیموریہ میں ضم ہو گئی۔ اس کے بعد سلطان ابوالحسن دولت آباد بھیج دیا گیا جہاں وہ چودہ برس رہ کر اسہال کبدی سے ۱۱۱۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوا۔

ممالک مفتوحہ مشتمل تھے اکیس سرکار پر جو تین سو چھپن پرگنہ پر منقسم تھے۔ ان کا محاصل ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ روپیہ تھا۔ قلعۂ گولکنڈہ کی فتح کی تاریخ میر عبدالکریم نے (المخاطب بہ ملتفت خاں جو آگے چل کر میر خاں کے نام سے مشہور ہوا) کیا اچھی کہی ہے۔

"فتح قلعۂ گلکنڈہ مبارک باد"

کتبات متفرق برقبور قلعۂ گولکنڈہ بخط طغرائے بے نظیر۔ بر قبر بیرون قلعہ جانب غرب واقع بود ہاداڑی اندرون رمنہ۔ اللہ۔ محمد۔ علی ولی اللہ۔

بخط طغری۔ بنائے فاطمہ سلطان بنت سلطان محمد امین۔

بخط النسخ - انا للہ و انا الیہ راجعون حضرت سیادت پناہی مرحومی مغفوری امیر حسین سید مصطفی خاں بتاریخ یازدہم ماہ شوال بجوار رحمت حق تعالی واصل شدند سنہ -

بخط نسخ - علیا حضرت مریم مکانی خدیجہ مرتبت زہرا لی -

بخط طغریٰ - وانت اکرم منزول قادیہ

بخط طغریٰ - بنور وجہك اعتقنی من النّار - الیك اسلمنی من کان یعضد نی تاقری اجعل بفضلك مغفرۃ منك - انجو الیك خسرھا یا غفاد

بخط طغریٰ - یا قاھر ابا المنا یا کل جباد

بخط نسخ - وَمِنْ اھادی وَاَصْحَابِیْ وَاَنْصَارَ - فِیْ قَعْرِ مُطْلِنَةٍ هُوَ حَسِیبَۃٌ تَسْفَرَاءُ مَنْ ذَا غَرِیْبًا وَحِیْدًا تَحْتَ اَحْجَارَ - اَمْسَیْتُ ضَیْفَكَ نَادِ مَاذَ الْجُوْدِ مَنَاجِرَ

قطعۂ تاریخ بنائے پل رود موسیٰ حیدرآباد نوشتۂ فیض حیدرآبادی -

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

بعہد افضل الدولہ بہادر نظام الملک آصفجاہ دوراں
الٰہی تا بود تاباں سپہ و خور بود خورشید اقبالش درخشاں
نکو دیوان او مختار ملک است کہ نیکی را بود ہر حال خواہاں
بود کرنیل ڈیوڈسن بہادر سفیر نیک دل ذی شوکت و شاں
زحسن رائے مسٹر مارٹ ایں پل بنا شد ہمچو طاق ہفت ایواں

صراط مستقیم رود موسیٰ ز معنی مصرع تاریخ برخواں
۱۲۷۶ھ
بدست چراغ علی کندہ شد

قلعہ گولکنڈہ

گولکنڈہ کا مشہور قلعہ حیدرآباد کے جانب مغرب واقع ہے - اس کے حصار کا دور تین میل سے زاید ہے - فصیل میں اٹھاسی برج ہیں جن پر اب تک قطب شاہی توپیں چڑھی ہوئی ہیں - اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں قلعہ کو فتح کرنے کے وقت اِن توپوں کے کانوں میں کیلیں ٹھونک دی ہیں - برج نصف دائرے کی شکل میں بڑے بڑے پتھروں کے نہایت سنگین بنے ہوئے ہیں ان میں سے بعض پتھر ایک ایک ٹن سے بھی زیادہ وزن کے ہیں - اس قلعہ کے پہلے آٹھ دروازے تھے لیکن اب صرف چار دروازے یعنی مکہ دروازہ - جمال دروازہ - بنجاری دروازہ - فتح دروازہ کھلے ہوئے ہیں - آخر الذکر دروازہ کا نام فتح دروازہ اورنگ زیب نے اپنے فرزند شہزادہ محمد معظم کی فتح کے بعد رکھا کہ شاہزادہ اسی دروازہ سے فوج کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا تھا - اس کے دروازہ کے پٹ ساگوان کے ہیں - اور ان میں نوک دار کیلیں جڑی ہوئی ہیں تاکہ جنگی ہاتھی بھی نہ توڑ سکے - اس دروازہ کی داہنی طرف کئی پرانے پتھر کے گولے پڑے ہوئے ہیں اور اُسی طرح پڑے ہیں جیسے کہ اورنگ زیب کے سپاہی چھوڑ گئے تھے - قلعہ کی بڑی سڑک پر اور دروازہ کے بالکل قریب سیدھی طرف جامع مسجد ہے - یہ مسجد ایک خوب صورت عمارت ہے جس کی چھت کے نیچے پندرہ فیٹ بلند کمانوں کی قطاریں ہیں - فرش تمام سنگ مرمر کا ہے - اور دروازہ پر ایک عربی کتبہ ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ مسجد ۹۷۷ھ ۱۵۸۹ء میں ابراہیم قطب شاہ نے بنوائی ہے قلعہ کا بڑا حصہ کھنڈر ہے اور بالکل جنگل ہو گیا ہے جا بجا گھانس اور جنگلی جھاڑی سے پر ہے جا بجا قدیم زمانہ کی توپیں پڑی ہوئی ہیں اور موقع موقع پر بہت سی مسجدیں ہیں جن میں اکثر بالکل ویران اور بعض اچھی حالت میں ہیں - قلعہ میں داخل ہونے کے بعد بائیں طرف ایک سہ منزلہ پتھر کا

مکان ہے جسے سلاح خانہ کہتے ہیں اس مکان میں کسی زمانہ میں ہتیار رکھے جاتے تھے اور سیدھی طرف اُن چوکیوں کے کھنڈر ہیں جہاں قطب شاہی بادشاہوں کے قلعہ کی فوج رہتی تھی۔ ان سے گزرنے کے بعد قلعہ کی چڑہائی شروع ہوتی ہے اور چوڑی چوڑی سیڑھیاں اوپر سے نیچے تک بنی ہوئی ہیں۔ جن لوگوں کو ان سیڑھیوں پر چڑھنے کی عادت نہیں وہ بالکل تھک جاتے ہیں لیکن ان کے دم لینے کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چبوترے ہیں ان سیڑھیوں پر سے اوپر چڑھنے کے بعد بائیں ہاتھ پر ایک بڑی باؤلی نظر آتی ہے جس سے آگے بڑھ کر ایک لمبا سا پتھر کا چبوترہ ہے جس کی سلوں میں مربع سوراخ ہیں ان سوراخوں میں سے زمین کے نیچے ایک بہت وسیع راستہ نظر آتا ہے جو سیدھا ٹیلے کے وسط کے طرف جاتا ہے جس پر حصار اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں اس چبوترے کے محاذ انبار خانہ کے کھنڈر ہیں۔ اس عمارت کے دروازے کے سامنے ایک پتھر کی چٹان پر فارسی میں لکھا ہوا ہے کہ یہ عمارت عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں ۱۰۵۲ھ ۱۶۴۲ء میں قلعہ کے حاکم نے بنوائی ہے۔ لیکن اس پر جو گنبد ہے وہ غالباً کئی سو برس پیشتر کا ہوگا۔ اندرونی فصیل جو وسط قلعہ کی عمارات کو گھیرے ہوئی ہے نہایت مضبوط ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کی بنی ہوئی ہے حالاں کہ اس کو بن کر کئی سو برس گزر گئے۔ اس کے دروازہ پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو غالباً ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ کی بنی ہوئی ہے لیکن اس پر کوئی کتبہ نہیں اس ٹیلے کی چوٹی پر وہ حصہ ہے جو شاہی سکونت کے لئے مخصوص تھا اس میں داخل ہونے کے پیشتر ایک صحن ملتا ہے اور پھر ایک چھوٹا سا دروازہ۔ غرض اندر جانے کے بعد شاہی محل کے کھنڈر نظر آتے ہیں ان کھنڈروں کی سیدھی طرف اوپر جانے کی سیڑھیاں ہیں جس پر زمین سے کسی قدر بلند بہت سی توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ یہاں کے شاہی عمارتوں کے وسیع صحن مضبوط دیواریں اور بلند کمانوں کے کھنڈر قدیم جاہ و جلال کا پتہ دے رہے ہیں اور ان کے بانیوں کی عظمت و شان کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہاں ایک قدیم چبوترہ ہے جس پر بادشاہ عدل و انصاف کے لئے جلوس فرماتے تھے اُس وقت چبوترہ بہت آراستہ ہوگا۔ لیکن اب تو بالکل ویران پڑا ہے مگر اس ویرانہ کی حالت میں بھی وہ اپنے قدیم شان و شوکت کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہتا۔ شاہی محل کے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہاں چور راستہ ہے جو یہاں سے

پانچ میل کے فاصلہ پر گوشہ محل تک گیا ہوا ہے۔ اس شاہی محل کی مغرب میں ایک پتھر کا زینہ کوٹھے پر جانے کے لئے بنا ہوا ہے اور اس کے جنوب میں دو بڑے بڑے دالان ہیں۔ ان میں سے ایک دالان کی دیوار میں ایک چھوٹا سا زینہ ہے جو قلعہ کی چوٹی پر جاتا ہے اس چوٹی پر ایک پتھر کا اونچا ساتخت ہے جس کی دس سیڑھیاں ہیں اس سے بڑھ کر اس قلعہ میں کوئی اونچی جگہ نہیں۔ قلعہ کے نیچے بہت سی قطب شاہی عمارات کے کھنڈر ہیں قلعہ کے استحکام نے اورنگ زیب کو آٹھ مہینے تک قریب آنے نہیں دیا۔ اور اگر سازش نہ ہوتی تو عالمگیر بھی اس میں داخل ہونے نہ پاتا۔

گولکنڈہ کے مقابر گولکنڈہ کے گزشتہ بادشاہوں کی یہ یادگاریں نہایت دلچسپ و قابل دید ہیں۔ ان کی عظمت۔ اِن کا جاہ و جلال ان کی تعمیرات کی عمدگی اِن کے بانیوں کی قبریں۔ اِن کی مضبوط لوحیں اور کتبے اور ان کی گولکنڈہ کی عظیم الشان قلعہ سے نزدیکی دیکھنے والوں کے دلوں پر جاہے وہ کیسے ہی سخت دل کیوں نہ ہوں اثر کئے بغیر نہیں رہتی اور شایقین آثار قدیمہ کے لئے تو وہ ایک نہایت بے بہا ذخیرہ ہیں۔ یہ مقبرے بایک دیگر قریب ہیں اور بلند چبوتروں پر واقع ہیں۔ اِن کے اطراف جو باغات ہیں ان میں انواع و اقسام کے خودرو درخت اُگے ہوئے ہیں۔ یہ مقبرے شمال و مغرب میں قلعہ کی دیوار کے باہر واقع ہیں۔ بارش کے موسم میں یہ سبزہ زار میدان نہایت دل کش نظر آتا ہے۔ امتداد زمانہ نے قدرتی طور پر ان مقبروں کی صورت میں تبدیلی پیدا کر دی ہے اور علاوہ اس کے سنگ دل لوگوں نے بھی ان کو کچھ کم نقصان نہیں پہنچایا اگر ان کی عمارتیں بے حد مضبوط نہ ہوتیں تو وہ کب کے منہدم ہو گئے ہوتے۔ یہ مقبرے سہ پہر کی دھوپ میں سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا شہر نظر آتا ہے۔ یہ مربع مقبرے ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اور جدا جدا مربع چبوتروں پر واقع ہیں جن کے چاروں طرف کماندار دیواریں اور دیواروں سے لگی ہوئی سیڑھیاں ہیں ان کے سطح چھت کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں مقبرے تمام خاکستری رنگ کے سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں لیکن ان میں کہیں کہیں چونے کی استرکاری بھی ہے اور کہیں کہیں انواع و اقسام کی رنگین لوحیں یہ رنگ اب تک ویسے ہی ہیں جیسے ابتدا میں تھے۔ ان لوحوں پر کلام مجید کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ابتدا میں

ان مقبروں کی ساتھ ایک ایک مسجد بھی تھی جس کے اوقاف کی آمدنی سے خدام اور غربا کی پرورش بھی ہوتی تھی۔ عالمگیر نے جب گولکنڈہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو افسران مغلیہ مقبروں میں ٹھیرے تھے۔ گولہ باری کی وجہ سے مقبروں کی عمارات کو نقصان پونہچا ہی علاوہ بریں بے رحم ہاتھ جتنی عمدہ چیزیں تھیں چن چن کر نکال لے گئے جس کا معاوضہ نہ ہو سکا۔ شمال کے جانب ساتویں بادشاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کا مقبرہ ہی۔ جس میں ایک سیاہ پتھر کی قبر ہی اور اس قبر پر پانچ لوحیں معہ آیات قرآنی کے ہیں۔ جن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ بادشاہ موصوف ۲۶ رشوال ۱۰۲۳ھ کو تولد۔ ۴ ارجمادی الاول ۱۰۳۵ھ کو تخت نشین اور ۴ رمحرم ۱۰۸۳ھ کو فوت ہوا۔ اس کے مربع چبوتروں کے ہر ایک کونے پر ایک ایک مینا رہی اور مینار کے کنگرے نہایت خوش نما تراشے ہوئے ہیں۔ مقبرہ کے شمال و مغرب بائیں میں ایک چھوٹی سی مسجد ہی جو احاطہ کے گرد ہی اس کے دروازے کے قریب راستہ کے بائیں طرف ایک ناتمام مقبرہ ہی جس کا بالائی نصف گنبد گر گیا۔ یہ مقبرہ سلطان ابوالحسن مشہور تانا شاہ نے بنوایا تھا کہ آپ اس میں دفن ہو لیکن ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب کے ہاتھ گرفتار اور دولت آباد میں قید ہو کر ۱۷۰۴ء میں وہیں انتقال کر گیا۔ اس کی قبر دولت آباد کے قریب روضہ میں ہی۔ احاطہ کی دیوار بارہ فیٹ اونچی ہی۔ دیوار کے اندر بائیں طرف ایک گنبد دار مقبرہ ہی کوئی (۶۰) فیٹ بلند اور اس سے آگے بڑھ کے کسی قدر بائیں طرف کو فاطمہ سلطانہ کا مقبرہ ہی۔ جو سلطان محمد امین کی بیٹی تھی۔ اس مقبرہ کی داہنی طرف دوسرا ایک مقبرہ ہی جس پر کندہ ہی کہ "محمد فرزند قطب الدین احمد ۱۲ ۱۰۲۱ھ" ان تین مقبروں کو چھوڑ کے جب بڑے راستہ کو واپس آتے ہیں تو گولکنڈہ کے چھٹے بادشاہ سلطان محمد قطب شاہ کی اہلیہ اور ساتویں بادشاہ سلطان عبداللہ کی ماں کا مقبرہ ملتا ہی جن کا نام حیات بخش بیگم تھا۔ آصف نگر کا تالاب موسومہ تالاب ماں صاحبہ اور حیات نگر اسی خاتون کی یادگار ہیں۔ سلطان عبداللہ کی قبر احاطہ کے باہر قلعہ کی جانب ہی۔ بیگم کے مقبرہ کی چھٹی سیڑھی پر جنوب کی طرف لکھا ہوا ہی کہ "حیات بخش بیگم کا انتقال ۲۸ رشب شعبان ۱۰۷۶ھ کو ہوا" اس مقبرہ کی خوب صورت سفید عمارت ہی جس کے سامنے ایک پتھر کا حوض تقریباً ۲۳×۱۵ فیٹ کا ہی جس کے بیچ میں ایک

فوارہ ہے اور اطراف باغ جس میں سرو اور گلاب وغیرہ کے درخت ہیں۔ جس میں مالی ہمیشہ کام کرتے رہتے ہیں۔ مقبرے کی سیڑھیوں کی بائیں طرف ایک چھوٹی سی مسجد اسی مقبرے کے متعلق ہے۔ اس مقبرہ کی سیڑھیاں ایک بڑے چبوترے سے ملی ہوئی ہیں جو سطح زمین سے چھ فیٹ بلند ہے۔ اس چبوترہ پر مقبرہ کا برآمدہ سو فیٹ مربع ہے۔ اور خود مقبرہ (۶۵) فیٹ مربع ہے برآمدہ کے چاروں طرف سات سات کمانیں ہیں۔ مقبرہ اور برآمدہ دونوں بہت خوب صورت تراشیدہ پتھروں سے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں کہیں کہیں گچ کی استرکاری بھی ہے۔ اس کا پھاٹک مصفا سنگ موسیٰ کا ہے پھاٹک کے اوپر کے حصہ میں لاجوردی سیاہ اور سرخ میناکاری تھی جو صناعی کا ایک عمدہ نمونہ تھا مگر اب وہ زائل ہوگئی اور مختلف رنگ لگا دیے گئے ہیں۔ مقبرہ کی بلندی چبوترہ سے چھت ۵۰ فیٹ کی ہے اور اوپر کے چار کونوں پر چار مینار ہیں جن کے درمیان ویسے ہی چھوٹی چھوٹی کئی مینار ہیں۔ اس کی مسطح چھت پر کوئی چالیس فیٹ اونچا گنبد ہے۔ غرض اس مقبرہ کی کل بلندی سطح زمین سے گنبد کی چوٹی تک ایک سو فیٹ ہے۔ اس مقبرے کے متصل ایک خوش نما مسجد ہے جس میں بڑی صنعت کاری کی گئی ہے اس کی استرکاری قابل دید ہے اس کے میناروں کے اطراف ایک مسقف آراستہ ہے جس میں بہترین نقش و نگار ہے۔ اس کی وضع وہی ہے جو حیدرآباد کے تمام قطب شاہی بادشاہوں کی مسجدوں کی ہے جو نہایت خوب صورت ہے۔ اس سے آگے بڑھ کے جنوب میں دو چھوٹے چھوٹے مقبرے ہیں جن میں ایک بھیم متی کا ہے اور دوسرا تارامتی کا۔ یہ دونوں قطب شاہی چوتھے بادشاہ سلطان ابراہیم قلی کی نہایت حسین بیویاں تھیں۔ ان کے جنوب میں ایک عظیم الشان مقبرہ محمد قطب شاہ کا ہے جو مرزا محمد امین کا بیٹا اور ابراہیم قطب شاہ کا پوتا ہے۔ ان مقبروں میں مصفا سنگ موسیٰ کی سات قبریں ہیں جنھیں بعض بچوں کی ہی ہیں ان قبروں میں ایک قبر بجلی گرنے سے دو ٹکڑے ہوگئی ہے محمد قطب شاہ کی قبر پر تاریخ ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ع کندہ ہے ان مقبروں کے احاطہ میں یہ مقبرہ بہت ہی عالی شان اور خوب صورت ہے۔ جس کے اطراف ایک باغیچہ ہے۔ جس میں قسم قسم کے پھل پھول کے درخت ہیں۔ حقیقت میں یہ وہی مقبرہ ہے جس کی موسیو تھیونو سیاح نے ۱۶۶۶ع میں بڑی لمبی چوڑی تعریف کی ہے۔ اس گنبد کی کرسی اور اس کے چبوترے کی دیواروں پر اب تک اصلی میناکاری کا نیلا اور سبز رنگ باقی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام گنبد پر کسی

زمانہ میں سبز مینا کاری کام تھا۔ اس مقبرہ کے قریب ایک باؤلی ہے جو بارہ مہینے لبلب رہتی ہے گرمیوں میں بھی اسّی فیٹ نیچے پانی رہتا ہے یہ باؤلی بندش کے لحاظ سے عجائبات سے مربع بنی ہوئی ہے اس کی سیڑھیوں سے اتر کے ایک دالان میں پہنچتے ہیں جو باؤلی کے چاروں طرف بنا ہوا ہے۔ دیوار کے سرے سے کوئی تیس فیٹ نیچے دوسری سیڑھیاں ہیں جو ایک حمام تک گئی ہوئی ہیں۔ اس حمام میں تین چھوٹے کمرے ہیں اور انھیں کے قریب غوطہ لگانے کا ایک چبوترہ ہے۔ قبروں کے احاطہ کے باہر شمال میں داہنی طرف ایک وسیع کاروان سرا کے کھنڈر ہیں اس کے جنوب میں کسی قدر فاصلہ پر بائیں طرف سلطان محمد قلی قطب شاہ کا مقبرہ ہے جو گولکنڈہ کا پانچواں بادشاہ گزرا ہے اس نے ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ کو انتقال کیا یہاں کے سارے مقبروں میں یہ مقبرہ سب سے زیادہ متین اور عالی شان ہے اس کی بلندی (۱۸۰) فیٹ ہے اور گنبد کی چھت اندر سے (۶۰) فیٹ اونچی ہے اس کے دوسرے کٹہرے پر جانا بہت مشکل ہے اس کا گنبد باہر سے کٹہرے کے اوپر اندازاً (۵۰) فیٹ اونچا ہے اور اس کی چوٹی (۱۰) فیٹ بلند اس مقبرے کے پھاٹک کی دونوں طرف ایک ایک پتھر کے تراشے ہوئے (۲۲) فیٹ اونچے دو ستون ہیں اس کا فرش بھی ایک ہی پتھر کی سل کا ہے۔ پتھر کے اندر جو نقش و نگار ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ عمارت نہایت ہی خوب صورت ہوگی۔ اس کے جنوب کے میدان میں ایک سیاہ پتھر کی قبر ہے جس کے لوح پر لکھا ہے کہ یہ قبر سلطان محمد کی قبر کے مجاور نبابت نام خاں کی ہے اس کے نزدیک ابراہیم شاہ کا مقبرہ ہے جو جمشید کا بھائی اور سلطان قلی شاہ کا فرزند تھا۔ ابراہیم شاہ کے مقبرے کے جنوب میں اور اس کے بازو سلطان محمد امین کا چھوٹا سا مقبرہ ہے جو ابراہیم کا لڑکا تھا اس میں ایک لوح پر صل علی المصطفیٰ کندہ ہے اور دوسری پر آیات قرآنی اس شاہزادے کے انتقال کی تاریخ ۱۵ شعبان سنہ ۱۰۲۱ھ ہے ابراہیم کے گنبد کے شمال میں ایک ہشت پہلو نازک مقبرہ کلثوم بیگم کا ہے۔ کلثوم بیگم جس کا یہ مقبرہ ہے قلی شاہ کی بیٹی تھیں اس میں تین قبریں ہیں جس پر کوئی کتبہ نہیں۔ ان میں سے جو قبر مغرب کی جانب ہے خاص کلثوم بیگم کی کہی جاتی ہے اور مشرقی جانب میں ان کے خاوند کی جن کا نام معلوم نہیں اور دونوں قبروں کے درمیان ان کی چھوٹی لڑکی کی قبر ہے۔ کلثوم بیگم کے مقبرہ کے مغرب میں بالکل

قریب ہی پہلے بادشاہ سلطان قلی قطب کا مقبرہ ہے جو اس خاندان کا بانی تھا۔ یہ مقبرہ سیاہ پتھر کا ہے جس میں سات کتبے ہیں قبر کی لوح پر کوئی کتبہ نہیں۔ لیکن چوتھے کتبہ میں صل علیٰ المصطفیٰ لکھا ہوا ہے۔ اور پانچویں کتبہ میں آیات قرآنی۔ ان مقبروں میں صرف یہی ایک مقبرہ ہے کہ جس کے تمام کتبے ایک ایرانی خوش نویس کے ہاتھ سے خط نسخ میں لکھے ہوئے ہیں۔ ورنہ دوسرے مقبروں کی لوحیں سوائے آیات قرآنی کے فارسی خط میں ہندوستانیوں کے ہاتھ کی ہیں۔ اس قبر کی لوح پر کندہ ہے کہ سلطان قلی شہید جو ملقب بہ قطب شاہ تھا ۲۳/ جمادی الثانی سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء کو فوت ہوا۔ فرانسیسی سیاح موسیو تھیونو جو ۱۶۶۷ء میں ساتویں بادشاہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد سلطنت میں گولکنڈہ آیا تھا ان کی نسبت یوں بیان کرتا ہے کہ جس بادشاہ نے گولکنڈہ بنایا تھا وہ اور اُس کے بعد اس کی اولاد میں جو دوسرے پانچ بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ وہ قلعہ سے کوئی دو گولی کے ٹپے پر مدفون ہیں۔ ان کے مقبروں کی زمین بہت وسیع ہے اور اُن کے اطراف وسیع باغات ہیں۔ وہاں جانے کا راستہ قلعہ کے مغربی پھاٹک سے ہے جس میں سے نہ صرف بادشاہوں اور شہزادوں کی میتیں جاتی ہیں بلکہ جو کوئی قلعہ میں فوت ہوتا ہے اسی دروازے سے اُس کا جنازہ باہر لے جاتے ہیں۔ اگر ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے تو دوسرے کسی دروازے سے میت باہر نہیں جا سکتی۔ ان چھ بادشاہوں کے مقبروں میں ان کے ساتھ اقربا، ان کی بیگمیں اور ان کے خواجہ سرا اور سردار بھی مدفون ہیں۔ ان مقبروں کی کرسی کے ساتھ پانچ یا چھ پتھر کی سیڑھیاں ہیں اور اطراف میں کمان دار دیواریں۔ یہ مقبرے مربع ہیں اور چھ یا سات فیدم (چھ فیٹ کا ایک فیدم ہوتا ہے) اونچے ہیں۔ ان میں اقسام کے خوش نما نقش و نگار ہیں اور ہر ایک پر ایک ایک گنبد اور چاروں کونوں پر چار برج ہیں۔ چوں کہ یہ مقبرے متبرک خیال کئے جاتے ہیں اس لئے بہت کم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت ملتی ہے۔ ان میں محرر مقرر ہیں جو لوگوں کے داخلہ کا رجسٹر رکھا کرتے ہیں۔ اگر میں نے یہ نہ کہا ہوتا کہ میں اجنبی نہیں ہوں تو مجھے کبھی اندر جانے کی اجازت نہ ملتی۔ ان مقبروں میں قالین کا فرش ہے قبر کے اوپر بوٹے دار اطلس کا غلاف ہے اور اوپر ایک شامیانہ بھی اطلس کا ہے یہاں فانوس کی روشنی ہوتی ہے۔ ان

بادشاہوں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی قبریں ان کی ایک جانب میں ہیں اور دوسری جانب کتابیں الماریوں میں چنی ہوئی ہیں جن میں زیادہ تعداد قرآن وتفاسیر اور دوسری اسلامی مذہبی کتابوں کی ہے۔ تمام بادشاہوں کے مقبرے یکساں ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ بعض اندر باہر مربع ہیں اور بعض باہر مربع اور اندر صلیبی شکل کے ہیں بعض سادے پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ بعض سرخ وسفید پتھر کے۔ لیکن سب صفا اور جلا میں سنگ مرمر کے سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان مقبروں میں اخیر بادشاہ کا مقبرہ سبھوں سے بہتر ہے اور اس کا گنبد سبز رنگ کا ہے۔ شہزادوں اُن کے بھائی بندوں اور بعض قرابت داروں کے مقبرے بھی ویسے ہی ہیں جیسے خود بادشاہوں کے ہیں۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ بادشاہوں کے مقبروں کے گنبد پر ہلال ہیں اور ان کے مقبروں پر نہیں۔

خواجہ سراؤں کے افسر کے مقبرے لپست اور مسطح سقف کے ہیں۔ ان پر کوئی گنبد نہیں ہے لیکن سبھوں کے اطراف باغات ہیں اور تمام مقبرے متبرک سمجھے جاتے ہیں جب کوئی مجرم ان میں داخل ہوتا ہے تو خواہ اُس نے کیسا ہی سخت جرم کیوں نہ کیا ہو وہ معاف کردیا جاتا ہے۔ یہاں ہر وقت گھڑیال بجتی رہتی ہے جیسے قلعہ میں۔ یہاں کے افسر تمام امور نہایت انتظام کے ساتھ کرتے ہیں۔"

جب ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے گولکنڈہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اور یہ مقبرے سپاہیوں کے مسکن بنائے گئے تھے تو تمام پرفضا باغات اُجڑ گئے۔ کیوں کہ ان میں گھوڑے باندھے گئے تھے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان عظیم الشان مقبروں پر توپیں چڑھائی گئی تھیں۔ جہاں سے قلعہ پر گولہ باری کی گئی تھی۔

نوٹ۔ قلعۂ گولکنڈہ کے حالات کا ماخذ مولوی محمد محبوب صاحب انجنیر محلات ومہتمم صفائی قلعہ محمد نگر وگنبد ہائے قطب شاہی کا مختصر رسالہ۔ انگریزی گیٹیڈ جو نواب سر افسر الملک بہادر کے ایما سے چھپی ہے تاریخ رشید الدین خانی اور تاریخ مرقع دکن ہے اس ضمیمہ کی ترتیب میری فرمائش پر مولوی محمد عبدالرب صاحب تحصیل دار تعلقہ مانوی ضلع رائچور نے کی ہے۔ رہے کتبے وہ سب کے سب مولوی شرف الحق صاحب خان بہادر

فہرست سلاطین قطب شاہیہ سنہ ۸۶۰ھ تا ۱۰۹۸ھ (۱۴۵۵ء تا ۱۶۸۷ء)

نمبر شمار	نام پادشاہ	سنہ پیدائش	سنہ جلوس	سنہ وفات	مدت سلطنت
۱	سلطان قلی قطب شاہ قطب الملک	سنہ ۸۶۰ھ ۱۴۵۵ء	سنہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء	سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء	۴۴ سال
۲	جمشید قلی قطب شاہ	+	سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء	سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	۷ سال
۳	سبحان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء	سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	اسی سال تخت سے اتار دیا گیا
۴	ابراہیم قلی قطب شاہ	+	دوشنبہ ۱۶ رجب سنہ ۹۵۷ھ ۱۵۵۰ء	پنجشنبہ ۲۱ ربیع الثانی سنہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۱ء	۳۰ سال ۹ ماہ
۵	محمد قلی قطب شاہ	×	یکم رجب سنہ ۹۸۸ھ ۱۵۸۱ء	شب شنبہ وقت صبح ۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ء	۳۱ سال

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۶۹ - (مرحوم مہتمم چھاونیات و معاوضہ ریلوے کے اُتارے ہوئے ہیں جن کو آثار قدیمہ کا بہت شوق تھا - اُن کا انتقال حال میں ہوا ہے میں ان کتبوں کو دیکھ چکا تھا - لیکن اب کہ اُن کی جائداد اُن کی اولاد میں تقسیم ہوگئی اس کتاب کا پتہ لگنا ایک دشوار امر تھا غرض بہت تلاش کے بعد میرے عزیز بھانجے ڈاکٹر محمد مشرف الحق پی - ایچ - ڈی - پروفیسر ڈاکہ کالج نے جو خان بہادر مرحوم کے خلف الرشید ہیں ان کتبات کو میرے پاس بھیج دیا جو جا بجا نفس کتاب میں درج ہیں - پس گولکنڈہ کی مختصر ہسٹری کے دئیے میں مولوی عبد الرب صاحب کا بہت ممنون ہوں اور کتبوں کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں - ۱۲ من المصنف -

نمبر سلسلہ	نام بادشاہ	سنہ پیدائش	سنہ جلوس	سنہ وفات	مدت سلطنت
۶	سلطان محمد قطب شاہ	رجب سنہ ۱۰۰۱ھ ۱۵۹۲ع	۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۱ع	چہار شنبہ ۱۳ جمادی الاولی سنہ ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ع	۱۴ سال ۶ ماہ
۷	سلطان عبداللہ قطب شاہ	دو شنبہ ۲۸ شوال سنہ ۱۰۲۳ھ ۱۶۱۲ع	۱۴ جمادی الاولی سنہ ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۵ع	شنبہ ۳ محرم سنہ ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ع	۴۹ سال بروئے کتبہ (۴۸) سال
۸	سلطان ابوالحسن تاناشاہ	×	سنہ ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ع	سنہ ۱۰۹۸ھ ۱۶۸۷ع	(۱۵) سال۔ چودہ سال دولت آباد میں قید رہ کر سنہ ۱۱۱۱ھ ۱۷۰۰ع میں انتقال کیا۔

تیئسواں ضمیمہ
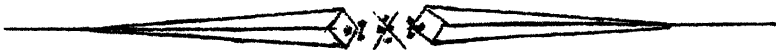
مدگل

مدگل رائیچور سے از بالاے لنگسگور (۶۷) میل ہی۔ اب اس کی حثیت شہر کی نہیں رہی صرف قصبہ رہ گیا ہی جس کی خانہ شماری (۱۶۰۸) اور مردم شماری (۷۱۸۵) ہیں۔ سکندر آباد رائیچور گدگ ریلوے جو اَب بن رہی ہی اُس کا یہ اسٹیشن ہوگا۔ پہلے یہاں تحصیل کچہری تھی جس کی وجہ سے کچھ رونق تھی اب وہ بھی لنگسگور چلی گئی اور یہ بستی اب معمولی قریہ کی حثیت رکھتی ہی قلعہ یہاں کا بڑا استحکم ہی مگر اب جابجا شکستہ ہوگیا ہی۔ فصیل اور برج اب بھی درست حالت میں ہیں۔ قلعہ کی فصیل کا دور (۱۹۷۹) فیٹ ہی فصیل ۲۴ فیٹ بلند ہی جس میں ۱۶ بڑے بڑے برج (۴۰) فیٹ بلند اور (۱۶۲) فیٹ چوڑے اور سولھا برج چھوٹے (۳۳) فیٹ بلند اور (۴۰) فیٹ عریض جملہ (۳۲) برج ہیں۔ ہر برج (۴۷) فیٹ کے فاصلے پر واقع ہی۔ قلعہ کے اطراف وسیع اور عمیق خندق ہی۔ قلعہ کے اندر بہت سی آبادی اور مکانات ہیں۔ قدیم مکانات میں درگاہ حسینی علم بارود کوٹھہ۔ مسجد۔ چاوڑی۔ اور دھکرانی باؤلی ہی۔ قلعہ کے اندر ایک بڑا پہاڑ ہی جس کو پہلے "وتاسن بٹا" یعنی گھنٹے کا پہاڑ کہتے تھے اُس زمانے میں اس پر گھنٹہ بجتا ہوگا اور اب بالا حصار کہلاتا ہی وہاں بھی ایک برج ہی جس کی بلندی سب برجوں کے برابر ہی عرض البتہ (۱۹۲) فیٹ ہی لیکن چوں کہ پہاڑ پر واقع ہی سب سے بلند ہی اور دور دور کے مقامات نظر آتے ہیں اس کو گھنٹہ برج کہتے ہیں۔ محمد عادل شاہ نے اس پہاڑ پر ۱۰۵۳ھ میں گگن محل بنوایا تھا جو گر پڑ گیا اب خالی دیواریں کھڑی ہیں۔ قلعہ کے صرف دو دروازے ہیں ایک کاٹی دروازہ جس کے پٹوں پر بڑی بڑی کیلیں جڑی ہوئی ہیں اور دوسرا فتح دروازہ۔ قلعہ کے باہر دواخانہ اور رومن کیتھلک لوگوں کا قدیم گرجا ہی۔ ابراہیم پور پٹ جسے اوپر پیٹ بھی کہتے ہیں اور پرانی
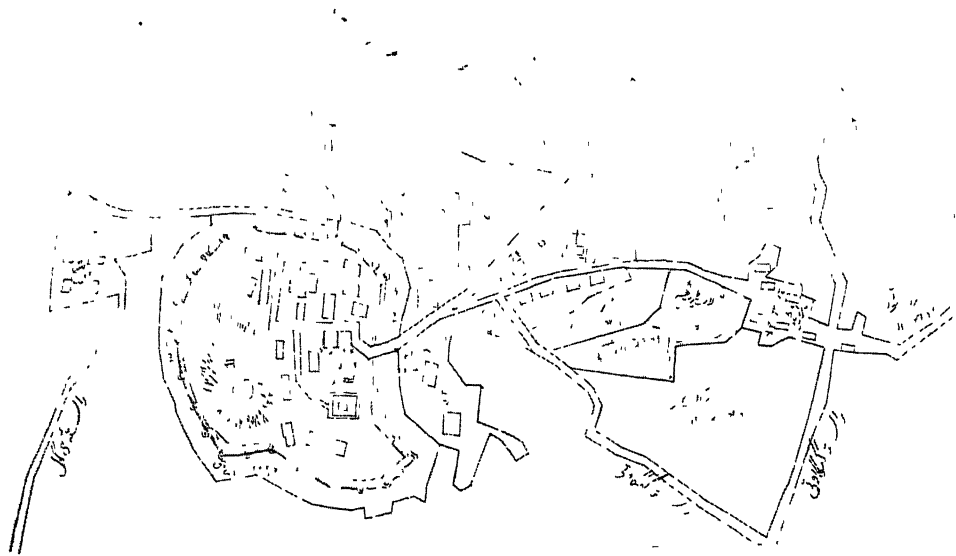
پیٹھ جسے شاہ پور پیٹھ بھی کہتے ہیں اور سوموار پیٹھ تین پیٹھ ہیں۔ پرانی پیٹھ اور سوموار پیٹھ میں دو بڑے بڑے تالاب بھی ہیں۔ قلعہ مدگل کی تعمیر مدّپا ریڈی نے کی تھی جو سرکار مدگل کا زمیندار تھا۔ یہ تعمیر یادھوراؤ راجہ کے چھٹے سال جلوس میں ہوئی ہے جو سکے سالیواہن ۱۰۵۲ کے مطابق ہوتا ہے اور جسے اب آٹھ سو برس ہونے آئے۔ اس کے بعد قلعہ کی درستی اور توسیع راجگان بیجانگر نے کی ابھی کام اتمام کو نہ پونچا تھا کہ سلاطین خاندان عادل شاہیہ بیجاپور نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اُنھوں نے کچھ تھوڑی بہت ترمیم و تعمیر کی تھی کہ اورنگ زیب قابض ہو گیا۔ اورنگ زیب نے اس قلعہ کے برجوں کی تعمیر اپنے متفرق امراء کے تفویض کی اور ہر برج کو اُس کے بانیوں کے نام سے موسوم کیا۔ راجگان بیجانگر کے زمانے میں قلعہ مدگل کا زمیندار لبیّا نایک تھا جس کے پاس نو ہزار سوار دس ہزار پیدل اور پچاس ہاتھی رہتے تھے اور راجگان بیجانگر کو ڈیڑھ لاکھ پیگوڈا[۵۱] خراج دیتا تھا۔ سنہ ۱۲۴۹و ۵۰ء میں مدگل دیوگیری کے یادھوراجگان کے صوبے کا مستقر تھا۔ اِن کے بعد راجگان ورنگل نے قبضہ کیا۔ چودھویں عیسوی صدی کی ابتدا میں یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سلطان محمد تغلق کے صوبہ دار نے ملک دکن کو لوٹ کر اپنی سلطنت قایم کی تھی۔ اس زمانے میں یہ عالی شان قلعہ سلطنت بہمنیہ کا ایک سرحدی قلعہ تھا اور یہاں بہت سی فوج رہتی تھی۔ پھر عادل شاہیوں کا قبضہ رہا۔ سنہ ۱۶۶۱ء کے قریب ایک صدی تک مدگل میر کلاں خاں نواب کلیانی کی جاگیر رہا۔ بعد ازاں اُن کو ایک فرزند امتیاز الدولہ پیدا ہونے سے پرگنہ مسکی[۵۲] دودھ دہی کھانے کے لیے جاگیر دیا گیا اور مدگل بھی جاگیر ملا۔ سنہ ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے سلطنت بیجاپور پر قبضہ کیا۔ سنہ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا۔ من ابتداے سنہ ۱۷۰۷ء لغایت سنہ ۱۷۲۳ء ملک دکن بہادر شاہ۔ جہاں دار شاہ۔ فرخ سیر۔ محمد شاہ کے قبضہ میں رہا۔ محمد شاہ کی سلطنت کے زمانے میں بتاریخ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۷۲۳ء نظام الملک آصف جاہ صوبہ داری دکن پر والیس ہوئے۔ جب سے آج تک بہ فضل خدا سلطنت نظام عالی مقام قائم ہے۔ بروے عہد نامہ ۲۱ مئی سنہ ۱۸۵۳ء فیما بین آنریبل دی انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب نظام الملک

---

[۵۱] - ایک پیگوڈا ۴ روپے کا ہوتا ہے ۱۲ [۵۲] مدگل سے قریب (۱۲) میل کے ہے جہاں اب اسوکا کا کتبہ نکلا ہے ۱۲

آصف جاہ بہادر ملک دوآبہ رایچور بہ ادائے تنخواہ جمعیت کنٹنجنٹ کرنل یوصاحب بہادر رزیڈنٹ برٹش گورمنٹ کے سپرد ہوا جس میں مدگل بھی شامل تھا۔ بروئے ضمیمہ تہ نامہ فی مابین ہر میجسٹی ملکہ وکٹوریہ و ہز ہائینس نواب افضل الدولہ نظام الملک آصف جاہ بہادر مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۸۶۰ء بزمانہ کرنل ڈیوڈسن بہادر رزیڈنٹ ملک دوآبہ گورنمنٹ نظام کو مسترد ہوا اور ادائے تنخواہ کنٹنجنٹ میں ملک برار سے لیا گیا۔

مسجد دین دار خاں یہ مسجد کاٹی دروازے کے اندر ایک دوسرے دروازے سے نکلتے ہی ملتی ہے۔ دین دار خاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس مسجد میں چند روہ علم رکھے گئے تھے جو علی عادل شاہ کی فوج کے ساتھ آئے تھے اس کے بعد جداگانہ عاشورخانہ بناکر وہاں منتقل کئے گئے اس مسجد کی بیرونی دیوار پر یہ کتبہ سرراہ لگا ہوا ہے جو ناموزوں ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہیں ہے عادل شاہیوں کے زمانے کے اکثر کتبے اسی طرح ناموزوں ہیں ؎

غازی آں سلطاں مرا تاج و نگیں ؛ کفار سرنگوں شد قوت گرفت دیں

درعہد ابوالمظفر علی عادل شاہ ؛ بناکرد ایں مسجد دیں دار خاں کمتر درگاہ

جامع مسجد بیرون فتح دروازہ علی عادل شاہ کی بنوائی ہوئی ہے مگر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

چاوڑی بیرون فتح دروازہ۔ پختہ و سنگین عمارت ہے جو اب تک درست حالت میں ہے۔ اس میں تین سو عرب مع ایک چاؤش کے رہا کرتے تھے۔ یہ جمعیت قلعہ کی حفاظت پر مامور تھی۔

فتح دروازہ ۹۸۰ھ - اس دروازے کا نام "چھپن اگسی" تھا۔ علی عادل شاہ چھ مہینے تک قلعہ مدگل پر لڑا مگر اندر داخل نہ ہوسکا۔ آخرکار تمنا پٹواری کے پوتے سرتیا نے اپنے زنانے کو قلعہ دکھلانے کی اجازت حاصل کی اور اس بہانے سے پچاس میانوں میں دو دو پٹھانوں کو چھپا کر اس دروازے سے قلعہ میں لے آیا۔ پٹھانوں نے سات مشاہیر کو قتل کرکے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور علی عادل شاہ ۱۲ر ذی قعدہ ۹۸۰ھ کو اسی دروازے سے قلعے میں داخل ہوا اور اس کا نام فتح دروازہ رکھا۔

علی برج سنہ ۹۸۲ھ اس برج کا پہلے کیا نام تھا معلوم نہیں۔ علی عادل شاہ نے سنہ ۹۸۰ھ میں فتح کرکے یہ نام رکھا۔ اس پر کتبہ جو ہے اُس کے اشعار بالکل ناموزوں ہیں۔ اسی برج کے پاس پہلے "چار محل" تھا اب سپاٹ میدان ہے اور زراعت ہوتی ہے۔ صرف ایک باؤلی باقی رہ گئی ہے جو چار محل کی باؤلی کہلاتی ہے۔

درایامیکہ سلطان جہاں دار — سمیّ شیر یزداں شیر کردار
باقبال و ظفر از ضرب شمشیر — گرفت او کوٹ بنکاپور کفار
زہجرت نہ صد و ہشتاد و دو بود — کمینہ کردم ایں جا تیشہ در کار

سنہ ۹۸۲ھ

چو از اقبال سلطاں شد قرب — الٰہی تا ابد پاینده اش دار
بہ کار کرد حکیم ......

فتح برج سنہ ۹۹۰ھ فتح دروازے کے پاس جو برج ہے اُس پر توپیں تھیں قلعہ میں داخل ہوتے ہی بادشاہ نے قبضہ کرلیا اس لئے اِس برج کا نام فتح برج رکھا۔ پہلا کیا نام تھا معلوم نہیں اور یہ کتبہ نصب کیا۔

"بناے برج فتح جنگ در زمان السلطان العادل الکامل السلطنۃ محمد ابوالمظفر شاہ عالی جاہ عالم پناہ علی عادل شاہ شاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ و افاض علی العالمین برّہ و احسانہ در کار کرد کتبہ الفقیر الحقیر دیانت خاں ناغیت قلعہ مدگل بتاریخ عشر شہر رجب المرجب سنہ تسعین وتسعمائۃ المصطفویہ"

سنہ ۹۹۰ھ

درگاہ حسینی علم علی عادل شاہ کی فوج کے آگے وہ علم جو کربلاے معلّی سے لائے گئے تھے بجاے نشان کے رہتے تھے۔ جب قلعہ فتح ہوگیا تو باروت کوٹھے میں چند روز وہ علم رکھے رہے بعد وہ دین دار خاں کی مسجد میں رکھے گئے اور بالآخر مدرنگ دیول اور گرام دیول کو مسمار کرکے یہ عاشورخانہ بنایا گیا جس کا نام "حسینی علم کی درگاہ" مشہور ہے اب اس عاشورخانے کی مرمت سرکار سے ہوگئی ہے۔ ماہ محرم میں بہت دھوم دھام ہوتی ہے اور بڑا ہجوم

خلائق کا ہوتا ہے بہت سی نذر و نیاز چڑھتی ہے۔ آمد و خرچ کا حساب رکھنے کے لئے سرکار کی طرف سے ایک کمیٹی مقرر ہے۔

آثار شریف شاہان بیجاپور نے علم تو مدگل میں رکھوا دیئے تھے بعدہ موئے مبارک وغیرہ تبرکات بھی یہاں بھیج دئے جو اُب تک محفوظ ہیں۔ جس عمارت میں یہ تبرکات رکھے گئے ہیں وہ ایک سنگیں اور پختہ عاشور خانہ ہے اور آثار شریف کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۲ ربیع الاول کو زیارت کے لئے ایک مجمع کثیر ہوتا ہے۔

باروت کوٹھا علی عادل شاہ ثانی کے وقت کا بنا ہوا ہے۔ سنہ ۹۸۰ھ میں جب علی عادل شاہ مدگل آیا تو موجودہ باروت کوٹھے کے عمارت میں ترمیم کر کے حسینی علم جو اُس کے ساتھ آئے تھے پہلے یہاں رکھے گئے تھے۔ یہ مکان لداؤ کا محراب دار نہایت مرتفع اور مستحکم ہے۔ اب اس میں سرکاری مدرسہ ہے۔

دھکرائی یہ ایک بہت بڑی اور وسیع اور عمیق باؤلی ہے جو تالاب معلوم دیتا ہے مستطیل ہے اور چاروں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ باؤلی بھی قلعہ کے ساتھ ہی ہے۔ اس کا طول (۲۶۴) فیٹ۔ عرض (۱۱۳) فیٹ عمق (۲۴) فیٹ ہے۔ کبھی خشک نہیں ہوتی لیکن ۱۹۱۴ء میں بوجہ کئی سال کی مسلسل بارش کی کشش کے اور اٹ جانے سے خشک ہو گئی۔

کتبہ متصل برج دھکرائی اس باؤلی کے متصل جو برج ہے اُس پر یہ کتبہ ہے ؎

بعہد سلطنت شاہ عادل ابراہیم ... کہ باد سلطنتش متصل بر ستاخیز
بدور آصف صاحبقران دلاور خاں ... کہ در حکومت او شد زمانہ بے ستیز
ز نسل شاہ ولایت بلند مرتبۂ ... سمی احمد مرسل شدہ سپاہ انگیز
بوقت سعد ہمایوں بہ طالع مسعود ... کہ خور بہ برج شرف بود و مشتری ہم تیز

(یہ مصرع پتھر پر کندہ نہیں ہے) **مصرع** کہ مثل آں نہ بود در عراق و در تبریز

نشستہ بود و از بہر شکر تاریخش ... ز غیب ہاتفے آواز داد گفت کہ خیز

بالا حصار اس کا نام "تاسن بٹا" یعنی گھنٹے کا پہاڑ تھا۔ کسی زمانے میں اس پر

گھنٹہ بجایا جاتا تھا۔ علی عادل شاہ نے بعد فتح قلعہ کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہاں ایک فصیل سکے ۱۵۶۵ چیتر بھالو نام پتھر کی بنی ہوئی موجود تھی اور ایک بُرج بھی ایسا بلند زیر طیاری تھا جس پر سے کشنا ندی صاف دکھلائی دے (سولھا میل کا فاصلہ ہے) یہ بُرج بنتے بنتے ادھورا رہ گیا تھا۔ محمد عادل شاہ نے بالاحصار پر گگن محل بنوایا تھا جس کی اب صرف دیواریں اور کمانیں کھڑی ہیں۔ اس پر جو کتبہ تھا وہ اب خاں صاحب کے باغ میں راقم نے اٹھوا کر کلب کے بنگلہ میں رکھوا دیا ہے اس بنگلہ کو مولوی محمد منہاج الدین صاحب کا کوروی تحصیل دار نے چندے سے بنوایا اور ایک بڑی بھاری پُرانی باؤلی کو بھی بہ صرف کثیر درست کرا کے ایک نہایت نفیس باغ لگوایا تھا جس کے بیچ میں ایک نہایت خوب صورت اور خوش نما حوض ہے۔ افسوس کہ پانی کی قلت اور عدم نگرانی سے اب باغ اُجڑ گیا۔ تحصیل جب تک یہاں تھی باغ بھی تھا اب دیکھنے والا کون ہے۔ کتبہ کی شاعری قابل ملاحظہ ہے کہ کسی طرح کل درست نہیں بیٹھتی ؎

اللہ - محمد - علی

درزمان پادشاہ عادل روے زمیں ۔۔۔ خسرو آفاق سلطان محمد شاہ دیں
بنا کرد محل گگن بالاے کوہ ۔۔۔ کہ در حسن و خوبی نباشد خوباں ازو
محل منور کہ از سنگ مرمر بستہ ۔۔۔ نمایاں ز مشرق بہ مغرب چو ماہ خجستہ
کوہے کہ ہیچو کوہ قاف نیست ۔۔۔ بلند و نکو تر در آفاق نیست
مرتب شد بتوفیق خداے حی معبود ۔۔۔ ز ہجرت یک ہزار و پنجاہ و سہ بود

سنہ ۱۰۵۳ھ

الٰہی پائیدار ایں صفین باصفا ۔۔۔ بحرمت سید کونین مصطفیٰ تو
کمینہ بندۂ درگاہ اللہ گو سدّو ۔۔۔ کہ در مردانگی از شیر برتر است او

ہنومان دیول "مل اگسی" دروازے کے اندر ہے۔ یہ وہی دروازہ ہے جو کاٹی دروازے کے نام سے مشہور ہے اور لنگسگور کے راستے پر واقع ہے۔ دیول کے عقب میں ایک دیوار پر ایک کنڑی کتبہ ہے جس کو میں نے بہت مشکل سے پڑھوایا۔ اُس کا ترجمہ یہ ہے۔

"خدا سلامت رکھے - مبارک اور عروج کرنے والے سالیواہن سکے ۱۴۸۲ اُروری سیچھر بیساکھ سد پندرھویں (لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آتے) راجہ مجمع الاوصاف راجہ راجگان سب راجوں کا شیر الیا رام کشکیند اکمار کشن راج یا دھو مہاراج مبارک قدم خدا کا فرماں بردار خدا کے نافرمانوں کا سرکوبی کرنے والا - فوج جمع کرنے والا - مرد میدان ونگلیا نایک کا طیار کرایا ہوا دروازہ سلامت رہے"

مل اگسی دروازہ یہ پہلا دروازہ ہی جو ننگسگور کی طرف ہی - بڑا بھاری دروازہ ہی ہاتھی مع انباری جا سکتا ہی - پٹ اس کے نہایت مستحکم اور اُس پر تمام لوہے کے موٹے موٹے پتر جڑے ہوئے بڑی ڈبل کیلیں اُبھری ہوئی لگی ہوئیں - زنجیریں ایسی موٹی اور بھاری ہیں کہ کم ہوں گی - وجہ تسمیہ یہ ہو کہ کنڑی میں مل خار کو کہتے ہیں اور اگسی دروازہ کلاں نوک دار کیلیں اس غرض سے لگاتے تھے کہ ہاتھی ٹکر نہ مار سکے - اس دروازہ کے لکڑی کے پٹ پر کھدا ہوا کنڑی کا جو کتبہ ہو اُس کا ترجمہ یہ ہی -

"خدا سلامت رکھے سالیواہن سکے رودری سیچھر بیساکھ سد میں ونگلیا نایک کا بنایا ہوا دروازہ" اسی دروازے کے مقابل کے پٹ پر لوہے کی تختی پر کندہ کر کے کیلوں سے جڑا ہوا یہ کتبہ ہی -

درکار کرد غلام مرتضیٰ شاہ یار بیگ بن شاہ سلیمان ؎

غرض نقشیست کز ما یاد ماند ۔۔۔ کہ ہستی را نمی بینیم بقائے

رومن کیتھولک گرجا یہ فرقہ سینٹ زیویر کا بہت قدیم گرجا ہی جو سنہ ۱۴۵۱ء میں بنا ہی جس کو علی عادل شاہ نے سنہ ۱۵۷۵ء میں گرانٹ دیا تھا اور اب بھی سرکار عالی نظام کی مدلوکل فنڈ سے ؎ ماہانہ گرانٹ ملتا ہی - یہاں رومن کیتھولک یوروپین پادری رہتا ہی بہت سے چوڑھے چمار عیسائی ہوگئے ہیں جن کا مدرسہ بھی ہی - کرنل میڈوز ٹیلر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہی کہ تمام ہندوستان میں سب سے قدیم گرجا یہی ہی -

کالی مسجد بیرون قلعہ ابراہیم پور پیٹ میں ہی یہ مسجد نظام الدین اولیار کے نام سے مشہور ہی دروازے کے اندر رخ پر یہ کتبہ ہی ؎

ساختِ این مسجد از برائے ثواب | کہ بہ آساں دہد سوال و جواب
شہر میراں نظام سرخابی | کہ دہد حیدرش ز کوثر آب

سنہ ۹۹۱ھ

باؤلی پرانی پیٹ اس باؤلی میں علموں کو عشرہ محرم کے دن ٹھنڈا کرتے ہیں۔ یہ باؤلی ونگلیا نایک نے سنہ ۱۴۸۲ مطابق ۹۷۸ھ میں بنائی تھی۔

شاہ پور پیٹ جسے پرانی پیٹ بھی کہتے ہیں یہ پیٹ یوگلیپا نے (جو ریاست آنا گندی کا ایک سردار تھا) بنوانا شروع کیا تھا۔ کہ کسی سبب سے ملتوی ہوگیا۔ بعدہ ابراہیم علی عادل شاہ نے اس پیٹ کو بنوایا اور شاہ پور پیٹ نام رکھا۔ ابراہیم پور پیٹ بھی اسی بادشاہ کا بنوایا ہوا ہے جسے اور پیٹ بھی کہتے ہیں۔

اتنا بڑا قلعہ اور اس میں توپیں نہ ہوں کیا معنی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں مدگل تحت حکومت سرکار انگریزی تھا بڑی بڑی توپیں تو انگریز لے گئے کچھ حیدرآباد اور رائچور میں منگالی گئیں اب بہت تلاش سے سات توپوں کا پتہ لگا ہے۔

طول	دور دہانہ	کہاں ہے
(۱) - ۹ فیٹ - ۹ ½ انچہ	۳ فیٹ ۵ ½ انچہ	آثار شریف میں رکھی ہے۔
(۲) ۳ فیٹ - ۹ انچہ	۴ فیٹ ۷ ½ انچہ	کوٹھا برج متصل مدرسہ چار محل برج
(۳) ۱۲ فیٹ - ۹ انچہ	۵ فیٹ	ناگ پھنی میں چھپ گئی ہے بمشکل کٹوا کر نکلوائی گئی۔
(۴) ۱۴ فیٹ - ۷ انچہ	۴ فیٹ ۱۰ انچہ	فتح دروازہ۔

(۵) امین الدین صاحب قاضی مدگل کی زبانی معلوم ہوا کہ دھکرانی باؤلی کی خندق میں ایک توپ تھی جو اُنھوں نے اپنے بچپنے میں دیکھی تھی اب کثرت سے ناگ پھنی پھیل جانے سے اُس میں چھپ گئی ہے جس کا طول (۸) فیٹ اور دور (۳) فیٹ تھا۔

طول	دور دہانہ	کہاں ہے
(۶) ۴ فیٹ	۴ فیٹ ۷ ½ انچہ	سر برج گھڑیال گھنٹہ

(۷) نُنیا ڈِڈی برج پر ایک توپ تھی وہ برج پر سے خندق میں جا پڑی ہے - اب ناگ پھنی
اس کثرت سے چھا گئی ہے کہ دکھلائی نہیں دیتی - دیکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ اندازہ
(۴) فیٹ لمبی تھی -
نمبر ۱ تا ۴ توپیں پتّر جوڑ کر بنائی گئی ہیں - باقی ڈھلی ہوئی ہیں - کسی توپ پر کوئی سند یا عبارت
کندہ نہیں ہے -
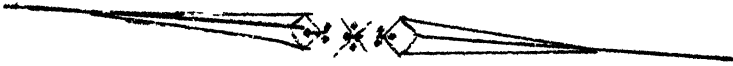
چوبیسواں ضمیمہ

قلعۂ ملکھیڑ

نظام سٹیٹ ریلوے کا فلیگ اسٹیشن حیدرآباد سے (۲۲۳) میل اور واڑی جنکشن سے (۱۶) میل ہے اس چوکی سے قصبۂ ملکھیڑ تعلقہ سیڑم ضلع گلبرگہ شریف تین میل ہے۔ یہ موضع نواب وزیر بیگ خاں قلعہ دار کی جاگیر ہے۔ مردم شماری (۳۳۲۹) نفر ہے۔ ملکھیڑ ایک قدیم بستی بودھ مذہب کے لوگوں کی آباد کی ہوئی ہے۔ اُس زمانے میں بہت آباد اور زرخیز خطہ تھا۔ عرصہ تخمیناً تین سو برس کا ہوا کہ مظفر خاں رُہیلے نے اسے لوٹا۔ سلاطین عادل شاہیہ کو جب خبر ملی تو مظفر خاں کو قتل کر کے خود قابض ہو گئے۔ اہل ہنود کے مکانات دامن کوہ میں تھے جس کا نام ملیاچل پربت ہے مظفر خاں سے بادشاہان بیجاپور کو بے شمار دولت اور خزائن ملے۔ مظفر خاں نے کہا کہ میری سعی و کوشش سے جب بے شمار ملی ہے تو میری یادگار قایم رہنی چاہیئے چنانچہ اسی رقم سے سلاطین عادل شاہی نے یہہ قلعہ تعمیر کر کے مظفر نگر عرف مال کھیڑ نام رکھا جو رفتہ رفتہ ملکھیڑ ہو گیا۔ اس قلعہ کی فصیل اور دروازے اب تک درست و مستحکم ہیں قلعہ کے (۵۶) برج اور تین دروازے شمال مشرق اور مغرب میں ہیں۔ آخری دروازہ بند ہے۔ سب سے بڑا برج اوپری برج کے نام سے مشہور ہے اس پر ایک کتبہ بھی ہے جس کے حروف مٹ مٹا گئے اور پڑھا نہیں جاتا۔ اس قلعہ میں کل دس توپیں ہیں۔ چھہ برجوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔ اور چار مختلف مقامات پر ہیں۔ مغربی گوشہ میں جو برج ہے وہ دروازے سے ملا ہوا ہے اُس میں ایک کمان میں ہنومان کی مورت ہے جو اُسی زمانہ کی ہے جب کہ قلعہ بنا تھا۔ بادشاہ عالمگیر نے عرصہ دو سو سال کا ہوا کہ یہ قلعہ جاگیرداران حال کے مورث اعلیٰ جان نثار بیگ خاں کو جاگیر دیا تھا۔ جان نثار بیگ خاں نے عالمگیر کو بڑی بھاری مدد قلعۂ بیدر کی فتح کے وقت دی تھی کہ اپنی چھاتی کے زور سے دروازہ قلعہ کا کھول دیا اسی کارگزاری کے صلہ میں یہ قلعہ جاگیر ملا۔ اس قلعہ پر بارہا جنگ ہوئی ہے

پہلی مرتبہ قلعہ دار حال کے دادا سے اور سدی قاسم سے لڑائی ہوئی جس میں سدی قاسم مارا گیا دوسری مرتبہ قادر بیگ سے جنگ ہوئی اس میں بھی قلعہ دار کی فتح ہوئی - تیسری مرتبہ بروقت انتظام ضلع بندی ضلع دار مع جمعیت کے انتظام کو آئے تھے تو یہاں کے عرب نے اُن کو گولی سے مار دیا - شرط عطاے جاگیر یہہ ہی کہ آمدنی سے جمعیت احشام رکھیں اب نہ جمعیت ہی نہ قلعہ کی وہ حالت ہی مگر جاگیر چل رہی ہی اب صرف اتنا ہوا ہی کہ تاحیات دعوی دار حال بحال رہے گی بعد ضبط ہو جائے گی - قلعہ کے اندر دو مسجدیں ہیں ایک صدر دروازے کے قریب اور دوسری اوپری برج کے پاس - ایک درگاہ سید جعفر حسین صاحب کی ہی جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے ماموں یا بھانجے مشہور ہیں - درگاہ پر نوبت جھڑتی ہی - قلعہ کے اندر قدیم دیوان خانے اور مکانات ہیں جس میں جاگیر دار رہتے ہیں اوپری برج کے قریب اکشوبھے تیرتھ سوامی کا مٹھ بھی ہی اور وہیں بارود خانہ ہی - یہاں اہل ہنود کا ایک متبرک مقام جی تیرتھ سوامی ہی جن کا سمادھ یہاں ہی - ان کا زمانہ چھ سو سال کا بیان کیا جاتا ہی کاگنا ندی کے کنارے سمادھ ہی - یہ ندی بستی سے ملی ہوئی ہی جو وقار آباد کے پہاڑوں سے نکل کر ملکھیڑ سے ہوتی ہوئی (۸۰) میل طی کر کے شاہ آباد ریلوے اسٹیشن کے پاس ہونگنتھ مقام پر بھیما ندی میں جاملی ہی - اساڑھ بدی پنچمی کو جی تیرتھ سوامی کی جاترا اور رتھ کشی بڑی دھوم سے ہوتی ہی ہزارہا برہمن جمع ہوتے ہیں - یومیہ بطور معاش مقرر ہی -

نوٹ - اس نوٹ کے لئے میں مسٹر راگھویندر راؤ وکیل سیڑم کا ممنون ہوں - اگرچہ ملکھیڑ امیرا دیکھا ہوا مقام ہی مگر افسوس ہی کہ اُس وقت میں نے کوئی نوٹ نہیں لیا نہ مجھے خبر تھی کہ آیندہ چل کر ضرورت پڑے گی - ۱۲ من المصنف -
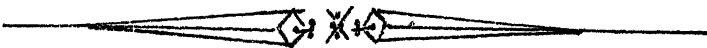
پچیسواں ضمیمہ

ملیاباد

تخمیناً آٹھ سو برس کے قبل ایک شخص مسمی لوس رڈی (جس کے متعلق مزید حالات نہیں معلوم ہوتے) ملیا آباد کے قلعہ کی تعمیر کر رہا تھا جو رایچور سے (۳) میل سمت جنوب میں واقع ہے۔ کہ اثنائے تعمیر میں وہ بغرض شکار نکلا اور اپنے کتے کو خرگوش پر چھوڑا۔ تھوڑی دور جاکر خرگوش کتے پر پلٹ پڑا اور کتے کو زخمی کیا۔ کتا مرگیا جو یہیں کہیں رایچور کی نواح میں دفن ہے۔ لوس رڈی نے جب دیکھا کہ اس سرزمین میں ایسی غیر معمولی جرأت ہے تو ملیا آباد میں قلعہ بنانے بناتے چھوڑ دیا اور رایچور میں قلعہ کی تعمیر شروع کی۔ ملیا آباد کا ناتمام قلعہ قدرتی پہاڑوں میں کھڑا ہوا ہے اور اُس کا موقع ایسا عمدہ ہے کہ کسی مزید حصار بندی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس قلعہ کی دُہری فصیل ہے بیرونی فصیل پہاڑوں پر سے لائی گئی ہے جو ناتراشیدہ پتھروں کی ہے اور اندرونی فصیل گھڑے ہوئے پتھروں کی ہے اور اس میں بڑے بڑے سڈول پتھر لگائے گئے ہیں اور اگرچہ یہ فصیل پورے پندرہ فیٹ بلند ہے تاہم اکثر جگہ پانچ پتھروں سے اور بعض جگہ چار پتھروں سے مکمل ہوگئی ہے۔ اندرونی فصیل کے دس برج ہیں اور بیرونی کے بنیل قلعہ کے تین دروازے مغرب اور شمال اور مشرق میں ہیں۔ بیرونی فصیل کا دور (۵) میل کا ہے اور اندرونی کا ڈھائی۔ بیرونی فصیل کی بلندی پہاڑ کے ارتفاع کے لحاظ سے مختلف طور پر ۳ فیٹ سے ۷ کر چھ فیٹ تک ہے دونوں فصیلوں میں شمال کی طرف سو گز کا فصل ہے اور مشرق کی طرف دو سو گز کا چونکہ بیرونی فصیل پہاڑ پر ہے اس واسطے اندرونی فصیل سے بلند ہے اور بیرونی فصیل کے چاروں جانب چار دروازے منہدمہ موجود ہیں۔ قلعہ کے اندر بعض بعض پتھروں پر کنڑی کتبے اب بھی نظر آتے ہیں مگر سب مٹے مٹائے ہیں اور کسی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ قلعے میں ہل پھر گیا ہے اور زراعت ہوتی ہے اب صرف ٹوٹے پھوٹے برج موجود رہ گئے ہیں۔ قلعہ کے اندرونی حصار کے اندر ہل چل جانے

سے کوئی عمارت باقی نہیں رہی لیکن قریب دو تین بیگھے کے جو رقبہ ہے اُس میں چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور جابجا پتھر پڑے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مکانات تھے اُنھیں کے یہ پتھر ہیں اس کھیت کا نام "آنی ہلا" مشہور ہے یعنی ہاتھی کا کھیت۔ نام پڑنے کی یہ وجہ ہے کہ کھیت میں ایک پتھر کے تراشے ہوئے دو ہاتھی آگے پیچھے چھ فیٹ بلند پتھر کی چٹان پر کھڑے ہیں۔ یہ ہاتھی سرخی مائل پتھر کے ہیں جن پر جھولیں پڑی ہوئی ہیں اور دونوں طرف دو دو گھنٹے معہ زنجیر کے لٹک رہے ہیں اور تین تین ہیکلیں گلے میں پڑی ہوئی ہیں۔ سر پر چھوٹی مرصع ڈھال ہے۔ دانتوں پر دو دو کٹ چڑھے ہوئے ہیں۔ سونڈیں لٹکی ہوئی ہیں۔ سونڈوں میں ہاتھی کوئی زیور مثل زنجیر کے پکڑے ہوئے ہیں۔ چاروں پاؤں میں توڑے ہیں جس کی ایک ایک کڑی علیحدہ علیحدہ گنی جاسکتی ہے۔ دونوں ہاتھیوں کی تراش خراش ایک ہی وضع کی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سواری کے واسطے کسے کسائے طیار ہیں۔ اگلا ہاتھی کھڑا ہوا ہے اور اگلا بایاں پاؤں اُٹھائے ہوئے ہے۔ پچھلا ہاتھی اپنی ٹانگوں پر بیٹھ رہا ہے اور داہنا اگلا پیر جھکا ہوا ہے۔ ان دونوں ہاتھیوں میں صرف ساڑھے پانچ فیٹ کا فصل ہے۔ اگلے ہاتھی کی دُم بل کھا کر بائیں پٹھے پر پڑی ہوئی ہے۔ اور پچھلے ہاتھی کی دم داہنے پٹھے پر جس طرح ہاتھی چلنے میں دم کو اِدھر اُدھر جنبش دیتا ہے وہ اصلی حالت بتلاتی ہے۔ دونوں ہاتھی ایک ہی لین میں نہیں ہیں بلکہ اگلے ہاتھی سے پچھلا ہاتھی بائیں طرف ہٹا ہوا ہے یعنی اگلے ہاتھی کے پچھلے بائیں پیر کے مقابل پچھلے ہاتھی کا داہنا پیر ہے۔ یہ ہاتھی ایک دیول کے متعلق تھے۔ دیول تو بالکل نیست و نابود ہوگیا جس کا ایک ٹیلہ سلہ بن گیا ہے اور اُس پر چند کھم اور سلیں پڑی ہوئی ہیں اور اس کھنڈر کے سامنے ہی یہ دونوں ہاتھی ہیں۔ اب دیول کے نام تک کا پتہ نہیں چلتا۔ پچھلے عہدہ داروں نے کوشش کی تھی کہ ان ہاتھیوں کو یہاں سے نکال کر کسی اچھے مقام پر رکھا جائے۔ کچھ کچھ ان کو کھدوایا بھی مگر اتنے بڑے ہاتھیوں کا منتقل کرنا آسان نہ تھا ممکن ہے کہ ضایع ہو جاتے لہٰذا وہیں کے وہیں چھوڑ دئے۔ اسی کھیت میں اس منہدمہ دیول سے تھوڑی دور ۱۰۰ قدم کے فاصلے پر نرسیا کا دیول ہے وہ بھی زمین کے برابر ہوگیا صرف دو کھم کھڑے ہوئے ہیں۔ موضع کے جنوب رُخ پہاڑ پر ایک دیول ہے جس کو

رام لنگ کا دیول کہتے ہیں اور دیول کے سامنے ایک قدرتی چشمہ آب شیریں کا ہی جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ یہ چشمہ اندر اندر پہاڑ میں چلا گیا ہی خود بخود پانی جھرتا ہی۔ پانی سب شفاف اور شیریں ہی۔ ملیا آباد میں ایک قدیم تالاب بھی ہی۔ جس سے اب زراعت ہوتی ہی۔ آب شیریں کی کئی باؤلیاں ہیں۔ اب فصیل کے اندر مطلق آبادی نہیں ہی جب قلعہ اُجڑ گیا تو رہے سہے لوگ باہر نکل کر آباد ہو گئے اب اس کی خانہ شماری (۲۰۸) اور مردم شماری (۹۷۵) نفوس ہی۔ اس قصبہ کا اصلی نام ملّا باد تھا۔ ملّا کنڑی میں خرگوش کو کہتے ہیں اور دھنگروں کا نام بھی ہوتا ہی ممکن ہی کہ کسی دھنگر نے اس کو آباد کیا ہو۔ سنگین قول نامے میں جو ۲ فیٹ (۵) انچہ طول اور دو فیٹ پونے دو انچہ عریض پتھر پر بخط عربی کندہ ہی۔ اور اب جامع مسجد ملیا آباد کے صحن میں لاکر رکھا گیا ہی۔ اس آبادی کا نام ملیاباد کندہ ہی۔ بعدہ مسلمانوں نے ملیح آباد کرلیا۔ اس قولنامہ میں (۲۱) سطریں ہیں شروع کی چھ سطریں اور آخر کی ایک سطر بہ مشکل پڑھی گئی۔ اس کے حروف اُبھرے ہوئے ہیں اور امتداد زمانے سے مٹ گئے ہیں اور اس طرح لپیٹواں لکھا ہی کہ کسی طرح باوجود کوشش کے پورا پڑھا نہیں جاتا۔ سیاق عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہ قولنامہ مسجد کی اجرائے خدمت کے متعلق ہی جس میں شرط ادائے خدمت اور اخراجات مسجد چراغ و پانی کی سبیل بتلائی ہی یہ مسجد معمولی حیثیت کی تین چشموں کی لدائی کی ہی۔ اس کتبہ میں سنہ ۹۱۸ھ درج ہی۔ جو عبارت پڑھی گئی ہی وہ یہ ہی:۔

قول نامہ از حضرت ملک الشرف ملک عنبر خاں کالمُنْبَتِ فی الحجر فقائم الی بقاء اللہ وابك ابد من ادعان ولقالان وجمیع محترفہ۔

. . . . وجمیع سکنۂ قصبہ ملیاباد
سنہ ۹۱۸ھ

چھبیسواں ضمیمہ

نلدرگ

تاریخ بیجاپور کے پڑھنے والوں سے مخفی نہیں کہ نلدرگ کا قلعہ اور بستی سلاطین عادل شاہی کے عہد میں کیسے معرکہ کا مقام رہا ہی۔ ضرور یہ قلعہ بہت بڑا بھاری تھا اور نلدرگ ایک شہر ہوگا اس کے بعد عمل داری انگریزی میں کرنل میڈوز ٹیلر کمشنر کا سالہا سال مستقر رہا پھر مستقر ضلع رہا اور جب دہارا سیو میں ضلع کی کچہریاں اُٹھ گئیں جب بھی ضلع نلدرگ کے نام سے موسوم تھا اب وہ نام بھی ضلع عثمان آباد سے مبدل ہوگیا۔ لیکن اب تو قلعہ کس مپرسی کی حالت میں ہی اور بستی بھی ایک چھوٹا سا قریہ رہ گیا ہی جس کی آبادی چار ہزار کی ہی پہلے تحصیل تھی اب وہ بھی نہیں رہی۔ رہی سہی آبادی اس وجہ سے گھٹ رہی ہی کہ شولاپور پاس ہی جہاں بہت سے پُتلی گھر ہیں اور لوگ معقول مزدوری ملنے سے کھنچے چلے جارہے ہیں۔ اب ڈویژن افسر اور منصفی کا مستقر ہی اور ایک سرکاری ڈاکٹر خانہ بھی ہی۔ اِس مقام کی تقدیر اب ایسی پھوٹی ہی کہ تحصیل تلجاپور میں شامل کیا گیا ہی اور ضلع عثمان آباد کا ایک موضع ہی۔ شولاپور سے (۲۹) میل کے فاصلے پر واقع ہی جس میں (۱۶) میل سرحد انگریزی ہی اور باقی تیرہ میل علاقۂ سرکار عالی نظام۔ اس سڑک کے دسویں اور پندرھویں میل پر دو سرائیں بورامنی اور تاندل واڑی مواضع میں ہیں۔ سرکار عالی کے علاقہ کے تیسرے میل پر موضع الگل میں اور پھر خاص نلدرگ میں علاقۂ تعمیرات کا ایک ایک انسپکشن بنگلہ ہی۔ نلدرگ کی وجہ تسمیہ یہ ہی کہ دراصل یہ قلعہ راجہ نل کا بنایا ہوا ہی۔ دوسری وجہ یہ ہی کہ تلاّ تلنگی زبان میں سیاہ کو کہتے ہیں اور دُرگ کے معنی قلعہ۔ چوں کہ یہ قلعہ سیاہ پتھر کا ہی لہٰذا نلدرگ کے نام سے موسوم ہوا جو کثرتِ استعمال سے نلدرگ ہوگیا۔ سلاطین عادل شاہیہ کا جب تسلط ہوا تو اس کا نام شاہ درگ رکھدیا گیا جو اُن کی سلطنت کے خاتمہ پر ختم ہوگیا اور اصلی نام نلدرگ ہی زبان زد خاص و عام رہا۔ اس قلعہ کے تین حصّے ہیں۔ رام درگ یا شاہ درگ اصلی قلعہ رن منڈل

چھوٹا حصہ قلعہ کا عادل شاہیوں کا بنایا ہوا ہے اور دونوں کے درمیان "پانی محل" واقع ہے جس نے دونوں قلعوں کو جوڑ دیا ہے۔ قلعہ کے سات دروازے ہیں۔ ہرنگ دروازہ جو سب سے بڑا دروازہ ہے جس کے سامنے گردش کی دیوار بھی ہے جس پر اب بھی ایک درجن چھوٹی توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور بہت سے پتھر کے گولے بھی جمع ہیں۔ اس پھاٹک کے دروازے کے پٹ نہایت مستحکم ہیں جن پر بڑی بڑی کیلیں جڑی ہوئی ہیں جیسا کہ اکثر قلعہ کے دروازوں پر ہوتی ہیں کہ ہاتھی ٹکر مار کر توڑ نہ سکے۔ اس صدر دروازے پر اب بھی جمعیت احشام کا پہرہ ہے۔ قلعہ دار کو عـ۵ اور نو نفر جوان ہیں جن کی تنخواہ چار سے لیکر پانچ روپیہ تک ہے۔ یہ لوگ اس دروازے سے لگے ہوئے بارگوں میں رہتے ہیں۔ کالی۲ دروازہ۔ ہزار شیری۳ دروازہ۔ پانی محل۴ دروازہ۔ رمنہ۵ دروازہ۔ ہاتھی۶ دروازہ۔ پن گھٹ۷ دروازہ۔

برج قلعہ کے شمال میں ایک بہت بڑا برج "اُپلی برج" کے نام سے مشہور ہے قلعہ بھر میں یہ سب سے بلند مقام ہے جہاں سے کوسوں تک کا منظر نظر آتا ہے۔ اس برج پر دو توپیں تانبے کی ہیں جو تین سو برس کی پرانی بنی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ فصیل میں ایک اور چھوٹا برج ہے جس پر ایک سیاہ دہات کی توپ ہے۔ مغربی رُخ پر ایک برج ہے جس کا نام برینڈہ برج ہے۔ جس پر سے کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں قلعہ برینڈہ سے بذریعہ جھنڈیوں کے باتیں کرتے تھے۔ جسے اس زمانہ میں ہلیوگریف کہتے ہیں۔ ناگن برج۔ سنگرام برج جس پر ایک پیچ رسی توپ بہ شکل ہاتھی کے رکھی ہوئی ہے۔ بندہ نواز برج۔ ان راؤ برج۔ پینا برج۔ نونن برج۔ چونکہ اس برج پر نو برجیاں ہیں لہذا اس نام سے مشہور ہے۔ چار برج اور ہیں جن کے کوئی خاص نام نہیں ہیں۔ ان برجوں پر بارہ بڑی بڑی توپیں اور (۳۲) ریکلے یعنی چھوٹی توپیں ہیں۔ ہاتھی توپ کے سوائے ایک مگر توپ بھی ہے جو مگر کی شکل کی ہے اور ان دونوں توپوں ہاتھی توپ اور مگر توپ پر کندہ ہے باقی کسی توپ پر کوئی عبارت کندہ نہیں ہے۔

مسجدیں ہرنگ دروازہ سے تھوڑی دور آگے ایک چھوٹی سی مسجد ہے مگر اب ویران ہے۔ جامع مسجد بنا کردہ سلاطین عادل شاہیہ البتہ درست حالت میں ہے۔

بارود کوٹھ محاذی ہرنگ دروازہ۔

ڈنجین یعنی تہ خانے کے قید خانے ہر گنگ دروازے کی دائیں جانب وہ زمین دوز قید خانے ہیں جو بالکل تاریک ہیں۔ جن کی چھت میں صرف ایک ہی سوراخ ہے جس میں سے قیدیوں کو غذا دی جاتی تھی۔

بارہ دری قدیم مکان ہے۔ اسی مکان میں کرنل میڈوز ٹیلر رہتے تھے یہ دو منزلہ قدیم عمارت ہے۔ لیکن اب بالکل خستہ حالت میں ہے۔ کرنل میڈوز ٹیلر نے کئی کتابیں سیتا۔ تارا۔ وغیرہ یہاں کے حالات میں بطور قصہ لکھی ہیں جن میں اس نواح کے بہت سے حالات ہیں۔ یہ صاحب مدتوں دکن میں رہے اور لباس بھی ہندوستانی پہنتے تھے۔ ہندوستانیوں سے بالکل یگانگت برتتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ یہ دونوں کتابیں اُنھوں نے اپنی بیتی لکھی ہیں کہ ایک برہمنی عورت اُنھوں نے ڈال لی تھی۔ ٹیلر صاحب کا نام زبان زدِ خاص وعام ہے عورتیں اب تک چکیوں پر ان کے گیت گاتی ہیں۔

انبار خانہ قدیم عمارت تھی اب مرمت کر کے کچہری منصفی اس میں رکھی گئی ہے۔

مکانات نواب امیر نواز خاں نواب صاحب کے دو مکانات تھے جو دونوں خستہ ہیں۔

مچھلی تالاب بارہ دری کے پاس ایک قدیم حوض مچھلی تالاب کے نام سے موسوم ہے جو زمانۂ قدیم کا تھا۔ قلعہ میں پانی کی قلت ہونے سے ٹیلر صاحب نے اسے بنوایا تھا۔ اب یہ بھی منہدم ہے۔

رنگین محل اس کی کچھ ترمیم سررشتہ تعمیرات سے کی گئی ہے۔ اور منصف صاحب رہتے ہیں۔

جیل نلدرگ جب مستقر کمشنری تھا تو یہاں ایک بڑا جیل تھا اب وہ بھی گر پڑ گیا۔ صرف چار دیواری کھڑی ہے۔

رن منڈل اور ہاتھی دروازہ چھوٹے حصۂ قلعہ کا نام رن منڈل ہے اس میں کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ نہ کوئی خاص بات قابل ذکر ہے۔ یہ صرف خزانہ رکھنے کی جگہ تھی۔ اس قلعہ کے صدر دروازے کا نام "ہاتھی دروازہ" ہے اس قلعہ کی طرز عمارت سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اہل ہنود کا بنوایا ہوا تھا۔

بوری ندی قلعۂ رن منڈل کے اطراف بوری ندی ہے اور اصلی قلعۂ نلدرگ کے تین طرف یہی ندی گھیرے ہوئے ہے۔ چوتھی جانب ایک عمیق خندق ہے۔ فصیل قلعہ کی نہایت مستحکم اور بلند ہے۔ فصیل کو یہاں "بیر کوٹہ" کہتے ہیں۔

پانی محل ۱۰۲۲ھ پانی محل کی عمارت قابل دید ہے بوری ندی کو روک کر ایک بہت بھاری بند ڈالا ہے اور بند کے اندر کئی کمرے بنا دئے ہیں جن کے نام لکڑی محل ۔ گندک محل دونوں جانب اور بیچ میں پانی محل ہے جن کے اوپر سے ندی بہتی ہے اور دوسری طرف جا کر بلندی پر سے نیچے گرتی ہے کمرے نہایت وسیع اور پختہ ہوا دار اور مرتفع ہیں۔ جب چادر گرتی ہے تو اندر بھینی بھینی پھوار کا آنا عجب لطف دیتا ہے۔ عمارت ایسی پختہ ہے کہ تین سو برس سے اوپر اس کو بن کر ہوئے اور باوجود آج تک مرمت نہ ہونے کے ایک قطرہ پانی کا ٹپکنا تو کجا کہیں پانی مرتا بھی نہیں دکھائی دیتا۔ ایک ندرت یہ بھی رکھی ہے کہ نیچے بھی دو موہریاں رکھ دی ہیں جو پتال موہری کے نام سے مشہور ہیں۔ جب پانی زیادہ ہوا یہ موہریاں کھول دیں تو آناً فاناً میں سارا پانی نیچے نیچے نکل گیا اس محل پر یہ کتبہ ہے:-

از حضرت شاہ دیں پناہ منصور	شد میر محمد عماد الدیں مامور
در بستن ایں بہ توفیق آلہ	سدّے شدہ چوں سدّ سکندر مشہور
از دیدن ایں چشم محباں روشن	می گردد چشم دشمناں گردکور
از ہاتف کرد سوال تاریخش گفت	کیں سد بلطف شاہ ماند معمور

۱۰۲۲ھ

در عمل ابوالمنصور والمظفر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی بادشاہ والی بیجاپور تعمیر یافت۔

انگریزوں کا قبرستان قبریں بہت سی ہیں۔ لوگ سنگ مرمر کے کتبے اُکھاڑ کر لے گئے۔ قبریں بھی بے مرمت ہونے سے ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ اب سنا ہے کہ لنگسگور کے یورپین سیٹھری (قبرستان) کی طرح اس کی بھی دیکھ ریکھ کی جاوے گی۔

عمارات بیرون قلعہ یہ ہیں۔

جامع مسجد بیرون قلعہ کے لوگوں کے لئے قدیم زمانے کی بنی ہوئی ہے۔

مسجد سہیل خاں تیرھویں میل پر واقع ہے۔ یہ مسجد سہیل خاں سپہ سالار عادل شاہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس میں ایک نفیس باؤلی بھی ہے مگر اب قبرستان ہو جانے سے پانی استعمال نہیں کیا جاتا۔

مقبرہ نواب امیر نواز خاں ڈاک بنگلے کے قریب ہیں یہ مقبرہ نواب امیر نواز خاں اور اُن کے خاندان کے لوگوں کا ہے۔

ٹیلر نگر نلدرگ سے (۹) میل کے فاصلے پر اس نام کا موضع ہے جو اپنے آباد کرنے والے کے نام سے موسوم ہے۔

ستائیسواں ضمیمہ

قلعۂ ورنگل

بڑی اور نہایت قدیم بستی ہی جو حیدرآباد کے جنوب و مشرق یں بہ فاصلۂ (۹۲) میل واقع ہی اور
حیدرآباد بجواڑہ سکشن نظام اسٹیٹ ریلوے کا اسٹیشن ہی۔ یہ نہایت قدیم بستی ہی۔ پہلے زمانے میں بڑا
شہر ہوگا اب تو ایک قصبے کی حیثیت رکھتا ہی۔ اس کی آبادی چھ میل لمبی چلی گئی ہی۔ بیچ میں جابجا فصل ہوگیا
ہی۔ ایک طرف ورنگل اسٹیشن ہی اور دوسرے سرے پر قاضی پیٹھ اسٹیشن درمیان میں مٹھواڑہ اور ہمکنڈہ ہی۔
نواب فرامز جنگ بہادر اول تعلقہ دار حال صوبہ دار نے (جو پہلے پارسی نواب حیدرآباد میں ہوے)
جن کو تعمیر اماکنہ اور آراستگی شہر و توفیر و ترقی آبادی میں ایک خداداد دلچسپی ہی بڑی جاں فشانی ترغیب و
تحریص سے اس اُجڑی ہوئی بستی کو از سرِ نو آباد کیا۔ متعدد خوش نما بنگلے بنوائے۔ سڑکیں نکالیں۔ بازار بسائے
اور اس طرح اب ایک چھوٹا سا پُررونق شہر ہوگیا ہی۔ ورنگل بیوپار کی بڑی منڈی ہی۔ فرامز جنگ بہادر کا
ارادہ تھا کہ چھ میل کا فصل جو دونوں اسٹیشنوں میں ہی اس لمبان میں مسلسل آبادی کردی جاے اور اسی
حساب سے اُنھوں نے بنگلوں کی بنیاد ڈالی لیکن اُن کے تبادلے کے بعد بس جہاں کا تہاں
یہ معاملہ رہ گیا اور اسی وجہ سے تین ٹکڑے آبادی کے ہوگئے اور بیچ میں جگہ چھوٹ گئی۔ اب یہاں محکمۂ
صوبہ داری (کمشنری) اور دیگر محکمہ جات کا مستقر ہی۔ ایوان صوبہ داری اور اُس کے پاس ایک خوش نما مسجد
(جو نواب معین الدولہ بشیر نواز جنگ بہادر سابق صوبہ دار نے دہلی کے مستری سے بنوائی تھی) اور سنٹرل جیل جال
کی خوش نما اور وسیع عمارات ہیں یہاں کا جیل بہت بڑا ہی جس کو مسٹر ہینکن۔ سی۔ اس آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ڈائرکٹر
جنرل پولیس و جیل نے صنعت و حرفت کی ترویج سے بہت رونق دی ہی۔ جیل میں ہر قسم کا سامان پارچہ۔
فرنیچر۔ دریاں۔ قالین۔ طیار ہوتے ہیں اور ایک بہت بڑا چھاپے خانہ بھی ہی۔ یہاں کے قالین ہمیشہ سے مشہور

ہیں اب بھی جیسا قالین یہاں بنتا ہی شاید اور کہیں نبتا ہو چنانچہ پیرس کی نمایش گاہ میں مڈل (تمغہ) بھی ملا ہی۔ ہنمکنڈہ میں حضرت عبدالنبی شاہ صاحب کی درگاہ حال میں طیار ہوئی ہی حضرت موصوف بڑے بزرگ تھے آپ کا وصال چند سال قبل ہوا ہی۔ سالانہ عرس شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہی۔ زمانۂ قدیم میں ورنگل قدیم ہندو راجگان خاندان کاکتیا کا دارالسلطنت تھا روایات اور تاریخ کی رو سے یہ شہر بہت قدیم پایا جاتا ہی۔ اور صدہا سال تک جنوبی حصۂ ہند میں ہندوؤں کا ایک بڑا مضبوط قلعہ اور پناہ گاہ رہا ہی جس پر سلاطین اسلام شمالی حصۂ ہند کے بڑے بڑے معرکے متواتر رہے ہیں۔ ۶۴۳ء کے قریب ملک دکن میں راجگان خاندان چلوکیا حکمراں تھے۔ ساتویں صدی کے وسط میں سیاح ہیواں ٹھسانگ ملک ہند میں آیا تھا اُس نے لکھا ہی کہ اُس زمانے میں جنوبی حصۂ ہند تو بڑی بڑی سلطنتوں پر منقسم تھا ملک تلنگانہ میں تین سلطنتیں تھیں۔ اندھرا۔ کاکتیا۔ کلنگہ۔ اس میں سے اوّل الذکر سلطنت کا پایہ تخت شہر ورنگل تھا۔ قدیم مسلمان مورخ بدایونی نے لکھا ہی کہ سلطان محمد بن تغلق نے قلعۂ ورنگل کو ۱۳۲۱ء میں فتح کیا اس سے پہلے تلنگانہ خاندان کاکتیا ورنگل میں سات سو سال تک حکمراں رہ چکا تھا۔ ہندوؤں کی روایت یہ ہی کہ چلوکیا خاندان کا راجہ جونند گیری ملک دکن میں حکمراں تھا اُس نے اپنی مملکت اپنے دو بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی جن میں ایک لڑکا قندہار (ضلع ناندیر) پر حکمراں تھا اور دوسرا بادشاہ کٹک سے لڑائی میں مارا گیا جن کے بعد اُس کی بیوہ رانی بھاگ کر ہنمکنڈہ آئی اور اسی مقام پر اُس کے ہاں ایک لڑکا (باپ کے مرنے کے بعد) پیدا ہوا اور اسی لڑکے سے خاندان کاکتیا کی بنا پڑی۔ اِس خاندان کے تاریخی حالات زیادہ تر اُس سنسکرت کے کتبے سے معلوم ہوتے ہیں۔ جو ہنمکنڈہ کے مشہور ہزار کھم کے دیول میں موجود ہی۔ یہ کتبہ ۱۱۶۲ و ۶۳ء کا ہی اور اس میں پہلے راجہ کا نام ترِبھون ملّا بتیار رُجہ لکھا ہی۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا پرولو راجہ جانشین ہوا جو بڑا طاقتور اور جنگ جو تھا اِس کے بعد پرتاب رُدّر دیو (اوّل) تخت نشین ہوا جس نے ہنمکنڈہ کا مشہور اور عظیم الشان دیول بنوایا ہی۔ یہ بھی بڑا بہادر لڑنے مرنے والا راجہ تھا اور اس کے دور میں جدید فتوحات کے ذریعے سے چاروں طرف سلطنت کی توسیع ہوئی۔ اس کے بعد مادھو حکمراں ہوا پھر اُس کا بیٹا گنپتی ۱۲۶۳ء میں راجہ ہوا اسی نے شہر ورنگل کی اندرونی سنگ بست فصیل بنوائی۔ یہ لاولد تھا اس لئے اس کے بعد اِس کی بیوی رام رُدرّما دیوی حکمراں ہوئی اِس نے قلعے کے اطراف میں پتّھر کی فصیل بنوائی اور تیز شہر کو مٹی کی ایک دوسری فصیل سے بھی محاط کیا جس کا دور (۱۲۵۴۶) گز تھا جو اب نیست و نابود ہوگئی ہی تاہم جلد جا بجا کچھ کچھ نشان اب بھی باقی ہیں۔

فہرست گنپتی راجگان ورنگل ۔

(۱) تربھون ملّا

(۲) پرولایا پرولی راجہ جس نے میّما دیوی سے شادی کی تھی ۔

(۳) پرتاب رُدّر اول ۔

(۴) گنپتی دیو ۔

(۵) رانی رُدرماں زوجہ نمبر ۴ جس نے سنہ ۱۲۵۷ء سے سنہ ۱۲۹۵ء تک (۳۸) سال سلطنت کی ۔
رانی کی ایک لڑکی بھی تھی ۔

(۶) پرتاب رُدّر ثانی سنہ ۱۲۹۵ تا ۱۳۲۳ء

|

کرشنا

|

ونایک عرف ناگ دیو

(۱) تربھون ملّا کا کچھ حال سوائے اس کے معلوم نہیں ہے کہ ہنمکنڈہ کے ایک کتبے میں اُس کو پرولا راجہ کا باپ بتلایا ہے ۔

(۲) عام روایت ہے کہ پرولا راجہ سے پہلے آٹھ راجہ حکمراں رہ چکے تھے لیکن شہر ورنگل اسی راجہ نے بسایا۔ پرولا راجہ بحالت نابالغی راجہ ہوا۔ اس نے گجپتی راجۂ اڑیسہ کو شکست دی۔ نجومیوں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا اور ویسا ہی ہوا کہ یہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے اتفاقیہ طور پر مارا گیا۔ ہنمکنڈہ کے کتبۂ مذکورۂ بالا میں لکھا ہے کہ پرولا راجہ نے تیلپّا دیو کو ماخوذ کر لیا تھا (مسٹر فلیٹ اس کو تیلپّا سوم خاندان مغربی چلوکیان کا قرار دیتے ہیں جس کا زمانہ سنہ ۱۱۵۰ تا ۱۱۶۲ء تھا) اسی راجہ کے عہد میں ہنمکنڈہ کا محاصرہ جگدیو میسور کے سانتارا خاندان کے راجہ نے کیا تھا جس میں اُن کو پسپا ہونا پڑا ۔

(۳) رُدرایا پرتاپ رُدر اول ایک بڑا زبردست راجہ تھا۔ مذکورۂ بالا کتبہ میں اس کی سلطنت کا زمانہ سنہ ۱۱۶۲ء ہے اس میں تیلپّا سوم کی وفات اور گنپتی راجاؤں کی بعض فتوحات اور علی الخصوص ایک شخص بھیما نامی پر فتح یابی کا ذکر ہے اور شہر چوڑودیا کے شہر کے فتح کرنے کا بھی مذکور ہے جو غالباً

چولا خاندان کا راجہ یا ویسرائے تھا جسے چولا اودایار کہتے ہیں۔

(۴) ڈاکٹر برنل نے جو سال ملک کلنگا چولا خاندان میں چلے جانے کا یعنی ۱۲۲۸ء اپنی کتاب سوتھ انڈین نائے اگرفی صفحہ (۴۰) نوٹ (۴) میں لکھا ہے وہ غالباً گنپتی دیو کا زمانہ تھا۔ کلنگا دیس کے متعدد کتبے ہیں ظن غالب ہے کہ راجگان گنپتی کا عروج اس نواح میں پہلے سے چلا آتا تھا۔

(۵) رانی ردرمّا ایک عجیب و غریب عورت تھی۔ شوہر لاولد مرنے سے اس نے خود سلطنت سنبھال لی۔ اس کی طویل اڑتیس سالہ سلطنت بہ اعتبار حسن انتظام کے اپنا جواب نہ رکھتی تھی جیسا کہ مارکوپولو سیاح نے لکھا ہے کہ ،، یہ ملک پہلے ایک راجہ کے تحت تھا اور اُس کی وفات کے بعد سے تقریباً چالیس سال سے ایک ایسی رانی حکمراں ہے جو نہایت فرلیس ہے اور جس نے اپنے شوہر کی سچی وفاداری میں کبھی عقد ثانی نہیں کیا اور میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ چالیس برس تک اِس سلطنت کو اُسی طرح چلاتی رہی جیسے کہ اُس کے شوہر کے عمل میں تھا بلکہ سچ پوچھئے تو اُس سے بھی بہتر کیونکہ یہ بڑی منصف اور عادلہ صلح کل اور حق پسند تھی۔ اس کی رعایا اس سے اس لئے ایسی خوش اور اس کی ایسی گرویدہ تھی کہ کسی رانی یا راجہ کو یہ درجہ عام مقبولیت کا حاصل نہیں ہوا،، (کرنل یول کی کتاب مارکوپولو جلد دوم صفحہ ۲۹۵ ڈاکٹر گسیٹو اپرٹ مدراس جرنل ۱۸۸۱ء میں بحوالہ چند کتبات اور دفتری داخلہ سے لکھتے ہیں کہ اس رانی کے زمانے میں ایک شخص گوری گنگیا ریڈی ایک بڑا بھاری جنرل تھا ۱۲۹۵ء میں ردرمّا اپنے نواسے ردر دیو دوم کے سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد خود بوجہ کہولت سن زمام سلطنت سے دست کش ہو گئی۔

(۶) یہ زمانہ مشہور پرتاب رُدّر دوم کا ہے (۱۲۹۵-۱۳۲۳ء) جو اپنے زمانے کا سب سے زیادہ زبردست اور طاقت ور راجہ تھا لیکن افسوس ہے کہ اِس خاندان کا یہی آخری حکمراں تھا۔ ۱۲۹۵ء میں علاء الدین گورنر اودھ جو جلال الدین خلجی بادشاہ دہلی کا بھتیجا تھا دکن میں آیا اور دیوگیری (دولت آباد) کو لوٹ ڈالا جو ورنگل کے ہم سرحد تھا۔ ۱۳۰۶ء میں علاء الدین نے جو اپنے چچا کو مار کر خود بادشاہ ہو گیا تھا دوبارہ ملک کافور کی سرکردگی میں لشکر بھیجا کہ دیوگیری کے راجہ نے کئی سال سے خراج نہیں دیا تھا۔ راجہ کو بھی پکڑ کر دہلی لے گئے۔ ۱۳۰۹ء میں مسلمانوں نے ورنگل کا رُخ کیا لیکن اس مرتبہ ناکامیاب رہے لیکن دوسرے حملہ میں ردر دیو کو شکست فاش ہوئی اور

مسلمانوں نے ورنگل فتح کر کے راجہ کو اپنا باج گزار بنالیا۔ ۱۳۱۰ء میں پھر ملک دکن میں
دوار سمدر کے راجگان ہوئیسالا بلّالا پر چڑھ آیا اور پوری طرح فتح یاب ہو کر ساحل ملیبار تک
جا پونہچا جہاں اُس نے بطور یادگار ایک مسجد بھی بنادی اور دار السلطنت کو فتح کر کے ہلی بیڈو
کہ مشہور مندر کو لوٹ لاٹ کر مظفر و منصور دہلی واپس گیا۔ ۱۳۱۲ء میں ملک کافور نے دیوگیری پر
پھر قبضہ کر لیا اور راجہ کو بھی مار ڈالا۔ چھ سال بعد دہلی کا مبارک خلجی پھر آیا اور دیوگیری پر قبضہ کر کے
راجہ رام دیو کے داماد دھری پال دیو کی زندہ کھال کھنچوالی۔ ۱۳۱۸ء میں ملک خسرو نے ورنگل پر
چڑھائی کی جس کا ذکر امیر خسرو نے اپنی کتاب نور سپہر میں لکھا ہے اس میں راجہ کو بالکلیہ شکست
ہوئی۔ مسلمانوں نے ملک دکن کو اپنا آماجگاہ بنالیا تھا اور ان کے آئے دن کے حملوں نے دکن کے
راجاؤں کو بالکل پریشان اور سراسیمہ کر دیا تھا اس لیئے سب راجاؤں نے ایکا کر لیا اور راجۂ
دیوگیری کو بھی اپنے ساتھ شامل کر کے ۱۳۲۶ء کے لگ بھگ بادشاہ دہلی سے منحرف ہو گئے
ان راجاؤں کی اتنی جرأت غالباً اس وجہ سے ہوئی کہ دہلی میں خود گڑبڑ مچی ہوئی تھی جس کا نتیجہ
یہ ہوا ۱۳۲۱ء میں خاندان خلجی مٹ کر تغلق کا خاندان قایم ہوا لیکن با ایں ہمہ دکن کے راجاؤں
کا اُٹھ کھڑا ہونا نہایت بے موقع تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے بادشاہ نے پہلا کام یہی کیا کہ ۱۳۲۱ء
میں اپنے بڑے بیٹے الغ خاں کی سرکردگی میں باغی راجہ کی سرکوبی کے لیئے لشکر روانہ کیا۔ افواج
سلطانی نے خام اور پختہ دونوں قلعوں کو گھیر لیا لیکن دوران محاصرہ میں ایسی سخت وبا پھیلی کہ
لوگ گھبرا گئے اور اُن کے قدم اُکھڑ گئے اُدھر محصورین نے مار دھاڑ شروع کی اور ایسی جان توڑ کر
ان پر پلے کہ بجز محاصرہ اُٹھانے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا لیکن ۱۳۲۳ء میں دہلی سے پھر
تازہ دم لشکر آیا اور اس مرتبہ ورنگل کو مسلمانوں نے فتح کر کے راجہ کو قید کر لیا اور دہلی روانہ کر دیا۔
راجہ کا جانشین اُس کا بیٹا کرشنا ہوا لیکن بہت سا ملک اُس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ۱۳۴۴ء
میں اس نے سب ہندو راجاؤں کو ہموار کر کے بغاوت کی اور دکن میں جس قدر مسلمان تھے اُن کو چن چن کر
نکالا۔ اس مرتبہ بادشاہ دہلی نے پھر کچھ مزاحمت راجگان دکن سے نہ کی بلکہ ۱۳۵۸ء میں محمد شاہ
بہمنی نے یورش کی اور ورنگل پر چڑھ آیا لیکن تاوان جنگ لے کر واپس ہوا۔ مسلمان مورخین
ونایک دیو عرف ناگدیو کو راجہ کا بیٹا بتلاتے ہیں لیکن اس زمانہ میں خود کرشنا نایک ہی مسند آرا تھا

۱۳۱۷ء میں پھر راجۂ ورنگل اور بہمنیوں کے جنگ چھڑ گئی جس میں راجہ کو سخت شکست ہوئی قلعۂ ولم پٹن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور راجہ کے بیٹے ناگدیو کو مار ڈالا لیکن ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی خوب خبر لی اور ایسا تعاقب کیا کہ گلبرگہ پہنچتے پہنچتے صرف ایک تہائی لشکر بچ رہا تھا اس موقع پر راجہ نے سلطان دہلی سے امداد کی درخواست کی لیکن وہاں سے کچھ جواب نہ ملا۔ ۱۴۲۱ء میں پھر بہمنیوں نے ورنگل پر چڑھائی کی۔ پرتاب رددروم نے زرخطیر دے کر اطاعت قبول کر لی اور ایک صلح نامہ بھی ہو گیا جس کی رو سے دونوں سلطنتوں کی حد بندی ہو گئی۔

پرتاب رددروم نے ایک شاندار مرصّع و مکلل تخت بادشاہ دہلی کے واسطے بنوایا تھا جو آگے چل کر "تخت فیروزہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تخت آبنوس کا تین گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا تھا جس پر سونے کا تیرہ منڈھا ہوا تھا اور بے انتہا جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ تخت اس ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو صندوقوں میں بھر لیتے تھے جس سے حمل و نقل میں آسانی ہوتی تھی۔

پرتاب رددروم کا بیٹا کرشنا مسلمان ہو گیا تھا لیکن آگے چل کر وہ اسلام سے منحرف ہو گیا اور اس نے سلاطین اسلام کے دباؤ سے نکل جانا چاہا۔ ۱۳۶۴ء میں راجۂ ورنگل کو مسلمانوں نے تنگ پکڑا اور بہت دنوں تک لڑائی کے بعد صلح ہو گئی اور راجہ کے ایلچیوں نے بہاں اور بہت سے تحفے تحایف محمد شاہ کو دئے اُس کے ساتھ ہی یہ بیش بہا تخت بھی نذر دیا۔ اس تخت کے بے نظیر تحفے ہی کے خیال سے بادشاہ نے اپنی سرحد گول کنڈہ کو قرار دیا اور وعدہ کر لیا کہ جب تک تمھاری طرف سے پہل نہ ہو اِدھر سے کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی۔ خاندان بہمنیہ کے بادشاہوں نے اس تخت پر وقتاً فوقتاً اور جواہرات کا اضافہ کیا اور چودھویں بادشاہ محمود شاہ کے زمانے میں اس کی قیمت ساٹھ لاکھ روپیہ تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۴۲۴ء میں احمد شاہ ولی البہمنی نے آخر مرتبہ ورنگل پر چڑھائی کی اور راجہ کو بھی مار ڈالا اس راجہ کا صحیح پتہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس کا نام کیا تھا اور وہ پرتاب رُدر سے کیا قرابت رکھتا تھا۔ اس مختصر ضمیمہ میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ راجگان ورنگل اور سلاطین اسلام کی لڑائیوں کا ہم پورا حال لکھ سکیں جن میں شکست اور فتح کبھی ادھر ہوتی تھی کبھی اُدھر بہت سی لڑائیوں اور انقلاب کے بعد ورنگل سلطنت قطب شاہیوں میں شامل ہو گیا اور آخر کار اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں سلطنت مغلیہ میں ملا لیا۔ ورنگل کے حالات بالکل نامکمل رہ جائیں اگر ہم مشہور لٹیرے پیر اکلال کا ذکر نہ کریں جو یورپ کے رابن ھڈ

کے شہرہ آفاق تھا اور جس نے ملک دکن میں ایک اُودھم ڈال دی تھی لوگوں ROBIN HOOD کا اس کی کُھلّم کُھلّا لوٹ مار سے ناک میں دم آگیا تھا اُنھوں نے مجبور ہو کر اورنگ زیب سے درخواست کی کہ کسی طرح آپ ہی ہم کو اس ظالم کے پنجے سے نجات دلائیں۔ بڑھتے بڑھتے یہ قلعہ شاہ پور میں بہت سی فوج لے جا کر بیٹھا اور چاروں طرف لوٹ مار کرنے لگا۔ ماہ محرّم (اپریل ۱۷۰۸ء) میں پیرا نے ایک بہت بڑا لشکر سواروں اور پیدلوں کا لے کر ورنگل پر چڑھائی کی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا اور بہت کچھ قیمتی سامان لوٹا جس میں ورنگل کے مشہور قالینوں کا بھی ایک کافی ذخیرہ تھا اور جاتے جاتے بارہ ہزار قیدی پکڑ کر لے گیا۔ اتنی بڑی فتح کے بعد پیرا کا حوصلہ اور جرأت اور بڑھ گئی اور دن دہاڑے خوب لوٹ کھسوٹ کرنے لگا آخر کار بادشاہ نے اپنے ایک نہایت معتمد اور بہادر سردار یوسف خاں زربہانی کو لشکر دے کر بھجوایا اُس نے آتے ہی قلعہ شاہ پور سے پیرا یہ کو نکال باہر کیا اور اپنا قبضہ کر لیا۔ اسی سردار نے پیرا کو گرفتار بھی کر لیا اور چند روز زندہ رکھ کر اُس سے اُس کے جمع کئے ہوئے خزانوں کا پتہ لگانے کے بعد اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے اور اُس کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ ۱۷۶۷ء میں کلکتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرنل پیچ کی کمانڈ میں ایک لشکر ورنگل پر بھیج دیا۔ جس کا مقصود حیدر آباد پر دباؤ ڈالنا تھا چنانچہ نواب نظام علی خاں بہادر نے حیدر علی بادشاہ میسور سے قطع تعلق کر لیا ۱۷۶۸ء میں صلح نامہ ہو گیا جب سے اب تک اس مقام پر اور کوئی معرکہ نہیں ہوا۔ اب بھی ورنگل میں دیکھنے کے لئے بہت سے دلچسپ مقامات قلعہ۔ مندر، محلوں کے کھنڈر، فصیلیں وغیرہ موجود ہیں جو میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مندر کے چار عالی شان پھاٹک اب تک سر بہ فلک کھڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر جب کبھی ہوگا تو ہنمکنڈے کے مشہور ہزار کھم والے مندر سے کہیں بڑھا چڑھا ہوگا کیوں کہ ہزار ہا گھڑے گھڑائے نقش و نگار کے پتھر اب بھی جا بجا مکانوں اور فصیلوں میں کثرت سے لگے ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے مندروں کو توڑ پھوڑ کر مسلمانوں نے مسمار کر دیا ہے اور ان ہی کے ساتھ تمام کتبے جو ان مقامات پر تھے اور جن سے قدیم خاندان کاکاتیا کے حالات معلوم ہو سکتے تھے تباہ اور برباد ہو گئے۔
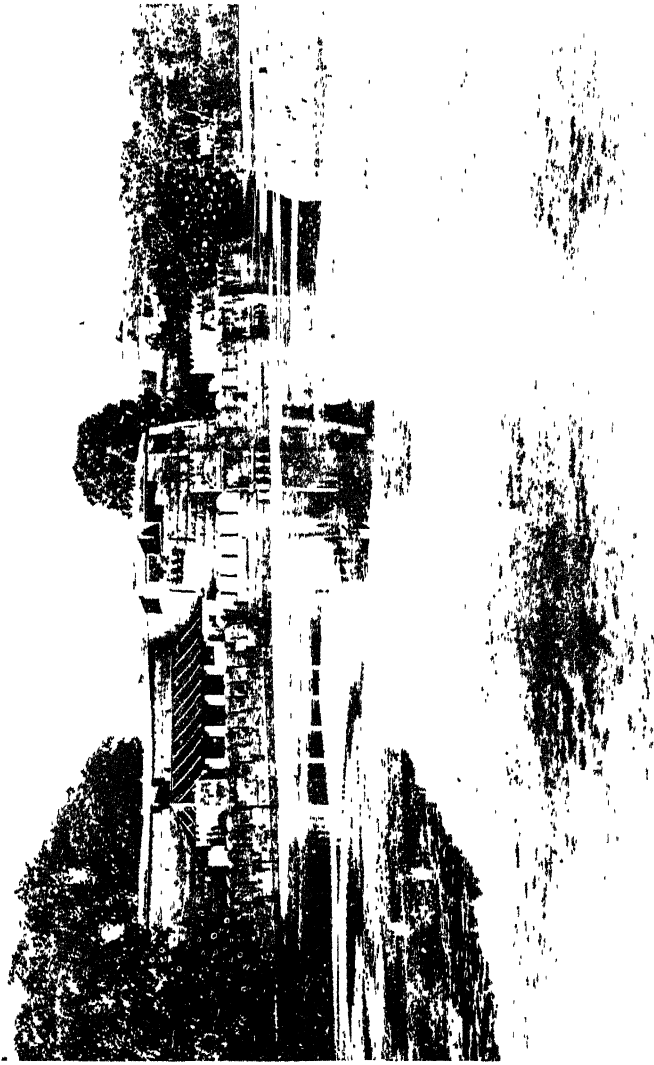
VELLORE FORT. قلعۂ ویلور

By Permission of the G.T.M. S.I.Ry., Trichy.

اٹھائیسواں ضمیمہ ویلور و سرنگاپٹن

ویلور کی آبادی ۴۳۷۹۴ نفوس ہی جو ضلع شمالی آرکاٹ کا مشہور مقام ہی۔ مدراس (دامگور) سے ۱۹۲ میل ہی کاٹ پڈی جنکشن (سوتھ انڈین ریلوے) سے چھ میل۔ ربع آبادی مسلمان فوجی لوگوں کی ہی جو سلاطین بیجاپور اور گولکنڈہ کی افواج کی نسل سے ہیں۔ یہہ مقام سطح سمندر سے سات سو فٹ بلند دریا پالار ندی سے بجانب جنوب ایک میل ہٹ کر ہی۔ قدیم بستی ولّا پاڑی میں تھی جو اب مضافات ویلور میں ہی۔ جس جگہ ولّا پاڑی ہی یہاں کثرت سے ببول بن تھا۔ اروی میں ولا ببول کو کہتے ہیں اسی وجہ سے یہہ نام پڑا شہر ویلور کو راے ویلور یا اُپے ویلور ضلع گوداوری سے رفع الالتباس کے لیئے کہتے ہیں۔ ویلور میں ایک ایسا مستحکم اور مشتین اور باقاعدہ قلعہ بنا ہوا ہی کہ جس کی نظیر اس خطۂ جنوبی ہند میں نہیں ہی۔ یہاں پہلے چھاؤنی بھی تھی مگر اب اُٹھ گئی۔ لیکن اب بھی ایک اسٹیشن اسٹاف افسر اُن فوجی لوگوں کی پنشن تقسیم کرنے کو رہتا ہی جو مختلف مقامات پر رہتے ہیں۔ شہر کی مشرقی جانب ایک پہاڑوں کا ایسا سلسلہ ہی جو شہر پر چھایا ہوا ہی جس کی تین بلند چوٹیاں مرتضی گڑھ۔ گجراؤ گڑھ اور سجّاراؤ گڑھ ہیں۔ یہہ بھی پہلے محصور تھیں۔ مرتضی گڑھ سب سے شمالی کونے والی گڑھی آخری مسلمان گورنر ویلور کی بنائی ہوئی ہی اور بقیہ دو گڑھیاں جس میں سجّاراؤ گڑھ آخری جنوبی سمت پر ہی مرہٹوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ شہر ویلور ان پہاڑیوں کے دامن میں آباد ہی جس کے اطراف شہر پناہ تھی جس کا سلسلہ پہاڑی قلعوں سے جاملتا تھا اور وہاں سے پالار ندی تک دوسرا حصار تھا۔ آب ہوا یہاں کی بہت صحت بخش ہی لیکن چونکہ پہاڑوں پھر تپتے رہتے ہیں راتیں قیامت کی ہوتی ہیں اور ایسی لپٹیں گرم ہوا کی آتی ہیں کہ توبہ قبول نہیں ہوتی بیان کیا جاتا ہی کہ بھدراچلم (جو دریاے کرشنا پر واقع ہی) کا رہنا والا ایک شخص بومی ریڈی یا بوّمی نائڈو باجازت ایک راجہ کے جو چولا خاندان کا تھا ۱۲۹۵ء میں پہلے پہل ویلور میں آکر رہا اور اُس کے بیٹے نے یہاں کے قلعہ کی بنیاد ڈالی لیکن بلحاظ طرز عمارت اور خصوصاً اینٹ کی منڈیر اور اُس کے جھروکوں کو دیکھ کر ہم کو ہزار حصے صناعی اٹیلین انجینیروں کی معلوم دیتی ہی اور بہ ظن غالب یہہ کام کسی یورپین انجینیر کا ہی اور یہہ تو یقینی بات ہی کہ قلعہ کی تعمیر کے بہت عرصے بعد یہہ اضافہ ہوا ہی۔ تعلقہ اگوڈیا ٹم میں جو مندر کی دیوار پر ایک کتبہ ہی اُس سے معلوم ہوتا ہی کہ چودھویں صدی کے وسط تک نہ قلعہ بنا تھا نہ اُس کے اندر کا مندر بلکہ یہاں کے لوگوں نے قلعہ کی قدامت کے بیان میں محض مبالغہ

گیا ہی ۱۵۰۰ء کے قریب ویلور پر نرسنگ راے راجۂ بیجانگر ہو گیا لیکن سترہویں صدی کے درمیان بادشاہ بیجاپور نے اُن سے چھین لیا اور مسلمانوں کی حکومت ویلور میں عرصہ تک رہی آخر کار تکوجی راؤ مرہٹہ نے اُن کو بے دخل کیا اور ۱۶۷۷ء میں عبداللہ خاں قلعہ دار نے قلعہ مرہٹوں کے حوالے کر دیا۔

سترہویں صدی کے اختتام پر اورنگ زیب کے مشہور جنرل ذوالفقار خاں نے قلعہ کا محاصرہ برابر دو سال تک رکھا لیکن آخر کار سنکوجی قلعہ دار سے ڈیڑلاکھ پگوڑا[1] لے کر محاصرہ اُٹھا لیا ۱۷۰۸ء میں مغلوں کے جنرل داؤد خاں اور نواب کرناٹک نے ساڑھے چار مہینے کے محاصرے کے بعد مرہٹوں کو اِس قلعہ سے بے دخل کر دیا دو سال بعد داؤد خاں کے جانشین سعادت اللہ خاں نے ویلور اور اُس کا ملحقہ ملک اپنے بھائی غلام علی خاں کو جاگیر دیدیا جس کا پوتا مرتضیٰ علی خاں عرصۂ دراز تک قلعہ پر قابض رہا آخر کار ۱۷۶۳ء میں انگریزوں اور نواب محمد علی کے مشترکہ لشکر نے تین مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح کر لیا ۱۷۷۹ء میں حیدر علی نے ویلور کے دس دس میل چاروں طرف کے سارے گاؤں اور زراعت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا (یہ واقعہ میسور کی دوسری لڑائی کے نام سے مشہور ہی) دو برس بعد حیدر علی خاں نے باقاعدہ طور پر قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہا لیکن واندی واش کے قلعہ کی تسخیر میں ناکامیابی کی وجہ سے اس ارادے سے تو باز رہا مگر چاروں طرف ناکہ بندی کر کے تمام راستے بند کر دئے۔ ویلور کے قلعہ میں جو انگریزی فوج زیر کمان کرنل راس لینگ کے تھی بھوکی مرنے لگی آخر کار بمشکل تمام ۳ر نومبر ۱۷۸۱ء کو سرآیر کوٹ نے تھوڑی سی رسد بھجوادی لیکن اِس عارضی امداد سے کیا ہو سکتا تھا کہ اسی اثنار میں انگریزوں کو شولن گڑھ کے قریب پالوپیٹ پر ناکامیابی کی خبر ملی اور برسات بھی شروع ہو گئی تھی مجبوراً انگریزی فوج کو مدراس چلا جانا پڑا اور حیدر علی کے لئیے میدان خالی ہو گیا اُس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۲ر جنوری ۱۷۸۲ء کو انگریزی فوج پھر میدان جنگ میں آئی اور گیارہویں تاریخ کو ایک دستہ فوج کا جو تین مہینے کی رسد لایا تھا قلعہ میں جا گھسا جہاں کی باقی ماندہ فوج قلت رسد سے جاں بلب تھی۔ ۱۷۹۰ء میں جب میسور کی تیسری جنگ ہوئی

---

[1] یہ ایک طلائی سکہ ہی جو انگریزی میں پیگوڈا لکھا جاتا ہی مگر صحیح لفظ پگوڑا ہی۔ یہ سکہ پہلے پہل راجہ کنتھی راے نے ۱۶۳۸۔۵۸ء میں چلایا۔ اِس کی اصلی قیمت سے (؟) کلدار ہی۔ ہندو اِس کو وَرَاہا کہتے ہیں جس کے معنی جنگلی سور کے ہیں جو وشنو کا اوتار ہی جو میسور کے راجاؤں کا نشانِ سلطنت تھا۔ پگوڑے کی اصطلاح پرتگالیوں کی گھڑی ہوئی ہی اور غالباً فارسی بُت کدہ کا بگاڑا ہوا ہی کیوں کہ اکثر پگوڑوں کی ایک طرف دیول کی شکل بنی ہوئی تھی ۱۲۔

تو انگریزوں کی فوج ویلور میں جمع تھی۔ ویلور کے لئے باستثنا اُس بلوے کے جو ۱۸۰۶ء میں ہوا در حقیقت یہ لڑائی بالکل آخری جنگ تھی ۱۷۸۰ء کے معرکے میں اِس قلعہ اور یہاں کے توپ خانے نے ایسا کام دیا کہ فرانسیسی جو چڑھ آئے تھے اُن کے دانت کھٹے کردئے تب جاکر معلوم ہوا کہ یہ قلعہ کیسا مضبوط ہی اور اس کا فتح کرنا کس قدر دقت طلب تھا۔ سجاراؤ گڑھ پر (جو اب سیئرزہل کے نام سے مشہور ہی) کئی کئی حملے روز شور کے کئے گئے لیکن لفٹنٹ بارکمانڈنگ کی دلیرانہ مقاومت کے سبب سے بار بار فرانسیسیوں کو لپس پا ہونا پڑا۔ ۱۰ رجولائی ۱۸۰۶ء کو ڈھائی بجے شب کے ہندوؤں کی ہندوستانی فوج یورپینوں پر بدل گئی جو دو کمپنیاں (۶۹) رجمنٹ کی تھیں (جو ولش رجمنٹ کی دوسری بلٹن کے نام سے مشہور ہی) دس افسر اور (۱۱۵) آدمی علاوہ زخمیوں کے مارے گئے۔ غدر کا سبب ایک نئی پگڑی تھی جو فوج کی ڈریس میں دی گئی تھی اور جدید صلیب نما پیچ کش تھا جو ہندوستانی فوج کو دیا گیا تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ اس بہانے سے اُن کا مذہب بٹال کر اُن کو عیسائی بنانا مقصود ہی۔ یہ ساری آگ ٹیپو سلطان کے خاندان کے لوگوں کی بھڑکائی ہوئی تھی جو ویلور میں بطور خود رہتے تھے۔ قلعہ میں ہندوستانی فوج پہلی رجمنٹ کی پہلی بلٹن کی چھ کمپنیاں تھیں اور تیئیسویں رجمنٹ کی دوسری بلٹن سب ملاکر پندرہ سو سے کچھ زیادہ تھی۔ ۹ رجولائی کی شب میں جو پہرے چڑھے ہوے تھے وہ سوے اتفاق سے پہلی رجمنٹ کے سپاہی تھے اور یہی رجمنٹ جزو اعظم سازش کا تھی۔ صبح سویرے ہی چند اشرار خفیہ طور پر یورپین گارڈ پر اچانک جا چڑھے اور اِن کے ساتھ پہرے پر چڑھے ہوے سپاہی بھی مل گئے اور تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا۔ وہاں سے نکل کر بلوائیوں کی ایک پارٹی پریڈ کے میدان میں پہنچی جہاں تیئیسویں رجمنٹ قواعد کو کھڑی تھی اور اُن کو اپنے ساتھ شریک ہونے کی ترغیب دینے لگی او ننگتے کو ٹھیلتے کا بہانہ یہ سب ناعاقبت اندیش بھی اُن کے پیچھے ہو لئے اور ایک جم غفیر نے یورپین بارکوں کو گھیر لیا اور گولیوں کا مینہ بے خبر سوے ہوے یورپینوں پر برسانے لگے اور گھروں میں گھس گھس کر ایک ایک کو بلا امتیاز عورت اور بچوں کے جوملا تہ تیغ کرنے لگے۔ جو لوگ جان بچاکر بھاگ نکلے انھوں نے نہایت دلیری اور شجاعت سے اِن بلوائیوں کا مقابلہ کیا اور قلعہ کے دروازہ پر ڈٹ گئے جس کی وجہ سے بلوائی قفلی دار پل کو نہ کھول سکے۔ اِدھر تو یہ کشت و خون ہو رہا تھا اُدھر بلوے کے سرغنوں نے ٹیپو سلطان کے بیٹے فتح حیدر کی بادشاہت کا اعلان کرکے قلعہ میں جھنڈا بھی بلند کردیا۔ یورپین فوج یہ دیکھ کر فوراً

نکل پڑی اور اٹھترویں رجمنٹ کے ایک سوبیدار نے جرأت کر کے کھم پر چڑھ جھنڈے کو اُتار لیا۔ اِس غدر کی کیفیت رانی بیٹ میں کرنل گلیسپی کمانڈنگ اُنیسویں ڈریگون کو پہنچی اور نو بجے دن کے وہ ساتویں نیٹو انفنٹری کے ایک دستے کو لے کر یلغار پونہچے۔ اِس کمک کے آتے ہی یہاں کا رنگ ہی بدل گیا بلوائیوں کے چھکّے چھوٹ گئے اور تھوڑی دیر میں بلوہ بالکل فرو ہو گیا۔ ساڑھے تین سو سپاہیوں کے قریب اس بلوے میں مارے گئے اور ان کے سرغنہ توپ کے منہ سے باندھ کر اُڑا دیے گئے اور پہلی اور تئیسویں دونوں نیٹو رجمٹیں ایک دم توڑ دی گئیں۔ قلعہ کی عمارت قریب قریب مربع شکل کی ہی جس میں متعدد مرتفع اور مستحکم برج اور مورچے اور ایک وسیع خندق ہی۔ قلعہ کا صدر دروازہ بڑا عالی شان ہی۔ جس کے پٹ بہت بھاری مضبوط اور مستحکم ہیں۔ دروازے تک ایک چکّردار سڑک ہی اور خندق پر ایک قفلی دار پُل ہی جسے جب چاہو گھسیٹ لو اور جب چاہو کھول دو۔ خندق میں زمین کے اندر ہی اندر سوریا گنٹہ تالاب سے پانی آتا ہی۔ فصیل میں گھڑے گھڑائے سڈول بڑے بڑے پتھر ہیں جو چُج سے جمے ہوئے ہیں۔ صرف اوپر کی منڈیر اینٹوں کی ہی۔ جس میں بندوقیں مارنے کے جھروکے رکھے گئے ہیں۔ قلعہ کے اندر شمالی و مشرقی کونے میں ایک نہایت قدیم اور عمدہ مندر ہی جو مدتوں بطور سلاح خانے کے استعمال کیا جاتا تھا۔ دو صدی گزریں کہ اس مندر میں ایک قتل ہوا تھا جس کے سبب سے وہ ناپاک ہو گیا اور جب سے اس میں پوجا پاٹ بند ہو گیا۔ مندر کا گوپرم (قبہ) سات منزل بلند ہی جس کی بلندی سو فیٹ ہی۔ اس میں سر سے پاؤں تک بے نظیر دست کاری اور صناعی کی گئی ہی۔ تصویروں اور مورتوں سے لپا ہوا ہی اور دروازہ بھی بڑا عالی شان ہی۔ یہ سیو کا مندر ہی جس کا نام جل کنٹیسوز ہی یعنی سیو جی پانی میں رہتا ہی۔ مندر کے دروازے کی دونوں طرف "دو دوار پال" یعنی دربان بہت بڑے اور ایک ہی پتھر کے تراشے ہوئے کھڑے ہیں اور گوپرم کے اندر وار جدھر دیکھو پتلے اور بت ہی بت ہیں اس میں بانی قلعہ بومّی ریڈی کا بُت بھی ہی مندر کے احاطہ کے اندر بائیں ہاتھ کو "کلیان منڈپ" ہی جس میں پہلے ہر سال دیو کی شادی کے وقت دیو کو لا کر بٹھلاتے تھے۔ اس کے ستونوں پر بے نظیر نقش و نگار اور تصاویر ہیں۔ منڈپ کی دوسری جانب سیڑھیوں کے پاس بہت سے پتھر کے ستون کھڑے ہیں جن پر انواع و اقسام کی بے شمار تصویریں جانوروں اور دیوتاؤں کی بنی ہوئی ہیں جن کے دیکھنے کے بعد انسان محو حیرت رہ جاتا ہی کہ کس محنت اور کتنے صرفے اور کس قدر مدت میں یہ کام ہوا ہو گا۔

COLUMN, VELĪORE TEMPLE ویلور کے مندر کا ستون

By Permission of the G.T.M., S.I.Ry., Trichy.

HOE AND CO., MADRAS.

اور وہ کاریگر کیسے ہوں گے۔ آج بھی ہم اس کہنے پر مجبور ہیں کہ اب یہ فن ہی ہندوستان سے مٹ گیا جب اس کی ضرورت نہ رہی تو ایسی عمارتوں کے بنانے والے بھی مٹ گئے۔ ایک شرزہ منہ پھاڑے کھڑا ہی اُس کے منہ کے اندر ایک گولہ ہی جسے ہاتھ ڈال کر جتنا چاہو پھراؤ مگر گولا نکل نہیں سکتا اسی صنعت کے دو شیر کنگ گیری کی لکھا باؤلی پر بھی ہیں حقیقت میں پتھر کو موم بنا دینا ان ہی لوگوں کا حصہ تھا چھت کو دیکھئے تو نظر اوپر گڑی کی گڑی رہ جائے نظر ہٹانے کو دل نہ چاہے۔ خیر اور نقش و نگار اور تصویریں جو ہیں وہ تو ہیں مگر تین حلقے طوطوں کے بنائے ہیں جو سر کے بل لٹک رہے ہیں اور چونچ اور پنجوں میں کنول کے پھول کی پنکھڑیاں پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طوطا الگ الگ پتھر میں تراشا ہوا ہی۔ جس کی خوبصورتی کا بیان قلم سے ناممکن ہی ہاں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہی۔ صرف جان ڈالنا باقی ہی۔ تمام ہال متعدد ستونوں پر لگا ہوا ہی اور کوئی ستون ایسا نہیں جس میں دیدہ ریزی کا کام نہ کیا گیا ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ مندر کا کوئی پتھر ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ صنعت نہ رکھی گئی ہو اور اس قابل ہی کہ اُن کاریگروں کے ہاتھ چوم لیئے جائیں اور ان پتھروں کو سونے میں تول دیا جائے۔ مندروں کے چاروں طرف لمبے لمبے برآمدے دور تک چلے گئے ہیں جن میں صدہا ستون ہیں اور کوئی ستون بھی تصاویر سے خالی نہیں اور پھر معمولی تصویریں نہیں وہ تصویریں کہ جن کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ اب بولیں کہ بولیں۔ احاطہ کے چاروں طرف چار منڈپ بنے ہوئے ہیں وہ بھی تصاویر سے آراستہ ہیں۔ شمال و مغرب کے کونے میں جو منڈپ ہی اُس کے سامنے ایک قابل دید باؤلی ہی کہ اُس میں سطح آب سے ملی ہوئی ایک کھڑکی رکھی گئی ہی جس کے اندر جانے سے معلوم ہوتا ہی کہ بالائی عمارات کے علاوہ تہ خانے میں بھی ایک کشادہ مندر ہی۔ اِس میں بھی متعدد کھم ہیں اور یہاں سے پالار ندی تک سرنگ تمام راستہ بنا ہوا ہی کہتے ہیں کہ مندر کا خزانہ یہیں ہی جس پر جنات قابض ہیں اور کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ باؤلی کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا اس وجہ سے اُس کا خالی کرنا بہت مشکل ہی اور جب تک باؤلی خالی نہ ہو اِس تہ خانے والے مندر کو کون چھان سکتا ہی ۱۸۷۷ء میں پانی بہت اُتر گیا تھا تب اسٹیشن سٹاف افسر کے ایک بابو نے اگر مندر کو دیکھا تھا ورنہ کون جاتا ہی اور ہتیلی پر اپنی جان لیکر کون جا سکتا ہی۔ قلعہ کے اندر ٹیپو سلطان کے رہنے کے محلات بھی ہیں جنوب و مشرق میں یورپین لوگوں کا قبرستان ہی جس میں بیشتر ۶۹۔ رجمنٹ کے افسر اور سولجروں کی قبریں ہیں جو ۱۸۰۶ء کے غدر میں مارے گئے تھے۔ قلعہ سے (۲۵۰) گز مغرب کی طرف حضرت مقام کی درگاہ ہی۔ قلعہ کے

مغرب میں پون میل قریب ٹیپو سلطان کے خاندان کے لوگوں کی قبور ہیں جن میں دس قبریں بڑے بڑے امرا کی ہیں اور چار سو معمولی۔ اس قبرستان کا ایک معمولی سا احاطہ کھچا ہوا ہی آج کل عمارتوں ہی کی سنبھال مشکل ہی قبرستان کو کون پوچھتا ہی گورنمنٹ نے ۶ ایکڑ زمین قبرستان کے لئے چھوڑ دی ہی جس میں سے تین ایکڑ میں تو قبریں ہیں باقی زمین میں زراعت ہوتی ہی۔ اگرچہ یہ زمین اسی واسطے چھوڑی گئی ہی کہ اس کے محاصل سے قبرستان کی نگہداشت ہو لیکن جو کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ کے آگے مُردوں کی کیا پروا کرتے ہیں۔ قلعہ سے ڈیڑھ میل پر ایک مسلمان طوائف کی قبر ہی جسے ایک مسلمان قلعہ دار نے اس مندر میں جو یہاں ہی سترھویں صدی کے آخر میں مار ڈالا تھا۔ اُسی تاریخ سے مندر کا پوجا پاٹ موقوف ہو گیا اور جو خزانہ تھا وہ بھی لُٹ لٹا گیا۔

موضع ولّا پاڑی میں ایک بہت پُرانا گر پڑا مندر ہی جو قلعہ ویلور کی تعمیر سے پہلے کا ہی مشہور ہی کہ خاندان چولا کا راجہ اُس زمانہ میں جب کہ بومی ریڈی آیا اسی موضع میں رہتا تھا۔

ہمارے اس ضمیمہ میں حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان کا ذکر آگیا ہی ان دونوں کے حالات کے لئے ایک جُداگانہ کتاب کی ضرورت ہی چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے سٹورنگ صاحب کی انگریزی کتاب "حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان" ہی لیکن جگہ کی قلت مانع ہی بریں ہم بہت مختصر طور پر عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔ خاکسار میسور اور سرنگا پٹن ابھی حال میں گیا تھا اور میری لوح دل پر ابھی وہاں کے حالات کا نقش تازہ ہی۔

نواب حیدر علی خاں اور اُس کا بیٹا ٹیپو سلطان دونوں غیر معمولی فراست و گیاست اور ملٹری سپرٹ کے لوگ تھے۔ ملک ہند میں انگریزوں کو ان سے زیادہ دلیر جوان مرد اور بہادر بادشاہوں سے کبھی مقابلہ نہیں پڑا۔ اِن دونوں کی سلطنت اگرچہ صرف (۳۸) برس ہی رہی مگر اِن کے کارنامے صفحۂ دنیا پر ہزاروں سال رہیں گے اِن کا مورث اعلیٰ حسن بغداد شریف سے اجمیر میں اپنے بیٹے ولی محمد سے ملنے آیا تھا جو اپنے چچا سے ناراض ہو کر گلبرگہ چلا گیا تھا۔ ولی محمد کا بیٹا علی محمد تھا جس نے میسور کے مشرقی علاقہ کولار میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۶۷۸ء میں وفات پائی۔ اس کے چار فرزند تھے جن میں سب سے چھوٹا فتح محمد تھا جو محاصرۂ قلعۂ جنجی میں نمایاں کام کرنے کی بدولت صوبہ دار سیرا کی نظروں میں چڑھ گیا اور نایک کی خدمت پر ممتاز ہوا لیکن وہ صوبہ دار جو اس کا مربی تھا جب بدل گیا تو فتح محمد نے اپنی تقدیر آزمائی پہلے آرکاٹ میں پھر چتّور میں کی لیکن وہاں بھی جمنے نہ پایا اور پھر میسور واپس آکر فوجدار یعنی فوجی کمانڈر مقرر ہوا اور موضع بڑی کوٹہ جاگیر ملا۔ فتح محمد نے پہلے ایک سیدانی سے

شادی کی جس سے تین لڑکے ہوئے اُس کی وفات کے بعد اپنی سالی کو عقد میں لایا۔ فتح محمد کا خسر اہل نوائط مدراس میں سے تھا۔ چھوٹی بیوی سے دو لڑکے ہوئے شہباز (بعض اس کا نام اسمٰعیل بتلاتے ہیں) اور حیدر (حیدر علی کی ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں دیتی بعض مورخین سنہ ۱۷۲۲ء بتلاتے ہیں اور بعض سنہ ۱۷۱۷ء) حیدر علی خان نے راجگان میسور سے ملک چھین لیا اور خود پادشاہ ہوگیا اور جو جو کام اس نے کئے اور لڑائیاں لڑا اور جیسے کچھ جوہر مردانگی اور شجاعت کے دکھلائے اُن سب کو ہم ترک کرتے ہیں۔ حیدر کی لڑائی انگریزوں اور فرانسیسیوں سے ہو رہی تھی۔ برسات کا موسم سر پر آجانے سے انگریز مدراس چلے گئے اور فرانسیسی کڈلور کو اور حیدر ارکاٹ سے تیرہ میل پرے اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا ہوا تھا حیدر کی پیٹھ میں عرصہ سے ایک ناسور تھا جس میں لڑائیوں کی دوا دوش سے اور اشتداد ہوگیا تھا اسی میں کمپ نرسنگ راینا پیٹ میں جو چتور کے قریب ہے، ۷ دسمبر سنہ ۱۷۸۲ء سنہ ۱۱۹۵ھ کو انتقال کیا۔ تاریخ وفات "حیدر علی خاں بہادر" سنہ ۱۱۹۵ھ ہے اور مقبرہ پر جو گنجام مضافات سرنگاپٹن میں ہے بجانب مغرب یہ قطعہ کندہ ہے ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	اللہ محمد ابوبکر عثمان علی
زہے گنبدے کز شکوہ بنا	فلک زیر دستش بود در علو
تو خواہی مہ و خواہ خورشید خوان	فلک داغ گردید از رشک او
بود شمسہ اش نور چشم فلک	قمر یافتہ ضوء تعلیم او
تراوش کنان بحر رحمت ز خاک	گرو ہے زکرّو بیاں گرد او
سحرگہ پے کسب فیض و شرف	گذشتم ازیں خواب گواہ نکو
چو آں منضجع تازہ آمد بچشم	نمودم چو روحانیاں جستجو
کہ ایں شاہ آسودہ را چیست نام	چہ تاریخ رحلت نمود است او
یکے از میاں گفت تاریخ و نام	کہ "حیدر علی خاں بہادر" بگو

سنہ ۱۱۹۵ھ

حیدر علی خاں کی وفات کے بعد اُن کا فرزند ٹیپو سلطان تخت نشین ہوا ٹیپو سلطان سنہ ۱۷۵۳ء میں بمقام دیون ہلی پیدا ہوا آپ کا نام ارکاٹ کے ایک بزرگ ٹیپو مستان اولیاء پر رکھا گیا جن کا مقبرہ نواب سعادت اللہ خاں نے تعمیر کرایا جنھوں نے سنہ ۱۷۳۲ء میں وفات پائی۔ مقبرہ پر سنہ ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء کندہ ہے ٹیپو سلطان کی والدہ ماجدہ کا نام نامی فخر النساء بیگم تھا جو میر معین الدین علی خاں گورنر کڑپا کی دختر نیک اختر تھیں۔ لوگوں کا یہ بیان کہ ٹیپو

کنڑی زبان میں شیر کو کہتے ہیں غلط ہے بلکہ کنڑی میں شیر کو "ہلی" کہتے ہیں۔ چنانچہ ضلع رائچور تعلقہ گنگاوتی میں ہلی حیدر ایک سمستان ہے جہاں ایک رانی حکمراں ہے اصلی وجہ اس خیال کے شہرت کی یہ ہے کہ ٹیپو سلطان کا بانا شیر تھا اُس کا مقولہ تھا کہ "صرف دو دن کی شیر کی طرح کی مردانہ وار زندگی بھیڑ کی دو سو برس کی زندگی سے بہتر ہے"۔ فوج کے لباسوں میں شیر کے پٹے تھے اور جس جگہ دیکھو یہی شاہی نشان تھا چنانچہ آپ کے گنبد کی چھت پر زرد اور سیاہ پٹیاں شیر کی کھال کی طرح کی بنی ہوئی ہیں ٹیپو کے محل کے سامنے کئی کئی شیر غرّاں زنجیروں میں بند ہمیشہ رہا کرتے تھے۔ ٹیپو سلطان ہمیشہ اپنے القاب کے ساتھ "اسد اللہ الغالب" لکھا کرتا تھا۔ تخت پر بھی ایک پورا سر شیر کا سونے سے منڈھا ہوا تھا جو تکیہ گاہ تھا۔ تخت پر چڑھنے کے لیئے چاندی کی سیڑھیاں تھیں اور تخت کے منبت سنہری کام پر جابجا شیر بنے ہوے تھے۔ تخت پر ہُما سایہ کیئے ہوے تھا جس کے پروں میں جواہرات جڑے ہوے تھے۔ چنانچہ اب تک ونڈ کیسل میں ٹیپو سلطان کا تخت جس پر جواہرات جڑے ہوے ہیں اور یہی ہما ہی موجود ہے۔ اس کے علاوہ خیموں اور سراپردوں کے چاندی کے کھم۔ ہاتھی دانت کی کوچ کرسیاں۔ ہاتھیوں کی مغرق جھولیں۔ گھوڑوں کے زین پوش اور گہنے۔ پالکی۔ دو نہایت نفیس کام کی بندوقیں ڈھال اور تلوار جو وقت شہادت سلطان کے جسم پر تھیں موجود ہیں۔ قلعۂ ونڈسر کی لیبریری میں ایک قرآن شریف اورنگ زیب کے وقت کا بے نظیر خط نسخ میں لکھا ہوا مطلّا و مذہب بھی موجود ہے جس کا ہدیہ نو ہزار روپیہ تھا۔ شکل و شمائل میں ٹیپو سلطان کو خدا نے ایک خاص رعب وداب دیا تھا۔ ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے نازک اور خوبصورت۔ نوکدار بلند بینی۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں گردن بھاری اور ڈیل دُہرا تھا۔ باپ کی طرح داڑھی آپ نہ رکھتے تھے مگر چھوٹی چھوٹی چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آپ کو شرم وحیا اس قدر تھی کہ سوائے آپ کے ہاتھ پیر کے کسی شخص نے آپ کا ستر نہیں دیکھا۔ ستر ڈھانکنے کا یہاں تک اہتمام تھا کہ آپ غسل کے وقت بھی سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹے رہتے تھے کیا مجال کہ بدن کا کوئی حصہ کھُل جاے۔ لباس آپ کا از حد سادہ رہتا تھا اور ایک پکّے اور کھٹے مسلمان کو جس طرح رہنا چاہیئے وہ آپ تھے۔ جب آپ سفر میں تشریف لے جاتے تو ایک کمخواب کا کوٹ زیب تن کرتے تھے جس پر شیر کی پٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ پگڑی مرہٹوں کی سی باندھتے تھے جس پر کلغی اور طرّہ لگا رہتا تھا۔ اکثر اوقات سفید رومال پگڑی پر سے گلے میں لپیٹ لیتے تھے۔ آخری زمانے میں آپ سبز پگڑی باندھنے لگے تھے۔ انگریز آپ کو "ٹیگر آف میسور" کہا کرتے تھے۔۔ بہادری۔ ہمت۔ جرأت۔ استقلال۔ مہارت فن سپہ گری میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اور درحقیقت وہ شیر کا ساول

اور بہادری رکھتا تھا۔ کسی حالت میں ایک قدم پیچھے ہٹنے والا نہ تھا۔ ۲۲ر فروری ۱۷۹۹ء کو انگریزوں نے آخری مرتبہ سرنگاپٹن کا محاصرہ کرلیا ٹیپو سلطان کے تینتیس ہزار پیدل اور پندرہ ہزار سوار علاوہ توپ خانے کے تھے اور انگریزوں کی فوج جو ویلور سے ۱۱ر فروری کو روانہ ہوئی پندرہ ہزار پیدل ۔ دو ہزار چھ سو سوار۔ چھ سو یورپین سو لجر توپ خانے کے۔ ڈہائی ہزار توپ خانے کے آدمی اور سو توپیں تھیں اس کے علاوہ ۵۰۰ فوج سرکار نظام کی اور ۶۰۰ ۳ فرانسیسی فوج اور ۶۰۰۰ با قاعدہ اور بے قاعدہ سوار تھے اس طرح طرفین کی مجموعی تعداد سینتیس ہزار تھی۔ اس کے علاوہ بمبئی سے جنرل سٹوراٹ کی کمان میں ۶۴۰۰ کی فوج اور آن پونہچی۔ ۱۷ر مارچ ۱۷۹۹ء میں جنگ شروع ہوئی اور ۲ر مئی کو قلعہ کی مغربی فصیل ساٹھ گز لمبی توپوں کی ضربات سے گر گئی اور ۴ر مارچ کو ایک بجے دن کے انگریزی فوج نے گوداوری ندی پار اُتر کر ایک سخت حملہ کیا ٹیپو سلطان بہ نفس نفیس اس جنگ میں موجود تھا آپ کا لباس ایک ہلکے رنگ کا انگرکھا تھا اور عمدہ چھینٹ کا پائجامہ۔ سرخ ریشمین پٹکہ۔ معرق دستار اور ایک مرصع بگلوس اور داہنے بازو پر ایک تعویذ۔ ۴ر مارچ کو سویرے ہی ٹیپو سلطان قلعہ وڈی (کھڑکی) پر پونہچے۔ تھوڑی دیر بعد خبر ملی کہ سید غفور جو بڑا معتمد جنرل تھا توپ کے گولے سے مارا گیا۔

---

۵۱ اِس مقام پر ایک پست دروازہ بنا ہوا ہے جو گوداوری سے پانی لانے کا گھاٹ کہا جاسکتا ہے اس دروازہ کے باہر ایک پرانا درخت بڑ کا ہے یہیں ٹیپو کے ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا آپ خاصہ رکھا رہے تھے کہ کسی نے آن کر خبر دی کہ غفور خاں کو توپ کا گولہ لگا اور ختم ہوگئے ٹیپو اُس کو بہت چاہتا تھا فوراً کھانے پر سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ گھوڑا لاؤ اور ویسے ہی سوار ہو کر خود فوج کی کمان کو نکلا۔ انگریزوں نے اسی کھڑکی پر تختی لگادی ہے کہ ٹیپو سلطان یہیں مارا گیا جو عقلاً اور روایۃً دونوں طرح غلط محض ہے۔ چنانچہ ریورنڈ طامس نے اپنی کتاب ''لاسٹ سپیچ آف سرنگاپٹم'' کے صفحہ (۸) پر اس خیال کی تردید کی ہے اور ہم کو جو جگہ مولوی عبدالخالق صاحب نے بتلائی جو خود عمر رسیدہ اور اس واقعہ کو دیکھے ہوئے لوگوں سے سن چکے ہیں وہ البتہ قرین قیاس ہے۔ اور وہی مقام پادری صاحب نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ امر مسلم یہ ہے کہ غفور خاں کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان خود فصیل پر چڑھ کر گولیاں چلا رہا تھا۔ جو قلعہ کی حالت اب ہے اُس زمانہ میں نہ تھی محلوں میں سے ایک باقی نہیں تو پھر دروازوں کا کیا پوچھنا ٹیپو بیرونی فصیل سے خندق اتر کر اندرونی فصیل کے دروازے سے قلعہ کے اندر آنا چاہتا تھا اُس وقت یہاں دروازہ تھا جو اب نہیں ہے یہ دروازہ بند پایا اور اسی تنگ گلی میں آپ نے شہادت پائی یہ جگہ اُس مقام سے بالکل ملحق ہے جہاں کہ فصیل میں شگاف پڑا تھا اور ضرور بادشاہ یہیں جاں بحق ہوا۔ نہ کہ اُس وڈی میں جہاں تختی لگادی ہے۔ دروازہ بند کرنے والے حضرت میر محمد صادق تھے جو ٹیپو کے بڑے مصاحب تھے (جن کی قبر قلعہ کے بیرونی میسور دروازے کے کونے میں کس مپرسی کی حالت میں ہے بلکہ لوگ بول و براز کرتے ہیں، ''کس نیاموخت علم تیر از من'' ۔ ۔ ۔

انگریزوں کی فوج کی کمان پر وہی جنرل بیرڈ تھا جو ۱۷۸۰ء میں پرمباکم مقام پر بیلی کی شکست کے بعد ٹیپو کی
قید میں آکر تین برس تک سرنگاپٹن کے تہ خانہ میں قید رہا تھا۔ یہ پہلے ہی سے ٹیپو کا بڑا دشمن جانی تھا قید خانے
کی صعوبت اور تکالیف کا گہرا اثر اس کے دل پر تھا۔ شمشیر برہنہ لے کر فصیل پر چڑھا اس کا چڑھنا تھا کہ ایک دم
ساری فوج ٹوٹ پڑی دریائے گوداوری کو آناً فاناً چھ منٹ میں طے کر لیا اور سلطانی فوج کی بندوقوں کی
مار اور بانوں نے کچھ بھی روک نہ کی۔ معدودے چند فوج سلطانی جو اس مقام پر تھی انگریزوں نے اُن کے
ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بات کی بات میں انگریزوں کا جھنڈا قلعہ کی فصیل پر لہرانے لگا ٹیپو سلطان فوراً فصیل کے
شگاف کی طرف مثل برق صاعقہ کے جھپٹا اور اپنی فوج میں روح تازہ ڈال دی۔ ٹیپو سلطان خود فیر کرنے
لگا لیکن دو وجہ سے اُس کو پسپا ہونا پڑا ایک انگریزی فوج کا دفعۃً ٹوٹ پڑنا دوسرے اپنی فوج کی بھاگڑ۔
ٹیپو سلطان گھوڑے پر سوار ہوا بعد نکل جانا چاہا لیکن دیکھا تو دروازہ قلعہ کا بند تھا ٹیپو سلطان دشمنوں میں گھر گیا
اور کسی نے تاک کر سینہ پر گولی ماری مگر پھر بھی ہمت نہ ہاری اور چاہتے تھا کہ نکل جائے کہ بارھویں رجمنٹ
نے باڑھ ماری۔ داہنی جانب دوسری گولی لگی۔ ران تلے جو گھوڑا تھا گر گیا۔ ناچار پالکی میں سوار ہوا۔
حالی موالی نے دست بستہ عرض کی کہ حضور اس وقت اپنے آپ کو ظاہر فرما دیں تو بہتر ہے اور یقین ہے کہ حضرت
کی ذات اقدس کو کوئی گزند نہ پہونچے گا بلکہ انگریزوں کو آپ کے حفظ مراتب کا خیال ہوگا لیکن اس غیور
اور من چلے بادشاہ نے اس عار کو گوارا نہ کیا اور جام شہادت کا مشتاق رہا ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است — رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت

اُسی وقت ایک ٹکڑی سولجروں کی اور آئی۔ اُن میں سے ایک کی نگاہ پالکی پر پڑی ٹیپو کا جگمگاتا ہوا بگلوس
دیکھ کر اُس کے منہ میں پانی بھر آیا چاہا کہ کھسوٹ لے مگر مرا ہاتھی بھی سوا من کا ہوتا ہے۔ ٹیپو گو کہ سسک رہا تھا لیکن مگر
مرتے مرتے بھی اپنا ہاتھ دکھا گئے اور ایک ضرب تلوار کی سولجر کے ایسی ماری کہ اُس کا گھٹنا زخمی ہوا اور وہ
اُلٹ کر اوندھے منہ گرا۔ وہ سمجھا تھا کہ اب اس میں کیا دم رہا ہے۔ مارا از پے گیاہ ضعیف ایں گماں نبود۔
لیکن تلوار کا زخم کھا کر وہ غصے سے پلٹا اور ایسی جوڑ کر گولی ماری کہ سر میں لگی گولی کا لگنا تھا کہ روح پرواز
کر گئی ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ تاریخ شہادت ۲۸ ذیلعقدہ روز شنبہ ۱ اماوس

۱؎ اس مقام پر انگریزوں نے بطور یادگار ایک مینار بنا دیا ہے اور پتھر کی تختیوں پر تاریخ و وقت فتح اور مقتولین کے نام
بھی کندہ کئے ہیں ۱۲۔

وقت[1] ۱۲ ا بجے دن کے۔ لیکن انگریزی فوج کو ٹیپو کی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے۔ سولجر نے مارتے تو مار دیا
مگر وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کس کے خون میں اُس نے اپنے ہاتھ رنگے۔ ٹیپو کی دار و گیر کے لئے قلعہ کا چپا چپا چھان مارا
مگر اُن کا کہیں پتہ نہ لگا مجبور ہو کر جنرل بیرڈ نے سلطان کی تلاش کا حکم دیا میجر ایلن ڈپٹی کوارٹر ماسٹر
جنرل التوائے جنگ کا جھنڈا لے کر محل شاہی پر پونہچے اور یہ سمجھ کر کہ بادشاہ محل میں ہوگا بادشاہ کی حوالگی
کا پیغام دیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد خبر ملی کہ بادشاہ ڈڈی میں زخمی ہو کر پڑا ہوا ہے۔ اس وقت اندھیرا ہو گیا تھا۔
بہت کچھ تلاش کے بعد ٹیپو سلطان کی نعش مُردوں کے انبار میں ملی۔ نعش ابھی گرم تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی
تھیں۔ چہرہ بالکل اپنی اصلی حالت پر تھا باوجودیکہ تین زخم گولیوں کے سینے پر تھے اور چوتھا کنپٹی پر مگر چہرہ
ذرا بھی بگڑا نہ تھا۔ پگڑی تیغچہ اور بگلوس تینوں چیزیں غایب تھیں لیکن بازو کا تعویذ جو پٹ کا توں بندھا ہوا تھا۔
نعش کو پالکی میں ڈال کر جنرل کے حکم سے رات بھر محل میں ہی رکھا۔ دوسرے دن ۵ مئی کو ساڑھے
چار بجے دن کے جنازہ روانہ ہوا۔ چار کمپنیاں یورپین سولجروں کی جنازے کے ساتھ تھیں۔ جنازہ
ٹیپو سلطان کے گھر والے اُٹھائے ہوئے تھے جس کے پیچھے شاہزادہ عبد الخالق اور تمامی امراء ملازمین
اور عامۂ خلائق کا بے انتہا ازدحام تھا۔ جس راستے سے جنازہ گزرتا تھا لوگ زار و قطار روتے اور
واویلا کرتے تھے۔ لال باغ کے مقبرے کے دروازے پر پونہچ کر فوج نے سلامی دی۔ قاضی صاحب نے
نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں جہاں ماں اور باپ دونوں پہلے سے آسودہ تھے دفن ہوا
ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ گورمنٹ کی طرف سے بارہ ہزار کی خیرات اُسی وقت
فقیر فقراء میں کی گئی۔ وہ رات قیامت کی رات تھی شام سے سخت طوفان شروع ہوا۔ موسلا دھار مینہ

---

[1] صحیح وقت ٹیپو کی شہادت کا مولوی عبد الخالق صاحب اور خدام لال باغ ٹھیک بارہ بجے دن کے بتلاتے ہیں اور انگریز وقائع
نگاروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرا ہو گیا تھا مشعل لگا کر نعش کو ڈھونڈ کر مردوں کے ڈھیر میں سے نکالا۔
اُس وقت بھی آپ کا جسم گرم تھا دوپہر کے مرے ہوئے آدمی کا جسم سات آٹھ بجے شام تک گرم رہنا قرین قیاس
نہیں اور انگریزوں نے خود ایک بجے دن کے دھاوا کیا اور اُن کے مقابلے پر ٹیپو سلطان خود موجود تھا تو (۱۲)
بجے دن کی شہادت یقیناً غلط ہو جاتی ہے ان واقعات کے لحاظ سے عجب نہیں کہ غروب آفتاب سے کچھ پہلے یہ
سانحۂ ہوش ربا ہوا ہو۔ اس جنگ میں ٹیپو سلطان کی طرف کے آٹھ ہزار آدمی مارے گئے اور ۹۲ ۸ سولجر اور (۶۵) افسر
اور ۶۳۹ نیٹو سپاہی انگریزوں کے۔ انگریزوں کی یورپین فوج سات ہزار تھی اور نیٹو فوج بہ استثنائے نظام کنٹنجنٹ کے بیس ہزار[2]

پڑنے لگا۔ چمک اور گرج کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ بمبئی کیمپ کے دو افسر اور چند سپاہی بجلی کے صدمے سے ہلاک ہوے اور کئی سخت مجروح ہوے۔

حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کا مقبرہ یہ مقبرہ ٹیپو سلطان نے اپنے باپ حیدر علی خان کے واسطے بنوایا تھا جو ریلوے اسٹیشن سے تین میل اور قلعہ سے قریب دو میل کے ہی۔ یہاں کی آبادی کو گنجام کہتے ہیں۔ اور لال باغ کے نام سے مشہور ہی۔ یہ مقبرہ ایک باغ کے بیچ میں واقع ہی اور مربع ہی جس پر بڑا بھاری گنبد اور منارے ہیں جس میں آواز گونجتی ہی اور چاروں طرف برآمدہ ہی جس کے (۳۶) ستون آٹھ آٹھ فٹ بلند چاروں طرف سنگ سیاہ کے ہیں۔ دروازوں پر ہاتھی دانت کا کام ہی جو لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل کا عطیہ ہیں۔ مقبرہ سے ملی ہوئی ایک نہایت نفیس اور ہر طرح آراستہ مسجد ہی۔ نوبت برابر جھڑتی ہی۔ متعدد مالی۔ داروغہ اور ناظم مقرر ہیں جن کا ماہانہ خرچ ۱۰۶ ہنوں کے حساب سے) اب تک گورنمنٹ کی طرف سے جاری ہی۔ مولوی عبد الخالق صاحب عرف امیر یہاں کے ناظم ہیں۔ مغرب کی طرف یہ کتبہ ہی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — رَبِّ ارۡحَمۡ السُّلۡطَانِ الۡکَرِیۡم

ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ — خون خود ریخت فی سبیل اللہ

بعد ذیقعدہ بست و ہشتم آں — شدہ در روز شنبہ حشر عیاں

میر سالش بہ نیم آہ بگفت — نور اسلام و دین ز دنیا رفت

تاریخ کشتہ گشتن سلطان حیدری — ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

چو آں مرد میداں نہاں شد ز دنیا — یکے گفت تاریخ شمشیر گم شد

ٹیپو سلطان بملکت چو رسید — داخل مجلس پیمبر شد

روح قدسی بعرش گفت کہ آہ — نسل حیدر شہید اکبر شد

اِنۡ اُخِذَتۡ مِصۡرَ کَمَا قَدۡ ذَکَرُوۡا — وَسَرَّحَ فَتۡنُ اُخِذَتۡ وَکَرۡبِہَا

مُصِیۡبَۃٌ مَا مِثۡلُہَا اَرَّخۡتُہَا — ذَہَبَ عِزُّ الرُّوۡمِ وَالۡہِنۡدِ کُلُّہَا

سال و تاریخ او شہید گفت — حامی دین شہ زمانہ برفت

(من کلام میر حسین)

مِنۡ کَلَامِ السَّیِّدِ الشَّیۡخِ الۡجَعۡفَرِیۡ قَدۡ صَنَّفَہُ الۡحَقِیۡرُ مِیۡر حسین علی حَرَّرَہٗ سید عبد القادر بِالۡخَطِّ الۡجَلِیِّ لِسَنَۃِ الۡہِجۡرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ ۱۲۱۳ —

مغربی جانب آں سید شہدائے عرب سبط نبی | لخت جگر فاطمہ و جان علی
ازفاطمہ و حیدر دکنی ٹیپو | سلطان شہید آں شدہ از شوق دلی

شمالی جانب كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے | بدیں جانباز سلطانے کہ آمد شد چو مہمانے

مشرقی جانب ازفاطمہ زوجہ علی شیر خدا | شد سبط نبی سید شہدا پیدا
ابن فاطمہ زاد از علی حیدر | ٹیپو سلطان کہ گشت شاہ شہدا

سمت جنوب در ملک حجاز از علی حیدر | مفتوح شدہ ہفت قلاع خیبر
زیں حیدر دکنی دول کرناٹک | گشتند مطیع یک خدیو کشور

ٹیپو سلطان کی مسجد قلعہ کے اندر ٹیپو سلطان کی بنائی ہوئی مسجد کے اندر یہ کتبات ہیں۔

کرد حضرت سلیمان اندر زمان ماضی | تعمیر مسجدی کردنامش نہاد اقصیٰ
دراین آوان فرخ سلطان دیں بنا کرد | آں مسجدے کہ مسجد نامش گذاشت اعلیٰ
طاق است چوں مہ نو طاقش بحسن و خوبی | روحش چو روح باشد دلچسپ و فیض پیرا
دارد نشان زمرہ واں صفحۂ صفا خیز | محراب دلکش او آئینہ وار لطحا
مانند زر چو جویا گشتم برائے تاریخ | طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا

۱۲۲۱ھ

ٹیپو سلطان کی طبیعت عجب جدت پسند تھی اُس نے حسابی ہندسوں کے لکھنے کا طرز بدل دیا تھا ہم سب بائیں طرف سے شروع کرتے ہیں اور دائیں پر ختم لیکن ٹیپو سلطان نے ایک جدید اختراع کی اور اس پرانے طرز ہندسہ نگاری کو بدل دیا ۱۲۲۱ھ ور اصل ۱۲۱۰ھ ۔ قدیم کتابت میں پانچ کا ہندسہ یوں لکھا جاتا تھا (۵) اور صفر اس طرح (٥)۔

مسجد کے پیش دالان میں داہنی اور بائیں جانب یہ دو طول طویل کتبے اور ہیں۔

داہنی طرف۔ قولہٗ تعالیٰ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ

ف کتبہ کی جہاں سطر ختم ہوئی ہے چلیپہ کردیا گیا ہے ۱۲

وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا + بعد از فرار کفار حکم شد که بحرب بنی قریظه روند که عهد شکسته مددگاری احزاب نمودند لشکر اسلام ایشان را پانزده شبانه روز محاصره کردند- وکار بر ایشان تنگ شد و بر حکم سعد ابن معاذ فرود آمدند + وسعد حکم کرد که مردان ایشان را بکشند و کودکان ایشان را برده گیرند واموال ایشان را مسلمانان قسمت کنند حضرت رسالت صلی الله علیه وسلم فرمود که ای سعد معاذ حکم کردی که خدا تعالے بر بالاے هفت + آسمان حکم کرده وحق سبحانه ازیں واقعه خبر میدهد و فرود آورد خدائے آناں را که یاری داده اند احزاب را وهم پشت ایشاں گشتند از اهل توریت یعنی یهود قریظه را فرود آورد از قلعهای ایشاں وافگند در دلهاے ایشاں + ترس از پیغمبر ولشکر او گروهے را که کشتند ے نه صد تن بکشتند یا هفتصد تن و برده میگیرید گروهی را یعنی فرزندان وزنان ایشاں را و میراث داد شما را زمین ایشاں یعنی مزارع وحدائق و سراهای ایشاں یعنے + حصون وقلاع ومال هاے ایشاں از نقود وامتعه ومواشی وبشما داد زمین را که نرفته آں یا مالک آں نبود دیده و مراد خیبر است یا دیار روم یا ممالک فارس وگفته آید هر زمین که بجوزهٔ اسلام درآید تا قیامت دریں داخل است وهست خدای بر همه خیر قادر و توانا +

بائیں طرف- عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ النَّاسُ تَبَعٌ لِّقُرَيْشٍ فِيْ هٰذَا الشَّاْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِّمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِّكَافِرِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ روایت ست از ابی هریره که بتحقیق نبی صلی الله علیه وسلم فرمود جمیع مردم تابع قریش را دریں شان + مسلمانان تابع اند مسلمانان قریش را و کافران تابع اند کافران ایشاں را متفق علیه وَنَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ كَمَا نَصَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الطَّائِفِ وَحَرَّقُوْا اَنَّهُ عليه الصلوة والسلام احرق البويرة قال وارسلوا عليهم الماء وقطعوا اشجارهم وَاَفْسَدُوْا زُرُوْعَهُمْ لِاَنَّ فِيْ ذٰلِكَ كَسْرَ شَوْكَتِهِمْ وَتَفْرِيْقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُوْنُ مَشْرُوْعًا- و باید داشت بر مشرکان و نیز تفنگ و درشن چنانکه برپا داشته بود رسول الله صلی الله علیه وسلم بر طائفه وبسوزید آنها زیرا که علیه الصلوة والسلام بسوخت بویره را وارسال نمایند بر آں کافران آب را و ببرید درخت هاے ایشاں را و تباه سازید کشت و کار ایشاں را زیرا که تحقیق + دراں شکست شوکت آنها است و پراگندگی جمعیت ایشاں پس در شرع ایں همه امور روا است من احب اخاه فليعلم اياه یعنی شخصیکه دوست دارد برادر مومن خود را پس آگاه نماید او را + کسے که اعانت جنگ کفار بکند در حرب بنفسه یعنے خود شریک شود یا مال یا باسلحه جنگ پس اگر معلوم شود از و میل و رغبت- بطرف دین کفار پس او ولد کفار است اگر معلوم نشود

رغبت پس قید کردہ می شود تعبیر می شود۔

دریائے دولت باغ کاوری کی بائیں شاخ پر بجانب جنوب لال باغ اور قلعہ کے درمیان دولت باغ کی بے نظیر عمارت ہی جس میں مہینوں انگریزوں کا سب سے بڑا اور نامور فوجی جنرل ڈیوک آف ولنگٹن رہا ہی۔ یہ مقام ٹیپو سلطان کا موسم گرما کا تفرج گاہ تھا۔ یہ محل دو منزلہ ہی اس میں بڑے بڑے ہال کمرے اور کشادہ کمرے ہیں جن کی اندرونی دیواریں تمام نقش و نگار سے آراستہ ہیں اور باہر کی دیواروں پر افواج کی اُس لڑائی کی تصویریں ہوبہو ہیں جس میں ٹیپو نے انگریزوں پر فتح پائی تھی سب سے زیادہ قابل دید وہ مرقع ہی جس میں بمقام پر مباکم بیلی کو شکست ہوئی جس میں جنرل کو بحالت مجبوری پالکی میں ٹھلادیا ہی اور خود ٹیپو سلطان اسپ صبا رفتار پر سوار پھول سونگھتا ہوا اپنی فوج کو بڑھا رہا ہی۔ درباری امرا جا بجا اپنے طریقے سے بیٹھے ہیں کوئی کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہی کوئی نماز پڑھ رہا ہی۔ کہیں محفل رقص و سرود ہی تو کہیں حقّے اُڑ رہے ہیں۔ غرض جنگ کے علاوہ پورے دربار کی بھی نقل ہی۔ محاصرۂ سرنگاپٹن کے پہلے ہی ٹیپو سلطان نے ان تصاویر کو مٹوا دیا تھا۔ لیکن ڈیوک آف ولنگٹن نے اپنے زمانہ قیام میں اِن کو اُجلوا دیا لیکن پھر امتداد زمانہ سے مدھم پڑ گئیں۔ لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل جب ۱۸۵۴ء میں میسور تشریف لائے تو اُن کے خاص حکم سے آخری مرتبہ ایک مقامی مصور سے ان سب تصویروں کو ازسر نو رنگایا گیا۔

سیمٹری یعنی قبرستان دریا دولت باغ سے ملا ہوا جنوبی سمت میں ایک بلند ٹیلے پر ایک یادگار اُن تمام مقتولین کی بنائی گئی ہی جو اس جنگ میں مارے گئے تھے اور وہ سب اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔

قلعہ سرنگاپٹن میسور سے آٹھ میل ریل اور پیدل دونوں راستوں سے ہی۔ سرنگاپٹن کاویری ندی کا جزیرہ ہی جو ٹیپو سلطان کے زمانے میں میسور کا دارالخلافہ تھا۔ اس قلعہ کا محاصرہ دو مرتبہ ۱۷۹۲ء و ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے کیا۔ قلعہ کی فصیل اور برج اور دروازے اب تک بحالہ قایم ہیں گو صدہا برس اس کی تعمیر کو گزر چکے لیکن دست برد زمانہ سے محفوظ ہی۔ بڑے بڑے اٹھارویں صدی کے مستند ملٹری لوگوں کی یہ رائے ہی کہ یہ قلعہ تمامی ہندوستان میں ہر لحاظ سے تمام ملک ہند کے قلعہ جات میں دوسرے درجے پر ہی۔ اس کی نہایت مستحکم فصیل اور عمیق خندق سب پہاڑ میں کاٹی گئی ہیں۔ علاوہ اِس کے شمالی اور مغربی جانب دریائے کاوری سے گھرا ہوا ہی۔ اور اس پر حملہ کرنا کچھ آسان بات نہ تھی۔ ریل کی سڑک دریائے کاوری پر سے جزیرۂ سرنگاپٹن سے گزرتی ہی اور قلعہ کے آخری مغربی حصہ کو قطع کرتی ہی۔ ریل کا اسٹیشن قلعہ کی حدود ہی میں واقع ہی۔ ریل کی سڑک پر سے فصیل اور دروازے جا بجا اچھی طرح دکھلائی دیتے ہیں۔ شمال و مغربی کونے میں دریا کی دو شاخین

ہو گئی ہیں اور ندی بالکل فصیل سے لگ کر بہتی ہے یہاں کی آب و ہوا اب بہت خراب ہے جہاں ہزار ہا آدمی رہتے
تھے اب وہاں چٹیل میدان ہے اور جا بجا زراعت ہوتی ہے چند چھوٹے موٹے کچّے مکان اب باقی رہ گئے ہیں۔
شہر جا کر اب گاؤں کی حیثیت بھی نہ رہی۔ سرنگاپٹن اجڑا کر میسور نے بے انتہا ترقی کی۔ قلعہ میں محلات شاہی
کا اب پتہ نہیں صفحہ دنیا سے اُن کے نشانات بھی مٹائے گئے لیکن لوگ بتاتے ہیں کہ یہاں فلاں محل اور وہاں فلاں
مکان تھا اب قلعہ میں دیکھنے کی چیزیں جو بچ رہی ہیں صرف یہ ہیں۔ قلعہ کی شمالی فصیل سے ملے ہوئے ڈنجین (وہ
تہ خانے جہاں قیدی رکھے جاتے تھے) ہیں جس میں یورپین قیدی محبوس تھے۔ یہ مکانات زمین کھود کر بنائے گئے
ہیں لیکن چشم انصاف میں تبلا سکتی ہے کہ یہ ہرگز ڈنجین نہ تھے اور کسی طرح ان پر تعریف ڈنجین کی صادق نہیں آتی
بلکہ سپاہیوں کی نشست گاہیں تھیں چنانچہ جمعیت کی درلیں اور ہتیار رکھنے کے مچان اب تک موجود ہیں۔ تاریکی
ان میں نام کو نہیں۔ ہوا کا گزر برابر ہے پھر خدا جانے ان کو ڈنجین کیوں کہا جاتا ہے۔

سری رنگ ناتھ سوامی کا دیول جزیرۂ سرنگاپٹم ایک بہت قدیم مقام ہے جس کی پُرانی ہسٹری تاریکی میں
ہے۔ سب سے پہلا حال جو معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ گنگا خاندان کے راجگان اس مقام پر قابض تھے۔
بارھویں صدی میں ہوئیسالہ راجہ دوار سمدرا (ہالی بیڑ) نے دریائے کاوری کے دونوں کناروں پر کچھ زمین
مشہور سری وشنو کے چیلے رامنو جاچاریا کو دی تھی اور ان ہی لوگوں کا بنایا ہوا سری رنگناتھ سوامی کا بڑا
بھاری اور بہت قدیم دیول یہاں موجود ہے۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں یہاں کا راجہ راجگان
بیجانگر کا تابع ہو گیا اور سترھویں صدی کے شروع میں راجگان میسور یہاں کے حکمراں ہوئے اور یہی
دار السلطنت تھا۔

ڈی ہویلینڈ کی کمان اس نام کا انجنیر تھا جس نے میسور گورنمنٹ کے لئے بطور نمونے کے یہ محراب
اپنے بنگلہ کے کمپونڈ میں ۱۸۰۸ء میں اس غرض سے بنائی تھی کہ (۱۱۲) فیٹ عریض محراب بھی بن سکتی ہے۔ یہ نہایت
وسیع کمان صرف اینٹ اور چونے کی ہے اُس پر پلاستر بھی نہیں ہے کوئی دو فیٹ چوڑی ہے اور اسی قدر آثار ہے بالکل
اُدھری ہے اور اپنے فن کا کمال یہ دکھلایا ہے کہ اس کے وسط میں پونہچ کر ڈاٹ پر آہستہ سے بھی کود دو تو کمان اچھی
خاص طرح لچک جاتی ہے اور اُس کی حرکت صاف معلوم دیتی ہے۔

سکاٹ صاحب کا بنگلہ بجانب مغرب دریا کے کنارے سکاٹ صاحب کا بنگلہ ہی جو توپ خانے کا ایک افسر تھا۔ یہہ بنگلہ میسور کے راجہ نے بنوادیا تھا۔ ۱۸۱۶ع میں ہیضیہ کا اِس قدر اشتداد ہوا کہ بیچارے کے بیوی بچے سب مرگئے سکاٹ صاحب بنگلہ چھوڑکر چلے گئے جب سے یہہ بنگلہ مع سامان و فرنیچر جوں کا توں اُسی حالت میں اب تک موجود ہی گو سامان بوسیدہ ہوگیا ہی لیکن پھر بھی یہہ افسوس ناک یادگار اپنی حالت پر قایم ہی۔

مال غنیمت محلات شاہی پر جب انگریزوں کا تسلط ہوگیا تو نامعلوم خزانہ میں ایک چور راستہ تھا جس میں سے بہت سی نقدیات اور جواہرات پہلے ہی پار ہوگئے لیکن پھر بھی جو بچ رہا اور انگریزوں کے ہاتھ لگا وہ بھی ایک بیش بہا ذخیرہ تھا۔

ایک بیش بہا تخت۔ ایک نہایت مرصع ہودا عجیب وغریب مرصع بندوقیں اور تلواریں۔ سونے چاندی کے بے شمار ظروف۔ ایرانی قالین اور شطرنجیاں چینی کے ظروف۔ کثیر التعداد جواہرات۔ ایک نہایت قابل قدر کتب خانہ۔ لوٹ کھسوٹ کے بعد صرف نقدی جو ہاتھ لگی سولہا لاکھ پگوڑا تھے جس کے چار لاکھ اسی ہزار پونڈ۔ بہتر لاکھ روپئے ہوے اور نو لاکھہ کے جواہرات دستیاب ہوے۔ ۹۲۹ چھوٹی بڑی توپیں جس میں (۷۶) بارہ پونڈ بارود لیتی تھیں۔ کتب خانے میں اکثر بے نظیر قلمی کتابیں تھیں جن کی تفصیل یہہ ہی۔ قرآن شریف ۴۴۔ تفاسیر ۴۱۔ کتب اوراد و ظیفہ ۳۵۔ احادیث ۴۶۔ الہیات ۴۶۔ تصوف ۱۱۵۔ اخلاق و فرائض ۴۴۔ فقہ ۹۵۔ سائنس ۱۹۔ فلسفہ ۵۴۔ علم ہیئت و ہندسہ ۔ طب ۔ صرف و نحو ۴۵۔ لغت ۲۹۔ تاریخ ۱۱۸۔ انشاء ۔ دیوان ۱۹۰۔ ہندی و دکنی نظم ۲۴۔ ہندی و دکنی نثر ۔ ترکی نثر ۔ قصص ۱۸۔ اِن میں کی بعض کتب شاہان بیجاپور اور گولکنڈہ کے کتب خانوں کی بھی تھیں لیکن اکثر چیتور۔ ساوانور۔ اور کرٹپے کی لوٹ کی تھیں۔ اِس میں سے صرف ایک قرآن شریف جس کا ذکر ہم اوپر کرآئے ہیں وہ تو ونڈسر کیسل کو بھیجا گیا باقی سارا کتب خانہ کلکتہ کے کالج میں منتقل کردیا گیا۔

ٹیپو سلطان کے ملک کی تقسیم بروے عہدنامہ مورخہ ۲ جون ۱۷۹۹ع اور بعد کے حالات جب قلعہ سرنگاپٹن کو انگریزوں نے سر کرلیا تو لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل نے نہایت دانش مندی سے اس سلطنت کی تقسیم کی اور ۲۲ جون ۱۷۹۹ع کو فیمابین ایسٹ انڈیا کمپنی و نواب نظام الدولہ آصف جاہ بہادر و پیشوا راؤ پنڈت پردھان بہادر ایک عہدنامہ ہوا۔ اتنی بڑی جنگ کے بعد یہہ تو ممکن نہ تھا کہ ٹیپو سلطان کی اولاد کو کچھ حصہ ملک کا دے کر پھر بھی حکم راں رکھا جائے کہ افعی را کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن کار خردمندان نیست

اور یہ بھی مناسب نہ تھا کہ اُن کو بالکل محروم کرکے سارے کا سارا ملک خود لے لیں اس لئے تقسیم کے وقت برٹش گورنمنٹ نے سرکار نظام اور مرہٹوں کے حقوق کا پورا لحاظ رکھ کر حسب ذیل ملک کی تقسیم کرلی (تفصیل کیلئے دیکھو حصۂ آخر ضمیمہ) باقی حصہ ٹیپو کی مملکت کا جو اس تقسیم سے بچ رہا اور جس کی تخمینی آمدنی تیرہ لاکھ چوہتر ہزار ایک سو پگوڈا تھی اور جو میسور کے اُس حصہ ملک سے زیادہ تھا جو حیدر علی خاں بہادر نے ۱۷۶۱ء میں غصب کرلیا تھا وہ مہاراجہ میسور کے صغر سن بچے کشن راج وڈیر کو جس کا باپ چام راج ۱۷۹۶ء میں مرگیا تھا بطور معافی اس شرط پر دیا گیا کہ سالانہ خراج سات لاکھ پگوڈا کا برٹش گورنمنٹ کو دیا کریں اور عام نگرانی اسٹیٹ کی بذریعہ رزیڈنٹ کرائی جائے گی اور جزیرہ سرنگاپٹن براہ راست برٹش گورنمنٹ کے قبضہ میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائے گا۔ برٹش گورنمنٹ کے اس فیاضانہ عطیہ کو بیوگان چکا کرشن راج اور چام راج نے تحریر ذیل مندرجہ ۲۴ ر جون ۱۷۹۹ء میں بہ طیب خاطر شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

"آپ نے ہمارے بچے پر حکومت میسور نگر کی مع متعلقات بحال کردی ہی اور پرنیا کو دیوان مقرر کیا ہی اس سے ہم بے حد مسرور ہوے۔ ہماری حکومت جاکر چالیس برس ہوگئے۔ اب آپ نے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہم کو دیا اور پرنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہم جب تک مہ خورشید تابان ہی کبھی آپ کی گورنمنٹ سے خلاف نہ کریں گے۔ ہم ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کا تابع فرمان سمجھیں گے۔ آپ نے ہمارا نام قایم کیا یہ بات ہمارے خاندان میں پشتہا پشت تازہ یادگار رہے گی۔ ہماری اولاد اصلا آپ کی گورنمنٹ سے اظہار حسن عقیدت کو کبھی فراموش نہ کرے گی جس کی امداد پر ہمارا بھروسہ ہی۔

شرح دستخط لچھمی امنی

دیواجی امنی

گورنر جنرل بہادر کے احکام کی تعمیل کے لیے جو کمشنر مقرر ہوے تھے اُنھوں نے نہایت فیاضی اور سیر چشمی سے امراے دربار اور ٹیپو سلطان کی لپس ماندوں کی پنشنیں مقرر کیں جو اب تک جاری ہیں۔ چنانچہ پرنس بختیار شاہ سی۔ آئی۔ ای شرف آف کلکتہ کو جو ٹیپو سلطان کے پڑپوتے تھے معقول پنشن ملتی رہی اُن کی وفات کے بعد سلسلہ پنشن کا اس خاندان میں ختم ہوگیا اب اس خاندان میں پرنس بختیار شاہ کے بھائی پرنس غلام محمد ہیں جو کلکتہ میں رہتے ہیں ٹیپو سلطان کا خاندان جو کلکتہ میں تھا اُس کے علاوہ میسور میں بھی اس کی ایک شاخ ہی نواب میر قمر الدین علی خاں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں اُن کو علاوہ دو لاکھ دس ہزار روپیہ کی ذاتی جاگیر کے جو گرم کنڈہ کے نام سے موسوم تھی اب بھی پولیٹکل پنشن

برٹش گورنمنٹ سے ملتی ہی۔ میر قمرالدین علی خاں کے مورث اعلیٰ میر معین الدین علی خان بہادر نقش بندی قادری تھے اُن کے فرزند نواب میر رضا علی خان تھے جن کی بہن فخرالنساء بیگم حیدر علی خان کی زوجہ اور ٹیپو سلطان کی والدہ تھیں۔ اِن کے بعد کا سلسلہ حسب ذیل ہی۔

نواب میر رضا علی خان کے دو فرزند۔ بڑے صاحب زادے نواب میر قمرالدین علی خان جن کا ذکر عہدنامہ میں ہی اُن کی وفات کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی نواب میر محمود علی خان پولیٹیکل منسٹر تھے جو اُن کے صاحب زادے نواب سید محمد ٹیپو سلطان علی خان اور پوتے میر کمال الدین علی خاں کے نام اب تک جاری ہی جو اس معزز خاندان کی باقیات الصالحات ہیں۔ صاحب موصوف نہایت روشن خیال اور محب قوم ہیں۔ آپ علاوہ گورمنٹ پنشنر کے مہاراجہ میسور کے مصاحب بھی ہیں۔ یہ اعزاز بھی ان کے خاندان میں تین پشت سے ہے۔ نواب میر محمود علی خاں برٹش گورمنٹ اور میسور سرکار کے درمیان معزز خدمت وکالت پر مامور تھے بعد میں یہ خدمت مصاحبت سے بدل گئی۔ نواب میر کمال الدین خان نے اپنے دو بڑے لڑکوں کو علی گڈہ کالج میں تعلیم دلائی۔ میسور کے یہ پہلے مسلمان تھے جنھوں نے جرأت کرکے قدیم تعصب کی قید کو توڑا اور اپنے جگر گوشوں نہ صرف انگریزی کی تعلیم دلائی بلکہ ولایت بھی بھیجا۔ بڑے صاحب زادے میر اقبال علی خان بی اے تک تعلیم پاکر انجنیرنگ کے لیئے ولایت گئے ہوے ہیں اور چھوٹے فرزند میر باسط علی خاں ۱۹۱۳ء میں ولایت سے فخر خاندان و قوم ہوکر ڈبل بی۔ اے کی ڈگری لے کر آئے۔ یعنی ڈبلن یونیورسٹی کے علاوہ کیمبرج کی مشہور اور مستند گریجوایٹ بھی ہیں جو ایسی آنر ہی کہ بہت کم ہندوستانیوں کو نصیب ہوتی ہی اور سونے پر سہاگہ یہ کہ اس حداثت سن میں تیرہ سے آپ بیرسٹر بھی ہیں اور اپنے واجب التعظیم خاندان کے نیر درخشاں ہیں۔

۱۲ مئی ۱۹۱۴ء میں اپنے عزیز دوست مسٹر آر سی۔ اینگار۔ بی۔ اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع رایچور کی ہمشیرہ کی شادی کی تقریب میں شرکت کی غرض سے گیا تھا جو ایک نامور اور لایق باپ راؤ بہادر ایم۔ سی۔ رنگا اینگار۔ ایڈوکیٹ کے فرزند رشید ہیں اور وہیں میر باسط علی خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی وہ فرط محبت سے مجھے اپنے دولت خانے پر کھینچ لے گئے۔ میں نے صاحب موصوف کو ہمہ صفت موصوف پایا۔ یہ صاحب تعلیم اور پابندی مذہب دونوں اعتبار سے لاجواب ہیں اور ایسے ہی جوانان صالح سے مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت کی درستی کی امید ہی۔
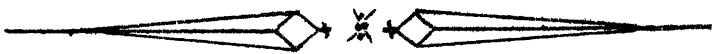
ٹیپو سلطان کی مراسلت کا ڈھنگ اور ایک فرمان کی نقل

نواب حیدر علی خاں تو بالکل لکھے پڑھے نہ تھے دستخط بھی مشکل سے کرتے تھے ایک دن کسی فرمان پر اپنا نشان بنا رہے تھے وزیر سامنے دست بستہ کھڑا تھا۔ اور محو حیرت تھا۔

بہ ناداں آنچناں روزی رساند ۔۔۔ کہ دانا اندراں حیراں بماند

حیدر علی خاں بہادر تاڑ گئے کہا کہ دستخط کو کیا دیکھتا ہے۔ پیشانی کو بتلایا کہ یہاں دیکھ۔ یعنی میرے طالع کو دیکھ ٹیپو سلطان البتہ ذی علم تھا۔ جیسا کہ اُن کے کتب خانے سے ظاہر ہے۔ جس وقت ہم سرنگاپٹن گئے وہاں کے ناظم مولوی محمد عبدالخالق صاحب سے ملاقات ہوئی اُنھوں نے ہم کو ایک اصلی بیاض دکھلائی جو ٹیپو سلطان کے فرامین کا مسودہ تھا جس پر بادشاہ کے دستخط تھے۔ ٹیپو سلطان نے ایک جدّت یہ کی تھی کہ سنہ ہجری نہیں لکھتا تھا بلکہ سنہ ولادت نبوی اور ہر سال کا ایک ایک نام خاص رکھ دیا تھا میں نے ایک فرمان دیکھا ہے جس میں تاریخ حسب ذیل درج ہے (۲ بہاری سال شاداب سنہ ۱۲۲۶ مولود) دستخط اکثر بنی مالک اس طرح کرتا تھا [دستخط] اور بعض وقت ٹیپو سلطان بھی اس طرح لکھتا تھا۔ [دستخط]

۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ٹیپو کو فتح علی خاں کا خطاب بھی دیا تھا مگر وہ کبھی استعمال نہ کرتا تھا۔ اپنے آپ کو سرکار خداداد لکھا کرتا تھا۔ طبیعت جدّت پسند بہت واقع ہوئی تھی نہ سیاہی سے لکھتا تھا نہ سرخی سے بلکہ دونوں کو مخلوط کر کے لکھتا تھا۔ طرز تحریر بہت سخت تھا۔ لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل نے ۸ ر نومبر سنہ ۱۷۹۸ء میں ایک نہایت نرم تحریر بہ شکایت اس امر کے لکھی کہ آپ باوجود بارہا اطمینان دلانے کے بھی فرانسیسیوں سے تعلقات بڑھاتے جاتے ہیں اور میجر ڈوٹین کے ساتھ یہ شقہ اس غرض سے بھیجا کہ گورنر جنرل بہادر کے منشاء کو زبانی بھی بیان کریں گے لیکن ٹیپو نے اس تحریر کا کچھ جواب نہ دیا۔ اس طرح گورنر جنرل بہادر کی بہت سی تحریرات کو پس پشت ڈال دیتا تھا بلکہ بعض پر "جواب ندارد" لکھ کر پھینک دیتا تھا۔ ۱۳ ر فروری کو ٹیپو سلطان نے گورنر جنرل بہادر کی خدمت میں لکھا ہے "چونکہ مابدولت اکثر سیر و شکار کو جاتے رہتے ہیں۔ اب بہتر ہے کہ میجر ڈوٹین کو جن کی نسبت آپ نے قبل ازیں مجھکو لکھا تھا اکیلا بھیج دیں" اصل فارسی کے لفظ یہ تھے "جریدہ روانہ باید کرد ما"

جس بیاض کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اُس میں ایک فرمان ہماری نظر سے گزرا جس کی نقل ہو بہو ہم ذیل میں کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ جو لوگ مسلمانوں پر ترویج غلامی کا الزام دیتے ہیں وہ کس حد تک بجا ہے۔

درشہر گنجام برادران وخویشان مردم نوکرپیشہ وغیرہ کہ بیروزگارہ ہستند آنہا را گرفتہ درپیادہ ہاے علاقۂ ایشاں نوشتہ نوملازم کنانند وغلاماں را در سرکار خداداد یک قلم آزاد فرمودہ شدہ است ایشاں نیز تقید وخبرگیری این معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند غلاماں برضا ورغبت خود بیش ہرکس کہ بطور نوکراں نوکری نمایند مختار اند۔ نوزدہم ماہ دے سال حراست سنہ یک ہزار ودوصد وہشت وچہار مولود محمد [signature] "

ٹیپو سلطان کی اولاد

۲۲ر اپریل ۱۷۹۹ء کے اُس خط میں جو لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل ہند نے ٹیپو سلطان کو لکھا تھا آپ کے چار صاحبزادوں کے نام یہ درج ہیں۔ سلطان پادشاہ۔ فتح حیدر۔ معزالدین۔ عبدالخالق۔

نوٹ۔ برٹش گورنمنٹ نے ~~معہ لک~~ کانتھی یاری پیگوڈا کے محاصل کا علاقہ لیا (یہ کانتھی یاری پیگوڈا پانچ معمولی پیگوڈا کے برابر ہوتے ہیں) جس میں مغربی ساحل کے تمام تعلقات شامل تھے لیکن اس میں سے خاندان حیدر علی خاں اور ٹیپو سلطان کے ممبروں کے لیے ایک علاقہ محاصلی دو لاکھ ستار پیگوڈا کا محفوظ کیا جو مساوی ہے دو لاکھ چالیس ہزار کانتھی یاری پیگوڈا کے ~~صمہ لک~~ کانتھی یاری پیگوڈا کا علاقہ خود لیا او ~~معہ لک~~ کا علاقہ سرکار عالی نظام کو دیا جس میں سے میر قمرالدین خاں کی ذاتی جاگیر کی بابت دو لاکھ دس ہزار روپیہ یا ستر ہزار کانتھی یاری پیگوڈا وضع جا کر تمہ ~~صمہ لک~~ کا علاقہ سرکار نظام کو ملا۔ اور پیشوا کو چھبیس لاکھ چار ہزار کے محاصل کا علاقہ دیا۔ اس طرح برٹش گورنمنٹ نے ٹیپو سلطان کے خاندان کی کفالت کی اور سرکار نظام نے میر قمرالدین علی خان کی اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرط نوازش سے علاوہ بیش قرار جاگیرات کے تنخواہ جاگیر بھی مقرر فرمائی۔

اُنتیسواں ضمیمہ

ہٹّی

ہٹّی کا معدن طلا رائچور سے (۵۰) میل اور لنگسگور سے (۹) میل ہی ریلوے لین جو حیدرآباد سکندرآباد گدڑگ ریلوے کے نام سے موسوم ہی وہ حیدرآباد سے محبوب نگر۔ گدوال۔ رائچور۔ ہٹّی۔ لنگسگور۔ مدگل کشٹگی۔ ہوتی ہوئی گدگ پر سدرن مرہٹہ ریلوے سے جاملی ہی۔ یہ لین اب تک طیار ہو جاتی لیکن جنگ یوروپ کے سبب سے کام میں ڈھیل پڑگئی ہی۔ سونا نکالنے کا کام ایک انگریزی کمپنی جس کا نام دکن مییننگ کمپنی تھا ساڑھے بارہ برس سے کررہی ہی سونا اور دیگر معدنیات کی تلاش مختلف مقامات پر کی گئی خصوصاً کندیدگی معدن طلا کا کام مواضع وندلی۔ توپل دُڈّی۔ بُدنّی۔ اوٹو وغیرہ مقدمات پر امتحاناً آغاز کیا گیا لیکن سوائے وندلی کے اور کسی مقام پر کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ وندلی سے ساٹھ ہزار پونڈ کا سونا برآمد کیا گیا۔ لیکن آخرکار یہ کمپنی دیوالیہ ہوگئی۔ سونا عموماً ہلکی نیلی رنگ کی چٹانوں میں جس میں دھاریاں پڑی ہوئی ہوں پایا جاتا ہی اور ایسے پہاڑ دھاروار شیسٹا (چٹان) میں پائے جاتے ہیں۔ معدن ہٹّی حیدرآباد دکن مییننگ کمپنی کی ملکیت تھی بارہ برس ہوے کہ موجودہ ہٹّی نظامز گولڈ مین کمپنی نے اس کو خرید لیا۔ ہٹّی اور اطراف کی گویوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ زمانۂ قدیم میں بعض بعض مقامات پر (۶۱۰) فیٹ گہرا کھود کر سونا نکال لیا گیا ہی۔ معدن ہٹّی تمام دنیا کی طلائی معدنوں میں سب سے زیادہ عمیق ہی افسوس ہی کہ کوئی تاریخی داخلہ اس بات کا نہیں ملتا کہ کس زمانے میں یہاں برآمد طلاء کا کام ہوا تھا۔ قدیم مالکان اراضی کہتے ہیں کہ یہ گویاں اُس زمانے میں کھودی گئیں ہیں کہ جب امرلیشور کے دیول کے واسطے پتھر کی ضرورت تھی (یہ دیول متصل پڑدونہ مواضع رامپور و دیور بھوپور کے سرحد میں ہی) دیول کے قریب وجوار میں عمارت کے لائق پتھر نہ ہونے سے ہٹّی کی سرحد میں سرنگیں کھودنی پڑیں۔ بلحاظ عمارت دیول یہ قیاس کیا جا سکتا ہی کہ حالیہ کمپنی کی
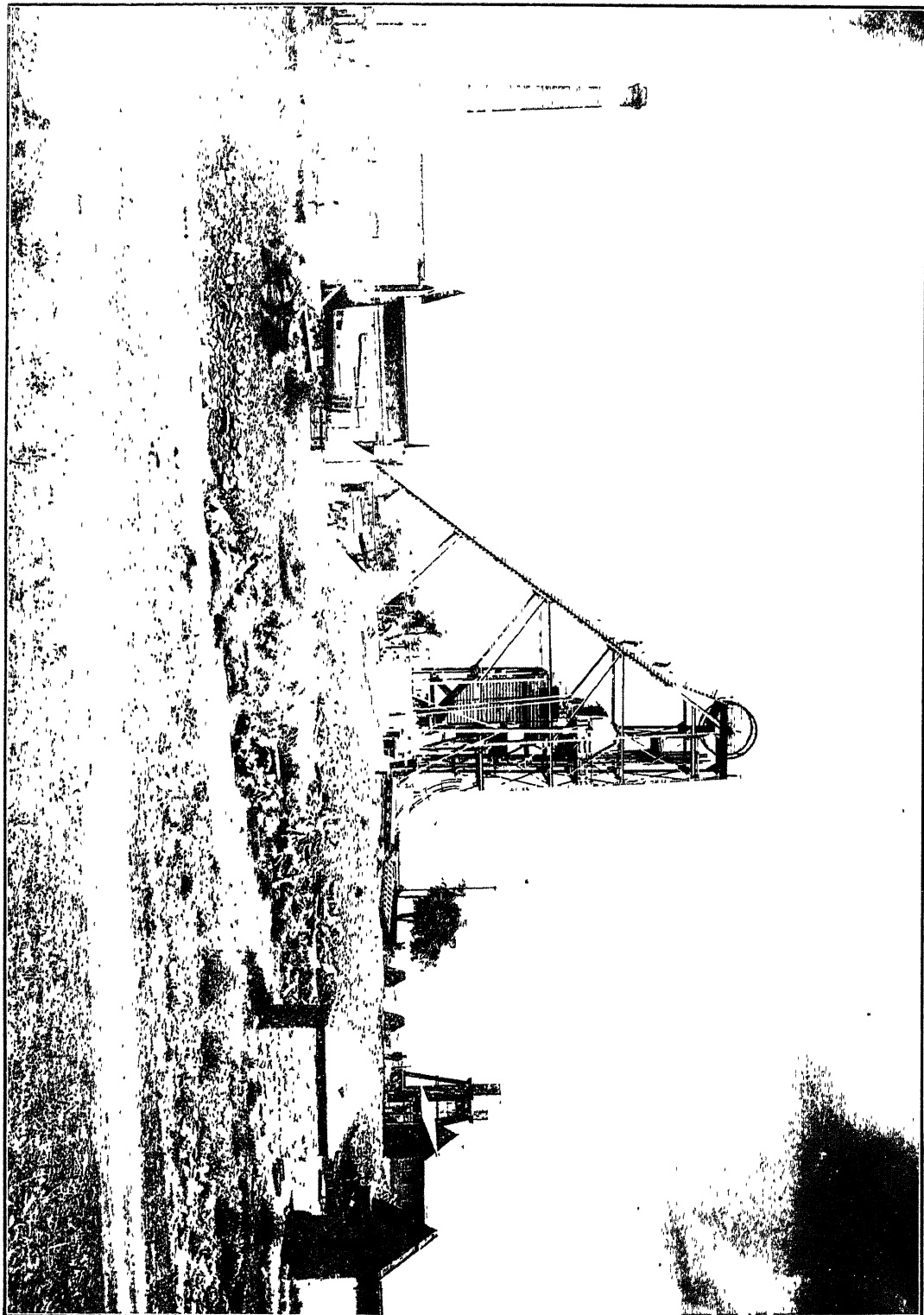
کندیدگی سے کم سے کم آٹھ یا نو سو برس پیشتر اس مقام سے سونا نکالا گیا ہی چنانچہ معدن کے اندر ایک پرانے زمانے کی لکڑی کی ناٹ اور کچھ پتھر کے کونڈے بھی نکلے یہ معدن اب دو ہزار چار سو فیٹ کی گہرائی تک کھودی جا چکی ہی اور شمال و جنوب میں (۸۷) اور (۳۴۰) فیٹ ادھر اُدھر کھدائی ہوئی ہی۔ آغاز کا ۱۹۰۲ء میں ہوا ہی اُس وقت سے اب تک ایک لاکھ چالیس ہزار اونس سونا برآمد ہوا ہی جس کی تخمینی قیمت چھ لاکھ پونڈ ہوتی ہی اور کمپنی ۱/۲ ۷ اروپیہ فیصدی منافع بانٹتی ہی۔ ہٹی انگریزوں کی ایک چھوٹی سی چھاؤنی ہو گئی ہی جہاں ہزارہا مزدور شبانہ روز کام کرتے ہیں۔ اس مقام پر انواع و اقسام کے انجن اور کلیں ہیں جو چٹانوں میں برما کرتی ہیں اور ڈینامیٹ سے اُڑائی جاتی ہیں جس کے بعد ایک انجن کے ذریعہ سے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پیسے جاتے ہیں۔ سونا نکالنے کا موجودہ طریقہ یہ ہی کہ چٹانوں میں بذریعہ اک ڈرل کے برما کیا جاتا ہی اور ان میں ڈینامیٹ بھر کر اُڑا دیا جاتا ہی جس سے پتھر بڑے بڑے ٹکڑوں میں پھوٹ جاتا ہی۔ بڑے بڑے ٹوکروں میں بذریعۂ اسٹیم انجن ان پتھروں کو اوپر لاتے ہیں۔ اوپر لا کر ایک بڑی چھلنی پر جو گرزلی کہلاتی ہی اور جس میں ایک ایک انچ کے فاصلہ سے لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں پتھر کے ٹکڑوں کو پھیلا دیتے ہیں اس جالی میں سے چھوٹے چھوٹے پتھر نیچے گر جاتے ہیں اور بڑے بڑے رہ جاتے ہیں چھوٹے پتھر پھر بذریعہ کرشنگ انجن کے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑا جاتا ہی جو کوارٹنر کہلاتے ہیں اور پھر ملز کو بھیج دیا جاتا ہی۔ ملز ایک سلسلہ بڑے بڑے اور بھاری عمودی موسلوں کا ہی جو اسی طرح اُٹھتے اور گرتے ہیں جیسے کہ دو عورتیں اوکھلی میں دھان کوٹتی ہیں۔

بجائے اوکھلی کے اس مقام پر آہنی صندوق ہیں جن کے سامنے ایک جالی کی ٹٹی لگی ہوئی ہی۔ ملز کے پچھلے حصے میں پتھر کے ٹکڑے بھرے رہتے ہیں اور وہ جیسی جیسی جگہ خالی ہوتی جاتی ہی خود بخود پھسل کر موسلوں کے نیچے آتے جاتے ہیں اور اُس وقت تک برابر کچلے جاتے ہیں کہ بالکل باریک ریت جیسے ہو جائیں۔ ٹیٹوں کے سامنے تانبے کے اُتھلے مستطیل حوض بنے ہوئے ہیں جن پر پارہ کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ باریک ریت پر پانی مثل آبشار کے گرتا ہی اور اس ریت کو بہا کر تانبے اور پارے کی سلوں پر پھسلاتا ہی۔ چوں کہ سونا ریت سے وزنی ہوتا ہی وہ خود بخود نیچے بیٹھ جاتا ہی اور پارے میں جو کشش کا مادہ ہی اُس سے پارے کی سلوں پر چمٹ جاتا ہی اور اس کو امیلگم یعنی طلاء مخلوط کہتے ہیں کیونکہ اس میں علاوہ سونے کے ایک جز پارہ کا بھی ملا رہتا ہی۔ یہ امیلگم تختیوں پر سے کھرچ کر بھٹی میں ڈالا جاتا ہی بھٹی ایک طرح کا بند آہنی صندوق ہوتا ہی جو دہکتی آگ میں بند کا بند ڈال دیا جاتا ہی اس صندوق میں ایک پمپ کے ذریعے سے ٹھنڈا پانی دوڑتا رہتا ہی نتیجہ یہ کہ بھاپ کی گرمی سے اُڑنے والا پارہ بوجہ برودت کے

پھر پارہ کی شکل میں منجمد ہو جاتا ہی اس سونے کو اسپنج گولڈ کہتے ہیں یعنی اسفنج کی شکل کا سوراخ دار۔ جیسے شہد کی مکھی کا چھتہ یا جھانواں۔ اس کے بعد اس کو دوبارہ بھٹی میں ڈال کر بڑی بڑی موسوں میں گلاتے ہیں اور دو دو اونس کی سلاخیں بنا لیتے ہیں اگرچہ اس ترکیب سے سونا ریت سے جدا کر لیا جاتا ہی لیکن پھر بھی ریت میں کچھ ذرے سونے کے باقی رہ جاتے ہیں جو پارہ کی تختیوں پر سے پھسل جاتے ہیں اس میں سے سونا نکالنے کا یہ طریقہ ہی کہ اس باقی ماندہ ریت کو دوبارہ پانی میں ملا کر کلاسفیایر (ایک قسم کا تانبے کا بڑا حوض ہی) میں پمپ کرتے ہیں جو موٹی اور باریک ریت کو الگ الگ کر دیتا ہی۔ پھر ریت بڑے بڑے آہنی حوضوں میں جمع کی جاتی ہی۔ حوضوں میں ایک مرکب سولیوشن (عرق) سائی نائیڈ آف سوڈا[۱] (ایک قسم کا کھاری زہر) کا بھرا رہتا ہی۔ اس سولیوشن کی یہ خاصیت ہی کہ تھوڑا بہت سونا جو ریت میں چمٹا رہ جاتا ہی اس کو بھی الگ کر دیتا ہی۔ کلاسیفایر سے پانی کے ساتھ ریت ایک بڑے حوض میں بہ کر جاتی ہی جس میں گاد نیچے بیٹھ جاتی ہی اور اندر ہی اندر ایک نل سے جو اس حوض کی تہ میں لگا یا ہوا ہی وہ ایک دوسرے حوض میں جو (۳۰) فیٹ اونچا ہی پمپ کر دی جاتی ہی۔ اس دوسرے حوض میں یہ گاد یا باریک ریت سائی نائیڈ سولیوشن میں چند گھنٹے بھیگی رہتی ہی اور اس کو بذریعہ کمپرسڈ ہوائی انجن کے خوب کھنگال دیا جاتا ہی اس کے بعد اس گدلی ریت کو جو عرق مرکب سے ملی ہوئی ہوتی ہی ایک فلٹر میں پونچایا جاتا ہی۔ اس فلٹر کی صورت یہ ہی کہ چند لکڑی کے چوکھٹے ہوتے ہیں جن پر ڈرل (ڈبل زین) منڈھی ہوئی ہوتی ہی جن کو ایک قسم کا چھپکا کھ سکتے ہیں۔ ان کو بذریعہ ویکیوم انجن کے ہوا سے خالی کر دیا جاتا ہی جس کی وجہ سے سولیوشن ایک دم کھنچ جاتا ہی اور صرف باریک ریت کی گاد اس کپڑے پر چمٹی ہوئی رہ جاتی ہی۔ اس ریت میں سے سونا نکالنے کی یہ ترکیب ہی کہ اس کو زنک شیونگ (جست کی اس قسم کی کترنیں جیسے کہ لکڑی پر رندہ مارنے سے نکلتی ہی) میں ڈال دیتے ہیں۔ زنک اور سائی نائیڈ سولیوشن کی آمیزش سے زنک سونے کو سولیوشن سے بالکل پاک کر دیتا ہی اور سونا ایک نہایت باریک سفوف کی حالت میں رہ جاتا ہی جس کی بارز (بٹیاں) گلا کر بنا دی جاتی ہیں۔ اگرچہ اب بھی سیکڑوں ہنڈیوں پر کوئلہ اور دوسرا سامان کمپنی کا رائچور سے ہٹی آتا ہی اور ٹریکشن انجن رائچور آتا جاتا ہی جس میں ریل کی طرح کی گاڑیاں لگی رہتی ہیں لیکن اگر ریلوے جلد جاری ہو جائے تو یقیناً اس معدن کو بہت ترقی ہو گی یہ تمام دقتیں دور ہو جائیں گی اور جو کام ریل نہ ہونے سے رکے پڑے ہیں وہ سب جاری ہو جائیں گے

[۱] سائی نائیڈ کا دوسرا نام پروسک ایسڈ ہی جس کے ساتھ سوڈا ملانے سے ایک سم قاتل ہو جاتا ہی ایسا کہ اگر اس کو گائے بھینس سونگھ بھی لیں تو مر جائیں۔ ۱۲

اور بہت سی اور نئی گویان کھودی جائیں گی۔ میں اسی معدن کا تین سال تک مجسٹریٹ رہا ہوں اور بارہا اندر اُترکر بھی دیکھا ہی۔ اندر پنجرے میں بیٹھ کر جاتے ہیں جہاں بہت سخت گرمی ہی۔ ہوا بذریعہ پمپ کے پونہچائی جاتی ہی اور روشنی کے لیئے ہر شخص کے ہاتھ میں ایک موم بتی رہتی ہی وہاں نہ دن معلوم ہوتا ہی نہ رات۔ مسلسل کام جاری رہتا ہی شبانہ روز میں (۳) مرتبہ مزدور بدلتے ہیں۔ الواع واقسام کی حیرت خیز کلیں اور انجن ہیں خدا کی قدرت نظر آتی ہی۔ پتھر سے سونا نکالنے کے آخری عمل تک میں نے بغور دیکھا ہی۔ معدن کے مینجر مسٹر جے۔ ڈگلس ایک نہایت شریف اور نیک دل ذی خاندان عالی مرتبت عہدہ دار ہیں جن کی مہربانی اور اخلاق کا میں نہ صرف ممنون ہوں بلکہ گرویدہ ہوں۔ اسی طرح دوسرے صاحبان انگریز مسٹر ٹارس۔ لبشپ۔ وٹس۔ ڈابز۔ ڈاکٹر سیپچلی پن۔ مجھ پر تو سب ہی مہربان ہیں جس جس صیغہ میں گیا سب نے مجھے بخوشی تمام وکمال طریقہ برآمدی طلا کا بتلایا اور یہ ضمیمہ اُنھیں صاحبوں کی مہربانی کا نتیجہ ہی۔ جس پتھر میں سے سونا نکلتا ہی وہ خاص قسم کا چمک دار پتھر ہوتا ہی جو بھورا تھوڑی نیلاہٹ مارتا ہوا ہوتا ہی جس میں لمبی لمبی دھاریاں پڑی رہتی ہیں اور خالی دیکھنے سے بھی سونے کے ذرّے چمکتے ہوے معلوم دیتے ہیں کلام مجید میں جو زمین میں خزاین ارض بتلائے ہیں وہ یہی قیمتی دہاتیں ہیں ورنہ کہیں روپیہ پیسہ تھوڑی گڑا ہوا ہی۔

تیسواں ضمیمہ

ہندوستان کے عام تاریخی حالات

ہندوستان کی سلطنت کے متعلق جو سب سے قدیم حالات اب تک معلوم ہوسکے ہیں اُن کی رو سے عیسیٰ مسیح کے پیشتر چوتھی صدی میں "ماریا" خاندان شمالی ہند پر قابض تھا اور جنوبی حصۂ ہند کی تقسیم بلحاظ مقبوضات کے حسب ذیل پائی جاتی ہے۔

انتہائی جنوبی حصہ	مڈیورے کے پانڈین
شمالی اور مشرقی حصہ	چولا خاندان
شمالی و مغربی حصہ	چیرا خاندان (کرالا)

"ماریا" خاندان کا وجود ۳۲۵-۸۰ اسال قبل مسیح میں اور پانڈین کا مگیستھنیز کے زمانے میں (۳۰۲ قبل مسیح) میں متحقق ہے لیکن چولا اور کرالا (چیرا خاندانوں کا ذکر اسوکا کے ۲۵۰ قبل مسیح کے کتبوں میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان اِن دونوں سے بھی پیشتر کے ہیں۔ لیکن روایت یہ کہ سوائے پانڈیا۔ چولا اور چیرا کے جو جنوبی ہند میں تھے اور کوئی خاندان اِن سے پیشتر کا معلوم نہ ہوا اور یہ تینوں ہم عصر بھی تھے۔ چونکہ ہم کو پانڈیا کے خاندان کا زمانہ ۳۰۲ ق۔م یقینی طور پر معلوم ہے تو ہم چولا اور چیرا خاندانوں کو بھی اسی قدر پیچھے ہٹا سکتے ہیں۔ کریلا خاندان کی حکومت میں تمام ملک مغربی گھاٹوں کا تھا۔ مشرقی گھاٹوں کا حصہ بھی ساری لمبی پٹی آباد تھی لیکن اُس زمانے میں کسی اور حکومت کے وجود کا پتہ نہیں چلتا اور قیاس اس امر کا مقتضی ہے کہ اِس کا کل حصہ بالکل جنگل جھاڑی اور غیر آباد تھا اگر آباد بھی رہا ہوگا تو چند جنگلی قومیں اپنے اپنے سرداروں کے تحت میں ہوں گی جیسا پرانوں میں مذکور ہے۔ رامائن میں دریائے تنگ بھدرا کے جنوب میں اُس زمانے میں جو قومیں رہتی تھیں اُن کے نام یہ لکھے ہیں۔ میکھلا۔ اُتکلا۔ سارنا۔ ودربھا۔ مہیاکا۔ ماٹسایا۔ کلنگہ۔ کاسیکا۔ اندھرا۔ چولا۔ پانڈیا۔ کرالا۔ مخفی مباد کہ پچھلے زمانہ میں بہت بڑا حصہ ملک کا

غیر آباد جنگل پہاڑ تھا خصوصاً ملک دکن تو بالکل ویران تھا جو آبادی اب نظر آتی ہی یہ زمانۂ مابعد کی ہی۔ بودھ کی روایتوں میں بھی اُس زمانے میں کلنگ کی سلطنت کا وجود پایا جاتا ہی۔

اسوکا کے بعد کسی زمانے میں جزیرہ نما ہندوستان کے مشرقی ساحل پر مہاوالی کولا کے خاندان کی حکومت رہی ہی چنانچہ مہاوالی پورم نامی بستی جو "سات مندروں" کے لئے مشہور ہی اب بھی موجود ہی۔ اس کے بعد پلاوا خاندان کا عروج ہوا جنھوں نے بہت ترقی کی اور مقبوضات میں اس قدر وسعت دی اور تجارت کو پھیلایا کہ اپنے ہمسایہ خاندان چولا اور دوسرے خاندانوں کو ان سے خدشہ پیدا ہو گیا اس وقت ہم کو کوئی داخلہ نہیں مل سکتا کہ خاندان پلاوا نے کب اس قدر عروج پایا لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہی کہ جب چلوکیا خاندان کے لوگ شمالی ہند سے پانچویں صدی عیسوی میں دکن میں آئے تو پلاوا خاندان کا ستارہ جنوبی ہند میں چمک رہا تھا۔

شمالی حصہ کے ماریا خاندان کی جگہ ۱۸۸-۱۷۶ ق م میں سنگا خاندان قایم ہوا اور اس کے بعد ۲۷-۱۳۱ ق م میں کنوا خاندان کی بنا پڑی۔ کنوا خاندان کے آخری راجہ کے قتل کے بعد اندھرا یا اندھرا برت خاندان قایم ہوا جنھوں نے ۱۳۱ ق م سے ۴۳۶ء تک حکومت کی یہ لوگ بودھ مذہب کے تھے اور انھوں ہی نے امراؤتی میں سنگ مرمر کا شاندار منار بنایا ہی۔ پانچویں صدی میں قریب زمانے میں مغربی حصۂ دکن میں چلوکیا خاندان کا عروج ہوا۔ قدیم چلوکیا خاندان کے سلسلہ میں ہم اور قوموں کے بھی نام سنتے ہیں جو یہاں آباد تھیں۔ نالا (جو مغربی ساحل پر آباد تھے) ماریا (جو غالباً قدیم ماریا خاندان کی نسل میں تھے) ملک کوکن میں رہتے تھے۔ سندرا کا۔ ماتنگا۔ (غالباً یہ وحشی قومیں ہوں گی جو پہلے ہندوستان کے اصلی باشندے تھے) کالاچوریا (میسور کے گنگا) الوپا یا الووا (یہ قوم حال کی بمبئی پریزیڈنسی کے جنوب اور جنوب و مغرب میں رہتی تھی) خاندان چلوکیان کے قدیم عطیات میں اور بہت سی اقوام کے نام درج ہیں مثلاً لاڑا یا لاڑ دیسا (جو بمبئی کے شمال میں رہتے تھے) مالوا۔ گرجرا (گجرات کے)

ساتویں صدی کے شروع میں چلوکیا خاندان کی دو شاخیں ہو گئیں۔ مشرقی شاخ نے ملک ونگی کے پلاوا خاندان کے راجہ کو فتح کر لیا۔ جو دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی حصۂ ملک پر حکمراں تھے۔ اور چلوکیا خاندان یہیں رہ پڑا اور ۱۰۲۳ء تک حکومت کرتے رہے۔ اور مغربی شاخ بدستور مغربی حصۂ ملک دکن پر قابض رہی۔ چینی سیاح ہیون سانگ (Hiwen-Thsang) نے جو ۶۲۹ سے ۶۴۵ء تک ہندوستان میں رہا

بہت تفصیلی حالات اُس زمانے کے بیان کئے ہیں - اب کدمبا خاندان نے زور پکڑا اور کانچی کے پلّاوا خاندان کے لوگوں سے خوب لڑے اور اُن کو شکست دی۔ یہہ لوگ چلوکیوں کے ہمسایہ خاندانوں سے ہمیشہ لڑتے رہے جو جنوب و مغرب حصۂ دکن اور شمالی حصۂ میسور میں تھے۔ اسی زمانہ میں دوسری طرف راشٹراکوٹاس خاندان نے چلوکیوں کو دق کیا۔ ابھی تک یہہ امر متحقق نہیں ہوا ہے کہ راشٹراکوٹاس آرین نسل کے چھتری یا راجپوت تھے جو چلوکیوں کی طرح شمالی حصۂ ہندوستان سے دکن میں آگئے تھے یا دراوڑین خاندان کے تھے جن آرینوں نے بعد فتح ملک دکن اپنے میں ملایا تھا۔ مغربی چلوکیا خاندان اور راشٹراکوٹاس کے متواتر لڑائیوں کی وجہ سے دو صدیوں تک بالکل تباہ رہا اور برخلاف اِس کے راشٹراکوٹاس کا خاندان چمک گیا۔ لیکن بہیں ہم اِن لوگوں نے کچھ فتوحات نہیں کیں۔ سنہ ۹۷۳ء میں مغربی چلوکیا نے پھر کروٹ لی اور راشٹراکوٹاس کا تختہ اُلٹ کر دوبارہ زندہ ہوگئے۔ دو کی لڑائی میں تیسرے کا فائدہ ایک نیا خاندان رٹّا مہامنڈلیسور کا قایم ہوگیا جو سنہ ۱۲۵۰ء تک حکمراں رہے۔ اسی زمانے میں اور دو نئے خاندان سلہاروں اور سنڈوں کے قایم ہوئے جو کئی صدی تک باقی رہے۔ سلہاروں کو سنہ ۱۲۲۰ء میں دیوگیری کے یادو خاندان نے بٹھادیا اور سنڈوں کا نام سنہ ۱۱۸۲ و ۱۱۸۳ء کے بعد پھر نہیں سنا گیا۔ گیارھویں صدی میں چولا خاندان کا ڈنکا بجنے لگا لیکن اس سے دو تین صدی پیشتر کا کچھ حال نہیں کھلتا کہ جنوبی ہند پر کون حکمراں تھا۔ گیارھویں صدی کے اوائل میں مشرقی چلوکیا خاندان تمام مشرقی ساحل ہند پر اڑیسہ کی حدود سے ملک پلّاوا کے انتہائی جنوبی حد تک قابض تھے۔ پلّاوا خاندان کی ایک زبردست حکومت تھی جن کا قبضہ چلوکیا کے خاندان کی آخری حد سے چولا خاندان کی شمالی علاقہ تک ٹھیک کانچی کے جنوب تک تھا۔ مگر چولا اور پانڈیا اپنے اپنے مقام پر بدستور رہے۔ راجگان خاندان کانگو جو قدیم ملک چیرا پر خود مختارانہ حکمراں تھے (یہہ ملک ملایالم کے مشرقی جانب ساحل ہند کے برابر برابر ہی) مگر ہوئیسلا بلّالا کے عروج سے یہہ بھی متاثر ضرور ہوے تھے لیکن آگے چل کر ان دونوں خاندانوں میں شادی بیاہ ہوجانے سے چولا خاندان کے راجہ راجندر کلوٹنگا نے مشرقی چلوکیا کا کل ملک (سنہ ۱۰۶۴-۱۱۱۳ء) دبالیا اور نیز پلّاوا خاندان کے مقبوضات کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ راجندر نے پانڈیوں کو بھی فتح کرلیا اور ایک نیا خاندان مشترکہ چولا پانڈیا راجگان مدیورا کا قایم کیا۔ تھوڑے دنوں بعد خاندان ہوئیسلا بلّالا نے کانگو خاندان کے راجاؤں کو مغلوب کرکے اُن کا علاقہ چھین لیا۔ یہہ وہ زمانہ تھا کہ تمام جنوبی حصۂ ہند میں ایک تلاطم جنگ وجدال کا پڑگیا تھا جس میں عارضی طور پر چولا خاندان کو خوب عروج ہوا مگر خاندان

ہوئیسالا بلّالا سے میسور کے گھاٹوں پر برابر لڑائی ہوتی رہی۔ ہوئیسالا بلّالا کے خاندان نے بھی خوب فتوحات کیں اور اوائل تیرھویں صدی میں کدمبا اور کالاچوریا دونوں خاندانوں کو جو مشرقی حصہ میں حکمراں تھے فتح کرلیا اور نیز مغربی چلوکیاں سے اور کدمبا سے ۱۱۹۰ء میں متواتر لڑائیاں ہوئیں وہ کٹ مرے میدان خالی ہوگیا اور ایک بلّالا خاندان ہی سر برآوردہ رہ گیا۔ آگے چل کر چولا کے خاندان سے شمالی مقبوضات نکل گئے اور اُن پر گنپتی راجگان ورنگل قابض ہوگئے۔ اب ہم تیرھویں صدی میں آن پونچے ہیں اس زمانے میں چھوٹے موٹے خاندان مٹ مٹا کر صرف تین بڑے خاندان باقی رہ گئے تھے چولا اور پانڈیا جن کی حالت انحطاط پر تھی اور ہوئیسالا بلّالا جن کا نیر اقبال چمک رہا تھا۔ اگر یہی لیل و نہار رہتا تو ضرور بلّالا خاندان جو صفایا کرتا چلا آتا تھا بہت کچھ بڑھتا لیکن اسی زمانے میں مسلمانوں کا قدم ملک ہند میں آگیا جو آگے چل کر سارے ہندوستان پر حکمراں ہوگئے۔ ۱۱۹۳ء میں سلطان غیاث الدین غوری غزنوی نے دہلی فتح کرکے ایک نیا خاندان غلامان کا قایم کیا۔ جو ۱۲۸۸ء تک قایم رہا۔ اس کے بعد ۱۲۸۸۔۱۳۲۱ء تک خلجی رہے اور علاء الدین خلجی نے ۱۳۰۶ء میں ہندوستان پر پہلا حملہ کیا۔ چار ہی برس بعد مسلمانوں کی فوج ملک کافور کی سرکردگی میں تمام جزیرہ نما ہند پر ایک سیلاب عظیم کی طرح پھیل گئی۔ مسلمانوں نے خاندان دیوگری اور ورنگل دونوں کو اپنا مطیع کرلیا ہوئیسالا بلّالا خاندان کے دار السلطنت کو لوٹ کر قبضہ کرلیا۔ چولا اور پانڈوؤں دونوں خاندانوں کا جڑ پیڑ سے قلع قمع کردیا لیکن تمام حصۂ جنوبی ہند میں طوائف الملوکی اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ جتنے گورنر تھے اکثر اُن میں کے شاہی خاندان کے امرا تھے اور بعض مقامی سردار ہر شخص خود مختار ہونا چاہتا تھا اور آپس میں کٹے مرتے تھے یہی حالت جدال و قتال کی برسوں تک رہی۔ ہندو خاندان مٹ مٹا گئے تھے اور مسلمانوں کا عروج یوماً فیوماً بڑھتا چلا جاتا تھا کہ ہندو راجہ پھر سمٹ آئے اور گنپتی راجہ کی سرکردگی میں اِن لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ایک بہت بڑے لشکر کو شکست دی اور اسی اثناء میں ۱۳۴۷ء میں دکھنی مسلمانوں نے مسلمان بادشاہ سے بغاوت کی اور ملک دکن میں سلطنت بہمنی قایم کی۔ اس طرح چاروں طرف سے مسلمانوں کے نرغے میں ہندو گھر گئے اور ان کی قوت بالکل سلب ہوگئی۔ ہندوستان میں پہلا دور ۱۰۷۰۔۱۲۳۰ء تک رہا جب کہ چولا خاندان تمام جنوبی ہند میں حکمراں تھا اور دوسرا دور اب ۱۳۱۰ء میں مسلمانوں کا تھا۔ ادھر مسلمان سلطنت بہمنیہ کے استحکام میں جان توڑ کر کوشش کررہے تھے اُدھر دریائے کرشنا کے جنوب میں راجگان بیجانگر کی ایک نئی طاقت اُبھر رہی تھی۔ دکن میں ہندوؤں کے سارے خاندان تباہ ہوکر یہ نیا خاندان از سر نو نمودار ہوا اور اس نے

ایسی قوت پکڑی کہ اس سے پیشتر کسی ہندو خاندان کو آج تک یہ عروج نصیب نہ ہوا تھا۔ راجگان بیجانگر پوری دو صدی تک مسلمانوں کے مدِمقابل رہے۔ اس طرح جنوبی حصۂ ملک میں ۱۳۳۶ء سے لے کر ۱۵۲۴ء تک صرف دو ہی عظیم الشان قوتیں کرشنا کے شمال میں مسلمان اور کرشنا کے جنوب میں راجگان بیجانگر دکھلائی دیتی تھیں۔ پندرھویں صدی کے اختتام پر خاندان بہمنیہ کا خاتمہ ہو کر مسلمانوں کی پانچ سلطنتیں ہوگئیں۔ اِن کی آپس کی آئے دن کی لڑائیوں نے سلطنت بیجانگر کو بے انتہا تقویت دی۔ ۱۴۸۰ء میں نرسنھوا راجہ بیجانگر نے پانڈوؤں کا سارا ملک فتح کر لیا۔ چولا خاندان پہلے ہی مٹ چکا تھا اب سے دے کر پندرھویں صدی کے آخر میں ایک سلطنت بیجانگری جنوبی ہند میں ہندوؤں کی بڑی بھاری طاقت رہ گئی تھی۔ چند اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں مثل میسور۔ کرشنا کے جنوب میں کنڈہ وِیڑ کے ریڈی (جن کی حکومت ۱۴۲۷-۱۳۲۰ء تک رہی) ٹراونکور کی ہمیشہ سے خود مختار ریاست رہ کے ابھی باقی تھیں مگر اِن سب میں بھی بیجانگر ہی کا نمبر بڑھا ہوا تھا۔ سولھویں صدی کے اوائل میں کشن دیورای راجۂ بیجانگر نے اپنے مقبوضات کو اور بڑھایا اور چھوٹے موٹے کئی راجاؤں کو مطیع کر کے اپنے خاندان کو انتہائی عروج پر پونہچا دیا تیسرا دور ۱۵۶۴ء میں شروع ہوا اور ہندوؤں کا سارا ڈھوڈا تتر بتر ہوگیا۔ ساری مسلمان سلطنتیں یک دل ہوگئیں اور سب نے مل کر بیجاپور کی سلطنت کا قلع قمع کر دیا۔ رام راج جیسے بڑے بھاری پولیٹیشن کو جس نے سلطنت بیجانگر کو اس درجۂ کمال پر پونہچایا تھا قتل کر کے بیجانگر جیسے عظیم الشان شہر کو لوٹ ڈالا اور اُس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسی تاریخ سے جنوبی ہند میں ہندوؤں کی سلطنت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے خاتمہ ہوگیا۔ خاندان بیجانگر بھی اس معرکۂ عظیم جنگ تالیکوٹہ کے بعد ایسا ٹکڑے ٹکڑے ہوا کہ اُن کا پتہ لگانا بھی مشکل ہی۔ اور یہ دوسرا وہلہ تھا کہ تمام جنوبی ہند میں ایک گڑبڑ مچ گئی۔ چھوٹے چھوٹے راجاؤں نے سر اُٹھایا جن کے وہ تابع تھے اُن سے بغاوت کی اور جدھر دیکھو ملک دکن میں چھوٹے چھوٹے پالیگار اور سردار حشرات الارض کی طرح پھوٹ پڑے۔ یہ سب ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور ان کی آئے دن کی لڑائی نے برابر ڈھائی صدی تک جنوبی ہند میں ایک طوفانِ بے تمیزی برپا رکھا۔ اِنہیں زمانہ میں صرف مدرسے کے نایک واڑیوں نے جو راجگان بیجانگر کے والیسرائے تھے کچھ عروج پایا اور انھوں نے پانڈوؤں کی تمام سلطنت اور تانجور کے نایک واڑیوں کو جو چولا دیس پر حکمران تھے مطیع کر لیا۔ راجگان میسور بھی خود مختار ہو گئے اور اُنھوں نے اپنی ایک چھوٹی سی جداگانہ سلطنت قایم کر لی۔ مسلمان آہستہ آہستہ پھیلتے گئے اور دریائے تنگ بھدرا کے جنوبی جانب کے ملک پر

اِن کا قبضہ ہوگیا اور مشرق میں ساحل سمندر تک اِن ہی کا راج پاٹ تھا اور اسی طرح بڑھتے بڑھتے ملک تلنگانہ کے جنوبی حصہ پر بھی سترھویں صدی کے وسط میں قابض ہوگئے اور اٹھارویں صدی کے شروع میں تو سارے دکن پر ان کی حکومت تھی۔ ۱۶۷۴ء میں مرہٹوں نے تانجور میں حکومت قایم کی جو انگریزوں کے عروج تک قایم رہی۔ ۱۷۳۶ء میں مسلمانوں نے مدرے پر قبضہ کرلیا۔ ۱۶۳۹ء سے انگریز مدراس میں مقیم تھے وہ بہ تدریج اپنے مقبوضات میں وسعت دیتے گئے اور روز بروز اِن کی طاقت بڑھتی گئی اور اسی صدی میں تمامی جنوبی ہند کو انھوں نے فتح کرلیا اور آخر کار ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کو شکست دینے کے بعد تو سارے ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔

بادشاہان ملک دکن بادشاہان ملک دکن کے مختصر حالات بیان کرنے کے قبل ہم اُن سلاطین دہلی کا تھوڑا سا حال لکھنا چاہتے ہیں جن کا تسلط اس ملک میں رہا ہے۔

بادشاہان دہلی کا سب سے پہلا حملہ دکن پر ۱۳۰۶ء میں ہوا جب کہ سلطان علاء الدین نے ملک کافور (اپنے ایک غلام کو جو آگے چل کر زمرۂ امراء میں داخل ہوگیا تھا) کو راجۂ دیوگیری کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا جس نے تین سال سے خراج ادا نہیں کیا تھا۔ راجہ میں مقاومت کی تاب نہ تھی مارچ ۱۳۰۷ء میں شکست کھاکر وہ خود دہلی چلا گیا۔ جہاں دربار شاہی میں اُس کی تعظیم و تکریم کی گئی۔

۱۳۰۹ء میں پھر ملک کافور نے گنپتی راجۂ ورنگل پر چڑھائی کی جس کا اصلی نام رُدّر دیو تھا مگر پرتاب رُودر دوم کے نام سے مشہور تھا۔ اس مہم میں مسلمانوں کی فتح ہوئی شہر پر قبضہ ہوگیا اور راجہ نے صلح کرلی[1]۔ دوسرے سال پھر دھر ماسدرم کے راجہ ہوئیسالا بلّالا پر ملک کافور نے چڑھائی کی۔ ملک کافور بہت سرعت سے ملک میں گھستا گیا۔ دیوگیری سے بڑھ کر ساحل ملیبار تک پہونچ گیا جہاں اس مہم کی یادگار میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملک کافور نے شہر دیواسدرم کو تباہ کردیا اور رملاپڑی کے مشہور مندر کو لوٹ لاٹ کر دہلی کو واپس ہوا۔

۱۳۱۲ء میں شنکر دیو پسر رام راجۂ دیوگیری (خاندان یادو) نے پھر سر اُٹھایا اور ملک کافور کو

---

[1] اس لڑائی کا تفصیلی حال امیر خسرو نے تاریخ علائی میں لکھا ہے دیکھو تاریخ ہند مصنفہ سر ہنری الیٹ جلد سوم صفحہ (۸۰) اور تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین برنی میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ۱۲

پھر اُس کو زیر کرنے کو آنا پڑا۔ اس مرتبہ بھی مسلمانوں کی پوری فتح ہوئی اور راجہ جان سے مارا گیا۔ چار سال کے بعد سلطان علاء الدین نے وفات پائی اور اُس کے مرتے ہی ملک کافور قتل کیا گیا۔

۱۳۱۷ء میں مبارک خلجی دہلی کا بادشاہ ہوا اور تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلا کام دیوگیری پر جنگ کی یہ مسلمانوں کی تیسری لڑائی تھی۔ بادشاہ نے راجہ ہری پال دیو کو (جو راما کا داماد تھا) پکڑ کر اُس کی کھال کھنچوالی۔ اسی بادشاہ کے زمانے میں راجۂ ورنگل سے بھی لڑائی ہوئی جس کا تفصیلی حال خسرو خاں ملک خسرو نے اپنی کتاب نور سپہر میں لکھا ہے۔ یہ خود اس جنگ پر گیا تھا۔ اس لڑائی میں مسلمان کامیاب رہے اور بہت کچھ مال و متاع لے کر دہلی واپس گئے۔ مبارک خلجی کو مع دیگر ممبران خاندان شاہی کے ملک خسرو نے ۱۳۲۱ء میں قتل کیا اور غازی بیگ تغلق وليسرائے لاہور نے ملک خسرو کو قتل کر کے خود غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

۱۳۲۱ء میں سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنے بیٹے الغ خان کو پھر ورنگل پر بھیجا۔ ورنگل کا محاصرہ کر لیا گیا قریب تھا کہ قلعہ سر ہو جائے لیکن یکایک بادشاہ کی وفات کی خبر ایسی اُڑی کہ سب معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ بہت سے سردار چل دئے۔ لشکر سارا تتر بتر ہو گیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ محصورین نے نکل کر اس زور کا مقابلہ کیا کہ رہے سہے لوگوں کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے اور مجبوراً محاصرین کو واپس ہونا پڑا۔ لیکن ۱۳۲۳ء میں پھر سلطان نے پرتاب رُدر پر چڑھائی کی اور اس دفعہ پوری کامیابی ہوئی ورنگل پر قبضہ کرنے کے علاوہ راجہ کو بھی قید کر کے دہلی لے گئے۔ ۱۳۲۵ء میں غیاث الدین نے وفات پائی اور محمد تخت نشین ہوا۔

۱۳۲۷ء میں صوبہ دار دکن نے بغاوت کی اور بادشاہ نے اُس کے مقابلے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ صوبہ دار نے بھاگ کر کمپلی میں پناہ لی جو بیجانگر کے پاس ہے۔ اُس زمانہ میں راجہ بیجانگر بڑا زبردست حکمراں تھا پادشاہ کی فوج ناکام واپس ہوئی۔ اِس کے بعد باغی صوبہ دار میسور علاقہ میں تالور کے راجہ کے پاس پناہ لینے کو گیا جو ہوئیسالہ بلالا خاندان کا تھا لیکن راجہ بیچارے نے اس میں اپنی خیر نہ دیکھی اور فوراً بادشاہ کے حوالہ کر دیا جس نے اُس کی کھال کھنچوالی۔

۱۳۲۸ء یا ۷۲۹ھ میں سلطان محمد نے قلعہ دیوگیری کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور نام بھی بدل کر دولت آباد رکھا۔

۱۳۴۱ء میں ملیبار میں بغاوت ہوئی سلطان محمد فوراً اُس کے فرو کرنے کو روانہ ہوا لیکن راستے

میں ایسا بیمار پڑ گیا کہ واپس آنا پڑا۔ اسی زمانہ میں ورنگل میں بغاوت ہوئی لیکن پادشاہ مجبور تھا کچھ نہ کر سکا۔

تین سال بعد ۱۳۴۴ء میں ہندوؤں نے ملک دکن میں ایکا کرلیا۔ راجۂ ورنگل کے بیٹے رُودر دیو کا بیٹیا۔ کشن نایک رائے بیجانگر۔ بالا دیو دیو سمدرم کا راجہ۔ تینوں نے مل کر ایک بڑی بھاری فوج جمع کی اور مسلمانوں کو ورنگل سے بے دخل کر کے پھر خود قابض و مختار ہو گئے۔ ادھر تو مسلمانوں کو یہ زک ہوئی اور اس کے تین سال کے بعد خود مسلمان گورنروں نے بغاوت کی۔ گورنر دولت آباد نے خود مختاری کا اعلان کیا اور شاہی فوج کو شکست دی اور یہی گورنر پہلا بہمنی بادشاہ ہوا۔

حسن جو گورنر تھا اب بادشاہ ہو گیا۔ یہ ایک غریب آدمی تھا جو گانگو نامی ایک برہمن کی مدد سے بادشاہ ہو گیا اور اسی اظہار امتنان میں جب وہ بادشاہ ہوا تو اُس نے اپنا نام حسن گانگوی بہمنی رکھا اس نے اپنا دارالسلطنت گلبرگہ کو قرار دیا اور نام بھی احسن آباد رکھا۔ بہمنیوں کی سلطنت قریب ڈھائی صدی کے رہی۔ جس کے پھوٹ کر پانچ ٹکڑے بیدر۔ بیجاپور گولکنڈہ۔ براڑ اور احمد نگر ہو گئے۔ پرنسپ صاحب نے خاندان بہمنیہ کی فہرست حسب ذیل دی ہے۔

۱	علاء الدین حسن گانگوی بہمنی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۴۷	۱۳۵۸
۲	محمد شاہ (۱)۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۵۸	۱۳۷۵
۳	مجاہد شاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۷۵	۱۳۷۸
۴	داؤد شاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۷۸	+
۵	محمود شاہ (۱)۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۷۸	۱۳۹۷
۶	غیاث الدین شاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۹۷	+
۷	شمس الدین شاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۹۷	+
۸	فیروز شاہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۳۹۷	۱۴۲۲
۹	احمد شاہ ولی (خان خاناں)۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۴۲۲	۱۴۳۵
۱۰	علاء الدین شاہ (۲)۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۴۳۵	۱۴۵۷

۱۱	ہمایوں شاہ ظالم	۱۴۵۷	۱۴۶۱
۱۲	نظام شاہ	۱۴۶۱	۱۴۶۳
۱۳	محمد شاہ (۲)	۱۴۶۳	۱۴۸۲
۱۴	محمود شاہ (۲)	۱۴۸۲	۱۵۱۸
۱۵	احمد شاہ (۲)	۱۵۱۸	۱۵۲۰
۱۶	علاء الدین شاہ (۳)	۱۵۲۰	۱۵۲۲
۱۷	ولی اللہ شاہ	۱۵۲۲	۱۵۲۵
۱۸	کلیم اللہ شاہ	۱۵۲۵	۱۵۲۷

شجرۂ سلاطین بہمنیہ

- ۱ علاء الدین حسن گانگو بہمنی ۱۳۴۷ | ۱۳۵۸
  - ۲ محمد شاہ اول ۱۳۵۸ | ۱۳۷۵
    - ۳ مجاہد شاہ ۱۳۷۵ - ۱۳۷۸
    - روح پرور آغا
  - ۴ داؤد شاہ ۷۸ | ۱۳
    - ۹ احمد شاہ ولی خانخاناں ۱۴۲۲ | ۱۴۳۵
      - محمد شاہ
      - ۱۰ علاء الدین ثانی ۱۴۳۵ | ۱۴۵۷
        - حسن
        - یحییٰ
        - ۱۱ ہمایوں شاہ ظالم ۱۴۵۷ | ۱۴۶۱
          - احمد
          - ۱۳ محمد ثانی ۱۴۶۳ | ۱۴۸۲
            - ۱۴ محمود ثانی ۱۴۸۲ | ۱۵۱۸
              - ۱۷ ولی اللہ شاہ ۱۵۲۲-۱۵۲۵
              - ۱۶ علاء الدین سوم ۱۵۲۰ | ۱۵۲۲
                - ۱۸ کلیم اللہ شاہ ۱۵۲۵ - ۱۵۲۷
              - ۱۵ احمد شاہ ثانی ۱۵۱۸- ۱۶۲۰
          - ۱۲ نظام شاہ ۱۴۶۱-۱۴۶۳
    - ۸ فیروز شاہ ۱۳۹۷ | ۱۴۲۲
      - حسن
    - محمد سنجر
  - ۵ محمود شاہ اول ۱۳۷۸ | ۱۳۹۷
    - ۶ غیاث الدین (۷) ہفتہ ۱۳۹۷
    - ۷ شمس الدین معزول ۱۳۹۷
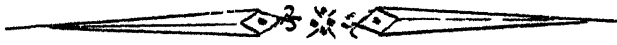
۱ علاء الدین کی سلطنت میں کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا۔ تاریخ وفات ۱۰ر فروری ۱۳۵۸ء۔

۲ محمد شاہ نے گنپتیوں کے ملک کو ورنگل تک لوٹ ڈالا آخر کار صلح کر لی۔ دوبارہ پھر ورنگل پر چڑھائی کرکے

کر کے راجہ کے بیٹے ونایک عرف ناگدیو کو مار ڈالا اور گولکنڈہ و دیگر علاقہ جات کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد راجۂ بیجانگر سے ۱۳۶۵-۶۶ء میں جنگ کر کے قتل عام کیا اور آخر کار مسلمانوں کی فتح ہوئی اور راجہ بیجانگر نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ تاریخ وفات ۲۱ر مارچ ۱۳۷۵ء۔

(۳)- مجاہد شاہ نے بھی بیجانگر پر چڑھائی کی اور کئی دفعہ شہر کو مسمار کیا۔ ایک دفعہ تو دوسری فصیل تک پہنچ گیا لیکن پسپا ہونا پڑا اور واپسی میں اپنے چچا داؤد شاہ کے ہاتھ سے ۱۴ر اپریل ۱۳۷۸ء کو مارا گیا۔

(۴)- مجاہد شاہ کی بہن نے اپنے بھائی کی جان کا بدلا لیا اور سازش کر کے ۱۹ر مئی ۱۳۷۸ء کو داؤد شاہ کو قتل کروا دیا اور علاء الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے محمود کو تخت پر بٹھا دیا۔

(۵) محمود شاہ نے (۱۹) برس بلا کسی قسم کی جنگ وجدل کے امن وامان سے سلطنت کی اور ۲۰ر اپریل ۱۳۹۷ء کو دنیا سے رخصت ہوا۔

(۶) محمود شاہ کے بیٹے غیاث الدین کو تغلچین غلام نے ۹ر جون ۱۳۹۷ء کو اندھا کر کے قید کر لیا

(۷) شمس الدین کو تخت پر بٹھا دیا لیکن داؤد شاہ کے بیٹوں نے اس پر چڑھائی کی اور ۱۵ر نومبر ۱۳۹۷ء کو اسے معزول کر دیا۔

(۸) داؤد شاہ کا دوسرا بیٹا فیروز شاہ تخت پر بیٹھا اور اس نے (۲۵) برس سلطنت کی۔ ۱۳۹۸ء میں دیورائے بیجانگر نے سلطنت بہمنیہ پر چڑھائی کی لیکن یہ جنگ راجہ کے بیٹے کو دھوکا دے کر مار ڈالنے کی وجہ سے یکایک رک گئی راجہ کو پریشان ہو کر بھاگنا پڑا اور میدان ہر طرح فیروز شاہ کے ہاتھ رہا۔ ۱۴۰۶ء میں ایک اور لڑائی سنار کی لڑکی پرتھال کی بدولت ہوئی جس کے حسن وجمال پر راے بیجانگر عاشق ہو گیا تھا اور اس کو لے جانے کے لیئے اس نے مدگل پر چڑھائی کر دی تھی۔ فیروز شاہ نے بیجانگر پر چڑھائی کر دی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ نے کوئی صورت فلاح کی نہ دیکھی اور جو کچھ فیروز شاہ نے کہا ماننا پڑا یہاں تک کہ راے نے اپنی ایک لڑکی بھی فیروز شاہ کو بیاہ دی۔ ۱۴۱۷ء میں پھر فیروز شاہ نے بیجانگر پر چڑھائی کی لیکن شکست پائی فیروز شاہ نے ۱۵ ستمبر ۱۴۲۲ء میں انتقال کیا۔ بادشاہ کا لڑکا حسن موجود تھا لیکن اس کو تخت نہ ملا۔

(۹) احمد شاہ (خانخاناں جو حسن کا چچا تھا) نے تخت پر بیٹھتے ہی بیجانگر پر چڑھائی کی اور بے انتہا لوٹ مار اور سختی کی۔ راجہ کو شکست ہوئی اور چڑھا ہوا اخراج بھی وصول کیا گیا۔ ورنگل پر بھی جنگ ہوئی جس میں راجہ مارا گیا اور ہمیشہ ہمیشہ کو اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ احمد شاہ نے گلبرگہ سے بیدر کو پایۂ تخت مقرر کیا اور وہیں

۱۹ر فروری ۱۴۳۵ء میں انتقال کیا۔

(۱۰) احمد شاہ کا بیٹا علاء الدین ثانی تخت پر بیٹھتے ہی اُس کے بھائی محمد شاہ نے راجہ بیجانگر کی مدد سے بغاوت کی لیکن شکست پاکر آکر مل گیا۔ اسی کے زمانے میں گلبرگہ سے قطعی طور پر دار السلطنت بیدر میں منتقل ہوگئی۔ ۱۴۴۳ء میں پھر راجہ بیجانگر نے لڑائی شروع کی اور کئی بڑی بھاری جنگوں کے بعد صلح ہوئی جو کئی برس تک قایم بھی رہی۔ اِس بادشاہ نے ۱۴۵۷ء میں انتقال کیا۔

(۱۱) اِس کا جانشین اِس کا بیٹا ہمایوں ہوا جو بڑا ظالم اور قاہر تھا جس نے صرف چار برس سلطنت کی۔ آخر کار لوگ اِس کے مظالم سے تنگ آگئے اور ۳ر ستمبر ۱۴۶۱ء کو قتل کیا گیا۔

(۱۲) ہمایوں کا بیٹا نظام شاہ آٹھ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن اُس کی ماں جو ایک بے نظیر اور قابل عورت تھی بڑی بیدار مغزی سے امور سلطنت محمود گاوان وزیر کی مشورت سے انجام دیتی تھی۔ ۱۴۶۱ء میں اُڑیسہ اور تلنگانہ کے راجاؤں نے یورش کی مگر پسپا ہوے۔ مالوہ کے مسلمان بادشاہ نے بیدر پر چڑھائی کی اور ملکہ اور بادشاہ کے بھاگ جانے سے قبضہ بھی کر لیا۔ لیکن خود مالوہ پر گجرات کی طرف سے چڑھائی ہونے کی وجہ سے اِن کو واپس جانا پڑا۔ ۱۴۶۲ء میں بادشاہ بیدر واپس آگیا ۲۹ر جولائی ۱۴۶۳ء میں بادشاہ نے اچانک انتقال کیا۔

(۱۳) نظام شاہ کا بھائی محمد شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ ۱۴۶۸ء میں بادشاہ کی عمر (۱۸) سال کی تھی جب اُس نے محمد گاوان کو وزیر اعظم بنایا۔ ۱۴۶۹ء میں ملک کوکن راجۂ بیجانگر کے قبضہ سے لے کر فتح کیا۔ ۱۴۷۱ء راجۂ اُڑیسہ کے ایک عزیز نے جو تخت سے بے دخل کیا گیا تھا محمد شاہ سے مدد چاہی محمد شاہ نے مدد دی اور ساتھ ہی ملک تلنگانہ پر بھی چڑھائی کی اور کنڈہ پلی اور راجمندری فتح کر لیا اور خود تین سال تک راجمندری میں رہا ۱۴۷۷ء میں دوبارہ اُڑیسہ پر چڑھائی کی اور بادشاہ ساحل سمندر پر مچھلی پٹن تک چلا گیا اور اسی سلسلہ میں سمندر کے کنارے کنجیورم کو لوٹا اور بہت سی دولت ساتھ لایا۔ ۱۴۸۱ء میں بادشاہ نے نظام الملک بحری کی سازش سے اپنے قدیم وزیر اعظم محمود گاوان کو قتل کروایا جس کی وجہ سے سلطنت میں زوال آگیا بڑے بڑے امراء سب بگڑ کر اپنی اپنی جگہ جمعیت سمیت بیٹھ گئے۔ یوسف عادل خاں جو محمود گاوان کا متبنّیٰ تھا چند دنوں بعد بندر گوا کو راجۂ بیجانگر کی زد سے بچانے کے لیئے بھیجا گیا۔ اِسی زمانہ میں ۲۴ر مارچ ۱۴۸۲ء میں بادشاہ نے انتقال کیا۔

(۱۴) محمد شاہ ثانی کا بیٹا محمود شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ اِس کا وزیر نظام الملک بحری تھا۔ یوسف عادل خاں مہم گوا سے واپس آیا لیکن اُس کی جان لینے کی فکریں ہونے لگیں اس واسطے وہ بیجاپور چلا گیا۔ محمود شاہ تلنگانہ کی مہم پر گیا وہیں نظام الملک مارا گیا۔ نظام الملک کے مرتے ہی اُس کے بیٹے ملک احمد نے جُنیر میں بغاوت کی۔ عماد الملک گورنر برار نے بھی سرکشی اختیار کی۔ بیدر میں قاسم برید گرجی غلام وزیر تھا۔ بادشاہ نے ۱۴۹۷ء میں اپنی بیٹی یوسف عادل شاہ سے منسوب کی۔ قاسم برید نے ۱۵۰۴ء میں انتقال کیا اور اُس کے بیٹے امیر برید نے بادشاہ کو قید کر لیا۔ ۱۵۱۲ء میں قطب الملک گورنر تلنگانہ نے گولکنڈہ میں بغاوت کی۔ اس کے بعد بیجاپور اور برار کی افواج میں جنگ ہوئی۔ محمود شاہ کا انتقال ۸ اکتوبر ۱۵۱۸ء میں ہوا۔

(۱۵) مرحوم بادشاہ کے لڑکے احمد شاہ ثانی کو امیر برید نے برائے نام تخت پر بٹھا دیا جو بیچارہ ۱۵۲۰ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔

(۱۶) احمد شاہ ثانی کا بھائی علاء الدین شاہ سوم بادشاہ ہوا۔ اِس نے چاہا کہ کسی طرح امیر برید کے پنجے سے نجات ملے مگر امیر برید کو خبر لگ گئی اُس نے فوراً بادشاہ کو پہلے تو ۱۲۵۵ء میں معزول کیا اور پھر قتل کروا دیا۔

(۱۷) علاء الدین سوم کا چھوٹا بھائی ولی اللہ شاہ تخت پر بیٹھا اور دو برس برائے نام سلطنت کی بعدہٗ زہر دے کر اُس کا کام امیر برید نے ۱۵۲۴ء میں تمام کر دیا اور بادشاہ کی بیوہ ملکہ سے عقد بھی کر لیا۔

(۱۸) اس کے بعد کلیم اللہ شاہ پسر احمد شاہ تخت پر بٹھلایا گیا۔ وہ امیر برید کی سختیوں سے تنگ آ کر ۱۵۲۷ء میں احمد نگر بھاگ گیا اور وہیں انتقال کیا اور خاندان بہمنیہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ دنیا سے مٹ گیا اور امیر برید جو اِسی بات کا مدت سے منتظر تھا فوراً تخت پر بیٹھ گیا اور ایک نئے خاندان بریدیہ کی بنیاد ڈالی۔ بہمنیہ خاندان کے اب پانچ ٹکڑے ہو گئے۔

(۱) برید شاہی۔ بیدر (۲) عادل شاہی۔ بیجاپور۔ (۳) عماد شاہی برار۔ (۴) نظام شاہی احمد نگر (۵) قطب شاہی۔ گولکنڈہ ان پانچوں سلطنتوں کے حالات ہم علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے۔

خاندان بریدشاہی بیدر

۱	قاسم برید (اول) گرجی غلام	۱۴۹۲	۱۵۰۴
۲	امیر برید (پسر نمبر ۱)	۱۵۰۴	۱۵۴۹
۳	علی برید شاہ (پسر نمبر ۲) جس نے بادشاہ لقب لیا	۱۵۴۹	۱۵۶۲
۴	ابراہیم برید شاہ (ثانی) پسر نمبر ۳	۱۵۶۲	۱۵۶۹
۵	قاسم برید شاہ ثانی (برادر نمبر ۴)	۱۵۶۹	۱۵۷۲
۶	مرزا علی برید شاہ (معزول) پسر نمبر ۵	۱۵۷۲	۱۶۰۹
۷	امیر برید شاہ ثانی	۱۶۰۹	+

قاسم برید محمود بہمنی کا وزیر تھا۔ ۱۵۰۴ء میں اُس کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا امیر برید وزیر ہوا۔ اِس نے کم عمر بہمنی بادشاہ کو نظر بند رکھا اور یکے بعد دیگرے چار بادشاہوں کو تخت بیدر پر برائے نام بٹھلایا اور آخری بادشاہ کلیم اللہ کے احمد نگر چلے جانے کے بعد ۱۵۲۷ء میں خود مختار ہو گیا۔ اِس کے تھوڑے دنوں بعد اسمٰعیل عادل شاہ نے بیدر پر قبضہ کر لیا لیکن آخر کار امیر برید کو بالکل تابع فرمان کر کے بیدر واپس دے دیا۔ امیر برید کے بیٹے علی برید نے سب سے پہلے "شاہ" کا خطاب اختیار کیا۔ برہان نظام شاہ (احمد نگر) سے جو جنگ ہوئی تھی اُس میں اِس کے سارے مقبوضات نکل گئے۔ اِس خاندان کی تاریخوں میں بڑی گڑبڑ ہے۔ مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ علی برید نے (۴۵) برس سلطنت کی حالانکہ حساب سے صرف (۱۳) برس ہوتے ہیں۔

خاندان عادل شاہی بیجاپور

۱	ابوالمظفر یوسف عادل شاہ پسر آغا مراد ملک زادۂ روم	۱۴۸۹	۱۵۱۱
۲	اسمٰعیل عادل شاہ	۱۵۱۱	۱۵۳۴
۳	ملّو عادل شاہ	۱۵۳۴	۱۵۳۵

۴	ابراہیم عادل شاہ اول	۱۵۳۵	۱۵۵۷
۵	علی عادل شاہ	۱۵۵۷	۱۵۷۹
۶	ابراہیم عادل شاہ ثانی	۱۵۷۹	۱۶۲۶
۷	محمد عادل شاہ	۱۶۲۶	۱۶۵۶
۸	علی عادل شاہ ثانی	۱۶۵۶	۱۶۵۹
۹	سلطان سکندر عادل شاہ (جو وقت تخت نشینی صغر سن تھا)	۱۶۵۹	۱۶۸۶

(۱) ۱۴۹۳ء میں یوسف عادل شاہ نے راجۂ بیجانگر کو شکست دی اور بے شمار دولت اور دو سو ہاتھی لے کر پلٹا۔ اس بادشاہ نے شہر بیجاپور کا حصار بنوایا ۱۵۱۰ء میں پرتگالیوں نے بندر گوآ پر قبضہ کر لیا تھا اسی سال میں یوسف نے پھر چھین لیا۔ اسی سال پھر البوکرک گورنر نے گوآ مسلمانوں سے ہمیشہ کے لئے لے لیا (۲) ۱۵۱۹ء میں اسمٰعیل عادل شاہ کے عہد میں بیجانگر سے اور ایک لڑائی ہوئی مگر رائے کشن دیو کو فتح ہوئی (۵) علی عادل شاہ نے رام راج راجۂ بیجانگر سے مل کر بادشاہ احمد نگر کو شکست دی لیکن ۱۵۶۵ء کی مشہور جنگ تالیکوٹہ میں سب مسلمان بادشاہوں نے مل کر رام راج کو قتل کیا اور اس طرح راجگان بیجانگر کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے مندروں کو لوٹ ڈالا اور شہر کو بالکل ویران کر دیا۔ جنگ تالیکوٹہ سے دس برس پیشتر ۱۵۵۵ء میں علی عادل شاہ نے بندر گوآ کو پرتگالیوں کے قبضے سے چھوڑانے کی کوشش کی تھی مگر ناکامیاب رہا۔ پھر دوبارہ ۱۵۶۸ء یا ۱۵۷۰ء میں علی عادل شاہ نے گوآ پر چڑھائی کی مگر پس پا ہونا پڑا۔ ۱۵۷۷ء میں رام راج کے بھائی ترمل راج کے قبضہ سے قلعۂ ادھونی فتح کیا اور ترمل راج نے بھاگ کر چندر گیری میں پناہ لی۔ (۷) محمد عادل شاہ کی سلطنت میں مرہٹوں نے سر اٹھایا اور بڑی شورش مچائی۔ سیواجی نے ۱۶۴۸ء میں بغاوت کی اور سارا ملک کوکن کلیان سے گوآ تک چھین لیا اس زمانے سے ۱۶۸۰ء تک سیواجی سے بادشاہان بیجاپور سے مسلسل لڑائی رہی۔ ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے قبضہ کر لیا اور آخر کار یہ ملک بھی ۱۶۸۸ء میں سلطنت مغلیہ میں مل گیا۔

شجرۂ خاندان عادل شاہی

(۱) ابوالمظفر یوسف عادل شاہ
۱۴۸۹-۱۵۱۱

- مریم — جس کی شادی برہان شاہ احمدنگر سے ہوئی تھی
- دختر — جس کی شادی احمد شاہ بہمنی سے ہوئی تھی
- (۲) اسمٰعیل عادل شاہ ۱۵۱۱-۱۵۳۴
  - دختر — جس کی شادی علاء الدین عماد شاہ برار سے ہوئی
  - (۴) ابراہیم عادل شاہ اول ۱۵۳۵-۱۵۵۷
    - طہماسپ
      - اسمٰعیل
      - (۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی ۱۵۷۹-۱۶۲۶
        - (۷) محمد عادل شاہ ۱۶۲۶-۱۶۵۶
          - (۸) علی عادل شاہ ثانی ۱۶۵۶-۱۶۵۹
            - (۹) سکندر عادل شاہ ۱۶۵۹-۱۶۸۶
    - (۵) علی عادل شاہ ۱۵۵۷-۱۵۷۹
  - (۳) ملّو عادل شاہ ۱۵۳۴-۱۵۳۵
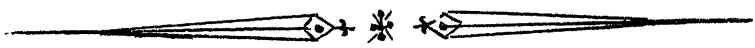
خاندان عماد شاہی برار جن کا دار السلطنت ایلچپور تھا

نمبر	نام		
۱	فتح اللہ عماد شاہی بہمنی	۱۴۸۴	۱۵۰۴
۲	علاء الدین عماد شاہ	۱۵۰۴	۱۵۲۸
۳	دریا عماد شاہ	۱۵۲۸	۱۵۶۰
۴	برہان عماد شاہ	۱۵۶۰	۱۵۶۸
۵	طفیل خان	۱۵۶۸	۱۵۷۲

شجرہ

(۱) فتح اللہ عماد شاہ بہمنی

۱۴۸۴-۱۵۰۴

بیجانگر کا ایک ہندو لڑکا تھا جو مسلمان ہو کر سلاطین بہمنیہ کے عہد میں عروج پر پونہچا اور بالآخر خود مختار بادشاہ ہو گیا۔

(۲) علاء الدین عماد شاہ

۱۵۰۴-۱۵۲۸

اس کے عہد میں ہمیشہ جنگ رہی۔ اس سے اسمعیل عادل شاہ بیجاپور کی لڑکی منسوب تھی

دریا عماد شاہ

۱۵۲۸-۱۵۶۰ (امن امان سے گزرا)

بی بی دولت جن کی شادی حسین نظام شاہ بادشاہ احمد نگر سے ہوئی۔

برہان عماد شاہ

۱۵۶۰-۱۵۶۸

اس بادشاہ کو طفیل خاں نے معزول کر کے قید کر دیا لیکن طفیل خاں بھی بادشاہ احمد نگر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور یہ سلطنت احمد نگر میں ضم ہو گئی۔

خاندان نظام شاہی احمد نگر

۱	احمد نظام شاہ	۱۴۹۰	۱۵۰۸
۲	برہان نظام شاہ اول	۱۵۰۸	۱۵۵۳
۳	حسین نظام شاہ	۱۵۵۳	۱۵۶۵
۴	مرتضیٰ نظام شاہ اول	۱۵۶۵	۱۵۸۷
۵	میراں حسین نظام شاہ	۱۵۸۷	۱۵۸۹
۶	اسمٰعیل نظام شاہ	۱۵۸۹	۱۵۹۰
۷	برہان نظام شاہ ثانی	۱۵۹۰	۱۵۹۴
۸	ابراہیم نظام شاہ	۱۵۹۴	+
۹	احمد بن شاہ طاہر	۱۵۹۴	۱۵۹۵
۱۰	بہادر نظام شاہ	۱۵۹۵	۱۵۹۸
۱۱	مرتضیٰ نظام شاہ ثانی	۱۵۹۸	۱۶۰۷
۱۲	ملک عنبر	۱۶۰۷	۱۶۲۶

(۱) احمد نظام شاہ نظام الملک بحری وزیر سلطنت بہمنیہ کا فرزند تھا۔ سنہ ۱۴۹۰ء میں اُس نے اپنی خود مختارانہ بادشاہت کا اعلان کیا اور شہر احمد نگر آباد کیا۔ اس نے سنہ ۱۴۹۹ء میں قلعہ دیوگیری (دولت آباد) فتح کرلیا۔ اِس نے سنہ ۱۵۰۸ء میں وفات پائی اور اس کے بعد اس کا ہفت سالہ لڑکا برہان تخت نشین ہوا۔

(۲) سنہ ۱۵۲۳ء میں برہان نظام شاہ اول کی شادی مریم بیگم دختر یوسف عادل شاہ بادشاہ بیجاپور سے ہوئی۔ سنہ ۱۵۳۱ء میں برہان نظام شاہ اُس کے برادر نسبتی اسمٰعیل عادل شاہ نے بڑی بھاری شکست دی۔ اِس کے بعد سے برابر خاندان نظام شاہیہ اور عادل شاہیہ میں جنگ رہی۔ سنہ ۱۵۴۵ء میں برہان نظام شاہ نے راجۂ بیجانگر سے بوساطت اُس کے وزیر کے دوستی گانٹھ لی اور سنہ ۱۵۴۹ء میں ان دونوں میں سلطنت بیجاپور کو آپس میں تقسیم کرلینے کی صلاح ٹھیر گئی۔ اِس بادشاہ نے سنہ ۱۵۵۳ء میں انتقال کیا۔

(۳) حسین نظام شاہ جب تخت پر بیٹھا تو اُس کی عمر صرف تیرہ برس کی تھی۔ اُس نے سب سے پہلے اپنے بھائی عبداللہ کی بغاوت کو فرو کیا اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد بیجاپور اور رام راج (بیجانگر) کے ایک بہت بھاری لشکر نے احمد نگر کا محاصرہ کر لیا لیکن آخر کار بہت کچھ سخت شرائط کے بعد صلح ہو گئی۔ ۱۵۶۲ء میں دوبارہ ان ہی دونوں نے کلیان کو جو قدیم پایۂ تخت خاندان چلوکیا کا تھا اور بعد میں سلطنت بیجاپور میں شامل ہو گیا تھا واپس لینے کی غرض سے چڑھائی کی۔ شہر پر قبضہ کر لیا لیکن کچھ ایسا شدید طوفان آیا کہ محاصرین کے ہزارہا آدمی بہ گئے مجبوراً پس پا ہونا پڑا۔ ۱۵۶۵ء میں حسین نظام شاہ جنگ تالیکوٹہ میں شریک ہوا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ حسین نظام شاہ نے اسی سال ۷ر جون کو انتقال کیا۔

(۴) حسین نظام شاہ کا لڑکا مرتضیٰ نظام شاہ تخت نشین ہوتے ہی بیجاپور سے جنگ چھڑ گئی لیکن اس بات پر صلح ہو گئی کہ احمد نگر کا لشکر برار پر چڑھائی کرے اور بیجاپور والے بیجانگر کی خبر لیں۔ شاہنشاہ اکبر نے مرتضیٰ نظام شاہ کو برار کے ملک میں مداخلت کرنے سے روکا لیکن اُس نے نہ سُنا اور ۱۵۷۲ء میں اس ملک کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ ۱۵۸۷ء میں مرتضیٰ نظام شاہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے مارا گیا۔

(۵) میراں حسین نظام شاہ بڑا لاأبالی شخص تھا اُس نے خاندان شاہی کے تمام لوگوں کو مروا ڈالا وزیر کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور اُس نے میراں کے بھتیجے اسمٰعیل کو جو صرف بارہ برس کا لڑکا تھا میراں کو معزول کر کے تخت پر بٹھانے کی غرض سے بلوا بھیجا۔ فوج نے بغاوت کی۔ وزیر نے بادشاہ کا سر کٹوا لیا مگر وہ خود بھی مارا گیا۔

(۶) اسمٰعیل نظام شاہ تخت پر بیٹھا اور برائے نام دو سال سلطنت کرنے کے بعد اُس کے باپ برہان نظام شاہ نے معزول کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔

(۷) برہان نظام شاہ نے ۱۵۹۲ء میں گوا پر فوج کشی کی مگر وہاں بساط الٹ گئی اِن کا سپہ سالار پکڑا گیا اور زبردستی عیسائی بنایا گیا۔ بادشاہ نے ۱۵۹۴ء میں انتقال کیا۔

(۸) برہان نظام شاہ کی وفات پر بڑے لڑکے اسمٰعیل کو محروم کر کے چھوٹے لڑکے ابراہیم نظام شاہ کو تخت پر بٹھلایا گیا۔ ابراہیم نے فوراً بیجاپور سے لڑائی چھیڑ دی لیکن پہلی ہی لڑائی میں تخت پر بیٹھنے کے چوتھے مہینے مارا گیا۔

(۹) ابراہیم کے انتقال کے بعد ایک گڑبڑ مچ گئی۔ ابراہیم کا لڑکا تو بالکل شیرخوار بچہ تھا۔

افواج کی رائے سے ایک لڑکا احمد ابن شاہ طاہر (جس کو غلطی سے شاہی خاندان کا سمجھ لیا تھا) کو بادشاہ مقرر کیا۔ اس معاملہ میں وزیر اور سپہ سالار فوج کی اَنْ بن ہو گئی۔ وزیر نے مغلوں سے مدد طلب کی اور شہنشاہ اکبر نے اپنے بیٹے مراد کو بہت بڑے لشکر کے ساتھ احمد نگر بھیج دیا۔ شاہزادہ مراد نے آتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا لیکن جری اور بہادر چاند بی بی نے خوب مقابلہ کیا پھر بھی شاہزادہ مراد ملک برار لے کر ٹلا۔ وزیر کو آخر کار اپنی اس حرکت پر پچھتاوا بھی آیا۔ مغلوں کے ہٹنے کے بعد کہیں ابراہیم کے کمسن بچے بہادر نظام شاہ کو بادشاہت ملی اور ایک نیا وزیر مقرر کیا گیا لیکن اس وزیر نے بھی درپردہ شہنشاہ اکبر سے سازش کر لی۔ اکبر نے احمد نگر پر لشکر کشی کی۔ بڑی بھاری لڑائی کے بعد اکبر نے احمد نگر فتح کر لیا اور اور بے چاری چاند بی بی کو دغا بازی سے مار ڈالا۔ کمسن بادشاہ کو قید کر کے گوالیار بھیج دیا اور مرتضی جو برہان اول کا پوتا تھا بادشاہ ہوا۔ اس نے اچھی طرح سلطنت کی لیکن ۱۶۱۰ء میں حبشی سردار نے ہی معزول کر دیا۔ اِس وقت سے سلطنت نظام شاہی عملی طور پر سلطنت مغلیہ کا جزو ہو گئی لیکن ملک عنبر برائے نام ۱۶۲۶ء تاریخ وفات تک حکمراں رہا اور اُس کے مرتے ہی پوری طرح بادشاہ دہلی اس پر قابض ہو گیا اور اِس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

خاندان قطب شاہی گولکنڈہ

۱	سلطان قلی قطب شاہ	۱۵۱۲	۱۵۴۳
۲	جمشید قلی قطب شاہ	۱۵۴۳	۱۵۵۰
۳	ابراہیم قطب شاہ	۱۵۵۰	۱۵۸۱

۴	محمد قلی قطب شاہ	۱۵۸۱	۱۶۱۱
۵	عبداللہ قطب شاہ	۱۶۱۱	۱۶۷۲
۶	ابوالحسن تاناشاہ	۱۶۷۲	۱۶۸۸

(۱) قلی قطب شاہ محمد شاہ بہمنی کی طرف سے ملک تلنگانہ کا گورنر تھا جو محمد گاوان وزیر کے قتل کے بعد کنارہ کش ہو کر گولکنڈہ چلا آیا اور قاسم برید کے زمانے تک بادشاہ کا مطیع و منقاد رہا اس کے بعد ۱۵۱۲ء میں خود مختار بادشاہ ہو گیا اور اپنے مقبوضات کو وسعت دی۔ کشن دیو راے راجہ بیجانگر نے ۱۵۱۶ء میں گھاٹوں کے مشرقی حصہ ملک کو فتح کر لیا تھا لیکن اس بادشاہ نے کنڈاپلی مقام پر ہندوؤں کو شکست دی اور تمام ملک مابین دریاے کشنا اور گوداوری کو فتح کر لیا۔ راجمندری پر اس زمانے میں گجپتی خاندان کے لوگ من جانب راجہ بیجانگر قابض تھے بادشاہ نے چڑھائی تو کی مگر ناکامیاب رہا البتہ ورنگل پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ کنڈاپلی میں اس بادشاہ کی فتح کے متعلق ایک کتبہ موجود ہے۔ جمشید پسر دوم کی سازش سے بادشاہ قتل کیا گیا۔

(۲) جمشید اپنے بڑے بھائی کو کحول کر کے خود تخت پر بیٹھا اور ۱۵۵۰ء میں اس کی وفات تک کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

(۳) جمشید کے بعد اس کے بیٹے سبحان نظام شاہ کو جس کی عمر سات سال کی تھی تخت پر بٹھایا لیکن امرا نے سخت مخالفت کر کے فوراً اتار دیا اور جمشید کے بھائی ابراہیم کو مالک تخت و تاج قرار دیا۔ ابراہیم اس زمانے تک بیجانگر میں رام راج کی پناہ میں رہتا تھا مگر ۱۵۶۵ء کی مشہور جنگ تالیکوٹہ میں یہ بھی شریک تھا۔ راجمندری پر پہلے ۱۵۶۴ء میں چڑھائی کی گئی تھی لیکن ہندوؤں نے اس کثرت سے لشکر جمع کیا مسلمانوں کی کچھ نہ چلی اور واپس ہونا پڑا۔ اب ابراہیم جنگ تالیکوٹہ سے واپس آتے ہی راجمندری پر (جو گجپتی خاندان اڑیسہ کی قبضہ میں تھی) دوبارہ چڑھائی کرنے کی طیاریاں کرنے لگا اور ۱۵۶۷ء میں نہ صرف راجمندری پر قبضہ کر لیا بلکہ چکاکول تک سارا ملک لے لیا۔ علاوہ اس کے دریاے کشنا کے جنوب میں بہت سے راجاؤں کو مغلوب کیا۔ اس بادشاہ نے ۱۵۸۱ء میں یکایک انتقال کیا۔ بادشاہ نے خود اپنے بیٹے عبدالقادر کو زہر دے کر مار ڈالا تھا اور ایک دوسرا لڑکا باپ کی زندگی ہی میں مر گیا تھا اس لئے فرزند سوم محمد قلی قطب شاہ تخت نشین ہوا۔

(۴) محمد قلی قطب شاہ سے اور راجگان بیجانگر سے جو اب پین کنڈے میں رہتے تھے اور کنڈاویڈ

پر بد قسمت قابض تھے جسے اب گنتور کہتے ہیں) اسی بادشاہ نے ۱۵۸۹ء میں شہر حیدر آباد کی بناڈالی جو اُس زمانے میں بھاگ نگر کہلاتا تھا۔ اِس بادشاہ نے گندی کوٹہ۔ کڑپا اور دریائے پنار کے جنوبی طرف کا تمام ملک فتح کر لیا تھا۔

(۵) محمد قلی قطب شاہ لاولد فوت ہوا اس سبب سے اِس کا بھائی محمد قلی قطب شاہ۔ جانشین ہوا اِس کے بعد عبداللہ قطب شاہ بادشاہ ہوا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہوسکا کہ محمد قلی قطب شاہ سے اور عبداللہ سے کیا قرابت تھی۔ شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں اورنگ زیب نے چڑہائی کر کے عبداللہ کو شکست دی اور بالکل اپنا مطیع کر لیا۔ ۱۶۶۲ء میں سیواجی نے گولکنڈہ پر چڑہائی کی اور بہت کچھ خراج لے کر واپس ہوا۔ عبداللہ نے ۱۶۷۲ء میں انتقال کیا اور اس کے بعد اِس کا داماد ابوالحسن تاناشاہ بادشاہ ہوا۔ ابوالحسن نے ۱۶۷۶ء میں مرہٹوں سے سازش کر لی لیکن ۱۶۷۸ء میں مغلوں نے پھر چڑہائی کی۔ پھر دوبارہ ۱۶۸۵ء میں اورنگ زیب نے خود لشکر کشی کی اور ابوالحسن کو قید کر کے قلعہ دولت آباد میں بھیج دیا اور ۱۶۸۸ء میں یہ سارا ملک سلطنت مغلیہ میں شامل ہو کر اس خاندان کا قلع قمع ہو گیا۔

شجرہ

(۱) سلطان قلی قطب شاہ
۱۵۱۲ | ۱۵۴۳

- (۲) ابراہیم قلی قطب شاہ — ۱۵۵۰ | ۱۵۸۱
  - (۴) محمد قلی قطب شاہ — ۱۵۸۱-۱۶۱۱
  - لڑکا — جو باپ کی حیات میں مر گیا
  - عبدالقادر — جس کو باپ نے زہر دیا
- حیدر قلی قطب شاہ — لاولد فوت ہوا
- (۲) جمشید قلی قطب شاہ — ۱۵۴۳ | ۱۵۵۰
  - سبحان قلی قطب شاہ
- قطب الدین — جس کو جمشید نے مکحول کر دیا
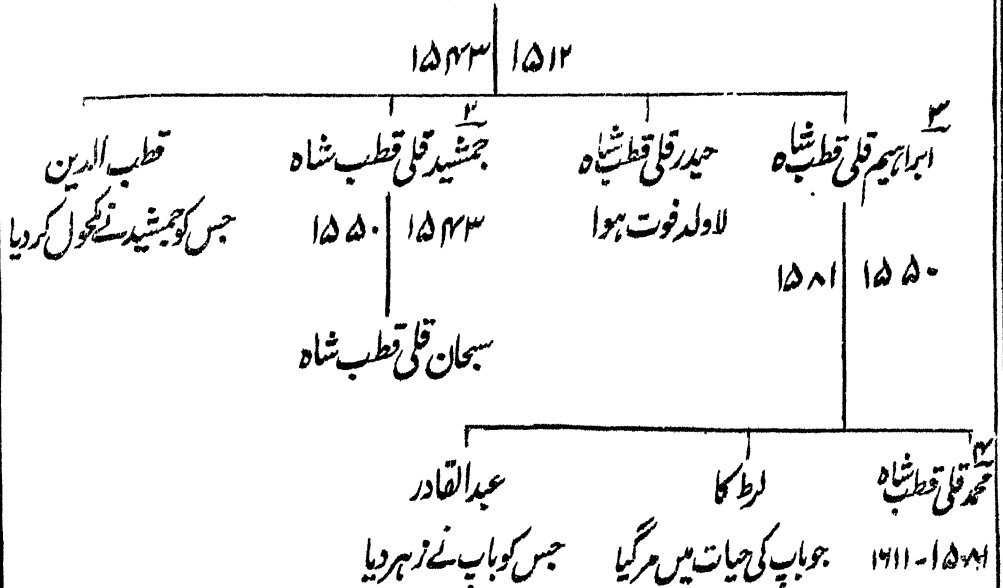
مسلمان بادشاہان وشہنشاہان دہلی

۱۱۹۳ء؁ میں ہندو راجاؤں سے سلطان محمد شہاب الدین برادر سلطان غیاث الدین غوری غزنوی نے دہلی پر قبضہ کرکے اپنا دار السلطنت مقرر کیا۔ شہاب الدین ۱۲۰۵ء؁ میں مارا گیا۔ اُس کی جگہ غیاث الدین کا بیٹا سلطان محمود تخت پر بیٹھا اور ۱۲۰۶ء؁ میں پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ شمالی ہند کے مقبوضات پر قطب الدین کو (جو پہلے تو غلام تھا مگر بعد امرا میں شامل ہوگیا) بادشاہ مقرر کیا اور اسی سے خاندانِ غلامان کی بنا پڑی۔

خاندان غلامانِ دہلی،

قطب الدین ایبک
۱۲۰۶ | ۱۲۱۰

- ایک بہن جس کی شادی شمس الدین التمش سے ہوئی تھی ۱۲۱۰ | ۱۲۳۶
  - معز الدین بہرام (مقتول) ۱۲۳۹ | ۱۲۴۲
    - نصیر الدین محمود ۱۲۴۶-۱۲۶۶
  - سلطان رضیہ بیگم (مقتولہ) ۱۲۳۶ - ۱۲۳۹
  - رکن الدین فیروز (معزول) ۱۲۳۶
    - علاء الدین مسعود (مقتول) ۱۲۴۲-۱۲۴۶
  - نصیر الدین محمود پہلے ہی مرگیا
- آرام (معزول کیا گیا)

اس کی وفات کے بعد اس کے وزیر غیاث الدین بلبن نے غاصبانہ قبضہ کرلیا۔

غیاث الدین بلبن
۱۲۶۶ | ۱۲۸۶

- بغراخان (اپنے بیٹے کے لیئے جگہ خالی کردی)
  - کیقباد (خلجیوں نے معزول کردیا)
- محمد (اپنے باپ کی حیات میں ایک جنگ میں مارا گیا)
  - کیخسرو (جسے کیقباد نے قتل کیا)

خاندان خلجیہ
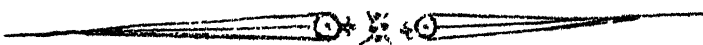
علاء الدین ۱۲۹۶ | ۱۳۱۶

جلال الدین فیروز خلجی (علاء الدین نے قتل کیا) ۱۲۸۸ | ۱۲۹۵

قادر خاں ۱۲۹۵-۱۲۹۶ باپ کے مارے جانے کے بعد دوسرے بھائی غیر حاضر ہونے سے ماں نے تخت پر بٹھایا مگر خود بخود فرار ہوگیا)

ارقلی خان (مقتول)

خانخاناں (مقتول)

شہاب الدین (مکحول)

مبارک قطب الدین ۱۳۱۶-۱۳۲۱ جس کو ملک خسرو نے قتل کیا۔ غیاث الدین تغلق ایک غلام نے جو امراء میں سے تھا تخت چھین کر خاندان تغلق کی بنا ڈالی۔

شادی خاں (مکحول)

خضر خاں (مکحول)

خاندان تغلق
غیاث الدین تغلق
۱۳۲۱ | ۱۳۲۵
محمد خاں الغ خاں
۱۳۲۵-۱۳۵۳
سپہ سالار رجب
فیروز تغلق
۱۳۵۳-۱۳۸۸
فتح خاں
شاہ غیاث الدین تغلق
۱۳۸۸-۱۳۸۹
تخت پر غاصبانہ قابض ہوا مگر
ساتھ ہی معزول بھی کیا گیا
ظفر خاں
ابوبکر
۱۳۸۹-۱۳۹۰
نصیر الدین نے معزول کرکے قید کردیا
محمد تغلق نصیر الدین
۱۳۹۰-۱۳۹۴
محمود
۱۳۹۴-۱۴۱۲ اسی کے زمانہ
میں تیمور (مغل) نے دلی کو لوٹا۔ محمود
بھاگ گیا اور تیمور کی طرف سے
جانشین مقرر ہوا۔
ہمایوں
۱۳۹۴
لاولد فوت ہوا

خاندان سادات

سید خضر خاں ۱۴۱۴-۱۴۲۱

تیمور نے تخت پر بٹھایا۔ یہ شخص لاہور کا گورنر تھا

سید مبارک (مقتول) ۱۴۲۱-۱۴۳۵

سید محمد۔ (۱۴۳۵-۱۴۴۵)

سید علاء الدین (۱۴۴۵-۱۴۵۰) اس نے دارالسلطنت دہلی سے اٹھادی اور ساتھ ہی ساتھ بہلول لودی گورنر پنجاب نے قبضہ کرلیا۔

خاندان لودی

بہلول لودی

۱۴۵۰-۱۴۸۸

سکندر لودی نظام خاں

۱۴۸۸-۱۵۰۶

ابراہیم لودی

۱۵۰۶-۱۵۲۶

ابراہیم قتل کیا گیا اور بابر مغل نے دہلی فتح کرلی

اکتیسواں ضمیمہ

قلعۂ یادگیر

یہ مقام رایچور سے ۴۳ میل جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے پر دریاے بھیما کے متصل بمبئی کی طرف واقع ہی۔ یہاں کا قلعہ مشہور ہی۔ اس قصبے کی آبادی قریب دس ہزار نفوس کے ہی۔ وجہ تسمیہ اس کے مختلف ہیں (۱) بعض کہتے ہیں کہ پہلے اس کا نام "بیات گیر" تھا۔ زمان سابق میں کوئی راجہ "بیات" نامی ہوگزرا ہی وہی اس کا بانی تھا اور زبان سنسکرت میں "گیر" پہاڑ کو کہتے ہیں۔

(۲) اس کا اصلی نام "یتوگری" تھا۔ کنڑی زبان میں "یتو" بیل کو کہتے ہیں جس پہاڑ پر قلعہ واقع ہی اُس کی شکل دور سے بالکل بیٹھے ہوے بیل کی سی دکھلائی دیتی ہی اسی وجہ سے یہ نام رکھا گیا جو بگڑ بگڑا کر یادگیر ہوگیا ہے۔ پہاڑ ریلوے اسٹیشن سے بخوبی نظر آتا ہی۔ اب یہ قلعہ بالکل ویران ہی۔ پہلے یہاں عرب کی جمعیت رہا کرتی تھی۔ یادگیر مستقر تحصیل ہی جو اب ضلع گلبرگہ میں شامل ہی۔ اسٹیشن کے متصل دو گھرنیاں بنوے نکالنے کی ہیں اور دو کاٹن پریس ہیں یہاں سے پینتیس ۳۵ میل کے فاصلہ پر بیدر شورا پور ہی جہاں کے برنجی برتن مشہور ہیں اور جو بلحاظ راجگان بیدر ایک مشہور تاریخی مقام ہی جس کی تاریخ بزبان انگریزی نواب فرامرز جنگ بہادر نے لکھی ہی اور کرنل میڈوز ٹیلر جو مدتوں یہاں کے کمشنر رہے ہیں اونھوں نے اپنے مفصل حالات اپنی کتاب ہسٹری آف مائی لائف میں لکھے ہیں۔ قلعۂ شاہ پور یادگیر سے (۲۰) میل کے فاصلے پر ہی جس کا ذکر علیحدہ آئے گا۔

(۳) "یادی" اُس قسم کی بیل کو کہتے ہیں جو اس قلعہ کو گھیرے ہوئی تھی جس پر سے یادگیر نام پڑا۔

(۴) مسلمان اس کی وجہ تسمیہ اپنے ڈھنگ پر یہ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں کسی بادشاہ اسلام کا اس مقام پر بغرض شکار گزر ہوا۔ بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی کی تلاش میں اس پہاڑ پر چڑھ گیا کیوں کہ کئی شیریں چشمے یہاں ہیں بادشاہ کا پیر پھسل گیا اور چشمے میں گر کر غوطے کھانے لگا اور ہمراہیوں سے کہا "یدگر" یعنی ہاتھ پکڑو۔ اس وجہ سے یادگیر نام پڑا۔

(۵) فیروز شاہ بہمنی نے اس کا نام فیروز گڑھ رکھا تھا۔ کتبہ موجودہ قلعہ واضح ہی کہ یہ قلعہ بہ عہد ابراہیم عادل شاہ بہ اہتمام ملک ریحان ۹۵۳ھ میں بنایا گیا وہ کتبہ یہ ہی۔

"اَللہُ وَلِیُّ التَّوفِیق در ایام خلافت ابراہیم عادل شاہ بکار کردگی مرزا نجابت علی بیگ بہ تاریخ غرۂ رجب المرجب سنہ ثلثہ وخمسین وتسعمائۃ"

اس کتبے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بانی اس قلعہ کا ابراہیم عادل شاہ تھا بلکہ یہ بات عام طور پر مسلم ہی کہ دریائے نربدا کے اُس پار ساحل کارومنڈل تک ملک دکن کے اکثر قلعے راجگان ہنود بالخصوص راجگان بیجانگر کے بنائے ہوئے ہیں چنانچہ بہمن نامہ شیخ آذری اصفہانی اور تاریخ فرشتہ اور تاریخ نصراللہ خانی سے بخوبی ظاہر ہی کہ سلاطین بہمنیہ و عادل شاہیہ وقطب شاہیہ وبریدیہ وعماد شاہیہ سے اکثر راجگان بیجانگر کے بڑی بڑی لڑائیاں مدتوں رہی ہیں اور بہت سے قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے جیسے کہ قلعۂ رایچور و مدگل وادھونی و شاہ پور وغیرہ کہ یہ بھی راجاؤں ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح یادگیر کا قلعہ بھی راجگان ہنود کا بنایا ہوا اُس کی طرز عمارت سے معلوم دیتا ہی جو ابراہیم عادل شاہ کے قبضے میں آگیا۔ اس قلعے میں ایک برج موسوم بہ "نظام برج" ہی جس کی بنا کا واقعہ تاریخ رشید الدین خانی دفتر دوم ذکر حکام دکن میں بہ ضمن سفر ہشتم نواب نظام علی خان بہادر نظام الملک نظام الدولہ آصف جاہ ثانی یہ لکھا ہی کہ نواب غفراں مآب نے اواخر ماہ محرم الحرام ۱۲۰۰ھ میں بہ غرض امداد بالاجی راؤ مرہٹہ بمقابلہ ٹیپو سلطان لشکر کشی کی اثنائے راہ میں شہریار الدولہ قلعۂ یادگیر بمقام پرینڈہ باریاب ہوئے اور یادگیر کی خوش آب وہوا کی بہت تعریف کی یہ سن کر آپ یادگیر تشریف لائے اور اپنی تشریف آوری کی یادگار میں یہ برج تعمیر کروایا۔ آخر قلعہ دار یادگیر نواب نصیر الدین علی خاں بہادر تھے جن کے بعد بھی اِن کے بیٹے میر وزارت علی خاں قلعہ دار کہلاتے رہے۔ بعد خالصہ ہونے کے ۱۲۶۳ھ میں عبود عبداللہ بن علی جمعدار عرب کی زیر نگرانی رہا۔ عبود کی حکومت میں روا ہل سے لڑائی ہوئی رُہیلوں نے عرب کی سرکوبی کی اور بڑی خوں ریزی کے بعد قبضہ حاصل کیا ۱۲۷۰ھ فصلی میں ضلع بندی ہوئی اور یہ مقام شریک علاقہ دیوانی ہوگیا۔ قلعہ پر سابق کے قلعہ داروں کے شکستہ مکانات اور کچھ عمارتیں ٹوٹی پھوٹی اب بھی موجود ہیں اور سترہ بیس چھوٹی موٹی توپیں بھی ہیں ایک چھوٹا سا تالاب اور دو تین چشمے اور باؤلیاں بھی ہیں جن میں باوجود اس قدر بلند پہاڑ ہونے کے ہمیشہ پانی رہتا ہی۔ قصبۂ یادگیر میں حضرت سید یعقوب شاہ صاحب بخاری اور حضرت شاہ جیون صاحب دو بزرگوں کی درگاہیں موجود ہیں۔

بتیسواں ضمیمہ آخری

کتاب کی تسوید کے بعد اور چند فرامین۔ تاریخی حالات اور کتبے دستیاب ہوگئے گو ضخامت کتاب مانع تھی مگر دل نے گوارا نہ کیا کہ ایسے بے بہا جواہر کو نظر انداز کروں جس طرح پیٹ بھر جانے کے بعد چٹنی کا چٹخارا زبان کو بھلا معلوم دیتا ہی اُسی طرح یہ ضمیمہ بھی ناظرین کی توسیع معلومات اور تفریح طبع کا باعث ہوگا۔

دولت جاوید یافت ھر کہ نکو نام زیست کز عقبش ذکر خیر زندہ کند نام را

فرامین شاہی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ شانہ

سند محمد معظم شاہ سنہ ۱۱۲۱ھ
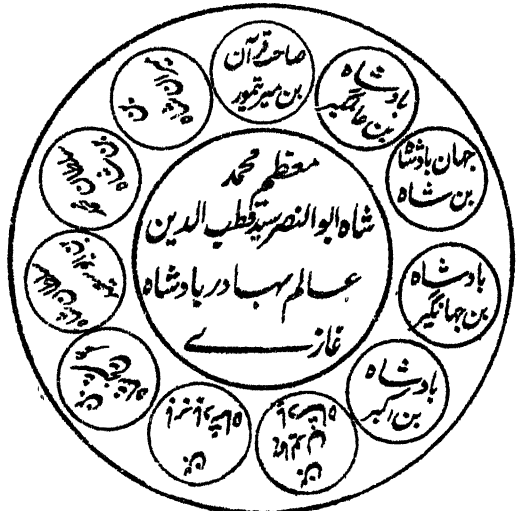
دریں وقت میمنت اقتران فرمان والاشان لازم الاذعان صادر شد کہ خدمت سرد یسمکہ و سرد یسمکی پرگنۂ حویلی فیروز نگر وغیرہ عرف رائچور صوبۂ دارالظفر بیجاپور و مظفر نگر مارند پور بارسوم و انعام دیہات در لسبت و

ولوازم حسب الضمن بنام باسدیو نایک زمیندار کہ بلوازم ومراسم آنخدمات کماینبغی پرداختہ دقیقہ از دقایق نیکوخدماتی نامرعی نگزارد و آبادداشتہ پیرامون اخذ ابواب ممنوعہ نگردد وزیادہ بررسوم وانعام ولوازم کہ مقرر شدہ باید کہ حکام ومتصدیان مہمات ومشرفان وجاگیرداران وکڑوریان حال واستقبال اوسر دیسکھ وسر دیسمکی محالات مسطور مستقل دانستہ رسوم وانعام ولوازم بازدارند وجمیع لوجوہ عوارض سلطانی وتکالیف دیوانی معاف دریں باب ہرسال سند مجدد نطلبند اندریں باب قدغن بلیغ دانند سال سوم از جلوس مبارک تحریر یافت۔

(برپشت سند مذکور)

شرح یادداشت واقعہ بتاریخ روز دوشنبہ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۳ جلوس مبارک موافق سنہ ۱۱۲۱ ہجری مطابق ۱۹ ارخورداد ماہ ہرسالہ امارت وایالت پناہ وشہامت دستگاہ عمدۂ فدویان عقیدت نہاد زبدۂ مخلصان با اعتقاد منظور نظر بادشاہی مورد الطاف نامتناہی مہبط اعطاف بیکراں خانہ زاد شجاعت نشان صمصام الدولہ باقربیگ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سرسردار نایب اعتقاد خلافت وفرمان روائی اعتماد سلطنت وکشور کشائی مہد قواعد معدلت منتظم امور خلافت عقدہ کشائے معاقدین ودولت سپہ آرائے معارک فتح ونصرت گنجور اسرار بادشاہی دانائے ضمیر طلب انجمن سرائے محفل خلیفہ منتخب منتخب دانش وبینائی صاحب رائے عالم زرائے دستور وزرائے ممالک مدار برہان وکلائے ذوی الاقتدار صاحب الشوکت والعظمت والاحتشام واجب العز والشرف والاحترام قدوۂ خوانین بلند مکان عمدۂ امرائے اعظم الشان رکن السلطنۃ العلیہ معتمد السلطانیہ عمدۂ فدویان شجاعت نشان زبدۂ یومیان رفیع الشان ناظم ومنازم ملک مال ناہج مناہج دولت واقبال اسوۂ اعاظم وزراحبہ الملک مدار المہام معظم خانخانان بہادر ظفر جنگ وفادار نوبت واقعہ نگاری خانہ زاد درگاہ آسمانجاہ محمد میر قلی میگردد قرداز دفتر تقسیم رسید کہ بعرض مقدس رسید کہ باسدیو نایک زمیندار چندن کیرا وغیرہ با جمعیت شایستہ با فواج بادشاہی درجنگ مقاہیر ومفسدان پرگنات سرکار فیروز نگر وغیرہ بقادر زمینداری با فوجداران وزمیندار مذکور ہمیشہ

جنگ وجدل منماید و اُستاد عادل خان بدست دارد امید وار است سمر ویسیکھی وسر سر ویسیکھی محالات دربست سرکار فیروز نگر عرف رائچور من صوبۂ دار الظفر بیجاپور ومظفر نگر عرف ہلی کھیر صوبۂ محمد آباد بار سوم والعام دیہات ولوازم آن موی الیہ سرفراز گرددتا بہ جمعیت خاطر مفسدان را تنبیہ واقعی نمودہ بندوبست آنجا از قرار واقعی نماید حکم والا صادر شد کہ بدستور عہد حضرت ہر کہ دیدہ ودانستہ حکم آن صادر شود سند فرمان والا دیہہ والا سند دیوانی کافی است موی الیہ مدتے خدمات جانفشانی نمودہ از دست مقاہیر ومفسدان آن ضلع بندوبست وآباد داشتہ ومصدر خدمات نمودہ درباب عظام فرمان والا صادر شدہ اول حکم جہان مطاع آفتاب شعاع شرف اصدار یافت کہ دیدہ ودانستہ باو فرمان والا عطا نماید کہ باو ممنون بر الطاف شاہی بخاطر جمع بندوبست محالات بواقعی نماید واقع ۱۲ صفر ۳۳ سنہ جلوس

بموجب یادداشت قلمی شد شرح خط واقعہ نویس آنکہ مطابق واقعی است شرح خط امارت وایالت پناہ بسالت وشہامت دستگاہ عمدۂ فدویان عقیدت نہاد زبدۂ مخلصان باعتقاد منظور نظر بادشاہی مورد الطاف نامتناہی مہبط اعطاف بیکران خانہ زاد شجاعت نشان صمصام الدولہ باقر بیگ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سر سردار نایب اعتقاد خلافت وفرمان روائے اعتقاد سلطنت وکشور کشائے مہد قواعد معدلت منتظم امور خلافت عقدہ کشائے معاقد دین دولت سپہ آرائے معارک فتح نصرت گنجور اسرار بادشاہی دانائے ضمیر طلب انجمن سرائے محفل خلیفہ منہجب منتخب دانش وبینائی صاحب رائے عالم آرائے دستور وزرائے ممالک مدار برہان وکلائے ذی الاقتدار صاحب الشوکت والعظمت والاحتشام واجب العز والشرف والاحترام قدوۂ خواتین بلند مکان عمدۂ امرائے اعظم الشان رکن السلطنۃ العلیہ نظام الملک آصف الدولہ آنکہ صاد شرح خط سیادت ونقابت پناہ شرافت ونجابت دستگاہ موتمن

مؤتمن الدولۃ العلیہ معتمد السلطنۃ عمدۂ قدویان شجاعت نشان زبدۂ لومیان رفیع الشان ناظم مناظم ملک ومال ناہج ومناہج دولت واقبال اسوۂ اعاظم وزراحبہ الملک مدار المہام معظم خان خانخانان بہادر ظفر جنگ وفادار آنکہ لعرض کہ رسایند شرح خطر رفعت وعوالی پناہ لایق العنایت والاحسان اخلاص خان آنکہ بتاریخ ۱۱ رجمادی الاول سنہ ۱۱۲۱ مہ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سپہ سردار نایب اعتقاد خلافت وفرماں روائی اعتماد سلطنت وکشور کشائی۔

واقعہ بست وششم جمادی الاول سنہ ۴ جلوس والا
موافق سنہ ۱۱۲۲ ہجری تقلید انعام شد
سے غلام محمد

بتاریخ ۲۶ رجمادی الاول سنہ ۴
تقلید فرمودہ مفصلے رسید
غلام محمد

فرداین بدستخط خاص ملفوف بہ مہر خواص خان بدفتر معلی رسید بموجب فرد بہ مہر بخشی الملک بعرض مقدس گردید کہ باسدلو نایک زمیندار چندن کیرہ وغیرہ با جمعیت شایستہ بافوج بادشاہی شامل شدہ در جنگ مقاہیر ومفسدان والنکرار۔

محال دربست

محالات فیروزنگر عرف رایچور — محالات سہبت

حویلی فیروزنگر	نیاؤگے	کشتگی	بھنتو	کوتال	
محال	محال	محال	محال	محال	
جالی ہال		انکوٹہ	درور	ھرور	۲ رسوم
محال		محال	محال	محال	بدستور

۲

دلیمکھان

بالعام — العام

کھاتاپور کوتال دیہی سرناپور ماڈگری مورٹ نول کوکل

موضع دربست ۔ موضع دربست ۔ موضع دربست موضع دربست ۔ موضع دربست موضع دربست

دنار گونڈا محالات مذکور میگرفتہ باد۔ این خط بدست زیرمیا باشد باعث کاغذ نیک نوشتہ شد

بادشاہ غازی
شاہ عالم
بندہ
اخلاص خان
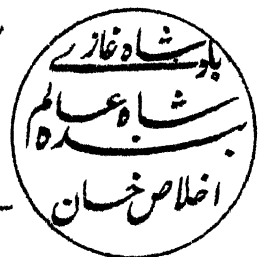
بواقعہ امارت وایالت پناہ وشہامت دستگاہ عمدۂ ما فدویان عقیدت نہاد زبدۂ مخلصان با اعتقاد منظور نظر بادشاہی مورد الطاف نامتناہی محیط اعطاف بیکران خانہ زاد شجاعت نشان صمصام الدولہ باقر بیگ بخشی الملک امیر الامراء بہادر نصیر جنگ سر سردار نایب اعتقاد خلافت وفرمان روائے اعتقاد سلطنت وکشور کشائی مہد قواعد معدلت منتظم امور خلافت عقدہ کشائے معاقد دین ودولت گنجور بادشاہی میگردد

شاہ غازی
شاہ عالم بادشاہ
ظفر جنگ وفادار فدوے
بہادر
مظفر خان خانخاناں

۲۶ جمادی الاول

نوٹ - یہ معظم شاہ فرزند اورنگ زیب بادشاہ کی سند کی نقل ہی - عبارت ظہری سند سے ظاہر ہی کہ باسدیونایک زمیندار جندن کیرہ (یہ موضع دیودرگ تحصیل سے ایک میل ہی) مفسدان واکنگرہ (بیڈر شوراپور سے چھ میل ہی جو قدیم مستقر راجگان شوراپور کا تھا) کی جنگ میں افواج شاہی کے ساتھ رہا ہی ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمان محمد ابراہیم عادل شاہ ۲
سنہ ۱۰۶۵ھ

الملک للہ
محمد سلطان
عادل شاہ محمد ابراہیم
عرف جگت گرو پادشاہ بیجاپور

فرمان ہمیون شرف صدور یافت بجانب حوالداران وتھانہ داران وسرستان وعاملان ودیسایان ومعاملہ مدگل وقلعۂ کوئل پرگنہ گنگاوتی وسمت توئلی وپرگنۂ منگلور وپرگنۂ کوکنور وپرگنہ کنشگی وپرگنۂ یلبرگہ وپرگنہ روڑ کنڈہ و پرگنۂ مسکی وپرگنہ ڈنگل کوٹ وپرگنۂ گرکنٹہ وگوتوار ومیدن راوکوٹ وسمت سرگپہ وسمت پلکنڈہ وپرگنہ تانور گیرہ و ولایت اناگندی تاحد بندی تنگبھدرا ومعاملہ سونڈور وموضع مشنوڑ بھوت گانوں آنکہ از شہور سنہ خمس وخمسین والف درینولا احوال دہ تنخواہی ونیکو بندگی مقدم الامثال امرای اوڑ چنانایک کنگ گیری کارا ز معرفت

عزت و شجاعت دستگاہ مرجدان کار آگاہ عمدہ وزراے عظام زبدۂ امراے کرام نہنگ دریاے مردی و مردانگی گوہر کان فیروزمندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت مبارز میدان شہامت شایستہ فراوان عاطفت و تحسین سزاوار ہزاران مرحمت و آفرین خان عالیشان اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار دوران کہ عرض کند سپہر اعلی افضل فضلا و فضل افضل از ہر ملکے بجاے تسبیح آوازبر آید فضل افضل خلاصۂ نیکو خواہان ملک گیر کشورستان افضل خان محمد شاہی بدرگاہ معلی روشن گردید بنابران بمراحم بیدریغ شاہانہ و فرط الطاف خسروانہ نایک مومی الیہ را سرفراز و ممتاز گردانیدہ حوالہ خان مومی الیہ فرمودہ میراث دلیسکت و ناڑ تلوارگی پرگنہ گنگاوتی مذکور و ناڑگونڈگی و ناڑ تلوارگی پرگنۂ لولی مذبور و ناڑ تلوارگی ولایت اینگندی تا حد ندی تنگ بھدر رامزپور و قلعۂ کوپل و پرگنۂ منگلور و پرگنۂ کوکنور و پرگنہ کشتگی و پرگنۂ یلبرگہ و معاملہ مدگل و پرگنۂ روڑ کندہ و پرگنہ مسکی و پرگنۂ بنکل کوٹ و پرگنۂ گرگنٹ و سمت سرگوپہ و سمت بلکندہ و سمت کندکل و پرگنۂ تالورگیرہ مع انعامات اُنبلی دیسائی گنگاوتی و دلیسوہ ورتنہ وکاولی و دیہہ تلوارگی واُنبلی سمت کنیرڑ و موضع بلگور یہال موضع ارسیلی موضع ساتاپور و موضع لکشماپور معاملہ سونڈور مذبور و موضع مسٹور بھیوتگاؤں مذکور و بعض حق لوازمات نوبت و بھوگوٹہ سابق بنایک مشار الیہ مقرر و مرحمت فرمودہ شدہ است می باید کہ حسب المسطور مقرر و مستقر دانستہ تمام و کمال برحکم بھوگوٹہ سالانہ باد و بنالہ نایک مومی الیہ نمایند و دیگران را دخل شدن ندادہ بعداوبا ولا دو احفاد او رواں دارند عذر فرمان ہر سالہ نمودہ سال بسال ہمیں فرمان جاری سازند و ہر کہ از طرف شجاعت و عزت دستگاہ عمدۂ دولت خواہان وفاکیش قدوۂ ہواخواہان خیر اندیش زبدۃ الصایل والاخان خلاصۃ الاماثل والاقران رکن الدولۃ القاہرہ مہاراج فرزند شاہجی بھونسلہ وکساں کہ بنایک مومی الیہ خلاف نمایند آنہا بنایک موعی الیہ امداد نمودہ بموجب نوشتہ نایک موعی الیہ سرانجام مے نمودہ باشند کہ نایک موعی الیہ قدیم کرسی زادہ دولت خواہ درگاہ است بہر وادی مدد و معاون او بودہ باشند نقلش نوشتہ گرفتہ اصل فرمان بازدہند تا دانند برحکم فرمان اشرف روند تحریراً فی التاریخ بست و یکم شہر جمادی الاول سنہ ۱۰۶۵ ہجری

پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس ہمیون اعلیٰ

۳۶ فرمان محمد ابراہیم عادل شاہ سنہ ۱۰۶۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الملک للہ

مہر محمد ابراہیم عادل شاہ

فرمان ہمایوں شرف صدور یافت بجانب عاملان و دیسائیان حصار کنلگیری آنکہ از شہور سنہ ستہ و خمسین و الف حصار مذکور در وجہ مقدم الامثال و الاقران اوڈرچ نایک بدستور قدیم مقرر و عز حمت فرمودہ شدہ است باید کہ حصار مذکور بدستور قدیم معہ کاولہ و لوازمہ و نبالہ نایک مشار الیہ نمایند و در قبض و تصرف موصی الیہ باز گزارند تا دانند بر حکم فرمان اشرف اقدس ہمیون اعلیٰ روند تحریر فی چہارم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۶ ہجری۔

پروانگی حضور اشرف اقدس ہمیون اعلیٰ

۳۷ فرمان محمد ابراہیم عادل شاہ سنہ ۱۰۶۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الملک للہ

مہر ابراہیم عادل شاہ
جگت گرو

فرمان ہمایون شرف صدور یافت آنکہ زبدۃ الاشباہ والاقران اوڑچنایک کنگ گیری کالعنایات بے غایات بادشاہانہ و لوازش و التفات خسروانہ سرفراز و ممتاز بودہ بداند کہ دولت خواہی و نیکو بندگی و حلال

تمکی او بوساطت عزت و شجاعت دستگاه مزاج دان کار آگاه عمدۂ وزراے عظام زبدۂ امراے کرام نہنگ
دریاے مردی و مردانگی گوہر کان فیروزمندی و فرزانگی فارس مضمار شجاعت مبارز میدان شہامت شایستہ
فراوان عاطفت و تحسین سزاوار ہزاران مرحمت و آفرین خان عالیشان اقبال نشان فرزند رشید سپہ سالار
دوران گر عرض کند سپہر اعلی افضل فضلا و فضل افضل از ہر ملکے بجاے تسبیح آواز بر آید افضل افضل خلاصہ
نیک خواہان ملک گیری و کشورستان افضل خان محمد شاہی دلنشین خاطر مقدس شد و بہ نیابت مجراے او در
خدمت سراسر سعادت اقدس گردید باید کہ ہیچ وجہ اندیشہ نمودہ و قول نواب ہمیوں را شامل حال خود دانستہ
بزودی خود را بشرف بساط بوسی برساند کہ انشاء اللہ بعد از آمدن او بحضور پر نور وزارت مرحمت فرمودہ نوعے
سرفراز و سربلند خواہم فرمود کہ محسود اقران و امثال خود شود و درین باب تاکید بلیغ دانستہ برحکم فرمان اشرف
اقدس رود و عجالت الوقت بجہت مزید سرفرازی او خلعت فاخرہ و خرج مرحمت فرستادہ شدہ باید کہ باخذ و لبس
آں بر اقرار گردیدہ بزودی خود بحضور پر نور برساند و لمحہ توقف نکنند تا داند تحریر فی ۸ شہر ربیع الاول سنہ ۱۰۶۶ھ

پروانگی حضور اشرف اقدس ہمیوں اعلی

فرمان[۵] محمد ابراہیم عادل شاہ سنہ ۱۰۵۱ھ

ھو الخلیل

الملک للہ

مہر محمد ابراہیم عادل شاہ
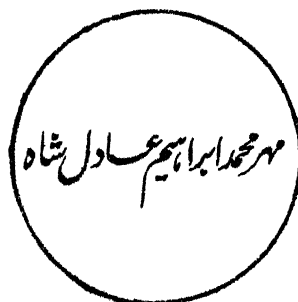
فرمان ہمیوں شرف صدور یافت بجانب عاملان حال و استقبال و دیسایان سمت سرگوپہ معاملۂ
مدگل آنکہ از شہور سنہ اثنی اربعین والف دریں ولا مقدمۃ الامثال لکشما تاگتی کنک گیری از روے صدق
نیت و صفائی عقیدت بدرگاہ والا آمدہ و بعتبہ بوسی سرفراز و ممتاز گشتہ درباب ورتنہ و انعام خود التماس
نمود بنابران از راہ مراحم بادشاہانہ و فرط عواطف خسروانہ ورتنہ و انعام مشار الیہا آنچہ در سمت مذکور سالا باد

چلیدہ است باد دہانیدہ شدہ باید کہ ورثہ و انعام بموجب سالا باد دنبالہ او نمایند تعلیق نوشتہ گرفتہ اصل فرمان بازد ہند بر حکم فرمان اشرف روند تحریری ع شہر ذی الحجہ ۱۰۸۱ سنہ ہجری

پروانگی حضور اشرف اقدس ہمیوں اعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ سکندر عادل شاہ ۱۰۹۵ھ

الملک للہ

یا محی الدین مدد

فرمان ہمیوں شرف صدور یافت بجانب مقدم المثال اوڑچ نایک کنگ گیری آنکہ از شہور سنہ اربع ثمانین والف چوں تحفہ کہ بوساطت ایالت وامارت ایاب حشمت وابہت انتساب شوکت مہابت پناہ نصفت و عظمت دستگاہ سلالہ آل طٰہٰ و یٰسین خلاصۂ اولاد سید المرسلین نگین خاتم جاہ و تمکین مدبر اقالیم الارضین ... حاتم شجاعت و بختیاری آب گوہر شہامت وجانسپاری سیف مسلول بازوے شہنشاہی رمح مصقول معرکہ دشمن کاہی مقدمۃ الجیش معارک ملک گیری وجہانستانی ..... آہنگ مہارب فیروزمندی وکامرانی طراز آئین ابہت واجلال دگوہر دولت واقبال شیر دل رزمگاہ تہور وجلالت شرزہ خصال میدان تیغ زنی و شجاعت سپہ سالار سپاہ فتح وفیروزی سرلشکر افواج دشمن افگنی وبہروزی قوت سنان نصرت وکامگاری زور دست فتحیابی ونامداری سرکار وزراے نامدار سردار امراے عالی مقدار مطرح انظار عنایت مورد الطاف .... سرایت خان عالی شان رفیع المکان خلاصۂ وزراے بلیغ الشان زبدۂ خوانین زمین وزمان سرآمد نیک خواہان ملک گیر کشورستان جواں بخت سعادت توامان شرزہ خان قبول بدرگاہ والا نمودہ بود از انجملہ مبلغ پنج ہزار حق باقیست باید کہ مجرد رسیدن فرمان جہانمطاع خورشید ارتقاع ہمگی مبلغ مذکور بحضور وافر السرور بمعرفت عزت وشوکت دستگاہ رفعت ومعالی عمدۂ مقربان درگاہ نقاوۂ خیر اندیشان ہواخواہ فدوی صداقت شعار ملک اعظم اکرم ملک کلدار ایفر لیسند وبعد از رسیدن زر مذکور بدرگاہ والا جاہ کتبہ کہ پیش خانمعز الیہ است والپس باو دادہ شود و ایں حکم علیہ العالیہ راہر گز بر نہج احدے اظہار ننمایند وپس از وصول زر مذکور صاحب خانمعز الیہ کہ در انحالت

بحضور فائض النور طلب فرمودہ شیخ محمد بن شیخ علی خواصی رکاب را فرستادہ شدہ است حسب فرمودۂ عالی بعمل آورد قدادا اندر برحکم فرمان اشرف ر ود تحریر فی التاریخ دوم صفر المظفر ۱۰۹۵ھ ہجری۔

پروانگی حضور خورشید ظہور اشرف اقدس اعلیٰ

فرمان عادل شاہ ثانی ۱۰۷۱ھ

فرمان[۱] ہمایون شرف صدور یافت بجانب ولیسائی پرگنۂ نالور گیرد آنکہ از شہور سنہ احدی ثلثین والف بدرگاہ والا روشن گردید کہ شرزہ خان از روے متمردی ولایت حضرت دستگاہ شوکت و مہابت انتباہ سلالۂ وزراے ذی شان عمدۂ امراے فیروزی نشان شیر بیشۂ ہمدانگی نہنگ شجاعت و فرزانگی خان عالیشان نواب عبدالرحیم بہلول خان قابض نمودہ فتنہ و فساد برپا کردہ است لہذا حکم استیصال متمردمذکور فرمودہ شدہ می باید کہ متعلقان نواب موحی الیہ را مدد و کمک نمودہ بآنہا متفق گشتہ متمرد مذکور را گوشمال نمود نیست و نابود سازند اگر دریں باب عذر و اہمال ورزند آنہا را مستاصل نمودہ خواہد شد دریں باب تاکید بلیغ داشتہ حسب الامر اشرف عمل نمایند تحریر بست و ہشتم صفر ۱۰۷۱ھ ہجری

رائچور کی دفتری مسجد کا کنٹری کتبہ

یہ کتبہ کسی دیول کا ہے جس کا حصۂ زیریں تلف ہوگیا جو باقی رہ گیا ہے اُسے مسٹر شاستری نے ترجمہ کیا ہے۔ اس کتبہ میں جن دیولوں کا حوالہ ہے ممکن ہے کہ اُن میں کا کوئی دیول یہی مسجد ہو کیوں کہ مسجد کا طرز عمارت ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہے۔

(۱) سورج (۲) گرڈر کی جھکی ہوئی شکل جس کی چونچ دار ناک اور سر پر تاج ہے (۳) وشنو کی استادہ تصویر جس کے بالائی ہاتھوں میں سنکھ اور آفتاب کا چہرہ ہے اور دستہاے زیریں میں کنول کا پھول اور عصا (۴) ایک چبوترے پر لنگ جس کے سر پر پھولوں کا ہار ہے (۵) ایک ہلال (۶) مقدس بیل (۷) نیمچہ (۸) گاے جو بچھڑے کو دودھ پلا رہی ہے۔

کتبے کے ناصیہ کی عبارت میں کالاچوریا خاندان کے راجہ رایامیواری بھوج بلاّ ملاّ دیو کا تذکرہ ہے۔ جس کی سلطنت کے آٹھویں سال جیانام سچھر مارگیسر پدیچی اتوار کے دن (۱۰۸۷ء ۱۱۶۷ء) موضع گبّور کلاں (تعلقہ رائچور)

---

[۱] اس فرمان پر وہی مہر ہے جو قاضی صاحب مدگل کے فرمان پر ہے۔ قصبۂ نالور گیرہ مدگل سے بارہ کوس لنگسگور گنگاوتی کی سڑک پر ہے۔

کا ہر تیلی فی کس ایک ایک ناپ تیل کا برھمیشور اور تربھون کیشوکی دوامی روشنی کے لیئے دیا کرتے تھے۔
اس شکستہ کتبہ کی صرف چھ سطریں باقی رہ گئی ہیں جن میں مغربی چلوکیا خاندان کے راجہ ایگاڑی کا ملا کا نام واضح طور پر درج ہی۔ اس نام کے دو راجہ ہوے ہیں پہلے نے ۱۰۱۸ء سے ۱۰۴۲ء اور دوسرے نے ۱۱۳۸ء سے ۱۱۴۹ء تک سلطنت کی ہی۔ اس راجہ کے معمولی تعظیمی القاب مالک الارض شاہ شہنشاہان۔ مالک و خداوند۔ شاہنشاہ اعلی۔ جوہر قوم سیتاسرایا۔ جوہر چلوکیا خاندان۔ اس کے بعد کسی بڑے مقدس بزرگ کے حالات شروع ہوکر پھر ٹوٹ گیا ہی۔

کتبۂ دیول سومیّا واقع قصبہ کرڑکل[1]

بزبان کنڑی نثر و نظم

(۱) سیوا اور اُس کے مقامی قایم مقام پسچم (مغرب) سوما ساکن کرڑکل سے خطاب کرکے بجا نامی رئیس کی نسبت کلمات دعائیہ۔

(۲) جمبو دیپا کے وسط میں جو سمندر سے گھرا ہوا ہی سونے کا پہاڑ ہی جس کے جنوب میں بھارت کشیترا (ہندوستان) ہی جس پر شاہنشاہ بھلا مایا دو قوم کا حکمراں ہی۔

(۳) اس کا باج گزار ایک شخص بجّاراسا اول نام کا تھا جو کدمبا خاندان کا تھا جس کا فرزند کاچا اول تھا۔ کاچا اول کا فرزند اکر بجّا دوم تھا جس کی مدح و ثنا میں متعدد اشعار درج ہیں ان اشعار میں کوئی واقعات تاریخی نہیں ہیں سوائے اس کے کہ وہ مہامنڈلیسور (ولیسرا ے) تھا اور جو اس خطۂ ملک کرڑکل ناڑو پر حکمراں تھا۔ بجّا دوم اور اُس کی رانی واچلا دیوی کا فرزند کاچا دوم نامی تھا۔ کاچا دوم اور سگلا دیوی سے ایک لڑکا بجّا سوم پیدا ہوا جس کی رانی کا نام ہلّا دیوی تھا۔

(۴) بجّا سوم کے امرا میں ایک شخص ملیّا نایک تھا جس نے کدمبا خاندان کو جو معدوم ہو چلا تھا عروج پر پونہچایا اور بجّا سوم کو مرتبۂ عالی ولیسرا ے پر نامزد کیا۔ ملیّا کا دوسرا نام ولایا (سانپ) بھی تھا۔

(۵) ملیپا نایک کی ماں کا نام کاما دوی تھا۔ اُس کے چھوٹے بھائی کا نام اپنایا نایک تھا اور ملیا نایک

[1] ننگسگور سے بالکل ملا ہوا ہی۔۱۲

کی بیوی کا نام چندا دیوی اور لڑکے کا نام انیا تھا۔ ملیا نایک سیوا کا پیرو تھا۔ اپنے مالک بجارا سا کے تحت میں ملیا بطور وزیر کے ضلع کرڑ کل ناڑو کا انتظام کرتا تھا۔

(۶) اس ضلع میں سب سے عمدہ لبستی قصبہ کرڑ کل تھی جس میں جس طرف (چاہو نظر اٹھاکر) دیکھو بے شمار شالیزار کے تختے (کے تختے) ہیں۔ متعدد تالاب پانی سے لبریز۔ (دل خوش کن) کھیت نیشکر کے ہرے بھرے باغات۔ مرفہ الحال لوگ۔ امرا کی بڑھتی ہوئی پود ان گنت سیوا کے منادر اور سایہ دار درختوں کے جھنڈ مبارک ہو! جب کہ بادشاہوں کا بادشاہ پرتاپ چکروتی یادو نارائن بھلاما دیو حکمراں ہے۔ مبارک ہو! جب کہ اس کا باج گزار ولیبلرے اعظم کدمبا خاندان کا سردار (جس کے متعدد خطابات درج ہیں) مزے سے حکمرانی کر رہا ہے اور اپنی دار السلطنت مدگل ٹپن میں امن چین کی باتیں کر رہا ہے۔

(۷) پرتاپ چکروتی یادو نارائن بھلاما کی سلطنت کے سال ششم میں درودھی کرت سموتسر جلبشٹھا۔ بد۔ اتوار۔ سورج گرہن ویاٹی پاٹھا را اُس الجدی ملیا نایک وزیر بجارا سا نے ایک کھیت جو رقبہ میں سومتر تھا ایک لنگایت ساکن کرڑ کل سے خرید کر کے لیسچم سو مناتھ دیو کی پوجا پاٹ کے لئے جو خود بخود پیدا ہوا ہے اور جو ابد الآباد سے ہے نذر دیا۔

(۸) اس فقرہ میں مذکورہ بالا کھیت کی حدود اربعہ درج ہیں اور اُس کی تقسیم کی صراحت ہے اور آخر میں حسب معمول اس پر عمل نہ کرنے والے کے لئے کلمات تہدید درج ہیں۔

مسٹر شاستری جنھوں نے اس کتبہ کو پڑھا ہے اُن کے ریمارک۔

یہ کتبہ بلحاظ واقعات تاریخی کے نہایت اہم ہے۔ پہلے پہل اسی کتبہ سے خاندان یادو کے بھلاما راجہ کی صحیح تاریخ کا پتہ چلتا ہے اور یہی تاریخ گدک کی ایک دفتری سند میں بھی درج ہے لیکن مزید برآں وہ سرمائی خط استوا[۱] Winter solstice اور سلطنت کے سال ششم سے ہم بھلاما کے زمان سلطنت کا صحیح پتہ چلا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر فلیٹ نے گدک کے کاغذات اور دوسرے کتبوں سے یہ رائے قایم کی ہے کہ بھلاما ۱۱۸۷-۸۸ءمیں تخت پر بیٹھا بمبئی گزیٹر خاندان ہائے اضلاع کرناٹک جلد اول حصہ دوم صفحہ ۵۱۱

[۱] کرۂ ارض کے خط استوا سے آفتاب کے سب سے زیادہ فاصلے کے حدود جن کو بلحاظ موسم گرما راس السرطان (اتریان سورج) اور بلحاظ موسم سرما راس الجدی (دکھنیان سورج) کہتے ہیں۔ گرمی میں ۲۱ جون اور جاڑے میں ۲۱ دسمبر کو یہ ہیئت کذائی واقع ہوتی ہے۔

لیکن اس کتبہ کی رو سے صحیح ۱۰۴۸-۴۹ء برآمد ہوتا ہی اور اس لحاظ سے کتبہ کی تاریخ ۱۱۹۱ء (۲۳ جون ۱۱۹۱ء یوم یکشنبہ) ڈاکٹر فلیٹ کے اُس حساب کی رو سے ٹھیرتی ہی جو گدگ کے داخلوں سے لیا گیا ہی۔ لیکن خاندان کدمبا کے بجّاراسا ئیس یا اُس کے آباو اجداد کا پتہ اب تک کسی اور مطبوعہ کاغذات سے نہیں چلا ہی۔

مدریان کوٹ ہٹّی معدن طلا کے قریب مدریان کوٹ ایک مقام ہی جو گرگنٹہ اور ہٹّی کے درمیان واقع ہی یہاں قدیم زمانہ کی سنگ سیاہ کی ایک بہت بڑی گڑھی ہی جس کا ٹوٹا پھوٹا حصار اب بھی موجود ہی۔ اس گڑھی کے رہے سہے پتھر والی سمستان گرگنٹہ نے دو ہزار روپیہ میں معدنیات کو فروخت کر دیئے جس سے اُنھوں نے ایک جدید تالاب بنالیا اور اس طرح گڑھی کی قدیم یادگار مٹ گئی اب صرف ایک طرف کی دیوار باقی رہ گئی ہی۔ یہاں کے دو کتبے مسٹر لشپ نے مسٹر شاستری سے پڑھوا کر مجھ کو دیئے جو بلحاظ قدیم تاریخی واقعات کے نہایت نادر ہیں۔ ہم اُن کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(پہلا کتبہ) اس کتبہ کی تین بالائی سطریں بالکل مٹ گئی ہیں اُس کے بعد کا ترجمہ یہ ہی۔

ان میں ایک سطر سنسکرت زبان میں ہی اور باقی کنڑی ہیں جن میں راجہ تربھون ملّا کی مدح و ثنا ہیں ہی جو مغربی چلوکیا خاندان کلیان (حیدرآباد دکن) کا مشہور راجہ وکرماجیت ششم تھا جس نے ۱۰۷۶ء سے ۱۱۲۶ء تک سلطنت کی ہی۔ اس کی دارالسلطنت کلیان نلے وِیڑو کا ذکر ہی۔ دس سے بارھویں سطر میں راجہ کی سب سے بڑی رانی چاندلا دیوی کا ذکر ہی جو نہایت حسین عورت تھی۔ بلھامانے بیان کیا ہی کہ اس رانی نے سوایم ورا کی ایک بہت بڑی مجلس منعقد کی تھی جہاں اطراف و اکناف کے بہت سے راجہ جمع ہوے۔ ان میں سے رانی نے چلوکیا خاندان کے راج کنور وکرماجیت کو پسند کر کے اُس کے گلے میں شادی کا ہار ڈال دیا۔ رانی نے کیلیسور مدگنور کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کے لئے عطیات دیئے جس کی تفصیل اس جگہ کے حروف مٹ جانے سے نہیں کی جا سکتی پندرھویں سطر میں کتبہ کا سنہ چلوکیا بکرما سمّت (۱۹) مطابق سال بھاوا پشیا سدی (۸) دوشنبہ اُتریانا سمکرانتی درج ہی جو تخمینی طور پر ۹۴-۱۰۹۵ء قرار پاتا ہی۔ سطر ۱۷ تا ۱۹ میں کالاچوریا خاندان کے ایک اور راجہ کی تعریف درج ہی جو غالباً راجہ بکرماجیت کا باج گزار تھا۔ اس کے بعد کی عبارت بالکل مٹ گئی ہی اور پڑھے جانے کے قابل نہیں رہی۔

ف۱۔ اس رانی کے حسن و جمال کا آوازہ چار دانگ عالم میں مشہور تھا حتّی کہ کشمیر کا راجہ ہری کشن بھی اس پر فریفتہ تھا۔ ۱۲

دوسرا کتبہ مدریان کوٹ کی گڑھی کے ایک ستون پر کنٹری زبان میں ہی یہ ایک بہت پرانا کتبہ جو کہ ملا دیو
مغربی چلوکیا خاندان کے زمانہ کا ہی جس پر سکے سمت ۹۷ ننند ناچیت ماس گیارھویں تاریخ بدھ اتوار کا دن
منقوش ہی جو تخمینی طور پر سنہ ۱۰۵۲-۵۱ء سے منطبق ہوتا ہی۔ اس کتبے کے اوائل میں ایک بڑے رشی کی مدح ثنا ہی جو
بلحاظ اپنے تقدس کے گویا خود نارائن تھا۔ یہ شخص شیوا کا پیرو تھا اور بڑا صاحب کمال و کرامت تھا اپنی بات کا
دھنی قول کا صادق۔ دانش مند مخیر نیک متقی و ماہر جملہ علوم میں ایک درخشندہ جوہر تھا۔ اس کے
بعد کرکل کے ایک تاجر کے نام کے عطیہ کا ذکر ہی (کرکل لنگسگو کے پاس ہی جس کا دوسرا نام جگدیکا
ملیسور ور اڈیوراپورا بھی ہی) یہ عطیہ غالباً اس دیول کے متعلق تھا جو راجہ نے خود بنایا تھا جس کا دار الخلافہ
منّا والا میں تھا۔ عطیہ (۲۵) مٹ اراضی ریگڑ (کالی زمین) دو مٹ زمین تری۔ باغ کی زمین اور ایک درخت
آم پر مشتمل ہی۔ آٹھوں حقوق ان اراضی کی ملکیت کے تاجر مذکور نے جگدیکا ملیسور دیو کے نام منتقل کر دئے
غالباً اس دیول میں وہی رشی رہتا تھا جس کی تعریف اوپر آ چکی ہی۔ تاجر کو بالذات کوئی حق تصرف باقی نہ
تھا بجز اس کے کہ دیول کے پروہت کے تابع رہے۔ وہ حقوق زر جرمانہ و تاوان و محصولات نقد و جنس
کی قسم کے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس خطۂ اراضی پر زد و ضرب کرے تو اس کو (۱۲) پنا
(قریب دو آنے) مالک اراضی کو جرمانہ دینا چاہئے۔ اگر کوئی شخص کسی کو تلوار سے چھیدے تو اس کو
تین گرڈیانا جرمانہ دینا ہوگا۔ جو چیز جوتیوں پر رکھنے کے قابل ہی اگر وہ پان پر رکھ دی جاوے یعنی غیر مستحق شخص کی
عزت و توقیر کی جاوے اور جو اس کے لائق ہی اس سے چشم پوشی یعنی وضع الشی فی غیر محلہ تو چھ پنے جرمانہ
ہوگا اور علاوہ اس کے ہر گرڈیانے پر ایک پاگا بھی وصول کر کے راجہ کو بطور ٹیکس کے دیا جاوے گا اور علاوہ
اس کے ہر گرڈیانے پر ایک پاگا تُسا واپاٹا اور سنگوٹی کی بابۃ لیا جاوے گا التیا پانڈے کے ہر گرڈیانے پر ایک
پر کھایا بھی وصول کیا جاوے گا۔ غلہ کے متعلق جب بعد درو فصل ایک کولگا[1] حق مالکانہ کیل ہوا کوئی شخص
ایک رولگا غلہ خرید کرے تو اس قسم کی غلہ کی ہر ناپ پر دو بلاّ[2] اور ستو پان محصول دینا ہوگا۔ غلے کے ہر بوجھے پر
(جو آدمی سر پر لے جاتا ہی) ایک پنا از قسم وساوند اسساوی ہوگا (۲۵) پانوں کے تمام اقسام کی ڈلی۔

---

[1] کولگا اور بلاّ دونوں ناپ غلہ کے ہیں جن کا رواج اب تک ہی جیسے پائلی اور سولگا۔ من کا لفظ جو استعمال ہوا ہی اس سے چالیس سیر کا
من مراد نہیں ہی بلکہ اس زمانہ کی کوئی چھوٹی ناپ ہوگی چنانچہ اب بھی دکن میں گھی اور شکر کا من بارہ سیر کا ہی اور بمبئی میں سیر صرف پاؤ بھر کا ہی ہی
سپیاری۔ چھالیہ ڈلی میں کھوپرا ناریل اور مونگ پھلی وغیرہ ایسی اشیا بھی شامل ہیں جن پر سخت چھلکا ہو ۱۲۔

سپیاری۔ چھالیہ مثلاً نلاّ وٹی وغیرہ ایک پگا مال قیمت فی گوڑیا تے پر لیا جائے گا۔۔۔۔۔۔ تاجر مذکور کا فرض ہوگا کہ بہ متابعت حکم راجہ اس قصبہ میں صرف آسودہ لوگوں کے مکانات کی نشان دہی کرے۔ دکان کی حدود سے مراد دکان کے اندرونی مسقف حصہ سے ہے۔ کسی تاجر کا وہ مال جو ناکارہ ہو اُس پر کوئی محصول نہ لیا جائے گا اُس تاجر کے بھی کچھ خاص حقوق تھے پان کے ہر بوجھے پر اُسے سو پان ملتے تھے اور آدمی کے بوجھے پر پچاس غلہ میں اُسے نصف من ہر بھینسے کے بوجھے پر اور دو من چھوٹے بیل کے بوجھے پر چھالیہ وغیرہ کے ایک بار خر پر (۲۵) اور جب کہ دُھری گونی ہو تو (۱۲) چھالیہ ملتی تھیں۔ کتبہ کے آخری حصہ میں کلمات تہدید ہیں کہ جو ہماری خیرات دی ہوئی زمین کو لے گا وہ ساٹھ ہزار برس تک کیڑے کے جنم میں رہے گا۔ اُن زمینات پر جو معافی ہیں۔ تشخیص جمع کرنا ایسا ہی کہ گویا ایک ہزار گئو ماتا کو ذبح کیا اور اسی طرح محصولی اراضی کا لگان معاف کر دینا اُس شخص کے لئے ایسا ثواب ہے کہ گویا ایک کروڑ گئو ماتا کا بچ کیا۔

قصبہ مسکی ضلع رائچور میں اسوکا کا ایڈکٹ

لنگسگور سے مسکی (۱۸) میل ہے۔ حال میں[۵] مسٹر بیڈن نے جو معدنیات کے ایک ملازم ہیں اس پتھر کو پہلے پہل دیکھا اور اُنھیں کے ساتھ میں نے بھی ۸ر فروری ۱۹۱۵ء کو اس پتھر کو دیکھا۔ یہ پتھر مسکی کے متصل پہاڑ کے سرے پر ایک بڑی بھاری کھو کے اندر ہے جس پر قدرتی ایک بڑی لمبی چوڑی سل پٹی ہوئی ہے پتھر ایک معمولی بے تراشا ہوا گنڈہ ہے ۶ فٹ لمبا اور (۵) فیٹ عریض ہے اس پر ساتھ آٹھ سطریں چیدہ چیدہ حروف کی کندہ ہیں۔ یہ حروف Hieroglyphic وضع کی بہت پرانی کتابت کے جدا جدا ہیں اور قدیم سنسکریت پراکرت زبان کے ہیں۔ اس کا ایک چربہ مسٹر بشپ ملازم معدن طلائے ہٹی نے مسٹر شاستری ماہر فن آثار قدیمہ مدراس گورنمنٹ کے پاس بھیج دیا اور میں نے بذریعہ مسٹر حیدری ہوم سکریٹری مسٹر یزدانی ایم۔ اے مہتمم آثار قدیمہ نظام گورنمنٹ کے پاس بھیجا مسٹر شاستری کی تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ کتبہ بہت نادر الوجود اور قابل قدر اسوکا کا ایڈکٹ (فرمان) ہے پہلے مسٹر یزدانی نے آکر اس کو دیکھا اور بماہ جولائی ۱۹۱۵ء خاص طور پر مسٹر شاستری نے آکر دیکھا۔ اسوکا خاندان موریا مگدھ (بنگال) کا مشہور بادشاہ تھا جو بودھ مذہب کا بڑا بھاری حامی تھا جس کے مذہبی فرامین سرحد صوبہ بہار سے لے کر جنوبی ہند میں میسور تک مختلف مقامات پر پائے گئے ہیں۔ اس کے احکام و فرامین واضح مقامات پر

---

[۵] اسوکا کے جدید ایڈکٹ کی دریافت نے تمام ہندوستان میں سنسنی پھیلا دی ہے پہلے مولوی محمد یزدانی صاحب ایم۔ اے ناظم آثار قدیمہ سرکار نظام نے تشریف لا کر دیکھا بعد مسٹر شاستری مدراس سے آئے اور انگریزی اخباروں میں اس کتبے کے متعلق بہت کچھ لکھا پڑھی ہو رہی ہے۔

کندہ کئے جاتے تھے مثلاً ستونوں پر جیسے کہ دہلی میں اس وقت اسوکا کا آہنی ستون موجود ہی۔ ان فرامین میں اسوکا کو عموماً "دیونم پی آ" (برگزیدۂ رب) اور "پی آداسی" (سب کا خیر اندیش) کے القاب سے مخاطب کیا گیا ہی۔ فرنچ پروفیسر سینار Senart نے جو مذہب بودھ کے بڑے ماہر اور مستند عالم ہیں بہت کچھ کاوش اور تدقیق و تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا ہی کہ ان القاب کا مشار الیہ لامحالہ چندر گپت کے پوتے اسوکا کے سوائے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ مسکی کے نو دریافت شدہ ایڈکٹ کے کتبہ سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ دیونم پی آ کے لقب کے ساتھ ہی لفظ اسوکا بھی کندہ ہی۔ اس فرمان میں کوئی سال درج نہیں ہی لیکن اسوکا کے زمانے دوسرے متعدد فرمانوں سے جو ضبط تحریر میں آچکے ہیں اُن سے صاف طور پر قرار پا چکا ہی کہ اسوکا کا زمانہ (۲۱۸) سال قبل مسیح کے تھا مسکی کا فرمان اپنے مضمون اور طرز کتابت کے اعتبار سے بالکل اسوکا کے اُن فرامین کے مماثل ہی جو شہسرام اور روپ ناتھ مقامات پر ملک بہار میں دستیاب ہوئے ہیں اور مسکی والا فرمان بظن غالب اسوکا کے اوائل زمان سلطنت کا ہی۔ فرمان کا پورا اور صحیح ترجمہ اس وجہ سے ناممکن ہی کہ جابجا سے درمیانی حروف محو ہو گئے ہیں لیکن اسوکا کے دریافت شدہ کتبوں کے مضامین کو پیش نظر رکھ کر مسٹر شاستری نے جو ترجمہ گورنمنٹ میں پیش کیا ہی وہ بجنسہ ذیل میں درج کیا جاتا ہی اور اگرچہ عبارت مسلسل نہ پڑھی جا سکے مگر سیاق عبارت سے جو تکمیل مسٹر موصوف نے کی ہی وہ بالکل قرین قیاس ہی اور جتنی عبارت واضح اور موجود ہی اُس کے دیکھنے سے مسٹر شاستری نے جو عبارت کا جوڑ ملایا ہی وہ نہایت ہی باموقع اور موزوں پایا جاتا ہی اور پتھر پر جو عبارت اس وقت موجود ہی اُس کا صحیح مفہوم یہی ہی جو ذیل میں لکھا جاتا ہی اور اس کی تصدیق ہر ماہر فن کر سکتا ہی۔

سطر

(۱) دیونم پی آسا اسوکا . . . . (ا) ڈھ۔ ت (تی)

(۲) (یا) نی وساتی یم اَمِ سُمی مجھم پا شکے . . . . ترے کے

(۳) (سُ) می سمگھا اُوا گتے با (ڑھنچہ) سُ (می) پُرے جمبو

(۴) (دیپا) سا . . . . . . دیوا ہسُو تے دانی نسی بھوتا راہی ا اُٹھے کھدا

(۵) کے ناہی دھما یوتے نا سکے ادھی گتا دے نہ ہے وم دکھی توی یے اُٹھا۔

سلہ لفظاً اور معناً غلط ہی اُپاسکے چاہئیے۔۱۲

(۶) لکھے وہ اِما اِدھی گھچّے یاتی کھُداکے چاؤڈالاکے چاوتا۔

(۷) وی یاہے وَم دے کالَم تُھما داکھے ٹھے ٹی ... ت۔ک چاؤڈھی۔

(۸) ستی چادی یاڈھی یاہے ستی۔

لفظی ترجمہ

(۱) خداکے پیارے اسوکاکا ... ڈھ۔ت (ڈھ کے اول آمٹ گیاہی اور سطر اول کی ت اور دوسری سطرکی نی کے درمیان ایک حرف مفقودہی سیاق عبارت سے وہ یا ہوتاہی۔ اس طرح پوراجملہ اڈھی تیانی ہوتاہی جس کے معنے ڈہائی سال ہیں۔

(۲) ڈھائی برس تک میں نے ذوق شوق سے ریاضت کی۔

(۳) میں بودھ سنّاسیوں کے حلقۂ صحبت میں جاشامل ہوا اور درحقیقت اُن میں جاملا (اور بحث مباحثے کرتارہا) سابق میں ملک ہند میں۔

(۴) جو لوگ خدارسیدہ کہے جاتے تھے وہ تو جھوٹے نکلے۔ یہہ مقصد۔

(۵) چھوٹا آدمی حاصل نہیں کرسکتا۔ کیوں کیا یہہ صحیح ہی! جو شخص مذہبی معاملات میں گھُس جاے گا اُس کو یہہ مدعا حاصل ہوسکے گا۔

(۵و۶) صرف بڑے ہی آدمیوں کو یہہ مرتبہ مل سکتاہی۔ اِس نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔

(۶و۷) اس بات کی بڑے اور چھوٹے (دونوں قسم کے) آدمیوں کو خبر کرنی چاہئے۔

(۷و۸) اور خداکرے کہ (یہہ احکام) پھلیں پھولیں اور گاوڑھے ہو جائیں (یعنی بڑھیں اور ترقی کریں) اصل عبارت کی ساتویں سطر میں جو تھُما کا لفظ آیاہی اُس کے معنی تھم یا ستون کے ہیں اور ساری عبارت خط کشیدہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا لیکن اسوکاکے دوسرے فرامین پر سے مطلب یہہ نکالا جاسکتاہی کہ چوں کہ دوسرے فرامین تھموں اور ستونوں پر کندہ کرانے کا حکم تھا یہاں بھی وہی مطلب ہوگا۔

مطلب

اسوکاکے اسی قسم کے اور کتبے بھی ہیں اس کتبہ کا مطلب یہہ ہی کہ اسوکا ڈھائی برس سے کچھ زیادہ

عرصہ تک بطور خود بودھ مذہب کی پیروی کرتا رہا لیکن اس سے کچھ تشفی و اطمینان قلب حاصل نہ ہونے سے اسوکا بودھ مذہب کے سنیاسیوں کے حلقے میں جا ملا اور بڑی جدوجہد سے اُن سے بحث مباحثہ کرتا رہا۔ تب اسوکا پر یہ حقیقت کھُلی کہ اس وقت ملک ہندوستان میں جو لوگ راست باز اور راسخ الاعتقاد خیال کیئے جاتے تھے اور جن کا مرتبہ دیوتاؤں کا تھا وہ نرے جھوٹے نکلے۔ اسوکا تے عام طور پر اعلان کیا کہ چھوٹے چھوٹے لوگ بھی جو پوری طرح ریاضت کریں تو وہ خود اس قول کی سچائی کو معلوم کرلیں گے۔

راہ طریقت میں بڑے اور چھوٹے آدمیوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے (یعنی دونوں یکساں ہیں جو محنت کرے گا پھل پائے گا) اس لیئے اسوکا نے عام طور پر اعلان کیا کہ بڑے اور چھوٹے آدمیوں کو یکساں کوشش کرنی چاہیئے تاکہ وہ اس درجۂ (فنافی اللہ) پر پونہچیں اسوکا نے یہ بھی حکم دیا کہ اس فرمان کو ستونوں اور پہاڑ کی چٹانوں پر کندہ کرکے عوام الناس کو آگاہ کیا جاے۔ خاتمہ پر اس فرمان کے لئے دعاے خیر کی ہی کہ یہ فرمان نہ صرف پھلے پھولے بلکہ ڈیوڑھا ہو کر پھلے پھولے۔

مسکی کے جس پہاڑ کی کھوہیں یہ کتبہ ہی اُس پہاڑ پر جا بجا سونے کے پتھر پیسنے اور اُن کے دھونے اور چھانتے کے علامات موجود ہیں اور اسوکا کے دوسرے کتبوں ہیں جو ملک دکن میں سُورنگیری (طلائی) پہاڑ لکھا ہی غالباً وہ یہی تھا کیوں کہ اس نواح میں پہلے سونا نکالا جا چکا ہی جیسا کہ مسٹر ڈِنگس سے منیجر معدن طلاے ہٹی نے زمین میں سرنگیں لگاتے وقت علامات پائی ہیں۔ اور ہٹی کی معدن طلا بھی یہاں سے قریب ہی اور اس سارے پہاڑی سلسلہ موا فع توپل وڈی۔ وندلی۔ ہٹی۔ سانبال اور مسکی ہیں سب جگہ سونا اور دوسرے معدنیات موجود ہیں چنانچہ مسٹر بیڈن ایک عرصہ سے مسکی میں اسی کی تلاش کررہے ہیں اور مسکی کے اطراف آزمایشی گڑھے کھود کھود کر زمین کی نوعیت دیکھ رہے ہیں۔

گنگاوتی گنگاوتی کا ذکر اسی کتاب میں مجملاً آچکا ہے۔ یہ ضلع رائچور کی ایک تحصیل ہے جو دریائے تنگبھدرا سے (۵) میل ہٹ کر ہے اور بیجانگر کی تباہ شدہ سلطنت کے پاس ہے یہاں ذیل کے کتبے ہیں۔

بستی کے متصل ایک بلند پہاڑ پر حضرت مولیٰ علی کا چلہ بنا ہوا ہے اس پر یہ کتبہ ہے:-

علیؑ حبہ جنۃ

چوں کہ عقیدت گزیں معدن جود و سخا
یعنی غلام حسین صاحب علم و حیا

وصی المصطفیٰ حقاً

ہو العظیم

جست چو تاریخ او داد ندا ہاتفم
ہست علی ولی مالک ہر دو سرا ۱۲۵۸ھ

ہست چو صف افگن الدولہ و سلطان نواز
ملک بہادر چو کرد نام او ناصر عطا

قسیم النار والجنۃ

در مہ رجب بنا گشت چو زیں بارگاہ
بہر عقیدت چو کرد از سر صدق و صفا

امام الانس والجن

بیرون آبادی بھیکو میاں کی مسجد پر یہ دو کتبے ہیں

(۱)
رکن رئیس دکن معدن جود و کرام — ہست غلام حسین صف شکن الدولہ نام
کردہ چو مسجد بنا از سر صدق و صفا — بہر عبادت چو در چار مہ ماہ صیام
جست چو تاریخ آن عقل ز پیر خرد — گفت کہ این مسجد ہست ثانی بیت الحرام
۱۲۵۳ھ

بر محراب درمیانی بخط عربی

(۲)
بسم اللہ الرحمن الرحیم
لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ
وافوض امری الی اللہ

اللہ
وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ
اَحَدًا
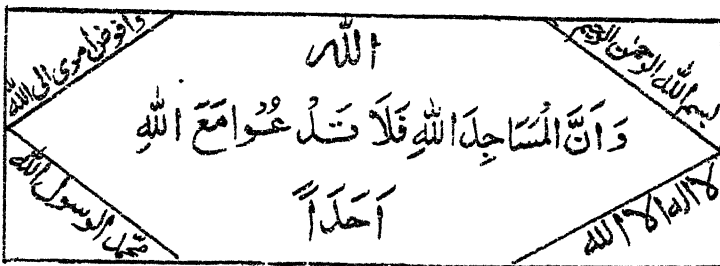
گنگاوتی میں ایک عالی شان مسجد زمانۂ سلف کی پختہ بنی ہوئی نہایت خوش نما اور مرتفع چبوترے پر بیرون آبادی گنگاوتی و موضع جنتکل کلاں کے درمیان ہے جس کی تین محرابیں ہیں۔ اندرون مسجد دو کتبہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جانب دست راست۔

ابوبکر	بسم اللہ الرحمن الرحیم	عمر
	وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا سنہ ۱۲۵۳ھ	
عثمان	لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ	علی

(۲) جانب دست چپ طغرائے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ جیساکہ رائچور کی جامع مسجد بیرون قلعہ پر ہے دیکھو فوٹو محاذی صفحہ ۳۳۸ حصۂ سوم۔

دیودرگ

ضلع رائچور کی ایک تحصیل ہے جو مستقر ضلع سے (۳۴) میل ہے۔ ایک مرتفع پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔ درگ کے معنی قلعہ کے ہیں جیسے نلدرگ۔ جلدرگ۔ وغیرہ لیکن یہاں اب قلعہ کا وجود نہیں رہا مگر قصبۂ دیودرگ کے جانب شرق ختم آبادی پر جو ایک بلند پہاڑ ہے اُس کو امر اللہ گڈا اور قلعہ کا پہاڑ بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کی دوسری جانب گورم پیٹ کی آبادی ہے جس کو دیودرگ کا ایک محلہ سمجھنا چاہئے۔ یہ پہاڑ دیودرگ کے سب پہاڑوں سے اونچا ہے اس پر اب بھی چند شکستہ دیواریں اور ایک دروازے کی علامات باقی ہیں۔ برج کوئی نہیں رہا۔ بریں ہم ان منہدمہ دیواروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں قلعہ ہوگا۔ پہاڑ پر ایک قدرتی چشمہ بھی ہے۔ اس پہاڑ کے ایک بڑے گنڈر پر ۲ ۱/۲ فٹ اگز ہے اس پر بخط کنڑی سولہا سطریں کندہ ہیں جن کا ترجمہ مسٹر شاستری نے حسب ذیل کیا ہے۔

اس کتبہ کے اوائل میں گند صیتی (وہ دیو جو سب کا محافظ اور موانع کا دفع کرنے والا ہے) کی تعریف ہے۔ مابعد کی عبارت سنسکرت میں ناظرین کے حق میں دعا ہے کہ ان کی عمریں درونا (جو آسوا تھا

من کا دیوہی) کے فرزند کی طرح دراز ہوں اور دسرتھ (جو سورج بنسی خاندان کا راجہ تھا) کی طرح کامیاب اور دشمنوں کی بربادی راگھو (یعنی رام چندرجی) کی طرح۔ تمول نہوشا (ایک داستانی بادشاہ) کا سا آزادانہ بے روک ٹوک زندگانی مثل ہوا کے دیوتا کے۔ ذاتی بھروسہ مثل دریودھن (مہابھارت کا ہیرو) شجاعت و جواں مردی مثل سانتنا وا (مہابھارت کا بھیشم) قوت و طاقت ہل اٹھانے والے (بلرام کشنا کے بڑے بھائی) کی طرح۔ سچائی اور راست بازی مثل کنتی کے فرزند (مہابھارت کے دھرم راج کے) علم مثل ویدور (مہابھارت کا مشہور ہیرو) کے اور نارائن (یعنی وشنو) کی سی شہرت۔

فتح مندی اور ترقی کے سالوں شالیواہن سکے ۱۶۱۲ پرمادوت (۱۶۹۰-۹۱ء) منگل کے دن گیارھویں تاریخ سراون بدھ قولنامہ تحریر ہوا۔

کہ گوپال گوڑا ساکن اریکری (تعلقہ دیورگ کا ایک موضع ہی) کا متمول فرزند تمن گوڑا نامی تھا۔ جس کا فرزند چکا کا سلے گوڑا تھا۔ یہ سردار دلیسائی اور سردلیسائیوں سے ایک معمول (ترا) وصول کیا کرتا تھا .... معاملہ (تعلقہ) رایچور میں (جو غالباً ان اغراض کے لئے تھا۔

متمول کا سلے گوڑا نے نل نام سمچھر (مطابق ۱۶۷۶ء) میں دیودرگ میں ایک تالاب بنوایا اور ایک گرھی بگی (کچھڑی) نذر چڑہانے کے بعد (نظر بد سے بچنے کے لئے دان دیا جاتا ہی) بنائی اور خوب صورت دیو گوپال کشن کو قایم کیا۔ پٹھ قایم کرکے (ہفتہ واری) بازار بھروایا۔ تب اس نے دیودرگ کو آباد کیا۔ کاسلے گوڑا کے فرزند یہ تھے۔ گوڑ پا۔ نارائن۔ واسدیو۔ ہریویرا۔ سمالا دھرالادیو۔ اُپی کارا۔ اور چکا کملا دھارا۔

اس کی لڑکیاں یہ تھیں۔ دیروا۔ تموا۔ کیسوا۔ کنشما۔ ستروا۔ وردوا۔ اور رنگما۔ اس کی بیویاں یہ تھیں۔ یروا۔ لکشموا۔ اور ونگوا۔

دوسری دو سطریں اس کتبہ کی کنڑی زبان میں ہیں جن کی عبارت صحیح نہیں ہی مگر مطلب یہ نکلتا ہی۔
(۱) سورپور کی طرح اس دیودرگ کو خوب صورت بنایا جس کی فصیل ایسی عالی شان اور بلند تھی جیسی کہ دیوتاؤں کے شہر کی۔ بڑی عالی شان ڈیوڑھی کے مشرقی جانب بلند مقام پر تالاب اور اُس کے عقب میں ایک نہایت خوش نما باغ ہی۔ دارالامارہ کے قریب اور اطراف میں پہاڑ ہیں۔

محل کے احاطے کی چار دیواری دیکھ کر الکا (دولت کے دیوتا کی بستی) کا سماں نظروں تلے پھر جاتا ہی۔
(۴) پہاڑ پر کی گڑھی چک کسایندرا کی بنائی ہوئی ہی جو تین پہاڑوں کی چوٹیوں کے درمیان آباد ہی۔ دامن کوہ سے گڑھی تک ہرے بھرے خوش نما باغات اور درختوں کے جھنڈوں سبزہ زار اور بیلوں میں پانی کی نہریں دوڑتی تھیں۔ اس کے بعد کی کنڑی عبارت چکا کسایندرا کے حق میں کلمات دعائیہ معلوم دیتے ہیں لیکن عبارت غیر مربوط اور پوری طرح سمجھ میں نہیں آتی اس کے بعد کی عبارت بھی کچھ ایسی ہی اُلٹ پلٹ ہی جس میں وشنو اور شیو دیوتا کی مدح وثنا ہی اور جس میں گڑھی کے قیام اور آفات وبلیات سے محفوظ رہنے کی دعائیں ہیں۔ آخری عبارت میں کچھ مسلمانوں کا تذکرہ معلوم دیتا ہی مگر وہ بھی صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔ خلاصہ یہ ہی مجھ کی عمر عطا ہو سری کشن سے دعا مانگتے ہیں کہ یہ شہر چاند اور تاروں کے قیام تک دایم وقایم رہے چک کا سلسلہ گوڑا (گھوڑے) گھوڑے کی نگہداشت کرنے والا خادم ہر گوپال کشن سے دعا گو ہی کہ دیوتا اور راکشش سے زیادہ قوی کرے خوشی کے ساتھ ان کو دار الامارہ میں پرورش کرے۔ سری کشن کے خادم جو ہمیشہ دعا کرنے والے اور مشہور بہادروں پر فتح پانے والے بے انتہا دولت مند سورج کی طرح روشن اور دراز عمر رہیں اور مہادیو کی عنایت سے ہمیشہ ان کی جیت رہے۔ اس کتبہ کی شکل یہ ہی:

مورت اننت سین وشنو

<table>
<tr>
<td rowspan="2">[illegible]</td>
<td>مورت مچھلی اور ناگ اور دو پریوں اور ہنومان کی</td>
<td rowspan="2"></td>
<td rowspan="2">۵۵ (کتبہ)</td>
<td colspan="3">کتبہ (۱۶) سطر جس کا ترجمہ اوپر درج کیا گیا ہی۔</td>
<td rowspan="2">مورت گنیش اور دو دواریال (دربان)</td>
</tr>
<tr>
<td></td>
<td>مورت کورم اور دو ہاتھی</td>
<td>کتبہ چھ سطر جو کسی سے پڑھا نہیں جاتا</td>
<td>سانپ اور دو ہاتھیوں کی مورتیں۔</td>
</tr>
</table>

مسجد | آبادی سے ملی ہوئی پولیس سٹیشن ہوس کے عقب میں ایک قدیم مسجد زمانۂ شاہی کی نہایت خوشنما بلند کرسی کی ہو جس کے سامنے تین بلند کمانیں نقار خانے کی ہیں باقی کمانیں اور حصار بنتے بنتے رہ گیا اس مسجد کے اندر منبر کے پاس یہ کتبہ ہی۔

اللہ محمد علی عثمان
ابوبکر
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

	۲	۳
۴	۱۰	۸
۹	۷	۶
۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

۴	۲ ۱	۳
۹	۱۰	۸
	۷ ۶	
۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْخَلَائِقِ وَاَفْضَلِ الْبَشَرِ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلَائِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ الصَّالِحِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

اس مسجد کے شمالی جانب اُترنے کی ایک بہت بڑی باؤلی بھی ہو جس میں متعدد سیڑھیاں ہیں۔

کتبہ بر لوح تالاب ماں صاحب خیریت آباد حیدر آباد دکن

ہموارہ ہمت والا نہمت علیا حضرت سعادت افزاے خاندان عفت و وقار خانم آغا بنت میر مقصود علی طباطبائی ارتفاع ارکان اقسام رفاہیت جمہور انام از طبقۂ خاص و طائفۂ عوام مبذول و مصروف است بنا برین بہ نظر اعتبار بر خواتم امور و عواقب کار گماشتہ حوضے بہ نیت خیر آباد معمار گردہ جودش کہ اصناف ذی حیات آسائش یابند و ثواب آں تا قیام قیامت بروزگار باقی و ساعی عاید و راجع باشد۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمی بینم بقاے

۱۰۳۴ھ

مختصر تاریخی حالات مملکت نظام

سلطنت آصف جاہی اس سلطنت ابد پیوند آصفیہ کی بنیاد آصف جاہ بہادر نے ڈالی جو اورنگ زیب کے ایک بڑے جنرل اور اصلاً ترکمان تھے ایک مدت تک دربار دہلی میں رہنے کے بعد جہاں ان کی شہرت امورات رزم و ملک رانی کے متعلق عام تھی اُن کا تقرر صوبہ داری دکن پر ۱۷۱۳ء میں ہوا اور لقب نظام الملکی سے ممتاز ہوئے جو اس وقت تک اس خاندان عظیم الشان میں جاری ہے سلطنت مغلیہ کی حالت اس وقت بہ سبب اندرونی مخالفتوں اور بیرونی حملوں کے نہایت مخدوش تھی ایسی حالت انتشار میں آصف جاہ بہادر کو دہلی کے کمزور اور تنزل نصیب بادشاہوں کے مقابلہ میں اپنی خود مختاری کے اظہار میں کوئی دقت پیش نہیں آئی لیکن ان کو مرہٹوں کی مداخلتوں کی مدافعت کرنی پڑی جو اِن کی ریاست جدید کے مغرب کی جانب رخنہ افگن ہو رہے تھے۔ اُن کی خود مختاری نے دربار دہلی میں آتش رشک و حسد کو مشتعل کر دیا اور دربار کے بعض اُمرا نے خفیہ طور پر مبارز خاں حاکم خاندیس کو ان کی مدافعت کے لئے آمادہ کیا کہ بزور سلاح ان کو مقہور کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موضع شکر کھیڑ (ضلع بلڈانہ ملک برار) کے قریب ۱۷۲۴ء میں جنگ ہوئی جس میں مبارز خاں کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا اس جنگ نے آصف جاہ بہادر کی خود مختاری کو بالکل مستقل کر دیا اور صوبہ برار بھی ضمیمہ ریاست دکن ہو گیا اور نواب آصف جاہ بہادر نے حیدرآباد کو اپنا مستقر سلطنت قرار دیا وہ اپنے انتقال کے وقت جو ۱۷۴۸ء میں وقوع پذیر ہوا ایک مستقل اور خود مختار بادشاہ تھے جن کی سلطنت موجودہ مملکت اور صوبہ برار دونوں پر مشتمل تھی۔

فرانسیس اور انگریز ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ثانی ناصر جنگ اور نواسے مظفر جنگ دونوں دعویدار سلطنت ہوئے اس وقت دو بڑی یورپین سلطنتیں انگلستان و فرانس کی ہندوستان میں کوشش کر رہی تھیں کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں۔ چنانچہ اِن دونوں

دعویداران سلطنت دکن نے اُن دونوں یورپین طاقتوں سے کمک چاہی ناصر جنگ کے دعوے کی تائید سلطنت انگلینڈ نے کی اور مظفر جنگ کو فرانسیسیوں نے کمک دی۔ لڑائی میں مظفر جنگ اپنے ماموں کے ہاتھ سے مقید ہو گئے لیکن ناصر جنگ کے شہید ہو جانے کے بعد مظفر جنگ بادشاہ ہو گئے۔ ڈوپلے فرانسیسی گورنر نظام حیدر آباد کے اقتدارات کا منتظم قرار پایا مگر اس زمانہ میں مظفر جنگ کو کسی پٹھان نے قتل کیا اور فرانسیسیوں نے نواب صلابت جنگ کو جو ناصر جنگ کے بھائی تھے۔ سلطنت کے لئے انتخاب کیا۔ نواب غازی الدین فرزند اکبر نواب آصف جاہ مرحوم جن کی نسبت بیان کیا جاتا تھا کہ ابتدا میں اپنے حق سے کنارہ کش ہو گئے تھے اس وقت مرہٹوں کی کمک سے دعویدار ریاست ہوئے لیکن ان کی ناگہانی موت نے آئندہ کے جھگڑوں کو نمود ہونے سے باز رکھا۔ انگریز اور فرانسیسی اس وقت دکن میں اپنے اقتدارات کے بڑہانے میں کمال درجہ کوشاں تھے۔ لیکن کرناٹک میں کلائیو کی نمایاں فتوحات نے فرانسیسیوں کو اپنی توجہ اپنے مقبوضات کی طرف پھیرنے پر مجبور کیا اور صلابت جنگ کو وہ اپنی حالت پر چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ نواب نظام علی خاں بہادر فرزند چہارم نواب آصف جاہ مرحوم نے اس وقت انگریزوں کی کمک اس شرط پر حاصل کی کہ فرانسیسیوں کو بالکل اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیں صلابت جنگ کو ۱۷۶۱ء میں تخت سے اُتار دیا گیا اور نواب نظام علی خاں بہادر تخت نشین ہوئے۔

تفویض سرکار شمالی ۱۷۶۶ء میں شمالی سرکار انگریزوں کو اس شرط پر تفویض کی گئی کہ بوقت جنگ انگریز فوجی کمک نواب نظام علی خاں بہادر کو دیں اور سرکار نظام کو سالانہ چھ لاکھ روپیہ اُس وقت دیا کریں جب کہ فوجی کمک کی ضرورت نہ ہو اور سرکار نظام کی طرف سے یہ وعدہ ہوا تھا کہ بوقت ضرورت انگریزوں کی مدد اپنی فوج سے کریں۔ اس کے بعد ۱۷۶۸ء کا عہد نامہ تکمیل پایا جس میں یہ قرار پایا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب کرناٹک سرکار نظام کو بوقت ضرورت فوجی مدد دیں اور وہ اس فوج کے مصارف کو ادا کریں۔ ۱۷۹۰ء میں ٹیپو سلطان اور انگریزوں میں لڑائی چھڑ گئی اور ایک عہد نامہ جدالی و دفاعی درمیاں سرکار نظام اور انگریزوں اور مرہٹوں کے منعقد ہوا بہر کیف ٹیپو سلطان نے صلح کر لی اور اپنے ملک کے مقبوضہ نصف سے دست بردار ہوا جو متعاہدین میں تقسیم پایا۔ ۱۷۹۸ء میں ایک اور عہد نامہ درمیان سرکار نظام اور انگریزوں کے مکمل ہوا جس کی رو سے انگریزوں نے چھ ہزار سپاہی کی پیدل فوج اور مناسب تعداد میں توپخانہ سرکار نظام کی خدمت کے لیئے مقرر کرنے کا اقرار کیا اور سرکار نظام

سے اس فوج کے مصارف کے لیئے چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ دینے کا اقرار ہوا۔ سرنگ پٹن کے فتح اور ٹیپو سلطان کے مرنے کے بعد سرکار نظام کو حسب عہدنامہ میسور ۱۷۹۹ء تقسیم ملک مفوضہ سے ایک بڑا حصہ ملا اور اس حصہ کی مقدار آگے سے بھی زیادہ تھی کیوں کہ پیشوا نے اس عہدنامہ سے کنارہ کشی کر لی تھی۔

اضلاع مفوضہ سنہ ۱۸۰۰ء میں ایک جدید عہدنامہ درمیان سرکار نظام و سرکار عظمت مدار ہوا۔ جس کی رو سے کمکی فوج کی تعداد میں دو بٹالین پیدل اور ایک رجمنٹ سواروں کا اضافہ کیا گیا اور سرکار نظام نے ان کے مصارف کے لیئے وہ کل ملک جو از روے عہدنامجات ۱۷۹۲ء و ۱۷۹۹ء اس کے حصہ میں آیا تھا اور جو تمام ملک مفوضہ مشہور تھا سرکار عظمت مدار کے تفویض فرمادیا اور یہ شرط کی کہ اس کل فوج سے باستثنائے دو بٹالین کے جوانوں کی خاص حفاظت کے لیئے مقرر تھیں مع اپنے چھ ہزار پیدل اور نو ہزار سوار کے بوقت جنگ انگریزوں کو مدد دیں۔

مرہٹوں سے جنگ نواب نظام علی خاں بہادر کی طبیعت سنہ ۱۸۰۳ء میں ناساز ہوئی اور سرکار عظمت مدار نے جو باجی راؤ پیشوا کو دوبارہ مسند نشین کیا تھا اس سے سندھیا اور ہولکر نے مایوس ہو کر جنگ کا تہیہ کیا۔

مرہٹوں کی تیاریوں کی مدافعت کے لیئے وہ کمکی فوج (سبسیڈیری فورس) جو مشتمل چھ ہزار پیدل و دو رجمنٹ سوار پر تھی مع پندرہ ہزار فوج خاصۂ سرکار نظام اس سرکار کی غربی سرحد پر قریب پرینڈہ کے مجتمع ہوئی جنرل ویلزلی کو مع اپنے آٹھ ہزار پیدل اور سترہ سو سوار کے اس فوج کے ساتھ متفقاً کام کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ پیشوا کی مسند نشینی میں کمک دے لیکن جنرل مذکور کے پونا پہنچنے کے قبل ہولکر وہاں سے روانہ ہو چکا تھا اور اثنائے راہ میں مالوہ جاتے ہوئے سرکار نظام کے بعض دیہات کو تاراج کرتا ہوا اورنگ آباد سے کچھ باج لیتا ہوا چلا گیا۔ اس واقعہ کے سنتے ہی کرنل اسٹیونسن نے گوداوری کی جانب اپنی تمام ماتحت فوج کے ساتھ پیشقدمی کی اور جنرل ویلزلی کے ساتھ جالنہ میں ملاقی ہوا۔ دوسرے دن (۲۳ سپٹمبر) جنرل ویلزلی نے آسائی کی مشہور معرکہ آرائی کی اور اس کے بعد ہی آرگاؤں کی لڑائی واقع ہوئی جس سے مرہٹوں کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی اور سرکار نظام کا ملک محفوظ رہا۔

نواب سکندر جاہ بہادر نواب نظام علی خاں بہادر نے سنہ ۱۸۲۳ء میں رحلت فرمائی اور ان کے فرزند نواب سکندر جاہ بہادر تخت نشین ہوئے سنہ ۱۸۲۲ء میں ایک معاہدہ درمیان سرکار کمپنی و سرکار نظام تکمیل پایا جس کی رو سے سرکار نظام سے اس چوتھ کی ادائی کی ذمہ داری ساقط ہوئی جس کے حقدار ۱۸۱۸ء میں پیشوا کے

مغلوب ہونے کے باعث سرکار کمپنی قرار پاچکی تھی۔

نواب ناصر الدولہ بہادر نواب سکندر جاہ بہادر نے ۱۸۲۹ء میں انتقال فرمایا اوران کے فرزند نواب ناصر الدولہ بہادر جانشین ہوئے۔ ۱۸۳۹ء میں ہندوستان کے دیگر حصص کی طرح حیدر آباد میں ایک وہابی سازش کا افشاء ہوا۔ اس کی تحقیقات عمل میں آئی جس سے ظاہر ہوا کہ مبارز الدولہ اور دوسرے لوگ اس سازش کے انتظام میں آلودہ ہیں جس کا مقصد سرکار کمپنی اور سرکار نظام کی مخالفت تھی۔ مبارز الدولہ کو قلعہ گولکنڈہ میں مقید کیا گیا جہاں تھوڑے دنوں بعد ان کا انتقال ہوا۔ راجہ چندو لعل نے جو منیر الملک کے بعد وزیر ہوئے تھے ۱۸۴۳ء میں استعفا دیا اور سراج الملک میر عالم کے نواسہ وزارت سے ممتاز ہوئے ۱۸۴۷ء میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان سخت فساد ہوا اور اس جھگڑے میں تخمیناً پچاس آدمی مارے گئے سراج الملک جو اسی سال خدمت سے علحدہ ہوئے تھے دوبارہ ۱۸۵۱ء میں خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے چونکہ کنٹنجنٹ کی فوج کی تنخواہ بقایا میں پڑ گئی تھی لہذا ایک نیا معاہدہ ۱۸۵۳ء میں کیا گیا اور اضلاع جن کی مالگذاری خام پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھی سرکار کمپنی کے تفویض کئے گئے ان اضلاع مفوضہ میں علاوہ ملک برار کے اضلاع عثمان آباد (نلدرگ) اور دوآبہ رائچور بھی شامل تھے اس عہدنامہ کی روسے سرکار کمپنی نے اقرار کیا کہ ملکی فوج پانچ ہزار پیدل اور دو ہزار سوار اور چار توپخانہ کی بٹیریاں ہمیشہ قائم رکھے اور یہ ٹھیرا تھا کہ بعد ادائی تنخواہ فوج کنٹنجنٹ اور بعض دوسرے مصارف وسود قرضۂ کمپنی کی جس قدر بچت ہو وہ سرکار نظام کو دی جایا کرے۔

اس معاہدہ کے مطابق اگرچہ سرکار نظام کل سبسیڈیری اور کنٹنجنٹ فوج کے کام میں لانے کا کامل حق تھا سرکار نظام کو اس غیر محدود التزام سے بھی معاف رکھا گیا کہ اپنی فوج سے سرکار کمپنی کو کمک دیں اور کنٹنجنٹ فوج اس کے بعد سرکار نظام کے فوج کا جزو باقی نہیں رہی بلکہ ایک ملکی فوج ہوگئی جس کو سرکار نظام کے کام کے لئے مقرر کیا تھا اس عہدنامہ کے تکمیل پانے کے ایک ہفتہ بعد سراج الملک نے انتقال کیا اور ان کے بھتیجے نواب سالارجنگ بہادر منصب وزارت سے سرفراز ہوئے۔

نواب افضل الدولہ بہادر نواب ناصر الدولہ بہادر نے ماہ مئی ۱۸۵۷ء میں رحلت فرمائی اور نواب افضل الدولہ بہادر تخت نشین ہوئے۔ یہ زمانہ حیدر آباد کے لئے ایک نہایت نازک زمانہ تھا کیوں کہ غدر جس نے تمام ہندوستان کو ہلا دیا تھا حیدر آباد کو بھی متاثر کیا خوف اس بات کا تھا کہ اگر حیدر آباد

علم طغیان کو بلند کرے گا تو تمام جنوبی ہندوستان اور نیز بمبئی بھی اس بغاوت میں اس کا ساتھ دے گی۔ اگرچہ حضور نظام کو ان کے بعض ناعاقبت اندیش مصاحبین بغاوت کی ترغیب دیتے تھے مگر انھوں نے مستقل وفاداری کے ساتھ سرکار انگلشیہ کا ساتھ دیا۔

غدر کے طوفان کے فرو ہونے کے بعد سرکار عظمت مدار نے بعوض اس وفاداری کے جو حضور نظام سے وقوع میں آئی تھی عہدنامہ ۱۸۵۳ء میں ترمیم کی اور ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی رو سے اضلاع عثمان آباد (نلدرگ) اور دوابہ رائچور کو مسترد کیا جن کی سالانہ مالگزاری اکیس لاکھ روپیہ تھی علاوہ اس کے پچاس لاکھ کا قرضہ بھی چھوڑ دیا اور گوداوری کے ساحل لیسار کے بعض قطعات بھی دے دئے صرف صوبۂ برار کے اضلاع محاصلی تینتیس لاکھ روپیہ کو مقاصد مندرجۂ عہدنامہ ۱۸۵۳ء کی تکمیل کے لئے بطور امانی اپنے پاس رکھا۔

نواب میر محبوب علی خان بہادر ۱۸۶۹ء میں نواب افضل الدولہ بہادر نے اس جہان فانی کو وداع فرمایا اُن کے صاحبزادے نواب میر محبوب علی خاں بہادر سریر آرائے سلطنت ہوئے چوں کہ اُن کی عمر صرف تین ہی سال کی تھی لہذا انتظام امور ملک کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی اور نواب سالار جنگ بہادر اول ریجنٹ اور نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر کو ریجنٹ (یعنی شریک) مقرر ہوئے اور بہبودی ملک و امور سترگ سلطنت میں صاحب عالی شان (رزیڈنٹ) سے مشورت لی جاتی تھی۔ جب ۱۸۷۷ء میں نواب شمس الامرا نے انتقال فرمایا تو اُن کے بھائی نواب وقارالامرا بہادر کو اڈیڈ منسٹر مقرر ہوئے اور ان کے انتقال (۱۸۸۱ء) کے بعد صرف نواب سالار جنگ اول ہی تا وفات خود (۱۸۸۳ء) بہ حیثیت منتظم اور ریجنٹ کے فرائض مملکت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۰۲ء میں ملک برار کا پٹہ سرکار عظمت مدار کو دیا گیا اور قرار یہ پایا کہ سرکار عظمت مدار اس کے معاوضہ میں پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کا مقررہ اور دوامی لگان ادا کرتی رہے گی۔

اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خان بہادر اعلیٰ حضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علی خان بہادر ۲۹ راگست ۱۹۱۱ء کو اپنے واجب الاحترام والد لفٹننٹ جنرل ہز ہائینس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر محبوب علی خان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔بی۔ و جی۔سی۔ایس آئی کے رہگرائے فردوس بریں ہونے پر سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

استمراری پٹہ برار برار کا دوامی پٹہ سنہ ۱۹۰۲ء میں سرکار مدار (انگریزی) کو جس معاہدہ کے ذریعہ سے دیا گیا ہی وہ یہ ہی۔

چوں کہ جو عہدنامے برٹش گورنمنٹ اور ریاست حیدرآباد کے مابین ۲۱ مئی سنہ ۱۸۵۳ء اور ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء کو ہوے تھے ان کی روسے اضلاع برار برٹش گورنمنٹ کو حیدرآباد کنٹنجنٹ کے اخراجات کے لیئے تفویض کئے گئے اور یہ طی پایا تھا کہ اضلاع مفوضہ مذکور سے اگر کوئی بچت ہو تو وہ رقم فاضل اعلیٰ حضرت حضور نظام کو دے دی جاے۔

اور چونکہ برٹش گورنمنٹ اور اعلیٰ حضرت حضور نظام کی خواہش ہی کہ اس انتظام میں اصلاح کی جاے نیز چونکہ بہ لحاظ کفایت شعاری یہ امر نامناسب ہی کہ اضلاع مفوضہ کا انتظام جداگانہ اڈمنسٹریشن کی حیثیت سے جاری رہے یا آن کہ حیدرآباد کنٹنجنٹ ایک علیحدہ فوج کے طور پر رہے۔

علاوہ ازیں چوں کہ یہ بات بھی مناسب ہی کہ اضلاع مفوضہ سے اعلیٰ حضرت حضور نظام کو ایک غیر متیقن اور گھٹتی بڑھتی آمدنی کے عوض ایک مقررہ رقم وصول ہو۔

بنابران ذریعۂ ہذا شرائط ذیل فیمابین ویسراے و گورنر جنرل ہند بہ اجلاس کونسل و نواب سر میر محبوب علی خاں فتح جنگ حضور نظام حیدرآباد قرار پاتی ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت حضور نظام جن کی فرماں روائی اضلاع مفوضہ کا از سر نو اعتراف کیا جاتا ہی اضلاع مذکور کا استمراری پٹہ برٹش گورنمنٹ کو دیتے ہیں جس کے معاوضہ میں برٹش گورنمنٹ پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کا ایک مقررہ اور مدامی لگان ادا کرتی رہے گی۔

(۲) برٹش گورنمنٹ اضلاع مفوضۂ مذکور پر کامل و بلا شرکت غیرے جو اقتدار و حکومت بروے عہدنامجات سنہ ۱۸۵۳ء و سنہ ۱۸۶۰ء رکھتی ہی اُس کو قایم رکھ کر اِس بات کی مجاز ہوگی (گو عہدنامجات مذکور میں کوئی امر اِس کے مخالف ہو) کہ جس طرح مناسب سمجھے اضلاع مذکور کا انتظام کرے۔ نیز یہ بھی اختیار ہوگا کہ جس طور مناسب معلوم ہو افواج حیدرآباد کنٹنجنٹ کو از سر نو تقسیم یا اُس میں تخفیف عمل میں لاے یا از سر نو منتظم کرے اور اپنے قابو میں رکھے البتہ جیسا کہ عہدنامۂ سنہ ۱۸۵۳ء کی شرط سوم میں رکھا گیا ہی حفاظت ممالک محروسہ سرکار عالی کے لیئے واجبی بندوبست رکھے گی۔ شرح دستخط ڈی۔ ڈبلیو۔ بارکشن پرشاد۔ مقام ریزیڈنسی حیدرآباد مرقومۂ پنجم نومبر سنہ ایک ہزار نوسو دو مطابق سوم شعبان سنہ ایک ہزار تین سو بیس ہجری۔

منظورہ و مسلمۂ گورنمنٹ آف انڈیا

حسب الحکم

شرح دستخط　　لوئی ڈبلیو ڈین

مقام فورٹ ولیم ۱۶ ر دسمبر ۱۹۰۲ء ـ　　منصرم معتمد گورنمنٹ آف انڈیا فارن ڈپارٹمنٹ

آثار قدیمہ

فہرست آثار قدیمہ مملکت سرکار عالی ۱۳۰۴ ف میں گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے مسٹر ہنری کوزنس ایم ـ آر ـ اے ـ ایس جو بمبئی کے آرکیولاجیکل سروے کے مہتمم تھے بدیں غرض متعین ہوئے کہ آثار قدیمہ مملکت سرکار عالی کی فہرست تیار کریں ـ انھوں نے اسی سال ملک کا دورہ کیا اور اس محنت کے نتائج ۱۳۰۹ ف میں نیو امپریل سیریز آف آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا کی جلد ۳۱ میں شایع ہوئے انھوں نے جو فہرست آثار قدیمہ مرتب کی وہ بیشتر اسی مواد سے تیار ہوئی ہی جو سرکار عالی کے خرچ سے فراہم ہوا تھا ـ

تقسیم آثار قدیمہ مسٹر کوزنس کی فہرست میں ہمگی (۱۱۶) آثار ایسے ہیں جو لایق حفاظت ہیں ان میں سے (۴۹) سرکار کے قبضہ یا نگرانی میں ہیں اور (۶۷) خانگی جماعتوں یا اشخاص سے متعلق ہیں منجملہ کل آثار کے (۶۵) کی ایسی حالت ہی اور ان میں قدامت یا تاریخ کی ایسی دلچسپی ہی کہ ان کا ہمیشہ درست حالت میں رکھنا مناسب تصور کیا گیا ہی باقی (۵۱) اس طرح کے بیان ہوئے ہیں جن کے متعلق اسی قدر ممکن و مناسب ہی کہ اُن کو اور زیادہ خراب نہ ہونے دینے کی غرض سے یہ خفیف سی تدابیر اختیار کی جائیں کہ جو جھاڑی دیواروں میں اُگ آئے اُس کو اکھاڑ دیا جاوے اور اُن کی بنیادوں میں پانی نہ مرنے دیا جائے وغیرہ ـ آثار قدیمہ ـ مندروں ـ غاروں ـ مسجدوں ـ مقبروں ـ قلعوں ـ پھاٹکوں ـ دیدبانوں ستونوں ـ پتھر کی کمانوں اور منطقۃ البروج کے نقوش پر شامل ہی ـ نیز کچھ قدیم کتبے بھی پائے جاتے ہیں ـ

پہاڑ میں ترشے ہوئے دیول پتھر کے مندروں یا غاروں میں جو بمقام ایلورا اور اجنٹہ (ضلع

اورنگ آباد) واقع ہیں مشہور ہیں چنانچہ غار ہائے ایلورا کی نسبت کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں سب سے عمدہ ہیں ایلورا اورنگ آباد سے ۱۴ میل شمال و مشرق کے کونے پر واقع ہے غار ہائے مذکور تین مذاہب کی عبادت گاہ ہیں یعنی بودھ۔ برہمن اور جین۔ یہ غار باعتبار زمانہ پانچویں صدی عیسوی سے لے کر نویں یا دسویں صدی تک کے ہیں سب سے پہلے جس یورپین نے اُن کو دیکھکر ان کا حال لکھا ہے وہ تھیونات تھا اجنٹہ کے غار ویرانہ اور سنسان مقام پر ہیں جو اجنٹہ سے بخط مستقیم جانب شمال و مغرب تین میل کا فاصلہ رکھتے ہیں اور اجنٹہ اورنگ آباد سے جانب شمال مشرق ۵۲ میل ہے بمقابلہ غار ہائے ایلورا یہ کئی ہزار سال پیشتر کے ہیں اور خاصتہً مذہب بودھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ غار ہائے اجنٹہ مجموعاً ۲۹ ہیں اور نقش و نگار میں شہرت رکھتے ہیں جن کو وہاں کے جانے والوں سے نقصان پہنچتا ہے جو ٹکڑے توڑ توڑ کر یادگار کے طور پر لے جاتے ہیں۔ ان غاروں کو چھوڑ کر جو ابھی تک اچھی حالت حفاظت میں ہیں۔ ضلع اورنگ آباد میں غاروں کے چھوٹے چھوٹے سلسلے اور بھی ہیں اور اس قسم کے تین سلسلے اورنگ آباد سے دو میل کے فاصلہ کے اندر واقع ہیں جن میں سے دو بودھ کے ہیں اور تیسرے کو یقین کے ساتھ کسی مذہب سے منسوب نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس میں کوئی نقاشی نہیں ہے۔ بعض غاروں کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ چھٹی صدی کے اخیر یا ساتویں صدی کے ابتدا میں بنائے گئے ہیں ان میں جس مصوری سے کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مختلف اوضاع سے بدھا کی بڑی بڑی تصویریں تراشی گئی ہیں۔ ایک بیٹھی ہوئی تصویر نو فٹ بلند ہے اور اس کا پاؤں کنول کے پھول پر قائم ہے۔ دوسری تصویر میں بدھا کو ایک شیر ببر کے تخت پر بیٹھا ہوا دکھایا گیا ہے ایک اور تصویر میں بحالت استراحت نمایاں کیا ہے جس کا طول (۱۶) فٹ ہے شکار گاہ اور رزمگاہ اور شاہی جلوس کے سین بھی ہیں۔ اور پوجا کے لئے جمع ہونے والوں کے ایسے مجسمے دکھائے گئے ہیں جن کی وضع قطع قریب قریب بالکل مصری ہے ضلع اورنگ آباد ہی میں اور غار بھی گھٹوٹ کچ پتیل کھورا اور روشیور میں ہیں گھٹوٹ کچ میں دو غار ہیں جو بودھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں سے ایک میں شاہزادگان ''اسمکا'' کا کتبہ ہے جو اب بہت گھس گیا ہے لیکن دراصل نہایت صفائی سے تراشا گیا ہے۔ غار ہائے پتیل کھورا میں ستونوں کے سرے پر دوہرے بازوؤں کے جانور نکالے گئے ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ فارس یا اسیریا کی تصاویر کی نقل معلوم ہوتے ہیں۔

روشیور کا غار چنداں وقیع نہیں ہے مگر اس میں ایک حوض ہے جس کا ہر سال اگست (مہر) کے مہینہ میں میلہ ہوا کرتا ہے ضلع بیڑ میں بمقام انبہ جوگائی (مومن آباد) ایک غار ہے جس کو جاگیر کا سبھا منڈپ کہا جاتا ہے

اس میں ایک ستون دار ہال ہے جس کا طول و عرض (۹۰) اور (۴۷۵) فٹ ہے اور چار ہاتھیوں کے مجسمے ہیں۔ ضلع عثمان آباد (نلدرگ) میں دھاراسیون سے کوئی دو میل کے فاصلے پر غاروں کے دو سلسلے ہیں ایک مذہب جین کا ہے اور دوسرا وشنو کا ہے۔ یہ غار جو اب منہدمہ حالت میں ہیں سنہ ۵۰۰ء اور سنہ ۶۵۰ء کے درمیان کے بنے ہوئے متصور ہوئے ہیں ضلع بیدر میں بمقام کروسہ قدیم برہمنوں کے غاروں کا ایک سلسلہ ہے جو ادنیٰ قسم کی کئی مسام دار پہاڑیوں میں تراشے گئے ہیں۔ اور اس وقت خستہ حالت میں ہیں۔ اسی ضلع میں بمقام کلیانی کئی مکان پہاڑیوں میں ہیں اور ایک کمرے کے دروازہ مصری وضع کے لمبے نیچے سے چوڑے ہیں۔

مساجد مساجد مملکت حیدرآباد کے نمایاں خصائص یہ ہیں کہ افراط کے ساتھ گچ لگا کر دکار اور مینا کار نقش و نگار بنایا جاتا ہے میناروں کی وضع جس سے گرد کی محرابوں میں بہت ہی شان پیدا ہوتی ہے ان میناروں سے بالکل الگ ہے جو دیگر اسلامی مقامات پر ہیں۔ فن عمارت کی نظر سے اس ملک میں کوئی زیادہ قابل ذکر مساجد نہیں ہیں البتہ مساجد مصرعۂ ذیل باعتبار زمانۂ بنا تاریخی و عماراتی دلچسپی کے لحاظ سے لائق ذکر ہیں۔

گلبرگہ کی ناتمام مسجد کو چھوڑ کر اگر کسی مسجد کو قدیم کہہ سکتے ہیں تو وہ بلدۂ حیدرآباد کی جامع مسجد ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۵۹۸ء میں بنائی گئی۔ اس کے صحن میں ایک قدیم حمام کا کھنڈر ہے دوسری مکہ مسجد ہے کہ جس کی نسبت مشہور ہے کہ دکن میں اس سے بڑی کوئی مسجد نہیں ہے اس کے بنانے کی ابتدا تخمیناً سنہ ۱۶۱۴ء میں ہوئی تھی۔ لیکن اورنگ زیب کے گولکنڈہ فتح کرنے کے بعد سنہ ۱۶۸۷ء اور سنہ ۱۶۹۳ء کے مابین کسی زمانہ میں تمام ہوئی۔ اس میں تخمیناً دس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں تعمیر میں پتھر کی بڑی بڑی سلیں لگائی گئی ہیں محراب جس کے مقابل میں نماز پڑھتے ہیں ایک بہت بڑی چٹان سے بنی ہوئی ہے جس کے تراشنے میں پانچ چھ سو معمار لگائے گئے تھے جنھوں نے پانچ سال میں تراشا نیز یہ چٹان مقام مسجد پر بیلنوں پر رکھ کر لائی گئی تھی۔ جس کو چودہ سو بیل کھینچتے تھے۔ جالنہ ضلع اورنگ آباد کی کالی مسجد جو سنگ سیاہ کی ہونے کے باعث اس نام سے موسوم ہے سنہ ۱۶۰۰ء میں بنی تھی۔ اس کے بیس ستون جینوں کے بعض دیولوں سے لئے گئے ہیں۔ جالنہ میں دو اور مساجد بھی ہیں جن میں سے ایک میں چھ منقش ستون ہیں جو کسی زمانہ میں ہندوؤں کے کسی شوالہ میں لگے ہوئے تھے دوسری میں اس قسم کے ستونوں کے علاوہ کسی دیول کا ایک دروازہ بھی ہے

موضع کماٹور میں جو میدک سے ۴ میل جانب شرق واقع ہی ایک نفیس مسجد ہی جو صرف عمدہ تراشے ہوئے پتھر سے بنائی گئی ہی اور گچ سے کام نہیں لیا گیا ہی۔ اگرچہ اس کی نگہداشت کے لیئے انعامی معاش مقرر ہی مگر کہا جاتا ہی کہ پورے طور سے اس کی خبر گیری نہیں ہوتی۔ قلعۂ گلبرگہ میں ایک ناتمام مسجد ہی جس کی نسبت بیان ہوا ہی کہ قرطبہ کی بڑی مسجد کے نمونہ پر بنائی جاتی تھی اس کی تعمیر کا آغاز فیروز شاہ بہمنی (۱۳۹۷ء تا ۱۴۲۲ء) کے عہد میں ہوا تھا یہ بہت بڑی عمارت ہی جس کا رقبہ ۳۸ ہزار فیٹ ہی۔ کہا جاتا ہی کہ تمام ہندوستان میں یہی ایک بڑی مسجد ہی جس کا تمام رقبۂ مذکورہ مسقف ہی۔

مقبرے ریاست حیدر آباد میں سب سے زیادہ مشہور گولکنڈہ کے مقبرے ہیں جو شاہان قطبیہ نے بنائے تھے۔ بلدۂ حیدر آباد سے یہ مقام کوئی پانچ میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب ہی ابوالحسن یعنی آخری بادشاہ خاندان قطبیہ کے سوا جن کا خاتمہ قلعۂ دولت آباد میں قیدی کی حیثیت سے ہوا باقی جملہ شاہان خاندان مذکور یہاں مدفون ہیں۔ ان مقبروں میں سب سے پرانا وہ ہی جو پہلے قطب شاہ یعنی سلطان قلی نے خاص اپنے لیئے ۱۵۴۳ء سے کچھ سال پہلے بنوایا تھا۔ یہ مقبرے بڑے اور سنگِ سماق سے بنائے گئے ہیں باعتبار مکانیت مربع یا مستطیل ہیں اور اوپر گنبد بنے ہوئے ہیں بعض مقابر مذکور کاشی کاری اور دیگر عمارتی زیبائشوں سے مزین ہیں۔ زمانۂ گذشتہ میں اکثر مقبروں کے ساتھ باغ بھی تھے لیکن اورنگ زیب نے جس وقت گولکنڈہ پر حملہ کیا تو ان کو بہت نقصان پہنچا اور ایک زمانۂ دراز تک یوں ہی پڑے رہے یہاں تک کہ سر سالار جنگ اول نے مرمت و حفاظت مقابر پر توجہ کی اور باغ بھی پھر سے لگائے گئے اس کے بعد سے سرکار عالی ان قدیم آثار کی پوری نگہداشت کرتی ہی اور جو لوگ وہاں جاکر وحشیانہ طور پر خرابیاں کرتے تھے اس کا حال میں سدباب کر دیا گیا ہی۔

گلبرگہ میں بھی اسی طرح کے مقبرے ہیں گو کاریگری میں ایسے نہیں ہیں۔ ان میں شاہان بہمنیہ گلبرگہ مدفون ہیں۔ بعض مقابر مذکور میں سرکاری دفاتر رکھے گئے ہیں وہ شاہان بہمنیہ جو اپنا دار السلطنة گلبرگہ سے بیدر کو منتقل کرنے کے بعد فوت ہوئے بیدر سے کوئی پانچ چھ میل کے فاصلہ پر جانب شمال و مشرق دفن ہوئے ہیں۔ ان سب کے مقبروں کا اندرونی حصہ نقش و نگار سے آراستہ ہی بی بی کا مقبرہ جو اورنگ آباد میں ہی وہ ایک مشہور روضہ ہی جو آگرہ کی تاج محل کی وضع پر تعمیر کیا گیا ہی۔ اس کو اورنگ زیب نے اپنی بی بی رابعہ دورانی کے لیئے ۱۶۶۰ء میں بنوایا تھا۔ عمارت میں سنگ مرمر افراط سے لگایا گیا ہی جو بیل

گاڑیوں پر شمالی ہند سے لایا گیا تھا۔ اس کا صرفہ ایک مورخ اٹھارہ لاکھ اور ایک چھ لاکھ اڑسٹھ ہزار بتاتا ہی بہت برس ہوئے کہ اس عمارت کا ایک مینار بجلی کے صدمہ سے منہدم ہو گیا اور دوسرے مینار بھی کم و بیش خراب حالت میں ہیں۔ روضہ یا خلدآباد کو جو اورنگ آباد سے ۱۴ میل جانب شمال و مغرب واقع ہی ایک گورستان کہا جاتا ہی۔ یہاں بہت سے مشاہیر اسلام اور خود اورنگ زیب اور نظام الملک اول دفن ہیں بیس گنبددار مقبرے اور کوئی چودہ سو سادہ قبریں ہیں۔ اورنگ زیب کی قبر سادی ہی اور کوئی تکلف نہیں کیا گیا ہی صرف ایک سنگ مرمر کا کٹھرا لگا دیا گیا ہی۔ شاہ بیجاپور یعنی یوسف عادل شاہ کا مقبرہ شورا پور (ضلع رائچور) سے ۱۴ میل جانب شمال موضع گوگی میں واقع ہی اس پر کوئی عمارت یا گنبد نہیں ہی اور صرف اتنا ہی ہی کہ ایک بادشاہ کی قبر ہی کہ جس نے چار سو سال پیشتر انتقال کیا تھا۔

قلعہ جات جو قسم واری فہرست مسٹر کوزنس نے مرتب کی تھی اس سے واضح ہوتا ہی کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں چھوٹے بڑے کوئی ۲۹ قلعے ہیں جن میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

(۱) دولت آباد	(۲) رائچور
(۳) گولکنڈہ	(۴) قندھار
(۵) یادگیر	(۶) نلدرگ
(۷) ورنگل	(۸) نلگنڈہ
(۹) نرمل	(۱۰) بیدر

دولت آباد یہ قلعہ اورنگ آباد کے جانب شمال و مغرب ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہی۔ زمانۂ قدیم میں اس کا تعلق ہندو راجاؤں سے تھا اور اس کو دیوگڑھ یا دیوگیری لکھتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہی کہ یہ وہی ہی جس کو بطلیموس نے تغارہ کہا ہی۔ اس قلعہ میں بعض پھاٹکوں کے پتھروں میں شیر ببر اور ہاتھی ترشے ہوئے ہیں اور دروازوں اور ستونوں پر پتھر تراش کر نقش نگار کیا گیا ہی۔ قلعہ کے اندر ایک سو فیٹ مربع پتھر کی باولی ہی جو سرسوتی سے منسوب ہی بیان کیا گیا ہی کہ بعض کمروں میں بہت سا تمباکو اور گھی جو قدیم زمانہ میں جمع کیا گیا تھا اب تک موجود ہی۔

رائچور قلعۂ رائچور قدیم ہندو راجگان ورنگل کی نشانی ہی یہ قلعہ مستحکم نہیں ہی دیواریں پست ہیں اور ان پر آسانی کے ساتھ چڑھ سکتے ہیں برجوں کی شکل مربع ہی جیسا کہ عموماً زمانۂ قدیم کے ہندوؤں کے

قلعوں کی ہوتی ہی کثیرالاضلاع کی شکل پر بنانا بہت زمانے کے بعد شروع ہوا اور ٹیڑھے میڑھے اور مدور قلعے بنانے کا رواج مسلمانوں کے آنے پر ہوا۔ ایک بڑی چٹان پر جس کا طول ۱۴۱ ½ فیٹ ہی۔ تلنگی میں ایک طول طویل تحریر کندہ ہی جس سے واضح ہوتا ہی کہ قلعہ کی تعمیر ۱۲۹۴ء ہوئی تھی۔

گولکنڈہ یہ قلعہ بھی پہلے ہندوؤں کا تھا جس کی تعمیر ورنگل کے راجاؤں نے کی تھی ۱۳۶۴ء میں یہ قلعہ مسلمانوں کے تحت میں آگیا حصار کا دور تین میل ہی اور ۸۷ برج ہیں قلعہ کے اندر بہت سی قدیم عمارتیں تاریخ اور قدامت کے لحاظ سے دلچسپ ہیں اس وقت یہاں گولکنڈہ پر گیڈ رہتا ہی اور قلعہ کی نگہداشت خبرداری کے ساتھ کی جاتی ہی۔

قندھار ایک قدیم قلعہ ہی جس کو چوتھی صدی میں سومدیونامی ایک ہندو راجہ نے تعمیر کیا تھا یہ ناندیڑ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر جانب جنوب مغرب واقع ہی۔

یادگیر یہ پہاڑی قلعہ رائچور سے ۴۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہی اور بعضوں کا خیال ہی کہ اس کا نام راجگان یادو کے نام سے نکلا ہی جو اس کو یادگیری کہتے تھے اور بعض کا یہ خیال ہی کہ اس کا قدیم نام یادگیری یا گاؤ قلعہ ہی کیوں کہ فاصلہ سے معلوم ہوتا ہی کہ کوئی بیل پاؤں پھیلائے بیٹھا ہی اس قلعہ کے بعد مقامات پر کچھ عربی اور فارسی کتبے پائے جاتے ہیں۔

ملدرگ یہ قلعہ جس کا تعلق پہلے ہندوؤں سے تھا سلاطین عادل شاہی کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور انھوں نے اس قلعہ کو بہت مستحکم کیا ۱۵۵۸ء میں سلاطین عادل شاہی نے بوری ندی پر جو قلعہ کے پاس سے بہتی ہی ایک سنگین بند بنا دیا جس سے فوج کے لیئے افراط سے پانی بہم ہوگیا ہی۔

ورنگل یہ قلعہ نہایت قدیم اور مدور شکل کا ہی جس کی تعمیر ہندوؤں کے عہد میں ہوئی تھی اور شہر ورنگل سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہی یہ قصبہ آٹھویں یا بقول بعضے گیارہویں صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا اور کہا جاتا ہی کہ یہ وہی ہی جس کو بطلیموس نے کورن کلا کہا ہی اس مقام پر قدیم زمانہ کے بہت سے دلچسپ آثار باقی ہیں یہاں کسی زمانہ میں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا دیول تھا جس کے اب صرف ۴ پھاٹک باقی رہ گئے ہیں۔

نلگنڈہ یہ قلعہ چھوٹا مگر مضبوط ہی اور اس کی تعمیر صرف پتھر سے ہوئی ہی گچ سے کام نہیں لیا گیا ہی۔

نرمل قلعۂ نرمل قصبۂ نظام آباد سے ۴۳ میل کے فاصلہ پر ان پہاڑی قلعہ جات میں سے ہی جو اس ناہموار حصۂ ملک میں بنائے گئے ہیں۔ اس کی تعمیر یورپین قطع پر فرانسیسی عہدہ داروں کی نگرانی میں جو

سرکار عالی کے ملازم تھے ہوئی تھی۔ اس وقت یہہ قلعہ اچھی حالت میں ہے۔

بیدر یہہ قلعہ جس کی تعمیر کا ۱۴۳۱ء میں مکمل ہونا واضح ہوتا ہے ایک خشک خندق اور ایک پشتہ سے محصور ہے برج کم وبیش شکستہ اور تباہ حالت میں ہیں قلعہ کے اندر ایک قدیم مدرسہ کے باقیات رہ گئے ہیں جس کی تعمیر محمود گاوان وزیر اعظم محمد شاہ بہمنی ثانی نے کی تھی اور جس کے ساتھ (۳۰۰۰) کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی تھا۔

دیگر آثار قدیمہ دیگر آثار قدیمہ میں مسٹر کوزنس نے ہندوؤں کے (۲۷) دیول اس قابل بیان کئے ہیں کہ اور نہ خراب ہونے دئے جائیں ان میں سے بعض مثلاً ضلع ورنگل کے دیول بہت ہی قدیم ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے ابتداً نہایت ہی وسیع پیمانہ پر بنے ہوں گے اور ان میں صناعی سے کام لیا گیا ہوگا۔ نارائن پور میں بیدر سے چند میل کے فاصلہ پر ترشے ہوئے پتھر کے خوشنما دیول کے آثار ہیں جن میں عورتوں کے کئی تراشیدہ مجسمے مختلف اوضاع میں بعض ناچتی ہوئی بعض برہنہ بعض نیم لباس میں ہیں اور سب کے سب کمر سے اوپر زیور کے سوا اور کچھ نہیں پہنے ہوئے ہیں۔ ممالک سرکار عالی کے حصۂ کرناٹک میں سب سے عمدہ دیول موسوم بہ مہادیو گوڑی اٹگی میں ہے جو لنگسگور سے (۶۰) میل پر واقع ہے اس کی سنگ تراشی نفیس اور زیادہ مقعر بیان کی گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے آثار قدیمہ میں پتھر کے وہ حلقے بھی شمار کئے جاسکتے ہیں جن کی جانب کرنل میڈوز ٹیلر کی توجہ بدیں وجہ منعطف ہوئی تھی کہ ان سے کیا لٹک سیلتھین قوم کے اُن لوگوں کی نسل کے یہاں موجود ہونے کا ثبوت ملتا تھا جو تاریخ بنی نوع الانسان کے نہایت ابتدائی زمانہ میں یورپ میں اس کے جانب غرب داخل ہوئے تھے۔ یہہ آثار بہ تعداد کثیر کل مملکت میں موجود پائے جاتے ہیں اور بلحاظ حفاظت ان کی حالتیں مختلف ہیں۔ سب سے بڑے حلقوں کا قطر ۳۰ سے ۳۵ فیٹ تک ہے اور بڑی بڑی ناہموار چٹانیں الگ الگ رکھ کر یہہ حلقے بنائے گئے ہیں ہر حلقہ میں ۱۳ یا ۱۵ چٹانیں ہیں۔ ان میں بعض حلقے ایسے بھی ہیں جن کے درمیان سنگین پختہ قبر کے نشانات ہیں۔

ایسے پتھر بھی لائق ذکر ہیں جن پر منطقۃ البروج منقوش ہیں اس طرح کا ایک پتھر پٹن چیرو میں ہے جو حیدرآباد سے جانب شمال ومغرب ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے اس کے نقوش اپنی ترکیب کے ساتھ ایک کنول کے پھول کے اطراف میں کندہ ہیں جس سے سورج کی شکل پیدا ہوتی ہے اسی طرح کی ایک اور سل ایک اور قدیم باولی کے طاق میں لگی ہوئی ہے۔ یہہ باولی قصبۂ اوراد میں ہے جو بیدر سے چالیس میل ہے

بعض ایسے آثار بھی ہیں جن میں اگرچہ بالذات کوئی بات نہیں ہی مگر کوئی تاریخی خصوصیت رکھتے ہیں یا کسی خاص ندرت کے ساتھ مشہور ہیں۔ نانڈیر میں گرو گوبند یعنی سکھوں کے دسویں گرو کی قبر ہی جو سنہ ۱۷۰۸ء میں وہاں مارے گئے۔ تین پرانی قبروں کے پتھر بھی ہیں جو تالاب منجھا واقع نظام آباد کے قریب انجینیر آبپاشی کے بنگلہ میں اُس ستون میں لگے ہیں جس پر "باران پیم" یعنی پیمائش بارش نصب ہی۔ اسپر ارمنی زبان میں ان لوگوں کے نام اور تاریخ وفات کندہ ہی جن کی قبروں پر وہ ابتداءً لگائے گئے تھے۔ ایک کی تاریخ سنہ ۱۶۷۷ء اور ایک کی سنہ ۱۶۸۶ء ہی تاریخ سے واضح ہوتا ہی کہ زمانۂ اورنگ زیب میں کئی ارمنی تاجر دکن کو آئے تھے اور اورنگ زیب نے اُن کو پناہ دی تھی۔ قلعۂ انتور سے جو ضلع اورنگ آباد میں واقع ہی دو میل جانب جنوب ایک مربع سنگین ستون ہی جو سنہ ۱۵۹۱ء میں راستہ کی علامت کے طور پر لگایا گیا تھا اس کے ہر پہلو پر فارسی زبان میں ان تمام قصبات کے نام مندرج ہیں جو کئی سو میل کے گرداگرد میں ہیں۔

جن مقامات کا نام مندرج ہی اُن میں ناگپور۔ جالنہ۔ میوار۔ چالیس گاؤں۔ انتور۔ برہان پور۔ دولت آباد اور احمد نگر بھی ہیں۔ اورنگ آباد سے پچاس میل کے فاصلہ پر چھوٹا سا قلعہ سیونا اس لحاظ سے دلچسپ مشہور ہی کہ غالباً وہی پہلا قلعہ ہی جو بندگان عالی کے ایک جدامجد حضرت نواب منصور الدولہ ابن محمد عنایت خان نے مملکت حیدر آباد میں بنوایا تھا۔ سیونا اور دیگر مواضع حضرت ممدوح کو من جانب اورنگ زیب بطور جاگیر ملے تھے۔ انبڑ ضلع اورنگ آباد میں ایک پرانی مسجد ہی جس میں کوئی ستون نہیں ہی اور اس لحاظ سے اس کو "بن کھمبی مسجد" کہتے ہیں۔ اور پلی ضلع نلگنڈہ میں ایک عجیب وغریب باؤلی ہی جسکو "منتری باؤلی" کہا جاتا ہی۔ کہتے ہیں کہ اس کا پانی ہر مرض کی دوا ہی شیطان اور بھوت اس سے اُترتا ہی اور کھیتوں سے کیڑے وغیرہ دفع ہو جاتے ہیں۔

ضلع کپل ضلع کپل نواب سالار جنگ بہادر کی جاگیر ہی۔ اس ضلع میں تعلقہ کپل اور یلبرگہ دو تحصلیں ہیں جن میں (۱۶۲) دیہات ہیں اور محاصل ہمہ ابواب ۱۰ لکھ روپے سالانہ ہی۔ اس ضلع کا انتہائی طول چوالیس میل اور عرض چالیس میل ہی اور (۸۸۰) میل مربع رقبہ ہی اور بروے مردم شماری سنہ ۱۳۲۰ف سارے ضلع کی آبادی (۱۵۱۰۷۰) نفوس ہیں اور خاص قصبۂ کپل کی آبادی جسے عموماً کپل بہادر بنڈہ کہتے ہیں نو ہزار اور مکانات دو ہزار دو سو ہیں۔ بہادر بنڈہ ایک قریہ کپل سے دو میل کے فصل پر ہی جہاں ایک عظیم الشان پہاڑ کا گنڈ ہی اور اسی پر سے بہادر بنڈہ نام پڑا یعنی بڑا پہاڑ لیکن صحیح وجہ تسمیہ یہ ہی کہ حیدر علی خان میسور کے باپ بہادر نے اپنے نام پر اس قریہ کو آباد کیا ہی۔ بہادر بنڈہ کی بنا صرف اس وجہ سے

کپّل کے قریب میں ڈالی گئی کہ کپّل کی توسیع آبادی ہو اور جو لوگ کپّل میں نہ رہ سکیں وہ یہاں رہیں۔ کپّل مدراس سدرن مرہٹہ ریلوے چھوٹی پٹڑی کی لین گنطگل ہوبلی سکشن پر گنطگل جنکشن سے (۸۸) میل اور بلھاری سے (۵۵) میل ہے۔ یہ بھی ایک تاریخی مقام ہے یہاں کی کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں ملی لیکن جناب مولوی امین الحسن صاحب تعلقہ دار کپّل کی توجہ سے جو مواد ملا ہے وہ شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ کپّل دراصل کنڑی زبان کا لفظ کوپّلو ہے جس کے لغوی معنی قریۂ نوآباد اور درختوں کا جھنڈ ہیں۔ قدیم زمانہ کی ایک سند عطاے انعام کرودھی نام سمچھر سکہ (۱۶۴۶) میں اس کا نام کوپّل لکھا ہے مگر ایک اور سند میں جو تانبے کے پتّر پر کندہ ہے اور سوا سو برس پیشتر کی ہے اس میں کوپّن لکھا ہے۔ دونو سندیں ایک ہی زمانہ کی ہیں یہ صرف کتابت کا فرق ہے کنڑی کتابت میں "ل" "ن" سے بدل جاتا ہے۔ یہ اسناد سبحان جی راؤ مرہٹہ حاکم کی دستخطی ہیں۔ اس میں معطی کا نام مہاراجہ چھتر پتی لکھا ہے جس سے مراد مشہور سیواجی کا خاندان ستارہ ہے۔ ریلوے سٹیشن بستی سے ملا ہوا ہے۔ بستی پہاڑ کے دامن میں طولاً آباد ہے۔ یہ پہاڑ بستی کے مغرب میں ہے جو اندرا کیل پروت کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ذکر مہا بھارت میں موجود ہے اور اسی پہاڑ میں ارجن نے شیو کی تپشا کر کے پشو پتھسترم (نجات) حاصل کی تھی۔ اس پہاڑ پر مالی ملیا کا مقدس مقام بھی ہے اور قلعہ بھی اسی پہاڑ پر ہے جس کی بلندی دو سو فیٹ ہے۔ ضلع کپل میں اس پہاڑ کے سوائے اور دو سلسلہ ہیں ایک شیوا پور کا سلسلہ ہے جس کے پتھر نہایت مضبوط اور عمارات میں لگانے کے قابل ہیں اور کہا جاتا ہے کہ با میے ہاربر (بمبئی کا بندرگاہ) میں یہیں کا پتھر کثرت سے لگا ہے۔ تیسرا سلسلہ سات پہاڑ کہلاتا ہے جو بیس میل تک اس ضلع کی سرحد میں ہے اور جس کا کچھ حصہ تعلقہ گنگاوتی ضلع رائچور میں بھی واقع ہے۔ کپّل کی خوش نما آبادی سڑک کی دونوں جانب ہے۔ مختار گنج کا بازار خوب آباد ہے جو شارع عام پر ہے۔ چوڑی اور کشادہ سڑک کی دونوں جانب قرینہ اور سلیقہ سے دکانات بنائی گئی ہیں۔ یہاں کا قلعہ اگرچہ اب ویران ہے مگر پھر بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ موضع گورکل کے اینکٹ (تالاب کے بند) پر جو کتبہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اینکٹ ٹوناک مد کے اہتمام سے سالیواہن سکہ ۱۳۱۴ء میں بنا جو بک بھوپال راجۂ آناگندی کا بنایا ہوا ہے جس کو اب پانسو اسّی برس کا عرصہ ہوا۔ اس پر سے قیاس کیا جاتا ہے کہ چودھویں صدی میں اس حصۂ ملک پر راجگان آناگندی و بیجانگر کا قبضہ تھا۔ جب بیجانگر کی سلطنت تباہ ہوئی تو سلاطین عادل شاہی کا دور دورہ رہا چنانچہ ۱۰۷۰ھ کی سند سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور جب شاہان بیجاپور اور مغلوں میں جدال و قتال

جاری تھا تب مرہٹوں کا بھی تسلط رہا۔ قلعہ کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہی کہ حیدر علی و ٹیپو سلطان میسور کا بھی قبضہ رہا ہی جس نے اس کا نام سلطان گڑھ رکھا تھا جب ٹیپو سلطان کی سلطنت کا خاتمہ انگریزوں مرہٹوں اور سرکار نظام نے مل کر دیا تب سے یہ ملک ۱۷۹۹ء میں سرکار نظام کے قبض و تصرف میں آیا۔ اُس وقت اس کا نام نظام گڈھ رکھا گیا ۱۸۵۳ء میں عمل کمشنری کا آغاز ہوا جس کے چند سال بعد ۱۸۶۱ء میں یہ علاقہ نواب سرسالار جنگ بہادر اولی کو جاگیر میں عطا ہوا۔ ۱۲۴۸ف میں راجہ ویرپا کشن راؤ نار گوڑا جگیرہ کا قبضہ بھی کپل پر رہا ہی جس نے بغاوت کی اور مارا گیا اس کو جو سولہ دیہات جاگیر تھے وہ بھی ضبط کر لئے گئے۔ ۱۸۵۸ء م ۱۲۶۸ف کالا تیونام سمجھپا دھیک جیٹھ بد میں منڈرگی بھیم راؤ نے جو ٹلبھاری کا معاملہ دار تھا علم بغاوت بلند کیا اور ایک تعداد کثیر لوگوں کی فراہم کر کے یلغار قلعہ کپل میں جا گھسا۔ ضلع دھارواڑ و ٹلبھاری سے سرکار انگریزی کی فوج نے آکر قلعہ کو گھیر لیا دو دن تک محاصرہ قایم رہا تیسرے دن بڑے کشت و خون کے بعد باغی مارا گیا اور قلعہ فتح ہوا جس کے بعد قلعہ مسمار کر دیا گیا بہت سے برج منہدم کر دئے گئے اور توپیں توڑ پھوڑ کر بیکار کر دی گئیں۔

قلعہ پہاڑ کے اوپر بنا ہوا ہی جو گر پڑ گیا۔ فصیل اور خندق اور بڑے بڑے تیس برج ہیں قلعہ کے تین دروازے ہیں جن میں سے ایک سلطان دروازے کے نام سے مشہور ہی باقی دو کا کوئی خاص نام نہیں ہی۔ قلعہ کے اندر کوئی عمارت باقی نہیں رہی صرف ایک توپ رہ گئی ہی جس کا طول چھ فیٹ اور دور ڈہائی فیٹ ہی۔ توپ پر کوئی کتبہ نہیں ہی اور بے کار ہی۔

سلطان دروازہ کا کتبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ۔

مالک ایں قلعہ را بود بہادر نواب ٹیپو سلطان از و طالع شدہ آثار کل عمارت تیار کرو فدوی قلعہ دار محمد خاں ہلبی نہادہ ام در سلطان باب

سنہ ۱۱۹۸ ہجری

دوسرے ایک دروازے پر یہ کتبہ ہی۔

اللہ کافی

حمل آگ کشیرا آ دروازہ مکہ بالقاب معظمہ مزین شدہ

سنہ ۱۱۹۳ھ

بندۂ نیاز نشان محمد عثمان ساکن کولار جنوبی وثاریہ حسب آب خورش حسب الامر جلیل القدر نواب نامدار فلک اقتدار سپہر مدار خورشید رکاب صاحب السیف والقلم حاکم الملک والعلم یعنی نواب حیدر علی خان بہادر عرف فتح حیدر دام سلطنۃ وعظمتہ بنائے طیاری قلعہ کپّل دست داد۔ جا بجا نیز بپایہ نہج فرنگ وکار ٹانکہ ونہر وخندق وغیرہ ترتیب یافت

یازدہم ذی قعدہ سنہ ۱۱۹۲ ہجری

قلعہ کے پاس "چاند کنٹہ" پر یہ کتبہ ہی

دریں ایام عمل نواب بہادر	عمارت ساخت در کپّل نوادر
نوادر کار شد او یافت نامی	قلعہ دار از محمد خاں بہلی
نخستین زآب قلت یافت عالم	بہایم طیر جملہ نسل آدم
زدریا فیض بگشایند او شان	قلعہ گجّی ومٹی راچتے داں
نہادند نام او را چاند کنٹہ	نبز داست بر سر او جوگی بنڈہ
بہ عقلش آنکہ شد اطراف تیلاب[1]	میان جل پُری پر آب سیلاب
بماند یادگاری تا قیامت	نمونہ قریہ کپّل را سلامت
مرتب شد دریں رجب مہ نو	سنہ ہجری یکہزار صد ونچیاہ نو

[1] شاعری کی ذمہ داری اُس زمانے کے شاعر پر ہی تالاب کو تیلاب باندھا ہی یہ زمانہ بھی ایسے شعرا سے خالی نہیں منیر دولت آبادی جو کاغذی پورہ کے مشہور شاعر تھے اُنھوں نے نواب بشیر الدولہ بہادر مدار المہام وقت کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا اور اورنگ آباد میں بر سر دربار پڑھا تھا اور بہ مصداق از صحبت شاہاں بپرہیز بباید بود گاہے بہ سلامے برنجند وگاہی بہ دشنامے خلعت دہند نواب صاحب بہت مسرور ہوئے اور تیس روپیہ ماہانہ منصب کر دیا۔ اس قصیدہ نے ایسی شہرت پائی کہ ہر شخص کی زبان پر تھا مجھے بھی دو ایک شعر یاد ہیں جو ناظرین کی تفریح طبع کے لئے نذر ہیں۔

نقش ذیل دروازہ خورد کی چوکھٹ پر منقوش ہے

۱۱۳۲	۱۱۳۷	۱۱۲۶	۱۱۳۴
۱۱۳۵	۱۱۲۵	۱۱۱۴	۱۱۲۹
۱۱۳۷	۱۱۳۲	۱۱۳۳	۱۱۲۵
۱۱۲۴	۱۱۳۶	۱۱۳۰	۱۱۳۹

دوسرے مشہور مقامات کپّل سے کنہال چھ میل ہے یہاں گُٹّی کے کھلونے ایسے نفیس بنتے ہیں کہ دیکھنے کے قابل اور دور دور جاتے ہیں۔ موضع الوندی میں فرقہ لنگایت کا ایک بہت بڑا مٹھ ہے جس کا پوجاری اس تمام فرقہ کا مذہبی رہنما ہے۔ الوندی کے پاس ایک موضع یہرالور ہے جو ہندؤں کا بڑا مقدس مقام اس وجہ سے مشہور ہے کہ رام چندر جی لنکا جاتے وقت اس مقام پر سے گزرے تھے پیاس شدت سے لگی رام چندر جی نے اپنے تیر سے ایک باؤلی کھود دی اور پانی پی کر آگے بڑھے یہاں جاترا ہوتی ہے۔ منیر آباد ریلوے اسٹیشن کے پاس دریائے تنگ بھدرا کے کنارے کپّل سے

بقیہ حاشیہ ۶۹۲ آسماں کے تم جاہ ہوای دولہ بشیر دو — موٹے ہو اور ٹیتا رہو بس تم کو بھی دیکھا

مہدی و دگر مہدی و مشتاق فرید دو — با معتمد جار ہو بس تم کو بھی دیکھا

.... — اور ریل پر اسوار ہو بس تم کو بھی دیکھا

.... — عقل کے سماوار ہو بس تم کو بھی دیکھا

مہدی و دگر مہدی سے مراد مولوی مہدی علی اور مہدی حسن صاحب ہیں۔

مدراس کی پُرانی شاعری اور ٹھیٹ زبان کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

اپنی محفل میں اُنوں اَو بول کو فرماتیں کتے (فرماتے ہیں کتے ہیں) سو کو گئے سو میرے نجیاں اُٹھ کو پھر آتیں کتے
(بخت خوابیدہ) (مقدر) (یعنی پھر بیدار ہوتے ہیں)

اِیّو یو دل گُم گیا کاں سٹ گیا کی رَوڈ پلو — کیا اُنھوں کو بولوں میں منگتے اپچ آتیں کتے
(کلمۂ استعجاب لکھو) (کہاں) (گر) (کون سی سڑک پر) (وہ) (اُن) (مانگتے) (آپ ہی آرہے ہیں)

سب جفایاں اُن کی اپڑیا اب جفا توپّی سنو — ہاتھ میں شمشیر لے کو منجے ازماتیں کتے
(سہا) (تپی) (کر) (مجھے)

کون سے چوّے کے بل میں ٹھیاٹ کو جا کو چھپوں — دشمناں رستے میں مل کو گھنڈی اَلکاتیں کتے
(چوہے) (بھاگ کر) (سدِّراہ ہوتے ہیں)

بارہ میل موضع ہنگی ہے یہاں ہلگما کا مشہور دیول ہے جو درختوں اور باغات کے جھنڈ میں گھرا ہوا ہے اور بڑا ٹھنڈا اور تفریح کا مقام ہے یہاں ایک مسافر بنگلہ بھی ہے۔ ہلگما دیوتی کی جاترا خورداد کے مہینے میں ہوتی ہے جس میں پچاس ہزار سے ساٹھ ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا اب پلیگ نے اسے توڑ دیا ہے۔ بنی کیرہ ریلوے اسٹیشن سے تین میل موضع اڑگی میں چھ مشہور دیول ہیں جن کی صناعی قابل دید ہے یہ دیول سنہ ۱۱ء کے قبل کے بنے ہوئے ہیں۔ اکثر سیاح ان دیولوں کو دیکھنے جاتے ہیں۔

خاتمہ

کتابوں کتابوں میں بھی فرق ہے۔ قصہ کہانی ناول یہ سب جس طرح لیٹ ریڈنگ ہیں ویسے ہی ان کی تصنیف بھی سہل الاصول ہے محض خیالات کا اجتماع پلاٹ کی تدوین۔ دماغ کا نچوڑ اس کا مسالا ہے لیکن تاریخ زمان سلف لکھنا ایک بہت دقت طلب امر ہے۔ صدہا کتابیں جب الٹی جائیں۔ بیسیوں مقامات کا عینی مشاہدہ کیا جائے۔ معمر و مسن اشخاص کی سینہ بسینہ روایتوں کی تفتیش اور تفحص کی جائے۔ کتبوں کی ہندی کی چندی نکالی جائے۔ جب کہیں تاریخ کی کتاب طیار ہو تو ہو۔ مثل مشہور ہے وہ "شادی دیکھو جاکر اور مکان دیکھو بناکر" اور میں بلحاظ اپنے تجربہ کے اس میں اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ "کتاب دیکھو لکھ کر" نفس کتاب تاریخ میں لکھ کر اگست سنہ ۱۹۱۴ء میں فارغ ہو گیا اور فی زعمی خوش بھی ہوا کہ ع ایں بارگراں بود ادا شد چہ بجا شد۔ لیکن جس کسی کو تصنیف کا چسکا لگ جاتا ہے وہ اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے۔ حصۂ اول کی تکمیل کے بعد ارادہ ہوا کہ تاریخ کے ساتھ ہی بیجاپور کی عمارات کا حال قلم بند ہونا کتاب کی تکمیل کے لیئے لازم و ملزوم ہے ورنہ کتاب ادھوری رہ جائے گی چنانچہ حصۂ دوم بھی مرتب ہو گیا۔ اس منزل پر میں نے ٹیکا لگایا پھر یہ سوجھی کہ جو کچھ تو نے لکھا صرف ایک شہر بیجاپور کا حال تھا اگر اسی پر اکتفا کیا جائے تو فی نفسہ خاندان شاہان عادل شاہیہ کی اولوالعزمی کو بٹہ لگتا ہے۔ لاؤ لگے ہاتھوں ان کے ہم عصر سلاطین اور راجگان ذی شان کے مختصر حالات بھی لکھو کہ جن سے رات دن ان کی مٹ بھیڑ رہی ہے جب تک پہلو بہ پہلو مخالف و معاند کے حالات نہ بتلائے جائیں تو یک رخی تصویر سے کیا نتیجہ نکل سکے گا تعرف الشیٔ بالاضداد

ان معرکۃ الآرا حالات کے ساتھ شاہان عادل شاہیہ کے وسیع مقبوضات کے حالات بھی لکھو جو دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ آخری سلسلہ حصۂ سوم میں مدوّن ہے جس کی وجہ سے حجم کے ساتھ اس کتاب کی رونق اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ ناظرین کو حصۂ سوم میں سوائے بیجاپور کے بہت سے مختلف مقامات کا نظارہ علیٰ سبیل الاختصار دکھلایا گیا ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ تاریخ مجموعۂ تاریخ ملک دکن ہے تو کچھ خودستائی نہ ہوگی۔ ایک برس پہلے اور پھر ایک برس سے کچھ اوپر اب غرض دو سوا دو برس کی لگاتار محنت کا یہ ثمرہ ہے ؎

قدردانی کی نگاہوں سے اگر دیکھیں آپ ۔۔۔ میں یہ سمجھوں گا ٹھکانے لگی محنت میری

میں اب اس مشغلہ کو تہ کرتا ہوں اور ناظرین سے بعد اعتراف اپنی کم بضاعتی کے خواہان عفو ہوں غلطی کا ہونا لازمۂ بشریت ہے۔ قدردان اور سخن شناس محنت و کاوش کی داد دیتے ہیں اور عیوب پر مہر و کرم کا پردہ ڈال دیتے ہیں۔ اس کے خلاف بعض ایسے حضرات بھی ہیں کہ ہنر پر نظر نہیں۔ عیوب کو نمک مرچ لگا کر میل کا بیل بنا دیتے ہیں ؎

عیب کے دیکھنے والے تو بہت ہیں لیکن ۔۔۔ پر یہاں حسن شناسان سخن تھوڑے ہیں

مقام رائچور۔ دکن
۶ ستمبر سنہ ۱۹۱۵ء

فقیر حقیر بشیر

قطعۂ تاریخ از طبع جناب ابوللسان مولوی محمد صدیق حسن صاحب سفیر نگینوی

مرحبا مرحبا بشیر الدین۔ خوب لکھی ہے واقعی تاریخ ۔۔۔ واقعات اس میں خوب لکھے ہیں۔ خوب تحقیق سے لکھی تاریخ
سچ تو یہ ہے کہ اپنی شان کی یہ ہے ہزاروں میں ایک ہی تاریخ ۔۔۔ فکر تاریخ جب ہوئی مجھکو۔ سال ہجری میں یہ کہی تاریخ
جس کی مدت سے آرزو تھی سفیر ۔۔۔ آج وہ "طبع ہو گئی تاریخ" ۱۱

سنہ ۱۳۳۳ ہجری

بانی ۔۔۔ سفیر

تقاریظ

تقریظ عربی ریختۂ قلم عالم اجل فاضل اکمل عالی جناب مولنا مولوی حاجی حافظ سید احمد حسین صاحب قبلہ محدث دہلوی ول تعلقہ دارنیشنر ادام اللہ فیضہ واحسانہ

اِعلموا اَیُّہا النَّاسُ اَنَّ الکِتابَ الَّذی صَنَّفَہُ الفاضِلُ الجَلیلُ وَ العالِمُ النَّبیلُ اَعنی مَولٰنا
المَولوی بَشیرُ الدِّین اَحمد ابنِ شَمسِ العُلَماءِ مَولٰنا المَولوی نَذیر اَحمد مَرحوم طابَ اللّٰہُ
ثَراہُ وَجَعَلَ الجَنَّۃَ مَثواہُ فی تاریخِ بیجانگر وَ بیجافور کِتابٌ لَم یَرَ الدُّہورُ مَثیلَہُ
وَلَم یُلاحِظِ الشُّہورُ عَدیلَہُ فَلِلّٰہِ دَرُّ المُصَنِّفِ حَیثُ جَدَّ فی تالیفِہِ وَ اجتَہَدَ
فی تَصنیفِہِ اِجتِہادًا لَم یُماثِلْہُ المُماثِلونَ لِاَنَّ المُؤَرِّخینَ الَّذینَ سَبَقوہُ وَاِن
صَنَّفوا فی ہٰذَا البابِ کُتُبًا عَدیدَۃً لٰکِن لَم یَسبِقوا عَلَیہِ بَل سَبَقَ ہُوَ
عَلَیہِم لِاشتِمالِ کِتابِہِ عَلَی النُّقوشِ الَّتی کانَت مَنقوشَۃً فی بَعضِ اَحجارِ
العِماراتِ القَدیمَۃِ مِن تِلکَ القُریٰ وَکانَت ہِیَ مُبَیِّنَۃً لِلاَحوالِ الضَّروریَّۃِ
مِمّا مَضیٰ فَتَرَکَ السّابِقونَ ما لا یَنبَغی تَرکُہُ وَذَکَرَ ہُوَ فی کِتابِہِ ہٰذا ما
یَلیقُ ذِکرُہُ فَحَقیقٌ اَن یُقالَ لِہٰذَا السِّفرِ العَجیبِ وَ الزُّبُرِ الغَریبِ زُبدَۃُ التّاریخِ
فِی الاَمصارِ وَخُلاصَۃُ التَّواریخِ فِی الاَعصارِ کَیفَ لا وَ اَبوہُ رَحمَۃُ اللّٰہِ قَد
اشتَہَرَ فِی المَشارِقِ وَ المَغارِبِ وَکانَت تَصنیفاتُہُ مِنَ العَجائِبِ وَ الغَرائِبِ
فَکَما اَنَّ الوَلَدَ سِرٌّ لِاَبیہِ کَذٰلِکَ تَصنیفُہُ سِرٌّ لِتَصنیفاتِ اَبیہِ
فَہٰذِہِ الصَّنعَۃُ الشَّریفَۃُ وَ المَنقَبَۃُ المُنیفَۃُ بِتَوارُثٍ مِن آبائِہِ الکِرامِ
وَ اَجدادِہِ العِظامِ اَسکَنَہُمُ اللّٰہُ مِنَ الجَنَّۃِ فی اَعلَی المَقامِ وَ کَما
اَنَّ القُرآنَ المَجیدَ وَ الفُرقانَ الحَمیدَ لِاِحاطَتِہِ عَلَی الواقِعاتِ الماضِیَۃِ
کانَ مُوجِبًا لِبَصیرَۃِ اَہلِ الاَنظارِ کَما قالَ اللّٰہُ تَعالیٰ بَعدَ ذِکرِ
تِلکَ الواقِعاتِ فَاعتَبِروا یا اُولِی الاَبصارِ کانَ تَصنیفُہُ فی تِلکَ الواقِعاتِ

والحوادث تعمیلاً لتعلیم مسالک کلام الله العلّام وهذه صنعة اهل الفضل الکرام ولمثل هذا فلیعمل العاملون ویحسنه یوقنون ٥

تقریظ ریختۂ قلم معجز رقم فاضل اجل عالم اکمل سیدی سندی مولنا مولوی سید محمد وم الحسینی الحسنی القادری ساکن کرنول ادام الله فیضہ و برکاتہ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی له ملک السموات والارض مالک الملک ذو الجلال والاکرام احکم الحاکمین له کلّ ملوک الارض عبید وخدّام واجمی الصلاة وازکی السلام علی سیّد الرسل الکرام مولانا محمّد المصطفی واله المجتبی واصحابه العظام الی یوم القیام امّا بعد فیا معشر الاحباب البشر وابطبع هذا الکتب المستطاب المشهور المسمّی - واقعات مملکت بیجافور - الذی صنّفه الحبر العلّام البحر الطمطام البایع النحریر الامجد مولانا المولوی بشیر الدین احمد ادام الله فیوضه واتید ابن مولانا الفاضل الشهیر الاوحد مولانا الحافظ المولوی نذیر احمد نوّر الله مرقده ومضجعه برّد - ذالک الکتاب لاریب فیه هدیً للمتقین وموعظة للمتّعظین وتذکرة لکلّ عبد منیب وتبصرة لکلّ ادیب اریب فجزاه الله خیر الجزاء وارضاه بمنشور الاقبال والرضاء وجعل سعیه مشکوراً وجزاه جزاءً موفوراً حیث اتی بتحقیق عجیب و تدقیق غریب ما لم یأت به احد من العلمین وفرد من المؤرخین والناقلین انّ هذا الشئ عجاب وفصل الخطاب فاعتبروا یا اولی الابصار وانظروا فیه بعین الاعتبار انّ فی ذالک لعبرة لمن یخشی ولاولی الالباب لانّ قصص الاوّلین عبرة للاخرین فمحصّل الکلام انّ هذا الکتاب حریّ بان یقال فی شانه ما یقال ٥ هذا کتاب لو یباع بوزنه ؎ ذهباً لکان البائع مغبونا ؎

فجعله الله مقبولاً بین العالمین وآخر دعونا ان الحمد لله رب العلمین ٥

کتبه الفقیر الی الله الغنی ابو الخیر وابو الفضل السید محمّد مخدوم الحسینی الحسنی القادری النظامی عامله الله بلطفه السامی -

قطعات تاریخی

قطعۂ تاریخ طبع کتاب واقعات مملکت بیجاپور از فقیر الی اللہ الغنی ابوالخیر والفضل سید محمد مخدوم حسینی الحسنی المعروف بہ سید خواجہ حسینی کرنولی کان اللہ لہ ولوالدیہ

أيها الناس اتقوا الله — مالك الأرض والسموات
مالك الملك ذو الجلال فلا — مثله في الصفات والذات
صادق كل من عليها فان — يبقى من خالق البريات
أين دارا وأين إسكندر — أين من هم ملوك أرضات
أين من ملأ ملكه عدلا — ذا سمي[1] الخليل خيرات
أين ملاك ملك بيجافور — عادلين با الكرامات
حال جبروتهم توى طرا — في كتاب للذي لعنايات
حاكم عادل لبشير الدين — صاحب الفضل والكرامات
فاضل باذل فقيد المثل — بارع جامع الكمالات
فيضه في الورى لقد عم — من تصانيفه العجيبات
صنف ذالك الكتاب هدى — للبرايا إلى السعادات
جمع فيه من سوانحهم — ألف فيه كل حالات
لو يباع بوزنه ذهبا — كان من باعه بحسرات
أرخ طبعه أبو الخير — أحقر الخلق والبريات

جاء تاريخه من القرآن[2]
إن في ذلك لآيت[3]
سنہ ۱۳۳۲ ہجری

[1] یعنی ابراہیم عادل شاہ ۱۲

تقریظ بر کتاب تاریخ واقعات مملکت بیجاپور مولفۂ مخدومی مولانا و بالفضل اولنا جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب دام اقبالہم اول تعلقدار ریاست نظام حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و افاض علی العلمین برہ و احسانہ نوشتۂ جناب مولوی سید غوث محی الدین صاحب ایجاد دوم تعلقہ دار وظیفہ یاب حال ناظم عدالت سمستان گدوال ضلع رائچور

خوشا النسخۂ چشم روشنی دہ کہ سواد ش چوں سواد چشم آئینہ پرواز بینائی است۔ وحبذا صحیفۂ فرخ آثار کہ صفحۂ رنگینش چوں چشم گل سرخروی حکایت واقعات آرائی۔ سطورش چوں ابروانِ خوش چشماں ناصیہ دار اداہاے روشن۔ وحروفش چوں دیدۂ آہو نگاہانِ براشاراتِ غریب سیاہی زن اگر الف است چوں نگاہِ سعادتمندانِ علم افراز فرخ فالی است۔ و اگر با است چوں ابروے دولتمنداں سفینہ پرداز خوش حالی اگر جیم است چوں چشم آہو سیاہ خیمہ لیلاے فصاحت است۔ و اگر را است چوں مژدۂ خوشرویانِ کلید گنجینۂ بلاغت۔ حرف حرفش بر وفورِ متانت و صداقت دال است و ہر نقطہ اش مہر گنجینۂ کمال۔ نقطہ اش چوں خالِ چشم خوباں سیاہی دہ دیدۂ فرخندگی است وجلوۂ معانیِ صافی از سواد عباراتش چوں جلوۂ آب زندگی۔ تجلّیِ بین السطور چوں شعاعِ چشم خورشید روشنی بخش چہرۂ متانت است۔ و معانی رنگینش چوں رخسارِ ارغوان غازہ پرداز روے سلاست۔ نثری است کہ نظم ثریا بروے نثار است۔ و انتظام سلک کہکشاں پیش آن بے اعتبار۔ ہر صفحہ اش جواہر نگار است۔ بلکہ سراسر گلزار۔ مدادش روشن تراز چشم غزال است۔ و دودہ اش سیاہ تراز زلف وخال۔ گویا مصداق۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحراً نثر ہذا است وسحر بابل عبارت از ہمین انشا تاریخی است کہ احوالِ سلاطین از آن آشکار۔ وحکایاتش نگارین تراز باغ و بہار۔ قصہ ایست مرغوب تراز سخنِ شاخ نبات۔ و داستانے است کہ روانی بیانش جان بخش تراز آبِ حیات۔ تذکرہ اش حکامِ ماسلف را زندہ ساختہ۔ وسامعہ را بجواہر زواہر واقعات دلچسپ پرداختہ۔ بیان عماراتش کہ الحال از بود و باشِ حکام سلف برکنار۔ گویا مصداقِ فَاعْتَبِرُوْا یا اولی الابصار۔ از انجاکہ مطالعہ تالیف ہذا خبر از طبعِ نقادِ مولف می دہد ہمان بہ کہ اولاً بدعائے ارتقائے مدارج مولف یعنی مخدومی مطاعی جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب اول تعلقہ دار

ضلع رائچور دام مجدہم پردازم۔ وثانیاً قطعۂ تاریخش کہ در صنعتِ ملفوظی است بیان سازم ؎

یا خدا بخت او ہمایوں باد	شوکتش نیز روز افزوں باد
آنکہ ز آہنگ عزم او ہر دم	کاروبارِ جہاں بہ قانوں باد
سازِ آوازۂ لیاقتِ او	نغمہ پردازِ ربع مسکوں باد
ایں دعا می کنم کہ عشرتِ او	در تسلسل چو دورِ گردوں باد

قطعۂ تاریخ بہ صنعت ملفوظی

؎

عجائب نسخۂ دلچسپ مرغوب

کہ طبع از دیدنش گردیدہ محظوظ

سراپا دیدہ ریزی چوں نمودم

دال۔ ہا

۳۵-۶

۴۱

سنش تالیف خوب آمد بملفوظ

تا الف لام یا فا خا واو با

۹۲ ۱۲ ہجری

۴۱

۱۳۳۳ ہجری

قطعہ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس تھلی ضلع ساکن

"قطعۂ سال تالیف واقعۂ شہنشاہان بیجاپور"

۱۹۱۴ء

۴۰	مدیح خلق خدا پر کمال ذی جوہر	۲۰۰	۷۰۰	ذہین وزیرک و معجز مقال اہل شعور	
۹۰	صلاح کار نکو مولوی بشیر احمد	۴	۳	جو رائچور کے حاکم ہیں نامی و مشہور	

۵	ہیں ان کے والد ماجد وہی بہشت نصیب	۲	۳	جناب[۵۱] حافظ مرحوم دہلوی مغفور
۱	انھیں کی لکھی ہے بیجانگر کی وہ تاریخ	۶۰۰	۲۰	کہ جس کے نام[۵۲] میں تاریخ طبع ہی مستور
۵۰	"نشاط عمر" بھی ہے آپ ہی کی طبّاعی	۱۰	۳۰	لکھی گئی ہے جو وقتِ قیام لنگسور
۱	اک اس کا حصۂ اول "حرز طفلاں" ہے	۱۰	۲۰	کہ جس کے لکھنے پر اخلاق نے کیا مجبور
۷۰	"عصائے پیری" اسی کا ہے حصۂ آخر	۲۰۰	۲۰	کہ زیر طبع ہے اِن کو خدا کرے ماجور
۷۰	علاوہ اِس کے کئی اور بھی ہیں تصنیفات	۴۰۰	۲۰	کہ ہے مفید ہر اک از پے اُناث وذکور
۲۰	کتابت اِن کی تصانیف کی دبیر فلک	۲۰	۲۰	کرے زمین پر اگر تو کیا یہ کچھ ہے دور
۴۰۰	تمام علم کی دنیا میں دیکھئے پھر کے	۱۰	۴۰	مصنفوں میں کہاں ان کا ہی نہیں مذکور
۹	طبیعت ایسی خداداد پائی ہے پرزور	۲۰۰	۱۰۰	قلم اُٹھائے کوئی کیا مجال اِن کے حضور
۴۰۰	تبحر ان کو ہے کس علم میں نہیں حاصل	۳۰	۱	اصول و فقہ و تواریخ ادب ہی سب میں عبور
۲	بہت سے اور ہیں اوصاف اِن کے اخلاق	۱۰	۱۰۰	قلم کو شرح میں جس کی ہے اعتراف قصور
۴۰	مذاقِ طبع نے چھوڑا نہ بے قلم اُٹھوائے	۱۰	۱	اگرچہ دل ہی ابھی حادثات سے رنجور
۳۰	لکھا یہ تذکرہ پھر اب شہان عادل کا	۱	۲۰۰	روا ہے اس کو اگر کہیئے گوہر منثور
۱۰۰	قریب تر ہے زمانہ کہ چھپ کے شائع ہو	۶	۳	جناب حضرت باری کو ہے اگر منظور
۱	اب اس کتاب کا درکار ہے جو نام ایسا	۱	۲۰	کہ فارسی سن تالیف بھی ہو اس میں ظہور
۳	چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار	۲۰۰	۲۰	کہو کہ "واقعۂ خسروان بیجاپور"

سنہ ۱۳۳۲ھ — سنہ ۱۹۱۴ء — سنہ ۱۳۲۱ فصلی — سنہ ۱۳۲۳ فارسی

ولہ

خداوند عالم کا شکر و سپاس — کہ فرماں روایانِ عادل کا حال

---

[۵۱] جناب حافظ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم سے مراد ہے ۱۲

[۵۲] نام "تاریخ بیجانگر" ہی۔ اُس میں تاریخ طبع سنہ ۱۹۱۱ء از روے قاعدہ زبر بیّنات نکلتی ہی ۱۲

نوٹ۔ واضح ہو کہ ہر مصرعۂ اول کے پہلے حروف کے مجموعے سے سنہ ہجری اور انھیں مصرعوں کے آخر حروف کے مجموعے سے سنہ عیسوی اور ہر دوسرے مصرعہ کے پہلے حروف کے مجموعے سے سنہ فصلی نکلتا ہی۔

بتصریح لکھ کر ہوے فارغ آج — جناب بشیر احمد خوش خیال
عبث ہے تجھے اتنی فکر و تلاش — سن و سال تالیف کا کیا ہی کال
صریر قلم کہہ رہی ہے لطیف — "یہہ تاریخ لکھی گئی بے مثال"

سنہ ۱۹۱۴ء

ولہ

یہہ جواب کے بشیر نے تاریخ — روح بخش قلوب لکھی ہے
من و عن حالت شہ عادل — پاک وصاف از عیوب لکھی ہے
حق ہے لکھیئے جو اس کی یہہ تاریخ — کہ "یہہ تاریخ خوب لکھی ہے"

سنہ ۱۹۱۴ء

ولہ

لکھے گئے وقائع عادل شہی جو یہہ — ہم اور آپ اس کی ستایش کریں گے کیا
خود کہہ رہا ہی مصرعۂ تاریخ ای لطیف — "تاریخ کیا بشیر نے لکھی ہی بے بہا"

سنہ ۱۹۱۴ء

ولہ

ای بشیر الدین احمد آپ نے یہہ تذکرہ — لایق توصیف و تحسین خوب لکھا واہ واہ
کھینچ کر تصویر ساری سلطنت کی یک قلم — با سر و سامان خود و خنجر و فیل و سپاہ
پھونک دی اک روح اس میں آپنے ایسی پھر — جی اُٹھے شاہان بیجاپور با تخت و کلاہ
سیکڑوں جانیں نثار اس آپکے اعجاز پر — صدقے اس دست و قلم کے لاکھوں دل شام و پگاہ
کون سی ہی وہ جگہ اس کا جہاں چرچا نہیں — ہر کہیں مذکور اس کا رات دن ہی خواہ مخواہ
مفت ہی یہہ موتیوں کے مول بھی یہہ مفت ہے — معنی و الفاظ پر جو ڈالئے گہری نگاہ
اس دُر افشانی کو سمجھے ہر کوئی کیا بالعموم — قدر گوہر جوہری داند کہ داند بادشاہ
حسن بندش کے ہیں خود اس کے مضامین معترف — اس کی خوبی پر ہی اس کا فقرہ فقرہ خود گواہ
کس کی کس کی ہم کریں تعریف منہ میں اک زباں — لفظ لفظ و حرف حرف و نقطہ نقطہ داد خواہ

ہاں باقبال حروف بانقط کیئے تو ھم
کہہ دیں سال اس کا وو یہہ ہی تاریخ عادل بادشاہ"

سنہ ۱۳۳۲ ہجری

ولہ

بشیر نے جو یہ تاریخ ملک بیجاپور | بہ جاں فشانی و سعی بلیغ لکھی ہی
اب اس کی پوچھے کوئی یا نقط اگر تاریخ | تو بس یہ کہہ دو کہ "تاریخ بادشاہی ہی"
سنہ ۱۳۳۲ھ

"تواریخ بسوط شہان بیجاپور"
سنہ ۱۹۱۴ع

ولہ تاریخ طبع

(۵) ہوا ہی جو یہ چھپ کے مطبوع عام (۳۰) (۷۰) عدیل و نظیر اپنی ہی آپ ہی (۱۰)
(۳۰) لکھی جس نے تاریخ بیجانگر (۲۰۰) (۴۰) مولف ہی اس تذکرے کا وہی (۱۰)
(۶) وضاحت پہ ہی اس کی دانش فدا (۱) (۴۰۰) تصدق وضاحت بریں آگہی (۱۰)
(۱) اب اس کی ہی مطلوب تاریخ طبع (۷۰) (۲۰) کرے فکر اس میں نہ کچھ کوتہی (۱۰)
(۶۰) سخی سے بھلا سوم جو دے جواب (۲) (۳) جو کہنا ہو کل وہ کہے آج ہی (۱۰)
(۱) اگر کامیابی نہ ہجری میں ہو (۶) (۴۰۰) تو منقوطہ حرفوں میں فصلی سہی (۱۰)
(۱۰) یہ مصرع نہایت ہی موزوں لطیف (۸۰) (۴۰۰) تواریخ مبسوط عادل شہی (۱۰)

۱۱۳ ۳۹۹ سنہ ۱۳۳۲ھ سنہ ۱۳۲۲ فصلی (ہندی) ۷۰

۱۱۳ + ۳۹۹ + ۱۳۳۲ھ - ۷۰ = سنہ ۱۹۱۵ع

قطعات تاریخ نوشتہ جناب سید نصیر الدین شاہ صاحب قادری جاگیردار آناہسور وغیرہ ضلع رائچور

بشیر احمد کہ ماہ و سالش | فزوں کند رب ذوالجلالش
بود مدام از خزان آفت | بامن حق جملہ نونہالش

سلہ آپ سید شاہ احمد صاحب نبیرۂ قادری جاگیردار آناہسور کے فرزند اکبر ہیں۔ آپ کو بیجاپور میں بھی معاش ہی یہ مواضع بھی آپ کے خاندان سلاطین عادل شاہیہ کے زمانہ سے جاگیر ہیں ۲ آناہسور کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کنڑی زبان میں آنا ہاتھی کو کہتے ہیں ہس نیا۔ اور گاؤں یعنی ہاتھیوں کے رہنے کا نیا گاؤں۔ چوں کہ سلاطین عادل شاہیہ کے ہاتھی بوجہ قرب رود کشنا اس جگہ رہتے تھے لہذا یہ نام پڑ گیا۔ ۱۲

فرید دھر و وحید عالم   بذی کمالی زہے کمالش

پدر مقدس پسر مکرم   ستودہ ہر یک بحسن حالش

دل خلایق مسخر او   بحسن انصاف و خوش خصالش

نوشت تاریخ بیجاپوری   ندید چشم کسے مثالش

قلم بھر قصۂ کہ برداشت   عیاں نمودہ نہفتہ حالش

چو فکر کردم بسال فصلی   ہمایوں تاریخ "گشت سالش"

سنہ ۱۳۲۳ فصلی

و لہٗ

بشیر الدین احمد ذی کمالے   کہ باشد مہربانش ذوالجلالے

زہے ذی عقل و ذی تمیز و ذی ہوش   بہ نوشان خوش خوئی بلانوش

کسے ہم پایۂ او در بشر نیست   اگر کس ہست چوں او داد گر نیست

زہے انصاف پرور عدل گستر   تعلقداریش زیبد سراسر

از و شمع عدالت ہست روشن   زمین ضلع رشک دشت ایمن

ستم در بند و عدل و داد از وے   رعیت شاد و ملک آباد از وے

کسے را بر کسے نی چیرہ دستی   سر افگندہ ہمہ بر حق پرستی

خلاف ضابطہ ہرگز نبوید   اگر جوید صلاح کار جوید

بدستش در فراخی تنگ دستی   کف جودش کفیل سرپرستی

بہ تحریر و بہ تقریر و بہ تصنیف   بروں تعریف او از حد تعریف

از و روے کمال و علم و پر نور   ز دلہا تیرگی جہل از و دور

جوابش نیست در شیریں کلامی   در آفاق آمدہ نامی گرامی

کتابے چند کو تالیف فرمود   ہمہ تعریف بر تعریف افزود

بخوبی ہر یکے بس بے مثال است   کرا مانند تالیفش مجال است

در آں شہر یکہ بیجاپور گویند   ز خاک او سرور و سوز جویند

بعادل شاہ بودہ پایۂ تخت   گرفتہ بہترین سرمایہ بخت

کنوں تاریخ او خوش تر نوشت است
درآں تخم نکونامیست کشت است

بود تاریخ بیجاپور نامش
کہ شد در ساعتِ نیک اختتامش

ہمہ از عیب پاک و بے نظیرے
صفا بخشندۂ روشن ضمیرے

ہر اک نقل است ایں تاریخ اصل است ۱۳۳۲ھ
باصل و نقل خیلے فرق و فصل است

گل گلزار خوبی حرف حرفش
صریر خامہ نغمہ سنج وصفش

ہر فقرہ سودہ مشک و عنبر
مشام جان و دل از وے معطر

بوئے خوبیش دل باغ باغ است
رہ گل گشت گلشن بے چراغ است

جز یں اوصاف او ہم بس دراز است
دعاگو را ازاں فرق نیاز است

بود تا ایں کتب اندر زمانہ
الٰہی باد نامش جاودانہ

زمانے در تجسس چوں سر آمد
سنش از کار عادل شہ برآمد

بطرز نو دگر چوں پافشردم
کہ حرف بانقط آید بدستم

زہاتف آمد ایں مصرع بمسموع
چہ شد تاریخ بیجاپور مطبوع
سنہ ۱۳۳۲ھ

ولہ

کرم تم پہ اللہ کا اے بشیر
لکھی تم نے تاریخ کیا بے نظیر

یہ مرغوب ہے سب کو مطلوب ہے
یہ مقبول ہے سب کو محبوب ہے

ہر اک قصہ اچھے سے اچھا لکھا
حقیقت کو لفظوں میں دکھلا دیا

کوئی اس سے تاریخ بہتر نہیں
جو باطل کہے اس کو حق پر نہیں

حروف اس کے ہیں باغ فرحت کے پھول
نہ ہو دیکھ کر جس کو کوئی ملول

یہ ہے راحت جان و آرام دل
یہی غم ربا ہے۔ یہی غم گسل

پدر جس مصنف کا ہووے نذیر
نہ کیوں اُس کی تصنیف ہو بے نظیر

پسر بھی مصنف ہے مثل پدر
وہ مہر سپہر سخن یہ قمر

زیادہ کروں اور تعریف کیا
بڑی بات اور مُنہ ہے چھوٹا مرا

سن طبع کی جب ہوئی جستجو
ہوئی با نقط حرف سے دو بدو

وہیں یہ ندا غیب سے آگئی
ہوئی طبع تاریخ عادل شہی
سنہ ۱۳۳۲ھ

ولہ

ای بشیر الدین احمد دادگر نصفت پناہ — فرق اقدس پر رہے سایہ فگن ظل الہ
آپ راضی خلق سے اور خالق راضی آپ سے — آپ سب کے خیر خواہ اور آپ کے سب خیر خواہ
جب کہ لکھی آپ نے تاریخ بیجاپور کی — دل سے ہر اک کے نکل آئی صدائے واہ واہ
کر سکے گا کوئی کیا تعریف اس تاریخ کی — اس کی خوبی پر ہی اس کا فقرہ فقرہ خود گواہ
ہاتف غیبی نے سال عیسوی اس کا لکھا — ای بشیر الدین یہ تاریخ ہی کیا واہ واہ

سنہ ۱۹۱۴ع

ولہ

افتخار زماں بشیر الدین — کز مشاہیر دہلی و دکن است
بارک اللہ بہ مسند تالیف — پہلوے والد خودش بہ نشست
فن تاریخ او کمال گرفت — کلک جملہ مورخاں بہ شکست
سیر خسروان بیجاپور — ضبط تحریر ساختہ سر دست
۱۳۶۱-۲۸ھ ۱۳۳۳ھ
فکر ازاں چوں حساب ہجری جست — از درونش عدد برون بر جست
سوی خواستم چو از ہاتف — گفت او مخزن تواریخ است

سنہ ۱۹۱۴ع

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب ابو المعانی سید منتجب الدین صاحب تجلّی صدر خزانہ دار ضلع رائچور

چھپ گئی تاریخ بیجاپور کی — بے عدیل و بے نظیر و بے بدل
یہ شجر وہ ہی کہ جس میں سیکڑوں — تجربے کے پھول ہیں حکمت کے پھل
ای بشیر الدین احمد آفریں — خوب پھر تاریخ لکھی برمحل
طبع والا حکم راں خامہ یہ ہی — دو قدم آگے ہوا سے بڑھ کے چل
عادل و نصفت شعار و ذی حشم — متقی ہو اور عالم با عمل
خوش نصیب و خوش لیاقت خوش خیال — نیک طینت پاک باطن بے بدل
کار سرکاری سے گو فرصت نہیں — قیمتی ہی آپ کا اک ایک پل
پھر بھی وہ لکھیں کتابیں آپ نے — نام ہوگا آپ کا ضرب المثل

بہرہ ور اس گنج سے ہو اک جہاں — اس شجر سے قوم کھائے نیک پھل
سعی ہو مشکور عالم آپ کی — آپ کو اللہ دے اس کا بدل
ای تجلیؔ لکھ دے اس کا سالِ طبع — واہ کیا تاریخ ہی یہ بے بدل

سنہ ۱۳۳۲ھ

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی محمد عزیز الرحمن صاحب سررشتہ دار محکمۂ اول تعلقہ داری ضلع رایچور

وہ بشیر الدین احمد صاحب عالی وقار — جن کو دی رایچور کی ہی حق نے اعلیٰ افسری
ہیں تعلق دار اور ناظم بھی ہیں اس ضلع کے — جن کی نظروں میں مساوی سب ہیں درویش و غنی
عدل میں خلق و مروّت میں نہیں جن کی نظیر — اور نہیں جن پر لیاقت میں کسی کو برتری
یہ مسلّم ہی بلاغت میں نہیں اُن کی مثال — کیا فصاحت کا بیاں جن کی زباں ہو دہلوی
بے نشاں نام ستم ہی بے پتہ ہی نام ظلم — شیر کے پہلو میں بے فکری سے ہی بکری کھڑی
یاں نہیں چلتی سفارش اور نہیں چلتا ہی زور — ہاں مگر کرتی اثر ہی بے کسوں کی بے کسی
کس میں ہمت ہی کہ وہ یاں مرد میداں بن کے آئے — بھول بیٹھا ہی یہاں رستم بھی اپنی رستمی
جو ستم گر بن کے آیا ٹھوکریں کھا کر گیا — جم کے رہنا اُس کو دوبھر ہو گیا یاں دو گھڑی
ہر کس و ناکس کی لگتی داد ہی اس جا ضرور — دال گلتی یاں نہیں ہرگز کسی مغرور کی
شیر غرّاں چلتے تھے وہ شیر قالیں بن گئے — نقش بر دیوار ہیں بھولے ہوئے ہیں برہمی
ظلم سے کان آشنا ہوتے نہیں یاں پر مگر — آشنا دریائے نصفت کے ہیں درویش و غنی
یہ نذیر احمدؒ کے ہیں فرزند جو تھے بے نظیر — شہرۂ آفاق تھی جن کی زبانِ پارسی
ترجمہ قرآن کا اُردو میں کیا اچھا کیا — کیوں نہ ہو حاصل تھا اُن کو علم دینی دنیوی
وہ لیاقت وہ بلاغت اور وہ میٹھی بول چال — اِن کی اُردو کا تو کیا کہنا زباں تھی مادری
یہ خلف مثل پدر ہیں خُلق میں انصاف میں — اور لیاقت میں فصاحت میں زباں دانی میں بھی
اُن کی تصنیفات جس جس فن میں تھیں اِن کی بھی ہیں — آپ نے کس بات میں چھوڑی ہی اُن کی پیروی
اِن کی تصنیفات کی تعریف ادا کیا ہو سکے — ہی فصاحت اور بلاغت اِن کی گھٹی میں پڑی
حال میں لکھے ہیں عادل شاہیوں کے واقعات — جن کے قبضے میں تھی بیجاپور کی شاہنشہی

اس کے لکھنے میں اُٹھائی ہے وہ محنت آپ نے ۔۔۔ دن تو دن تھا پر گزر جاتی تھی اکثر رات بھی
سب پراگندہ تھا دفتر اور پریشاں تھے ورق ۔۔۔ منضبط با قاعدہ تاریخ واں کی کچھ نہ تھی
جب ورق اُلٹیں ہزاروں بات ملتی ایک ہے ۔۔۔ اِس لئے تاریخ کا لکھنا نہ تھا آساں کبھی
جتنے ناسفتہ درِ مضموں تھے وہ سفتہ ہوئے ۔۔۔ جتنے تھے بکھرے ہوئے موتی بنا دی اک لڑی
ہاں سنبھالو اب سنبھالو پھر نہیں بکھریں گے یہ ۔۔۔ جتنی زلفیں تھیں پریشاں اُن کی چوٹی گندھ گئی
جب سخن گفتن مساوی بکر جاں سفتن کے ہے ۔۔۔ حیف ہے پھر بھی اگر پبلک نے قدر اُس کی نہ کی
ہے زبان و خامہ قاصر مدح میں ممدوح کے ۔۔۔ جتنی ہو تعریف اُس سے بھی ہے اُن کو برتری
اُن کے اوصاف حمیدہ کا بیاں کیا مجھ سے ہو ۔۔۔ چاہئے اِس کو لیاقت اور مشق شاعری
کیا ثنا خوانی۔ ادا میں نے کیا ہے اپنا فرض ۔۔۔ مدح اک تاریخ لکھ کر ختم کی ممدوح کی
یوں بھی لکھنی ہے مجھے تاریخ اس تاریخ کی ۔۔۔ ہاں مگر ہو سیدھی سادی اپنی وضع و طرز کی
کی زبر اور بیّنہ کے قاعدے سے فکر جب ۔۔۔ ہاتف غیبی نے راہ غیب سے آواز دی
سر اُٹھا کر زانوے فکرت سے کہہ دو اے ندیم ۔۔۔ طبع کا سن "یہ چھپی تاریخ بیجاپور کی"

۷ ۔۔۔ ۱۹۲۲ - ۷ = ۱۹۱۵ء

ولہٗ

ای آں کہ ترا بشیر خوانند ۔۔۔ ظالم ہمہ ات نذیر خوانند
گویند ترا بشیر احمد ۔۔۔ یعنی ابن نذیر احمدؐ
کلک تو در پی عدو راند ۔۔۔ چوں تیغ بخاک خوں بفشاند
ہمت بعدو ستم نیرزد ۔۔۔ غیرت ز محب کرم نیرزد
داری تو چناں نظام اوقات ۔۔۔ نوبت ناید بہ بدل ما فات
پابندی او چنانست مشہور ۔۔۔ یلغار بیاید ار بود دور
شاہاں کہ زنند ضرب بر زر ۔۔۔ او سکّہ زدہ بقلب ہر ہر
شاہاں کہ کنند ملک گیری ۔۔۔ او ہست بفکر دست گیری
دل جوئی چناں کسے نکرد است ۔۔۔ دارد دلِ خلق در کفِ دست

او خود بیدار و فتنہ در خواب — خلق اندر خواب و خوف نایاب

دل ریش ستمگران خوں خوار — مرہم بر زخم ہر دل افگار

آں کو کہ ازو عناں بتابد — بر فرق وی سناں بتابد

ہر جملہ کہ از زباں براند — صد معنی ہا ازاں بخیزد

گیرد چو قلم کلام حاضر — مضموں گوید غلام حاضر

خط تو مثال خط محبوب — ہر نقطۂ تو چو خال مطلوب

مشغول بکار صبح تا شام — نی دست و قلم نہ او در آرام

بے شبہ چنانست دور اندیش — حیراں ست خرد نہ نکتہ سنجیش

در مثل ضخیم چوں بتابد ق — در لحظہ ازاں عبور سازد

فی الفور نکات ازاں بیابد — ہر نقص کہ باشد آں نماند

القصہ لیاقتش چہ گویم — مثلش کو در جہاں کہ جویم

کردست کنوں کتاب تصنیف — در سلسلہ اش جدید تالیف

گفتہ حالِ زمان عادل — یعنی شیر[51] شہان عادل

شاہاں کہ بدست بود دو آب[52] ق — با چنگ و رباب و بادۂ ناب

صد حیف کہ چوں سراب رفتند — افسوس کہ مثل آب رفتند

آں شوکت اکبری کجا ماند — آں فر سکندری کجا ماند

بُد مملکتِ دو آب در دست — باندست نہ جُز حباب در دست

نی افسری و نہ شان و شوکت — نی بادشہی و نی حکومت

دنیا کہ گزشتنی ست آخر ق — ایں دشت نوردنی ست آخر

مغروراں را غرور تا کے — مظلوماں صبور تا کے

ایں ماند و ماند آں نہ باقی — ہم گشتہ و گشتنی ست فانی

---

[51] مراد ہی بادشاہاں خاندان عادل شاہی بیجاپور سے ۱۲

[52] یعنی ملک دو آبہ مابین دریاے کرشنا و تنگ بھدرا۔ ۱۲

یہ کرد گیاں سزا جزا ہست — ہیچ ست ہر آنچہ ما ورا ہست
آناں کہ سلیم عقل دارند — در عقل کمال و فضل دارند
خود را بہ جہاں نہ بر سپارند — دل بستگی ہا فرو گذارند
من قصہ چہ گویم و چہ گفتم — دُر بود چہ سفتنی چہ سُفتم
احوالِ ریاست بجاپور — بود از چشمِ زمانہ مستور
او کرد رقم ز مہربانی — شرط ست ولیک قدر دانی
کم گفت کسے چنیں کتابے — شاہد بروے ہمیں کتابے
شاہی کہ بُدے شد ست کافور — شد خالی[1] سینۂ بجاپور
دہ شہ کہ براں بُدند مامور — کم شد یک عشر[2] از بجاپور
اکنوں کہ کُدام شہ نہ ماندہ — گویا شہر ست سر بریدہ[3]
سالش جُستم چو زیں رعایت — از غیب ندیم شد ہدایت
گردید سن کتاب مسطور — حالاتِ ریاستِ بجاپور
۱۳۲۵- ۲ = ۱۳۲۳ف

قطعہ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی محمد عبد الحکیم صاحب سررشتہ دار محکمۂ عالیہ صوبہ داری گلبرگہ

مورخ بشیر الدین احمد مکرّم — بعلم و ہنر ہا ز اکثر معظم
چہ عالم چہ فاضل چہ منشی کامل — بہر فن یکتاست ایں فرد کامل
بہ تالیف و تصنیف ہر چند جستم — مگر در زمانہ بہ مثلش ندیدم
نظام عادلی و بریدی و بہمن — رقم کردہ احوال ایں جملہ یک تن
سوانح بجاپوریاں چوں نوشتہ — ز ارباب تاریخ سبقت ربودہ

---

[1] صحیح نام بیجاپور ہے جس کا سینہ اُسی "ی" ہے۔ وہ خالی ہو گیا یعنی حرف یا ساقط ہو گیا تو بجاپور رہ گیا۔

[2] بیجاپور کی جگہ بجاپور بہ حذف (ی) باندھنے کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ "ی" کے عدد (۱۰) اور سلطنت بیجاپور میں اورنگ زیب ملا کر دس ہی بادشاہ ہوئے جب وہ سب گزر چکے تو اُن کی مناسبت سے (۱۰) اعداد کا مساوی حرف (ی) خارج کر دیا گیا۔ ۱۲

[3] کوئی بادشاہ اسلام نہ ہونے سے شہر بیجاپور کی رونق جاتی رہی اور وہ بے سر ہو گیا اور بیجاپور کا سر "ب" ہے جس کے دو عدد کا تخرجہ ہے۔ ۱۲

مکمّل چو تاریخ شد بیجاپوری | بشد سال تاریخ بر ما ضروری
دریں فکر و حیرت چو در خواب رفتم | صدائے خوش الحان رسیدہ بگوشم
بہ خوابم نداشد ز اسرار غیبی | بگو سال تاریخ فصلی و ہجری
بتاریخ "حسن گیر" تاریخ فصلی | بتاریخ "عمدہ" ببیں سال ہجری
سنہ ۱۳۲۳ فصلی | سنہ ۱۳۳۲ھ

وَلَہٗ

ملا از پیشگہ جناب بشیر | حکم تاریخ جب کہ احقر کو
کہا دل نے کہ نذر دے ھدیہ | "ہسٹری بیجاپور رہبر کو"

سنہ ۱۳۳۲ھ

وَلَہٗ

جب چھپ چکی یہ کتاب تاریخ | از دست و قلم جناب تاریخ
ایسی ہی یہ لاجواب تاریخ | لکھ دے تو کوئی جواب تاریخ
جب پوچھا گیا حساب تاریخ | تب میں نے کہی شتاب تاریخ
"کم یاب و لاجواب تاریخ" | نایاب و لاجواب تاریخ
سنہ ۱۳۳۳ھ | سنہ ۱۳۲۴ فصلی

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی سید فضل ستار صاحب امروہوی المتخلص بہ لااُبالی

التزام تاریخ بیجاپور | تاریخ سلاطین عادل شاہیہ مبسوط | بہین تذکرہ ملوک عادل شاہیہ
سنہ ۱۹۱۴ء | سنہ ۱۹۱۴ء | سنہ ۱۹۱۴ء

بشیر الدین احمد چوں بہ بستہ حال شاہاں را | پی تاریخ بیجاپور سال عیسوی جُستم
بر آمد لااُبالی یک ہزار و نہ صد و دہ چار | چو "ذکر اُردو شاہان عادل شاہیہ" گفتم
سنہ ۱۹۱۴ء | سنہ ۱۹۱۴ء

غلط نامہ حصۂ سوم واقعات مملکت بیجاپور

التماس ہے کہ براہ کرم پڑھنے سے پہلے ہر صاحب مندرجۂ ذیل غلطیوں کو درست کرلیں خاص کر سنہ کی غلطی جس سے واقعۂ تاریخی پر اثر پڑتا ہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱	۳	عاقِبَۃٌ	عاقِبَۃُ	۴۶	۲۱	سنہ ۱۰۹۲ع	سنہ ۱۰۹۲ھ
۲	۷	یلند	بلند	۵۳	۱	مکھار	کمھار
۳	۴	مجھے	تجھے	〃	۱۹	راجگان	راجگاں
۹	۸	لڑکے	لڑکے کو	۵۷	۳	رسلتنش	رحلتنش
〃	〃	رشتہ	رشد	۵۸	۵	الشجع	اشجع
۱۰	۹	نے	سے	۵۹	۱۵	اینکٹ	اٹیکٹ
۱۲	۲۱	الحُبَّۃ	الجُنَّۃ	۶۲	۱۰	سنہ ۱۶۶۵ھ	سنہ ۱۶۶۵ع
۱۳	۱۶	کُمْ	کُمْ	۶۶	۱۵	عجیب	عجب
۱۵	۴	دَجِھکَ	دَجُھکَ	۶۷	۱۲	کنجنٹ	کنٹنجنٹ
۱۸	۷	سر	سر	۷۰	۶	کے	کا
۲۰	۱۷	سنہ ۱۰۸۸ھ	سنہ ۱۰۷۷ھ	۷۱	۹	۰	۵
۲۳	۴	سندہ	سند	۷۳	۱۸	بڑھی	بڑی
۲۴	۷	چوبارے	چوبارے سے	۷۴	۵	پھلمینا	پھلمستا
〃	〃	چوبار	چوبارے	〃	۱۳	بڑھی	بڑھی
〃	۲۱	عاشورخانہ	عاشورخانہ	〃	۱۷	ہوئی	ہوتی
۳۲	۲	نوبت	توپ	۷۷	۹	میں	×
۳۴	۱۸	چشم	حشم	۸۰	۳	زبان	زمان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۸۲	۱۳	سنہ ۱۵۰۵ھ	سنہ ۱۰۴۸ھ	۱۱۲	آخر	ہتان	بہتان
۸۴	۹	گو	کو	۱۱۳	۱	اِلٰہَ	اِلٰہَ
۸۵	۱۰	قوت	فوت	؍؍	۳	اَتُحَمّلُ	اَتُحَمّلُ
؍؍	؍؍	سنہ ۱۰۳۲ھ	سنہ ۱۰۳۴ھ	۱۱۴	۲۰	کھپّر	کھپّر
۸۶	۱۴	جوس پیٹ	ہوس پیٹ	۱۱۵	۱۰	اسٹور	اشٹور
۸۷	۱	ملیتا	ملیپتّا	۱۱۶	۷	سنہ ۹۹۲ھ	سنہ ۹۹۰ھ
؍؍	۲۱	ملول	ملوں	۱۱۷	۱۶	قرح	فرح
۸۹	۱۲	سلامات	علامات	۱۲۲	۴	کردے	کس کر
؍؍	؍؍	ہر	ہو	۱۲۴	آخر	بِسُلطَانِ	بِسُلطَانِ
۸۹	۲۱	جو	×	۱۲۷	۳	ہمالوں	ہمایوں
۹۰	۲۰	کی ہوگی	کیا ہوگا	۱۳۰	۱۱	مباو	مباد
۹۴	۱۵	ملتی ہی	×	۱۴۴	۳	بارہ	باہر
؍؍	۲۱	ٹھان	پٹھان	۱۵۶	۱۳	سرنکاپٹن	سرنگاپٹن
۹۵	۱۲	وہ	اور	۱۵۹	۱۸	کٹّر	کٹّے
؍؍	۲۰	پاؤں	پاوَن	۱۶۳	۱۴	آتے	آئے ہیں
۹۶	۴	پک	پگ	۱۶۴	آخر	برج	برج ہی
؍؍	آخر	ہُن	پُن	۱۶۷	۱۰	قطرہ	قطرہ بھی
۱۰۵	۱۷	تھا	ہی	؍؍	؍؍	بھی	×
۱۰۷	۱۳	بھم	تیتّم	۱۶۸	آخر	دارِد	دارو
۱۱۰	۲۱	ہیں	بیں	۱۶۹	۹	Bnchv	Bnchvsaa
۱۱۱	۲۲	مل	ٹل	۱۷۱	۲	جن	جبس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۷۱	۱۲	مسکین	مکیں	۲۰۳	۱۲	نو	نا
۱۷۲	۹	میں	×	۲۰۸	۱۷	بجنت	بجنب
۱۷۷	۲۲	تلوگ	تلکوک	۲۱۱	۵	تمام	تمام ملک
"	"	بامی	نامی	"	۶	ور	در
۱۷۹	۶	کھینچی	کھنچی	۲۱۵	۱۲	وار	دار
"	۱۸	بہت	بہت	"	۲۰	بریاں	برہاں
۱۸۱	۳	اراضی	ارضی	۲۱۶	۹	خلدآبادی	خلدآباد
"	۹	ا جو	جو	۲۱۷	۳	در	ور
"	۳	سنہ ۱۰۰۱ھ	سنہ ۱۰۸۱ھ	۲۲۶	۱۵	تھا	تھا سب نے
۱۸۳	۱۶	لداؤ	لداوی	۲۲۷	۸	ہراُس	ہیں اُن
۱۸۶	۶	جبسے	(جیسے	۲۳۶	۳	اور	نور
۱۸۷	۱۲	دریاں	دربان	۲۳۸	۶	گے	×
۱۹۶	۹	سنہ ۷۶۰ھ	سنہ ۷۶۲ھ	۲۴۰	۷	راوز	روز
۱۹۹	آخر	×	عزیز[رحمۃ اللہ علیہ] قتال کا مزار دولت آباد میں ہے لیکن دولت آبادی ان کو حضرات راجو قتال حسینی پدر بزرگوار حضرت سید محمد بندہ نواز کے بھائی بتلاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔	"	آخر	السے	ایسے
				۲۴۱	۱۶	مزین	حزین
				۲۴۲	۱۵	کمان	کمان پر
				"	۲۱	دولب آباد	دولت آباد
				۲۴۴	آخر	سادہی	سادی
				۲۴۸	۲۰	یرپا	برپا
				۲۵۳	۳	اگر	×
				۲۵۹	۱	گنبد کی	گنبد کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١	٢	٣	٤	٥	٦	٧	٨
٢٦٠	آخر	صاحب	صاحب کے	٣٠٧	٣	ٹپلا	ٹپولا
٢٦٥	١٤	ٹیونز	نیونز	″	١٤	″	″
٢٧٠	٣	اور	×	″	٢٢	تورنگ	نورنگ
٢٧١	١٠	بھتیجا	بھتیجے	٣١٠	١٢	قدیم	قدیم سے
٢٨٠	١٨	ہما	ہما	″	١٤	سیاط	سپاٹ
″	″	حسناً	حسَن	٣١١	١١	سی	سعی
٢٨٢	٢٠	اور	×	″	٢٠	یار	یاب
″	″	سٹیڑم	سیرم	″	٢١	″	″
٢٨٣	٢	چپتاپور	چپتالور	٣١٧	٧	انمام	اتمام
″	٧	/	×	٣١٩	١٠	۔ دآں	رواں
″	١٧	واڑی	داڑھی	٣٢٣	١	عنبر	عنبرو
٢٨٩	٤	فتح القریب	فتح قریب	٣٢٦	٦	المَرۡءِ	اَلۡمَرۡءُ
٢٩٢	١	حودت	جودت	٣٢٨	١	پر	ہر
″	١٧	ذرلعہ	ذریعہ	″	٢	کہ	شخص
٢٩٥	٥	ہاریٹ	ہاربٹ	٣٣٢	١٧	دروازے	دروازے کی
٢٩٧	٥	کوٹرویلی	کوڑویلی	٣٣٤	آخر	٣٠	٣٠٠
٢٩٩	٩	سپیرد	پیرو	٣٣٨	١٥	بہہ	بہہ
٣٠١	١٣	سنہ ١٩١٦ء	سنہ ٩١٦ھ	٣٤٤	٤	ٹیل	ٹیبل
٣٠٤	٤	وڑاتا	وڑانا	٣٤٥	١١	جن	جو
٣٠٥	١٠	سپیر	سپرد	٣٤٦	١٣	رانی	رالی
″	٢٠	موصوف	موصوف نے	٣٥١	١	سنہ ١٨٩٢ھ	سنہ ٨٩٢ھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۳۵۵	۹	نتھاگ	فتحاگ	۳۹۴	۲۰	سہر سپہ	سہر سپہ
۳۵۶	۱۰	سندھور	سندھنور	۳۹۶	۷	سداکری	بیداکری
۵۵۷	۶	ہوا	ہوے	۳۹۹	۶	ندوز	اندوز
۳۵۹	۱	ونکیٹا	ونکپٹا	،،	آخر	نافت	یافت
۳۶۷	۱۰	قصدِ	قصد	۴۰۳	۷	مہیط	مہبط
۳۷۱	۸	الجرید	الہجریہ	۴۰۴	۳	بیونڈونہ	بیونڈونہ
۳۷۹	۱۸	حہ	چہ	،،	۱۱	شاہ	×
۳۸۰	۱۹	ممتاز	مختار	۴۰۵	۳	نادرعلی	نادعلی
۳۸۲	۲	اِس کے بعد	قبل ازین	،،	۱۲	کلیات	کلیاب
۳۸۳	۸	سنہ ۱۲۲۶ھ	سنہ ۱۲۱۶ھ	۴۱۲	۱۳	یرطھ	چرطھ
،،	۱۶	یدرگہ	بدرگہ	۴۱۳	۱۴	اس	اُس
۳۸۵	۱۷	دیون	دیلون	۴۱۴	۱۰	بیدراور	پیداوار
،،	۲۱	چاسے	جاسے	۴۱۶	۱۲	قندہاری	قندہارہی
،،	آخر	پنج	پنچ	،،	۲۲	بھیک	بھیگ
۳۸۶	۷	باپ	یاپ	۴۲۲	۲	(ہمپی)	(ہمپی
،،	۲۲	برمحیشور	برمھیشور	،،	۳	ویجانگر	ویجانگرہی
۳۹۱	۱۲	ایک	یک	۴۲۳	۶	اور	اُس نے
۳۹۳	۲	گدطو	گدڈو	،،	۲۰	لیار	طیار
،،	۳	آبادی	آبائی	۴۲۴	۲	تالاب	اورتالاب
،،	۱۳	ھرحمت	مرحمت	،،	۱۲	کے	کا
،،	۱۴	تودہ	دس	،،	آخر	سنہ ۱۵۱ھ	سنہ ۱۰۵۱ھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۴۲۶	۷	کی	کے	۴۵۴	۱۲	بر آں	بر آں یہ
۴۲۷	۳	کنکپا	کنکیاّ	۴۵۸	۱۶	لکا	بکاّ
"	۱۹	ویسی	ویسے	۴۶۸	۳	بغر	بغیر
۴۲۹	۵	گھر	گھیر	۴۶۹	۱۹	یہ	بہ
"	۷	اکھڑّے	اکھٹّے	"	۲۱	جانے	جانین
۴۳۰	۱	ماپنیاّ	مانپیاّ	۴۷۰	۱۲	سرنگ	رنگ
"	۲۰	گڈڑّو	گڈڈّو	۴۷۳	۶	اقلم	اقلیم
۴۳۶	"	ترجمہ	اور ترجمہ	۴۷۷	۱۵	جوکہ	چون کہ
۴۳۷	۲۲	معہ	×	"	آخر	پونچنے	پونہچنے
"	"	(قولی)	(قول)	۴۷۹	۱۹	اور	×
۴۳۹	۹	رسید	رسیدہ	"	۲۰	احمد خاں کے	احمد خاں
"	آخر	بیان	بیان سے	۴۸۱	۱۳	نے	×
۴۴۲	۹	اورنگ	اور رنگ	۴۸۲	"	پائے	پایۂ
۴۴۵	۲	گیوّر	گبوّر	"	"	لئے	نے
"	۱۳	فوق العادت	فوق العادت تصرف	۴۸۳	۱۶	قریب	فریب
"	۲۰	سے	کو	۴۸۴	۸	پیشہ	شہ
"	"	اور اُس	×	۴۸۷	۱۱	کاوان	گاوان
۴۴۶	۱۶	"بھاردواج"	"بہاردواج"	۴۸۸	"	کی	کیا
۴۴۹	۶	لپی	ٹپی	۴۸۹	۴	یہیں	بہیں
۴۵۰	۳	ہمین	ہمان	۵۰۰	آخر	افلاع	اقلاع
"	۱۱	گُل	کلوّ	۵۰۱	۱	پذِ	بذِ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۵۰۶	۱۳	مسجد کے	مسجد	۵۴۹	۱۶	رشد	سن رشد
۵۰۷	۱۶	کی	کی وضع کے	۵۵۰	۱۴	پیمائے	پیما
۵۰۸	آخر	بناہ	بنائے	۵۵۱	۵	آنہاے	انہاے
۵۱۶	۵	شاہیہ	شاہیہ کو	〃	۸	عفوفت	عطوفت
۵۲۳	۴	میں	×	۵۵۴	۵	صلوٰ	صلوٰا
۵۲۵	۵	بھیجے جارہے تھے	بھیجی جارہی تھی	۵۵۷	۱۱	یُبَدِّلُوْنَهُمْ	یُبَدِّلُوْنَهٗ
〃	۱۷	سنہ ۲۰۷ھ	سنہ ۲۰۷ھ کو	۵۶۲	۱۱	اِس کے	اِس
۵۲۶	۱۱	دیا	دی	۵۶۴	۱۰	گولکنڈہ کی	گولکنڈہ کے
۵۳۱	۱۰	نہیں	یہیں	۵۶۸	۱۷	قیدم	فیدم
۵۳۴	۱۲	کی ہے	کے ہیں	۵۷۰	۱۲	ڑاکہ	ڈھاکہ
〃	آخر	چاندی	چاندی	۵۷۲	۴	ہین	ہے
〃	〃	ویہ	×	〃	آخر	پٹ	پیرٹ
۵۴۲	۱۹	نلکنڈہ	نلگنڈہ	۵۷۶	۱۲	ہی ہے	ہی کی ہے
۵۴۳	۱	سہریہ	سہ ریہ	۵۷۷	۷	ینوایا	بنوایا
〃	۲۰	ترمیک	ترمبک	۵۸۰	۴	سند	سنہ
۵۴۴	۹	تخت	تحت	۵۸۷	آخر	بارودکوٹھ	باروت کوٹھا
۵۴۶	آخر	پتھریہ	پتھریہ صاف وصریح	۵۸۹	۱۹	سیٹمری	سیمٹری
•	•	•	کندہ ہی تووہی معتبر	۵۹۲	آخر	جلد جا بجا	جابجا
•	•	•	ہے۔ ۱۲۔	۵۹۳	آخر	شہر کے	×
۵۴۸	۱۰	ہیں	ہُن	۵۹۴	۳	ہے	ہے کہ
۵۴۹	۹	شریفین	شریفش	〃	۴	ہیں	ہین جن سے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۵۹۷	۱	کے	کی طرح	۶۱۴	آخر	خاص	خاصی
〃	۱۲	ے	نے	۶۱۵	۲۲	بروہاں	پردھان
۵۹۹	۷	یا	×	۶۱۷	۱۱	گوشوں	گوشوں کو
۶۰۰	۱	بیجانگر	بیجانگر کا تسلط	〃	۱۵	خیر	خیر
〃	۵	یگوڑا	یگوڑا	۶۲۰	۸	مقدمات	مقامات
۶۰۴	۱۲	ٹبوزنگ	بُوزنگ	۶۲۱	۳	کا	کار
۶۰۶	۶	الغائب	الغالب	۶۲۳	۶	ڈگلس	ڈگلس ہی
〃	۱۰	خیموں	خیموں	۶۲۶	۱۸	متاثر	متاثر
۶۰۷	۸	مارچ	مئی	۶۳۰	۸	نے	×
〃	۱۰	〃	〃	〃	۱۲	نتربتر	تتربتر
〃	۱۶	سیپیج	سیج	۶۳۱	۳	کے بیٹے	×
۶۰۹	آخر	منہ	×	۶۵۱	۱۰	بنوسے	بنولے
۶۱۰	۱۹	وَدَبَرَھا	وَدَرَھا	۶۵۷	آخر	درینوالا	درینولا
〃	۲۰	الوُّوْمِ	الدُّوْمِ	〃	〃	دوتنخواہی	دولتخواہی
۶۱۱	۱۴	۵۱۲۱	۰۱۲۱	۶۵۸	۴	اعلی افضل	اعلی فضل
۶۱۲	۱۳	تتَّبِعَ	تَتَّبِعُ	۶۶۰	۴	〃	〃
〃	〃	〃	〃	۶۶۱	۷	المثال	الامثال
〃	۱۶	حرّقوا انّہٗ	حرّقوا انّہٗ	۶۶۲	۵	دشہاے	دستہاے
〃	۱۷	ارسلو	اَرْسِلُوْا	〃	۱۹	پنجبی	پنچھی
۶۱۳	۲	دریاے	دریا	۶۶۴	۵	پڑھتی	بڑھتی
〃	۳	ونگنلٹن	ونگلٹن	〃	۷	کدمیا	کدمبا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۶۶۸	۶	دیوتم	دیونم	۶۹۷	۱۴	رَحِمَہٗ	رَحِمَہُ
۶۷۰	۴	تے	نے	″	۱۷	بَیتَوارَثُ	یَتَوارَثُ
۶۷۲	۱۷	⁂	×	″	۱۸	وَوَ	وَ
۶۸۶	۷	رائچور	گلبرگہ	۶۹۸	۹	بِعلُ	بَعلُ
۶۸۷	۶	پرگیڈ	برگیڈ	″	۱۶	اَحَدٌ ا	اَحَدٌ
″	۱۲	پھیلانے	پھیلاے	″	۱۷	لَشِیْءٌ	لَشَیْءٌ
″	″	بعد	بعض	″	″	عَجَابٌ	عُجَابٌ
۶۸۹	۴	یعنی	یعنی اللہ	۶۹۹	۴	اُتَّقُوا	اِتَّقُوا
۶۹۰	۱۵	بمبئی کا	بمبئی کے	″	۱۰	لِلَّذِی	لِذِی
″	۱۸	نُزِّل	نُزِّلُ	۷۰۰	۵	پرواز	پرداز
۶۹۲	۱۴	بکشایند	بکشانید	۷۰۱	۳	آہنگ	اہنگ
″	۱۸	ینجاہ	پنجاہ	۷۰۴	۳	پوچھئے	پوچھے
۶۹۳	آخر	الکاتئین	الکاتبین	۷۰۵	۲۲	سور	سُور
۶۹۷	۳	حسین	حسن	۷۰۶	۶	ہر	بہر
″	″	القدیمۃِ	اَلقدیمۃِ	۷۰۷	۱۳	سوی	عیسوی
″	″	مُبَنِیَّۃً	مُبَیَّنَۃً	۷۱۲	۲	الجان	الحان